بیان الاسرار

تصنیف لطیف علامہ محقق، عارفِ اوحد

ابوالفرح سید محمد فاضل الدینؒ قادری (رضوان اللہ علیہ)

کا

اُردو ترجمہ

دربار قادریہ فاضلیہ

لاہور (پاکستان)

Scanned by CamScanner

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے میرے خدا! حمد تیرے ہی لیے ہے تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں جو تو نے ہمیں اپنی توحید کی شراب کے پیالے پلا دیے ہیں اور تیرا ہی شکر ہے جو تو نے ہمیں اپنی توحید کی بے شمار نعمتوں سے مالا مال کر دیا ہے۔ اے میرے خدا! اے خداوند تو ہمیں اپنے اسرار کے انوار کی نعمتوں کی لذت سے سیر کر دے۔ اے میرے پروردگار! میرے پالنے والے ہمیں اپنے قرب کے معنوی شراب کے معطر پانیوں سے سیراب کر دے۔ ہمیں حقائق کی حقیقت کی تجلیات کے پیالوں سے تحقیق کی خالص شراب سے مست کر دے اور دقائق کے باریک رموز کے سورج کی چمک اٹھنے والی شعاعوں سے ہمیں بیدار کر دے اور توفیق کے پیالوں میں توحید اور وصل کی شراب اس طرح میرے سامنے رکھ دے جیسے کہ میرے سامنے روشنی کی شعاعیں چمک رہی ہوں اور فیض اور قبول کی شراب ساقی باقی کے ہاتھوں سے اس آدمی کی طرف لے آ جو خالی مجلس کا مکین ہے۔ الٰہی میرے سینے کو غیب کے فتوحات سے کھول دے جو تیری نظر کے انوار سے مجھے ذرہ بھر بھی اندر دل کی روشنی کے مطالعہ کرنے میں میرے علم کو زیادہ کر دے جو تیری حضوری کے نظارے سے روشنی حاصل کرتا ہو۔ اے اللہ! تیرے فیض کی شراب کے سمندروں سے ایک قطرہ مجھے کفایت کر جائے گا اور تیرے احسانات کی ایک نگاہ مجھے بے نیاز کر دے گی اور تیرے قدس کی تجلیات کی نگاہوں میں سے ایک چمک میرے حجابات کے پہاڑوں کو زیر و زبر کرنے کے لیے کافی ہے اور تیرے کرم کے سورج کی شعاعوں میں سے ایک شعاع میرے اندرونی اندھیروں کے ازالہ کے لیے بس ہے۔

اے اللہ! مجھے اپنی اور اپنے رسول کی محبت عطا فرما جو ہر زمانے میں ہر ایک کو فیض کی شراب پلانے والے ہیں اور جن کا نام مہد سے لے کر لحد تک ہر بیماری سے شفا بخش ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیرے نور اور تیرے نبی ہیں۔ آپ ان پر ایسا درود بھیجیں جس کے سمندر کی بخشش کے موتی ہر ساحل نشیں پر نچھاور ہو جائیں۔ اور جس کے باغ معانی کی خوشبوئیں ہر ایک مجتہد و کامل کو عطا کریں۔ ہمارے دلوں کو ان کے نور سے روشن کر دے اور ہمارے سینوں کو ان کے ظہور سے کھول دے اور ایسا ہی درود آپ کی آل اور صحابہ کرام پر جو آپ کے جمال کے انوار کے مظہر ہیں اور باقی لوگوں کے دلوں کو بھی آپ کے وصال کی تپک سے روشن کر دے اور آپ کے کمالات کی مجلسوں میں حاضر ہونے والوں کو کر دے اور باقی تمام تابعین اور اتقیاء پر بھی درود ہو خصوصاً آپ کے بیٹے پر جو خدا کے پیارے ہیں جو ہدایت کے جھنڈے والے کی خالص نسل میں ہیں اور جو آپ کے حقیقی نائب اور اصلی وارث ہیں یعنی شیخ ابو محمد محی الدین سید عبدالقادر جیلانی الشان سے خوش ہو اللہ انہیں ہم پر راضی رکھے۔

اس کے بعد یہ چند ایک حقائق سرمدیہ کے سورجوں کی چمکنے والی شعاعیں ہیں اور قدسی دقائق کے چاند کی چمکتی ہوئی تجلیات ہیں۔ یہ وہ ستارے ہیں جن سے کامیابی کے جلووں تک راہنمائی ہوتی ہے اور ایسی شعاعیں ہیں جن سے دنیا و آخرت کی رموز روشن ہو جاتی ہیں اور آپ کے فیض اقدس کے گھاٹ ہیں جو آپ کے نفس نفیس سے سیراب ہونے والے کے لیے پھوٹ رہے ہیں۔ جو ایک محمود قصیدہ کی تحقیق میں معادن ہیں جو وادی ایمن میں نعمتوں کے تمام بھوکوں کو سیر کرنے والا ہے اور وہ ہے قصیدہ خمریہ نوریہ جو جلیل القدر شیخ خدا تعالےٰ کے خطاب کے کلیم الاقلیم اور خدا تعالےٰ کے دروازے پر بیٹھنے والے خدا کے قرب کی لباس میں داخل ہونے والے، کبر زخار یگانہ اقطاب کی زبان پر جاری ہو جو خاتم المرسلین کے زیر سایہ خدا تعالےٰ کے خلیفہ ہیں منتخب صحابہ کرام کے بعد جن کا قدم تمام اولیاء پہلے اور پچھلوں کی گردن پر ہے۔ یہ ایسا کلام ہے جو آیات کریمہ سے اقتباس کیا گیا ہے ایسی لڑی ہے جو احادیث عظیمہ کے احکام سے منسوب ہے۔ یہ روح کا کلام ہے جس کا جمال آواز دل اور حروف کے لباس میں چمک رہا ہے اور ایسا نظام قدسی ہے جس کا کمال کلمات اور اقوال کی خلعت میں روشن ہے۔ اگر اس کے کلمات کے اسرار کی شرح میں سمندر بھی سیاہی بن جائیں تو ختم ہو جائیں اور اس کے مضامین کے حقائق کے لکھنے کے لیے درختوں کی قلمیں بن جائیں تو وہ ٹوٹ

Scanned by CamScanner

سجائیں یہ ایک پیغام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیغامات میں سے آپ کے نائب کو ملا اور ایک ہدیہ ہے جو آپ کے تحفہ جات میں سے مخزن عجائب تک پہنچا پر وارد ہوا۔

تمام تر تعریفیں خدا تعالیٰ کے لیے اور تمام درود آپ کے رسول پر کہ ہمیں اس کی نعمتوں سے مالا مال کیا اور اس کے فوائد کے لباس سے ہم کو مشرف کیا یہ ایک دسترخوان ہے جو اتارا گیا ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لیے خوشی بنا کر اور ایک فائدہ ہے جو ہمیں ہدیہ دیا گیا ہے ہمارے ظاہر کو ہر طرح کا سرور حاصل ہو رہا ہے۔ یہ ایک بیان ہے جس سے آپ کے معانی کے اسرار ظاہر ہو رہے ہیں اور آپ کے انوار کے مہمات کی توضیح ہے جو آپ کی عمارت کے سورج کے طلوع سے روشن ہے۔ اب چراغ کی حاجت نہیں رہی اس لیے کہ صبح طلوع ہو گئی ہے۔

اب میں وہ مضمون شروع کر رہا ہوں جو میرے کمزور ذہن پر محض رب جلیل کے فیض سے وارد ہوا ہے اور یہ بندہ جس پر یہ الہامات وارد ہوتے ہیں ہدایت یافتہ حضرت غوث کا محی الدین ابوالفرح محمد فاضل الدین ہے۔ اے اللہ اے پروردگار اس عاجز کے دل کو بہترین طریقہ عالیہ قادریہ کے حقائق کے سورج کے انوار سے منور کر دے اور اسے حواس معطل کر دینے والے خلل سے محفوظ کر اور اسے ان فوائد کے جمع کرنے اور ان انعامات کے تالیف کرنے کی توفیق دے تو ہی توفیق عطا کرنے والا ہے اور تیرے ہی ہاتھ میں تحقیق کی باگ ڈور ہے

جان لینا چاہیے کہ یہ اسرار جو میرے دل پر وارد ہوتے ہیں ان میں سے اکثر وہ ہیں جو میرے رب نے اوراد کی قرأت اور قرآن مجید کی تلاوت کے بعد الہام کئے اور بعض ایسے ہیں جو میرے ذہن پر فرض نمازوں کے اوقات میں وارد ہوئے اور بہت تھوڑے ایسے ہیں جو ان اوقات کے علاوہ معلوم ہوئے لیکن تمام کے تمام اس بات میں مشترک ہیں کہ یہ اس جذب کی کیفیت میں وارد ہوئے جس سے مجھے جلیل القدر شیخ نے اپنی عنایات سے مشرف فرمایا اور مجھے اپنے تحفہ جات میں سے تحفہ دیا اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کریں تو ہم سے مواخذہ نہ فرمانا۔ ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی عطا فرمانا اور جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھنا اے بخشش کرنے والے۔

پھر جاننا چاہیے کہ میں نے اس مبارک قصیدہ کی دو مرتبہ فارسی زبان میں شرح لکھی ایک کا نام تو "رموز القادریہ" ہے اور دوسری کا نام تحفہ قادری۔ لیکن میں نے ان دونوں شرحوں میں کچھ مختصر سا لکھا جو کہ میرے دل پر مقتضائے قلت کے مطابق وارد ہوا۔ معانی لکھے اور الفاظ کی تفسیر کی کچھ ظاہر مفہوم ادا کیا یا جذب کے جلوات میں سے کوئی جلوہ پایا لیکن چونکہ خدا تعالیٰ کی رحمت اور فضل جسے چاہے مخصوص کر لیتا ہے اس نے مجھے اپنے قدسی الہام سے معانی صوفیاء کی اصطلاحات کے موافق الفاظ کئے اور قدسی اصطلاحات کے مطابق حقائق سے مشرف فرمایا اس قدر کہ ان کی تحریر سے ہر بھوکا سیر ہو سکے اور ہر پیاسا حیران ان کی شراب صافی سے سیراب ہو سکے۔ میں حقیقی ساقی سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ میرے دل میں انوار تحقیق کے انگوروں کی نچوڑی ہوئی شراب انڈیل دے گا اور مجھے عجیب رموز کے پھولوں کا رس پلائے گا۔ اے میرے خداوند! مجھے تجلیات کے پیالوں سے فیض اور ارشاد کی شراب پلا تو ہی ہادی ہے اور تو ہی بھلائی کا مالک ہے

پھر معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے خدا تعالیٰ کی عطا کردہ روشنی سے اس عجیب شرح کی تحریر میں پہلے تو مفردات لغویہ کے معانی کی تحقیق کی ہے۔ پھر علم صرف کے قانون کے مطابق صیغے بیان کئے ہیں پھر اس کے بعد ضروری لغوی وضاحت پورے طریقے سے کی ہے پھر اس کے بعد میں اس قصیدہ کے اشعار کی ترکیب معانی بیان کرتا ہوں اور اس کے بعد اصطلاحات صوفیاء کے مطابق الفاظ کی تفسیر کرتا ہوں اور ان اصطلاحات کے مطابق آپ کے مبارک اشعار میں سے ہر شعر معانی واضح کرتا ہوں اور اکثر مقامات پر ملاحظہ کرو گے کہ مشیت خداوندی کے ساتھ بلاغت بھی بیان کروں گا۔ میں نے یہ سب کچھ اس لیے کیا ہے کہ ہر چھوٹے بڑے کی عام ضیافت ہو جائے

Scanned by CamScanner

اور ہر فقیر اور غنی کو پوری نسبت ہو جائے اے میرے خداوندا اس عجیب شرح اور بہدر روانہ وضاحت پورا کرنے میں میری مددان کو قبول فرمالے بخشنے والے۔اے مہربان۔اے عطا فرمانے والے ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی عنایت فرما اور آل کے مذہب پر موت کر

پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ جلیل القدر شیخ کی زبان سے ظاہر ہونے والا یہ مبارک قصیدہ اس کلام کے قبیل سے ہے کہ اللہ تعالیٰ عمر کی زبان پر کلام فرماتا ہے"یعنی یہ کلام خالص سلوک اور کمال جذب سے صادر ہوا ہے جو کہ ہدایت و کمال کا مورث ہے جب کہ نیابت حقیقت کی مقتضائے نیابت کے موافق ہے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور وہ ہم سے راضی ہوں اور جو کہ آپ کو اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال متابعت سے حاصل ہوئی ہے۔رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا جب کہ شیخ بزرگ نے اپنے قصاید میں فرمایا ہے شعر ہے۔

"میں یہ بات فخر سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ میری زبان حقیقت ترجمان سے بول رہا ہے۔

جیسا کہ آپ کے اس قول کی شرح میں عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔اور آپ نے اپنے قصاید میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اے اللہ "تو ہی مقام نیابت میں میرا مددگار رہا ہے" اور اشرف الانبیاء کے حقیقی نائب اور نبی اشرف الانبیاء کے حقیقی نائب رہے ہیں اور رسول کے افضل المرسلین حقیقی وارث ہونے میں تو ہی میرا مددگار ہے اس کا کلام وحی حق کے سایہ میں موافق اللہ کے اس قول۔ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں وہ تو وحی ہے جو ان کی طرف کی گئی اور نہیں شک کہ مقام سُکر بہ نسبت مقام صحو کے ایسی چیز ہے جس سے صاحب صحو بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔جب کہ غوث پاک کی کلام میں وارد ہے کہ" عالم ناسوت عالم ملکوت کا شیطان ہے اور عالم ملکوت عالم جبروت کا شیطان ہے اور عالم جبروت عالم لاہوت کا شیطات ہے"۔ کیونکہ ترقی سے رک جانے والا ترقی پسند کو ہلاک کرتا ہے کیونکہ وہ حقیقی عروج کی چوٹیوں تک نہیں پہنچ سکتا۔

اب معلوم ہونا چاہیے کہ شیخ بزرگ ترین کا کلام عین حقیقت محمدیہ سے صادر ہوا ہے وہ حقیقت محمدیہ جو کہ حقیقت الالٰہیہ کی بقا کے ساتھ باقی ہے اب ظاہری صورت میں تو شیخ کی زبان بول رہی ہے اور حقیقتاً وہ زبان ازلی و ابدی ہے اور جن لوگوں نے آپ کے کلام کو سُکر اور جذبہ استکمالیہ پر محمول کیا ہے ان پر حق ظاہر ہونے کے باوجود مشتبہ ہو گیا ہے اور اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہیے راہنمائی کرے اور جن لوگوں نے سُکر تو تسلیم کیا ہے لیکن اس کو سُکر محمود پر محمول کیا ہے یا یہ کہا ہے کہ شیخ بزرگ ترین سُکر دوسرے اولیاء کے سُکر کی طرح نہیں ہے وہ بھی حق کی حمایت میں منادی حق کے باوجود حق سے قاصر رہے اور تعجب تو ان لوگوں پر ہے جنہوں نے آپ کے اس کلام کو جس کو برسر عام اولیائے کاملین تک پہنچانے کا آپ کو حکم ہوا ہے کہ" میرے یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہیں" سُکر پر محمول کیا ہے کیونکہ جس کو برسر تبلیغ کا حکم ہو وہ معذور نہیں ہو سکتا۔اور یہ بات تو طے شدہ ہے کہ اہل سُکر معذور ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی سُکر کے وقت کی باتوں سے توبہ کرتے ہیں کیونکہ سُکر کا وقت "شطحیات" کا وقت ہوتا ہے اور نیابت تو اس وقت محقق ہوتی ہے جب سالک اس سے اوپر کئی منزلیں طے کر جاتا ہے کیونکہ جو دروازے سے باہر ہے وہ اپنی حیثیت کے مطابق بولتا ہے، اور جو اندر کرسی خطاب پر جلوہ افروز ہو اور وصال کی خلعت کو زیب تن کئے ہوئے اور اسرار مخصوصہ پر واقفیت رکھتا ہو

اور بقار کے نہاں خانہ میں ہو وہ ایسی بات کرے گا جو اس کے کلام کے خزانہ سے ہو اور اس کے مخفی دفینے سے ہو کیونکہ حاضر کی حالت دور اور غائب جیسی نہیں ہوتی۔ تو اولیا نے خلفا کے کلام کو سمجھنے کی کوشش کرو تو پھر یہ تمام باتیں شیخ کے فیوض اور افادات کے باعث آپ منکشف ہو جائیں گی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا

پھر یہ بھی جاننا چاہیے کہ قرآن اپنی بعض آیات کی تفسیر بعض آیات سے کرتا ہے اور یہی حال احادیث نبویہ کا ہے کیونکہ حدیث علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے جس نے قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہے اس کا راز یہ ہے کہ جن الفاظ کا مفہوم ظاہر سے نہ معلوم ہوتا ہو ان کی حقیقی مراد سے مطلع ہونا بندوں کے لیے مشکل ہے تا وقتیکہ کوئی ایسا وسیلہ نہ ہو جو مقصود کو واضح کر سکے اور وہ آیات آگہی ہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مراد پر نص ہو سکتی ہیں اور جن آیات کے مفہوم میں نص وارد نہ ہو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔ جیسا کہ متشابہات میں اہل حق کا مسلک ہے اور یہی احادیث کا ہے کیونکہ وہ بھی وحی کی ایک قسم ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر نازل ہوئی وہ بھی آپس میں ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں اور مجمل اور متشابہ کا فرق کرتی ہیں بالکل آیات کی طرح اور یہی حال صحابہ کرام اور اولیائے متقین کے کلام کا ہے خدا تعالیٰ کی ان پر خوشنودی ہو اس کے ساتھ ہی ساتھ مفسر کے لیے کوئی تناسب علمی یا حالی بھی ضروری ہے جس سے وہ اس کلام کی تفسیر کر سکے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ سے نسبت تھی یا صحابہ کرام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی اور ایسے ہی اولیا کو صحابہؓ سے ہے۔ تو ایک کامل کی کلام کی تفسیر بغیر شہادت اس کے کلام کے نصوص کے یا بغیر کسی معنوی مناسبت کے خواہ وہ کیسی ہو یا صاحب کلام کا فیض ہونا ممکن ہے اور جو آدمی بھی ان دو رکنوں کے علاوہ کوئی تفسیر کرے گا تو وہ حق کو باطل سے ملا دے گا الا ماشاء اللہ

معتبر لوگوں نے بیان کیا ہے کہ میرے استاد کے دادا یعنی مولوی عبد الحکیم صاحب سیالکوٹی قدس سرہ کو ایک قادری طریقہ کے شیخ کامل اور صاحب الوصول بزرگ یعنی شیخ بلال لاہوری نے حکم دیا کہ شیخ بزرگ ترین کی کتاب غنیۃ الطالبین کا ترجمہ کریں۔ آپ نے اس کا ترجمہ شروع کیا تو آپ ترجمہ ظاہر کلام کی مناسبت سے سوال و جواب کی صورت میں کرتے گئے آپ نے ایک دفعہ خواب دیکھا کہ ایک قہر کا ہاتھ ظاہر ہوا ہے اور آپ کو کہا گیا کہ "تم اپنے ظاہری علم کی قوت سے ہماری کلام کی تشریح کر رہے ہو جو کچھ کہ آپ سمجھ رہے ہیں آپ یہ کلام اور شرح چھوڑ دیں ورنہ تم پر قہر کی آگ برسے گی اور تم نقصان کی وادیوں میں پریشان بھٹکتے رہو گے"۔ جب آپ اس کیفیت سے بیدار ہوئے تو حکم دینے والے سے اپنا خواب بیان کیا تو حکم دینے والے نے ان کو نئی اجازت کے ساتھ فرمایا "اگر آپ تحت لفظی ترجمہ بغیر کسی کمی بیشی کے کرتے جائیں گے تو وہ درست رہے گا اور ترجمہ پورے ادب کے ساتھ ختم کر دو"۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ آپ کو ادب کی وجہ سے جناب شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ سے نسبت حاصل ہو جائے۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ایک عالم کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس مبارک قصیدہ کی شرح لکھے چنانچہ اس نے شرح لکھنا شروع کر دیا وہ اس قصیدہ کے الفاظ کے معانی وہ متعین کرتا جو اس کے ظاہری علم کے مناسب ہوتے اس کو کوئی کسی یا فضلی مناسبت نہیں تھی آخر وہ دیوانہ ہو گیا شہر کے بازاروں میں پھرتا۔ دیوانوں کی طرح پھرتا۔ مٹی وغیرہ کھاتا پھرتا اسے پاک پلید کی کوئی تمیز نہ رہ گئی۔ بالآخر لوگوں نے یہ واقعہ ایک ایسے آدمی سے بیان کیا جس کو نسبت اور ربط تھا اس نے استخارہ کیا

تو اس معلوم ہوا کہ اس نے یہ خطرناک کام کیا ہے۔ بالآخر اس کو تو یہ اور اس قصیدہ خمریہ نوریہ کے پڑھنے کا حکم دیا کہ اس میں ہر بیماری کی شفا ہے پھر کچھ مدت بعد جا کر اس عالم کی حالت درست ہوئی پھر اس نے کمال ادب حاصل کیا اور مناسبت کے لیے کوشش کی پھر اس قصیدہ کی شرح لکھنا شروع کیا یہ سب کچھ عدم مناسبت اور آنجناب کے کلام کی عدم موافقت کی وجہ سے ہوا۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم سے مواخذہ نہ فرما۔

پھر یہ بھی جان لیں کہ تمام تر تعریفیں اس اللہ پاک کے لیے ہیں جس نے اس عاصی اور گنہگار بندے پر ان دونوں مذکورہ رکنوں میں کامیابی کے متعلق محض اپنے فضل اور رحمت اور بخشش سے بہ برکت اپنے رسول نبی مکی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے احسان فرمایا ہے اور ایسا ہی احسان شیخ بزرگ ترین رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا بھی ہے۔ شہادت کلام شریف تفسیر کرنے کے متعلق تو خدا تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ اس نے مجھے آپ کی عزیز کتاب فتوح الغیب اور جلاء الخاطر اور آپ کی گرامی قدر کتاب غنیۃ الطالبین اور آپ کے قصائد کریمہ کے پڑھنے کی توفیق دی رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا اور اس محمود قصیدہ کے ہر بیت کی تفسیر میں ان مذکورہ کتابوں سے استشہاد کیا گیا ہے جب کہ عنقریب انشاء اللہ بفضل جلیل القدر شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا آپ کو معلوم ہو جائے گا اور دوسرا رکن یعنی آپ کے کلام کے معنی سمجھنے کی مناسبت تو اس کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا ہے لیکن یہ احسان کسبی نہیں بلکہ محض اس کا فضل اور احسان اور ذرہ نوازی اور بالکل اسی طرح ہے جیسے مالک اپنے غلام پر جو چیز اس کے پاس نہیں ہوتی دے کر احسان فرماتا ہے اور جیسے بادشاہ اپنی رعایا کے ایک ذلیل ترین فرد پر احسان فرماتے تو یہ اس کی طاقت سے خارج نہیں ہے اور مالک یا بادشاہ کی طرف سے یہ سلوک اسلیے ہوتا ہے کہ ان کی کمال سخاوت کا ظہور ہو یعنی ان کی سخاوت اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ ایک ایسے نکمے اور نالائق شخص تک بھی پہنچ رہی ہے یا اس آدمی کو اس کے بد اعمال سے شرمندہ کرنے کے لیے ایسا کرتا ہے۔ یعنی اے گنہگار تو تو اس درجہ کمتر تھا لیکن ہمارے کرم و بخشش کی بلندی اس قدر ہے پھر تجھے کچھ تو شرم کرنا چاہیے۔ اسی طرح کی کچھ مناسبتیں تھیں جو میں نے ذکر کر دی ہیں اور یہ بھی ایک طرح شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا احسان ہے۔ اے خداوندا جو تو نے مجھے الہام کئے ہیں ان کو تحریر کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔

پھر آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ شیخ بزرگ نے اپنی قیمتی کتاب "جلاء الخاطر" میں فرمایا ہے کہ ولی کے لیے (اسرار کو) چھپانا شرط ہے اور نبی کے لیے اظہار شرط ہے۔ ولی کا معاملہ اللہ تعالے سے ہے اگر وہ اس کے امور (معاملات) کو ظاہر کرے گا تو مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا اور اس کا حال سلب ہو جائے گا۔ اور جب اپنے معاملات کو اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ظاہر کرے گا تو اس پر نہ تو مواخذہ ہوگا اور نہ عتاب کیونکہ اس کا فاعل حقیقت میں وہ نہیں ہے بلکہ کوئی اور (اللہ تعالیٰ) ہے۔

ایک دفعہ ایک آدمی نے مجھ سے کہا "جس آدمی کو بھی کوئی واقعہ پیش آتا ہے وہ اس کو چھپائے رکھتا ہے اور آپ اس کو ظاہر کر دیتے ہیں"۔ میں نے کہا "تم پر بہت افسوس ہے ہم خود تو کوئی چیز نہیں کرتے بلکہ غلبہ کی حالت میں ظاہر ہو جاتا ہے قصداً اظہار نہیں ہوتا میرا حوض خدا تعالے کے فضل و کرم سے بھرا پڑا ہے پھر جب کوئی نیا سیلاب آجاتا ہے

Scanned by CamScanner

تو اس کے کنارے میرے ارادہ کے بغیر ہی جھک جاتے ہیں۔ آپ کا کلام مبارک ختم ہوا۔

آپ نے جو یہ فرمایا کہ "غلبہ کی حالت میں ظاہر ہو جاتا ہے" تو اس کا وہی مطلب ہے جو آپ نے اس قول میں ارشاد فرمایا "اور جب اس کے معاملات کو اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ظاہر کرے گا" اور اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے سالک پر یہ ہو جاتا ہے اور اس کے اپنے ارادہ کا ذرہ بھر بھی شائبہ نہیں رہتا تو اس وقت تمام معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہو جاتا ہے وہ کلاً وجزاً اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہوتا ہے اور آیۂ مبارکہ و ما رمیت اذ رمیت (اور جب آپ نے کنکر پھینکے تو وہ آپ نے نہیں پھینکے تھے) میں یہی اشارہ ہے اور حوض کے بھر جانے اور سیلاب آنے کا بھی یہی مطلب ہے۔ اب آپ کے اس ارشاد کا مطلب واضح ہو گیا کہ "ولی کے لیے اسرار کو چھپانا شرط ہے" یعنی جب تک اس کے وجود اور قصد کا کوئی ذرہ بھی ہے اس کے لیے اظہار جائز نہیں ہے ورنہ اس کا حال سلب ہو جائے گا اور وبال آپڑے گا۔

جب آپ یہ معلوم کر چکے تو اب معلوم ہونا چاہیے کہ شیخ بزرگ (رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا) نے جو کچھ بھی اس مبارک قصیدہ اور دوسرے ارشادہ بخش قصائد جو متضمن ہیں بہترین نعمتوں اور فوائد کو بیان فرمایا ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کے فعل اور قدرت و ارادہ سے بیان فرمایا ہے اور آپ کا اسم گرامی بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی "عبدالقادر" رضی اللہ عنہ کیونکہ غلام کے قبضہ میں جو مال اور اختیار ہے وہ صرف مالک کی طرف سے ہے کیونکہ بذات خود غلام اور اس کی تمام ملکیت مالک کی ملکیت ہے تو اس صورت میں آپ کا کلام خالص اللہ تعالیٰ کا کلام ہو گا جو کہ آپ کی زبان مبارک پر ظاہر ہوا (رضی اللہ عنہ) جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی زبان سے بولتے ہیں کلام فرماتا ہے۔

پھر جن لوگوں نے شیخ بزرگ کے کلام کو ان جیسے قصائد میں "سُکر" پر محمول کیا ہے انہوں نے آپ کے مفہوم کو نہیں سمجھا اور نہ ہی آپ کے مقام کو پہچانا ہے۔ یعنی نیابت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) جو کمال درجہ کے "صحو" اور ثابت قدمی (جو تبلیغ اور ارشادہ کے لیے لازمی ہے) کی مقتضی ہے۔

ہمارے اس کلام سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ آپ کی بیش بہا کتاب "جلاء الخاطر" کی عبارتوں کو "سکر" پر محمول کرنا ناممکن ہے بلکہ ایک گونہ غلطی ہے جو آپ کی کلام سے (رضی اللہ عنہ وارضاہ) قلت مناسبت کی وجہ سے ہوئی۔ اور شیخ بزرگ ترین کے روشن سورجوں کی شعاعوں کے اس انوار کے ریزہ چین اور آپ کے اسرار سے پیراہن حاصل کرنے والے کے دل پر کچھ اور جواب بھی جھلکیاں دکھا رہے ہیں میں وہ سائل سے عرض کرتا ہوں۔

پہلا جواب یہ ہے کہ مرید اظہار کا مجاز نہیں ہے اور "مراد" کے لیے اظہار ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ مراد کا کلام خود اللہ تعالیٰ کی مراد ہے جیسا کہ شیخ بزرگ ترین رضی اللہ عنہ وارضاہ کے کلام سے ظاہر ہو چکا ہے کہ "اے شیخ عبدالقادر تجھے میری قسم آپ بولتے جائیں میں آپ کو تردید سے محفوظ رکھوں گا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جس کو مراتب کے عدم محافظت کا خوف ہو وہ اظہار نہیں کر سکتا اور جس کی خدا تعالیٰ نے حفظ مراتب کے ساتھ تربیت کی ہو وہ اظہار کر سکتا ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ وہ طبیب حاذق جس کا کلام جسم اور روح کی پرانی بیماریوں کو شفا بخش سکتا ہو اسے بولنا چاہیے

Scanned by CamScanner

اور جو شخص اس امر کا واقف نہ ہو ایسے مدعی کو خاموش رہنا چاہیے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ جس مامور کا نفس اور کلام محجوب ہو وہ اظہار کا محتاج ہے اور جو ایسا نہ ہو وہ اظہار نہیں کر سکتا

پانچواں جواب یہ ہے کہ جسکی حقیقت کو کوئی بھی بزرگ کما حقہ نہ پا سکتا ہو اسے خود بولنا چاہیے تاکہ وہ شخص فائدہ اٹھا سکے جو شہود داعیان کی بارگاہ تک پہنچنا چاہتا ہے اور کاملین بادلیل آپ کے مقامات کے علم سے تحفظ حاصل کر سکیں یہی وجہ ہے کہ آپ کے قصائد شریفہ میں اپنے کمالات بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے جو کہ فہم و ادراک کی حدود سے خارج ہیں۔

"اور میں نے یہ بات فخر سے نہیں کہی بلکہ میری زبان حقیقت نشان سے اللہ تعالےٰ نے یہ (مایا ہے)"

"اور میں نے یہ بات فخر سے نہیں کہی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے حکم ہوا تاکہ تم میری طریقت سے واقف ہو سکو"

اور آپ نے (رضی اللہ عنہ) اپنے بیٹوں کو جو وصیتیں فرمائیں ان میں یہ بھی فرمایا کہ "مجھے دوسرے اولیاء اللہ پر قیاس مت کرو میرے اور دوسرے اولیاء اللہ میں اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کہ زمین اور آسمان میں" پھر جسے کوئی پہچان ہی نہ سکتا ہو اس سے انوار و اسرار کا استفادہ کیسے جا سکتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود اظہار کرے اور آپ کے مبارک قصائد میں یہ شعر بھی ہے۔

"میں ایک بھید ہوں اور بھید کا معنی اس ارشاد خداوندی میں ہے ویخلق مالا تعلمون (اور ایسی چیزیں بھی پیدا کرے گا جو تم نہیں جانتے) اور پھر آپ نے یہ اظہار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپ کی طرف رجوع کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ نے فرمایا تھا میں ماحی ہوں میں بغیر میم کے احمد ہوں اور میں نبی تھا اور آدم (علیہ السلام) ابھی مٹی اور پانی کی حالت میں تھے۔ آپ نے یہ اظہار صرف اس لیے کیا تھا کہ لوگوں کو آپ کی رفعت شان اور بلندئ درجات کا علم ہو جائے (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور پھر لوگ آپ سے انوار حاصل کرنے میں پوری کوشش اور راسخ ہمت سے کام لیں اور آپ کے ترقیات و درجات کریمہ کے مطابق اہتمام کریں کیونکہ مطلوب کی بلندی کے مطابق ہی کوشش ہوتی ہے۔

اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طریقہ کا اقتباس بھی تو آیات کریمہ کے ذریعہ سے جو وارد ہیں جو کہ اللہ تعالےٰ کے جلال و جمال اور گوناگون نعمتوں اور بزرگیوں کا اظہار کرتی ہیں تاکہ بندے اس کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکیں اور اس کے اجمال و تفصیل پر مطلع جیسا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں فرمایا "میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے" اور اسی طرح دوسرے انبیاء اور مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے کاملین علیہم الرضوان والتحیات سے اپنے کمالات قدسیہ کا اظہار فرمایا یہ سب کچھ محض تعلیم و اھدیٰ کے لیے ہے ورنہ کہاں مٹی کا پتلہ اور کہاں تمام تربیت کرنے والوں کا رب۔

اسی طرح مکمل اور کامل باقی الکمال اور اھدیٰ کی شراب کا پلانے والا جو نائب کامل بھی ایسی باتیں اسی طریقے سے تعلیم اور ارشاد کے لیے بیان فرماتا ہے اور اس کا یہ کلام کمال ہوشیاری اور پوری بیداری اور کامل شعور و حضور سے نبی المنصور و معموران پر زمانوں اور مہینوں کی گنتی کے مطابق رحمتیں ہوں کے سائے میں صادر ہوتا ہے۔ پھر اس کو سکر پر محمول کرنیکا

تو کوئی مقام ہی نہیں بلکہ یہ بات بے ڈھنگی ہے کیونکہ شکر متلون (جس کے مقامات بدل رہے ہوں) کا وظیفہ ہے نہ کہ کمال درجہ کے راسخ اور نہایت متمکن کا۔ جب کہ آپ نے اس قصیدہ کے آخر میں ان الفاظ سے اشارہ کیا ہے "وجدی صاحب العین الکمال" اور میرے نانا عین کمال کے مالک ہیں" آپ پر پاکیزہ درود اور آپ کی آل پر کامل ترین تحائف نازل ہوں پس وہ شخص جو نیابت کی کرسی پر متمکن ہو اور تمام مخلوق کے لیے ہدایت وارشاد کے تکیہ سے ٹیک لگائے ہو اور دونوں جہاں کی خلافت اور جن انسان کی فریادرسی کا تاج اور دونوں جہان کی خلافت کا تاج پہنے ہوئے ہو اس کے حق میں شکر تجویز کرنا کیسے جائز ہے وہ شکر کی زبان سے کیسے بول سکتا ہے کیا آپ نے کبھی غور نہیں کیا کہ بادشاہ اعظم ایک لشکری کی زبان میں حکم نامہ تحریر نہیں کرتا اگرچہ وہ کوئی بہت بڑا فوجی اور بادشاہ کا منظور نظر ہی کیوں نہ ہو۔ یہ میرے رب نے مجھے الہام فرمایا اور اس کو مقام لینے میں مجھے راسخ قدم بنایا اے میرے خداوند! مجھے غافل لوگوں کی نیند سے بیدار کر دے اور سست لوگوں کی کوتاہیوں سے محفوظ رکھ تو بہترین رحم کرنے والا ہے اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں نیکی عطا فرما اور آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ اے بخشنے والے اے پردہ پوش

مقدمہ اے پیاسے زلال تحقیق توفیق کے پیالے میں پینے کے لیے ضروری ہے کہ تو حاضر باش ہو اور جان لے کہ اس محمود قصیدہ کے اشعار مشہور نسخوں میں جو اس ملک میں پائے جاتے ہیں کل چھپن ہیں لیکن ایک صحیح نسخہ میں جو ہمیں اللہ تعالیٰ کی عنایت اور آنجناب رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے لطف وکرم سے وصول ہوا ہے اسٹھ بیت ہیں میں نے شرح لکھتے ہوئے ان تین اشعار کی طرف اشارہ کر دیا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ اور یہ بھی تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اس قصیدہ کا ہر بیت مقامات اور حقائق اور کشوف کا ایک باب ہے جیسا کہ آپ کو ہر بیت کی شرح میں انشاء اللہ معلوم ہو جائے گا لیکن ہم نے ایک طرح کے لطیف اجمال سے کام لیا ہے اور تمام اشعار کو چھ قسموں پر تقسیم کر دیا ہے۔

ایک قسم کے اشعار تو وہ ہیں جن میں وصول کا بیان معہ رتبہ احدیٰ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو محض اپنے انعام وکرام اور ارشاد سے نوازا ہے اور آپ کے رتبۂ دعوت ارشاد کا تذکرہ ہے جس میں آپ انتہائی بلندیوں پر جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا پہنچے۔

اور ایک قسم کے وہ اشعار ہیں جن میں یہ بیان ہے کہ اس مرتبہ پر کوئی بھی ولی اور قطب نہیں پہنچ سکتا جیسا کہ آپ نے اپنی بعض کلام کے دوران فرمایا کہ "میرے یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہیں۔ اور ان میں آپ کے مرتبۂ کاملہ کا بھی ذکر ہے جو آپ کو توحید اور تقریب کی حیثیت سے حاصل ہے اور آپ کے رموز پر مطلع ہونے اور خلعت اور تاج ملنے کی بزرگی کا تذکرہ ہے۔

اور ایک قسم کے وہ اشعار ہیں جن میں آپ کی ولایت اور اولیاء واقطاب کے احوال میں تصرف کا تذکرہ ہے کہ کسی کو ارشاد سے نوازیں یا کسی سے اس سند کو چھین لیں۔ جب کہ آپ نے اپنے عمدہ کلمات میں ارشاد فرمایا ہے جب کہ میں آپ کی پوری کلام جمیل اور مثال جمیل کو نقل کر دوں گا۔ اور بڑے بڑے امور میں آپ کے تصرف کی طرف اشارہ کر دوں گا جس سے

عقلیں حیران ہو جاتی ہیں اور سمجھ دار لوگ پریشان ہو جاتے ہیں مثلاً پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دینا۔ پانی کو خشک کر دینا۔ آگ کو بجھا دینا اور مردوں کو زندہ کرنا اور زمانے اور ماہ و سال کی خبریں بیان کرجانا وغیرہ وغیرہ۔

اور ایک قسم کے اشعار میں اس مرید کے متعلق جو آپ کی ارادت میں فنا ہو چکا ہے اور آپ کی بقا سے باقی رہنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے آپ کی رحمت اور شفقت کا تذکرہ ہے اور اشارہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل آسمانوں اور زمینوں میں ہوتی ہے اور ان دونوں میں آپ کا نفاذ سعادت ازلیہ کی برکت سے بجتا ہے اور تمام دور دراز ممالک حسی اور معنوی آپ کے تصرف اور مملوکیت میں اس طرح ہیں جیسے کہ عبرت کی نگاہ میں ایک رائی کا دانہ

اور ایک قسم کے اشعار وہ ہیں جن میں علم اور اس کی زینت کے ساتھ استفادہ و افادہ کی فضیلت کا اظہار ہے حالانکہ آپ کو وصول کا مرتبہ حاصل ہو چکا تھا اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی وجہ سے ہے جب کہ آپؐ نے "مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے" اور بعض متقدمین کے اس کلام کی تردید ہے کہ "علم کا مرتبہ وصول سے پہلے پہلے اور اس کے بعد علم کی کوئی ضرورت نہیں رہتی" اور یہ قول دانشوروں کے اقوال کے مخالف ہے کیا آپ غور نہیں کرتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمال اور وصال کے بعد بھی علم اور اس کے افادات کی وجہ سے فخر کرتے ہیں جیسا کہ عنقریب آپ کو صحیح احادیث سے معلوم ہو جائے گا۔ اور آپ نے اس قسم کو دیدین کے حال کے بیان سے مکمل کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ میرے قدم لوگوں کی گردن پر ہیں اور یہ اس لیے کہا ہے کہ ان لوگوں کی تردید ہو جائے تو آپ کو محض علم کے مرتبہ پر ہی فائز سمجھتے ہیں۔

اور ایک قسم کے وہ اشعار ہیں جن میں آپ نے اس علمی حقیقی مقام کے حاصل کرنے میں کوشش کرنے والے مریدوں کو مکرر تسلی فرمائی ہے جس سے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ممتاز ہوئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا اور اس نے آدم کو تمام نام سکھائے الآیۃ" اور کہا ہے "میں ارادے کا پکا ہوں ہر ایک چغلخور اور کذاب کو قتل کرنے والا ہوں اے میرے مرید تو قرب علمی اور حقیقی کے منازل قطع کرنے میں کسی قسم کا کوئی خوف نہ کر۔ پھر اس کے بعد اپنے وطن کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس نام کا تذکرہ کیا ہے جس کے ساتھ آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں خطاب کیا گیا اور مجمل طور پر اپنے مقام کا تذکرہ بھی کیا یعنی اس نہال خانہ کا جس میں محب اور محبوب کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور قصیدے کو اپنے جامع نام اور ہر کمال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ختم کیا ہے کیونکہ عین کمال کے مالک ہیں اور آپ کے نام اور نام پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ملنا عجیب لطف وہ ہے جو مخفی نہیں ہے کیونکہ نائب اپنے منوب عنہ کے قائم مقام ہوتا ہے اور ہر شش جہات میں قسمت کی تقدیس کا اعتبار ہوتا ہے کہ آپ کمالات کے اطراف اور حقائق کے آفاق کا احاطہ کرنے والے ہیں تو یہ مبارک قصیدہ حمیدہ اسم محیط فعال کا مظہر ہے جیسا کہ اس آدمی پر مخفی نہیں ہے جس کے پاس دل ہو اور کان لگائے اور حاضر ہو اے اللہ ہمیں قرآن حمید پر عمل کرنے میں ثابت قدم رکھ پھر جان لینا چاہیے کہ اس مبارک قصیدہ کی بہترین ابتدا اور انتہا میں کئی ایک مبارک وجوہات ہیں۔ ابتدا میں ایک خوبی تو حسن خط ہے اور وہ یہ ہے کہ سَقَانی اور شُفَنی کے الفاظ خط کے لحاظ سے ہم جنس ہیں اس میں یہ رمز ہے کہ جس نے محبت کے ہاتھوں سے یہ پیالے پی لیے اس نے دل کی لوگوں کی پرانی بیماریوں سے شفا حاصل کرلی تو طالب صادق کو چاہیے کہ اس صافی شافی شراب کے باقی رہنے والے پیالے پئے اور ایک خوبی معنی کے لحاظ سے

اور وہ یہ ہے کہ ردّی خواہشات جو انسان کی طبیعت میں پیوست ہیں ان کا قلع قمع اس شراب جذب کی موجب اور ان کو جلا ڈالنے کے لیے بغیر ممکن ہی نہیں ہے یہ وہ جلتی ہوئی آگ ہے جو دلوں پہ چڑھ جاتی ہے۔ سوائے وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اس روشن آگ جیسی گرم شراب کو جو تمام تمام کباب اور اخلاط جو مختلف قسم کی بیماریوں اور علتوں کے موروث ہیں جل جائیں اور ان متبرک وجوہ میں سے ایک یہ ہے کہ شیخ بزرگ ترین نے اشارہ فرمایا ہے کہ اس سفر میں پہلا زاد (خرچ) ادھی ہے اور وہ ایک جذبہ ہے جو دلوں کے تقویٰ کا باعث ہے (خدا تعالیٰ نے فرمایا) سامان زاد لو اور بہترین سامان آخرت تقویٰ ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت حاصل کرنی چاہیے۔ اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس مطلب تک پہنچنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ محبت آلیہ کے ہتھیاروں سے مسلح ہو اور حب نبوی کے سایہ میں ہو "آپ کہہ دیں کہ اگر اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم کو اپنا محبوب بنالے گا۔ پھر جو شخص چاہے کہ محبت کے اس راستہ سے گذرے تو اسے محبوب کا لباس پہن لینا چاہیے۔ اور اسی کے نشان سے اپنے آپ کو نشاندار بنا لینا چاہیے تاکہ ڈاکو اور راہزن اس کی مزاحمت نہ کرسکیں کیونکہ میرے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ہوگا" اور "اللہ کے دوستوں پہ نہ کوئی خوف ہوگا نہ غم" اور "نہ ڈرو نہ غم کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے" کیا آپ غور نہیں کرتے کہ بادشاہ کے دوست کی کوئی مزاحمت نہیں کرسکتا نہ کوئی چور نہ باغی اور نہ کوئی ڈاکو نہ راستوں میں نہ شہروں میں کیونکہ ان کو بادشاہ کے غلبہ اور ہر لحظہ اور ہر آن افواج قاہرہ سے اس کی خفیہ حفاظت کا یقین ہوتا ہے۔ کیا آپ غور نہیں کرتے کہ حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پہ قرآن مجید حروف کے لباس میں اتارا گیا لیکن اس کی حفاظت کے فرشتوں کی زبردست فوج ہمراہ متعین کی جاتی تھی اور اس پر نص یہ آیت ہے کہ "وانا لہ لحافظون" ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اور ان میں سے ایک یہ اشارہ بھی ہے کہ محبت کا جذبہ کامل کرنے کا سبب ہے جس نے اس کا مزہ چکھ لیا ہے اسے تو معلوم ہے اور جس نے نہیں چکھا وہ نہیں جانتا اور میرا خیال تو یہ ہے کہ حسن ابتدا کی وجوہ اتنی زیادہ ہیں کہ بیان کی زبان ان کو ادا کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتی اس لیے اب وجوہ اختتام کی طرف اشارہ ضروری ہے۔

ایک تو ان میں سے نہایت ہے اور وہ ابتدا کی طرف رجوع کا نام ہے جو عملی شرع اور حقیقی عروج اور کشفی نزول ہے پہلی بات تو اس لیے ہے کہ ایک مخلص سالک کے لیے ضروری ہے کہ اس کی شریعت محفوظ ہو کیونکہ ہر وہ طریقہ جس کو شریعت رد کردے وہ زندقہ (بے دینی) ہے تو شریعت الباس لبس فرض ہے اور دوسری بات اس لیے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک ثابت اور قائم وجودوں میں سے ہے اور یہی کمال ہے تو ظہور کے لحاظ سے منبع النور یعنی خالص احدیت نے اپنے انوار قدسیہ سے پوری استعداد سے ان کی تربیت فرمائی ہے (آپ نے فرمایا) میں اللہ کے نور سے ہوں ساری مخلوق میرے نور سے ہے اور اس کی تفصیل میں تو سمندر بھی ختم ہو جائیں گے اور عروج کی حیثیت سے وہ تفرق کو جمع کرنے کا وسیلہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت ایمان اور عمل صالح کے تقاضے کے مطابق نیچے سے نیچے اترنے سے حاصل ہوتا ہے "وابتغوا الیہ الوسیلۃ" نے اشارہ کیا اس کی طرف "وسیلہ کی تلاش کرو" اس کے فوائد سے ہے اور "اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو" اس کے انعامات سے ہے سارے سالکو آپ کے کرم اور احسان کے

Scanned by CamScanner

دامن کو تھام تو یہاں تک کہ آپ کو نور اور ظہور اور عروج وحضور نصیب ہو جائے

اور ان میں سے ایک یہ اشارہ بھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا کمال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص سایہ سے حاصل ہوا ہے جس کی طرف آپ نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے کہ "وانا علی قدم النبی بدر الکمال" میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر ہوں جو کمالیت کا بدر کامل ہیں" اور ایک اور قصیدہ میں آپ نے فرمایا ہے "اور میرے نانا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اصل میں میری تربیت فرمائی ہے۔

اور ان میں سے ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ آپ (رضی اللہ عنہ) کی تربیت خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہربانی سے بلاواسطہ ہوئی ہے جیسا کہ آپ نے اپنے بعض کلمات قدسیہ شریفہ میں اس کو صاف صاف بیان کیا ہے آپ نے فرمایا "اللہ اور اس کے رسول کے بعد مجھ پر اور کسی کا احسان نہیں ہے" تو شیخ بزرگ ترین رضی اللہ عنہ نے وصول کا طریقہ بلا واسطہ اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا ہے۔ آپ کے شیخ تین ہیں طریقت کے ارشاد اور خاص شراب کے حصول میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور خرقہ مبارکہ کی پوشش میں آپ کے شیخ ابوسعید مبارک مخزومی ہیں اور صحبت میں آپ کے شیخ حماد دباس ہیں اللہ ان دونوں سے خوش ہو۔

اور ان میں سے ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ آپ میں کمال درجہ کا صحو تھا (فرماتے ہیں) کہ میں نے جب بھی کبھی کوئی منزل حاصل کی یا کسی مقام پر پہنچا تو میرا تمسک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی زبان سے کوئی کلمہ ایسا نہیں جیسے دوسرے اولیاء اللہ سے صادر ہوتے رہے مثلاً "انا الحق" (میں حق ہوں) "اور میں پاک ہوں" اور یہ کلمہ کہ میرے جبہ میں سوائے خدا کے اور کوئی نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ میں ابتداء اور وسط اور انتہا میں قول، فعل، حال، مقام فنا وبقا، نزول وعروج۔ صبر اور رضا۔ توکل اور شکر وغیرہ منازل میں اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع ہوں کیونکہ وہی عین کمال ہیں اور جو بھی کمال ہے وہ آپ ہی کمال سے حاصل کیا گیا ہے اور ہر وہ کمال جس میں آپ کے دامن سے تمسک نہ کیا گیا ہو اور آپ کی طفیل سے نہ ہو وہ سراسر گمراہی اور وبال ہے یہی وجہ ہے کہ انا الحق اور سبحانی کہنے والے اس سے پناہ مانگتے تھے ایسی پناہ جو اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھینچ لائے۔ اللہ غالب کریم کے لیے پاکی ہے غوث الاعظم کا مقام کتنا بلند ہے کہ وہ گودی ہی میں اپنے نانا کی سعادت کی منہ بولتی تصویر تھے۔ اے ہمارے خداوند ہمیں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اور ہدایت اور علم اور نور میں ترقی عطا فرما۔

اور ان میں سے ایک یہ اشارہ بھی ہے کہ جس آدمی نے اپنے کام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ختم کیا اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی کیونکہ محبوب کا ذکر کرنے والا بھی محبوب ہوتا ہے کیا آپ نے سنا نہیں ہے کہ زلیخا نے خزانے ان لوگوں پر خرچ کر دیے تھے جو اس کی مجلس میں یوسف علی انبیاء وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کرتے تھے یا اس کا تذکرہ یوسف علیہ السلام کی مجلس میں کرتے تھے۔ اے مومن! کیا تجھے غیرت نہیں آتی کہ جب تیرے سامنے اللہ تعالیٰ عزاسمہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جاتا ہے تو تو اس سے غافل رہتا ہے۔ اے اللہ ہمیں ان غفلتوں سے بیدار کر دے۔

Scanned by CamScanner

اور ان میں سے ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ یہ قصیدہ قرب کے تمام منازل پر مشتمل ہے یہاں تک کہ اس کا بیان ہو جیسا کہ آپ کو انشاء اللہ معلوم ہو جائے گا اور ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ جس آدمی نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں اس قصیدے کو پڑھا وہ کمال حاصل کرے گا۔

کمال کے لفظ کو مطلق بیان کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ اس سے قاری کو مطلق کمال حاصل ہوگا علمی عملی وجودی وصولی۔ دنیاوی اور دینی اور شرعی ہر طرح کا کمال جو اس کو آخرت کی کھیتی تک پہنچا دیوے۔

اور ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ جیسے لفظ کمال کے حروف نقطوں سے خالی ہیں ایسے ہی کمال کا طالب بھی وجود نفسی سے پیدا ہونے والی خواہشات سے خالی ہو بلکہ روحی خواہشات سے بھی بلکہ ضروری ہے کہ کمال کے چشمہ سے خالص شراب پیئے اور وہ ہے ہر ماسوی اللہ سے ہر مرتبہ میں فراغت پانا یہاں تک کہ علم حقیقی بلکہ اس کے خلو سے بھی انشاء اللہ عنقریب آپ کو اس کا بیان معلوم ہو جائے گا۔

پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنا ایک ایسا امر ہے کہ وہاں تک عقل کی رسائی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اپنے رسول بھیجے جنہوں وہاں تک پہنچنے کا طریقہ بیان فرمایا کیونکہ عقل اگرچہ بعض امور میں استدلال کے بازوؤں سے اڑتی ہے لیکن اس وراء الوراء کی شان اس کے بازوؤں کو جلا ڈالتی ہے وہ ادراک سے خارج کا ادراک نہیں کر سکتی بلکہ نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کی راہ خدا تعالیٰ کے ارشادات ہیں نہ کہ عقل کیا آپ بہت سے اشراقیین کو نہیں دیکھتے کہ انھوں نے بڑی بڑی مشکل محنتیں اور مشقتیں اٹھائیں اور بڑی دقیق چیزوں کی کیفیت پر مطلع تو ہو گئے لیکن خدا تعالیٰ تک نہ پہنچ سکے اور حیرت کے بھنوروں میں پھنس گئے اور حیرت کی وادیوں میں بھٹکتے پھرے تو وصال کا عقلی طریقہ ناکمل ہے اب دو طریقے باقی ہیں پہلا طریقہ تو شریعت محمدیہ ہے جس کو قرآن نے بیان فرمایا ہے اس میں لوگوں کی ہر بیماری کی شفا ہے کوئی بھی تر اور خشک چیز ایسی نہیں جو کتاب مبین میں نہ ہو۔ پس روشن شریعت اور ملت بیضاء نے ہر طرح کے اسباب کی حاجت کو پورا کر دیا ہے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچا سکیں۔ لیکن پھر اس میں سے دو راستے پھوٹتے ہیں ایک تو محض تقلید کا راستہ ہے کہ جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اور جس سے منع فرمایا ہے اس کی تعمیل کی جاتی ہے "جو تمہیں نبی دے اسے لے لو اور جس سے روکے اس سے باز آجاؤ" ان کی ظاہری دلیل ہے نہ تو وہ اس اندازے سے تجاوز کرتے ہیں اور علتوں اور حکمتوں کو طلب کرتے ہیں بلکہ ان کا انتہائی مقصد نقل کرنا ہے وہ ناقلین صحابہ کی نقل کرتے ہیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں اور ان لوگوں کا ایمان نفس ایمان کی حیثیت سے بالکل درست ہے اس میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں ہے علماء نے کہا ہے کہ مقلد کا ایمان معتبر ہے اور اس مرتبہ کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ "تم کمزور لوگوں کا دین اختیار کرو" کیونکہ اس مقام میں شیطان مردود مزاحمت کا کوئی خوف نہیں ہوتا اگرچہ شک و شبہ کا ڈر ضرور رہتا ہے۔

اور دوسرا طریقہ استدلال اور مسائل اعتقادیہ عملیہ۔ اصولیہ۔ اور فرعیہ کی وجوہ پر اور یہ طریقہ پہلے طریقہ سے زیادہ مضبوط ہے لیکن اس میں اس شیطان کے مناظرہ کا خوف رہتا ہے جس نے چھ لاکھ سال درس دیا ہے لیکن اللہ کے

بندوں پر اس کا کوئی تسلط اور غلبہ نہیں ہے اور یہ علم اور استدلال کا طریقہ خواص علماء کا منصب ہے جیسا کہ پہلی شاخ عوام مومنین کا منصب ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت حق اور صواب کی راہنمائی کی ہے۔

اور دوسری قسم کا طریقہ احمدیہ ہے جو مخفی اسرار اور باریک نکات کا موجب ہے یہ تقلید اور استدلال کے پردوں کو پھاڑ ڈالتا ہے اور یہ ہے کشف اور معائنہ کا طریق جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس دعا میں طلب فرمایا کہ اے اللہ ہمیں اشیاء کی حقیقت اس طرح دکھا دے جیسے کہ وہ اصل میں ہیں" اور یہ اصل میں تو خواص انبیاء کا طریق ہے پھر تبعاً اولیاء اللہ کو بھی حاصل ہوا ہے اس کے لیے ایک واجب امر عایت مقدمہ ہے اور وہ ہے شریعت محمدیہ کیونکہ یہ لوگ علم اور عمل حاصل ہونے کے بعد ظاہر سے باطن کی طرف چلتے ہیں اور اپنے وجود سے کلی طور پر فنا ہو جاتے ہیں اور پھر اس سے ملاء اعلیٰ کی نہائی چوٹیوں پر پہنچ جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ذاتی توحید کی تجلی سے ان پر حق ظاہر ہو جاتا ہے اور مخلوق کی حیثیت ان سے پوشیدہ ہو جاتی ہے وہ کھلم کھلا کہہ اٹھتے ہیں کہ" اس گھر میں اللہ کے سوا کوئی رہنے والا نہیں ہے" کیا خدا تعالیٰ کے متعلق شک ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے۔

لیکن یہ طریقہ نہایت گہرا اور خالص اور جلا دینے والا ہے اس کے سمندر کی موجیں عاشقوں کے خون سے کھیلتی ہیں اور اس کے لشکر کی فوجیں مجذوبین کو اپنی تلواروں سے فنا کرتی ہیں کیونکہ یہ طریقہ خدا تعالیٰ کی تجلیات سے پیدا ہوتا ہے اس میں بذات خود تو کوئی تکرار نہیں ہے لیکن ہر سالک اور اڑنے والے اور چلنے والے اور غوطہ لگانے والے کے حالات کے مطابق اس کی کیفیات مختلف ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ اس راہ میں کبھی غرق ہونا کبھی جل جانا کبھی بجلی کبھی کڑک ہوتی رہتی ہے۔ پھر جو شخص شریعت محمدیہ کی کشتی میں سوار ہو وہ ساحل مطلوب پر پہنچ جاتا ہے ورنہ ہلاکت کے سمندر میں غرق ہونے والوں کے ساتھ ڈوب جاتا ہے یہ طریقہ حاصل ہو جانے کے بعد تو نہایت قیمتی اور مکمل ہے لیکن اس کے حصول میں ایسی شدید مزاحمتیں ہیں جو پہلے دونوں طریقوں میں نہیں ہیں پھر جس شخص نے اس راہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن تھام رکھا اور اسے مکمل ہونے کی توفیق مل گئی وہ مقام انی فنا کی پر پہنچ گیا اس کی شہادت اس آیت میں ہے الی ربك المنتهی پھر تیرے رب کی طرف اس کی انتہا ہے ایسا شخص کبریت احمر ہے روشن سورج ہے اس مقام پر کچھ لوگ اپنے درجات کے مطابق فائز ہوتے ہیں بعض ان میں سے سالک ہیں اور بعض مجذوب اور بعض دیوانے اور ہر ایک قسم میں سے قطب، غوث، ابدال، خلفاء اور نائب ہیں۔

اور نائب مطلق جو ہر زمانے میں بالزمانہ صحابہ نیابت کا لائق ہے وہ حضور غوث الاعظم ہیں جو غیر معزول نیابت خاص قیامت تک اور قیام قیامت بلکہ علی الدوام ہیں ان کا خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسا راز ہے جو دوسرے اولیاء اللہ کا نہیں ہے اور ایک ایسا نہاں خانہ ہے جو دوسرے اصفیاء کو نصیب نہیں ہے ان کا کلام تمام کلاموں کا بادشاہ ہے ان کا خطاب ایک اعلیٰ مقصد ہے آپ جو کچھ بھی بولتے ہیں وہ خالص اسرار کی زبان ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ہم نے یہ بات تجھے اس لیے بتا دی ہے تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ ہر کلام کا ایک بولنے والا ہے اور ہر ایک خطاب کا ایک مخاطب ہوتا ہے تو آپ ان لوگوں کو جو بادشاہ کے دروازہ سے باہر ہیں ان لوگوں پر قیاس نہ کریں جو دروازہ کے اندر ہیں

اور غالب بادشاہ کی مجلس میں ایک خاص نہاں خانہ میں کرسی خطاب پر جلوہ افروز ہیں۔ ان باتوں کو یاد رکھنا اے ہمارے رب اگر ہم سے کوئی بھول یا غلطی ہو جائے تو ہم سے مواخذہ نہ کرنا اور ہمیں ہدایت اور نور اور علم میں ترقی عطا فرما۔

پھر یہ بھی جان لینا چاہیے کہ شیخ بزرگ ترین رضی اللہ عنہ نے قصیدہ کی ابتداء میں اس مقام کی طرف اشارہ کیا ہے جو آپ کو اللہ عزوجل کے ساتھ حاصل ہے آپ پینے کا، محبت کا اور وصال کے پیالوں کا تذکرہ کیا ہے تاکہ طالبین کی رگیں ہیجان سے بھڑک اٹھیں اور بادشاہ کے دروازہ پر پہنچنے کے لیے کوشش سے ان کی پیشانی عرق آلود ہو جائے کیونکہ جب خوبصورت محبوب کا تذکرہ ہوتا ہے تو اس کے وصال کے طالبوں کی کوششیں از سر نو تازہ ہو جاتی ہیں اگرچہ ظلمات بشریہ کے حجاب کے تقاضے کے مطابق ان کو معاوضے کی غرض اور غرض کے معاوضے نے توقف اور غفلت کے دامن میں اٹک رکھا ہے اور اسی چیز نے اللہ تعالیٰ سے لوگوں کی طرف ان کی نگاہ پھیر رکھی ہے کیونکہ ہر ایک کی توجہ سفلہ پن اور باطل کی طرف ہے ماسوائے ان لوگوں کے تذکرہ سے نصیحت حاصل کر چکے ہیں جو وصول اور شہود محبوب اور شراب اور ساقی اور پیالوں اور طالبین کے لیے شراب کے پیالوں پر آمادہ کرتا ہے خصوصاً اس صورت میں محبوب نے اپنے چہرہ سے پردہ اٹھا دیا ہے اور جمال دشہود کی رویت میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور فضل اور بخشش کا ہاتھ کرم نوازی کر رہا ہے۔" بیشک یہ ایک نصیحت ہے جو شخص بھی چاہے اپنے رب کی طرف راہ پکڑے۔" کیا آپ نے سنا نہیں کہ جب سعاد کو اپنے عاشقوں کے تغافل دتجاہل کی خبر ملی تو اس نے ان کی قوت کو ہیجان میں لانے کے لیے اور عاشقوں کو اپنی جان نثار کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے ارادہ کر لیا اور ان لوگوں کو جو اس کے ہاں وصال کی شراب پی رہے تھے اور اس کی مجلس میں حاضر تھے کہہ دیا کہ جا کر اعلان کر دو کہ "سعاد نے ہم کو اپنے فیض تام اور تمکین عام کے پیالوں سے وصال کی شراب پلائی ہے اور ہر ایک محب کو پکارنے لگی آجاؤ آجاؤ۔" جب یہ خبر اور آوازہ مشہور ہوا تو جس آدمی نے بھی سنا اس کی طلب کی آگ بھڑک اٹھی اور اس کی طلب اور کشش کی کوشش از سر نو تازہ ہو گئی یہاں تک کہ ایک بڑھیا نے یوسف علیہ السلام کا جمال خریدنے کا قصد کر لیا اور اس کو حاصل کرنے میں اپنی تمام تر پونجی خرچ کر ڈالی۔ یہی وجہ ہے کہ حق کا راستہ طلب کرنے والوں کی تعداد بیشمار ہے "لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت سے خاص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے" پس اے طالبو! صدق اور یقین کے ساتھ آجاؤ اور اللہ تعالیٰ کی متین رسی کو مضبوطی سے تھام لو جلدی کرو جلدی کرو۔ اب تم ہو اور محبوب سلمیٰ وسعاد ہے شراب کے پیالے ہیں ارشاد کے نغمے گونج رہے ہیں اے عاشقو! اپنے آپ کو فنا اور فدا کرکے چلے آؤ "جس نے مجھے طلب کیا پا لیا اور جس نے مجھے پا لیا مجھ پر عاشق ہوا اور جس نے مجھ سے عشق کیا میں اسے قتل کر دیتا ہوں اور جسے میں قتل کر دوں میں خود اس کا معاوضہ بن جاتا ہوں" "اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں" پاک ہے وہ اللہ جس کا احسان اور بخشش بہت بڑی ہے اور اس کی ذات و برہان ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ اس کا کرم اور احسان ردی اور نکما مال لیتا ہے اور اس کے بدلے میں بڑی جزا دیتا ہے اس کی نعمتوں کا شمار بھی نہیں اور گنتی بھی نہیں ہو سکتی لے اللہ اس ممدوح قصیدہ کے معانی و اسرار کی شرح میں میرے علم اور تعلیم کو زیادہ کر دے اور مجھے نور اور ہدایت اور مضبوط عقیدہ اور اعتقاد عطا فرما۔

پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ جو قصائد کی تالیف کرنے والے ہیں اور صاف شراب پینے والے ہیں کی عادت

Scanned by CamScanner

ہوتی ہے کہ وہ اکثر ابتداء قصائد میں محبوب اور محبت اور شراب کا تذکرہ کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ طالبین کی طلب کی رگوں میں حرکت پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے جیساکہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے اور پھر اس میں اکثر وہ وصال اور غلبہ ہجر اور فراق کے زمانوں کا تذکرہ کرتے ہیں اور شیخ بزرگ ترین نے ایک نیا طریقہ اور مبارک بیان کئی وجوہات کی بنا پر اختیار فرمایا ہے

ایک وجہ تو یہ ہے کہ آپ نے پہلے محبوب پھر وصال پھر شراب اور پھر کامیابی کا تذکرہ فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک چیز کا وصال اور رویت اور جمال میسر ہو سکتا ہے اس لیے ہجر کی وجہ سے اکثر طالبوں کی ہمتیں پست ہو جاتی ہیں کیونکہ نفوس مصائب اور تکالیف کی برداشت نہیں کر سکتے اور خوشی اور آسان سفر اور حضور اور کمالات سے پُر محبوب کا نظارہ ان مشکلات کو آسان کر دیتا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ محبوب کے ساتھ وصال کا تذکرہ خصوصاً جبکہ اعلیٰ منازل کی چوٹیوں پر بلکہ لامکان بلند و بالا اور وراء الوراء مقام پر میسر آجائے ہر طالب کی رگوں کو حرکت میں لاتا ہے اور ہر کھینچنے والے کی طاقت کو خواہ وہ کمزور ہو یا طاقتور قوت دیتا ہے اور فراق کا تذکرہ بسا اوقات طالبوں کی جان کو بھاگ جانے پر اور پیچھا چھڑانے پر آمادہ کرتا ہے تو صحیح بات یہ ہے کہ وصال اور محبوب اور شراب اور ساقی اور محبوب کی محبت کا تذکرہ اس لیے کیا گیا ہے کہ طالب سالک حجاب اور فراق کے میدانوں کو طے کرنے میں زیادہ ہمت دکھائے اور وصال کی شراب کا تذکرہ جلن اور شعلے کو ٹھنڈا کر دے تو اس میں فراق اور وبال کے منازل کو قطع کرنے کی زیادہ رغبت ہے تاکہ قرب اور وصال کی شراب میسر آجائے اور حجابات کو دور کرنے اور ظلمات کا ازالہ کرنے کے کچھ قواعد اور فوائد ہیں جن سے عنقریب تم انشاء اللہ مطلع ہو جاؤ گے۔

پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ہر اچھی کلام کرنے والے اور ہر اہم کام کرنے والے پر ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد سے ابتداء کرے کیونکہ توفیق اور اس کے اسباب اتنی نعمتیں ہیں کہ جن کا شمار بھی نہیں اور گنتی بھی نہیں ہو سکتی اور پھر ایسے اہم کام کا پایۂ تکمیل پر پہنچ جانا ایک دوسری نعمت ہے تو ضروری ہے کہ وہ اپنے اوپر خدا تعالیٰ کی سابقہ نعمتوں کی حمد اور تعریف بیان کرے تاکہ خدا تعالیٰ کے فرمان کے مطابق کہ ولئن شکرتم لازیدنکم اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دونگا اس کے مقصود کا درخت پھوٹے اور بڑھے جس کو ماننے کا اس نے ارادہ کیا ہے اور اس کو خدا تعالیٰ کے فضل اور بخشش کے سمندروں سے اٹھنے والے بادل اپنی برسنے والی بارش سے سیراب کریں اور وہ دائمی برکت کا پھل دے سکے تو مبارک ہے وہ شخص جو اب درخت لگائے اور ایسی ہدایت کو پہچانے یہی وجہ ہے کہ حدیث صحیح اور خبر صریح میں بیان ہوا ہے کہ ہر وہ اہم کام جو اللہ کی حمد کے بغیر شروع کیا جائے وہ بے برکت اور نامکمل اور غیر مقبول رہ جاتا ہے اور ایک حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کی تعریف کے بغیر شروع کیا جائے" اور ایک روایت میں ہے جو اللہ کے نام کے بغیر شروع کیا جائے اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے تذکرہ کے بغیر شروع کیا جائے۔ اور ان تمام روایات کا ماحصل ایک ہی ہے اور وہ ہے خدا تعالیٰ کی صفات کمال کا بقدر طاقت تذکرہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کی تعریف کا مطلب ہر وہ کلمہ ہے جو خدا تعالیٰ تک انسان کو پہنچائے برابر ہے کہ الحمد کا لفظ ہو یا شکر کا یا ثنا کا یا ذکر کا یا بسم اللہ کا وغیر ذلک۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خط اپنے اطراف کے بادشاہوں کی طرف لکھے تھے ان پر صرف بسم اللہ ہی لکھی تھی کیونکہ وہ علی وجہ الکمال خدا تعالیٰ کی صفات پر دلالت کرتی ہے جیساکہ آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

Scanned by CamScanner

اور ابن حاجب نے جو یہ توجیہ کی ہے کہ آپ نے صرف تسمیہ پر اس لیے اکتفا کیا ہے کہ معاہدوں اور رسائل کا معاملہ "بڑے امور" سے چونکہ درجہ کا ہوتا ہے لہذا آپ نے صرف بسم اللہ کہنے پر ہی اکتفا کر لیا یہ ایک ایسی بات ہے جسے معمولی علم والا آدمی بھی قبول نہیں کر سکتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدے اور مکتوبات "بڑے کام" ہی تو تھے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے لوگوں کے رسائل میں تو یہ عذر قبول کیا جا سکتا ہے اور پھر اس میں بحث کا میدان وسیع ہے چونکہ یہ رسائل دین کے عظیم کاموں سے متعلق تھے تو اعتبار تو مکتوب کے مضمون کا ہوگا نہ اس کا کہ وہ ایک چھوٹا رسالہ یا کتاب ہے تو یہی بات کا زیادہ حق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے اور چونکہ حکم صرف اتنا تھا کہ ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی صفات کمال کا اظہار کیا جائے اور بسم اللہ میں یہ مضمون پوری طرح سے چند وجوہ سے آجاتا ہے ان وجوہات کو انشاء اللہ العزیز آپ معلوم کر لیں گے تو شیخ بزرگ ترین رضی اللہ عنہ نے صرف بسم اللہ لکھنے پر اکتفا کیا اور الحمد کے الفاظ سے حمد بیان نہ کی یا اور کوئی ایسے لفظ سوائے بسم اللہ ادا نہیں کئے۔

اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ ہاں آپ نے بسم اللہ تو لکھی اور اس سے حمد کا مضمون بھی پوری طرح ادا ہو گیا لیکن قرآن مجید میں تو دونوں عبارتیں آئی ہیں بسم اللہ بھی اور الحمد بھی تو قرآن مجید کے طرز عمل کا تقاضا یہ تھا کہ دونوں عبارتیں لکھ دی جائیں۔ تو میں اس کا یہ جواب دوں گا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رسائل میں صرف بسم اللہ پر اکتفاء کر لیا تو معلوم ہوا کہ قرآن میں جو کچھ مذکور ہوا ہے وہ اسلوبوں کے بیان کا ایک طریق ہے نہ کہ دونوں طریقوں کو جمع کرنا لازمی ہے ورنہ لازم آئے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صرف بسم اللہ لکھی تھی وہ قرآن کے برخلاف تھی اور یہ ناممکن ہے تو ہر ایک آدمی کو جو کوئی کام کرنا چاہے اسے اختیار ہے کہ ان میں سے ایک کو تحریر کر دے یا دونوں کو لکھ دے اگرچہ دونوں کو جمع کرنا زیادہ بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی اکثر سورتوں کے ابتداء میں صرف بسم اللہ ہی لکھی ہے تو اس طرح بھی صورت اور حقیقت کے لحاظ سے قرآن کی موافقت ہو گی۔ حقیقت کے لحاظ سے تو اس لیے کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ دونوں طریقوں کا بیان ہے ورنہ دونوں کو جمع کرنا ضروری نہیں اور صورت کے لحاظ سے اس طرح کہ وہ سورتیں جن میں صرف بسم اللہ کا تذکرہ ہوا ہے وہ بھی یقیناً قرآن ہیں اور میری نگاہ میں تو آپ رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ "سقانی الحب اس نے مجھے محبت پلائی" یہ بھی تعریف ہے کیونکہ صفات کمال کے اظہار کا مضمون بیان کر رہا ہے جیسا کہ آپ کو خدا تعالیٰ کی مہربانی اور کرم سے معلوم ہو جائے گا۔ تو شیخ نے دونوں عبارتوں کو اعلیٰ درجہ الکمال جمع کر دیا اور اس طرح قرآن کی موافقت ہر طرح سے حاصل ہو گئی۔

اور یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ سورۂ فاتحہ ایک ایسی صورت ہے جو بسم اللہ سے شروع ہوئی ہے جیسا کہ بعض دوسری سورتیں بجائے بسم اللہ کے الحمد للہ سے شروع ہوئی ہیں حالانکہ بسم اللہ قرآن مجید میں نفس کلام میں بھی آئی ہے۔ اور حکم تو یہی ہے کہ ہر سورۃ میں ابتداء بسم اللہ سے ہو اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کہ "اپنے رب کے نام سے پڑھ" میں یہی اشارہ ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ یہ پہلی آیت ہے جو اتاری گئی تھی تو اولاً تو بسم اللہ پڑھنے ہی کا حکم ہے اس پر غور کر اور شکر کرنے والوں میں ہو جا۔ کہ ہم نے شیخ بزرگ ترین رضی اللہ عنہ کی تحریر کی توجیہ تیرے سامنے بیان کر دی ہے۔ اب میں شیخ

بزرگ ترین رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے نورِ ہدایت سے بسم اللہ کی تحقیق شروع کر رہا ہوں

شیخ بزرگ ترین کی تالیف سے غنیۃ الطالبین میں ہے کہ اللہ کے نام سے جو ضد سے پاک ہے اس اللہ کے نام سے جو شریک سے منزہ ہے اس اللہ کے نام سے جو اولاد بنانے سے پاک ہے اس اللہ کے نام سے جس نے انوار کو روشن کیا اس اللہ کے نام سے جس نے نیکوں کو عزت بخشی اس اللہ کے نام سے جس نے اپنے دوستوں کو اسرار سکھائے اس اللہ کے نام سے جس نے تقدیر کا اندازہ کیا اور دلوں اور آنکھوں کو روشن کیا اس اللہ کے نام سے جس نے نیک لوگوں کے دلوں پر سحری کے وقت تجلی فرمائی۔ اور ان کو انوار سے آباد کر دیا اور ان میں اسرار ودیعت کئے اور خطرات دور کئے اور اغیار کی میل کچیل سے پاک کیا اور ان سے بوجھ اور طوق اور بیڑیاں اور بوجھل چیزیں اتار دیں اس اللہ کے نام سے جس نے نہریں جاری کیں اور درخت اگائے اور وہ اس ذات کا نام ہے جس نے اپنے طاعت گذار بندوں سے شہروں کو آباد اور ان کو دنیا کے بادشاہ اور قیامت کے روز لوگوں کے سفارشی بنایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم واصلین ذاکروں کے لیے ذخیرہ ہے طاقتوروں کے لیے عزت ہے کمزوروں کے لیے حفاظت ہے محبین کے لیے نور ہے اور عاشقوں کے لیے سرور ہے بسم اللہ روحوں کا آرام ہے بسم اللہ جسموں کی نجات ہے بسم اللہ سینے کا نور ہے بسم اللہ امور کا نظام ہے بسم اللہ عارفوں کا تاج ہے بسم اللہ عبادت گزاروں کا چراغ ہے۔ بسم اللہ عاشقوں کا معنی ہے کہو بسم اللہ اس کا نام ہے جس نے اپنے کچھ بندوں کو عزت بخشی اور کچھ کو ذلیل کر دیا بسم اللہ اس کا نام ہے جس نے اپنے دشمنوں کے لیے آگ کو گھات کی جگہ بنایا بسم اللہ اس کا نام ہے جس نے اپنے دوستوں کے لیے رویت کا وقت مقرر کیا بسم اللہ اس اکیلے کا نام ہے جو عدد سے مبرا ہے بسم اللہ اس کا نام ہے جو بغیر کسی کی مدد کے باقی ہے بسم اللہ اس کا نام ہے جو بغیر ستونوں کے قائم ہے بسم اللہ اس کا نام ہے جس سے خلوتیں اچھی لگتی ہیں بسم اللہ اس کا نام ہے جس سے عبادتیں پوری ہوتی ہیں یہ اس کا نام ہے جس سے اچھے گمان ہیں اور اس کا نام جس کے لیے آنکھیں جاگتی ہیں اور اس کا نام جو چیزوں کو کُن کہتا ہے تو وہ ہو جاتی ہیں اور اس کا نام ہے جو ہر ایک دن میں سے ایک شان میں ہے۔ بسم اللہ اس کا نام ہے جو ٹوٹنے سے پاک ہے اس کا نام ہے جو قیاس سے باہر ہے۔ بسم اللہ سے ہر سورۃ شروع ہوتی ہے اس نام سے ہر صورت کی تصویر بنتی ہے جب تو بسم اللہ کا ایک ایک حرف کہے گا تو اس کے بدلے ہزار اجر حاصل کرے گا۔ بسم اللہ ایک ایسا کلمہ ہے جس سے منہ پاک ہو جاتا ہے بسم اللہ ایسا کلمہ ہے جس سے غم باقی نہیں رہتا تو اللہ کا قول بسم اللہ جلال ہی جلال ہے اور الرحمٰن الرحیم جمال ہی جمال ہے۔ جس نے اس کے جلال کا مشاہدہ کیا وہ حواس باختہ ہو گیا اور جس نے اس کا جمال دیکھا وہ زندہ ہو گیا یہاں تک آپ رضی اللہ عنہ کا کلام ختم ہوا۔ اس سے انوار اور اسرار روشنی حاصل کریں گے بشرطیکہ ان کا دل ہو اور حاضر باش ہو کر کان لگائے۔

بسم اللہ ہر وجود کی نفی اور فنا ہے جب اس کے چمکاروں میں سے کوئی چمک ظاہر ہوتی ہے تو شہود کے وجود سے ہر طرح کے اندھیرے اٹھ جاتے ہیں اور الرحمٰن الرحیم اثبات اور بقا ہے جب وہ اپنے فیض کے آسمان سے رحمت کی بارش برساتا ہے تو زمین کو وجود اور حیات کے آثار سے زندہ کر دیتا ہے: "دیکھ اس نے کس طرح زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیا۔" پھر اس نے بڑی اچھی سبزی اگائی پھر ہر انگوری سبزی پھل لائی اس میں سات بالیاں پیدا ہوئیں ہر بالی میں سو سو دانہ بھر دیا بسم اللہ کا معنی ہے

کہ اس کے سوا کوئی موجود نہیں اور الرحمٰن الرحیم کا معنی ہے کہ اس کے سوا کوئی خالق نہیں ہے بسم اللہ متغیرین کے لیے فنا اور قرب ہے اور الرحمٰن الرحیم واصلین کے لیے بقا اور تمکین ہے۔ بسم اللہ کون کی طرف نزول ہے اور الرحمٰن الرحیم بُعد و دوری است مرتبے ہے بسم اللہ کا وجود مشہود ہے اور الرحمٰن الرحیم کا شہود مقصود ہے بسم اللہ ابتداء ہے اور الرحمٰن الرحیم انتہا ہے بسم اللہ میں جلوے ہیں اور الرحمٰن الرحیم بقا کی خلوتیں ہیں۔

اور یہ بھی وجہ ہے کہ بسم اللہ ظہور کا واسطہ ہے اور الرحمٰن الرحیم اشاعت نور کا وسیلہ ہے۔ بسم اللہ وصال کی رمز ہے اور الرحمٰن الرحیم کمال کا اشارہ ہے بسم اللہ میں اوصاف کا مجمل اشارہ ہے اور الرحمٰن الرحیم مہربانیوں کی تفصیل کی تصریح ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اس کے انوار سے جلوے عطا فرما اور اس کے ہر طرف کے بدلے ہمارے اسرار کے لیے خلوتیں نمایاں

حروف کے فوائد کا شمار

غنیۃ الطالبین میں ہے کہ بسم اللہ ب مخلوق کو پیدا کرنے والا اور سین گناہوں کا پردہ پوش اور میم نعمتوں سے احسان فرمانے والا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ با کا معنی ازل سے بری اور سین آوازوں کو سننے والا اور میم دعاؤں کو قبول کرنے والا اور کہا گیا ہے ب توبہ کرنے والوں کا رونا اور سین عبادت گزاروں کے سجدے اور میم گنہگاروں کی معذرت۔ اللہ مصیبتوں کا کھولنے والا ہے الرحمٰن نعمتیں عطا فرمانے والا الرحیم گناہوں کا بخش والا۔ ابوبکر وراق نے فرمایا بسم اللہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اس کے ہر حرف کی علیحدہ علیحدہ تفسیر ہے۔ ب کے چھ وجوہات ہیں باریؔ عرش سے لے کر زمین تک اپنی مخلوق کو پیدا کرنے والا اس کا بیان وہ اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے بنانے والا ہے بصیرؔ وہ عرش سے لے کر زمین تک اپنی مخلوق کو دیکھنے والا ہے اس کا بیان اللہ ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے میں ہے۔ باسطؔ وہ عرش سے لے کر زمین تک اپنے رزق کو پھیلانے والا ہے اس کا بیان اللہ اپنی مخلوقات میں سے جس کا رزق چاہے فراخ کر دے اور جس کا چاہے تنگ کر دے میں ہے۔ باقیؔ عرش سے لے کر زمین تک کی اپنی مخلوقات کی فنا کے بعد وہ باقی رہنے والا ہے اس کا بیان جو کچھ بھی کائنات میں ہے فانی ہے اور تیرے رب بزرگی اور بخشش والے کی ذات باقی رہ جائے گی میں ہے۔ باعثؔ عرش سے لے کر زمین تک کی اپنی مخلوق کو ثواب اور عذاب کے لیے موت کے بعد اٹھانے والا ہے اس کا بیان اللہ تعالیٰ قبروں میں جو بھی ہیں ان کو اٹھائے گا میں ہے۔ بارؔ عرش سے لے کر زمین تک تمام مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ احسان کرنے والا ہے اس کا بیان رہی احسان کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے میں ہے۔

اور سین کی پانچ توجیہیں ہیں سمیعؔ وہ عرش سے لے کر زمین تک کی اپنی مخلوقات کی آوازوں کو سننے والا ہے اس کا بیان وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتیں اور مشورے نہیں سنتے میں ہے۔ سیدؔ اس کی سرداری عرش سے لے کر زمین تک درجہ کمال تک پہنچی ہوئی ہے سریع الحسابؔ یعنی عرش سے لے کر زمین تک کی مخلوقات کا حساب وہ بڑی جلدی لینے والا ہے اس کا بیان وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے میں ہے۔ سلامؔ عرش سے لے کر زمین تک اس نے اپنی مخلوقات کو ظلم سے سلامت رکھا ہے اس کا بیان وہی سلامتی عطا کرنے والا اور امن دینے والا ہے میں ہے ساترؔ وہ عرش سے لے کر زمین تک کے اپنے بندوں کے گناہوں کا پردہ پوش ہے اس کا بیان وہ گناہوں کا معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اور میم کی بارہ توجیہات ہیں ملکؔ الخلق وہ عرش سے لے کر زمین تک مخلوق کا بادشاہ ہے اس کا بیان الملک القدوس

میں ہے مالکؒ وہ عرش سے لے کر زمین تک کی کل مخلوقات کا مالک ہے اور اس کا بیان اس آیت میں ہے کہ اے اللہ ملک کے مالک منانؒ وہ عرش سے لے کر زمین تک اپنی مخلوقات پر احسان کرنے والا ہے اور اس کا بیان اس آیت میں ہے بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے مجیدؒ اپنی مخلوقات پر عرش سے لے کر زمین تک بزرگی رکھنے والا ہے اور اس کا بیان اس آیت میں ہے ذوالعرش المجید مومنؒ عرش سے لے کر زمین تک کی تمام مخلوقات کو وہی امن دینے والا ہے اور اس کا بیان و آمنہم من خوف میں ہے مہیمنؒ وہ عرش سے لے کر زمین تک کل مخلوقات کی نگرانی کر رہا ہے اس کا بیان المومن المہیمن میں ہے مقتدرؒ وہ عرش سے لے کر زمین تک کی کل مخلوقات پر اقتدار رکھنے والا ہے اور اس کا بیان اس آیت میں ہے سچائی کے مقام بادشاہ غالب کے دربار میں مقیتؒ وہ عرش سے لے کر زمین تک تمام مخلوقات کی نگرانی کر رہا ہے اور اس کا بیان اس آیت میں ہے "بے شک اللہ تعالے ہر چیز کا نگہبان ہے" مکرمؒ وہ اپنے دوستوں کو عرش سے لے کر زمین تک اپنے دوستوں کو عزت بخشنے والا ہے اور اس کا بیان ولقد کرمنا بنی آدم میں ہے منعمؒ وہ عرش سے لے کر زمین تک اپنی تمام مخلوقات پر احسان کرنے والا ہے اور اس کا بیان واسبغ علیکم نعمہ ظاہرۃ و باطنۃ میں ہے متفضلؒ وہ عرش سے لے کر زمین تک اپنی مخلوق پر فضل کرنے والا ہے اور اس کا بیان ان اللہ لذو فضل علی الناس میں ہے۔ مصورؒ وہ عرش سے لے کر زمین تک کی تمام مخلوقات کی تصویریں بنانے والا ہے اور اس کا بیان الخالق البارئ میں ہے۔

یہ سب کچھ میں نے غنیۃ الطالبین سے لکھا ہے اور یہ سب کچھ اس عاجز بندے پر شیخ بزرگ ترین کا احسان ہے بؔا کا مطلب آگ سے برات اور سؔین الوالد کی سعادت اور مؔیم اشرار کو مٹانا۔ بؔا واصلین کی بقا اور سؔین منکرین کے چہرہ کا سیاہ ہونا اور مؔیم مجذوبوں کی حفاظت کرنا۔ بؔا بقائے الٰہی اور سؔین اللہ کا سلام اور مؔیم اللہ کی کرامات۔ بابر وٹھنڈ سینچا نے ولا ہے اور سؔین سلامت اور مؔیم مقام محمود والبا، ہدایت (ابتدا) اور سؔین سعایہ (کوشش) اور مؔیم مجاہدہ اس کا مطلب یہ ہے مبتدی کو ضروری ہے کہ اللہ تعالی کے اخلاق کے ساتھ اپنے آپ کو متخلق کرے اور اپنے وجود سے فانی ہو جائے اور اللہ رحمٰن و رحیم باقی رہ جائے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بؔا جذبات کا ہم وتی رحمک، اور سؔین گناہوں سے سلامتی اور مؔیم آخری درجات تک متمکن ہونا ہے بؔا اللہ کے ساتھ بقا ہے اور سؔین اللہ کے عرش کی طرف بلندی ہے اور مؔیم شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مقام حاصل کرنا ہے بؔ اللہ تعالی کی رحمت کا بحر (سمندر) اور سؔین اللہ تعالی کے کمال کی بلندی اور مؔیم کا معنی ہے کہ مالک الملک اللہ ہی ہے۔

تو ہر کام کو شروع کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالی کی رحمت کے سمندر میں غوطہ لگا کر لاہوتی موتی اور مرجان نکالے تاکہ اس کے لیے ذخیرہ بنے اور آسمان کمال کی طرف ترقی کرنے کا وسیلہ ہو اور اس پر لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار کا مظاہرہ ہو اور وہی اللہ رحمٰن و رحیم ہے۔ بسم اللہ کی بؔا نفس اور خواہشات سے بُعد (دوری) ہے اور سؔین شریعت کا سراج (چراغ) ہے جو اندھیرے دل کو دور کرنے والا ہے اور مؔیم محمد حجاب اور پردے کو دور کرنے والا (رامی) ہیں بسم اللہ میں بؔا برکت۔ بصارت۔ بر اور بصیر سے ہے اور سؔین ستار کی طرف سفر اور سفارت ہے اور مؔیم محیی (زندہ کرنے والا) مرجع اور منتہی ہے

Scanned by CamScanner

اے اللہ اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما اور ہمارے حالات کو نور اور ہدایت سے درست کر دے اور سرور اور عنایت سے ہمارے دلوں کو منور کر دے

"لفظ اللہ" کے حروف کے انوار"

الف ایک ایسی ذات کی طرف اشارہ ہے جو ہر اسم اور صفت سے خالی ہے اور لام۔ لا الہ الا اللہ لہ الملک ولہ الحمد (اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی تعریف ہے) کی طرف اور ہا ہو اللہ الذی لا الہ الا ہو (وہ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں) کی طرف۔ اور اسم گرامی کے خوارق (معجزات) میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ اپنے ہر درجہ میں ایک ایسی ذات پاک کی طرف دلالت کرتا ہے جو ادراک سے بالاتر ہے۔ پہلے درجہ میں یہ "اللہ" ہے اور وہ ایسی ذات کا نام ہے جو تمام صفات کمالیہ کی جامع ہے اور تمام تعریفوں کی مستحق ہے اور دوسرے درجہ میں "للہ" اور تیسرے درجہ میں "لہ" ہے اور چوتھے درجہ میں "ہو" اور بہر تقدیر یہ ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کی ذات کی طرف اشارہ کرتے ہیں ان اسرار اور انوار کو سمجھنے کی کوشش کرو۔

اور ان تمام حروف کا بغیر نقطے کے ہونے میں کئی رموز ہیں ایک ان میں سے یہ ہے کہ وہ تمام تعریف کرنے والوں کی تعریف سے پاک ہے اور تمام تسبیحیں پڑھنے والوں۔ واصل ہونے والوں۔ فانی ہونے والوں اور باقی ہونے والوں کی تسبیحات سے منزہ ہے۔ اور ان میں سے ایک یہ رمز بھی ہے کہ اس کے طالب کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کے سوا ہر چیز سے خالی ہو جائے اور خدا کی ذات کی طلب میں اپنی تمام خواہشات سے دست بردار ہو جائے اور ایک یہ رمز بھی ہے کہ طالب کے لیے ضروری ہے کہ اس کے دل کا شیشہ ہر ایک ردی مخلوق کے نقاط سے پاک و صاف ہو اور شریعت پاک اور روشن کی چمک سے روشنی حاصل کر رہا ہو۔

اس کے چار حرف ہیں اور وہ چار مقامات کی طرف اشارہ کرتے ہیں پہلا لاہوت ہے اور دوسرا جبروت اور تیسرا ملکوت اور چوتھا ناسوت۔ الف کی عالم لاہوت سے مناسبت تو ظاہر ہے کیونکہ الف کے تحت ہر حرف کا اندراج ہے جیسے کہ مقام توحید جسے لاہوت سے تعبیر کیا جاتا ہے ہر ایک نور کا منشا اور مادری ہے اور یہ بہت بڑا خزانہ ہے اور روشن دان ہے۔ اور پہلے لام کی عالم جبروت سے مناسبت اس حیثیت سے ہے کہ اس میں الف اور حرکت ہے اگر اس کے الف ہونے کی حیثیت پر غور کیا جائے تو وہ ذات خالص پر دلالت کرتا ہے اور اگر تعین لامی کے لحاظ کی طرف دیکھا جائے تو وہ مقام احدیت سے اتر کر دوسرے درجہ میں ہے اور اس کی تائید حرکت لامیہ سے ہوتی ہے کیونکہ جبروت کا مقام تقدس اور تخلیق کا مقام ہے کنت کنزاً مخفیاً میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے پسند کیا کہ میری پہچان ہو جائے پھر میں نے خلقت کو پیدا کیا' پس پہلی حرکت جبروتیت ہی ہے جس کو وحدت اور جمیع الصفات سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ آپ کو انشاء اللہ اور یہ معلوم ہو جائے گا۔ اور دوسرے لام کی جو ردغام کی صورت میں ساکن ہے عالم ملکوت سے مناسبت ہے عالم ناسوت کی آنکھوں سے عالم غیب ہے حالانکہ ان کے اجسام بھی ہیں جو لطیف اور نورانی ہیں اور سکون ان کے مناسب ہے کیونکہ وہ ایسے بندے ہیں جن کو عبادت اور تسبیحات میں اطمینان حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ خواہشات اور نفس کے

مواد کے اختلاط سے پاک ہیں وہ اسی مقام پر ساکن ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو ٹھہرا کر رکھا ہے۔ اور عالم ناسوت سے ہا کی مناسبت اس طرح ہے کہ ہا کو اگر الگ لکھا جائے تو اس کی صورت دو جڑے ہوئے دائروں کی ہے تو اس میں اشارہ ہے کہ یہ وجوب اور امکان کے مرتبے کی جامع ہے اور یہی کمال ہے اور یہی کلمہ برزخ ہے جسے انسانیت کا رئیس کہا جاتا ہے۔ اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ پہلے تو آپ نے کہا تھا کہ ہا ذات پاک کی طرف اشارہ ہے تو اس کی توجیہ کیا ہے۔ تو میں جواب دوں گا کہ اس کی وجہ تو ظاہر ہے کیونکہ وہ ایک ضمیر ہے جو اس ذات پاک کی طرف راجع ہے نگاہیں جس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کرتا ہے تو وہ پہلا اشارہ معنی کے لحاظ سے تھا اور یہ اشارہ لفظی صورت کے اعتبار سے ہے اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ منہ کرنے والا ہے اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم سے مواخذہ نہ فرما اور ہمیں معاف کر دے یقیناً تو بخشنے والا مہربان ہے۔

"الرحمٰن الرحیم کے خطی اشارے"

یہ اس آدمی کے لیے نصیحت کا سامان ہے جس کو مقام شہود سے کچھ حصہ ملا ہے اور جس کے وجود میں کچھ روشنی ہے! الرحمٰن کے لکھنے کی صورت کئی ایک رموز کی متضمن ہے۔ پہلی یہ ہے کہ الٓر یہ کئی ایک سورتوں کی ابتدا ہے اور اگر اس کو حروف مقطعات کی صورت میں لیا جائے تو اس میں کئی ایک راز ہیں الف اشارہ ہے آلو والائے اللہ (اللہ کے احسان) کی طرف اور اللہ ہی اول ہے اللہ ہی آخر ہے اللہ احد (ایک) ہے وغیر ذلک اور لام اشارہ ہے لا الٰہ الا ہو کی طرف اور رٓ اشارہ ہے رؤف، رحیم، رحمٰن، رزاق، رشید اور اسی طرح کے اور ناموں کی طرف اور اس کے حروف کے نقاط سے خالی ہونے میں بھی کافی رموز و اسرار ہیں اور اسی طرح الرحیم کے ابتدا میں بھی الٓر کی یہی کیفیت ہے اور اس کا نصف آخر حٰم کی صورت سے مشابہ ہے اور یہ دوسری چند ایک سورتوں کی ابتدا ہے اور ہر ایک میں اتنے اسرار و انوار ہیں کہ ان کو بیان کرنے سے اظہار کی زبان عاجز ہے۔ اے ہمارے رب ہمارے قدموں کو صراط مستقیم پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی برکت سے مضبوط رکھ۔ ہم اس سے مدد چاہتے ہیں۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے متعلق ارشاد و تنبیہ"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کی کنجی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قلم نے سب سے پہلے اسی کو لکھا تھا اور آدم علیہ السلام پر سب سے پہلی یہی نازل ہوئی تھی یہ آسمان اور زمین والوں کے لیے امان ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے جواز کا کلمہ ہے۔ یہ موحد بندوں کے سینے اللہ تعالیٰ کی مہر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا جب استاد بچے کو کہتا ہے پڑھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور بچہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے بچے کو اور اس کے ماں باپ کو اور استاد کو جہنم سے برأت لکھ دیتا ہے۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوئی تو بادل مشرق کی سمت بھاگنے لگے اور ہوائیں ٹھہر گئیں اور سمندروں میں طوفان آ گئے اور مویشی جانوروں نے اپنے کان جھکا دیے۔ آسمان سے شیطانوں کو مارا گیا اور خدا تعالے نے اس کی عزت کی قسم اٹھائی کہ جو آدمی بھی کسی چیز پر بسم اللہ پڑھے گا اللہ اس کو شفا دے گا جس چیز پر یہ پڑھی جائے گی اللہ اس میں برکت دے گا اور جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے گا جنت میں داخل ہو گا۔ ابو وائل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص زبانیہ (جہنم کے داروغے) سے نجات حاصل کرنا چاہے وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے وہ بھی انیس ہیں اور اس کے حروف بھی انیس ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے ہر حرف کے بدلے جنت دے گا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے متعلق سوال

Scanned by CamScanner

کیا تو آپ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اس کے اور اسم اعظم کے درمیان صرف اتنا ہی فاصلہ ہے باعتبار قرب کے کہ جتنا آنکھ کی سیاہی اور سفیدی میں ہے۔

اور غنیۃ الطالبین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی زمین سے کسی ایسے کاغذ کو اٹھائے جس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہو اللہ تعالیٰ کی بزرگی کی نیت سے تاکہ روندی نہ جائے تو وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک صدیقین میں لکھا جاتا ہے اس کے ماں باپ سے عذاب ہلکا کر دیا جائے گا اگرچہ وہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں۔ بیان کیا گیا ہے کہ ابلیس لعین تین دفعہ ایسی دھاڑیں مار مار کر رویا ہے کہ ان جیسا کبھی نہیں رویا۔ ایک دفعہ تو اس وقت رویا تھا جب اسے لعنتی قرار دے کر آسمانوں کی مملکت سے نکال دیا گیا۔ اور دوسری دفعہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تب اور تیسری دفعہ جب فاتحۃ الکتاب نازل ہوئی کیونکہ اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی تھی وہ رویا تھا۔

سالم بن ابی الجعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے یہ آیت آدم علیہ السلام پر اتاری گئی تو انہوں نے کہا جب تک میری اولاد بسم اللہ پڑھتی رہے گی عذاب سے بچتی رہے گی پھر یہ آیت دنیا سے اٹھالی گئی پھر حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام پر اتاری گئی آپ نے یہ آیت اس وقت پڑھی جب آپ کو منجنیق میں رکھ کر آگ میں پھینکنے والے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر آگ کو سلامتی والا ٹھنڈا کر دیا پھر آپ کے بعد یہ آیت اٹھالی گئی پھر آپ کے بعد یہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر نازل کی گئی اور اس وقت فرشتوں نے کہا خدا کی قسم اب آپ کی حکومت مکمل ہو گئی پھر یہ اٹھالی گئی پھر اب اللہ جل شانہ نے اس کو مجھ پر اتارا ہے۔ میری امت قیامت کے روز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتی آئے گی تو جب ان کے اعمال میزان میں رکھے جائیں گے تو ان کی نیکیاں بڑھ جائیں گی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کچھ لکھنے لگو تو اس کو اپنے مکتوب میں لکھو اور اس کو پڑھتے رہو۔

اور غنیۃ الطالبین میں اس قول کے بعد اُنْزِلَتْ علی ابراہیم یوں نقل فرمایا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام پر اتاری گئی پھر آپ کے بعد اٹھالی گئی پھر موسیٰ علیہ السلام پر صحیفوں میں اتاری گئی جس کی وجہ سے فرعون اور اس کے جادوگر اور ہامان اور فرعون کا لشکر اور اس کے حمایتی مغلوب و مقہور ہوئے۔ پھر یہ اٹھالی گئی پھر سلیمان بن داؤد علیہ السلام پر اتاری گئی تب فرشتوں نے کہا اے داؤد کے بیٹے خدا کی قسم آج آپ کی حکومت مکمل ہو گئی۔ سلیمان علیہ السلام جس چیز پر بھی یہ پڑھتے وہ آپ کے سامنے جھک جاتی اور اللہ نے جس دن اس کو اتارا سلیمان علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے اسباط میں منادی کرائیں کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی امان کی آیت سننا چاہے وہ داؤد علیہ السلام کے محراب میں سلیمانؑ کے پاس حاضر ہو جائے تو تمام علمائے یہود اور عبادت گذار آپ کے پاس حاضر ہو گئے پھر آپ ابراہیم خلیل اللہ کے منبر پر چڑھے تب آپ نے ان پر امان کی آیت پڑھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پھر تمام حاضرین نے آپ کی نبوت کی شہادت دی اور سلیمانؑ نے اس کی برکت سے تمام دنیا کے بادشاہوں کو مغلوب کر لیا اور اسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فتوحات عطا فرمائیں پھر سلیمان علیہ السلام کے بعد یہ آیت اٹھالی گئی پھر مسیح عیسیٰ بن مریم پر اتاری گئی۔ آپ اس سے بہت خوش ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی اے کنواری کے بیٹے کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ پر کونسی آیت نازل کی گئی ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم امان کی آیت ہے آپ اٹھتے بیٹھتے لیٹے ہوئے آتے جاتے۔ اور پڑھتے اور نیچے

اترتے غرض ہر وقت اس کی تلاوت کثرت سے کیا کریں۔ جب آدمی کے نامۂ اعمال میں قیامت روز ۱۰ سو مرتبہ سے زیادہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نکل آئی بشرطیکہ وہ میری ربوبیت پر ایمان رکھتا ہو میں اس کو جہنم سے آزاد کر دوں گا اور جنت میں داخل کر دوں گا۔ آپ کی قرأت اور نماز کے ابتدا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہونی چاہیے۔ اگر کوئی اس کو اپنی نماز اور قرأت کے ابتدا میں پڑھے گا اور اسی طرح عمل پر اس کی موت ہو جائے تو اس کو منکر و نکیر خوف زدہ نہ کر سکیں گے۔ اس پر موت کی سختیاں آسان کر دی جائیں گی۔ قبر تنگ نہ ہو گی۔ اس پر میری رحمت ہو گی اس کی قبر فراخ ہو گی روشنی حد نگاہ تک پھیلی ہوئی ہو گی اور میں اس کو قبر سے سفید جسم اور نورانی چہرے والا اٹھاؤں گا۔ اس کا نور چمکتا ہو گا میں اس سے آسان حساب لوں گا۔ اس کی نیکیوں کو بوجھل کر دوں گا اور پل صراط پر پوری روشنی عطا کر دوں گا یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور میں منادی کو حکم دوں گا وہ میدان محشر میں بلند آواز سے پکارے گا کہ فلاں آدمی کامیاب ہوا اور اسے بخش دیا گیا اور یہ حدیث بہت طویل ہے۔

اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا اے میرے رب کیا یہ میرے لیے خاص ہے تو جواب ملا آپ کے بعد حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کے لیے ہے پھر عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد یہ آیت مسلمانوں کے سینوں میں رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو پھر آپ پر سورۃ الحمد کے ساتھ یہ آیت مکہ مکرمہ میں اتاری گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو سورتوں اور رسالوں اور دفتروں کے ابتدا میں لکھا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت کا نازل ہونا ایک بہت بڑی فتح تھی یہ تمام مضمون غنیۃ الطالبین میں ہے اور پہلی روایت اور اس روایت میں تطبیق اس طرح ہے کہ یہ اجمال اور تفصیل ہے پہلی مجمل تھی اور دوسری مفصل ہے خوب سمجھ لیں۔ اور ان دونوں روایتوں کا ماحصل یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نبیوں اور رسولوں اور اولیاء اور متقین کا فاصلہ ہے۔ جب بھی یہ دنیا سے اٹھائی گئی تو کائنات پر عذاب اور سزا کے طور پر اٹھائی گئی اور جب اتاری گئی تو محبین اصفیاء کے لیے ذخیرہ بنی اور ظالم دشمنوں کے لیے نقصان اور قہر کا باعث ہوئی یہ ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں متقین اس سے ہدایت پاتے ہیں اور خسارہ اٹھانے والے گمراہ کرتے ہیں وہ اس کے ذریعے سے بہت سوں کو گمراہ قرار دیتا ہے۔ اور بہت سوں کو ہدایت یافتہ اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں نیکی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

بسم اللہ کی فضیلت میں چند مبارک کلمات

اہل معرفت نے کہا ہے بسم اللہ ہدایت کے خزانوں میں سے ایک پاکیزہ کلمہ ہے اور ولایت کی خلعتوں میں سے خدا کی جانب سے ایک خلعت ربوبیت ہے اور اہل عنایت کے لیے قریبی وصل ہے۔ گنہگاروں کے لیے ایک رحمت خاصہ ہے۔ میں کہتا ہوں یہ ہر بیماری کی دوا ہے ہر بدبختی کی شفا ہے ہر اندھیرے میں نور ہے ہر غم میں ہر درد ہے ہر ننگے کا لباس ہے ہر پریشان کی جمعیت خاطر ہے۔ دشمنوں کے لیے ایک شعلہ ہے دوستوں کے لیے رحمت کا بادل ہے یہ رحمت عام اور تمام نعمت ہے ہر مسافر کا ذخیرہ ہے ہر کامیاب کا فخر ہے۔ جب اجزاء پریشان ہو جائیں اور عقلیں بیکار ہو جائیں تو یہ ان کے لیے نظم و نسق ہے۔ جب بڑے بڑے لوگوں کے حصول انوار کے اسباب پریشان ہو جائیں تو یہ ان کے لیے انتظام ہے اس سے کفر کے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں اس سے ایمان کے لشکر یقیناً یقیناً اکٹھے ہو جاتے ہیں یہ ایک پاکیزہ خزانہ ہے

جو ختم نہ ہوگا ایک حقیقی اشارہ ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ ہر ابتدا میں برکت ہے ہر انتہا میں رحمت ہے۔

اہل حقائق نے کہا ہے اس کا مطلب اس سے تیمن اور تبرک حاصل کرنا ہے لوگوں کو ترغیب دلانا ہے کہ ہر قول و فعل کے ابتدا میں ضرور پڑھیں۔ ضروری ہے کہ ہر اہم کام بزرگی اور صلاح کا اس سے شروع کیا جائے جب کہ اللہ تبارک تعالی نے اپنی کتاب حمید اور برہان مجید کو اسی سے شروع کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا بسم اللہ کا کلمہ شکوہ کے بجائے خوشی کا آوازہ ہے شرارت پسند لوگوں کو ختم کر دینے والا ہے۔ سینے کی بیماریوں کی شفا ہے۔ قیامت کے ہولناک مناظر سے امان ہے اے بھائیو! اس کلمۂ پاک کے حروف کے رموز اتنے ہیں کہ ادراک ان کو بیان کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا۔ ان کی تحریر کے لیے اگر آسمانوں اور زمینوں کے صفحات بنائے جائیں تو وہ تنگ ہو جائیں بیں نے ان میں سے بہت تھوڑے لکھے ہیں میرا ارادہ تو صرف یہ تھا کہ میری زبان اس سے تر ہو جائے میرا بیان میٹھا ہو جائے جو کہ میں قصیدہ خمریہ کی شرح میں لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں کہ طریقہ قادریہ کی برکت سے میں اس کے اسرار ربانیہ کو واضح کر سکوں ورنہ اگر سمندر اس کے لیے سیاہی بن جائیں اور درختوں کی قلمیں بن جائیں اور زمینوں اور آسمانوں کے صفحات تیار کئے جائیں تو ان نور کے پہاڑوں سے ایک ذرہ بھر بھی نہ لکھا جائے گا۔ قدس سمندروں سے ایک قطرہ بھی نہ ہوگا۔

ایک چیونٹی کی زبان سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر کی تعریفوں کا احاطہ کہاں کر سکتی ہے اور میں ذرے جیسا حقیر انسان سلطان قدس کی بساط کی طرف وصول اور اس کے توابع سے بوجہ خراب پونجی کے عاجز ہوں لیکن ایک بڑھیا اپنی حقیری پونجی سے کر یوسف علیہ السلام کی خریداری کی کوشش کرتی ہے اگرچہ اس کا حال اور اس کا مال ایسا تھا کہ لوگ اس پر ہنس رہے تھے کیونکہ محب کا اپنے عاشق قاصر کی حالت پر جو اس کی تعریف کرنے سے قاصر ہو ہنس دینا بھی ایک سردار اور فخر ہے۔ کیا آپ نے کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ جب بندہ ایاک نعبد (ہم خالص تیری ہی عبادت کرتے ہیں) کہتا ہے تو اپنے حال اور حضور کی وجہ سے شرمندہ سا ہو جاتا ہے گویا کہ خداوند تعالیٰ اس کی تسبیح اور تنزیہ کے مواد زیر ضحک فرماتا ہے تو پھر وہ اپنی شرمندگی اور نکبت کی وجہ سے اس کی کرم نوازی کے دامن کو تھام لیتا ہے اور پکار اٹھتا ہے ایاک نستعین (ہم خالص تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں) اور کہتا ہے میرا تیری عبادت کر کے پر کھڑا ہونا اور تیری غلامی کی بساط پر ٹھہر جانا یہ امر میری طاقت سے تو باہر ہے کیونکہ مٹی کا پتلہ خداوند خدا نگاں کی کیا حمد و ثنا بیان کرے گا۔ لیکن میں اپنے معاملے کو تیرے سپرد کرتا ہوں میری توفیق تجھ ہی سے ہے تجھی سے اعانت اور امداد کی درخواست ہے تجھ ہی اس ہدایت کے راستے میں میرا اعتماد ہے لیے اللہ میرے رب اے میرے پروردگار میں تیرے ہی نام سے شروع کرتا ہوں تیرے ہی کرم سے ہدایت چاہتا ہوں تیرے سوا کسی کے لیے حول قوۃ نہیں میں اللہ ہی کے نام شیطان مردود سے پناہ لیتا ہوں۔

شروع کرتا ہوں اس بسم اللہ شریف کے معانی جو قصیدہ خمریہ پر لکھی ہوئی ہے بتوفیق و فضل خداوندی"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

با حرف جر ہے اور الصاق کے لیے آتا ہے اس کا متعلق ضروری ہوتا ہے اس کی پانچ توجیہیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ ہے کہ اسے کسی مقدر (مخفی) فعل سے متصل تسلیم کر لیا جائے یعنی اعوذ کا لفظ جو امداد دینی اور مقاصد یقینی کے قاری کی حالت کے زیادہ شایان شان ہے تو اس صورت میں اس کے معنی یوں ہوں گے کہ میں اللہ رحمٰن رحیم کے نام کی پناہ لیتا ہوں اور جس سے

پناہ مانگی گئی ہے وہ شیطان اور خواہشات اور نفس اور ہر وہ چیز ہے جو مطلوب کے سوا ہے یعنی میں شیطان اور اس کے اتباع سے اللہ کے نام کی پناہ لیتا ہوں اور اس توجیہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے کلام میں صریحاً بھی حکم ہے یعنی جب تو قرآن پڑھے تو اللہ تعالیٰ کے ذریعے پناہ ڈھونڈ یہ صراحتاً قرآن میں ہے اور دلالۃً بھی کہ ہر اہم اور بڑے کام میں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدد کی پناہ حاصل کرنا شیطان مردود سے ہر ایک کام میں لازم ہے اور انسان پر واجب ہے کیونکہ یہ اللہ کے قلعوں میں سے ایک محفوظ قلعہ ہے اور اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے تو یہ پناہ مانگنا ایسا ہی ہے جیسے نماز کے لیے وضو کیونکہ وہ ظاہری اور باطنی دشمنوں کے دفع کرنے میں مومن کا ہتھیار ہے اور اس توجیہ کے مطابق قرآن عزیز میں اعوذ کے نہ لکھنے کا راز ظاہر ہوا کیونکہ بسم اللہ کے تعلق کی وجہ سے وہ خود بخود ہی سمجھ میں آرہی ہے اور دوسری توجیہ یہ ہے ابدا (شروع کرنا) کے صیغہ متکلم سے متعلق سمجھ لیا جائے خواہ وہ مفرد ہو یا جمع اور پھر خواہ ماضی ہو یا مضارع جیسا کہ پہلی توجیہ میں بیان ہو چکا ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ یہاں پہلی اور دوسری توجیہ میں امر کا صیغہ ہی مقدر مان لیا جائے اگرچہ امر کا صیغہ مناسب تر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ اور امر کی تعمیل کے لیے متکلم کا صیغہ ہی زیادہ مناسب رہتا ہے اور تیسری توجیہ یہ ہے کہ اسے اُتمن (میں امن چاہتا ہوں) یا استعین (میں مدد چاہتا ہوں) یا اتبرک (میں برکت حاصل کرتا ہوں) صیغہ مضارع متکلم کے متعلق اس کو تسلیم کر لیا جائے اور یہ زیادہ مناسب ہے اور امر کا صیغہ جائز ہے اور یہاں ماضی کا صیغہ بھی جائز ہے

پھر یہاں ایک تحقیق بھی ہے جس کا افادہ ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اقرأ (امر) کا مقدر ماننا زیادہ مناسب ہے یا ان افعال کا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر عموم کی طرف توجہ کی جائے یعنی ہر قول و فعل میں خواہ کھانا پینا پہننا وغیرہ ہو تو ابتدا یا تبرک یا استعانۃ یا استعاذہ کا صیغہ زیادہ مناسب ہوگا اور اگر امر کی خصوصیت کی طرف توجہ کی جائے تو پھر اقرأ کی تقدیر مناسب ہے گی جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا تھا کہ "اپنے رب کے نام سے پڑھ" پھر جو شخص یہ کہتا ہے کہ اقرأ کی تقدیر مناسب ہے تو وہ اس تحریر سے پوری ہو جاتی ہے ورنہ یہ تقدیر ہر امر میں کہ جس کے شروع بسم اللہ وارد ہے ناممکن ہے اس کو نگاہ میں رکھنا چاہیے۔ اور چوتھی یہ کہ اللہ ہی کے نام سے جو ہوا سو ہوا اور جو ہوگا وہ بھی ہوگا۔ اور امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمام کتابوں کے علوم قرآن مجید میں ودیعت رکھے ہیں اور سورۃ فاتحہ میں قرآن کے سارے علوم ودیعت رکھے ہیں اور تسمیہ میں فاتحہ کے علوم امانت رکھے ہیں اور بسم اللہ کی "ب" میں تسمیہ کے علوم ودیعت ہیں یعنی اس کے ذریعے ہوا جو ہوا اور اسی کے ذریعے ہوگا جو ہوگا اور پانچویں توجیہ یہ ہے کہ بسم اللہ شریف خبر ہے مبتدا چھپے ہوئے کی اس بنا پر کہ بسم اللہ شریف اس نفس آیت کا قلم ہو یعنی ہذا بسم اللہ یعنی یہ بسم اللہ شریف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سورۃ انزلناہا یعنی یہ سورۃ ہے کتاب کی جس کو ہم نے اتارا

اور میرا خیال تو یہ ہے کہ متعلق کو مقدر اور محذوف ماننے کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جبکہ اس کلام میں جس میں بسم اللہ وارد ہوئی ہے فعل مذکور نہ ہو اور اگر ایسے کلام میں جس میں بسم اللہ واقع ہے صراحتاً فعل مذکور ہو تو تقدیر کی طرف کوئی حاجت پیش نہیں آتی اور اس قصیدہ خمریہ کی عبارت میں تقدیر ماننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ماضی کا صیغہ سقانی مذکور ہے اور اسکے معنی اس طرح ہوں گے "اللہ کے نام سے مجھے محبت نے وصال کے کئی پیالے پلا دیئے" اور فعل کے متعلق کو مقدم کرنے میں حصر کا فائدہ حاصل ہوتا ہے یا یہ اللہ تعالیٰ کے نام کے اہتمام کے لیے ہے اور ہر طرح کی توجیہ کے لیے علم بلاغت میں جسے مناسبت ہے کوئی پوشیدگی نہیں اور اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ضروری ہے کہ مقدر کو موخر تسلیم کیا جائے تاکہ اس سے اہتمام اور تخصیص کا

Scanned by CamScanner

لطیفہ حاصل ہو سکے اور شروع کرنے یا پڑھنے کا اہتمام بھی اگرچہ ایک اہم کام ہے لیکن وہ اس کے برابر اور ہم پلہ نہیں ہے جیسا کہ اس شخص پر یہ بات مخفی نہیں ہے جس کو کچھ تھوڑا بہت بھی علم سے تعلق ہے اور مقدر کو موخر ماننے کی تائید اور ایک بار یک نکتے سے بھی ممکن ہے اور وہ یہ ہے کہ لازم البدایت کی طرف اشارہ کرنا بسم اللہ سے ہے نہ کہ قاری کے افعال میں سے کسی غیر کے ساتھ مثلاً ابدأ یا اقرأ وغیرہ سے اور یہ لطیفہ (نکتہ) اگرچہ ظاہری طور پر جاری ہے کہ اس کے لفظ کو ساقط کر دیا گیا ہے اور اسے مقدم مقدر تسلیم کر لیا جائے لیکن مقدم محذوف ماننے کی صورت میں بھی پڑھنے والے کا خلوص اس کو کبھی رضامندی سے قبول نہ کرے گا تاکہ ابتدائے حقیقی معنوی بھی فوت نہ ہونے پائے

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جس لفظ سے ابتدا کی گئی ہے وہ لفظ اسم ہے نہ کہ اللہ اس میں ایک اور باریک نکتہ اور وہ یہ ہے کہ بشریت اللہ تعالیٰ کی ذات سے تمسک برداشت نہیں کر سکتی اس کی ذات تو تجلیات کی روشنی سے بھی عاجز کر دیتی ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا انزل الی الجبل ان استقر مکانہ فسوف ترانی اے موسیٰ پہاڑ میری تجلیات پر اپنی جگہ ٹھہرے رہے تو تم مجھے دیکھ سکو گے۔ بشریت تو صرف اللہ تعالیٰ کے نام کے انوار ہی کو برداشت کر سکتی ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے حکم ہوا کہ اقرأ باسم ربک پڑھ اپنے رب کے نام کے ساتھ اور اس میں ایک اور باریک نکتہ بھی ہے وہ یہ ہے ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف ترقی اور ہر آدمی کے لیے وہ چیز آسان ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا۔ اس کو یاد رکھ۔

یہ بھی جان لینا چاہیے کہ با کے لفظ میں بھی جو الصاق کے لیے آتی ہے کئی ایک نکتے ہیں۔ پہلا تو یہ ہے کہ شروع کرنے والے کے لیے جو اللہ کے نام کا وسیلہ پکڑ رہا ہے نہایت ضروری ہے کہ اس الصاق اللہ تعالیٰ سے پورے طور پر ہو اور ہمیشہ اپنے نام کا التزام رکھے جو کہ ہر ایک لیتے ہیں اگرچہ وہ اپنی کارگزاری کے لحاظ سے قاصر ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ بادشاہوں کا دستور ہے کہ خدمت کی کمینگی یا کوتاہی کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ ان کی ہمت اپنے نام کی بلندی اور اپنی بلندی کی سرفرازی کی طرف ہوتی ہے وہ بسا اوقات بڑے ذلیل لوگوں کو جان کے دروازہ پر بیٹھنے والے ہوتے ہیں معزز بنا دیتے ہیں اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ "وہ ملک کا مالک ہے جسے چاہے اپنا ملک عطا کرے اور جس سے چاہے چھین لے" اور ایسا اس لیے کرتے ہیں تاکہ اپنی خدمت کو دیکھ کر غرور کرنے والوں اور اپنے مرتبہ کو بلند سمجھنے والوں کی تیزی ختم ہو جائے۔ کیا آپ نے کبھی غور نہیں کیا کہ جب بادشاہ کسی وزیر کو معزول کرنا چاہتے ہیں تو یہ مرتبہ اپنے لشکر میں سے کسی ادنیٰ سے آدمی کو بخش دیتے ہیں اور اس کو امیر کی گردن کے برابر بٹھاتے ہیں تاکہ وزیر کے دل سے اپنے مرتبہ کے قیام و دوام کا خیال نکل جاتے اور ان کی یہ رسم سے بہتر ہے کہ پہلے وزیر کو معزول کر دیا جائے اور پھر اس کے بعد کسی دوسرے آدمی کو عزت بخشی جائے۔ ہاں اگر اس کے بعد بھی وزیر کی سمجھ میں یہ بات نہ آئے تو پھر اسے نہایت ذلت سے معزول کر دیتے ہیں اور پھر کچھ مدت گذر جانے کے بعد اس کی عزت افزائی کرتے ہیں کیا آپ نے شیطان مردود کا واقعہ نہیں سنا کہ وہ ناری جنوں میں سے تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو علوم خاصہ اور قرب وا سرار اور ریاست سے سرفراز فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ اس کے سینے سے وہ کبر و نخوت دور کی جائے جو اس کے سینہ میں مرتبہ کے لحاظ سے جاگزین ہو گئی تھی۔ تو فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک نائب پیدا کرنے والا ہوں تم اس کو سجدہ کرنا چنانچہ انہوں نے سجدہ کیا اور ابلیس نے نہ کیا وہ مالک حقیقی کی حکمت کے باریک نکتہ کو نہ سمجھ سکا حالانکہ اسے اسرار و حقائق کے علم کا دعویٰ تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو

Scanned by CamScanner

نہایت ذلت سے معزول کیا اور ذلیل کیا تو بری طرح کیا اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دروازہ پر حاضر باش نہیں تھا
کیونکہ جو حاضر باش ہو وہ ہر معاملہ میں بادشاہ کی حشمت و دبدبہ کی طرف نگاہ رکھتا ہے اور اپنے نفس کے عجز اور اپنی ذات کی
محتاجی کو دیکھتا ہے پھر جو دروازہ پر حاضر رہنے والا ہو اگر باریک بینی سے دیکھا جائے تو وہی اس کی طلاقت کرنے والا ہے
بھاگا ہوا غلام اگرچہ غلام تو ہے لیکن وہ دروازہ پر حاضر باش نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اسے جو سزا ملتی ہے ملتی ہے اور جب
جب واپس آجائے اور توبہ کرے اور درست ہو جائے تو قرب اور خطاب کا اہل ثابت ہو جاتا ہے اور یہ بھی عقل اور نقل
دونوں کے لحاظ سے قریب ترامر ہے۔

اور شیخ بزرگ ترین رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب عزیز حلیۃ الخاطر میں اپنے اس قول سے اسی طرف اشارہ فرمایا کہ
بادشاہ کے دروازہ پر حاضر رہ اور اس کے سامنے کھڑا رہ کسی دن تو اس کی توجہ سے کامیاب ہو جائے گا کیونکہ وہ ہر روز
اپنے غلاموں پر ستر مرتبہ نگاہ ڈالتا ہے اور میں عنقریب آپ کی پوری عبارت انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے اس قول کے نیچے درج
کر دوں گا بحالی ولادخلوا انتم رجالی۔ اور اس طرح اس بات کا مطلب واضح ہو گیا کہ بسم اللہ کی با تمام اسرار علوم کی جامع ہے
کیونکہ ہر ایک علم کا حاصل اور ہر ایک ستر کا خلاصہ تو صرف حصول قرب اور وصول حضور کے مقام تک پہنچنا ہے جو بندہ
کے بعد نصیب ہوتا ہے تو اس بنا پر بسم اللہ کی با ، سے جو اس قصیدہ مبارکہ میں واضح ہے اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ
حضرت غوث رضی اللہ عنہ کو جو کچھ اس پینے سے حاصل ہوا ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اللہ کے دروازے کے
دروازے سے ملاصق ہیں اور اسی طرح باب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کامیابی حاصل کی اسی وجہ سے کی جو صحبت اسی
سبب وہ اقطاب کے لیے ایک نشان ہیں جب کہ آنحضرت نے فرمایا نقلت سائر الاقطاب لموا۔ بحالی وادخلوا انتم رجالی
مطلب یہ کہ تم پر خدمت کی ادائیگی اور دروازہ کی حاضر باشی نہایت لازمی ہے تاکہ تم بھی اسی طرح کامیاب ہو جاؤ جیسے کہ
میں شراب محبت پینے میں کامیاب ہوا ہوں۔

اس مضمون کے مطابق بسم اللہ کی باء میں تمام حالات اور اعیان میں احدیت خاصہ ملازمت و التصاق اتصال کی
خالی ہو جانے کی طرف اشارہ ہے اور یہی انتہا ہے اور اس لصوق کی تفصیل میں ابتداء سے لے کر انتہا تک کئی ایک حجاب
اور احوال و مقامات ہیں بعض کاملین نے ان کی تعداد ایک ہزار بتائی ہے اور بعض نے ایک سو اور ان میں سے ہر ایک
توجیہ یہ تقاضا کرتی ہے کہ ان میں سے بعض کے بیان کو اتنا طویل کیا جائے اور مقصود کو اتنا چھپایا جائے کہ
عدم نے تعلیم فرمایا۔ لیکن میں نے اس اجمال پر ہی اکتفا کی ہے جو شیخ بزرگ ترین رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب حزینہ
حلیۃ الخاطر میں افادہ فرمایا ہے کہ اس کام کی ابتدا ہے اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں
ہے اور انتہا یہ ہے کہ سونا۔ چاندی پتھر اور مٹی سب اس کی نگاہ میں برابر ہو جائیں۔

اس میدان میں جسم پر تقویٰ کی قمیص پہن کر نکلنا چاہیے اور دل کے سر پر ایمان کا خود ہو۔ ہاتھ میں توحید کی تلوار
ترکش میں قبولیت دعا کے تیر ہوں۔ توفیق کے گھوڑے پر سوار ہو اور دوبارہ حملہ کرتا اور بھاگ جاتا۔ تلوار چلانا جانتا
جانتا ہو اور پھر اس کے بعد اگر تو صرف خدا تعالیٰ کے لیے اس کے دشمنوں کے سامنے اپنے جمال کو ظاہر کرے گا تو تیری

طرف جہالت سے خدا تعالیٰ کی مدد پہنچے گی۔ دائیں۔ بائیں۔ اوپر۔ نیچے۔ آگے پیچھے ہر طرف سے مدد آئے گی۔ پھر تو اس حالت میں مخلوق کو شیطان کے ہاتھ سے مخلوق کو شیطان کے ہاتھ سے چھین لے گا اور ان کو خدا تعالیٰ کے دروازہ پر لے جاسکے گا اور جو اس مقام پر پہنچ گیا اس کے دل کی آنکھ سے تمام پردے دور ہو جائیں گے۔ آپ کی بابرکت عبارت ختم ہوئی۔

اس عبارت میں آپ کو مرتبہ ہدایت اور افادہ کا علم اشارۃً تو ہو گیا اور عنقریب آپ اس کو اچھی طرح آپ کے اس قول کے تحت جان لو گے انانی حضرۃ التقریب وحدی" انشاء اللہ تعالےٰ سوئم دروازے کے ساتھ چپٹ جاؤ کہ تم خطاب کے مستحق قرار پاؤ اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ معیت اور قرب جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا ہے کہ ہو معکم این کنتم اور نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ تو ان دونوں عبارتوں میں معیت اور قرب سے مراد یہی التصاق اور دروازہ کی حاضر باشی ہے کہ وہ اپنے وجود اور نام سے ان آیات کے مقتضی کے مطابق ہلاک اور فنا ہو جائے۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے مگر اس کی ذات پاک اور جو کچھ بھی اس پر ہے وہ فنا ہونے والا ہے اور باقی رہ جائے گی تیرے بزرگ اور فضیلت والے رب کی ذات تو اس طرح اللہ تعالیٰ کے وجود کے بغیر کسی کا وجود ہے ہی نہیں۔ اور اس توجیہ پر اسم کا لفظ اللہ پر داخل کرنا اور اس طرح نہ کہنا "باللہ" یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسم عین مسمّیٰ ہے جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے جیسا کہ قصیدہ لامیہ میں ہے ولیس الاسم غیر المسمی۔ لدی اہل البصیرۃ خیر آل کے بغیر اہل بصیرت کے نزدیک جو بہترین آل ہیں اور چیز نہیں ہے۔ اور عینیت سے مراد یہ ہے کہ اسم ذات سے عبارت ہے نہ کہ حروف اور آواز سے اور یہی وجہ ہے کہ جو آدمی "کہہ دے" کہ میں اللہ اور محمد رسول اللہ پر ایمان لایا تو اس کا ایمان صحیح ہے کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ میں اس ذات پر ایمان جو قدیم ہے اور اچھی صفات سے موصوف ہے اور ایسی ذات پر ایمان لایا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ احکام کے لیے تمام شرعیہ مخلوق کی طرف بھیجے گئے ہیں تو اس طرح ان معتزلہ کا رد بھی ہو گیا جو کہتے ہیں کہ اسم اپنے مسمّیٰ کا غیر ہوتا ہے اور انہوں نے یہ اس بنا پر کہا کہ وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اسم حروف اور آواز سے عبادت ہے۔ ہاں لفظ کی بحث میں جیسے کہ صرف اور نحو کے علوم میں ہوتی ہے واقعی "اسم" حروف مرکبہ سے عبادت ہے لیکن یہاں کلام علوم معنویہ میں ہے اور اگر کلام کی بنیاد ان علوم پر رکھی جائے جو الفاظ سے بحث کرتے ہیں اور لفظ "اسم" کا اللہ پر داخل کرنا اس "نکتہ" کے لیے مفید ہو گا جو ہم پہلے آپ کو سمجھا چکے ہیں کہ قوت بشریہ انوار ذاتیہ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ قصہ مختصر یہ کہ "اسم" کا داخل کرنا کسی حال میں بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے پھر جو آدمی اس "ادخال" کو محض ادخال بغیر کسی وجہ کے سمجھے تو یہ قول صحیح نہیں اور اگر اس کو صرف ادخال کی حد تک ہی سمجھے تو اس کا مطلب وہی ہے جو ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں اس کو یاد رکھیں۔

اور وہ جو قدمائے متکلمین اہل سنت والجماعت کی عبارتوں میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء نہ اس کا عین ہیں اور نہ اس کا غیر تو یہاں اسماء سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور یہ ایک دوسرا عقیدہ ہے جس کی طرف آپ نے اپنے قصیدہ لامیہ میں اشارہ کیا ہے صفات اللہ لیست عین ذات ولا غیر اسواہ ذا انفصال "اللہ تعالیٰ کی صفات عین ذات نہیں ہیں اور نہ اس کا غیر ہیں جو اس سے الگ ہو جائیں" اور لفظ "اسم" کے داخل کرنے میں ان معتزلہ کے قول کے رد کی طرف بھی اشارہ ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مسمات بالاسماء نہیں ہے کیونکہ "اسم" ایک اشارہ ہے اور یہ اجناس میں سے کسی چیز کی تمیز کے لیے آتا ہے اور اللہ تعالیٰ جنس سے پاک ہے۔

اور اہل سنت والجماعت اس کا رد کرتے اور کہتے ہیں کہ "اسم" محض اشارہ ہی کے لیے نہیں آتا بلکہ کبھی "اسم" کسی اور فائدہ کے لیے بھی آتا ہے اور جس "اسم" کا تذکرہ کرتے ہیں وہ مخلوق کے محدث رحادث اسماء میں ہے اور دوسری قسم اللہ تعالیٰ کے اسماء میں وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اکیلا ہے اور بہت سے اسماء کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے یہ خدا تعالیٰ نے ہم کو اس لیے سکھاتے ہیں تاکہ ہم اس کا ذکر کرسکیں اور اس پر ایمان لاسکیں کہہ اللہ کو پکارو یا رحمان کو اسے جس نام بھی پکارو اس کے تمام ہی نام اچھے ہیں اور اسکی تفصیل ابو شکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ کی "تمہید" میں مذکور ہے۔

اور تیسرا نکتہ یہ ہے کہ کسی چیز سے ملنے والی چیز غیر مستقل ہوتی ہے کیونکہ مستقل تو کسی تعلق اور سہارے کا محتاج نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز حروف کے معانی کی طرح ہے جو اپنے متعلق کے محتاج ہوتے ہیں اور انہی کے ساتھ ان کا معنی اور مفہوم پورا ہوتا ہے پس تمام ظلی وجود بذاتہٖ قائم نہیں ہیں وہ اعراض کی طرح ہیں جن کے لیے محل لازمی ہوتا ہے اور وہ ان وجودات کو قائم رکھتا ہے اور وہ ہے خداوند تعالیٰ کا وجود حقیقی جو حدوث اور تعلق سے پاک ہے اس صورت میں اس میں کئی ایک نکتے ہیں، پہلا یہ کہ اس کا کوئی شریک نہیں ہے کیونکہ جب تمام غیر اسی کے ساتھ متعلق ہیں اس لئے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں معبود ہونے کے لیے ضرور ہے کہ وہ مستقل قادر ہو ورنہ وہ معبود نہیں ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں علماء نے تصریح کی ہے کہ "اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو دونوں کا نظام درہم برہم ہو جاتا" تو یہ الصاق کی "با" توحید حقیقی کی شاہد ہے تو اس میں تمام علوم اور اسرار درج ہو گئے اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مختار مستقل ہے تمام موجودات اسی کا سہارا لیتی ہے تو پھر وہی الوہیت کا مستحق ہے اور تیسرا نکتہ یہ ہے کہ قوت والے کے ساتھ الصاق قوی کر دیتا ہے جو بندہ اپنے رب سے ملاصق رہتا ہے وہ قوت و طاقت والا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ مخلوقات میں سے کوئی بھی اس کی برابری نہیں کرسکتا کیونکہ مدد تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے کیا آپ نے کبھی غور نہیں کیا کہ نمرود اور شداد اور فرعون کے پاس مالی، فوجی اور حکومت کی طاقت بھی تھی پھر بھی وہ کیسے کٹے جیسے کھیتی کٹ جاتی ہے اور وعید کے صدمات سے ختم کر دئے گئے تو اس اللہ اکیلے یکتا نے ۱
اپنے نبی کی مدد فرمائی اور اس کے دشمنوں کو قہر عظیم کے ساتھ پکڑ لیا اور ان کو کھینچی ہوئی تلوار سے مار ڈالا ان کو جگالی کئے ہوئے بھوسے کی طرح بنا دیا اور چوتھا نکتہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے ساتھ تعلق قائم کرنا محض وہمی کام نہیں ہے جیسے خواہشات پرست اور سوفسطائیوں کا مذہب ہے، وہ کہتے ہیں کہ اشیاء کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ صرف خیالات اور اوہام ہیں اور شرح عقائد نسفیہ کے بیان کے مطابق ان کے تین فرقے ہیں۔ تو الصاق کی "با" میں ان تینوں کا رد ہو گیا کیونکہ وہ وجود جو وجود حقیقی سے ملاصق اور متعلق ہو وہ محض وہمی نہیں ہوسکتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ مستقل نہیں ہے بلکہ محتاج ہے۔ اور اس میں ان صوفیاء کا بھی رد ہے جو کہتے ہیں کہ اشیاء وہمی اعتبارات ہیں ان کا کسی طرح بھی کوئی وجود نہیں ہے یہ بھی باطل ہے ورنہ شریعت اور عقائد سب کے سب بیکار ہو کر رہ جائیں گے۔ اور اس الصاق میں جبریہ اور قادریہ فرقوں کا بھی رد ہے کیونکہ پہلا فرقہ تو اختیارات کی بالکل نفی کرتا ہے اور اس سے رسولوں کی آمد کا سلسلہ باطل ہو جاتا ہے اور دوسرا فرقہ بندوں کے افعال میں کلی اختیار ثابت کرتا ہے اور یہ بھی غلط ہے بلکہ اس میں بہت سے شرکاء کا اثبات لازم آتا ہے پہلے میں اگر تفریط ہے تو دوسرے میں افراط ہے اور صحیح وہی بات ہے جو اہل سنت والجماعت نے بیان کی ہے کہ معاملہ جبر متوسط کا ہے کیونکہ فاعل حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہے اور بندہ

قاصد ہے اور یہ مسئلہ تمام مسائل سے زیادہ باریک ہے اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے جس پر بعض خواص کے علاوہ کوئی مطلع نہیں ہو سکتا جیسا کہ توضیح اور تنقیح میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور مکمل تشریح تلویح میں ہے اگر کلام کے طویل ہو جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں اس الصاق کے معنی کے مسئلہ کو پوری شرح سے بیان کرتا ہے اللہ ہی توفیق وفاق کا عطا فرمانے والا ہے

خلاصہ کلام یہ کہ بسم اللہ کی بائے جو الصاق کے لیے ہے یہ بتا دیا کہ اشیاء کی حقیقتیں ثابت ہیں اور ان کے ساتھ علم یقینی ہے اور بندوں کے افعال اختیاری ہیں جن کی وجہ سے ان کو ثواب یا عذاب ہوتا ہے اور رسول حق ہے شریعت حق ہے اور جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے وہ تمام حق ہے۔ سو تمام بسم اللہ کی باء میں آ گئے کیونکہ عقائد ہی اصول ہیں جب اصول بسم اللہ کی باء میں آ گئے تو فروع بطریق اولیٰ آ جائیں گے۔ اگر اللہ کے ساتھ الصاق نہ ہو تو مسائل اور عقائد سب باطل ہو جائیں گے یہ بیان تو ظاہری شریعت کے لحاظ سے ہوا اور باطن کے لحاظ سے بھی ظاہر ہو گیا کہ "توحید" اضافتوں اور نسبتوں کے ساقط کر لے کا نام ہے نہ کہ اشیاء کو خیالات اور اوہام ثابت کرنے کا ورنہ اکثر ایسے احکام جو سالکین کو مشاہدہ اور مجاہدہ میں دئے جاتے ہیں باطل ہو جائیں گے "جن لوگوں نے ہمارے لیے کوشش کی ہم ان کے لیے اپنے راستے کھول دیں گے" اور سامان لے لو اور بہترین سامان تقویٰ ہے اور اس طرح کی مثالیں قرآن اور علوم میں بہت ہیں "اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لیے سیاہی بن جائیں تو اس سے قبل کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں سمندر ختم ہو جائیں گے اور اس کے بیان میں اختصار سے کام لیا ہے اور اس کے ترجمان میں اجمال سے کام لیا ہے اور یہ سب معلومات اللہ اور اس کے رسول کے الصاق سے اور شیخ بزرگ ترین کے دامن کے وابستہ ہونے سے میسر آ لے ہیں اے اللہ اے محمود اپنے حبیب صفی اور ان کے آل اور نائب پر اپنی معلومات اور اپنی آیات کی تعداد کے برابر درود نازل فرما۔ اور اگر میں بھول جاؤں یا غلطی کر جاؤں تو مجھ پر گرفت نہ فرما اور ہمیں علم اور عمل اور تحقیق و توفیق زیادہ سے زیادہ دے آمین اے جہانوں کے پروردگار اے ارحم الرحمین اپنی رحمت سے میری دعا قبول فرما۔

"صرفی تحقیق اور حرفی بحث"

معلوم ہونا چاہیے کہ لفظ "اسم" کا اصل یا تو سِمْوٌ ہے اور یا وَسْمٌ۔ پہلا قول بصریوں کا ہے اور دوسرا کوفیوں کا۔ بنانے کا طریق پہلے قول کے مطابق اس طرح ہے کہ یہ سِمْوٌ سین کی حرکت سے تھا اس کے آخر کو حذف کر دیا گیا جیسا کہ "یدٌ" اور "دمٌ" کا آخر حذف ہو گیا ہے باقی دو حرف رہ گئے پہلا متحرک تھا اور دوسرا ساکن جب ساکن کو حرکت دی گئی تو متحرک کو ساکن کر دیا گیا تاکہ اعتدال قائم رہے پھر وصلی ہمزہ لایا گیا تاکہ ابتدا ساکن کے ساتھ لازم نہ آئے بعض کہتے ہیں کثرۃ استعمال کی وجہ سے اس میں تخفیف کا جب ارادہ کیا تو اس کے آخر کو حذف کر دیا گیا اور پہلے حرف کو حذف نہ کیا گیا تاکہ اجحاف (معارضہ) لازم نہ آئے لیکن انہوں نے پہلے کی حرکت کو حذف کر دیا پھر ہمزہ وصلی لانے پر مجبور ہو گئے تاکہ ابتدا ساکن کے ساتھ لازم نہ آئے۔

اور دوسرے قول کے مطابق اس کا اصل وَسْمٌ ہے واؤ کو حذف کر دیا گیا اور اس کے بدل میں ہمزہ وصلی لایا گیا لیکن اس میں کچھ نظر (شبہ) ہے کیونکہ "اسم" میں ہمزہ وصلی کو صدر کلام کے محذوف کے معاوضہ میں کبھی تسلیم نہیں کیا گیا یہی وجہ ہے کہ بعض نے کہہ دیا کہ نہ تو یہاں کوئی محذوف ہے اور نہ اس کا بدلہ بس صرف واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا

Scanned by CamScanner

گیا ہے جیسے "اِشاح" وغیرہ میں بدل دیا گیا ہے پھر جب اس کا استعمال زیادہ ہو گیا تو اس سے وہی معاملہ کیا گیا جو ہمزہ وصلی کے ساتھ کیا جاتا ہے، رکوفیوں پر یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ اس کا اصل یہی ہوتا تو اس کی جمع اوسام آتی اور تصغیر وُسَیم حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کی جمع تو اَسْماء اور اَسامی آتی ہے اور تصغیر سُمَیّ ہے اور اس کی تمام تصریفات میں بدل لانے کا ارتکاب کرنا بعید ہے بلکہ خطا کے قریب ہے۔

حاشیہ جمالیہ میں ہے کہ اس اختلاف کا فائدہ یہ ہے کہ جو آدمی "سُمُوّ" بمعنی بلندی سے اس کے اشتقاق کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے موصوف ہیں مخلوق کے وجود سے پہلے بھی اور وجود کے بعد بھی اور خود اللہ کے اسماء اور صفات میں مخلوق کے عدم اور وجود کا کوئی اثر نہیں ہے اور یہ اہل سنت والجماعت کا قول ہے جو کہتے ہیں کہ واضع (بنانے والے) حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے اور جو آدمی اس کو "وَسْم" بمعنی علامت سے مشتق سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ازل میں اللہ تعالیٰ بغیر اسم اور صفت کے تھا جب مخلوق کو پیدا کیا اس نے خدا تعالیٰ کے نام اور صفات مقرر کیے اور یہ معتزلہ کا قول ہے پہلے بھی اس کا کچھ تذکرہ ہو چکا ہے اس کو یاد رکھیں۔

دقیق ترین تفاسیر میں ہے کہ لفظ "اِسْم" میں چار لغات ہیں "اِسْم" بکسر الف "اُسْم" بضم الف اور "سِمٌ" بکسر العین اور "سُمٌ" بضم العین اور ان تمام کا اصل "سُمُوّ" ہے اور اس کا اشتقاق یا "سَمَا یَسْمُو سُمُوًّا" سے ہے یا "سَمِیَ یَسْمٰی سَمْیًا" سے بمعنی بلند ہوا۔ اگر اسم بضم الف لیا جائے تو یہ "سَمَا یَسْمُو" سے صیغہ امر ہے اور اگر بالکسر ہو تو دوسرے لفظ "سَمِیَ یَسْمٰی" سے صیغہ امر ہے جیسے "اُدْعُ" اور "اِرْمِ" اور یہ اسی طرح کی توجیہ ہے جیسے "اُمْشُ" کو "اِمْشِی یَمْشِیْ" سے امر کا صیغہ بنایا گیا ہے اور اسماء مبنیہ افعال کے صیغوں پر بہت سے موجود ہیں جیسے یزید اور یشکر وغیرہ انہوں نے اس صیغے کو بھی اسم بنا دیا اور اس پر اعراب کے طریقے جاری کر دیے اور اس کو افعال کی حدود سے نکال دیا اور میرا خیال تو یہ ہے کہ صحیح توجیہ کے ظاہر ہو جانے کے بعد ان تکلفات کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس کو محفوظ رکھیں اور غنیمت سمجھیں یہ عجیب تحقیق آپ کو کئی مقامات پر فائدہ دے گی۔

"نحوی تحقیق اور کشفی باریکیاں"

معلوم ہونا چاہیے کہ "اسم" کبھی تو "صفت" کے مقابل بولا جاتا ہے اور اس کی تعبیر یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ وہ چیز ہے جو مجرد ذات کی طرف اشارہ کرتی ہے اور کبھی ذات مع صفت پر بھی دلالت کرتا ہے اور پھر اس وقت اس کی تعریف یہ ہے کہ اسم وہ کلمہ ہے جو کسی ذات پر دلالت کرے خواہ اس کے ساتھ صفات کا لحاظ بھی ہو جیسے ضارب اور احمر وغیرہ یا نہ ہو جیسے اجل و فرس اور یہ آخری معنی ہی اس مقام میں مراد ہے اور محاورات (کلام) میں اسم کا ابتداءً یہی معنی سمجھا جاتا ہے اور باقی رہا پہلا معنی تو وہ چونکہ غیر متبادر ہے اس لیے وہ قرینہ کا محتاج ہوتا ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ قرآن نے بھی اسی متبادر معنی کے لحاظ سے ہی اس کو اس آیت میں بیان کیا ہے "کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو جس نام سے بھی تم پکارو اس کے سب ہی نام اچھے ہیں"۔ اگرچہ صفت کا اطلاق بھی ان اسماء پر آیا ہے جو کسی صفت پر دلالت کرتے ہیں جیسے رحمٰن۔ رحیم۔ رزاق وغیرہ اور یہ بھی اہل شرع کی عبارتوں میں واقع ہے اور وہ معنی جو صفت کو شامل ہے اسے ہی علم نحو میں کلمہ کی اقسام میں تعبیر کیا گیا ہے اسم وہ ہے جو بذات خود اپنے معنی پر دلالت کرے اور تینوں زمانوں میں سے کوئی زمانہ بھی اس میں نہ پایا جائے۔

پھر یہ جاننا بھی نہایت ضروری ہے کہ جب اسم جو اس آیت شریفہ میں واقع ہے عام ہے ملاحظہ صفات مع الذات سے تو اس میں تمام اسماء ذاتیہ صفاتیہ داخل ہو گئے۔ پھر ان اسماء کا بیان اولاً تو لفظ اللہ ہی میں ہو گیا کیونکہ وہ بنایا گیا ہے اس ذات کے لیے جو تمام صفات (الٰہیہ) کی جامع ہو جیسا کہ عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا پھر دوسری مرتبہ اس کی تفصیل الرحمٰن الرحیم سے کی ہے تو یہ تعلیم تفصیل کی طرح کا کلام ہے گویا کہ اس نے کہا اس اللہ کے نام سے جو رحمٰن۔ رحیم ہے۔ کریم ہے۔ عظیم ہے۔ مجید ہے حیّ ہے۔ قیوم ہے۔ واجد ہے۔ احد ہے آخر اسماء تک جو صحیح حدیث میں وارد ہیں اور جن کی تعداد ننانوے تک پہنچتی ہے تو آیت شریفہ کا خلاصہ یہ ہے کہ میں شروع کرتا ہوں یا برکت چاہتا ہوں یا پڑھتا ہوں اس ذات کے نام سے جو تمام صفات کی جامع ہے جس کو خوبصورت تفصیل کے ساتھ مفصل بیان کیا گیا ہے اور پھر تفصیل میں صرف یہ تین ہی نام رکھے ہیں یا تو اس لحاظ سے کہ پہلا نام تو جامع ہے اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو اہل دنیا پر ہو رہی ہے اور تیسرا اس رحمت جاریہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اللہ کی طرف سے اہل آخرت پر ہو گی تو گویا کہ اسم ذات کے بعد ان دو ناموں سے بیان کر دیا ہے کہ تمہارے لیے ضروری ہے کہ ہر کام کے ابتدا میں اس ذات سے برکت حاصل کرو جو تمام صفات کی جامع ہے اور یہ وہ صفات کا جن کا مرجع دارین کی رحمت کی طرف ہے جو آدمی دونوں جہانوں کا فائدہ اٹھانا چاہے اسکے لیے ضروری ہے کہ اس ذات سے تمسک کرے جس کے یہ نام ہیں اور جو اس سے بے خبر رہا اس نے کھلم کھلا خسارہ اٹھایا اور جس نے اس کا دامن تھام لیا اسے دنیا و آخرت میں حیات ابدی کی کامیابی نصیب ہوئی۔

اور اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہر اسم جو قرآن میں واقع ہوا ہے وہ صرف اس اجمال کی تفصیل ہے جو ان بسم اللہ شریف میں ان تینوں اسماء کے ساتھ نام رکھنے میں مندرج ہے۔ تو اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ تمام علوم قرآن میں موجود ہیں اور قرآن کے تمام حقائق سورہ فاتحہ میں ہیں اور سورہ فاتحہ کے تمام اسرار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہیں اور جمیع اسرار اس آیت کریمہ کے بسم اللہ کی با میں ہیں کیونکہ وہ لصوق (ساتھ لگ جانا) پر دلالت کرتی ہے اور کامیابی مرف لصوق کے تحقق کے بعد ہی نصیب ہو سکتی ہے تو اب کلی طور پر لصوق کے تحقق کی ضرورت ہے تاکہ تم بڑی کامیابی حاصل کر سکو۔ اے میرے رب میرے علم کو زیادہ کر اور مجھے علم اور کشف میں غلطی کرنے یا پھسل جانے سے محفوظ رکھ۔ اور ان اسماء کے معانی کے متعلق باقی کلام شافی تحقیق کے ساتھ ہر اسم جلیل کے معنی کے بیان میں ہو جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

عجیب توضیح اور عریف تدقیق

"جو کچھ آپ کو بتایا گیا ہے اس سے یہ بات آپ پر ظاہر ہو چکی ہے کہ لفظ "اسم" کا اللہ پر داخل کرنا اور باللہ الرحمٰن الرحیم نہ لکھنا یہ ایک باریک نکتہ کے اشارہ کے لیے ہے جو پہلے گزر چکا ہے اب میں آپ کو مفید نکتہ بتاتا ہوں اور عجیب دسترخوان پر بٹھاتا ہوں اور نادر ترین تفاسیر کا خلاصہ ہے اور وہ یہ ہے کہ برکت تو اللہ تعالیٰ کے نام سے حاصل کی جاتی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے تبرک حاصل کرنے کا کوئی معنی ہی نہیں ہے اس لیے کہ بندہ عاجز اور قاصر وہاں تک رسائی ہی حاصل نہیں کر سکتا اور یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی بزرگی کی طرف کچھ اشارہ کر دیا جائے تاکہ اس کے ذکر اور اس کی مخلوق کے ذکر میں فرق ہو جائے جیسے لوگ کہتے ہیں کہ "میں نے فلاں کے ساتھ برکت حاصل کی" اور اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کلام قدیم

میں فرمایا ہے اور اللہ کے سب نام اچھے ہیں پس اس کو ان سے پکارو تو دعا کا طریقہ اس آیت شریفہ یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم میں بیان کر دیا گیا ہے۔

بسم اللہ کے اسم کے الف کے حذف ہو جانے میں کچھ باریک نکتے ہیں پہلا تو یہی ہے جو انہوں نے کہا کہ جب اسم کا استعمال ہر ایک کام میں زیادہ ہو گیا تو وہ تخفیف کا محل قرار پایا پھر الف کے حذف کر لینے سے اس کی تخفیف کی گئی پھر با کو لکھنے میں الف کی طرح لمبا کر دیا گیا تاکہ وہ الف کا عوض ہو جائے اور میں کہتا ہوں کہ جب لصوق حقیقی اس متمسک کا الصاق اس کے اسماء میں فنا کی حیثیت سے متحقق ہو گیا۔ تو مناسب ہوا کہ ایک کلمہ فارقہ محذوف مان لیا جائے یہاں تک کہ اسم کے ساتھ اس کا ایسا الصاق ہو جیسا اس کا مسمّیٰ کے ساتھ تھا۔ اور اس کی تائید لمبی صورت میں با کی تحدید سے بھی ہوتی ہے یہاں تک کہ اس نے اپنے ملصق بہ سے صفت طول کا اکتساب کیا۔ تو با مبتدی کے لصوق پر دلالت کرتی ہے جیسے لفظ اسم سے اطلاق اور وصف حاصل کرتا ہے جیسا کہ مسمّیٰ میں بھی یہی کیفیت ہے اور با کو الف کی صورت میں لکھنے میں ایک اور لطیف باریک نکتہ ابھی ہے جو سمجھنا بڑا مشکل ہے کیونکہ وہ کشفی ہے اور وہ یہ ہے کہ مسمّیٰ دونوں مرتبوں کا جامع ہے ایک وجوب اور دوسرا امکان۔ پس با اس مرتبہ کی طرف اشارہ ہونے کی وجہ سے دونوں مرتبوں کا اکتساب کر رہی ہے۔ پہلا تو با کے نقطہ ہونے کی وجہ سے ہے جو امکان کے مرتبہ پر دلالت کرتا ہے اور دوسرا با کے بصورت الف ہونے کی وجہ سے ہے جو مرتبہ وجوب پر دلالت کرتی ہے بلکہ احدیت پر بھی اس تحقیق سے آپ کو ظاہر ہو گیا ہوگا کہ تمام علوم قرآن میں ہیں اور تمام قرآن فاتحہ میں ہے اور تمام فاتحہ بسم اللہ میں ہے اور تمام بسم اللہ با کے نقطہ میں ہے کیونکہ سارے قرآن میں یا تو وجوب کا بیان ہے یا امکان کا اور یہ تمام چیزیں بسم اللہ کی با میں موجود ہیں جو الف کی صورت میں لکھی جاتی ہے اور نقطہ باقی رکھنے میں ایک اور نکتہ کشفی بھی ہے اور یہ ہے کہ سالک کی سیر جب ختم ہو جاتی ہے اور وہ خیر تک واصل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بقاء کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے اور اپنے رب کے رزق سے رزق حاصل کرتا ہے اس کا رزق یقیناً بہتر ہے اور باقی رہنے والا بھی ہے ضروری ہے کہ اس کی بشریت باقی رہے اگرچہ وہ حقیقت میں مٹی ہو گی لیکن وصل کے پیالوں سے بقا کی شراب پینے والی ہے کیونکہ بندہ آخر بندہ ہے اگرچہ وہ ترقی کر جائے اور یہی انتہائی مقصود ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء اور خواص پر تکالیف رکھی گئی ہیں خصوصاً افضل المرسلین نبی مکی علیہ علیہم الصلوٰۃ اجمعین۔ یہی وجہ ہے کہ منصور پر جس نے "میں حق ہوں" کہا تھا وہ حوادث گذر گئے جو گذرے اور ان لوگوں پر بھی جو ان کے پیچھے لگے یہی وجہ ہے کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کلی اور وصول حقیقی کے حاصل ہونے کے بعد بھی کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ حالانکہ وہ وصال کا مقام تھا جو کہ دوئی کے منافی تھا اور یہ حقیقی کمال اور تحقیقی وصال ہے اور اس کلام کی ایک اور تحقیق بھی ہے جو میرے دل میں پھر رہی ہے۔ میں شیخ بزرگ کے قول "کاسات الوصال" اور "انا فی حضرۃ التقریب وحدی" کے ذیل میں اسے خدا کے فضل و کرم سے مفصل بیان کر دوں گا۔ اے اللہ مجھے اپنی مہربانی اور اپنے نبی اور ان کے صحابہ اور ان کے نائب صلی اللہ علیہ وسلم مع کلہم اجمعین کی امداد سے اس کی توفیق دے۔

Scanned by CamScanner

اور اسم کے الف کے حذف کرنے اور بَا کو بصورت الف لمبا لکھنے میں دوسرا لطیفہ یہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سالک پر اللہ تعالیٰ کے اسماء کے اخلاق سے اس کا دل ملاحق ہے کے لیے ضروری ہے کہ وہ بالکل سیدھا ہو اس میں کسی قسم کا جھکاؤ نہ ہو اور نہ ہی سیر میں کوئی کوتاہی ہو وہ بقدر امکان وطاقت اس ترتیب کی استقامت سے جو نہایت اچھے وسیلہ ناستقم کے مطابق اسے حاصل ہوئی ہے بلندیوں تک پہنچنے والا ہوا ہے ہمارے رب ہمیں سیدھے راستے پر چلا ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا جو نہ مغضوب علیہم کا اور نہ گمراہوں کا۔ یہاں تک ہم تیرے رنگ میں رنگ جائیں اور تیرے اخلاق کے ساتھ متخلق ہو جائیں: یہ اللہ کا رنگ ہے اور کس کا رنگ اللہ کے رنگ سے اچھا ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ادیں میرا رب ہے جو سیدھے راستے پر ہے۔

اور بَا کا الف کی صورت میں اوپر کو جانا اس معراج (بلندی) کی تصویر ہے جو سالک کے لیے رفیق اعلیٰ کی طرف واقع ہوتی ہے اور یہ جو الف سے چھوٹی رہ کر ختم ہو جاتی ہے ایک اور نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سالک بندے کا عروج اپنے علم کے فنا ہونے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے میسر آنے سے ہوتا ہے اور اللہ ہی اس کے اسرار اور انوار کو خوب جانے اور اس حذف اور اتصال میں اور بھی کئی ایک لطائف ہیں جو دل میں چمک رہے ہیں لیکن ادب ان کے اظہار سے مانع ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہی علیم وکلیم اس کی ذات پاک ہے۔ اور شان مقدس ہے

افادۂ وضعی اور افادۂ شرعی

"معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض نام تو ذاتی ہیں اور بعض صفاتی ضروری ہے کہ بقدر ضرورت اس کا بیان کر دیا جائے۔ اس پر اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم ذاتی لفظ اللہ ہے یا لفظ ھو۔ پہلے کی طرف تو علماء ظاہر مائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اسم ذاتی وہ ہو سکتا ہے جس کی اپنی وضع میں صفات میں سے کسی صفت خاص نہ لحاظ نہ رکھا گیا ہو بلکہ تمام صفات یکساں مستجمع ہوں اور دوسرے کی طرف اہل مکاشفہ گئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اسم ذاتی وہ ہے جس کی وضع میں سرے سے کسی صفت کا لحاظ رکھا ہی نہ گیا ہو نہ خصوصاً نہ عموماً بلکہ صرف ذات خالص ہو۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ یہ اختلاف اسم ذات کے معنی پر مبنی ہے جنہوں نے یہ اصطلاح مقرر کر لی کہ جس میں جمیع صفات شامل ہوں انھوں نے پہلے معنی سے لیے اور جنہوں نے دوسرے معنی کی اصطلاح مقرر کر لی وہ دوسری طرف چلے گئے۔ اے طالب! میں چاہتا ہوں کہ تجھے پورے فوائد بخشوں کہ تیری عید ہو جائے اور اس کو سمجھ لینے کے بعد تو خوش قسمتی کی زندگی گذارے جو تجھ پر پڑھا جاتا ہے اسے سن جب تو میری بات سنے گا تو تیرا نور ایمانی زیادہ ہو جائے گا۔

پہلا فائدہ تو یہ ہے جس کی طرف پہلے بھی اشارہ گذر چکا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی ذات اسماء کے ساتھ مسماۃ ہے یا نہیں؟ پہلا مذہب تو اہل حق کا ہے جو اہل السنۃ والجماعت سے منقول ہے کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو جس نام سے بھی تم پکارو اس کے سارے ہی نام اچھے ہیں اور دوسرے کی طرف معتزلہ گئے ہیں جو ایک مردود اور مقہور فرقہ ہے اور یہ عقل اور نقل دونوں سے غلط ہے۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام محصور و محدود ہیں یا نہیں؟ اس میں دوسری بات درست ہے اور اہل السنت والجماعت کے تمام فقہا اسی طرف گئے ہیں اور وہ جو حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں

جوان کو یاد رکھے گا وہ جنت میں داخل ہو گا۔ اس سے مراد حصر نہیں ہے بلکہ ان اسماء مخصوصہ کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے یا یہ مطلب یہ ہے کہ یہ نام قرآن مجید میں آئے ہیں اور تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام نام اپنے مصداق کے لحاظ سے ایک ہی ہیں کیا آپ نے یہ نہیں ملاحظہ فرمایا کہ اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ رحمان رحیم کا غیر ہے اور اللہ رحمٰن کا غیر ہے مثلاً کر وہ کافر ہو جائے گا اور چوتھا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام نام توقیفی (منقول) ہیں اس پر کسی نام کا اطلاق تب ہی کیا جا سکتا ہے جب وہ شریعت میں وارد ہو جائے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ معلوم ہو جائے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کے لیے شریعت کی اطلاع کے بغیر کوئی نام بطور علم وضع کرنا اور بولنا جائز نہیں ہے ہاں اگر اللہ تعالیٰ پر کوئی نام باعتبار معنیٰ وصفی کے بولا جائے اور وضع اور علمیت کا خیال نہ ہو تو جائز ہے اور یہی وجہ ہے کہ "رب" کا لحاظ "صاحب" کے معنی میں اللہ پر بولنا جائز رکھا گیا ہے۔ شرح عقائد عضدیہ اور شرح جزریہ میں اس کو کھول کر بیان کیا گیا ہے جو کہ شیخ کامل ملا علی بن سلطان المشہور بہ ملا علی قاری کی تالیفات میں۔ اور پانچواں فائدہ یہ ہے کہ اسماء وصفات ثابتہ کیا ہیں؟ اور ان کی حقیقت کیا ہے؟ اور میرا خیال یہ ہے کہ ان کی حقیقت پر اطلاع پانی بھی اسی طرح ناممکن ہے جیسے اس کی ذات کی حقیقت معلوم کرنا ناممکن ہے اس کو نگاہیں ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کو ادراک کرتا ہے اور اگر آپ ذات اور صفات میں فرق کرنا چاہیں تو تسلیم کر لینے کے بعد میں یہ کہوں گا کہ اس کی اطلاع ریاضات شاقہ اور مجاہدات تامہ کی محتاج ہے جو باریک کشف اور لطیف اشراقات مہیا کر سکیں جو کہ غلطیوں اور شبہات سے پاک ہو اور چھٹا فائدہ وہ ہے جس کی طرف بعض عرفا نے شیخ اور سیدی محی الدین محمد بن عربی صاحب الفصوص سے نقل کرتے ہوئے اشارہ فرمایا ہے جو کہ آپ نے اپنی کتاب در الشاء الدوائر میں بیان کیا ہے میں ان کی اس عبارت کو یہاں نقل کرتا ہوں۔

"جان لو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے بہ مطابق کل یوم ہو فی شان الوہیت کے مرتبہ میں کئی حالتیں اور تجلیات ہیں اور اس کی حالتوں اور مراتب صفات کے مطابق اس کے بہت سے اسماء اور صفات ہیں اور پھر صفات یا ایجابی یا سلبی اور پہلی یا تو حقیقی ہیں جن میں کوئی اضافت نہیں ہے جیسے حیوٰۃ اور وجوب اور قیومیت دو معنوں میں سے ایک کے مطابق یا وہ صفات خالص اضافی ہیں جیسے اولیت اور آخریت یا وہ ہیں جن میں اضافت بھی ہے جیسے ربوبیت اور علم اور ارادہ اور دوسری قسم کی صفات (یعنی سلبی) جیسے غنا اور قدوسیت اور سبوحیت اور ان میں سے ہر ایک کا ایک لحاظ سے وجود بھی ہے خواہ وہ صفات ایجابی ہوں یا سلبی اس لیے کہ وجود عارض ہوتا ہے عدم کو عدم اور معدوم کو بھی من وجہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے مرتبہ کے مطابق صرف ذاتی تجلیات ہی ہیں جن کو مرتبہ الوہیت نے اور معنویت کے اعتبار سے تعبیر کیا گیا ہے جن کو شریعت کی زبان میں عماء الذاہن یعنی نامعلوم) سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ پہلی کثرت تھی جو وجود میں واقع ہوئی اور بارگاہ احدیت ذاتیہ اور مظاہر خلقیہ کے درمیان برزخ (پردہ) ثابت ہوئی۔ کیونکہ ذات باری نے اپنی الوہیت اور ربوبیت کے مراتب کے مطابق متعدد صفات کا تقاضا کیا جو ایک دوسرے کے مقابل تھیں جیسے لطف اور قہر اور رحمت اور غضب اور رضا اور ناخوشی (ناراضگی) وغیرہ اور ان کو صفات جمالیہ اور جلالیہ جمع کرتا ہیں کیونکہ ہر وہ صفت جس کا لطف سے تعلق ہے وہ جمال ہے اور جو قہر سے متعلق ہے وہ جلال ہے اور ہر جلال کے لیے ایک جمال ہے اور ہر جمال کے لیے ایک جلال ہے۔

اور وہ پوشیدہ مہربانی ہے جو قہر الٰہی کے پردہ میں ہے اور اس کے برعکس بھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور تمہارے لیے عقلمند و قصاص میں زندگی ہے اور امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا پاک ہے وہ اللہ جس کی اولیاء کے لیے رحمتیں اپنے دوستوں کے لیے وسیع ہیں اس کے شدت غضب میں بھی اور اس کا عذاب اس کے دشمنوں پر سخت تر ہے باوجود وسعت رحمت کے اور اسی توجیہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا راز بھی معلوم ہو گیا کہ "جنت تکلیفوں سے گھری ہوئی ہے" اور یہ کیفیت جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے دو متقابل صفتوں کا برزخ ہے اور ذات ایک صفت معینہ کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی تجلیات میں سے کسی تجلی کے اعتبار کا نام "اسم" ہے مثلاً صفت "رحمٰن" کی ذات "رحمت" ہے اور صفت "قہار" کی ذات "قہر" ہے اور یہ جو نام بولے جاتے ہیں یہ اسماء (اور اسماء "ناموں" کے نام) ہیں اور اس جگہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ مراد اس بات سے کہ اسم عین مسمّیٰ ہے کیا ہے اور کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ اسم ہمیشہ صفات کا ہوتا ہے کیونکہ ذات تو اسماء اور صفات سب میں مشترک ہوتی ہے اور اس میں کثرت تو صفات کی کثرت سے آتی ہے اور یہ کثرت مراتب غیبیہ کے اعتبار سے ہوتی ہے جو کہ غیب کی کنجیاں (اصل) ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے وجود علمی کے معانی معقولہ کا نام ہے جن کو خدا تعالیٰ کی شیون (حالتیں) اور تجلیات ظاہر کرتی ہیں اور یہ موجودات عینی نہیں ہیں اور نہ یہ وجود میں حقیقتاً داخل ہیں بلکہ وجود میں داخل وہ ہے جو خدا کے وجود سے ان اسماء کے مراتب کے وجود میں متعین ہے پس یہ عقل میں تو موجود ہیں اور عین کے لحاظ سے معدوم ہیں اور ان چیزوں میں جن کا وجود عینی ہے ان کا اثر اور حکم ہے جیسا کہ شیخ (ابن عربی) رضی اللہ عنہ نے فصل اول اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ کثرت علم ذاتی کی طرف راجع ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا بذاتہ علم ہے۔ اس لئے مرتبہ احدیت میں اپنی ذاتی کمالات سے علم کو واجب کیا ہے۔ پھر محبت الٰہیہ نے ان میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ ظہور ذات کا تقاضا کیا جو بارگاہ عینیت میں متعین ہے تو وہ ان دونوں میں حاصل ہوا پھر صفات منقسم ہو جاتی ہیں کچھ وہ صفات ہیں جن کا احاطہ پورا اور کلی ہے اور کچھ وہ ہیں جن کی کیفیت ایسی نہیں ہے اگرچہ وہ بھی اکثر اشیاء کا احاطہ کئے ہوئے ہیں پہلی قسم کی صفات تو صفات کی مائیں (اصل) ہیں جن کا نام ائمہ سبعہ (سات امام) ہے اور وہ ہیں حیاتؔ۔ قدرتؔ۔ سمعؔ۔ بصرؔ۔ کلامؔ علمؔ اور ارادہؔ۔ پھر خدا تعالیٰ کا سمع (سننا) عبارت ہے اس کی علمی تجلی سے جو کلام ذاتی کی حقیقت سے مقام جمع الجمع میں متعلق ہے اور مقام جمع میں اعیان کے متعلق ہے اور تفصیل ظاہری و باطنی اور طریق شہود کے متعلق ہے اور اس کی بصر (دیکھنا) عبارت ہے اس تجلی سے جو قدرت اور ارادہ دونوں کے تعلق سے حاصل ہوتی ہے تاکہ ایجاد اور غیبی چیزوں کا ظہور ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کا حکم اس طرح ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کہہ دیتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے اور یہ صفات اگرچہ اصولی طور پر ایک دوسرے سے الگ ہیں لیکن ان میں سے بعض بعض کے ساتھ خفیف مشروط ہیں مثلاً علم حیوۃ اور قدرت سے مشروط ہے اور اسی طرح ارادہ بھی اور باقی تین صفات ان چار مذکورہ صفات کے ساتھ مشروط ہیں۔ پھر اسماء ایک طرح کی تقسیم کے لحاظ سے چار اسماء کی طرف تقسیم ہو جاتے ہیں اور وہ چار امہات (اصل) یہ ہیں الاوّلؔ۔ آخرؔ۔ ظاہرؔ۔ باطنؔ اور ان سب کا جامع یا تو لفظ "اللہ" ہے یا لفظ "رحمٰن" اللہ تعالیٰ نے فرمایا قل ادعو

او ادعوا الرحمٰن ایا ما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو جس کو بھی تم پکارو سو اس کے سبھی نام اچھے ہیں۔ یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے کچھ اسماء حسنیٰ ہیں جو ان کے تحت داخل ہیں پھر ہر ایک اسم کا ایک ظہور اور بطون ہے اور ایک اولی اس کی ازلیت تو اسم اول سے ہے اور ابدیت اسم آخر سے اور ظہور اسم ظاہر سے اور بطون اسم باطن سے اور وہ اسماء جو ایجاد اور ابداع و پیدا کرنا سے تعلق رکھتے ہیں وہ اسم اول کے تحت آجاتے ہیں اور وہ اسماء جو اعادہ اور دوبارہ پیدا کرنا اور جزا کے متعلق ہیں وہ اسم آخر میں داخل ہیں اور جو ظہور اور بطون و پوشیدگی سے تعلق رکھتے ہیں وہ ظاہر اور باطن میں شامل ہیں اور تمام چیزیں ان چار معانی ظہور، بطون، اولیت اور آخریت سے خالی نہیں ہیں۔

اور پھر یہ اسماء ایک طرح کی تقسیم کے لحاظ سے اسماء ذات اور اسماء صفات اور اسماء افعال کی طرف منقسم ہو جاتے ہیں اور اکثر ایسے اسماء ہیں جن میں دو اعتبار جمع ہوتے ہیں اور یا تین کیونکہ ان میں کچھ ایسی خصوصیات ہیں جن سے وہ ایک لحاظ سے تو ذات پر دلالت کرتے ہیں اور دوسرے اعتبار سے صفات پر اور تیسرے اعتبار سے افعال پر مثلاً اللہ اور رب کہ وہ ذات کے لیے تو ثابت کے معنی میں ہے اور صفت کے لیے مالک کے معنی میں اور فعل کے لیے مصلح کے معنی میں۔

اسماء ذات

اسماء ذات یہ ہیں اللہ، رب، ملک، قدوس، سلام، مومن، مہیمن، عزیز، جبار، متکبر، علی، عظیم، ظاہر، باطن، اول، آخر، کبیر، جلیل، مجید، حق، مبین، واجد، ماجد، صمد، متعالی، غنی، نور، وارث، ذوالجلال والاکرام اور رقیب۔

اور اسماء صفات یہ ہیں۔ حی، شکور، قہار، قاہر، مقتدر، قوی، قادر، رحمٰن، رحیم، کریم، غفار، غفور، ودود، رؤف، حلیم، صبور، بر، علیم، خبیر، محصی، حکیم، شہید، سمیع، بصیر۔

اور اسماء افعال یہ ہیں۔ مبدی، وکیل، باعث، مجیب، واسع، حسیب، مقیت، حفیظ، خالق، باری، مصور، وہاب، رزاق، فتاح، قابض، باسط، خافض، رافع، معز، مذل، حکم، عدل، لطیف، معید، محیی، ممیت، والی، تواب، منتقم، مقسط، جامع، مغنی، مانع، ضار، نافع، ہادی، بدیع، رشید۔

اور کچھ اسماء وہ ہیں جو غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا یا کامل اقطاب میں سے وہ جن پر ہویت ذاتیہ کی حق کی طرف سے تجلی ہوتی ہے ان کو خدا کی تجلی سے معلوم ہوتا ہے یہ وہ ہے جو شیخ اوحدی قدس سرہ نے افادہ بخشا پھر یہ بھی ضروری ہے کہ آپ اس تحریر کو غور کی نگاہ سے دیکھیں تاکہ تم پر وہ اسرار ظاہر ہو جائیں جو نور اور ظہور پر ہیں۔ میں نے عبارت کے لمبا ہونے کے خوف سے مختصر لکھ دیا ہے اسے یاد رکھیں یہ تردد اور شک و شبہ کے دفع کرنے میں بڑا نافع ہے اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے اور لفظ "اسم" کی تحقیق کے متعلق میں ان شاء اللہ تفصیل سے شیخ ترین بزرگ کے قول "وفعل ما تشاء فالاسم حال" اور "عبدالقادر المشہور اسمی" کے تحت ان شاء اللہ تعالیٰ لکھوں گا۔ اے ہمارے رب ہمیں علم میں ترقی عطا فرما اور اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر جائیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما اور ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں نیکی اور عذاب نار سے بچا

لغوی بحث اور وضع کا بیان

معلوم ہونا چاہیے کہ لفظ "اللہ" کے متعلق قوم کا اختلاف ہے کہ
"مشتق ہے یا نہیں؟ جو اسے مشتق نہیں سمجھتے وہ کہتے ہیں کہ یہ
عَلَم (نام خاص) ہے۔ یہ لفظ "اللہ" اللہ کی خاص اس کے ساتھ متفرد ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فہل تعلم لہ سمیا کیا تو
کوئی ہم نام جانتا ہے"۔ تفسیر میں ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کیا تو کسی ایسی ذات کو جانتا ہے جس کو "اللہ" کہا جا سکے یعنی
اس اسم کے موسوم کوئی بھی نہیں ہوا پس یہ لفظ بولنے کے اعتبار سے خاص خداوند تعالیٰ کے لیے ہے معنی کے لحاظ سے
بھی اور اطلاق کے لحاظ سے بھی اور جو لوگ اس کو مشتق مانتے ہیں وہ اس کے مشتق ہونے میں تو متفق ہیں لیکن اس کے
ماخذ میں ان کا بھی اختلاف ہے بعض تو یہ کہتے ہیں کہ یہ وَلَہَ یَلِہُ وَلَہاً سے مشتق ہے اس کا معنی ہے گھبرا گیا اور پناہ پکڑی
اللہ کا معنی اس صورت میں یہ ہوگا کہ وہ مخلوق کے لیے پناہ کی جگہ ہے لوگ گھبرا کر اپنی حاجتوں کے وقت اس کی طرف
آتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے "ولہ" کا معنی ہے حیرانگی تو اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کی عظمت میں حیران
اور اس کے دیکھنے کے شوق میں عاجز ہیں ان دونوں معنی میں اس کا ماخذ "ولاہ" ہوگا۔ واو ہمزہ سے بدل گئی ہے جیسا کہ
سے اشاح بن گیا ہے تو اس صورت میں ولاہ سے الٰہ ہو گیا پھر اس پر الف لام تعریفی داخل کیا گیا۔ تو الاٰلہ ہوگیا۔ پھر ہمزہ تخفیف
کے لیے حذف ہوگیا اور اللہ کہا گیا۔ اور بعض نے اس کو اَلَہَ یَلِہُ سے مشتق سمجھا ہے یعنی دوام وثبت کہا جاتا ہے کہ اَلَہَ
یعنی مکان میں ہمیشہ رہا اور قائم رہا تو اسم اللہ کا معنی اس صورت میں یہ ہوگا کہ وہ قائم ہے قدیم ازلی ہے اور یہ بھی کہا
گیا ہے کہ یہ اَلَہَ یَلِہُ آلِہَۃً سے مشتق ہے یعنی عبادت کی گئی تو نام کا معنی ہوگا کہ وہ عبادت کا مستحق ہے اور عبادت اسی کی
صحیح ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ اَلَہَ الی فلان سے مشتق ہے یعنی اس کی طرف رجوع کیا اور اس پر اعتماد کیا تو نام کا معنی یہ ہوا کہ
ہر کام اور ہر حتم میں اسی پر بھروسہ ہے اور اسی کی طرف رجوع ہے اور بعض نے اسے الہ بمعنی تحریہ سے لیا ہے اور اس کا
معنی "ولہ" کے تحت گذر چکا ہے۔ بعض نے اسے اَلِہْتُ الیہ سے لیا ہے یعنی میں نے اس کے پاس سکون حاصل کیا تو
کے معنی ہوں گے کہ مخلوق کے دل اس کے ذکر سے اس کی طرف سکون حاصل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا الا بذکر اللہ
تطمئن القلوب خبردار اللہ کے ذکر سے دلوں کو تسکین حاصل ہوتی ہے"۔ بعض نے اس کو الہ بمعنی ارتفع سے لیا ہے یعنی
بلند ہوا اور اسی لیے عرب لوگ سورج کو اَلٰہہ کہتے ہیں یعنی اس کی بلندی کی وجہ سے اور اسم کے معنی ہوں گے وہ بلند
عظیم ہے۔ اور ان تمام صورتوں میں یہ الٰہ بروزن فِعَالٌ ہے اس میں ہمزہ واو سے تبدیل نہیں ہوا پھر ہمزہ مع اللام
کو حذف کر دیا گیا جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے اور بعض نے اسے لاہ یلوہ یا پھر لاہ یلیہ سے لیا ہے یعنی وہ حجاب میں
تو نام کا معنی اس صورت میں یہ ہوگا کہ وہ نگاہوں سے پوشیدہ ہے" اسے نگاہیں ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کو ادراک
کرتا ہے اور بعض نے اسے لاہ یلوہ ای علی سے لیا ہے تو اسم اللہ کا معنی یہ ہوگا وہ بلند ہے عالی متعالی ہے اور ان دونوں
معنوں کی صورت میں اس کا اصل لاہ ہے اس پر الف لام داخل ہوا اور ادغام ہو گیا اور اس صورت میں ہمزہ محذوف
نہیں ہوگا اور اسی لغت کے مطابق بغیر الف لام کے شاعر کے قول میں وارد ہوا ہے "کیمعو لاھۃ الکبار"
پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ جو لوگ اس کا اصل الالٰہ کہتے ہیں اور ہمزہ کو حذف کرکے اس پر الف لام تعریف کا

عوض میں لاتے ہیں اور اس کو لام میں ادغام کرتے ہیں یہ اعتراض وور ہوتا ہے کہ اگر ہمزہ کی حرکت کو ماقبل کی طرف منتقل کر کے حذف کیا جائے جیسا کہ ہمزہ کی تخفیف میں قاعدہ ہے تو اس صورت میں ادغام کا لازم ہونا خلاف قیاس ہوگا کیونکہ ادغام ہمیشہ ان دو میں جن دو کی حرکتیں ایک جیسی ہیں جائز ہوتا ہے نہ کہ واجب اور اگر ہمزہ کو حرکت سمیت حذف کیا جائے تو اس صورت میں ہمزہ کی تخفیف خلاف قیاس ہوگی اور ادغام کا وجوب قیاس کے مطابق ہوگا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ جب لام ہمزہ کے عوض میں آگیا تو وہ ایک ہی کلمہ کی طرح ہو گیا تو متجانسین کا اجتماع ایک ہی کلمہ میں ہو گیا یا پھر علمیت کے بعد وہ ایک کلمہ بن گیا۔ لیکن دونوں جوابوں میں کچھ نظر ہے۔ پہلے میں تو اس لیے ہے کہ یہ جواب اس صورت میں صحیح ہوتا جبکہ مراد ایک ہی کلمہ سے ہو جس میں انہوں نے قاعدہ کا ذکر کیا ہے عام اس سے کہ وہ حقیقۃً ایک ہو یا حکماً اور دوسرا اس صورت میں صحیح ہوتا جبکہ علمیت کا ثبوت لفظ "الالٰہ" میں ہو جاتا اور اس کے سوا سوائے کانٹوں کے کچھ نہیں ہے کیونکہ عَلَم لفظ "اللہ" ہے نہ کہ "الالٰہ"، اور قہستانی جو شرح کیدانی میں لکھا ہے کہ جلالت کا اصل "الالٰہ" ہے اور یہ دونوں لفظ ہی خدا تعالیٰ کے لیے عَلَم ہیں اور اس کے ساتھ مخصوص ہیں لیکن پہلا اختصاص میں زیادہ مؤکد ہے یعنی بحذف ہمزہ یہ بھی شبہ سے خالی نہیں ہے پس غور کرو۔

اور سب سے بہترین توجیہ اس جواب میں یہ ہے کہ اسم "اللہ" ہر لحاظ سے خارج از قیاس ہے جیسا کہ اس کا مُسمّٰی دائرہ قیاس سے خارج ہے اور عقل کے طرق سے ماوراء ہے۔ پاک ہے وہ جس کی ذات اور اسماء کی معرفت کے میدانوں میں عقلیں حیران ہیں اور بڑے بڑے لوگ اس کے اذکار اور بخششوں کے شمار میں پریشان ہیں۔ اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کی اصل لاہا سریانی لفظ ہے پھر مُعَرَّب کیا گیا اور آخری الف کو حذف کر دیا گیا اور الف لام اس کے اوپر داخل کیا گیا اسے یاد رکھو۔

پھر ان اقوال کے قبول اور رد میں مختلف اقوال ہیں لیکن موجودہ مقام اور حالات اسی قدر اختصار کا تقاضا کرتے ہیں علاوہ اس کے ہر قوم نے اللہ تعالیٰ کے اس اسم کی تحقیق میں اپنی ہمت صرف کی ہے اور اس سے انہوں نے خدا تعالیٰ کے ذکر کا حصہ پانے میں کامیاب ہوئے ہیں اب اگر بعض اقوال کے قبول اور بعض کے رد میں مشغول ہوا جائے تو یہ ذاکرین کے دلوں کو پریشان کرتے مترادف ہوگا جیسا کہ موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہا گیا تھا کہ تو متفرق لوگوں کو جمع کرنے کے لیے آیا تھا نہ کہ مجتمع لوگوں کو منقطع کرنے کے لیے اسی کے معنی میں مولانا روم نے یہ شعر کہا ہے بیت۔ تو برائے وصل کردن آمدی ۔ نے برائے فصل کردن آمدی (یعنی تو تو ملانے کے آیا ہے نہ کہ جدا کرنے کے لیے)

باقی رہی ایک اور تحقیق اس کا افادہ بھی ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ "الالٰہ" ابتدا میں ہر معبود کا نام تھا اور اس کے معبود حق پر غالب ہو گیا اور کہتے ہیں کہ یہی حال لفظ اللہ کا ہے کیونکہ اصل میں وہ بھی الالٰہ ہی تھا تو جو حال اصل کا تھا وہی حال اس کا تھا اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ توحید کے لیے اس طرح کا مفید نہیں ہے جیسے کہ لا الٰہ الا الرحمن کیونکہ وہ ایک ایسے کلی مفہوم پر دلالت کرتا ہے جو شرکت سے مانع نہیں ہے اور یہ اجماع کے برخلاف ہے اور اس لیے بھی درست نہیں ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ اصل کا حکم وہی فرع کے لیے

بھی ہو خواہ اس میں تعلیل اور ادغام میں واحد کے اعتبار سے حق حقیق بالقبول یہی ہے کہ لفظ اللہ یہ عَلَم ہے اور اس میں دو مذہب ہیں ایک یہ کہ یہ اصل میں تو صفت تھا لیکن ادغام کے بعد عَلَم غالبی ہو گیا اور اس طرح کا ہوا کہ اللہ کے سوا اس کا اطلاق کسی اور پر جائز نہ رہا جیسے الثریا اور الصعق کے الفاظ یہی وجہ ہے کہ اس پر اوصاف جاری ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو اللہ الذی لا الٰہ الا ہو عالم الغیب والشہادۃ ''وہ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ غیب و شہادت کا جاننے والا ہے'' اور اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ یہ لفظ کیوں اللہ تعالیٰ کے کسی نام کی صفت کے طور پر نہیں آیا اور دوسرا مذہب یہ ہے کہ وہ عَلَم حقیقی ہے جو اس کی ذات کے ساتھ خاص ہے کیونکہ یہ تو ضروری ہے کہ اس کی ذات کے لیے کوئی ایسا علم ہو جو اس پر دلالت کرے جیسا کہ اس کی صفات میں سے ہر صفت کے لیے کوئی نہ کوئی اسم ہوتا ہے اور میرے خیال میں یہ دوسری توجیہ زیادہ مکمل ہے کہ اس کا نام بھی اسی طرح کا ہو۔ اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ عدم اشتقاق کا قول زیادہ قوی زیادہ مناسب اور زیادہ صحیح ہے۔

تو یہ کہے کہ اللہ جب ذات کے لیے عَلَم ہے تو پھر کیا اس کے وضع کے وقت تمام صفات کا لحاظ رکھا گیا ہے یا نہیں؟ دوسرا پہلو تو ان کی صراحت کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ یہ ایک ایسا اسم ہے جو تمام صفات کمال کا جامع ہے اور پہلے پہلو کو اگر لیا جائے تو تسمیہ کی نسبت میں تغیر لازم آئے گا کیونکہ صفات تو ہر آن متغیر اور متبدل اس کے آثار ہوتے رہتے ہیں تو ان کے اعتبار سے تسمیہ میں تغیر بھی ضرور لازم آئے گا۔ میں کہتا ہوں کہ ہم دوسری شق اختیار کرتے ہیں۔ اور جو تم تصریح بیان کر رہے ہو وہ تحقیق کے بغیر ہے اہل تحقیق نے تو صرف یہی کہا ہے کہ لفظ اللہ ذات من حیث الذات کے لیے وضع کیا گیا ہے قطع نظر صفات کے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ کو اسم الذات کہتے ہیں اور اس پر یہ اعتراض وارد ہو گا کہ اگر کوئی آدمی کہے میں ''اللہ پر ایمان لایا'' تو وہ اللہ کی تمام صفات اور دوسرے اسماء پر ایمان لانے والا نہیں ہو گا مگر یہ کہ کہا جائے کہ بے شک لفظ اللہ حقیقتاً ہر کمال کی حقیقت پر دلالت کرتی ہے اس میں جو کمزوری ہے وہ ہے اور حق یہ ہے کہ جواب دیا جائے کہ پہلی بات زیادہ درست ہے اور تیرا یہ کہنا کہ صفات کو بدلتی رہتی ہیں الخ ہمیں مضر نہیں ہے کیونکہ آثار کا تغیر صفات کے تغیر پر دلالت نہیں کرتا اور محدثات کی صفات پر ان کو قیاس کرنا غیر معقول بات ہے کیونکہ خالق کی صفات کو مخلوق کے ساتھ کو متشابہ نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات صفات ثابت ہیں قدیم ہیں ازلی ابدی ہیں اور وہ جو مخالف جس کی طرف ترتے مثلاً کرامیہ وغیرہ گئے ہیں غیر معقول ہے بلکہ مردود ہے حق کی طرف طرف رجوع لازمی ہے اور وہ اسم جو محض خالص ذات کے لیے ہے جس میں صفات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے وہ دوسرا اسم ہے اور وہ ہے لفظ ''ہو'' جیسا کہ اس کی تحقیق ''کشف حقیقی اور وقوف تحقیق'' کے تحت بیان ہو گی۔

''بیان تعریفی اور تعریف تبیانی''

معلوم ہونا چاہیے کہ سب سے زیادہ معرفہ کس سے ہوتا ہے؟ اس میں لوگوں کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے معارف جو پانچ معرفہ کرنے والی چیزیں ہیں ان میں سے ضمیر سب سے زیادہ معرفہ بنانے والی ہے اور پھر ان میں سے بھی متکلم یا مخاطب کی ضمیر بعض نے کہا ہے کہ الف لام سے بنا ہوا معرفہ سب سے زیادہ معرفہ ہے اور بعض نے موصول کو سب سے زیادہ معرفہ کہا ہے

اور اس کی تحقیق کا مقام علم نحو ہے۔ سیبویہ نے کہا تمام معارف میں اعرف لفظ "اللہ" ہے اور اس نے بہت خوب کہا اور درست کہا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اہل کشف میں سے کسی نے سیبویہ کو دیکھا اسے بخش دیا گیا تھا اور جنت میں اعلیٰ درجات عطا ہوئے تھے اس سے پوچھا گیا کہ یہ سب کچھ آپ کو کس عمل سے ملا؟ اس نے کہا میرے اس قول کی وجہ سے کہ "تمام معرفوں میں سے سب سے اعرف اسم کا معرفہ اللہ ہے"۔ ہم نے اسے تسلیم کیا الٰہی اس کو بخش دے اور جنت اس کا ٹھکانہ بنا اور اہل کشف میں سے بعض جلیل القدر آدمی اسی کے نشان قدم پر چلے اور کہا ہے "اپنے رسالہ شریفہ" میں کہ لفظ "اللہ" مرکب ہے الف لام تعریفی اور لفظ "ہا" سے کہ وہ بھی معرفہ کرنے والی ہے کیونکہ وہ ایک ضمیر ہے جو غائب کے لیے موضوع ہے اور پھر یہ مرکب ذات واجب الوجود کے لیے عَلَم ہو گیا تو اس میں تین حروف تعریفی جمع ہو گئے اور اس اجتماع میں نکتہ یہ ہے کہ مسمیٰ اپنی کمال عظمت اور بلندی مرتبہ اور رفعت منزلت اور اپنے تنزہ و تقدس میں ایسا ہے کہ اس کا علم اور استحضار ممکن نہ تھا اگر "تعریف" کے لیے اس میں کوئی دخل ہوتا تو معرفہ بنانے والے حروف میں سے ایک حرف ہی کافی ہوتا کیونکہ ایک سبب کا وجود مسبب کے وجود کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اور جب وہ ایک سبب کے ساتھ نہ پایا جا سکے تو معلوم ہو جائے گا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی سببیت نہیں ہے اور جبکہ اللہ رب العزت کے حق میں اسباب تعریف کی سببیت کی نفی ہو گئی تو اس کی معروفیت اور معلومیت کی نفی بھی ہو گئی۔ سو اس کی جناب مقدس تک نہ تو کسی عالم کا علم پہنچ سکتا ہے اور نہ اس کی تعریف میں کوئی معرف فائدہ مند ہو سکتا ہے وہ بلند ہے اس کی شان اس سے بزرگ تر ہے کہ اس کا ادراک کیا جا سکے اور اس سے بہت بڑا ہے کہ اسے پہچانا جا سکے اور بہت بلند ہے کہ جانا جا سکے۔

میں کہتا ہوں اس کی تحقیق یہ ہے کہ اسباب تعریف کی کثرت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کی صفاتیں اور شانیں غیر محدود میں لامتناہی ہیں نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کرتا ہے۔ پس دقیق اور صاف عقلوں نے حروف کے تعریفی آلات کو علم کے لیے تولا اور اپنے عرفان کی میزان میں کشف کے اسباب کے تصور کے ساتھ اس کو ناپا تو خیال کیا تو ان کو معلوم ہوا کہ ان کا ادراک اس راہ میں لنگڑے کی طرح ہے۔ وہ اس شراب خالص کی لذت چکھنے پر قادر نہ ہو سکے اور عاجز آ گئے پھر عاجز کہنے لگے "پاک ہے تو ہمیں اس علم کے سوا اور کوئی علم نہیں جو تو نے ہمیں سکھلایا: تیرا رب جو عزت کا رب ہے تمام چیزوں سے جو وہ کہتے ہیں پاک ہے وہ جس کے ادراک سے عارفوں کی عقلیں عاجز ہیں پاک ہے اور جس کے استخشاف کرنے کے میدان میں بڑے بڑے علماء کی عقلیں پریشان ہیں تو انہوں نے کہہ دیا کہ "ادراک سے عاجز آ جانا بھی ایک ادراک ہے اور علم کا علم۔ جہل ہے علم سے

پھر مسمیٰ کے ظاہر تر اور مختصر تر ہونے کے باوجود اور اسم کے معروف اور مشہور ہونے کے باوجود اس کا امر ہمیشہ مخفی رہا اور کمال کی تجلی دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام بصیر تھے بیہوش ہو کر گر پڑے۔ وہ اپنے کمال ظہور کی وجہ سے باطن ہے اور اپنے کمال بطون ہونے کی وجہ سے ظاہر ہے۔ پس سیبویہ کا قول کہ اگرچہ اعرفیت اسم میں بھی ہے لیکن وہ مسمیٰ میں بھی اظہریت اور ابطنیت کو واجب کرتی ہے پس اس محقق جید عالم کا قول حقیقت میں سیبویہ ہی کا قول ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں پر

Scanned by CamScanner

اپنی وسیع رحمت نازل کرے اور اہل کشف کی اس بحر مواج کلام کی تحقیق ایک اور بھی ہے جس کو سوائے کسی صاحب دل والے کے کوئی سمجھ نہیں سکتا اے اللہ ہمارے علم پر عمل، حال عرفان اور نور اور برہان میں ترقی عطا فرما۔ قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ اگر یہ اسم اپنے مسمّیٰ پر دلالت نہیں کرتا تو پھر اس کے وضع سے فائدہ ہی کیا تھا۔ میں کہوں گا کہ یہ اسم دوسری مخلوق کے اسماء سے مختلف ہے کہ یہ اسم واجب کرتا ہے غیر سے امتیاز اور علم نہیں واجب کرتا ہے حقیقت مسمّیٰ کو اور دوسرے اسماء اپنے مسمّیٰ میں ان دونوں چیزوں کا فائدہ دیتے ہیں۔ ان سے مسمّیٰ کا علم بھی ہوتا ہے اور دوسروں سے امتیاز بھی ہو جاتا ہے یا اس کی تحقیق یہ ہے کہ اس اسم کا اپنے مسمّیٰ کے علم کو نہ دینا ہی اس اسم کا خاصہ ہے اور اس کے وضع کرنے کا یہی فائدہ ہے خوب سمجھ لیں یہ ایک باریک کشفی نکتہ ہے اس طرف اس کی راہنمائی نہیں ہو سکتی ہے مگر اسی شخص کو جو اپنے دل کے چراغ کو اللہ کی اس روشنی سے جو طلوع پر روشن ہوتی ہے جلائے۔

پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس اسم کے خصائص میں سے معرفہ پر حرف تعریف کا داخل ہونا بھی ہے یعنی یا ہو غائب کی ضمیر ہے جیسا کہ بعض محض محققین نے اس کا ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام ہا ہے جو خالص غیبوبت پر دلالت کرتا ہے الف لام تعریف کا ہے اور اس کے ادخال کی وجہ یہ تھی کہ ہا کی تعریف خدا کی معرفت میں کافی نہ ہو سکی تو اس پر حرف تعریفی حروف داخل کرنا ضروری معلوم ہوا پھر جب ان آلات تعریف نے کفایت نہ کی تو اس میں شدّ اور اد غام سے مدد کیا گیا اور پھر جب اس کے بعد بھی علم حاصل نہ ہو سکا تو پھر ہم علمیت کی تعریف کے لیے مجبور ہوئے اور پھر اس سے بھی ایک مجمل امتیاز عن الغیر حاصل نہیں ہو سکا تو ہم نے اسی پر کفایت کر لی اور اپنی عقلوں اور آلات عقل کو لپیٹ کر رکھ دیا یا اس سے حس کا ادراک نگاہیں نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کرتا ہے اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گئی وجہ داخل کرنے کی یا ندا کو اوپر لفظ اللہ کے اور کہا یا اللہ خاص کر ندا کیوں لائی جاتی ہے۔ تو عرب کی نگاہیں اس معنی تک پہنچنے سے کبھی معنی سے خالی نہیں رہے گی۔ اور وہ جو علمائے نحو نے کہا ہے کہ اللہ میں الف لام کلمے کی جز ہو گیا ہے۔ گویا کہ اس کو معرفہ بنانے کی کوئی ظاہری وجہ نہ رہی اور کشفی طریق پر اس کی تطبیق ممکن ہے جیسا کہ آپ کو ابھی معلوم ہوا ہے اس کو یاد رکھ۔

اور اسی کے قریب تفسیر دقیق کا قول ہے کہ اس کا اصل ہا کنایہ ہے اور یہ اس لئے کہ انھوں نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ اس وجہ سے جو ان کے دلوں میں موجد حقیقی کے لیے فطرت نے دلالت رکھی تھی کیونکہ انھوں نے اس کا کوئی نام نہ سنا تھا۔ پھر انھوں نے اس پر لام ملک داخل کیا تو وہ لہٗ بن گیا اور مراد لیا اس سے لہ الخلق والامر پھر انھوں نے اس کی تعظیم کے لیے اپنی آوازیں بلند کیں تو کہا لاہ پھر انھوں نے الف لام کو تفخیم کے لیے اس کے ساتھ ملا دیا۔

اور رسالۂ "جام جہاں نما" میں ہے اور "اللہ" اہل شریعت کے نزدیک اسم ذات ہے جو تمام صفات کا جامع اور سالکین کے نزدیک وہ اسم اسم ہے قطعہ اسم الف دو لام اور ایک ہا یہ اسم ہے اس سے اسم کو دیکھ۔ یہ تو اسم کی صورت ہے اور وہ اس کا معنی ہے۔ وہ خزانہ اس طلسم میں تلاش کرنے۔ پھر یہ چار نام ہیں جو مدعم میں اسمائے علم بنا لیا ہے چنانچہ اللہ اور للہ اور لہ اور ہو اگر اللہ سے الف کو دور کر دیں تو للہ کہیں گے اور اگر اس سے بھی لام

دور کر دیں تو لہ کہیں گے اور اگر دوسرے لام کو بھی دور کر دیں تو "ہُوْ" کہیں گے۔ پس یہ چار دل اسم ذات ہوں گے مگر شرط یہ ہے کہ ہا قائم رہے اور اگر ہا کو دور کر دیں کے اللا کہیں گے اور اگر الف کو دور کر دیں گے تو للا کہیں گے اور اگر دوسرے لام کو دور کر دیں گے تو لا کہیں گے یہ سب نفی ہو جائیں گے۔ پس حرف ہا کے ساتھ سب اسم ذات میں اور حرف ہا کے بغیر سب نفی ہیں پس اس اسم کو باطن ترین اسم اور اسم مطلق کہتے ہیں۔ عبارت ختم ہوئی۔

عقلمندوں کی نگاہ سے مخفی نہ رہے کہ اس مذکورہ بالا عبارت سے جو کہ بغیر کلمہ ھو کے دکھائی گئی ہے ایک اور نکتہ بھی معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ تمام مخلوقات کے وجود حقیقی وجود کا سایہ ہیں اگر وجود حقیقی کے آفتاب کی طرف سے پرتو نہ پڑے تو تمام وجود نابود ہو جائیں گے تو حقیقت میں اس کے سوا کوئی موجود نہیں ہے اور یہ معنی اہل شہود کے طریق پر بھی سمجھا جا سکتا ہے اور اہل حقیقت کی تحقیق کے مطابق بھی اور اس کلام کی زیادہ تحقیق بھی شیخ بزرگ ترین کے سورجوں سے اقتباس کر کے پیش کی جائے گی جیسا کہ آپ نے اپنی دو بیش قیمت کتابوں فتوح الغیب اور جلاء الخاطر میں بیان فرمایا ہے رضی اللہ عنہ ورضا عنا اللہ ہمارے دلوں کو ان کے انوار اور اسرار سے روشن کرے اے اللہ بحق حضرت محمد اور ان کی آل اور ان کے نائب علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام ہمارے دلوں کو اپنے دین اسلام پر ثابت قدم رکھ۔

"کشف تحقیق و وقوف حقیقی"

جب اسم اللہ کی اللہ کی تحقیق میں کلام ہُو تک پہنچ گئی تو ضروری ہے کہ اس کی تحقیق پورے طریقہ اور اچھی طرح سے کر دی جائے لفظاً بھی اور معنی اور سراً بھی لفظی طور پر اس کی تحقیق یہ ہے کہ یہ دو حرفوں سے مرکب ہے جو اس ذات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے وضع کئے گئے ہیں جس کی طرف تمام اسماء ظاہری و باطنی راجع ہیں جیسے کہ اسمائے ظاہری "اللہ" کی طرف راجع ہیں۔ اس لفظ کے معنی کے کھل جانے کے بعد یعنی لفظ ہو کے اسماء باطنیہ کا علم بھی ہو سکتا ہے اور وہ حروف مقطعہ مفردہ ہیں اور وہ چودہ حروف ہیں جو قرآن میں نورانی سورتوں کے ابتدا میں وارد ہوئے ہیں اور ان اسماء باطنی کی معرفت کے بعد اللہ تعالیٰ اسم اعظم عطا فرماتا ہے کہ جس کے ساتھ اگر دعا کی جائے تو قبول کرتا ہے اور جب اس کے ساتھ سوال کیا جائے تو عطا کرتا ہے خواہ وہ خضر علیہ السلام کی وساطت سے سکھائے یا جب اس کی رحمتوں کی ہوائیں چلیں تو وہ اپنے بندے کو الہام کر دے

معلوم ہونا چاہیے کہ برگزیدہ عالم شیخ عبدالحق دہلوی نے اپنی کتاب اخبار الاخیار فی مناقب الاولیاء الاطہار میں عالم ربانی اسوہ حضرت الرب السبحانی قاضی حمید الدین ناگوری سے لفظ ہُو کی تحقیق میں نقل کیا ہے جو فارسی عبارت میں ہے میں اسے بعینہ تبرکاً وسعادتاً نقل کر دیتا ہوں وہ لکھتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ ہو اسم ہُو ایک حرف ہے اور حرف واو اشباع ضمہ سے پیدا ہوئی ہے۔ پس یہ اسم وحدت مسمّٰی پر دلیل ہے اور دوسرا کوئی اس کی مشابہ کا نہیں ہے مجھے اپنی عمر قسم ہے بادشاہ یگانہ کا نام یگانہ اعظم ہی ہونا چاہیے تھا تا کہ بیشمار معانی کا باعث بن سکے جب ہ کے دائرہ نے سیدھے حرف (ا) کے ساتھ پیوند حاصل کیا تو محبوب کی ندا کے لیے مضاف ہو گیا ہا دہا سے محبوب اپنے محب کو آواز دیتا ہے یاایہا الذین آمنوا اور جب ہ کا دائرہ حرف علت سے جو کہ ظاہر میں معرج نظر آتا ہے متصل ہوئی تو وہ محب کی ندا کے ساتھ مل گئی ہو ہو محب کی اپنے محبوب کو ندا ہے۔ پس حضرت اعلیٰ کی

عاشقان زار کے لیے ہا مقرر ہوئی تاکہ وہ آئیں اور دوڑیں اور عاشقان دل باختہ کی آواز رب العزت کے لیے ہو مقرر ہوئی تاکہ اس سے عزت اور وصل حاصل کریں اور عشق کی دنیا میں شوق دونوں طرف سے ہوتا ہے ہا در ہو اور بہت ہی عظیم ہے رباعی جس جگہ یار کے عشق کی بُو ہوتی ہے وہ یقینی چیز ہے کہ وہاں گفتگو بھی ہوتی ہے اور جس جگہ عشق سے جستجو ہوتی ہے تو بے شبہ دونوں طرف سے ہا و ہو ہوتی ہے۔

یہ عجیب تحقیق اس تحریر کی تائید کرتی ہے جو ہم "تفسیر دقیق" سے نقل کر آئے ہیں کہ اسم ذات ہا ضمیر ہے۔ پھر یہ دل میں خیال آتا ہے کہ ہا جب حرف یٰ سے مل جاتی ہے تو وہ ہی بن جاتی ہے اور وہ ذات کا کلمہ ہے جو محبوب اور محب دونوں کی زبان پر جاری ہوتا ہے جبکہ وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور اس دونوں کے ساتھ یکساں نسبت ہے جو محبوب کی طرف بھی منسوب ہو سکتی ہے اور محب کی طرف بھی کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ جب قیس مجنوں کا عشق لیلیٰ زیادہ سخت ہو گیا۔ تو لیلیٰ مجنوں بن گئی اور مجنوں لیلیٰ ہو گیا اس مقام پر محبت دونوں میں یکساں جاری ہوتی ہے جیسا کہ میں خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم و احسان سے "جلاء الخاطر" کی عبارت سے نقل کر دوں گا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ قاضی حمید الدین ناگوری فرماتے ہیں" اے عزیز جیسا کہ اسم کا مسمّٰی کیفیات سے پاک ہے اور بدایت (ابتدا) و نہایت سے مقدس ہے ایسا ہی اسم ہو خارج و بدایت و نہایت سے پاک و منزہ ہے کوئی اس کی ابتدا نہیں معلوم کر سکتا اور نہ ہی کوئی اس کی انتہا کو پہنچ سکتا ہے اور یہ صفت صرف خداوند تعالیٰ کی ہے کہ اس کی اولیت بدایت سے پاک ہے اور اس کی آخریت نہایت سے مقدس ہے اور ہا کا دائرہ (o) اس کی بے ابتدائی اور بے انتہائی کی خبر دے رہا ہے حضرت جلیل جل مجدہٗ کی ہویت سے جل جلالہ۔ اے بھائی باوجود اس کے کہ ہا کے دائرہ کی کوئی ابتدا اور انتہا ظاہر نہیں ہے لیکن اگر آپ جب اس کے نقش میں نگاہ دوڑائیں گے تو اس کے دائرہ کے اجزا میں سے ہر جز بدایت (ابتدا) کی صلاحیت رکھتا آپ کو نظر آئے گا اور وہی جز انتہا کی صلاحیت بھی رکھتا ہوگا۔ پس اس دائرہ کا وجود بحکم صلاحیت اولیت کا متضمن ہوگی اور اسی طرح آخریت کا متضمن بھی ہوگا۔ اور اس نسبت سے وہ اول بھی ہوگا اور آخر بھی اور حقیقت میں اولیت اور آخریت کا اجتماع اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی میں متصور بھی نہیں ہو سکتا اسی نسبت سے اسم ہو مسمّٰی کا عین ہوگا اور یہ نکتہ ہر آدمی میں پیدا نہیں ہو سکتا **رباعی**۔ وہ دائرہ جو اول بھی ہے اور آخر بھی ہا اور وہ نقطہ جو باطن بھی ہے اور ظاہر بھی ہو اگر اے نیک بخت تو اس کو دیکھنا چاہتا ہے تو ہا کے دائرہ میں اس کو دیکھ۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ہو کا مخرج حلق ہے اور اس صورت میں کہ حلق کے ساتھ اس کا مساس نہیں ہوتا۔ پس اس حرف کو پڑھنے والے کو چاہیے کہ عالم امکان کے ساتھ اپنا تعلق نہ رکھے اور شکستگی کے علاوہ کوئی سرمایہ نہ رکھے تاکہ اسے عالم وحدت میں رسائی حاصل ہو سکے اور احدیت کے پردوں تک بار پا سکے۔ عرب لوگ کہتے ہیں کہ کوئی اسم بھی دو حروف کے بغیر نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ کہتے ہیں کہ فرد مطلق کا عالم الفاظ میں کوئی نام نہیں ہے جب ارباب بصیرت نے احدیت کا معنی حرف ہا میں دیکھا تو دل کا چہرہ اس کی طرف پھیر لیا اور کہا اسم ہی وہ ہے جس کے ساتھ

Scanned by CamScanner

مستی ایک ہو جائے سے وہ حرف کہ ہماری مراد اس سے حاصل ہو وہی حرف ہے۔ اور حرف سے نظر اٹھا تاکہ وہ فنا ہو جائے۔

نکتہ:۔ اے بھائی ہا کا حرف جان کے اندر سے بلند ہوتا ہے اور اسرار کے مکان سے اظہار کے جہان میں آتا ہے اور اس کا کسی محل میں حلول اور کسی مکان میں نزول نہیں ہوتا اور شب روز زبان جو دل کے بادشاہ کے دکیل ہیں اس سے آگاہی حاصل نہیں کر سکتے تاکہ احدیت کے اسرار کھولنے والے اور صمدیت (بے نیازی) کے انوار دیکھنے والے جان لیں کہ اپنے مستی کی طرح یہ اسم بھی تبدیلی اور انتقال اور کسی میدان میں ہول اور کسی مکان میں تمکن اور زبان کے بیان سے مقدس و منزہ ہے اور یہ ایک بہت بڑا راز ہے۔

اور معنی کے لحاظ سے معلوم ہونا چاہیے کہ بعض شیوخ نے فرمایا ہے کہ جس نے اسم ہو کے معنی معلوم کر لیے وہ دوسرے اسماء کے معنی بھول گیا۔ پھر ہو کے معنی میں قوم کے اقوال مختلف ہیں قاضی حمید الدین قدس سرہ العزیز نے فرمایا اس کا معنی ہے "ذات خاص" جیسا کہ ہم پہلے ان کی عبارت فارسی نقل کر آئے ہیں۔ تو فقط ہو اسم ہے ایک فرد مطلق صفات اور اسماء سے خالی کا جیسے کہ اس پر سورۃ قل ہو اللہ احد دلالت کرتی ہے کہ اس نے پہلے تو اپنے نبی کو ایک مرتبہ مطلق تعلیم فرمایا پھر آپ کو تمام صفات کا مرتبہ سکھلایا (صلی اللہ علیہ وسلم) اور یہی راز ہے ان کے قول توحید اسقاط اضافات کا نام ہے اور یہی معنیٰ ہے ان کے قول کہ عشق پہلے ذات سے ہوتا ہے نہ صفات سے۔ خصوصاً ایسی ذات کہ جس کا کمال زائد علی الذات چیز پر موقوف نہ ہو۔ اور اس منقول کا خلاصہ یہ ہے کہ ہو عبارت ہے مرتبہ ہویت صرفہ سے جو محض لاتعین ہو اور اس مقام میں صفات کا ملاحظہ نہیں ہوتا۔ یعنی ہو صفات کمال کی ابتدا ہے اور جلال و جمال کا خطبہ ہے۔ اس اسم کا ذکر کرنے والا اگرچہ صاحب نظر ہو اور اسرار سے خبر رکھتا ہو پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سلطنت کے غلبہ سے حیران و پریشان ہو جاتا ہے اور عشق کے میدانوں میں بھٹکتا پھرتا ہے اور اس کو اپنے آپ کی خبر نہیں رہتی اور اس کی صفات غیبت و حضور میں بغیر اس کے اشارے کے اس سے بے خبر رہتا ہے اور اس کی نگاہ ہمیشہ اسی پر لگی رہتی ہے۔

اکابرین طریقت میں سے ایک صاحب نے فرمایا ہے کہ میں نے عاشقوں میں سے ایک مرد کو دیکھا اور اسے بحر شہود میں غرق پایا وہ اپنے مشہود میں مستغرق تھا میں نے اس سے پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا ہو میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ اس نے کہا ہو۔ میں نے کہا آپ کہاں سے آئے ہیں؟ کہنے لگا ہو۔ میں نے پوچھا کہاں جاؤ گے؟ کہنے لگا ہو میں نے کہا آپ کے ہو کہنے سے مراد حضرت ذوالجلال لم یزل ولایزال (خداوند تعالیٰ) ہیں؟ تو اس نے ایک چیخ ماری اور گر کر مر گیا۔ اور یہ کیفیت اس دل سے کوئی عجیب نہیں ہے جس کی استعداد جزئی ہو۔ کیا آپ نے سنا نہیں کہ حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور کے سمندر دل میں تیرنے لگے اور نور النور سے روشنی حاصل کرنے لگے تو آپ نے پورے شوق سے ندا کی۔ اے اللہ میرے دل میں نور بھر دے اور میری نگاہوں میں نور۔ میرے سماع میں نور میرے اوپر نور میرے آگے نور میرے پیچھے نور غرضیکہ ہر جگہ نور بھر دے اور مجھے تو اندر نور بنا دے اور اللہ جیسے چاہے اپنے

نور کی راہنمائی کرتا ہے اور باقی رہے گی صرف ذات تیرے رب بزرگی اور بخشش والے کی۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وخانبہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

گلشن راز علی کے شارح نے متن کے بیت کے مطابق کہا ہے کہ ھو کے دائرے کی دو آنکھیں یہ مناسب ہے کہ کہہ دیا جائے کہ یہ تعینات ظہور وبطون اور غیب اور شہادت کی مغائرت کی طرف اشارہ ہے اور اس دائرہ پر خط واقع ہے اس کا نام خط وہمی ہے اور کہا کہ جب یہ خط وہمی اٹھ جاتا ہے تو غیریت ختم ہو جاتی ہے اور پھر معاملہ سارے کا سارا اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جاتا ہے اور اس میں کچھ تفصیل ہے جو آپ کو ان شاء اللہ شیخ بزرگ ترین رضی اللہ عنہ وعنا کے قول "انا فی حضرۃ التقریب وحدی" کے شرح میں بتائی جائے گی اور اس میں خط وہمی اور دائرہ کے متعلق پوری مفصل اشارہ کروں گا۔ پھر اگر آپ عرفان کی تیز نظروں سے بغور ملاحظہ کریں گے تو اس شارح قدس سرہ کی عبارت کو قاضی کے قول کی طرف مائل پائیں گے اور یہی حق ہے جو قبول کرنے کے لائق ہے جیسا کہ اہل کشف ووصول پر مخفی نہیں ہے اور بہتر کے لحاظ سے اس کا بیان بہت باریک ہے جو نور باقی کی روشنی سے صاف اور چمکدار دل پر اس کا خیال گزرے گا لیکن بعض اسرار کا بیان ضروری ہے تاکہ نگاہ والوں کے لیے عبرت کا سامان ہو۔ پہلا یہ کہ ھو احدیت اور غیب ہویہ کے لیے موضوع ہے اور یہ اشارہ ہے اس ذات کی طرف جس کا نگاہیں ادراک نہیں کر سکتیں اس کی معرفت کی انتہا یہ ہے کہ عجز کا اقرار لیا جائے کیونکہ وہ ادراک قدسی ہے جو ہوا اس سے پاک ہے اور وہ علم العلم ہے جس کا نام جبل حرت ہے علم سے بے نیاز۔ جب اس کے متعلق سوال کیا جاتا ہے تو کہا جائے گا ھو یعنی وہ غائب ہے بڑے بڑے لوگوں کی عقول نے ادراک سے یہ اہل قبول کے نزدیک وصول کی انتہا ہے سبحانہ تعالیٰ شانہ۔ اور دوسرا یہ ہے کہ ھو لفظ ضمیر کے مطابق مرجع کی طالب ہے یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اس کا مرجع ہر شے ہے لیکن نہ وجہ تعین کے اعتبار کے بغیر بلکہ باعتبار کے بغیر بلکہ باعتبار اس ذات باقی کے جو اس قول مشار الیہ ہے کل شیء ہالک الا وجہہ کہ "ہر چیز فنا ہونے والی مگر اس کی ذات" جو کچھ بھی اس پر ہے فانی ہے اور باقی رہے گی ذات تیرے رب بزرگی اور بخشش والے کی" سو اس کے مطابق یہ اشارہ ہوگا احاطہ ذاتیہ کی طرف جو کیفیت اور کمیت سے پاک ہو۔ اور وہ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول اینما تولوا فثم وجہ اللہ جدھر بھی تم منہ کرو اللہ تعالیٰ کی ذات اسی طرف ہے۔" کا مفہوم ہے اور احاطہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک ذاتی اور دوسرا صفاتی۔ ذاتی کی طرف تو لفظ ھو سے اشارہ کیا جاتا ہے اور صفاتی کی طرف ساتھ اسم جلالت یعنی لفظ اللہ سے اور ان دونوں کی طرف اسم محیط سے اشارہ کیا جاتا ہے اور نہیں گھیر سکتے اس کے علم میں سے مگر وہی جو وہ چاہے اور تیسرا یہ ہے کہ انسانی ارواح میں سے ہر روح اسی اسم ھو سے راحت حاصل کرتی ہے خواہ اہل ایمان ہوں یا اہل کفران تو اس اسم کا ذکر ہر انسانی فرد کی زندگی کا مدار ہے جب اس میں یہ ذکر نہ رہے گا تو وہ مردہ ہو جائے گا سو یہ اسم زندگی کا وارث ہے اور اس کا ہر فرد کو شامل ہونا دلیل ہے اس بات کی کہ مسمّٰی بھی ہر فرد کو شامل ہے لیکن تمام کیفیتوں سے خالی فرما دیجیے کہہ دو اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور نہ ہی کوئی اس کی برابری کرنے والا ہے" یہ دو فوائد تھے جن کے اظہار کی ہم کو فیضان اسرار سے اجازت ملی تھی اور باقی اسرار کامل اور صاف دل لوگوں کے سینوں سے حاصل

کئے جائیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں نیکی عطا فرما اور عذاب نار سے بچا اور اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم سے مواخذہ نہ فرما بے شک تو ہی بخشنے والا ہے تو ہی پردہ پوش ہے اے اللہ اسے ہم۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بیان اور نعمت کا اظہار

"معلوم ہونا چاہیے کہ رحمان اور رحیم دو اسم ہیں جو رحمت سے مشتق ہیں اور رحمت مرقب قلب کو کہتے ہیں اور چونکہ رقعت قلب سے اللہ کی ذات منزہ ہے تو یہ معنی اس کے حق میں محال ہے لہٰذا ان کا معنی ہے احسان کرنا اور بھلائی پہنچانا۔ کہا گیا ہے کہ رحمت یہ ہے کہ بندے کو وہ کچھ دیدے جس کا وہ ثواب میں مستحق نہیں ہے اور اس سزا کو معاف کر دے جس کا وہ مستحق تھا اور کہا گیا ہے ترک کرنا سزا کا ایسے شخص سے جو سزا کا مستحق تھا۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ محتاج پر احسان کرنے کا کام ہے اور کہا گیا ہے یہ مہربان ہے اور رحمت کے معنی میں سلف و خلف کے اقوال بہت زیادہ ہیں لیکن وجہ ہدایت کا خلقت کو نفع پہنچانے کی طرف ایصال کرنا ہے خواہ دینی ہو یا دنیاوی جیسا کہ ان دونوں اسماء مبارکہ کی تفسیر میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ابو سعید خدری نے روایت کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا رحمان دنیا کا رحم کرنے والا ہے اور رحیم آخرت میں رحم کرنے والا ہے اور مجاہد کے قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ وہ دنیا والوں پر رحمان ہے اور آخرت والوں پر رحیم ہے یحییٰ بن معاذ رازی نے کہا وہ ان کے مصالح معاش کے لیے رحمٰن ہے اور ان کی آخرت کے مصالح کے لیے رحیم ہے اور ابو بکر بن عبداللہ مزنی نے کہا دنیا کی نعمتوں میں وہ رحمان ہے اور آخرت کی نعمتوں میں وہ رحیم ہے اور حارث بن اسد نے کہا نفوس پر رحمت کے لحاظ سے وہ رحمٰن ہے اور دلوں پر رحمت کرنے میں وہ رحیم ہے اور ابو بکر وراق نے کہا نعمتوں کے ساتھ وہ رحمان ہے اور آلاء کے ساتھ وہ رحیم ہے اور نعمت وجود میں زندہ رکھنا اور آلاء وہ خرچ کرنا اور باقی رکھنا اور محمد بن ترمذی نے کہا وہ رحمان ہے جو آگ سے بچاتا ہے اور وہ رحیم ہے جو جنت میں داخل کرتا ہے اور سری بن مغلس نے کہا رحمان مصیبتوں کے دور کرنے میں ہے اور رحیم گناہ بخشنے میں۔ اور عبداللہ بن جراح نے کہا وہ رحمٰن ہے کہ اس نے راستہ واضح کر دیا اور رحیم ہے گناہ سے بچنے کی توفیق اور نیکی کی توفیق دی اور ابن عباس نے فرمایا وہ رحمان ہے جو ہر نیک و بد پر رزق کی مہربانی کرتا ہے اور رحیم ہے خاص مومنوں کے لیے اور مقاتل بن سلیمان نے فرمایا رحمان وہ ہے جو اپنے فضل سے اپنے تمام بندوں پر مہربانی کرنے والا ہے اور رحیم ہے جس نے اہل طاعت پر رحمت کی کہ ان کو تکلیف مالا یطاق نہ دی اور ان کی قسمت میں وہ کچھ اپنی رحمت سے لکھ دیا جس کے وہ مستحق نہ تھے اور خارجہ بن مصعب نے فرمایا رحمان اپنی تمام مخلوق پر رحم کرنے والا ہے اور رحیم اپنے دوستوں پر مہربانی کرنے والا اور سری بن مغلس نے فرمایا رحمان بندوں پر مہربانی کرنے والا ہے کہ ان کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا اور اس طرح ان سے مصیبتیں دور کرتا ہے کہ وہ جانتے ہی نہیں اور ایمانداروں کے لیے رحیم ہے کہ ان کے گناہوں کو صاف کر دیتا ہے اور ضحاک نے فرمایا وہ آسمان والوں کے لیے رحمان ہے کہ اس نے ان کو آسمانوں میں آباد کیا اور عبادت و طاعت کا طوق ان کی گردن میں ڈالا اور اپنے قرب سے ان کو نوازا اور اپنی وحی پر ان کو امین بنایا اور ان کو آفتوں سے بچایا اور ان سے خواہشات دور کر دیں پھر ان کی زبانیں طرح طرح کی تسبیحات

بولنے لگیں اور ان کو نور کے لباس پہنائے اور وہ زمین والوں پر رحیم ہے کہ ان کی طرف اپنے رسول بھیجے اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں اور ان کی معذرت کو قبول کیا اور مصیبتوں کو ان سے رد کیا اور ابن مبارک نے کہا رحمان وہ ہے کہ جب اس سے سوال کیا جائے تو دے اور رحیم وہ ہے کہ اگر اس سے سوال کیا جائے تو وہ ناراض ہو جائے اور بسام بن عبداللہ عراقی نے فرمایا اپنی اطاعت کرنے والوں پر وہ رحمان ہے کہ اس نے ان کی عبادتیں قبول کر لیں اگرچہ وہ قابل قبول نہ تھیں اور گنہگاروں کے لیے رحیم ہے کہ جب وہ توبہ کریں تو ان کے گناہ مٹا دے اور ان کو نیکیوں میں تبدیل کر دے اور وراق نے فرمایا رحمان گناہوں کا بخشنے والا ہے رحیم عبادت کو شرف قبول عطا کرنے والا ہے اور ابوبکر وراق نے کہا رحمن ہے اس کے لیے بھی جو اس کا انکار کر دے اور رحیم ہے اس کے لیے جو اس کی توحید کا قائل ہو اور کہا گیا ہے کہ رحمن اس کے لیے ہے جو انکار کرے اور رحیم اس کے لیے ہے جو شکر کرے اور تفسیروں میں اقوال متناسبہ اتنے ہیں کہ ان کا شمار بھی نہیں ہو سکتا اور چونکہ ہر ایک کا مرجع وہی ہے جو ہم نے نقل کر دیا ہے تو ہم علماء کی آراء میں سے جو اقوال نقل کر چکے ہیں انہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

پھر یہ معلوم ہونا چاہیے کہ رحمن اور رحیم دو ایسے اسم ہیں جو مبالغہ کے لیے رحمت سے بنائے گئے ہیں جیسے غضبان غضب سے اور علیم علم سے تو اس بنا پر دونوں مبالغے پر دلالت کرتے ہیں یعنی جس کا ان کے متعلقات مطالبہ کرتے ہیں یعنی دنیا اور آخرت کی رحمت جیسا کہ آپ ابھی منقول تفاسیر کی توجیہات سے معلوم کر چکے ہیں امام جعفر صادق بن محمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا رحمن لفظ کے لحاظ سے خاص ہے اور معنی کے لحاظ سے عام ہے اور رحیم لفظ کے لحاظ سے عام ہے اور معنی کے لحاظ سے خاص ہے کیونکہ پہلے کا تعلق دنیا اور آخرت اور مومن اور کافر اور نیک اور بد سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا یہ لفظ اور کسی پر نہیں بولا جاتا اور دوسرا اس کے برعکس ہے کیونکہ اس کا تعلق آخرت اور مومنوں اور نیک سے ہے اور نبی علیہ السلام والصلوۃ کا نام بھی قرآن مجید میں اس کی وجہ سے رحیم رکھا گیا ہے اور وہ مومنوں کے لیے رءوف و رحیم ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ رحمن میں مبالغہ رحیم سے زیادہ ہے کیونکہ بنا کی زیادت معنی کی زیادت پیدا کرتی ہے اور اس میں کچھ شبہ ہے کیونکہ یہ قاعدہ ہر جگہ راس نہیں آتا ہاں کبھی ایسا ضرور ہوتا ہے جیسا کہ قطع اور قطّع بالتشدید میں اور کبار اور کبّار بالتشدید میں اور اسی پر یہ اعتراض بھی ہو سکتا ہے کہ اس طرح ایک اور محذور رنا جائز بھی لازم آئے گا اور وہ یہ ہے کہ لازم یہ ہے کہ بلیغ سے ابلغ کی طرف ترقی ہو اور یہاں اس کے برخلاف ہو گا ممکن ہے کہ اس کا یہ جواب دیا جائے کہ بسم اللہ میں طریق ترقی منظور نہیں ہے بلکہ یہاں لفظ اللہ اور رحمان کی تفصیل ملحوظ ہے کیونکہ رحمن اللہ کے ساتھ زیادہ مختص ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں کہا ہے قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن فرما دیجئے اللہ کو پکارو یا رحمان کو جس سے تم اس کو پکارو اس کے سارے نام ہی اچھے ہیں اور پھر یہ بھی ہے کہ چونکہ رحمن کا تعلق امور دنیا سے تھا اور وہ آخرت سے مقدم ہے اور اس کے ساتھ لفظ رحیم کا تعلق ہے اس لیے رحمن کو مقدم کر لیا اور رحیم کو موخر کر دیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چونکہ رحمن کا لفظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے لہٰذا اس کو رحیم پر مقدم کر دیا جو کہ کسی دوسرے کا نام بھی ہو سکتا ہے۔ پھر رحمن کو مقدم کرنے میں کچھ اور بھی باریکیاں

وجوہ اور لطیف نقطے ہیں جو "تفسیر دقیق" میں مذکور ہیں وہ میں آپ سے ذکر کرتا ہوں آپ ان کو غنیمت سمجھیں اور محفوظ رکھیں۔

پہلا یہ ہے کہ چونکہ رحمان میں مدح کا زیادہ مبالغہ ہے لہذا اسے پہلے لانا ہی مناسب تھا اور اس لئے بھی کہ رحمٰن کا معنی ہے رزق دینے والا اور رحیم کا معنی ہے بخشنے والا پھر ان اسماء مرتبہ کی ہدایت کے بارے میں کہا ہے یعنی پہلے اللہ۔ پھر رحمان اور پھر رحیم کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد لوگوں کے تین فرقے تھے ایک تو عرب کے مشرک تھے یہ اسم "اللہ" کو پہچانتے تھے جیسا کہ فرمایا ولئن سالتھم اگر آپ ان سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے، اور یہ لوگ اسم رحمٰن سے ناواقف تھے اللہ نے فرمایا واذا قیل لھم جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں رحمٰن کون ہے"؟ اور دوسرے یہودی تھے یہ لوگ رحمٰن کو جانتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام جب ایمان لائے تو عرض کیا اے اللہ کے رسول میں نے آپ کی کتاب میں رحمان کا ذکر نہیں دیکھا تو اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا فرمایا ہے قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو۔ اور تیسرا فرقہ نصریٰ تھا یہ لوگ لفظ رحیم سے واقف تھے۔ تو قوم کے خطاب کے ابتدا میں ان تینوں اسماء کا ذکر کر دیا گیا کیونکہ مخاطبین انہی کو پہچانتے تھے اور اس لیے بھی کہ ہر انسان کی تین چیزیں ہوتی ہیں دل، نفس اور روح پس ایک نام کا اثر تو دل پہ ہے کہ وہ اس میں معرفت اور ایمان پیدا کرتا ہے اور وہ ہے "اللہ" کے لفظ کا نور اور ایک نفس پر رزق اور احسان کے لیے موثر ہے اور وہ ہے لفظ رحمٰن کا نور اور ایک روح پر معافی اور بخشش سے اثر انداز ہے اور وہ لفظ رحیم کا نور اور اس لیے بھی کہ ہر آدمی کی تین حالتیں ہوتی ہیں سابقیہ۔ حالیہ اور خاتمیہ اور ان کے مطابق تین ہی نام بسم اللہ میں ہیں اللہ وہ ہے جس نے تیرے سابقہ حالات درست رکھے اور رحمٰن وہ ہے جو تیری موجودہ حالت کو برقرار رکھے ہوئے ہے اور رحیم وہ ہے جو تیری عاقبت درست کرے گا۔

اور بہترین توجیہ وہ ہے جو اس قول سے سمجھی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تین ہزار نام ہیں ایک ہزار تو اس نے صرف فرشتوں کو بتائے کسی دوسرے کو ان کی خبر نہیں ہے اور ایک ہزار وہ ہیں جو انبیاء کو معلوم ہیں دوسروں کو نہیں اور تین سو تورات میں تھے اور تین سو انجیل میں اور تین سو زبور میں اور ننانوے قرآن مجید میں اور ایک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کیا ہے اور ان تین ہزار اسماء کے معانی ان تینوں اسموں میں ہیں سو جس آدمی نے یہ تین کہہ دیے تو گویا اس نے اللہ کے تین ہزار اسماء کا ذکر کر لیا پھر جب آپ ان تین ہزار کو تہائیوں پر تقسیم کریں گے تو ہر تیسرا حصہ تینتیس ۳۳ بنے گا اور امت بھی تین قسم کی ہے پہلے سابقین ہیں دوسرے مقتصدین اور تیسرے ظالمین پس تینتیس ۳۳ تو سابقین کا حصہ ہے اور اتنا ہی مقتصدین کا اور اتنا ہی ظالمین کا یعنی اے سابقین میں اللہ ہوں بیدار ہو جاؤ۔ اور اے مقتصدین میں رحمٰن ہوں ہوشیار ہو جاؤ اور اے ظالمین میں رحیم ہوں کام پہ لگ جاؤ۔ ظالم تو چلنے والے ہیں اور مقتصد دوڑنے والے اور سابقین اڑنے والے۔ ظالم تیرا نفس ہے اور مقتصد تیرا دل ہے اور سابق تیرا سر (روح) ہے نفس تو خراب چیز دل کی طرف دوڑتا ہے اور دل ملکوت کے گرد چکر لگاتا ہے اور سر عرش کے نیچے اڑتا ہے وہ اللہ۔ الرحمٰن۔ رحیم تینوں کی نوازش کرنے والا ہے۔ امام اجل زاہد ابو حفص عمر نسفی قدس سرہ مدارک التنزیل کی تفسیر میں بھی اسی طرح ہے۔

Scanned by CamScanner

اوران کو مقدم کرنے کی توجیہ اس سے بھی کی جا سکتی ہے جو صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ
کیا تو اسے حکم دیا کہ بسم اللہ لکھ تو اللہ کا نام سنتے ہی قلم پریشان ہوگیا اور اس کے دو ٹکڑے ہوگئے
لوح محفوظ پر اسی طرح پھٹا ہزار کھ دیا اور ہزار سال تک یہی کیفیت رہی پھر پروردگار نے اس پر رحم کیا
دو نام رحمن اور رحیم سنائے ایک نام سن کر اس کا ایک پر درست ہوگیا اور دوسرے کو سن کر دوسرا بھی
پھر اس نے بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی۔ سوائے بھائیو! ہر چیز جو قائم ہوئی ہے اور آئندہ قائم ہوگی وہ سب
رحمت ہی سے ہے آدم کی بخشش بھی اس کی رحمت سے ہوئی جیسے کہ آدم کی پیدائش اس کی رحمت سے ہوئی
نبیوں میں سے ہر ایک نبی نے کہا "اگر تو ہم کو نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم خسارہ اٹھانے والوں میں
اور نوح علیہ السلام نے فرمایا "اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں
اسی طرح موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے کہا "ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما" اور اللہ تعالیٰ نے ہود علیہ السلام
متعلق فرمایا "اور ہم نے ہود اور ایمانداروں کو اپنی رحمت سے نجات بخشی" اور یہ تمام آیتیں قرآن مجید میں
متعلق پائی جاتی ہیں اور تمام آیات کا خلاصہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا "ہم نے آپ کو تمام
کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے" پس ہر ایک نبی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظل رحمت رسالت میں ہے تو دنیا
تمام امور کا نظام صرف رحمت ہی سے ہے "میری رحمت میرے غضب سے سبقت لے گئی" حدیث قدسی
ہے تو اس کے مطابق اس حدیث قدسی میں رحمت مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے کیونکہ آپ کی سبقت
نبوت سے کشوف و مشہور ہے آپ نے فرمایا کنت نبیا وآدم بین الماء والطین "میں اس وقت نبی تھا جبکہ آدم ابھی
مٹی (کیچڑ) کی حالت میں تھے سو تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں جس نے ہماری تربیت سید المرسلین
مع آل و اصحاب و تابعین اجمعین کے ظلال رحمت میں فرمائی۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں
مواخذہ نہ فرما اور ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں نیکی اور ہمیں اے رب ہمارے عذاب نار سے بچا اور اپنی محبت
سے بزرگی اور صفائی کے پیالے پلا۔ اور ہمیں اپنے عشق کے جذبات سے ایسا مست کر دے جس میں محو
جو اپنے اسماء اور صفات کی برکت اور اپنے نبی کریم جو تیری آیات کے جمال کا مظہر ہیں اور تیرے کلمات کا
صحابہ اور آل سب کی حرمت سے اور ہمارے شیخ بزرگ ترین سید السادات سید ابو محمد عبد القادر محی الدین
کے فیض کی برکت اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کے انوار سے روشنی عطا فرما۔

شراب صافی کے سمندروں سے پہلی موج

(شعر کا پہلا مصرعہ)
سقانی الحب کاسات

السقی کا معنی ہے پلانا اور مینا اور وہ جو دعائیں کہتے ہیں سقی اللہ ثراہ اللہ سیراب فرمائے اس کے ٹھکانے کو
شئی کے لازم کے لیے لیا گیا ہے کیونکہ سیراب کرنے کا معنی لازم ہے پلانے کو اور اسی سے ہے زمین کو پانی
فعل ماضی ہے اور مضارع یسقی اور مصدر سقیا ہے اور اسم فاعل ساقی ہے اور نون وقایہ کے لیے ہے

Scanned by CamScanner

عماد بھی کہتے ہیں یہ اس وقت فعل پر داخل ہوتا ہے جب یائے متکلم اس سے ملے تاکہ فعل کو کسرہ سے بچائے جو کہ اس نے آخر پر داخل ہونا منع ہے اور حُبّ مصدر ہے حب یحب سے بمعنی دوست رکھنا اور کبھی اس سے حاصل مصدر مراد ہوتا ہے یعنی دوستی اور کاسات کاسۃ کی جمع ہے اور یہ مدارک کے بیان کے مطابق وہ پیالہ ہے جس میں شراب ہو اگر اس میں شراب ہو تو پھر کاس نہیں ہے۔ لیکن رشیدی میں کہا ہے کہ قدح در دخراب بود۔ یہ وہ پیالہ ہے جس میں شراب ہو اور مطلق جام کے معنی میں بھی آتا ہے اور شیخ بزرگ ترین کی کلام میں پہلے کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ بیدار مغز عارف پر مخفی نہیں ہے اور وصال اور وصول اور وصل فراق کی ضد ہے خواہ پھر اس کے بعد فراق ہو یا نہ ہو اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس میں شرط یہ ہے کہ اس کے بعد فراق نہ ہو اور یہاں یہی مراد ہے جیسا کہ طبع نقاد اسی کو پسند کرتی ہے اور پھر اس کلام عزیز میں وصال سے مراد وہ عبارت ہے اس حالت دائمہ سے جو سالک سیر کرنے والے کو بقا باللہ کے بعد نصیب ہوتی ہے اور عنقریب میں فتوح الغیب کی عبارت نقل کر کے آپ کے سامنے رکھوں گا۔ اور اس سے مراد حسی (ظاہری) وصول نہیں ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے محال ہے۔

ترکیب: سقانی فعل ماضی ہے اور ی اس کی مفعول ہے اور حُبّ اس کا فاعل ہے اور کاسات الوصال اس کا دوسرا مفعول ہے اور کاسات کی اضافت وصال کی طرف اسی طرح کی ہے جیسے سبب کی اضافت مطلب کی طرف ہوتی ہے اور حب اور وصال میں لام یا تو عہد خارجی کے لیے ہے اور اس حب کی طرف اشارہ ہے جو عارفوں میں معلوم متعارف ہے اور اسی طرح جو وصال ان میں متعلق ہے اور یا پھر استغراق کے لئے ہے اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے شیخ بزرگ ترین کو محبت اور وصال کے تمام طریقوں پر واقف فرمایا ہے اور کاسات کی اضافت وصال کی طرف بھی ان دونوں معنوں کا احتمال رکھتی ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ حب کا معنی حاصل مصدر لیا جائے اور اگر اس کو فاعل یا مفعول کے لیے مراد سمجھ لیا جائے جیسا کہ آئندہ ذکر ہو گا تو پھر الحب میں لام قطعی طور پر عہد خارجی کا ہے۔

آپ کے قول مقامی فوقکم ما زال عالیا عنت بہ ماضی کا صیغہ اختیار کر لیے ہیں باوجود اس کے کہ مفہوم صریح اور اس قول یعرفنی وحسبی ذوالجلال سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی ترقیات دن بدن بڑھتی جا رہی تھیں بلکہ ہر آن اور ہر لحظہ۔ یہ یا تو اس اشارہ کے لیے ہے کہ وصال سے مراد وصال نوعی ہے جس کے حصول کے لیے ذات مستعد ہو اور وہ وہ حالت ثابتہ ہے جو باقی باللہ نہاں خانہ تک پہنچنے والے کے لئے ہے جیسا کہ آپ نے اپنے آئندہ قول انا الحسنی والمخدع مقامی میں اشارہ کیا ہے یا وصال حقیقی جس کی طرف اللہ تعالیٰ کے قول لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کرتا ہے" کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ناممکن ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے کمالات کی انتہا لازم آتی ہے حالانکہ کمال کے رہنما کا محال ہونے کا حکم لگایا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے کہا ہے کہ اگر کسی کو ہزار نوح (علیہ السلام) کی عمر بھی دی جائے اور وہ وصول کمالات کریمہ کے طریق پر چلتا رہے تو وہ مر جائے گا اور فنا ہو جائے گا اور منازل حقیقی میں سے کسی منزل تک بھی نہ پہنچ سکے گا جیسے اللہ نے کہا لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لیے سیاہی ہو جائیں تو وہ بھی ختم ہو جائیں گے۔ یعنی وہ

سالک جو بقا کی موجوں کے ساتھ اپنے علوم اور اسرار سے غوطہ زنی کر رہا ہے وہ فانی ہو جائے گا اور ختم ہو جائے گا اور اس کے کمالات کی پاک زمینوں میں سے کسی زمین تک نہ پہنچ سکے گا۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ اسے سیر الی اللہ تو تمام ہو جائے گی اور باقی رہی سیر فی اللہ تو اس کی کوئی انتہا نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے یصرفنی دا مازال کہا ہے اور یہ اس اشارہ کے لیے ہے کہ اس سقی اور وصال سے مراد استعداد اور علم کلی ہے جیسا کہ شیخ بزرگ ترین عالم اعیان ثابتہ میں۔ یعنی مجھے اللہ محبوب نے وصال کے کئی پیالے پلائے میں بنا پر اس کے پلنے۔ اللہ کے اس قول کے مطابق ہے کنت کنزاً مخفیاً پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا"۔ یعنی مرتبہ احببت میں اس کا مفہوم ہے۔ اور یہ کلام اس عبارت کے مفہوم کے مطابق ہے جو شیخ بزرگ ترین نے اپنے قصائد میں افادہ کیا ہے نعم نشانی فی الحب من قبل آدم اور اس قصیدہ میں ہے وہی قبل قبلی قد صفالی اور ایک اور قصیدہ میں آپ نے فرمایا ہے انا کنت قبل القبل قطباً مجملاً۔ اور یہ تمام چیزیں سید الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام کے ظل کے طور پر ہیں جیسا کہ آپ نے اشارہ فرمایا کہ میں نبی تھا اور آدم ابھی پانی اور مٹی میں تھے۔ اس کے مطابق آپ کے قول نقلت تخریج کہنے میں معنی یہ ہوگا کہ میں نے اس کو اس جسمانی زندگی میں کہا جیسا کہ حرف کی نسبت یائے متکلم کی طرف اس پر دلالت کر رہی ہے اور باقی کلام بھی آپ اس سے عنقریب پہچان لیں گے اور اسی طرح آپ کے کلام مازال حال اور اسی طرح آپ کے قول یعد فنی وحبی ذوالجلال کا مفہوم بھی آپ کی سمجھ میں آجائے گا۔ پھر آپ نے جملہ فعلیہ جو اختیار فرمایا ہے یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ سقی (پلانا) ہمیشہ تازہ بتازہ ہو رہا ہے اور ہمیشہ کمال چوٹیوں پر بلندی نصیب ہو رہی ہے اور اسی طرح اس پر نئے نئے دائمی وصال مرتب ہو رہے ہیں اور یہ کل یوم ہو فی شان کے مطابق ہے۔ اور اس تجدد کا فائدہ یہ ہے کہ قوت بشری یہ طاقت ہی نہیں رکھتی کہ ایک ہی حالت میں اس کو استمرار اور دوام نصیب ہو بلکہ ہر اس وقت جب کہ اللہ تعالیٰ تجلیات کریں وہ فنا ہو جاتی ہیں اور وہ پہلے سے زیادہ قوی وجود حاصل کر لیتا ہے اسی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تجلیات میں تکرار نہیں ہوتی بلکہ وجود ظلی نئے نئے بدلتے رہتے ہیں وہ بقا اور استقرار کو قبول نہیں کر سکتے ہاں وجود حقیقی کے ساتھ باقی رہتے ہیں تو حقیقت میں موجود واجب الوجود کے سوا اور کوئی موجود ہے ہی نہیں تو استقرار اور بقا اس وجود کے خواص میں سے ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تجدد کا فائدہ یہ ہو کہ قبض اور بسط کی طرف اشارہ مقصود ہو تو وہ حرکت جو جذبہ مستقیم سے شریعت غرا کی متابعت میں پیدا ہو بسط کہلاتی ہے اور وہ سکون جو سالک کے لیے لوازمات بشریہ کے قصور کی وجہ سے پیدا ہو قبض کہلاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق ہے واللہ یقبض ویبسط والیہ ترجعون (اور اللہ تنگ کرتا ہے اور فراخی کرتا ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے تم) اور قبض کا فائدہ یہ ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو سیر کرنے والے کا وجود ہم محو نہ کریں کیا آپ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف نہیں دیکھا کہ جب انہوں نے بغیر سابقہ سلوک کے رویت اور وصول کا ارادہ فرمایا اور کہا "مجھے اپنا آپ دکھا کہ میں تیری طرف دیکھوں" تو آپ کے ساتھ معاملہ یہ ہوا فرمایا لن ترانی تو مجھے کبھی نہیں دیکھ سکے گا لیکن پہاڑ کی طرف دیکھ اگر وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہا تو تو بھی مجھے دیکھ سکے گا پھر خدا تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی" تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے" یہ سب کچھ

وجوہ اور لطیف نقطے ہیں جو "تفسیر دقیق" میں مذکور ہیں وہ میں آپ سے ذکر کرتا ہوں آپ ان کو غنیمت سمجھیں اور محفوظ رکھیں۔

پہلا یہ ہے کہ چونکہ رحمان میں مدح کا زیادہ مبالغہ ہے لہذا اسے پہلے لانا ہی مناسب تھا اور اس لئے بھی کہ رحمن کا معنی ہے رزق دینے والا اور رحیم کا معنی ہے بخشنے والا پھر ان اسماء مرتبہ کی ہدایت کے بارے میں کہا ہے یعنی پہلے اللہ۔ پھر رحمان اور پھر رحیم کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد لوگوں کے تین فرقے تھے ایک تو عرب کے مشرک تھے یہ اسم "اللہ" کو پہچانتے تھے جیسا کہ فرمایا ولئن سالتھم اگر آپ ان سے سوال کریں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہی کہیں گے کہ اللہ نے" اور یہ لوگ اسم رحمن سے ناواقف تھے اللہ نے فرمایا واذا قیل لھم جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں رحمن کون ہے"؟ اور دوسرے یہودی تھے یہ لوگ رحمن کو جانتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام جب ایمان لائے تو عرض کیا اے اللہ کے رسول میں نے آپ کی کتاب میں رحمان کا ذکر نہیں دیکھا تو اللہ تعالی کا یہ قول نازل ہوا فرمایا ہے قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن اللہ کو پکارو یا رحمن کو پکارو" اور تیسرا فرقہ نصری تھا یہ لوگ لفظ رحیم سے واقف تھے۔ تو قوم کے خطاب کے ابتدا میں ان تینوں اسماء کا ذکر کر دیا گیا کیونکہ مخاطبین انہی کو پہچانتے تھے اور اس لیے بھی کہ ہر انسان کی تین چیزیں ہوتی ہیں دل. نفس اور روح پس ایک نام کا اثر تو دل پہ ہے کہ وہ اس میں معرفت اور ایمان پیدا کرتا ہے اور وہ ہے "اللہ" کے لفظ کا نور اور ایک نفس پر رزق اور احسان کے لیے موثر ہے اور وہ ہے لفظ رحمن کا نور اور ایک روح پر معافی اور بخشش سے اثر انداز ہے اور وہ لفظ رحیم کا نور اور اس لیے بھی کہ ہر آدمی کی تین حالتیں ہوتی ہیں سابقیہ۔ حالیہ اور خاتمیہ اور ان کے مطابق تین ہی نام بسم اللہ میں ہیں اللہ وہ ہے جس نے تیرے سابقہ حالات درست رکھے اور رحمن وہ ہے جو تیری موجودہ حالت کو برقرار رکھے ہوئے ہے اور رحیم وہ ہے جو تیری عاقبت درست کرے گا۔

اور بہترین توجیہ وہ ہے جو اس قول سے سمجھی جاتی ہے کہ اللہ تعالی کے تین ہزار نام ہیں ایک ہزار تو اس نے صرف فرشتوں کو بتائے کسی دوسرے کو ان کی خبر نہیں ہے اور ایک ہزار وہ ہیں جو انبیاء کو معلوم ہیں دوسروں کو نہیں اور تین سو تورات میں تھے اور تین سو انجیل میں اور تین سو زبور میں اور ننانوے قرآن مجید میں اور ایک وہ ہے جو اللہ تعالی نے اپنے ساتھ خاص کہا ہے اور ان تین ہزار اسماء کے معانی ان تینوں اسموں میں ہیں سو جس آدمی نے یہ تین کہہ دیے تو گویا اس نے اللہ کے تین ہزار اسماء کا ذکر کر لیا پھر جب آپ ان تین ہزار کو تہائیوں پر تقسیم کریں گے تو ہر تیسرا حصہ ننانوے بنے گا اور امت بھی تین قسم کی ہے پہلے سابقین ہیں دوسرے مقتصدین اور تیسرے ظالمین پس ننانوے تو سابقین کا حصہ ہے اور اتنا ہی مقتصدین کا اور اتنا ہی ظالمین کا یعنی اے سابقین میں اللہ ہوں بیدار ہو جاؤ۔ اور اے مقتصدین میں رحمن ہوں ہوشیار ہو جاؤ اور اے ظالمین میں رحیم ہوں کام پہ لگ جاؤ۔ ظالم تو چلنے والے ہیں اور مقتصد دوڑنے والے اور سابقین اڑنے والے۔ ظالم تیرا نفس ہے اور مقتصد تیرا دل ہے اور سابق تیرا اسرار روح ہے نفس تو خراب چیزوں کی طرف دوڑتا ہے اور دل ملکوت کے گرد چکر لگاتا ہے اور سر عرش کے نیچے اڑتا ہے وہ اللہ ہے رحمن۔ رحیم تینوں کی نوازش کرنے والا ہے۔ امام اجل زاہد ابو حفص عمر نفی قدس سرہ مدارک التنزیل کی تفسیر میں بھی اسی طرح ہے۔

اور ان کو مقدم کرنے کی توجیہ اس سے بھی سمجھی جا سکتی ہے جو صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا تو اسے حکم دیا کہ بسم اللہ لکھ تو اللہ کا نام سنتے ہی قلم پریشان ہو گیا اور اس کے دونوں پر پھٹ گئے اس نے لوح محفوظ پر اسی طرح پھٹا ہزار کہہ دیا اور ہزار سال تک یہی کیفیت رہی پھر پروردگار نے اس پر رحم کیا اور اسے دو نام رحمٰن اور رحیم سنائے ایک نام سن کر اس کا ایک پر درست ہو گیا اور دوسرے کو سن کر دوسرا بھی درست ہو گیا پھر اس نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی۔ سوائے بھائیو! ہر چیز جو قائم ہوئی ہے اور آئندہ قائم ہوگی وہ سب اس کی رحمت ہی سے ہے آدم کی بخشش بھی اس کی رحمت سے ہوئی جیسے کہ آدم کی پیدائش اس کی رحمت سے ہوئی۔ اور اسی طرح نبیوں میں سے ہر ایک نبی نے کہا "اگر تو ہم کو نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے" اور نوح علیہ السلام نے فرمایا "اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا" اسی طرح موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے کہا "ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما" اور اللہ تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کے متعلق فرمایا "اور ہم نے ہود اور ایمانداروں کو اپنی رحمت سے نجات بخشی"۔ اور یہ تمام آیتیں قرآن مجید میں کسی نہ کسی نبی کے متعلق پائی جاتی ہیں اور تمام آیات کا خلاصہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا "ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے" پس ہر ایک نبی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظلِ رحمت رسالت میں ہے تو دین اور دنیا کے تمام امور کا نظام صرف رحمت ہی سے ہے "میری رحمت میرے غضب سے سبقت لے گئی" حدیث قدسی یہ خبر دیتی ہے تو اس کے مطابق اس حدیث قدسی میں رحمت مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے کیونکہ آپ کی سبقت مضمون حدیث نبوی سے مکشوف و مصرح ہے آپ نے فرمایا کنت نبیا وآدم بین الماء والطین۔ میں اس وقت نبی تھا جبکہ آدم ابھی پانی اور مٹی (کیچڑ) کی حالت میں تھے سو تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں جس نے ہماری تربیت سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ مع الآل والاصحاب ونائبہ اجمعین کے ظلال رحمت میں فرمائی۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما اور ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں نیکی اور ہمیں اے رب ہمارے عذاب نار سے بچا اور اپنی محبت کی شراب سے بزرگی اور صفائی کے پیالے پلا۔ اور ہمیں اپنے عشق کے جذبات سے ایسا مست کر دے جس میں صحو اور رضا کو محو کر دے اپنے اسماء اور صفات کی برکت اور اپنے نبی کریم جو تیری آیات کے جمال کا مظہر ہیں اور تیرے کلمات کا جلال ہیں اور ان کے صحابہ اور آل سب کی حرمت سے اور ہمارے شیخ بزرگ ترین سید السادات سید ابو محمد عبد القادر محی الدین رضی اللہ عنہ کے فیض کی برکت اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے انوار سے روشنی عطا فرما۔

شراب صافی کے سمندروں سے پہلی موج

(شعر کا پہلا مصرعہ)
سقانی الحب کاسات الوصل

السقی کا معنی ہے پلانا اور پینا اور وہ جو دعا میں کہتے ہیں سقی اللہ ثراہ (اللہ سیراب فرمائے اس کے ٹھکانے کو) وہ افادہ شئی کے لازم کے لیے لیا گیا ہے کیونکہ سیراب کرنے کا معنی لازم ہے پلانے کو اور اسی سے ہے زمین کو پانی پلایا پھر سقی فعل ماضی ہے اور مضارع یسقی اور مصدر سقیا ہے اور اسم فاعل ساقی ہے اور نون وقایہ کے لیے ہے اے

یہ بتانے کے لیے تھا کہ بغیر سلوک و مجاہدہ کے وصول قانون سے خارج چیز ہے۔ تو مشاہدہ مجاہدے کی میراث ہے اس نے فرمایا
والذین جاہدو فینا لنہدینہم سبلنا وہ جن لوگوں نے اور ہماری راہ میں کوشش کی تو ہم نے انہیں اپنے راستے دکھائے۔ اور
سید العرب والعجم ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیر کیا اور احوال و مقامات کے حصول کے بعد فنا اور بقا کی
منزلیں طے کیں اور اخلاق آلہیہ کے ساتھ آراستہ ہوتے یہاں تک کہ آپ کو خطاب کیا گیا انک لعلی خلق عظیم آپ
بہت بڑے خلق پر ہیں اور بشریت سے حقیقی معراج تک ترقی فرمائی تو آپ کو کہا گیا کیا تو نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا
کہ اس نے کس طرح سایوں کو لمبا کیا۔

حاصل کلام یہ کہ سلوک، طریق وصول کی تحقیق کے مطابق قبض اور بسط سے عبارت ہے۔ اس سے کوئی چارہ نہیں
ہے اور یہی دونوں امر تجدد و لازم سے عبارت ہیں جو سالک کو اس راہ میں پیش آتا ہے۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول
جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم سے مواخذہ نہ فرما اور ہمیں خالص شراب اتنی پلا کہ یہ جلا ہوا دل پیاسا نہ رہے تو ہی توفیق اور
اعانت فرمانے والا ہے۔ پھر اوصلنی الکمال "مجھے اس نے کمال تک پہنچا دیا" کہنے کی بجائے آپ نے سقی کا لفظ اختیار
فرمایا ہے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس سے پہلے پیاس کا ہونا لازمی ہے تاکہ وہ پینے سے لذت حاصل کر سکے
جیسا کہ اس اللہ تعالیٰ کا قول دلالت کرتا ہے وسقٰہم ربہم شرابا طہورا۔ "اور پلائے گا ان کو ان کا رب شراب پاک" یعنی جبکہ
وہ فراق کی آگ سے جل جائیں گے اور جب وہ ایسے جلانے والے شعلوں میں گریں گے جن کی طاقت نہیں رکھی جا سکتی
تو پھر اللہ تعالیٰ ان کو پلائے گا اور پوری طرح کرے گا یہاں تک کہ وہ پھر کبھی پیاسے نہ ہوں گے کیونکہ وہ ساقی کریم ہے
اس کی شراب کے مٹکے کبھی ختم نہیں ہو سکتے وہ پیاسوں کو سیراب کر کے پلاتا ہے اور بھوکوں کو سیراب کر کے کھلاتا ہے اس
مضمون کے مطابق اس میں اشارہ ہے کہ پینا پیاس کے بعد ہی فائدہ دیتا ہے ورنہ اس کے پینے میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا
بلکہ بعض اوقات وہ نقصان دے جاتا ہے اور اس مقام پر اس عبارت میں طلب روحانی کی طرف ایک اشارہ بھی ہے
اور وہ یہ ہے کہ مرید کے لیے ضروری ہے کہ مطلوب کے سوا باقی تمام چیزوں سے اپنے دل کو خالی کر دے اور محبوب کی
شراب کی طلب میں اپنے سینے کو جلا ڈالے تاکہ پلانا اور سیراب ہوتا اس کے لیے مفید ہو اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ طب
جسمانی میں ثابت ہوا ہے کہ مریض جب طبیب سے کہتا ہے کہ مجھے دوا دے دو تو طبیب اسے کہتا ہے جا دو پہلے منفجات
کے بعد جا کر جلاب پیو تاکہ تمہارا معدہ اخلاط ردیہ سے پاک ہو جائے تو پھر تجھے دوا دی جائے گی اور وہ تجھے کامل نفع
دے گی اور یہی مطلب ہے صوفیاء کے اس قول کا پہلے تجلیہ اور پھر تخلیہ ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کا بھی یہی
مطلب ہے اتامرون الناس بالبر کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہو
کہ بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کی حکایت ہے۔ عمارت بنانے والوں اور نقش و نگار کرنے والوں کو طلب کیا ان کی
ایک جماعت تو رنگ و روغن کرنے میں مشغول ہو گئی اور دوسری صفائی کرنے میں لگ گئی اور ان دونوں کے درمیان
ایک پردہ پڑا ہوا تھا جب ان دونوں کے کام کی مدت پوری ہو گئی تو ان دونوں کو بادشاہ نے بلایا تو دونوں جماعتوں
میں سے ہر ایک نے یہی کہا کہ جو کام ہم نے اپنے ذمہ لیا تھا وہ ہم نے پورا کر لیا ہے پس دونوں دیوانوں میں سے

پردہ اٹھا دیا گیا تو جب صفائی والے ایوان پر نقش و نگار کا عکس پڑا تو وہ دیکھنے میں نقش و نگار والے ایوان سے بھی زیادہ خوبصورت نظر آتا یہی وجہ ہے کہ صوفیاء نے مبتدی کے لیے خلوت کی شرط لگائی ہے کہ وہ اس کے لیے تمام امور سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ اس کا نتیجہ ظہور ہے جب وہ خلوت میں چلا جائے گا تو تجلی نصیب ہو گی اور اللہ تعالیٰ کے اس قول الم نشرح لک صدرک کا یہی معنی ہے کیا ہم نے تیرے سینے کو کھولا نہیں دیا۔ اور ساقی کے اختیار میں بہت سی پینے کی چیزیں ہیں جس میں پیاس کا شوق فوق الفوق ضروری اور لازمی ہے۔

اور مفعول کی یا کو مقدم کرنے میں بغیر یقول سقی الحب کہنے کے استقامت وزن کے سوا اور بھی باریک وجہ ہے کہ سقی الحب لی سوائے وزن شعری کی درستی کے اور وہ بحر فراق میں غرق ہونے والے اور جلے ہوئے دل کے لیے صبر کرنے کا اہتمام اور اشارہ ہے کہ ساقی سے تو پلانے کا تحقق ہر وقت ہوتا ہے یعنی ساقی تو ہمیشہ پلاتا رہتا ہے لیکن پیاسا دل جلد صبر کرنے پر قادر نہیں ہے تو اس باریک اشارہ کے لیے مفعول کو مقدم کیا گیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وجہ تقدیم اہتمام کرنا ہے کہ اس پلانے کا اقران کے درمیان ان کی ذات کا مخصوص ہونا اس طرح ہے جیسا کہ اس پر آپ کا یہ قول دلالت کرتا ہے فقلت لسائر الاقطاب آخر ابیات تک یعنی ساقی نے مجھ کو اے اقطاب کی جماعت اس پلانے کے ساتھ تم میں سے خاص کر لیا ہے تو میں تمہاری نسبت اصلی مہمان ہوں اپنے نانا کی نیابت کے مقام میں ہوں اور میرے سلسلے میں ہو۔ اور سقی (پلانے) کی نسبت حب کی طرف اگر وہ حاصل مصدر کے معنی میں ہو تو مجاز عقلی ہے اور یہ اسی طرح کی نسبت ہے جیسے فعل کی نسبت سبب عادی کی طرف کر دی جاتی ہے اور مطلب یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے محبت کے سبب سے اور وصال کے پیالوں پلایا ہے اور اس کو استعارہ پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے لیکن اس میں دقت ہے اور اگر فاعل یا مفعول کے معنی میں ہو تو اس کا بیان انشاء اللہ جلدی آ جائے گا۔ اور آپ نے محبت کا لفظ اختیار کیا ہے اور ذکر اور عشق کا لفظ اختیار نہیں کیا تو یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ کی متابعت کے لیے ایسا کیا ہے کہ "اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت رکھے گا" اور یا پھر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر معشوق کے لفظ کا اطلاق ظاہر شریعت مقدسہ میں اور اہل تحقیق عرفاء کے کلام میں نہیں آیا ہے۔ اگرچہ اہل شہود کے کلام میں واقع ہے اور جب ان کو اپنے سکر کا پتہ چلتا جو کہ بہتر اور غیر بہتر کی تمیز ختم کر دیتا ہے تو پھر اس سے پناہ مانگتے اور یا پھر اس اشارہ کے لیے آپ نے یہ لفظ استعمال کیا ہے کہ عشق وصال شہودی سکری کے اسباب میں سے ہے اور حب وصال حقیقی صحوی کی طرف پہنچانے والی ہے اور عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ حب اور عشق اور وداد اور محبت کے فرق پر کلام کیا جائے گا۔

اور جو کاسات کی طرف نسبت واقع ہوئی ہے وہ بھی مجاز عقلی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں کہ "حد سے بڑھنے والوں کے حکم کی اطاعت نہ کرو" اور اس قرینہ میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ مجاز عقلی اس سے عام ہے کہ نسبت اسنادیہ میں ہو جیسے کہ سقی کی نسبت حب کی طرف ہے یا ایقاعیہ میں جیسے کہ سقی کی نسبت کاسات کی طرف اور اگر ان دونوں نسبتوں میں مضاف محذوف مان لیا جائے یعنی مجھے محبت کے خالق نے وصال کے پیالوں کی شراب

Scanned by CamScanner

پلانا ہے تو یہ قطرہ تو پورا ہو جاتا ہے لیکن پیدا ہا عنت میں غبار عقلی کی باریکی کے برابر نہیں رہے گا کیونکہ اس میں صاف الطف کا فائدہ ہے اور یہ جمع کو مفرد کی طرف مضاف کرنے کو اختیار کرنے میں یعنی وصال تو اگر اس میں لام جنس کے لیے ہے تو اس میں ایک ... اور ایک نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر وصال کے لیے یا جنس وصال کے لیے یا وصال معہود کے لیے ان کے پاس بہت سے پیالے ہیں جو گنتی اور شمار سے باہر ہیں اور اس سے اضافہ استغراق کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور اس میں فائدہ یہ ہے کہ ان غوث ربانی نے ساقی حب کے ارشاد سے اتنے طرق کا احاطہ کیا ہے کہ ان کا بیان قلم سے نہیں ہو سکتا اور نہ ان کی ترجمانی شمار کی جا سکتی ہے اور کاسات سے جو مراد ہے اس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

اور لفظ وصال کو کرنے میں حالانکہ معروف لفظ وصول ہے یا تو حدیث صوم الوصال کی پیروی کرتے ہیں یہ لفظ اختیار کیا ہے کہ یا کہ یہ وصال کا مرتبہ ہے اور ردزہ کا وقت اس سے پہلے تھا یا پھر لفظ وصل کی نسبت سے وصال لائے ہیں اس اشارہ کے لیے کہ لفظ کی زیادتی معنی کی زیادت پر تنبیہ ہوتی ہے پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ جو کچھ ہم نے اب تک بیان کیا ہے وہ باعتبار مفردات کلام کے ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کلام باعتبار ترکیب کے ایک تمثیل ہو اس اعتبار سے کہ حالات جو کمالات عالیہ کا باعث ہیں محبوب حقیقی کی کلی متابعت کے بعد ان سے ایک تصویر کھینچی گئی ہے اور اس کی مشابہت اس صورت سے ہے کہ محبوب اپنی مجلس میں بیٹھا ہوا ہے اور مست کر دینے والی شراب پلا رہا ہے جو اس کی اپنی طرف ان عاشقوں کو پہنچا رہی ہے جن کی اپنی عقلیں اس کے مشاہدہ میں گم ہو چکی ہیں اور اب وہ اسی کی خبر اور عقل سے بے خبر وار ہیں۔ اور اس تصویر کو اختیار کرنے میں بے خبر دل کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ محبوب اور شراب اور پیمانہ اور پیالے اور وصال سب یقینی ہیں سوائے ہوس پرستو دعویٰ کرنے والو خبردار ہو جاؤ ادران لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو سفر کا ارادہ تو رکھتے ہیں لیکن سو رہتے ہیں۔ اشعار

(۱) اے ہوس پرستو اتم تمام کے تمام غفلت کو چھوڑ دو کہ اس سے تمہاری ذلت ہے ۔ (۲) اے قوم دل کی لوح سے ہر اس چیز کو دھو ڈالو جو کہ محبوب حقیقی کے سوا ہے ۔ (۳) بلند مقام دوست کی چوکھٹ کو لازم پکڑ لو کہ اس سے نور کا نور بھی روشن ہے ۔ (۴) آگ میں داخل ہو جاؤ جو دھڑ دھڑ جل رہی ہے یہ ایسا نور ہے جو دلوں کو روشن کر دیتا ہے (۵) میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں اور درود ہو نبی پر پھر آپ کی آل اور پاک باز صحابہ پر (۶) پھر میں رب غفور کی رحمت طلب کرتا ہوں اور اس معلم خدمت چاہتا ہوں جو تمام زمانوں میں معظم ہے (۷) اے جہانوں کے خداوند کریم ہے میرے گناہ معاف کر دے اور مجھے سیدھے دین کی رہنمائی فرما۔

پلانے والی شراب کے سمندر دل کی دوسری موج (پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ)

فَقُلْتُ لِخَمْرَتِیْ نَحْوِیْ تَعَالِ

تی تعقیب کے لیے ہے اور اس کا مطلب عنقریب پہنچاؤ گے اور قول کا معنی کہنا ہے اور قُلْتُ صیغہ ماضی معروف متکلم کا ہے اور باب اس کا قَالَ یَقُوْلُ ہے یعنی نَصَرَ یَنْصُرُ کی طرح۔ خَمَرٌ اور خمر انگوری شراب یا مطلق

Scanned by CamScanner

شراب ہے جو مست کر دینے والی ہو پہلے معنی کو حنفیہ نے اختیار کیا ہے اور دوسرے کو شافعیوں نے پسند کیا ہے اور صاحب قاموس نے کہا ہے کہ اس کو مطلق رکھنا زیادہ صحیح ہے کیونکہ جب شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی تھی تو اس وقت مدینہ میں انگور کی شراب نہیں ہوا کرتی تھی بلکہ کھجوروں کی شراب تھی اور قرآن عرب کی نعمت پر اترا ہے انا انزلناہ قرآنا عربیا۔ ہم نے اس کو اتارا قرآن خالص عربی زبان میں۔ اور اطلاق کی تائید کرنے والی چیزوں میں سے یہ بھی ہے کہ اگر خمر کو انگوری شراب سے خاص کر لیا جائے تو لازم آئے گا کہ انگوری شراب کے علاوہ اور شرابیں دلالۃ النص یا قیاس سے حرام ہوتی ہیں اور اصل یہ ہے کہ تمام شرابوں کی حرمت کو نص کی طرف منسوب کیا جائے۔ پھر یہ بھی جان لیں کہ خمرۃ میں تاء وحدت کے لیے ہے جیسا کلمۃ میں تا ہے اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ شراب جو شیخ بزرگ ترین کو عطا فرمائی گئی اگرچہ اس کی کئی قسمیں اور اصناف تھیں جیسا کہ کاسات کا لفظ اس پر دلالت کر رہا ہے لیکن شیخ اجل کی کمال استعداد کے مقابلہ میں وہ ایک ہی شراب کے مترادف ہیں اور باقی کلام آپ انشاء اللہ بلاغت میں پہچانیں گے۔ تفسیر بیضاوی میں ہے کہ الخمر اصل میں خمر کا مصدر ہے یعنی اس کو ڈھانپ لیا یہ انگور اور کھجور کے نچوڑ کا نام ہے جبکہ وہ سخت ہو جائے اور اس میں جوش آ جائے گویا کہ وہ عقل کو ڈھانپ لیتا ہے جیسے کہ اس کا نام سکر بھی ہے کیونکہ وہ انسان کو مست کر دیتا ہے اور تفسیر مدارک میں ہے کہا جاتا ہے خمرہ خمرا جبکہ اس کو ڈھانپ لے انگور کے نچوڑ کا یہ نام ہے کیونکہ یہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے بہر تقدیر مراد اس سے حلال شراب ہے یعنی محبت کی شراب یہی وجہ ہے کہ اس کو یائے متکلم کی طرف مضاف کیا ہے اور اس سے مراد ان کی اپنی ذات ہے رضی اللہ عنہ۔ نحو کا معنی ہے جانب اور اس کے اور بھی کئی ایک معانی ہیں جو اس مقام کے مناسب نہیں ہیں اور تعال کا کلمہ اسم فعل ہے اس کا معنی ہے ھَلُمَّ مطلقاً یا آجا ھلم بالراء والعلم مطلق طور پر یا آجاؤ یعنی عزم اور ارادہ سے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں وارد ہوا ہے آجاؤ ایسے کلمے کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے اور مقصود اس مقام میں خمرہ کو خطاب کرنا ہے شوق کے لیے اور عنقریب بلاغت میں آپ پہچانیں گے۔

نحو:- صرف اور کچھ حصہ نحو کا لغت میں بیان ہو چکا ہے۔ قلت فعل ہے اور فاعل ہے اور خمرتی مفعول بواسطہ کلام ہے کہا جاتا ہے قلت له اور نحوی تعال۔ قول کا مقولہ ہے اور نحوی مفعول ہے قول تعال کا۔ تقدیر کلام یہ ہے قلت لخمرتی تعال نحوی یعنی میں نے اپنی شراب کو کہا کہ میری طرف آجا۔ مفعول کو مقدم قافیہ کی رعایت کے لیے کیا ہے اور اس کا بیان بلاغت میں آجائے گا۔

بلاغت:- آپ نے فاء تعقیب کا ذکر کیا ہے اور وہ اس پر دلالت کر رہی ہے کہ اس کا مابعد اپنے ماقبل کے فوراً ہی بعد بلامہلت دیا تاخیر واقع ہوا ہے اور ہم جو بیان کر رہے ہیں وہ تعقیب کی تصحیح ہے یا تو اس اعتبار سے کہ سقی مرتبہ ابتداء اور بدایت حاصل کرنا اور وصول کی طرف اشارہ تھا اور یہ قول مرتبہ ابدا اور ہدایت دینا ہے اور ارشاد اور ایصال کا ہے جو کہ ابتداء کے زمانہ کے بعد آتا ہے جیسا کہ آپ کا اقطاب کو خطاب کرنا اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے وھبوا واشربوا انتم جندی اس بیان کے مطابق اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو ابدا مرتبہ ابتداء کے مرتبہ کے فوراً ہی بعد مل گیا بغیر مہلت اس طرح اور اگر کہا جائے کہ سقی اس مرتبہ کا بیان ہے جو آپ رضی اللہ عنہ کو اعیان ثابتہ کی تکمیل میں عطا کیا گیا اور آپ کا قول فقلت اس تکمیل کا اظہار ہے جو آپ کو اس عالم جسمانی میں عطا کیا گیا ہے اور اس کی طرف خمرتی کی یا اشارہ کر رہی ہے یعنی میں نے اپنی اس مستی کو کہا جو مجھے اللہ تعالیٰ نے اس پہلے مرتبہ میں عطا کی جیسا کہ اس کی طرف صحیح حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ میں نبی تھا اور آدم ابھی پانی اور مٹی میں تھے اور یہ مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں

تفصیل ہے چنانچہ آپ علوم ظاہری کے اکتساب کے بعد اس میں مشغول ہوئے۔ اور عدم حفلت کی توجیہ وہ زمان فاصل کا اعتبار ہے [illegible]

ہے۔ [illegible] شیخ [illegible] کے الفاظ سے یہ مضمون میرے ذہن پر وارد ہوا ہے۔ اور اللہ ہی اپنے اولیاء کے کلام کے اسرار کو خوب

جانتا ہے۔ [illegible] تو ہم سے [illegible] فرمایا کہ اپنے نبی اسلام کی آل اولاد کے قائب [illegible]

[illegible] کی طرف قول کی نسبت معدوم [illegible] ایک قائم [illegible] یہ ہے کہ اس طرح کا

جیسے [illegible] عادت ہوتی ہے [illegible] عشق کی منزل اور محبوب کے حسن وغیرہ کو خطاب کرتے ہیں یعنی اس کے متعلقات کو اور [illegible]

[illegible] ہے یا حسرت سے کہتے ہیں یا محبوب کی عزت کے خیال سے اس حیثیت سے کہ عاشق اپنے محبوب کو مخاطب کرنے [illegible]

[illegible] یا عاشق اپنے نفس [illegible] کرتے ہیں کہ وہ اپنے محبوب کو مخاطب بھی کر سکتا اور جس مضمون [illegible]

[illegible] بہت سے اکثر پائی جاتی ہیں۔

اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ آپ نے اس [illegible] کو جو محبوب کی طرف پہنچا دے ذوی العقول کی جنس سے قرار دیا ہے اس حیثیت سے

وہ غیر ذوی العقول [illegible] ہے [illegible] ذوی العقول کی جنس میں داخل ہو چکی ہے بلکہ وہ ذوی علم کی جنس میں داخل ہے۔

اور تیسرا فائدہ یہ ہے [illegible] شیخ [illegible] رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہر چیز کلام کرتی تھی یہاں تک کہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ

[illegible] کلام کرتے تھے جیسا کہ آپ کے اس قول کی تشریح میں آنے کا [illegible] مشہور اور موجود اور یہ بھی آپ [illegible]

[illegible] کلام کیا ہے [illegible] کہ اس کا گوشت بازار میں فروخت کرے [illegible]

[illegible] گوشت کو مسلمانوں کے بازار میں فروخت کرے تو شیخ نے اس

[illegible] اور تیسری اس روایت کے ظل میں ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم

[illegible] اے اللہ کے رسول مجھے [illegible] اور انشاء اللہ اس کی تفصیل [illegible]

اور [illegible] جو آپ کو علم لدنی کی بساط میں عطا کیا گیا تھا [illegible]

[illegible] حاصل تھا اور یہ اسی طرح کا کلام ہے جیسے وہ آدمی کہے جس کی طرف [illegible]

[illegible] اور اس کے علاوہ [illegible]

[illegible] کی بجائے الی کا لفظ استعمال کرتے تو اس کا [illegible]

[illegible] کو یہ عادت کے لحاظ سے زیادہ عام [illegible]

[illegible] نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خداوند تعالیٰ کے درمیان التحیات [illegible]

[illegible] السلام علیک ایہا النبی [illegible] تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہم

[illegible] کے لیے ضیافت عام کر دی جائے۔

[illegible] آپ کا اپنی طلب [illegible] رضی اللہ تعالیٰ

[illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] کے ارادے کے بغیر [illegible] ہے۔

[illegible] آپ [illegible] کی پرواہ نہیں کرتے [illegible]

Scanned by CamScanner

اس کو زبان حال سے فرماتے ہیں کہ میری طرف خود بخود آجا، کیونکہ میں مشاہدۂ محبوب کے شغل کی وجہ سے تیرے پکڑنے میں مشغول نہیں ہو سکتا تو خود آجا

اور چوتھا اشارہ یہ ہے کہ آپ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اے شراب میرا معاملہ تیرے ساتھ دوسرے عاشقوں جیسا نہیں ہے اور وہ یہ ہے کہ میرے سوا دوسرے لوگ تیرے طالب ہوتے ہیں اور تو ان کی مطلوب ہوتی ہے اور میری نسبت یہ ہے کہ تو طالب ہے اور میں تیرا مطلوب ہوں کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوں اور اس کا محبوب ہر چیز کا محبوب ہوتا ہے۔

اور پانچواں اشارہ مرتبۂ رضا کی طرف ہے یعنی میں اللہ تعالیٰ کی رضا میں ہوں نہ تو میں کوئی چیز طلب کرتا ہوں اور نہ ہی کسی چیز میں مجھے رغبت ہے جب وہ مجھے دے دیتا ہے تو لے لیتا ہوں اور جتنا مجھے پلا دے پی لیتا ہوں تو رضا کی اصلیت اختیار کی نفی ہے اور جب اختیار کا واسطہ منتفی ہو جائے تو وصال حقیقی جمال تحقیقی کے مشاہدہ سے حاصل ہو جاتا ہے۔

اور تحوی کو تعال پر مقدم کرنے میں بھی چند ایک راز ہیں۔ پہلا راز تو یہ ہے کہ بذات خود شراب کے آنے کا اہتمام نہیں ہے بلکہ صرف اس کے آپ کے پاس آنے کا ہے رضی اللہ عنہ و رضا عنا۔

اور دوسرا راز یہ ہے کہ اہم کام ان کے اپنے حال کا بیان کرنا ہے رضی اللہ عنہ نہ کہ شراب کے حال کا بیان کرنا۔

تیسری رمز یہ اشارہ کرتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو دوسرے اقطاب میں سے اس مرتبۂ جلیلہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔

اور تعال کا لفظ استعمال کرنے میں بھی چند ایک اشارے ہیں پہلا اشارہ تو یہ ہے کہ ضروری ہے کہ شراب کا آنا پورے عزم و ہمت سے ہو جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ تعال کا معنی ہے تانے اور عزم سے آنا

اور دوسرا اشارہ یہ ہے کہ شراب آپ رضی اللہ عنہ کے مشاہدۂ جلال کے انوار سے جو کہ اللہ تعالیٰ کے اس نور مثلہ نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح سے حاصل کئے گئے تھے جس کی مثال ایک طاقچہ کی ہے جس میں چراغ ہو" مبہوت و پریشان ہو چکی تھی تو شیخ رضی اللہ عنہ نے اس کو طلب کر کے اور اپنی طرف بلا کر روشن کر دیا تو گویا کہ شراب نے آپ سے استعداد کا اکتساب کیا یا اس نے مقبولیت کے رنگ میں آپ سے اقتباس کیا۔ اور اللہ جسے چاہے اپنی رحمت سے خاص کرے اور اللہ بڑا فضل والا ہے۔

اور تیسرا اشارہ یہ ہے کہ شراب گویا کہ آپ کے جمال کے نور اور آپ کے وصال کی رونق سے آپ رضی اللہ عنہ پر عاشق ہو چکی تھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ شیخ بزرگ ترین کی مجلس اور آپ کے حضور سے علیحدہ ہو تو گویا کہ شیخ نے اس کو کہا اے شراب آجا کہ میں تجھے اپنے ساتھیوں اور عقلمند لوگوں میں تجھ کو تقسیم کر دوں جو کہ میرے لشکر کی طرح ہیں کیونکہ بادشاہ اکیلے نہیں کھایا کرتے بلکہ خود بھی کھاتے ہیں اور بقیہ ماکولات کو حاضرین اور غائبین میں تقسیم بھی کر دیتے ہیں۔

اور یائے متکلم کے واحد لانے میں بھی بہت سے فوائد ہیں لیکن میں ان میں سے وہی ذکر کر دوں گا جس کا حال اور وقت متحمل ہو سکیں کیونکہ لوگوں سے ان کے عقلوں کے مطابق کلام کرو" مشہور ہے۔ پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ افراد میں سے ایک ایسے فرد ہیں کہ جن کا اس منزل میں کوئی بھی شریک نہیں ہے جیسا کہ آپ نے اپنے ایک دوسرے قصیدہ میں فرمایا ہے انا الفرد لا شریک لہ اور اس قصیدہ میں فرمایا ہے مقامی فوقکم ما زال عالی اور آپ نے فرمایا ہے وکل ولی لہ قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال جیسا کہ اس کلام جلیل اور مثال جمیل کی شرح میں عنقریب آئے گا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ساقی کے ہاتھ سے میرا پینا فردیت مطلقہ کے پیالے سے ہے جس کی طرف آپ نے علی رؤس الاشہاد اپنے اس کلام سے اشارہ فرمایا ہے وقدمی ہذہ علی رقبۃ الاولیاء

میرے یہ قدم تمام الاولین والآخرین اور آپ کے قول جو دوسرے قصیدے میں ہے یا اعطانی المولیٰ رجل ولایۃ لم یعطہا غیری لان یوم القیمۃ کی طرف اشارہ ہے … پہنچا اور … اللہ کی … پہنچا اور ایک اور قصیدہ میں آپ نے فرمایا۔ مجھے میرے مالک نے قریب سے ایسی ولایت بخشی ہے کہ وہ میرے سوا کسی کو نہ دی جائے گی۔ اور آپ نے اس دار الفنا سے دار البقا کی طرف کوچ کرتے وقت فرمایا: مجھے دوسرے اولیاء … میرے اور ان کے درمیان زمین اور آسمان کا فرق ہے۔

الا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور امام مہدی وہ دوسرے قرینے سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ عقیدہ مقرر یہی ہے کہ کوئی تابعی بھی کسی صحابی کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ ہاں البتہ یہ ممکن ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ امام مہدی سے افضل ہوں اس میں عقیدے کا خلاف بھی نہیں ہے باقی رہے چاروں امام یعنی امام ابو حنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تو اجتہاد کے مرتبہ اور امامت کے لحاظ سے وہ یقیناً آپ سے افضل اور کامل ہیں اور قرب اور ولایت کے لحاظ سے ان کو بھی ان لوگوں میں شمار کرنے سے کوئی مانع نہیں جن کی گردنوں پر آپ کا قدم ہے اور اس بات کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو بیان کیا جاتا ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی طرف جانے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے امام احمد کو خواب میں دیکھا آپ سمندر کی گہرائی میں ڈوب رہے ہیں تو شیخ رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو سمندر کی گہرائی سے نکالا تو شیخ نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ تو پھر شیخ نے اللہ عزوجل کی طرف مراقبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا امام کی زندگی سے پوچھو جب پوچھا تو امام احمد نے فرمایا اے شیخ آپ نے چونکہ میرے مذہب سے نکل جانے کا ارادہ فرمایا تھا تو میں تیرے سمندر میں غرق ہو گیا پھر جب آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اب تو میرے مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف انتقال نہ کرنا میں تمہارے ساتھ اپنے مذہب میں فخر کرتا ہوں کہ آپ میرے مذہب پر ہیں۔ تو پھر شیخ نے ترک کیا امام صاحب ہی کے مذہب پر ٹھہرے رہے پاک ہے وہ اللہ جس نے آپ کی شان کو بلند فرمایا اور اگر ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ امام بھی اس سے مستثنیٰ ہیں تو یہ بھی کیوں جائز نہیں ہو سکتا ہے اور حقیقت حال کو اللہ ہی خوب جانتا ہے جن لوگوں نے قدم کو وقت اور مکان کے ساتھ مقید کیا ہے آپ رضی اللہ عنہ کے کلام کے موافق نہ ہونے کے علاوہ تخصیص بلا مخصص ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے اور بہت بڑے عالم شیخ یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا خدا نے آج تک سید عبد القادر جیلانی کی مثل کوئی پیدا کیا ہے نہ آئندہ پیدا کرے گا ماسوائے اصحاب کے اور یہ خود بھی صحابہ کی جماعت میں شامل نہیں ہیں۔ … صحیح اسناد کے ساتھ اسی طرح مروی ہے اور اس کو ملک العلماء کی مدد سے عنقریب آئے گی۔

دوسرا فائدہ اس حیثیت سے ہے کہ آپ نے اپنے نفس کو عشق کا مفعول بنایا ہے یہ نہیں فرمایا کہ "میں نے پیا" اور وہ فائدہ یہ ہے کہ میں پینے میں محبوب کی وادی ہوں جیسا کہ آپ نے دوسرے قصیدے میں فرمایا وجدی رسول اللہ فی الاصل ربانی اور میرے نانا رسول اللہ نے میری تربیت فرمائی ہے" اور ایک اور جگہ فرمایا کہ "مجھ پر اللہ اور اس کے رسول کے بعد کسی کا احسان نہیں ہے" یعنی میں محبوب ہوں محبوب بنایا جاتا ہے … دیتا ہے اور اس کی تائید آپ کا وہ کلام کرتا ہے جو کہ آپ کے الہامات میں بیان ہوا ہے کہ "مجھے کہا گیا میری قسم اے عبد القادر کھا تجھے میری قسم پی اور تجھے میری قسم ایسی قمیص پہن جس کی آستین کی قیمت ایک دینار ہو اور آپ عنقریب اس کو بھی پہچان لیں گے جس میں آپ نے فرمایا "میں اس وقت تک لقمہ نہیں لیتا جب تک کہ نوالہ دیا نہ جائے۔ اور اسے خوب سمجھ لو۔

اور تا کو واحد لانے میں بھی بہت سے راز ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر فرمایا ہے اور اللہ جسے چاہے اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے

بہت بڑے فضل والا ہے۔ لیکن ہم بقدر حال ذکر کریں گے۔ پہلا راز تو یہ ہے کہ حبیب اللہ تعالیٰ نے شیخ اجل کو وصال کے کئی ایک پیالے پلا دئے جن پر حروف کی طرف جمع کی اضافت استغراق پر دلالت کر رہی ہے تو اس اضافت نے یہ بتایا کہ آپ نے شرابوں کی کئی ایک قسمیں حاصل کیں جو وصول کلی اور وصال جزوی کی حیثیت سے ایک ہی شراب بھی گئی ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارادہ فرمایا کہ اس بات پر تنبیہ کر دیں کہ وہ شراب جو اقطاب کے درمیان تقسیم کی گئی ہے ان تمام شرابوں میں سے ایک قسم کی شراب تھی تو اس توجیہ پر تعقیب کے معنی خوب واضح ہو جاتے ہیں یعنی مجھے محبت نے طرح طرح کی شرابیں پلائی ہیں جن کا شمار انسانی طاقت اور عدد سے باہر ہے اس لیے کہ وہ اللہ کی نعمتیں ہیں اور اللہ فرماتا ہے وان تعدو نعمت اللہ لا تحصوہا اگر تم ان کا شمار کرنا چاہو تو شمار بھی نہ کر سکو۔ تو آپ نے فرمایا میں نے ان میں سے ایک شراب کو کہا کہ میری طرف آ تاکہ میں تجھ میں سے پینے کے بعد تجھ کو اقطاب پر تقسیم کر دوں تاکہ وہ بھی جان سکیں کیونکہ خزانے ایک درہم ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں اور بہت بڑے ڈھیر ایک نمونے سے معلوم ہو جاتے ہیں لہٰذا آپ نے فرمایا " مقام کم اعلیٰ جمعا ولکن ۔ مقامی فوقکم مازال عال۔ تمہارا سب کا مقام بلند ہے لیکن میرا مقام تم سب پر ہمیشہ بلند رہا ہے۔" اور آپ نے اس معنی کو اپنے اس قول سے مکمل کر دیا کہ ولو القیت سری فی جبال   اگر میں اپنے راز کو واختفت مین الرمال پہاڑوں پر رکھ دوں تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں اور ریت کے ذروں میں چھپ جائیں" یہ اسی طرح کا قول ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا لو انزلنا ھذا القرآن علیٰ جبل اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو آپ دیکھتے کہ وہ ڈر کر ریزے ریزے ہو جاتا اور اللہ کے ڈر سے پھٹ جاتا۔ پھر جب ایک شراب کا پیالہ ہے جو کہ آپ کے پینے کے بعد بچ گئی ہے تو ان شرابوں کا کیا عالم جن میں آپ خداوند تعالیٰ کی مہربانی سے مستغرق تھے رضی اللہ عنہ الحمد للہ پاک ہے اس کی شان

اور دوسری رمز اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زمین کو بھی شرفاء کے پیالوں میں سے کچھ نہ کچھ حصہ مل جاتا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔ شعر

ہم نے شراب پی اور زمین پر ایک گھونٹ گرا دیا   اور زمین کو بھی شرفاء کے پیالوں میں سے حصہ ملتا ہے،

مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنا حصہ لے لیا اور اس میں سے کچھ حصہ شرفاء کے لیے رکھ لیا یعنی دوسرے اقطاب کے لیے جو کہ میرے لیے لشکر کی طرح ہیں اور یہ اسی طرح ہے کہ بادشاہ کے باورچی خانہ میں خاص کھانا پکتا ہے اور جب بادشاہ اس سے کھا لیتا ہے تو جو باقی بچ جاتا ہے وہ تبرک و تحفہ اس کی فوج کے سرداروں کو بھیج دیا جاتا ہے اور یہ توجیہ اس کلام کے زیادہ مناسب ہے، جو آپ نے افادہ بیان فرمائی مثلاً تم فضلتی من بعد سکری ولا فتم علوی واتصالی میری بچی کچی شراب پی میری مستی کے بعد اور تم میری بلندی اور اتصال تک کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ مہمان طفیلی اگر چہ عزیز ہی کیوں نہ ہو وہی کچھ کھاتا ہے جو گھر کا اصل مالک کھاتا ہے لیکن وہ طفیلی ہونے سے نہیں نکلتا۔ تو اس توجیہ پر اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نائب ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اقطاب قیامت تک آپ رضی اللہ عنہ کے سایہ میں ہیں جب کہ آپ نے اپنے ایک اور قصیدہ میں اللہ کے الہام سے یہ فرمایا انت ولی فی مقام نیابة کہ تو ہی میرا مالک ہے، مقام نیابت میں ہے" اور اس قصیدہ میں آپ نے فرمایا۔ قدمی علی قدم النبی بدر الکمال۔ میرے قدم نبی کے قدموں پر ہیں جو کمال کے بدر کامل ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس بات تمام پر اتفاق ہے کہ غوث ربانی اور محبوب سبحانی جب مناصب قرب اور تصرف کی دولت سے بہرہ ور ہوئے تو پھر ابتدا سے لے کر انتہا تک اپنے منصب سے معزول نہیں ہوئے بلکہ ہر ولی جو آپ کے بعد قیامت تک پیدا ہوگا وہ آپ رضی اللہ عنہ کی نیابت میں ہوگا۔ آپ نے اپنے قصیدہ قطبیہ میں صاف کہا ہے۔ افلت شموس الاولین وشمسنا ابداً علی افق العلی لاتغرب پہلے لوگوں کے سورج غروب ہو گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ بلند کناروں پر چمکتا رہے گا وہ کبھی غروب نہ ہوگا۔ لفظ افلت (غروب ہو گئے) اور ابداً (ہمیشہ) اور لاتغرب (نہیں غروب ہوگا) پر غور کرو اور حال کو محفوظ رکھ اور قیل وقال چھوڑ دے یہاں تک کہ تو خلل اور خرابی سے محفوظ ہو جائے اے اللہ اے رب ہدایت کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر دے

اور تیسری رمز اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے اس شراب کے حاصل کرنے میں منفرد ہیں جیسا کہ آپ نے ایک اور قصیدہ میں فرمایا، وجدی رسول اللہ فی الاصل ربانی ۔ اور میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل میں میری تربیت فرمائی ہے" اور آپ رضی اللہ عنہ کی بعض عبارتوں میں ہے کہ مجھ پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کا احسان نہیں ہے۔

اور چوتھی رمز اس بات کا اشارہ ہے کہ دوسری شرابیں اظہار کے قابل نہیں تھیں بلکہ وہ اسرار تھے جن کو صرف اللہ تعالیٰ یا جو ... جیسا نے یہ اسرار شیخ بزرگ ترین کو عنایت فرمائے یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے اس قصیدہ حمیدہ میں فرمایا ہے۔ ولو القت سری چاروں لفظ لو کے ساتھ ذکر فرمایا تاکہ لو کے کلمہ سے بیان فرمایا جو دلالت کرے فرض اور تجویز محض پر جیسا کہ آپ کو عنقریب پہچان ہوگی اور کچھ اور غنیمت جان بے شک فضل اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اور وہ ہر چاہت پہ قادر ہے۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم سے مواخذہ نہ فرما اور ہمیں ذلت اور معزولی سے محفوظ رکھ یقیناً تو ہی ہر چیز کی نگرانی کرنے والا ہے۔

پھر اس کلام میں کچھ اقتباسات ہیں اور کچھ تلمیحات۔ پہلا یہ ہے کہ اس میں اشارہ ہے اس کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے متعلق فرمایا ہے جن پر اس نے اپنا انعام فرمایا ہے اور وہ بقا کے درجات پر فائز ہوتے ہیں۔

اور دوسرا اقتباس ان آیات سے ہے جو واقعات رنگ میں اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ قول قصہ ابراہیم میں۔ الذی خلقنی وھو یھدین والذی ھو یطعمنی ویسقین۔ ابراہیم نے فرمایا وہ مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا فضل اہل جنت میں وسقٰھم ربھم شرابا طھورا جنت والے کہتے ہیں اور ان کو ان کا رب پاک شراب پلائے گا،، اور اس مضمون میں بہت سی آیات وارد ہیں جیسا کہ قرآن پڑھنے والوں اور اس کے معانی پر غور کرنے والوں پر مخفی نہیں ہے۔ اور احادیث میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ ابیت عند ربی وھو یطعمنی ویسقینی میں اپنے رب کے پاس رات گذارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے" اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے حالات برداشت کر لیتے کہ اور کسی کامل بھی ان کی طاقت نہ ہوتی۔ اور روایت آئی ہے حدیث میں آیا ہے کہ معراج کی رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دو پیالے پیش کئے گئے ان میں سے ایک میں تو خالص پاک اور صاف دودھ تھا اور دوسرے میں شراب تھی جو ام الخبائث ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ والا پیالہ لے کر پی لیا تو آپ پر علوم اور اسرار اتنے کھلے کہ انسانی طاقت ان کو شمار میں نہیں لا سکتی اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے وہ خالص وحی ہے جو وحی کی جاتی ہے۔ اور دوسرا پیالہ جس میں پلید شراب تھی وہ آپ نے چھوڑ دیا یہی وجہ ہے کہ آپ کی امت مسخ اور خسف سے محفوظ رہی۔ کیونکہ پاکیزہ چیزیں پاک لوگوں کے لیے ہیں اور پلید چیزیں پلید لوگوں کے لیے تو جبریل علیہ السلام نے آپ سے عرض کیا اگر آپ شراب کا پیالہ لے لیتے تو آپ کی تمام امت ہلاک ہو جاتی لیکن جب آپ نے دودھ کا پیالہ اختیار کر لیا تو آپ کی امت عذاب اور برباد ہونے سے محفوظ ہو گئی۔

وسقنی کی نسبت حب کی طرف میں ایک اور اقتباس ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی کہ آپ کہیں اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا" اور ان کے قول سے کہ وہ اس سے محبت رکھتا ہے اور وہ اس سے محبت رکھتے ہیں" اور اللہ کے اس قول سے کہ والذین آمنوا اشد حبا للہ۔ اور مسلمان اللہ تعالیٰ سے بڑی محبت رکھتے ہیں اور ان کے علاوہ اور آیات بھی جو اللہ تعالیٰ کی ایسی محبت اور جذبہ پر دلالت کرتی ہیں جو بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچا دے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے کہ لا یؤمن احدکم اس وقت تک کوئی بھی تم میں ایماندار نہیں

ہو سکتا جب تک کہ اللہ اور میں اس کو اس کی اولاد اور والدین سے بھی پیارا نہ ہو جاؤں اور آنحضرت علیہ السلام کے اس قول سے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کنت کنزاً میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے پسند کیا کہ مجھے پہچانا جائے اور آپ کے اس قول سے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کے اپنے نفس میں سے اس کے لیے ایک واعظ مقرر کر دیتا ہے اور اس مضمون میں صریح احادیث اور استنباطی بھی بہت ہیں۔

اور وصال کے ذکر میں اقتباس ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے "اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف رجوع کر خوش اور پسندیدہ ہو کر" اور اس قول سے کہ "وہ لوگ جنہوں نے ہمارے متعلق کوشش کی ہم ان کے لیے اپنے راستے فراخ کر دیتے ہیں" اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کہ "اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑو" اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے "ان شہروں کی طرف جن تک تم مشقت نفس کے سوا نہیں پہنچ سکتے تھے" اور اس قول سے کہ "اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہو گئے" اور وصول الی اللہ اور سیر فی اللہ پر دلالت کرنیوالی آیات بے شمار ہیں "اگر تم ان کو گننا چاہو تو شمار نہ کر سکو" صریحاً بھی اور استنباطاً بھی۔ کیا آپ اس پر غور نہیں کرتے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہی ایصال الی اللہ کے لیے ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید تبلیغ رسالات اور اہل ولالت کی طلب ہدایات کے ارشاد کے ساتھ کھول کر بیان کر رہا ہے۔ اور جو شخص بندے کا اللہ تک پہنچنے کا انکار کرے وہ حقیقت میں دیوانہ ہے اور یہ دیوانگی اس کو الحاد کی موجب ہوگی اور ایصال اور وصال کا معنی عنقریب تم پہچان لوگے۔ اور پہلے کچھ اشارہ اس کی طرف ہو بھی چکا ہے سو خبردار ہو جا۔

اور آپ کے اس قول کہ "میں نے کہا" اقتباس ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کہ "میں تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں" وغیرہ آیات سے جو انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ پر دلالت کرتی ہیں خصوصاً ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ آپ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اپنے قریبی رشتہ داروں کو ان کے انجام سے ڈرائیے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے قریش کی جماعت اور اے فاطمہ بنت محمدؐ اور اے صفیہ بنت عبد المطلب اس کا مطلب یہ ہے کہ خود عمل کرو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کا غرور نہ کرنا اور تفرقی میں جو تیل کے ساتھ قسمت اور حصہ کے لیے بنی کیا گیا ہے اقتباس ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کہ ونحن قسمنا بینھم ہم نے ان میں تقسیم کر دیا ہے،، اور اس قول سے کہ "تیرے رب کا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے اور اس قول سے کہ اللہ جسے چاہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے" اور اس قول کہ "جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی فراخی کی راہ نکال دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا" اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات تقسیم پر دلالت کرتی ہیں اصل میں تو یہ انبیاء علیہم السلام کے لیے ہے اور ظلاً ان کے نائبوں کے متعلق بھی ان پر اور ان کے اتباع اور نائبوں پر صلوٰۃ وسلام ہو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے کہ "واللہ المعطی وانا القاسم اللہ ہی دینے والا ہے اور میں ہی تقسیم کرنے والا ہوں

اور باقی رہی تلمیح تو وہ قصۂ تبلیغ کی طرف اشارہ کے اعتبار سے ہے جو انبیاء کے لیے ثابت ہے اور ان امثال کی طرف جو سچی اور جو اور لوگوں کے حق میں وارد ہیں اور اس قصہ کی طرف جو آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان گزرا۔ جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے غوثیت کے بارے میں اپنے کلمات میں وارد فرمایا ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ پیاسے جب ایسے آدمی کے پاس آئیں جس کے پاس ٹھنڈا پانی ہو تو ضروری ہے کہ وہ ان کو پانی پلائے ورنہ وہ تمام بخیلوں سے زیادہ بخیل ہوگا اور عنقریب میں آپ کی عبارت شریفہ بعینہٖ انشاء اللہ نقل کر دوں گا اور اس شعر کی طرف بھی تلمیح ہے جو بعض فقہاء نے وارد کیا ہے شعر شربنا واھرقنا علی الارض جرعۃ وللارض من کاس الکرام نصیب ہم نے پیا اور زمین پر بھی ایک گھونٹ گرا دیا اور زمین کو بھی شرفاء کے پیالوں سے حصہ ملتا ہے۔

Scanned by CamScanner

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ کلام آیات شریفہ اور احادیث کریمہ اور قصہ ہائے صادقہ اور امثال ثابتہ اور اشعار ملیح کے مطابق وارد ہے جو حقیقی شہود اور وجود (سعادت) اور تحقیق مشہود کو بیان کرنے والی ہے۔ اور جس آدمی نے اس کلام کو سکر پر محمول کیا وہ سیدھے راستے سے ہٹ گیا اور وہ جو بعض کاملین کے اقوال میں وارد کہ "سکر ہے اس میں صحو نہیں ہے" اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی شیخ بزرگ ترین کے مذاق کے مطابق اس کلام کا مرتبہ سکر سے صادر ہونا لازم نہیں آتا بلکہ یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ "صحو شکر ہے" اور شیخ تو نفس حب سے ترقی کر کے وصال تک پہنچ چکے تھے اور اس کے متعلقات کا تذکرہ انشاء اللہ محبت کے بیان پر آجائے گا اے اللہ ہمیں سیدھے راستے اور مضبوط دین پر قائم رکھ اور اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما اے رحمٰن اے رحیم۔ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں نیکی اور ہمیں عذاب نار سے بچا۔

اے طالب! تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ لفظ حُب نہیں خالی ہے اس سے کہ (مصدر) یا تو فاعل کے معنی میں ہوگا یا مفعول کے معنی میں اور پھر ہر تقدیر پر یا تو حب بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے لیے ہوگی یا اللہ تعالیٰ سے بندے کے لیے۔ ضروری ہے کہ تو ہر لحاظ سے اس کے معنی پر گہری نظر ڈالے اس کلام جلیل کا معنی کہ "محبت نے مجھے پلایا ہے" یا تو اس طرح ہے کہ میری محبت جو اللہ کے لیے ہے یا جو اللہ تعالیٰ کی محبت جو میرے لیے ہے، اور یا پھر خدا تعالیٰ کے میرا محبوب ہونے نے یا میرا اللہ تعالیٰ کا محبوب ہونے نے "پہلی صورت میں محبت کا معنی جیسا کہ لطائف قشیری میں ہے وہ خاص لطیف حالت ہے جو انسان اپنے نفس پاتا ہے اور یہ حالت اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق بغیر کسی کراہت کے عمل کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور یہ حالت اس سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز اور ہر ایک پر ترجیح دے اور اسے اختیار کرے اور "شمائل الاتقیا" میں ہے کہ "محقق کہتے ہیں کہ بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت یہ ہے کہ بندہ تمام اوقات اور تمام احوال میں خدا تعالیٰ کی رضا تلاش کرے اور اس کی دیدار کی طلب میں بیقرار اور بے آرام رہے اور اس کے علاوہ اور سب سے بیزار ہو جائے" لیکن یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ اس محبت کی علامت یہ ہے کہ بندہ نبی عظیم اور حبیب کریم کی متابعت میں بڑا مضبوط ہو جیسا کہ قرآن شریف نے اس کی تصریح کی ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فرما دیجیے اگر آپ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنائے گا اور اس پر صحیح حدیث دلالت کرتی ہے کہ "تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کی نگاہ میں اس کی اولاد اور اس کے والدین اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ اور ایک حدیث کے یہ لفظ ہیں تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اللہ اور اس کا رسول اور سب چیزوں سے زیادہ پیارے نہ ہو جائیں۔

اور بہر صورت مُحب کا نشان یہ ہے کہ وہ محبوب کی متابعت کرنے اس کے قدموں پہ چلے جیسا کہ محبت کے بیان میں انشاء اللہ اس کا ذکر آئے گا اور اگر دوسری صورت لی جائے تو محبت کا معنی یہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا بندے کے اخلاق کی تہذیب اور اس کے اوصاف خوبصورت بنانے اور اس کو ذائل سے پاک کرنے کا ارادہ فرمانا ہے بلکہ اس کے تمام حجابات کثیفہ اور لطیفہ حتی کہ محبت کے علم کے حجاب کو بھی دور فرماتا ہے۔ جیسا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کو بیان کریں گے اور اسی پر آپ تیسری اور چوتھی صورت کو بھی قیاس کر لیں "ایک اور توجیہہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حب سے مراد مُحب یا محبوب" اور دونوں صورتوں میں ہو سکتا ہے کہ ان سے واد اللہ تعالیٰ کی ذات یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہو اور ہر طرح پر ایک عمومیت اور بھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا اور دونوں صلی اللہ علیہ وسلم یا اللہ کے تمام نیک بندے ہیں اور نبی علیہ السلام زیادہ مطابق اور حق میں کیونکہ محبت کا مرتبہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ خاص ہے کیونکہ وہی حبیب ہیں اور دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام یا تو صفیا ہیں اور بعض خلیل ہیں یا کلیم ہیں یا روح اللہ ہیں یا کلمہ ہیں جیسا کہ امت کے نزدیک مسلّم ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے ہاں اگر محبت سے مراد مطلق ارادہ ہو تو درست ہے اور اسی طرح محبوب سے مراد اگر اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو تو وہ نبی اکرم ہیں یا بندوں کا محبوب اور زیادہ درست پہلا معنی ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے اور اگر اس کا معنی یہ کیا جائے کہ امت کی بخشش یا محب یا امت کی شفاعت کا محب اور محبوب سے مراد امت کے گنہگاروں کا محبوب یا انبیاء اور صلحاء اور تمام بندوں کا محبوب تو صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد نبی افضل صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔

"ایک اور توجیہ" یہ بھی جائز ہے کہ حبیب سے مراد جذبۂ ابتدائیہ ہو اور اس صورت میں کاسات سے مراد تمام منازل ہونگی یعنی فنا سے لے کر رضا اور بقا تک اور یا پھر اس سے جذبہ انتہائیہ مراد ہو جس کے اوپر وصال کے علاوہ اور کوئی مقام نہیں ہے تو اس صورت میں منزل کی نسبت کاسات کی کمالات جزئیہ کی سیر کے اعتبار سے ہوگی وہ کہ جن کی کوئی انتہاء نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کمالات کی انتہا نہیں ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ وصال سے مراد کل وصال کے بعد ہر جزئی کا وصال مراد ہو اور اس پر آپ کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ "مقامی فوقکم مازال حال میرا مقام تم سب پر ہمیشہ بلند رہا ہے" اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ کمال کلی متناہی ہوتا ہے اور کمال جزئی غیر متناہی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے کمالات کی انتہا لازم آئے گی اور اللہ اس سے پاک ہے کیا تم نے غور نہیں کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مناجات میں فرمایا کرتے تھے "فراق سے میری جلد رقیق ہو گئی اور میں تیری کما حقہٗ ثنا بیان نہیں کر سکتا" اور ہم نے تجھے جیسا پہچاننے کا حق ہے نہیں پہچانا" اور یہ صرف وصولات جزئیہ کے اعتبار سے ہے اور باقی رہا وصول کلی تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یقینی ہے اس کا انکار کرنے سے کفر تک کا خوف ہے خدا کی اس سے پناہ۔ اور اس توجیہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جائز ہے کہ آپ کا قول نغلت تحرتی نحوی تعالیٰ وصول کلی کے بعد وصول جزئی کے اعتبار سے ہو اور عنقریب ان شاء اللہ آپ کو اس کی تفصیل معلوم ہو جائے گی۔ یہ وہ مضمون ہے جو اس بندہ کے دل پر شیخ بزرگ ترین کی برکت سے وارد ہوا۔ اے طالب! تیرے لیے لازمی ہے کہ اس میں امتیاز کرے اور اس سّر کے سمجھنے میں جو اس میں ودیعت رکھا ہے پوری کوشش کرے۔

کیونکہ حکم یہ ہے کلمو الناس علی قدر عقولہم لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق کلام کرو" اور یہ جائز ہے کہ محب سے مراد اللہ و رسول دونوں مراد ہوں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفس سے فنا ہونے اور اللہ کے ساتھ باقی ہونے کی وجہ سے جائز ہے کہ وہ محب بھی ہوں اور وہ محبوب بھی اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے فضل کے بادلوں کی بارش کی وجہ سے محب بھی ہو اور محبوب بھی۔ پس لفظ حُبّ سے مراد وہ حجابات ہیں جو مراد عالم اور تمام پر پھیلے ہوئے ہیں اور یہ معنی عقل سے بہت دور ہیں ان کو وہی آدمی سمجھ سکتا ہے جس نے محبت کا جام وحدت جامعہ اور احدیت تامہ کے ہاتھوں سے نوش کیا ہو۔ آلم یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے تم عشق۔ اے ہمارے الٰہی اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر جائیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما اور ہمارے لیے ہمارے کام اپنے فضل اور رحمت اور کرم سے آسان کر دے۔

"ایک شبہ کا ازالہ"

میں نے محبّ اور محبوب سے مراد بیان کرنے میں صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ذات کو مخصوص کیا ہے۔ حالانکہ پہلی منزل شیخ کی محبت ہوتی ہے جیسا کہ رسالہ شمسیہ میں اس کی تصریح ہے کہ "خدا تعالیٰ کی محبت کے لیے بہت سے طریقے ہیں۔ اور

سب سے زیادہ آسان طریقہ یہ ہے کہ شیخ کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دے کہ اس سے خدا تعالیٰ کی محبت بہت جلد میسر آ جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے کہ اللہ کی محبت شیخ کی محبت ہے۔ کیونکہ شیخ سے مراد عام ہے کہ وہ نبی ہو یا ولی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد قل ان کنتم تحبون اللہ ، اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت رکھے، اور سید عبدالقادر رضی اللہ عنہ کے شیخ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ آپ نے فرمایا، مجھ پر اللہ اور اس کے رسول کے بعد اور کسی کا احسان نہیں ہے، اور فرمایا وجدی رسول اللہ فی الاصل ربانی رہبر ہے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل میں میری تربیت فرمائی ہے اس کے متعلق بحث انشاء اللہ عنقریب آئے گی۔ اور وہ مشہور ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے شیخ ابوسعید مخزومی تھے۔ تو اس سے مراد شیخ خرقہ ..شیخ ارشاد و تربیت ہیں اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور دوسرے شیخ خرقہ ہیں اور وہ ابوسعید مخزومی ہیں اور وہ ابوسلم حمادی ہیں قدس اللہ اسرارہم اللہ تعالیٰ شیخ بزرگ ترین کے سمیت ان کے انوار و اسرارہم تک پہنچائے۔

مع تفصیل کا باعث

چونکہ یہ بیت شریف اور کلام لطیف پر مشتمل تھا سقی اور حب اور کاسات اور وصال اور قول اور خمرة پر تو ضروری معلوم ہوا کہ اس تفصیل بیان کر دی جائے تاکہ طالب کو انتظار نہ رہے اور ہوس پرست بے قرار نہ ہو جائے۔ کیونکہ بادشاہوں کی ضیافت کسی فقیر اور کسی غنی کو خالی نہیں چھوڑتی سب کو سیر کر دیتی ہے اور ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ساحل پر بیٹھنے والوں کو خواہ وہ قریب ہوں یا دور نہیں چھوڑتا مگر اچھی طرح سے آسودہ اور سیراب کرتا ہے اور یہ طریق جو اختیار کیا گیا ہے یہ فائدہ کو پورا کرنے کے لیے آنے والے تعظیم و تکریم کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔ اب میں آپ کو ایک عجیب تحقیق اور بے نظیر تحریر کی اطلاع دینا چاہتا ہوں اور یہ شیخ بزرگ اور نور اجمل کے آفتاب ہدایت کی روشنی سے حاصل کیا ہے رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا اور اس کے زلال بیان کے پیالے میں سب سیر سقی (پینے پلانے) کی شرح تجھ سے بیان کروں گا تاکہ تیرا پیاسا سینہ سیراب ہو جائے اور تیرا بھوکا دل سیر ہو جائے اسی ترتیب کے مطابق کہ جیسے اس کلام بزرگ میں وارد ہوا ہے اور میں نے ان میں سے ہر امر کے لیے قادر نادر کے سمندروں میں چشمے بہائے ہیں اور ہر چشمے میں موج ہے اور ہر موج کے چھینٹے ہیں۔

چشمہ اول ۔ سقی کے معنی میں ہے جس کی طرف آپ نے اپنے کلام سقانی میں اشارہ کیا ہے۔ اور قرآن کی نص اور احادیث اور آثار اور احوال اولیائے کبار سے ثابت ہے اور ہم نے ان تمام کی طرف پہلے اشارہ کر دیا ہے اور پھر سقی پینے والے کے اعتبار سے دو طرح تقسیم ہو جاتا ہے یا وہ نیند میں ہوتا ہے اور یا بیداری میں اور پھر ان دونوں میں سے ہر ایک یا تو ابتداء سلوک میں ہوگا یا وسط یا انتہا میں تو چھ قسمیں ہو گئیں تین تو نیند میں اور پھر ان میں ہر ایک یا تو تخییلی ہوگا یا حکمی یا حقیقی۔ اور پھر ان تینوں میں سے پہلا یا تو طالب صادق کے لیے ہوگا یا خواہشمند کے لئے۔ اگر وہ صادق طالب کے لیے ہو تو اس کا فائدہ اس کو شوق دلانا اور اس کے دل کو جلانا ہوگا کہ وہ ان اسباب کے استعمال کی جستجو کرے جو اس کیلئے اعمال صالحہ اور کامیابی کے استعمال کے لیے ضروری ہوں کہ کدورات نفسانی وغیرہ تخیلیات اور ردی اخلاط کے مسہلات سے خارج ہو جائیں جو اس کو مقصود تک پہنچنے روکتی ہیں۔ اور اگر خواہشمند کے لیے ہو تو اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس کی ہوس کی اخلاط میں نضج پیدا کیا جائے، یہاں تک کہ ہوس طلب کی صورت اختیار کر پھر اس کا علاج کیا جائے یا تو اسہال کی صورت میں خارج کیا جائے یا اس کو باقی رکھ کر اس کی اصلاح کی جائے جیسا کہ مسہل دینے سے پہلے منضج

Scanned by CamScanner

پیدا ہو جاتی ہیں جیسا کہ اخلاط فاسدہ کا دفعیہ ہو سکے یا اخلاط ضروریہ کو باقی رکھنے کے لیے ان میں نضج پیدا کیا جائے اور اگر اس کی ہوس طلب کے قریب
قریب ہوتی اس کو تسلی دلایا جائے اور دوسری صورت یعنی حکمی تو وہ سالک میں کمالات جزئیہ پیدا کرتی ہے کیونکہ وہ حقیقی کے قریب ہوتی ہے اور
وہ بھی خالی نہیں یا تو طالب صادق کے لیے ہو یا ہوس پرست کے لیے اور پہلے میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ وہ سالک کو طرح طرح کے تصرفات
سے محبوب حقیقی کی چوٹیوں تک پہنچا دیتی ہے اور ہوس پرست میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ وہ یا تو اسے ڈانٹ دیتی ہے کہ تیری کوشش ایک سراب
کی طرح ہے اور اس پر وہی فائدہ مترتب ہوتا ہے جو کہ طلب حقیقی پر ہوتا ہے اور یا پھر اس بات کی تحریر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اسکی
رحمت کسی سابقہ سبب کی محتاج نہیں ہے وہ بغیر سبب کے جسے چاہے قبول کرے اور بغیر کسی علت کے جسے چاہے مردود قرار دیدے اور
یا پھر اس کو ذلیل و خوار کر دیتی ہے کیونکہ جب سالک اس منفی کے باعث کسی مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے تو اس کو مخفی رکھنے پر قادر نہیں رہتا کیونکہ
وہ ہوس پرست ہے وہ ظاہر کر دیتا ہے اور وہ حقیقت میں ایسے درخت کی طرح ہے جس کی جڑ نہ ہو کیونکہ اس کی بنیاد ہوس پر ہے جو
فانی ہے غیر باقی ہے۔ اور اسکا حال اس کے بر خلاف اثر کرتا ہے سننے والے اسکا مذاق اڑاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ اجل نے
فتوح الغیب میں فرمایا ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ ہر سالک کیلیے ضروری ہے کہ کسی کو بھی اپنے حالات احوال کی اطلاع نہ دے جو اس کے اور
اللہ تعالیٰ کے درمیان جاری ہیں کیونکہ خطرہ ہے کہ اس مرتبے سے اس کو معزول کر دیا جائے پھر وہ ذلیل و شرمندہ ہو جائے گا۔ اسکو خوب سمجھ
اور حقیقی ستی وہ ہے جس سے سالک کے اندر کمالات حقیقی پیدا ہوں اس مرتبہ کے متعلق جو اس کے لیے مقرر ہو چکا ہے پھر یہ بھی
دو قسموں سے خالی نہیں ہے۔ یا تو صادق کے لیے ہوگا تو اس صورت میں اسے شوق دلانا یا اس کو صدق پر ثابت رکھنا اور مقرر کرنا مقصود
ہوتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو ایک ہی لحظہ میں کامل بنا دیا جائے جیسا کہ بعض کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ غنیمہ کی حالت میں
اس کے منہ میں ایک قطرہ گرایا گیا جب وہ بیدار ہوا تو کامل ہو چکا تھا۔ ریس شام کے وقت تو کردی تھا اور صبح عربی بن گیا۔ اور یا پھر ہوس
پرست کیلیے ہو اور اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ کسی سابقہ وجوہات کی بنا پر ہو اور یہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ سچے عاملین کو خبردار کر دیا جائے
کہ اپنے صدق اور طلب پر مغرور نہ ہو جانا کیونکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ صادق کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور ہوس پرست کو وصال نصیب ہو
جاتا ہے اور ایسا بہت ہی کم اور نادر ہوتا ہے۔ کیونکہ صادق تو تب ہی واپس آئے گا جب اس کے لیے کوئی چیز ظاہر ہو جائے گی جو اس
رجعت کیلیے ضروری ہو۔ اور وہ نکات جو ہم نے بیان کئے ہیں یہ سب ابتدا یا متوسط حالت میں پورے ہو جاتے ہیں۔ اور انتہا میں ان میں سے
بعض کو جاری ہوتے ہیں لیکن اصل میں اس کے نکات اور ہیں جو چکھنے والے پر مخفی نہیں ہیں۔
اور لیکن تین جو باقی رہے بیداری میں ہوتے ہیں۔ وہ ضروری ہے کہ یا تو حتی ہو یا تجلی یا شہودی اور یا پھر حقیقی بقائی۔ اور حتی جب
بتدی کیلیے ہوتا ہے تو اسکا فائدہ "اللہ کی محبت اپنے بندے کے لیے ہے اور اس کو اخلاق حسنہ شریعہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام
کی تعلیم کا ارادہ کرنا ہے" آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا۔ یہ ارباب
شرع کے ظاہری مقلدین کے لیے ظاہر شریعت کی متابعت کا حکم ہے اور اصحاب باطن کیلیئے اخلاقیت عامہ کی متابعت جو حقیقی بادشاہ
کے اور ملک حقیقی کے دروازہ میں داخل ہو چکے ہیں اور اس ستی کو ستی حتی بتدی کے حق میں جذبہ ابتدائیہ کیا جاتا ہے اور یہ ابتدا میں تمام
امور کی بنیاد ہے۔ اے اللہ تیری محبت کے جذبات میں سے ایک جذبہ مجھے کافی ہے اور تیرے کرم کی نظروں میں سے ایک نظر مجھے
بے نیاز کر سکتی ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس جذبہ کا مبتدی پر ورود فاسد مادے کے جلانے کے لیے ہو جو کہ ناسوت کے ظلمات سے

Scanned by CamScanner

پیدا ہوتے ہیں اس آیت کے مطابق کہ اللہ ولی الذین آمنوا یخرجہم من الظلمات الی النور اللہ تعالیٰ ایمانداروں کا دوست ہے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ اور مقصود آدمی پر تعلیم اور تحریک کا فرق مخفی نہیں ہے کیونکہ پہلے میں تو نسبت کی زیارت ہے اور دوسرے میں نسبت کی ایجاد ہے۔ اور اگر وہ دونوں حالتیں جو ابھی مذکور ہوئے ہیں متوسط کیلئے ہوں تو جائز ہے کہ مقصود یہ ہو کہ وہ ترقی کے ذوق سے لذت حاصل کرے اور اسکا حوصلہ پیدا ہو اور یہ مطابق قول اللہ کے خذہا بقوۃ وامر قومک ہے کہ اس کو قوت سے پکڑ اور اپنی قوم کو حکم دے اور یہی وجہ ہے کہ متوسط پر کبھی قبض وارد ہوتا ہے۔ اور یہ ایسا ہے جیسا کہ مسافروں کے لیے راستے کی منزلوں میں ہوتا ہے تاکہ وہ تکلیف سے آرام پائیں اور ہلاکت جلد سے حفاظت کر سکیں اور دشوار منازل کے قطع کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹتے ہیں۔ اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں واللہ یقبض ویبسط والیہ ترجعون میں اشارہ فرمایا گیا اللہ تنگ کر دیتا ہے اور فراخ کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور یہ بالکل طب جسمانی کے مطابق ہے کہ جب کوئی خلط گرفتہ ہوتی ہے تو دوائیں پلا کر اسے طاقتور کیا جاتا ہے اور اس سے جسمانی قوت بڑھ جاتی ہے اور بوجھ اٹھانے کے قابل ہو جاتی ہے اس کی تفصیل ہے جو احوال اور مقامات کے بیان میں آپ کے اس قول کے عنقریب آجائے گی انا فی حضرۃ التقریب وحدی یصرفنی وحسبی ذو الجلال اور میں قرب کی بارگاہ میں اکیلا ہوں اللہ تعالیٰ مجھ میں تصرف فرماتا ہے اور مجھے اللہ ذو الجلال کافی ہے۔

اور یہ سکر منتہی میں ہو تو یا تو یہ ترقی شروع کے ارادہ کے لیے ہوتا ہے جو حصول کل کے عدم حصول جزئی غیر متناہی میں ہوتا ہے اور یا اسے اسی وصول کے مقام پر باقی رکھنے کے لیے ہوتا ہے یا اسلیے کہ اسکو اپنے مریدوں کو فائدہ دینا آسان ہو جائے اس وقت اس میں دو قوتیں جمع ہوتی ہیں قرب اور تبلیغ جیسا کہ شان ذات محمدیت ہے اور اس سکر کا نام ان دونوں یعنی مرید و مراد کے حق میں مکتوبی استکمال ہے مرید کے لیے اور تکوین الکمال مراد کیلئے ہے اور نکات مذکورہ سب اسی میں جاری ہوتے ہیں اور جو تجلی شہودی میں سکر ہے جو کہ تجلی مذکورہ سے بلند تر ہے اس میں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اسکا ذوق سہولت سے حاصل کر سکے گویا کہ اس کو اپنے حواس سے ادراک کر رہا ہے۔ پھر یہ سکر کبھی مبتدی کیلئے ہوتا ہے اور اس کا فائدہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ طالب کے لیے لازمی ہے کہ وہ تجلی منزل سے تعلق نہ رکھے بلکہ نہایت ضروری ہے کہ انتہائی کوشش کرے تاکہ کمالات عالیہ کو حاصل کر سکے اور ایسا مبتدی اگرچہ فی نفسہ تو مبتدی ہوتا ہے لیکن وہ عنایات ازلیہ کے تقاضے میں متوسط ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ کبھی متوسطان فیوض کا اہل نہیں ہوتا جن کا یہ مبتدی ہوتا ہے اور یہ اسی کے مطابق ہے جو بعض کاملین کے متعلق مشہور ہے کہ جب استاد نے انکو حروف تہجی کا قاعدہ لکھ کر دینے کا ارادہ کیا تو انہوں نے کہا کہ آپ مجھے قرآن مجید کے پندرہویں پارہ کی لکھ دیں یعنی سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً سے کیونکہ پہلے پارے میں اپنی ماں کے پیٹ میں پڑھ لئے ہیں کہ میری ماں کو اتنا قرآن مجید حفظ تھا۔ کیا آپ نے شیخ بزرگ ترین کے متعلق واقعہ نہیں دیکھا کہ جب آپ پیدا ہوئے تو شوال کا چاند لوگوں پر مشتبہ ہو گیا تو بعض اولیاء اللہ نے کہا سید ابو صالح کے گھر جاؤ اور ان سے سوال کرو کہ جو بچہ آپ کے ہاں پیدا ہوا ہے وہ ماں کا دودھ پیتا ہے یا نہیں؟ تو ان کی مقدس ماں نے فرمایا آج نہیں پیا ہے۔ تو لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ آج روزے کا دن ہے پھر جب اس کے بعد تحقیق ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ بات سچ ہے اور یہ ان کی کرامت تھی جیسا کہ آپ نے اپنے قصائد شریف میں فرمایا ہے وصومی فی المہد بہ صار شہرۃ میرا ماں کی گود میں روزہ رکھنا میری شہرت کا ... اس قصیدہ میں آپ نے فرمایا۔ وقتی قبل قبلی قدمی

اور ایک قصیدہ میں فرمایا۔ اناکنت قبل القبل قطبا مجلاً

اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کا فائدہ جذبہ ابتدائیہ سے حاصل ہونے والی نسبت کے استحکام کی طرف اشارہ ہو یہاں تک کہ اس سے وہی اثرات پیدا ہوں جو جذبہ متوسط واجب کرتا ہے اور ہمت سے نکات دوسرے جن کو ہم نے افشاء راز کے خطرہ سے لپیٹ دیا ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا ولو القیت سری فی جبال لاکت دا ختلفت بین الرجال۔ اگر میں اپنا راز پہاڑوں پر ظاہر کروں تو وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور ریت میں مل جائیں۔ اور یہ تمام شیخ بزرگ نوہن کے علوم کے سمندر میں سے ہیں وہی لکھتا ہوں جس کی مجھے اجازت ہوتی ہے۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر جائیں تو ہم سے مواخذہ نہ فرما تو پاک ہے تیرے بتائے بغیر ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔

اور پھر کبھی یہ متوسط کے لیے ہوتا ہے تو اس کا فائدہ اس سقی سے متوسط کی مناسبت ظاہر ہے۔ گویا یہ سقی اس میں رسوخ اور پختگی زیادہ کرتا ہے اور اس میں نور پیدا کرتا ہے جیسا کہ ان کا نور ان کے آگے دوڑتا ہوگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق، کہ اے مومن جلدی سے گذر جا کہ تیرے نور نے میرے شعلے بجھا دیئے ہیں، یہ قیامت کے دن جہنم کہے گی جیسا کہ ظاہری علم میں بیان ہوا ہے اور طریقت کے مطابق یہ ہے کہ نفس کا جہنم اس سقی کے بعد جو کہ کمال سے مناسبت رکھتا ہے کہنے لگتی ہے کمال اکمل کی طرف اے مومن جلدی سے نکل جا اور اس شہود کے مقام میں نہ ٹھہر کہ تیرے سقی کے نور نے میرے شعلے بجھا دیئے ہیں جو تیرے لیے ترقی کمال سے مانع تھے تو جلدی سے وصول اور قبول کی جنت کی طرف چلا جا۔ اب نیراز رسوخ مانند ہونے سے محفوظ ہو چکا ہے۔

اور پھر کبھی یہ منتہی کے لیے ہوتا ہے۔ اور اس کے فوائد اس بیان سے سمجھے جا سکتے ہیں جو ہم نے منتہی کے لیے سقی حسی کے مضمون میں بیان کئے ہیں سو خبردار ہو جا۔ اگر تم حس سے فارغ ہو کر شہود اور تجلی میں مشغول ہو چکے ہیں تو آپ ان نکات کا احاطہ کر سکیں گے۔ اور وہ جو سقی حقیقی بقائی ہے وہ کبھی بلندی پر بھی ہوتا ہے اور اس کا فائدہ کبھی تو بلندی کو کمالات دکھانا ہوتا ہے تاکہ وہ کوشش میں جلدی کرے اور اگر کبھی کوئی چیز اس کے گلے میں اٹک جاتے یا دل میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے جو پریشانی کا باعث ہو تو اس سے دل تنگ نہ ہو بلکہ جب بھی اس پر کوئی آفت کوئی مصیبت آجائے یا اسے کوئی مصیبت کا تیر لگے یا اس راستے میں کوئی کانٹا چبھے تو اس درد کی پرواہ نہ کرے جان سے بیزار ہو بلکہ اس کو خندہ پیشانی سے قبول کرے اور جب بھی اس کی پیشانی ان تکلیفوں اور مشقتوں میں عرق آلودہ ہو جائے تو یہ سمجھے کہ اس محبوب نے میرے چہرے پر گلاب کے عطر کے چھینٹے دیئے ہیں جو بلند مکان کی چھت پر کرسی بچھا کر بیٹھا ہوا ہے۔ کیونکہ وہ مقصد جو بے نظیر ہو اس کے حصول میں مشقتوں کی کڑواہٹ معدوم ہو جاتی ہے۔ کیا تم نے ابراہیم ادہم قدس سرہ کا واقعہ نہیں سنا کہ اس نے کس طرح بلخ کی سلطنت چھوڑ دی اور اس کو ایک پرکشہ کے برابر بھی نہ سمجھا اور مصائب کے جام پر چڑھانا گیا۔ یہاں تک بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ نے پہلے پہل سلطنت چھوڑ کر آئے اور جنگلوں میں بسیرا کر لیا تو ان پر مسلسل کئی دن کا فاقہ گذر گیا تو ان کے دل میں خیال گزرا۔ الٰہی اگر کوئی آدمی کسی آدمی کے دروازے پر جاتا ہے تو وہ اس کی ضیافت کرتا ہے یا زیادہ سے زیادہ اگر وہ اس کے دروازہ پر بیٹھا رہے تو دن گذر جانے کے بعد تو ضرور ہی اس کو کھلاتا ہے اور میں نے ملک کی بادشاہی چھوڑ دی اور تیرے دروازے پر آبیٹھا اور مجھ پر

Scanned by CamScanner

کئی دن کے فاقے گذر گئے ہیں آپ نے مجھے کھانے کے لیے کوئی چیز نہیں دی نہ روٹی نہ پانی جس سے میں کمزور ہو چکا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے انکو الہام کیا۔ ہم نے کب تجھ سے کہا تھا کہ تو دنیا کی سلطنت چھوڑ کر آجا اگر تو دنیا کی بادشاہی چاہتا ہے تو جا کر لے لے اور اگر ہمارے دروازہ پر بیٹھتا ہے تو ہماری طرف سے تو یہی ضیافت ہوتی ہے اور آئندہ اس سے بھی بڑی کی توقع رکھو اور اگر آپ ہمارے ساتھ رہنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو زمزم کا پانی پیو اس سے آپ کو قوت ہو جائے گی۔ تو ابراہیم اس خیال سے نادم ہوئے۔ کیا آپ نے وہ واقعہ نہیں سنا جو مجنوں نے لیلیٰ کی محبت میں پکھیے یا دوسرے عاشقوں کو اپنے معشوقوں سے ملے اسی لیے محبین پر بلائیں وارد ہوتی ہیں اسی کی طرف فتوح الغیب میں اشارہ کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب مومن بندے کو پہلے تو نعمتوں اور رحمتوں میں ڈبو دیتا ہے اسکو ہر طرح کی نعمتیں کھانے پینے پہننے اور نکاح وغیرہ کی حلال مباح طریقہ سے میسر آتی ہیں اور وہ حدود کی حفاظت کرتا ہے اور عبادات کو بجا لاتا ہے اور اسی حالت پر وہ مطمئن ہو جاتا ہے وہ دھوکہ کھا جاتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ یہی کیفیت ہمیشہ اس کے لیے مقدر ہے حالانکہ وہ ابھی محل قبول میں نہ ہوتا ہے پھر ناگہاں اللہ تعالیٰ اس پر مصیبتوں اور طرح طرح کی مشقتوں کے دروازے کھول دیتا ہے اپنے نفس اور مخلوق پر جھوٹ پر جو جاتی ہیں اور تمام نعمتیں ختم ہو جاتی ہیں پھر وہ حیران پریشان رہ جاتا ہے اس کی امیدیں ٹوٹ جاتی ہیں اگر ان تکلیفوں کے دور ہونے کی دعا کرتا ہے تو وہ قبول نہیں ہوتیں اور جتنی بھی نیکیاں کرتا ہے اس پر سزائیں اور بڑھ جاتی ہیں اس وقت اس کا نفس پگھل جاتا ہے اس کے تمام ساتھی دور ہو جاتے ہیں اس کی امنگیں ختم ہو جاتی ہیں اور اس کے دل سے تمام خواہشات اور آرزوئیں مٹ جاتی ہیں اور اسی طرح یہ بندہ اخلاق وغیرہ سے پاک ہو جاتا ہے اور اس کے ردی اخلاق کی بجائے اس میں قدسی اخلاق مستحکم ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فیض پورا ہو جاتا ہے۔

اور اس کلام کو بھی محب سے راستی تحقیق مبتدی کے لیے ہے اور اس کا فائدہ محض عنایات ازلیہ کی وجہ سے اس پر فیض کرنا اور یہ فائدہ دیتا ہے اور اسی طرح یہ فائدہ متوسط بھی متحقق ہوتا ہے جبکہ وہ اس سقی سے سقی حاصل کرے اور اگر یہ سقی منتہی کے لیے ہو تو اسکا فائدہ یہ ہے کہ اسے ہمیشہ اس کے حاصل شدہ وصال پر قائم رکھا جائے اور اس کے ذریعے وہ کمال تک پہنچے۔ اور وہ جو پہلے گذر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمال کی کوئی انتہا نہیں ہے تو وہ سیر الی اللہ کا مقام ہے اگرچہ اس کی بھی کہیں نہ کہیں انتہا ہے لیکن سیر فی اللہ کی تو کوئی انتہا ہے ہی نہیں اور ہم اللہ اس مضمون کو آپ کے اس قول کے تحت کہ مریدی ہم وطب وا شطح وغنی کھول کر بیان کریں گے یہ وہ علوم ہیں جو اللہ تعالیٰ نے میرے دل پر الہام کئے ہیں اور انکے ساتھ میری جنت کو منور کر رکھا ہے اور مجھے اپنے فیض اور اوادے کے شراب کے پیالے پلائے ہیں۔ اے طالب اگر اس کو سمجھنے اور مطالعہ کرنے میں نظر عمیق دوڑائے گا تو تو بہت سے مخفی اسرار اور نکات اس عبارت میں پائے گا جو کہ میرے آقا و مولا سے شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے علوم سے اس میں ودیعت رکھے رہا ہے اور

روشنی پیدا کرنے والی ہیں۔ اور مقصود اقتدارات کے مد نظر یہ منقسم ہو جاتا ہے حقیقی و تشبیہی پھر ان میں سے حقیقی تو یہ ہے اللہ تعالیٰ کے قول میں کہ و سقیٰھم ربھم شرابا طھورا ان کا رب انکو خالص شراب پلائے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ جنتی لوگوں کو شراب طہور جو جنت کے لیے مشہور ہے دیگا۔ اور حقیقتاً انکو پلائے گا۔ خواہ تو بیک اور برگزیدہ فرشتوں کے ہاتھوں سے جیسا کہ نیکوں کے لیے ہوگا جیسا کہ قرآن مجید کی آیات میں وارد ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پلانا سے وہ دے گا اور یہ اہل قرب کے لیے ہوگا جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی رات گذارتا ہوں اپنے رب کے پاس رات گذارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے اور

اس حدیث کا مقصود یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ لمبا ہوگیا اور روزہ توڑنے کے خطرے سے آپ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا میں اپنے رب کے پاس رات گذارتا ہوں اور ظاہر اس سے حقیقی کھانا پینا ہے اور اس کو مجاز پر محمول کرنا بلا ضرورت جائز نہیں ہے اگر آپ یہ کہیں کہ آیات تو جنت والوں کے حق میں وارد ہوئی ہیں جیسا کہ آپ پہلے ذکر کر چکے ہیں اور یہاں بات ہو رہی ہے اس شئ کے اثبات کی جو اس دنیا میں واقع ہے تو میں اس کے جواب میں کہوں گا بات تو اسی طرح ہے لیکن حصر کے متعلق اس کلام میں کوئی دلالت نہیں ہے تو ہو سکتا ہے کہ دنیا میں بھی اس طرح ہوتا ہو جیسا کہ اس پر حدیث دلالت کر رہی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جنت کے متعلق تو آیت کا نص ہونا مسلّم ہے اور دنیا میں پینے کے متعلق بھی یہ آیت بطریق دلالۃ النص کے طریقہ پر دلالت کرتی ہو اور اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ قیامت کے روز جو جنت میں داخل ہوگا وہ اخلاق رذیلہ سے پاک ہوگا یا تو دنیا میں کسب فضائل کے طور پر یا اللہ تعالیٰ جو گناہوں کو بخشنے والا ہے کی معافی سے یا شفاعت سے یا محض فضل سے پھر اگر کوئی اس دنیا میں رذائل سے پاک صاف ہو جائے اور فضائل سے آراستہ ہو جائے اور موت معنوی کی تلخی کے گھونٹ پی لے جیسا کہ موتوا قبل ان تموتوا مرنے سے پہلے مرو۔ میں ہے تو اس کا دل اس طرح ہو جاتا ہے گویا وہ ایک صاف شفاف شیشہ ہے جس پر کوئی گرد و غبار نہیں ہے تو ان انعامات کا مستحق ہو جاتا ہے جس کے جنتی لوگ مستحق ہوں گے۔

اور بہت سے اولیاء اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے جنت کے کھانے اس دنیا میں کھائے اور جنت کے شربت نوش کئے تو وہ اپنی اکثر عمر میں کھانے پینے کے محتاج نہ رہے اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ بزرگ ترین نے خلیفہ بادشاہ وقت کے کہنے کے مطابق جنت سے دو سیب پکڑے۔ ایک کو تو آپ نے خود چیرا وہ بڑا اچھا تھا اور دوسرا چیرنے کے لئے خلیفہ کو دیا جب خلیفہ نے اسکو چیرا تو اس سے بدبو پھیل گئی اور بہت بدمزگی پیدا ہوئی۔ جب شیخ بزرگ ترین نے دیکھا تو فرمایا یہ بگاڑ تیرے ظالم ہاتھوں کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جو حرام کھانے والا ہے خلاصہ کلام یہ کہ جنت کے پھلوں کا کھانا انبیاء اور اولیاء اللہ کیلئے ثابت ہے۔ اسکا انکار کوئی ملحد ہی کرے گا جو ولایت اور کرامت کا منکر ہو۔ اور پہلے اشارہ اس حدیث کی طرف گذر چکا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے معراج کی رات فرشتے کے ہاتھوں سے لے کر دودھ کا پیالہ پیا تو اس مضمون کے مطابق اہل قرب کی ایک مجلس ہوگی جس میں پیالے، شراب اور ساقی ہوگا۔ جیسا کہ اہل ظاہر کے لیے انکی مجلسوں میں یہ چیزیں ہوتی ہیں۔

اور اسکا فائدہ انکی قوت کا نشو و نما دینا ہے جو قرب اور فنا کی موجب اور صفا اور بقا کی وارث ہے اور مطالب اور رسوم کی حیثیت سے یہ شئ مختلف ہوتا ہے اور اسی طرح مبتدی اور متوسط اور منتہی کی حیثیت سے بھی اور اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے کہ یہ پہلے میں تو حسی طور پر ہوتی ہے یعنی عالم ربانی اس کو اپنے حاسہ سے محسوس کرتا ہے اور دوسرے میں جلوت اور شہود کے لحاظ سے کہ وہ ان کے انوار کا مشاہدہ کرتا ہے اور تیسری میں بقا یا تحقیق کے لحاظ سے بندہ اس کی حقیقت کو حقیقت قدسیہ سے معلوم کرتا ہے۔ اس وقت اللہ باقی رہ جاتا ہے اور بندہ فنا ہو جاتا ہے اور اس کو ایسی بقا نصیب ہو جاتی ہے جس کے اوپر کوئی بقا نہیں ہے تو شیخ بزرگ ترین کا قول سقانی تینوں احتمال اپنے اندر رکھتا ہے جیسا کہ آپ عنقریب پہچانیں گے۔

اور باقی رہا تشبیہی تو اس کا تصور دو طرح سے ہوتا ہے یا تو اس اعتبار سے کہ وہ نیند یا بیداری میں خیال کرتا ہے کہ اسے عالم غیب سے شراب کا پیالہ نورانی چہرے والے ساقی کے ہاتھ سے دیا جا رہا ہے اور وہ اسے محسوس بھی کرتا ہے یا تو اس کے

Scanned by CamScanner

اپنے پیر کی صورت ہو یا اولیاء میں سے کسی ولی کی یا انبیاء میں سے کسی نبی کی اور یا پھر اشرف الانبیاء علیہم السلام کی شکل میں ہو تو پھر
یہ اس قبیل سے ہے کہ معقول کا جاتا اور گمان کرتا صورت محسوسہ سے ہو اور اسی تخیل کا منشاء اس آدمی کی صورت کو دیکھنا
ہے جس کو اس نے تبلیغ اور ارشاد کی شراب تسلیم کے پیالوں میں دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ اس تخیل کو ایک
سیکھے بلکہ امر واقعی جانے جو سالک کو کمینگی کی گہرائیوں سے نکال کر اعلیٰ کی بلند چوٹیوں پر پہنچانے کے لیے مفید ہے اور
صرف تصور ہی ہے متصور نہیں ہے اور یہ عالم مثال کے حقائق سے قریب تر ہے جو کہ کمال کا باعث ہوتا ہے اور اس
فائدہ یہ ہے کہ سالک کی آسانی کے ساتھ تربیت ہو سکے۔ تاکہ اس کے روشن انوار کی شعاعیں اور اس کے جلال
کی چمک اس کے وجود کو ایک ہی دفعہ ختم نہ کر دے اور بیہوش ہو کر نہ گر پڑے اور اس کے جلوات قدسیہ سے جو اس
ہیں اس سے محروم نہ ہو جائے۔ کیا آپ نے کبھی غور نہیں کیا کہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا اس کی وجہ یہی تھی
لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل اگر ہم اس قرآن کو پہاڑوں پر اتارتے تو تم دیکھتے کہ وہ دب جاتا اللہ کے خوف سے پھٹ جاتا
بیان کیا جاتا ہے کہ بعض صحابہ پر جب تجلیات ایک ہی دفعہ وارد ہوئیں تو وہ بیہوش ہو کر گر پڑے اور مر گئے اور ان کا وجود
ریزہ ریزہ ہو گیا اور یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترانی کہ پہاڑ کی طرف دیکھ اگر وہ اپنی جگہ
ٹھہرا رہا تو تو بھی عنقریب مجھ کو دیکھ سکے گا پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کے پرخچے اڑ گئے اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش
ہو کر گر پڑے۔ اور اس میں گفتگو کا میدان بڑا وسیع ہے جیسا کہ آپ کو شیخ کے اس قول کے تحت معلوم ہو جائے گا کہ ولو القیت
اگر میں اپنا اثر پہاڑوں پر رکھتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے اور ریت کے ذروں میں پوشیدہ ہو جاتے۔

یا پھر اس اعتبار سے کہ اس پر انوار اور اسرار وارد ہوتے ہیں جو سالک کو اخلاق رذیلہ اور شہوات نفسانیہ سے پاک کر دیتے
اور اس سے نفس کی نشو و نما ہوتی ہے یہاں تک کہ اس کے اندر سے اور خواہشات اور کمالات اور تصفیہ کا تصور سب فنا ہو جاتا
اپنے وجود اور فنا اور اس کے علم سے بھی فانی ہو جاتا ہے پھر اس سے پیاسے سیراب ہوتے ہیں اور بھوکے سیر ہوتے ہیں پھر وہ اس
اس آیت کے مطابق بیان کرنے لگتا ہے۔ "اور اپنے رب کی نعمتوں کا تذکرہ کر" اس مجلس تام کی پوری طرح سے حکایت بیان
جو شراب، پیالے اور ساقی سے بھری پڑی ہے اس وقت تمام حکومت اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے۔ کیونکہ بادشاہ جب کسی بستی میں
داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور اس کے عزت والے لوگوں کو ذلیل کر کے رکھ دیتے ہیں۔ جب عشق کا بادشاہ
بستی میں انوار اور شہود کی اپنی فوج قاہرہ اور جنود غالبہ لے کر داخل ہوتا ہے تو نفس امارہ کے متعلق جو کہ برائیوں اور خواہشات کا
ہے جو کہ سب تمرد اور شرور سے بھی بھری پڑی ہوتی ہے فیصلہ کرتا ہے کہ اس کو لذائذ سے خارج کیا جائے اور
اس کی تادیب کی جائے اس وقت یہ بادشاہ کی افواج کے ہاتھوں محکوم۔ غلام اور ذلیل ہو جاتا ہے اور پھر وہ بادشاہ کے حکم
بغاوت اور سرکشی نہیں کر سکتا۔ پھر بادشاہ اس کو اپنا نائب بنا لیتا ہے اور کہتا ہے اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی
خوش اور پسندیدہ کے ساتھ رجوع کر۔ تمام تر تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جو ہم سے غم لے گیا اور ہمیں بادشاہ کے
لے لیا۔ اے اللہ ہمیں اپنے اسرار کی شراب اور انوار کی مستیوں سے پوری طرح سیراب کر دے اور اچھی طرح سیر کر
سوا کوئی معبود نہیں تو جاننے والا حکمت والا ہے۔

تحقیق کی موج ہے جب کہ ہم نے شیخ اجل کے فیض کی برکت سے جو انہوں نے کیا تھا اور قوت سماع قبول کے ساتھ سن لیا تو اب جان لے کہ شیخ رضی اللہ عنہ کا قول سقانی کئی ایک توجیہات کا احتمال رکھتا ہے پہلا یہ کہ اس سے مراد اس سقی کی حکایت ہو جو آپ پر اس نشاۃ جسمانیہ میں ابتداء حالت اس جذبہ سے پیدا ہوا جو آپ کے دل میں عنایت ربانیہ سے آپ کے قلب میں کسی وجہ سے وارد ہوا خواہ نیند کی حالت میں یا بیداری میں ابتدائی یا وسطی یا انتہائی طلب کی حالت میں یا حسی یا شہودی یا تحقیقی تحقیقی یا تشبیہی کیفیت میں جو لائق اس کے جو آپ رضی اللہ عنہ کے متعلق ہو یا وصال کی کمال تک وارد ہوا اور اسی کی طرف کاسات الوصال میں جمع کا لفظ صاف اشارہ کر رہا ہے اور دوسرا یہ ہے کہ سقی سے متوسط کے متعلق بیداری کی حالت ہو اور مرید کی تسلی کے لیے زیادہ مناسب ہے تاکہ وہ مرتبہ تلوین میں پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ سالک پریشان ہو جاتا ہے کیونکہ اس وقت اس کی حالت اس سوار کی طرح ہوتی ہے جس کے ہاتھ میں گھوڑے کی لگام ہو جو کسی وقت اس کو تھم بسط ہوتا ہے اور کسی وقت قبض جیسی حالت میں تو وہ خوش ہوتا ہے اور دوسری میں تنگ اور یہ مطلب آپ رضی اللہ عنہ کے اس قول کے زیادہ مناسب ہے مریدی ہم وطب اور اس قول کے یہ عنی وتعیا اور اس قول کے کہ مریدی لا تخف اللہ ربی اور اس قول کے کہ مریدی لا تخف واش فانی۔ یعنی اے مرید میں نے تیرے شراب جو بالآخر حلاوت پیدا کرتی ہے پی کر دیکھی ہے پس تو مایوس نہ ہو اور غم دکھا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے وہ تجھے حیرت اور فراق کے قاعدے نکالے گا اور مشقتوں سے بچا کر تجھے روشنی کے شہر میں پہنچائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آئے گی تو تو دیکھے گا کہ اخلاق رذیلہ کی فوجیں شکست کھا کر نکل رہی ہوں گی اور فضائل کے لشکر داخل ہو رہے ہوں گے پس اس سقی پلانے والے رب کی تسبیح بیان کر اور اس سے ان چیزوں سے پناہ مانگ جو اس دروازہ کے لیے تیرے سامنے حجاب کے موجب ہو جائیں جو کہ ہر ایک کا ملجا و ماویٰ ہے اور تیرا رب بخشنے والا اور بندوں کی توبہ قبول کرنے والا ہے اور یہ شفقت اور عنایت کے تقاضا سے ایک قسم کی تسلی ہے اور یہ اسی طرح کا کلام ہے کہ جیسے شفیق باپ اپنے ایسے بچے کو کہے جس نے کبھی بلند پہاڑوں میں سفر نہ کیا ہو کہ کہیں کہ راستہ پتھروں سے اٹا پڑا ہو اور گہری وادیاں اور نہریں ہوں اور کچھ یہ ہولناک منظر دیکھ کچھ حیران سا ہو کہ اے بیٹا ہم نے یہ دشوار گزار منزلیں طے کی ہیں اور منزل مقصود تک پہنچنے میں سوائے بیٹا تو کوئی فکر نہ کر تو بھی انشاء اللہ اپنی منزل پر خود پہنچے گا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔

اور تیسرا یہ کہ مراد سقی سے تفضیل حقیقی ہو اور یہ معنی آپ رضی اللہ عنہ کے دوسرے اقطاب کے مرتبہ و مقام کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہے اور کاسات الوصال کے زیادہ لائق ہے اور آپ کے قول مخزی سے بھی اور آپ کے اس قول سے بھی کہ فہمت بسکرتی اور اس قول سے بھی کہ مقامی فوقکم ما زال حالی اور اس قول سے بھی والولایت الخ جو چار شعروں میں مضمون ہے۔ اور آپ کے اس قول سے بھی وما منا شہود اور وجود اور اس قول سے بھی کہ انا الحسنی والمخدع مقامی اور وہ ایک بہت بڑے علم والے متکلم کے زیادہ لائق ہے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ اس کلام میں اپنے کمالات شریفہ کو اپنے رب کے انعامات کا تذکرہ کرنے کے مطابق بیان کرنے کے انداز میں ہیں۔ اور یہ حکم اصالۃً تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا تھا اور نائب اس میں ظلی طور پر شامل ہیں اور یہ کلام اسی طرح کا ہے جیسا کہ آپ نے دوسرے قصائد میں فرمایا ہے۔ انا فی الندا کے تعرفوا الطیر لقی اور یہ قول کہ وما قلت ہذا القول فخرا وانما۔ تکلم انی من لسانی حقیقتی۔ اور یہ کیفیت اس آیت کے معنی میں دوسرے اولیاء اللہ کے خلاف ہے جیسا کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ جامع والفاظ میں (واما بنعمۃ ربک) اے ولی تو اس باطنی نعمت کا صرف اپنے نفس سے

Scanned by CamScanner

تذکرہ کرا اور اے نبی تو اپنے رب کے انعامات کا تذکرہ لوگوں سے کر کیونکہ ولی کے لیے چھپانا شرط ہے اور نبی کے لیے اظہار
کیونکہ ولی کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے اگر وہ اس کے امر کو ظاہر کر دے گا تو مبتلا ہو جائے گا اور اس کا حال سلب ہو جائے گا
وہ اس کی اجازت کے بغیر اس کو ظاہر کرے گا اور اگر وہ اس کو اللہ کے حکم سے ظاہر کرے گا تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں
اور اس عبارت شریفہ کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی اظہار کے لیے مامور ہے اور ولی چھپانے کے لیے ہاں اگر اس کو اظہار کی اجازت
دی جائے تو وہ اظہار کرے گا اور اس کو یہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل کے طور پر ہوگا۔ پس شیخ اجل جو کچھ ظاہر فرما رہے ہیں وہ
کے حکم سے بتا رہے ہیں اس میں دوسرے پہلو کا شائبہ تک نہیں اور حق لوگوں نے شیخ بزرگ ترین کی ان باتوں کو سکر پر محمول کیا
وہ آپ رضی اللہ عنہ کا مقصد نہیں سمجھ سکے اور عنقریب میں "جلاء الخاطر" کا ایک اقتباس پیش کر دوں گا جس میں آپ نے
بیان فرمایا ہے جو میں کہہ رہا ہوں اس کی تحقیق پہلے بھی گذر چکی ہے پس ہوشیار ہو جائیں۔ اور ان احتمالات مذکورہ کے اعتبار سے
دوسرے وجوہات اگرچہ ان سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے لیکن وہ شیخ بزرگ ترین کے حال کے مناسب نہیں ہیں رضی اللہ عنہ
لہذا ہم نے ان کا تذکرہ چھوڑ دیا ہے۔ اور وہ جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے وہ صرف سقی کے اقسام کا احاطہ کرنے کے لیے کیا ہے
جو کہ طالبین اور محبوسین کے افراد پہ وارد ہوتے ہیں اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم سے مواخذہ نہ
فرما اور ہمیں دنیا میں نیکی اور آخرت میں بھلائی عطا فرما۔

رشحہ طیبہ :۔ اس میں اختلاف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ وہ کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے
اس کھانے اور پینے سے کیا مراد ہے یا تو یہ محبت کا کھانا پینا ہے اور اس معنی کی تائید وہ الفاظ کرتے ہیں جو صحیح حدیث میں آئے
ہیں کہ "اللہ تعالیٰ کے پاس ایک شراب ہے جو اس نے اپنے دوستوں کے لیے رکھی ہے جب وہ اس کو پئیں گے تو مست ہو
تو خوش ہو جائیں گے۔ اور ذوالنون مصری کی بھی یہی رائے ہے۔ اور اسی طرح شراب سے مراد محبت ہے:" عین المعانی
لغت کا کھانا اور پینا اور یہاں الغت سے مراد (لغت رقربت) ہے اور یہ وہ قرب ہے جو ہجر اور فراق کے پیاسوں کو تسکین
دیتا ہے اور تفرقے اور فراق کی آگ کو بجھاتا ہے اور بحر الحقائق میں ہے کہ اس سے مراد اللہ کی طرف عبودیت اور ابتہال
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد صفت ربوبیت کے ساتھ حق کی تجلی ہو۔ اور میرا اپنا خیال یہ ہے اس کھانے اور پینے سے ظاہری
کھانا اور پینا مراد ہے لیکن یہ دنیا کا کھانا پینا نہیں جو کہ غفلت اور فضلات کا باعث ہے بلکہ وہ جنۃ الفردوس کا کھانا پینا
جس سے دل کی تسلی۔ اور رذائل سے رہائی نصیب ہوئی اور حجاب دور ہوتے جو کہ فیوضات قدسیہ اور انوار رحانیہ کے استفادہ
سے مانع ہیں۔ بلکہ میرے خیال میں تو یہ بھی درست ہے کہ یہی دنیا کا کھانا پینا مراد ہو لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں کچھ اور ہی خصوصیات
پیدا کر دی ہوں کہ اس پر شہود اور کشوف مترتب ہوتے تصفیہ کلیہ نصیب ہوتا جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ منزل تک پہنچانے
کا باعث ہے۔ جس کی طرف اس قول میں اشارہ کیا گیا ہے کہ "الانسان سری وانا سرہ انسان میرا راز ہے اور میں اس کا راز ہوں
بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ بزرگ ترین رضی اللہ عنہ ایک دفعہ دودھ پی رہے تھے کہ اس وقت آپ علوم لدنیہ کے ستر دروازے کھولے گئے
ہر دروازے کی فراخی اتنی تھی کہ جتنا زمین اور آسمان کے درمیان فاصلہ ہے۔ تو اس کو حقیقت پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے لیکن یہ جان لینا ضروری
کہ اس کھانے اور پینے کے کیفیت اللہ تعالیٰ کے علم کے سبب کہ اس نے ان میں اس طرح کے فوائد اور انعامات رکھے ہیں کیا آپ نے

کہ مریض جب کوئی مرغن اور طاقتور غذا کھا لیتا ہے تو اس کی بیماری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اور جب وہی غذا ایک تندرست انسان کھاتا ہے تو اسکی جسمانی طاقت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں انوار پر مشتمل ہیں فرق صرف کھانے والے میں ہوتا ہے۔ اگر کوئی خواہش پرست انسان کھا لیتا ہے تو اس کی قوت شہوت رانی کے ذریعے خارج ہوتی ہے اور اگر اسے کوئی عالم کھائے تو وہی غذا علم نور اور ہدایت بن جاتی ہے اور وہی غذا اگر کوئی مقرب کھائے تو وہ ایمان اور تصدیق بن جاتا ہے۔ پھر جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کے اعمال ظاہری کو دیکھ کر کہا "ما لِ ہٰذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق" کہ "یہ کیا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں پھرتا رہتا ہے؟" وہ یہ نہ جان سکے کہ ان کی غذا نور اور ہدایت بنتی ہے۔ کیا آپ نے کبھی شہد کی مکھی پر غور نہیں کیا کہ وہ کیسے کھاتی ہے اور پھر کس طرح اس کی غذا شہد اور شفا بن جاتی ہے اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی سمجھ بھی آگئی کہ "عالم کا سونا بھی عبادت ہے۔" اور شیخ رضی اللہ عنہ کے اس قول کی بھی کہ الہامات میں اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: "تجھے میری قسم کھا۔ تجھے میری قسم پی" اور آپ کے اس قول کی بھی کہ "فقیر دل کا کھانا میرا کھانا ہے اور فقیر دل کا پینا میرا پینا ہے؟" اے رب ہمیں اپنے فضل اور لطف کی شراب پلا۔ بیشک تو ہی متحیر اور اہل حضور لوگوں کو شرابیں پلاتا ہے۔ اے اللہ اے رب العالمین تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہی درست بات کی تلقین کرنے والا ہے۔ اسی سے ابتداء ہے اور اسی کی طرف رجوع ہے۔

دوسرا چشمہ: محبت کے معنی لغوی، عرفی اور اصطلاحی کی تحقیق میں۔ پھر پہلے معنی کے متعلق جان لینا چاہئے کہ قوم نے لغت کے لحاظ سے اس کے اصل میں گفتگو کی ہے۔ بعض نے کہا کہ حب صاف دوستی کا نام ہے اور یہ دانتوں کی صفائی اور تر و تازگی سے لیا گیا ہے عرب کہتے ہیں حَبَبُ الْاَسْنَانِ یعنی دانتوں کی صفائی اور تر و تازگی اور بعض نے اس کو حُبَابْ سے لیا ہے اور حُبَابُ الْمُطَرِ وہ ہے جو شدید بارش کے وقت پانی پر اٹھتے ہیں۔ اور اس معنی کے مطابق مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ ہجر اور فراق کی بارشیں اور حیرانی اور شوق کے اور حب ملاقات محبوب کے زلال (صاف پانی) کے پیاسے کے دل پر پڑتے ہیں تو دل میں اسی طرح جوش اٹھتا ہے جیسے کہ زور کی بارش سے پانی میں جوش پیدا ہوتا ہے تو اس طرح ہو جاتا ہے گویا کہ اس کے دل پر غم اور فراق کے بلبلے اٹھ آئے ہیں۔ اور بعض نے اس کو حُبَابُ الْمَاءِ (پانی کی گہرائی) سے لیا ہے دل کی حالت کا یہ نام رکھا گیا ہے کیونکہ اس کے احوال بھی بہت گہرے ہوتے ہیں یا پھر اس لیے کہ دل اس سے اپنی گہرائیوں تک صاف ہو جاتا ہے۔ اور بعض نے اسے حَبَبٌ سے لیا ہے جس کے معنی ہیں کہ اس نے اونٹ کے گھٹنے پر مضبوط رسی باندھ دی کہ وہ اٹھ نہیں سکتا اور بیٹھا رہتا ہے یہاں تک کہ اس پر بوجھ لاد دیا جاتا ہے۔ اور محب کا حال بھی اسی طرح کا ہوتا ہے وہ اپنے محبوب کے دروازہ پر دھرنا مار کر بیٹھا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اتنے بھاری بوجھ اٹھا لیتا ہے جن کو اٹھانے سے زمین و آسمان نے انکار کر دیا اور بعض نے اس کو حب بمعنی خشتہ اور داع لیا ہے۔ یعنی لکڑی کی وہ گھڑونچی جس پر مٹکے وغیرہ رکھے جاتے ہیں اور اس کے نیچے لکڑی کی چار ٹانگیں لگی ہوتی ہیں جیسے وہ مٹکے اور اس کے اندر کے بوجھ اٹھا لیتی ہے اسی طرح صاحب محبت بھی اپنے محبوب کے بوجھ اور جدائی کے مکروہات اپنے نفس پر برداشت کرتا ہے جو کہ چار اخلاق سے مرکب ہے یعنی خواہشات کی آگ اور رونے کا پانی اور محتاجی کی مٹی اور تر و تازگی کی ہوا سے یا اپنے بدن پر برداشت کرتا ہے جو کہ عناصر اربعہ سے مرکب ہے اور بعض نے اس کو حِبّ بکسر حاء سے لیا ہے اور وہ صحرا کی انگوریوں کے بیج ہیں اور چونکہ وجود کا صحرا بھی بیجوں سے انوار کی سبزیاں اگاتا ہے اور دل کی اس کیفیت کے نام سے موسوم کی جاتی ہے اور بعض نے اسے حبۃ سے لیا ہے اور وہ حبۃ کی جمع ہے اور حبۃ القلب وہ ہے جس کے ساتھ اس کی زندگی قائم ہے تو حب کا نام حب اس کے محل (مقام) کے نام پر رکھا گیا۔

شیخ زین الدین شیرازی نے فرمایا حب کے بہت سے معانی ہیں ایک یہ ہے کہ حب وہ چیز ہے کہ جس میں کوئی چیز نہ سما سکے اور چونکہ دل میں بھی سوائے

Scanned by CamScanner

محبت کے اور کوئی چیز نہیں ہٹا سکتی اور اس کی اس حالت رسوخ کو جو اس میں ہے حب کہتے ہیں۔ دوسرا معنی اس کا یہ ہے کہ حب یعنی گوشوارہ بھی آتا ہے کیونکہ وہ کانوں کے لیے لازم ہے اسی طرح یہ حالت محب کے دل کے لیے لازم ہے اور میرے دل میں یہ خیال بھی گزرتا ہے کہ حب اطباء کی اصطلاح اور میں سے لیا گیا ہے تو اس لحاظ سے اس میں اشارہ ہوگا کہ تمام آدمی بیمار ہیں اور ان کا علاج حب (گولیاں) ہے سو قرآن مجید معجونوں کا مجموعہ اور علماء طبیب ہیں اور محبت دوا دل کی گولیاں ہیں۔ اور طب جسمانی میں یہ تو مشہور ہے کہ حبوب (گولیوں) کی تائید معدے میں پہنچ کر زیادہ ہوتی ہے کہ اس سے امراض نفسانیہ اور ہوائیہ کا دفعیہ ہوتا ہے

کیا آپ نے کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ مرشد لوگ جب دیکھتے ہیں کہ دل بالکل بند ہو چکا ہے اور اس پر پردے پڑ چکے ہیں تو ایسے مریدوں کا علاج عشق مجازی سے کرتے ہیں جب دل جل جاتا ہے اور اخلاط ردیہ بہادر منتشر ہو کر ختم ہو جاتی ہیں اور دل کا آئینہ بالکل صاف ہو جاتا اور اس پر کسی غیر کا غبار باقی نہیں رہتا تو اس کو جلوہ احدیہ اور احمدیہ سے روشن کر دیتے ہیں اور اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے ۔ آپ کہہ دیں اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم کو محبوب بنائے گا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے محبت کے رتبہ کے حصول کے لیے اتباع رسول کا حکم دیا ہے کہ جس پر رذائل کا دفعیہ اور فضائل کا حصول موقوف ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ محبت محبوبیت محمدیہ سے لی گئی ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں پھر میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ اور مراد مخلوق سے یہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو گویا کہ کائنات کی ایجاد کا دارومدار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی ایجاد کا دار کی محبت ہے یعنی خدا تعالیٰ کی اپنی پہچان کی محبت کے بعد جو اللہ تعالیٰ کی معرفت تک پہنچنے کا ارادہ رکھتا ہو تو ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محبت اس کے لیے بہت اہم ہے بلکہ صحیح حدیث کے مطابق عین فرض ہے جو کہ انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے والدین اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔ ذکر کی سچائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے اور نہ اس سے عبارت ہے کہ آدمی سرکش اور منکرات اور بے حیائی سے پوری طرح پاک و صاف ہو جاتے اور پورے طور پر اور روابط اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہو جائے جو فنون کا باعث اور بقا کا سبب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں اشارہ ہے ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام اور باقی رہ جائے گی ذات تیرے رب بزرگی اور اکرام والے کی۔

آپ کا ذہن اس طرف نہ جائے کہ ایمان کے وجود کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر معلق کیا گیا ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان کی علت ہے یا ایمان کو باقی رکھنے والی علت ہے بلکہ عین ایمان ہے تو آپ کی محبت ایمان کی طرح ہی فرض ہوگی۔ اور حدیث کی یہ تاویل کہ اس سے کامل ایمان مراد ہے وہ عوام کے ایمان کو باقی رکھنے کی ضرورت ہے اور یہاں بحث ان لوگوں کے ایمان کی ہے جو ایمان لا چکے اور اللہ کی محبت میں بڑھ گئے ہیں اور تقلید کے پھندوں اور استدلال کی رسیوں سے آزاد ہو کر شہود اور کمال کے میدان تک پہنچ گئے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق کہا گیا "مفردون آگے نکل گئے" اور یہ مقرب لوگ ہی تو ہیں۔ اور اس محبت مذکورہ کا عوام مومنوں میں بھی فقدان محل بحث ہے کیونکہ ہر مومن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے سبب کفر سے نکلنا پسند کرتا ہے اور اپنے باپ یا بیٹے کی محبت کی وجہ سے آپ کی محبت سے نکلنا کبھی پسند نہیں کرتا مگر شاذ و نادر اور حدیث میں مال کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اکثر لوگ کفر سے مال کے لیے نکل آئے اور کئی مال کے لیے کافر بھی ہو گئے۔ اور یہ بیان بسط کا محتاج ہے اور ہم انشاء اللہ اس کو مفصل بیان کریں گے۔

اور دوسری قسم یعنی محبت کی تحقیق عرفی لحاظ سے تو اس میں بڑا بسط اور بڑی تفصیل ہے اس کو ہر وہ آدمی جانتا ہے جس نے عرف کا تتبع کیا ہو

پر عرفاً ایک الگ قسم کا ہے اور یہ اختلاف محبوب کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر محبوب کثیف ہو تو اس کے متعلق محبت بھی کثیف ہوگی جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے وتحبون المال حبا جما اور مال سے بڑی سخت محبت رکھتے ہیں یعنے انہوں نے اپنے آپ کو مال کی محبت میں اس طرح لگا لیا ہے کہ ان کے دل اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہی تو وہ میلان جو ان کے دلوں میں واقع ہے گندگی کی طرح ہے گندے مرد گندی عورتوں کے لیے اور اگر محبوب لطیف ہو تو اس کے متعلق محبت بھی لطیف ہوگی جیسا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا "اور ایماندار اللہ کی محبت میں بڑے سخت ہیں" یعنی ان کے دل اللہ معبود حقیقی کے انوار سے معمور ہو چکے ہیں اس طرح کہ ان کے دلوں میں اب اللہ کی محبت کے علاوہ اور کسی چیز کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دین کی محبت عین اللہ تعالیٰ کی محبت ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے اور یہ جو ہم نے دونوں شقیں بیان کی ہیں یہ محبت کے دو آخری کنارے ہیں اور ان کے درمیان بہت سے راستے اور درجے ہیں کہ جن کو ضبط نہیں کیا جا سکتا اور قاعدہ یہ ہے کہ اہل عرف کسی مائل کو فی الجملہ محب کو کہہ دیتے ہیں اگرچہ اس کا میلان اس کی طرف تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

کیا آپ غور نہیں کرتے کہ لوگ اولاد اور مال کو محبوب سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن مجید اور فرقان حمید صاف بتلا رہا ہے کہ وہ لوگوں کے دشمن ہیں کیونکہ وہ ان کو خدا تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچنے سے مانع ہیں۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ان کی عداوت دنیا میں بھی باعتبار اختلاف احوال و حالات ظاہر ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ شیخ بزرگ ترین جلاء الخاطر میں بڑھاپے کی حالت کے متعلق فرمایا ہے۔ "تیری نظر تھک جائے گی تیری عقل کمزور ہو جائے گی۔ تیری بیٹی غصے سے تجھے کھانے کو دوڑے گی تیری بیوی تجھ سے دشمنی کرے گی۔ تیرا بیٹا تیری موت کی خواہش کرے گا۔"

خصوصاً اس زمانہ جیسا کہ اولاد اور ماں باپ میں مشاہدہ کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ اپنی اولاد سے اللہ سے بھی بڑھ کر محبت رکھتے تھے اس اولاد نے ان کو گھروں سے نکال دیا اور وہ طاقت کے لحاظ بالکل عاجز آ چکے تھے اور وہ راز جو اللہ تعالیٰ نے اس عاجز بندہ پر ظاہر فرمایا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے باپوں کو شرمندہ کرتا ہے کہ یہ لوگ ان دشمنوں سے محبت رکھتے تھے جو آج ان سے بدترین قسم کی عداوت کر رہے ہیں کیونکہ انہوں نے اولاد سے ایسی محبت کی جو اللہ سے کرنی چاہیے تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل کر دیا کیونکہ وہ غیر کی محبت میں مبتلا ہوئے جن سے آج باپ کی محبت کے مقابلہ میں بیٹے سے عداوت ظاہر ہو رہی ہے۔ حاصل یہ کہ محبت عرفیہ کا کوئی مقررہ قاعدہ نہیں ہے بلکہ کبھی وہ بالکل زائل ہو جاتی ہے اور کبھی دشمنی سے بدل جاتی ہے بلکہ اس کی شکل تو محبت کی ہے اور حقیقت میں عداوت ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ صورت تو عداوت کی ہوتی ہے لیکن حقیقت میں محبت ہوتی ہے الا ماشاء اللہ جیسا کہ دینی کام میں ہوتا ہے کہ وہ ظاہراً اور باطناً ہر طرح محبت ہے۔ اس میں غور کرو۔

اور تیسری قسم یعنی محبت اصطلاحیہ تو اس میں بھی تفصیل ہے کیونکہ وہ دو حال سے خالی نہیں ہے یا وہ تلوینی ہوگی یا تمکینی پھر پہلی ایک لحاظ سے سکری ہے اور ایک لحاظ سے صحوی اور دوسری مطلقاً صحوی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے متعلق کاملین کی عبارات منقول ہیں اور ہر ایک نے اپنے قدر اور مرتبہ کے مطابق اس میں گفتگو کی ہے اب میں اللہ کے فضل و کرم سے ان کی عبارتیں حال اور مقام اور قیام کے لحاظ سے نقل کرتا ہوں۔

ایک وہ قول ہے جو امام قشیری نے اللہ تعالیٰ کے اس قول فسوف یاتی اللہ بقوم یحبہم ویحبونہ اذلۃ علی المومنین تو اللہ عنقریب کوئی ایسی قوم لے آئے گا کہ وہ ان کو دوست رکھے گا اور وہ اس سے محبت رکھیں گے۔۔۔ کہا جاتا ہے کہ محب بالکلیہ محبوب کے ذکر میں گم ہو جائے۔ اور اسی کے قریب یہ قول بھی ہے کہ محب اپنے محبوب کے لئے ہر لحاظ سے خالص ہو جائے۔ اور کہا گیا ہے کہ محبت ہر شریف کے لیے آزمائش ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ محبت ہمت کا نتیجہ ہے۔ جس کی ہمت بلند ہوگی اور اس کی محبت بھی بلند کامل اور صاف ہوگی اور کہا گیا ہے کہ محبت غیبت میں پریشان پھرنا ہے اور جب شہود اور عیان حاصل ہو جائے تو پھر آدمی سکر کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض نے کہا ہے محبت سکر ہے

Scanned by CamScanner

بہر طرف ایک الگ قسم کا ہے اور یا اختلاف محبوب کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے اگر محبوب کثیف ہو تو اس کے متعلق محبت بھی کثیف ہوگی جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے وتحبون المال حبا جما اور مال سے بڑی سخت محبت رکھتے ہو یا لیتے انہوں نے اپنے آپ کو مال کی محبت میں اس طرح الجھا لیا ہے کہ دل اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہی تو وہ میلان جو ان کے دلوں میں واقع ہے گندگی کی طرح ہے اللہ سے روکتی ہے عورتوں کے لیے اور اگر محبوب لطیف ہو تو اس کے متعلق محبت بھی لطیف ہوگی جیسا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا اشد حبا للہ اللہ کی محبت میں بڑے سخت ہیں یعنی ان کے دل اللہ معبود حقیقی کے انوار سے معمور ہو چکے ہیں اس طرح کہ ان کے دلوں میں اب اللہ کی محبت کے علاوہ اور کسی چیز کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دین کی محبت عین اللہ تعالیٰ کی محبت ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے اور یہ جو ہم نے دونوں شقیں بیان کی ہیں یہ محبت کے دو آخری کنارے ہیں اور ان کے درمیان بہت سے راستے اور بہت سی شاخیں ہیں کہ جن کو ضبط نہیں کیا جا سکتا اور قاعدہ یہ ہے کہ اہل عرف کسی مائل کو کبھی مجازاً محب کو کہہ دیتے ہیں اگرچہ اس کا میلان اس کی طرف تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

کیا آپ غور نہیں کرتے کہ لوگ اولاد اور مال کو محبوب سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن مجید اور فرقان حمید صاف بتلا رہا ہے کہ وہ لوگوں کے دشمن ہیں کیونکہ وہ ان کو خدا تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچنے سے مانع ہیں۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ان کی عداوت دنیا میں بھی باعتبار اغراض احوال و معاملات ظاہر ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ شیخ بزرگ ترین جلاء الخاطر میں بڑھاپے کی حالت کے متعلق فرمایا ہے: "تیری نظر ضعیف ہو جائے گی تیری عقل کمزور ہو جائے گی۔ تیری بیٹی غصے سے تجھے کھانے کو دوڑے گی تیری بیوی تجھ سے دشمنی کرے گی تیرا بیٹا تیری موت کی خواہش کرے گا۔" خصوصاً اس زمانہ جیسا کہ اولاد اور ماں باپ میں مشاہدہ کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ اپنی اولاد سے اللہ سے بھی بڑھ کر محبت رکھتے تھے اس اولاد نے ان کو گھروں سے نکال دیا اور وہ طاقت کے لحاظ سے بالکل عاجز آ چکے تھے اور وہ راز جو اللہ تعالیٰ نے اس عاجز بندہ پر ظاہر فرمایا ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے باپوں کو شرمندہ کرتا ہے کہ یہ لوگ ان دشمنوں سے محبت رکھتے تھے جو آج ان سے بدترین قسم کی عداوت کر رہے ہیں کیونکہ انہوں نے اولاد سے ایسی محبت کی جو اللہ سے کرنی چاہیے تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل کر دیا کیونکہ وہ غیر کی محبت میں رسوا ہوئے جن سے آج باپ کی محبت کے مقابلہ میں بیٹے سے عداوت ظاہر ہو رہی ہے۔ حاصل یہ کہ محبت عرفیہ کا کوئی مقررہ قاعدہ نہیں ہے بلکہ کبھی وہ بالکل زائل ہو جاتی ہے اور کبھی دشمنی سے بدل جاتی ہے بلکہ اس کی شکل تو محبت کی ہے اور حقیقت میں عداوت ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ صورت تو عداوت کی ہوتی ہے لیکن حقیقت میں محبت ہوتی ہے الا ماشاء اللہ جیسا کہ دینی کام میں ہوتا ہے کہ وہ ظاہراً اور باطناً ہر طرح محبت ہے۔ اس میں غور کر دو۔

اور تیسری قسم یعنی محبت اصطلاحیہ تو اس میں بھی تفصیل ہے کیونکہ دو حال سے خالی نہیں ہے یا وہ تلوینی ہوگی یا تمکینی پھر پہلی ایک لحاظ سے سکری ہے اور ایک لحاظ سے صحوی اور دوسری مطلقاً صحوی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے متعلق کاملین کی عبارات منقول ہیں اور ہر ایک نے اپنے قدر اور مرتبہ کے مطابق اس میں گفتگو کی ہے اب میں اللہ کے فضل و کرم سے ان کی عبارتیں حال اور مقام اور انجام کے لحاظ سے نقل کرتا ہوں۔

ایک وہ قول ہے جو امام قشیری نے اللہ تعالیٰ کے اس قول فسوف یاتی اللہ بقوم یحبہم و یحبونہ اذلۃ علی المومنین "تو اللہ عنقریب کوئی ایسی قوم لے آئے گا کہ وہ ان کو دوست رکھے گا اور وہ اس سے محبت رکھیں گے"... کہا جاتا ہے کہ محب بالکلیہ محبوب کے ذکر میں گم ہو جائے اور اسی کے قریب یہ قول بھی ہے کہ محب اپنے محبوب کے لئے ہر لحاظ سے خالص ہو جائے۔ اور کہا گیا ہے کہ محبت ہر شریف کے لیے آزمائش ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ محبت ہمت کا نتیجہ ہے۔ جس کی ہمت بلند ہوگی اور اس کی محبت بھی بلند کامل اور صاف ہوگی اور کہا گیا ہے کہ محبت غیبت میں پریشان پھرتا ہے اور جب شہود اور عیان حاصل ہو جائے تو پھر آدمی سکر کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض نے کہا ہے محبت سکر ہے

اس میں کوئی صحو نہیں ہے اور محبوب کی بقا کے متعلق ایک سراسیمگی ہے جس سے تمیز ختم ہو جاتی ہے۔" اور کہا گیا ہے کہ محبت ایک ایسی مصیبت ہے شفا کی امید نہیں ہے اور ایسی بیماری ہے جس کی دوا معلوم نہیں۔ اور کہا گیا ہے محبت ایک ایسا عزیم (تاوان لینے والا) ہے جو ہمیشہ ساتھ رہے گا۔ اور ایک ایسا رقیب ہے جو محبوب کے تمام حقوق احوال کے دوام میں تجھ سے پورے کرے گا۔ اور امام العارفین بایزید بسطامی نے محبت اپنی زیادہ چیز کو تھوڑا اور محبوب کی تھوڑی چیز کو زیادہ دیکھنے کا نام ہے۔ اور سہل تستری نے فرمایا محبت اطاعت سے معانقہ اور مخالفت کا نام ہے۔ اور ابو عبداللہ القرشی نے فرمایا۔ محبت یہ ہے کہ اپنا تمام کا تمام اپنے محبوب کو بخش دے اور تیرے لیے تیری کوئی چیز باقی نہ رہ جائے۔ اور کہا گیا وہ شاخیں ہیں جو دل میں گاڑی جاتی ہیں پھر وہ عقول کے حوصلہ کے مطابق پھل دیتی ہیں۔ اور محبت کی تفسیر میں بہت سے اقوال ہیں جو ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ پس لازمی ہے کہ کوئی ایسا قاعدہ مقرر کیا جائے جو محبت کی حقیقت کی پہچان کے لیے معیار کا کام دے سکے اور وہ یہ ہے کہ ہر وہ کلمہ جو شکوہ اور خوف اور اضطراب اور حیرت پر دلالت کرے وہ محبت تلوینی کا بیان ہے جو ردّی اخلاط کو جلانے اور اذیات سے جو حضور کے میدان سے دور کرنے میں حائل کرنے کا باعث ہوتی ہے۔ پھر سالک مختلف حالتیں بدلتا ہوا وصول کلی نوعی کے حصول تک ترقی کر جاتا ہے جس کو تمکین کہا جاتا ہے اور اس محبت کا حال اکثر تفرقہ پریشانی اور بیقراری ہوتا ہے اور ہر وہ کلمہ جو محافظہ حال پر دلالت کرے خواہ وہ شریعت اور طریقت سے ہو یا معرفت و حقیقت سے اور اپنے نفس کی عبودیت اور اللہ رب العزۃ کی الوہیت کے اثبات کے ساتھ آداب کا لحاظ اس میں موجود ہو اور مسبب الاسباب اور اس کے سمجھنے میں عدم مناسبت کا اقرار ہو سوائے اس کے کہ تعلیم اور ارشاد کے خداوندی پیالوں سے پئے۔ تو وہ محبت تمکینیہ کا بیان ہے جو سالک کو حالات اور وادیوں اور بلند پہاڑوں کے عبور کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے جو کہ ایک غریب مسافر فقیر عاجز کے جس کے پاس کوئی زاد ماسوائے تقویٰ کے دل کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہیں اور یہ مقام بہت دور ہے اس کا حصول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی برکت سے صرف بڑے بڑے لوگوں کو ہوتا ہے نہ تو اس کی کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہا۔

لیکن یہ ضروری معلوم ہونا چاہیے کہ ہر تلوین میں ایک طرح کی تمکین ہے۔ ورنہ اس میں مبتلا ہونے والا کوئی آدمی بھی فراق اور شوق کی تلخیوں کو نوش کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اگر امید نہ ہو تو خوف کلی انسان کو فنا کر دیتا ہے جیسا کہ پوری امید اگر خوف نہ ہو تو انسان کو سست کار اور غافل بنا دیتی ہے۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ محبوب کے اعراض رمنہ پھیرنے میں بھی ایک طرح کی تسلی ہوتی ہے اور اس کے نقاب یا پردہ میں چھپ جانے میں بھی تجلی کی ایک رمز ہوتی ہے اور اس اور اس علم کو محبت اور عاشق لوگ اچھی طرح پہچانتے ہیں اور ہر تمکین میں ایک طرح کی تلوین ہوتی ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو محبت کے آثار اور کھنڈرات مٹ جائیں کیونکہ وصولات جزئیہ کی کوئی انتہا نہیں ہے اور سالک صبر پر قائم رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول یا ایھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون اے ایماندارو صبر کرو اور صبر کی تلقین کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ" کے مطابق سالک کبھی صبر نہ کر سکے اور افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے وصول کلی کے بعد فرمایا فراق سے میری جلد کمزور ہو گئی اور میں تیری کما حقہٗ ثنا بیان نہیں کر سکتا۔" اور اسی لحاظ سے شیخ بزرگ ترین نے فرمایا میں نے اپنی شراب کو کہا میری طرف آ جا۔ اور فرمایا۔ وہ مجھے پھیرتا رہتا ہے وہ مجھے وہ ذوالجلال کافی ہے۔" اور فرمایا۔ میرا مقام تم سب پر ہمیشہ بلند رہا ہے۔" بعد ازاں کہ یہ فرمایا۔ "مجھے محبت نے وصال کے کئی پیالے پلائے ہیں۔

اور اس مضمون سے یہ بھی متحقق ہو گیا کہ کاملین حصول وصول کے باوجود کیوں روتے ہیں اور واصلین بساط قبول میں داخل ہونے کے بعد جلنے کا راز کیا ہے لیکن ان تلوینات اصلیہ اور تلوینات تلوینیہ کی پہچان مرتبہ تمکین میں انتہائی مشکل ہو جاتی ہے اس کا صرف وہی بڑے بڑے

کہہ سکتے ہیں جن کو اللہ نے معرفت عطا کی ہے اور وہ تلوین کے دائرہ سے نکل چکے ہیں جیسے موتی ان سیپیوں سے جو سمندر میں ہوتی ہیں باہر نکل آتے ہیں اور چھلکے کے حجابات کے اوراق سے گودا الگ ہو جاتا ہے۔ اے حق طلب اگر تو چھلکے کی ہوس میں ہے تو تیرے لیے گودا نہیں ہے بلکہ چھلکوں کا ہم تو کوڑی پر ہوتا ہے پس محب تو مغز اور گودا کھاتا ہے اور ہوس پرست چھلکے اگر تیرا مقام بادشاہی خزانے میں ہے تو تو خوب تجھے یہ آپ خوب پہچان لینا چاہیے تاکہ تیرے ساتھ دھوکا نہ ہو جائے پھر تو ذلیل ہو جائے گا یا معزول ہو جائے گا اور شرمندہ ہو جائے گا اور اگر تیرا ٹھکانہ کوڑیاں ہیں یعنی مردار دنیا جس کے طالب کتے ہیں تو تو چھلکا ہے مغز نہیں ہے تو بھوسے کا ایک تنکا ہے تجھے ہوائیں اڑاتی پھریں گی اور تو مثل ہباءً منثوراً (بکھرے ہوئے ذرے) ہو جائے گا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ زاہدوں میں سے ایک آدمی محبت کی طلب میں رویا کرتا تھا پھر وہ اپنے مطلوب پر فائز ہو گیا اور وہ پھر بھی اسی طرح روتا رہا کسی آدمی نے اس سے بچنا چاہیے کہ وہ بادشاہ رحیم بھی ہے اور جبار بھی ہے وہ جو ارادہ کرے پھر کسی کی پرواہ نہیں کرتا وہ حاکموں کا حاکم ہے روتے رہنے کی کوشش کرو اور جو تمہیں ملا ہے اس پر مغرور نہ ہو جاؤ اللہ تعالیٰ کی ہر روز ایک نئی شان ہے وہ جسے چاہے ملک عطا فرمادے اور جس سے چاہے چھین لے وہ دن کو رات کا لباس پہنا دیتا ہے اور رات کو ... وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ عزت دیتا ہے اور ذلیل کرتا ہے کسی کو ہادی بناتا ہے اور کسی کے گمراہی کا اعلان کرتا ہے وہ امیروں کو غریب کرتا ہے اور غریبوں کو امیر بناتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہر ... انوار اور اسرار کی موج ہے۔ تجھے یہ جاننا ضروری ہے کہ حجاب کئی قسم کے ہیں بعض حجاب ظلمانی ہیں اور بعض نورانی ہیں اور بعض میں دونوں ہیں پہلے حجاب تو رذائل ظاہری اعمال بد اور اخلاق باطنیہ اخلاقیہ ہیں ہم عنقریب احوال و مقامات کی تفصیل میں اس کا بیان کریں گے اور نورانی حجاب اعمال صالحہ ہیں جو ایمان اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ اور اخلاق شریفہ پر مترتب ہوتے ہیں جو کہ طیب اولیاء کے توسط علم ظاہری و دینی اور اتباع محمدی کے اجتماع سے ظاہر ہوتے ہیں اور اس آیت کے مطابق محبوبیت کا پھل دیتے ہیں۔ فرمادیجیے، اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت رکھے گا۔ اور یہ اتباع کچھ شرائط اور اسباب اور ارکان پر مشتمل ہے۔ ارکان تو یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو اور کفر اور شرک اور ریا اور نفاق کا صدق دل سے انکار ہو اور شرائط یہ ہیں کہ غفلت اور سستی سے خلاصی پائے اور اس کے اسباب توبہ اور بیداری اور تعریف و تقرب کریں گار کا ترک ہے بلکہ ہر روز دوڑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے استدلال پہلا زمی ہے کہ جس کے دونوں دن برابر ہوں وہ خسارہ اٹھانے والا ہے اور ان تینوں امور کی تفصیل طول کلام کا مطالبہ کرتی ہے لیکن اجمال کے باعث تحریر کی اجازت نہیں دیتے ہاں تفصیل مقامات میں ان کا تذکرہ ہوگا اور یہ تینوں امور محبت سے عبارت ہیں جب آدمی اس پر ہمیشگی کرتا ہے تو یہ محبت کا پھل لاتے ہیں اور وہ شجر طوبیٰ کا پھل ہے پھر دل جنت خلد بن جاتا ہے بلکہ کئی جنتیں جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں ان میں سب خوشگوار طریقے پر ان لوگوں کے لیے تجلی فرماتا ہے جن کے دل اس کی محبت میں جل چکے ہیں۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی مناجات میں ہے اے رب میں تجھے کہاں تلاش کروں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے پاس جن کے دل میرے لیے ٹوٹ چکے ہیں" اور یہی معنی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کہ پریشان عاشقوں کے لیے ایسے جنت میں جن میں حور و قصور نہیں ہیں یعنی جب دل اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جاتا ہے اور دل میں اللہ کے سوا اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی تو پھر وہاں حور کے لیے عبور کرنا اور بلند و بالا محل کا ہونا نہیں پایا جاتا اور آپ رضی اللہ عنہ کے اس قول کا یہی مطلب ہے، دیتی بیتیت اللہ من جاء زائرا۔ اور یہی مراد ہے اس قول کی جو رابعہ عدویہ کے احوال میں مذکور ہے کہ "کعبہ اس کی زیارت کے لیے آیا" اور عنقریب شیخ رضی اللہ عنہ تعالیٰ کے اشعار اس تحقیق مطابق مذکور ہوں گے کیا آپ نے یہ نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کے دل کا نام اپنا عرش رکھا ہے اور انسان کو اپنا ستر کہا ہے حالانکہ بادشاہ کا تخت

Scanned by CamScanner

جو مشہور ہے کہ "بادشاہ کا وطن کہاں ہوتا ہے"
اور اس کا تخت ہی اس کا وطن ہوتا ہے۔ اور اس وقت مجھے اس سوال کا جواب سوجھ رہا ہے اس کا اصلی وطن تو وہ تخت ہے جسے اللہ تعالیٰ
جواب یہ کہتا ہوں کہ بادشاہ کے دو وطن ہوتے ہیں ایک وطن اصلی اور دوسرا وطن اقامت اور جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اے رب
کون نہیں جانتا اور اسی کو حدیث میں عماء سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا اور اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایجاد
تو کہاں تھا تو جواب ملا کہ میں اس کے اوپر بھی ہوا ہے اور اس کے نیچے بھی ہوا ہے اور اس ہوا سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایجاد ہے
محبت ازلیہ ہے اور اس کا وطن اقامت وہ عرش ہے اور جب اس پر تجلی ہوتی ہے تو وہی اس کے ملک میں تصرف کرتا ہے۔ اور عرش
محمدی احمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کا عرش ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول اول
ما خلق اللّٰہ نوری کا یہی مطلب ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا" اور آپ کے اس قول انا من نور
من نوری کا یہی کہ میں اللہ کے نور سے ہوں اور سب مخلوقات میرے نور سے ہیں اور آپ کے اس قول کا کہ آدم من دونہ تحت لوائی
آدم اور ان کے سوا سب میرے جھنڈے کے نیچے ہیں" اور آپ کے اس قول کا کہ "واللّٰہ معطی وعلی القاسم" اللہ تعالیٰ دینے والا
ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔

اور جب دل میں یہ نور حاصل ہو جاتا ہے تو آپ کے اس قول انا احمد بلا میم مطلب معلوم ہو جاتا ہے کہ میں بغیر میم کے
احمد ہوں یعنی اور اس وقت تمام دل محبت ہو جاتا ہے لیکن چونکہ یہ اندازہ بھی حجاب تھا کہ محبت محبوب اور محب کے درمیان حجاب ہے پھر
وہ محبت سے ترقی ہو جاتا ہے تو محبوب سے واصل ہو جاتا ہے یعنی محبت ایک واسطہ اور رابطہ ہے جو طرفین کا تقاضا کرتا ہے پس
تین امور لازم آتے ہیں محبت، محب اور محبوب اور یہ عالم محو میں ہے جو غیر کے دور کرنے اور دوئی کے مٹانے کا تقاضا کرتا ہے جو کہ ہوتا ہے
یہاں کو نہیں چھوڑتا ہے یہاں تک کہ وہ پوری طرح فنا ہو جاتا ہے تو اس کے بعد بقا نصیب ہوتی ہے جس کی طرف اللہ کے اس قول میں ویبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام
اشارہ کیا گیا ہے تو اصل مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور یہ بات اسی وقت ہوتی ہے کہ محبوب نے کہا محبت اس وقت تک پختہ نہیں ہوتی جب تک کہ محبت کی
محبوب کی طرف استقلال ہو اور جب تک محبت کی حالت ہو اور کوئی اشارہ اور نہ کوئی اعادہ باقی نہیں رہنا چاہیے بلکہ وہ سوال طلب اور ارادہ سے بھی آگے
ہو ایسا ہو کیونکہ ایسی محبت سالک میں اسی وقت صحیح ہوتی ہے جب وہ خالق کی صفات سے ہے نہ کہ مخلوق کی صفات سے تو صحت محبت اس کا نام ہے
کہ اس کے تصور سے نظر منقطع ہو جائے پھر جب وہ منقطع ہو جاتی ہے تو اس میں پھل پتے لگتے ہیں۔ جیسے کہ اگر درخت کی تمام شاخیں کاٹ دی جائیں تو
پہلے شاخیں نہیں اگا سکتا اور پتے نہیں نکال سکتا اور وہ شاخیں اگا دیتا ہے اور پھر پتے لگتا ہے۔ اور یہی معنی ہے شیخ بزرگ ترین رضی اللہ عنہ کے قول
ہو جیسا کہ فرمایا ہے کہ محب کا نہ کوئی مال ہوتا ہے نہ سامان نہ گھر اور اس کا کوئی گھر ہوتا ہے کیونکہ وہ تمام چیزیں اس کے دل اور محبوب کی
اور اس کی طرف ہی منسوب ہوتی ہیں کیونکہ محب اپنے محبوب کا غلام اور اس کا ذلیل بندہ ہوتا ہے اور غلام اور اس کی تمام ملکیت اس کے مالک کی ہوتی ہے
جب محب اپنے آپ کو پوری طرح محبوب کے سپرد کر دیتا ہے تو محبوب پھر وہ تمام چیزیں محب کو ہی سونپ دیتا ہے اور اس کے سپرد کر دیتا ہے اب معاملہ
ہو جاتا ہے غلام آزاد ہو جاتا ہے اور ذلیل عزت والا ہو جاتا ہے۔ بعید قریب ہو جاتا ہے محب محبوب ہو جاتا ہے جب مجنوں نے لیلیٰ کی محبت پر صبر کیا تو
لیلیٰ کی طرف پلٹ آئی اب لیلیٰ مجنوں ہو گئی اور مجنوں لیلیٰ پھر اللہ تعالیٰ کی محبت پر صبر کرے اور ثابت قدم رہے آفات کے تیروں کی وجہ سے
دروازے سے بھاگ نہ جائے بلکہ ان کو اپنے دل کے سینے پر قبول کرے تو پھر وہ محبوب اور مراد اور مطلوب ہو جاتا ہے آپ کی عبارت شریفہ میں
اور محب کا اپنے آپ کو محبوب کے سپرد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ محب اپنے نفس سے فانی ہو جائے اور وجود اور بقا کو محبوب کی طرف منسوب کرے یہ کہ اللہ کے

موجود اور باقی نہیں ہے۔ اس کے بعد محبوب وجود اور بقا اس کے سپرد کردیگا اس کو اپنے وجود اور بقا سے وجود اور بقا بخشے گا جب کہ شیخ بزرگ ترین نے چند قصیدہ میں اسی طرف اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے۔ کسانی خلعة لطراز عزم و توجنی بتیجان الکمال و فی حب من نے اپنے نفس کو اس کے سپرد کردیا اور میں اپنے وجود سے پوری طرح فنا ہوگیا اور وجود اور بقا ہر طرح سے اس کی طرف منسوب کیا عبداللہ ذوالجلال کی ذات سوا کچھ باقی نہ رہا تو اس نے مجھے بقا اور وجود کا لباس اور خلعت عنایت کیا اور کمال کا تاج میرے سر پر رکھا اور وہ یہ ہے کہ اس نے مجھے اپنے بقا سے بقا عطا فرمائی اور میرے عزم و تحقیق میں اپنی بقا سے مجھے باقی بنایا کیوں کہ اس سے پہلے تو میں اپنے وجود کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں یا مقلد تھا یا مستدل تھا اور ان دونوں صورتوں میں ایک طرح کا اندھیرا ہے پھر میری حالت بدل گئی میں آنکھوں کا وجود بن گیا میں ہر طرح کے عیب سے پاک ہوگیا فرد الفرد اور حبیب الغیب بن گیا اب اس کے سوا کوئی موجود نہیں نہ عیان و کے لحاظ سے شہود و تحقیق کے لحاظ سے اب لیلیٰ مجنوں کے بغیر نہیں اور مجنوں لیلیٰ کے بغیر نہیں ہے اور یہ تو مجازی محبت میں تم دیکھتے ہو اور باقی رہی حقیقی محبت تو اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں اور کوئی معبود نہیں مگر موجود اللہ وہ اللہ ہے۔ اب دا البطہ اٹھ گیا یعنی وہ محبت جو حجاب تھی جو دوئی کا تقاضا کرتی تھی تو ثابت ہوگیا کہ محبت ایک حجاب ہے جب محب محبت سے فانی ہو جاتا ہے تو محبوب سے واصل ہو جاتا ہے یعنی وہ محبت کو محبوب کے سپرد کرا دیتا ہے پس کوئی محبت نہیں مگر محبوب کی اور محبوب ہے اور محبوب میں اور محبوب کی طرف سے اور محبوب کے پاس سے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی کے مطابق اور انشاء اللہ تعالیٰ ہم توحید کے مراتب اور اس کی اقسام کی تحقیق کریں گے۔ اور شیخ بزرگ ترین کے اس قول کے ستقانی الحب کا سات انوخیال یہی معنی ہیں کہ حب نے مجھے وصال کے کئی ایک پیالے پلاتے ہیں ۔۔ جدائی دور ہوگئی اور محب اور محبوب کو تنہائی نصیب ہوگئی۔ محبوب نے جلوہ فرمائی کی اور دوری اٹھ ہوگئی اب محبوب کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہی فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا وخر موسیٰ صعقا۔ جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اسے ریزہ ریزہ کردیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ یعنی اس نے اپنی جلالی تجلی سے (انیت میں) کے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کردیا اور روح کا موسیٰ اپنے علم اور خیال سے بیہوش ہوگیا اسے خدا کے خیال کے سوا اور کسی کا خیال نہ رہا اور خدا کے علم کے سوا کسی کا علم نہ رہا تو موسیٰ علیہ السلام نے رب کو اپنی انیت سے اور اپنے وجود سے نہیں دیکھا بلکہ اپنے وجود کے فنا ہونے اور رب کے وجود سے بقا حاصل کرنے کے بعد دیکھا جب تک "میں" تھی تب تک حجابات رہے بلکہ "میں" سے فانی ہونے کے بعد بھی۔ اور آپ کی یہ رویت (دیکھنا) قلبی روحی تھی نہ کہ ظاہری نگاہوں کی کیونکہ وہ تو سلوک کے بعد ہوتی ہے اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے کیونکہ وہ فناء کلی کی موجب ہے اور وہ صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس طرح فرمایا الم تر الی ربک کیف مد الظل کیا تو نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا کہ اس نے کس طرح سایوں کو بڑھایا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جذب کیا اور ان کو اپنا آپ روح کے ساتھ دکھایا اور ظاہری نگاہ کے متعلق فرمایا اور تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا۔ کیوں کہ تم اس زندگی میں ابھی اس حال پر فائز نہیں ہوئے۔ جو اس دیدار کی باعث ہے۔

سو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور پہلے آپ محب تھے جب وہ اپنے آپ سے فانی ہوگئے اور رب کے ساتھ بقا حاصل کی پھر اس دیدار و وصال سے سرفراز ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام ایسے محب تھے ابھی محبت سے فانی نہیں ہوئے تھے ہاں ان کو جذبہ میسر ہوا وہ بھی ناپائیدار جیسے ایک آنکھ جھپکنا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو اس جذبہ میں اس کے انداز کے مطابق دیکھا اور اس کی تحقیق عنقریب انشاء اللہ آئے گی۔

اور وہ حجاب جو برزخ والے ہیں (یعنی ظلمانی بھی ہیں اور نورانی بھی) انہیں سے ایک تو علم ہے اور یہ حجاب اکبر ہے کیونکہ اگر اسکی ذات کی

Scanned by CamScanner

پرنگاہ کیجائے تو وہ "اندھیرا ہے [illegible] طرف نگاہ کی جائے تو وہ ایک نور ہے اور اگر اس کے دھوکہ کھانے حال کے اور اسی پر کفایت کرنے اور اشارہ [illegible] وہ چیز ہے جسکی طرف شیخ مبارک ترین کے غوثیت میں اشارہ فرمایا کہ "صاحب علم مجھ تک اسانی حاصل نہیں کرسکتا"۔ اس [illegible] اسکی تحقیق ہے پوری تفصیل کے آپ رضی اللہ عنہ کے اس وجدی صاحب العین الکمال اور میرے نانا عین کمال کے مالک ہیں۔ [illegible] ہے ہمارے پاس کوئی علم نہیں یا سوائے اسکے جو تو نے ہمیں سکھایا اے ہمارے رب اگر ہم غلطی کریں یا بھول جائیں تو ہم پر مواخذہ [illegible] یقیناً تو بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے تو جاننے والا ہے حکمت والا ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

موج قدسی:۔ جب آپ نے محبت کے معنی اور اسکے راتب کو پہچان کیا اور اس میں دمتبلا اشخاص کی حالت تمکین اور تلوین اور [illegible] ہو گئی تو اب معلوم ہونا چاہیے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا قول سقانی الحب ممکن ہے کہ اس حب سے اسکا آخری مرتبہ مراد ہو جب کہ ہم بیان کر چکے ہیں [illegible] ہو کہ جب بندہ اپنا ارادہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور اسکے ساتھ اتباع محمدی صلے اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہو اور اسکا ذکر ہم تفسیر اور تحریر [illegible] کر چکے ہے۔ اور چونکہ اس اتباع کی کچھ نشانیاں ہیں کچھ علامات ہیں اس کا مقصود کے دلائل اور تفصائل بھی ہیں اسکے کچھ شرائط اور طریقے بھی [illegible] اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے ہر ایک کی تفصیل میں مشغول ہوتا ہوں اور دوران بیان انکا آپس میں فرق بھی واضح رہ جائیگا۔

اسکی نشانیاں یا علامات مختصر کہیں یہ کہ بڑی علامت تو یہ ہے اور یہ کئی ایک امور کی جامع ہے پہلا تو یہ کہ غفلت کی نیند [illegible] ہو یا تو خبر کسی ذریعہ کے خدا کے فیض سے اور یا پھر کسی الہام یا علم یا کسی وعظ کے واسطہ سے یا کسی شیخ کامل کی پیشانی کے نور کی علامت [illegible] ملاحظہ سے۔ اور دوسرا امر ندامت ہے یعنی ان اعمال بد اور افعال سیئہ پر اسکو ندامت ہو جو اس سے صادر ہوئے باوجود اسکے کہ [illegible] مشتاق مخلوق کی طرف سے برابر انعامات اور گناہوں کی کثرت کے باوجود اس میں کبھی تھوڑی سی کمی بھی نہ آئی کیونکہ مزدور جب [illegible] محنت کی نہیں کیے یا کام خراب کر دے اور اسکے باوجود مستاجر (مزدور رکھنے والا) اسکو ان لوگوں کے برابر مزدوری دیتا جائے جو [illegible] پورا کام کرتے ہیں اور انہیں یہی معاملہ اتنی مدت تک جاری رہے کہ مزدور کی داڑھی کے سیاہ بال سفید ہو جائیں تو لازمی چیز ہے کہ وہ [illegible] کسی دن شرمندہ نادم ہوگا اور اپنے مالک کے حضور معذرت کریگا اور کہے گا کہ وقت گزر گیا اور ناراضگی باقی رہ گئی میں آپکی جناب میں معذرت [illegible] ہوں اگر آپ مجھے معاف کردیں تو یہ آپکا احسان اور فضل ہوگا ورنہ مجھے قتل کردیں یا میرا خیال چھوڑ دیں اور مالک چونکہ اسکی خدمت سے [illegible] غنی ہے وہ اس کے عمل اور کام کی پرواہ نہیں کرتا وہ کہتا ہے کہ اگر تو نے یہ رویہ اختیار کیا تو تو نے اپنی سرشت کے مطابق کیا اور [illegible] اور میرا حوصلہ یہ نہیں ہے کہ میں تیری خبر گیری چھوڑ دوں اور یا تجھ پر مواخذہ کروں بلکہ میرا حوصلہ یہ ہے کہ میں تجھے زیادہ سے زیادہ دیتا جاؤں اور تجھ سے کہوں کہ تو میرے گھر میں آیا وہ میں تیری سفید داڑھی کی شرم کرتا ہوں۔ پھر یہ معذرت کرنے والا اسی کا [illegible] میں رہے اور پھر وہ جب بھی کبھی اس کی کوئی مہربانی اور شفقت دیکھے گا اس پر نادم ہوگا۔ شرمندہ ہوگا۔ رونے لگا اور [illegible] تعریف کرے گا۔ یا اس کو دعائیں دے گا اور اس کی طرف رجوع کرے گا۔ تو اس ندامت کے ضمن میں اس کو کئی ایک چیزیں [illegible] گی۔ اس کو توکل۔ بصیرت۔ عزم۔ فکر۔ محاسبہ۔ اعتصام۔ اناتب اور ایاتب اور اس کے سوا سب کچھ میسر آجائیں گی۔ [illegible] اس مضمون کو کاش کے ضمن میں انشاء اللہ مفصل بیان کریں گے۔

اور تیسرا امر غم ہے اور وہ اس کا اپنے آپ پر شرمندہ ہونا ہے کہ میری عمر تو ختم ہو گئی اور مجھ پر گناہوں کا بوجھ [illegible] تو بھی گئیں اور اس کے اثرات باقی رہ گئے یعنی خالق قدیم سے غفلت اور ہلاکت اور بربادی میں جا پڑنا اور پھر کتنا [illegible]

پھر وہ ایمان لایا اللہ ایمانداروں کا دوست ہے انکو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ اسکے نور کی مثال جیسے ایک طاقچہ ہو۔ اے اللہ میرے دل کو روشن کر دے اور مجھے غم اور حزن اور کہتم سے نکال دے تو پھر وہ اس بیماری کو دور کرنے کیلئے طبیبوں کی جستجو کرے گا جو اس کو قدسی دواؤں سے تیار کی ہوئی معجونیں کھلائیں جس کے اجزا اس طرح کے ہوں کہ ان صبر کے حنظل (اَلمّہ) کا گودا ہو اور پختہ نیت کے پھول کے بیج ہوں سچائی کا ہلیلہ رضا رضا کا بلیلہ ہو اور بکاء (رونے) کی شہد ہو اور اسی طرح کی جوارشیں یا ایارجات ہوں اور طبیب کہیں تیرے لئے ضروری ہے کہ تو ٹھنڈی اور سودائی ہوائی غذاؤں سے پرہیز کرے جیسے کہ انانیت۔ تکبر۔ فخر۔ غرور۔ نخوت۔ وغیرہ اور تقوی (پرہیزگاری) کا کھانا کھالے وہ بہترین غذا ہے اور بہترین زاد ہے اور یہ کہ تو شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ و السلام کی گوشہ نشینی میں بیٹھے تاکہ تجھے بیوقوفوں کی مجلس کی ٹھنڈک یا جاہل رسمی احمقوں کی مجلس کی گرمی نقصان نہ پہنچائے تو انشاء اللہ تجھے شفاء کامل نصیب ہو جائیگی اور تو تندرست ہو جائیگا اے اللہ مجھے دائمی صحت اور ہمیشہ کی عافیت نصیب فرما اور میری حفاظت فرما

اور علامات یعنی وہ امور جو محبت پر سچا دلالت کرتے ہیں وہ یہ ہیں دنیا کا ترک کر دینا اور اسکے کئی مراتب ہیں پہلا مرتبہ یہ ہے کہ نکاح کھانے پینے میں سے غیر ضروری چیزوں کو چھوڑ دے اور ضروری چیزوں کو استعمال کرے اور باقی رہا ان امور میں سے حرام چیزوں کے استعمال سے پرہیز کرنا۔ تو یہ تو ایمان کی شرط اور اس کا لازمہ ہے کوئی مومن شیطان کے فریب کے سوا ان کا ارتکاب نہیں کر سکتا گناہ سے بچنے کی ہمت اور نیکی کرنے کی طاقت اللہ بلند و عظیم کی توفیق ہی سے ہے اور یہ عام مومنوں کے تقوی کا مرتبہ ہے اور دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اپنے نفس کو ذلیل و خوار اور رام کرنے کیلئے ضروری چیزوں سے بھی پرہیز کرے جبکہ بعض سے بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے نفس کی تیزی کو توڑنے کیلئے بیس سال تک پانی نہ پیا تا بسا بلانہ حاصل شدہ لذتوں کے تدارک کے طور پر۔ اور بعض وہ تھے جنہوں نے انگوری یا درختوں کے پتے بڑی ہمت تک کھائے اور اسکے متعلق دلیل اللہ تعالی کے اس والذین جاہدوا فینا اور وہ جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ہم انکو اپنے راستوں کی راہنمائی کرتے ہیں اور اس ضمن میں ہم بعض وہ مجاہدات آپ سے بیان کریں گے جو شیخ بزرگ ترین نے اس راہ میں اختیار کئے اور بعض نے شہروں اور آبادیوں کو چھوڑ دیا اور جنگلوں میں بسیرا کر لیا حیوانوں۔ پرندوں اور وحشی جانوروں سانپوں اور بھیڑیوں کے ساتھ زندگی گزارنے لگے۔ کیونکہ اللہ کے ساتھ محبت کرنے والا غیر اللہ سے وحشت محسوس کرتا ہے جیسا کہ خوشیہ میں وارد ہے پھر وہ وحشی جنگلوں میں بھوکا پیاسا رہتا ہے آنکھوں کے آنسوؤں کے سوا کوئی پانی نہیں ملتا اسکو دل کے گوشت کے ٹکڑے کے سوا کوئی کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ اسکی تمام لذات بیئت ضیالیہ کے تقوے سے خطاب کر نہیں ہوتی ہے آدیوانگی کی بھوک ہوتی ہے اور فنون سے پر ہوتا ہے۔

اور تیسرا مرتبہ محبوب کے شہود کے سمندروں میں غرق ہونے کی وجہ سے اپنے وجود کو بھی ترک کر دینا ہے وہ اسے ہبا منثورا بنا دیتا ہے اسکے نزدیک محبوب کے وجود کے سوا اور کوئی وجود نہیں ہوتا اور مطلوب کے شہود کے سوا اسکے نزدیک کوئی شہود نہیں ہوتا بیان کیا جاتا ہے کہ مجنوں کے پاس اسکا باپ آیا وہ اس سے ان مصیبتوں اور پیش آنے والے حالات کے بارہ میں گفتگو کرنا چاہتا تھا اس نے ملاقات کی اور اس سے پوچھا اے مجنوں کیا تو مجھے پہچانتا ہے اس نے کہا تو لیلی ہے۔ اور اسکی وجہ یہ تھی کہ مجنوں اسکے شہود میں مستغرق تھا اسکے شہود کے مطالعہ میں مشغول تھا وہ ایک ایسا عالم تھا جو اسکے رخسار دل کے صفات کا مطالعہ کرتا تھا وہ اپنے وجود کا حلقہ بنا کر اسکی کنپٹیوں کی سطور دیکھ رہا تھا وہ محبت کی دوکان میں بیٹھا ہوا ایک تاجر تھا وہ اپنے وجود اور اخلاق کی قیمت سے فنا کے

بازار ہیں جس کا دروازہ بقا کے شہر کی طرف کھلتا ہے اسکے موتیوں کی لڑیاں اپنے وجود اور اخلاق کی قیمت سے خرید لیتا
اور دوسری علامت ظاہری صورت و شکل کا محبوب کی شکل و صورت میں منتقل ہوجانا مع اور ویسا بہت ہی کم ہوتا ہے
ہوتا ہے لیکن یہ محبت کے شعلوں سے ناممکن نہیں ہے کیونکہ وہ طبیعتوں کو نرم کردیتے ہیں پھر یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ ایک جسم کی شکل
کرے سانچے کبھی پگھلا ہوا سونا دیکھا ہوگا جب اسے نقش و نگار والے تاج میں انڈیل دیا جاتا مع تو وہ ٹھنڈا ہوکر شکل اختیار
پس محبوب کی شکل اور اسکے اوضاع و اطوار اس تاج کی طرح ہیں جو ایک پگھلی ہوئی چیز کو محفوظ کرلیتا ہے پس یہ محبت مجازی کی
جب شکل اختیار کرلینا ممکن ہے تو عالم حقیقی میں اسکا بیان آنحضرت کے اس قول خلق اللہ آدم علی صورتہ سے سمجھا جاسکتا ہے کہ
لے آدم کو اسکی صورت پر پیدا کیا۔ جب کہ اسکا بیان انشاء اللہ آئندہ آئے گا۔ کیا آپ غور نہیں کرتے کہ اجسام نادیدہ ملائکہ جن اور
جب بھی وہ کوئی شکل اختیار کرنا چاہیں کرلیتے ہیں اور ناری صفت جو عشق کی آگ میں جلا ہوا ہے وہ خود بھی خالص آگ بن جاتا
کا اپنے محبوب کی شکل میں منتقل ہوجانا بعید (ناممکن) نہیں ہے۔ اور دوسری علامات بہت سی ہیں اگر آپ مراتب ترک کے ذکر میں غالباً
گے تو آپ ان علامات کو معلوم کرلیں گے بلکہ دوسری علامت تو مجنوں لیلیٰ کے قصہ سے بھی سمجھی جاسکتا ہے۔

اور اس کا مقصود یعنی وہ امور محبت پر مرتب ہوتے ہیں جیسے مجاہدات شاقہ سے چھٹکارا حاصل کرلینا کیونکہ محبت سے ایک
سریع جذبہ نشو و نما پاتا ہے جو طالب کو مطلوب کے وصول تک لے جاتا ہے۔ وہ ایک چند ھیا دینے والی بجلی بن جاتا ہے جو عقل کی آنکھ
اپنی چمک سے اچک کرلے جاتی ہے۔ اور محبت کے سوا اللہ تک پہنچنے کا اور کوئی قریب ترین راستہ نہیں ہے لیکن چونکہ اسکا برداشت کرنا
اسکی حفاظت بڑے لوگوں اور عقلوں پر دشوار معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا اولاً شریعت کی پابندی کا حکم دیا جاتا ہے تاکہ اسکی ابتدا
اس جذبہ کو حاصل کیا جاسکے جو خدا تک پہنچانے والا ہو۔ ورنہ کہاں مٹی کا پتلہ اور کہاں رب کا ئنات۔ پس محبت بجلی کا براق ہے جو طالب
تک پہنچا دیتا ہے۔ اور بے نیاز مسافت ایک لحظہ میں طے کرجاتا ہے بلکہ ایک لمحے میں اسے مرغوب تک پہنچا دیتا ہے پس شریعت محمدیہ
وسلم کا ظاہر محبت کے اسباب ہیں اور اسکا وسط محبت کی طرف جذبہ ہے اور اسکی انتہا عین محبت ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک
فرمایا۔ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت رکھیگا مرید
ہیں کہ ظاہر شریعت کا عامل سیر الی اللہ کی منازل میں جو مسافت پانچ سو سال میں مثلاً طے کرتا ہے یہی مسافت ایک محب
گھڑی میں طے کرجاتا ہے۔ بلکہ ایک آنکھ کے جھپکنے میں۔ اور شیخ اجل نے اپنے کلمات قدسیہ میں اسکی طرف اشارہ کیا ہے
بیوقوف صبر کی شجاعت صرف ایک ہی گھڑی ہے" یعنی صبر، نفس کا عشق میں روکتا ہے اور محبت، نفس کا اپنے محبوب کے
ہے۔ جب غیر کی بساط پلٹ گئی اور درمیان سے پرہیز اٹھ گئی اور آنکھ آنکھ سے لڑ گئی تو محبت میں محبوب ہوگیا۔ اور یہ تمام
میں ہوجاتا ہے لیکن اکثر یہ ایک آن مجاہدے بڑے مجاہدات اور تکلیف مالایطاق کی محتاج ہوتی ہے اور اسکے ارکان اور اسباب
تفصیل ہے جن کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ آئے گا۔ اور کوئی کوئی ایسا مرد بھی نکلتا ہے جو چمکنے والی بجلی کی طرح نکل جاتا ہے اور
اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت ازلیہ سے جذب کرلیا ہے۔ اور تمام راستوں کی اصل بنیاد محبت ہے اور اس کے درجات
ان کے بیان کی تصریح کریں گے اور اس کے ظہور کے توبہ سے تسلیم و رضا تک اور پھر اسے لیکر فنا اور بقا تک کئی مظاہر ہیں۔

اور تیسری علامت۔ چہرہ کا زرد پڑجانا۔ اور جسم کا کمزور ہوجانا اور کھانا پینا چھوٹ جانا اور دیوانگی اور جنگلوں اور ویرانوں کی طرف

اور ان کے جلووں سے انس کیلئے جنگل جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ درختوں کے پتے اور خنظل وغیرہ کھاتے رہتے ہیں جنگلوں میں بسیرا کرتے ہیں اس جلا دینے والی آگ میں جلتے ہوئے۔ بیان ہے یہاں تک کہ بعض تو حد اللہ تعالیٰ کے جلووں سے جل کر راکھ ہو جاتے ہیں اور بعض بیہوش ہو کر گر پڑتے ہیں اور اسی بیہوشی میں بعض تیس یا چالیس تک مبتلا رہتے ہیں پھر انہیں افاقہ ہوتا ہے پھر اسی طرح گرنے کیلئے مجبور ہو جاتے ہیں پھر افاقہ پاتے ہیں اور اسی طرح ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ خدا کا نوشتہ پورا ہو جاتا ہے۔

اور محبت والوں کی محبت کی چوتھی علامت یہ ہے کہ محبوبین کے گھروں کی طرف سے چلنے والی ہواؤں سے راحت محسوس کرتے ہیں ان کے پھولوں کی خوشبوؤں کو سونگھتے ہیں کہ ان کے گھوڑوں کے سموں کی آوازوں کو پہچانتے ہیں کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول یعقوب علیہ السلام کی حکایت میں نہیں سنا کہ میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں اگرچہ تم مجھے دیوانہ کہو اور بیان کیا جاتا ہے کہ زلیخا کی کمر دوہری جب زیادہ ہو گئی اور اس کا مال ان لوگوں پر نچھاور کرتے کرتے ختم ہو گیا جو اس کو یوسف کے احوال سے خبر دیا کرتے تھے اور فقر و فاقہ کے سوا اس کا کوئی ساتھی نہ رہا اس کی آنکھیں اندھی ہو گئیں اس کے کان بہرے ہو گئے اور یوسف کی زینت اور طلب میں دیوانی اور جو اس کا سامنے تو تھی اور پھر بھی اپنے مقصود سے بہت دور ہو گئی تو اس نے اس راستے پر ایک جھونپڑی بنائی جس راستے سے یوسف علیہ السلام اپنے لشکر سمیت نکلا کرتے تھے وہ آپ کو اپنے دل سے دیکھتی تھی جب یوسف علیہ السلام کا گھوڑا آتا اس کی باگ تھام لیتی اور اپنی حالت اور غم کو بیان کرتی اس کے غمگین سانس سے شعلے نکلتے تو یوسف علیہ السلام کی پگڑی وغیرہ جل اٹھتی۔ اور محب اپنے محبوب کی گلی کے کتے کی بھی تعظیم کرتے ہیں جیسا کہ مجنوں کے متعلق مشہور ہے اور ان کے قدموں کی خاک کو غنیمت جانتے ہیں ان کے محلوں اور خیموں کی طرف دیکھتے ہیں جن میں ان کے محبوب رہتے ہیں بلکہ ان گھروں کو بھی دیکھتے ہیں جن میں ان کے محبوب کا قدم ہوتا ہے بلکہ ان بادلوں کی طرف بھی جو ان کے محبوب کے خیموں پر سایہ فگن ہوں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ فرہاد جب شیریں کی ملاقات کی نعمت سے محروم ہو گیا تو اس حجرہ کی طرف دیکھتا رہتا تھا جس میں وہ رہا کرتی تھی جب اس کے لئے یہ بھی نہ رہا تو اس حجرے کی طرف دیکھتا جس میں اس کی تصویر تھی اور اگر اس کی بھی قدرت نہ ہوتی تو اس دیدار کی محرومی پر رونے لگتا جب اس کا رونا بہت سخت ہو جاتا اور اس کا غم بڑھ جاتا تو وہ آنکھیں بند کر کے اس کے خیالی جمالی کے انوار اور اسرار اپنے دل کے شیشہ میں قید کرتا اور ان کے مطالعہ میں مشغول رہتا اور جب اس خیال سے بھی محروم ہو جاتا تو پھر شیریں کے گھوڑے کے سموں کے نیچے سے مٹی کا سرمہ کر اپنی آنکھوں میں ڈال لیتا اور پھر اس وقت تک نہ روتا جب تک کہ وہ سرمہ اس کی آنکھوں میں رہتا یہ حال تو اس آدمی کا ہے جس پر محبت مجازی غالب آ چکی تھی۔

کہاں ہیں وہ ہوس پرست جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اے عاشقو! تمہارا کیا حال ہے عشق کا دعویٰ کرتے ہو اور سو رہتے ہو جتنی بھوک ہوتی ہے اسی کے مطابق لذائذ اور شہوات سے اپنے پیٹ بھر کر کھا لیتے ہو وہ محبت کہاں ہے جس کا پھل وصول ہے اور جس کی شاخیں قبول میں اللہ سے شرم کرو وہ کہ جس کے کمالات ظاہری نگاہوں سے نہیں دیکھے جا سکتے اور جس کی طلب میں اقطاب اور ابدال شہید مشہور ہوئے۔ تمہارے لئے ضروری ہے کہ اپنے دلوں کے سر سے تکبر کا عمامہ اتار کر پھینک دو اور شہود کے بدن حاصل کرنے کے لئے اپنے وجود کے لباس کو تار تار کر دو یہاں تک کہ تم عقل اور دلائل سے فانی ہو جاؤ اور مجاہدے کے جنگلوں کی طرف دوڑ جاؤ اور مشاہدہ کی آنکھ کے حیرانی کے عالم میں میدان کی ہر خوبی سے ہو اور شریعت محمدیہ اور طریقہ احمدیہ کے مجموعہ کی طرف دیکھتے رہو اور آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام کے سلوک کی سڑک پر چلنے

والوں کے قدموں کی مٹی پکڑ لو۔ اور اپنے دلوں کی آنکھوں کو بند کر لو اور اس کے جمال کا تصور کرو یہاں تک کہ تمہیں جمال حقیقی نظر آئے اور تم اپنی انتہائی آرزوؤں پر پہنچ جاؤ یہ ایک "آن" کا سلوک ہے اور شہود و عیانی ہے بلکہ وجود صدائی ہے اس کو نگاہیں نہیں دیکھ سکتیں لیکن پسندیدہ عقلمند لوگوں کے لئے عبرت کا سامان ضرور موجود ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ مجنوں سے جب وصال لیلیٰ کے دن چھن گئے اور ہجر اور فراق کی رات چھا گئی اور اس پر پردوں اور حجاب کے دن آ گئے تو سوائے غم کے اس کا کوئی ساتھی نہ رہا اور سوائے فکر کے اس کے پاس کوئی بیٹھنے والا نہ رہا اور بیقراری میں اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور ہجر کے شعلے اس پر بھڑکنے لگے تو اس نے اپنے قبیلے اور دوستوں کو چھوڑ دیا اور اور دوستوں سے اور دور ہو گیا اور جنگل کا راستہ لیا اور خالی میدانوں میں رہنے لگا جن میں بھوک کے لئے سوائے سوکھی گھاس کے اور کوئی ٹکڑا نہیں تھا اور مرے ہوئے جلے ہوئے عاشقوں کی آنکھوں کے آنسوؤں کے سوا کوئی پانی نہ تھا اس نے وحشی جانوروں سے میل جول شروع کیا اور پرندوں سے دوستی لگائی اور اسی جنگل میں سوائے لیلیٰ کے خیالی قد کے مشابہ اور کوئی سایہ اسکو میسر نہ تھا اور دیکھنے سوائے لیلیٰ کے وجود وصال کی آرزو کے علاوہ کوئی آرزو نہ رہی جب اسکو اسی حال اور اسی پریشانی میں بڑی مدت گزر گئی اور اسکے رشتہ دار اس کی خبریں معلوم کرتے رہتے تھے اور اسکے قدموں کے نشان سے فائدہ و بیدار ہوتا تھا جب اسکے حال کی خبروں کے معلوم کرنے سے مایوس ہو جاتے تو اپنے دل میں کہتے "اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جاؤ بیشک وہ رحم کرنیوالا اور بخشنے والا ہے" پھر ایک دفعہ بیقرار ہو گئے اسکی تلاش میں نکل کھڑا ہوا وہ جنگلوں اور وادیوں میں میدان کی ہرنیوں سے اس کا حال پوچھتا اور پرندوں سے اور وحشیوں سے خبریں معلوم کرتا یہاں تک کہ اسکو خبر مل گیا اس نے اسکو اسکے بیٹے سے ملا دیا جو دوست کے خیال کے تصور میں بڑی مدت سے ہلاکت میں پڑا ہوا تھا۔

باپ نے دیکھا کہ اسکے سامنے ایک سیاہ رنگ کا آدمی ہے جس کا چہرہ زرد ہے اسکے حال کے صفحہ پر دیوانگی کے قلم سے کچھ لکھا ہوا ہے اور اسکے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور آنکھوں کی بینائی اور ارادہ اور عقل پر نفسانیت کی تحریر تھی اس کا پیٹ جگر اور پہلو سے جا لگا تھا اس کی پسلیاں کمان کی طرح جھکی ہوئی تھیں اس کا چاند گہنا چکا تھا اس کے حالات غیر متوازن تھے پریشان بال اور غبار آلودہ، حالانکہ پہلے وہ باپ کے گھر میں بڑا خوش حال تھا اپنی ماں کی گودی میں عیش کرتا رہا اور وہ اس حالت میں بڑی دردناک آواز سے مجنوں کو پکارتا تھا۔ اور مجنوں محبت کے تخت پر ذلت کا تکیہ لگائے مست پڑا ہوا تھا اور بڑا پریشان تھا اس کے آنسو گر رہے تھے اسے باپ کے جاننے کا کوئی ہوش نہیں تھا۔ اور اس نے کوئی جواب نہ دیا باپ نے ایک صلا کیا اور کہا میں بڑی بیتاب ہوں اور تیرے لئے آئی ہوں تو مجنوں خوشی سے اٹھ کھڑا ہوا تو اس کا باپ اس کو ایک زاہد آدمی کے پاس لے گیا جس نے تقویٰ کی محبت کی چکھی تھی اور خلقت سے منہ پھیر لیا تھا اور اسکے دروازوں کو کبھی نہ کھٹکھٹایا تھا تو مجنوں کے باپ نے اس سے کہا اے میرے طبیب میری دوا اے میرے حاذق اے میری شفا بڑی مدت ہوئی بڑی دعاؤں کے بعد مجھے بیٹا ملا تھا اور میری امید بر آئی تھی اس کا حال آپ دیکھ رہے ہیں کہ اسکے جگر کو محبت اور بھوک کا زہر لگ گیا ہے اور عشق اور ہوا کے سانپ نے اس کو ڈس لیا ہے کہ اب یہ ایک پریشان دیوانہ ہو گیا ہے اور میری باتوں سے خاموش ہے اور بیماروں جیسی کیفیتیں اس پر طاری ہیں آپکے علاج کی برکت سے یہ شفا پا جائے اور آپ کا تریاق پینے سے صحت یاب ہو جائے۔

تو زاہد نے اس کا حال ملاحظہ کیا معلوم ہوا کہ اس کی نبض صفراوی رسوائی ہے اور اس کا مزاج اس آگ سے جلا ہوا ہے جو دل پر چھا جاتی ہے اور اس کے دماغ میں آگ کے شعلوں کی وجہ سے سکتے پڑ کر سرسامی کیفیت پیدا ہو گئی ہے اسے معلوم ہوا کہ یہ مریض کسی دوا سے اچھا ہونے والا نہیں یہ پرانا مریض ہے شفا سے طاقت ور نہیں ہو سکے گا طبیعت نے اس کے باپ کو کہا اس مریض کا علاج یہ ہے کہ چہرے کے رخساروں کی رنگت کا صندل ہو اور لیلیٰ کے قد کا سایہ ہو اور لیلیٰ کی حضوری کے حمام میں اسے نہلایا جائے تاکہ اس کے وجود کی پیشانی حیا کے عرق سے آلودہ ہو جس سے وہ فنا نصیب ہوتی ہے جس کے بعد بقا ہے۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ اسکو دوئی کے جگر اور وحدت کے آش جو اور فراق کے ماء اللحم کی غذا دی جائے وہ اس کے سرور کی طلطول کو پکائیں گے اور بکاء اور (ہجر) کا مسہل اس کے عزار کا مواد نکالے گا تو اس کے باپ نے سن کر کہا اے اللہ کے بندے اس کے لئے دعا کرو کہ کم از کم اپنے کپڑے تو نہ پھاڑے تو انہوں نے کہا ایک پیالہ اور کچھ مٹی لے آؤ اور کہو کہ یہ لیلیٰ کے کتے کا پیالہ ہے اور یہ اس کے گھر کی مٹی ہے پھر اس نے اس پیالے کو لیا اور وہ مٹی لے آیا اس نے وہ پیالہ اس کی گردن میں ڈال دیا اور مٹی اس کی آنکھوں میں ڈال دی پھر اس کے بعد وہ پیالے کے احترام کے لئے اپنے کپڑے نہیں پھاڑتا تھا اور نہ روتا تھا اور نہ آنسو بہاتا تھا اس خوف سے کہ مٹی آنکھ سے نہ نکل جائے لیکن خون اور آنکھوں کی بجائے اس کے منہ سے نکلنے لگے۔ اے وہ لوگو جو اللہ تعالیٰ عز اسمہ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعوی کرتے ہو تم اس مجازی عاشق کے مقابلہ میں سراسر ہوس ہو۔ ضروری ہے کہ یا تو تم یہ محبت کا لبادہ اتار ڈالو اور یا پھر ان لوگوں کے راستہ پر چلو جو تسلیم و رضا کے میدان میں فنا کے قدموں سے بقا کی منزل میں گئے ہیں اور آفات اور مصیبتوں کے پہاڑوں کی چوٹیوں سے نہ ڈرو کہ شجاعت ایک ساعت (گھڑی) کا صبر ہے اور دنیا ساری ایک ہی ساعت میں گزرنے والی ہے اس طرح جا رہی جیسے بادل جاتے ہیں اور اسی کی طرف رجوع و مآب ہے وہی ہر دروازے کا والی ہے۔

ایک عاشق کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی ایک آنکھ نہیں کھولا کرتا تھا لوگوں نے اس کے متعلق اس سے پوچھا تو یہ ہے کہ میری یہ آنکھ اکھاڑ کر پھینک دی جائے لیکن میں نے اس سے صرف بند رکھنے پر صلح کر لی ہے یہ وہ آنکھ ہے جس نے میرے طبیعت کے وداع ہونے کے وقت نہ آنسو بہائے نہ اس سے کوئی خون کا قطرہ گرا اب میں اس کو دنیا کے نہ دیکھنے کی سزا دے رہا ہوں۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ چونکہ اس نے آنسو نہ بہائے تھے وہ شرمندہ تھی وہ اس شرم سے کہ اس نے محبوب کے قدموں کی مٹی پہ آنسو نہ بہائے نہیں کھلتی ہو گئی اور اس کے فراق کی آگ کی جلن سے اس کی روشنی جاتی رہی ہو گی پھر وہی آنسوؤں کا پانی آگ کو ٹھنڈا کرنے والا اور خسارہ کو دور کرنے والا تھا۔ پاک ہے وہ اللہ جس پر بھروسہ ہے اور اسی سے غلبہ ہے۔

کہتے ہیں کہ جب زلیخا کو یوسف علیہ السلام رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر ملی تو اس نے اپنی دونوں آنکھوں کے ڈھیلے نکال کر پھینک دیئے۔ اور کہنے لگی کہ میں پسند نہیں کرتی کہ ان آنکھوں سے میں اب کسی اور کا جمال بھی دیکھوں جن آنکھوں میں یوسف کے جمال کا سرمہ ڈالا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ دستور تھا کہ عاشق بے قرار اپنے دوست کی کلام کے سوا کسی اور کی بات نہیں سنتے تھے اور محبوب کی کلام کے بغیر منہ سے کچھ نہ بولتے تھے وہ غیر کے متعلق صم بکم عمی۔ ذ بہرے گونگے اندھے ہو جاتے تھے اور محبوب کے گھر کے سوا اور کی طرف التفات ہی نہ کرتے تھے۔ اے ہوس پرست تو اللہ جل جلالہٗ اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعوی کرتا ہے اور تیری آنکھیں کان اور زبان غیروں میں مشغول رہتے ہیں یہ بیوقوفی اور غرور اور رعونت ہے ایسا نہیں کرنا چاہیئے اور دعوی بلا

Scanned by CamScanner

اور کسی طرف کبھی نہ دیکھے اور اپنے کان اسی کی طرف لگائے رکھے

دل سے شرم کرنا چاہیئے تیرے لئے ضروری ہے کہ محبوب کے بغیر اور کسی طرف کبھی نہ دیکھے ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بایزید بسطامی فرماتے تھے کہ تینتیس سال گزرے ہیں کہ میں نے اللہ کے سوا

مخاطب کرے اور اسی سے باتیں کرے ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بایزید بسطامی فرماتے تھے کہ تینتیس سال گزرے ہیں کہ میں نے اللہ کے سوا

کسی سے بات نہیں کی اور اسی کو مخاطب کرتا ہوں ۔ اے اللہ ہمیں وہم کے اندھیروں سے نکال اور یقین اور وصول کی

سے ہمارے حواس روشن کردے تو ہر چاہت پر قادر ہے اور دعائیں قبول کرنے کے لائق ہے ۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں

حکایت ۔ اسا زندگان ساز بیان اور بتیان کے سازنگی نواز جنون کے راز کا پردہ اور پر فنون گھنٹی کا ساز محبت

کی مجلس میں بیٹھنے والوں اور دل گدازی و جگر خواری کی محفل میں ڈیرہ ڈالنے والوں کی جان افزائی کے لئے اس طرح بیان

کرتے ہیں کہ لاہوت ولا مکان کی محفل کے محبوبوں کے سرتاج اور جبروتی و عرفانی مجلس مشہودوں کے سرگروہ یعنی ایسے بادشاہ

میں کہ اسکے ظہور کے نقارہ کے شور نے فرشتوں کے کانوں سے لحن تسبیح و تحمید کی روئی نکال دی ایسا بلند مرتبہ کہ اسکے انوار

کے خزانوں سے جانوں کے پیالوں نے ہر طرف سے اپنی جانوں کی گدائی کا منہ کھول دیا اللہ تعالیٰ پاک ہے کہ وہ کتنی دینے والا

کہ گنہگاری کے شہروں کے ننگوں کو اس کے وجود و شہود کے محبوبانہ جلوے ستاری و غفاری کی خلعتیں ہر دم عطا کرتے ہیں

نیکوکاری کے قافلہ سے پیچھے رہ جانے والوں کو اسکی سخاوت و شہود کی سخاوت سے وقت کی نقدی کی تھیلیاں کی تھیلیاں

ہیں ۔ اسکی طرف وابتغوا الیہ الوسیلۃ کو اپنا نشان بصارت بناؤ وسیلہ تلاش کرو ۔ شعر ۔ مہر سرور سے سردار عالم کہ ہر موئے خرجو دش روشن

ذرہ دگر قطرہ دگر مہر ۔ ز جلوہ تنس نہادہ نور در چہر ۔ محمد دنیا کے سردار و سردار ہیں کہ اُسکی سخاوت سے ہر بال مستفیض ہے ۔ (۲) اگر

کوئی خورشید ہے تو اس کا چہرہ آپ ہی جلووں سے روشن ہے صلے اللہ علیہ وسلم ۔ ایک یہودی کے بچہ کو توراۃ کے اوراق

گردانی کرتے ہوئے آپ کا نام خوش نظام یعنی محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم آنکھوں کی روشنی کا باعث ہوا اپنے باپ سے جو

کی تلچھٹ پینے والا تھا پوچھا کہ اے باپ یہ کسی کا نام ہے کہ اس کے ہر حرف کی سیاہی محبوبوں کے چہرے کے خال کی طرح

دکھائی دیتی ہے اور اس کے ہر لفظ کا قامت شکستہ دل پر غلامی کا خط تحریر کرتا ہے اس کی تحریر کے ریحانی جلووں نے میری

قطرہ پر غلامی کی تحریر ثبت کر دی جس قدر بھی میں طمانیت و آرام آمیز آوزدگی قلم سے لکھتا ہے نقطہ کے وجود کے صفحہ

محویت کے نسخ کو پیچ کر چکا ہے اس کے مرکز کے ہر دائرے نے میرے وجود کو پکڑ لیا ہے اور اس کے حروف کی سنبل زلف نے

نے میرے دل کے دماغ کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے ۔ میں اس مکتب میں اپنے آپ پر خوش ہوں کہ ازل کے استاد نے اس کو

میرے دل کے باغ میں گاڑ دیا ہے ۔ اور اس باغ میں میری طبیعت کی بلبل اس کے حسن کی گلزاروں میں چہچہاتی پھرتی ہے اسکی

دونوں جہان کی عزت و آبرو کی شراب کا دور جام ہے ۔ اور اس کی دال اور حا کا منہ خداوند احسان کنندہ کے سجدہ شکر میں

پر میوہ کی طرح جھکے ہوئے ہیں اس کا باپ جو کہ خالی صفر کے دائرہ کی طرح درمیان سے نقطہ عقیدت سے خالی اور تعلیمات

بات سے سین کی طرح بے مائیگی کے دانت باہر لایا اور کاف کی طرح پیچ و تاب کھائے اور ان ورقوں کو جس میں حضرت کا نام

اس سعادت کے مدرسہ کے بچے کے ہاتھ سے پکڑ لیا اور صندوق میں چھپا کر رکھ دیا اس نیک بخت بچہ نے کہا اے باپ میں

یہ کس کا نام ہے کہ اس کے انوار سے میرے دل کے ٹکڑے پر عشق و جنون کی بجلیاں چمکتی ہیں ۔ جب اس معمّا کے حل کی خواہش

حد سے زیادہ بڑھ گیا تو باپ نے اپنی زبان سراسر نقصان سے کہنا شروع کیا کہ اسے سمجھ بچے یہ ایک یتیم بچے کا نام ہے

Scanned by CamScanner

اس کے دیکھنے سے زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ بچے نے جب یہ بات سُنی تو عاشقانہ سودا نے مشتاق نہ آہ کے ساتھ اس کے دل میں اثر ظاہر کیا اور اس کی حرارت کی گرمی سے پارہ کی طرح بے چینی کی کٹھالی میں چھپے آفتاب کھانے لگا اور کہا اے باپ اس نام کے ہجر و فراق کے جھونکے سے باہر گرم تو نے میرے دل کے غنچہ کو پژمردہ کر دیا ہے اور میری زندگی کا باغ اس کے فراق کی ہوا کے مشورے رہ گیا ہے۔ ایک مرتبہ یہ نام جو کہ میری ہمیشہ کی زندگی کے لئے آبِ حیات کا چشمہ ہے اور نجات کی بہار کی ہوا ہے پھر میری جان پر جلوہ افروز فرما ہو سکتا ہے کہ نہر سے گذرا ہوا پانی واپس آ جائے اور میرے وجود سے نکلی ہوئی جان مجھے پھر مل جائے۔ تو اس کو یتیم کہتا ہے اور اس دُرِّ یتیم کی آب و تاب نے مجھ پہ زندگی کی بارش کر دی ہے۔ اور اس یوسف کے عشق میں بوڑھی عورت کی طرح عقل کے ہاتھ سے آرام کا رشتہ چھوٹ گیا ہے۔ بے خبر باپ اس عقلمند بچے کے سامنے تدبیر نے تسلی کی تصویر منع کرنے کے لئے دھوکے اور فریب سے بناتا اور اس بلند قسمت لڑکے کو اس طرح اور بھی طبیعت پریشان ہوتی جاتی۔ کوتاہ نظر بے نامے کہ حرفش لازوال التوبت۔ زوال معنی کے در خیال باپ نے اس کے سوا کوئی صورت دیکھا کہ انتخاب کے ... نام کو اس کا تختے سے دھو ڈالے۔ جتنا بھی وہ اس کو کل کل کر مٹاتا آپ کے مبارک نام کا جلوہ اتنا ہی زیادہ ظاہر ہوتا جاتا۔ شعر مبارک ہے وہ نام کہ جس کے حروف بھی لازوال ہیں اس کے معنی کا لازوال کیسے ذہن میں آسکتا ہے۔ آج نام محمدی کے حروف کو کاغذ کے صفحے سے دھو ڈالتے ہیں اور نہ نہیں مٹتا۔ خوش ہو جاؤ کہ وہ نورِ ایمانی جو محمدیوں کے دل میں ہے کل کس طرح زوال پذیر ہو جائے گا۔ یہودی حیلہ کرتا ہے کہ آپ کے مبارک نام کے حروف مٹا ڈالے وہ شرمندہ ہو جاتا ہے اور ایسی جو نورِ ایمانی کو ختم کرنا چاہتا ہے کس تمنا کا کام وہ ذلیل ہوگا شعر مبارک ہے۔ مبارک سموں برادر صد مبارک۔ کہ از نورِ نبی باشد مبارک وہ بھائی سو مبارک ہے جس کو نبی کے نور سے برکت مل چکی ہو وہ مبارک ہے وہ دل کا ٹکڑا کہ جس کی تختی پر توفیق الٰہی کی قلم سے یہ نام لکھا ہو اور جنایت بد قسمت ہے جان کا وہ ورق کہ قہر کی چھری سے اس تحریر کو اس کے صفحہ سے کھرچ ڈالیں۔ دریائے نیل کا پانی فرعونیوں کے لئے خون تھا موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لئے آبِ حیات و شہیدوں کے لئے تلوار کی آب ہمیشہ کی زندگی ہے اور کافروں کے لئے دنیا کی لذت بھری زندگی موت ہے۔ بیت۔ نہ قرآں گفت است رب العالمیں۔ جو یہدی شرہ بعض الآخرین۔ قصہ شکر تجمہ۔ در صفا سوز نقیب منفش شیریں شد تو۔ چونکہ قصہ بد زد صدا سے قصہ۔ با بدانہا سکی و کم بود۔ قرآن میں اللہ رب العالمین نے فرمایا ہے کہ وہ کچھ لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور کچھ لوگوں کو گمراہ قرار دیتا ہے۔ کڑوی شکر کا قصہ صفرا سے سُن۔ کہ اس کے تفیض سے مٹھاس ترش تر ہو جاتی ہے۔ چونکہ دونوں کا قصہ طولِ طویل رکھتا ہے چاہیئے کہ مدعا تحریر کیا جائے۔ چونکہ عشق محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کا جاذبہ اس خورد سال بچے کی عقل کے گریباں کو پکڑ چکا تھا اور وہ خورد سال بچہ بے رنگ حال ہو چکا تھا حیلہ کرتا تھا کہ چاہیئے کہ اس ورق کو کہ جس کو ذلیل باپ نے پھر صندوق میں رکھ دیا تھا اور اس سوختہ دل عاشق کی جان کو پاک محبت کے شعلوں نے مصیبت میں مبتلا کر رکھا تھا کسی وقت اس سے نکالے ہو سکتا ہے کہ دوبارہ زندہ ہو جائے اور خزاں دیدہ مدعا کے باغ سے ثابت کے پھول چنے۔ بیماری کے لئے تریاق مہیا ہو جائے اور ناتوانی کے کنوئیں میں گرے ہوئے کو خضر کا ہاتھ کھینچ کر باہر نکالے۔ پھٹے ہوئے سینے والی صدف اُس شہوار سے حاملہ ہو جائے اور امیدیہ آنکھیں دیدار کے تو بنا کے شوق سے پُر انوار ہو جائیں۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں ہم ٹوٹی ہوئی کشتی والے ہیں۔ اے ہوا موافق چل ہو سکتا ہے کہ ہم پھر اس یار آشنا کا چہرہ دیکھ سکیں۔

اتفاق حسنہ سے صوم نظر والا باپ اس برخوردار کے قسمت کے ستارہ کے طلوع سے نحوست کے ایام کی طرح گھر سے باہر

باہر گیا ہوا تھا جس اثناء میں درد والے بچے نے خیرہ گھر کو جو خالی دیکھا تو اسے بہتر غنیمت سمجھا صندوق کا ڈھکنا اٹھایا تو ان کے آئینے دیدار
دل سے بھی زیادہ وہ روشن سینے اور سوز و فراق کو بے اندازہ دل افشانی اور تازہ جان افزائی نصیب ہوئی۔ اسم جلالک کے حقیقت کیوں
انوار قدسی کا عکس اور قدوسی نشان اسرار کی شعاعیں اس نے دیکھیں پھر جب اس کے دیکھنے پر تجلی فرمائی تو اس کو بیٹھے بیٹھے کیا
بیہوش ہوکر گر پڑا ہے، تو اضطراب و بیقراری کی وجہ سے ماہی بے آب کی طرح گرداب حیرت میں سکین کی حالت میں ہو گیا
موتیوں کی گراں ما یہ امواج کی طرح اپنے موجود کے جامہ کو اپنے اوپر ٹکڑے کر لیا اور اسکے چیتھڑے اڑا دیئے عاشقانہ خاک سر پر ڈالی
بے چارہ اور عاجز زبان حال سے کہتا تھا اے صبا اگر تیرا گزر دوست کے ملک میں ہو جائے تو دوست کی خوشبو اور تقبیل کی
اور اگر اس کی بارگاہ میں تجھ باریابی نہ مل سکے تو دوست کے دروازہ کا غبار آنکھوں کے لئے لیتے آنا دید میں استغراق
وصل کی آرزو بہت دور کی بات ہے شاید میں خواب میں دوست کے منظر کا جمال دیکھ سکوں + اسی طرح کی باتیں کرکے
تھا اور جمال محبوب کے خیال کے مشاہدہ میں مشغول تھا اور جل رہا تھا اس حال میں اس کا بے مہر باپ گھر میں آئیگا۔ اس نے
دیکھ لیا اس کے کفر محل دل کے آتشکدہ سے کینہ کی آگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور اس بدانجام کو آرام کے گھر کو جلا کر
افسوس اور آہ کا آغاز کیا۔ بیٹے کو دیکھتا تھا۔ کر اس نے روح کی آرزو کے قدر محبت احمدی کی عقیدت کا جامہ اخلاص کے
سی لیا ہے۔ اس یہودی نے یہودی وضع سے نصیحتوں کے شربت کا پیالہ نکالا اور اس سوختہ جان کے منہ پر رکھ دیا کہ اے
تیرے وجود کی شاخ بوقت کے پھل سے بارور نہیں ہوئی اور تیری باریک بینی کی ساخوں پر ابھی عقل کے پھل نہیں لگے ہیں
انتظار کر کہ اس کا وقت آ جائے اس نے کہا اے باپ ساخ جتنی چھوٹی ہو زمین میں اتنی زیادہ استواری حاصل کرتی ہے۔

مثنوی ۱۔ چونکہ تو اندرونی آگ سے واقف نہیں ہے تو اس جنون کے معنی اور شان کو کیا سمجھے + چونکہ تیری رگیں دوزخ کی آگ سے
میں ہیں عشق کی آگ تجھ کو شفا بخش سکتی ہے۔ چونکہ تو ظلمت کے ویران خانوں میں آباد ہے اسی وجہ سے تو زہر قاتل میں آرام محسوس کرتا
تیرے سر پر کفر کے ملک کی خاک پڑی ہے تو اسے کس طرح چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے + چونکہ تیرا حلق صفرا کی آتش سے جلا ہوا ہے تیرے
میں شکر کا مزہ زہر معلوم ہوتا ہے + تو اندر کے سوز سے واقف نہیں ہے پھر تو اس جنون کے راہ داسم کو کیسے معلوم کر سکتا ہے +
دیوانگی دوست کی طرف میری رہنمائی اور تیری بے مغز جان پوست میں پابند ہی + اے بیخبر تو عشق کا تعرض چھوڑ دے اے باپ تو
اس حقیقت کے لائق نہیں ہے۔

اے بیخبر باپ۔ تو شان محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بے خبر ہے۔ ورنہ انکے اسرار و انوار کے جلوہ سے فنا میں چلا جاتا اور تجھے معلوم ہوتا
کہ حق کس کی طرف ہے اور زبان حال سے کہتا تھا بیت۔ اے بادشاہ خوباں داد از غم تنہائی۔ دل بے تو بجاں آمد وقت است کہ باز آئی
خوبوں کے بادشاہ تو نے مجھے تنہائی کا غم دیدیا۔ تیرے بغیر دل مرنے کو ہے وقت ہے کہ تو واپس آ جائے + باپ نے دیکھا کہ اسکے شوق کا
پرندہ مہر محمدی و محبت قدسی کی فضا میں بلند پرواز ہے۔ لہٰذا قید و بند کی زنجیر اسکے پاؤں میں ڈالنی چاہیئے۔ چنانچہ اس نے بھاری بیڑی
اس کے پاؤں میں ڈال دیں اور ہر روز فاقہ کی بلاکشی اور جگر کی خونخواری کے بعد اسکے حلق میں کڑوا طعام اور شور پانی ڈالتا
بصورت مگر مچھ بلائے بے درماں بن کر خشمگیں نگاہوں سے اس کے سر پر حملہ کرتا۔ اور دیکھ رہا تھا۔ زنجیروں اور قید و بند سے
نہیں بلکہ اس محبوب بے نظیر کے اشتیاق میں کبھی باد صبا کو خطاب کرتا اور کبھی درد بھری نگاہیں نیلگوں آسمان کے ستاروں کی طرف

نالہ و آہ کی دل اس کے درد اور زاری اور جگر خراشی سے پہلے کو پہنچ کر اسے جگر کے ٹکڑے آنکھوں کے پانی پر دل گدازی اور خونخواری
… پیروں کی تکلیف اور چشم … کی سم … کی وجہ سے وہ کہتا اے اماں مجھے ان چیزوں کا کوئی غم اور درد نہیں ہے بلکہ سرور عالم محمد مصطفی نے
… کے جمال جہاں آرا سے کی جدائی کا زخم کھایا ہے اور آپ کے فراق کا جانگداز زخم محرومی کی وجہ سے زہر آلودہ ہو چکا ہے ظلمت اثر
… اس کے لئے … دل میں آیا کہ میں رو رو کے جنگل میں پھیلا دوں ممکن ہے کہ چیلوں سے اس کا دل لگ جائے اور اس خیال کو چھوڑ
… اور … ساتھی … مشقت میں رکھیں ہو سکتا ہے کہ رنج و فاقہ کھینچ کر میری طرف توجہ کرے جب وہ سنسان جنگلوں میں یار و مددگار
… ساتھ ہوتا تو غم … کی وجہ سے پر خون دل اور دریا آنکھوں سے زار زار روتا اور اس کی زبان حال پر یہ بیت صبا بلطف بگو آن غزال رعنا را
… اے صبا نرمی سے اس خوبصورت ہرن کو کہہ کہ تو نے جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف ہمارا رخ کر دیا ہے + اور سوز و گداز کے ساتھ
… اسرار کا ساز … لاشریک پروردگار کے سامنے پوری نیاز مندی بجا لاتا اور اپنے سرو سامان جان کو اپنے محبوب کے پیچھے جنون کے کمند کے قبضہ میں
… اور درد کی ابتلائیں کھینچتا۔ اور صبر و مصابرت کے گوشہ میں انتظار کے دونوں کان مدعا کی بات سننے کیلئے حلقہ بگوش ہو جانے کا اہتمام
… شاخ کے انگور پر جگر کو زخمی کرکے اسکے خون کی آمیزش سے رنگدار کرتا اور اس پر حیرانی کے زعفرانی رنگ کے آنسوؤں کے تیل کی مالش کرتا
… ابرو کی کمان … مراقبہ میں بیٹھ کر آہوں کے تیر بدنصیبی کے چہرہ میں اپنے غم و رنج کا شکوہ … کرتا ہوں … کے نشانہ پر لگاتا جتنا بھی اس کا بلب
… سلامت جگر پر مارتا وہ جگر خوردہ جنون کے … تیروں کی نوک ناتوانی کے چاک سینے والی سوئی خیال کرتا اور جتنا بھی وہ راستی
کی راہ سے دور افتادہ تھا وہ حقیقت کی راہ کو پہچاننے والے کو سیدھا جانے سے روکتا۔ وہ حضور کی منزل پر دل رکھنے والا اسکی تمام زور آوری
… خیال کرتا۔ اسی طرح چند دن یا چند ماہ اسی غور و فکر میں گزر گئے قید کی بیڑیں اسکے پاؤں میں پڑی تھیں اور اس نے اپنا دل محبوب کی
زلفوں کی زنجیر میں دے رکھا تھا اور اپنا وقت گزار رہا تھا اور اپنا ماجرا بے زبان حال سے جو بھی ہوتا کہتا اور اپنے دل کو خیال کی تخیلوں سے تسلی دیتا اور
… اپنی مراد کا غنچہ کھلتا اور اس روز دن رات … کی طرح دوست کے خیال میں مدہوش رہتا۔ اتفاقاً ایک رات کہ سفید
… کی لباس پر نور کی … سراپردہ اسرار کے ساتھ لگا ہوا تھا اور زمین کے سطح میں چاند کی روشنی سے چینی کا فرش بچھا … کے ساتھ ہر دو غرار میں
… تھا یہ دل … لالہ کے غنچہ کی طرح شوق کی خواہش میں … آنکھوں سے روتا تھا اور درد دل کی سیاہی سے مدعا تک پہنچنے کی آرزو کی آوز
… اسکے دل ہزاروں ٹکڑے ہو چکے تھے اور اس کا چہرہ صد برگ کی طرح زرد ہو چکا تھا اور نرگس کی طرح انکی آنکھیں اشکبار تھیں سوسن کی طرح
اسکا زبان … کھو دی ہو چکا تھا۔ بابونہ کی طرح … ناچیز ہونے کی وجہ سے اپنی جگہ کا دل میں انجمن شہود میں حیران تھی منہ آسمان کی طرف کو اور ستارے گنتے
میں اپنی آنکھوں … دیکھتا چاہے محبوب کے چہرے کی طرح آئینہ انوار الہی تھا اور حسینوں کے چہرے کی طرح اسرار لامتناہی کی تجلیاں بکھیرتا تو زبان حال کہتا
اے چاند تجھے مبارک ہو کہ تو قدسی باغ کے سرو قد اور قدسی شجرہ دلستان کے صنوبر قامت پر چمکتا ہے اور تو اس حقائق و آگاہی کے دریا کی آبرو سے شناور
ہے اسی خیال میں عاشقانہ ہم خوابی اسکو جلوہ محبوب کے خیال میں لے گئی اور بیہوش کر گئی لیکن بیخودی سے خودی میں آئی اور وہ خوابیدہ کی حالت میں کہنے لگا اے
خدا لاشریک تو حضرت محمد کا خدا ہے کہ کے عاشقوں کو جو اسکے دیدار کی شراب کے جام پیں اسکے دیدار کی شربت سے شاداب کر دے اور وصال کے کوچے کے
بے چاروں کو … ہاتھ میں گدائی کا پیالہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہیں اسکے اسرار سے مالا مال کر دے۔ ذروں کو آفتاب سے ملا دے اور قطرہ دل کو موج
کی شعاعوں کی کمند سے کھینچ لینا تیری تقدیر کا معجزہ ہے کہ تنکا کو نگاہ سے لاتا ہے اور یہ تیری قدرت کے خوارق سے ہے کہ عاشقاں کی آہ کے نیزہ
… اور گداز … عاجزوں کا دستگیر ہے اے اللہ عاشقان زار کے حال سے واقف ہے میرے دل کا غنچہ تیرے حبیب کے فراق کی گرم لو

Scanned by CamScanner

سے ناکامی کا پیراہن میں جل چکا ہے اور میری کمزور آنکھیں انتظار کے رشتے سے مجبوری کی سوزن (سوئی) کے ساتھ سی جا چکی ہیں اگر تم اور صبا کو بھیج اور امداد کی انگلی کے ناخن سے توبہ کی گرہ کھول دے اسی اثنا میں وہ روتا ہوا بیدار ہوا اور قید کی بے چینی کی انتہا سے اس پرندے کی طرح جو پاؤں سے دھاگے کو کھولتا ہے یا اس پرندے کی طرح جو قفس کی تنگی کی وجہ سے ہوا میں اڑنا چاہتا ہے اس نے چاہا کہ زنجیر اپنے پاؤں سے کھینچ اور قید کے بوجھ سے چھوٹ جائے۔ تو ناگاہ دشمن رقیب بیدار ہو گئے اور اس قیدی دیوانے کی پاسبانی میں ہوشیار ہو گئے اسی عالم میں کہ طرف سے اضطرار تھا اور رقیبوں کے پاس اختیار تھا خداوند تعالیٰ جلیل رب جلیل اور ہر غافل و ہوشیار کی مشکلات کو کھولنے والا اور ہر گز اور انگوریاں پیدا کرنیوالے کا حکم آپہنچا اور نیند کا لشکر جرار اس بیتاب کی مدد کیلئے اُن پُر درد رقیبوں کے دلوں کی بستیوں پر تعین کر دیا اور کا تمام سامان اس فائدہ بخش لشکر کی لوٹ میں چلا گیا اور ہر ایک غفلت کی زنجیر کی قید میں پابند ہو گیا۔ ان میں سے ایک رقیب نے خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ سید عالم جو کہ عالم کے رازدان ہیں صلے اللہ علیہ وسلم اس کو فرماتے ہیں۔ اے بے چینی کے جنگل میں پڑے ہوئے رقیب کیا تجھ ہے کہ تو نے میرے دوست کے پاؤں میں بیڑیاں پہنا رکھی ہیں کیا تو میرے قہر کے سیلاب کی گرج سے نہیں ڈرتا تجھے چاہیئے کہ اس کی بساط کے دلدادہ اور ہمارے جان باختہ عاشق کو قید و بند سے رہا کر دے اور اس دلوں کی یکتائی و یگانگت کی ہوا کے پاؤں سے ہجر کے پنجرے کی کھول دے شکوہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دبدبہ کے معائنہ نے اسکے دل میں اثر کیا اور اس خواب کے صدمہ سے اسکی بیتاب آنکھیں بیدار ہو گئیں اس سے زنجیریں کھولدیں اور کہا جہاں جانا ہو چلے جاؤ مجھے عتاب محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کی طاقت و تاب نہیں ہے، وہ عاشق نظر بند کا اس آواز اور خوشی اندر سما نہ سکا گویا ہلاکی ہوئی جان والے کو آب حیات مل گیا اور وہ زمین ریحان کے پھول کھل آئے جیسے قیامت دیکھی تھی اسے جنت نظر آ گئی کا خون پیا تھا پیر ہرنگے کا باغ کھل گیا۔ اندھے کو نظر اور روشنی مل گئی اور جان میں تازگی آ گئی ڈوبتی ہوئی کشتی کیلئے خضر آ گیا اور فراق کی آگ دیکھ خورشید حقیقی کے انوار والے رخسار گلنار کے وصال کا وعدہ مل گیا اور ہجر کے ہولناک جنگل میں پڑے ہوئے کو محبوب کو توفیق و عنایت کے جذبہ نے کھینچ لیا کر دیکھو جو قسمت کا جو دن محبت اور پذیرائی کا بڑھا تھا اس سیلاب کی طرح کہ جو اپنی بے طاقتی کے باوجود دوری کی آرزو کے دریا در اصل ہو جاتا ہے نامی کیساتھ اور ال ہوا ہر لحظہ اس موجوں کی طرح حیرت کے گرداب کا پیالہ مدعا کے ہاتھ میں پکڑ کر اپنے آپ پیچ و تاب کھاتا اور اس مسافرت میں قدم بقدم کی شکست کھاتا تھا اور نامردوزی شروع کرتا اپنے خونیں آنسوؤں کی نہریں آنکھوں کے چشمہ سے جاری رکھتا۔ اور مدینہ کی بادلوں سے دیوانگی کی زنجیر اور پر لیٹا۔ آنسوؤں کا ہر قطرہ جو اسکی برسنے والی آنکھوں کے بادل کی طرح آنکھوں کی زمین کے رخسار پر گرتا وہ لاڈلے جمال والے محبوب کے وصول کا آئینہ گیر کے نظارہ کیلئے اسکی آنکھوں کے سامنے رکھ دیتا اور ہر قدم جو مدینہ کی راہ میں رکھتا اپنے آپ سے دور ہو کر بے خود ہوتا جاتا گویا کہ قطرہ کی طرح اپنی میں وحدت کے دریا کی آغوش میں ملتا تھا۔ تقدیر کہن فلکوں کی مسافت کرنیوالے زمین کی بساط کو اسکے سعادتمند پاؤں کے نیچے تنگ کر دیتی دائرہ میں دغلائی کا خط کھینچتے اور زمین کی زاری کے رگڑ در پیشے اپنی جانثاری کیلئے مشرق اور مغرب کے دونوں گوشے اس راستی کے ترکے لئے اپنے آپ کو دکھانے میان تنگ کر صبح کا آغاز اس صبح و منع محبوب کے وصال کا چہرہ دکھانے لگا یعنی سفر ختم ہو گیا اور صبح پھوٹ آئی بیت۔ فرزدہ اے دل کہ نوائے رہ وصال ناصر خبر ہے پیغام صفا ... احمد۔ اے دل خوشخبری ہو کہ مجھکو وصال کی آواز آئی اور خوشی کا قاصد کے پیغام کی گفتگو کرنے لگا۔ فراق کی سیاہ رات کی حیرانی کے سر سے قائم کیلئے سیاہ پردہ اٹھایا اور صبح کی محبوبہ نے وصال کے اور کی سرخی سے سرور و شادی کے رخسار چہرے پر غازہ و غالہ جب لمبی مسافت صبح پھوٹنے تک ختم ہو گئی تو دل سوختہ عاشق مدینہ کے دروازہ پر جو کہ نور کا خزانہ تھا پہنچ گیا۔

اتفاق سے صدیق یا سر رضی اللہ عنہ نے کہ ان کا چہرہ دونوں جہانوں کے سر پر ایک درخشندہ ستارہ اسکو دیکھ لیا اور اسکے

سے نورانی آیات پڑھیں اس صاحب حال سوالی کرنیکے لئے اپنے ہونٹ کھولے اے مشتری کے چہرے والے اے میٹھی نسبت والے تو کہاں سے ہے اور کون ہے اور کیوں آیا ہے اس نے کہا میں ایک مسافر ہوں۔ اور علاقے سے آیا ہوں عشق محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا سودا میرے دل کے اندر اٹھا ہے اور میں نے مسی بستی میں غربت و فراق کے آنسو وجود کے دامن پر گرائے ہیں۔ اگر آپ کو محمد علیہ السلام کی خبر ہو تو مجھے بتا دو ورنہ میں ان کا نشان کسی اور سے پوچھ لونگا۔ حضرت عمار نے کہا اے بیٹا میرے دل کے ٹکڑے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں قصہ مختصر یہ کہ اسکو اپنے ساتھ لیا اور اس جہاں آرائے محبوب کے بادشاہ کی خدمت میں لے آیا جبرئیل امین آپہنچے کہ اے محبوب علم یزل اور لائے مطلوب بے بدل آپ کا ایک نیا مرید آپ کو مبارک ہو اس کے سر پر لطف کا ہاتھ پھیریں کہ دو سو فرسنگ کا راستہ آپ کے عشق کی گرمی میں طے کر کے آیا ہے اور ہجر و فراق میں جو کچھ اس نے دیکھا اور برداشت کیا ہے وہ ناگفتنی ہے ہم نے دور و دراز کی راہ اس کے قدموں کی سیر کے نیچے لکھی ہے آپ اس کے سر پر سایہ کریں تاکہ وہ غم و اندوہ کی حرارت سے سینے کی سردی اور جان کی تازگی حاصل کرے۔ اور اس کا گوہر آپ کے چہرے کی محبت کے جلوے سے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکے۔ مثنوی۔

(۱) جب اس کے وصل کی لذت نے جان میں جلوہ دکھایا تو اس کے تمام غنچے پھول کی طرح کھل گئے۔ (۲) وصل کی لذت تمام لذتوں سے اچھی ہے۔ دل کے سوز کے لئے شبنم کا چھڑکاؤ سے زیادہ بہتر ہے۔ (۳) آنکھ وصل کی خوشبو سے دیکھنے والی ہو گئی۔ تو اس نے ان جلاء البشر کا راز پڑھ لیا۔ (۴) جس نے ہجر دیکھا ہو وصل کو وہی جانتا ہے۔ جس نے پیاز کھائے ہوں اس کے لئے ہر چیز میٹھی ہوتی ہے۔ (۵) محبت میں ہجر اور وصل ہی سامان ہے۔ ایک سے اندھیرا اور دوسرے سے روشنی پیدا ہوتی ہے۔ (۶) جس نے اندھیرا دیکھا ہو روشنی حاصل کر لیتا ہے۔ ورنہ جاہلوں کی طرح اپنا سینہ پھاڑ لیتا ہے۔ (۷) کاش اگر کفر کو معلوم کر لیتے تو سینہ کے صحن کو اس سیاہی سے دھو ڈالتے۔ (۸) انہوں نے کفر کو اس لئے پسند کیا کہ انہوں نے تمیز کی لذت چکھی تھی۔ (۹) کارواں بھی راہ میں تمیز رکھتا ہے۔ (۱۰) جس کو تمیز نہ ہو اس کو مردہ سمجھ۔ بے تمیز ہر وقت خسارے میں رہتا تھا۔ (۱۱) جان کے عشق سے بے تمیز اندھا ہوتا ہے۔ اور اسی لاعلمی میں ہر دوکان پھیرتا ہے۔ (۱۲) ابوجہل جہالت کی وجہ سے بے تمیز تھا یہی وجہ ہے کہ حق کے نور سے بے بہرہ رہا۔ (۱۳) جب تمیز آجاتی تو خداوند تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہوتا ہے۔ پھر ایمان لاؤ۔ نماز پڑھو زکوٰۃ ادا کرو سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ (۱۴) تمیز سے جن اور انسان بالغ ہو جاتے ہیں۔ اور بے تمیزی مکاری دھوکہ اور فریب ہے۔ (۱۵) اس کی پہلی قسم شریعت کی تمیز ہے۔ حقائق میں اسی سے اصل و فرع ثابت ہیں۔ (۱۶) تمیز کی انتہا خدا کا عشق ہے مبارک ہے وہ جو اس میں مبتلا ہے۔ (۱۷) عاشقوں کے لئے سینکڑوں درد و الم ہیں۔ اگرچہ بظاہر ان کا کام درست معلوم ہو۔ (۱۸) آخر انوار سے جمشید کا تخت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور حکومت کرنا ہر دم انکی حالت ہے (۱۹) تخت جم ان کا محل ہے اور صاف جام زندہ جم و جام جو فریب سے پر ہو۔ (۲۰) بقا کے ساقی کے ہاتھ سے ہر دم شراب کا جام نوش کر تاکہ تو باصفا ہو جائے (۲۱) قدسی جام سے شراب حاصل کر تاکہ تجھ کو وصل اور نگاہ کی لذت حاصل ہو۔

سبحان اللہ۔ محبت کا جام اور ساقی عاشق۔ اور شراب معرفت اور نیاز مندی کی صراحی کی قلقل اور آنکھوں کے پیالوں کی اشکباریزی اور بزم فنا و تسلیم البقا اور آہ اور آندوں کے نغمے اور ہجر و فراق کی سارنگی اور شوق کے قوال اور اشتیاق کے غزل خواں کیسی زندگی اور کیسی شان رکھتے ہیں۔ ہر آدمی کو جادو چشموں کے غمزہ کے امور اور انکی محبت کی لبسانی کی اطلاع ممکن ہے مجنوں قیس نے عشق کی شر و فساد آتش باری سے اپنے آرام اور جانبیت کا گھر جلا کر خاک سیاہ کر لیا آنکھ رشتہ پر اور نظر لیلیٰ کے سیاہ

Scanned by CamScanner

خسیرپرسی کی شیریں نے اس کی جان کی تابش کی حرارت کی صفر زندگی کی مٹھاس کے مزے کو تلخ کرلیا۔ فرہاد نے اس کے شکوہ سے اپنے وجود کے پہاڑ کو صبر کے پے در پے در دکر کے بیدریغ پھاڑ ڈالا۔ یوسف کی خریداری کے بازار میں زلیخا ایک بڑھیا سے زیادہ نہیں ہے اور عذرا وامق کی عذرخواہی میں اپنی فقیری اور زاری میں بے خود ہے۔ اس حیرت خصلت مجلس میں آہ کی سوئی اور نگاہ کے دھاگے سے سینے کے چاک سیتے ہیں اور اس لب طعنہ آموز پرجگر کا خون امین کمال کی حالت میں سپند کے دانوں کی طرح جلا ڈالتے ہیں جس خصلت آنکھوں کی شمعیں حسینوں کے لئے روشن ہیں۔ اس جگہ پر دانے اپنی جانوں کی جلا ڈالتے ہیں اور ابھی ایک ہی شعلہ اور لپک پیدا کی ہے۔ اس باغ کے گلعذاروں کے رخسار کی تاب نے دل سوختہ گان کے عیش کو عدم کے آتشکدہ میں جھونک دیا ہے اور اب تک اس کی شراب جانگداز نے کئی ردوں کی آبرو گرائی ہے۔ اس کے پانی کی موج نے پہلوانوں کی طبیعت سے آتش پیدا کی ہے اس شعلہ نے جس نے اس جانگداز آتشکدہ سے سر اٹھایا۔ روئی کی طرح جہاں کو عدم میں پہنچا دیا اور اس خالی جنگل کے خوف زاہوں کے آنسوؤں نے آتش کے ہزاروں اریا تیار کر ڈالے۔ بیت۔ ساقی ہوشیاری یا بد شراب عشق را۔ آتس ہوا نگا پا بد کباب جز را۔ عشق کی شراب کے لئے ساقی ہوشیار چاہیئے۔ اور عشق کے کباب کے لئے آگ ہمیشہ رہنی چاہیئے۔ چونکہ اس دائرہ حیرانی سرگردانی کے جنگل میں صاحب نظر اور کار آگاہ لوگ بھی حیران و ہراساں اور بے سروسامان ہیں لہٰذا جو نکتہ بھی اس قلم سے بیان ہو گا وہ خام طبعی ہوگا ہاں وہ دفتر جو جان سے لکھنے کے قابل ہیں زبانی تقریر میں وہ کہاں درست اداہو سکتے ہیں۔ بیت۔ محبت جاوداں نہاں درخلوت دلہا۔ چوں تارے صبح گم گردید ایں راہ زبیر منزل را محبت دلوں کی محبت میں ایک پوشیدہ راستہ رکھتی ہے۔ تسبیح کے دھاگے کی طرح یہ راستہ منزل کے نیچے گم ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اس قصہ ہدایت اور اس توجہ کی حکایت کا کچھ حصہ سچائی کے قلم سے تحریر کرکے میں اس لڑی میں پروتا ہوں اور عشق احمدی سے صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بہار کی ہوا میں نیک لوگوں کے غنچہ کو کھلاتا ہوں۔

تنبیہ! دینی بھائیوں کو اس بیان سے دو چیزیں حاصل ہوں گی۔ پہلی یہ کہ اگر ایک یہودی کا فرزند نام محمدی کے انوار میں اپنے آپ کو محو کرکے ذرہ کی طرح آفتاب کی شعاعوں کے سامنے اپنے سینہ کو رکھ دیتا ہے۔ اور جمال نادیدہ کے لئے اپنے سینہ کو آئینہ کی طرح بنا سکتا ہے تو افسوس ہے ان مسلمانوں کے فرزندوں پر جو باوجود عقیدت باطنی اور اندرونی قابلیت کے اس عزیز کی نگہداشت سے عبرت حاصل نہ کریں اور دل کو اس تعلق کے باوجود آنا دی کے جلوہ میں نہ کھولیں۔ **مثنوی**۔ (۱) محروم تو اپنے مال و دوست سے غافل ہوں۔ اور بیگانے اس سے آنکھوں کا نور حاصل کرلیں (۲) یار بیگانے ہوجاتے ہیں اور بیگانے دوست بن جاتے ہیں۔ پتھروں سے لالہ پیدا ہوتے ہیں اور باغوں سے کانٹے۔ (۳) درد والے کا درد ہوجاتا ہے اور تندرست بیمار ہوجاتا ہے۔ ہرن شیر بن جاتے ہیں۔ اور شیر مردہ ہوجاتے ہیں۔ (۴) مٹی سے پانی کی موجیں اٹھتی ہیں اور پانی خشک ہوکر مٹی بن جاتا ہے۔ چاک سل جاتے ہیں۔ اور رفو کئے ہوئے چاک چاک ہوجاتے ہیں۔ (۵) ذلیل لوگ عزت والے ہوگئے اور عزت والے ذلیل بن گئے۔ کھوٹے سکے چلنے لگے۔ اور چلتے ہوئے کھوٹے قرار پائے۔

یعنی چاہیئے کہ توضیحت کرے اور عبرت کا نقارہ بجائے کہ ایک کافر کا بچہ باوجود اندھیروں کے عشق احمدی کا

آب حیات نوش کرکے خضر راہ بن جاتا ہے۔ اور لوائے مسلمان باوجود نورانی آنکھوں کے قریب کے ویرانوں اور اندھاپن کے اندھیرے میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ سبحان اللہ اللہ کی شان بلند ہے جو قبول ہو گیا۔ وہ بغیر کسی سبب کے قبول ہو گیا۔ اور جسے ردّ کر دیا گیا۔ اسے بغیر کسی علت کے ردّ کر دیا گیا۔ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کر کے انوار کا باغ و بہار کر دیتا ہے۔ اور شیطان کو معلم الملکوت کے سے اتار کر ناسوت کے لعنت کے کوچے کی خاک بیزی سپرد کر دیتا ہے اس ملک الملک کے دبدبہ اور جلال کی کیا شان ہے کہ ایک ذرہ کی آغوش سے سینکڑوں سورج پیدا کر دیتا ہے اور خورشید کے چہرہ کی جبین پر اندھیروں کی گرد مل دیتا ہے۔ تو جسے چاہیے عزت بخشے اور جسے چاہیے ذلیل کرے۔ اس کے ناز کی بجلی کا سیلاب اور اس کے قہر و جلال کے ہاتھ۔ وہ جو بھی اس پر ہے وہ فنا ہونے والا ہے۔ اور باقی رہ جائے گی تیرے رب کی ذات۔ ناسوت کے مدہوشوں کی گوشمالی کے لیئے۔ مثنوی۔

(۱) وہ بادشاہ ہے جو چاہیئے سو کرے وہ دنیا کو ایک دم میں ویران کر سکتا ہے۔

(۲) آفتاب اس کے قہر سے گہنایا ہوا ہے اور چودھویں رات کا چاند اس کے خوف سے زرد اور گرہن زدہ ہے۔

(۳) وہ بادشاہوں کے سر سے تاج اتار لیتا ہے اور ان کو غلاموں کی طرح بنا کر ان سے مالیانہ وصول کرتا ہے۔

(۴) فرعون اس کے نیل میں غرق ہو گیا۔ عزرائیل نے اس کی جان برباد کر ڈالی۔

(۵) دلہنوں سے سرخ ڈوروں والی آنکھیں وہ چھین لیتا ہے۔ اور حسینوں کے رخساروں پر وہ داغ لگاتا ہے۔

(۶) اس نے پہلوانوں کو کمان کی طرح جھکا دیا اور خون کی جنگ کرنے والوں کے جگر میں قہر کا تیر مار دیا۔

(۷) قالین۔ فرش اور سنجاب و سمور سے نکال کر نازنینوں کو اس نے قبروں میں سلا دیا۔

(۸) مچھر کو اس نے دشمن کی جان پر فوج بنا کر بھیجا اور ابراہیم کے مشن کو اس نے بلند کر دیا۔

(۹) اس نے خاک کی عزت افزائی کی اور اس کا نام آدم رکھا اور مصطفیٰ کی شراب سے اس کو خوش جام بنایا۔

(۱۰) اے عقلمند تلوین کا قصہ تو خود سمجھ لے تو پہلے بھی مٹی تھا اور بعد میں بھی مٹی ہو جائے گا۔

(۱۱) تو پہلے خاک تھا پھر سبزہ بنا پھر دانہ پھر زنگیں کھانے کی شکل اختیار کی اس کی تمیز کر۔

(۱۲) اس کے بعد تو خون بنا پھر نطفہ ہوا پھر تو گوشت کا ایک بیجان ٹکڑا بن کر سویا رہا۔

(۱۳) پھر تیری صورت بنی اور ہڈیاں اور پھر تیرے روح اور خون کو دوڑا دیا اس راز کو سمجھ۔

(۱۴) پھر تو ایک مدت بعد سبزا در مادہ بنا اور کچھ مدت تک ماں کے پیٹ میں رہ کر باہر آیا۔

(۱۵) جب تو پیدا ہوا تو نے پستان کو پہچانا اور ماں کی گود کے بچھونے میں جا لیٹا۔

(۱۶) تو خوش ہو کر ماں کا دودھ پیتا رہا پھر کھانا کھانے کی خوشگوار نوبت آگئی

(۱۷) پھر تو بلوغت میں دن رات بڑھتا رہا اور عقل کی وجہ سے تیری جان سے سینکڑوں نے فروغ پائے

(۱۸) جب تو جوان ہو گیا تو مست ہو گیا اب تجھے پھول اور کانٹے کی کوئی تمیز نہیں رہی۔

(۱۹) مست اور بیوقوف بن کر مٹی پر گرا پڑا۔ پُر خمار مست اور مدہوش۔

(۲۰) تو ہمیشہ گدلی شراب پیتا رہا صاف شراب کی خبر نہیں اور دن رات حرص میں خمار بے صبر نہیں ہے ۔

(۲۱) ناگہاں بڑھاپے کا پیغام آپہنچا بال سفید ہونے لگے اور کیسی دلگیری پیدا ہوئی۔

(۲۲) طاقت کا لشکر بھاگنا اور دوڑنا شروع ہوا اور تو ابھی اس دھوکے میں مبتلا ہے کہ تو برقرار ہے۔

(۲۳) پنجاہ سال گئے پھر ساٹھ گئے ہی گئے اور پھر دولے کی آواز آئی اور چلی گئی

(۲۴) بیٹے ۔ بیٹیاں ۔ غلام ۔ یار ۔ دوست بے نوچھلکے کی طرح تجھ کو کفن میں پیٹنے لگے

(۲۵) تجھے مٹی میں سلا دیا ۔ اور پھر تو خاک ہو گیا اور تیری زندگی کا جامہ چاک چاک ہو گیا۔

(۲۶) پھر اس مٹی کو ہوا نے اڑی اور ذرہ ذرہ کر کے سینکڑوں بلاؤں میں ڈال دیا ۔

(۲۷) وہ جو کئی ملکوں کا بادشاہ تھا ہوا کی سواری پر بیٹھ کر فنا کو چلا گیا ۔

(۲۸) پھر وہ ہوا اس کو کبھی جنگلوں میں کبھی صحراؤں میں کبھی دریاؤں میں پھینکتی پھرتی ۔

(۲۹) کبھی گندگی آمیز کوڑی پر پھینکتی ہے کبھی کھیتوں میں کبھی شراب کی مجلسوں میں ۔

(۳۰) کبھی اس کو باغوں میں پھینکتی ہے کبھی پانی میں کبھی گھاس میں کبھی شہروں میں اور کبھی ویرانوں میں

(۳۱) پھر ہر طرف اس کا ذرہ ذرہ بکھیر دیا یہ عجیب بات ہے کہ یہ اپنے آپ کو بادشاہ کہتا تھا۔

(۳۲) بادشاہ وہ ہوتا ہے جو صفائی کی مجلس میں مصطفیٰ کے قدموں کے خاک بن جائے۔

(۳۳) آپ کے پاؤں کی خاک کو آنکھوں کا نور سمجھے تاکہ تمام نقصانات سے محفوظ ہو جائے ۔

(۳۴) محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوچہ کی گدائی سے آدمی غیر فانی ملکوں کا بادشاہ بن جاتا ہے ۔

(۳۵) اس کی خاک فرشتوں کے لئے خوشبو بن جاتی ہے ۔ وہ جان کی آنکھ کا سرمہ اور جن وانس کے لئے باعث رد

(〃) بن جاتا ہے۔

(۳۶) اے خداوند اے خدا رہے خدا ۔ اپنی کرم نوازی سے ہم پر ایک نگاہ ڈالی۔

(۳۷) ایک نگاہ ڈال تاکہ میں بے نیاز ہو جاؤں اور شریعت کے میدان میں خوشی سے مضبوط ہو کر چلا جاؤں ۔

(۳۸) محی الدین (شیخ عبدالقادر جیلانی) کے طریقہ میں مجھ کو باریابی فرما تاکہ میں ان کی طفیل بھلائی پاؤں ۔

(۳۹) ان کے رحمت کے پانی سے میرے دل کو زندہ کر دے اور اپنی رحمت سے مجھ کو ان کی بارگاہ میں باریابی عطا فرما

(۴۰) میرے وہم اور فہم کو حضور اور نور عطا فرما اور میرے حال سے بد نگاہ کو دور کر دے ۔

(۴۱) اے حبل المتین کے مالک اپنی بخشش سے مجھے دین اور یقین میں فاصل فرما ۔

اور دوسرا حصہ اس قصہ سے یہ ہے کہ اے چہرہ احمدی سے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشقو تم کو مبارک ہو کہ محبوب قدسی ہر چند کہ ناز وحسن میں نہایت بلند چوٹیوں پر جلوہ افروز ہے کہ نظر کا قاصد اور شوق وفکر پیادہ ان کی منزلیں قطع کرنے میں حیران ہے لیکن اس کا جان بخش جلوہ عشق کی زنجیر کے قیدیوں اور محبت کے دیوانوں کا ہر لحظہ دست گیر ہے چاہیئے کہ ہمت کے گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے وصال کی راہ پر دوڑو اور اس کے جمال کے

Scanned by CamScanner

خورشید کی آغوش میں ذرہ کی طرح تجکو ہوسکتا ہے کہ اس سے رخسار پرُانوار کی شعاعوں سے دوری کے پردے اور فراق کے حجاب جل جائیں۔ اور چیونٹی سلیمان کو پالے اور صدف کا منہ قبولیت کا قطرہ حاصل کرے۔ مثنوی۔

(۱) تو یہ نہ کہہ کہ ہم وہاں نہیں پہنچ سکتے۔ سخی لوگوں پر کوئی کام دشوار نہیں ہوتا

(۲) محبوب کے دروازے پر اپنے آپ کو خاک بنادے اور محبوب کے اصل کی خواہش میں خوشی سے دوڑ۔

(۳) اس کے چہرے کے سوا دوسروں سے اپنی آنکھیں بند کرلے اور اچھی نگاہ کو نگاہ سے ملا دے

(۴) جب تیرا دل اس کے رحم سے مل جائے گا تو پھر رحمت للعالمین پیدا ہوگا۔

(۵) جو اپنے آپ سے گم ہوا اس نے محبوب کو پالیا۔ سورج کی طرح وہ آسمان اور عرش پہ چمکا

جب کہ ایک کافر کا بچہ جس کو کفر کے اندھیروں کا زنگ لگا ہوا تھا آپ کے نام کی محبت کے یہ تو سے اس مرتبہ پر پہنچ گیا کہ اس کے ہر بال سے جیسے جان کی آنکھیں کھل گئیں۔ غور کرنا چاہیئے کہ اہل اسلام کی حالت کہ جن کے دل غیر کے تخیلاتوں کی گندگی سے پاک ہیں۔ کیسی ہوگی۔ مثنوی۔

(۱) آنکھیں کھول اور دوست کا نور سید محی الدین کے نور کی طفیل دیکھ۔

(۲) ہُو کے اسرار سے اپنی آنکھیں میں سرمہ لگا تاکہ تو چاروں طرف مصطفیٰ کو دیکھ سکے۔

(۳) مصطفیٰ رب العالمین کا محبوب ہے۔ ذرّوں میں اس کا نور بہترین مددگار ہے۔

(۴) اگر احمد مجتبیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا نور نہ چمکتا تو چاند کو سُہا ستارے کی آنکھ کیسے دیکھ سکتی۔

(۵) تو سُہا ہے اور آپ کا چہرہ بدر ہے تجھے جان و دل سے اس کا گرویدہ ہونا چاہیئے۔

(۶) اگر تو احمد کا نور چاہتا ہے۔ تو آجا اور سقانی الحب کاسات الوصال کا سبق پڑھ۔

(۷) ہُو کی محفل میں عشق کی شراب نوش کر تاکہ تو ہوش اور کانوں میں احمد کا نور دیکھ سکے۔

(۸) سقانی الحب سے تو ہُو کا نور حاصل کرے گا اور بال بال سے وصال کے پیالے نوش کر

(۹) جب سقانی الحب تیری جان میں چلا جائے گا تو تیرے ہر بال میں محبوبانہ جان پیدا ہو جائے گی۔

(۱۰) سقانی الحب سے یار کی راہ دیکھ دیکھ اور شاہ محی الدین کی گلزار کا جلوہ ملاحظہ کر۔

(۱۱) جب نور کی زلف ہوا پر لہرائے گی تو سقانی الحب سے نغمے سنے گا۔

(۱۲) میں نے سقانی الحب سے دوست کا چہرہ دیکھا ہے اس کی تجلی سے مغز و پوست صاف صاف نظر آتا ہے۔

(۱۳) مغز کیا ہوتا ہے؟ اپنے وجود سے محو ہو جانا اور سقانی الحب سے سینکڑوں شہود دیکھنا

(۱۴) اے عزیز! جب تو سقانی الحب پڑھے گا تو تیرے دل میں سینکڑوں تمیزیں پیدا ہونگی۔

(۱۵) جوش پیدا کرنے والی قدسی شراب تو حاصل کرے گا۔ اور پیالوں کے پیالے تیرے دل میں رستخیز پیدا کریں گے

(۱۶) تو ظاہر طور پر قدس کا ہنگامہ دیکھے گا اور ہر طرف روح کے گلزار اور جان کی نہریں ملاحظہ کرے گا۔

(۱۷) دل کے سمندر سے سینکڑوں موتی ظاہر ہوں گے اور رضوان (جنت کا داروغہ) آواز دے اے شہود والو۔

(۱۸) ہو گے جوش سے نوری حوریں چاروں طرف سے تاج و تخت لے کر آجائیں گے۔

(۱۹) ایسے باغ میں جن کے اندر صاف نہریں بہتی ہیں جن میں کوئی حجاب نہیں ہے۔ بالکل صاف و شفاف ہیں۔

(۲۰) ان میں محبوبوں کے چہرے نظر آتے ہیں اور اس کے عاشق ہر طرف سے شیدا ہوتے ہیں۔

(۲۱) آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نظارے کرتے ہیں اور زلفیں آپس میں لپٹی ہوئی جلوے دکھاتا ہیں۔

(۲۲) اس میں نفس کی موت کے سوا اور کوئی موت نہیں اور اس میں نفس کے موت ہونے کے سوا کوئی خوف نہیں

(۲۳) ہمیشہ کی زندگی اس میں ظاہر ہے اور اسرار کی دولت اس میں رائیگاں ہے۔

(۲۴) ہر طرف استبرق کے فرش بچھے ہیں اور ان کے جلوے جان و دل کو لے جاتے ہیں۔

(۲۵) ساقی الحب سے قدس کا جام نوش کر اور موز کے سمندر کی طرح بے آواز ہوجا۔

(۲۶) عشق کے سمندر میں موجوں کے بھنور نہیں ہوتے پانی خود بلندی کی طرف جاتا ہے۔

(۲۷) مجھ کو محبت نے وصال کے پیالے پلائے ہیں ساقی الحب کا ساقی الوصال ہے سینکڑوں طرف سے نکھلی نکال کی آواز آتی ہے

(۲۸) جب اس کا پانی بلندی کی طرف صفائی سے جاتا ہے تو عاشقوں کو بھی بلندی کی طرف لے جاتا ہے۔

(۲۹) اس سمندر کی کشتی مصطفیٰ کی شریعت ہے اور اس کشتی کو چھوڑ دینا سینکڑوں طلطیاں میں

(۳۰) جس کے پاس ان کی شریعت کی کشتی نہیں ہوگی۔ وہ غرق ہو جائے گا۔ شریعت کے تاج کے بغیر ملک کا کوئی بادشاہ

نہیں بن سکتا۔

(۳۱) جو نبی کی شریعت لئے بغیر سمندر میں اترے گا وہ فرعونی غرق بھی اور قہر کی پستی دیکھے گا۔

(۳۲) اگر موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے مدد مل جاتی فرعون یا بندۂ لعد کیسے ہلاک ہو جاتا۔

(۳۳) جو بے شریعت ہے اس کو فرعون سمجھ اور لعنت کا نیزہ اس کی جان میں گھونپ دے۔

(۳۴) جب شریعت کی کشتی تیرے ہاتھ میں ہوگی۔ تو تیرا تمام مال و دولت صحیح و سلامت چلا جائے گا۔

(۳۵) عشق کا بادبان بھی چاہیئے تاکہ بحرِ قلزم میں احترام سے جا سکے۔

(۳۶) ہر کشتی کے لئے بادبان لازمی ہے۔ اور ہر ملک والے بادشاہ کے لئے فوج ضروری ہے۔

(۳۷) جب تو نے قدس کا ملک دیکھا تو اس کے آئین بھی دیکھ۔ ساقی الحب سے یہ راز تجھے معلوم ہو جائے گا۔

(۳۸) محبت تجھ کو دمبدم فنا کرے گی تاکہ تیرے دل میں سینکڑوں کرم دکھائے۔

(۳۹) بقا سے تیرے دل میں نور بڑھے گا اور تیری مٹی سے آفتاب و مہتاب پیدا ہوں گے۔

(۴۰) جب بقا میں تیری مٹی نور بن جائے گی تو تیرا ذرا ذرا سینکڑوں روشنیاں دیکھے گا۔

(۴۱) تو نور ہو جائے گا نور دیکھے گا نور ہی نور ہوگا۔ اور ساقی الحب سے یہ حضور تجھ کو ملے گا۔

یعنی اپنے آپ سے گزر جا اور بے خود ہوجا اور نفس کے کفر کو ذلیل کر و اور اس کے برخلاف کر کے اس کے سینہ میں کانٹے چبھو دے۔ اور محبوب کی زلف سے دل کو تازہ رخسار کر اور فتنہ انگیز غمزہ سے نفس کی فوج کو شکست

دے۔ تجلی جلالی کی پے درپے ضربوں سے شیطان کا گھر مسمار کر دے اور محبوب کے جلوہ پرستی کے ملک کو قربان کر دے۔ اور معشوق کے چہرے اور بالوں کی قسم کھانے کے لئے والضحیٰ اور واللیل کا ورد کر۔ اور منصب معنوی کی تشخیص کے وقت الم نشرح لک صدرک کو یاد رکھ۔ محبوب کے اخلاق کی عادت ڈالی۔ اور ما رمیت۔ اذ رمیت کو درست بنا۔ وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ اور ان یشاء اللہ تیری تحریر ہونی چاہیئے اور محمدی شریعت علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات تیرا جامہ و خلعت ہونا چاہیئے۔ اور "ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ مگر اس کی ذات" "تیرا ہنگامہ ہو" اور "تیرے رب کا رزق بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔" "تیرا چکھنا اور سونگھنا ہو۔ اور "تیری عمر کی قسم" "تیرے محبوب کی قسم ہو۔ اور "تجھے تیرا رب عنقریب دے گا۔ پس تو راضی ہو جائے گا" تیرا شان و شکوہ و مطلوب ہو۔ اور "وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے" تیری بیماری کا علاج ہو۔ اور "اللہ ان کو سزا کیسے دے اور تو ان میں موجود ہے۔" تیری رحمت کا سرمایہ ہو۔

اے (صلے اللہ علیہ وسلم) دیدار احمدی کے عاشق تجھے چاہیئے پہلے نفس اسم محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر غور کرے۔ اور عبرت و اعتبار کی آنکھوں سے دیکھ کہ ان چاروں حروف میں کتنے راز ہیں۔ میم کو دوبارہ نہ سمجھو بلکہ ان دونوں میموں کو اسرار کا حلقہ جانو یعنی دو دائروں کا اشارہ ہے۔ اور ان دونوں دائروں کی بے شمار وجوہات ہیں۔ اگر ان کا بیان تفصیل سے لکھا جائے تو کئی اونٹوں کے بوجھ سے زیادہ ہو جائے گا اور پیمانے دماغ ادنیٰ اسرار سے عدم ادراک کی تنگی محسوس کریں گے۔ لاتدرکہ الابصار اس معنی کو پورے طور پر بیان کرتی ہے۔ ولا یحیطون بشیء من علمہ" اسی معنی کا اہتمام ہے۔ البتہ بقدر حال و استعداد اور تقاضائے وقت کے مطابق کچھ مختصر سا اس باب میں بیان ہوتا ہے۔

ہوشیار باش! ہوشیار ہو جا اور اسرار کے سمجھنے کے کام میں لگ جا۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ پہلا میم حلقۂ احدیت کا رمز ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے کوئی حرف نہیں ہے۔ "اللہ تھا اور اس کے ساتھ اور کوئی چیز نہ تھی" اور حلقہ کا اطلاق اس پر محض افہام اور تعلیم کے لئے ہے جب کہ اللہ تبارک تعالےٰ نے فرمایا۔ "کنت کنزاً مخفیاً" میں ایک مخفی خزانہ تھا۔" تو اللہ نے اپنے لئے جو خزانہ کا لفظ اطلاق کیا ہے۔ وہ محض بتلانے اور بیان کے لئے ہے جیسے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا تھا۔ جب کہ آپ کے صحابہ میں سے ایک آدمی نے آپ سے سوال کیا۔ اے اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ پر درود ہو۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی مخلوقات کو پیدا کرنے سے پہلے کہاں تھا۔ تو آپ نے فرمایا وہ عما میں تھا۔ اور عما ہلکے بادل کو کہتے ہیں اور اس کا مطلب عنقریب تم پہنچا تو گے۔ چونکہ سوال۔ أین (کہاں) کے لفظ سے تھا جو کہ مکان کے سوال کا تقاضا کرتا ہے۔ تو جواب میں لفظ فی لایا جو ظرفیت پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ دونوں لفظ افہام اور تعلیم کی تصویر کے قبیل سے ہیں۔ سوال کا مطلب خدا تعالےٰ کے وجود اور کیفیت کے عدم کی اطلاع تھی کہ اسے ازلی اور ابدی حیثیت سے نہیں سمجھا جا رہا ہے اور یہ جو آپ نے جواب کہ میں عما میں تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ اس کے متعلق علم کا کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ ہمارے علوم معلومات کے کیف سے متکیف ہوتے ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا

کہ یہ اس ذات کے متعلق سوال ہے۔ جو ہمارے ادراک سے باہر ہے بلکہ ہم سب اس مسئلہ میں عمائیں یعنی عدم علم میں ہیں یعنی اس کے متعلق کوئی علم نہیں ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ عما سے مراد خفیت بادل ہی ہو لیکن اس صورت میں اس میں استعارہ ہے کہ آپ نے اس کے متعلق آپ نے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کو بعدم تعلق الیشی کے ساتھ ایسی چیز کے ساتھ تشبیہ دی جو حجاب میں ہے۔ یا ایسے ستارے یا چاند سے جو بادل میں ہو اور اس ایک اور طرح سے عجیب لطف ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے روشن انوار کو اس طرح تشبیہ دی کو یا کہ وہ بدر کے گرد بادل کی طرح تھا پس یہ میم کا حلقہ اشارہ ہے۔ دائرہ احدیث کی طرف جس کا سمجھنا عقل کے احاطے باہر ہے۔ اس سے پہلے کچھ نہیں ہے۔ جب کوئی آدمی یہ نام بولے گا۔ تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام بولا یہی وجہ ہے کہ (صوفیاء) نے کہا ہے کہ ہو کا لفظ خدا تعالیٰ کے ذاتی اسماء میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ دائرہ تقسیم ہو چکا ہے۔ اور وہ ایسی ذات کا نام ہے۔ جو تمام صفات سے موصوف ہے۔ اور اس میں افعال و آثار کا ملاحظہ موجود ہے۔ یہی وہ ہے۔ کہ اس کو ایسے ناموں میں درج کیا گیا ہے۔ جو تمام افعال و آثار میں ممدس اور اس کے بعد رحمٰن کے لفظ کو لایا ہے۔ جو کہ دنیاوی فیض پر دلالت کرتا ہے۔ اور رحیم کو لایا ہے جو اخروی احسانات پر دلالت کرتا ہے۔

تو اس توجیہ پر حا کا لفظ میم کے بعد لانے میں اس معنیٰ کی طرف ارشاد ہو گا۔ جس پر لفظ ہو دلالت کرتا ہے اور وہ فی الجملہ صفات کے لحاظ سے مرتبہ ذات میں ہے اور سب سے پہلی صفت چونکہ حیوۃ ہے۔ تو صفت حیوۃ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے حیوۃ کا پہلا لفظ حا پسند فرمایا ہے اور وہ میم جو حا کے بعد ہے وہ حلقہ الوہیت کی طرف اشارہ ہے اور یہ مرتبہ ذات ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس میں تمام اصفات بھی ملحوظ ہیں جب کہ پہلے آپ نے پہلے پہچانا ہے اور دوسری میم کے حلقے کے بعد جو دال ہے وہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ یہ کمالات اس کے لئے دائمی ہیں جن کی نہ کوئی انتہا ہے نہ ان کو فنا ہے۔ دائم ہیں ہیں۔ ازلی ابدی ہیں۔ پس کوئی حقائق سے ناصر مصنوعات کے تغیرات کا لحاظ کر کے صانع کے تغیرات کا تصور نہ کرے کیونکہ ذات کاملہ کی صفات دائمہ میں قدیمی ہیں قصور اور فنا کا شائبہ بھی اس کے جلال کے پردوں کے اردگرد نہیں گھوم سکتا اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ قدیم ہے حکیم ہے۔ قدیم پر عدم طاری نہیں ہو سکتا نہ پہلے اور نہ بعد میں جب کہ یہ مضمون دوسری جگہ پر با دلائل بیان کیا گیا ہے۔ جو کچھ میں نے تجھ سے بیان کیا گیا ہے۔ جو کچھ میں نے تجھ سے بیان کیا ہے۔ اس سے یہ تو تم کو خدا کے فضل سے ظاہر ہو گیا۔ کہ اسم محمد کا ہر حرف کنز اکبر اور حقائق کلیہ کا جامع ہے۔ اور یہی کیفیت اسم احمدؐ کی بھی ہے۔ کیونکہ الف کے ساتھ ذات خالص کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ جس کو خالص احدیث کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تو احمدؐ کا الف اور محمدؐ کی پہلی میم گویا دونوں حروف ایک ہی قبیل سے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ میم میں ملاحظ

کا اجمال ہے۔ اور الف میں اس کی تفصیل ہے۔ یہ مضمون اللہ تعالٰے نے اپنے فضل و کرم سے اپنے اس ضعیف بندے کے دل پر وارد کیا ہے۔ تو عاشق کے لئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ وہ آپ کے اسم گرامی پر پہلے عاشق ہو جیسے کہ یہودی کا لڑکا اس کے انوار شہود دیکھ کر پر عاشق ہوا تھا اور وصال اور صعود پر فائز ہوا تھا۔ سبحان اللہ اللہ کی شان بہت بلند ہے یہ حال تو اسم محمد کے عشق کا تھا۔ اور خدا ہی جانے اس کے مسمیٰ محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر عاشق ہونے کے کیا کمالات ہوں گے۔ اے اللہ میرے دل کو محبت محمد کے نور سے روشن کر دے اور نور چہرہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف فرما جیسے کہ تو نے یہودی کے لڑکے کو اس نور اور شہود سے منور فرمایا تھا۔ سوائے طالب جب تو اس اسم مبارک کے مراتبہ کے لئے خلوت میں داخل ہو تو نہایت ضروری ہے۔ کہ تیرا دل خالی ہو اور روح جولانی کر رہی ہو۔ اور تیرے اندر اللہ تعالٰے کے نور سے روشن کیا ہوا چراغ جل رہا ہو وہ آگ جو دلوں پر طلوع کرتی ہے۔ یہاں تک کہ تو وہ چیزیں دیکھے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان کے نہیں۔ ان کا گزر ہوا۔ اے اللہ مجھے اپنے فضل و کرم سے آپ کے حالات سے مشرف فرما۔ اے بھائیو! اگرچہ یہ اس اسم شریف کے حروف کا مجمل مراتبہ ہے لیکن اگر کوئی عاشق صادق پوری طرح سچا قال دعوٰی کرے گا۔ تو اتنا کامیاب ہوگا جس کا کوئی اندازہ نہیں اور ایسی چیزیں دیکھے گا۔ جس کا رسمار نہیں اے اللہ مجھ کو بھی ان لوگوں میں سے بنا جو کامیاب ہیں اور بہ برکت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر ہزاروں صلوٰۃ وسلام اور رحمتیں اور برکتیں پڑھتے ہیں اور ہمیشہ اس حال پر رہتے ہیں۔

اور اس کے بعد بھی ضروری ہے کہ تو اسم محمد کا لغوی لحاظ سے بھی مطالعہ کرے اور یہ عوام کا مرتبہ ہے۔ اور اصطلاحی لحاظ سے اور یہ خواص علما کا مقام ہے۔ اور محبت کے لحاظ سے بھی اور یہ اولیائے کاملین کا مقام ہے جو خود سے فانی اور اللہ علی الکبیر کے ساتھ باقی ہو چکے ہیں۔ پہلا فرقہ تو آپ کی تعریف اس لئے کرتا ہے۔ کہ آپ قیامت کے روز گنہگاروں کے شفیع ہیں اور وہ یہی سمجھتے ہیں۔ کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالٰے کے برگزیدہ رسول ہیں۔،، اور دوسرا فرقہ آپ کی تعریف اس لئے کرتا ہے کہ آپ کمالات تک پہنچانے والے ہیں اور اپنے انوار کے علوم کے معلم ہیں۔ اور اپنے اسرار وہ اور اکات عطا کرتے ہیں۔ اور امداد فرماتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی کہتے ہیں کہ آپ تمام جہانوں کے لئے العالمین،، ہیں۔ اور تیسرا فرقہ آپ کی تعریف اس لئے کرتا ہے۔ کہ وہ خدا کے نور ہیں۔ جس نے بشری شکل اختیار فرمائی اور وہ بشر ہونے کے باوجود ہمارے عقول اور ادراکات سے باہر ہیں اور اس کے ساتھ ہی وہ کہتے ہیں کہ آپ کے دو نور کی مثال ایک طاقچہ کی ہے۔،، اور ہر فرقہ کے مقالات کی تفصیل اپنے اندازہ کے مطابق ہے انشاء اللہ تعالٰے آپ رضی اللہ عنہ کے قول وجدی صاحب العین

الکمال کے تحت آئی گی۔ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اے اللہ ہمیں دنیا میں بھلائی و آخرت میں نیکی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ اے بھائیو! غایات کا بیان بڑا لمبا ہو گیا۔ اور ہم نے شروع کلام میں تفصیل کا وعدہ بھی کیا تھا۔ اب ہم دلائل کے بیان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

فاضل نے کہا۔ اور باقی رہے۔ دلائل یعنی وہ امور جو محبت پر دلالت کرتے ہیں۔ یا وہ امور جو محبوب تک پہنچاتے ہیں تو اس میں ایک بڑی خوبصورت تفصیل ہے۔ اور پھر دلالت علی المحبت کی حیثیت سے تو مثلاً چہرے کا زرد ہو جاتا ہے۔ گوشت کا گھل جانا اور قوت سامعہ کا تیز ہو جانا اور محبوب کے جوتوں کی آواز سن کر دل میں جوش پیدا ہو جانا۔ وغیرہ ہیں۔ جیسا کہ زلیخا کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ کہ وہ یوسف علیہ السلام کے گھوڑے کے سموں کی آواز سن لیتی تھی۔ اور پہچان لیتی تھی۔ کہ وہ یوسف علیہ السلام کا گھوڑا ہے۔ وغیرہ ذلک اور یہ دلائل اتنے ہیں کہ جن کا شمار نہیں ہو سکتا کیوں کہ یہ واردات ہیں ان کے لئے کوئی مقررہ قاعدہ نہیں ہے۔ اور عاشقین کے انفاس کی تعداد کے مطابق ہیں۔ اور اس حقیقت سے علامات اور دلائل میں فرق نہایت دقیق ہے۔ اس پر کوئی عشق کے علوم کا ماہر ہی مطلع ہو سکتا ہے۔ اور باقی رہے۔ دلائل بہ حقیقت وصول تو وہ ہیں۔ مثلاً بال بچوں کو چھوڑ دینا اور جھگڑے کے آنے جانے کے راستہ کو اختیار کر لینا اور اپنی عزت اور حرمت کے جاتے رہنے کی پرواہ نہ کرنا وغیرہ اور طریق فنا میں جو منازل آتی ہیں۔ ان میں سے کسی منزل میں توقف نہ کرنا اور عقل سے بیگانہ ہو جانا وغیرہ۔

اور باقی رہے فضائل۔ تو یہ امور فاضلہ ہیں۔ جو محبت کی نشوونما سے حاصل ہوتے ہیں۔ جیسے کہ بندہ اپنی صورت کے لحاظ سے تو پانی اور مٹی کا پتلہ ہے۔ اور اپنی حقیقت کے لحاظ سے حیران ناطق ہے۔ جب اس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ تجلی فرماتا ہے تو اس کے دل کی زمین سے محبت کے چشمے پھوٹتے ہیں اور ان سے صاف نہریں جاری ہوتی ہیں۔ اور ان میں بے شمار موجیں اٹھتی ہیں اور دل کا تنور اس طرح جوش مارتا ہے۔ کہ کوئی اینٹ اور پتھر کا جسم ایسا نہیں ہے۔ جو اس مقدس پانی میں غرق نہ ہو جاتا ہو اور پھر وہ خطاب کرتا ہے کہ "اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان اب برسنا بند کر دے اور پانی خشک ہو جاتا ہے۔" جو تجلیات ابدیہ پیدا کرنے والا ہے۔ اور وہ کام پورا ہو جاتا ہے۔ جس پر انسان کو پیدا کیا گیا۔ تو یہ انسان تمام موجودات کے لئے آنکھ کی پتلی کا مقام رکھتا ہے۔ یہ ہر شاہد اور مشہود کے لئے بمنزل روح ہے۔ اس کے سیر کی کشتی بقا اور صفا کے جودی پر جا کر ٹھہرتی ہے یہ خود تو فانی ہو جاتا ہے۔ اور سلوک کے قاعدہ کے مطابق باقی ہو جاتا ہے۔ لیکن حلول اور اتحاد کی حیثیت سے نہیں جب کہ اہل الحاد نے گمان کیا ہے۔ اس سے خدا کی پناہ۔ اللہ بہترین مولیٰ ہے اور وہی رہنمائی کا مالک ہے۔ اور محبت کے فضائل میں سے یہ بھی ہے۔ کہ بندہ اس کی نشوونما کے سبب

حیات طیبہ کے ساتھ زندہ ہو جاتا ہے۔ جس کے لئے موت نہیں ہے۔ بلکہ اس کی حسی موت کے بعد اس کی زندگی زیادہ کامل تر ہو جاتی ہے۔ بلکہ کاملین تو اس ظاہری موت کی تمنا کرتے ہیں کیونکہ وہ ایک طرح کی زندگی ہے جس سے وہ اپنے محبوب حقیقی کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ کیا آپ نے نہیں سُنا کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس دار فانی سے دارالبقاء کی طرف انتقال فرمانے کا وقت کا وقت قریب آگیا تو آپ فرمانے لگے۔ فراق سے میری جلد کمر درہو گئی اور اسی طرح کے اور حکمات جو اس مضمون کو ادا کرتے ہیں۔ اور یہ معاملہ اس قاعدہ مقررہ پر مبنی ہے۔ جو صوفیاء میں مسلّم ہے کہ کاملین اپنے وجود کے باوجود جو ان کو حق تعالےٰ کے وجود سے نصیب ہوتا ہے اور خدا کے حیوۃ سے حاصل شدہ حیوۃ کے باوجود ان کی ایک ایسی حالت بھی ہوتی ہے۔ جس میں روح کا بدن سے علیحدہ ہوتا ہے۔ موتوفر ہوتا۔ دسواگر تم سچے ہو تو موت کی خواہش کرو اور اس کے فضائل میں بہت بڑی تفصیل ہے۔ وقت اس کو بیان کرنے کے لئے اقامت نہیں کر سکتا۔ تو ہم نے اس مضمون کو جیسا بھی وہ ہے۔ لپیٹ دیا ہے۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کے بعد کسی وقت اس بیان کو اور کی توفیق عطا فرمادیں۔ اور اس کی ترجمانی کو ظاہر کرتے۔

اور باقی رہے شرائط۔ اور یہ وہ امور ہیں جن پر محبت کا عروج اور عاشقین کا مواج اور منصب حب کی بقا اور اس کی نشوونما موقوف ہے۔ ان میں یہ بھی ہیں۔ کہ محب اپنے محبوب کے سوا اور کسی سے خوف نہ کھائے۔ اور اپنے محبوب تک پہنچنے کے لئے اپنی تمام ہمت صرف کر دے۔ اور ان وسائل کی طرف پوری توجہ رکھے۔ جن سے اس کو قبول کر لینے لذت اس کو حاصل ہو سکے۔ جب کہ فرہاد کے شیریں پر عاشق ہونے کے معاملہ میں بیان کیا جاتا ہے۔ کہ فرہاد باوجود اس کے کہ وہ ایک فقیر اور مفلس آدمی تھا اور اس کا محبوب دشیریں) انتہائی بلند مقامات پر فائز تھا۔ اسے انتہائی مشکل کاموں کی تکلیف دی گئی۔ مثلاً بلند پہاڑوں کو کھود کر نہر تیار کرنا۔ اور پھر اس نہر کو صاف خالص دودھ سے بھرنا وغیرہ تو چونکہ وہ اپنی ہمت میں راسخ (مضبوط) تھا۔ اور اپنے محبوب کے سوا اور کسی چیز سے نہیں ڈرتا تھا۔ تو اللہ تعالےٰ نے اس کی ہر آرزو پوری کر دی اور اس کا ہر سوال پورا ہو گیا۔

اور جب کہ مجنوں اور لیلیٰ کا معاملہ ہے۔ کہ مجنوں نے اپنی تمام تر ہمت لیلےٰ تک پہنچنے میں صرف کر دی یہاں تک کہ وہ اپنے وجود سے بھی الگ ہو گیا۔ اور لیلیٰ کے وجود میں ظاہر ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کے دل کے صفحہ پر صرف لیلےٰ کی کنپٹیوں کی تجلیات کی سطریں ہی اس کے مطالعہ کے لئے رہ گئیں اور اس کی سمجھ میں صرف وہی مضمون آتا جو کہ اس کی زلفوں

کے متعلق تھا۔ اور اس کی ادنیٰ ترین شرط یہ ہے۔ کہ محب اپنی زندگی کو اپنے محبوب کے سامنے اس طرح ختم کر دے۔ کہ جیسے اس کی کوئی قیمت ہی نہ تھا۔ بلکہ اس کو مٹی کا ایک حقیر ذرہ سمجھ کر اپنے محبوب کے قدموں میں ڈال دے۔ تاکہ اس کا محبوب اس کو اپنے پاؤں تلے روندے اور اس طرح اس کو ایسی زندگی نصیب ہو جائے جس کے بعد موت نہیں ہے۔ اور یہ اسی طرح کی بات ہے۔ جب کہ زاہدوں میں سے ایک آدمی کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ کہ وہ قربانی کے دن لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ کہ لوگ خدا کی راہ میں قربانیاں ذبح کر رہے تھے اور اس کے پاس اس وقت صرف اپنی زندگی کا اونٹ ہی تھا۔ وہ اپنی شہادت کی انگلی سے اپنے حلق پر ذبح کا ارشاد کرنے لگا اور کہتا تھا۔ اے میرے خداوند میرے پاس کوئی ایسا جانور نہیں ہے۔ جس کو میں قربان کر سکوں۔ میرے پاس تو صرف میری اپنی زندگی ہی ہے۔ میں اسی کو تیرے سامنے قربان کرتا ہوں۔ تو اسی وقت اس کا سر اس کی گردن اور کندھوں سے رنگ ہو گیا۔ کتنی اچھی یہ قربانی تھی اور کتنا اچھا قبول تھا۔ اور شیخ بزرگ ترین نے جو جلدٔ الخاطر میں یہ فرماتا ہے۔ کہ تو زبان سے تو کہتا ہے کہ میں تمہارا مرید ہوں۔ لیکن تو اپنے گھر میں اپنے مال کو سمیٹتا ہے،،۔ کا یہی مطلب یہ ہے کہ آدمی کو دل تو ایک ملا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس میں دو دل نہیں بنائے ہیں۔ تو ممکن ہے۔ کہ اس کے دو محبوب ہو سکیں۔ جب کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے مشہور نعرہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ ''اے باپ دل میں اللہ تعالےٰ کی محبت اور ہماری محبت دونوں اکٹھی نہیں ہو سکیں گی۔،، اور اس واقعہ کا انشاء اللہ آئندہ بیان آئے گا۔

اور اسی شرط کی نوعیت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مشہور عبارات کردہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کرنے وقت اپنے کلام میں بار بار کہہ جاتے تھے۔ کہ اے اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ''آپ پر ہمارے ماں باپ قربان،،۔ ان لوگوں نے اپنی زندگیاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے انتہائی خوشی اور سرور سے قربان کر دی تھیں۔ اور اس کو غنیمت سمجھتے تھے۔ جیسے کہ حمزہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے شہداء صحابہ۔ اور اس کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ محب کسی غرض سے بھی اپنے محبوب سے علیحدہ نہ ہو بلکہ اس کی صحبت میں فنا ہو جائے۔ اگرچہ بھوکا اور ننگا ہونے کی آگ ان کے بدنوں اور دلوں کو جلا کر خاک سیاہ ہی کیوں نہ کر دے۔ جب کہ فقراء صحابہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا جاتا ہے۔ صفۂ مسجد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہ کہ وہ لوگ بعض اوقات مہینہ مہینہ بھر تک کھانے کی خوشبو بھی نہ سونگھ پاتے اور کھجور کے پتوں کی چٹائیاں بن کر اپنے جسم ڈھانپتے لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت چھوڑ کر الگ نہ ہوتے یہاں تک کہ ان میں سے کئی ایک سردی اور بھوک سے فوت ہو گئے۔ اگر کبھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے کہ تم چلے جاؤ اور جا کر کسب معاش کرو کہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اور تم کو میری اور خداوند تعالےٰ کی دوگنی رضا نصیب ہو گی۔ تو ان میں سے ہر ایک بڑی عاجزی اور زاری سے عرض کرتا اے اللہ کے رسول آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو ہماری زندگی تو آپ کا دیدار اور آپ کی مصاحبت سے وابستہ

ہے۔ اگر ہم آپ سے الگ ہو گئے تو فوراً مر جائیں گے تو پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کے لئے نور اور عرفان اور رویت کی دوامی لذت کے لئے دُعا فرماتے ان کو لذت نصیب ہوئی جو کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سُنی پھر وہ لوگ اس مقام پر پہنچ جاتے جہاں پہنچے اور ساقی دائی (دور کرنے والا) کے ہاتھوں سے انہوں نے شراب خالص وصالی کے پیالے پیئے اور وصال کی شراب کے پیالے لنڈھاتے۔ وہ اپنی اس شراب کے جوان کے حصہ میں مقدر تھی اے ہمارے شراب ہماری طرف آجا اور اسی کی طرف شیخ بزرگ ترین رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے سقانی الحب کاسات الوصال کے قول سے اشارہ فرمایا ہے اے اللہ شیخ نائب اور نبی امی کی برکت سے ہمیں وصول کے پیالے پلا دے اور اس غافل بندے کو طریقہ قادریہ کے مقرر شدہ پیالے سے بہرہ فرما تو جسے چاہیئے۔ ملک دیئے دے اور اپنے حبیب اور ان کی آل اور صحابہ اور ان کے نائب پر رحمتیں نازل فرما۔ یہ شرط سب سے زیادہ ضروری شرط ہے۔ جیسے نماز کے لئے وضو ضروری ہے۔ لازمی ہے کہ محبوب کے دروازہ کی ملازمت کی جائے۔ یہاں تک کہ تمام مشکلات حل ہو جائیں۔ اور یہی وہ مضمون ہے جس کو شیخ بزرگ ترین رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اس لفظ سے تعبیر فرمایا ہے کہ الزم الباب منہ المبدا الیہ المآب (دروازہ چھوڑ کر نہ جا) اسی سے ابتدا ہے اور اسی کی طرف انتہا ہے۔

اب باقی رہے اس کی طریقے :۔ تو یہ وہ امور ہیں جو محبوب کی محبت میں فانی ہونے والے کے لئے ضروری ہیں کہ اسکے اخلاق ہمیشہ وہی ہوں جو اس کے محبوب کے ہیں کہ ان سے کسی وقت بھی محب خالی نہ ہو اور یہ کبھی تو شہودی ہوتے ہیں اور کبھی حقیقی۔ پہلے تو اہل شہود کے لئے ہیں جب کہ بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے ایک آدمی کو کسی نے سوال کیا کہ "تو کون ہے" تو اس نے کہا "اللہ" اور اسی طرح جو بھی اس سے سوال کیا جاتا وہ اسکے جواب میں کہتا "اللہ" جیسے مجنوں کی حالت لیلے کے عشق میں اس کا تذکرہ ہوا۔ اور یہ شہودی طریقہ ہے اس میں محبوب کی روایت کے غلبہ میں محب کی نظر اپنے وجود سے اٹھ جاتی ہے اور حقیقی طریقہ ہی اصل طریقہ ہے اور یہ صحیح طریقہ بر حقیقت میں نبوت کا ظل (سایہ) ہے اور ظاہر میں آنحضرت کی عبودیت کا اقرار۔ وہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اسکے بندے اور اسکے رسول ہیں۔ اور یہ طریقہ بہت ہی عزیز تر اور کبریت احمد کی طرح نفیس تر ہے اور شیخ بزرگ ترین نے اس طریقہ کے متعلق جو فنا فی اللہ سے پیدا ہوتا ہے۔ بیان کرتے ہوئے ان الفاظ سے اسکی طرف ارشاد فرمایا ہے۔ ربی ہی لاتخف اللہ ربی۔ اور اس طریقہ کے متعلق جو فنا فی النبی سے پیدا ہوتا ہے ان الفاظ سے ارشاد فرمایا ہے۔ وجدی صاحب العین الکمال صلی اللہ علیہ وسلم اور آخر درجہ فنا فی النبی ہے اور آپ نے قصیدہ کو اسی پر ختم فرمایا ہے یہ اس بات کی اشارہ ہے کہ عروج ذاتی کی جانب سے فنا فی النبیا ہی سالک کے لئے ترتیب اور مریدین کی ہدایت اور ارشاد کے لحاظ سے اصل مرتبہ ہے۔ کیونکہ اسی سے خود حاصل کرتا ہے اور اسی سے طالبوں کو عطا کرتا ہے۔ اور یہی وہ مضمون ہے جو آپ نے حلبۃ الحافظ میں فنا کے بیان میں فرمایا ہے۔ وہ کہ اس سے سب کچھ فنا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ اس کا رسول باقی رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ تعالےٰ کا دروازہ ہیں کیونکہ جب بھی کسی کو خدا تعالیٰ تک وصول ہوگا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہوگا۔ سو عروج بھی نبی کے ساتھ ہے۔ اور ارشاد بھی صحابہ پر رحمت نازل فرما اور مجھ پر طریقہ عالیہ قادریہ کے حقائق منکشف فرما۔ آمین۔

نوری موج :۔ جاننا چاہیئے کہ محبت کے چند ایک مراتب ہیں۔ پہلا مرتبہ تو ذات کی حیثیت سے ہے یعنی وہ مرتبہ جو

Scanned by CamScanner

احدیت جمع کی حیثیت سے ہے۔ بغیر اس بات کے کہ تعداد یا کثرت کی نظر کی جائے جیسے کہ محبت ازلیہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے ثابت ہے اور جسکی طرف ان الفاظ سے اشارہ کیا گیا ہے۔ "کہ میں نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں"، یعنی ماضی کے صیغہ سے جو استمرار انی پر دلالت کر رہی ہے اور زمانے اس سے منقطع ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ پر زمانہ جاری نہیں ہو سکتا لیکن اللہ تعالیٰ کی اکثر صفات ذاتیہ کا تذکرہ بھی ماضی کے الفاظ سے ہوتا ہے اور وہ استمرار ازلی و ابدی کا فائدہ دیتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول "کان اللہ علیما حکیما" اور وکان اللہ علی کل شئی قدیرا۔ تو ذات کا تقاضا تو ظہور شہودی ازلی ابدی احدی کا ہے جس میں ذات کی حیثیت میں کوئی کثرت نہ ہو لیکن انکے ظہور کا توقف وقت معین کے تعلق کا تقاضا کرتا ہے تو اس طریق سے بعد لوگ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ صفات زمانی ہیں لیکن خدا تعالیٰ اس سے پاک ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی صفات سب قدیمی ہیں پس صفات قدیمہ کے تعلقات حادث ہیں بلکہ اہل قوموں سے بہت سے لوگ تو اس طرف بھی گئے ہیں کہ تعلقات بھی قدیمی ہیں پھر افسوس ہے نہایت ہی افسوس ہے، ان لوگوں پر جو حدوث صفات کی طرف مائل ہو گئے اور انہوں نے جو کہنا تھا کہا۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کی بات سے بہت بلند ہے۔ پس وہ محبت جو اس ارادہ اور اقتضاء کی تفسیر کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے ثابت ہے، اسکے آثار مخلوق پر وقت معین اور وقتاً میں ظاہر ہوتے ہیں اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ تم میرا ذکر کرو میں تمہیں یاد رکھونگا یعنی تم مجھ سے ایسی محبت جو خالص میرے لئے ہو اور غیر اللہ میں کوئی دخل نہ ہو میں تم سے وہ محبت رکھونگا جو تمہارے لئے خدا تعالیٰ کے وصال کے ارتقاء تک پہنچانے کیلئے کافی و وافی ہو گی۔ بہر وہ محبت جو تمہارے دلوں میں پیدا ہوئی ہے وہ تمہارے متعلق خدا تعالیٰ کے تقاضائے قدیم ہی سے پیدا ہوئی ہے۔ تو گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھ سے وہ محبت رکھو جسکے درخت میں نے ازل کے روز تمہارے دلوں کی زمینوں میں لگائے تھے اور میں تم سے وہ محبت رکھونگا جو تم کو الی الوصال (خدا تعالیٰ تک پہنچا) حیثیت سے مکمل کر دیگی اور شیخ بزرگ ترین رضی اللہ عنہ کے ارشاد کے اس قول کا یہی مطلب بھی ہے، سقانی المحبۃ کاسات الوصال یعنی خدا تعالیٰ نے ازل میں مجھے ازلی رحیق (شراب خالص) پیدا کر دیا اور اسکی لذت نے مجھے اب علم میں کمال کی چوٹیوں تک پہنچا دیا چونکہ اس کا ظہور اس جسمانی نشاۃ انسانیہ کے ساتھ متعلق تھا۔ تو جب اللہ تعالیٰ نے مجھ سے محبت کا مطالبہ کیا اور مجھکو ذکر و فکر کا اور تم کے معانی میں غور کرنے کا حکم دیا تو میں نے اپنے شراب کے حصہ کو کہا میری طرف آ جا تا کہ میں تجھے پیوں اور جو باقی بچے وہ اپنے طالبوں میں تقسیم کر دوں کیونکہ زمین کو بھی شرفاء کے پیالے سے حصہ ملتا ہے،، اور سخاوت مجھ سے اسلئے صادر ہوئی ہے کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دینا اور عقبیٰ کا نائب ہوں تو انکے ظہور اور اظہار کے پیالوں میں میری طرف چلی اور دوڑی اور یہ جو اللہ تعالیٰ نے محبت کا تذکرہ ذکر کے لفظ سے فرمایا ہے تو یہ اشارہ ہے کہ محبت اور آخر محبوب کے ذکر کرنے کے شغل کو لازم قرار دیتی ہے جیسے کہ محبت کے درس میں قاعدہ کلیہ مقرر ہے اور وہ یہ ہے کہ جو کسی سے محبت رکھتا ہے وہ اس کا ذکر زیادہ کرتا ہے" پس اللہ تعالیٰ نے لازم کا ذکر کیا اور ملزوم کا ارادہ فرمایا یا اسلئے کہ ذکر کثیر وہ چیز ہے جس سے محبت پیدا ہوتی ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے جو میرا ذکر کرتا ہے میں اسے پہچانتا ہے۔ اور جو مجھے پہچانتا ہے وہ مجھ سے عشق رکھتا ہے اور عشق رکھتا ہے وہ مجھے محبوب رکھتا ہے اور جو مجھے محبوب رکھتا ہے میں اسے قتل کر دیتا ہوں اور میں جس کو قتل کرتا ہوں میں خود اس کی دیت بن جاتا ہوں۔،،

کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم جو ذکر کیا کرتے تھے وہ امت کی بخشش کیلئے ہوتا ہے سو امت کی بخشش کیلئے آپ کی محبت نے اس ذکر پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ ذاکر جب مریگا اور جب اٹھے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو قبر میں رکھا تو آپ کے ہونٹ حرکت کر رہے تھے میں نے کان قریب کیا کہ سنوں آپ فرما رہے تھے اے اللہ میری امت کو بخش امت کو بخش۔ سبحان اللہ آپ کو اپنی امت کی بخشش کا کس قدر خیال تھا ان لوگوں سے جا کر کہو جو آپ کی شریعت سے منہ پھیرے ہوئے ہیں اور پورے طور پر اہل وعیال کی محبت پر جھکے ہوئے ہیں اور اپنی

خواہشات کے قدموں سے فساد کی بستیوں کی طرف جاتے ہیں۔ اے غافل قوم ان غفلت کی نیندوں سے بیدار ہو اور اس بستر سے اٹھ بیٹھو جس پہ صحیح ہیں اور بیکار باتیں بھی ہو لی ہیں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تمام مخلوقات کا خالق ہے۔ عنایا کہ یہ خواہ ہے پھر محبت خدا تعالیٰ سے اپنے قدیمی تعلق کی بنا پر احدی ہے فردی ہے اور اس احدیث کا سایہ بھی دل کی حقیقت میں اسی طرح ہے۔ کیوں کہ وہ حقیقی نور کی چمک ہے البتہ اس کے عالم حسیّ کے تعلق کے سبب سے اسے طول متعدد اور متکثر کہتی ہیں اور اس تعلق کی بنا پر یہ سمجھنا وہمی امر نہیں ہے جب کہ وجودیہ صوفیا کہتے ہیں کہ اس عالم حسیّ میں جو کچھ بھی ہے وہم ہے اس کا کوئی وجود نہیں ہے وجود صرف اللہ تعالےٰ کی ذات کا ہے اور یہ صاف بیدینی ہے اس سے شریعت کا ابطال لازم آتا ہے اور یہ قول بالکل سوفسطائیہ کے قول کے قریب ہے اور اللہ ان کو رسوا کرے) جب کہ ہم ابتدائے کتاب میں ذکر کر آئے ہیں۔ بلکہ یہ بھی امر واقعی حسیّ وجودی ہے البتہ اس کا وجود وجود حقیقی کے برابر نہیں ہے۔ وجود حقیقی اگر سورج ہے تو یہ چاند ہے اور بعض وجودات میں سورج اور ستارے کی نسبت ہے اور بعض میں اس سے بھی بہت کم جیسے سورج اور ذرے کی نسبت اور بعض میں اس سے بھی بہت کم پس پہلا وجود تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ہے اور پھر اس میں بھی فرق ہے ان میں سے سب سے زیادہ طاقتور نسبت جیسے سورج اور چودھویں رات کے چاند کی ہے اور وہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مظہر اتم اور آدم سے لیکر عیسیٰ تک سب آپکے نور کے جھنڈے کے تحت ہیں۔۔۔ اور دوسری مناسبت جو ہے وہ درجات ولایت کے مطابق ہے اور یہ سب سے زیادہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے وجود میں ہے پھر درجہ بدرجہ۔ بلکہ وجود مناسبت اولیٰ کا اصحاب میں بھی متحقق ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل کے طور پر اور اس سے صحابہ کا انبیاء صلوات اللہ علیہم کے ساتھ برابر ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ ہم نے بتا دیا ہے۔ کہ صحابہ میں ظلیت ہے۔ پھر اس ظلیت میں بھی فرق ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ اور انبیاء کو ملی اور یہ امر ظاہر ہے کیونکہ انبیاء مرتبۂ نبوت میں ہیں جو ولایت کو بھی شامل ہے۔ اور صحابہ صرف مرتبۂ ولایت میں ہیں اور ان دونوں میں بہت بعد ہے۔ اور وہ جو کہا جاتا ہے۔ کہ "ولایت نبوت سے بہتر ہے" اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ قرب جو اللہ تعالیٰ کی طرف ہے وہ آپ کے مرتبۂ تبلیغ سے افضل ہے کیونکہ پہلا اللہ تعالےٰ کے لئے ہے اور دوسرا مرتبہ مخلوق کے لیے اور عنقریب ان شاء اللہ اس کی تحقیق آپ کو شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے اس قول وکل ولی لہ قدم وانی + علی قدم النبی بدر الکمال۔ (علیہ افضل الصلوات) کے تحت معلوم ہو جائے گی۔ اور پہلی مناسبت کی طرف شیخ اجل نے بدر الکمال کے لفظ سے اشارہ کیا ہے اور دوسرے مرتبہ کی طرف صحیح حدیث میں صحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم میں اشارہ کیا گیا ہے اور ستاروں کا آپس میں تفاوت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ کوئی ستارہ تو بدر سے پہلی نسبت پر ہے اور کوئی اس سے نیچے سوا ابو بکر رضی اللہ عنہ اس مناسبت میں سب سے پہلے ہیں پھر عمرؓ پھر عثمانؓ پھر علیؓ اور اسی طرح پھر دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اور اولیاء اللہ سب کے سب ان سے مرتبہ میں نازل ہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حدیث میں پہلی مناسبت کی طرف اشارہ ہے اور دوسری اپنے انواع واقسام کے لئے اشارہ ہے۔ تو یہ توجیہ بھی ہو سکتی ہے جبکہ ہر اس آدمی پر درجہ بدرجہ منکشف ہے جس کو اللہ تبارک وتعالےٰ کے نور سے کچھ بھی نسبت ہے۔ اور تیسری مناسبت درجہ بدرجہ عام مومنین کے لئے ہے یہاں تک کہ نور بالکل ختم ہو جائے اور اسکے بعد خالص ظلمت ہی رہ جائے اور وہ کفر کا درجہ ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی اس آیت کے منطوق سے استنباط کیا جا

ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور وہ گو
سکتا ہے۔ اللہ ولی الذین آمنوا اللہ ایمانداروں کا دوست ہے۔
جنہوں نے کفر کیا ان کے دوست شیطان ہیں۔ وہ ان کو روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ چونکہ ظہورات مختلف
ہیں لہذا محبت بھی مختلف ہے کیونکہ ہر ظہور بقدر محبت ازلیہ جو کہ اللہ تعالیٰ کی محبت ازلیہ کے سورج کے پرتو سے حاصل ہے
روشن ہے یا روشنی حاصل کر رہی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول یحبہم نے یحبونہ کو اس مرتبہ پر رکھا ہے جس لازم
کی محبت ان کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ اور یعنی معنی ہے یحبونہ کا یعنی اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے محبت ازلیہ کی
وجہ سے اور وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھتے ہیں اس محبت سے جو اس سے کمائی گئی ہے۔ اور حقیقت میں ہر محبت ازلی ہے
اس کو سمجھ اور شکر گزار ہو۔ اور روشنی حاصل کرنے والوں کی کثرت محبت کی کثرت من حیث التعلق کے اعتبار سے ہے اور
یہ محبت کا دوسرا مرتبہ ہے اور اگر اس مرتبہ کو تفریق جمع یا وحدت مفصلہ کا نام دیا جائے فی الجملہ اسکے جواز کی توجیہ ہے۔

اور تیسرا مرتبہ سو وہ عبارت ہے مستظل (سایہ حاصل کرنیوالا) کے تعلق اقتضاء سے ظہورات میں اقتضاء احدی سے بغیر
اس کے کہ وہ اس کا مستحق ہو سو محبت بذات خود ایک امر محمود ہے اگر اس کا تعلق امر محمود سے ہو تو اور زیادہ پختہ ہو جاتی ہے
اور اگر اس کا تعلق ایسی چیز سے ہو جو محبت کی مستحق نہیں تو محبت بگڑ جاتی فاسد ہو جاتی ہے۔ خسارہ اٹھاتی ہے اور
برباد کر دیتی ہے اور خسارہ اٹھانے والوں کے حق میں یہی محبت وارد ہے۔ (یحبون المال حبا جما اور وہ مال سے بڑی
سخت محبت رکھتے ہیں۔) اور پہلے اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔ پس محبت مومن اور کافر دونوں کو شامل ہے۔ لیکن فرق صرف
تعلق میں ہے۔ پہلے میں محمود ہے لہذا اس کی تعریف کی جاتی ہے اور دوسرے میں مذموم ہے۔ لہذا اس کی مذمت کی جاتی ہے۔ اور انبیا
علیہم السلام اور واعظ تو صرف ہی اس اظہار کیلئے کئے گئے کہ لوگ خبیث کے تعلق سے الگ ہو جائیں۔ اور پاکیزہ لباس مزین ہو جائیں کیونکہ
پاکیزہ پاک لوگوں کے لئے ہیں اور گندی چیزیں گندے لوگوں کے لئے ہر آدمی اپنی خصلت پر کام کرتا ہے اور ہر ایک کو وہی کچھ میسر آتا ہے
جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ جو حق کی طرف مائل ہوا وہ پاک ہو گیا اور جو اس سے پھر گیا وہ اپنے نفس پر پھرا سو یہ جہان امانت اللہ
کا عالم ہے اور اس کے متعلق کلام آپ کو عنقریب پہنچائیں گے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ پہلے جمال ہے اور دوسری کی بنیاد جلال پر یا پہلے کی لطف پر اور دوسرے کی قہر پر تو یہ توجیہ بھی ہو سکتی ہے
اور اس میں تفصیل ہے۔ جو بسط اور وضاحت کا تقاضا کرتی ہے۔ لیکن میں نے اجمال پر ہی کفایت کی ہے اور وہ یہ ہے کہ محبت کی
خالی پہلے دو فرق سے یا تو وہ خالق اور مخلوق کے درمیان ہو گی۔ اور یا پھر مخلوقات ہی ہو گی۔ اور پہلی پھر یا تو خالق کی طرف سے مخلوق
میں ہی ہو گی۔ اور پہلی پھر یا تو خالق کی طرف سے مخلوق کے لئے ہو گی۔ یا مخلوق کی طرف خالق کے لئے ہو گی اور ہر طرح پر یا تو پھر قہری ہو
گی اور یا لطفی اور پھر یہ قہری یا لطفی یا تو محبوب کے نفع پر مشتمل ہو گی یا ضرر پر اور ضرر یہ نفع یا صوری ہو گا۔ یا حقیقی اور ان میں ہر ایک
قسم کا ایک مقام ہے اور ہر قسم کا ایک تقاضا ہے تو ہم ہر قسم کی شرح اجمالی طور پر شروع کرتے ہیں۔

پھر وہ محبت جو خالق کو مخلوق سے ہے یا تو باعتبار ایجاد ہے اور اس کی تفصیل ابھی گزر چکی ہے اور یہ مجمل طور پر اس طرح ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے اپنے اقتضاء ازلی سے ارادہ فرمایا کہ مخلوقات کو وجود اور اسرار الٰہیہ کی خلعت سے سرفراز فرمائے تو اس نے مخلوقات کو اپنے
فیض کا مظہر بنایا انسان کے دلوں کو منور فرما لیا اور ان میں اپنے کمالات کا اظہار کر کے انکی حالت کو مضبوط فرمایا اور یہ بعض ا

دیکھتا ہی نہیں۔ اور اس کا خاص لطف تو اس بادشاہ اپنے غلام کے گھر تشریف لایا ہو ورنہ مٹی کے پتلے اور رب الارباب میں کیا نسبت۔ پھر جس آدمی نے اس خیال کو قبول فرمایا ہو کہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے نور ابدی اور رحم ازلی کی الفت پیدا کرتی ہے تو وہ دنیوی اور اخروی سعادتوں سے فائز ہوا جو ابدی اور اسے بھی اور محبت جیسے کسی محبوب مخلوق کے دل کے لوح پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ تو اس سے مخلوق کی جانب سے خالق کی طرف طلب کی جہت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو محبت ازلی کے دو رخ ہیں۔ پہلا تو خالق سے مخلوق کی طرف اور اس کا نتیجہ ایجاد اور آخرت تک کے تمام متعلقات ثمرہ ہیں اور دوسرا مخلوق سے خالق کی طرف اور اس کا خاتمہ تو دنیا سے متفارقہ و متنفر ہے اور رفیق اعلیٰ تک پہنچنا ہے۔ یہاں تک کہ خدا کا نوشتہ پورا ہو جائے اور اس کی انتہا وہ ہے جس کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے اشارہ فرمایا کہ زنا جلدی من الفراق میری جلد فراق سے کمزور ہو گئی۔۔ تو محب اور محبوب اس میں اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے لیکن اس کے سمجھنے میں وقت ہے جیسے خواص محققین کے سوا اور کوئی نہیں مطلع ہو سکتا۔ اور اس گہرے طریق میں سالکین کے قدم اکثر پھسلے ہیں۔ اللہ ملحدوں کو ذلیل و خوار کرے جو اتحاد و حلول کے قائل ہیں اور وہ بہت بڑے خسارے پر ہیں اور جہت توسط کے لحاظ سے زیادہ قریب اہل وجود ہیں جو وحدت وجود کے قائل ہیں اور ان کے کئی ایک فرقے ہیں کہ ان کے بیان کرنے سے مضمون لمبا ہو جائیگا اور ان سب سے ترقی یافتہ اہل شہود ہیں وہ ہیں تو اہل حق ہی میں سے لیکن ان میں بھی شریعت کے ظاہر مسائل میں مخالفت پائی جاتی ہے اور سب سے بلند اور خالص حق سے واصل وہ اہل تحقیق ہیں۔ جو قواعد شرعیہ کی حفاظت فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے روحوں کو منور کرے اور روحوں کو سرور بہجت عطا فرما۔

اور باقی رہا ناسوت اور گہرائیوں ہو کے گڑھوں سے نکال کر ملکوت اور جبروت اور پھر لاہوت کی بلندیوں تک پہنچانے کے لحاظ سے تو اس محبت کا حال اس اچھے بیج کا سا ہے جو زمین کی صلاحیت کے مطابق پھیلتا جاتا ہے اگر زمین میں شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے پیدا ہونے والے اعمال اور ایمان سے اچھی طرح ہل چلائے ہوئے ہوں تو یہ بیج بڑھ چڑھ کر پھیلتا ہے اور اچھی زمین اس کی سبزی نکلتی ہے اور پھر دن بدن اسی طرح بڑھتی جاتی ہے کہ زمیندار اسکو دیکھ کر باغ باغ ہو جاتا ہے اور پھر توفیق ازلی کی بارشیں کچھ اس طرح اس کی ترتیب کرتی ہیں اس کی ہر ہر بالی سو سو دانے کا پھل دیتی ہے۔ اور اگر اس میں ہل نہ چلے ہوئے ہوں تو اللہ تعالیٰ کا قانون تو یہی ہے کہ بیج ہل چلانے کے مطابق اگے لیکن اس کے فضل کی نہ کوئی انتہا ہے اور نہ اس کا کوئی سبب ہے اور اگر زمین اچھی نہ ہو اس میں لیکن اجزاء اچھے ہوں یا ویسے بالکل ہی ناکارہ ہو جس میں کوئی کسی قسم کا صلاحیت نہ ہو تو وہ زمین جس میں کچھ اجزا صالح بھی ملے ہوئے ہیں تو اس میں بیج اگتا تو ہے لیکن اس طرح نہیں جیسے پہلی زمین میں پیدا ہوا تھا اور ناکارہ زمین میں جب بیج ڈالا جائے تو وہ زمین کھا جاتی ہے ضائع ہے۔ اور ہلاک ہو جاتا ہے اور اگر وہ کچھ تھوڑا بہت اگے بھی تو وہ باقی نہیں رہتا ہے ہوائیں اڑا کر لے جاتی ہیں پھر وہ ایک صاف چٹیل میدان رہ جاتا ہے اور وہ بیج جو ناکارہ ہو وہ چڑمڑ ہو کر نکلتا ہے۔ تو بیج کی یہی نشوونما ایمان ہے اور پھر درجہ بدرجہ یہاں تک کہ وہ رضا تک پہنچ جاتا ہے پھر وہ ایک بہت بڑے ڈھیر کا مالک بن جاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ والا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ رب ذوالجلال کے رزق سے رزق حاصل کرتا ہے۔ "اور تیرے رب کا رزق بہتر بھی اور باقی رہنے والا بھی۔" پھر اس کھانے کے بعد بھوک نہیں رہتی۔ "میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا دیتا ہے۔" اس رزق کی طرف اشارہ ہے اور اللہ جسے چاہے بغیر حساب کے رزق عطا فرمائے اور اس رزق کا بیان اس مختصر کتاب میں نہیں سما سکتا ورنہ میں اس کا اظہار آپ کے سامنے کرتا لیکن اس میں خطرہ یہی ہے کہ اختلاط سے کام لیا جائے بس۔

میں مقصود کی بات کرتا ہوں۔

اس محبت میں اصل یہ ہے کہ جب بندے نے اپنے اس دشمن سے عداوت کی توفیق مل جائے۔ جو اس کے دونوں پہلوؤں میں ہے اور اس درندے سے جو اس کی ٹانگوں میں رہتا ہے تو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر محبت کا انعام فرمایا ہے۔ اب اس کے لئے ضروری ہے کہ نفس کی مخالفت شروع کر دے اور اسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا اور وہ لوگ جنہوں نے ہمارے بارے میں کوشش کی ہم ان کو اپنے راستوں کی راہنمائی کرتے ہیں ۱۱۔ اور اسے چاہیئے کہ نفس کی مخالفت سے صبح و شام شریعت کے قوانین کے مطابق کسی وقت بھی غافل نہ رہے۔ کبھی تو نرمی سے کبھی سختی سے۔ کسی چیز میں سختی سے اور مجاہدہ میں ابتداءً افراط سے کام نہ لے کہ نفس کو مار ہی ڈالے اس صورت میں یا تو دروازہ کھل جائے گا۔ اور یا پھر ضد کرنے والے گھوڑے کی طرح ہو جائے گا۔ تو نرمی از حد لازمی ہے کہ اس سے کچھ چیزیں چھین لے اور کچھ اس کو دیدے۔ مثلاً ابتدا میں اس سے محرمات چھین لے اور مباحات اس کو دیدے۔ اور جب اس کو اس کی عادت پڑ جائے تو اس سے مباح شہوتی چھین لے اور اس سے کم درجہ کی چیزیں دیدے۔ اور یہی طریقہ ہر کھانے پینے پہننے اور نکاح وغیرہ کے معاملہ میں کرتا جائے اور اسی کی طرف شیخ بزرگ ترین رضی اللہ عنہ نے حلیۃ الخاطر میں اشارہ فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تجھ پر لازم ہے کہ ابتداء میں تو اپنے نفس کو گندم کی خشک روٹی دے جب اس کی عادت ہو جائے تو پھر اس کی جگہ اس کو جو کی روٹی دے اور اسی طرح کرتا جائے۔ ۱۲ اور اسی کی طرف شیخ بزرگ ترین رضی اللہ عنہ کے اس قول میں اشارہ ہے کاسات الوصول۔ آپ نے اس میں جمع کا صیغہ ذکر فرمایا ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کوئی آدمی بھی سلوک کے بغیر نفس کی لگام پر قابو نہیں پا سکتا تو یہ نہایت لازمی چیز ہے اور وہ جذبہ ہو جو ایک آن میں کسی کو منزل مقصود پر پہنچا دیتا ہے وہ بہت ہی شاذ و نادر ہے اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ چاہیئے خال خال کو ملتا ہے اور یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت پر موقوف ہیں۔ ۱۳ اور اسی کو توفیق الہٰی کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور نہیں ہے مجھے توفیق مگر اللہ تعالیٰ کی مدد سے وہ مجھے کافی ہے۔ اور اچھا کارساز ہے۔

یہ تو محبت قدسیہ کا مطلقاً بیان تھا۔ اور وہ محبت جو مخلوقات کو آپس میں ہوتی ہے اس کی بھی کئی قسمیں ہیں ایک یہ ہے کہ محبت کمالات علمیہ کے تقاضا کے سبب سے ہو اور یہ علوم کی طرف پہنچانے والے ہوں گے یا امور صناعیہ کی طرف یا صنعتی کمالات کی طرف قطع نظر اس سے کہ یہ ان امور کی طرف پہنچا ئیں۔ یا نہ۔ سو وہ محبت جو ان علوم کی طرف پہنچائے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں۔ تو وہ اصل میں خالق کی مخلوق سے محبت کے اقسام میں سے ہے۔ اگرچہ وہ ظاہر ہے مخلوقات کی آپس میں محبت کی قسم معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ محبت جو معاشی ہے۔ وہ بھی کبھی کبھی محبت قدسیہ کا وسیلہ بن جاتی ہے کہ جب ضروریات معاش سے فراغت نصیب ہوتی ہے۔ تو عقل مند آدمی اللہ رزاق کی طرف رجوع کرتا ہے۔ تو اس طرح معاش کی وجہ سے اس پر وحدانیت کے دلائل چمک اٹھتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف کھینچے لیتے ہیں۔ اور اس میں تفصیل ہے جس کو ہم نے بہاڑوں جیسے ہونے کے باوجود لپیٹ دیا ہے۔

اور ایک محبت وہ ہے جو کمالات عملیہ کے تقاضے سے ہو اور پھر یہ اعمال علوم کی سابقہ تقسیم کی طرف عائد ہو گئے انہی کے بیان کے مطابق ان کا بیان بھی رد و قبول اور بلندی اور پستی کے لحاظ سے سمجھ لو۔ اور ایک محبت وہ ہے جو لولا تفاصل کے تقاضا کے مطابق ہو اور یہ محبت بھی سابقہ تقسیم کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ بعض لوگ لولا اسلئے چاہتے ہیں کہ انکے دینی کام میں وہ ان کا معین و مددگار ہو جیسے جہاد فی سبیل اللہ اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ اور یہی وہ چیز ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی کہ "میں تمہارے سبب قیامت کے روز دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔" اور وہ لوگ جو اولاد کو دنیا میں اپنی جائیداد یا سلطنت یا اپنے نام کی حفاظت کیوجہ سے چاہتے ہیں یا اسلئے چاہتے ہیں کہ انکی اولاد کسی چوری اور روشن شریعت کے مخالف کاموں پر مددگار ہو اسلئے چاہتے ہیں تو یہ لوگ غفلت میں ہیں انکی تجارت فائدہ مند نہ ہوگی اور نہ ہی وہ ہدایت پانے والے ہونگے

اور ان فرقوں میں سے ہر ایک فرقے کے محبت کے طریقے اور انکی شرطیں الگ الگ ہیں پھر خالق حقیقت کی محبت میں کبھی تو مصیبتوں اور جنگوں کا غلبہ ہوتا ہے جب کہ آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے لیکر عیسیٰ تک کے تمام انبیاءؑ اور اسیطرح افضل انبیاء صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین کیلئے ہوتا ہے کیونکہ حضور کو امت کی طرف سے وہ ایذائیں دی گئیں جو اور کسی نبی کو انبیاء صلوۃ اللہ علیہم اجمعین میں سے دی گئی تھیں اور یہی معنی ہے اس حدیث کا کہ سب سے زیادہ مصیبتیں نبیوں پر ہوتی ہیں پھر درجہ بدرجہ تو اس محبت میں بظاہر قہر اور غلبہ ہوتا ہے لیکن حقیقت میں محبت لطف پر مبنی ہوتی ہے اور بعض انبیاء علیہم صلوات علیہم کیلئے ابتداء میں محبت لطف کی تھی جیسے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کہ انہوں نے کہا "اے میرے رب مجھے وہ سلطنت عطا فرما جو میرے بعد اور کسی کو نصیب نہ ہو" پھر آپ کو ایسی سلطنت دیکر سلطنت سے معزول کر دیا اور ان پر مصیبتیں مسلط کر دیں تو یہ محبت آخر میں قہری ہو گی اور یہ طریقہ انبیاء کے لئے صرف معاشی امور میں ہے۔ باقی رہے آخروی امور تو یقیناً ان کے حق میں ساری محبت لطفی ہے کیونکہ کسی نبی سے بھی اللہ تعالے نے نبوت اور وہ کمالات نہیں چھینے جو ان کو اس نے عطا فرمائے تھے۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

اور باقی رہا اولیاءؒ کا معاملہ تو ان پر آزمائش معاشی بھی اور معادی بھی انکے لئے محبت قہری بھی ہے اور لطفی بھی اور یہی حال علماء اور شیوخ کا اپنے شاگردوں یا مریدوں سے ہوتا ہے کہ ان کی محبت انکے حق میں دونوں طرح ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہی حال مخلوقات کی اس محبت کا ہے جو محض معاشی اعتبار سے ہوتی ہے وہ لطفی بھی ہوتی ہے اور قہری بھی۔ تو لطف اور قہر دونوں ہی ہر محبت میں متحقق ہوتے ہیں لیکن انکی پہچان قابل صادق کی صادق کی محتاج ہے مگر کشف نام کی بھی اور یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے ضروری ہے کہ مرید اپنے شیخ کی سختی اور درشتی پر صابر رہے کیونکہ حقیقت معلوم ہونے پر پتہ چل جائیگا کہ اس کے قہر میں بھی ایک طرح کا لطف تھا اور یہ اس عقیدہ سے اقتباس کیا گیا ہے کہ "بندے کیلئے ضروری ہے کہ مصیبتوں میں اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہ کرے" کیونکہ وہ ارحم الراحمین ہے جو چاہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے حکم دیتا ہے اور ابلیس لعین کے علاوہ باقی سب مخلوق میں اس کا یہی انداز ہے اور ابلیس کے متعلق قہر متحقق ہو چکا ہے اور وہ اصولاً محبت کا محل نہیں رہا اور یہی وجہ ہے کہ وہ لعنت کا مورد ہو گیا جو غضب اور پھر ان کل کو واجب کرتی ہے اور یہی حال ان لوگوں کا ہے جو ابلیس کے قدم بقدم ہیں اور اسی پھر ان پر انکی موت ہو چکی ہے اگر آپ یہ سوال کریں کہ اللہ تعالیٰ کی تمام تمام مخلوق پر عادی ہیں یعنی ہر صفت ہر مخلوق کیلئے ہے تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ شیطان خدا تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہے۔ تو میں کہوں گا کہ واقعی معاملہ اسی طرح ہے جیسے آپ کہتے ہیں لیکن محبت کی دو طرفیں ہوتی ہیں ایک جہت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور دوسری بندے کی طرف سے پہلی جہت بذات خود تو متحقق ہے لیکن محل کے صالح نہ ہونے کی بنا پر اس کا اثر ظاہر نہیں ہو رہا۔ اور یہ اسی طرح کی بات ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ ممتنعات پر قادر نہیں "یعنی ممتنع (ناممکن) قدرت کے محل ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس میں یہ صلاحیت ناقص ہے تاکہ محذور

اعتراض لازم نہ آئے۔ اور اس میں بہت سی تفصیلات ہیں۔ اس کو آپ اسی بیج اور نمکین زمین کی مثال سے سمجھ لیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ محبت کے افراد میں سے یہ بھی ہے۔ کہ خلعت وجود اور کمالات اس نے عطا کئے اب اگر سعادت آخروی نہ بھی ہو تو پھر بھی محبت مکمل ہے۔ تو اس طرح اس سے یہ وہم پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ صفت محبت کل موجودات کا احاطہ نہیں کرتی ہے۔ اے اللہ ہمیں اپنی محبت عطا فرما اور اس ذات کی محبت عطا فرما۔ جو تجھ سے محبت رکھتے ہیں۔ اور ایسے اعمال کی محبت عطا فرما جو تیری محبت سے ہم کو قریب کر دیں اور اپنے آپ نبی اور ان کی آل اور ان کے صحابہ اور ان کے نائب اور سب نیک لوگوں پر رحمت نازل فرما۔

لطیفہ چھٹا:۔ نہایت ضروری ہے کہ آپ سید عبدالقادر رضی اللہ عنہ مقبول بارگاہ کے مواہبات (لطائف رشیں) سے جو کچھ قصیدہ زرین پر وارد ہوتا ہے ان کو محفوظ رکھے اور وہ یہ ہے کہ یہاں کچھ الفاظ بیان ہو گئے ہیں جو اپنے مفہوم میں قریب قریب ہیں اور اپنے معلوم (مطلب) پر سب ہی صادق آئے ہیں اور وہ الفاظ یہ ہیں۔ ود۔ عشق۔ میل۔ محبت۔ مودت۔ اشتیاق۔ اور شوق اور جو الفاظ انکے ہم معنی ہیں لوگوں نے ان الفاظ میں فرق کرنیکا قصد کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ میل سب سے پہلا درجہ ہے حق کی طلب میں موافقت طبع سے خروج کر کے لوفات نفسیہ کو ترک کرنے کا جب اسکا اعادہ بار بار ہوتا ہے تو پھر اس کا نام مودت ہے جب یہ نہایت پختہ ہو جاتی ہے تو اسکا نام محبت ہے پھر اسکے بعد شوق کا درجہ ہے پھر اشتیاق کا۔ کیونکہ دیدار ہو جانیکے بعد شوق میں سکون پیدا ہو جاتا ہے اور اشتیاق میں بیقراری اور اضطراب اور بڑھ جاتا ہے۔ اور بعض نے اسکے الٹ بیان کیا ہے اور کہا ہے۔ اشتیاق اہل طریقت کے لئے ہے اور شوق اہل حقیقت کیلئے یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللّٰھم اسئلک الشوق الی لقائک۔ اے اللہ میں تیری ملاقات کے شوق کا تجھ سے سوال کرتا ہوں۔" اور اسی کے قریب قریب شیخ مخزوم نکا الحق والدین سے بھی منقول ہے کہ سب سے محبت ہے اسکے بعد اشتیاق اور اسکے بعد شوق کیونکہ اشتیاق ملاقات سے کم ہو جاتا ہے۔ اور شوق کم نہیں ہوتا شعر۔ جمال در نظر و شوق ہمچناں باقی۔ گدا اگر ہمہ عالم بدو دہند گدا ست۔ جمال نظر میں ہے اور شوق اسی طرح باقی ہے۔ فقیر کو اگر تمام جہان بھی دیدیا جائے تو وہ پھر بھی فقیر ہے۔" اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ شوق اور اشتیاق دونوں ہم معنی ہیں اور میرے نزدیک درمیانہ قول زیادہ بہتر ہے پھر ود کہ شوق۔ اور اشتیاق کے بعد ہے۔ اور وَلَہ کے بعد عشق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول والذین آمنوا اشد حبا للّٰہ اور ایماندار اللہ کی محبت میں زیادہ سخت ہیں۔" میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اور طلب اور ارادہ یہ دونوں عبارت ہیں بندے کی اپنے مطلوب مراد کے حاصل کرنے کیلئے کوشش تردد کرنے سے"۔ اور اس فرق معنوی کے بیان میں ان کی بہت سی عبارتیں ہیں جن کو نقل کرنیکا وقت گنجائش نہیں رکھتا میں آپ سے وہی بیان کرونگا۔ جو اللہ تبارک و تعالےٰ نے میرے دل پر بہ برکت قصیدہ خمریہ کے شیخ بزرگ ترین کے انوار سے روشنی ڈالی ہے اور میرے دل کو منور کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ تمام عبارتیں محبت کے مراتب کے لئے وضع کی گئی ہے اور محبت کا لفظ ان تمام کو شامل ہے۔ اور فرق میل سے لے کر لقا تک ترقی کرنے میں مختلف درجات کے اعتبار سے ہے اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کا قول "سقانی الحب کاسات الوصال" اسی امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ یعنی محبت کیلئے درجات اور منزلت ہیں۔ اور ہر مرتبہ کے لئے الگ الگ پیالہ اور ساقی ہے اور طالب اس سے ہر رتبہ پینا رہتا ہے۔ جو کچھ بھی اسے میسر آیا اور اپنے حال کے حکم میں تیاری کرتا ہے۔ پھر ان میں سے بعض صرف پہلے درجہ تک

ہی پیتے ہیں۔ اور اتنے ہی سے مست ہوجاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ طرح سیر ہو چکے ہیں اور اب ساقی کے مشکوں میں اس کے بعد کوئی شراب نہیں رہی ہے۔ اور یہ مقام آپ رضی اللہ عنہ سے بہت نیچے ہے جب کہ نقل کیا جاتا ہے۔ کہ اکابرین میں سے ایک آدمی نے کاملین میں کسی کی طرف لکھا کہ اس جگہ ایسا آدمی بھی ہے جس نے ایک قطرہ پیا اور مست ہوگیا،، اس کے جواب میں مکتوب الیہ نے لکھا۔" اور اس جگہ ایسا آدمی بھی ہے جو دریاؤں کے دریا لنڈھا گیا۔ اور اب بھی ہل من فرید کا نعرہ لگا رہا ہے"۔ اور اس کامل کا یہ ارشاد اس لئے ہے کہ نہایت ضروری ہے کہ اس اندازے پر کفایت نہ کر جائے بلکہ "ساقی دانی الملال،، (پوری مستی والا ساقی) کی طرف صعود کرے۔ اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے اس قول رھموا داشربوا انتم جنودی + فساقی القوم بالوانی الملال + کا یہی مطلب ہے یعنی اے اقطاب اس مقام پر کفایت نہ کر جاؤ جس پر تم فائز ہوئے ہو اس خیال سے کہ جو کچھ تم کو مل چکا ہے وہ بہت کچھ ہے اسلئے کہ جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہوجائیگی اور جو اللہ کے پاس ہے وہ رہنے والا ہے۔،، اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا۔ مقامی نوتکم بازالی عال یعنی میں نے تحریر کیا ہے کہ جو اللہ کے پاس ہے۔ وہ ختم نہیں ہوتا سو تم اپنے مقام پر رک نہ جاؤ بلکہ اس کے آگے جانے کیلئے کوشش کرتے رہو جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے "اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما مجھے شوق زیادہ عطا کر اور میرے دل میں نور پیدا کر دے اور میری آنکھوں میں نور بھر دے یہاں تک کہ آپ نے فرمایا مجھے نور ہی نور کر دے۔

اور بعض لوگ درمیانے درجہ تک کفایت کر بیٹھے اور مست ہو گئے اور اسی طرح اور لوگ بھی اور ایک جم غفیر اور قوم کثیر مقام شہود میں آکر رہ گئی جو کہ غلبہ محبت کا ثمرہ ہے اور وہ لوگ جو اس مقام سے تحقیق کے رتبہ تک چڑھتے ہیں یہی لوگ خالص حق پر فائز ہونیوالے ہیں اور ان درجات والوں میں سے ہر ایک کا کچھ کلام ہے اور کچھ ایسے کلمات ہیں کہ ان کی حقیقت صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں۔ جو اس درجہ پر فائز ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ صوفیا نے کہا ہے کہ کوئی آدمی اُن سے صادر شدہ کلمات کی طرف توجہ نہ کرے اور یہی حالات کا حال ہے۔ جو کچھ منصور بن حلاج پر گزر گیا اسکی حقیقت وہی آدمی جان سکتا ہے جو اسکے مرتبہ میں ہو اور جو اس حالت کا اہل نہ ہو وہ اسکے معانی کو نہیں سمجھ سکتا۔ کیا آپ نے وہ واقعہ نہیں سُنا کہ جب سُلطان العارفین قدس سرہ نے سبحانی ما اعظم شانی اور لیس فی جبتی سواہ کے کلمات کہے تو ان مریدوں میں سے کچھ لوگوں نے اس پر اعتراض کیا جو کہ آپ کے ارشاد کی خالص مست کرنیوالی پیتے تھے تو آپ نے ان سے فرمایا جب میں اس حال میں ایسے کلمات کہوں تو تلواریں نکال کر مجھ کو قتل کر دو،،۔ اُنہوں نے ایسا ہی کیا پھر جس نے بھی تلوار ماری وہ الٹ کر اسکے اپنے اوپر لگی۔ ان میں سے بعض مر گئے اور بعد زخمی ہو گئے اور جن مریدوں نے ایسا نہیں کیا تھا وہ اپنی حالت پر صحیح سلامت رہے پھر جب شیخ بزرگ ترین کے انتقال کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا اگر میں نے کبھی کسی دن سبحانی ما اعظم شانی کہا تھا تو میں آج اس زنار کو توڑتا ہوں اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا ہوں۔

سو اے بھائی جاننا چاہئے یہ ہر مقام کا نصیبہ ہے۔ پہلا قول شہود کے عنفوان شباب کا زمانہ تھا۔ اور اس میں نوری جلوے اور طوری تجلیات اسقدر تھیں کہ انہوں نے تمام وجود کو ظاہراً و باطناً اپنے احاطہ میں لے لیا تھا اور اس وقت بندے کا وجود شہودی تھا یہی وجہ ہے کہ نہ تو آپ پر تلوار نے اثر کیا اور نہ آپ پر کوئی اعتراض کیا گیا اور جب بندے کا وجود عبودی وجود شہودی سے الگ ہو جائے پھر اسکا وجود عبودی ہے اگرچہ حقیقت کے لحاظ سے اس کی تربیت وجود اور بقا باعتبار حقیقت کے خداوند تعالیٰ ہی فرماتا ہے لیکن اسکا ظاہر پھر بھی بندہ ہے۔ اور اسپر ظاہر میں وہی احکام جاری ہوتے ہیں جو بندے پر جاری ہوتے ہیں اور اسکا باطن رب ہوتا ہے اسپر کوئی حوادثات

جاری نہیں ہوتے وہ حقیقت میں باقی ہے۔ اگر آپ یہ سوال کریں کہ منصور حلاج کے متعلق آپ کیا کہیں گے کیونکہ وہ بھی تو مقام شہود ہی کے
جوش میں انا الحق کہہ اٹھا تھا اور وہ قتل ہو گیا اور اسپر تلوار کی کاٹ نے بھی اثر کیا اور آپ کے اعتراضات کی بوچھاڑ بھی ہو گئی۔۔ میں کہتا ہوں
کہ معاملہ واقعی ایسا ہی ہے لیکن سلطان العارفین کے شہود اور منصور کے شہود میں بڑا فرق ہے کیونکہ پہلے میں وجود شہودی کا غلبہ
اتنا زیادہ تھا کہ سلطان کا اپنا وجود اس کے تابع بن کر رہ گیا تھا اور اس کا کوئی اثر ہی باقی نہ رہ گیا تھا مگر [illegible] یہی وجہ
ہے کہ آپ نے سبحانی کہنے میں سبحان کو یائے متکلم پر مقدم فرمایا برخلاف دوسرے کے کہ وہاں معاملہ اسکے برخلاف ہے انہوں نے انا کو حق پر
مقدم کیا۔ وہاں وجود عبادی متبوع ہے اور پہلے میں تابع ہے یہی وجہ ہے کہ منصور پر وہ کچھ گزر گیا جو گزرا اور یہی معاملہ سلطان کے قتل کرنے
والوں پر گزر گیا۔ اور یہ استنباط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے کیا گیا ہے جو آپ نے غار کے دن حضرت ابوبکر صدیق کو فرمایا تھا
لا تحزن ان اللہ معنا کہ کوئی خوف نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ان معی ربی میرے ساتھ میرا رب ہے۔ تو
افضل الانبیاء نے وجود آلہی کو اپنے وجود پر مقدم فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے وجود کو اللہ کے وجود پر مقدم کیا صلی اللہ علی نبینا وعلیہم

تو تمام انبیاء اور اولیاء کے اپنے اپنے مقامات اور احوال اور درجات ہیں اور وہ انکی اپنی استعداد کے مطابق ہیں اور اس میں
سے ہر ایک درجہ محبت کے درجات میں سے ہے۔ محبت ان تمام مدارج میں کارفرما ہے پہلے درجہ میں اس کا نام میل ہے پھر [illegible] درجہ بدرجہ
اور ان میں سے بعض مدارج پر محبت کا اطلاق کلی کے اپنے مشہور افراد پر اطلاق کے قبیل سے ہے اور متغلب ہے اور اس کا شاہد اللہ تعالیٰ کا
یہ قول ہے۔ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت رکھے گا آپ نے
غور کیا کہ کس طرح امت کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ محبوب حق بننے کیلئے محبت کو اختیار کرے۔ حالانکہ محبوبیت کا درجہ وصول کے آخری مدارج
میں سے ہے۔ اور قبولیت کے حصول میں یہ انتہائی مقصود ہے۔ سو حق کے راستہ کو طے کرنے میں اور جامع محبت ہی ہے۔ مزید یہ
کہ آپ اس کے حصول میں جلدی کریں اور اسے کل پرسوں پر نہ ٹالتے جائیں اور دیر کرنے سے بچیں۔ اگر آپ یہ سوال کریں کہ اہل حق کے
نزدیک یہ مسلم ہے کہ محبت وہبی چیز ہے کسبی نہیں۔۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ محبت خدا کی تعلیم ہے مخلوق کی تعلیم سے نہیں ہے اور
عنایت ازلی ہے اور یحبہم و یحبونہ کا نتیجہ ہے۔۔ تو بندے کی طرف سے محبت ناممکن ہے جبتک کہ اس میں اللہ تعالیٰ اپنی محبت ازلی کی
وجہ سے جذبہ نہ پیدا کرے اور اسکی طرف پہلے اشارہ بھی گزر چکا ہے۔۔ تو میں کہوں گا کہ واقعی معاملہ اسی طرح ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا دستور
ہے کہ وہ بعض اسباب کے استعمال پر محبت کے پھل کو اسباب کے ان درختوں پر لگاتا ہے جن کی شریعت محمدیہ کی نہروں اور طریقہ احمدیہ
کے دریاؤں سے آبیاری ہوئی ہو۔ علی صاحبہا الصلوات پھر اگر آپ یہ کہیں کہ تمام امور کا یہی حال ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ کا محبت کی ترتیب
اسباب پر کرنا ہی وہبی ترتیب ہے جیسا کہ اکابر متکلمین نے کہا ہے کہ کھانا کھانے سے سیر ہو جانا اور آگ سے جل جانا وہبی چیز ہے۔۔ وغیر ذلک تو
میں اسکے جواب میں کہوں گا کہ ہاں ٹھیک ہے لیکن محبت کو اسکی کمال باریکی اور بلندی شان کی وجہ سے موہبت آلہیہ (خداوندی انعام) کے لفظ سے مخصوص
کیا گیا ہے۔ اگر آپ یہ پوچھیں کہ محبت کی نشوونما کیلئے سب سے زیادہ طاقتور سبب کون سا ہے؟ تو میں کہوں گا اسکا سب سے بڑا سبب نفس اور طبیعت کی
کی مخالفت ہے اور اس مخالفت کے بہت سے طریقے ہیں لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر ایک کام کا اندازہ مقرر فرما رکھا ہے جو اس اندازے کے مطابق
نہ ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے وہ ہباءً منثورا ہے وہ پھینک دینے کے قابل ایک چھلکا ہے اور وہ اندازہ جو اللہ نے مقرر فرمایا ہے وہ اتباع ہے اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے۔ فاتبعونی یحببکم اللہ میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت رکھے گا۔ تو محبت صرف اتباع محمدی کے درخت سے پیدا ہوتی ہے اور نبی علی اللہ

وسلم کی مخالفت کے باوجود محبت کا دعویٰ کرنا جھوٹ ہے اسے نہ سُنا جا سکتا ہے نہ قبول کیا جا سکتا ہے اور اتباع کا لفظ مجمل ہے اور اسکی تفصیل بہت ہے بعض نے اس کے لئے سات ہزار مقام تجویز کئے ہیں اور بعض نے انکو ایک ہزار میں منحصر کیا ہے۔ اور بعض نے سو میں اور شیخ بزرگ زرینؒ نے اپنے قول کا سات الاصول کے جمع لانے سے اسکے تعدد مقامات کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ عبارت شریفہ تمام اقوال کو شامل ہے لیکن میں انشاءاللہ تعالیٰ اپنے ذہن شیخ بزرگ زرین کے سورج سے روشنی حاصل کرتے ہوئے ایک خاکہ تیار کرونگا کہ اگر ان تمام مقامات کو اکتالیس میں یا اکیس میں یا گیارہ مقامات میں درج کر دیا جائے تو سب ان میں آ سکتے ہیں۔ اب میں عنایت ازلیہ اور ہدایت سرمدیہ کی مدد سے ہر ایک مقام کو احسن توجیہ کے ساتھ بیان کرونگا وہی توفیق کا والی ہے اور اسی کے ہاتھ میں تحقیق کی باگ دوڑ ہے۔ پھر شیخ بزرگ زرین نے عشق اور ود کے الفاظ کی بجائے محبت کو اختیار فرمایا ہے چونکہ قرآن مجید اور فرقان حمید میں بھی محبت کو اختیار کیا گیا ہے اور حدیث قدسی میں بھی احببت کے لفظ آئے ہیں اور یہ نزول کا بیان ہے تو جب سالک عروج کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ ایسے لفظ سے اسکو تعبیر کرے جو محبت کے عروج کیلئے لازم ہو تاکہ الفاظ اور معنی مطابق ہو جائیں۔ پھر خلت کا مرتبہ محبت سے پیچھے ہے کیونکہ خلت کا معنی یہ ہے کہ خلیل اپنے مطلوب کے سوا ہر چیز سے خالی ہو جائے اور اپنے مضبوط ارادہ سے اپنے وجود سے بھی فانی ہو جائے اور محبت کا معنی یہ ہے کہ محب اپنے محبوب کے سوا ہر چیز سے پورے طور پر خالی ہو جائے حتیٰ کہ اپنے ارادہ سے بھی ان دونوں الفاظ کی حقیقت اسی سے سمجھی جا سکتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا نام خلیل اللہ ہے۔ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا نام حبیب ہے اور بقیہ کلام کے متعلق شاید مجھے اللہ تعالیٰ آپ کے قول وحیدی صاحب العین الکمال کے ماتحت اپنے احسان اور فضل سے توفیق ارزانی فرمائے۔ انشاءاللہ تعالیٰ

مختلف لطائف اور باریک چھینٹے۔ چونکہ محبت کا سمندر وہ سمندر ہے جسکا نہ کوئی کنارہ ہے نہ انتہا اور اس سے نہریں بھی ہیں اور گھاٹ بھی اسکا ہر قطرہ سمندروں کی سی موجیں رکھتا ہے اور دلوں کے باغوں میں اس سے دریا بہتے ہیں کوئی عقلمند آدمی اسکی گہرائیوں میں اپنی عقل سے تیر نہیں سکتا اور کوئی ہوشیار مسافر تدبیر کی کشتی سے اس کے گرداب میں چل نہیں سکتا۔ اس میں جو بھی تیرنے کا ارادہ کریگا غرق ہو جائیگا اور جس پر اسکا کوئی چھینٹا پڑ جائیگا وہ شعلوں والی آگ میں جل جائیگا اس کی کوئی انتہا نہیں کہ اس کی پیمائش کی جا سکے اور نہ کوئی اپنی وجاہت سے اسکا احاطہ کر سکتا ہے۔ اسکا پانی نور بھی ہے اور آگ بھی اور اسکی موجیں گہری بھی ہیں اور حیرانی بھی جس نے اسکا ایک قطرہ چکھ لیا وہ مست ہو کر گر پڑا اور جس نے اسکی نعمت چکھ لی وہ شکر سے جھک گیا۔ اسکا پانی ایسی شراب ہے جو بڑے بڑے عقلمندوں کی عقلیں ختم کر دیتی ہے اور پگھلا کر رکھ دینے والی آگ ہے یہ شراب تدبیر کا گوشت کھا جاتی ہے اور مکر و دھوکے انسان کو ختم کر دیتی ہے۔ شیخ عثمان بن مردہؒ نے کہا محبت ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے اسکی ابتدا سفر ہے اور وسط مرض ہے اور نہایت قرب ہے اور قرب وہ انس ہے جو سالک کو اس بحر مواج کا ایک قطرہ پی لینے سے حاصل ہوتا ہے پھر اللہ ہی ان کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔ تو محبتوں میں سے ہر ایک اسکو چکھنے میں اپنے محبوب حقیقی کے ساتھ قائم ہوتا ہے اگر اس مقام سے ایک قدم بھی آگے بڑھے تو آگ میں جل جائے اور ہلاک ہو جائے اور اگر اپنی جگہ سے پیچھے ہٹے تو پردے میں جائے۔ محب اس مقام میں ایسی حالت میں ہوتا ہے جو نہ موت ہے نہ زندگی وہ آواز میں دیتا ہے پھر ہلاکت کے خوف سے خاموش ہو جاتا ہے اسے گہرے سمندر کی گہرائیوں میں وجود کے ایک تختے پر کھڑا کر دیا جاتا ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ خبردار۔ ! قدم اس سمندر کے پانی سے بھیگنے نہ پائے جس کی موجیں پہاڑوں جیسی بلند اٹھ رہی ہیں وہ ظاہری طور پر بڑی مشکل میں ہوتا ہے اور باطن میں اسے ایسا نور حاصل ہوتا ہے جو صرف سننے سے معلوم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ضروری ہے جو اس معیت سے مطلع ہونا چاہئے وہ اس میں خود مبتلا ہو کر معلوم کرے۔

بیان کیا جاتا محبین میں سے ایک محب کو شبلی نے جنگل میں دیکھا وہ بڑی مصیبتوں میں مبتلا تھا۔ تو شبلی دیکھ کر چلے گئے بڑی مدت کے بعد پھر ایک دفعہ ان کا گزر اس طرف سے ہوا تو شبلی کو وہ آدمی یاد آگیا آپ نے ارادہ کیا کہ اس کی ملاقات کر جائیں جب وہاں پہنچے تو اس جگہ اس کو نہ پایا لوگوں سے پوچھا تو آپ کو معلوم ہوا کہ وہ ایک سال سے اس غار کے اندر چلا گیا ہے اس کے بعد کوئی خبر نہیں کہ اس کا کیا حال ہے تو شبلی اس بھائی بھائی کرتی غار میں داخل ہو گئے اور دیکھا کہ وہ عاشق ایک جگہ پڑا ہوا تھا ایک سانپ اس کی ایک آنکھ کھا چکا تھا اور دوسری کھانے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ شبلی نے جب یہ حال دیکھا تو ان پر دہشت چھا گئی اور حیران رہ گئے تو وہ عاشق بولا اے شبلی سے کہا اے ہوش پرست اے مدعی تو محبت کا دعویٰ نہ کر یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو بڑے بڑے لوگوں کی عقلوں سے باہر ہے۔ جو حال تم نے میرا دیکھا ہے یہ محبت کا پہلا قدم ہے۔

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کوہِ طور پر خدا تعالیٰ سے کلام کرنے کے لئے چڑھنے کا ارادہ کر رہے تھے آپ نے وہاں ایک بیقرار عاشق کو دیکھا اس نے کہا "اے موسیٰ آپ اپنے رب جلیل سننے کے لئے جا رہے ہیں جب آپ اس سے فارغ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ سے اس عاجز فقیر کے لئے محبت کے ایک قطرے کا سوال کرنا" موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ میں تیرے اس کہنے پر عمل کرونگا اور اللہ عزوجل سے دعا کروں گا۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام اپنی باتوں سے فارغ ہوئے تو آپ کو اس طالب کی یہ التجا بھول گئی تو خود اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ "اے موسیٰ آپ اس سوالی کا سوال تو بھول ہی چکے تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کی اس کی معذرت کی اور عرض کیا اے اللہ واقعی میں بھول گیا۔" تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے موسیٰ ہم نے اس کو محبت کے سمندر میں سے ایک قطرہ دیدیا ہے۔ آپ راستے میں اس سے ضرور ملاقات کرتے جائیں اور اس کے حال کو جانیں جب موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو وہ وہاں نہیں تھا جہاں اس کو پہلے دیکھا تھا جو لوگ وہاں موجود تھے ان سے اس آدمی کے متعلق سوال کیا کسی نے کچھ نہ بتایا تا پھر ایک آدمی نے کہا وہ اس پہاڑ پر چڑھ گیا ہے موسیٰ علیہ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو وہاں بھی اس کو نہ پایا بڑے حیران ہوئے اچانک آپ کی نگاہ پہاڑ کے نیچے ایک غار کی طرف چلی گئی۔ آپ نے دیکھا اس کے پاس اس کے گوشت کے ٹکڑے سر سے لیکر پاؤں تک پڑے ہوئے تھے۔ آپ بہت حیران ہوئے تو اس آدمی نے غار کے اندر سے موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی "اے موسیٰ مجھے میرا سوال مل گیا اور یہ محبت کا پہلا قدم ہے کہ اس کی آگ سے میرے گوشت کے ٹکڑے اڑ گئے اور اس کے بعد مجھے معلوم نہیں کیا آئے گا اور کیا جالے گا سبحان اللہ اللہ کی شان کتنی بلند ہے آپ کی برہان کتنی عظیم ہے۔

اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی ایام قحط میں جب اپنی تمام پونجی لے کر مصر پہنچ کر وہاں سے قحط سالی اور مصیبت کے دنوں کے لئے غلہ خرید کر لائیں تو یوسف علیہ السلام نے ان سے یعقوب علیہ السلام کا حال پوچھا کہ یوسف کے فراق کے صدمات میں ان پر کیا گزری تو انہوں نے کہا وہ یوسف کے فراق میں ابن امین سے تسلی حاصل کرتے ہیں یہ خبر سنتے ہی یوسف علیہ السلام پر غیرت نامہ کی وجہ سے وحشت غالب آگئی اور ان سے کہا کہ میں تم کو صرف اس صورت میں غلہ دونگا کہ تم ابن یمین کو میرے پاس لاؤ۔ یہ وہ آپ کے پاس گئے اور کہنے لگے اے باپ ہمیں غلہ سے محروم کر دیا گیا ہے۔ آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیجیں تو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تم نے یوسف کے ساتھ کیا کیا تھا۔؟ اور اب اس کے بھائی کی بھی تم حفاظت میں غفلت برتو گے۔ لیجاؤ اس کو۔ اس کا اللہ حافظ۔ رہی بہتر ین محافظ ہے رہی اچھا رکھوالا ہے۔ پھر وہ ابن یمین

Scanned by CamScanner

کو لے کر یوسف کے پاس آئے اور یعقوب علیہ السلام کو افسوس سے کامل آئیں پھر نہ چھوڑ آئے کیونکہ یعقوب علیہ السلام اپنی کی وجہ سے یوسف کے غم اور وہم میں تسلی پائے تھے۔ جب یوسف علیہ السلام نے ابن یمین کو دیکھا تو بڑے خوش ہوئے۔ آپ نے یمین کی قمیض کی آستین پر یوسف کا نام لکھا ہوا دیکھا اور ابن یمین اپنے بھائی کے فراق کے تھپیڑوں میں اسی نام سے تسلی پائے تھے۔ تو یوسف علیہ السلام نے نقاب کے اندر ہی جو آپ اپنے منہ پر ڈالے ہوئے تھے۔ پوچھا یہ تحریر کیا ہے۔ تو ابن یمین نے کہا میرا ایک بھائی تھا اس کا نام یوسف تھا جب اس کو بھیڑیا کھا گیا تو میں بڑی مدت تک روتا رہا نہ تو مجھے اس کا وصال نصیب ہوا اور نہ اس کا جمال دیکھنا مقدر میں تھا تو پھر میں نے ان کا نام اپنی قمیض پر لکھ لیا اس سے میرے غمگین دل کو تسلی ہوتی ہے میری مسکین طبیعت قرار پاتی ہے جب بھی مجھے ان کا فراق جلاتا ہے یا ان کی جلن غرق کرتی ہے تو میں آپ کے نام کو دیکھ لیتا ہوں اس سے ایک طرح کی تسلی اور طمانیت حاصل ہو جاتی ہے۔ تو یوسف علیہ السلام اس سے بڑے متاثر ہوئے اور آپ کو علیحدگی میں بتا دیا کہ میں تمہارا وہ بھائی ہوں جس کے فراق میں آپ روتے ہیں تو اس طرح طالب اپنے مطلوب تک پہنچ گیا۔

اے مومن عارف! اپنے رب کا ذکر کر اور اسم "اللہ" کے مطالعہ میں خوب مراقبہ کر جب اس مراقبہ پر کافی عرصہ گذر جائیگا تو تجھے ایسا معلوم ہونے لگے گا کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے کہ یہ اسم مبارک تیرے دل کی دیواروں پر چاروں جانب لکھا ہوا ہے دل کا کوئی مقام ایسا نہ ہوگا۔ جہاں اسم مبارک کے نقوش نہ ہوں اور شیخ بزرگ ترین رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب عزیزہ جلیۃ الخاطر میں اس کی طرف ارشارہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔ کہ بکثرت مطالعہ و مراقبہ اور کمال شغل سے اس دل کی دیواروں پر اسم مبارک اللہ ظاہر ہو جاتا ہے جو دل ما سوی اللہ سے فارغ ہو چکا ہو۔

جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ عز وجل کے طریقہ کو طلب کرنے والوں میں سے ایک آدمی کے کسی عضو سے خون نکلا جب وہ زمین پر گرا تو اس سے "اللہ" کا نقش بن گیا۔ اور اس سے بھی کامل تر وہ واقعہ ہے کہ ابن حلاج سے پیش آیا اور وہ یہ ہے کہ جب منصور نے انا الحق کہا اور اسے قتل کر دیا گیا تو اس کے کٹے ہوئے اعضا میں سے یہی آواز بلند ہوتی تھی انا الحق اور اسی طرح خون میں سے بھی پھر اسے جلا دیا گیا تو راکھ جہاں گرتی اس کلمہ کا نقش بن جاتا پھر اس راکھ کو دریا میں پھینک دیا گیا تو اس دریا میں سے یہی آواز آنے لگی اللہ پاک ہے اس کا ظہور اس سے بہت بلند تر ہے کہ کوئی اس کا احاطہ کر سکے۔ سوائے بھائیو! نہایت لازمی ہے کہ تم اس مراقبہ اور مذاکرہ اور رابطہ میں مشغول ہو جاؤ تاکہ تم کو ہر مکان میں ہر زمانہ میں ہر حال میں ہر وقت میں فنا اور بقا میں وصول کا ثمرہ نصیب ہو جائے۔ وہ اللہ وہی ہے۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے اور ہر چیز پر پھیلا ہوا ہے اور پھر ہر چیز سے منزہ ہے اور خاص و عام کی تشبیہ سے پاک ہے سو اسی اللہ جس کی بلند شان ہے۔ کیلئے تعریف ہے اور درود ہو حضرت محمد اور ان کی آل اور صحابہ پر جو تمام خلقت کی طرف مبعوث ہوئے اور ان کی برہان عظیم ہوئی جب ان اشتغال کے متعلق کلام پورا ہو گیا جو محبت کے شعلوں سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ بھی ذکر ہو چکا کہ اس کے بسیط ذرات میں سے کسی ایک ذرے کا احاطہ بھی نہیں ہو سکتا تو ہم نے انشاء اللہ کے فضل و کرم سے ارادہ کر لیا کہ اس حقیقت کی طرف رجوع کریں جس سے ان کاسات کی نہریں پھوٹتی ہیں جو گناہوں کو بخشنے والے اور عطیات ہبہ کرنے والے کی شراب سے چھلک رہے ہیں وہ بہترین مولیٰ ہے اور بہترین مددگار ہے وہ مجھے کافی ہے اور اچھا کارساز ہے بڑی قوت والا ہے بڑا طاقتور ہے اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا

خلل کر بیٹھیں تو ہم سے مواخذہ نہ فرما اور ہمیں توفیق کے پیالوں سے تحقیق کی شراب پلا دے بیشک تو ہر چاہت پر قادر ہے اور دعاؤں کو قبولیت بخش کے لائق ہے۔

تفسیر چشمہ:۔ ان پیالوں کی تحقیقات جو محبوب تک پہنچانے والے ہیں یہ تو آپ پہلے معلوم کر چکے ہیں کہ وصول الی اللہ کا سبیل طریق اتباع محمدی ہے صلے اللہ علیہ وسلم اور یہ اللہ تعالے کے اس قول سے سمجھا گیا ہے۔ "اگر تم اللہ تعالے سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت رکھے گا" باقی رہی اس کی تفصیل تو اس میں بہت سے اقوال ہیں ایک یہ ہے کہ اس محجب کے سات ہزار مقامات ہیں جو اللہ تعالے کی طرف پہنچانے والی ہے۔ اور ایک یہ ہے کہ اس کا ہزار مقام ہے اور ایک یہ ہے کہ اس کے سو مقام ہیں اور چونکہ سات ہزار کا تذکرہ بیان میں طوالت کا باعث تھا اور ہزار کا تذکرہ بھی طوالت سے خالی نہیں ہے تو میں نے ارادہ کیا کہ میں سو کا تذکرہ دوگنا کر کر دوں اور پھر ان کو محض اور مختصر کردوں اور اکتالیس میں منحصر کردوں یا اکیس میں یا گیارہ میں جب کہ میں نے آپ سے پہلے وعدہ کیا تھا لیکن اب شیخ اجل کی موافقت میں میرا خیال ہے ان تمام مقامات کو ان پانچ میں مندرج کردوں۔ پہلا انتباہ ہے پھر ہیمان۔ پھر طیبہ اور سر در پھر سطح پھر غنا۔ اور ان میں سے ہر ایک کی تفسیر آئندہ آئیگی۔ "دعہ" سو جو ہزار کا جامع ہے جو کہ سات ہزار کا جامع ہے جب کہ اس کو صاحب منازل السائرین نے ذکر کیا ہے یہ ہیں۔ پہلا ان میں سے یقظہ ہے اور دوسرا توبہ اور تیسرا محاسبہ۔ چوتھا انابت۔ اور پانچواں تفکر اور چھٹا تذکر اور ساتواں اعتصام اور آٹھواں فرار اور نواں ریاضت اور دسواں سماع اور منازل السائرین۔ اس نے ان دس کا نام بدایات (ابتدائی مقامات) رکھا ہے اور ان بیانات میں ہر ایک کے معنی کی تفسیر عنقریب آئندہ مختصرا بیان ہو گی اور پھر کہا ہے دروازے بھی دس ہیں اور وہ یہ ہیں۔ حزن۔ خوف۔ اشفاق۔ خشوع۔ اخبات۔ زہد۔ ورع۔ تبتل۔ رجا اور رغبت پھر اس کے بعد کہا معاملات بھی دس ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ رعایت۔ مراقبہ۔ حرمت۔ استقامت۔ توکل۔ تفویض۔ ثقۃ۔ اور تسلیم اور پھر ان کے بعد اخلاق ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔ صبر۔ رضا۔ شکر۔ حیا۔ صدق۔ ایثار۔ خلق۔ تواضع۔ فتوت اور انبساط۔ اور پھر ان کے بعد اصول ہیں اور وہ بھی دس ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ قصد۔ عزم۔ ارادہ۔ ادب۔ یقین۔ انس۔ ذکر۔ فقر۔ غنا۔ اور مقام المراد۔ اور پھر بیان فرمایا ہے کہ اودیات بھی دس ہیں اور وہ یہ ہیں۔ احسان۔ علم۔ حکمت۔ بصیرت۔ فراست۔ تعظیم۔ الہام۔ سکینہ۔ طمانیت۔ اور ہمت اور پھر بیان فرمایا ہے کہ احوال بھی دس ہیں۔ اور وہ یہ ہیں محبت۔ غیرت۔ شوق۔ قلق۔ عطش۔ وجد۔ دہش۔ ہیمان۔ برق۔ اور ذوق۔ اور پھر فرمایا ولایات بھی دس ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ لحظ۔ وقت۔ صفا۔ سرور۔ نفس۔ غربت۔ غرق۔ غیبت۔ اور تمکن اور پھر حقائق کا بیان کیا ہے۔ اور وہ بھی دس ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ مکاشفہ۔ مشاہدہ۔ معاینہ۔ حیوۃ۔ قبض۔ بسط۔ سکر۔ صحو۔ اتصال اور انفصال۔ اور پھر نہایات کا ذکر کیا ہے اور وہ بھی اس میں۔ معرفت۔ فنا۔ بقا۔ تحقیق۔ تلبیس۔ وجود۔ تجرید۔ تفرید۔ جمع توحید۔ پس جب تم ان کو شمار کرو گے۔ تو یہ سو مقامات ہیں۔

اب میں اس کو اکتالیس میں مختصر کر کے درج کرتا ہوں اور توفیق اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ بدایات دس ہیں ان کو تین میں مندرج کیا جاتا ہے: پہلا انتباہ اور وہ نام ہے طریق حق میں پوری بیداری کے ساتھ غفلت کی نیند سے بیدار ہونے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کی ان متواتر نعمتوں سے شرمندہ ہو کر کہ اگر انکو شمار کرنا چاہتا ہے تو شمار بھی نہ کر سکے اور اپنے گناہوں کو دیکھ

کہ جو بندے سے صادر ہوتے رہتے ہیں اور جو وقت گزر چکا ہے اس کے تدارک کا احساس بیداری سے اس کی طرف توبہ اور اجتناب اور اپنے بیدار ہونے والے قلب کی گہرائیوں سے پیدا ہونے والے شعور کے ساتھ گناہوں سے استغفار کرنے کا پھر نفس مغضوب علیہم کا راستہ چھوڑ دیتا ہے اور صراط مستقیم پر آجاتا ہے۔ پھر وہ اندھیروں سے خلاصی کر کے روشنی میں پہنچ جاتا ہے۔ اور غفلت سے حضور میں آ جاتا ہے پھر وہ نیکی کو اچھا سمجھنے لگتا ہے اور برائی کو برا جانتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ انابت کے مرتبہ میں مستقیم مستدیم رہتا ہے۔

اور دوسرا مرتبہ انابت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وانیبوا الی ربکم اپنے رب کی طرف رجوع کرو، پھر بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف حق اور صحیح سے رجوع کرتا ہے جیسے کہ اس سے قبل معذرت کرتا تھا۔ رجوع ہوا تھا پھر اپنی کوتاہیاں بیان کرتا ہے اور اس کے حضور میں حاضر رہتا ہے جس کی شان بلند ہے اور پھر اس انابت سے ففروا الی اللہ کا مرتبہ پیدا ہوتا ہے سو اللہ کی طرف ففروا الی اللہ فرار میں پوری طرح دوڑو۔ یہاں تک کہ تمہارے دل کی نگاہیں اس کے سوا کسی اور چیز کو کبھی نہ دیکھیں۔ پھر اس کے بعد بندہ پوری ریاضت کرنے لگتا ہے اور اچھی طرح اس کی عادت ڈالتا ہے وہ اس راہ کی معارض چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے اور دشوار گزار راستے طے کرتا ہے اپنے مالک کے دروازے پر ہمیشہ حاضر رہتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے اور وہ اس کو کافی ہے اور بہترین کارساز ہے پھر وہ اپنا ہمیشہ محاسبہ کرتا رہتا ہے۔

اور تیسرا مرتبہ محاسبہ کا ہے۔ اور حبل المتین (قرآن مجید) کا تمسک حاصل کرنے کیلئے مضبوط عزم کا نام ہے آدمی اللہ تعالیٰ کے ان احکام کا مرتبہ اور حفاظت کرتا ہے جو اسکو سماع کشفی کے لحاظ دل کے کانوں میں سے جاتے ہیں پھر جب تک یہ مراتب مکمل نہیں ہو جاتے بندہ ہمیشہ اسی حالت میں رہتا ہے یعنی بیداری اور توبہ میں اس کے علاوہ وہ انواع جو ہدایات میں مذکور ہوئے اور یہ فکری عزیمت عین توحید اور خلوص، اعمال میں صفت کے لطائف دیکھنے کے بعد جو کہ اللہ تعالیٰ کے یقین مبین پر دلالت کرتے ہیں ہمیشہ لازم حال رہتے ہیں اور ان تینوں کے کوئی ایک مراتب ہیں جو عوام اور خواص اور اخص لوگوں کی استعداد کے مطابق ہوتے ہیں اور چونکہ یہ تمام احوال واردات سے تعلق رکھتے ہیں اور امور عقیدہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں لہذا ہم نے اس کی بحث کو لپیٹ دیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حال کی صفائی پر ہی طور پر ملتی ہے تو ہدایات کے دس امور ان تینوں میں پورے ہو گئے یعنی انتباہ اور انابت اور محاسبہ میں طالب حق میں مرید کیلئے ضروری ہے کہ ان امور کا پوری طرح حق ادا کرے تاکہ اس کو ہدایت میں حضور حاصل ہو جائے اور ابواب اور ضمانات میں اس کے لئے مدد کا باعث بنیں اور میں انشاء اللہ اس قصیدہ حمیدہ کے ابیات شریفہ کے تحت ان کو تفصیل سے بیان کروں گا۔

اور ابواب بھی تین سے زیادہ نہیں ہیں۔ پہلا حزن ہے۔ اور وہ عبارت ہے غم اور خوف سے جو دو مرتبہ تفریط اور نیز ہی میں افراط سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے کہ نوبت قبول نہیں ہے یا وصول کلی کے طریقے پر انفصال پایا جاتا ہے اور اس سے خوف، اشفاق، خشوع اور اخبات پیدا ہوتے ہیں اور اس سے زہد حاصل ہوتا ہے جس سے چیزوں کی رغبت کلی طور پر ختم ہو جاتی ہے اور سالک حرام چیزیں چھوڑنے کے بعد مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرنے لگتا ہے پھر جب دیکھتا ہے کہ سالک کے ترقی کرنے کیلئے جس صفائی مشرب کی ضرورت ہے وہ مکدر ہے تو مباح چیزوں میں سے بھی فضول چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے اور تورع اختیار کرتا ہے اور اخلاق ردیہ سے پاک ہو جاتا ہے بلکہ وہ ہر ایک عبادت سے بھی غمگین رہتا ہے کیونکہ وہ اپنے نفس پر اتہام لگاتا ہے کہ میری عبادت کا ارادہ عبودیت بالکل خالص ہونا چاہئے اور وہ سمجھ میں موہوم ہے یا نفس کے مکر سے محفوظ ہونا

چاہیئے اور وہ میرے نفس سے قریب تر ہے۔ اگرچہ اس کا ارادہ خالص ہی کیوں نہ ہوا اور یہی مطلب ہے اس کا جو کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ غمگین رہا کرتے تھے۔ سبحان اللہ اس نفس کا بھی کیا حال ہے کہ یہ ابتدا میں نفس امارہ ہے پھر لوامہ ہے پھر اسکا تزکیہ ہے پھر جب اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا تو یہی نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے تو اصلی علاج یہ ہے کہ ہر چیز سے آدمی الگ تھلگ ہو جائے اور باب ثانی کا یہی مطلب ہے۔

اور دوسرا باب تبتل کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وتبتل الیہ تبتیلا" اور اس کی تمام چیزوں سے کٹ کر آجا۔" اور وہ ہے لذات نفسانیہ اور … کلی اور اجاد حقیقی سے منقطع ہو جانے کا پھر وہ رضا اور القاء الٰہی کو برداشت کر جاتا ہے اور اس طرح ہو جاتا ہے گویا کہ اس میں نہ کوئی حرکت ہے اور نہ حس جب یہ حقیقت اس میں پوری ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو منور کر دیتا ہے اور وہ پھر وہ پوری صفائی میں ثبت کر جاتا ہے اور اس کے لئے رغبت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

اور تیسرا باب رغبت کا ہے اور وہ تحقیق اور توثیق کے سلوک سے عبارت ہے پھر اس کے دل میں قطع تعلق کی کوئی کمزوری باقی نہیں رہتی وہ اپنے رب سے بڑے مقصود اور مرغوب کے حاصل کرنے میں اپنی پوری ہمت خرچ کر دیتا ہے تاکہ وہ اپنے مطلوب تک پہنچ جائے تو پھر دل کی دیواریں شہود حقیقی کے انوار سے منور ہو جاتی ہیں اور وہ اندھیروں گھاٹیوں کو طے کر دیتا ہے اللہ ایمانداروں کا دوست ہے ان کو اندھیروں سے نکالکر روشنی کی طرف لاتا ہے اور بادشاہ حقیقی کے گھر کے دروازوں میں سے یہ آخری دروازہ ہے پھر اس کے بعد اس پر معاملات وارد ہونے میں اور آدمی سے معاملہ پہچانا جاتا ہے۔

اور معاملات بھی اس میں لیکن وہ بھی تین میں مشتمل ہو سکتے ہیں۔ پہلا معاملہ مراقبہ ہے اور وہ عبارت ہے اپنے مرغوب و مقصود کو ہمیشہ نظر میں رکھنے سے اور اس میں اس کی اپنی عزت و حرمت بھی ہے اس اعتبار سے کہ یہ دائمی ملاحظہ اپنے مرغوب کو حاصل کرنے اور اس کی طرف پوری طرح پہنچنے کیلئے ہے تو ملاحظہ حقیقیہ کا پہلا درجہ اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کے رجحان کیلئے ہے پھر وہ اپنے نفس کو ذلیل سمجھنے لگتا ہے اور اپنے اخلاق کی نفی کرتا ہے اور ہمیشہ کیلئے الٰہی اخلاق سے عزت حاصل کرتا ہے اور معاوضہ چھوڑ دیتا ہے اور عوضت کلی اجزائی ترک کر دیتا ہے یہاں تک کہ اپنے نفس کے وجود سے بھی الگ ہو جاتا ہے۔ اور پھر خدا تعالیٰ کی اس کی طرف جو نگاہ ہے اس کے ملاحظہ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھنا شروع کرتا ہے اور پھر لا الہ الا انت کے توحیدی سبق کے مطالعہ میں مراقبہ شروع کرتا ہے، اور یہ کیفیت ہر طرح کے کھوٹ سے عمل کی صفائی اور خلوت کے عادات اور جہالت اور رسوم سے تہذیب کے بعد پیدا ہوتی ہے پھر اسکو معتدل استقامت نصیب ہوتی ہے اور یہ استقامت اس کے اعمال اور مراقبہ کے بدن کے لئے روح ہوتی ہے پھر وہ ہر اس معاملہ میں جو اس پر وارد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرتا ہے اور اس سے اس کو مراقبہ اور توکل حاصل نصیب …

دوسرا معاملہ توکل ہے: "اور اللہ ہی پر ایمانداروں کو توکل کرنا چاہیئے"۔ اور وہ اس سے عبارت ہے کہ آدمی اپنے تمام کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے جو ہر چیز کا مالک ہے اس کی ابتدا تو اسی طرح ہے اور پھر وہ کبھی سبب کے وجود کے ساتھ بھی ہوتا ہے جیسے بیج کے اگانے میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والا زمیندار بارش کا طلب بھی ہوتا ہے جو کہ عادت کے مطابق بیج کو اگانے والی ہے پھر وہ آہستہ آہستہ بلند ہو جاتا ہے اور اس کی انتہا یہ ہے کہ وہ تمام مخلوقوں سے قطع نظر کر لیتا ہے اور رضائے کلی اور فنا در روشن سے خالص تفویض (سپردگی) ہے اور اس کو تسلیم بھی کہا جاتا ہے پھر وہ اپنے رب پر ایسا اعتماد کرتا ہے جو کسی بھی فتور سے ٹوٹتا نہیں اور اس سے دوسرے معاملہ کا فضل نصیب ہوتا ہے …

اور تیسرا معاملہ ثقہ کا ہے اور یہ ثقہ کے باوجود توکل کی آنکھ کی پتلی، اور خالص وثوق کی آنکھ کا نور ہے اور اس کے کئی ایک درجے ہیں پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ غیر سے مایوس ہو جائے مگر غیر کے ملاحظہ سے بھی اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے لکھے ہوئے کی کمی اور اپنی قسمت کے فوت ہو جانے سے امن نصیب ہو جائے اور تیسرا درجہ یہ ہے …

اللہ تعالیٰ کے حضور کو بغیر کسی شک و شبہ کے صاف اور صریح طور پر معائنہ کرے بلکہ خدا تعالیٰ کے سوا ہر چیز کے خیال سے بھی الگ ہو جائے تو پھر اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچا ہو جاتا ہے۔ اور اس پر تخلق حقیقی دروازے کھل جاتے ہیں جنکی اس کو حزن کے مقام میں امید تھی۔

اور اخلاق بھی دس ہیں جب کہ پہلے مذکور ہو چکا لیکن ہم ان کو چار میں ضبط کرتے ہیں۔ پہلا خلق صبر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "واصبر وما صبرک الا باللہ" اور صبر کر اور نہیں ہے تیرا صبر مگر اللہ ہی کے ساتھ"۔ اور وہ اس سے عبارت ہے کہ نفس کو مکروہات پر پابند کرے اور زبان کو شکوہ سے روکے اور یہ سلوک کی مشکل منازل میں سے پہلی منزل ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے مومن کو حکم دیا ہے۔ "یا ایہا الذین امنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون" اے ایماندارو صبر کرو اور صبر کی تلقین کرو اور اللہ سے تعلق قائم کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ"۔ اور یہ معاملے سونے کی کسوٹی ہے جو کہ بندے کو معاملات سے ترقی کر کے حالات تک پہنچنے کے بعد نصیب ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سالک کے سونے کو ابتلاء کی بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیتا ہے جو دلوں پر روشن ہوتی ہے"۔ اور یہ اس امتحان کی آگ ہے جس کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ "نحن معشر الانبیاء ہم نبیوں کی جماعت میں سب سے زیادہ مصیبت ہم پر ہوتی ہے پھر درجہ بدرجہ"۔ اور اس سونے کے خالص ہونے کا دارومدار اس آگ کو برداشت کرنے پر ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"۔ رسولوں میں سے کوئی بھی اتنی تکلیفیں نہیں دیا گیا جتنی میں دیا گیا ہوں"۔ تو اے معاملے کے استاذ تیرے لئے ضروری ہے کہ تو اس آگ میں چلنے کیلئے تیار ہو جائے تاکہ تیرا سونا خالص ہو جائے اور بادشاہ امیر اپنی مہر لگائے اور پھر وہ محمدی مملکت کے بازاروں میں رائج ہو سکے (علیہ اکمل الصلوات) سو اس مقام میں تیرے لئے نہایت لازم ہے کہ تو اپنے نفس کو ہر اس امر سے روکے جو شبہ سے طریق کے مخالف ہو۔ ابتداء میں تو شارع جس کا وصال مرغوب ہے اور جس کا جمال مقصود ہے کے وعید اور وعدہ دل پر یقین رکھتے ہوئے ارتکاب معاصی سے پرہیز کرے اور وہ اللہ عزوجل سے حیا اور اس کی تصدیق اور اسکی مرادات کو اپنی مراد پر مقدم کرنے کے بعد نصیب ہوتا ہے الغرض عبادات وفضائل کی ادائیگی کے بعد اگر تو انعام اور افضل کا مستحق تھا لیکن پھر بھی تجھ پر اگر مصیبتیں نازل ہوں تو انکے قبول کیلئے تیار ہو جا تجھ پر بیماریاں، محرومیاں اور دوامی افلاس مسلط ہونگے اور پھر تو ان مصیبتوں کو بالکل معمولی سمجھے گا گویا کہ تجھے کوئی مصیبت نہیں پہنچی بلکہ مصیبت تیری مراد ہو جائیگی۔ جیسا کہ بعض اولیاء اللہ سے منقول ہے کہ وہ جس دن کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے روتے اور کہتے اے اللہ مجھے میرا رزق اور مطلوب دیدے حضرت شقیق کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان سے کہا گیا کہ اگر آپ کسی آدھے سر کی درد والے پر نگاہ ڈالیں تو اس کو فوراً آرام آجاتا ہے اور آپ خود چالیس سال سے اس مرض میں مبتلا ہیں تو وہ کہنے لگے یہ بیماری تو میرا مطلوب و مقصود ہے مختصر یہ کہ تکالیف اور مصیبتوں پر صبر آسان ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ صبر کرو اور صبر کی تلقین کرو اور اللہ سے تعلق رکھو"، کا معاملہ متحقق ہو جاتا ہے۔ تو صبر بندے اور خدا کے درمیان تعلق کو قائم کرنے والا ہے تو رضا سے تو صبر ضروری ہے۔

اور دوسرا خلق رضا ہے اپنے رب کی طرف راضی ہو کر خوش و پسندیدہ ہو کر رجوع کرے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی مراد پر سچا ہو کر ٹھہرا ہو جائے۔ اور خدا کی تقدیر پر ناراضگی سے کلی طور پر دستبردار ہو جائے اس طرح کہ طالب کا کوئی ارادہ اور کوئی طمع اور کوئی اختیار باقی نہ رہ جائے اور نہ اس میں کبھی کوئی تردد پیش آئے غلامانہ حیثیت میں جہاں اسے ٹھہرا کر دیا گیا ہے ٹھہرا رہے نہ آگے بڑھنے کی کوشش کرے نہ پیچھے ہٹنے کی نہ عروج میں زیادت (ترقی) کی درخواست کرے نہ اپنے حال کو بدلنے کی حاصل یہ ہے کہ اس کا ارادہ خدا تعالیٰ کے ارادے میں فنا ہو جائے اور یہ اہل خصوص کے مسلک کی ابتداء ہے کیونکہ اہل خصوص کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے نفس سے علیحدہ ہو جائے اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنے ارادہ سے دستبردار ہونا نفس سے دستبردار ہونے کی ابتداء ہے اور میرا خیال یہ ہے اسکے ہر دور میں محققین کے

الفاس کی طرح بلندی اور متوسط اور منتہی کیلئے کچھ درجے ہیں تو ہر ایک کی رضا اسکے اپنے درجے کے مطابق ہوتی ہے اور پھر وہ بہت سے درجات پر ترقی کرتا ہے اور بیشمار مراتب ہیں جنکا شمار نہیں ہو سکتا ان لوگوں کی تعداد کے برابر جن کو رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کی شان ملی ہے تو رضا کی خفی کی میل کچیل سے صفائی اور اس کے مدارج میں انسان کا ضابطہ یہ ہے کہ معبود ہونیکے مستحق کلاً و جزءاً ذاتاً و صفةً ہر وجہ سے صرف اللہ تعالی کی ذات پاک ہے جو ایسی رضی نہ ہو وہ اسکے سوا کوئی اور معبود بنائے جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے۔ من لم یرض بقضائی فلیطلب ربا سوائی۔ کہ جو میری تقدیر پر راضی نہیں وہ میرے سوا اور کسی کو خدا بنالے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ رضا ہر ایک درجہ میں لازمی ہے اسکی ابتداء انتہا کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ اسکو سوچ اللہ تجھے یہاں تک کہ تجھ پر حقیقت حال ظاہر ہو جائے غالباً رضا سے ہی حیا پیدا ہوتی ہے۔

اور تیسرا خلق حیا ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا۔ الم یعلم بان اللہ یری کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالے دیکھ رہا ہے۔ اور اس کا مطلب ہے کہ بندہ یہ معلوم کرے کہ اللہ تعالی ہر وقت اس کو دیکھ رہا ہے اس وقت آدمی شکوہ سے پرہیز کرتا ہے اور اللہ کی تقدیر پر جزع فزع سے گریز۔ اور اس کے سبب سے وہ مشکل مجاہدات اور آفات کو برداشت کر لیتا ہے جو گناہوں سے پیدا ہوتی ہیں تو بندہ خدا تعالی کے قریب ہوتا جاتا ہے اور روح الانس کے ساتھ اس کا رابطہ قائم ہو جاتا ہے اور اس کے باعث شہود حضرت پر فائز ہو جاتا ہے۔ وہ حیا اور نور فرد جو ذات اقدس کی طرف راہنمائی کرتا ہے سے آراستہ ہو جاتا ہے لیکن اسکو تفرقہ پریشان نہیں کر سکتا بلکہ وہ عین جمع الجمع ہو جاتا ہے وہ اپنے تمام احوال میں صادق ہوتا ہے کیونکہ حاضر بدل نہیں سکتا پھر وہ اعتبار کی بنیاد اور ایثار کا محل ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی جانوں پر دوسروں کو ترجیح دینے میں اگرچہ خود انکی تنگی ہی کیوں نہ ہو۔ پھر اس سے ہر طرح کی برائیاں مثلاً بخیلی۔ کبر۔ ریا وغیرہ مٹ جاتی ہیں اور اسکا اسلام اچھا ہو جاتا ہے کیونکہ وہ غیر ضروری چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ پھر وہ پوری طرح غیب الغیب ہو جاتا ہے پھر اسکو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ظل سے خلق عظیم حاصل ہوتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ وانک لعلی خلق عظیم اس پر دلالت کرتی ہے۔ اور آپ بہت بڑے خلق پر ہیں۔ بول رہی ہے اور کلمہ علیٰ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلق عظیم پر غالب اور برتر تھے کیونکہ انکی پیدائش احسان اور رحمت پر ہوئی تھی اور یہی چیز خلق کا ملجا و ماوٰی ہے جیسا کہ عارف پر مخفی نہیں ہے

اور چوتھا خلق تواضع ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا عباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ہونًا۔ اور اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم چال چلتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ بندہ خدا تعالی کے دبدبہ اور اسکی حکومت اور سلطنت اور عزت کے سامنے ذلیل ہو جائے جھک جائے پھر بندہ اسکے حکم کو قبول کرنے کیلئے تیار رہتا ہے اگرچہ عقل اسکی موافقت نہ کرے اور ایسا قبول کرتا ہے جس میں ایمان خالص اور یقین صحیح پر کوئی الزام نہ آئے وہ اپنے باطن میں اسکے حکم کے خلاف کوئی راہ نہیں پاتا وہ دین کے امور میں تمام غفلتیں اور ہر طرح کے جھگڑے چھوڑ دیتا ہے وہ پوری رضامندی سے جھک جاتا ہے اور جلال و جمال کے مشاہدہ کے آئینہ سے کدورات دور کرتا ہے اور خدمات کی ادائیگی میں کوتاہی سے پوری جوانمردی کے ساتھ نکل آتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو کسی منزلت اور فضیلت کا مستحق نہیں سمجھتا اور نہ اپنا کوئی حق سمجھتا ہے اس میں پوری جوانمردی پیدا ہو جاتی ہے جو اسکی نافرمانی کرے اسے اپنا مقرب بناتا ہے اور جو اسے ایذا دے اسکی تعظیم کرتا ہے وہ غصہ کو پی جاتا ہے اور لوگوں کو معاف کرتا ہے وہ اس میں اس حد تک ترقی کرتا ہے کہ اس کا دشمن کسی سفارش کی طرف محتاج نہیں ہوتا اور اسکے حقوق میں کوتاہی کرنیوالے اور دشمن کسی معذرت کی شرمندگی نہیں اٹھاتے۔ وہ استدلال سے چلا جاتا ہے اسکی تمام ہمت اسلئے ہوتی ہے کہ اسکو خاص مقام کی جوانمردی اور کلی کشف حاصل ہو جائے اور اس عبارت سے ان الفاظ کا معنی ظاہر ہو گیا جو کہے گئے ہیں کہ جسکا دشمن شفاعت کا محتاج ہو

اس کی طرف معذرت کرنیکی شرمندگی اٹھائے تو اس نے جوانمردی کی خوشبو بھی نہیں سونگھی اور جس نے نور حقیقت کو استدلال کے قدم پر طلب کیا اس کیلئے جوانمردی کا دعوی کبھی بھی حلال نہیں پھر جب تواضع او تنزل جوانمردی کے مقام پر پہنچ جاتا ہے پھر خلقت کے ساتھ انبساط (خندہ پیشانی) تک ترقی کرتا ہے۔ وہ اپنے حصہ کی بخیلی اور اپنے نفس کے بخل کی وجہ سے کسی سے دھوکہ نہیں کرتا بلکہ لوگوں کو عطیات دیتا ہے اور خلق عظیم سے پیش آتا ہے اور خدا کے ساتھ اسکا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی امید اسے روک نہیں سکتی اور کوئی خوف اسکو حرکت میں نہیں لا سکتا اور خدا تعالیٰ اور اس کے درمیان کوئی چیز اور کوئی غرض حائل نہیں ہو سکتی اس کو بسط شہودی حقیقی اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے اور اسم مبارک باسط کی تجلی کلاً وجعلاً اس پر چمکتی ہے لیکن چونکہ ان اخلاق کا بقا اصول کا محتاج ہے لہذا انکی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے اور وہ بھی دس ہیں جیسے پہلے گزر چکا ہے اور میں ان کو پانچ اصولوں میں ملخص کرتا ہوں۔

پہلا اصل ارادہ ہے اور یہ اس کا علم کے قوانین اور عملیات کی اساس ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کل یعمل علی شاکلتہ ہر آدمی اپنے پہلو پر عمل کرتا ہے"۔ اور اسکا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنے اس اختیار سے دستبردار ہو جائے جو اسے فطرتاً نصیب ہوتا تھا اور یہ حکم کے امر یا نا ہی کی ہمنوائی کی مطابعت سے خواہ خوشی اور رغبت سے ہو خواہ مجبوراً اور ڈر کی وجہ سے اگر یہ دستبرداری بسیط ہو تو اس کا نام قصد ہے اور اگر یہ مرکب ہو تو اس کا نام عزم ہے جیسے کی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول ومن یخرج من بیتہ میں اشارہ فرمایا ہے اور جو شخص اپنے گھر سے خدا اور اس کے رسول کے لئے ہجرت کرتے نکلے پھر اس کو موت آ دبائے تو اس کا اجر اللہ پر واقع ہو گیا"۔ اور دوسرے کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے اس قول فاذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ سے فرمائی "، پھر جب تو عزم کرے تو اللہ پر بھروسہ کر"۔ جیسے کا نتیجہ یہ ہے کہ سالک میں اس سے ایسا داعیہ پیدا ہو جاتا ہے جو اسکو پہلے رضامندی پر آمادہ کرتا ہے پھر وہ تمام پردوں اور حجابوں کو پھاڑ ڈالتا ہے پھر توحید اور حکم کے داعی کے سامنے جھک جاتا ہے اور بحر فنا میں داخل ہو جاتا ہے اور دوسرے سے کشف کی تجلی ظاہر ہوتی ہے پھر انس کا نور اسپر ہمیشہ چمکتا رہتا ہے اور خواہشات کی آگ مر جاتی ہے پھر استقامت کی چمک اور مشاہدہ کی روشنی اسکے سامنے جلوہ گر ہوتی ہے پھر وہ عزم سے ترقی کر کے اقامت اور استقامت پر اسی طرح پہنچتا ہے کہ اس میں کوئی قسم کا تردد نہیں رہتا پھر وہ حدود آداب سے مقام کی حفاظت کے مقام پر پہنچتا ہے پھر وہ اپنی اطاعت کو نمک اور ادب کو آٹا بنا لیتا ہے اور رہنمائی کے راستہ پر خدا کی توفیق رفیق سے چلتا ہے اور اختیار نفسی کے ظلمات سے باہر آجاتا ہے اور انوار قدسی سے چمک جاتا ہے اور پھر ارادہ یقین اور استیقان کا بیج بن کر پھوٹتا ہے اے اللہ ہمارے دلوں کو یقین کرنیوالا بنا دے۔

اور دوسرا اصل یقین ہے۔ اور یہ اس دشوار گزار شکوک اور ڈر والے راستہ میں ایک باہمت سواری ہے جس کے سامنے آگ سے پہاڑوں کی چوٹیاں اور توہم کے سمندروں کے گڑھے بیچ میں تو سالک یا مادہ کیلئے جسکے پاس بہت سا بوجھ بھی ہو ضروری ہے کہ اس سواری پر سوار ہو جائے اور اپنے بوجھ اس پر لادے ان شہروں تک پہنچ جائے جہاں وہ اسکے سوا مشقت نفس کے سوا نہیں پہنچ سکتا تھا یہانتک کہ وہ بڑے بادشاہ کے لشکروں کی آواز سننے لگے کہ تو اپنے رب کی عبادت آخری دم تک کرتا چلا جا"۔ اور پھر وہ اس داعی حق کی بات قبول کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا و فی الارض آیات للموقنین اور زمین میں یقین کرنیوالوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں"۔ کیونکہ انسان کے وجود کی زمین اسی طرح بچھائی گئی ہے کہ اس میں عجیب و غریب انوار اور بھید اور حکمیں ودیعت کئے گئے ہیں جب اس پر یقین کی بارش ہوتی ہے تو اسکی سطح سر دی سبزیوں کے اگنے کی وجہ سے سبز ہو جاتا ہے پھر وہ سبزی اپنے پاؤں پر کھڑی ہو جاتی ہے اور زمیندار دیکھ کر باغ باغ ہو جاتا ہے پھر اسکا ہر دانہ سات بالیاں اگاتا ہے اور ہر بالی میں سو سو دانہ بھر جاتا ہے اسوقت اسکو یہ چلتا ہے کہ دنیا آخرت

Scanned by CamScanner

کی بکھیتی ہے"۔ کا کیا مطلب ہے اس پر ان باغوں کے دروازے کھل جاتے ہیں جنکے نیچے نہریں چلتی ہیں"۔ "اور انکے لئے اس میں ہر وہ چیز موجود ہے جسکی وہ خواہش کریں"۔ اس میں صرف وہ پہلی موت ہی چکھیں گے اور انکے لئے اس میں پھل اور ریشم سے اور ریشمی کپڑے اور تجلیات محمدیہ کے سونے کے کنگن اور انوار رحمانیہ کے موتی موجود ہیں وہ وجود کے طوبیٰ کے ہر تیشے سے ستارے تسبیح پڑھ رہے ہیں سبحان اللہ الذی لا الہ الا ہو وہ اللہ پاک ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں "وہ اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو دین حق کا مبلغ بنا کر بھیجا تا کہ تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ اسے کافر ناپسند ہی کیوں نہ کریں"۔ قوئی نفسانیہ اور خواہشات شیطانیہ سے پردہ کہہ اٹھتا ہے گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت اللہ ہی کی توفیق سے ہے جو بلند اور بڑا ہے جو شک اور تردد کی موت کے اندھیروں کو دور کر کے یقین کی زندگی بخشنے والا ہے اور اس کے تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ علم الیقین کا ہے اور وہ یہ ہے کہ حق سے جو ظاہر ہوا اور حق کیلئے جو کچھ بھی غائب ہوا اس کو قبول کرے اور جو حق کے ساتھ قائم ہو اس پر کھڑا ہو جائے اور یہ درجہ ابتدا میں خالص نقلیہ کا ہے جو اخبار اور سماع سے پیدا ہوتا ہے وہ مثل بیان اور قائف (قیافہ سے کام لینے والا) کے لئے کڑی کی طرح ہے اور کبھی اس میں استدلال بھی ہوتا ہے اور اس کے تین درجے ہیں۔

دوسرا درجہ عین الیقین کا ہے اور یہ علم قدسی اور کشف کے ساتھ اشیاء کے حق کو جس طرح وہ حقیقت میں ہیں جان لینے کا نام ہے اور یہ سالک کو کدورت نفسانیہ اور ہوائیہ سے دل کے شیشہ کو پاک کر دینے سے حاصل ہوتا ہے اس میں استدلال اور عقل کا کوئی دخل نہیں جیسا کہ علم الیقین میں تھا یہ خبر سے مشاہدہ کی طرف انتقال ہے اور علم کے حجاب کو انوار شہود سے پھاڑ ڈالنا ہے۔

اور تیسرا درجہ حق الیقین کا ہے۔ یہاں کشف کی صبح روشن ہو جاتی ہے اور ہر طرح چمک پیدا ہو جاتی ہے کہ یقین کی کلفتوں سے چھٹکارا ہو جاتا ہے کیونکہ سالک پہلے اور دوسرے مقام میں حقیقت الیقین کا حامل تھا فرق صرف یہ تھا کہ پہلے میں دوسرے کی نسبت زیادہ بوجھ تھا لیکن تیسرے مرتبہ میں سالک محمول ہو جاتا ہے اور یقین اسکا حامل ہو حق الیقین کا احاطہ کر لیتا ہے وہ انسان کی آنکھ کی پتلی بن جاتا ہے اور دوئی کی نسبت درمیان سے اٹھ جاتی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں آ اللہ میں یقین کرنے والے اور اپنے نبی برگزیدہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم رؤف الامین المکین وسلم کی شریعت کے تابعدار بنا۔

اور تیسرا انس ہے۔ اور وہ پیوند ہے۔ بندے کے درمیان جو جسمی کا تعلق ہے اور اللہ کے درمیان جو رب الارباب ہے "۔ اور جب تجھ سے میرے متعلق میرے بندے سوال کریں تو میں بالکل قریب ہوں پکارنے والے کی پکار کا فوراً اسی وقت جواب دیتا ہے"۔ تو ذکر کا بیج ذاکر کے دل کی زمین میں اس صفائی والی بارش کے بادلوں کے چھینٹوں سے اگ آتا ہے پھر وہ اللہ کا ذاکر کرتا ہے اور دل اسکا غیر سے خالی اور بتوں اور تماثیل سے دور چلا جاتا ہے تو اپنے یقین کرنے والے سے تنفس دل کی گہرائیوں سے ذکر دینی اور ذکر کی آواز سنتا ہے تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد رکھونگا۔ یعنی تم مجھکو اپنے نفسوں کے فنا کر کے یاد کرو میں تم کو باقی رہنے والی بارگاہ کے روشنی اور صاف انوار سے یاد کرونگا۔ پھر ہر سانس جو اسکے منہ سے نکلتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ایسا ذکر ہوتا ہے جس میں اپنے ذکر کا شعور تک باقی نہیں رہتا پھر ذکر اور ذاکر دونوں مذکور کی بقا میں فنا ہو جاتے ہیں اور پھر سالک کلمہ اور کلمۃ اللہ کا خطاب پاتا ہے اسکا نام پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ ہو جاتا ہے جس کے بعد کبھی فنا نہیں آتی پھر درجہ بدرجہ اچھی زندگی حاصل

Scanned by CamScanner

کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ خدا کا نوشتہ پورا ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت اس کو اللہ تعالےٰ کے اس قول واذکر ربک اذا نسیت معنی سمجھ میں آتے ہیں کہ ”جب تو بھول جانے کے بعد اپنے رب کو یاد کر“۔ کیونکہ اس وقت سالک اپنے نفس کو لذات و شہوات عطا کرنے سے بھول جاتا ہے اور ذاکر اللہ اس کے شعور کو بھی بھول جاتا ہے وہ غفلت سے مخلصی حاصل کر لیتا ہے اور عین ذکر عین مذکور بن جاتا ہے اس حیثیت سے کہ اس کی اپنے نفس سے فنا ہو جاتی ہے اور مذکور کی لقا کے ساتھ وہ باقی ہو جاتا ہے۔ اور ذکر کے تین درجے ہیں۔ پہلے میں کچھ اضطراب بھی ہو جاتا ہے اور اسے ذکر ظاہر کیا جاتا ہے زبان کا ذکر خواہ جہر سے ہو یا خفیہ کیوں کہ زبان محل قرب سے دور ہے یعنی اس دل سے جو اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا گھر ہے۔ اور دوسرا ذکر خفی ہے اور یہ دل سے ہوتا ہے لیکن اس میں بھی کچھ فتور رہتا ہے کیونکہ یہ بھی دل کی زبان سے ہوتا ہے کہ سالک مقام میں اپنے نفس کا مشاہدہ بھی کرتا ہے اگرچہ وہ انوار وجود کی موجوں اور شہود کے سمندروں میں غرق ہوتا ہے۔ اور تیسرا درجہ ذکر حقیقی ہے کیوں کہ اس میں سالک اپنے وجود اور اپنے علم اور ذکر سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ تو تمام حجاب کلی وجزئی ظلمانی و نورانی اٹھ جاتے ہیں اور رسوم و علوم اور معلومات مٹ جاتے ہیں اور اللہ حی و قیوم کے سوا اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ اے اللہ تو ہی دینے والا ہے ہمیں اپنی جناب سے رحمت۔ فاکما اور لورا بحرمت اپنے نبی برگزیدہ اور انکی آل اور صحابہ اور انکے نام بر شیخ بزرگ ترین عطا فرما اور اپنے نبی اور ان بزرگان پر اپنی رحمت نازل فرما۔

چوتھا اصل فقر ہے۔ اور یہ ایک بہت بڑا خزانہ ہے ایک عظیم ڈھیر ہے اور بندے کے لئے بہت بڑا منصب ہے یہ ہر درگاہ سے اور مقام پر ہونے کا تمغہ ہے اور یہ انوار قدسیہ اور صمدی موتیوں سے جڑا ہوا تاج ہے اور یہ خاص خلعت محمدی ہے صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ انتم الفقراء الی اللہ ”تم اللہ کے محتاج ہو“۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”الفقر فخری فقر میرا فخر ہے“۔ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پہلا اور آخری اصل ہے کیونکہ جو فقیر نہیں ہو گا وہ غنی نہیں ہو سکے گا۔ ”اور تجھ کو فقیر پایا تو تجھے غنی کر دیا“ ”اور تنگی کے ساتھ آسانی ہے“۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ سالک کا دل ان تمام رکاوٹوں سے پاک ہو جائے جو اللہ تعالےٰ تک پہنچنے اور وصل حقیقی کی تجلی میں حائل ہوں خواہ یہ رغبت اور اختیار سے ہو خواہ ڈر اور مجبوری اور زبردستی سے۔ اس مقام پر سالک تمام آفاقی اور نفسی مطلوبات سے بیزار ہو جاتا ہے اور خدا بادشاہ کی ذات دیکھنے کے لئے آراستہ ہو جاتا ہے وہ اپنے رب عزوجل کی تجلیات کی سطوت دیکھ کر ہر لحظہ اپنی خواہشات سے فانی ہوتا رہتا ہے اور یہ بھی مجمل طور پر تین درجوں پر تقسیم ہے۔

پہلا درجہ زاہدوں کا فقر ہے اور یہ ترغیبات کی طلب یا نفس کی لگام کو تھامنے کے لئے دنیا سے ہاتھ اٹھا لینے اور دنیا کی ذم اور مدح سے زبان کو روک لینے اور دنیا کی طلب یا ترک سے سلامت رہنے کا نام ہے یعنی دنیا کا طلب کرنا یا ترک کرنا یہ سب کچھ خدا تعالےٰ کے سوا کا شغل ہے سو ان چیزوں میں سے کسی چیز کا گزر ان کے دلوں میں نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالےٰ نے ابن آدم کے دل میں باقی اور فانی اور طیب اور خبیث کے جمع ہونے کی جگہ نہیں رکھی اور یہی وہ فقر ہے جس کی فضیلت کے متعلق خدا کے سوا تمام چیزوں کے شغل کو ترک کر دینے کی بحث ہوتی ہے۔

اور دوسرا درجہ سابق ازلی کی طرف رجوع ہے اور وہ ذاتی قدم ہے اس سے انسان معلوم کر لیتا ہے کہ اسکی تمام استعداد

Scanned by CamScanner

فیض قدس سے ہے پھر ہر چیز کو اپنے وجود اور اعمال حسنہ اور احوال طیبہ اور مقامات رفیعہ میں حق کو دیکھتا ہے اور اللہ ہی کے کمال قدرت سمجھتا ہے اور بغیر کسی سبب اور لیاقت کے محض اسکا احسان جانتا ہے پھر اسکو اسکے فضل کا یقین ہوتا ہے اور یہ فقر اس میں پختہ ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے اعمال کو نہیں دیکھ سکتا اور احوال کا شہود منقطع ہو جاتا ہے اور مقامات کے مطالعہ کی گندگی سے صاف ہو جاتا ہے اور ریاء سے اور تکبر و فخر سے بیزار و منزہ بن جاتا ہے۔ بلکہ اپنے وجود سے بھی کیونکہ وہ اپنے وجود کو سب سے بڑا گناہ سمجھنے لگتا ہے۔

اور تیسرا درجہ صحت اضطرار ہے جو انقطاع وحدانی اور قید تجرید کے ہاتھوں میں گرفتار ہو جاتا ہے بحت اضطرار کی وجہ سے وہ گویا یہ دیکھتا ہے کہ جو کچھ بھی اسپر ازل میں حکم سابق جاری ہو چکا ہے اس میں اسکا کوئی اختیار اور وجود نہیں ہے تو اس کے لئے مجبوری یعنی عدم اختیار ثابت ہو جاتا ہے اس مقام میں سالک کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا اور نہ اس کا کوئی نام ہوتا ہے وہ باعث مجبور ہے اور اس طرح وہ جمع کی بارگاہ میں ٹھہر جاتا ہے جسے انقطاع سے تعبیر کیا جاتا ہے اس مقام میں سالک کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا اور نہ اس کا کوئی نام ہوتا ہے۔ وہ احدیت کی بارگاہ میں غیب ہے اور اپنے حال کی زبان سے کہتا ہے۔ وہ کہ وہ اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے اور تو انقطاع اس قاعدہ کے مطابق کہ ہر چیز ناپاک ہونے والی ہے مگر اسکی ذات — فنا اور لاشئے ہونے کا مقام ہے تو اسی طرح اسکو فنا بھی نصیب ہوتی ہے۔

پانچواں اصل غناء ہے اور وہ نام ہے پوری بادشاہت کا اور یہ تین درجوں تک ترقی کرتا ہے پہلا درجہ دل کا غنی ہے اور وہ یہ ہے اسباب سے بچنا اور حکم ازلی سے صلح کر لینا اس سے آدمی جھگڑنے اور تقاضے سے رہائی پاتا ہے اور دوسرا درجہ نفس کا غنی ہے اور یہ غیب پر استقامت اور برائی سے سلامت اور ریاء سے بیزاری کا نام ہے اور تیسرا درجہ غنی بالحق کا ہے اور اسکے پھر تین مرتبے ہیں۔ پہلا تو خدا تعالیٰ کے ذکر کا شہود ہے اور دوسرا درجہ اسکی اولیت کا دائمی محاضرہ ہے اور تیسرا درجہ اسکے وجود کے ساتھ کامیاب ہونا ہے اور اس کی بڑی تفصیل ہے جو بڑی کتابوں میں مذکور ہے اور اسکے متعلق آپ کے اس قول کے تحت خدا کے فضل وکرم سے آئیگی۔ مریدی ہم وطب و اشطح دفن۔

اور بعض مقامات وادیاں میں اور انکے بھی دس باب ہیں جیسا کہ آپ کو پہلے معلوم ہو چکا ہے لیکن انکی پانچ میں تلخیص کر دینا کافی ہے وادی احسان ہے اور وہ یہ ہے کہ تو خدا تعالیٰ کی عبادت اسطرح کرے گویا کہ تو اسکو دیکھتا ہے" اور اسکے تین درجے ہیں پہلا درجہ احسانِ قصد ہے کہ ارادے کو علم سے مہذب بنایا جائے اور عزم سے مضبوط اور حال سے اسکا تصفیہ کیا جائے۔ تہذیب کا مطلب یہ ہے کہ اپنے ارادے کو درست رکھے۔ اور اللہ کے اس علم کے مطابق رکھے۔ جو اللہ نے اسکو اپنی شریعت میں نبی کی زبان سے سکھایا ہے اس طریقے کے مطابق عمل کا قصد کرے۔ اور عزم یہ ہے کہ اپنے قصد میں اتنی پختگی پیدا کرے کہ اس سے باز آجانا ناممکن ہو جائے اور اپنے نفس سے جہاد کرنے میں ان لوگوں کی طرح ہو جنکو کفار و اشرار کے مقابلہ کا حکم دیا گیا۔ بلکہ یہ اس سے بھی بڑا جہاد ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ ہم نے چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف رجوع کیا" اور قصد کا تصفیہ یہ ہے کہ وہ اپنے معبود برحق کے شہود میں خالص العمل ہو کر اپنے ہم جنسوں کی نگاہ سے محفوظ رکھے یہاں تک کہ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے باقی رہ جائے اور خطرات نفسانیہ بلکہ ملکوتیہ اور جبروتیہ اور لاہوتیہ کی کدورت سے بھی اپنے آپ کو پاک وصاف کر دے۔

اور دوسرا درجہ احسان فی الاحوال ہے اور وہ تین قسم ہے پہلی قسم یہ ہے کہ ہر اس حال کی رعایت کرے جو اسپر وارد ہو اور اسکے حق کو پورا کرے اور یہ صفت غیرت سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ جب وہ اس کے حق کی رعایت نہیں کریگا تو جو ہمسائے اس حال میں اس کے ساتھ مقیم ہیں انکی نگاہ میں ذلیل ہو جائیگا اور اسے حق اور اہل حق سے شرم آنے لگتی ہے۔ اور دوسرا یہ ہے کہ جن احوال میں وہ موجود ہو تو

لوگوں سے چھپالے اور مخفی رکھے ذات اور آثار دونوں طرح سے اور آفات مثلاً دعویٰ، عجب، طلب جاہ و کرامت اور الطیلن [illegible] وجاہت وعظمت کے حصول کیلئے اسکو ظاہر نہ کرے یہ تمام امور نقائص میں ان سے براءت کو بچانا ضروری ہے جو بار بار شعلم مرید کی بارگاہ کی بلند بارگاہ تک پہنچنے اور اس راستہ پر چلنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اور تیسرا یہ ہے کہ ہر حال کو تحقیق اور اثبات کے لحاظ سے صحیح رکھا جائے اور اسکی تفصیل یہ ہے کہ احوال کبھی صحیح ہوتے ہیں اور کبھی فاسد اور کبھی یہ مشتبہ کہ ان میں باطل حق کے ساتھ مشتبہ ہو جاتا ہے جیسا سر پانی یا سراب سمجھنا ہے تو ضروری ہے کہ انکی صحت اور بگاڑ میں تمیز کرے اور علم اور معرفت کے ساتھ انکے اثبات میں کوشش کرے اور علامات وامارات اور عوارض اور آثار سے تمسک کرے جو کہ اس کے بعد باقی رہ جاتے ہیں۔ پھر اگر واردات اور انوار اور خواطر اور اسکے اور اسکے علاوہ جو اسکے پاس آتے ہیں اور اس پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر دائیں جانب سے ہوں تو اکثر وہ حق ہوتے ہیں اور جو بائیں جانب سے آئیں وہ اکثر باطل ہوتے ہیں۔ اور پھر وہ عوارض جنکے ساتھ روح اور طمانیت اور فکر کا حق اور سکون کے ساتھ انجذاب اور باطن کی جمعیت ہو تو وہ حق ہیں اور جن میں لغزش اور بے چینی وسوسے پیدا ہوں وہ باطل ہے اور آثار میں سے ہر وارد جو بشاشت اور معرفت کے بعد دل میں سرور اور فرح کے ساتھ باقی رہے اور انسان اس کے بعد طاعت میں خوشی اور قوی بشارت محسوس کرے وہ ملکی ہے اور وہ اثر جسکے زوال کے بعد طبیعت میں غم اور طرب پیدا ہو اور اسکے بعد آدمی سست ہو جائے اور نیند خواہشات یا لذائذ کی طرف مائل ہو جائے وہ اثر نفسانی یا شیطانی ہے اور ہر وہ وارد جسکے ختم ہونے کے بعد دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت باقی رہے اور ایک نیا الیقین پیدا ہو جائے وہ وارد الٰہی ہے اور کبھی یہ چیز تجربہ سے بھی حاصل ہو جاتی ہے اور اسی کے قریب قریب خواطر کا علم بھی ہے پس ہر وہ خاطر جس کے ساتھ سلطنت اور غلبہ ایسا ہو جو نفی سے منتفی نہ ہو سکے۔ اور ذکر کی کثرت اور قوت میں لا زوال زیادت پیدا ہو اور اس میں نفس کی لذت نہ ہو تو وہ الٰہی حقانی ہے اور جب وہ نیکی پر آمادہ کرے اور برائی سے روکے تو وہ ملکی ہے اور جب برائی اور گناہ اور خدا تعالیٰ کے حکم کی مخالفت پر آمادہ کرے تو وہ شیطانی ہے اور جب شہوت اور لذت اور لذات نفسانی پر آمادہ کرے تو وہ نفسانی ہے اور ان کو تولنے کی میزان علم ہے۔ اور جو علم کی استقامت سے خارج ہو تو صاحب حال کے لئے ضروری ہے کہ اسکی تصحیح اور تقویم میں پوری کوشش کرے اور تحقیق حق اور ابطال باطل میں پوری جد وجہد کرے۔ اے ہمارے رب ہدایت کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر دے اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما۔

اور تیسرا درجہ احسان فی الوقت ہے اور یہ ہے کہ ماسوی اللہ کی ہجرت سے جو اس کو مل چکی ہے کبھی علیحدہ نہ ہو اور خدا تعالیٰ کا مشاہدہ ہمیشہ رکھے اور حق کے ساتھ اپنی اور متعلق کی کوئی اعتبار نہ سمجھے کیوں کر ذات احدیت کے ساتھ ہمت کے تعلق کی نہایت تو ہے لیکن ذات احدیت کی تجلیات غیر متناہی ہیں۔ تو اسکی ہمت اپنے احوال دیکھنے میں بھی مشغول نہیں ہونی چاہیئے کیوں کہ حال کے موزنوں سے بھی حجاب پیدا کر لینا احدیت خالصہ سے غفلت کا باعث ہے تو اس صورت میں وہ احد اکیلے کی طرف ہجرت کرنے والا نہیں ہوگا۔ بلکہ اپنے کمال کی طرف مہاجر ہوگا اور یہی معنی ہے توحید الواحد یا افراد الواحد عن الغیر کا۔ تو اس صورت میں اس کی ہمت اور ہجرت حق کی طرف سرمدی ربانی ہو گی۔ اس کی صفائی بڑھتی جائے گی اس کا پانی خالص ہوتا جائے گا۔ اور یہی معنی ہے۔ وصول کے احسان میں آپ کے اس قول کا استغنی الحب کمسات الوصال فقلت بجز فی نحوی نفال۔ پھر وصال ہر مقام میں ہے جس کی کلی طور پر حاصل کیا جائے اور وصولات غیر متناہیہ جزئیہ

Scanned by CamScanner

میں ترقی کی طلب ہو اور اس صورت میں علم زیادہ سے زیادہ بڑھتا جاتا ہے۔ اے اللہ ہمیں علم اور نور زیادہ عطا فرما اور ہمیں وصول اور حضوری بخش اور بارگاہ سرمدیت میں ہمارے اسرار کے اقدام کو ثابت رکھ اور اسے خیر اور بھلائی کے عطا کرنیوالے ہمارے دلوں کو غیر کی طرف نگاہ کرنے اور تکلیف میں محفوظ ہونے سے محفوظ رکھ۔

دوسری وادی علم ہے۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا وعلمناہ من لدنا علماً اور ہم نے اسکو اپنی طرف سے علم عطا فرمایا اور اس تمام میں علم سے مراد وہ صفت ہے جس سے اشیاء اپنی حقیقت اور احکام کے لحاظ سے روشن ہو جاتی ہیں۔ کہ ہر چیز کو اسکے مقام پر رکھے یہی وجہ ہے کہ اس علم کا نام حکمت بھی ہے۔ یوتی الحکمۃ من یشاء ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیرا وہ جسے چاہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جسے حکمت دی گئی اسے بہت زیادہ بھلائی عطا ہوئی۔ اس حکمت کے بعد سالک اس حیرت سے نجات پا جاتا ہے جو اسکو شریعت اور اخبار کی ابتدا میں تکوین کے مسئلہ کے متعلق لاحق ہوئی تھی کہ تقدیر بھلی بری اسی کی طرف سے ہے اور پھر گنہگار کو پکڑ لینے اور مطیع کو معاف کر دینے سے کہ ہر ایک اسی اللہ تعالٰے کی تقدیر کے مطابق عمل کرتا ہے جیسا کہ اسکی طرف اللہ تعالٰے نے اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا ہے قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی۔ کہہ دو یہ میرا راستہ ہے۔ میں بصیرت پر اللہ تعالٰے کی طرف بلاتا ہوں میں بھی اور میرے تابعدار بھی۔ جب یہ بصیرت حاصل ہو جاتی ہے جو کہ علم اور حکمت کا نتیجہ ہے تو سالک فراست کی طرف ترقی کرتا ہے جس کا بیان اللہ تعالٰے نے اپنے اس قول میں فرمایا ہے۔ ان فی ذالک لآیات للمومنین۔ بیشک اس میں فراست والوں کیلئے بہت سے نشانات ہیں۔ اور توسّم کا معنی فراست ہے اور وہ بغیر کسی شاہد اور اخبار کے استدلال کے تجربہ کے ساتھ حکم غیبی سے مانوس ہونا ہے۔ اور فراست اور علم ہی میں الہام بھی شامل ہے اگرچہ ان میں ایک حیثیت سے تغایر موجود ہے کہ فراست الہام سے کمتر درجہ کی چیز ہے کیونکہ الہام اہل مکاشفہ اور محدثین کا مقام ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ میری امت میں کچھ محدث ہونگے اور عمرؓ بھی انہی میں سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا اکثر اجتہاد وحی حق کے موافق ہوا کرتا تھا سو الہام بھی علم کی ایک قسم ہے اور اس علم کے کچھ مراتب اور درجات ہیں جو حکمت و بصیرت اور فراست کا جامع ہے۔

پہلا درجہ علم جلی کا ہے جو ظاہری چیزوں سے حاصل ہوتا ہے جیسے وہ اشیاء جو دیکھی جا سکیں اور یہ تمام مشاہدات اور وجدانیات کو شامل ہے اور پھر مشاہدے حواس ظاہری سے بھی حاصل ہوتے ہیں اور حواس باطنی سے تو ہر چیز کو اس کا حق دینا ہے جو کہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی رو سے اسکے لیے ثابت ہے اسی طرح کہ وہ اس فراست کی حیثیت سے جو وحشت (یعنی ذکر الٰہی سے علیحدگی) سے بیگانہ ہو سوء عاقبت کا خوف نہیں رکھتا کیونکہ وہ علم جو اس فراست وحشیہ کا ثمرہ ہے کبھی اس کو کہانت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جو کہ شریعت مطہرہ کے میدان میں مردود ہے۔

دوسرا درجہ علم خفی کا ہے یہ پاک ابدان کے روشن اسرار سے ریاضت مجاہدہ کے پانی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور بلند و خالص ہمت والوں کے نفوس صافیہ میں ظاہر ہوتا ہے اور سننے والے کان اسکی سماعت کرتے ہیں۔ اس علم والا حق کی ہدایت اور اسکے قبول کرنے میں بصیرت نامہ اور حکمت کاملہ اور فراست حقہ سے جسکی آبیاری ایمان اور یقین سے ہوتی ہے اسکو مشاہدہ کرتا ہے اور یہ علم عمل کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ علماء نبیوں کے وارث ہیں۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی وضاحت فرمائی ہے۔ جو علم کے مطابق عمل کریگا اللہ تعالٰی اسکو ان چیزوں کا علم بھی عطا فرمائیگا

Scanned by CamScanner

جس کو وہ نہیں جانتا۔ اور اس کا نام علم خفی ہے جسے جاننے والا ظاہر و باطن کی نسبت سے [illegible]
ورنہ اس علم والے کی نسبت سے یہ علم ہر مخفی سے مخفی ہے اور ہر باریک سے باریک تر ہے اور اس علم کے حصول کا دارومدار ظاہر و باطن کی اصلاح اور بدن
کی پاکیزگی پر ہے جو کہ محرمات شرعیہ اور محرمات طریقیہ و حقیقیہ سے اجتناب اور دنیا طلب کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

اور تیسرا علم علم لدنی کا ہے اور اس کی بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے [illegible] اور
ایک عقل سے پاک ہے اس کی تعریف عبارت سے بیان کی جا سکتی [illegible] اللہ تعالیٰ
کے علم جس کو تجلی ذات سے تعبیر کرتے ہیں کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ اس کی طرف اس اللہ کے نام [illegible] ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور
وہ غیب جاننے والا ہے یہ ارشاد حقیقت میں حکمت بالغہ [illegible] کے لئے ایسی [illegible] اور
اشارہ ثابت ہو جاتا ہے۔ اور فراست مریدان صاف ظاہر ہوتی ہے جو [illegible] کے پانی سے پیدا ہوتی ہے
اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہی ہر جاننے والے سے زیادہ جاننے والا ہے [illegible] آپ رضی اللہ
عنہ کے قول ورثت العلم حتی صرت قطبا کے تحت ان شاء اللہ آپ کو بتائی جائے گی اور اس چیز کی وضاحت بھی پورے طور پر ہو گی کہ علم سے مراد یا
تو علم معاملہ ہے جیسا کہ ورثت کے قول سے ابتداءً ذہن میں یہی آتا ہے کیونکہ [illegible] یہی وجہ ہے کہ اس
کو علم وراثت بھی کہتے ہیں اور یا پھر اس سے مراد علم مکاشفہ ہے اور یہ ایک باطنی علم ہے جو گہرائی کے گڑھوں سے نکال کر عروج و ترقی
کی بلندیوں پر پہنچا دیتا ہے جس کا اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے۔ وعلمناہ من لدنا علما اور ہم نے اس کو اپنی طرف سے علم
عطا فرمایا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعا میں فرمایا اے اللہ میرا علم زیادہ کر اور میرے کانوں اور آنکھوں سے مجھے [illegible]
عطا فرما۔ اور یہ علم تمام علوم سے زیادہ باریک ہے اور سب سے زیادہ سمجھنے کی چیز ہے لیکن یہ ظاہری علم کا پھل ہے۔ وہ علم والا
ہے اور یہ علم پھل ہے پھر کیا کبھی بغیر درخت کے بھی پھل لگا ہے؟ کبھی نہیں۔ کشجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء اس کی مثال ایک
پاک درخت کی ہے کہ جس کی جڑیں زمین میں مضبوط گڑی ہیں اور اس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ اور اس سے علم مکاشفہ
مراد لینے کی تائید آپ کے قول صرت قطبا سے ہوتی ہے کیونکہ قطبیت کی نسبت عموماً علم باطنی سے ہوتی ہے اگرچہ اس کی بنیاد علم
درسی پر ہی رکھی جاتی ہے جیسا کہ آپ کو بھی معلوم ہو چکا۔ اے اللہ میرے علم کو زیادہ کر اور اگر میں بھول جاؤں یا غلطی کر جاؤں تو مجھ سے
مواخذہ نہ فرما۔ اے ہمارے رب ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی عطا فرما۔ الکریم کے طالب [illegible] بہت بخشنے والا۔

تیسری وادی تعظیم ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ما لکم لا ترجون للہ وقارا تم کو کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ
کی عظمت کی امید نہیں رکھتے۔ اور اس قول میں کہ وما قدروا اللہ حق قدرہ انہوں نے اللہ کی قدر کو نہ پہچانا [illegible] تو تعظیم منازل اللہ
کو پہچاننے اور اپنے نفس امارہ کو ذلیل سمجھنے کا نام ہے وہ نفس جو اللہ کا دشمن ہے۔ تیرا سب سے بڑا دشمن ہے وہ نفس (دل) ہے جو تیرے
دونوں پہلوؤں میں ہے تو سالک جو عظمت الٰہی کی وادی اور اللہ تعالیٰ کی عزت کے میدان میں حیران پھرنے والا ہے کے لئے نہایت لازمی ہے
کہ اپنے نفس کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے ذلیل و خوار اور عاجز اور محکوم سمجھے اور اس کے تین مرتبے ہیں۔

پہلا مرتبہ خدا تعالیٰ کے امر و نہی کی تعظیم کا ہے کہ وہ امر خواہ وہ واجب ہوں یا مستحب یا مباح کی تکمیل بقدر طاقت انسانی پوری طرح
کوشش کرے اور ان کو سمع و طاعت سے قبول کرے اور منہیات سے پرہیز کرے۔ کیونکہ جو رخصت سے عزیمت کی طرف ترقی کرتا ہے

Scanned by CamScanner

وہ جواں مرد اور بہادر ہوتا ہے کیوں کہ رخصت تو عورتوں اور بچوں کے لئے ہوتی ہے اور عزیمت بہادروں کے لئے جیسا کہ شیخ بزرگ نے
اس پر اپنی کتاب جلاء الخاطر میں اس کی تصریح کی ہے تو سالک کا رجحان ہمیشہ عزیمت کی طرف رہنا چاہیئے اگرچہ بعض امور میں رخصت
بھی پائی جاتی ہے اور سے کبھی اوامر اور نواہی کا مقابلہ رخصت سے نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ رخصت ہمیشہ ترقی سے خالی ہوتی ہے
اور ان دونوں کی تعمیل میں سختی سے کام بھی نہ لے بلکہ شریعت مقدسہ کے متوسط قاعدہ کے مطابق جس کو عادت بھی کہا جاتا ہے
ان کی تکمیل کرے اور افراط سے پرہیز کرے کیوں کہ عموماً اس پر مداومت نہیں ہو سکتی پھر وہ تکلیف مالا یطاق کا محتاج ہوگا۔"
"اور اللہ تعالےٰ کسی نفس کو بھی اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے۔" اور پھر بلا فائدہ اسے مشقت کرنی پڑے گی اور
اس پر اللہ تعالےٰ کی کتاب اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث نے نص فرمائی ہے۔ "اور جو رہبانیت انہوں نے
خود ایجاد کر لی تھی"۔ "اور اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔" اور اوامر اور نواہی کی ایسی تاویل بھی نہ کرے جس سے
فرمانبرداری میں سستی اور کوتاہی پیدا ہوتی ہو جب کہ آج کل کے جاہل صوفیا کا طریقہ ہے۔

دوسرا مرتبہ اس حکم کی تعظیم ہے جو ازل میں خدا کا قلم لوح محفوظ پر اس کے لئے لکھ چکا ہے اور اس بات سے پوری طرح پرہیز کرے کہ نفس
امارہ اسکو اسپر آمادہ نہ کرے کہ اپنی ٹیڑھی تقدیر کو سیدھا کرنے کی کوشش کرے بلکہ اسپر راضی ہو جانا چاہیئے اور دیکھے کہ جو حکم بھی اسکے متعلق
جاری ہوا ہے وہ درست ہے اور ضروری ہے کہ اس کا دل اس حکم کو قبول کرے اور اسکی مخالفت نہ کرے اور اگر اسکا کوئی معاوضہ
چاہیے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہو اور یہ یقین رکھے کہ جو لکھا جا چکا ہے وہ بدل نہیں سکے گا جیسے دن اور رات بغیر کسی تخلف
کے ایک دوسرے کے بعد آتے رہتے ہیں نہ تو رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ دن رات سے اور اس کی تفصیل
فتوح الغیب میں اس عنوان کے تحت ہے کہ "تقدیر پوری ہو کر رہے گی اسپر راضی ہو یا نہ ہو۔"

اور تیسرا مرتبہ اللہ عزوجل کی تعظیم کا ہے۔ کہ کسی وجود حقیقی کو کسی سبب کے ماتحت نہ سمجھے بلکہ جب بھی کوئی قوت یا اثر اس میں
دیکھے تو اسے اللہ عزوجل ہی کی طرف سے سمجھے اور اللہ تعالےٰ پر کسی کا کوئی حق نہ جانے خواہ وہ عابد ہو یا زاہد یا انبیاء راشدین علیہم الصلوٰۃ
والسلام ہوں بلکہ یہ عقیدہ رکھے اور جانے کہ حکم صرف اللہ اکیلے زبردست کا ہے وہ جس طرح چاہے حکم کرے اور اس کے اختیار کے
مقابلہ میں اپنے نفس کیلئے کوئی اختیار ثابت کرے بلکہ تمام اختیارات اللہ عزوجل کے سپرد کر دے اور اس اختیار میں کوئی کسی قسم کا جھگڑا
نہ کرے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت ہے۔ اور عنقریب سوال وجواب کے ضمن میں تکلیف کے اثبات اور ارتفاع کے متعلق آپ رضی
اللہ عنہ کے اس قول کے تحت بیان آئیگا کہ کسانی خلعة بطراز عزم۔ ایک نسخہ میں عزم آیا ہے اور دوسرے نسخہ میں عظام
ہے اس کو خدا کے فضل وکرم سے یاد رکھ اور اس سے فائدہ اٹھا۔

چوتھی چیز سکینت ہے اللہ تعالےٰ نے فرمایا "ھو الذی انزل السکینۃ فی قلوب المومنین لیزدادوا ایمانا مع ایمانھم" "اللہ
وہ ہے جس نے ایمانداروں کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی۔ تا کہ وہ اپنے ایمان میں اور زیادہ ترقی کر جائیں" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا "
فانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین والزمھم کلمۃ التقوی" اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور ایمانداروں پر سکینت نازل فرمائی اور انکو
پرہیزگاری کی بات کا متقین کیا"۔ اور وہ ایک ایسی چیز ہے جو نور اور قوت اور روح کو جمع کر دیتی ہے۔ ڈرنے والا اس سے سکون
حاصل کر لیتا ہے اور غمگین تسلی پاتا ہے اور اسکے تین درجے ہیں پہلا درجہ اس سکینت کا ہے جو مقام احسان میں تعظیم اور حضور کے

لحاظ سے خدمت میں کھڑا ہونیکے وقت خشوع کی رعایت کے متعلق نصیب ہوتی ہے ۔ اور دوسرا وجہ سکینت کا وہ ہے جو نفس کے محاسبہ اور مخلوق سے نرمی اور مدارات کی ملاطفت کے وقت حاصل ہوتا ہے کہ سالک اپنے پیچھے کو دیکھے سامنے جھکانے اور انکی تکلیفوں کو برداشت کرے اور ان کو راحت اور نفع پہنچائے انکی محنت کو دیکھتے ہوئے انکے عیوب سے اپنی نگاہ ہٹائے اور عبدیت کے حقوق اور حدود کی حفاظت کی ادائیگی میں حق کا موانعہ کرے نیت خالص رکھے اور عمل اور ارادے کو مہذب بنائے ۔ اور ان سے دل صاف ہوجاتا ہے اور ولایت کی راہ کو طے کرنے میں سالک کے لئے آسانی ہوجاتی ہے اور تیسرا وجہ وہ ہے جو معاش اور معاد میں قسمت ازلی پر ہی رضامندی ثابت کرتا ہے اور انسان کو فحش بیحیائی سے روکتا ہے اور اس سکینت والا اپنے مرتبہ کی حد پر متمکن ہوکر کھڑا رہتا ہے اور یہ سکینت کسی نبی یا ولی کے دل پر ہی نازل ہوتی ہے اور اس سے قریب قریب وہ طمانیت ہے جسکے متعلق اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے یایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ ۔۔۔ اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف خوش بخوش ہوکر رجوع کر ۔ اور ان دونوں میں فرق اس اعتبار سے ہے کہ سکینت میں ایک دبدبہ ہے جس سے کبھی کبھی ہیبت بیٹھ جاتی ہے اور طمانیت ایک ایسی صفت ہے جو ہمیشہ رہتی ہے اور اس اعتبار سے بھی فرق ہے کہ سکینت ایک ایسی صفت ہے جو دفعتاً ہوتی ہے اور طمانیت ایک ایسی صفت ہے جو ہمیشہ رہتی ہے اور اسکے بھی کئی ایک درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ خوف کے وقت بندہ اللہ تعالیٰ کو دل میں اس امید پر یاد کرے کہ اس سے اس کو ثواب اور شفا نصیب ہوگی اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ روح کو قصد میں کشف کا اطمینان ہو اور شوق میں وعدے کا اور تفرقہ میں جمع کا ۔ اور تیسرا درجہ شہود حضرت کی طمانیت کے لطف کی طرف ہے اور طمانیت جمع لقا کی طرف اور طمانیت مقام نور ازلی کی طرف اور سکینہ اور طمانیت کے متعلق عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ اسکے فضل و کرم اور شیخ بزرگ نائب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد سے کلام آپ رضی اللہ عنہ کے اس قول کے تحت مذکور ہوگا ۔ کہ مریدی لاتخف اللہ ربی + عطانی رفعۃ نلت المنال اور آپ کے اس قول کے تحت مریدی لاتخف واش فانی + عزوم قاتل عند القتال +

پانچواں وادی ہمت ہے جس کا اشارہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں کیا ہے کہ ما زاغ البصر وما طغیٰ نگاہ ٹیڑھی ہوئی اور نہ حد سے بڑھی اور اسکا مطلب یہ ہے کہ غیر مقصود کی طرف التفات نہ ہو اور اپنے مقصود کے متعلق اپنے تیار کردہ ارادے کو خداوند تعالیٰ کے ارادے کے مقابلہ میں اسی طرح چھوڑ دے کہ طالب اپنے مطلوب سے منحرف نہ ہو ۔ بلکہ اپنے مولا حقیقی کیساتھ اپنی عزیمت کی لگام مراد مقصود کی طرف پھیر دے اور اس کے بھی کئی ایک درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ باقی چیزوں کی رغبت میں پورے اعتماد کیساتھ فانی چیزوں کی کمینوں رغبت کو چھوڑ کر اپنے دل کی ہمت کو عروج اور ترقی کی طرف متوجہ کرے ۔ اور دوسرا درجہ اس بلند ہمت کا ہے کہ وہ سالک کو اپنی آرزوں پر اعتماد اور حب جاہ اور ثواب اعمال اور لذائذ و منافع کی پرواکرنے یا انکار پر متوجہ کرتی ہے ۔ پھر وہ ان چیزوں کو کلی طور پر اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیتا ہے اور حق عزوجل کے سوا اور کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتا ۔ اور تیسرا درجہ اس ہمت عالیہ کا ہے جو ان سے بلند تر ہے اس میں سالک بلند احوال اور بزرگ مقامات سے قطع نظر کر لیتا ہے اور صفات اور درجات سے ذات کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے ۔ پھر وہ تجلیات افعال و صفات و اسماء کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور نہ ہی یہاں ٹھہرتا ہے بلکہ ذات کا قصد کرتا ہے اور صفات و اسماء کے دربار میں شہود حق پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ فنا کے ساتھ عین احدیت کی طرف گزر جاتا ہے اور نیز سب بزرگی اور بخشش کی ذات باقی رہ جاتی ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم و رحمت سے انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب ہمت کا بیان آپکے اس قول کے تحت آئے گا ۔ فذوحی بنیان الکمال اور اس قول کے تحت واطلعنی علی سر قدیم وقلدنی واعطانی سؤالی ۔ اور وہی رہنمائی کرنے والا ہے ۔

جان سے کہ جب دسویں کا بیان پورا ہو گیا تو احوال کا بیان آگیا اور یہ بھی دس ہیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا لیکن میں انکی تلخیص تین میں کرونگا تاکہ ان کا ضبط تیرے لئے آسان ہو جائے سو میں کہتا ہوں کہ احوال میں سے سب سے پہلے جس حال کا بیان کرتا ہوں اور وہ محبت ہے اور ایک طریقہ پر انپر پوری بحث ہو چکی ہے لیکن اب میں اسکو ایک نئے انداز سے تیرے سامنے پیش کرتا ہوں اسکو یاد رکھ محبت انفرادی طور پر خرچ کرنے اور روک رکھنے میں محبت اور اس کے درمیان ہے یعنی محب کو محبوب اپنے غیر سے علیحدہ کر دے یعنی غیر اس طرح منفی ہو جائے کہ اسکا کوئی وجود باقی نہ رہے یہاں تک کہ محبوب کے مقابلہ میں اسکے اپنے نفس اور وجود کا وجود بھی نہ رہے یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ محبت فنا کی وادیوں میں سے پہلی وادی ہے اور یہ پہلی گھاٹی ہے جس محو کی منازل پر اترا جاتا ہے اور یہ آخری منزل ہے جس میں بندہ اپنے رب سے ملتا ہے اور اسکے سوا باقی سب یا اعراض ہیں یا اعراض اور محبت کا نام فنا کی وادیاں اور عقبہ اسلیئے رکھا گیا کیونکہ محب کی ذات اور صفات کی فنا سے وہی سبب ہے یعنی محبت سے جو پہلی چیز فنا ہوتی ہے وہ مال کا غیر کے ساتھ تعلق ہے تو اسطرح محبت کے وجود کیلئے عقبہ اور وادی کے نام استعارۃً لئے گئے اور محبت کی ابتدا فنا کے لئے وادی سمجھی گئی ہے کیونکہ وادی چوٹی کے ابتدا ہی میں ہوتی ہے کہ اس سے سیلاب اترنے میں اور وادی میں جمع ہوتے ہیں پھر پانی کا جریان تیز ہوتا ہے اور پھر وادی کی تمام چیزوں کو بہا کر لے جاتا ہے اور اس فی لحاظ سے وادی کا لفظ استعارہ کا یہ ہوگا اور عقبہ کا لفظ ترشیح ہوگا اور اس ضمن میں اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ پانی کا استعارہ نور تجلی کیلئے لیا گیا ہے کہ وہ بھی ایک فنا کر دینے والے سیلاب کی طرح اور اس چوٹی سے محو کی منازل پر گرتا ہے پھر فنا کی وادیوں کی منازل میں سے پہلی منزل بندے کا اپنے فعل سے محو ہونا ہے پھر صفات سے پھر ذات سے اسکے کچھ فوائد ہیں جو بے شمار جزئیات پر مشتمل ہیں ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپکو ان صفات سے متصف ہونیکی توفیق عطا فرمائے مختصر یہ کہ محبت اس بلند طائفہ کا نشان اور علامت ہے اور بندے اور خدا کے درمیان نسبت تام ہونے کی جگہ ہے اور اس کے تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ اس محبت کا ہے جو وساوس کو قطع کر دیتی ہے کیونکہ محبت میں محبوب کے مشاہدہ کے بغیر کوئی چیز ہی باقی نہیں رہتی اور اس لئے کہا گیا ہے کہ شیطان محبین کے دلوں تک راہ نہیں پا سکتا اور کیونکہ وہ بالکل خالص اور صاف دل والے ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ الا عبادک منہم المخلصین "مگر ان میں سے تیرے مخلص بندے" اور فرمایا ان عبادی لیس لک علیہم سلطان "میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں ہوگا" کیونکہ انہوں نے اس نسبت کو محبت ذاتیہ اور خالص اخلاص سے صحیح کر لیا ہے پھر انکے دل اپنے محبوب کے سوا کسی چیز سے لگ ہی نہیں سکتے کیونکہ وہ اپنے محبوب کو ہر بڑے سے بڑا سمجھتے ہیں۔ کیا آپ غور نہیں کرتے محب اپنے محبوب کی خدمت کر کے لذت حاصل کرتے ہیں اور اپنے نفسوں کو انکے بڑے احسانات کے مقابلہ میں ذلیل و خوار سمجھتے ہیں پھر بادشاہ تک بھی خادم ہو جاتے ہیں اور امیر اسیر بن جاتے ہیں اور اپنے وجود سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔ پھر ان پر مصیبتوں اور تکلیفوں اور مشکلوں اور مشقتوں کو برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے وہ پہاڑوں سے دودھ کی نہریں کھود دیتے ہیں وہ اپنی آنکھ کے پیو سے اور دل کی آنکھوں سے روتے ہیں اور یہ محبت بندے اور خدا کے درمیان متحقق ہو جاتی ہے۔ تو پھر احسانات کے مطالعہ سے دن بدن بڑھتی ہے اتباع سنت پیدا ہوتی ہے اطاعت استجابت بڑھتی ہے اور یہی محبت راسخ (پختہ کار) طالبوں سے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں مطلوب ہے۔ ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی "اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت رکھیں گے" اس سے سجدہ اور قرب اور اسی سے اسکی طرف نیاز کی شاخیں پھوٹتی ہیں۔ واسجد واقترب "سجدہ کر اور قرب حاصل کر" "میں تیرے عفو کی وجہ سے تیرے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں" "اور میں

تجھ سے تیری ہی پناہ لیتا ہوں۔ یہاں شاخوں کے پھل ہیں جس پر برگزیدگی اور صفا کے پتے لگے ہوئے ہیں۔

اور دوسرا درجہ اس محبت کا ہے جس سے غیر کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کو اختیار کرنا پیدا ہوتا ہے۔ زبان اسکے ذکر کے ساتھ بولتی ہے اور دل اسکے شہود سے تعلق قائم کرتا ہے اور یہ صفات کاملہ اور کمالات فاضلہ کے مطالعہ اور آیات الٰہی میں نگاہ دوڑانے سے پیدا ہوتی ہے۔ پھر جب بھی اسکی آیتیں ان پر پڑھی جاتی ہیں ان کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے اور ان کا یقین روشن ہو جاتا ہے۔ اور پھر عبودیت کے مقامات پر بندہ راضی ہو جاتا ہے اور بندہ اپنی عبودیت میں کامل ہو جاتا ہے اور الوہیت اس کی نگاہ میں ممتاز ہو جاتا ہے۔

تیسرا درجہ اس محبت کا ہے جو بندوں کی عقلوں کو غالب سلطانی جذبہ سے کرنے جاتی ہے جبکہ ان پر انوار اور شعاعیں ظاہر ہوتی ہیں اور جب اسکے رب نے اس پر تجلی فرمائی تو اسکو ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے یعنی عین العین کے ورود کے سبب اشارے اٹھ جاتے ہیں اور عبارتیں درمیان سے قطع ہو جاتی ہیں وہ ایسے خطاب سے مخاطب کیا جاتا ہے جس میں عبارت نہیں ہوتی اور ایسے جواب سے اسے جواب ملتا ہے جس میں اشارہ نہیں ہوتا۔ جب سطوت کی آگ سے شعلے اٹھتے ہیں اور آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جاتی ہے تو طبیعت حقیقت سے ممتاز ہو جاتی ہے اور جو خلیفہ نے دعویٰ کیا تھا وہ ختم ہو جاتا ہے اور اس میں تفصیل ہے جو ہم پہلے اسکے فضل و کرم سے بیان کر چکے ہیں اور آئندہ بھی آپکے اس قول وجدی صاحب العین الکمال صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت ان شاء اللہ بیان کرینگے۔ اے اللہ ہمیں محبت اور ہمت اور عزت اپنے فضل و کرم سے عطا فرما۔

اور دوسرا حال غیرت ہے اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام سے حکایت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ رُدُّوهَا عَلَيَّ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ ان کو مجھ پر واپس لاؤ پھر انہوں نے انکی گردنوں اور پنڈلیوں کو چھونا شروع کیا۔ اور اسکی وضاحت یہ ہے۔ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام عمل اور حضور اور شہود کے لحاظ سے وقت کی حفاظت کیا کرتے تھے جب آپ سے عصر کی نماز کا وقت فوت ہو گیا تو محبوب کے سوا اور چیز سے اشتغال کرنے سے سلیمان علیہ السلام کی غیرت کی رگ پھڑک اٹھی اور مطلوب کے سامنے پردہ ہو جانے سے ایک شعلہ اٹھا تو آپ کی آنکھوں پر ایک پردہ اور حجاب اور زنگ چھا گیا تو آپ اپنے محبوب کی طرف مشتاق ہوئے اور اپنے مرغوب کا شوق غالب آیا تو آپ نے اپنے گھوڑوں کے اس پردے کو دور کر دیا جس نے محبوب کے شغل سے روک دیا تھا تو آپ نے پنڈلیوں اور گردنوں کو چھونا شروع کیا۔ تو آپکا وہ شوق ثابت ہوا جو غیرت سے پھوٹتا ہے۔ اگر آپ یہ سوال کریں کہ شوق تو غائب چیز کا ہوتا ہے اور انکی بنا تو مشاہدہ پر ہوتی ہے پھر انکے لئے شوق کا اثبات کیونکر ممکن ہو سکتا ہے تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ اولاً تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ شوق غائب کیلئے ہوتا ہے کیونکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ طالب اپنے مطلوب تک پہنچ جاتا ہے اور شوق پہلے سے بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے اور یہ وہی آدمی جان سکتا ہے جس نے فراق کی آگ اور وصال کا شربت چکھا ہو۔ جیسے مجنوں قیس سے بیان کیا جاتا ہے کہ اسکو لیلیٰ کا وصال بھی میسر ہو گیا لیکن اسکے شوق کے شعلے نہ ٹھنڈے ہوئے اور اگر اسے تسلیم کر بھی لیا جائے تو ہم کہتے ہیں کہ محبوب اپنے درجہ کی کمال بلندی اور محب فانی کے عدم احاطہ کی وجہ سے کہ وہ اسکے کمالات غیر متناہیہ کا ادراک و عرفان نہیں کر سکتا حالانکہ وہ واصل ہے محبوب کے جمال اور مطلوب کے کمالات کا مشاہدہ کر رہا ہے اور پھر بھی وہ کمالات اور فضائل غیر متناہیہ کا ادراک نہیں کر سکتا۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ قرآن مجید میں نص ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ترجمہ: آنکھیں اسکا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے۔ اور وہ باریک بین خبردار ہے۔ اور یہ بھی قوم کے نزدیک مسلّمہ ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو رب عزّ وجلّ کو اسی طرح دیکھیں گے جیسے کہ چودھویں رات کا چاند کو دیکھتے ہیں تو انکو ایسا سرور و نشاط پیدا ہوگا جیسے کسی کو کوئی چیز مل جائے اور اسکے باوجود علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکیں گے مگر جتنا اللہ چاہے تو اللہ تعالیٰ احاطہ سے ازلاً و ابداً غائب ہیں اور وہ جو محبوبین کی محبت نعل

میں غیبت اور حضور اور مشاہدہ وغیرہ کے الفاظ آتے ہیں تو وہ اس علم کی نسبت سے ہیں جو طالبین کو دیا جاتا ہے اور وہ تمام حجابات اور ظلمات سے بے نیاز ہے۔ اور پس ہم حقیقت آلہیہ کی نسبت سے جس کو غیب خالص کہتے ہیں ہمیشہ ہی غیب پر ایمان لانے والے ہیں اسکے سوا کوئی معبود نہیں وہ بلند۔ بڑا۔ علیم۔ غفور۔ اور محیط ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شوق کے لفظ کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا یہ لفظ خدا تعالیٰ کی نسبت سے کہا جائے یا نہ؟ جو لوگ شوق میں غیبت کو لازمی سمجھتے ہیں وہ اسکا اطلاق اللہ کی نسبت سے جائز نہیں سمجھتے اور جو اسکے عام سمجھتے ہیں وہ جائز سمجھتے ہیں اور آپ کو ہمارے بیان سے معلوم ہو چکا ہوگا کہ یہ دونوں طریقوں پر پورا ہو جاتا ہے پس اسکو یاد رکھ۔ اور صاحب شوق میں بے اندازہ قلق و اضطراب ہوتا ہے مرتبہ تلوین میں اضطراب کا ہونا تو ظاہر ہے اور مرتبہ تمکین میں اضطراب اور بے چینی اس حیرت تامہ سے پیدا ہوتی ہے جو محبوب کے کمالات کے ظہور سے دن بدن پیدا ہوتی جاتی ہے اور وہ کہتا ہے جسکے دونوں برابر ہوں وہ خسارہ اٹھانے والا ہے۔ پھر اگر ہزار نوح ہوں اور ایک ایک کو ہزار ہزار نوح کی عمر ملے اور وہ کمالات آلہیہ کے طریق میں سلوک کرتا جائے تو پھر بھی یہی کہے گا۔ "جیسا تجھ کو پہچاننے کا حق تھا تجھ کو نہیں پہچان سکے"۔ اور اسی قبیل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ عبارت بھی ہے کہ "میں تیری اس طرح ثنا بیان نہیں کر سکتا جیسے تو نے خود اپنے نفس کی ثنا بیان کی ہے"۔ اور اسی کے موافق شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ و ارضاہ عنا نے یہ کہا ہے فقلت لخمرتی تخلل۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ کہہ چکے ہیں۔ سقانی الحب۔ کاسات الوصول۔ تو وصال کے بعد صرف شوق ہی کا مرتبہ ہے۔ تو واصل ہمیشہ دن بدن شوق میں بڑھتا ہی جاتا ہے۔ تو اسکے دونوں دن تو کبھی برابر نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ اسکے بعد دائمی پیاس پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر وہ دریا اور چشمے اور نہریں بھی پی جاتے تو وہ سیر نہیں ہوتا اور اسی قبیل سے وہ واقعہ ہے اس آدمی کے جواب میں کہا گیا جسنے کہا تھا کہ "اس جگہ ایسا آدمی بھی ہے جس نے ایک قطرہ پیا اور مدہوش ہو گیا"۔ کہ "اس جگہ وہ آدمی بھی ہے۔ جو کئی دریا لنڈھا گیا اور ابھی ھل من مزید کا نعرہ لگاتا ہے"۔ اور عزت اور شوق اور قلق اور عطش جن کو اس مندرجہ بالا عبارت میں غیرت سے تعبیر کیا گیا۔ ہر ایک کے عابد، مرید، العارف کے لحاظ سے تین تین مراتب ہیں اور چوتھا مرتبہ واصل کے اعتبار سے بھی ہے ممکن ہے کہ ایک قادر آدمی ہمارے اس بیان کو سمجھ سکے۔ اور جس کو ان کا علم ہوگا وہ اس کو سمجھ لیگا ورنہ یہ مضمون بیان کے احاطہ سے باہر ہے۔ "اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور" "اللہ ایمانداروں کا دوست ہے انکو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال کر لاتا ہے"۔ اس سے ابتداء ہے اور اسی کی طرف انتہاء اور تغیر احوال وجد ہے۔ یہ نور ازلی کی چمک ہے یا دوست کی آواز کا سماع ہے یا جذب حقیقی ہے اور اس کے بہت سے مراتب ہیں ان میں سے بعض میں بندہ واردات کے ناگہاں آجانے سے پریشان ہو جاتا ہے جو اس کی عقل یا صبر یا علم پر غالب آجاتی ہیں کبھی مرید پر انکے غلبے کی وقت حال وارد ہوتا ہے اسکو "وحشت عملی" کہا جاتا ہے اور کبھی اس کا غلبہ سالک کے طریقے کے مطابق جمع کی صفت کے وقت ہوتا ہے جبکہ پہلی مرتبہ احدیت کی تجلی ہوتی ہے اور اس میں شہود ازلی ہوتا ہے۔ اور یہ نام ہے حق قدیم کے بقا کا اور وجود حادث پر اس کا حکم تو اس وقت سالک عین وحدت میں ہر چیز کی فنا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کو "وحشت روحی" کہا جاتا ہے۔ اور کبھی میلان کا غلبہ خبر پر ہوتا ہے اور اس وقت اس کا نام "وحشت فی الحب" ہوتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث نقل کرتے ہوئے فرمایا "جب میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو میں اسکے وہ کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں جن سے وہ دیکھتا ہے"۔ اور یہ وحشت کا آخری مرتبہ ہے پھر وہ گر پڑتا ہے جیسے موسیٰ بیہوش ہو کر گرتے تھے پھر اس پر دائمی پریشانی مسلط ہو جاتی ہے۔

پھر ایسا ہوتا ہے کہ ریشم اسکے ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے پھر اس پر انوار چمک اٹھتے ہیں جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یعنی اذ رای نارا بیان تک جب اس نے آگ کو دیکھا۔ پھر یہ سالک اس سے زیادہ اور مکمل ذوق اور لذت محسوس کرتا ہے یعنی وہ وجد اور برزخ کی حالت میں ہوتا تھا اور یہ لذت اس سے زیادہ صاف ہوتی ہے اور ان تمام چیزوں کی تفصیل انشاء اللہ العزیز اس کے فضل و کرم سے شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ وارضاہ کے قول۔ مریدی ہم وطب واشطح عن کے تحت آئے گی اور چونکہ احوال کے بعد ولایات کا ظہور ہوتا ہے اور وہ بھی جیسے آپ کو معلوم ہو چکا ہے دس ہیں پس میں انکی تفصیل بیان کروں گا۔

پہلی ولایت لحظہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترانی" (ترجمہ) پہاڑ کی طرف دیکھ اگر وہ اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو پھر عنقریب تو بھی مجھے دیکھ لیگا"۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حقیقی وجود سے موسیٰ علیہ السلام پر تجلی فرمایا اور ان کا وجود اضافی تھا تو اس کا ٹھہرا رہنا ناممکن تھا تو حادث وجود کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رویت ممکن ہی نہیں ہے اور یہ اس قرب کی بخشش کی ایک قسم ہے جو رویت موعودہ کا مقدمہ ہے سو دنیا میں رویت کا یہ مطلب ہے کہ اپنے اضافی وجود سے پوری طرح فنا ہو جائے اور وجود حقیقی کے ساتھ باقی ہو جائے اور یہ دل کی آنکھ کا دیکھنا ہے اور آخرت میں تو ظاہری آنکھوں سے بلا کیف رویت و دیدار نصیب ہوگا۔ کیونکہ آخرت میں وجود اضافی وجود حقیقی کی تحویل میں آجانے کی وجہ سے مستقل ہو جائیگا جب یہ لحظہ مکمل ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق وقت ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ثم جئت علی قدر یا موسیٰ" پھر تو اے موسیٰ وقت پر پہنچا اور قدر کا معنی وقت ہے اور اسکے تین درجے ہیں اور ہم انشاء اللہ ان کو آپ کے اس قول کے تحت بیان کریں گے "ووقتی قبل وقتی قد صفالی"۔ پس دوسری ولایت صفا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ سالک میل سے پاک صاف ہو جائے اور اسکے وجود کا آئینہ حجابات ردیہ اور عیوب سے پاک صاف اور صیقل ہو جائے۔ اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ کیا گیا ہے "وانہم عندنا لمن المصطفین الاخیار" (ترجمہ) اور وہ ہمارے نزدیک برگزیدہ اور پسندیدہ لوگوں میں سے تھے"۔ اور اس باب میں اس کا معنی یہ ہے کہ تلوین اور تمکین جو وقت میں مذکور ہوئے تھے وہ ساقط ہو جاتے ہیں اور اسکے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ علم کی صفائی ہے اس سے سلوک پاکیزہ ہو جاتا ہے وہ حد کی انتہا دیکھ لیتا ہے اسکی ہمت صحیح ہو جاتی ہے اور اس کے سبب وہ علم شریعت پر اور متابعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اخلاق اکتساب اور آپکی پیروی میں چلنے لگتا ہے اور ہم اسکو آپ کے اس قول کے تحت بیان کریں گے "ودرست العلم حتی صرت قطبا" اس اعتبار سے کہ آپ کا پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو جیسا کہ آپ نے فرمایا "اور میرے نانا رسول اللہ نے اس میں میری تربیت فرمائی ہے"۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں درس کا پڑھانا ہو یعنی میں نے جب یہ علم حاصل کر لیا تو پھر دوسروں کو بھی پڑھایا اور اجر عظیم کا مستحق ہوا یعنی مرتبہ قطبیت کا۔ اور خدا کے فضل و کرم سے اسکی تفصیل بیان ہو گی۔ اور دوسرا درجہ حال کی صفائی ہے۔ اسکے ساتھ سالک تحقیق کے شواہد مشاہدہ کرتا ہے اور مناجات کی حلاوت محسوس کرتا ہے اور اس کی وجہ سے کون اضافی کو بھول جاتا ہے اور اسکا بیان آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے اس قول کے بیان "وادخلوا انتم رجالی" کے تحت آئیگا۔ اور تیسرا درجہ اتصال کی صفائی ہے اس میں سالک ہر اس چیز کو ظاہر دیکھنے لگتا ہے جس کی کتاب و سنت نے خبر دی ہے اور تکلیف کی مشقت ختم ہو جاتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی غالب اور وہی موجود ہو جاتے ہیں جیسا کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وہ میرے ساتھ سنتا ہے اور میرے ساتھ دیکھتا ہے"۔ اور اس صفائی کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ خدا کے نور اور ارشاد کی توفیق سے آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے اس قول کے تحت "ووقتی قبل قبلی قد صفالی" آئے گا۔

Scanned by CamScanner

اور تیسری ولایت سر قلب ہے اور اس کا ہم معنی لفظ طیبت ہے جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے اس قول میں استعمال ہوا ہے۔ مریدی ہم طب و شیخ ذوق۔ اور عنقریب ان شاء اللہ اسکی تفصیل آپ کی اس کلام جلیل کے تحت بیان ہوگا۔ اللہ ہی رہنمائی کرنے والا ہے۔

اور چوتھی ولایت سر ہے اور وہ عبارت ہے اس چیز سے جو عالم ناسوت سے تعلق رکھنے والی چیزوں کے ادراک سے مخفی ہے یعنی جب کسی ہستی کو جو صدق اور صفا کے مقام پر ترقی کر جائے اور کدورات سے مجرد ہو جائے صاحب سر کہا جاتا ہے اور کبھی سر کا لفظ تجلیہ پر بھی اور حالت خاصہ پر بھی بولا جاتا ہے جو کہ ولایات ظلیہ میں نیابت محمدیہ والوں یا نوات مستقلہ اور ولیات اصلیہ میں نفس مزکیہ غیبیت والوں کے ساتھ خاص ہیں۔ صاحب سر کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ اسکی ہمت بلند ہو جاتی ہے اور اپنے ارادے سے صفات سے ہو کر ذات تک پہنچتا ہے۔ رسوم اور آثار اور اسماء پر ٹھہرایا نہیں جاتا۔ اسکی طرف انگلی سے اشارہ نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کا کوئی علم نہیں ہے جیسے لوگ مختلف کے ذخیروں میں سے ایک ذخیرہ میں چھپا ہوا بھی ہوں۔ اور اس کا دوسرا مرتبہ تمکین اور استقامت قلب ہے جو اس کے صاحب کو فیر میں حاصل ہوتا ہے اسکی طرف کسی مرتبہ کا اشارہ کیا جاتا ہے اور وہ کسی اور مرتبہ میں ہوتا ہے وہ کسی حالت کے ساتھ پکارا جاتا ہے حالانکہ وہ اس سے بہت بلند تر ~~ہے~~ ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کی وجہ سے غیر کی نگاہوں سے خدا کے پردے میں چھپ جاتا ہے کہ اس کو کوئی نہ جان سکے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے اور اس کا تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو انکے اپنے نفس سے بھی مخفی کر دیتے ہیں اور ہم خدا کے فضل و کرم سے ان مراتب کی تحقیق آپ رضی اللہ عنہ و عنہا کے اس قول کے تحت بیان کریں گے۔ ولو القیت سری فوق نار + لخمدت وانطفت من سر حال +

اور پانچویں ولایت نفس ہے اور وہ عبارت ہے اس کلی آفاقے سے جو معائنہ میں مشاہدہ و قرب کی جھلک سے حاصل ہوتا ہے اس کا اس قدر حصہ نکھر کر ابھر جاتا ہے جو علم سے متعلق ہے۔ اور اسکا آخری مرتبہ وہ نفس ہے جو قدس کے پانی سے پاک کیا گیا ہے جو نبی ﷺ شانات ثابت ہے۔ سو نفس روح القدس کیلئے چراغ ہے اور وہ سر قاصد کیلئے مواج ہے اور تیسرا النفس محقق کیلئے تاج ہے تو سالک کو نکھر قرب نصیب ہوتی ہے یعنی بعید کی خیالوں سے منفرد ہو جاتا ہے بعنی اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور نہ اسکے ساتھ کوئی برابری کرنے والا ہے میں ایسا مقرب ہوتا ہے یعنی عالم ناسوت سے جدا ہے تو اس غریب (مسافر) کی موت شہادت ہے کیونکہ وہ مسافر ہے اور دوسرا مرتبہ جس میں وہ مل جاتا کبھی پاتا ہے وہ فاسد زمانہ میں ایک نیک مرد ہوتا ہے جو فاسد قوم میں رہتا ہے یا ایک عالم ہو جاہلوں کی قوم میں رہتا ہے یا ایک صدیق ہے زندیقوں میں قیام پذیر ہے۔ اور تیسرا مرتبہ غربت الغربت کا ہے وہ طلب حق میں عارف کامل ہے ایسی طلب جسکی کوئی انتہا نہیں اور اسکی تحقیق آپ رضی اللہ عنہ و عنہا کے قول۔ انا فی حضرۃ التقریب وحدی + یعیرنی وحسبی ذوالجلال + کے تحت آئے گا۔

اور چھٹی ولایت غرق اور استغراق ہے۔ سالک اس میں علم سے نکل کر حال کے چشمہ میں غرق ہو جاتا ہے اور یہ وہ ہے جسکی نسبت معرفت میں تحقیق شارع میں صحیح ہو جاتا ہے یا اشارہ اور حال نکل کر کشف میں غرق ہو جاتا ہے وہ ایک ایسا آدمی ہے جو اپنے موجود کو تلاش کرتا ہے مشہود سے چلتا جاتا ہے اپنے نشان کی دولت بھی نہیں ہے۔ یا پھر اس استغراق سے بھی غرق ہو جاتا ہے اور غیبت کلیہ میں داخل ہو جاتا ہے اور کبھی اس کا دل تو یہ ہے کہ قصد الی الحق کے خلوص میں غیبت پر ہوتا ہے وہ تمام اسباب سے اندھا ہو جاتا ہے اور حقائق کو دیکھتا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ اسکی تحقیق آپ رضی اللہ عنہ کے قول۔ انا الحسنی والمخدع مقامی۔ واقدامی علی عنق الرجال کے تحت بیان کریں گے۔

ساتویں ولایت تمکن ہے۔ اور وہ وہ استقرار ہے جو طمانیت سے بلند تر ہے اور یہ استقرار استغراق کی انتہا ہے اور اسکے

تین درجے ہیں پہلا درجہ ارادے کی تلقین ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کے بعد ہمت تامہ جمع ہو جاتی ہے جس کو تہلیل اور تشریح ہوتے تک پہنچانے اور اس کو اپنے روح کے ساتھ راستہ کی وسعت پر آمادہ کرے اور دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس کے لئے انقطاع اور کشف کی چمک اور حال کی صفائی اکٹھی ہو جائیں اور تیسرا درجہ معارف کے تلقین کا ہے اور وہ یہ ہے بارگاہ میں طالب کے پردوں کے اٹھنے سے حصول ہو۔ وہ فنا کے بعد باقی رہنے والے وجود کے لئے سے لباس پہنتا ہے کیونکہ شہود جمع فنا خالص کے بعد ہوتا ہے جسے نور مطلق کہا جاتا ہے۔ پھر سے حقانی وجود کے ساتھ لقاء پر لوٹایا جاتا ہے کہ وہ غیب مطلق کے وطن کے مقام میں حق کے وجود کا نور پہنتا ہے جس کو ختم کرنے والا کوئی نہیں جانتا اور وہ تمام مراتب سے بلند تر مقام پر ٹھہرتا ہے اور ہم بقیہ کلام کی تحقیق انشاء اللہ آپ رضی اللہ عنہ کے قول۔ وکل ولی لہ قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال + کے تحت بیان کریں گے۔ پھر چونکہ حقائق بھی دس تھے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے اور بعض اپنے مفہوم اور مصداق کے لحاظ سے بعض سے قریب تر تھے لہذا میں نے ان دس کا اختصار تین میں کیا۔

پہلی حقیقت مشاہدہ ہے جو کہ مکاشفہ کی انتہا ہوتا ہے کیوں کہ مکاشفہ میں کچھ نشانات باقی رہ جاتے ہیں کیونکہ وہ صفت کی ولایت ہے اور مشاہدہ میں کوئی نشان باقی نہیں رہتا کیونکہ یہ عین الذات کی ولایت ہے اور اس کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ اس معرفت کا ہے جو نور وجود کی تجلیوں میں علم کی حدود سے بالاتر جاری ہوتی ہے جیسا کہ مکاشفہ کے پہلے درجہ میں سالک صحیح تحقیق میں بقا یعنی اسماء الٰہیہ کی تجلیات کے مطالعہ میں اس شرط پر اس معاملہ پر پختگی نصیب ہو اور اگر کبھی وقتاً فوقتاً ہو تو اصطلاح میں مکاشفہ نہیں کیا جاتا۔ اور یہی حال اس معرفت کا ہے جو مشاہدہ کے درجہ اولیٰ میں معتبر مانی گئی ہے اور دوسرا درجہ مشاہدہ معاینہ کا ہے جو شواہد کے پہاڑوں کو طے کرتا ہے اور قدسی صفات کا لباس پہنتا ہے اور اشارہ کی زبانیں گونگی ہو جاتی ہیں اور مکاشفہ کا دوسرا درجہ اس وضاحت میں پہلے درجہ سے کم تر ہے جو پہاڑوں کے قطع کرنے اور ملکوت کا لباس پہننے اور گونگا ہونے کے متعلق ہے اس کو خوب سمجھو اور اس کا تیسرا درجہ وہ ہے جو اپنے مالک کو عین جمع کی طرف کھینچ لیتا ہے کیوں کہ وہ درد صحیح ہے اور اس مشاہدہ میں وہ حقیقت بھی شامل ہے جس کا نام حیوۃ ہے۔ کیوں کہ یا تو وہ جہالت کے بعد علم کی زندگی ہے یا تفرقہ کی موت کے بعد جمع کی زندگی ہے یا وہ وجود کی زندگی ہے اور اس حقیقت کا ہر ایک درجہ جسے مشاہدہ کیا جاتا ہے تینوں درجوں کی حیوۃ پر مشتمل ہے اور اسی طرح بسط بھی اپنے تینوں درجوں سمیت اس میں مندرج ہے اور اسی طرح بسط میں صحو بھی مندرج ہے جو طلب سے بے نیاز کرنے والا ہے لیکن زندگی کا مقابلہ موت سے کیا جاتا ہے۔ بسط کا مقابلہ قبض سے ہوتا ہے اور صحو کا مقابلہ سکر سے ہوتا ہے تو ان میں سے ہر ایک اگرچہ علیحدہ مفہوم رکھتا ہے لیکن بہر حال وہ آپس میں قریب قریب ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم نے ان سب کو مشاہدہ میں لپیٹ لیا ہے اور باقی رہیں ان کی تینوں ضدیں تو ان کو قبض میں درج کیا جا سکتا ہے جیسا کہ لگاؤ رکھنے والے آدمی پر مخفی نہیں ہے۔ اور انشاء اللہ اس کلام کی تحقیق آپ رضی اللہ عنہ کے قول۔ نظرت الی بلاد اللہ جمعا کخردلۃ علی حکم اتصال۔ کے تحت آئے گی۔

دوسری حقیقت معاینہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا الم تر الی ربک کیف مد الظل (ترجمہ) کیا تو نے اپنے رب کو نہ دیکھا کہ اس نے کس طرح سائے کو لمبا کیا۔ اور اس کے تین درجے ہیں پہلا درجہ آنکھوں سے دیکھنے کا اور تیسرا روح سے دیکھنے کا۔ دوسرے درجہ میں اشیا کی معرفت انکی حقیقت کے مطابق ہوتی ہے اور ایسا علم حاصل ہوتا ہے جس سے شکوک ختم ہو جاتے ہیں اور اس میں حیرت نہیں ہوتی اور یہ علم کے شواہد کے ساتھ معاینہ ہے اور تیسرے درجہ میں حق کا معاینہ بالکل صاف اور خالص ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ارواح کو

Scanned by CamScanner

بارگاہ کے انوار اور حضرت کی رونق سے سرفراز کیا گیا ہے اور معائنہ ہی میں مندرج ہے وہ حقیقت جسے اتصال کہا جاتا ہے اور اس کے بھی تین درجے ہیں پہلا درجہ اتصالِ اعتصام کا ہے پھر اتصالِ شہود کا پھر اتصال وجود کا۔ پہلے میں قصد کی تصحیح اور ارادے کی صفائی ہوتی ہے اور دوسرے اسباب سے چھٹکارا اور استدلال سے بے نیازی اور اسرار میں پریشانی سے رہائی نصیب ہوتی ہے اور تیسرے کی وہ کوئی صفت بیان کی جاسکتی ہے اور نہ مقدار یہاں صرف نام سے اس کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔

پھر آنکھ کا معائنہ جو امورِ خفیہ میں ہوتا ہے جو اسرار کی طرح ہیں بسوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے جس کا لا تدرکہ الا بصار وھو یدرک الابصار نگاہیں ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے،، جائز ہے کہ یہ معائنہ ہر نبی اور ولی کو حاصل ہو۔ اور اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو آنکھوں سے دیکھنا کسی کے لئے بھی اس کا اثبات جائز نہیں ہے سوائے نبی ابی حجازی صلے اللہ علیہ وسلم کے کہ انہوں نے معراج کی رات اللہ تعالیٰ کو دیکھا یا کسی اور وقت بھی جیسے اللہ تعالیٰ کو دیکھا یا کسی اور وقت بھی جیسے اللہ کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے۔ "کیا تو نے اپنے رب کو نہ دیکھا کہ اس نے کس طرح سائے کو لمبا کیا"۔ اور یہ صحیح روایت ہے جسے شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنے دو منقولہ میں اختیار فرمایا ہے جسے "کبریت احمر" کے نام سے موسوم کیا ہے اور اس کی ابتدا یہ ہے "اے اللہ اپنی بہترین رحمتیں نازل فرما"۔ اور اس میں ہے۔ اور میں نے اس کو مراقبہ اور مشافہہ اور مشاہدہ اور معائنہ بالبصر کے ساتھ خاص کیا ہے اور انشاء اللہ العزیز اس کی تحقیق آپ رضی اللہ عنہ کے قول ویدی لا تخف داشن فانی + وعز دم قاتل عنہ انفصال + کے تحت بیان ہوگی اور اس معائنہ میں انفصال بھی شامل ہے اور وہ غیر سے متفرق ہوتا ہے اور اگر اتصال میں اس کو + تبعاً شامل کیا جائے تو اس کی توجیہ تو موجود ہے۔ اُس کو خوب سمجھ۔

اور تیسری حقیقت سُکر ہے اور اس کا معنی ہے کہ طرب میں اختیار کا ہاتھ سے جاتا رہنا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے کہ "رب ارنی انظر الیک کہ اے میرے رب مجھے اپنا آپ دکھا میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں"۔ اور یہ خاص طور پر محبین کا مقام ہے کیوں کہ فنا کے چشمے اس کو قبول نہیں کرتے اور علوم کی منازل یہاں تک پہنچ نہیں سکتیں اور اس کی تین علامات ہیں اشتغال سے تنگی اور شوق اور دائمی جلن کے گہرے پانیوں میں داخل ہو جانا اور حیرانی کی حالت میں صبر اور سرور کے سمندر میں غرق ہو جانا اور میرا خیال یہ ہے کہ شکر سیمان میں داخل ہے جس کی طرف شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے۔ مریدی ہم وطلب واشطح وغنّ۔ اور ہم انشاء اللہ خدا کے فضل وکرم سے اس کو آپ کے اسی قول کے تحت درج کریں گے۔ اور چونکہ نہایات کی اقسام بھی وہی ہیں جیسا کہ آپ کو پہلے معلوم ہو چکا ہے اور بعض اقسام بعض مفہوم کے لحاظ سے قریب تر ہیں لہٰذا ہم نے ان کی تلخیص پانچ میں بیان کی ہے۔

پہلی نہایت معرفت ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں منصوص ہے۔ واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینہم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق (ترجمہ) اور جب وہ رسول پر نازل شدہ کلام سنتے ہیں تو تو دیکھتا ہے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں کیوں کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا،، اور اس کا معنی ہے کسی چیز کا اس طرح ادراک کرنا جیسے وہ حقیقت میں ہے یعنی اپنی ذات اور صفات کے لحاظ سے نہ تو اس میں کوئی زائد صورت ہو اور نہ کوئی کمی ہو،، اور یہ ادراک عرفان ہے اور ادراک علم میں صرف چیز کی صورت کا احاطہ ہوتا ہے اگر آپ یہ کہیں کہ یہ احاطہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی زائد صورت ہو اور نہ کوئی کمی ہو

Scanned by CamScanner

تعبیر کیسے صحیح ہو سکتی ہے جب کہ کسی صورت میں اللہ تعالےٰ کا احاطہ ممکن ہی نہیں اور وہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے"۔ تو میں کہوں گا کہ اس مقام میں احاطہ کا اطلاق عبارت کی تنگی کی وجہ سے ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ معرفت کی وادی نہایات سے شمار کی گئی ہے کیوں کہ وہ نہایت اور وصول سے قریب تر ہے جس کو آپ رضی اللہ عنہ کے کلام میں جہل سے تعبیر کیا گیا ہے جب کہ آپ سے کسی نے سوال کیا کہ علم کا جاننا کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا "علم سے بے خبری" اور اسی کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے کلام میں عجز سے تعبیر کیا گیا ہے کہ علم کے جاننے سے عاجز آ جانا بھی علم ہے" اور آپ نے یہ اقتباس نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ کے سونج سے کیا کہ آپ نے فرمایا "ہم تجھ جیسے پہچاننے کا حق تھا نہیں پہچان سکے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کا قول اس علمی اور جہل کے متعلق قصیدہ غوثیہ میں مذکور ہے اور میں نے خداوند تعالےٰ کے حکم سے اس کی ایک شرح بھی لکھی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ میں تیری اس طرح تعریف نہیں کر سکتا جیسے تو نے اپنی تعریف بیان فرمائی ہے (توضیح شریف) میرے دل میں خیال آ رہا ہے باقی اللہ تعالےٰ اپنے نبی کے قول کی صحیح مراد جانیں کہ ما عرفناک خبر مقدم ہے حق معرفتک میں یہ اور وہ مبتدا ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ تیری پہچان کا حق یہ ہے کہ ہم تجھے نہیں پہچان سکے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ معرفت سے عجز کا اقرار کیا جائے جب کہ اس پر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا قول دلالت کر رہا ہے کہ میں تیری اس طرح تعریف بیان نہیں کر سکتا اور اسی طرح یہ قول بھی ہے کہ ہم تیری عبادت کا حق ادا نہیں کر سکے اور اس کی مثل اور قول بھی ہیں پھر اگر آپ یہ سوال کریں کہ امام اعظم اور علماء اہل امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چراغ (ابو حنیفہ) نے پھر یہ کیسے کہہ دیا کہ ہم تیری عبادت تو اس طرح نہیں کر سکے جیسے تیری عبادت کا حق ہے لیکن ہم تجھے پہچان اس طرح چکے ہیں جیسے تیری پہچان کا حق ہے"۔ تو میں کہوں گا کہ وہ عبادت جس کا حکم فرائض وغیرہ سے دیا گیا ہے اور یہ شرط ہے کہ اس کی ادائیگی میں نیت خالص ہو یہ ایک بہت مشکل کام ہے۔ اور جب دن ناسوت۔ یا ملکوت یا جبروت کی میل کچیل سے صاف ہو جائے تو پھر عبادت کا معاملہ اور بھی مشکل ہو جاتا ہے اور عرفان تو بقدر طاقت انسانی احاطے کا نام ہے اور یہ امام اعظم رضی اللہ عنہ میں اپنی استعداد کے مطابق موجود ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم میں اپنے حوصلہ کے مطابق جب امام کی استعداد نے اتنا سمیٹ لیا کہ جس سے آپ کا دل بھر گیا تو ان سے یہ کلمات چھلک پڑے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی طاقت تمام طاقتوں سے زیادہ ہے لہٰذا آپ اس کو منضبط کئے رہے) ۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معرفت میں امام کا بیان اسلام کے ضروری اعتقادات کے متعلق ہو اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا قول اللہ تعالےٰ کے کمالات نامتناہی کے متعلق ہو۔ تو اس صورت میں ان دونوں میں کسی طرح کا تضاد نہیں ہوگا اور اس کی ایک اور تحقیق بھی ہے جس کا یہ مقام متحمل نہیں ہو سکتا۔

اگر آپ یہ کہیں کہ شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب "جلاء الخاطر" میں لکھا ہے کہ جب ایمان مضبوط ہو جاتا ہے تو وادی معرفت تک پہنچتا ہے پھر وادی علم تک پھر فنا کی اس وادی تک جو تجھ سے اور مخلوق سے فنا ہے پھر خدا کے وجود تک جس میں "تو" نہیں ہے اور یہ عبارت دلالت کرتی ہے کہ معرفت کی وادی علم کی وادی سے بہت نیچے ہے اور علم کی وادی فنا × اور بقا سے نیچے ہے پھر معرفت کی وادی علم کی وادی سے بعد کیوں کر ہو سکتی ہے اور کس طرح اس کو نہایات سے شمار کیا جا سکتا ہے"، تو میں کہتا ہوں واقعی معاملہ اسی طرح ہے جیسے آپ کہہ رہے ہیں۔ لیکن

معرفت سے مراد آپ رضی اللہ عنہ کے قول میں وہ اجمالی اور جزئی علم ہے جو سالک کو ایمان کے بعد حاصل ہوتا ہے یعنی وہ روتی جو مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے اور ادی علم سے وہ علم مراد ہے جو اس معرفت جزئیہ اجمالیہ کے بعد حاصل ہوتا ہے اور معرفت سے یہی علم مراد ہے جسے نہایات سے شمار کیا گیا ہے اس کو یاد رکھ اور اللہ اپنی الالیخ اولیاء کی مراد کو خوب جانتے۔ مختصر یہ کہ اس معرفت کے تین درجے ہیں۔ جو نہایات سے شمار ہوتی ہے اور مخلوق کے بھی اس میں تین فرقے ہیں۔

پہلا درجہ صفات اور نعوت کی معرفت کا ہے جو کتب شریعت میں وارد ہیں جیسے مخلوقات میں خلق اور رزق میں رزق یعنی جن صفات کا اطلاق شریعت نے کیا ہے جو کہ خدا کے نور سے مقتبس ہے تو یہ معرفت فکر کی زمین میں بیج کی طرح ہے اور قدسی بادلوں کا جاری پانی دل کی زندگی کا باعث ہے جب کہ تعظیم کے ساتھ حسن نظر اور حسن اعتبار شامل ہو تو یہ معرفت عام لوگوں کی ہے اس سے کوئی عامی مثلاً بھی خالی نہیں ہے اور اس کے تین ارکان ہیں۔ خدا تعالیٰ کے لئے صفت کو نام لے کر ثابت کیا جائے لیکن اس میں تشبیہ کی نفی کی جائے لیکن اس میں تعطیل نہ ہو۔ اور وہ صفات جن کا مطلب شریعت نے واضح نہیں کیا ان کی حقیقت کے ادراک سے عجز کا اقرار ہو۔

اور دوسرا درجہ معرفت ذات کا ہے جس میں صفات اور ذات کی تفریق کو ساقط کر دیا گیا ہو بلکہ اس کے دل کے آئینہ میں ایسا ظاہر ہو کہ ذات اور صفات متحد ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں"، تو یہ معرفت تجلیات اسمائیہ اور شہود بارگاہ الٰہیہ والوں کے ساتھ خاص ہے کہ جہاں خداوند تعالیٰ بندے کے کان اور آنکھیں بن جاتا ہے جب وہ خدا تعالیٰ کی صفات کا اس طرح مشاہدہ کرتا ہے کہ وہ انہی کے ساتھ دیکھتا ہے۔ اور صفات اسماء کی حقیقت میں جو عین ذات ہیں اور نسبت انضیافیہ کے لحاظ سے ان کو صفات کہا جاتا ہے تو وہ صفات کو موصوف ہی میں مشاہدہ کرتا ہے بلکہ ان کو عین ذات سمجھتا ہے اور اسی معرفت کا نام شہود اسمائی ہے جو کہ علم الجمع کا مرتبہ ہے کہ عین جمع کا اور وہ عین جمع ہے کہ تمام اسماء کا مسمّٰی ایک ہی ذات ہے اور ہر ایک نام تمام اسماء کا مسمّٰی ہے۔ اس شہود کی صفاتی بحر فنا میں ہوتی ہے اور بقا کے علم سے مکمل ہوتی ہے نہ کہ ذات بقا کیساتھ کیونکہ بقا کا نام فنا کے بعد ہے تو اس کا کمال بقا کے علم سے ہوگا نہ کہ نفس بقا کے ساتھ اور اس میں تفصیل ہے جو آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے اس قول کے تحت آیگی کہ ثانی حضرۃ التقریب دھری۔

اور تیسرا درجہ خالص تعریف الٰہی میں استغراق کا ہے اور اس میں بندے کا کسب نہیں ہوتا خواہ یہ ذاتی لحاظ سے ہو یا علمی اور اعتباری لحاظ سے اس کو کسی دلیل سے معلوم نہیں کیا جا سکتا نہ اس پر کوئی شاہد دلالت کرتا ہے نہ کوئی وسیلہ ہی اس کا مستحق ہے اور اس کے تین ارکان ہیں قرب کے مشاہدہ سے رسوم کا مٹ جانا۔ اور علم سے صعود ہونا۔ اور اپنے کا مطالعہ اور یہی خاص الخاص معرفت ہے جس کی طرف آنحضرت کے اس قول میں اشارہ کیا گیا ہے "میں تیری ثنا نہیں بیان کر سکتا"۔ اور آپکے اس قول میں اور ہم تجھے جیسے پہچاننے کا حق ہے نہیں پہچان سکے"۔ اور اس کا بیان آپکے اس قول کے تحت آئیگا تو حق بتیان الکمال بترقیم یراطلاع" صعودی [illegible] اور دوسری نہایت فنا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے اس قول میں نص ہے "کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام" زمین پر جو کچھ ہے فنا ہو جائیگا، اور باقی رہ جائے گی ذات تیرے رب بزرگی اور عزت والے کی"۔ اور اصطلاح قوم میں فنا خدا تعالیٰ کے ساتھ [illegible]

کا علم میں لانے ہو کر مٹ جاتا ہے۔ اور حق کے سوا عالم کی حیثیت سے فنا یہ ہے کہ سالک جان لے کہ ہر چیز جو اسکے سوا ہے وہ باقی رہنے والی نہیں ہے اور انکار کے لحاظ سے فنا یہ ہے کہ اپنے حاصل شدہ شہود سے انکار کردے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ پھر فناء حقی ہے کہ حق کو تو پا لے اور اسکے سوا اور کسی چیز کو علیحدہ موجود نہ پائے۔ وہ ہر چیز کو وجود حق کے ساتھ محسوس کریگا اور غیر کے وجود سے دور ہوگا اور اسکے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ معرفت معروف میں فنا ہو جائے اور یہ علمی فنا ہے اور دوسرا یہ کہ عیان کا فنا معائنہ میں ہو جائے اور یہ فنائے انکاری ہے اور وجود میں طلب کی فنا اور یہ فنائے لحظی ہے۔ اور دوسرا درجہ فنائے شہود طلب کا ہے اسکو ساقط کرنے کیلئے اور فنائے شہود معرفت اسکے سقوط کی وجہ سے اور فنائے شہود عیان اسکے سقوط کی وجہ سے۔ اور تیسرا درجہ فنا کے شہود سے فنا کا ہے اور اسی کو خدا کی بارگاہ میں واقعہ سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی اللہ کے قول میں کہ "اذا وقعت الواقعة جب واقعہ ہونے والی واقعہ ہو جائیگی۔ اور وہ یہی جمع ہے یعنی فنا و الفنا کیوں کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کو حق میں فنا ہوتے مشاہدہ کریگا تو فنا الفنا کی شہادت دیگا پھر ہر وہم اور خیال فنا ہو جاتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ فانی ابتدا ہی سے فانی تھا اور باقی ہمیشہ سے باقی رہیگا اور یہ فنائے حقی ہے جبکہ نور جمع سے اس کو دیکھا جائے اور بقا کے راستے پر چلا جائے۔

اور تیسری نہایت بقا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام اور باقی رہے ذات ملک تیرے بزرگی اور بخشش والے کی۔ اور وہ نام ہے اس چیز کا جو فنائے شواہد کے بعد باقی اور قائم رہے یعنی نشانات حقیقہ کے بعد اور رسوم کا نام شواہد اسلئے ہے کہ یہ آثار ہیں جو مؤثر پر دلالت کرتے ہیں یعنی خدا کے باقی پر اور اس کے تین درجے ہیں بقائے معلوم یعنی اللہ تعالیٰ کی بقا بندے کے علم کے فنا ہونے کے بعد کیونکہ بندہ کلی طور پر فنا ہو چکا ہے اور اسکو عین سے باقی سمجھے نہ علم سے کیونکہ بندہ جب پوری طرح فنا ہو گیا تو اسکے تمام اوصاف بھی فنا ہو گئے جن میں ایک علم بھی تھا اور بقائے مشہود بعد سقوط شہود یعنی اللہ تعالیٰ اپنے وجود کی حیثیت سے نہ کہ مشہودیت کی وجہ سے کیونکہ مشہودیت ایک نسبت ہے جو بندے کے شہود سے متحقق ہوتی ہے اور وہ تو فانی ہو چکا ہے تو شاہدیت اور مشہودیت دونوں ختم ہو گئے اور تیسرا درجہ بندے کا وجود حقانی کیساتھ بقا ہے اور اسکی بقا سے باقی ہوتا ہے اسکی حیوۃ سے زندہ ہوتا ہے اسکے علم سے عالم ہوتا ہے اسکے اختیار سے ممتاز ہوتا ہے وہ بندہ ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے فنا کے بعد لوٹایا اور اپنی طبعی صفات سے خلعت قدسیہ پہنائے اور اسکا نام اپنے پاس اسماء قدسیہ یحییٰ رکھا اور اسکے اسمائے حسنیٰ بندے کے ادب کی حدود کی حفاظت کرتے ہیں جیسے کہ شریعت محمدیہ کا تقاضا ہے جو بندوں کو رب الارباب کی جناب میں پہنچانے والی ہے۔ اور اس معنی کی تحقیق مجھے شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے قول کسانی غفیہ بطراز عرم۔ و توجبی تیجان الکمال کے تحت ہو جائیگی۔ پھر اس وقت خدا کو خدا ہی کی آنکھ سے مشاہدہ کرتا ہے۔ وہ فرق کے مقام میں قائم ہوتا ہے عبودیت ظاہرہ کی بساط پر منضبط ہوتا ہے۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کے قول کے مطابق کہ "بندہ بندہ ہی ہے اگرچہ وہ کتنی ترقی کر جائے اور رب رب ہی ہے اگرچہ وہ کتنا نیچے آئے"۔ اور اسی کو اصطلاح میں تلبیس اور تحقیق کہا جاتا ہے کہ بندہ فانی کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے وجود باقی کی خلعات قدسیہ کا لباس پہنایا جاتا ہے اور وہ اپنے مشہود کی بقا کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جو اعلیٰ اور عالی ہے منزہ ہے۔ اے ہمارے رب اس ذلیل بندے پر شیخ بزرگ کے انوار منکشف فرما تا کہ ہمارے بیٹوں اور پچھلوں کیلئے عید ہو جائے تو بہترین رزق دینے والا ہے۔ اور اس بقا میں وجود بھی مندرج ہے کیونکہ سالک پر وجود حقیقی کی خلعات اسکے فانی وجود کے ختم ہونیکے بعد پہنائی جگئی تھا اور اس میں تجرید بھی شامل ہے جسکی طرف اللہ کے اس قول میں اشارہ ہے "فاخلع نعلیک اپنی جوتیاں اتار دے"۔ اور اس میں تفرید

بھی داخل ہے۔ اور وہ خلعات بقا اور سطوات فنا کے سبب بے شواہد سے الگ ہو جاتا ہے تو اس طرح سالک فرد الفرد ہو جاتا ہے
جیسا کہ شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ دار مضاعفا کے بعض قصائد میں ہے انا فرد الفرد لا شریک لہ۔ اور اسکی تحقیق آپ رضی اللہ عنہ کے قول انا
حضرت التقریب وحیدی کے تحت انشاء اللہ بیان ہوگا۔

اور چوتھی نہایت جمع ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی" جب آپ نے پھینکا تھا تو آپ نے نہیں پھینکا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا تھا۔ اور جمع وہ ہے جو تفرقہ کو ختم کر دے اشارے مٹا دے اور صحت تمکین کے بعد محض اللہ ربانی سے نازل ہو جانے سے برات ہو شواہد کے اسباب کے احساس کی نفی ہو اور شہود کے شہود سے علیحدگی ہو اور اس کے تین درجے ہیں جمع علم جمع وجود پھر جمع عین تو جمع علم تو یہ ہے کہ خالص لدنی علم میں شواہد کے علوم ختم ہو جائیں اور جمع وجود یہ ہے کہ عین وجود میں اتصال کی نہایت ختم ہو جائے اور جمع عین یہ ہے کہ ہر وہ چیز فنا ہو جائے جس سے ذات حق کی طرف حقیقت میں اشارہ کیا جاتا ہے۔ اور جمع کا مقام سالکین کے مقامات کی انتہا ہے اور اس کی تحقیق آپ رضی اللہ عنہ کے قول ولا طلم علوی و انفصال کے تحت انشاء اللہ آئے گی۔

اور پانچویں نہایت توحید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور توحید حدوث سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کا نام ہے علماء نے جو کچھ بھی بولا اور محققین نے جو بھی اس کی طرف اس طریق میں اشارے کئے وہ صرف توحید کی تصحیح کے لئے کہا اور اس کے سوا جو کچھ بھی ہے یعنی حال و مقام تو سب تابع ہیں۔ اسباب میں اثبات توحید کے لئے مقدمات ہیں سو یہ سب اسباب اسی کے ہاتھ میں ہیں پھر توحید تین طرح پر ہے۔

پہلی توحید عام لوگوں کی ہے اور وہ شہادت ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہ اکیلا ہے بے نیاز ہے جس نے نہ کسی کو جنا اور نہ وہ خود جنا گیا اور نہ ہی اسکے ساتھ کوئی برابری کرنے والا ہے۔ یہ صحیح معنوں ہے اس ذات کے متعلق عقیدہ کا جو تمام صفات کاملہ کی جامع ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے یہی وہ ظاہر جلی توحید ہے جو شرک اعظم کے منافی ہے اسی پر قبلہ نصب کیا گیا ہے اور اسی کے ساتھ اسلام کی ضمانت واجب ہو جاتی ہے اسی کے ساتھ جان اور مال محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اسی کے ساتھ دار الاسلام دار الکفر سے الگ ہوتا ہے اور عام لوگوں کا مذہب اسی سے صحیح ہوتا ہے یہ سورج ہے جس کو دن نے رات کے اندھیروں سے چڑھایا ہے اور حق کی صبح کفر کی شام سے علیحدہ ہوتی اور کفریہ کی جہالت سے مرے ہوئے مردے اسی سے زندہ ہوتے ہیں اور اس کے دو مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ تقلید کا ہے اور وہ اس مضبوط اعتقاد سے عبادت ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے صفات کاملہ کے ساتھ موصوف ہے رسول کو بھیجنے والا ہے بھلائی کا حکم دینے والا اور برائی سے روکنے والا ہے تاکہ لوگ ثواب پائیں اور عظیم کامیابی حاصل کریں اور یہ دین حق کے علمائے کاملین سے بجز و سماع پیدا ہوتی ہے اور شریعت میں اس مقلد کا ایمان معتبر ہے اس پر ثواب اور خوشنودی مرتب ہوتا ہے اسی سے تمام فرضی عبادات نماز روزہ وغیرہ پوری ہوتی ہیں جیسا کہ علم کلام میں یہ چیز ثابت ہے

اور دوسرا مرتبہ۔ خالق قدیر کے وجود پر دلائل عقلیہ قطعیہ سے استدلال کا ہے جو اس مضبوط نظام کا پیدا کرنے والا ہے جیسا کہ ایک اعرابی سے نقل کیا جاتا ہے کہ وہ کہتا تھا مینگنی اونٹ پر دلالت کرتی ہے اور قدم کا نشان چلنے پر

کرتا ہے جیسے یہ نظام منضبط کس طرح خالق قدیر و خبیر پر دلالت نہ کرے گا اور عقلمند لوگوں سے دلائل کتابوں میں مذکور ہیں۔ مثلاً ایک زمیندار یہ جانتا ہے کہ اس زمین سے بیج کو اگانے والا موجود ہے جو زمین کی طاقتوں میں نمو کا ہیجان پیدا کرتا ہے اور اسی طرح ہر صنعت کار بھی جانتا ہے اور سماعی دلائل تو اس قدر ہیں کہ ان کا شمار بھی نہیں ہو سکتا شریعت کی کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں اور یہ مرتبہ پہلے مرتبہ سے اعلیٰ ہے کیونکہ پہلا تو شک پیدا کرنیوالے کے شک سے زائل ہو سکتا ہے لیکن دوسرا زائل نہیں ہو سکتا کیوں کہ ان دلیلوں سے ثابت ہے جو یقین کا باعث ہیں اگر توحید خاصہ اور خاصۃ الخاصہ کے مقابلے میں اس میں بھی کچھ نقص ہے جیسا کہ عنقریب آپ کو معلوم ہو جائیگا بیان کیا جاتا ہے کہ امام رازی نجم الدین کبریٰ کی مجلس میں خدا تعالیٰ کی توحید کو دلائل سے ثابت کر رہے ہیں۔ حالانکہ صبح چراغ کی روشنی سے بے نیاز ہے۔ ہاں خبر معائنہ جیسی کبھی نہیں ہو سکتی اگرچہ یہ خبر دلیل کے ساتھ مدلل ہو کیونکہ دلیل کا مقابلہ تو دوسری دلیل سے کیا جا سکتا ہے۔

دوسری توحید وہ ہے جو حقائق کی طرف منسوب ہے اور وہ خاص توحید ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری اسباب کو بالکل ساقط کر دیا جائے اور عقلی بحثوں اور شواہد اور آثار خارجیہ کے ساتھ اس کو ثابت کرنے سے آدمی بلند تر ہو جائے جو کہ وجود کے موجد پر دلالت کرتے ہیں تو اس کی توحید میں کسی دلیل کو نہیں دیکھا جاتا جیسا کہ توکل میں اسباب کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ اس توحید میں خدا تعالیٰ کا حکم اور صحیح اعتقاد کام کرتا ہے یہ محض وہ نور ہے جس کے ساتھ موحد کا دل سورج کا مطلع قریب الوصاف ہونیکی وجہ سے روشنی حاصل کرتا ہے یہاں دلیل سے پیدا ہونیوالے علم اور مصنوعات کی دلالت کا بیان کام نہیں کرتا اور یہ موحد کبھی اس توحید کو دلائل سے بیان کرتا ہے اور کبھی نہیں کرتا کیونکہ وہ ایک وجود حقیقی کا ظہور دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اور اگر بیان نہیں کرتا تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ جانتا ہے کہ چمگادڑوں کی آنکھوں سورجوں کے سورج کی روشنی دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتیں کیونکہ انکو تقلید اور استدلال کی اندھیری راتوں کی عادت ہوتی ہے۔ پاک ہے وہ اللہ جو اپنے کمال ظہور کی وجہ سے پوشیدہ ہے اے اللہ ہمیں اپنے نور سے روشن کر دے اور اپنے ظہور سے ظاہر کر دے

تیسری توحید۔ اور یہ وہ توحید ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص کر رکھا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اسکے سوا کوئی معبود نہیں ہے کسی زبان کو اس کے بیان کرنے کی طاقت نہیں ہے اور نہ کوئی دل اسکو سمجھ سکتا ہے کہ صاف گھاٹ حروف اور فکر کی میل کچیل سے مکدر ہو چکا ہے لیکن جب اس نور کی چمک اصفیاء کی جماعت میں سے کسی کے سر پر چمکتی ہے تو ان کے دل روشن ہو جاتے ہیں انکی زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں اور حال بول اٹھتا ہے اور اسی لئے کہا گیا ہے کہ "توحید یہ نہیں ہے کہ تو خدا کو ایک جانے بلکہ توحید یہ ہے کہ تو ایک ہو جائے" الخ۔ اس توحید سے عبارتیں معطل ہو جاتی ہیں اور وہ اشارہ جو اس کا اظہار کر سکیں باطل ہو جاتے ہیں اسکو صرف وہی ریاضت کرنیوالا جان سکتا ہے جس نے فنا کے صدمات کے بعد بقا کی ریاضت کی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ برگزیدہ علماء کی زبان سے یہ الفاظ کبھی نہیں نکلے کہ اللہ تھے اور اللہ ہیں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وہی حق ہے۔ کتنی صحیح بات ہے جو بعض کاملوں نے کہی ہے۔ ایک کہنے والے کا ایک ایک نہیں ہے + جو اس کو "ایک" کہے وہ اس کا منکر ہے + اس آدمی کو توحید بولتا ہے اس کی صفت سے خالی ہے استعارہ ایک" باطل کر دیتا ہے + اس کی خالص توحید ہے + اور جو اس کی خالص توحید ہے + اور جو اس کی صفت بیان کرتا ہے الحاد کرنے والا ہے + اللہ پاک ہے اس کا نام غالب ہو۔ پاک ہے تیرا رب عزت کا رب ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ یہ آخری تحقیق تھی سو مقامات کو اکتالیس میں درج کرنے کی جس کو منازل السائرین سے اقتباس کیا اور وہ وضاحت بھی اس میں شامل کر دی جو شیخ بزرگ کے انوار سے اقتباس کی گئی اور وقت کے تقاضہ کے مطابق کچھ بیان زیادہ بھی کر دیا اور اب میں ان شاء اللہ خدا کے فضل و کرم سے ان مقامات

Scanned by CamScanner

کرتا ہے جیسے نظام مضبوط کس طرح خالق قدیر و خبیر پر دلالت کرے گا اور عقلمند لوگوں سے دلائل کتابوں میں مذکور ہیں۔ مثلاً ایک ادنیٰ جاہل بھی جانتا ہے کہ اس زمین سے بیج کو اگانے والا موجود ہے جو زمین کی طاقتوں میں نمو کا ہیجان پیدا کرتا ہے اور اسی طرح ہر صنعت کا صانع ہوا کرتا ہے اور سماوی دلائل تو اس قدر ہیں کہ ان کا شمار بھی نہیں ہو سکتا شریعت کی کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں اور یہ مرتبہ پہلے مرتبہ سے اعلیٰ ہے کیونکہ پہلا تو شک پیدا کر دینے کے شک سے زائل ہو سکتا ہے لیکن دوسرا زائل نہیں ہو سکتا کیونکہ ان دلیلوں سے ثابت ہے ہم یقین کا اطلاق اگر توحید خاص ہو تو خاصۃ الخاصہ کے مقابلے میں اس میں بھی کچھ ضعف ہے جیسا کہ عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا اور بیان کیا جائے گا کہ امام رازی نجم الدین کبریٰ کی مجلس میں خدا تعالیٰ کی توحید کو دلائل سے ثابت کر رہے ہیں، حالانکہ صبح چراغ کی روشنی سے بے نیاز ہے۔ ہاں اگر مخالف بھی نہیں ہو سکتے اگرچہ خبر دلیل کے ساتھ متعلق ہے کیونکہ دلیل کا مقابلہ تو دوسری دلیل سے کیا جا سکتا ہے۔

دوسری توحید وہ ہے جو حقائق کی طرف منسوب ہے اور وہ خاص توحید ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری اسباب کو بالکل ساقط کر دیا جائے اور حقیقی سچے اندیشہ اور آثار خارجیہ کے ساتھ اس کو ثابت کرنے سے آدمی بے نیاز ہو جائے جو کہ وجود کے موجد پر دلالت کرتے ہیں تو اس کی توحید میں کسی دلیل کو نہیں دیکھا جاتا جیسا کہ توکل میں اسباب کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ اس توحید میں خدا تعالیٰ کا علم اور صحیح اعتقاد کام کرتا ہے یعنی وہ نور ہے جس کے ساتھ موحد کا دل منور ہو کا مطلع قریب اور صاف ہو یعنی وہم سے روشنی حاصل کرتا ہے یہاں دلیل سے پیدا ہونے والے علم اور مصنوعات کی دلالت کا بیان کام نہیں کرتا اور یہ موحد کبھی اس توحید کو دلائل سے بیان کرتا ہے اور کبھی نہیں کرتا کیونکہ وہ ایک وجود حقیقی کا ظہور دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اور اگر بیان نہیں کرتا تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ جانتا ہے کہ چمگادڑوں کی آنکھیں سورج کی روشنی دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتیں کیونکہ اکثر تقلید اور استدلال کی اندھیری راتوں کی عادت ہو چکی ہے۔ پاک ہے وہ اللہ جو اپنے کمال ظہور کی وجہ سے پوشیدہ ہے وہ اللہ جس اپنے نور سے روشن کر دے اور اپنے ظہور سے ظاہر کر دے۔

تیسری توحید وہ توحید ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص کر رکھا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کسی زبان کو اس کے بیان کرنے کی طاقت نہیں ہے اور نہ کوئی دل اس کو سمجھ سکتا ہے کیونکہ حروف اور فکر کی پہنچ سے بالاتر ہو چکا ہے لیکن جب اس نور کی چمک بصیرت کی جہات میں سے کسی کے ہاتھ پر چمکتی ہے تو ان کے دل روشن ہو جاتے ہیں ان کی زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں اور حال بول اٹھتا ہے اور اسی لئے کہا گیا ہے کہ توحید یہ نہیں ہے کہ تو خدا کو ایک جانے بلکہ توحید یہ ہے کہ تو ایک ہو جائے اور اس توحید سے عبارتیں معطل ہو جاتی ہیں اور وہ اشارے جو اس کا اظہار کر سکیں باطل ہو جاتے ہیں اسکو صرف وہی پہچان سکتا ہے جو جان سکتا ہے جس نے فنا کے مقامات کے بعد بقا کی ریاضت کی ہو [illegible] یہی وجہ ہے کہ برگزیدہ علماء کی زبان سے یہ الفاظ کبھی نہیں نکلے کہ اللہ تھے اور اللہ ہیں۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وہی حق ہے کتنی عجیب بات ہے جو بعض کاملوں نے کہی ہے۔ ایک کہنے والے کا ایک یقین ہے جو اس کو ایک کہے وہ اس کا منکر ہے۔ اس آدمی کو توحید بولنا ہے اس کی صفات سے خالی ہے اس طرح کا بگاڑ دیتا ہے اس کی خالص توحید ہے اور جو اس کی صفت بیان کرتا ہے الحاد کرنے والا ہے۔ اللہ پاک ہے اس کا نام غالب ہو۔ پاک ہے تیرا رب عزت کا رب ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ یہ آخری تحقیقی الطوسی کی کتاب میں درج کرنے کی جس کو منازل السائرین سے اقتباس کیا اور وضاحت بھی اس میں شامل کر دی شیخ کے الار سے اقتباس کی گئی اور وقت کے تقاضہ کے مطابق کچھ بیان زیادہ بھی کر دیا اور اب میں ان شاء اللہ خدا کے فضل و کرم سے ان مقامات

کو الکیل میں درج کرنا شروع کرتا ہوں اور اس کو باب الفتوح سے زینت دیتا ہوں اور اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں
باب الفتوح ۱۔ چونکہ اہل قرب اور وصال کی بلندیوں کی طرف چلنے والوں کے مقامات الگ الگ ہیں جیسا کہ خدا تعالیٰ کی کتاب اس کی
وضاحت کرتی ہے "وما منا الا له مقام معلوم اور نہیں ہے ہم میں کوئی بھی مگر اس کا ایک مقرر مقام ہے"۔ جیسے کہ لشکر کا ہر فرد جب بادشاہ
کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو ہر ایک سوار اور پیادے اور امیر کا اس نسبت سے جو اس کو بادشاہ کی بساط سے منسلک کرتی ہے ایک مقام
ہوتا ہے اور بادشاہ کی نگاہ اور اس کی کلام سے حصہ لیتا ہے۔ تو عبادت گزار جس کا تذکرہ ہم کر رہے ہیں ایک غلام ہے جو اپنے حوصلے کے
اندازے کے مطابق اپنے مالک کی خدمت میں غلامی کے لئے کھڑا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض کی نماز معراج ہوتی ہے اور بعض اور لوگوں
کی نماز عہد سے خارج کر دینے والی ہوتی ہے جیسا کہ ظاہر شریعت سے معلوم ہوتا ہے اور عارف کا بھی ایک مقام ہے اور ہر قوم
کے لئے علی اختلاف مراتب ایک مقام ہے۔ سالکین کی قوم نے مقامات مقرر کرنے کے لئے ایک اصطلاح رکھی ہے۔ ضروری ہے کہ سالک کو
اسکے مقام کا حق دیا جائے جو اسکے لائق ہو تاکہ وہ پوری بھلائی سے اللہ عزوجل کا قرب حاصل کر سکے۔ یا کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ راہ
اللہ کا طریق ایسا ہے جو کسی حاسہ سے محسوس نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس کو کسی قیاس سے معلوم کیا جا سکتا ہے نہ کوئی اس کا ختم
انتہا ہے اور نہ کوئی وہمی غایت۔ بلکہ اس کی عظمت کے میدان کے عقل کے پاؤں لنگڑے ہو جاتے ہیں اور اوہام کے گھوڑے تیز
رفتار ہونے کے باوجود گر پڑتے ہیں تو قوم نے کچھ مقامات اور منازل مقرر کر دیئے ہیں تو سالک کے لئے ضروری ہے کہ اس راستہ
سفر کے قطع کرنے میں پوری کوشش کرے اور ایک منزل سے دوسری منزل اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچے۔ تو پہلے
کے مطابق مقام کا اللہ عزوجل کے قرب کے عرش کے ارد گرد لازمی آداب کے ساتھ خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے
کی جگہ ہے اور دوسرے معنی کے مطابق وہ منزل ہے۔ جہاں سالک قطع سفر کے بعد آکر ٹھہرتا ہے اور یہ دونوں معنی یہاں مقام کے
مناسب ہیں۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ اس کی تحقیق آپ رضی اللہ عنہ کے قول مقامی تو فکم مازال عال کے تحت آئے گی بمختصر یہ کہ مقامات
میں سے سب سے پہلا مقام جس کو یہاں بیان کرنے کا ارادہ ہے انتباہ ہے اور وہ یہ ہے کہ بندہ غفلت کی حدود سے نکل آئے اور ہم نے
اس کی وضاحت کر دی ہے اور اس مقام کا تمام آنے والے مقامات میں دخل ہے کیونکہ غفلت سے خروج ہر سالک کے لئے لازمی ہے
بلکہ یہ تمام تو واصل کے لئے بھی لازمی ہے۔

دوسرا مقام توبہ ہے۔ اور یہ شریعت محمدیہ اور طریقہ احمدیہ کے قاعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور اللہ کے غضب
سے ہمیشہ خوف ہو اور اللہ عزوجل اور اسکے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کے برخلاف جو کچھ اس سے صادر ہوا ہے اس پر اس کو ندامت ہو
اور یہ سوچ کہ آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کرنے میں حالانکہ انکا گناہ بہت کم تھا اور اللہ عزوجل کی طرف ان کی نسبت بہت زیادہ تھی
خدا کے حکم نے توقف کیا تو میری کیا حقیقت ہے اور میرے پاس کونسی دلائل ہے تو لازمی ہے کہ اللہ غفار کی جناب میں کثرت سے استغفار کرے
اور اس معنی میں انابت بھی مندرج ہے جس کو "ذکر کی طرف غفلت چھوڑ کر رجوع کرنا" کہا جاتا ہے۔

اور تیسرا مقام ورع ہے اور یہ مشتبہ چیزوں کا استعمال اور حصول چھوڑ دینے کا نام ہے پھر خالص حرام چیزوں کو لینا کیسے
جائز ہو سکتا ہے ضروری ہے کہ اپنی تجارت کا راس المال (اصل سرمایہ) ورع کو بنائے اور اخلاص اور یقین کلی کے منافع حاصل کرے
تو پھر یہ دنیا کا زاہد ہوگا جو لامحالہ لذات اور شہوات کو چھوڑ دینے والا ہے یہ نفس کو اس کا حق تو دیتا ہے لیکن اسکی خواہشات پوری نہیں کرتا۔

چوتھا مقام نفس کا محاسبہ ہے کہ اس کے لئے کیا کیا عبادات فرض ہیں جو اس کو قبولیت کی چوٹی تک پہنچا ئیں اور خسارے اور تنزل کی صورت میں اس کے لئے کیا کیا وحشت ناک سزائیں ہیں اور اس دنیا پر اترائے نہیں اللہ تعالےٰ اس پر اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ دنیا ایک خوبصورت سانپ ہے ایک بہت بڑی مصیبت ہے ایک بچھو ہے جو اپنے خاوند اور بچوں کو اپنی قاتل زہر اور مہلک غموں سے کھا جاتی ہے۔ قل اللہ ثم ذرھم فی طغیانھم یعمہون "کہہ۔ اللہ۔ پھر ان کو چھوڑ دے کہ وہ اپنی سرکشی میں پریشان پھریں۔

اور پانچواں مقام ارادہ ہے اور یہ ہمیشہ کی جدّ و جہد کو ترک کر دینے اور راحت سے منہ پھیرنے کا نام ہے وہ اپنے طریق کے سلوک میں ہمیشہ غمگین رہتا ہے اور بھلائی طلب کرنے والے کا ہمیشہ ہی مطمح نظر رہتا ہے وہ اپنی دونوں جوتیاں یعنی خواہش اور عجب کو اتار دیتا ہے اور بلند ہمتوں کے اچھے گھوڑوں پر سوار ہو جاتا ہے اور اس سفر کے میدانوں میں خطرات اور مصائب کی پرواہ نہیں کرتا۔ یقیناً اللہ تعالےٰ قادر ہے کہ اس کو اس کے مطلوب پر پہنچا دے اور اپنے نفس کو کہتا ہے کہ دیکھ کس طرح زلیخا یوسف علیہ السلام تک پہنچ گئی۔ حالانکہ اس کی خوبصورتی اور جوانی اور نظر اور ناز و نخرے سب ختم ہو چکے تھے پھر بھی وہ اپنے مطلوب تک پہنچ گئی۔ بے شک اللہ تعالےٰ تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا خواہ وہ عورت ہو یا مرد اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور دعائیں قبول کرنے کے لائق ہے۔

اور چھٹا مقام زہد ہے۔ یہ دنیا کی حلال اور مباح چیزوں کو ماسوائے تھوڑی بہت کے اور جاہ اور مرتبے کو چھوڑ دینے کا نام ہے اور وقت کا وظیفہ یہ ہوتا ہے "کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام (ترجمہ) "جو کچھ اس پر فانی ہے اور باقی رہ جائیگی ذات تیرے رب بزرگی اور عزت والے کی۔

اور ساتواں مقام عزم ہے اور وہ ارادہ میں پوری پختگی کا نام ہے۔ اس طرح کہ اس کے دل میں رجوع کا شائبہ تک نہ رہے اور اس کے نزدیک یہ معاملہ روح کی حیثیت اختیار کر جائے جس کا وجود زندگی کا باعث ہے اور جس کا نکل جانا موت کا مصدر ہے پھر وہ سچا ہوگا اور سچا آدمی اس بھلائی سے کبھی رجوع نہیں کرتا جسکے حصول کا وہ ارادہ کر چکا ہو۔ پس عزیمت بہادر مردوں پہلوانوں کا خلق ہے اور رخصت تو عورتوں اور بچوں کے لئے ہوتی ہے لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج "اندھے پر کوئی تنگی نہیں اور نہ ہی لنگڑے پر کوئی تنگی ہے"۔

اور آٹھواں مقام توکل ہے۔ اور وہ اپنے کام کو خدا تعالےٰ کے سپرد کر دینا ہے کہ وہ یہ نہ دیکھے کہ یہ کام ہوگا یا نہ ہوگا اور اس سے زندگی یا مرتبہ وغیرہ جاتا رہے گا۔ یا نہیں۔ اور اللہ ہی پر چاہیئے کہ ایماندار توکل کریں جس آدمی کی نگاہ محبوب کے حصول اور وصول مطلوب پر لگی ہو وہ موت اور زندگی کی کب پرواہ کرتا ہے وہ تو صرف مقصود حقیقی ہی چاہتا ہے۔

اور نواں مقام صبر ہے۔ اور وہ بے گھبرا دینے والی مصیبتوں اور مہلک آفتوں کے آنے پر نفس کو جزع فزع اور بیقراری سے روکنا اگر اس کا گوشت قینچی سے بھی کاٹا جائے تو بھاگے نہیں اور اگر اسے دنیا و آخرت بھی مل جائے تو مغرور نہ ہو اس کا غم اور اس کا حزن اللہ تعالےٰ ہی کی طرف ہوتا ہے اس کے دل کی پیشانی پر لکھا ہوتا ہے۔ فصبر جمیل۔ (صبر اچھا ہے)

اور دسواں مقام عطش ہے۔ اور وہ وصال محبوب کے شربت پینے کے لئے دل کی جلن کا نام ہے وہ خفا جو پیا جاتا ہے
اس کی طلب کی زبان سیر نہیں ہوتی اور اللہ تعالے کی جلائی ہوئی آگ اس کے دل پر شعلہ زن ہوتی ہے اور جب بھی اسرار
اسرار کے سمندروں میں سے ٹھنڈے شربت انڈیلے جاتے ہیں تو وہ یہی آواز دیتا جاتا ہے کہ کیا کچھ اور بھی ہے؟ اللہ جو پیاس کو
ٹھنڈا کر سکے اس کی محبت شعلہ زن رہتی ہے اس کا شوق ومدام بڑھتا جاتا ہے اسپر وجد کی کیفیت طاری ہوتی ہے اس پر
سوار ہوتی ہے اور اپنے حال کی زبان سے پکارتا ہے۔ پیاسا پیاسا۔ ہائے پیاسا۔ اس کی انتڑیوں میں آگ کے شعلے
میں ہمیشہ ہائے (پیاسا) کی کیفیت میں رہتا ہے۔

گیارھواں مقام برق ہے۔ وہ طلب کے آسمان میں ایک چمک اور اضطراب ہے جو ہر لحظہ پورے طور پر برقرار رہتا ہے
اس میں کس طرح کی کوئی کمی نہیں ہوتی جب وہ اپنے ماحول کو روشن کرتی ہے تو وہ کان جو اس کے سوا کسی کی سننے میں اور آنکھ
جو کسی اور کو دیکھنے میں اللہ اگر چاہے تو ان کو برباد کر دیتا ہے پھر ذکر محبوب کی بجلی کوندتی ہے اور اپنے وجود اور شہود سے
اور سالک کہہ اٹھتا ہے پاک ہے اللہ جو آگ اور جمع کرنے والا ہے پھر اس کے آنسوؤں کے بادل نہریں جاری کرتے ہیں اور اس
کا دل آگ کے شعلوں میں جلتا رہتا ہے۔

اور بارھواں مقام سرور ہے اور اسی کو طیب اور فرح بھی کہا جاتا ہے۔ پھر محبوب کے غم اور حزن اور مصیبت کو حصول
برداشت کرنا کیونکہ بے تنگی کے ساتھ آسانی ہے جیسے تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔

اور تیرھواں مقام غیبت ہے اور یہ عبارت ہے اس سے کہ ملاحظہ اور مراقبہ کے بعض اوقات میں جب خدا کا ظہور
بندے کے وجود پر وارد ہوتا ہے۔ تو بندے کا وجود عدم میں روپوش ہو جاتا ہے۔ وہ اس وقت حاضر بھی ہوتا ہے اور غائب
اور زندہ بھی ہوتا ہے اور مردہ بھی اس کے معاملے کا مالک وہ اللہ ہے جو مارتا بھی اور زندہ بھی کرتا اور تم بھی غفلت اور

چودھواں مقام مشاہدہ ہے۔ اور یہ اس عبارت ہے کہ سالک کی بصیرت سے پردہ اٹھ جائے پھر دیکھنی تو یہ رفیق اعلیٰ کی طرف
سے خالص جذبہ کی بنا پر ہوتا ہے اور پھر سلوک سے نصیب ہوتا ہے جو بیان کے رسوم اور شواہد کو مٹانے والا ہے۔ پھر
وہ دیکھتا ہے یا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ اس چیز کا وجود نہیں دیکھتا بلکہ خدا تعالے کو دیکھتا ہے۔ وہ ہم نے جو چیز بھی دیکھی اس
پہلے ہمیں خدا نظر آیا۔ اور اس کی بصیرت اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ اشیاء کا وجود اس سے مخفی ہو جاتا ہے اور کہہ اٹھتا ہے کہ مشہود
کے سوا اور کوئی نہیں ہے وہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور یہ اس معائنہ سے کمتر ہے جو آخرت کو
ہوگا بلکہ آخرت ہی اس رویت کے بعد نصیب ہوگی اور بندہ اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا اور اس وقت اس کی ہر بہار مکمل
گی لیکن مشاہدہ سکر سے خالی نہیں ہوتا کیونکہ اس وقت سالک بندے اور خدا کے درمیان تمیز نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ صرف اس
ہی کو دیکھتا ہے۔

پندرھواں مقام صحو ہے۔ اور یہ عبارت ہے اس تمکین سے جو تلوین اور تعریف کے بعد نصیب ہوتی ہے بندہ حق
تمیز کرنے لگتا ہے تو اللہ تعالے کے لئے وہ وجود حقیقی اعلیٰ تجویز کرتا ہے اور دوسری چیزوں کے لئے وجود حقیقی
خدا کو خدا سمجھنے لگتا ہے اور بندے کو بندہ۔

سولہواں مقام بسط ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ سالک کی استعداد انوار قدسیہ کی تجلی سے جن کی تعداد بے شمار ہوتی ہے بھر جاتی ہے اور سالک ان کو ضبط کرنے سے کبھی عاجز آجاتا ہے۔ بلکہ اثر ان کی برداشت سے عاجز ہو جاتا ہے تو وہ پورے طور پر بیان سے محو ہو جاتا ہے اور اس کے بعد قبض ہو جاتا ہے گویا کہ اس کے ساتھ اس کی استعداد نئے سرے سے تیار ہوتی ہے اللہ پاک ہے اور کہتا ہے "اور اللہ تنگی کرتا ہے اور فراخی کرتا ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے تم"۔ اور اگر قبض گناہ کی وجہ سے ہو تو استغفار لازمی ہے ورنہ اس کی حالت خدا تعالیٰ کے ارادہ کے سپرد ہو جائیگی جو ابتداء اور انتہا کو جانتا ہے۔

اور سترھواں مقام انفصال ہے۔ یہ ایک حالت ہے جو سالک پر ہر مقام میں جزئی طور پر وارد رہتی ہے اور اسکے اصلی مقام میں یہ کلی طور پر وارد ہوتی ہے کہ وہ خود مسیاق میں سے گم ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کے سوا کوئی الہ موجود نہیں اور انفصال اس کی ضد ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی وقت میں اتصال بھی ہوتا ہے اور انفصال بھی جس طرح کہ فارسی میں کہا گیا ہے کہ "نفس سے کٹنا اور خدا سے جڑنا"۔

اٹھارہواں مقام فقر ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ املاک ظاہری اور باطنی میں سے کسی کا مالک نہ ہو۔ سالک کو یہ اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ ظاہراً و باطناً اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی مالک نہیں ہے اور یہی معنی ہے اس آیت کا کہ اللہ غنی ہے اور تم فقیر ہو تو پھر وہ اس نسبت کی وجہ سے فقر پر فخر کرتا ہے۔ غور سے سمجھ لے۔

انیسواں مقام رضا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ دکھ اور سکھ میں اللہ کی مراد پر بندہ لذت حاصل کرے تو وہ اس حالت میں فنا اور بقا دونوں صفتوں کا جامع ہوتا ہے جیسا کہ ان لوگوں پر مخفی نہیں ہے جو اس آزمائش کے طریق پر چل پڑے ہیں

بیسواں مقام مراقبہ ہے اور وہ یقین کی صفائی سے ان غائب چیزوں کو ہدایت اور توفیق خداوندی سے دیکھنا ہے جو کہ سالک کی نگاہ سے پوشیدہ ہیں اور اس مرتبہ کا منشاء (پیدا ہونے کا باعث) محبت اور امید اور خوف اور صدق وغیرہ احوال اور مقامات ہیں۔

اکیسواں مقام قرب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی ہمت کو جمع کرنا اور اس کے سوا سے غائب ہونا ہے اور اس معنی کے لحاظ سے قرب اور وصال ایک ہی چیز ہیں شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ نے اپنی نفیس کتاب فتوح الغیب میں فرمایا ہے کہ "خدا تعالیٰ کی طرف پہنچنا اس طرح کا نہیں ہوتا ہے جیسے کوئی آدمی کسی آدمی کے پاس پہنچتا ہے بلکہ وہ ایک نسبت ہے جو بندے اور خدا کے درمیان قائم ہوتی ہے اس کو توجہ ہی سے معلوم کیا جا سکتا ہے"۔ اور ہم اس معنی کی تحقیق آپ رضی اللہ عنہ وارضاعنہ کے قول انا فی حضرت التقریب وحدی اور توجہی تجیان الکمال کے تحت بیان کریں گے۔

تحقیق:۔ جان لینا چاہیئے کہ یہ اکیس ۲۱ مقام جن کو ہم نے اصطلاحات قوم کے مطابق مقام کے نام سے تعبیر کیا ہے یہ سب مقام نہیں ہیں بلکہ بعض ان میں سے احوال ہیں۔ ہم نے صرف اس کے استغراب اور تمکین کی وجہ سے انکو مقام کہا ہے اور میں کئی دفعہ ذکر کر چکا ہوں کہ ہر مقام اتباع کے مفہوم میں مندرج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ "اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھے گا"۔ اور وہ اختصار جس کا گیا تھا میں وعدہ کیا گیا تھا وہ گیا یہ اس ترتیب پر ہیں سب سے پہلے یقظہ۔ پھر محاسبہ پھر انابت پھر مشاہدہ۔ پھر صحو۔ پھر محو۔ پھر رضا۔ جو فنا اور بقا کی جامع ہے پھر وکالت پھر قرب۔ پھر وصول اور ان تمام مذکورہ

مقامات کے معنی تم معلوم کریں چکے ہو۔ اور وہ اختصار جس کا پانچ میں وعدہ کیا گیا تھا۔ وہ شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے اس
قول کے مطابق ہیں۔ مریدی ہم وطب واشطح وغن۔ ان میں سے پہلا مقام انتباہ ہے اور شیخ نے اس کا ذکر نہیں کیونکر وہ مرید کی
کی شرط ہے اور دوسرا ہیمان۔ (از حد پیاس) ہے پھر طیبت ہے پھر شطح ہے اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ محبوب کے سوا
اور کسی چیز سے بھی تعلق نہ رکھے۔ کیونکہ لغت میں اس کا معنی "بے پروائی ہے"۔ اور اسی سے شطاح اس عورت کو کہا جاتا ہے
جو کسی چیز کی پرواہ نہ کرے اور اصطلاح میں اس کا مشہود یعنی یہ ہے کہ سالک اپنے او پر وارد ہونے والے کمالات کا اظہار
کرے اور یہ اظہار اس لئے ہوتا ہے کہ وہ ان عنایات کبیرہ کو مخفی رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ پھر غنا ہے اور اس کا
مطلب یہ ہے کہ دل اور روح اور سِرّ کی حیثیت سے کسی چیز سے بھی اپنا تعلق نہ رکھے بلکہ ہر چیز سے بے نیاز ہو جائے اس
میں دنیا اور آخرت کا ایک ذرّہ بھی باقی نہ رہے۔ فاخلع نعلیک فانک بالواد المقدس طوٰی یعنی دونوں جوتیاں اتار دے
تو طویٰ کی پاک وادی میں ہے"۔ اس کا شعار ہو اور "اندازہ دو کمان کا یا اس سے بھی قریب"۔ اس کا ظرف ہو تو اللہ
تعالیٰ کے قول کے مطابق اسے تکوین کا رتبہ نصیب ہو جاتا ہے جب تو میری تقدیر کُنْ فیکون کو تسلیم کریگا تو کر دینا اگر ہو جائیگا
پھر وہ جو چاہیئے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کا یہی معنی ہے کہ "تم نہیں چاہیئے جب تک کہ اللہ رب العالمین نہ چاہے"

یہ تو کاسات کا بیان مقامات کی تفسیر کی حیثیت سے تھا اور وہ بھی مجمل اور مختصر باقی رہی تفصیل تو اس کیلئے اگر سمندر
میرے رب کے کلمات کیلئے سیاہی ہو جائیں تو وہ بھی ختم ہو جائیں گے اور صحیح بات تو یہ ہے کہ اس تفصیل کا احاطہ ناممکن ہے
ہاں اللہ عزیز وغفار کی جانب سے قلب صافی پر جو انوار و اسرار وارد ہوتے ہیں ان سے اس کو سمجھا جا سکتا ہے۔ سو
سب تعریف اسی کی ہے اور درود ہو اللہ کے رسول اور نبی پر مع ان کی آل اور اصحاب اور شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ
وارضاہ عنا کے۔ اے ہمارے رب اگر بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔ اور اے رب غفار ان اسرار کے
سمجھنے میں میرے علم کو زیادہ کر۔

توجیہ:۔ جب ہم نے کاسات کے بیان میں مقامات کو تحریر کر دیا تو کاسات سے مراد اور اس کی توجیہ وجیہ کو آپ خوب سمجھ
چکے ہوں گے اور اس مطلب کے مطابق سقی سے مراد سلوک ہوگا اور اس کے اختیار کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ سلوک کی شراب ہر تن
سے اس کے دل میں پوری طرح سرایت کرتی ہے اس طرح کہ ہر مقام حق ادا کر دیتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کاسات سے
مراد تجلیات ہوں اور وہ یا اسمائی ہیں یا صفاتی اور دونوں ہی سالک پر وارد ہوتی ہیں اور اس کے وجود کو اخلاق رذیلہ
کی میل کچیل اور بُعد کے کھوٹ سے پاک کرتی ہیں۔ جب بھی ان کے چہرے جھلس جائینگے ہم انکو نئے چمڑے بدل دینگے"۔ کا
کافر اور مغرور اور خواہش پرست نفس فنا کا عذاب چکھے اور غرور اور انانیت کا اونٹ عجز اور ذلت کی سوئی کے ناکے
سے گزرے پھر یہ جنت والوں کی جماعت میں داخل ہوگا پھر فرعون طالبوں کی رہنمائی کرتا ہوا میل کچیل سے پاک دامن ہو
کر مرے گا اور سب دین اللہ تعالیٰ کا ہو جائیگا۔ اگر حرص اور ہوا اور طمع کے مشرک اسے غالب نہیں کریں پھر وہ اپنے ہر بال کی زبان
سے پکار اٹھے گا۔ اسکے سوا کوئی خدا نہیں وہ ملک کا مالک ہے تو جسے چاہیئے ملک بخشتے اور جس سے چاہیئے ملک چھین لے جسے چاہیئے عزت دے
اور جسے چاہیئے ذلیل کرے تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے اور باقی ان تجلیات کی حقیقت کا بیان تو جو کہ اصل ہے

وحدانیت ہے جو کشف سے حاصل ہوتی ہے تو ہم نے اس کو سینوں کے سپرد کر دیا ہے اے اللہ تو نور کا نور ہے مجھے سلوک کے ساتھ نور کی رہنمائی فرما۔ تیری طرف سے ابتدا ہے اور تیری ہی طرف انتہا ہے۔ اور میں انشاء اللہ العزیز اللہ عزوجل کی توفیق سے عنقریب بعض آیات عالیہ کے ضمن میں اس بیت شریف کی شرح کا ارادہ رکھتا ہے۔ اے اللہ ہمارے رب ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی عطا فرما اور ہمیں جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

چوتھا چشمہ وصال کے معنی میں ہے۔ جان لینا چاہیئے کہ وصل اور وصول اور اتصال یہ سب مترادف الفاظ ہیں سب کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالے کے سوا ہر چیز سے پورے طور پر ارادے فعل اور وجود کے اعتبار سے سالک کٹ جائے اور یہ دراصل ایک نوری نسبت ہے جو اللہ عزوجل اور اس راہ پر چلنے والے بندے کے درمیان قائم ہوتی ہے جس کی انتہا سیر الی اللہ ہے۔ تو اس مقام میں نہ مخلوق رہتی ہے۔ اور نہ خواہش اور نہ طمع اور نہ آرزو اور اس کی تفصیل جیسا کہ شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب فتوح الغیب میں فرمائی ہے یہ کہ جب تو اللہ عزوجل سے واصل ہو جائے اور اس کی تقریب اور توفیق سے تو قریب ہو جائے تو وصول کا معنی یہ ہے کہ تو خلق اور خواہش اور ارادہ اور آرزو سے نکل جائے گا اور اللہ عزوجل کا فعل اور ارادہ ثابت ہو جائے گا بغیر اس کے کہ تجھ سے کوئی حرکت ہو نہ تجھ میں اور نہ اس کی خلق میں بلکہ اس کے حکم اور اس کی تقدیر سے اور یہ فنا کی حالت ہے جسے وصول سے تعبیر کیا جاتا ہے تو اللہ تعالے کی طرف وصول اس کی کسی مخلوق کے وصول کی طرح نہیں ہے جیسا کہ معقول اور معہود ہے۔ لیس کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر (اس کی طرح کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ خالق اس سے بلند تر ہے کہ اسے اس کی مخلوقات سے تشبیہ دی جائے یا اسے کسی اپنے مصنوعات پر قیاس کیا جائے تو اس کی طرف وصول کے نزدیک اس تعریف سے معروف ہے یعنی جو کچھ خروج مذکور سے ذکر کیا گیا ہے وہ وصال کی علامات سے ہے اور وصول وہ اس کا نور اور سر ہے جو وہ اپنے بندوں میں سے ہر ایک کے ساتھ علیحدہ علیحدہ رکھتا ہے اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔ تو اللہ عزوجل کا ہر ایک کے ساتھ اپنے رسولوں اور نبیوں اور ولیوں میں سے الگ الگ راز ہے جس پر کوئی غیر مطلع نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ بعض دفعہ مرید کا ایک سر ہوتا ہے جس پر پیر کو اطلاع نہیں ہوتی اور شیخ کا ایک راز ہوتا ہے اس پر وہ مرید بھی مطلع نہیں ہو سکتا جس کی سیر اپنے شیخ کی حالت کے دروازے کے دہلیز تک ہو جب مرید اپنے شیخ کے حال پر پہنچتا ہے تو شیخ سے الگ ہو جاتا ہے اور اس سے منقطع ہو جاتا ہے پھر خداوند تعالی اسکو اپنا دوست بنا لیتے ہیں اور تمام مخلوق سے اس کو الگ کر دیتے ہیں۔ تو شیخ کی مثال دودھ پلانے والی دایہ کی ہو جاتی ہے کہ دو سال کے بعد دودھ نہیں رہتا۔ خواہش اور ارادہ کے زوال کے بعد اس کی کوئی ضرورت نہیں رہتی شیخ کی ضرورت تو اس وقت تک تھی جب تک خواہش اور ارادہ نہ ٹوٹے تھے اور ان کے زائل ہو جانے کے بعد اسکی کوئی ضرورت نہیں رہی کیونکہ اب نہ کوئی کدورت رہ گئی ہے اور کسی قسم کی کمی ہے جب تو خدا تعالی تک پہنچ جائیگا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے تو تو اس کے سوا تمام مخلوقات سے امن میں ہو جائے گا تو اسکے سوا کسی کا کسی نسبت میں وجود نہ دیکھے گا نہ نقصان میں نہ نفع میں نہ دینے میں نہ روکنے میں نہ خوف میں نہ امید میں بلکہ وہ اللہ عزوجل ہی تقوی اور مغفرت کا مالک ہے پھر ہمیشہ اس کے فعل کو دیکھ اسی کے امر کا انتظار کر اسی کی اطاعت میں مشغول رہ اور دنیا و آخرت میں اسکی تمام مخلوقات سے الگ رہ۔ تمام مخلوقات کو اس طرح سمجھ کر جیسے ایک بڑے بادشاہ کسی کے ہاتھ باندھ رکھے ہوں جسکی مملکت بڑی وسیع جس کا حکم بڑا سخت ہو جسکی صورت اور ہیبت بڑی شدید ہو

اور جلاء الخاطر میں ہے جو اللہ تعالیٰ سے محبت رکھے اس کا دل کلی طور پر شوق ہو جاتا ہے اور کلی عرض ہو جاتا ہے اور پوری طرح تمام ہو جاتا ہے اور تمام اس کے تمام فکر ایک ہی فکر بن جاتے ہیں۔" کشف کی حقیقت تب ہی سمجھ میں آسکتی ہے جب کہ سالک کائنات سے باہر آجائے پھر اگر تو وصول کا ارادہ رکھتا ہے تو دنیا اور آخرت سب کو چھوڑ دے۔ عرش سے لیکر فرش تک تمام مخلوقات سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ اور حجاب ہے۔ اور رسول اللہ تو اللہ تعالیٰ کا دروازہ ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا "جو تمہیں رسول دے اسے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز آجاؤ"۔ آپ کی اتباع حجاب نہیں ہے بلکہ وصول کا باعث ہے انتہی۔

آپ کو ان دونوں منقول عبارتوں کی سچی شہادت سے یہ معلوم ہو گیا کہ مقبول وصول وہی ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں ہو۔ اور بغیر شریعت کے وصول جھوٹے دعویداروں کے مخترعات سے ہے "جن کے دل اس کے بعد سخت ہو چکے ہیں سو وہ پتھروں کی طرح ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت" کیوں کہ شریعت محمدیہ ہی ہدایت کی راہ ہے اس سے کوئی گمراہ ہی باہر جائے گا۔ ہر وہ طلیفہ جس کو شریعت مردود قرار دے دے وہ بیدینی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے بغیر وصول نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے وہ جھوٹ بولتے ہیں اور اپنے تابعداروں کو دھوکے اور فریب میں مبتلا کرتے ہیں بشیطان اپنے دوستوں کی طرف القا کرتا ہے۔ سو شیطان کے دوستوں کے دوستوں سے لڑو۔ یقیناً شیطان کی تدبیر کمزور ہے شیخ بزرگ دار رضا خانے فرمایا اللہ عزوجل کو ایک سمجھ یہاں تک کہ تیرے دل میں تمام مخلوقات کا ایک ذرہ بھی باقی نہ رہے۔ نہ تو کوئی گھر دیکھے نہ کوئی گھر والا تجھے نظر آئے۔ توحید ہر ایک کو فنا کر دیتی ہے تمام دوائیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور کمینی دنیا سے منہ پھیر لینے میں ہیں۔ جو کہ خوبصورت سانپ ہے۔ جب نفس درجہ اطمینان پا لیتا ہے تو یہ اطمینان دل کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور دل سِر کی طرف اور سِر خدا تعالیٰ کے ساتھ مطمئن ہوتا ہے۔ پھر وہ فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام بھلائیاں اس مجاہدہ میں ہیں جو شریعت لیا جائے اور تمام قسم کی برائیاں اس کو چھوڑ دینے میں ہیں جیسے کہ گندگی کھانے والی مرغی کوڑیوں کی طرف جاتی ہے اور اپنی حرص کی چونچ سے اسکو چنتی ہے تو ایسی گندگی خور مرغی کو شریعت احمدیہ کے گھر میں بند کرو وہ بہترین بندش ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اے اللہ مجھ پر سیدھے راستے کی ہدایت کے دروازے کھول دے اور مجھ پر طریقہ قادریہ حقانی منکشف فرما اور ہمیں مضبوط دین کی رہنمائی فرما۔

موج تحقیقی ۱: اس زمانہ میں یہ مشہور ہے جس میں کہ جھوٹ عام ہو گیا ہے اور وہ ہو کہ بازصوفیوں کی زبان پر یہ دعوی ہے جو مجذوبوں کی تقلید کرتے ہیں جن کا کلام غیر مربوط ہوتا ہے اور جذب صادق نہیں ہوتا بلکہ محض جھوٹ اور افترا ہوتا ہے وہ اپنے مونہوں سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو انکے دلوں میں نہیں ہوتیں ان کا دل چاہتا ہے کہ انکی ایسی افعال پر بھی تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کئے۔ وہ شریعت کی مخالفت کے باوجود انکے حالات سے استدلال کرتے ہیں کہ باطن کا علم عقل اور شریعت کے قانون سے باہر ہے اور شریعت تو صرف عقل کے وجود پر ہے جب عقل اس جذبہ سے جو اللہ کے سوا ہر چیز کو جلا دیتا ہے ساقط ہو گئی تو تمام تکالیف بھی ساقط ہو گئیں پس شریعت عقلاء کے لئے ہے اور مجذوب اور واصل وہ تو راستہ طے کر چکے اور خالص شراب پی چکے تو اب وصول کے بعد عبادت کیسی۔ ؟ اور یہ خالص کفر ہے نہ اسکی موافقت کتاب اللہ کرتی ہے نہ سنت اور نہ ہی یہ کسی صحابی اور تابعی سے منقول ہے۔ میں نے ارادہ کیا کہ تمکو انکے استدلال کے بطلان اور انکی گمراہی کے دور کرنے پر متنبہ کر دوں۔ سب سے پہلے تو اللہ کی کتاب سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "جو تمہیں رسول دے سے لو" آلایہ اور پھر سنت سے اور وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے میری سنت

تو مجھے قیامت میں میری شفاعت نصیب نہیں ہوگی [illegible] شریعت [illegible] اس کا کیا حال ہوگا اور آپ نے فرمایا میری امت کے [illegible] رسول آپ کی امت کے [illegible] کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا وہ لوگ جو مساجد [illegible] میں [illegible] اقوال سے ثابت کریں گے جو ظاہر اور باطن کے [illegible] شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کے منقولہ اقوال کچھ تو آپ [illegible] میں [illegible]

[illegible] اسلام [illegible] نے اپنی کتاب [illegible] الالحاد والاسلام میں فرمایا ہے جو [illegible] ساقط ہو چکے ہیں اور اب [illegible] ادا کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں [illegible] اسے بلا خوف قتل کر دینا چاہیے بلکہ افضل یہ ہے کہ امام [illegible]

[illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] کے علم کے علاوہ کچھ اور ہے اور وہ اصل عبادت کا محتاج نہیں [illegible] اگر اسکو حلال سمجھتا ہے تو اسپر تو کفر کا خوف ہے اور اللہ تعالیٰ کا [illegible] شریعت میں [illegible] ایک ذرہ بھی اس سے ساقط نہیں ہوگا بلکہ جو بادشاہ کے زیادہ قریب ہو [illegible] بادشاہ [illegible] زیادہ حق [illegible]

[illegible] نے یہ بھی فرمایا جس نے قرآن [illegible] اور حدیث [illegible] ہو اسکی اقتدا اس طریقہ میں نہ کی جائے کیونکہ ہمارا علم تو کتاب و سنت کی پیروی کرنا ہے

[illegible] بادشاہوں [illegible] سے زیادہ خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔

[illegible] نے فرمایا جو اپنے نفس [illegible] اللہ تعالیٰ اسپر توفیق کے ستر دروازے کھول دینگے اور جو اپنے نفس [illegible] اللہ تعالیٰ اسپر [illegible] کے ستر دروازے کھول دیں گے۔

[illegible] نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت اس کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انکے اخلاق و افعال اور [illegible] تمام سنتوں میں متابعت ہے

بشر حافی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا اے بشر کیا تجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے تیرے اقارب میں سے کیوں برگزیدہ فرمایا ہے میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اللہ آپ پر رحمتیں نازل ہوں فرمائیے مجھے تو معلوم نہیں آپ نے فرمایا اسلئے کہ تو میری سنت کی اتباع کرتا ہے نیکوں کی عزت کرتا ہے بھائیوں کی خیر خواہی کرتا ہے اور میرے صحابہ اور اہل بیت سے محبت رکھتا ہے یہی چیزیں تجھ کو ابرار کے درجہ تک لے آئی ہیں۔

سری سقطی نے فرمایا جو لوگوں کیلئے وہ صفات ظاہر کرے جو اس میں نہیں ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی نظروں سے گر جاتا ہے اور آدمی اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک اپنے دین کو اپنی شہوت پر مقدم نہ سمجھے اور کبھی کوئی اس وقت تک ہلاک نہیں ہوا جب تک اس نے اپنی خواہش کو دین پر مقدم کر لیا

ابو یزید بسطامی نے اپنے بعض ساتھیوں سے فرمایا آؤ اس آدمی کی طرف چلیں جس نے اپنے آپ کو ولی مشہور کر رکھا ہے کہ دیکھیں تو جب نے اور وہ آدمی زہد میں بڑا مشہور و معروف تھا لوگ اس کے پاس آتے تھے خیر ہم اس کے پاس گئے جب وہ اپنے گھر سے نکلا اور مسجد میں داخل ہوا تو اس نے قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوکا تو بایزید یہ دیکھ کر واپس آ گئے اور اس کو سلام بھی نہ کہا اور فرمایا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کے لئے امین ثابت نہ ہوا تو زہد اور کمال کے دعوے میں اس کو کیسے امین سمجھ لیا جائے۔

سہل بن عبداللہ تستری نے فرمایا۔ معرفت کے اصول سات چیزیں ہیں کتاب اللہ سے تمسک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اقتداء اور حلال کھانا اور لوگوں کو تکلیف نہ دینا۔ گناہوں سے بچنا۔ توبہ کرنا۔ اور حقوق ادا کرنا

ابو سلیمان دارانی نے فرمایا۔ بعض دفعہ میرے دل میں قوم (صوفیاء) کے نکات میں سے کوئی نکتہ کئی دن تک آیا رہتا ہے اور میں اس کو دو عادل شاہدوں کتاب و سنت کی شہادت کے بغیر قبول نہیں کرتا۔

یحییٰ بن معاذ رازی نے فرمایا تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرو غافل علماء سے۔ مداہنت کرنے والے قاریوں سے اور جاہل صوفیوں سے۔

ابو حفص حداد نیشاپوری نے فرمایا گناہ انسان کو کافر بنا جاتا ہے کفر کا خطرہ ہوتا ہے جیسے بخار کا باعث ہو جاتا ہے۔

حمدون قصار نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا میں تم کو دو چیزوں کی وصیت کرتا ہوں عالموں کی صحبت اختیار کرو اور جاہلوں سے بچتے رہو پھر پوچھا گیا کہ علماء کون ہیں؟ تو فرمایا اپنے علم کے مطابق عمل کرنے والے دین کا اہتمام رکھنے والے سلف کی اقتداء کرنے والے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والے۔

ابو عثمان نے فرمایا۔ ظاہر میں سنت کے خلاف کرنا باطن میں ریاء کی علامت ہے۔

ابو حسین نوری نے فرمایا جس کو آپ دیکھیں کہ اللہ کے ساتھ ایسی حالت کا دعویٰ کرتا ہے جو اس کو علم شرعی کی حد سے باہر جانے کی اجازت دیتی ہے تو اس کے قریب نہ جاؤ وہ بے دین ہے لعنتی ہے اور یہ بھی فرمایا جس کو آپ دیکھیں کہ باطنی حال کا دعویدار ہے اور ظاہری حالت اور شریعت اس کی تصدیق نہیں کرتے تو اس کا دین متہم (قابل تہمت) ہے یہی وجہ ہے کہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر ملاقات نہ ہوتیں تو ہر آدمی باطنی حال کا دعویٰ کرتا جو علامات شریعت اور ضابطہ ہیں۔

ابو بکر کتانی کبیر نے فرمایا اور یہ جنید بغدادی قدس اللہ سرہ کے ساتھیوں سے تھے میں بنی اسرائیل کے جنگل میں گیا تھا میرے دل میں خیال آیا کہ حقیقت کا علم شریعت کے علم کے برخلاف ہے۔ تو ایک آدمی کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا تندی سے بولا اے ابوبکر ہر وہ حقیقت جسے شریعت رد کرے وہ کفر ہے۔

محمد فضیل بلخی قدس سرہ نے فرمایا میں لوگوں کی پہچان اس طرح کرتا ہوں کہ ان میں سے خدا کے لئے سب سے زیادہ کون مجاہدہ کرنے والا ہے۔ اور اس کے اوامر اور نواہی اور نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی اتباع کون کرتا ہے۔

ابو عبداللہ تستری قدس سرہ نے فرمایا کہ بندے پر نیک بختی کی علامتیں یہ ہیں کہ اس پر اطاعت آسان ہو

افعال میں سُنّت کی پیروی کرتا ہے۔ نیک لوگوں کی صحبت رکھتا ہو بھائیوں سے اچھے اخلاق سے پیش آئے۔ مخلوق کو بھلائی پہنچائے مسلمانوں کی عزت کرے اور اپنے اوقات کی رعایت رکھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے بعض ساتھیوں نے آپ سے سوال کیا کہ اللہ تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا خدا تعالےٰ کی حدود میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی موافقت۔

ابوسعید خراز قدس سرہ نے فرمایا ہر وہ باطن جس کی ظاہر شریعت مخالفت کرے وہ باطل ہے۔

ابومحمد جریری قدس سرہ نے فرمایا۔ ہمارا یہ کام دو فصلوں پر مبنی ہے۔ اور وہ یہ ہیں کہ اللہ تعالےٰ کا مراقبہ اپنے اوپر لازم سمجھا اور دوسرا یہ کہ علم شریعت طبع عمل کے ذریعے ظاہر سے معلوم ہو۔

ابوالعباس احمدی قدس سرہ نے فرمایا جو سُنّت کے آداب کو لازم پکڑے اللہ اس کے دل کو معرفت کے نور سے روشن کر دیتے ہیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اوامر اور افعال اور اخلاق اور آداب میں قولاً و فعلاً عزماً و عقداً و نیتاً اتباع سے زیادہ اشرف اور کوئی مقام نہیں ہے۔ اور یہ بھی فرمایا عبودیت چار عادتوں میں ہے۔ عہد کو پورا کرنا۔ حدود کی حفاظت کرنا۔ موجود پر رضا اور مفقود پر صبر کرنا۔

ابوحمزہ بغدادی قدس سرہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ پر اس کے سوا اور کوئی دلیل نہیں ہے کہ اقوال و افعال اور احوال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی جائے۔

ابوبکر وراق قدس سرہ نے فرمایا۔ پوری ہمت سے اپنے تمام اوصاف کے صرف اہل محبت ہی کو نصیب ہوتی ہے اور انہیں یہ دولت دولت اتباع سنت اور بدعت سے پرہیز کرنے سے ملتی ہے۔ یقیناً حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمت کے لحاظ سے اعلیٰ خلق والے ہیں اور قربت سے زیادہ قریب ہیں۔

ابوالحسن وراق نیشاپوری قدس سرہ نے فرمایا کہ بندہ اللہ تعالےٰ تک شریعت میں اس کے اوامر کی تعمیل اور اس کے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں موافقت ہی سے پہنچ سکتا ہے اور جو وصول الی اللہ کی راہ بغیر اقتداء کے سمجھتا ہے وہ ہے تو گمراہ لیکن وہ اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھتا ہے۔

ابراہیم اسحٰق الرقی قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت خدا کی اطاعت کو پسند کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔

ابوبکر شبلی قدس سرہ سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ اے ابوبکر آپ اپنی صحو کی حالت میں فرمایا کرتے تھے کہ ہر وہ صدیق جس کے پاس کوئی خارق عادت نہ ہو۔ وہ کذاب ہے اور آپ بھی صدیق ہیں آپ کے پاس کیا خارق عادت ہے؟ آپ نے فرمایا میرا خارق عادت (کرامت) اللہ تعالےٰ کے اوامر اور نواہی میں خدا کی موافقت ہے۔

ابوعلی ثقفی قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ اس وقت تک کوئی عمل قبول نہیں کرتے جب تک کہ وہ درست اس وقت ہوتا ہے جب وہ خالص ہو اور خالص اس وقت ہوتا ہے جب وہ سُنّت کے مطابق ہو۔

ابوالخیر اقطع قدس سرہ نے فرمایا۔ کوئی آدمی بھی سُنّت اور فرائض اتباع اور نیک لوگوں کی صحبت اور سچے فقیروں کی خدمت کے بغیر کسی اچھے حال تک کبھی نہیں پہنچا۔

ابو عمرو بن مجید قدس سرہ سے تصوف کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا امر و نہی کے ماتحت اپنے نفس کو روکنے کا نام تصوف ہے۔

ابو بکر طمستانی قدس سرہ نے فرمایا۔ راستہ بالکل صاف ہے۔ اور کتاب و سنت ہمارے ہاں اور رہنما ہیں جو تمہیں علم کتاب و سنت کی موافقت کرے وہ سچا ہے اور درست ہے۔

اے سچے بھائی میں نے ان اقوال صادقہ کے نقل کرنے میں کلام کو لمبا کر دیا ہے جو کبار صوفیاء سے منقول ہیں جو علم ظاہری اور باطنی کے جامع تھے جو صاحب ارشاد و ہدایت ہے جو یقینی طور پر بارگاہ خداوندی ازلی سے عنایت اور برگزیدگی کے لائق ہیں یہ جھوٹے صوفیاء اور طمع ستر بجی دعویدار اور خواہش پرستوں کی جھوٹی باتیں نہیں ہیں جو کہتے ہیں کہ باطن کا علم اور حقائق طریقہ علم شریعت اور ظاہر سے الگ ہے اور یہ ان کا کفر اور نفاق ہے یہ باطل پرست دجال لوگ ہیں ان پر ہلاکت اور تباہی ہو جو یہ لوگ دعوی کرتے ہیں اور ان لوگوں پر بھی جو ان کے پیچھے چلنے والے ہیں یہ لوگ خود بھی گمراہ ہوئے اور اوروں کو بھی گمراہ کیا۔ اے اللہ ہمیں ان کے مکر اور جادو سے محفوظ رکھ کر وہ ہمارے دلوں کی آنکھوں پر جادو نہ کر سکیں اور ہمیں شریعت محمدیہ اور طریقت محمدیہ کی پیروی کرنے والے بنا اور ہمیں طریقہ تابعین رضی اللہ عنہم و رضا عنہا کے حقائق منکشف فرما۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ حق ہے حق ہے اور محمد رسول اللہ نے سب کچھ حق کا تبلیغ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور آپ کے صحابہ اور تابعین پر درختوں اور پتوں کی تعداد کے برابر جب تک آسمان اور زمین باقی رہیں رحمتیں نازل فرماتا ہے پوری جمعیت سے۔ میں جو اسفل السافلین میں رہتا ہے وہ رب الارباب رب العالمین کے قرب کی چوٹیوں پر کیسے پہنچ سکتی ہے کہ پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اس راستہ میں حائل ہیں ان سے عقول صافیہ کے افکار تھک جاتے ہیں اور پاکیزہ خیالات کی کشتیاں تلاطم میں ڈگمگا جاتی ہیں؟! مگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہمت کاملہ اور سچی خواہش کی توفیق دیں یہاں تک کہ وہ زندگی کی پرواہ کریں نہ موت کی اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے تمسک کرتے ہوئے سچے مجاہد کے اچھے گھوڑوں پر سوار ہو جائیں۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ جو لوگ ہمارے متعلق کوشش کرتے ہیں ہم اپنے راستوں کی طرف ان کو رہنمائی کرتے ہیں۔ تو پھر وہ سستی کے کپڑے اتار کر خوف کے ساحل پر رکھ دیتے ہیں اور رفیق اعلیٰ کی توفیق کی کشتیوں پر سوار ہو کر فنا کے سمندر میں داخل ہو جاتے ہیں بے شک وہی بہترین مولیٰ ہے اور وہی بہترین ساتھی ہے اور بہت اس سمندر کی موجوں میں اللہ کی مدد کے بغیر اور کسی کی مدد کے نہ ہوتے ہوئے بھی دوڑ گئے ہیں ان کے ساتھ نہ کوئی انسان ہوتا ہے نہ جن اور طریقہ اس کا وہ ہے جو شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ نے اپنی قیمتی کتاب الغیب میں بیان فرمایا ہے کہ اپنے نفس سے باہر نکل آ۔ یعنی اپنے نفس کی مخالفت سے جو تیرے دونوں پہلوؤں میں رہنے والا تیرا دشمن ہے اور برائی کا حکم دینے والا ہے اس کی تمام ہمت حرام کی لذات و شہوات اور دنیا کا جمع کرنا ہے۔ جو اپنے مالکوں کو اس طرح قتل کرتی ہے کہ اس کے بعد زندہ نہیں ہو سکتے۔ تو ضروری ہے۔ کہ اس کے مکر سے بچے اور اس کو صرف اس کا حق دے جس کا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے لیکن اس کو کھانے پینے اور نکاح وغیرہ کی خواہشات مہیا نہ کرے بلکہ اسکو فضول کلام سے بھی روکے اور تو اس سے دور رہ اور اس طرح بھاگ جیسے سانپ سے بھاگتا ہے اس کی شکل بڑی خوبصورت ہے اور اس کا باطن زہر قاتل ہے جیسے اس قول سے اس کی طرف اشارہ فرمایا کہ "اس سے الگ رہ" یعنی اس سے ایک کنارے پر ہو جا اور اس سے میل جول نہ رکھ اس کا میل جول ایمان کو جانیوالا ہے۔ یہ بدترین ساتھی ہے بڑا مصائب ہے اسکا تمام ملک سرکشی اور عناد ہے اور اس کا ٹھکانہ عجب اور کبر ہوا تو تجھ پر ضروری ہے کہ تو اس جھگڑالو دشمن کے گھر کو چھوڑ دے یہ اپنے وقت کا ابو جہل ہے اس کے تمام ترارادے اور مکیں ابلیس

دیتی ہیں جیسے کہ آپ نے اپنے اس قول میں صاف فرمایا اور اس کے ملک سے نکل جا۔ کہ ارادہ نفسیہ کے لحاظ سے تیرے اندر اس کا کوئی تصرف نہ ہو اور اپنے آپ کو پورے طور پر اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور نفس کی الفت منقطع کر دے اور اللہ کے حکم کے تابع ہو جا۔ کہ آپ کا یہ قول کا مطلب یہ ہے کہ اپنے آپ کو طرح اللہ کے سپرد کر دے یعنی اس کے اوامر و نواہی کی تعمیل میں اللہ کیلئے اپنے دل کے دروازے پر اللہ کا دربان ہو جا تجھ میں کسی طرح کی سستی اور غفلت اس دربانی میں سرزد نہ ہو اور نہ اس میں کوئی خواہش پیدا ہو سکے۔ اگر تو اس سے نکلنے میں تکلف کرنے تو اللہ عزوجل کے سوا نہ کسی کا ارادہ کر اور نہ اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کی آرزو کر۔ شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ وادی بیوقوفوں کی وادی ہے یعنی دنیا والوں کی اور اس میں تیری موت اور ہلاکت ہے اور تیرا اپنے مالک کی نگاہ سے گر جانا اور اس سے حجاب میں ہو جانا ہے ہمیشہ اس کے حکم کی حفاظت کر ہمیشہ اس کی نہی سے بچتا رہ اور ہمیشہ اپنے آپ کو اس کی تقدیر کے سپرد کرتا رہ اور اس کی مخلوق میں سے کسی کو اس کا شریک نہ بنا اور چونکہ تیرا ارادہ اور تیری خواہش اور تیری شہوت یہ سب بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں تو پھر کوئی ارادہ نہ چاہ اور کوئی خواہش نہ کر کسی شہوت میں مبتلا نہ ہو تا کہ مشرک نہ بنے اور اللہ کے ساتھ شرک کرنا ظلم عظیم ہے فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا (ترجمہ) جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی امید رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ شریک صرف بتوں کی پوجا ہی کا نام نہیں بلکہ تیرا اپنی خواہش کی پیروی کرنا بھی شرک ہے اور یہ کہ تو اپنے رب کے ساتھ دنیا و ما فیہا سے اور کسی چیز کو پسند کرے تو اللہ عزوجل کے سوا کسی اور کی طرف مائل نہ ہو سو بچے اور ڈر اور کسی حال اور مقام کو اپنی طرف منسوب نہ کر تو اس طرح ملک اللہ تعالیٰ کا ہو جائیگا اگرچہ مشرک لوگ اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔ یہ تمام مضمون فتوح الغیب سے کچھ تھوڑا سا بہت اختصار کر کے حاصل کیا گیا ہے اور اگر تو پوری طرح غور کرے تو تو فنا کی حقیقت کو پالے گا اور بقا کیلئے تیار ہو جائیگا اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔ ہمیں وہم کے اندھیروں سے نکال فہم کے نور سے ہمیں محترم بنا۔ اور ہمارے بھوکے دلوں کو شیخ بزرگؒ کی غذاؤں کے لقموں اور فہم حقائق کے سالن سے سیر کر دے۔ اور ہمیں آنحضرت کے نائب خاص رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی کلام کے ملکوں سے فیض کی شراب پلا۔ اور میں ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کی عبارت بعینہا فنا اور بقا کے متعلق آپکے اس قول کے تحت درج کرونگا۔ عطانی خلعۃ بطراز عزم + وتوجنی بتیجان الکمال + اور اتصال اور وصول اور وصال کی تحقیق بھی خدا کے فضل و کرم سے آپ رضی اللہ عنہ کے قول وانتم علوی وانفصال کے تحت آئے گی اے اللہ مجھے اس عجیب و غریب قصیدہ کی بہترین شرح کی اپنے فضل و کرم سے توفیق عطا فرما۔

پانچواں چشمہ:- جان لے کہ آپ کے کلام میں قول منصوص نفثت۔ یا تو قول زبان سے عبارت ہے اور یہ دو طرح سے ہے ایک تو یہ کہ عاشق لوگ شرابوں اور محبوب کے گھروں اور بازاروں اور شہروں کو مخاطب کرتے ہیں جن میں ان کے محبوب رہتے ہیں اور یہ تو ظاہری وجہ ہے۔ اور دوسری وجہ یہ کہ یہ بات تو طے شدہ ہے کہ ہر ایک چیز آپکے پاس آ کر ایک صورت اختیار کرتی تھی اور ایک شکل میں اپنی اصلیت کے مطابق ظاہر ہوتی تھی اور حضرت غوث اعظم انکو مخاطب کرتے تھے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ سال آپکے پاس متشکل ہو کر آتے اور مہینے بھی آپکے پاس کسی خاص شکل میں نمودار ہوتے جیسا کہ منقولہ اس قول کے تحت آئیگا وما منہا شہور او دہور + تمر و تنقضی الا اتانی + اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ دنیا آپکے پاس بڑی زیب و زینت سے آتی اور لونڈیوں کی طرح خدمت کرتی اور اس توجیہ پر اس میں دلیل ہے کہ ہر ایک کلام کی ایک شکل اور حقیقت ہے اور ہر چیز بولتی ہے اور شراب کو بھی صورت کان اور آواز اور خطاب ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقہون تسبیحہم اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی

تسبیح نہ بیان کرتی ہو لیکن تم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے،،۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کی تعریف ہے اور اسی کی بڑائی۔

اور یا پھر یہ قول حالی سے عبارت ہو اور وہ تعبیر ہے شراب کا حال ملاحظہ کرنے والے پینے والے کی حالت سے اسطرح کہ پینے والا اپنی کمال استعداد اور بلندی شان اور طلب برہان کی وجہ سے کہتا ہے اے عاشقوں کو قتل کرنیوالی اور ساقیوں کے جگر کھانیوالی تیز شراب میرا حوصلہ اس سے بہت زیادہ ہے کہ تم پر غالب آئے میری طرف آؤ ذرا دیکھو تو سہی کہ میں کس طرح تجھے ساری کو پی کر ختم کر سکتا ہوں اور کس طرح مجنونوں اور دیوانوں میں تجھے بنتا ہوں تو یہ قول حالی ہو گا اور اس کے مختلف پہلو ہیں جس کو عاشق لوگ سمجھتے ہیں پھر یہ ہی طلب یا تو عاشقوں کی استعداد پر غالب آنیوالی تیز شراب کو ہے جیسا کہ ایک فارسی رباعی میں کہا ہے۔

رباعی ۱۔ اے عشق اے بیر شیر! تو نے کر مردوں کے مغز کھائے شیر دلوں کے ساتھ تو نے کتنی زنستی ہے اب جو تو نے میری طرف رخ کیا کیلئے منہ کیا ہے اے اگر تو اپنے تمام حملے جو تیرے پاس ہیں مجھ پر نہ کرے تو تو نامرد ہے اور یا پھر اپنی مجلس شریف اور محفل بلند کے حاضرین اس کو تقسیم کر کے رحمت اور احسان کا اظہار کرنا مقصود ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ بادشاہ لوگ اکیلے نہیں کھایا پیا کرتے بلکہ اس عطا کی سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچا ہوا ہے بہت سا حصہ حاضرین کے لئے بھی رکھ لیتے ہیں اور یا پھر کمال شوق کے اظہار کیلئے ہے جیسے اس آدمی کو کہا جاتا ہے جس کے پہنچنے کا انتظار کافی دیر سے ہو رہا ہو "آجا" میں تیرا مشتاق ہوں حالانکہ وہ پاس ہی ہوتا ہے اور پہنچ چکا ہے اور یا پھر اس بات کے اظہار کیلئے ہے کہ میرا اس شراب کو طلب کرنا جس کو اللہ تعالیٰ نے مجھ تک پہنچا دیا ہے صرف اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ یہ پھر طالب کے لئے ہے۔ اور یا پھر اس بات کے اظہار کے لئے ہے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد میں معراج کی رات فرمایا جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپکو مخاطب کر کے فرمایا سلام ہو تجھ پر اے نبی اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں تو آپ نے فرمایا ہم سب پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر سلام ہو۔ اور یہ عالی ہمت اور بلند خصلت لوگوں سے واضح امر ہے کہ وہ دوسروں پر ایثار کرتے ہیں اگرچہ ان کو اپنے آپ کو تکلیف نہ ہو سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا ترجمہ پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے کو ایک ہی رات میں مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی وہ کہ جس کے ارد گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم اسکے اپنے نشانات دکھائیں،،۔

پھر جیسے کہ تشبیہی اور تحقیقی اقسام کی طرف مبتدی اور منتہی کے لئے منقسم تھا اسطرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ قول کتنی ہی تو قیلیوں کا حال ہو اگر ہمارے سابقہ بیان کو تو سمجھ چکا ہے تو تو اس تفصیل جمیل کو سمجھنے پر ضرور قادر ہو جائیگا جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اس تمام بحث کو اچھی طرح یاد رکھ اور کلام کہ اس شراب سے مراد حسی شراب کے ساتھ تشبیہ ہے ظاہری صورت کے لحاظ سے اور علت مشترک "نشہ،، ہے جیسے ظاہری شراب پینے والے کو مست کر دیتی ہے یہ معنوی شراب بھی پینے والے کو مست کر دیتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہ جذبہ ہو جو سالک کی ترقیات بلند اور مراتب عالیہ کا باعث ہوتا ہے اور اس میں تفصیل ہے جو اس مضمون سے سمجھی جا سکتی ہے جو ہم بلاغت کے بیان میں پہلے ذکر کر چکے ہیں انشاءاللہ تعالیٰ آئندہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کے قول فسا فی القدم بالنوافی المثال کے تحت اس کا تذکرہ ہو گا۔

مولف کے اشعار(۱)۔ اے طالبو شراب کیلئے آجاؤ۔ یہ اسطرح جلوہ گر ہوتی ہے جیسے طور پر آگ روشن ہوئی تھی۔ (۲) اسکے نور میں جل جاؤ جل اٹھو طور کا پہاڑ اسکی چمک سے ریزہ ریزہ ہو گیا (۳) اسکی آگ کا شعلہ صفائی کا نور ہے۔ شفا کے پیالوں سے شراب پیو۔ (۴) اس جام قرب کے پیالے پیو۔ اور دیکھنے والی آنکھوں سے روشنی حاصل کرو۔ (۵) قاری صرف شراب پیو یہ صاف نور ہے۔ جو نظر آرہا ہے (۶) جا پیو قوم ؟

روشنی ساقی۔ بنی کے مقامات سے جلوہ گر ہوتا ہے۔ (۷) ایسا نائب جسکے قدم ہمیشہ بلندی کی ترقی کی طرف کرتے رہتے ہیں ہمارے شیخ عظیم اور بلند نور (۸) شیخ عبدالقادر پورے ساقی جو سردار ہیں۔ وہ فقیر ہیں۔ پیارے ہیں پرہیزگار ہیں۔ (۹) اسکے نور سے ایک جلوہ نور لقا ہے وہ بہترین خصلتوں والا اور بہترین وفا کرنے والا ہے۔

تفسیر کا بیان :۔ جب پہلے مضمون میں ہم مفردات کے معنی اور انکے ضمن میں بعض مرکبات کے معانی بھی ذکر کر چکے تو ہم چاہتے ہیں کہ اس بیت شریف کے معنی بھی بیان کر دیں جو اجمالی طور تمام کمالات کا ہر مقام اور ہر حال سے جامع ہے تو ہم اللہ کی قوت اور مدد اور رسول کی برکت اور جوانمردی اور شیخ بزرگ کی امداد اور اشارے سے کہتے ہیں۔ کہ شیخ بزرگ نے اس بیت میں ہر وہ مضمون درج کیا ہے جو قصیدہ شریفہ کے ابیات میں آنے والا ہے۔ سو یہ مطلع ایک سورج ہے اور باقی ابیات جو آنے والے ہیں وہ چاند اور ستارے اور نور ہیں۔ اور یہ مضمون اس طریق پہ ہے کہ احدیت ذاتیہ کا سورج مظاہر وحدیت و واحدیت کی طرف باعتبار نزول ظہور کرے اور مظہروں میں سے ہر ایک سے احدیت کی طرف عروج کرے جو کہ ذات قدسیہ محمدیہ احمدیہ اکملیہ علی صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات الزاکیات میں ثابت ہے یہی وجہ ہے کہ اس نے قصیدہ کو نبی اکمل صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات پر ختم کیا ہے اور آپ نے اپنے قول وعبدالقادر المشہور اسمی + وجدی صاحب الکمال + کے ضمن میں یہ بھی اشارہ کیا ہے کہ آپکا درجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ کے نیچے آپکے قدم کے نیچے لکھا ہوا ہے پس یہ بہترین مطلع ہے جو مقطع کے مضمون پر مشتمل ہے اور بہترین مقطع ہے جو مطلع کا متضمن ہے پس اول آخر ہے اور آخر پہلا ہے۔ پاک ہے وہ اسکی شان کتنی بلند ہے۔ پس معنی یہ ہوگا کہ میری اللہ عز اسمہ اور اسکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور انکے اوامر اور نواہی کی اعتقاداً وعملاً واخلاصاً ذوقاً ولقاءً اطاعت ومتابعت نے مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کیلئے کئی ایک پیالے پلائے ہیں اور مجھے طرح طرح کی شراب پلا کر سیر کر دیا ہے یا مجھے اللہ کے فضل کی توفیق سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کئی پیالے پلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توفیق اور وصول کا طریقہ یہ ہے کہ اس نے مجھے اپنے قدیم ارادہ سے جہالت کے ظلمات سے نکالا اور مجھے اصل کی پہچان کی طرف حرکت دینے والا جذبہ سے مشرف فرمایا جو میرے اس وجود میں پیدا ہونے کا باعث ہے کیونکہ ہر ایک حادث کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی محدث ہو اور محدث (پیدا کرنیوالا) کیلئے ضروری ہے۔ کہ وہ عالم ہو۔ زندہ ہو۔ قادر ہو۔ مختار ہو۔ سننے دیکھنے بنانیوالا ہو لوٹانے ہو۔ وغیر ذلک وہ تمام صفات جو اسکے لئے اپنی طرف سے ثابت ہیں نہ کسی غیر کی طرف سے ورنہ تسلسل لازم آئیگا جو نفی صانع کا موجب ہوگا کیونکہ جو محال کو مستلزم ہو وہ بھی محال ہوتا ہے پھر جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ میرا موجد اور پیدا کرنیوالا ہے تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اس کے مجھ پر بے شمار انعامات اور غیر متناہی نعمتیں ہیں کہ اگر تم انکو گننا شمار بھی نہ کر سکو تو مجھ پر اس کا شکریہ ادا کرنا اور اسکی عبادت اور اسکے سامنے جھکنا اور عاجزی ہونا لازم ہو گیا کیونکہ احسانمند محکوم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے حاکم اور احسان کنندہ محسن کے سامنے جھک جائے اسکی خلقت کی تمام چیزیں بخشش میں جھک جائے۔ لیکن چونکہ عقل اس معاملہ میں قاصر ہیں لہذا یہ ضروری معلوم ہوا کہ جیسے اس موجد نے مجھ پر ظاہری نعمتوں کا احسان فرمایا ہے جن کو میں اپنے ادراک اور حواس سے محسوس کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں اسی طرح اس نے مجھے پر ہدایت اور اپنے تک پہنچنے کا بھی ضروری انعام فرمایا ہوگا تو پھر یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی ہدایت دینے والا ہو جس کا ایک پہلو ہماری طرف ہو اور دوسرا خالق منان کی طرف اور یہ کہ اس کے پاس کچھ خالق منان کی طرف سے قواعد اور قانون بھی ضرور ہونگے پس وہ ہادی وہی رسول اللہ نبی الامیؐ ہیں صلے اللہ علیہ وسلم اور وہ قواعد غیر متغیر اور مضبوط اور راسخ شریعت ہے جیسے قرآن اور حدیث سے لیا گیا ہے اور یہ آپ پر وحی ہوتی تھی وہ اپنی خواہش سے تو بولتے بھی نہیں وہ قریب ہوئے اور یہاں تک کہ دو کمان یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا اور آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ محکم بھی ہیں اور مجمل بھی اور

Scanned by CamScanner

متشابہ بھی تو ہم اپنی قابلیت اور مقدرت سے تو وہاں تک نہیں پہنچ سکتے تو ضروری ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد کوئی ان آیات و احادیث کے معانی کی تفسیر کرے اور جو ان میں سے آپس میں متناقض ہوں ان کی آپس میں تطبیق دے پس یہ عزم اور صبین صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں جنہوں نے تحقیق کی شراب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض کے پیالوں سے نوش کی انکے آپس بعد علمائے مجتہدین ہیں جو اپنے علوم کے مطابق ان کو جانتے ہیں ناسخ منسوخ کی تنقید کرتے ہیں اور ان آیات و احادیث کی تمیز کرتے ہیں جو خاص خاص زمانوں اور وقتوں میں وارد ہوئیں جیسے کہ وقت کا تقاضا ہو تو اب اس وقت تمام شریعت منضبط ہو چکی ہے یہی وجہ ہے کہ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں فقہ پر ہونا چاہیئے جو صحبت سے منقول ہے کیونکہ اس نے احادیث کی تنقید اور تمیز کی ہے ۔ اور جاہل آدمی تمیز نہیں کر سکتا ۔ تو ضروری ہوا کہ وہ فقہ پر عمل کرے اور جب ادراک اس انتہا نے پر پہنچ گیا اور طالب عبادات میں مشغول ہو گیا جو کہ ترقیات کی موجب اور ظلمانی حجابات کو پھاڑ دینے والی ہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق کہ "اللہ ولی الذین آمنوا یخرجہم من الظلمات الی النور اللہ ایمان داروں کا دوست ہے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے"۔ تو ایمان کے بعد ان فرائض اور واجبات کا ادا کرنا لازم اور ضروری ہوا۔ یہاں تک کہ معاملہ مستحبات کی ادائیگی اور مشتبہ منہیات سے بچنے پر پہنچ گیا پھر جب دل کی جلد میں عبادت جاگزیں ہو گی تو وصول تقلیدی و استدلال کے بعد وصول وجدانی کا داعیہ پیدا ہوا تو طالب کا اشتیاق اس دوسرے علم کی طرف ہوتا ہے جو کہ اس شجرہ طیبہ کے پھل کی طرح ہے اور وہ محبت اور باطن ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث میں مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو علم حاصل کئے ایک علم ظاہر اور دوسرا علم باطن میں نے پہلے کو ظاہر کیا دوسرے کو نہیں"۔ کیونکہ دوسرا تو راز ہے اس پر ہر آدمی سہولت سے مطلع نہیں ہو سکتا اور اگر مطلع ہو بھی جائے تو ضبط کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور اگر ضبط بھی کر لے تو اسکو مخفی نہیں رکھ سکتا اور چونکہ اس کو عوام کے ذہن نہیں سمجھ سکتے اس لئے اس میں اکثر متضاد اور متناقض باتیں کرینگے اور ان میں اور شریعت میں تطبیق نہیں دے سکیں گے حالانکہ وہ بھی عین شریعت ہیں لیکن حقائق کے علم کے بعد اور اس علم کے بھی کچھ فوائد ہیں جو عاشقین کے سینوں اور عارفین کے دلوں میں موجود ہیں جیسے علم ظاہری کے فوائد ہیں تو شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا فرماتے ہیں۔ روش شریعت کی متابعت سے پیدا ہونیوالی محبت نے مجھے وصل کے کئی پیالے پلاتے ہیں۔ یعنی وصول یا مقامات یا تجلیات کے متفرق فوائد جو کہ بہی مدات شانہ کا پھل ہیں انہوں نے مجھے ایک حالت میں مشرف فرمایا ہے یا تو یہی پیدائش میں جس کا اثر "میں ایک مخفی خزانہ تھا"، میں اشارہ ہے اور یا پھر اس پیدائش میں للہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جذب حقیقی ہے یا پھر میرے ان مجاہدات طویلہ کے بعد مجھ کو مشرف فرمایا ہے جو زمانہ تجرید میں میں نے برداشت کئے ہیں جب کہ آپ اپنے وطن سے بغداد کی طرف پہنچے۔ تو آپ نے شدید مجاہدے ایجاد کئے مثلاً یہ کہ آپ کئی کئی دن یا مہینے یا سال تک کھانا نہیں کھاتے تھے ۔ اور اگر کبھی کھانے کا اتفاق ہوتا تو نہایت تھوڑا سا کھاتے یہاں تک کہ آپ غیر سے وحشت محسوس کرنے لگے اور اللہ کے ساتھ مانوس ہو گئے آپ کو کوئی نہ جانتا تھا اور نہ آپ اللہ کے سوا کسی کو جانتے تھے۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے جس وضو سے عشاء کی نماز پڑھی اسی سے فجر کی نماز بھی پڑھی اور یہ نہایت شدید

Scanned by CamScanner

عجائب ہے اللہ اس کی توفیق جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اپنی راہنمائی جسے چاہیے کرتا ہے۔ تو شیخ بزرگ رضی عنہ وارضاہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰے اور اس کے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی متابعت میں وصال کے کئی پیالے پلائے ہیں تو میں نے اس پلائی جانے والی شراب سے کہا تو میری طرف آجا اور میرے پاس ٹھہر جا تو میری محبوب و مرغوب ہے اور میرے دل میں اپنا اعزاز ہے کیونکہ تو اللہ رسول کا عطیہ ہے اور بادشاہ کا عطیہ بہر حال غلام کو عزیز ہوتا ہے۔ سو تو میری نگاہ میں عزیز سے عزیز ہے میں نے تجھ پر اپنی دنیا اور آخرت کی ہر چیز قربان کر دی تو اب میرے دل میں اللہ تعالٰے اور اس کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کے سوا کسی چیز کا کوئی ذرہ بھی باقی نہیں رہا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ قول شوق کی بنا پر ہو یعنی وصال کے بعد تو میری نگاہ میں اس مرتبہ کی چیز ہے کہ میں تیرا مشتاق ہوں اور وصول کے بعد بھی میں تجھ کو وہی کہتا ہوں جو فراق کے وقت کہتا تھا۔ اور یہ عاشقوں کے نزدیک ایک ہمیشہ سے قاعدہ چلا آرہا ہے کہ وہ وصال کو فراق و ہجر اور فراق کو سمجھنا لیتے ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا۔ "میں تم سے گھر کے دور ہونے کا مطالبہ کرتا ہوں تاکہ تم قریب ہو جاؤ۔ اور میری آنکھیں آنسو اس لئے بہاتی ہیں کہ ان کے آنسو ختم ہو جائیں"۔

اور اس معنی کے یہ مناسب ہے کہ واصل الی اللہ کو خدا تعالٰے کے تمام کمالات کے لحاظ سے حقیقی وصال ہرگز نہیں ہوتا کیوں کہ وہ تو ناممکن ہے اس لئے کہ بندہ اس کے کمالات کا احاطہ نہیں کر سکتا جیسا کہ پہلے کئی دفعہ بیان ہو چکا ہے تو یہ مذکورہ وصال ایک نوع کا وصال ہے اور یہ وصال ہے اور یہ وصال جزئی کے اعتبار سے کلام ہو رہی ہے اور ہر جزئی کی انتہائی وہاں تک ہے جہاں تک اللہ چاہیے یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے کہ سیر الی اللہ تو ختم ہو جاتی ہے اور وہ مرتبہ بقا تک اللہ تعالٰے کے اخلاق سے متخلق ہونے کا نام ہے جیسا کہ ہم نے بدایات اور احوال اور مقامات اور نہایات کے ضمن میں پہلے بیان کیا ہے۔ اور باقی رہا سیر فی اللہ کا معاملہ اور وہ خدا تعالٰے کے تمام کمالات میں وصول ہے سو وہ غیر متناہی ہے تو یہ بات اس سیر کے متعلق ہو رہی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ قول طالبوں تک اس شراب کے پہنچانے کے لئے ہو جیسا کہ اس معنی کی تائید آپ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے۔ فہمت بکرتی بین الموالی۔ اور یہ معنی اور تشتی کے معنی آپ کے اس قول کے تحت وزہ ہوں گے۔ بسعت وشت لموبی فی کئوس۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سقی کی تعبیر ہو اور ہم اس کی طرف کئی دفعہ اشارہ کر چکے ہیں۔

اور جس چیز کا جاننا نہایت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس صورت میں سقانی الحب کے قول میں اسناد مجازی ہوگی جیسے کہ اگر حب سے جذبہ کا ارادہ مراد لیا جائے تو وہ بھی مجازی ہوگا مگر اس صورت میں کہ کہا جائے کہ اللہ تعالٰے نے شیخ بزرگ پر ہر چیز کو ایک صورت میں مصور بنا کر ظاہر کیا تھا اور آپ اس ذی حیات صورت سے کلام کرتے ہیں تو اس صورت میں اسناد بھی حقیقی۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ عز و جل اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت مجھے پلائے ہیں اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حب اللہ تعالٰی کی طرف سے بندے کی طرف محبت کی نسبت کی جائے تو اس سے مراد توفیق ہوتی ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جائے تو اس کا معنی ہوگا۔ توفیق و ہدایت کے اسباب تو اس صورت میں اطاعت اور تعمیل حکم معا کی طرف معنی لوٹ آئے۔ اس کو سمجھ لو۔

اور اگر حب سے مراد محبوب لیا جائے تو پھر وہ یا تو اللہ تعالٰی کی ذات ہوگی یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات

یا شیخ کی ذات مصطفے یا پھر شیخ صحبت جیسے یا شیخ ارشاد ہوگا تو پھر تقدیر مرید پر ضروری ہے کہ کاسات اور خمرہ اور قول کے مناسب معانی متعین کئے جاویں۔ اگر پہلا معنی لیا جائے تو کاسات سے مراد تجلیات ہونگی اور انکی کئی قسمیں ہیں۔ ذاتی، صفاتی اور پھر ہر ایک میں کئی طرح کے تعددات ہیں۔ اور پھر تجلی ذاتی وہ محض خالص حضرت احدیت کی ذاتی تجلی ہے جس کی نہ کوئی صفت ہے نہ نشان اور تمام حقائق ذات میں موجود ہیں جیسے گٹھلی میں ہاکت وظرفیت پوبا درخت موجود ہوتا ہے وہ غیب الغیوب ہے اور یہ پہلی تجلی ہے دوسری تجلی وہ ہے جس سے ممکنات ثابتہ کے وجود ظاہر ہوتے ہیں اور یہ اللہ تعالےٰ کی ذات کی حالتیں ہیں۔ یہ تعین اول ہے حالیت اور قابلیت کی صفت سے کیونکہ اعیان اس کے پہلے معلومات ہیں اور خدا وند تعالیٰ اس تجلی سے حضرت احدیت سے حضرت وحدت کی طرف نزول فرمائے ہیں اور پھر نسبت اسمائیہ سے حضرت واحدیت کی طرف اور یہی وجود کا ظہور ہے جیسے کہ کہا جاتا ہے احدیہ اکوان میں صور اسمائیہ کے ساتھ حق کا ظہور ہے جو کہ انکی اصلی صورتیں ہیں اور یہ ظہور تفصیلی ہے جس کے ساتھ ہر چیز کی ایجاد ہوتی ہے اس کی تعریف اور اصطلاحات اور رسالہ معاد میں موجود ہے۔ اگر یہ تجلی ذات ظہور ذات سے عبارت ہے اور چونکہ کسی چیز کا ظہور بغیر تعین اور تمیز کے محال ہے پس ذات کا ظہور و تجلی تعین ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ تعین اول ہے جو کہ تمام تعینات سے زیادہ وسیع اور بڑا ہے اور اسے وحدت کہا جاتا ہے اور وہ اسم کہ جس کے تعین کی بنا ہے وہ کمالات ذاتیہ اخص الخصوصیت میں ہی وہ حقیقت ہے اور چونکہ سالک کی سیر کی انتہا عبارت ہے اس کے مبدأ تعین کے تجلی تک پہنچنے سے پس وہ تجلی ذات خاص محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہوگی۔ اور وہ تعین ہے جو تمام اسماء اور صفات اور نسبتی اعتبارات پر مجمل طور پر مشتمل ہے پس مرتبہ واحدیت میں تمایز نے تفصیل اور تمیز پیدا کردی اور اس کی کئی قسمیں ہو گئیں۔ یہ تمام حقائق کی مبادی ہیں اور وہ اسماء جو تمام مخلوقات کے تعینات کے مبادی ہیں عبارت ہیں ان اسماء و صفات سے جو اس تعین کے تحت مرتبہ احدیت میں مندرج ہیں پھر ان کی تفصیل ہو گئی۔ پس دوسرے سالکوں کے سیر کی انتہا انہی اسماء و صفات تک ہوگی۔ اور تجلی ذات بھی اس پر اس نام کے پردہ میں ہوگی جو صاحب تجلی کا مبدأ تعین ہے پس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت کل ہے اور تمام مخلوقات و موجودات کے حقائق اس کے اجزاء ہیں۔ وہ جماعت جو مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت سے مشرف ہے اور کمال اتباع کو پہنچ گئے ہیں ان کو بھی مناسبت اور متابعت کی وجہ سے تجلی ذاتی سے کچھ حصہ ملتا ہے کیونکہ ان پر تجلی ظہور ہوتی ہے کہ انسان کی حقیقت تمام موجودات کی حقیقت کا عین ہے یہ لوگ اقسام کی تفصیل و تمایز کی کلی سے آزاد ہو چکے ہیں گویا کہ ان کا شہود تمام جمع ہے بغیر پردۂ اقسام اور انکے مبادی تعینات کے بھی وہی مقسم ہوگا مثلاً اسم جو کہ کلمے کی ایک خاص قسم ہے اور اصل ابتدائی تعین و تمیز ہے کہ وہ بغیر زمانہ کے اقتران کے اپنے معانی پر فی نفسہ دلالت کرے لیکن جب اسم اپنے تعین خاص و وصف سے ہٹ گیا تو اسکی اقسام کی تمیز اور تفصیل سے نجات حاصل ہو جائے گی اسکا مبدأ تعین وہی کلمہ ہوگا نہ کہ اسکی قسم یہ تمام کی عبارت تھی۔

اور تجلی کی اقسام بلحاظ تجلی ذاتی و صفاتی اور اسمائی کے معنی معلوم ہو چکے ہیں اور چونکہ اس جگہ مقصود بیت شریف کے معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے لہٰذا ہم نے تجلی کی اقسام کو آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے قول وحبسی ذوالجلال اور آپ کے قول کل ولی له قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال کے تحت موخر کر دیا ہے۔ اور اگر محبت سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور شیخ کی ذات مراد لی جائے تو کاسات سے مراد ان دونوں کے اخلاق سے تخلیق اور انکے وجود کے انوار سے اپنے وجود سے فنا ہو جانا ہوگی

کہ ہونے برگزیدہ ہوئے ہیں جو تجلیات ذاتیہ اور صفاتیہ سے حاصل کئے گئے ہیں۔ اور فقرہ کے معنی ہر لحاظ سے وہ جذبہ ہے جو محبوبیت اور تحققات سے پیدا ہوتا ہے فافہم تو اب معنی اس طرح ہوا کہ مجھے میرے محبوب یعنی اللہ عزوجل نے وصال کے پیالے پلائے یعنی مجھے منور کر دیا اور تجلیات ذاتیہ اور صفاتیہ اور اسمائیہ مجھ پر جلوہ گر فرمائیں۔ یہاں تک کہ میں اسماء سے ترقی کر کے صفات تک اور پھر وہاں سے ذات تک واصل ہو گیا۔ اب اس کے سوا کوئی چیز باقی نہیں ہے اور صوفیاء کے گروہ میں وصال کو یہ شہود کہتے ہیں اور اس میں اس حیثیت سے تفصیل ہے کہ جذبہ سلوک پر مقدم ہے یا اس کے برعکس، اور زیادہ کامل یہ ہے کہ سلوک کو جذبہ پر مقدم رکھا جائے۔ کیونکہ اس میں پورا صحو ہے۔ لیکن جذبۂ خفیہ بہرحال اس سے مقدم ہے اور یہ معنی اس عبارت کے مطابق ہے جو آپ نے بعض قصائد میں فرمایا ہے۔ سقانی ربی من کئوس شرابہ۔ اور اللہ تعالیٰ پر محبوب کے لفظ کا اطلاق اولیاء سے متقدمین اور متاخرین میں واضح ہے اور اس کی وجہ یا تو اس آیت سے استنباط ہے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو یا یہ اطلاق محبت کی بناء پر نہیں بلکہ صفت کی بناء پر ہے جیسا کہ اس کو اہل کلام نے جائز رکھا ہے اور شرح عقائد عضدیہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

اور یہ بھی درست ہے کہ معنی اس طرح ہوں کہ مجھے میرے محبوب یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی توجہات کے شربت پلائے ہیں جو صفت سے کمال کر دیتی ہیں اور جو ترقی کی چوٹیوں تک ترقی کا باعث ہیں۔ یہاں تک کہ میں آپ کی تربیت کی گود میں رب حقیقی اور سچے مولیٰ تک پہنچ گیا۔ شیخ عبدالحق رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ نے اپنی کتاب جلاء الخاطر میں کہا ہے۔ یہ مومن عارف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے ساتھ محبت کرنے سے راضی کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے دل سے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت چاہتا ہے۔ اور مومن آپ کے سامنے شاگرد کی حیثیت میں ہوتا ہے۔ جب اس کی خدمت کو کافی عرصہ گذر جاتا ہے تو شاگرد کہتا ہے اے استاذ مجھے بادشاہ کا دروازہ تو دکھاؤ مجھے بادشاہ کی خدمت کا موقع دو مجھے کسی ایسے مقام پر کھڑا کر دو کہ میں بادشاہ کو دیکھ سکوں۔ اس کے قرب کے دروازے کے حلقہ کے پاس مجھے لا کھڑا کر دیں تو وہ استاذ اس کو اپنے ساتھ لے لیتا ہے اور اسے دروازے کے قریب کر دیتا ہے تو انکو کہا جاتا ہے۔ اے محمد تمہارے ساتھ کون ہے، کوئی سفیر ہے یا رہنما ہے یا استاد ہے؟ تو آپ کہتے ہیں آپ کو معلوم ہے کہ یہ ایک چھوٹا بچہ ہے جسے میں نے تربیت کیا ہے حتیٰ کہ اس کو بادشاہ کی خدمت کیلئے پسند کیا ہے پھر اپنے دل کو کہتا ہے اب تم جانو اور تمہارا رب۔ جیسا کہ جبریل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جبکہ آپ آسمانوں پر پہنچے اور اپنے رب سے قریب ہوئے کہا اب تم جانو اور تمہارا رب آپ کی عبارت شریفہ ختم ہوئی سو حاصل کلام یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لطف کی گود میں مومن کی تربیت فرماتے ہیں یہانتک کہ یہ تربیت یافتہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اسے خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے تو پھر اس کو پیش کر دیتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ سے ملا دیتے ہیں اور یہ معنی اس عبارت کے مطابق ہیں جو آپ نے اپنے بعض قصائد میں لکھی ہے کہ "میرے نانا رسول اللہ نے اصل میں میری تربیت فرمائی ہے"۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "مجھ پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور کسی کا احسان نہیں ہے اور اگر اس کے معنی شیخ، صحبت یا شیخ خرقہ کیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ ساقی کی نسبت اس کی طرف بھی ہو جاتا کہ غوث اعظم کی ذات کی تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کیونکہ صحبت کی تاثیر و تنویر ہوتی ہے اور خرقہ سے خیر اور برکت کا اثبات اور ابقاء ہوتا ہے جیسا کہ کہا ہے کہ "بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ مرید کسی شیخ کی صحبت میں ہوتا ہے اور ارشاد اس کو کسی اور شیخ سے ملتا ہے"۔ اور صحبت کا فائدہ امداد اور اثبات ہے۔ جیسا

کہ شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ نے جلاء الخاطر میں فرمایا ہے کہ اس قوم کی صحبت اختیار کرو ان کی صفت یہ ہے کہ جب یہ کسی آدمی پر نگاہ ڈالتے ہیں اور اپنی ہمت توجہ اس پر صرف کرتے ہیں تو اس کو زندہ کر دیتے ہیں پھر اگر وہ مسلمان ہو تو اس کا ایمان اور یقین زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر غیر مسلم ہو تو اللہ تعالٰے اسلام کے لئے اس کا سینہ کھول دیتے ہیں۔ اللہ پاک ہے اس کا نام غالب ہے اس کی دلیل عظیم ہے اے اللہ مجھے شیخ بزرگ کے مریدوں سے بنا اور مجھے آپ رضی اللہ عنہ کے کلام کی اس شرح جلیل کے پورا کرنے کی کامیابی بحرمت محمد حق۔ طسم عطا فرما۔ اے جہانوں کے پروردگار اس کو قبول فرما تیرے ہی لئے تمام تعریف ہے۔ ظاہر بھی اور باطن بھی اول بھی اور آخر بھی۔

مقدمہ عرفانیہ :۔ جان لینا چاہئے کہ ولایت خاصہ جو خداوند تعالٰے کا مکمل قرب ہے اس طرح کہ درمیان سے دوئی ختم ہو جاتی ہے اور بے خودی کی حالت میں خدا تعالٰے کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے۔ یہ سوائے تصفیہ کے طریقہ کے جو نفس کی مجاہدے کے ساتھ دنیا فتنے اور مخلوق سے علیحدگی اور کدورات بشری اور موانعات جسمانی اور التزام خلوت کے ذریعہ خدا تعالٰی کی طرف توجہ اور اذکار کی ملازمت اور عزلیا کلی اور کائنات سے علیحدگی اور انقطاع کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور انبیاء علیہم السلام جو خداوند تعالٰے کی بے نہایت عنایات سے سرفراز ہیں وہ ارشاد کے لحاظ سے کسی تصفیہ کے محتاج نہیں ہوتے اور خداوند تعالٰے کے علاوہ اور کسی کے محتاج نہیں ہوتے اگرچہ کبھی کبھی وہ فرشتہ کی معرفت اپنے مدعا کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن ارباب طریقت کا اس پر اتفاق ہے کہ مجذوبین کے علاوہ اولیاء اللہ کی تمام اقسام بغیر کسی صاحب کمال مرشد کے ارشاد کے اپنے مقصد حقیقی پر جو کہ مقام ولایت ہے کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ (۱) تیرے لئے پیر نہایت لازمی ہے اور تمام کاموں میں وہ تیری پناہ ہے (۲) وہ راہ نہایت خوش قسمت ہے۔ جو کسی زندہ وجود سے مل گیا ہے (۳) جو شخص کسی صاحب دولت کے سایہ میں آگیا اس کو اس راہ میں کبھی شرمندگی نہ آئے گی۔

چونکہ انسان تمام مراتب کا جامع ہے۔ جب وہ تصفیہ کا شغل پوری طرح اختیار کرتا ہے اور اس کا دل جو کہ حقیقت میں وجوب اور امکان کے درمیان ایک برزخ ہے۔ وہ ذکر اور کلی توجہ اور موانعات کے دور ہو جانے کے باعث اپنے مبدا کے نور اقدس سے روشن ہو کر پوری صفائی حاصل کر لیتا ہے پھر جو کچھ بھی اس کے اندر نظر آنے لگتا ہے اور تمام اشیاء کی صورتیں خواہ وہ مادیات ہوں یا مجردات اس دل پر اس صفائی اور مناسبت کی وجہ سے جو اسے عالم معنی کے ساتھ حاصل ہو چکی ہے کھل جاتی ہیں۔ اور مجردات جو کہ عالم جسمانی میں ظاہری حسی صورتیں نہیں رکھتے وہ محسوس اشکال میں متشکل ہو کر اس پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اس مناسبت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جو اس کے اور ان صورتوں کے درمیان ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت جبرئیل کا دحیہ کلبی کی شکل میں ظاہر ہونا اور باقی صورتیں جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہوتی تھیں اور خداوند تعالٰے کبھی عالم مثال میں مظاہر حسینہ کے لباس سے متلبس ہو کر آپ پر ظاہر ہوتے اور اس کو اصطلاح میں تانیس کہتے ہیں۔ اور تصفیہ و تزکیہ کی وجہ سے مبتدی مرید کی دلجوئی کے لئے مظاہر حسیہ میں خداوند تعالٰی کی تجلی ہے اس کو تجلی فعلی کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اسباب کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور یہ دل کی تجلیات کی ابتدا ہے۔

اب جان لینا چاہئے کہ تجلی جو کہ سالک کے پاک دل پر خدا تعالٰے کا ظہور ہے قاعدہ کے لحاظ سے چار قسم پر ہے۔ آثاری افعالی۔ صفاتی۔ ذاتی۔ آثاری یہ ہے کہ جسمانیت کی صورت میں جو کہ عالم شہادت ہے عالم علوی یا سفلی یا مرکب سے جس طرح بھی خداوند تعالٰے کو دیکھے اور دیکھتے وقت یہ یقین کامل ہو کہ یہ اللہ تعالٰے ہیں اس کو تجلی آثاری کہتے ہیں۔ اور تمام آثاری تجلیات میں سے تجلی صوری یعنی انسانی صورت میں خداوند تعالٰے کو مشاہدہ کرنا سب سے اعلٰے اور کامل تر ہے۔ اور تجلی افعالی

یہ ہے کہ فعلی صفات میں سے کسی صفت کے جو کہ ربوبیت کے اوصاف ہیں حق تعالیٰ ظاہر ہوں اور ایسا اکثر ہوتا ہے کہ تجلی افعالی مختلف رنگوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو نور سبز یا نور سرخ یا نور زرد یا نور سفید کی صورت میں دیکھے اور تجلی صفاتی یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ اپنے ذاتی سات صفات سے جلوہ گر ہو اور وہ یہ ہیں حیوۃ۔ علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ سمع۔ بصر۔ کلام اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ تجلی ذاتی نور سیاہ میں متمثل ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو نور سیاہ کی صورت میں دیکھتا ہے اور تجلی ذاتی یہ ہے کہ سالک اس تجلی میں آزاد ہوجاتا ہے۔ اور علم اور شہود اور ادراک اس میں بالکل نہیں رہتا اور یہ تجلیات مذکورہ جس پر تجلی ہوتی ہے اس کے اوقات کی صفائی کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں۔ اگر خداوند تعالیٰ کو اپنا مظہر دیکھے تو یہ تجلی کامل ہے اور اگر خود خدا تعالیٰ کا مظہر ہو جائے یعنی یہ دیکھے کہ وہ خود خدا تعالیٰ کا مظہر ہے تو یہ تجلی سب سے زیادہ کامل اور پوری ہے کیونکہ اس کا تحقق اس زیارت کے ضمن میں ہے اور ان تجلیات مذکورہ کے اندر خدا تعالیٰ کو دیکھنا اور خود مظہر حق بن جانا تصفیہ کے طریقہ میں واقع ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا انی انا اللہ کی آواز سننا اور حدیث کہ "میں نے اپنے رب کو احسن صورت میں دیکھا" اور جس نے مجھ کو دیکھا اس نے خدا تعالیٰ کو دیکھا" تجلیات جواز وجود کے عادل گواہ ہیں اور بقا باللہ جو واصل کاملین کو حسب حال میسر آتا ہے یہ ہے کہ سالک فنا کے بعد تجلی ذاتی میں خدا کی بقا کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو جسمانی اور روحانی طور پر مطلق (آزاد) بے یقین دیکھتا ہے اور اس کا علم کلی ہو چکا ہے دیکھتا ہے کہ کائنات کے تمام ذروں کا احاطہ کر رہا ہے اور خدا تعالیٰ کی تمام صفات کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے اور جہان کا قیوم اور مدبر ہو جاتا ہے اور اپنے سوا کوئی چیز نہیں دیکھتا اور توحید عیانی کے کمال کا یہی مطلب ہے۔ اشعار

(۱) وہ جو سبحانی کہتا تھا اس وقت اس پر یہی معنی ظاہر ہوئے تھے (۲) اور اسی لحاظ سے اس صفائی کے سمندر نے کہا تھا کہ میرے جبہ میں خدا کے سوا اور کوئی نہیں ہے (۳) اس انا الحق نے اسی معنی کو کھول کر بیان کیا تھا اگرچہ تیرے سامنے وہ دعویٰ کی صورت میں نمودار ہوا۔ (۴) جس نے لیس فی الدارین کہا ہے اس نے اسی اچھے معنی کے موتی پروئے ہیں۔ (۵) جب تجھ میں تیرا کوئی اثر باقی نہ رہ جائے گا تو اس معنی کی اطلاع تجھے یقیناً ہو جائے گی۔

پھر سالکین کو تصفیہ کے مراتب کے مطابق روحانی معراج کبھی تو بدن مثالی سے ہوتی ہے اور کبھی بغیر بدن کے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ سالک دیکھتا ہے کہ وہ آسمان پر عروج کر رہا ہے کبھی ترتیب سے اور کبھی بے ترتیب اور ہر آسمان میں اس مناسبت کے لحاظ سے جو اسے میسر ہے انبیاء اور اولیاء کی ارواح اور ملائکہ کو مشاہدہ کرتا ہے اور آسمانوں سے عرش تک اور پھر عرش سے اوپر بھی اس کی سیر اور اڑان ہوتی ہے اور اولیاء کے کشف کی کیفیات و کمیات کو پوری طرح بیان کرنا تحریر اور تقریر سے خارج ہے اور عقول کے ادراک کے احاطہ سے باہر ہے۔ گلشن راز میں اسی طرح ہے اور عقلمندوں پر پوشیدہ نہ رہے کہ یہ بیان اہل شہود کے مطابق ہے اور اہل تحقیق کے مطابق انشاءاللہ تعالیٰ اس کے فضل و کرم سے آپ کے وحسبی ذوالجلال کے تحت بیان آئے گا۔ اے ہمارے رب ہدایت کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر دے تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اے اللہ مجھ پر اس مبارک قصیدہ کے حقائق کھول دے اور اس شرح لطیف کو وضاحت شریف کے ساتھ اے رب اے لطیف پورا کرنے کی توفیق عطا فرما۔

فائدہ جلیلہ:۔ میں نے اپنی سابقہ تقریر میں جو معنی اور فوائد شریفہ تحریر کئے ہیں ان میں کئی ایک رموز ہیں جن میں سے بعض کو صاف کھول کر بیان کیا ہے اور بعض کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اگر تو علم اور فہم رکھتا ہے تو تجھے معلوم ہو چکا ہوگا کہ اس بیت کی شرح میں ہر ایک

Scanned by CamScanner

عطا کرتا ہوں جس کو سمجھ لینا تیرے لئے نہایت ضروری ہے تاکہ تو ۔۔۔ آنے والے بیت کے معنی کی طرف کچھ اشارے موجود ہیں۔ لیکن میں تجھے ایک فائدہ عطا کرتا ہوں جس کو سمجھ لینا تیرے لئے نہایت ضروری ہے تاکہ تو کو ہر مقصود پوری طرح سمجھ آجائے۔ اور وہ یہ ہے کہ انسان ظاہری لحاظ سے تو سفلی ہے اور باطنی لحاظ سے علوی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اور اسماں دونوں کی استعداد رکھتا ہے اگر اس کے ظاہر کو دیکھا جائے تو وہ اسفل السافلین ہے اور اگر اس کی حقیقت کو دیکھا جائے تو وہ اعلیٰ علیین ہے سید الطائف جنید بغدادی کی اس قول سے یہی مراد ہے کہ "انسان" کا ظاہر بندہ ہے اور اس کا باطن رب ہے۔ یعنی تکالیف اور شدید محنتیں اور بڑے بڑے مجاہدے اس پر اس لحاظ سے ہیں کہ اس کا ظاہر اس کے باطن کے قبضہ میں دیا گیا ہے کیونکہ اس کا ظاہر خبیثہ شہوات اور کدورات کی طرف مائل ہے اور یہ اس کے باطن کے خلاف ہیں جو تقدس اور نظافت کا تقاضا کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اسلام کی بنیاد پاکیزگی پر رکھی گئی ہے۔" تو اس کی تربیت کا دار و زبان اور دل کی اصلاح پر ہے اور پھر ان سے تو اس ظاہری اور باطنی درست ہوتے ہیں۔ اور روح اور ستر اپنے مقصود کی طرف ترقی کرنے لگتے ہیں اور حجابات اور رکاوٹیں درمیان سے اٹھنے لگتی ہیں تو زبان کی اصلاح کا دار و مدار کلمہ کفر اور تمام غیر ضروری باتوں خواہ وہ جائز ہوں یا ناجائز سے پرہیز کرنے پر ہے اور یہ زبان کی صفائی ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے "ناجائز باتوں سے اپنی زبان کو روک"۔ اور پھر اس کو اذکار سے روشن کرنا بھی ضروری ہے اور سب سے افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے جو تمام ذکر و فکر و نور و ظہور و وصول و قبول کا جامع ہے ضروری ہے کہ اس ذکر کو ہر وقت اور ہر آن زبان کی عادت ثانیہ بنا دیا جائے اور وہ مرشد کامل کے ارشاد کے بعد حضور کلی سے ہو یہاں تک کہ زبان اس ذکر کو دل تک پہنچا دے اور اس کو زنگ اور سختی اور حجاب اور پردوں سے آزاد کر دے اور اس کی آنکھوں میں اس کا سرمہ ڈالے اور اپنے کانوں کو بیہودہ باتوں اور خرافات کے سننے سے روک دے اور دل کے گرد اگرد کی تمام دیواریں اس اسم شریف اور ذکر لطیف کے نقش سے منقش ہو جائیں پھر دل جب ہر وقت ایک خاص ذکر کرتا رہے گا تو اس کو روح تک پہنچائے گا اور پھر روح کو اس ذکر سے ذاتی صفائی اور اصلی روشنی نصیب ہوگی پھر وہ ملکوت کی فضا میں اڑنا شروع کرتا ہے اور جبروت کی روشنی سے مطلع ہوتا ہے اور ستر سے مل جاتا ہے اور سارا ملک اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے ستر میں صرف اللہ باقی رہ جاتا ہے اور اس طرح وہ بات سچی ہو جاتی ہے کہ "انسان میرا ستر ہے اور میں اس کا ستر ہوں"۔ پھر سرکشی اور عناد کا کوئی نشان باقی نہیں رہ جاتا اور نہ اسافل میں سے کوئی فرد رہ جاتا ہے وہ اپنے اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے اور غفلت کے ختم ہو جانے کے بعد نور باقی رہ جاتا ہے پھر ظاہر باطن کا حکم اختیار کر لیتا ہے اور باطن ظاہر کا اس وقت مخلص مومن بن جاتا ہے نفاق سے پاک ہو جاتا ہے۔

اور اس سیر میں قانون یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت ظاہر اور باطن دونوں طرح ہو خصوصاً شریعت ظاہرہ کا لحاظ رکھا جائے کیونکہ وہی ایک خباثت اور نجاست سے پاک کرنے والی ہے اگر شریعت نہ ہوتی تو توحید اور الحاد اور بیدینی کبھی الگ الگ نہ ہو سکتے یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں اور جو آدمی خدا کی حدود سے تجاوز کرے تو یہی لوگ فاسق ہیں۔ پس شیخ بزرگ نے کاسات جمع کے صیغے کے ساتھ حرف بالاضافت لاکر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اللہ عزوجل نے ہر وصال میں مجھے بہت سے کاسات سے مشرف فرمایا ہے مثلاً زبان کے صیقل ہونے کے بعد مجھ پر کئی اذکار کھول دیئے جیسے کلمہ طیبہ اور دعوات اور مناجات اور ایسے اسماء جن کو اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا تو اللہ نے مجھے اپنی تعلیم خاص سے علم سکھایا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مخلصانہ تبلیغ سے اور اسی طرح دل کے ماسوی اللہ سے خالی ہو جانے میں اور اسی طرح روح کی روشنی میں اور اسی طرح ستر کی کلی تجلی میں تو مجھے ہر وصل کے لئے اس نے کئی ایک پیالے پلائے جن کو صرف وہی جانتا ہے تو میرے لئے ہر وصل میں ایک ایسا قدم ہے جو میرے سوا دوسرے اولیاء کو حاصل نہیں تو اس صورت میں آپ کے اس قول کے معنی

Scanned by CamScanner

متفق ہو گئے کہ میرے یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہیں" یہ قول آخری مرتبہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر مرتبہ کے لئے ہے جیسا کہ بات ترقی میں ہے اور آپ کے اس قول کا یہی معنی ہے کہ "اللہ کے سارے شہر میرا ملک ہیں میرے حکم کے ماتحت ہیں" یعنی اللہ کے شہروں میں سے ہر شہر کے ولی اور اسی طرح زبان سے ستر تک ہر ایک اس کے شہروں میں سے ایک شہر ہے اور یہ سب میرے حکم میں ہیں اور میرے وقت میں شہر میرے لئے صفائی مہیا کی ہے "یعنی ہر ایک آلودگی سے اس طرح صاف ہو گیا ہے کہ صفائی دمبدم بڑھتی ہے یہ صفائی میرے سوا کسی کے لئے نہیں اور یہ معانی آپ کے ان انوار سے اقتباس کئے گئے ہیں جو کہ آپ نے ایک اور قصیدہ میں فرماتے ہیں "مافی الصبابة منهل مستعذب الا ولی فیه الالذ الاطیب (عشق میں جتنے بھی میٹھے گھاٹ ہیں میرا حصہ ان میں سب سے زیادہ لذیذ اور پاکیزہ ہے) انشاء اللہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول وکل ولی لہ قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال کے تحت معلوم کریں گے۔ اے اللہ میرے کلام کو آسان کر دے اور اس قصیدہ کی شرح کی تحریر میں میری راہنمائی فرما تو ہی عطا کرنے والا لطف کرنے والا ہے۔ میرے بھائیو آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے بہت سے معانی اس طرح لکھے ہیں کہ ان سے بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے لیکن اگر آپ بغور ملاحظہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس میں کچھ عجیب بے شمار توجیہات ہیں جن کو صاف دل اور پاک عقلیں معلوم کریں گی۔ سو اب میں اپنی غرض پوری کرنے کے لئے اور مضمون قصیدہ میں اس کو شروع کرتا ہوں۔

قیمتی وضاحت: ۔ معلوم ہونا چاہئے کہ کاسات اور خمر اور مستی کا ظاہری معنی بھی مراد لیا جا سکتا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خواص اولیاء ابرار کو قرب کی مجلس میں مستی اور خمر اور کاسات وغیرہ نصیب ہوں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ آپ کو معراج کی رات دودھ پلایا گیا اور یہ بھی فرمایا کہ "میں اپنے رب کے پاس رات گذارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے" اور بیان کیا جاتا ہے کہ ایک ولی کے حلق میں شراب طہور کا ایک گھونٹ ڈالا گیا تو اس پر ہر چیز ظاہر ہو گئی۔ تو اس معنی کے لحاظ سے کاسات سے مراد ظاہری پیالے ہونگے جو غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کو پلائے گئے اور اس سے غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے قرب میں وہاں تک ترقی کی جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مستی عالم مثال یا عالم ارواح میں ہوئی ہو اور شربت وغیرہ سے لذت حاصل کرنا ارواح کے لئے ثابت ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مستی اعیان ثابتہ میں ہوئی ہو جیسا کہ اس کی طرف آپ کا یہ قول ایک دوسرے قصیدہ میں اشارہ کر رہا ہے کہ میں ابراہیم اور آدم اور نوح اور ایوب اور موسیٰ علیہم السلام کے ساتھ تھا اور میں ادریس کے ساتھ تھا اور میں اللہ کے علم میں پہلا قدوس ہوں اور اسی طرح کے اقوال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حالات میں بھی بیان کئے گئے ہیں اور بعض کے الفاظ اس طرح ہیں کہ "اللہ نے مجھ پر اور علی پر اس کائنات کے پیدا کرنے سے پہلے درود بھیجا۔" طریقہ یہی چلا آ رہا ہے یہ بات تو صحیح ہے لیکن یہ معاملہ عوام کی عقلوں کے باہر ہے اسے بڑے بڑے لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں جو وصول کے انوار سے فائز ہیں اے اللہ مجھے اس قصیدہ کی شرح میں جو کہ سیر عروج و نزول میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ قبولیت اور علم کا نور عطا فرما۔

مرصع وضاحت: ۔ پھر وصول کے بیان میں پیالے پینے سے اس کی طرف اشارہ بھی ہے جس سے اہل جنت مشرف ہوں گے "ان کو ان کا رب پاک شراب پلائے گا۔" یعنی واصل اس جہان میں نہیں ہوتا اگرچہ بظاہر اس کو اسی جہان میں دیکھتے ہیں اس کا ظاہر زمینی رہتا ہے حالانکہ وہ آسمانی ہو چکا ہوتا ہے اس کے قدم زمین پر ہوتے ہیں۔ اور اس کا سر عرش اعلیٰ پر ہوتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کو بعض آدمی عرش سے بھی بلند دیکھتے تھے اور بعض آسمانوں سے بلند اور بعض آسمان تک اور بعض اسی ظاہری قد کے مطابق یہاں تک کہ کافر کہتے تھے وہ تمہاری طرح ہی کا ایک آدمی ہے کیا تم ایک جادو کئے ہوئے آدمی کی پیروی کرتے ہو۔ اے اللہ تیرے ہی لئے

Scanned by CamScanner

حمد ہے اور درود ہو تیرے رسولؐ اور اس کی آل اور اس کے نائب غوث بزرگ پر رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ.

یہ اس مطلع کی مختصر شرح تھی میں نے اس کو اس خوف سے مختصر کر دیا کہ ہمتیں قاصر ہیں اور سالکین ہیں اس زمانہ میں طاقت ہو...

اے ہمارے رب اگر میں بھول جاؤں یا غلطی کر بیٹھوں تو مجھ پر مواخذہ نہ فرما اور مجھے دوسرے بیت کے رموز کی توفیق اے اللہ اے رب

اے رحمان بحرمت کہیعص اور بہ برکت نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور بحرمت آپ کی آل اور آپ کے صحابہ اور غوث ربانی رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ

مناجات: اے اللہ تو حاضر ہے ناظر ہے اول ہے آخر ہے ظاہر ہے باطن ہے میرے تمام گناہ اور غلطیاں تجھ پر آشکار ہیں تو میرے گناہ معاف فرما اور میرے عیوب کی پردہ پوشی کر اور میرے دل کو میرے حبیب و محبوب کی رویت اور مرغوب و مطلوب کے حسن سے روشن فرما۔ اگر میں گناہوں کے حجاب میں ہوں تو گمراہوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لا سکتا ہے تو دور والوں کو قریب کر سکتا ہے تو نے کتوں کو انسان بنا دیا اور یہودیوں کو ابدال اور صوفی۔ تو رات کو دن اور دن کو رات سے پیدا کر سکتا ہے فریاد۔ فریاد میری مدد کو پہنچ میری مدد کو پہنچ۔ میرے بال سفید ہونے کو آئے اور میرا دل ابھی تک اندھیروں میں ہے اور سیاہ ہے۔ تجھ ہی سے استدعا ہے اور تجھ ہی سے التجا ہے اے اللہ مجھے اپنی نورانی شراب طہور اور رحیق مختوم پلا کر میرے فراق کی آگ بجھ جائے اور ہمارا دادا سخی جناب غوث اعظم اور شیخ اکرم رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ معانی اور مبانی پر مطلع فرما۔ آمین.

(۲) سَعَتْ وَمَشَتْ لِنَحْوِیْ فِی کُئُوْسٍ　　فَہِمْتُ بِسُکْرَتِیْ بَیْنَ الْمَوَالِیْ

سعی کا معنی ہے دوڑنا اور مشی کا معنی پاؤں سے چلنا اور کئوس کاس کی جمع ہے اور اس کے معنی پہلے گزر چکے ہیں۔ ہام الی الامر یہام کا معنی ہے اس کا قصد کیا اور ہام فیہ کا معنی ہے اس میں پریشان ہو گیا اور یہاں بسکرتی کے قول کے قرینہ سے پہلا معنی مراد ہے۔ اور ہام ہو گر کہ باب عَلِمَ یَعْلَمُ سے ہو تو اس صورت میں فہِمت کی ہا مکسور ہو گی اور اگر یہ باب ضرب یضرب سے ہو تو پھر اسے فتحہ سے پڑھا جائے گا لیکن مشہور پہلا ہی ہے اور سکرۃ زبر سے بیہوشی کے معنی میں ہے اور اس میں ضمہ (پیش) بھی آتا ہے۔ اور یہاں اس سے مراد شراب ہے جیسا کہ اس پر کا قول کئوس دلالت کر رہا ہے اور موال کی یائے محذوف ہے اصل میں موالی تھا جو مولیٰ کی جمع ہے اور یہاں اس سے مراد اولیاء اور دوست ہیں جو اس خمرہ کے پینے کے طالب ہیں جو وصال اور کمال کی بلندیوں پر ترقی کرنے کا باعث ہے۔ پھر سعی اور مشی میں جیسا کہ ان کے مفہوم سے کہا جاتا ہے یہ فرق ہے کہ سعی میں تیزی اور شدید دوڑ پائی جاتی ہے۔ اور مشی میں اعتدال با عموم پایا جاتا ہے۔ اور سعی کے لفظ کو پہلے لانے اور مشی کو بعد لانے کی توجیہہ عنقریب بیان ہو گی انشاء اللہ تعالے اور ان دونوں میں دوسرا فرق اس لحاظ سے ہے کہ سعی ذوی العقول سے خاص ہے اور دوسرا عام ہے جو اس مقام پر ایک عجیب لطیفہ کا متضمن ہے اور وہ یہ ہے کہ شراب اپنی پہلی دوڑ میں گویا ذوی العقول میں سے تھی اور پھر وہ تھک کر پریشان ہو گئی اور غیر ذوی العقول سے مل گئی اس کو سمجھ لے اور ایک نسخہ میں فہِمت شدہ سے ہے اور سکرتی بغیر یائے کے ہے۔

نحو: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سعت جملہ مستانفہ ہو اس بیان کے لئے کہ جب شیخ بزرگ نے شراب کو کہا کہ میری طرف آ جا تو پھر اس کی کیا حالت ہوئی تو اس کا جواب یہ دیا کہ وہ دوڑ کر آ گئی یعنی آپ رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل میں وہ جلدی سے دوڑتی ہوئی آئی اور بغیر کسی سواری پر سوار ہوئے آئی نہ تو اس نے انکار کیا اور نہ مستغنی ہوئی بلکہ وہ دوڑتی ہوئی۔ تو گویا کہ شراب میرے طلب کرنے کی مشتاق تھی صرف میرے ایک دفعہ کہنے ہی سے دوڑی اور میری خدمت میں گرتی پڑتی پہنچی۔ اور یہ دوسرے عاشقوں کے برخلاف معاملہ ہے کہ ان پر حب اور عشق کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سعی کا بیان ہو گویا کہ سائل نے سوال کیا ہے کہ آپ کو وصال کے پیالوں سے کس طرح شراب پلائی گئی غلبہ کی حالت میں یا مغلوبیت

کی حالت میں مریدکی کیفیت یا مراد کی کیفیت میں تو آپ نے فرمایا وہ دوڑ کر آئی یعنی میں غضب اور غرور کا مراد ہوں کہ غرور دلاکر آئی اور مجھے بغیر میری کسی محنت اور خدمت کے حسب بلاوی اور اس توجیہ میں آپ کی عزت و احترام زیادہ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شرط محذوف ہو اور مستی کا قول اس کی جزا ہو یعنی جب اس نے میرا قول سنا تو دوڑی اور چلی اور پہلا معنی بہتر ہے اور لنحوی کے قول میں لام یا تو الی کے معنی میں ہے۔ اور نحو کا معنی طرف اور جانب ہے یعنی وہ میری طرف اور میری جانب دوڑی اور چلی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کلام کی ہمواری کے لئے لام زائد ہو، اس کو خوب سمجھ اور کئوس جانتے ہے کہ یہ حال ہو یعنی شراب میری طرف دوڑی اور چلی اس حال میں کہ وہ پیالوں میں تھی اور کئوس سے مراد یا تو مقامات اور تجلیات ہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے اور یا پھر شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ و ارضاہ عنہ کے لطائف اربعہ ہیں یعنی نفس، قلب، روح اور سر یعنی شراب اور پیالہ اول ہے پھر پیالے میں ہر طالب کی استعداد کے مطابق جلوہ گر ہوتی پھر جو آدمی اصلاح نفس کے مقام میں تھا میں نے اس کو اسی پیالے سے پلا دی اور اسی طرح دوسروں کو بھی قیاس کر لیں اور اس کے متعلق خدا کے فضل و کرم سے ایک اور بیان بھی آئے گا۔ اور فہمتُ میں جو فا ہے، یہ جزائیہ ہے یعنی جب وہ دوڑی تو اس نے قصد کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فا صرف تعقیب کے لئے عاطفہ ہو یعنی اس کے دوڑنے کے بعد مجھ سے قصد ظاہر ہوا اور بسکرتی میں جو با ہے یا تو سببیت کے لئے ہے اور یا پھر الصاق کے معنی کے لئے یعنی اس نے میری مستی کے سبب قصد کیا یا میری مستی نے ساتھ ہی قصد کیا اور سکرتی میں اضافت لام کے معنی میں ہے یعنی وہ مستی جو میرے لئے مخصوص تھی اس حیثیت سے کہ وہ میرے اپنے پینے کے لئے میرا حصہ تھی یا دوسروں پر خرچ کرنے کے لئے یعنی وہ مستی جو مجھے ساقی سے ملی اور یہ اضافت خمرتی بین الموالی کی اضافت کی طرح ہے یعنی اس مجلس کے درمیان جس میں میرے دوست احباب اور طالب بیٹھے ہیں۔

البلاغت: مستی کا لفظ لانے میں کئی ایک رموز ہیں کہ سکرہ اس آدمی کی طرح ہے جو حج کا ارادہ رکھتا ہو اور آپ رضی اللہ عنہ کے دل اور مرتبے کو دوسرے حضرتوں کے درمیان دوڑ لگا رہی ہے جیسا کہ دوسرے قصیدے میں ہے ذیتی بیت اللہ من جاوزنا۔ سبحان اللہ خدا کا نام بلند ہے سکرہ اور غرور اور حب شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ کے گھر کے حاجی ہیں۔ اور دوسری رمز یہ ہے کہ سکرہ باوجود اس کے کہ وہ سیر اور پرواز میں بڑی تیز تھی لیکن آپ رضی اللہ عنہ کی دہشت کی وجہ سے گویا کہ چلنے سے رک گئی اور وہ اسی صورت میں آپ رضی اللہ عنہ کی طرف اب چل سکتی ہے اس کی طرح دوڑے اور کوشش کرے اور تیسری رمز یہ ہے کہ دوڑنے والا اس سے بہت کمتر ہوتا ہے کہ جس کی طرف دوڑ کر جا رہا ہے اس کے پاس سہولت اور آسانی سے پہنچ سکے اور الیا آدمی غریب ہوتا ہے جیسا کہ اس پر دجل کیتی کا قول دلالت کر رہا ہے اور مشت کا عطف جو حت پر ڈالا گیا ہے تو اس میں ایک نہایت باریک نکتہ ہے اور یہ سمجھانا ہے کہ اس کی یہ دوڑ ایسی چال سے تھی جس سے اس کی ذلت معلوم ہوتی تھی کیونکہ وہ پیادہ چل کر آئی نہ کہ سوار ہو کر جس سے غلبہ سمجھا جاتا اور لنحوی کا لفظ جو لایا گیا ہے تو اس میں یہ اشارہ ہے کہ مستی کی ہمت کی توجہ میری جانب اور میری بساط کی طرف تھی گویا کہ وہ مجھ پر عاشق ہے اور میرے سوا کسی اور کی طرف دیکھتی بھی نہیں اور اس کا مطمع نظر خاص طور پر مجھ تک پہنچنا ہے اور وہ جو دوسروں میں تقسیم ہو رہی ہے تو یہ میری عطا ہے یعنی یہ شراب مجھے مشترکہ طور پر نہیں دی گئی تھی بلکہ وہ صرف میری تھی اور طالبوں کو دینا میری سخاوت اور بخشش ہے جیسا کہ بادشاہوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اکیلے نہیں کھاتے بلکہ اپنے خاص طعام کو بھی دوسروں پر تقسیم کر دیتے ہیں اور یہ جو فی کا کلمہ لایا گیا ہے جو ظرفیت کے لئے ہوتا ہے کئی ایک اشارے ہیں پہلا یہ ہے کہ سکرہ مضبوط کئوس مقامات یا تجلیات یا توجہات کے پیالوں سے جنہیں نکلتی تھی جو اس کے اہل کے لئے ثابت ہیں اور ان سے یہ سکرہ طبع اور منوالا ہو کر نہیں نکلی بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود سے محدود تھی اور اس سے ادنیٰ قسم کا تجاوز بھی نہیں کر سکتی تھی تو جذبہ اگرچہ

Scanned by CamScanner

شدید اور غالب ہو پھر بھی وہ سلوک اور صفا اور حکم اور رضا کا تابع ہوتا ہے۔ وہ صرف وحی ہے جو وحی کی گئی۔ اور یہ مستی قاب قوسین او ادنیٰ کے سینہ کے سورج سے اقتباس کی گئی ہے یہ ہوا وہوس کی اختراع نہیں ہے۔

اور دوسرا اشارہ یہ ہے کہ سکرہ جو تیری طرف دوڑ کر آنے والی تھی وہ اس لیے تیار ہو گئی کہ اسے پی لیا جائے یا تقسیم کر دیا جائے کیونکہ وہ مٹکوں سے نکل کر پیالوں میں آ گئی تھی کہ اب اس کو لے کر پی لو اور اس کے صاف ہونے کے انتظار کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ شراب جب تک مٹکے میں ہوتی ہے اکثر وہ صفائی اور پاکیزگی کی محتاج ہوتی ہے اور تیسرا اشارہ یہ ہے کہ شراب ساقی حقیقی کے ہاتھوں سے پیالوں میں ڈالی گئی ہے کیونکہ وہ تو صرف تقسیم کرنے والا ہے اور دینے والا اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں اور دینے والا اللہ ہی ہے۔ پس تمہارا اس شراب کو پینا ضروری ہے کہ اس طرح ہو گویا کہ وہ تمہیں ساقی حقیقی کے ہاتھوں سے مل رہی ہے اے عقلمندو! نصیحت حاصل کرو۔ اور حجاب میں نہ رہو کہ حجاب ایک عظیم ظلمت ہے اور پھر باوجود اس کے کہ سکرہ مفرد ہے موالی کو جمع لانے میں یہ اشارہ ہے کہ ایک ہی سکرہ بہت حصول اور بہت سے پیالوں میں تقسیم کی گئی کہ حاضرین ان کو ضبط کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے تھے اور وہ بہت سی سکرات و خمرات کو جو مجھے دیئے گئے ہیں ان پر پیش کیا جاتے تو وہ کیونکر ان کو برداشت کر سکیں گے کیونکہ وہ تو ہیں جنکو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بندے کے دل پر ان کا گزر ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس تو ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم پر انکو ایک اندازے کے مطابق اتارا جاتا ہے اور اس کے خزانوں کو وہی جانتا ہے اور ہیم اور ہیمان کے الفاظ میں اشارہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ کا اس خمرہ اور سکرہ کو تقسیم کرنے کا ارادہ کمال غلبہ کی وجہ سے تھا جو کہ تحیر اور انحراف (گر جانا) کے قریب تھا جیسا کہ ہیمان کی تعریف میں ذکر کیا ہے اور اس کا فائدہ آپ رضی اللہ عنہ کی کمال سخاوت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ آپ خرچ کرتے وقت اس طرح ہو جاتے ہیں جیسے کہ آپ بے اختیار خرچ کر رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ خمرہ کو سکرہ یعنی بیہوشی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور مراد اس سے نفس خمر ہے۔

لیکن یہ معلوم ہو جانا نہایت لازمی ہے کہ خمرہ پر سکرہ کا اطلاق اس اعتبار سے نہیں ہے کہ شیخ خود حالت سکر میں تھے کیونکہ وصال کے بعد تو سکر کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ پہلے شعر میں تصریح کر چکے ہیں کہ آپ کو وصال کے پیالے پلائے گئے تو کمال میں سکر نہیں بلکہ صحو ہوتا ہے اور یہ سکرہ کا لفظ مجازی طور پر استعمال کیا ہے یعنی یہ وہ شراب تھی جو مجھے پلائی گئی یہ ایک رنگ میں مستی تھی اور بلغاء کے کلام میں ایسا اکثر ہوتا ہے اور مجاز اختیار کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس میں طالبوں کے مخاطبہ کی رعایت ہے جو اس خمرہ کو چاہتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کا مطلب یہ ہو کہ میں نے اپنے دوستوں میں اپنی مستی تقسیم کی ہے نہ کہ اپنا صحو جو کہ میری اپنی حقیقی منزل اور تحقیقی مقام ہے اور اسی کی طرف آپ کے یہ لفظ اشارہ کر رہے ہیں تجالی و داخلوا اور آپ کا یہ قول مقامی فوقکم ما زال عال۔ تو موالی میں تقسیم خمرہ کو کیا گیا ہے جو کہ سکر کے رنگ میں ہے اور اللہ ہی اپنے اولیاء کی مراد کو خوب جانتا ہے۔

اور آپ کا قول بین الموالی جو ہے اس کا تعلق پہلے شعر سے بھی ہو سکتا ہے یعنی میرا پینا اور میرا قصد کرنا دونوں بر سر عام تھے اور ہر وہ شخص جانتا ہے جس کی دیکھنے والی آنکھیں ہوں اور کتنے منہ اس دن اپنے رب کو دیکھتے ہونگے۔ اور اس کا ظاہر تعلق دوسرے شعر سے ہوتا ہے اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ آپ کے موالی رویت سے مشرف ہو چکے تھے اور یہ سب کچھ ان کو شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی برکت سے حاصل ہوا تھا۔ جیسا کہ آپ سے بیان کیا جاتا ہے کہ آپ بیداری اور جلوت میں وہ کچھ دیکھ لیا کرتے تھے جو دوسرے آپ کی جناب میں خواب یا خلوت میں دیکھا کرتے تھے۔ اور استغراق کا لام لانے میں اشارہ ہے آپ کے اولیاء اللہ دوستوں کی کثرت کی طرف اور

ہو سکتا ہے کہ وصال یا تو بعد موت یا انسانی بدن کے ساتھ آپ کی مجلس میں حاضر ہوتے ہوں لیکن یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ موت کے بعد بھی جزئیات کا حصول جائز سمجھ لیا جائے جیسا کہ شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ اس طرف گئے ہیں اور یہ ہم نے آپ کے ظاہر قول کی بنا پر کہا ہے۔

بہالی وا طلوا انتم موالی ، اور ہو انتم ہا انتم جنود میں اور ممکن ہے یہ تمام خطابات جمال یا ذ بندگوں کے ساتھ بھی ہوں اور اللہ نے اپنے اولیاء کی مراد کو خوب جاننے والا ہے ہمارے سب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم پہ بر برکت نبی اور ان کی آل اور شیخ بزرگ اور ان کے کمال حرمت کے طلیں وا خذہ نہ فرما۔ اے اللہ حضرت محمد اور ان کی آل اور ان کے تابع پر رحمتیں نازل فرما اور موالی جمع مولی بمعنی آزاد شدہ غلام کا لفظ اختیار کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ تمام لوگ جو آپ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں تھے وہ ہجر کی آگ سے آزاد شدہ اور قرب اور عرفان کی خلعت سے مشرف شدہ غلاموں کی حیثیت میں تھے اور مولی کبھی مالک کے معنی میں بھی آتا ہے اور اس معنی کا ارادہ آپ کے اس قول کے قرینہ سے ہے کہ تم میرے بندے ہو یعنی میرے آگے آگے پیادہ پا چلنے والے ہو اور آپ کے اس قول سے انتم جنودی (تم میرا لشکر ہو) کیونکہ بادشاہ لشکری کا مالک ہوتا ہے۔ اور غلام اور جو کچھ اس کے قبضہ میں ہے سب مالک کی ملک ہوتا ہے۔ پھر جو بھی اولیاء اللہ میں سے اس خطاب میں داخل ہے وہ آپ کے فضل اور سخاوت کا مرہون و ممنون ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاہ عنہ۔ اے اللہ میرا سینہ کھول دے اور میرا کام آسان کر دے۔

بیت کے معنی کا بیان:۔ اور معنی یہ ہے کہ جب محبت نے مجھے وصال اور کمال قرب کے پیالے پلائے تو میں نے اس خوشبودار شراب کو کہا جو جمال کی مختلف خوشبوؤں سے معطر تھی اے شراب تو میری طرف میرے محبوب کے انوار کے پیالوں میں آ جا کہ میں تجھ سے لذت حاصل کروں تو اس قول کے بعد اس نے میرے امر اور حکم کی تعمیل کی تو وہ خمرہ پیدل ہی دوڑتے ہوئے میرے حکم کے سامنے ذلیل ہو کر میری طرف توجہ کر کے چلی آئی اس حال میں کہ وہ ایسے پیالوں میں بھری ہوئی تھی جو شریعت کے ملحوظ آداب اور احمدی جلوات سے گھیرے ہوئے تھے تو میں نے اس کو پکڑ لیا اور اس کو اپنے دوستوں اور غلاموں اور عقلمند طالبوں میں اس سکہ سے جو مجھے اس خمرہ سے حاصل تھی یا اس خمرہ کے ساتھ ملی ہوئی تھی تقسیم کرنے کا ارادہ کیا یعنی میں نے اس سے ایسے پیالے پئے جو رب الارباب تک پہنچانے والے تھے اور جب میں اس سے سیر ہو گیا تو میں نے سخاوت اور ارشاد کا قصد کیا اور اپنی بچی ہوئی شراب احباب اور اقطاب میں تقسیم کر دی۔ پھر وہ بھی مست اور سیر ہو گئے جیسا کہ میں سیر ہوا تھا کیونکہ قوم کے ساقی کے پاس بے شمار پیالے بھرے ہوئے تھے جن سے ایک قطرہ بھی کم نہ ہو سکتا تھا اگرچہ بے شمار تو میں ایک پیالہ پی جاتیں وہ بہتا چشمہ جو صافی ہے اور بڑی اچھی شراب ہے جو اس سے پی لے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

مجلس کی صورت:۔ مجھے اغیار اور ہر ایک ماسوی اللہ سے اس طرح کی خلوت شریعت محمدیہ کے ایوان میں حاصل ہے کہ میرے دل اور روح اور سر کی بساط میں مخلوقات کا ایک ذرہ بھی باقی نہیں رہا اور ساقی صاف پیالوں میں پاکیزہ شراب لے کر پلانے پر آمادہ ہے اس کی محبت جلے ہوؤں کو تر و تازہ کرنے کی طرف مائل ہے تو میں نے اس خلوت میں پاک شراب محبت کے پیالے سے نوش کی تو اس مشروب نے مجھ کو نہایت پاکیزہ لذت اور صاف نعمت بخشی تو ساقی نے مجھے اپنے قریب کیا اور کہا ان پیالوں سے لذت حاصل کر یعنی اگرچہ تو وصال سے سیر ہو چکا ہے لیکن پھر بھی جمال کے انوار کے کبھی نہ ختم ہونے والے کمالات کے حصول کے لئے ان خمرات سے لذت حاصل کر اور اس کے قرب کی بارگاہ میں اور قریب ہو جا اور ثابت قدم رہ تو میں نے اس حکم کی تعمیل کی تو میں نے ایسے ایسے امور مشاہدہ کئے کہ جن میں سے ہر ایک میری عقل اور فکر کو تباہ کرنے والا تھا اب میری صرف بصیرت باقی رہ گئی تو مجھے ساقی نے اپنی رضا کی بساط کی کرسی پر بٹھا دیا اور مجھ سے جہری اور سری خطاب کئے پردے اٹھ گئے اور میں نے ایسا جمال دیکھا جس کی تعریف کسی طرح بیان نہیں ہو سکتی سو میں بیان سے غائب ہو گیا اور میرا وقت اچھا

ہو گیا مجھے کمال اور ارشاد کا تاج پہنایا گیا پھر میں قوم کا ساقی بنا اور میں نے تو میخانہ غیب کی شراب کے پیالے پلٹنے شروع کیے پھر میں ہر طالب یا اس کو
پلایا جس نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا یہی وجہ ہے کہ میرا گھر اللہ کا گھر بن گیا اور دیکھتا ہے کہ بہت سے گروہ در گروہ ہر طرف سے ازدحام کرتے ہوئے حاجی ہاتھوں میں
لوٹے پکڑے ہوئے آ رہے ہیں۔ وہ مجھ سے سوال کرتے ہیں کہ میں ان کے لوٹوں میں بجائے پانی کے شراب انڈیل دوں تو میں ہر ایک کو شیخ
پیالوں سے وہ شراب تقسیم کر رہا ہوں جو مجھے اللہ نے عطا فرمائی ہے اور خلقت میں [illegible] سو پیالوں میں سے جو بھی اپنے ہجر کی آگ بجھانے کو
پانی چاہے وہ ہماری مجلس میں آ جائے میں ہر ان طالبوں کو آواز دے رہا ہوں اور ہر وقت وہ شراب تقسیم کر رہا ہوں جس سے مجھے میرے آقا رسول
اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مشرف فرمایا ہے وہ میرے مرشد ہیں اور مجھ کو قدیمی شراب پلانے والے ساقی ہیں اور اس کا بیان آپ رضی اللہ عنہ کے
قول وکل ولی لہ قدم وانی۔ اور وجہی صاحب العین الکمال کے تحت آئے گا اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ قدیمی سے مراد قدیمی شراب کا پیمانہ اور
کیونکہ آپ حقیقی ساقی ہیں جو اللہ ذوالجلال والاکرام سے حاصل کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر [illegible] صحابہ اور نائب پر اپنی معلومات کے برابر تقسیم
نازل فرمائے جو آل اور اصحاب اور اتباع اور احباب پر تقسیم کرنے والے ہیں۔

فائدہ: یہ بات تو محقق ہو چکی ہے کہ شیخ [illegible] رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ نے ان دو بیتوں میں اشارہ کیا ہے کہ اس خمر سے مراد خمرات اور صفت
الارشاد کے لحاظ سے وصال کی شراب ہے یعنی میں نے ساقی حقیقی اور محبوب تحقیقی کے ہاتھ سے چھلکنے والے پاک پیالوں سے شراب پی
ہے جس سے مجھ کو وصال اور اتصال کا مرتبہ نصیب ہوا ہے اور اس میں ایک نہایت ایک نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا وصول بھی ایسا
ہے اور آپ کا رشد بھی ارشاد ہے تو آپ ہر ایک درجہ میں خود بھی واصل ہیں اور دوسروں کو وصال تک پہنچانے والے ہیں اور یہ آپ کی پوری
اور راسخ استعداد کی دلیل ہے یہی وجہ ہے کہ بعض اہل کمال نے کہا ہے کہ [illegible] نسبت قاہرہ اور باطن میں نافذ ہے اور اس کا منشا پورا اور کامل
جذبہ ہے جو متابعت محمدی اور موافقت احمدی صلے اللہ علیہ وسلم سے مرتب ہوا ہے کیا آپ نے کبھی آپ کے نام محی الدین کی طرف غور نہیں کیا رضی اللہ
عنہ وارضاہ عنہ یعنی وہ جس نے دین کو زندہ کیا اور اس کو تر و تازگی اور روشنی بخشی جو کہ ایک مریض کی طرح ہو چکا تھا جس کا رنگ بدل چکا تھا۔ جیسا کہ
وہ نہایت جلیل القدر بزرگوں شیخ عمر کمانی اور شیخ عمر بزاز سے بیان کیا گیا ہے [illegible] فرماتے کہتے کہ ایک دفعہ ہمارے شیخ محی الدین
سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا اور ہم کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ نے محی الدین لقب اختیار کرنے کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا میں ایک
دفعہ جمعہ کے روز ۵۱۱ھ میں اپنے کسی سفر سے بغداد کی طرف ننگے پاؤں آ رہا تھا تو میں ایک بیمار آدمی پر سے گزرا جس کا رنگ [illegible] کی طرح [illegible] تھا اس کا بدن
نہایت کمزور تھا اس نے مجھے کہا اے عبد القادر تجھ پہ سلام ہو میں نے اس کو سلام کا جواب دیا تو اس نے کہا میرے قریب ہو میں اس کے قریب ہوا اس نے
کہا مجھے بٹھاؤ میں نے اسکو بٹھا دیا جب میں نے اس کو بٹھایا تو اس کی صورت اچھی ہو گئی اور اس کا رنگ نکھر گیا [illegible] تو مجھے پہچانتا ہے میں نے کہا نہیں کہنے
لگا میں دین ہوں میں اس نوبت تک پہنچ چکا تھا جو تو نے دیکھی اور اللہ نے مجھے تیری وجہ سے زندہ کر دیا سو تو دین کو زندہ کرنے والا ہے میں نے اس کو چھوڑا
اور جامع مسجد کی طرف آ گیا مجھے ایک آدمی ملا اس نے میرے سامنے جوتا رکھ دیا اور کہا اے میرے سردار محی الدین پھر جب میں نے نماز پوری کر لی تو لوگ میری
طرف دوڑ دوڑ کر آنے لگے وہ میرے ہاتھوں کو بوسہ دیتے اور کہتے اے محی الدین حالانکہ اس سے پہلے مجھے کبھی کسی نے محی الدین نہ کہا تھا۔

اشارات لطیفہ: اس واقعہ میں تو اہل کی طرف کئی ایک اشارے ہیں پہلا یہ کہ شیخ نے سیاحت میں کئی ایک سفر کئے ہیں، دوسرا یہ کہ شیخ اس
وقت تجرید کی حالت میں تھے کیونکہ آپ پاؤں سے ننگے تھے اور تیسرا یہ کہ آپ ان سیاحتوں کے باوجود نمازوں میں جماعت کے بڑے پابند تھے
سو جاہل صوفیوں پر افسوس ہے جو بستیوں اور شہروں سے الگ رہتے ہیں اور نماز کی جماعت چھوڑ دیتے ہیں۔ اور یہ بھی تھا کہ آپ کے [illegible]

ایک یہ صورت میں متصور ہوگی تو ہر ایک چیز کی ایک صورت ہوتی ہے لیکن لوگ ان کی صورتوں کو سمجھ نہیں سکتے اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح نہ بیان کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیحات کو سمجھ نہیں سکتے۔ اور سماع کرانا یہ کہ گنہگاروں کے گناہوں سے دین کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اور وہ بیمار ہو جاتا ہے۔ اور اس کی صورت متغیر ہو جاتی ہے سو ان لوگوں پر افسوس ہے جو نسبت قادریہ کا دعویٰ کرتے ہیں اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات پر عمل کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ اور چھٹا یہ کہ اولیاء اللہ کرام دین کے امراض کا نافرمانوں کو ہدایت دے کر علاج کرتے ہیں۔ اور ساتواں یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بات جیسے اللہ عزوجل نے کہے ثابت اور اللہ کے دین کے مجدد ہیں۔ اور آٹھواں یہ کہ دین کو زندہ کرنا عزت کا باعث ہے۔ سو اللہ اور اس کے رسول کی عزت ہے۔ سو لوگوں نے آپ کے سامنے جوتے لا کر رکھ دیئے۔ اور یا سیدی محی الدین کہنے لگے رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ اور نواں یہ کہ اللہ تعالےٰ اپنے دوستوں کی کرامات بندوں کی خدمت پر بے تکلف ظاہر کر دیتے ہیں کیونکہ وہ ملک کا مالک ہے اپنا ملک جسے چاہے عطا کرے سو نام آسمان سے اترتے ہیں۔ اور دسواں یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ کا بندوں کی طرف آنا نماز با جماعت ادا کرنے کے لئے تھا نہ کہ کسی دنیاوی کام کے لئے سو یہ تجرید کے منافی نہیں۔ اور یہ کہ علماء مساجد پر وعظ وغیرہ کے لئے آ جاتے۔ ہلاکت ہے ان لوگوں پر جو دین اور وعظ اور یقین کی تحقیق کی مجالس سے الگ رہتے ہیں۔ سوا کوئی دوسرا یہ سب جیسے ہیں سو ہمارے شیخ رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب "جلاء الخاطر" میں ان کا رد کیا ہے۔ اور گیارھواں یہ کہ اہل علم و کمال در ہدایت وارث شاہ والے کے ہاتھوں کو بوسہ دینا جائز ہے۔ جو اس کا انکار کرتے ہیں وہ اس مسئلہ سے ناواقف ہیں اور اس مقولہ میں کچھ اور بھی حقائق ہیں اگر مجھے ان کی رہنمائی ہو گئی تو میں تم کو ضرور بتاؤں گا ان شاء اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم و احسان سے اس علم پہ فائز ہوں۔

روایت مناسب ہے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ رضی اللہ عنہ سے خوارق (کرامات) کا ظہور صرف ہدایت دینے یا قاصرین کے شکوک دفع کرنے کے لئے ہوتا تھا۔ وہ کرامات بے شمار ہیں ان کو ضبط کرنا ناممکن ہے ہاں میں اس مقام میں ایک مناسب سی کرامات ذکر کرتا ہوں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ ابو محمد صالح مغربی زکاوی نے کہا کہ مجھے میرے شیخ ابو مدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اے صالح تم بغداد شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ۔ وہ تم کو فقر سکھائیں گے تو میں نے شیخ ابو مدین قدس سرہ کے حکم کی تعمیل کی تو میں نے شیخ عبد القادر پر بہت بڑی ہیبت اور جلال اور صفت غالب دیکھی میں نے وہ جلال اور کسی شیخ پر نہ دیکھا تھا آپ نے مجھے خلوت میں ایک سو بیس دن بٹھایا پھر میرے پاس آئے اور فرمانے لگے اے صالح! دیکھو اور خانہ کعبہ کی طرف اشارہ کیا فرمانے لگے کیا نظر آیا؟ میں نے عرض کیا کعبہ پھر مغرب کی طرف اشارہ فرما کر کہنے لگے کیا دیکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا جیسے آیا تھا آپ نے فرمایا کدھر جانا چاہتے ہو؟ کعبہ کی طرف یا شیخ کے پاس؟ میں نے عرض کیا شیخ کے پاس فرمانے لگے ایک ہی قدم سے یا جیسے آئے تھے؟ میں نے عرض کیا جیسے آیا تھا آپ نے فرمایا ہاں یہ زیادہ اچھا ہے۔ پھر فرمایا اے صالح تم اس وقت تک فقر حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ اس کی سیڑھی پہ نہ چڑھو اور وہ توحید ہے یعنی سر کے چشمے سے محدثات کی تختیوں میں سے ہر چیز کو محو کر دو میں نے عرض کیا اے میرے سردار میری مدد کرو کہ میں اس صفت کے ساتھ موصوف ہو جاؤں آپ نے ایک نگاہ مجھ پر ڈالی تو تمام ارادے جو میرے دل سے پہلے ہی سے جاگزین تھے تمام حجابات اور موانع پھاڑ ڈالے جیسے کہ رات کا اندھیرا دن کی روشنی سے پھٹ جاتا ہے اور میں آج تک اس نظر کی برکت سے ہر روز درجہ بدرجہ ترقی کر رہا ہوں۔

عجیب و غریب نکات: اللہ پاک ہے اس کی شان بلند ہے اس قصہ میں کتنے عجیب و غریب لطیفے ہیں۔ پہلا یہ کہ اولیاء اللہ آپ کے زمانہ میں اپنے مریدوں کو شیخ کے پاس تعلیم کے لئے روانہ فرمایا کرتے تھے۔ یا تو اس لئے کہ وہ مرید کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لانے کی طاقت نہ رکھتے تھے جیسا کہ علی بن ہیتی کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے ایک مرید پر احوال کی تمیز مشکل ہو گئی اس لئے اپنے احوال شیخ پہ پیش

کئے تو شیخ نے کہا اس امتیاز کی طاقت صرف شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو ہے جو تصرف کے مالک ہیں چنانچہ مرید آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا اور عنقریب ہی ہم پورا واقعہ آپ سے بیان کریں گے اور یہ واقعہ دلالت کرتا ہے کہ آپ کے قدم تمام اولیاء اللہ قدس اسرارہم کی گردن پر ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ اگر شیخ اپنے مرید کی کوئی مشکل حل کرنے پہ قادر نہ ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مرید کو کسی اور شیخ کے پاس روانہ کر دے اور اسے روک نہ رکھے اور تیسرا یہ کہ مرید کے لئے ضروری ہے کہ اپنے شیخ کے حکم کا تابع رہے اس کے حق میں جو بھی وہ فیصلہ کرے یا جو بھی چاہے کیونکہ طبیب مریض کا علاج جس طرح چاہے کرتا ہے۔ اور چوتھا یہ کہ مجاہدات سے مقصود صرف تحصیل فقر ہے ذکر کوئی اور چیز کشف وغیرہ اور پانچواں یہ کہ باطن کی سلطنت ظاہر پہ جلوہ گر ہو جاتی ہے ان کا نشان ان کے چہروں پہ ہے"۔ اور چھٹا یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ دوسرے شیوخ کی نسبت یگانہ ہیبت اور جلال کے مالک تھے اور ساتواں یہ کہ خدا کے راستہ کے قاصد کے لئے پہلے خلوت ضروری ہے کیونکہ جلوت خلوت کے بعد ہے۔ اور آٹھواں یہ کہ شیخ کی اجازت کے بغیر جسے اسے خلوت میں بٹھایا ہے خلوت سے باہر نہ نکلے اور نواں یہ کہ ضروری ہے کہ مرید کا مطمع نظر صرف شیخ ہی ہو نہ کوئی دوسری چیز اگرچہ وہ کعبہ ہی کیوں نہ ہو اور دسواں یہ کہ مرید کے لئے ضروری ہے کہ شریعت کی متابعت کا طالب ہو نہ کہ خوارق کا کیونکہ وہ ہر چیز سے زیادہ کامل تر ہے اور گیارھواں یہ کہ ہر چیز اسباب مہیا ہونے کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے اور فقر کی سیڑھی توحید ہے اس وقت مرید کاملین کی ایک ہی نگاہ سے اپنے عارضی وجود سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور بارھواں یہ کہ شیخ بزرگ کی ایک ہی نگاہ باطنی امور میں ہر کام کے لئے کافی ہوتی تھی اور تیرھواں یہ کہ اللہ ایمانداروں کا دوست ہے وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے لیکن اس کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ کسی شیخ کامل اکمل رضی اللہ عنہ کی نگاہ ہو جو اس کو اندھیروں سے نکالے۔

اتنے غرائب تو ظاہری حصہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اس کے باطن میں بھی کچھ رموز ہیں جنکو ادراکات اور عقول ضبط نہیں کر سکتے اے اللہ میرے علم اور فہم اور حال اور مقام کو زیادہ کر دے تمامتر تعریف اللہ رب العالمین کے لئے ہے اور درود اس کے رسول اور ان کی آل اور ان کے نائب پر ہو اے اللہ ہمیں اپنی محبت کی شراب اپنے حبیب کی شریعت کے پیالوں میں پلا۔ اور اے رحیم اے سخی اے کریم ہمیں اپنی توحید کی شراب اپنی ذات و صفات کی معرفت کے ہاتھوں سے پلا۔ میں ایک پیاسا بندہ ہوں بہت پیاسا۔ آگ کے شعلے میری انتڑیوں میں بھڑک رہے ہیں پانی پانی۔ پلاؤ پلاؤ اے نعمتوں کے دینے والے اے انعامات عطا کرنے والے اپنے حبیب پہ مع ان کی آل اور اصحاب و ازواج کے رحمتیں نازل فرما

(س) فَقُلْتُ لِسَائِرِ الْاَقْطَابِ لُمُّوْا بِحَالِیْ وَادْخُلُوْا اَنْتُمْ رِجَالِیْ

قُلْتُ کے قول کے بیان یا تفسیر کے لئے ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خالص تعقیب کے لئے ہو اور پہلے جملہ پہ عطف ڈالنے کے لئے ہو اور قول کا معنی کہنا ہے اور اس جگہ اس سے یا تو زبان کا قول مراد ہے جیسا کہ اس کی طرف اس کا لُمُّوْا کے بعد لانا اشارہ کر رہا ہے جو کہ قصد قلبی پہ دلالت کرتا ہے اور اس صورت میں یا تو اقطاب آپ کی مجلس میں حاضر ہوں گے یا وہ اپنے عبادت خانوں میں ہوں گے اور شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ کے کلام کو کرامت سے سنتے ہوں گے جیسا کہ عبدالرحمٰن طفسونجی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آپ بغداد سے کئی منزل دور رہتے تھے اور وعظ کے دن آپ رضی اللہ عنہ کے کلام کو سنا کرتے تھے اور اس کا بیان عنقریب آئے گا یا دل یا روح کا قول مراد ہو جیسے کہ کاملین کے ارشاد کی حالت ہوتی ہے جن کے دلوں کی زمین اللہ کے نور سے روشن ہو چکی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کے قول سے مراد قول حالی ہو یعنی شراب وصال کے پیالے پینے کے بعد میرا حال یہ ہے کہ قیامت تک جو شخص اللہ تعالےٰ کی ملاقات اور وصال کا ارادہ رکھتا ہو اسے میرے طریقہ میں داخل ہونا چاہئے ساقی۔ مگر۔ اور مجلس موجود ہے اور یہ معنی آپ رضی اللہ عنہ کے قول کے زیادہ مناسب ہے۔ جو آپ نے اپنے بعض قصائد میں فرمایا ہے کہ (توحید)

Scanned by CamScanner

حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت کے مقام میں میرا والی ہے۔" حاصل کلام یہ کہ آپ قیامت تک معزول نہیں ہونگے اور جو بھی آپ کے بعد آئے گا وہ آپ رضی اللہ عنہ کی تبعیت اور ظل میں آئے گا اور اس معنی کی طرف آپ رضی اللہ عنہ کا یہ قول اشارہ کر رہا ہے کہ "میرے یہ قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہیں" اور اس کا بیان آپ کے قول "وکل ولی لہ قدم" والی کے تحت آئے گا۔ جیسا کہ معنی اول آپ کے قول لمّوا و نہ مجالی اور ادخلوا کے زیادہ مناسب ہے اور ساٹر سور بمعنی بانی سے لیا گیا ہے یا سور البلد (شہر کی فصیل) سے تمام کے معنی میں اور یہ دونوں معنی ہی مراد لئے جاسکتے ہیں۔ لیکن دوسرا معنی زیادہ بہتر ہے اور اقطاب قُطْبٌ کی جمع ہے۔ رشیدی میں کہا ہے کہ قطب تینوں حرکات سے چکی کی میخ کو کہتے ہیں کہ جس کے ارد گرد چکی پھرتی ہے اور ضمہ (پیش) کے ساتھ ایک ستارہ کا نام ہے جس کی مدد سے مسجدوں کے قبلے درست کرتے ہیں۔ اور سردار قوم اور سپہ سالار اور مدار کار اور ہر چیز کا اصل اور یہاں اس سے مراد وہ اولیاء اللہ ہیں جو ایک مخصوص مقام پر ہیں جیسا کہ اس کی تفصیل انشاء اللہ آپ کو معلوم ہو جائے گی۔ الَمّ اور المام کا معنی ہے۔ نیچے آنا اور کسی جگہ سے کسی جگہ پر اترنا "یا مسافرت سے آنا" کہا جاتا ہے اَلَمَّ بالمکانِ جب وہ کسی جگہ پر اترے یا اَلَمَّ المسافر جب وہ سفر قطع کرے اور دونوں معنی ہی آپ کی مراد کے مناسب ہیں اور بعض نسخوں میں اُمُّوا بالضم الہمزہ ہے۔ یہ اَمَّ یَؤُمُّ سے امر کا صیغہ ہے جیسے کہ وہ پہلے لفظ پر لَمَّ یَلُمُّ سے امر کا صیغہ ہے۔ پس الم اور لم کا ایک ہی معنی ہے اور لغت کے لحاظ سے ان میں فرق ثابت نہیں ہے۔ پہلے لفظ پر اس کا معنی ہوگا اترو اور دوسرے پر اس کا معنی "قصد کرو"۔ اور حال کا معنی لغت اور اصطلاح کے لحاظ سے عنقریب بیان ہونگے اور دخول اندر آنا اور رجال رجل کی جمع ہے بمعنی پیادہ اور یا پھر مرد کے معنی ہوگا اور یہ دونوں معنی ہی شیخ کے ارادہ کے موافق ہیں۔

نحو: فا مفسرہ ہے یا عاطفہ ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور ہو سکتا ہے کہ شرط کی جزا محذوف ہو یعنی جب میں حاکم ہوا تو میں نے ارشاد کی وجہ سے کہا اور لام قول کا صلہ ہے اور معنی یہ ہے کہ میں نے ان پر یہ حکم نافذ کیا۔ اور اگر اس کا صلہ عن کا کلمہ ہو تو وہ حکایت کے معنی میں ہوگا۔ اور ساٹر کی اقطاب کی طرف اضافت یا لامیہ ہے یا بیانیہ اور لام استغراق عرفی یا حقیقی کے لئے ہے اور مجالی میں با یا تو صلہ کے لئے ہے اور وہ ظاہر ہے یعنی میرے حال میں اترو یا ملابست کے لئے ہے یعنی اپنے خیال اور علوم سے میرے خیال میں آؤ۔ اور میرے حال کا لباس پہنو یا پھر الصاق کے لئے ہو یعنی میرے حال سے ملنے والے یعنی تم مقام عرفان میں اترنے کی قدرت نہیں رکھتے مگر یہ کہ تم میرے حال کا لباس پہن لو یا میرے حال سے مل جاؤ اور تلبس اور الصاق ہمارے مطلب کے مطابق فرق یہ ہے کہ پہلے میں تشبث (رنگینی) پائی جاتی ہے۔ اور دوسرے میں تخلّق اور اللہ ہی آپ کی مراد کو خوب جانتے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ با فی کے معنی میں ہو اور یہ معنی کے لحاظ سے زیادہ ظاہر ہے یعنی میرے حال میں اترو اور داخل ہو جاؤ۔ اور واؤ لمّوا پر عطف کے لئے ہے اور یہ عطف جائز ہے کہ الالمام کی تفسیر کے لئے ہو یعنی میرے حال میں اترو کا معنی ہوگا کہ میری حالت میں داخل ہو جاؤ اور میری صفات سے متصف ہو جاؤ اور میرے اخلاق سے متخلق ہو جاؤ یعنی ظاہر سے باطن میں داخل ہو جاؤ اور فنا فی الشیخ ہو جاؤ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک زائد فائدہ دینے کے لئے ہو یعنی صرف اترنا کافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ تم اس کے بعد ترقی کرو اور میرے گھر کے دروازے کے اندر آجاؤ تاکہ حال اور صاحب حال دونوں تمہارے سامنے آجائیں اور تم پر نور اور جمال کا سورج طلوع ہو جائے۔ اور انتم رجالی جملہ مستانفہ ہے اسے ایک فائدہ کے لئے لایا گیا ہے جسے آپ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے انشاء اللہ بلاغت کے عنوان میں معلوم کرلیں گے

بلاغت: قول کو پیچھے لانے میں یہ اشارہ ہے کہ میرا مفہوم اور قصد بالکل پورے تھے اور وجود ذہنی سے نکل کر خارجی وجود پر ظاہر ہو رہے تھے۔ جیسا کہ خاص لوگوں کی حالت ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ چاہتے ہیں کر لیتے ہیں۔ اور فا میں جو بغیر کسی فاصلہ اور مہلت کے تعقیب کے لئے آتی ہے میں ایک باریک نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ارادہ اور قصد دونوں قول کے ساتھ ہی ملے ہوئے تھے ان میں کوئی مہلت نہ تھی اور پھر قول کے لفظ میں ایک

Scanned by CamScanner

اور نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اقطاب اپنی زبان حال سے مجھ سے سوال کر رہے تھے۔ تو میں نے ان کو جواب کے طور پر یہ قول کہا جیسا کہ ایک مشفق ادیب جواب دیتا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ میں تمہارے لئے ایسا ہوں جیسا بیٹے کے لئے باپ۔ اور لفظ ساترہ اور لام استغراق لانے میں یہ اشارہ ہے کہ اقطاب مجھ سے نچلے درجہ میں تھے۔ اور وہ میری راہنمائی کے محتاج تھے اور لفظ لمّوا میں جو نزول اور کسی جگہ پر استغراق معنی دیتا ہے۔ یہ اشارہ ہے کہ اقطاب جاننے کے متعلق ایک زلزلہ اور تردد کی حالت میں تھے کبھی ایک قدم آگے رکھتے اور پیچھے ہٹا لیتے تو شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ نے ان کو مخاطب کر کے ایسی تسلی فرمائی جو تجلی اور تحلی (آراستہ ہونا) کی باعث تھی اور لفظ بحالی میں اشارہ ہے کہ شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ کا حال مسافر کے لئے منزل اور پریشان کے لئے ملجا و ماوٰی کی حیثیت رکھتا ہے اور لفظ لمّوا کو جمع لانے اور یائے متکلم مفرد لانے میں آپ کے وسعت حال کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کا حال ہر اس آدمی کے لئے منزل اور جائے پناہ ہے جو اس میں اترے اور داخل ہو جائے اور لفظ واد خلوا میں اشارہ ہے کہ تمام اقطاب باوجود اپنے مراتب عالیہ کے آپ کے حال کے شہر اور آپ کے احوال کے محلات سے باہر تھے رضی اللہ عنہ تو گویا کہ آپ کا حال ایک حصار (فصیل) تھا اس کے لئے ایک دروازہ ہے اور دروازہ پر پردہ ہے جو ان کو بغیر اجازت اندر داخل ہونے سے روک رہا ہے وہ ایک زبردست بادشاہ کی اجازت کے بغیر اس پردہ کے اندر نہیں داخل ہو سکتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ان کو اندر آنے کی اجازت دی اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ تو دروازہ سے باہر ہی رہنے پر قناعت کئے ہوئے تھے حالانکہ عجائبات دروازہ کے اندر تھے تو ان کو شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ نے داخل ہونے کا حکم دیا تاکہ ان کو ترقی حاصل ہو اور وہ گڑھوں سے نکل کر کمال کی بلندیوں تک پہنچ جائیں کیونکہ ہر ایک علم والے سے کوئی اور زیادہ علم والا ہے۔ اور ہم نے ان کے بعض کو بعض پر درجات میں بلندی عطا فرمائی اور خبر جملہ انتم رجالی کے زیادہ کرنے میں ایک اور نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان مناسبت اور تعلق کی وہ نسبت ہے جو سوار بادشاہ کے سامنے ایک پیدل کی ہوتی ہے یا ایک سپاہی اپنے مالک بادشاہ سے ہوتی ہے یا ایک خادم کا تعلق اپنے مخدوم سے ہوتا ہے کہ تم ہمارے خدام میں سے ہو خوف کھاؤ اور نہ ہماری عظیم ہیبت سے مایوس ہو جاؤ گویا کہ وہ اپنے خیال کے مطابق عزت کی چوٹیوں پر بلند اور علم و معرفت کے گھوڑوں پر سوار تھے تو شیخ بزرگ نے ان کو ڈرایا کہ اپنی معرفت کے گھوڑوں سے نیچے اترو اور ہمارے اندر داخل ہو جاؤ کیونکہ تم ایک پیادہ آدمی ہو تمہارے پاس سواری نہیں ہے بلکہ تم ہمارے حال کی نسبت سے اس آدمی کی طرح ہو جو اپنے پاؤں سے پیدل چل رہا ہو۔ اور اس معنی کے لحاظ سے انتم رجالی کا قول جملہ مستانفہ ہوگا۔ جو کہ لمّوا اور وادخلوا کے قول کی علت بیان کرنے کے لئے ہوگا۔ اور اس کے معنی کے مطابق اس میں کئی ایک رموز ہیں جنکو بیان کرنے کی زبان کو طاقت نہیں ہے اے اللہ مجھے علم زیادہ عطا فرما اور آپ کے کلام رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کی شرح کی مجھے توفیق بخش اے اللہ اے رب اے رحمان۔

عجیب شراب :۔ اور اس بیت شریف کا معنی یہ ہے کہ جب خمرہ دوڑ اور چل کر میرے پاس آگئی تو میں نے ہر ایک قطب کو آواز دے کر کہا کہ میری طرف آؤ اور دوڑو اور قصد کرو تاکہ میں تم کو وصال کے پیالے پلاؤں جو مجھے محبوب حقیقی نے پلائے ہیں اور اس خمرہ کو میرے تصرف میں دیدیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ میری ملکیت ہو گئی ہے میں جس طرح چاہوں اس کو خرچ کروں لیکن تمہاری استعداد اور تمہارے حالات اس بات کی طاقت نہیں رکھتے کہ تم اس جلانے والی آگ کی بجلیوں اور شعلوں کو برداشت کر سکو جو دلوں پر طلوع ہوتی ہے کیونکہ اگر یہ پہاڑ پر تجلی کرے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں سمندروں پر کرے تو ان کے پانی خشک ہو جائیں اور اگر آسمانوں پر تجلی ہو تو وہ پھٹ جائیں اور زمینوں پر تو وہ بھی پھٹ جائیں یہ محمدی اور احمدی شعلے ہیں جن کو میں نے محض اپنے نانا کی تربیت سے حاصل کیا ہے جو حقیقت میں میرے مربی ہیں

موسیٰ علیہ السلام اس کی چمک سے بیہوش ہو کر گر پڑے تھے تو تم ان انوار کو حاصل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہاں اگر تم اپنے حالات سے نیچے اتر کر میرے حال سے استواری حاصل کرو اور اپنے بقیہ ارادوں کو چھوڑ کر میرے ارادے سے باقی ہو جاؤ اور میری سعادت سے سرفراز ہو جاؤ یہاں تک کہ تم میں قوت اور استعداد پیدا ہو جائے تو اس کو قوت سے پکڑ لو اور اپنے مریدوں کو اس کی اتباع کا حکم دو اور میری توجہات کے حصار میں داخل ہو جاؤ اور میری شعاعوں کی بساط پر بیٹھو اور میری رضا کا خلعت زیب تن کرو اور لقا کے تاج اپنے سروں پر رکھو تو پھر تم اس شراب کو پینے کی طاقت رکھو گے جو میں نے پی ہے اور اس مستی کی طاقت رکھو گے جس سے میں مست ہوا ہوں اور یہ میں تمہیں اس لئے کہتا ہوں کہ تم میرے اپنے آدمی ہو جو میرے ادب کے لحاظ سے پیدل چل رہے ہو اور میرے سامنے بے وقعت ہو اور بادشاہ اپنے لشکریوں سے صرف آداب ہی کا مطالبہ کرتے ہیں سو تم ادب اختیار کرو تاکہ تم کو کرامات اور سعادت کا حاصل کرنا آسان ہو جائے اور خلعت اور تاج اور بندگی نصیب ہو اور اس معنی کی یہ الفاظ تائید کرتے ہیں۔ وہموا اشربوا انتم جنودی۔ اور معنی اس طرح بھی درست ہو سکتا ہے کہ خمرہ کی سعی اور مشی اور اس کے میری ملکیت ہو جانے کے بعد میں نے اقطاب میں سے ہر فرد کو کہا دوڑو اور میرے حال کے گھر کے گرد اگرد اترو میرے مرتبہ کے کعبہ کا طواف کرو اور میرے قرب اور وصال باللہ کے گھر کے دروازے میں داخل ہو جاؤ کیونکہ تم میرے تابعداروں اور خادموں میں سے ہو پوری ہمت کے ساتھ میرے پیالے پیو جب تم ایسا کرو گے تو پی سکو گے کیونکہ ساقی قوم کے پاس شراب سے بھرے ہوئے پیالے ہیں جو اس کے پاس ہے وہ ختم نہیں ہوگا اور جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور اس معنی کی تائید شیخ بزرگ کا ایک اور قصیدہ میں یہ قول کرتا ہے کہ اے اقطاب میرے کعبہ کا حج کرو میرے پیالوں کی طرف دوڑو اور میرے مشکوں کا طواف کرو اور معنی اس طرح بھی درست ہو سکتا ہے کہ میں نے اقطاب میں سے ہر فرد کو کہا کہ قصد کرو اور اترو اور میرے حال کے سمندروں میں غوطہ زنی کرو اور ان کی گہرائیوں میں داخل ہو جاؤ اور میرے وہ پیالے پینے کے بعد جو مجھے میرے رب نے عطا کئے ہیں اور میرے محبوب نے مجھے پلائے ہیں تم جواہرات اور موتی حاصل کرنے کے لئے غوطہ زنی کر سکو گے کیونکہ تمہاری اپنی طاقت ہی نہیں کہ تم غوطہ لگاؤ یا گہرائی میں اترو ہاں اگر تم میرے پیالے پی لو اور جام لنڈھا لو تو پھر طاقت مل سکے گی اور اس معنی کی تائید آپ کا وہ قول کرتا ہے جو آپ نے ایک اور قصیدہ میں فرمایا ہے۔ اے دوستو میری بارگاہ کا قصد کرو میرے پیالوں سے عیش حاصل کرو میرے الحان کے نغمے سنو اور میرے سمندروں میں غوطہ لگاؤ میرے جواہرات اور سونا اور یاقوت اور موتی اور مونگے حاصل کرو اور آپ کے اس کلام بزرگ سے معلوم ہوتا ہے کہ پینے والا جب وصال کی شراب پی لے تو اس کو ستری اور قدسی کلام کا سننا حاصل ہو جاتا ہے اور اسرار اور توانی معلوم کر لیتا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا تم پر پہلے ضروری ہے کہ میرے پیالے پیو اور ان سے عیش حاصل کرو پھر تم میرے الحان کے نغمے سن سکو گے اور یہ معنی بہت سی تفصیل کا طالب ہے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ ہم عنقریب اس کی تفصیل بعض ابیات شریفہ کے تحت بیان کریں گے اور اس بیت کا معنی تو اس قبیل سے ہے کہ اگر میرے رب کے کلمات کے لئے سمندر سیاہی بن جائیں تو وہ بھی ختم ہو جائیں لیکن میں اسی قدر پر اپنے قلم کو روک لوں گا جتنا لکھنے کا مجھے حکم ہوا ہے اے اللہ اس قصیدہ مبارک کی شرح میں میرے علم کو زیادہ کر تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے میں ہی ظالموں سے تھا اے اللہ بخش اور رحم فرما اور تو بہترین رحم کرنے والا ہے۔

تشریح عجیب:۔ آپ کے لئے یہ معلوم کرنا نہایت ضروری ہے کہ اقطاب سے مراد یا تو مطلق اولیاء ہیں اور اقطاب سے ان کو ان کی رفعت شان کی وجہ سے تعبیر کیا ہے۔ کہ وہ اکثر اولیاء سے بلند مرتبہ ہیں کیونکہ اولیاء کی کئی ایک قسمیں ہیں جیسا کہ ان کی تحقیق انشاء اللہ عنقریب آ جائے گی۔ اور یا پھر واقعی اقطاب ہی اس سے مراد ہیں اور چونکہ اقطاب دوسرے تمام اولیاء اللہ سے اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں چنانچہ غوث بھی اقطاب ہی میں

سے ہوتا ہے جیسا کہ آئندہ آئے گا تو صرف ان کے ذکر پر ہی اکتفا کر لیا ہے (اور دوسرے اولیاء ان کے تحت آ گئے ہیں) اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہر ایک درجہ کے اقطاب مراد ہوں جیسا کہ مخفی نہیں ہے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ "میرے یہ قدم ہر ایک ولی اللہ کی گردن پر ہیں" پس شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کا یہ کلام یا تو اقطاب کی تسلی کے لئے ہے کہ جب انہوں نے آپ کے علو حال اور رفعت شان کا مشاہدہ کیا ہو اللہ عنہ تو شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کے مرتبہ کی مناسبت سے مایوس نہیں ہوتے اور تلاش کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ میرے حال میں ٹھہرو اور میرے وصال کے گھر کے دروازے میں داخل ہو جاؤ یہاں تک کہ تم میرے ساتھی بننے کی استعداد پیدا کر لو تو ان کو اسباب تغیر سے استعداد حاصل کرنے کا طریقہ سکھلا دیا کیونکہ عادت اللہ یہی ہے کہ شیخ کا وسیلہ ضروری ہوتا ہے۔ اگر آپ یہ سوال کریں کہ آیا استعداد کسب سے پیدا ہوتی ہے یا یہ فطری چیز ہے؟ تو میں کہوں گا کہ ممکن ہے کہ یہ کلام استعداد کی زیادتی کے فائدہ کے لئے ہو نہ کہ نفس استعداد کے پیدا کرنے کے لئے اور استعداد کی نشوونما تو اس کے بعد کی چیز ہے اگرچہ یہ محال کو مستلزم تو نہیں ہے خصوصاً کسی کامل سے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے تمکین اور تمکین کا مرتبہ عطا کیا ہو جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی کرامات میں بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ علی بن ہیتی کے مرید پر حال مشتبہ ہو گیا تو انہوں نے اس مرید کو اس کی تفصیل و تمیز کے لئے سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کا حکم دیا کیونکہ ان کے سوا کوئی دوسرا اس پر قدرت نہیں رکھتا تھا چنانچہ وہ مرید شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا جب شیخ نے اس کو دیکھا تو اسے اپنے پاس آنے اور بیٹھنے کا حکم دیا چنانچہ وہ طالب آ کر بیٹھ گیا اور وہ ابو الحسن تھا کہتے ہیں کہ شیخ نے اپنے گھٹنے سے ایک دھاگا نکالا جو پانچ دھاگوں سے بٹا ہوا تھا تو آپ نے اس دھاگے کی ایک طرف سے خود پکڑ لیا اور اس کی دوسری طرف میرے ہاتھ میں دے دی پھر آپ اس دھاگے کے پیچ (بٹ) کھولنے لگے پھر جس جس طرح پیچ کھلتے گئے میرا وارد بھی کھلتا گیا اور ایک عظیم وسعت پیدا ہو گئی جس کی کوئی انتہا نہیں تھی اور میں کئی ایک ایسے امور کا مشاہدہ کر رہا تھا کہ حقیقت اس سے پہلے مجھے کبھی معلوم نہ ہوئی تھی چنانچہ وہ میرا وارد بالکل صاف کھل گیا اور میں اس کی مخفی چیزوں پر مطلع ہو گیا پھر اس سے ایسے انوار پیدا ہوئے جس سے اسرار ظاہر ہو گئے اور قوائے روحیہ طاقتور ہو گئے تو اس وارد سے حجابات دور ہو گئے۔ تو شیخ نے میری طرف نگاہ کی اور فرمایا "اس کو طاقت سے پکڑو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اس کی اچھی باتوں کو قبول کریں"۔ خدائے پاک کی قسم نہ تو شیخ سید عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے کوئی بات کی اور نہ میں نے ان سے کی۔ پھر میں اپنے شیخ کے پاس آیا اور بتایا کہ نہ میں نے آپ سے گفتگو کی نہ آپ کے پاس کلام ہوئی تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ شیخ عبد القادر عارف علماء کے بادشاہ ہیں اور دیدہ ور متصرفین کی مہاریں ان کے ہاتھ میں ہیں اے ابو الحسن تیرا یہ وارد اس قسم کا تھا کہ اگر شیخ سید عبد القادر جیلانی نگاہ نہ کرتے تو یہ کبھی نہ کھلتا کیونکہ اس جنس کے اس سے ہلکے وارد ول [illegible] نکل جاتی ہیں۔ اور اگر وہ تجھ کو "قوت سے پکڑ" نہ فرماتے تو ان مجذوبوں میں سے ہو جاتا جن کی عقلیں جل جاتی ہیں اور تیرا حشر انہی میں ہوتا اللہ تعالیٰ نے تجھ کو یہ فرمایا کہ "اپنی قوم کو حکم دو" تو آپ نے تجھ کو مقتدی بنا دیا جس سے اقوام ہدایت پائیں۔

اس حکایت شریفہ سے آپ کو یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ شیخ بزرگ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنہ اہل قدرت و تکوین و تصریف میں سے تھے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جو چاہتے قائم رکھتے اور جو چاہتے مٹا ڈالتے اور اس کی تفصیل آپ رضی اللہ عنہ کے قول "وافعل ما تشاء فالاسم عال" [illegible] آپ کے قول "وعبد القادر المشہور اسمی" کے تحت انشاء اللہ تعالیٰ خدا کے فضل و کرم سے آئے گی۔ اور یا پھر قرب اور وصال کے حصول کے بعد کی ابتداء ہے تو اس صورت میں آپ کا قول "سقانی الحب" سے کر "نعمت لسکرتی بین الموال" تک اس افادہ کے لئے ہوگا کہ قرب اور وصال کا مرتبہ مجھے پوری طرح مل چکا ہے اور میں اس وصال پر پوری طرح قائم ہو چکا ہوں اور یہ قول یعنی "فقلت" سے لے کر آپ کے آخر قول تک

Scanned by CamScanner

القوم بالوانی الملال تک تصریح ہے کہ آپ کو مرتبہ ارشاد حاصل ہو چکا ہے۔ اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ارشاد کا مرتبہ کمال اور وصال کے حصول کے بعد ہوتا ہے جیسا کہ یہی پورا اور زیادہ فائدہ مند طریقہ ہے۔ کیونکہ ناسوت کی گمراہیوں کے خصیص اور بشری میل کچیل کے تفرقات سے باہر نکالنے کے لئے قوت روحیہ ضروری ہے اور یہ قوت حیوانی ہلاکتوں سے باہر نکلے بغیر جو کہ انسان کو مٹی کی کثافت کی طرف کھینچتی ہیں تقریباً محال ہے یہی وجہ ہے کہ شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ نے فرمایا ہے کہ پہلے اللہ عزوجل کے ساتھ ایمان اور معرفت حاصل کر اور قرب کی طاقت پیدا کر پھر اللہ عزوجل کا نائب بن کر خلقت کی طبابت شروع کر تجھ پر افسوس ہے کہ تو لوگوں میں زندگی گزار کس طرح دوڑاتے گا جب کہ تو طبابت کی صنعت ہی کو نہیں جانتا اور نہ تو نے خود تریاق نوش کیا ہے۔ اور جو لوگوں کی آنکھوں کا علاج کیسے کر سکتا ہے جو گونگا لوگوں کو کیسے تعلیم دے سکتا ہے اور جاہل دین کو کس طرح قائم کر سکتا ہے جو دروازے کا خود ہی دربان نہیں ہے وہ بادشاہ کے دروازے پر لوگوں کو کیسے پہنچا سکتا ہے اس کو یاد رکھ

اب باقی رہا یہ کلام کہ آیا ناقص کے لئے جائز ہے کہ وہ ارشاد میں مشغول ہو یا نہیں تو اکثر اس کے منکر ہیں اور بعض اس کے قائل بھی ہیں اور یہ اجازت اس بنا پر ہوتی ہے کہ اس کے فیض سے مرشد ناقص خود بھی کامل ہو جاتا ہے کیونکہ ارشاد سے برکات وانوار حاصل ہوتے ہیں جیسا کہ شیخ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ نے یعقوب چرخی کو ارشاد کی اجازت دے دی حالانکہ آپ ابھی ابتدائی مراحل میں تھے اور ناقص تھے اور فرمایا اس میں حکمت یہ ہے کہ اس سے ہدایت پانے والی جماعت کے روحانی نور کی برکات یعقوب کمل ہو جائیگا

اور میرا خیال یہ ہے کہ ناقص کے ارشاد کو کامل کے حکم سے مقید کر دینا چاہئے۔ خواہ وہ حکم بیداری کی حالت میں ہو جیسا کہ یعقوب چرخی کا معاملہ ہے یا نیند میں ہو جیسا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس سے مشرف فرمایا حالانکہ میں ان دنوں ذکر قلبی میں مشغول تھا اور اس کا بیان اس طرح ہے کہ میں نے خواب دیکھا کہ شیخ بزرگ نے مجھ کو حکم فرمایا کہ یہ علم مجھ سے لے لو اور اپنے زیر سایہ میرے مریدوں کو طلب کرو۔ بیدار ہونے کے بعد میرے دل نے شہادت دی کہ یہ خواب سچا ہے لیکن میرا حال سراسر معصیت اور ظلمت تھا۔ مجھے یہ کہاں طاقت تھی کہ میں شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے مریدوں کو طلب کرتا تو ناگہاں اسی دن ایک آدمی میرے پاس آیا اور مجھ سے طریقہ قادریہ طلب کیا تو پھر میں نے اس اشارہ کو سمجھ لیا اور ارشاد میں مشغول ہو گیا اور پھر میں نے اس حکم کی حکمت کو سمجھ لیا اور وہ ارشاد میرے لئے ترقی اور تربیت میں امداد تھا اور اس صورت میں مامور صرف ایک بہانہ ہوتا ہے اور حکم دینے والا حقیقی مرشد ہوتا ہے۔ بالفعل تو ممد کار ہوتا ہے اور ہدایت حکم دینے والے کی طرف سے ہوتی ہے اللہ پاک ہے اس کی دلیل غالب ہے وہ جسے چاہے حکمت عطا کرے اسی کے لئے تعریف ہے اور اسی کی بادشاہی ہے۔

ایک چھینٹا اور فائدہ:۔ جب کامل اور ناقص کے ارشاد کے متعلق کلام پورا ہو چکا تو اب یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ اصطلاح میں کامل سے مراد کون ہے؟ سو کامل وہ آدمی ہے جو اخلاق الٰہیہ سے متخلق اور اوصاف قدسیہ سے متصف ہو چکا ہو اور اچھے اخلاق اس کی طبیعت ثانیہ بن چکے ہوں مثلاً بخشش۔ جود۔ سخاوت۔ خیر خواہی۔ حوصلہ۔ حیا۔ رحم۔ شفقت۔ وفا اور دنیاوی تعلقات سے علیحدگی اور روحانی ملکات سے فخر اور دنیا والوں سے منہ پھیر لینا اور تقدیر خداوندی پر کبھی اعتراض نہ کرنا مصیبتوں پر صبر سے آراستہ ہونا اور نعمتوں پر شکر کرنا اور نفس و ہوا و ہوس کی پیروی نہ کرنا۔ فخر اور ریا سے پرہیز کرنا اور جور و جفا سے پاک ہونا اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب بغیر کسی ملال اور تکلیف کے کرنا باطنی ہونے کے باوجود صفا و صدق سے غنا کا اظہار کرنا اور فقر و فنا پر فخر کرنا۔ تواضع۔ مروت۔ جوانمردی۔ پرہیزگاری اختیار کرنا اور خدا تعالیٰ کی عبادت تکلیف اور خوشی میں خوف اور رجا سے کرنا اور جلوت و خلوت پاکدامنی کے ساتھ درستی کی کوشش کرنا اور شریعت مطہرہ کی راہ میں ثابت قدم رہنا اور فقیر سوالیوں پر حلال رزق سے خرچ کرنا۔ علما اور صلحا سے مضبوط محبت رکھنا۔ غریبوں اور عارفوں کی عزت کرنا اور

زہد اور تقویٰ حاصل کرنا.
دشمنوں کے متعلق اللہ تعالیٰ سے بھلائی اور خیر خواہی طلب کرنا اور علم۔

پھر اگر آپ یہ پوچھیں کہ کیا کامل کے لئے علوم ظاہری کا عالم ہونا مثلاً نحو، صرف، تفسیر، حدیث، فقہ، اور کلام وغیرہ کا ماہر ہونا بھی جو دین کی بنیاد ہے ضروری ہے یا نہیں؟ تو میں کہوں گا نہیں بلکہ اس کے لئے ضروری علم سے واقف ہونا مثلاً اعتقادیات، اور عملیات میں مسائل فقہیہ کا جاننا کافی ہے۔ ہاں اس کے بعد اس کا علم باطنی سے پوری واقفیت رکھنا ضروری ہے جس پر سلوک اور مکاشفات کا دارومدار ہے اور ارشاد کے وقت توحید اور الحاد میں فرق کر سکے گا اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ طریقت میں واقع ہونے والی منازل سے پوری طرح آگاہ ہو تاکہ کشف اور الہامات میں غلطی نہ کرے اور اس سے رحمانی اور ملکی اور نفسانی و شیطانی خیالات میں فرق کر سکے۔ ورنہ وہ ایسے لوگوں سے ہوگا جن کے متعلق نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو آدمی بغیر علم کے زہد اختیار کرے وہ بے دین ہو جاتا ہے۔ اور اسی لئے یہ شرط رکھی گئی ہے کہ وہ اور مکمل ہونا چاہیے جس نے عزیمت کی مہار تھام لی ہو اور طریقت کے منازل کا سالک ہو اور اتنا علم اس کے لئے کافی ہے اور اگر اس کے ساتھ وہ علوم ظاہری مثلاً عقلیات، حکمیات اور نقلیات اور حقائق یقینیہ اور معارف دینیہ کا جامع بھی ہو کہ اگر اس سے کسی طرح کا بھی سوال کیا جائے تو وہ جواب دے سکے تو ایسا آدمی نور علیٰ نور ہے۔ یہ کامل مکمل اکمل ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ظاہری اور باطنی علوم کا وارث ہے وہ ان لوگوں سے ہے جن کے متعلق فرمایا "علما نبیوں کے وارث ہیں۔" علی نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔ ایسا آدمی کبریت احمر اور سب بڑا خزانہ ہے وہ طریقت، حقیقت، معرفت اور شریعت کے مراتب کا جامع ہے یہ انسان کامل ہے۔ انسانوں کی آنکھوں کی پتلی ہے یہ یہی کا مظہر ہے یہ زمین میں اللہ کا خلیفہ ہے یہ دلوں کو زندہ کرتا ہے اور نفوس کو مارتا ہے اے اللہ ایسے لوگوں کی نگاہ کے انوار سے ہمارے دلوں کو روشن فرما اور ان کے اسرار سے مشرف فرما تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیرے ہی لئے تعریف ہے اور تیرے نبی احسان کی آل اور اصحاب اور نائب پر درود ہو۔

ایک عجیب تقسیم: شیخ محی الدین ابن عربی نے حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ کے تحت جو فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ولایت گویا نبوت کی تقسیم ہے کہ ولایت ایک فلک محیط عام ہے جو ختم نہیں ہو سکتا اور نبوت تشریعیہ اور رسالت منقطع ہو جاتی ہے اور اس مقام کی تفصیل بسط کلام کا تقاضا کرتی ہے میں یہ مقصد مختصر طور پہ بیان کرتا ہوں خدائے واحد لاشریک کے فضل سے سنو کہ ولایت اس سے عبارت ہے کہ بندہ فنائے نفسی کے بعد حق کے ساتھ قائم ہو جائے اور بقائے الٰہی سے آراستہ ہو جائے۔ اور نبوت اس سے عبارت ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان اخبار الٰہیہ اور حقائق حقیقیہ کی پیغام رسانی کرے۔ اور یہ پیغام رسانی یا تو صرف ذات و صفات و اسماء کی کی خبر دینا ہے اس حال میں خبر دینے والا خود ان سے متصف ہو اور اس کا نام ولایت ہے خواہ یہ خبر رسانی کسی نبی سے ہو یا ولی سے اور یا یہ ہے کہ مع احکام شرعیہ کی تبلیغ اور اخلاق شرعیہ کی تہذیب خدا تعالیٰ کی تعلیم کے مطابق ہو خواہ وہ اپنے بندے کو الہام سے آگاہ کرے یا وہ بندوں پہ الزامی طور پر ہو یا ایجابی طور پر اس کا نام رسالت اور نبوت تشریعی ہے۔ حاصل یہ کہ نبوت مطلقاً یعنی خبر دینا عام ہے جو ولایت اور رسالت تشریعیہ دونوں کو شامل ہے اور نبوت تشریعیہ ولایت اور نبوت غیر تشریعی یعنی تعریفی کے مقابل ہے جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے امت کے علماء ہیں لیکن اس کا نام آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت ہے اسے نبوت نہیں کہا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کے علماء کو نبی نہیں کہا جاتا بلکہ نبیوں کے وارث کہا جاتا ہے۔ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے کے ذمہ کی تربیت ہے۔ بس نبی اور رسول کے الفاظ اصطلاحی معنی میں حضرت محمد خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وعلیہم اجمعین کے بعد کسی پر

اور ایک رازکی بات یہ ہے کہ نبوت ورسالت کا اسم فاعل یعنی نبی اور رسولؐ کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے نہیں ہیں اور ولایت میں سے اسم فاعل کا صیغہ اللہ تعالیٰ پر بولا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللّٰہ ولی الذین امنوا اللہ ایمانداروں کا ولی (دوست) ہے۔ اور ولی اور تعریف کیا گیا ہے۔ پس یہ نام (ولی) ابداً باد تک قائم رہے گا۔ اور رسالت تشریعیہ نبی اُمّی صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے اور ولایت کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ اس مذکورہ بیان سے آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا ہو گا کہ ولایت نبوت سے عام ہے اور نبوت رسالت سے عام ہے اور ولایت سے خاص ہے۔ پس ہر ایک رسول نبی ہے اور ہر نبی رسول نہیں ہے۔ اور ہر نبی ولی ضرور ہے اور ہر ولی نبی نہیں بعض شروح سے اسی طرح سمجھا جاتا ہے۔ اور میرے نزدیک ایک اور بھی فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ ولایت بکسر واؤ قرب کا معنی کا دیتا ہے اور فتح واؤ کے ساتھ "اشیاء میں تصرف" کا معنی دیتا ہے اور ولی صفت مشبہ کا صیغہ ولایت کے دونوں معانی سے ماخوذ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کے قریب ہو اس کو اکوان میں تصرف بھی نصیب ہو جاتا ہے اور نبوت کا معنی خبر دینا اور پیغام پہنچانا ہے تو اس کی توجہ مخلوق کی طرف ہے تو پھر ہر وہ چیز جس کی نسبت خالق کی طرف ہو گی وہ اس سے بہتر ہو گی جس کی نسبت مخلوق کی طرف ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ "ولایت نبوت سے افضل ہے" یعنی قرب کی جہت بُعد کی جہت سے بہتر ہے۔ اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے۔ کیونکہ نبی ان دونوں مراتب قرب اور خبر رسانی کا جامع ہے اور ہم عنقریب تجھ سے ولایت کے مدارج کی تفصیل آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کے اس قول کے تحت بیان کریں گے۔ (وکل ولی لہ قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال صلے اللہ علیہ وسلم)

پھر ولایت کے طریق یعنی قرب اور کمال کو طے کرنے میں جو کہ نبوت کا باطن ہے سالک لوگ مختلف اقسام کے ہیں۔ یا تو وہ عابد ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو کہ تذلل کے راستہ میں قاعدہ شرعیہ کے مطابق جو کہ کتاب وسنت سے فرائض اور واجبات اور سنن ومستحبات کی صورت میں ماخوذ ہے چل رہے ہیں اور یا پھر زاہد ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کے حرام اور مشتبہات اور مباحات کو اللہ کی رضا اور دل کو مصیبتوں سے پاک کرنے کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ اور یا پھر عارف ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو اس کے کمالات کے ساتھ ادراک شہودی سے معلوم کر لیا ہے جس کی طرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول "گویا کہ تو اس کو دیکھتا ہے" سے اشارہ کیا گیا ہے۔ پھر مخلص لوگ ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو ریا اور سُمعہ سے پاک وصاف ہو چکے ہیں اور یہ لوگ خدا تعالیٰ کے جلال اور عظمت کی رویت کی وجہ سے ہر وقت ایک عظیم خطرہ میں رہتے ہیں اور ان تمام درجات تک ولایت عام ہے۔ اللّٰہ ولی الذین امنو یخرجھم من الظلمٰت الی النور (ترجمہ) "اللہ ان لوگوں کا دوست (ولی) ہے جو ایمان لائے وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے"۔ اور اس کے بعد مجذوب لوگ ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے وجود کی دیواریں اس بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں سے جل چکی ہیں جو دلوں پر چڑھ جاتی ہے۔" اور مجذوب اپنی عقل کے جل جانے اور وجود کے فنا ہو جانے کی وجہ سے بحر عدم میں غرق ہو جاتا ہے اس سے تکالیف شرعیہ اٹھائی جاتی ہیں اور اس سے مواخذہ نہیں ہوتا کیونکہ اس میں عقل نہیں رہی جس پر تکلیف کا دارومدار تھا۔ پھر سالک اور یہ دو قسموں پر ہیں ایک تو ابن الوقت ہے اور یہ وہ ہے جس نے جذبہ کو برداشت کیا اور انجذاب کی شراب نوش کی اور اس کے ساتھ مست ہو گیا اور پھر اس مستی سے صحو میں آ گیا اور وحدت خالصہ سے منتقل ہو کر کثرت کا مطالعہ کرنے لگا۔ اور جمع کے مرتبہ سے فرق پر آ گیا اور یہ عبادات واذکار کے وسائل جیسے فرائض اور واجبات اور سنن اور مستحبات کی پوری رعایت کرتا ہے لیکن اس میں کچھ مغلوبیت ہوتی ہے کیونکہ یہ اس مقام میں ہے جس کی انتہا تلوین تک ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ مجاہدہ اور کوشش میں بہت محنت کرتا ہے تاکہ اس کا باقی ماندہ بکلّی ختم ہو جائے اور دوسرا جو حقیقت میں تیسرا ہی ہے یہ وہ ہے جو تلوین اور استغراق کے سمندر سے نکل چکا ہے اور صحو اور تمکین

اتفاق کے ساحل پر پہنچ چکا ہے یہ وحدت کے آئینہ میں کثرت کی تمیز کرتا ہے اور اپنے کوئی وجود میں حق کا مشاہدہ کرتا ہے یہ نیکوں کا اور بھلائی کے راستے کی راہنمائی میں نہایت کامل تر ہے یہ لوگ تکالیف شرعیہ مثلاً فرائض اور سنن کو سر آنکھوں پر قبول کرتے ہیں یا اللہ کو دین کا لازمی جزو یقین کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو توحید حقیقی تک پہنچے جنہوں نے تحقیقی پیالوں میں نورانی شراب نوش کی۔ یہ لوگ کثرت میں مشغول ہونے کے باوجود وصال کی شراب پیتے ہیں یہ کمال کے عرش پر چمکتے ہوئے پھر رہے ہیں حالانکہ ان کے اقدام زمین پر ہیں۔ ان کے قدم زمین پر ہیں اور ان کی ہمتیں آسمانوں پر ہیں یہ ظاہر میں زمینی ہیں۔ اور حقیقت میں سماوی ہیں پھر ان تینوں اقسام کے لوگوں کی بہت قسمیں اور طریقے ہیں جن کے ذکر سے کتاب کئی جلدوں تک لمبی ہو جائے گی تو ہم ان میں سے ان کا ذکر کرتے ہیں جن کا وقت تقاضا کرتا ہے۔

سو ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء چند قسموں پر ہیں اقطاب۔ افراد۔ اوتاد۔ بدلاء۔ نجباء۔ نقباء۔ وغیرہ۔ پھر اقطاب وہ لوگ ہیں جن کے وجود پر خلائق کا وجود در حقائق کا شہود ٹھہرا ہوا ہے۔ یہ کائنات کے بقا کے آسمان کا مرکز ہیں۔ اور پھر قطب کبھی قطب ارشاد ہوتا ہے اس کے وجود پر گمراہوں کی ہدایت اور گمراہ کنندہ لوگوں کی بھلائی منحصر ہے یہ قطب باطنی اندھیروں اور کفر کے ظلمات کو پھاڑنے میں سورج اور چاند کی طرح ہوتا ہے یہ کبھی تو اکیلا ہوتا ہے اور کبھی کئی ایک ہوتے ہیں جن کے تمام افراد اپنے سردار کی طرف راجع ہوتے ہیں اور اس کا نام قطب الاقطاب ہوتا ہے اور کبھی قطب افراد ہوتا ہے اور اس کا نام افراد اس لئے رکھا جاتا ہے۔ کہ یہ لوگ اپنے کمالات میں یگانہ ہونے میں آگے بڑھ جانے والے ہیں یہ لوگ منفرد ہیں اور جو آدمی کسی حال یا مقام میں منفرد ہو وہ اس مقام کا قطب مدار و معاد اور اس کی جائے پناہ ہوتا ہے اسی پر کمالات کے آسمان کا محور چکر لگاتا ہے اور کبھی قطب الاوتاد ہوتے ہیں۔ اوتاد وہ میخیں جو کسی چیز میں گاڑی جاتی ہیں تاکہ حرکت نہ کرے تو اولیاء کرام کا یہ فرقہ گویا دنیا کے لئے میخیں ہیں اور بنی آدم کی سلطنت کے کیل ہیں ہم نے پہاڑوں کو میخیں بنایا ان بزرگوں میں سے ہر ایک فرد گویا ایک میخ ہے جس کے ہر ساتھ زمین۔ آسمان۔ جنگل اور سمندر سب قائم ہیں۔ سو ان کا قطب ہی ان کا مدار اور ملجا و ماوی ہوتا ہے ہر دور میں ہر حالت میں اور عالم موجود کی ہر تکوین و تمکین میں۔ اور یہ بھی کچھ دور نہیں کہ اسی قطب کا نام قطب مدار بھی ہو اور ابدال اولیاء اللہ کا ایک فرقہ ہے اللہ تعالیٰ ان کے اخلاق کمالات میں دن بدن بدلتے رہتے ہیں اگر ان میں سے کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اس کی جگہ اللہ تعالیٰ دوسرا آدمی کھڑا کر دیتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کی برکت سے بارشیں برستی ہیں سبزیاں اگتی ہیں۔ اور آسمان سے پانی برستا ہے۔ قصیدہ تائیہ کی شرح میں لکھا ہے کہ قوم کی اصطلاح میں قطب ایک کامل ترین انسان ہے جو فردیت کے مقام پر سرفراز ہے۔ خلقت کے حالات کی چکی اسی کے گرد گھومتی ہے پھر یا تو وہ عالم شہادت کی مخلوق کی نسبت سے قطب ہے جب یہ فوت ہوتا ہے تو اس سے قریب ترین ابدال کو اس کی جگہ پر متعین کر دیا جاتا ہے اور اس وقت جو ابدال اس کی جگہ پر آ کر کھڑا ہو سکتا ہے اور یہ قطب الاقطاب ہے عالم شہادت میں تمام اشیاء اس کے پیچھے حرکت کرتی ہیں نہ اس سے اوپر کوئی قطب ہوتا ہے اور نہ کوئی قطب اس کا جانشین ہوتا ہے اور یہ روح مصطفوی ہے جسے خطاب ہوتا ہے کہ اگر تو نہ ہوتا تو میں کائنات ہی پیدا نہ کرتا اور اسی معنی کے پیرائے میں شیخ بزرگ نے اپنے ایک اور قصیدہ میں فرمایا ہے۔ میں حقیقت میں قطب الاقطاب ہوں جتنے بھی قطب ہیں میں نے ان کو قطب بنایا ہے۔ اور اسی انداز میں آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میرے مولا نے مجھے بزرگ ترین ولایت بخشی ہے۔ اور فرمایا میرے قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہیں۔ اور اسی شرح میں فرمایا ہے۔ کہ ابدال اولیاء اللہ کی ایک جماعت ہے یہ لوگ اہل محبت اہل کشف و مشاہدہ و حضور ہیں۔ یہ لوگوں کو توحید اور اسلام کی دعوت دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے بندوں اور شہروں پر رحم فرماتے ہیں۔ اور لوگوں سے مصیبت اور فساد کو دور کرتے ہیں جیسا کہ حدیث نبوی میں اللہ تعالیٰ سے حکایت بیان کرتے ہوئے

فرمایا ہے کہ جب کسی بندے پر میرا شغل غالب ہو جائے تو میں اس کی ہمت اور لذت اپنے ذکر میں رکھ دیتا ہوں اور جب اس کی ہمت اور لذت میرے ذکر میں آ جاتی ہے تو وہ مجھ پر عاشق ہو جاتا ہے اور میں اس پر عاشق ہو جاتا ہوں اور اپنے اور اس کے درمیان سے پردے ہٹا دیتا ہوں جب لوگ بھول جاتے ہیں تو یہ نہیں بھولتا یہ لوگ ہیں جن کی کلام نبیوں کی کلام ہے یہ لوگ سچے ابدال ہیں یہی وہ لوگ ہیں کہ جب میں کسی علاقے پر عذاب یا سزا بھیجنا چاہتا ہوں تو میں ان کی وجہ سے عذاب روک لیتا ہوں اور ابدال چالیس آدمی ہوتے ہیں ان کے مدارج مخصوص ہوتے ہیں صالحین کے آخری درجہ سے ان کی ابتدا ہوتی ہے اور ان کا آخری درجہ قطب کا ابتدائی درجہ ہے جب ان میں سے کوئی آدمی فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ پر اس کے قریب ترین آدمی کو جسے اللہ تعالیٰ چاہیں کھڑا کر دیتے ہیں اور پھر نیچے کے تمام درجوں میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اس وقت ان کے ابتدائی درجہ صالحین میں سے ایک اور آدمی کو داخل کر دیا جاتا ہے وہ ابدال کی لڑی میں منسلک ہو جاتا ہے اور ان کی تعداد ہمیشہ قیامت تک پوری رہتی ہے اور رہے گی اور جب قیامت آئے گی تو سب ایک ہی دفعہ فوت ہو جائیں گے جیسا کہ حدیث میں ہے "ابدال چالیس آدمی ہیں بائیس شام میں اور اٹھارہ عراق میں جب ان میں سے کوئی آدمی فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے کو کھڑا کر دیتے ہیں جب قیامت آئے گی تو سب ایک ہی دفعہ قبض کر لئے جائیں گے

اور شیخ بزرگ رضی اللہ تعالیٰ نے فتوح الغیب میں اکثر ابدال کا اطلاق ولایت کے آخری مرتبہ پر کرتے ہیں اور ان دونوں میں تطبیق بھی ممکن ہے اس کو خوب سمجھ لو۔ اور اوتاد یہ ابدال میں سے تین آدمی ہیں جو آخری مرتبہ پر ہوتے ہیں۔ جب وقت کا قطب فوت ہو جاتا ہے تو انہی میں سے ایک آدمی کو اس کی جگہ پر متعین کیا جاتا ہے۔ عالم شہادۃ کے اقطاب میں سے ہر قطب کی جگہ دوسرا قطب آکر کھڑا ہو جاتا ہے کیونکہ قطبیت ایک ظاہری جادہ ہے جس کی جگہ اوتاد کو تبدیل کیا جاتا ہے ہاں قطب الاقطاب جو عالم غیب میں ہو اس کی جگہ کوئی قطب تبدیل ہو کر نہیں آتا اور عنقریب نجباء اور نقباء کی تحقیق بھی آپ رضی اللہ عنہ کے قول و کل ولی و قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال کے تحت خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے انشاء اللہ آ جائے گی لیکن میں یہاں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث بیان کر دیتا ہوں۔ جس میں اولیاء اللہ کا اجمالی بیان ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے تین سو بندے ایسے ہیں جن کے دل آدم علیہ السلام کے دل کی طرح ہیں اور چالیس بندے ایسے ہیں جن کے دل موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہیں اور سات ایسے ہیں جن کے دل ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہیں اور چار ایسے ہیں جن کے دل جبرائیل علیہ السلام کے دل کی طرح ہیں اور تین ایسے ہیں جن کے دل میکائیل علیہ السلام کے دل کی طرح ہیں اور ایک ایسا ہے جو اسرافیل علیہ السلام کے دل پر ہے۔ جب یہ ایک فوت ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ تین میں سے کسی کو اس کی جگہ پر متعین فرما دیتے ہیں اور جب تین میں سے کوئی آدمی فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ پر چار میں سے کسی کو کھڑا کر دیتے ہیں اور جب چار میں سے کوئی فوت ہوتا ہے تو سات میں سے اس کی جگہ پر تین سو میں سے کسی کو لے لیا جاتا ہے اور جب تین سو میں سے کوئی آدمی فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ عوام میں سے کسی کو اس کی جگہ پر کھڑا کر دیتے ہیں۔ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ امت سے مصیبتیں دور فرماتے ہیں۔ پھر وہ ایک آدمی جس کا دل اسرافیل علیہ السلام کے دل کی طرح ہے یہ قطب الاقطاب ہے۔ غوث اعظم ہے اور یہ تمام اولیاء اللہ میں سے اعلیٰ درجہ کا ہے اور یہ خاتم النبیین حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اسرار کو ظاہر کرنے والا ہے اور قطبیت اور غوثیت کا یہ مقام شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا گیا ہے کہ آپ نے ایک اور قصیدہ میں فرمایا ہے "میں حقیقت میں موجودات کا قطب الاقطاب ہوں تمام اقطاب پر میری عزت اور میرا حکم ہے۔ جتنے بھی بزرگ ہیں میں نے ہی ان کو متعین کیا ہے اور جو بھی قطب ہے وہ میری ولایت کے ماتحت ہے"

اور ہم نے جو قطبیت اور غوثیت کا یہ مرتبہ شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ ہی کی ذات میں مقید کر دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا مرتبہ حقیقت میں اس سے بہت بلند تر ہے آپ اس سے ترقی کر کے غوث الثقلین کے مقام تک پہنچے اور پھر اس سے بھی ترقی کر کے اپنے نانا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا خلافت مخصوصہ اور نیابت خاصہ کے مقام پر پہنچے تو اولیاء اللہ میں سے آپ نے مراتب مخصوصہ میں ترقی فرمائی ہے پہلے آپ قطب الاقطاب اور غوث الاعظم ہوئے اور پھر اس سے بڑھ کر غوث الثقلین قرار پائے اور پھر حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور خلافت مخصوصہ پر سرفراز ہوئے یہی وجہ ہے کہ آپ نے ایک اور قصیدہ میں فرمایا "مجھے مولا نے بلند ترین ولایت بخشی ہے جو میرے سوا کسی کو قیامت تک نہ مل سکے گی" اور اس قصیدہ کے مطلع میں آپ نے فرمایا ہے "میرا وجود میرا ستر کے ستر میں میری حقیقت پوشیدہ ہے اور میرا مرتبہ تمام مراتب سے اونچا ہے" اے ذہین آدمی غور کر وہ لوگ کیسے ہیں جو آپ رضی اللہ عنہ کے قول کو کہ "میرے یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے" یہ اس زمانہ کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں یا ان کے مرتبہ کو ایک خاص مرتبہ پر محدود سمجھتے ہیں۔ یہ توجیہ آپ کے کلام کے خلاف ہے آپ کے مقصد کے برخلاف ہے رضی اللہ عنہ اور میں اس کی شرح پہلے کر چکا ہوں اور آئندہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کے قول واقدامی علی عنق الرجال کی شرح میں بیان کروں گا۔

اگر آپ یہ سوال کریں کہ وہ ایک آدمی جو اسرافیل علیہ السلام کے دل پر ہے وہ تمام پہلے اولیاء اللہ سے بڑا ہوا جن کے دل انبیاء کے دل پر رہتے تو اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اسرافیل کا دل نبیوں کے دل سے زیادہ صاف ہوگا۔ اور یہ تو مذہب کے بالکل برخلاف ہے تو میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کیونکہ اسرافیل ایک نوری فرشتہ ہے جو جبرائیل اور میکائیل سے زیادہ بلند مرتبہ ہے اس کو علو اور صفائے نسبت ہے اور انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ ملائکہ کے مرتبہ سے بہت بلند ہے اس لئے کہ وہ بشریت اور ملکیت دونوں کے جامع ہیں وہ اس لحاظ افضل ہیں کہ ان میں مزاحمت موجود ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسرافیل کا دل صفائی سے زیادہ آراستہ ہے۔ اور اس میں ایک اور لطیف توجیہ بھی ہے جس پر تو انشاءاللہ عنقریب واقف ہو جائے گا۔ اور وہ تین آدمی جو میکائیل کے دل پر ہیں یہ افراد ہیں۔ ان کو افراد اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ حقیقی طور پر بارگاہ مصطفوی صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی وجہ سے تجلی فردیت سے روشن ہو چکے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے انتہائی کمال کی وجہ سے قطب الاقطاب کے دائرہ تصرف سے باہر ہوتے ہیں۔ اور شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ جس طرح اقطاب کے قطب ہیں اسی طرح افراد کے بھی قطب ہیں جیسا کہ آپ نے ایک اور قصیدہ میں فرمایا "میں فرد الفرد ہوں میرا کوئی شریک نہیں وہ پاک ہے میرا ملک غیر مغلوب ہے" یعنی اس مرتبہ میں میں فرد الفرد ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور یہی قطب الافراد ہوتا ہے اور وہ چار آدمی سو وہ اوتاد ہیں انہی کی بدولت دنیا کے چاروں کونے قائم ہیں۔ اور ابدال یہ اللہ کے امین ہیں زمین میں اور یہ سات ہیں جن کا پہلے تذکرہ ہوا۔ اور وہ چالیس سو نجباء ہیں ان کو رجال الغیب بھی کہا جاتا ہے اور تمام درجات میں سے سب سے نچلا درجہ نقباء کا ہے اور یہ تین سو آدمی ہیں اور یہ تمام اولیاء اللہ قیامت کے دن تک باقی رہنے والے ہیں کیونکہ دنیا کے بقا کا سلسلہ جب تک اللہ تعالےٰ نے چاہے انہی کے ساتھ قائم ہے۔

لیکن اب یہ سمجھ لینا بھی نہایت ضروری ہے کہ قیامت تک کے تمام اولیاء اللہ کا مرتبہ اپنا حقیقی مرتبہ نہیں ہے بلکہ غوث الاعظم رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کی نیابت کے طور پر ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے ایک قصیدہ میں فرمایا ہے "عشق میں جو بھی میٹھا گھاٹ ہے اس میں میرا سب سے زیادہ لذیذ اور سب سے زیادہ پاکیزہ ہے۔ یا پھر وصال میں جو مرتبہ مخصوص ہے۔ وہاں میرا مقام نہایت عزت والا ہے اور فرمایا پہلے لوگوں کے سورج غروب ہو گئے اور ہمارا سورج افق کی بلندیوں پر ہے یہ کبھی غروب نہ ہوگا" یہ وہ کتاب ہے۔ جس میں کوئی شک نہیں اور اگر تمہیں اس میں شک ہے تو اس کی مثل کوئی دلیل لے آؤ۔ یہ جو کچھ بھی ہم نے ذکر کیا ہے شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کے

اور اسے اقتباس کیا ہے پھر جو اس کا انکار کرے گا۔ اس کا وبال اسی کی جان پر ہوگا۔ اور جو اس کو قبول کرے گا۔ تو وہ مقبول ہو جائے گا۔
اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اے ہمارے خداوند اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔ اے اللہ اس مبارک قصیدہ کی شرح میں اپنے فضل و کرم سے میرے علم کو زیادہ کر اے کریم اے رحیم۔

ایک اور عجیب طریقہ سے ا۔ دستور ہے کہ جب کوئی آدمی ایسے بادشاہوں کے دربار میں جاتا ہے جو جسے چاہیں معزز فرمائیں اور جسے چاہیں ذلیل کر دیں۔ تو وہ اپنے دماغ سے نخوت و غرور دور کر دیتا ہے اپنی سواری سے نیچے اتر آتا ہے بلکہ اپنے ہتھیار بھی اتار ڈالتا ہے یہاں تک کہ اس بادشاہ کے سامنے ایک عام رعایا کا فرد بن کر حاضر ہوتا ہے۔ وہ منتظر ہوتا ہے کہ دیکھئے بادشاہ ذی جاہ کے حضور سے کیا حکم صادر ہوتا ہے اور بے گناہ ہونے کے باوجود مجرموں کی طرح لرزہ براندام رہتا ہے۔ اور اس طرح کانپتا ہے کہ جیسے اس پر موت کی غشی طاری ہو رہی ہو۔ وہ اپنے ہر کمال کو وبال سمجھتے ہیں اور ادب بجا لاتے ہیں وہ اپنے آپ کو ملامت کرتے ہیں کہ وہ کماحقہ اس عظیم المرتبت بادشاہ کی خدمت نہیں بجا لا سکے ہیں۔ وہ شرمندہ ہوتے ہیں اور مناجات میں پکارا اٹھتے ہیں: اے بادشاہ! تو ہی بادشاہوں کا بادشاہ ہے تیرے گھر کے دروازے میں داخل ہونے کیلئے ہمارے قدم ہی مناسب نہیں ہیں کہ اس میں داخل ہو جاتے ہمارے پاس ندامت اور حیرت کے سوا کوئی قدم نہیں ہیں اگر تو ہم پر مہربانی فرمائے تو ہمیں نوازش و تکریم اس گھر اور اس گھر کے رہنے والے کی ہیبت سے خوف زدہ ہیں۔ ہمیں اپنے فضل و کرم کے دونوں ہاتھوں سے تھام لے ہمارے قدم مضبوط رکھ اور ہماری مدد فرما۔ بے شک تو عاجز اور غریبوں کی امداد کے لئے شفیق ہے اور ہر کام میں ضعیفوں کا رفیق ہے تو شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ نے خطاب کر کے اپنے پاس آنے اور شیخ اجل کے دروازے پر اترنے کے آداب تعلیم فرماتے ہیں۔ کہ اگر تم وصال کے پیالے پینا چاہتے ہو اور کمال کے شربت نوش کرنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے پاؤں سے دنیا و آخرت کی جوتیاں اتار دو اور اپنے وہمی کمالات کی سواریوں سے نیچے اتر آؤ جن کے حاصل کرنے میں تم نے اس سے پہلے مجاہدے کئے ہیں اور جو تمہارے ہاتھوں میں عبادات کے معاوضے اور اغراض مثلاً باطنی ریاست یا حب مرتبہ و جاہ پکڑے ہوتے ہیں ان کو پھینک دو اور کرامات و خوارق کے جو ہتھیار تم نے پہن رکھے ہیں ان کو اتار دو اور عزت کے خود اپنے سروں سے اتار کر نیچے رکھ دو اور اپنے ظاہری اور باطنی بدنوں سے تمام زیب و زینت دور کر دو اور میری طرف ایسے دوڑ کر آؤ جیسے کوئی بھوکا ننگا غریب آدمی ہو پھر میرے دروازے پر اس طرح کھڑے ہو جاؤ جیسے کوئی بادشاہ سے اجازت مانگنے والا کھڑا ہوتا ہے مگر تمہیں اجازت ہو تو داخل ہو جاؤ کیونکہ تم میرے آدمی ہو میرا لشکر ہو کیونکہ جب تم نے ادب اختیار کیا تو میرے سایہ اور یقین کے نیچے آ گئے۔ تو اب تم غنیمتیں اور تاج اور خلعت فاخرہ بطرز عزم حاصل کرو گے کیونکہ بادشاہ اپنے ان لشکریوں کی عزت کرتا ہے۔ جو اس کے ادب کی بساط پر کھڑے ہوتے ہیں اور اس کے باوجود اس دخول پر مغرور نہ ہو جانا بلکہ بادشاہ کی ہیبت سے ڈرتے رہنا کیونکہ بادشاہوں کا کسی کے ساتھ ربط نہیں ہوتا اور نہ کسی آدمی کی بادشاہوں سے کوئی نسبت ہوتی ہے۔ جب تو خوفزدہ ہو تو ہر آن اور ہر لمحہ نئے خوف پر نئی اجازت حاصل کر اور بادشاہ کی عظیم ہیبت کو ملاحظہ کرتا رہ تاکہ اللہ کا نوشتہ پورا ہو جائے اور وہ معاملہ ظاہر ہو جائے جس پر تیرے فیصلے کا دارومدار ہے اور شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ نے اسی بات کی طرف اپنی کتب فتوح الغیب میں اشارہ فرمایا ہے۔ اے اللہ ہمیں آپ کے فتوحات سے مستفیض فرما۔ اور جب تو بادشاہ کے دروازے پر پہنچ جائے تو اندر داخل ہونے کی جرأت نہ کر یہاں تک کہ تجھے جبراً داخل کیا جائے نہ کہ اختیاراً۔ جبر سے مراد یہ ہے کہ تجھے بار بار داخل ہونے کے متعلق اصرار سے کہا جائے ایسا نہ ہو کہ یہ بادشاہ کی طرف ایک امتحان ہو۔ صبر کر یہاں تک کہ تو داخل ہونے پر مجبور کیا جائے پھر جب تو فعلی اور قولی طور پر مجبور ہو کر اندر داخل ہوگا تو اس وقت تیرے اس فعل پر عتاب نہ کرے گا کیونکہ تجھے سزا تو صرف تیرے اختیار اور جرأت اور بے صبری اور بے ادبی اور اپنی حالت پر دائمی نہ رہنے کی وجہ سے ملے گی جس پر تجھے کھڑا کیا گیا تھا۔

Scanned by CamScanner

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ بندے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ اپنی کمینگی اور بادشاہ کی عزت اور شرافت کو ہمیشہ ملحوظ رکھے اگر بادشاہ کسی کو
کو طلب کرے اور اسے اپنے دربار میں داخل ہونے کا حکم دے تو ضروری ہے کہ بندہ اپنی ذلت کو دیکھے اور بادشاہ کے پاس داخل ہونے کی جرأت نہ کرے
اگر بادشاہ اسے حکم ہی کیوں نہ کرے کیونکہ بادشاہ کے دربار کا جلال بندے کی کمینگی اور ذلت کے سبب بادشاہ کے حضور جرأت کرنے سے مانع ہے شیخ
بزرگ رضی اللہ عنہ کی عبارت اسی طرف اشارہ کرتی ہے جو آپ نے اپنی کتاب جلاء الخاطر میں لکھی ہے اے اللہ اس عبارت کی روشنی سے میرے دل کو
منور کر دے "اے غلام میری طرف داخل ہو تو اپنے علم اور اپنے نفس کی رویت کو لپیٹ کر رکھ دے اور خالی ہاتھ مفلس ہو کر میرے پاس آ اور اگر تو اس طرح بغیر
علم پر تجھ کو ناز ہو تو تو اس کام سے روک دیا جائیگا جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے" یہ ہے آپ رضی اللہ عنہ کی عبارت اور جو لوگ جامع کلام سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ
یہ قول ان عمدہ لطائف سے خالی نہیں ہے پہلا لطیفہ یہ ہے کہ میرے جلال کے گھر کے دروازے سے داخل ہونے کا ادب تقاضا کرتا ہے کہ داخل ہونے والا
ہر ماسوا سے فارغ ہو کر آئے تاکہ ایک ہی شاہی نگاہ اس کے حال کو درست کر دے اور دوسرا یہ ہے کہ میرے گھر کے قریب جگہ میں اترنا اور گھر کو دیکھنا
کو حاصل ہیں کیونکہ بادشاہ سابقہ خلعت پر غیرت کھا جاتے ہیں اور بادشاہ سے خلعت تب ہی ملتی ہے جبکہ وہ اس کے پاس بغیر خلعت کے آئے اور تیسرا یہ کہ
یہ حال ہے تو جو آپ کے ساتھ واصل ہیں۔ ان کا کیا حال ہوگا کہ وصول تو اس کے تمام نشانات اور علوم اور مشاہدے اور شہود مٹا دے گا اور مفلس ہو کر داخل ہونا
ہے کلی تخلیہ کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ روشنی کیلئے آمادہ ہو جائے کیونکہ میل کچیل پر اگر صیقل کیا جائے تو وہ ناپائیدار اور طمع ہوتا ہے اس کے اندر صفائی نہیں ہوتی
ہے جس میں گندگی نہ ہو وہ ایک ایسا کلمہ ہے جس کا کوئی معنی نہ ہو اور جب وہ مفلس ہو جائے گا تو امن کی امان میں آ جائے گا اور اسی طرف بھی اشارہ ہے
خالی ہونے کے بعد ہو جانا چاہئے کیونکہ اگر اس کی جیب میں کوئی چیز ہوگی تو وہ بہر حال ردی ہوگی بادشاہ کے عطیہ کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور یہ بھی اشارہ ہے کہ
ہے سوائے خبث کے اور کچھ حاصل نہیں اور پاک اور پلید چیز ایک ہی جیب میں جمع نہیں ہو سکتیں اے اللہ ہمارے دلوں کو غیر سے خالی کر دے

جب شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ نے لتوا اور دخول فرمایا تو پورے تخلیہ کی طرف اشارہ فرمایا اور جب تم رجالی کہا تو اشارہ فرمایا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے
وہ کسی اعتبار کے قابل نہیں ہے ضروری ہے کہ جب تم میرے گھر میں داخل ہو تو تمہاری جیبیں بغیر کھوٹے کے دیناروں کی جنس کے ہوں اور تمہارا لباس بغیر
ہے جو ایسا نہ ہو کہ کوئی زوال کی مصیبت آ جائے یا کسی وہمی استعمال کا حادثہ پیش آئے تو تیار ہو جاؤ اور پیاسے بنو اور ہوا تمہارا شراب تک جو جوش
اور اپنے پوٹے خالی کرنے کا فائدہ دے رہے ہیں اور یہ ضابطہ مبتدی اور منتہی دونوں کیلئے ہے اور وہ یہ ہے کہ ترقی کے طالب کیلئے ضروری ہے کہ پہلے
کمالات سے خالی ہو جائے تاکہ اس کی امید کی چیز اسکو آسانی سے مل سکے اور اپنے مطلوب کی طرف پرواز کر سکے پس ہر اس مرتبہ میں جو فتح سے لیکر نبی صلے اللہ علیہ وسلم تک ہے
لیکر خدا تعالیٰ تک ہے یہی دستور ہے اور ان مراتب میں سے ہر ہر ایک مرتبہ میں ابتدا اور توسط اور انتہا کا خیال رکھا جاتا ہے تو آپ کے قول لتوا اور دخول میں سلوک کا تمام طریقہ بیان کیا
گیا ہے یا اللہ اس قصیدہ مبارکہ کی شرح میں مجھ پر شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ کی مراد واضح فرما دے اور بحرمت نبی صلے اللہ علیہ وسلم ان کی بزرگی زیادہ
زیادہ کر دے اے پروردگار اے نگران تو گمان میں ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تجھ ہی سے ابتدا ہے اور تیری ہی طرف انتہا ہے۔

ایک عجیب تحقیق:۔ حال اور مقام کی لغت اور اصطلاح کے لحاظ سے شرح۔ لغت کے لحاظ سے حال حول سے مشتق ہے یعنی گردش کرنا۔ اور چونکہ صاحب حال ایک
سے دوسری حیثیت میں بدلتا رہتا ہے تو اس حیثیت کا نام حال ہوا اور یہی معنی ہے اس کا کہ حال کا نام حال اس کے پھرنے کی وجہ سے ہوا اور یہ بھی ہو سکتا ہے
جائز ہے کہ حال لام کی تشدید سے ہو کیونکہ وہ نام اس چیز کا جو دل میں اترے قبض ہو یا بسط، خوشی ہو یا غم اور اس کی تردید اس بات سے ہو جاتی ہے کہ حال کی جمع احوال آتی
ہے ذکر کوئی اور جیسا کہ انہوں نے ذکر کیا اور یہ ظاہر ہے کہ قرأت میں سکون لام ہے اور مقام میم کی فتح سے قیام کی جگہ ہے اس لفظ کے ساتھ اس مرتبہ کا نام رکھا گیا ہے جس
میں سالک کو قیام کا مرتبہ نصیب ہوتا ہے اور اس میں اس کو استقرار ہوتا ہے یا اس مقام کو سالک میں استقرار نصیب ہوتا ہے اور مقام معلوم مرتبہ ہے

اس کا ایک مخصوص مقام ہے۔ اور میم کے ضمہ کے ساتھ (مُقام) جیسا کہ عام مشہور ہے یہ ثابت نہیں ہے اور جو قرآن میں ضمہ کے ساتھ آیا ہے وہ وہ مقام نہیں ہے جس کی اہل سلوک نے اصطلاح مقرر کر رکھی ہے۔ اور اصطلاح کے لحاظ سے حال اس چیز سے عبارت ہے جو بغیر کسی عمل اور کسب کے محض خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے دل پر وارد ہوتی ہے جیسے غم اور خوف وغیرہ اور یہ حال نفس کی صفات کے ظہور سے زائل ہو جاتا ہے پھر خواہ اس کے بعد اس کے مثل صفات پیدا ہوں یا نہ پھر جب حال ہمیشہ رہتا ہے اور ایک ملکہ (طبیعت ثانیہ) بن جاتا ہے تو اس کا نام مقام ہو جاتا ہے۔ پس مقام وہ جگہ ہے جہاں بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عبادات اور مجاہدات اور ریاضات اور انقطاع الی اللہ کے بعد جا کر کھڑا ہوتا ہے۔ ومامنا الا ولہ مقام معلوم (ترجمہ) اور نہیں ہے تم میں سے کوئی بھی مگر اس کے لئے ایک مخصوص مقام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچانے والے مقامات میں سے سب سے پہلا مقام توبہ ہے پھر درجہ بدرجہ جیسا کہ آپ کو پہلے مقامات کی تحقیق میں معلوم ہو چکا ہے اور حال اور مقام کے بیان میں حال کی تحقیق تفصیل کلام کا تقاضہ کرتی ہے تاکہ ان دونوں میں فرق واضح ہو جائے۔ اور ان دونوں کا وہ اشتباہ دور ہو جائے جو ان دونوں کی نفس تعریف سے پیدا ہوتا ہے اور یہ دونوں آپس میں گڈمڈ ہو جاتے ہیں بعض ایک چیز کو سمجھتے ہیں کہ یہ حال ہے اور اسی چیز کو بعض دوسرے مقام سے تعبیر کرتے ہیں اور فی نفسہ دونوں صحیح ہوتے ہیں کیونکہ وہ واقعی ایک دوسرے میں داخل ہیں تو ضروری ہے کہ ایک قاعدہ مقرر کیا جائے جو ان دونوں میں تمیز اور فرق کرے تو اس کے لئے یہ جاننا چاہیئے کہ کبھی چیز فی نفسہ تو حال ہوتی ہے اور پھر وہی مقام بن جاتی ہے مثلاً بندے کے دل میں اپنے محاسبہ کا خیال پیدا ہوا پھر یہ خیال نفسانی صفات کی وجہ سے زائل ہو گیا پھر یہ خیال آیا پھر زائل ہوا تو بندہ اسی طرح اپنے محاسبہ کا خیال لاتا رہتا ہے اور یہ حال ہے پھر یہ حال صفات نفس کے غلبہ کی وجہ سے زائل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ کریم کی مدد بندے کے شامل حال ہو جاتی ہے اور محاسبہ کا حال غالب آجاتا ہے پھر یہ محاسبہ اس کا وطن اور مستقر اور مقام بن جاتا ہے اور پھر بندہ مراقبہ کے مقام میں آجاتا ہے حالانکہ پہلے محاسبہ اس کا حال تھا پھر اس پر مراقبہ کا حال پیدا ہوتا ہے پھر جس کا محاسبہ مقام ہو محاسبہ اس کا حال ہو جاتا ہے پھر اسی طرح مراقبہ کے حال میں تنزل (ترقی) ہوتی رہتی ہے اور بندے کے باطن میں سہو اور غفلت پیدا ہوتی ہے یہاں تک کہ سہو اور غفلت کے بادل پوری طرح چھا جاتے ہیں پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد اپنے بندے کو پہنچ جاتی ہے تو پھر اس کا مقام ہو جاتا ہے حالانکہ پہلے وہ اس کا حال تھا اور محاسبہ کا مقام اس وقت تک اس کا مقام بنتا ہے جب کہ مراقبہ کا حال اس پر نازل ہوتا ہے اور اسی طرح محاسبہ کا مقام بھی اس وقت تک اس کا مقام ہوتا ہے جب تک کہ مشاہدہ کا حال وارد نہیں ہوتا۔ جب بندے پر بخشش ہوتی اور مشاہدہ کا حال نازل ہوا تو مراقبہ پختہ ہو جاتا ہے اور یہ اس کا مقام ہو جاتا ہے اور اسی طرح مشاہدہ کا نزول بھی پہلے حال ہوتا ہے پھر جب تجلی اور روشنی کا ظہور ہوتا ہے تو یہی مقام بن جاتا ہے اور اس کا سورج بادلوں کے پردوں سے باہر آجاتا ہے اور مشاہدہ کے مقام میں بہت سے احوال اور زیادات اور ایک حال سے دوسرے حال میں ترقیات ہوتی ہیں جیسے پہلے اپنے سے فنا ہونا اور پھر بقا تک پہنچنا اور عین الیقین سے حق الیقین تک ترقی کرنا اور حق الیقین ایک ایسا نازل ہے جو دل کے مرکز کے چمڑے کو پھاڑ ڈالتا ہے اور یہ مشاہدہ کی فرع ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اے اللہ میں تجھ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں جو میرے دل میں پہنچے"۔ اور سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ نے فرمایا دل کے دو جوف (خلا) ہیں اور ان میں سے ایک اس کا باطن ہے اور اس میں سماعت اور بصارت ہے اور وہ دل کا دل ہے اور سویدائے قلب ہے اور دوسرا جوف دل کا ظاہر ہے اور اس میں عقل ہے اور عقل کی مثال دل میں اس طرح ہے جیسے آنکھ میں نظر ہے اور وہ دل میں ایک مخصوص مقام ہے جو روشن ہے اور دل میں اس کا وہی مقام ہے جو آنکھ اور آنکھ کی پتلی کا ہے اور اسی سے شعاعیں اٹھ کر مرئیات (نظر آنے والی چیزیں) کا احاطہ کرتی ہیں اسی طرح عقل کے نور سے علوم کی شعاعیں اٹھتی ہیں جو معلومات کا احاطہ کرتی ہیں اور یہی وہ حالت ہے جو سویدائے قلب کے چمڑے کو پھاڑ ڈالتی ہے اور اس کے مرکز (سویدائے قلب) میں پہنچ جاتی ہے اور اسی کا نام حق الیقین ہے یہ سب سے زیادہ روشن عطیہ ہے اور تمام حالات سے زیادہ عزت و شرف والا ہے اور اس حالت کی مشاہدہ سے نسبت وہی ہے جو پختہ اینٹ کو مٹی سے ہے پہلے وہ مٹی ہوتی ہے پھر گارا بنتا ہے پھر کچی اینٹ بنتی ہے اور پھر پختہ اینٹ ہو جاتی ہے پس مشاہدہ ابتدائی اور اصلی حالت ہے اس سے فنا پیدا ہوتی ہے

ہو جاتا ہے کی طرح ہے پھر بقا یہ کچی اینٹ کی طرح ہے پھر بقا انتقار یہ پختہ اینٹ کی طرح ہے اور پھر حالات میں سے یہ اشرف ترین حال ہے یہ آخری درجہ ہے اور چونکہ تمام حالات میں یہی حالت اعلیٰ ہے اور یہ تمام حالات سے اشرف ہے اور یہ محض خدا تعالیٰ کی بخشش ہے کسبی چیز نہیں ہے لہٰذا امید ہے کہ تمام حالات کو جمع کیا ہوتا ہے کیونکہ بندے کی طاقت نہیں کہ ان کو محنت سے حاصل کر سکے۔ تو انہوں نے مطلق بات کہہ دی اور شیوخ کی زبانیں بول اٹھیں کہ مقامات تو کسبی ہیں اور احوال وہبی ہیں اور جس ترتیب پر ہم نے درج کیا ہے تمام مقامات اور احوال وہبی ہیں۔ کیونکہ بندے کا عمل بھی تو خدا کی بخشش ہی سے ہوتا ہے اور بخشش کچھ کرنے والوں پر ہی ہوتی ہے پس احوال مواجید ہیں اور مقامات مواجید کے راستے ہیں لیکن مقامات میں کسب ظاہر ہوتا ہے اور بخشش باطن ہوتی ہے پس احوال آسمانی بلند بخشش ہیں۔ اور مقامات ان کے طریقے ہیں۔

اور میرا خیال یہ ہے کہ احوال بجلی کوندنے کی طرح ہیں اور مقامات اس بجلی کے بغیر کسی فاصلہ کے چمکنے کی تکرار ہے اور اس تکرار میں جیسا معلوم ہوتا ہے کہ سالک کی قوت اور استقامت کو استقرار میں دخل ہے تو حکم یہ لگایا جاتا ہے کہ اس نے فلاں مقام کمایا اور حقیقت یہ مقام حال کا پے در پے تکرار ہے امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مجھ سے آسمانوں کے راستے پوچھو میں زمین کے راستوں سے بہتر جانتا ہوں۔ اور آسمانوں کے راستے وہ مقامات اور احوال ہیں کیونکہ سالک کا دل ان مقامات اور احوال کی وجہ سے آسمانی ہو جاتا ہے یہی آسمانوں کے راستے ہیں یہی برکات کی منزلیں ہیں اور یہ منزلیں ہیں جیسے آسمانی دل والا ہی متحقق ہوتا ہے ان راستوں کی ابتدا توبہ سے ہوتی ہے اور پھر درجہ بدرجہ جیسے پہلے گذر چکا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ حال ذکر خفی کا نتیجہ ہے اور اگر یہ محاسبہ اور مراقبہ کی طرف اشارہ ہے تو یہ بعینہ وہی چیز ہے جو ہم ذکر کر چکے اور اگر یہ کوئی اور چیز ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حال اللہ تعالیٰ کا اس لطیفہ میں ذکر ہے جس کو خفی کہا جاتا ہے اس پر کوئی بھی مطلع نہیں ہو سکتا اور اس کی طرف اشارہ ہے جو آپ نے اپنی کلام عزیز میں فرمایا ہے کہ حال کو چھپایا جاتا ہے اور جو حال کا منکر ہے اس نے اللہ عظیم کے ساتھ کفر کیا۔ اور اس کی تحقیق آئندہ آئے گی۔ بعض مشائخ نے کہا کہ میں نے عراق کے مشائخ سے سنا وہ کہتے تھے حال اللہ تعالیٰ کی پناہ کی جگہ ہے اور یہ کبھی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے اور کبھی کسب سے حاصل ہوتا ہے تو کہتے ہیں یہ اس کی طرف سے ہے اور جب مرید کیلئے کوئی چیز مواجید یا مواہب روشن ہوتی ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی پناہ ہے اور اس کا نام انہوں نے حال رکھا ہے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حال وہبی ہے اور اگر یہ کمائی سے حاصل ہو تو اس کا نام حال نہیں ہے۔ اور خراسان کے بعض مشائخ نے کہا ہے کہ احوال اعمال کا ثمرہ ہیں اور میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حال خدا تعالیٰ کی بخشش ہے یہ سابقہ اعمال سے مقید نہیں ہے اگرچہ اکثر ہوتا ایسا ہی ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ احوال بجلی کی طرح ہوتے ہیں اگر یہ باقی رہ جائیں تو حدیث النفس ہیں اور یہ علی الاطلاق صحیح بات نہیں ہے البتہ ایسا بعض احوال میں ہوتا ہے اور بعض حالات دیر پا ہوتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ یہ بات اس صورت میں صحیح ہو سکتی ہے جب کہ احوال میں جلدی چلے جانے کی شرط نہ لگائی جائے اور اگر یہ شرط ہو تو پھر نہیں۔ ہمارے نزدیک یہ صحیح ہو سکتا ہے کہ حال نفس سے بالکل نہیں مل سکتا جیسے کہ تیل پانی کے ساتھ نہیں ملتا اور میرا خیال یہ ہے کہ اگر اس وارد ہونے والی بجلی کے بعد میں نفس کا دخل ہو تو وہ حدیث النفس ہے ورنہ وہ مطلق حال ہے خواہ وہ ایک لحظہ میں فنا ہو جائے یا دیر تک رہے۔ اور بعض مشائخ یہ کہتے ہیں کہ احوال تب ہی کہلاتے ہیں جب متغیر ہوں اور اگر یہ بخشش دائمی ہو تو ان کا نام لوائح اور طوالع اور بوادر ہے اور یہ احوال کا مقدمہ ہیں احوال نہیں ہیں۔

اور مشائخ کا اس میں اختلاف ہے کہ بندے کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ جس مقام میں ہے اس کے احکام کو مضبوط کرنے سے پہلے دوسرے مقام پر منتقل ہو یا نہیں؟ بعض نے کہا ہے کہ جس مقام میں ہے اس کے حکم کو مضبوط کرنے سے پہلے اس کو دوسرے مقام میں منتقل کرنا جائز نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ مقام جس میں ہے اس وقت تک مضبوط ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس مقام سے ترقی نہ کر جائے پھر وہ اپنے مقام بلند سے نیچے کے مقام کو دیکھتا ہے تو وہ چیز مضبوط ہو کر مستقل ہو جایا کرتی ہے تو اس نگاہ سے اس مقام کا معاملہ مضبوط ہوتا ہے۔ اور تجربہ یہ ہے کہ اس طرح کہا جائے اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ ہو گا۔

کہ اپنے مقام میں اس مقام کا حال دیا جاتا ہے جس کی طرف عنقریب اس کی ترقی ہونے والی ہے اور اس حال سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے اس مقام کا معاملہ مضبوط ہو چکا ہے جس میں وہ اب ہے اسی طرح اس میں اللہ تعالٰی تصرف کرتے رہتے ہیں اور بندے کی طرف کوئی چیز منسوب نہیں ہوتی کہ وہ خود ترقی کرتا ہے یا نہیں کرتا پس بندہ احوال سے مقامات تک ترقی کرتا ہے اور احوال مقامات تک ترقی کرنے کے اسباب ہیں جن میں خدا کی بخشش کے ساتھ ساتھ بندے کی کمائی بھی شامل ہوتی ہے اور بندے کو اپنے مقام سے بلند مقام کا حال اس وقت ہی نظر آتا ہے جب وہ عنقریب اس درجہ تک ترقی کرنے والا ہوتا ہے پھر بندہ ہمیشہ مقامات تک زائد احوال کے ساتھ ترقی کرتا رہتا ہے تو جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے مقامات اور احوال کا ایک دوسرے میں داخل ہونا بخوبی واضح ہو جاتا ہے یہاں تک کہ توبہ بھی اور کوئی مقام ایسا معلوم نہیں ہوتا جس میں حال اور مقام نہ ہو زہد میں بھی حال اور مقام ہے اور توکل میں بھی حال اور مقام ہے اور رضا میں بھی حال اور مقام ہے اور ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ نے کہا چالیس سال گذرے ہیں کہ مجھے اللہ تعالٰی نے کسی ایسے حال میں نہ ٹھہرایا جس کو میں ناپسند کرتا یعنی آپ نے رضا کی طرف اشارہ کیا اور پہلے کوئی حال ہوتا ہے اور پھر مقام ہو جاتا ہے اور محبت میں بھی مقام اور حال ہے اور بندہ ہمیشہ توبہ کے حال کے راستوں پر پھرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ تائب ہو جاتا ہے اور توبہ کے حال کا سب سے پہلا راستہ اپنے آپ کو زجر (ملامت) کرنا ہے اور بعض نے کہا کہ زجر دل میں ایک ہیجان ہے اس کو غفلت سے انتباہ ہی تسکین دے سکتا ہے اور پھر اس انتباہ سے لیقظہ (بیداری) پیدا ہوتی ہے جب بیدار ہو جاتے تو پھر غلط اور درست میں تمیز کرنے لگ جاتا ہے بعض نے کہا. زجر دل میں ایک روشنی ہے جس سے اپنے ارادہ کی غلطی معلوم ہو جاتی ہے. اور توبہ کے مقدمہ میں زجر کی تین قسمیں ہیں. علم کے راستہ سے زجر اور عقل کے راستہ سے زجر اور ایمان کے راستہ سے زجر تو تائب پر زجر کا حال خداوند تعالٰی کی بخشش سے نازل ہوتا ہے کہ وہ توبہ کی طرف رجوع کرے اور بندے سے ہوائے نفس کا ظہور ہوتا رہتا ہے جو توبہ اور زجر کے حال کو مٹاتا ہے اور پھر حال بار بار لوٹ کر آتا رہتا ہے یہاں تک کہ توبہ مضبوط ہو جاتی ہے اور مقام بن جاتی ہے اور زہد میں بھی اسی طرح کا حال ہے کہ وارد کی وجہ سے زہد اختیار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کو دنیا کی مشغولی کے ترک کی لذت اور اس پر متوجہ ہونے کی برائی اس کو دکھا دیتا ہے پھر نفس کی زیادتی حرص کی وجہ سے اس حال کا اثر مٹ جاتا ہے اور دنیا کی حرص کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ اللہ کریم کی مدد اس کو آ پہنچتی ہے پھر وہ زاہد بن جاتا ہے اور اس کا زہد مضبوط ہو جاتا ہے اور پھر زہد اس کا مقام ہو جاتا ہے اور پھر توکل کا حال وارد ہونا شروع ہوتا ہے اس کے دل کے دروازہ کو کھٹکھٹاتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ متوکل ہو جاتا ہے اور یہی حال رضا کا ہے یہاں تک کہ بندہ رضا پر مطمئن ہو جاتا ہے اور یہ اس کا مقام ہو جاتا ہے اور یہاں ایک باریک نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ رضا اور توکل کے مقام کا حال یہ ہے کہ توکل داعیۂ طبیعت کے وجود کے ساتھ پیدا بھی ہوتا ہے اور مضبوط بھی ہوتا ہے اور رضا کے حال سے جبکہ اس میں طبیعت کا داعیہ بھی موجود ہو یہ مضبوط نہیں ہوتا اور اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی حکم طبیعت سے راضی ہو جاتے لیکن اس میں کراہت موجود ہو لیکن اس کا مقام رضا کے ساتھ علم طبیعت کے حکم کو ڈھانپ دے اور طبیعت کے حکم کا ظہور اس کراہت میں جو علم سے ڈھانپی گئی ہے اس کو مقام رضا سے نہیں نکالتی لیکن رضا کا حال مفقود ہو جاتا ہے کیونکہ حال جب موہبت آلٰہی سے خالی ہو تو اسے داعیہ طبعیہ جلا کر خاک سیاہ کر دیتا ہے پھر اگر آپ یہ پوچھیں کہ پھر رضا کے قدم میں آدمی صاحب. رضا کیسے ہو جاتا ہے جبکہ وہ اس میں صاحب حال نہیں ہوتا کیونکہ حال مقام کا مقدمہ ہے اور مقام ہی دیرپا چیز ہے؟ تو میں اس کا جواب دیتا ہوں کہ مقام جب بندے کے کسب سے آمیزش پاتا ہے تو اس میں وجود طبع کا احتمال رہتا ہے اور حال چونکہ صرف اللہ تعالٰی کا انعام ہے اور مزاج طبیعت سے پروان چڑھتا ہے تو رضا کا حال بہت کم نازل ہوتا ہے اور مقام رضا زیادہ مضبوط ہے اور ہر مقام کے لئے زائد احوال ضروری ہیں اور کوئی مقام اس وقت تک مقام نہیں ہوتا جب تک کہ اگلے مقام کا حال نہ شروع ہو جائے اور دہی کسی مقام پر تقرری ہوتی ہے جبتک کہ اگلا حال وارد نہ ہونے لگے۔

اور باقی رہے احوال تو بعض ان میں سے مقام بن جاتے ہیں اور بعض نہیں بنتے اور اس میں راز وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ مقام پر تو بندے کی محنت کو دخل ہے اور باطناً اللہ کا انعام ہے اور حال میں معاملہ اس کے برعکس ہے اور چونکہ احوال میں انعام غالب ہے یہی وجہ ہے کہ یہ مقید نہیں ہیں اور احوال ایسے ہیں کہ جن کی کوئی انتہا نہیں ہے اور انعام ہیں کہ جن سے احوال چمک اٹھتے ہیں اور مقام بن جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی قدرت غیر متناہی ہے اور انعام غیر منقسم ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض نے کہا اگر تجھے عیسیٰ علیہ السلام کی روحانیت اور موسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ اور ابراہیم علیہ السلام کی خلت بھی دیدی جائے تو پھر بھی تو اس کے بعد کچھ اور طلب کرے گا کیونکہ خداوند تعالیٰ کے انعام مقید نہیں ہیں اور یہ انبیاء علیہم السلام کے حالات ہیں یہ اولیاء کو نہیں دیئے جاتے لیکن قائل کا اشارہ یہ ہے کہ بندے کو ہمیشہ طالب اور متجسس رہنی چاہیئے اور اپنے مقام پر رک نہ جانا چاہیئے کیونکہ سید المرسلین صلوات علیہ نے متنبہ کیا ہے کہ اس میں قناعت نہ کرنا چاہیئے ۔ بلکہ مزید برکت کے نزول کی طلب رہنی چاہیئے آپ نے فرمایا کہ ہر وہ دن جس میں میرا علم زیادہ نہ ہو اللہ اس دن کی صبح میں برکت نہ کرے یہ وہ ہے جو بعض خداوند تعالیٰ کے جاننے والے محققین نے فرمایا ہے ۔ اور اس عاجز کے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ مقام تکرار حال ہی کا تو نام ہے ۔ تو مقام میں بھی بظاہر خداوند تعالیٰ کا انعام ہی ہے اور مقام کے حصول میں بھی بندے کی کمائی کا کچھ دخل نہیں ہے اگرچہ بظاہر بندے کی محنت نظر آتی ہے اور یہ جو بعض کا قول ہے کہ اگر تجھے عیسیٰ علیہ السلام کی روحانیت الخ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندے کیلئے ولایت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص مقام ہے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ بعض یہ کہہ رہے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی روحانیت الخ مقامات میں جو اصل میں انبیاء کے لئے ہیں اور ظلاً اولیاء کے لئے ہیں تو اولیاء اللہ کو یہ مقامات انبیاء کی تبعیت میں عطا ہوتے ہیں ۔ تو اس بعض کی مراد یہ ہے کہ میں دوسرے انبیاء کی ولایت کے مقامات پر قناعت نہیں کروں گا بلکہ ان مقامات کے بعد اور مقامات کی جستجو بھی کروں گا یعنی ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کے متعلقات اور ولایات عامہ اور خاصہ کے فرق کی وضاحت آپ رضی اللہ عنہ کے قول وکل ولی لہ قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال کے تحت انشاء اللہ آئے گی ۔

قانون : خدا تعالیٰ کی راہ میں چلنے والے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے قرب کی فضا میں اڑنے والے کیلئے نہایت ضروری ہے کہ اس ترتیب کے مطابق جو ہم نے ذکر کی ہے اپنے حال اور مقام کا ہر وقت ملاحظہ کرتا رہے یعنی توبہ سے زہد تک اور زہد سے رضا اور بقا باللہ تک تاکہ اسے اپنی ترقی اور تنزل کا پتہ چلتا رہے اور اپنے نفس کو بے لگام نہ ہونے دے ایحسب الانسان ان یترک سدی (ترجمہ) کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے بے کار چھوڑ دیا جائے گا ۔ اور وہ یہ ہے کہ احوال و مقامات کی لوح کو دیکھتا رہے اگر اپنے سلوک اور سیر میں احوال کے انعام کی تجلی اور مقامات کے انوار سے آراستگی پائے تو اسے اور زیادہ ترقی کے لئے کوشش کرنی چاہیئے کیونکہ جس کے دونوں دن برابر ہوں وہ خسارے میں ہے ۔ اور اگر اسے طبیعت میں ٹھہراؤ یا قبض اور بسط معلوم ہو تو اس پر ضروری ہے کہ اپنے معلوم اور غیر معلوم گناہوں پر استغفار کرے اور پوری ندامت اور بیداری سے کرے یہانتک کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کا چشمہ کھول دے اور اس کے چہرے پر بیداری کے سمندر کے چھینٹے دے اور اس سے غفلت اور نیند کا غبار دھل جائے جو قساوت قلبی کا باعث ہے اور اگر توبہ و استغفار سے اس کو کھولنے کی کوشش نہ کرے تو اپنے مربی شیخ کی صحبت کا التزام کرے جو تربیت محمدیہ احمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات سے اس کی امداد کرے ۔ جیسا کہ شیخ بزرگ رضی اللہ نے اپنی کتاب جلاء الخاطر میں فرمایا ہے " قوم کی صحبت اختیار کر کہ جب وہ کسی شخص کی طرف نگاہ کرتے ہیں تو اس کو زندہ کر دیتے ہیں " اور یہ کلام پہلے گذر چکا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی اس کے ضروری لوازمات کے ساتھ اس کو رضی اللہ عنہ کے قول مریدی لا تخف واشی فرر

عدم قائل عند القتال کے تحت بیان کروں گا۔ اور جب اس قبض سے رستگاری حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے تو لازمی ہے کہ اس قیمتی انعام کی حفاظت کرے کیونکہ وہ ایک عزیز مہمان کی طرح ہے اس کی عزت کرنا ضروری ہے۔ جناب نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "مہمان کی عزت کرو"۔ اے مرید صرف خالی حوس پر قناعت نہ کرو اور ظاہر اً باطن اور غسل بلا طہارت حق کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آسکتے یہ ہے احوال ومقامات کا ضابطہ۔

اور اذکار میں ضابطہ یہ ہے۔ کہ سالک کو چاہیئے کہ حضور قلب سے ذکر میں مشغول ہو پہلے پہل تو الفاظ اور معانی لغوی کی طرف توجہ رکھے پھر معنی حقیقی کی طرف یعنی مذکور کی رویت میں ذاکر قلب صافی ومصفی سے فنا ہوجائے۔ یہانتک کہ ان لوگوں سے ہوجائے۔ جو اللہ تعالے کو کھڑے بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے یاد کرتے ہیں۔ اس وقت ذکر باقی رہ جائے گا اور ذاکر فانی ہوجائے گا اور یہ ذکر عین مذکور بن جائے اور اس وقت معلوم ہوجائے گا۔ کہ علم اور معلوم ذات کے لحاظ سے ایک ہی ہیں اور مغایرت اعتباری ہے۔ اے عقلمندو! نصیحت حاصل کرو۔ اور بہترین ذکر اس کلمہ کا ذکر ہے جو حجابات آفاقیہ وانفسیہ کو کاٹ کر رکھ دینے والا ہے گویا کہ وہ اسپات کے لوہے کی اللہ کی برہنہ تلوار ہے۔ لیکن یہ لازمی ہے کہ نفی واثبات کے ذکر میں آداب شرعیہ فرائض واجبات سنن اور مستحبات کی حفاظت عقیدہ صحیح عقیدہ اہل السنۃ والجماعت کے بعد پوری طرح کرے۔ کیونکہ اگر اس کا عقیدہ اس کے سوا کوئی اور ہوگا۔ وہ اہل نفاق سے ہے وہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم تک کبھی نہیں پہنچ سکتا اور پھر وہ بغیر وسیلہ کے اہل قرب میں سے کیونکر ہوسکتا ہے حالانکہ اللہ تعالے کا حکم ہے کہ "اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو" اور وسیلہ وہ ہے جو اس اسفل السافلین (بندہ) کو واجب الوجود ولازمۃ المعبود کے اعلیٰ علیین کی بلند چوٹیوں پر پہنچا دے۔ کبھی کوئی آدمی کسی کے پاس بغیر وسیلہ کے نہیں جاسکا۔ پھر ذلیل بندہ رب جلیل کے دربار میں بغیر وسیلہ کے کیونکر جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ نے اپنی بہترین کتاب فتوح الغیب میں فرمایا ہے کہ "ہر وہ طریقت جسے شریعت رد کردے وہ بیدینی ہے"۔ اور ہم اولیائے کاملین کی متفقہ عبارتیں نقل کر چکے ہیں۔ کہ "طریقت بغیر شریعت کے محض بیدینی ہے"۔ تو ان جاہلوں کی جماعت پر افسوس ہے جو خیال کرتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔ کہ انہوں نے اتباع محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا اور شیطان کی پیروی کی اور پھر اس بیدینی اور الحاد میں پریشان پھرنے کے باوجود دعویٰ توحید واتحاد کا کرتے ہیں کیونکہ شریعت کی اتباع کے بغیر مجاہدہ ایک پرانی بیماری ہے جس کو یہ جاہل لوگ نہیں سمجھ رہے ہیں سوم جاہل صوفیوں سے بچو یہ شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا حکم ہے اور اس کے متعلق بقیہ کلام انشاء اللہ تعالے آپ کے قول یعرفنی رکسی ذوالجلال کے تحت آئے گا۔

ان تمام میں ایک عجیب فرق :- جاننا چاہیئے کہ اولیاء اللہ قدس اللہ اسرارہم ونور قلوبنا بانوارہم۔ اللہ ان کے اسرار کو پاک کرے اور ہمارے دلوں کو ان کے انوار سے منور کرے کے حال اور وقت کے فرق میں کئی ایک مذاہب ہیں۔ بعض نے کہا کہ وقت مبتدی کے لئے ہوتا ہے اور حال متوسط کے لئے اور یقین منتہی کے لئے یعنی ان میں سے ہر ایک انعامات خداوندی میں سے ہے لیکن اگر یہ انعام مرید کے دل پر جو اللہ تعالےٰ کی سیر کا ارادہ رکھتا ہے ابتداء میں نازل ہو تو اس کا نام وقت رکھا جاتا ہے اور اگر وہ ترقی کرچکا ہو لیکن انتہا تک نہ پہنچا ہو تو اس کا نام حال ہے ورنہ اس کا نام یقین ہے۔ اور شاید اس قائل نے مقام کا نام یقین رکھا ہے اور اصطلاح میں کوئی جھگڑا نہیں ہے اور بعض کاملین نے فرمایا ہے کہ حال اولیاء کے لئے ہے اور وقت انبیاء کے لئے تو اس قائل کے نزدیک وقت حال سے افضل ہے اور بعض حال کو وقت پر فضیلت دیتے ہیں پہلے قول کی تائید نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ہوتی ہے۔ کہ "میرا اللہ تعالےٰ کے ساتھ ایک وقت ہے جس میں کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل کے سامنے گنجائش نہیں ہوتی۔ اور رموز الواہبین میں لکھا ہے کہ حال اور وقت دونوں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء علیہم الرحمۃ والغفران میں مشترک ہیں لیکن ان دونوں سے متصف ہونے میں باریک فرق اور عجیب رمز ہے اور وہ یہ ہے کہ اولیاء کا حال اور وقت اللہ تعالےٰ کی صفات افعالیہ سے پیدا ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کبھی

Scanned by CamScanner

ہوتے ہیں اور کبھی زائل ہو جاتے ہیں اور نبیوں کا حال اور وقت اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ سے پیدا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ بشریت کے باوجود
طرح کبھی زائل نہیں ہوتے اگرچہ وہ لوگوں کے انبوہ میں رہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کی طرح کھاتے پیتے بھی ہیں اور بشریت کے ساتھ
ورد کا اتصال ہوتا ہے۔ پاک ہے وہ اللہ جس نے آگ اور برف کو اکٹھا کر رکھا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ لوگ جو حال کو وقت پر
ترجیح دیتے ہیں۔ اور استدلال کرتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام صاحب وقت تھے یہی وجہ ہے کہ ان کی آنکھیں ایک حالت میں تو فراق سے سفید ہو گئیں اور
دوسری حالت میں یوسف علیہ السلام کی قمیص ڈالنے سے وصال میں درست ہو گئیں اور ابراہیم علیہ السلام صاحب حال تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کا حال
فراق اور وصال میں کبھی متغیر نہ ہوا جب بھی وہ کسی چیز کو دیکھتے تو آپ اس میں اللہ کو دیکھتے اور فرمایا "میں غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔ اور کہتے
ہیں کہ حال مراد کی صفت ہے اور وقت مرید کی صفت ہے اور اس کی تائید کشف المحجوب کی عبارت سے ہوتی ہے کہ "حال ایک وارد ہے جو وقت کو
زینت بخشتا ہے جیسے روح جسم کو۔ کیونکہ وقت اس سے عبارت ہے کہ اس کے ساتھ ماضی اور مستقبل سے فارغ ہو جاتا ہے کیونکہ الٰہی علامت
کے دل پر پڑتا ہے تو وہ ماضی اور مستقبل کو بھول جاتا ہے اور یہ دونوں اس کی یاد سے نکل جاتے ہیں کیونکہ اگر وہ ماضی اور مستقبل میں الجھ جائے تو حق
سے محجوب ہو جائے اور اس کا اطمینان درہم برہم ہو جائے اور بیقراری ظاہر ہو۔ پس ضروری ہے کہ حال وقت کا مؤید ہو پھر جب تک صاحب وقت
صاحب حال نہ ہوگا اس کا یہ تغیر و اضطراب دور نہ ہوگا۔ پس وقت بغیر حال کے تغیر و زوال سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ بعض محققین
نے کہا "جو وقت کو نہ پہچانے تو وقت اس کے لئے ناراضگی ہے"۔ اور سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ نے فرمایا "وقت سے زیادہ کوئی چیز قیمتی
نہیں ہے جب وقت فوت ہو جائے تو اس کا تدارک نہیں ہو سکتا"۔ سے یاد رکھ اور میرے نزدیک قابل قبول ایک اور تحقیق جو شیخ بزرگ رضی اللہ
وارضاہ عنا کے سورج کی شعاعوں سے کبھی جاتی ہے کہ وقت انبیاء علیہم السلام اور اولیاء علیہم الرحمۃ والغفران میں مشترک ہے اور وقت حال و مقام
سے زیادہ عمومی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مقام اور حال دونوں وقت سے متقدم ہوں اور پہلے آکر اس کی تائید کرتے ہوں۔ اور سب کچھ جو
اللہ عنہ وارضاہ عنا کے قول "وقتی قبل قبلی تدصفال" سے سمجھا گیا ہے اس کا مفہوم یہی ہے اور حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے اور وہ ہر چیز کو
دا ہے اور باقی کلام اس شعر کے تحت خدا کے فضل و کرم سے انشاء اللہ تعالیٰ آ جائے گا۔

فائدہ :۔ جاننا چاہئے کہ رسالہ "رموز الواہبین" میں ذکر کیا گیا ہے کہ مقامات عموم اور خصوص کے لحاظ سے بلند ہوتے جاتے ہیں سو یہ عام اور خاص
اور اخص ہیں سو پہلا مقام عام لوگوں کا ہے اور وہ اوامر و نواہی پر استقامت اور ہر حکم خداوندی کے لئے اطاعت کی پختہ کاری کا نام ہے
سو شریعت اور طریقت دونوں اس مقام میں مندرج ہیں اور یہ مقام مقام اہل سلوک کا ہے اور دوسرا یعنی خاص مقام اور وہ ہے عالم ملکوت
سے ترقی کر کے ستر اور جبروت کی منازل تک پہنچنا۔ وہ کہتے ہیں کہ ملک ملکوت کا حجاب ہے اور ملکوت جبروت کا حجاب ہے کیونکہ جو
پندار کی وجہ سے محجوب ہو گیا وہ ترقی سے رک گیا اور یہی معنی ہے اس عبارت کا جو رسالہ عین القضاۃ میں ہے کہ جو کسی مقام پر
ہو گیا وہ آنے والے مقام سے رک گیا یعنی اس مقام سے جو اس کے مقام سے آگے تھا جیسا کہ نفس کے لئے مقام خدمت اور دل کے
مقام محبت اور روح کے لئے مقام قربت اور ستر کے لئے مقام مشاہدہ اور وصول اور تیسرا یعنی اخص مقام اور وہ ہے مقام جبروت اور
سے گزر کر عالم قدس میں قیام کرنا اور خدا کے ساتھ باقی ہو جانا۔

مقام محمود کی تحقیق :۔ اور اس میں کئی ایک قول ہے۔ ایک وہ ہے جو قوت التقرب ہے اور وہ ہے "اللہ تعالیٰ کے ساتھ
اختیار کرنا اور اپنے ظلی وجود سے فنا ہو جانا اور اصلی وجود کے ساتھ باقی ہونا"۔ اور اس کے بعد مکاشفات ہیں جو غیب کے ستر میں

Scanned by CamScanner

کیا جاتا ہے کہ خضر ایک دفعہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے چیتھڑے لٹک رہے تھے اس حال میں آپ کشتی پر سوار ہوئے وہاں نوجوانوں کی ایک جماعت تھی جو منبدانہ (تربوز) کھا رہے تھے وہ گودا تو کھاتے جاتے اور اس کے چھلکے خضر کے سر پہ مارتے اور ہنستے اور خضر اس سے لذت حاصل کر رہے تھے کیونکہ وہ خیال کر رہے تھے کہ یہ اللہ عزوجل کی طرف سے میرے ساتھ ہو رہا ہے اور یہ آپ کے لئے مقام محمود تھا اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر وہ مرتبہ جس میں سالک اپنے نفس سے فنا ہو جائے اور خدا کے ساتھ لقا حاصل کرے وہ اس کا مقام محمود ہے اگرچہ وہ مبتدی ہو یا متوسط ہو یا منتہی ہو اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق ہے کہ نہیں ہے کوئی بھی ہم میں سے مگر اس کے لئے ایک خاص مقام ہے۔ اور اس کی تحقیق ہم انشاء اللہ آپ رضی اللہ عنہ کے قول مقامکم العلی جمیعا ولاکن + مقامی فوقکم ما زال عال + کے تحت آئے گی۔

فائدہ: تہجد قشیری میں حال کا معنی اس طرح بیان کیا ہے کہ حال ایک وارد ہے جس کو اللہ تعالیٰ صاحب دل لوگوں کے دل بغیر ان کے ارادہ اور محنت کے سر اسرار القا کرتے ہیں اور وہ شوق و محبت و عشق اور معرفت ہوتا ہے اور یہ احوال کی تاثیر ہے جب تک کہ احوال بندہ کی صفت نہ ہو جائیں اس پر حال واقع نہیں ہوتا۔ اور صاحب حال دو قسم پر ہیں۔ ابن الحال اور یہ وہ ہے جس پر حال غالب ہو اس معنی سے کہ جو کچھ اس کو حال کہے یا فرمائے وہ اس کی تعمیل کرے اور وقت کا بھی یہی حکم ہے اور دوسرا ابوالحال ہے اور یہ وہ ہے جو حال پر غالب رہتا ہے وہ جو کچھ حال کو حکم دے وہ اس کی تعمیل کرتا ہے اور اس کو ابوالوقت بھی کہتے ہیں۔ رسالہ لوائح میں فرماتے ہیں حال کے نزول کے ابتدائی وقت میں روح سواری ہوتی اور حال اس پر سوار ہوتا ہے پھر جب روح غالب ہو جاتی ہے تو حال سواری بن جاتا ہے اور روح اس کا سوار۔ محقق نے کہا حال فنون میں زبان کے بند ہو جانے کا نام ہے۔ حال میں زبان خاموش ہو جاتی ہے۔ اور اس کا معاملہ حقیقت کا ناطق ہوتا ہے کہ حال مقال اور افعال کے فنا ہونے کا نام ہے۔ کسی سے کسی نے پوچھا تیرا حال کیا ہے؟ اس نے کہا اگر تیرا حال ہوتا تو مجھ میں مشغول نہ ہوتا! نظم میں تجھ سے دل کا غم کیا بیان کروں کہ تو دل کا غم رکھتا ہی نہیں ہے۔ اسی سے حال کہا جا سکتا ہے۔ جو حال رکھتا ہو ایک حال کا صاحب ہوتا ہے اور وہ جو ان کی زبان سے اسرار خداوندی ظاہر ہو جاتے ہیں وہ حال کے غلبہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ حال خدا تعالیٰ کی بخشش اور انعام میں سے ہے۔ اور صاحب حال اپنے آپ سے فانی ہوتا ہے اور اس حال کے ساتھ جو اسے خدا نے بخشا ہے باقی ہوتا اور اگر حال اولیاء اللہ سے چھین بھی لیا جائے پھر بھی ولایت باقی رہتی ہے زائل نہیں ہو جاتی اور یہ قول خضر اولیاء قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت سے

فائدہ: جاننا چاہئے کہ آپ کے قول انتم رجالی میں رجال سے مراد یا تو رجال الغیب ہیں یعنی ہماری نسبت سے تم اولیاء میں سے رجال الغیب کی قسم سے ہو اگرچہ تم اپنی جگہ پر اقطاب ہو کیونکہ شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا مرتبہ نیابت خاصہ محمدیہ اور خلافت احمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور اقطاب آپ سے بہت مقام نیچے ہیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے اور آئندہ بھی خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ کو انشاء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا۔ اور یا پھر اس کا یہ مطلب ہے کہ تمہیں ولایت میں رجولیت کے مرتبہ پہ پہنچ چکے ہو جبکہ رجولیت کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ اس سے عبادت ہے کہ سالک صورت کے لحاظ سے ایک عام آدمی نظر آتا ہو اور معنی اور فعل کے سے خاص درجہ رکھتا ہو۔ اور اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ تم ظاہر میں تو ایک عام آدمی کی طرح معلوم ہوتے ہو کیونکہ تم بھی ہمارے اوہر کی تعمیل کرتے ہو اور باطن میں تم خواص کے مرتبہ تک ترقی کر چکے ہو کیونکہ تم اپنے زعم سے نکل چکے ہو اور میرے حال کی تجلی کی کامیابی میں خدا کے حکم سے داخل ہو چکے ہو اور اس صورت میں یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ تم ظاہر میں تو عام قطب معلوم ہوتے ہو لیکن باطن میں اقطاب خاصہ میں سے ہو اور اقطاب کے مراتب کی تفصیل عنقریب آپ کو

Scanned by CamScanner

آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کے قول مقامکم العلی جمیعاً ولکن + مقامی فوقکم مازال عالی + کے تحت معلوم ہو جائے گی۔ اور "مازال" کے لفظ میں یہ اشارہ بھی ہے۔ کہ اس مرتبہ کے نیچے بچپن اور رہاق (قریب بلوغ) کے درجے بھی ولایت میں موجود ہیں پھر جب سالک مردوں کے مقام پر پہنچ جاتا ہے تو کامل ہو جاتا ہے اور رجولیت کے بعد تو پھر صرف بڑھاپے (شیخیت) کا مرتبہ ہی ہے اور جب آدمی شیخ ہو جاتا ہے تو پوری فراست والا ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ اولیاء اللہ میں سے کسی سے سوال کیا گیا کہ آدمی کب رجولیت کے مقام پر پہنچتا ہے؟ تو انہوں نے کہا "جب اس سے منی ختم ہو جاتی ہے"۔ اور یہ شریعت اور طریقت اور معرفت اور حقیقت کے لحاظ سے ایک پورا نکتہ ہے۔ اس کو وہی آدمی سمجھ سکتا ہے۔ جس کے حقائق میں قدم ہوں اور دقائق میں بھی۔ اے اللہ مجھے طریقہ قادریہ علیہ میں واضح طریق کی راہنمائی فرما اور اس مبارک قصیدہ کی شرح میں میرے علم اور نور کو زیادہ، اے قبول کرنے والے۔

عطا شدہ افادہ :- پھر اس بیت شریف میں ایک اور اشارہ بھی ہے جس پر متنبہ کرنا ضروری ہے۔ تاکہ ان میں سے ہر ایک طالبین کے اندھیرے دور کرنے میں چراغ کی طرح ثابت ہو پہلا یہ ہے کہ مرید نہیں جانتا کہ اس کے حال کے لائق کونسی چیز ہے؟ پھر وہ بعض اوقات متردد اور پریشان ہو جاتا ہے کہ کیا کرے تو شیخ کے لئے ضروری ہے کہ اس کے حال کا پتہ رکھے اس کی دلجوئی کرتا رہے اور جو اس کے لئے زیادہ فائدہ مند ہو وہ اسے بتائے اور کہے اے مرید! تیرے لئے ضروری ہے کہ تو ان ترددات سے جو حیرت کا باعث ہیں باہر نکل آئے اور اس حال سے متخلق ہو جا جو تو نے مجھ سے لیا ہے یعنی وہ نسبت جو حال اور جذب الی اللہ کا باعث ہے۔ اس کی تربیت اور تعمیر سے غفلت نہ کیونکہ یہ جذبہ ایک نو وارد مسافر ہے تیری طبیعت روک کے ماحول میں اس کا کوئی ساتھی نہیں ہے اگر تو چاہتا ہے کہ اس کی مجلس تجھ سے خالص ہو جائے تو گندگی کو دور کر دے اور مرشد کے دل کے سورج کے روشن انوار سے آراستہ ہو جا اور میری حمایت میں داخل ہو جا تاکہ امن والوں سے ہو جائے جیسا کہ اس کے متعلق آئندہ کلام آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کے قول مریدی لاتخف اللہ ربی کے تحت آئے گا اور ایک اور قصیدہ میں آپ کا قول ہے۔ مریدی تمسک بی وکن بی واثقا اور ایک اور قصیدہ میں ہے۔ کن قادری الوقت تعش سعید دائماً۔ اور ان کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہ کے اور اقوال بھی اس میں وارد ہیں۔

اور قاعدہ کلیہ اس میں وہ ہے جس کی طرف آپ نے جلاء الخاطر میں اشارہ فرمایا ہے کہ "تجھ پر مجالس ذکر کا دوام اور علم کے مطابق عمل کرنے والے شیوخ سے حسن ظن رکھنا اور ان کے احکام کو سننا نہایت لازمی ہے"۔ جب مرید کی صحبت اپنے شیخ سے درست ہو جاتی ہے تو پھر وہ اس کو اپنے دل کے اندر سے معرفت کے طعام اور شراب کے تحفے اور رزق عطا کرتا ہے۔ اے مریدو! اپنے اخلاق سے فارغ ہو جاؤ۔ کل (قیامت کے روز) ایک عجیب آواز سنو گے کہ جنت والوں کو کہا جائے گا "جنت میں داخل ہو جاؤ"۔ اور آج جب اللہ کے بندوں کے دلوں پر حق طلوع فرماتا ہے اور ان کو دنیا اور جنت اور ماسوائے خالی دیکھتا ہے تو ان کو کہتا ہے "میرے قرب کی جنت میں دنیا اور آخرت میں داخل ہو جاؤ"۔ آپ کی عبارت شریفہ ختم ہوئی۔ اور جس کو ادنی سا بھی معنوی مس بھی ہے وہ جانتا ہے کہ اس عبارت میں کتنے فوائد اور انعامات ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ شیخ مرشد کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے حاصل شدہ علم کے مطابق عمل کرنے والا ہو۔ اور اس طریق کی منزلوں اور اس گہری راہ کی گھاٹیوں سے واقف ہو۔ دوسرا یہ کہ ضروری ہے کہ مرید اس کی

صحبت میں ہمیشہ قائم دائم رہے۔ اس بھوکے کی طرح جو اغنیاء کی گلیوں میں چکر لگانے میں مصروف رہتا ہے۔ اور تیسرا یہ کہ ضروری ہے کہ صحبت صحیح ہو اور اس کا مطلب یہ ہے کہ مرید اپنے اختیار سے دستبردار ہو جائے بلکہ اپنے شیخ کی نسبت سے ایک دودھ پینے والے بچہ کی طرح ہو جائے جو دایہ کی گود میں ہوتا ہے۔ یا جس طرح گیند چوگان کے قبضہ میں ہوتا ہے یا جیسے میت غسل دینے والے کے قبضہ میں ہوتی ہے تو اس کا ظاہر اور باطن اپنے شیخ کا غلام ہو جائے۔ شیخ کے سامنے نہ اس کا کوئی ارادہ ہو نہ عزت نہ مال نہ گھر نہ کپڑا نہ کھانا نہ پینا۔ جب اس طرح کی صحت ہو جائے گی تو دونوں سینوں میں مناسبت پیدا ہو جائے گی۔ اور دونوں دلوں میں ربط پیدا ہو گا تو وہ دونوں ایک دوسرے کو اس طرح جذب کریں گے کہ دوئی ختم ہو جائے گی۔ اور وہ ایک دوسرے کا عین ہو جائیں گے اور چوتھا یہ کہ اس مرتبہ میں بھی مرید پہ لازم ہے کہ شیخ سے کچھ نہ مانگے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا دعویٰ ہے اور دعویٰ ہی نحوست ہے۔ اور پانچواں یہ کہ ضروری ہے کہ اس صحبت کے تحقق کے بعد شیخ ارشاد میں توقف سے کام نہ لے کیونکہ غوث کے ارشاد کے مطابق یہ بخل ہے فرماتے ہیں "اگر تیرے پاس ٹھنڈا پانی ہو اور تجھ سے کوئی پیاسا طلب کرے اور تو اس کو نہ دے تو تو سب بخیلوں سے زیادہ بخیل ہے" ہاں اگر توقف مناسب ہو تو توقف کرے اور صحت کے بعد تو ضروری ہے کہ توقف نہ ہونا چاہیئے۔ اور چھٹا یہ ہے کہ اگر شیخ کامل سے توقف ہو تو مرید کو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ صحبت کی صحت متحقق نہیں ہوئی۔ اور اس صحبت کی تحقیق میں شرط وہ ہے جس کی طرف شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ نفس کی موافقت نہ کی جائے اور اس کی تفصیل آپ کا یہ قول ہے "تم پہ افسوس ہے خدا تعالیٰ سے جھگڑا کرنے میں اپنے نفسوں کی اطاعت نہ کرو اور تمہارا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو تمہارے پہلوؤں میں ہے۔ جب تم اس کو سیر کرو گے اور موٹا کر دو گے تو یہ تم کو کھائے گا۔ یہ ایک نقصان دینے والا درندہ بن جائے گا اس کی خواہشات و لذات ختم کر دو اور اس کا حق اس کو دیتے رہو اور حق وہ ہے جس کے بغیر گذارہ نہیں جیسے بھوک مٹانے کے لئے روٹی کا ٹکڑا اور ستر ڈھانپنے کے لئے کپڑا اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی شرط رکھو اور اس کو کہو کہ میں تیرا حق تجھ کو صرف اس صورت میں دوں گا۔ کہ تو خدا تعالیٰ کی اطاعت کرے روزے رکھے نماز پڑھے۔ اور وہ تمام کام کرے جن کا اللہ تعالیٰ نے تجھے طاعات میں سے حکم دیا ہے اس سے پورا مناظرہ کرو جب آپ اپنی جگہ پہ قائم رہیں گے تو اس کی برائی مر جائے گی اور اس بھلائی باقی رہے گی اور پھر اس کو حلال کھلاؤ اور اسے مطمئن کرو اور اس سے کبھی مطمئن نہ رہو منافقت اس کی عادت اور لذت ہے وہ اس لئے نمازیں پڑھتا ہے اور روزے رکھتا ہے اور مشقتیں برداشت کرتا ہے کہ وہ لوگوں سے اپنی تعریف سنے" شیخ بزرگ کی جلاء الخاطر کی عبارت ختم ہوئی۔ اور اس عبارت میں بہت سے فوائد ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ نفس غالباً سیر ہو کر کھانے پینے اور ماکولات و مشروبات میں سے اپنی خواہشات پوری کرنے سے موٹا ہو جاتا ہے اور یہ ابتدائی حالت ہے اور جب اس کا کمال انتہا کو پہنچ جاتا ہے کہ وہ نمازیں پڑھتا ہے روزے رکھتا ہے اور مشقتیں برداشت کرتا ہے تو اس وقت وہ اپنے نفاق کی قوت ہی سے موٹا ہوتا رہتا ہے یعنی مجالس میں اپنی مدح و ثنا سننے وغیرہ سے اور دوسرا یہ ہے کہ نفس سے کبھی انسان کو مطمئن نہیں ہونا چاہیئے۔ خواہ ابتداء میں ہو یا انتہا میں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نفس کو بھوک اور پیاس سے بے دم کر دیا یہاں تک کہ آپ نے

Scanned by CamScanner

بیس سال تک اس کو پینے کے لئے پانی بھی نہ دیا اور اس کے بعد جب نکلا تو موٹا تازہ نکلا۔ جیسے اس کی تمام خواہشات پوری ہوتی رہی ہوں تو ابویزید بسطامی اس کے موٹا ہونے کے متعلق حیران رہ گئے تو اس سے پوچھنے پر آپ کو الہام ہوا اور نفس نے کہا اے بایزید میرے موٹا ہونے کے متعلق حیران نہ ہو کہ مجھے میرا قوت ملتا رہا ہے اور وہ یہ کہ جب آپ مسجد کو جاتے تو آپ جوتیوں کے لئے خادم کا انتظار کرتے بس یہی غرور اور مخفی تکبر میرے قوت کے لئے کافی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مولا روم قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ بیت "اگر نفس تجھے نماز و روزہ کا حکم دے تو نفس مکار ہے ضرور کوئی تجھ سے مکر کرے گا۔" اور میں نے اپنی ایک کتاب "معارف قادریہ" میں اس کی چار قسمیں لکھی ہیں۔ امّارہ۔ مکّارہ۔ سحّارہ اور مضطرب الکمال۔ اور ان کے متعلق پوری تحقیق کی ہے اگر آپ اسے دیکھیں تو امید ہے کہ اسے بڑی اچھی طرح قبول کریں۔ بس پوری بھلائی اور برکت نفس کی مرادیں ختم کرنے اور اس کے فساد کے مواد کو دور کرنے میں ہے اور اس کا طریقہ وہی ہے جس کی طرف شیخ بزرگ نے اپنی کتاب جلاء الخاطر میں اشارہ فرمایا ہے۔ "تو ہمیشہ نفس کی تربیت و صنعت کرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ اتنا بوجھ اٹھائے گا کہ اس کے سوا اور کوئی نہ اٹھا سکے گا۔ جیسے مہری اونٹنی جسے تو چھوٹی سی خریدے تو وہ تیرا بوجھ یا تیرے پالان کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی اور جب اس کی تربیت ہو جاتی ہے اور بڑی ہوتی جاتی ہے۔ اور اس کی جوانی پر تو مطمئن ہو جاتا ہے تو پھر وہ تیرا سامان اٹھا لیتی ہے اور تیرے نیچے وہ جنگلوں اور میدانوں کو طے کرتی جاتی ہے۔ تو اپنے نفس کا عاشق ہے تو اس کی مخالفت کی طاقت نہیں رکھتا وہ روز بروز جہاں چاہے تو کھینچے پھرتا ہے وہ تیری موت اور تیری پھانسی ہے۔" آپ کی عبارت شریفہ ختم ہوئی۔ اور تیسرا یہ ہے کہ مدح اور ثنا ایک بہت بڑا بُت ہے بشرطیکہ سالک یہ مدح مخلوق سے چاہے اور اس پر خوش ہو ورنہ نہیں۔ پہلے کا معنی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ "اگر تو نے اپنے ساتھی کی تعریف کی تو تو نے اس کی گردن کاٹ دی اور دوسری صورت میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کبار کی مدح فرمائی جیسا کہ امیر المومنین ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی اور حضرت عثمان اور علی رضی عنہما کی اور ان کے علاوہ عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کی اور پھر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی اور دوسرا اشارہ یہ ہے کہ شیخ جب اپنے قول سے مریدین کے ارشاد اور اخبار کے لئے متکفل ہو جائے تو شیخ اس وقت اس ولایت میں جو نبوت کا ظل ہے اور اس کی حیثیت نیابت کی ہوگی خصوصاً آپ رضی اللہ عنہ کی ذات تو کامل اکمل ہے ارشاد نبی علیہ السلام کی تبلیغ کے قبیل سے ہوگا یہی وجہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ "کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں یعنی ظاہری علماء جو ظاہری علم کی تبلیغ کرتے ہیں اور باطنی علوم کی تبلیغ کرتے ہیں اور یہ دونوں امر خلفاء اربعہ اور ان لوگوں میں جو اولیاء اللہ میں سے ان کے قریب قریب تھے موجود تھے۔ خصوصاً شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی ذات کہ انہیں ہر ایک درجہ میں ابتداء سے کر انتہا تک نیابت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام عطا کی گئی ہے۔ جیسا کہ آپ نے اپنے ایک اور قصیدہ میں فرمایا "مجھے خدا نے ایک بہت بڑی ولایت بخشی ہے جو وہ میرے سوا اور کسی کو قیامت تک نہیں عطا کرے گا۔" اور ایک اور قصیدہ میں فرمایا: "عشق میں جتنے بھی میٹھے گھاٹ ہیں ان میں سے سب سے زیادہ لذیذ اور پاکیزہ میرا حصہ ہے۔ پہلے لوگوں کے سورج غروب ہو گئے اور ہمارا سورج افق کی بلندیوں پر چمکتا رہے گا غروب نہیں ہوگا۔ پس شیخ بزرگ رضی

مدنی میں بیت میں اشارہ فرمایا ہے۔ کہ آپ کو مرتبہ نیابت اور ارشاد اقطاب سے لے کر مراتب عالیہ تک عطا کیا گیا ہے اور اس میں اس وہم کی جڑوں کو توڑنا بھی مقصود ہے جو کہ اقطاب اپنے حاصل شدہ مراتب عالیہ پر اکتفا کر بیٹھے ہیں۔ کہ اے اقطاب ان مراتب پر اکتفا نہ کرو جو تم کو حاصل ہوئے ہیں اور یہ نہ سمجھو کہ اللہ تعالے کا خزانہ صرف اسی قدر تھا جو تم پر صرف ہو گیا بلکہ اگر تم اس کے بعد اور کچھ مانگو گے تو تم کو ملے گا۔ اس لئے کہ جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جاتا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ ختم نہیں ہوتا۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے اللہ کے پاس خزانے نہ ہوں اور میں نہیں اتارتا ان میں سے مگر تھوڑی سی مقدار اور تیسرا اشارہ یہ ہے کہ شیخ بزرگ رضی اللہ تعالے عنہ گویا کہ اقطاب کو استعداد کی زیادت کے لئے تعلیم دے رہے ہیں۔ یعنی تم اگرچہ تمہاری استعداد پوری ہو چکی ہے اور تم ان مراتب عالیہ تک پہنچ چکے ہو لیکن میں اپنے حال اور اپنی استعداد کے بادلوں سے تم پر قوت اور زیادت کی بارش برساتا ہوں سو تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم میرے قرب کے گھر میں اترو اور میرے حال سے تمسک کرو اور میرے مراتب عالیہ کی بساط میں داخل ہو جاؤ اور یہ اسی طرح کا معاملہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر آگ دیکھنے میں گذرا کہ آپ نے ایک سبز درخت سے آگ دیکھی جس کو دیکھنے والا آگ ہی خیال کرتا گویا کہ وہ اس کے طالب تھے اور یہ آگ اس نور کے درخت سے تھی جو اللہ اللہ کی تجلی سے روشن ہو رہا تھا تو موسیٰ علیہ السلام پریشان ہو گئے آپ سے کہا گیا اپنے دائیں ہاتھ کی چیز پھینک دو تو وہ ناگہاں ایک دوڑتا ہوا سانپ تھا۔ تو موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈر گئے تو حکم ہوا کہ اے موسیٰ اس کو قوت سے پکڑو اور اپنی قوم کو حکم دو۔ اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان سے نکالو تو وہ نہایت سفید تھا۔ یہ سب کچھ تعلیم اور افادہ کے طور پر تھا تا کہ آپ میں نبوت کا بوجھ اٹھانے کی استعداد پیدا ہو جائے اور پہلے گذر چکا ہے کہ شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے شیخ علی بن ہیتی کے مرید پر استعداد کا افادہ فرمایا۔ اگر آپ یہ سوال کریں کہ آیا استعداد بھی بڑھ سکتا ہے تو میں کہوں گا کہ یہ دلیل صریحا استعداد کی زیادتی پر دلالت کر رہی ہے اور جو بعض لوگوں کے حق میں واقع ہوا ہے کہ وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے جیسے ابو طالب اور ان جیسے اور لوگ تو یہ مضر نہیں ہے کیونکہ ان کے متعلق اللہ کا یہی فیصلہ تھا اور اثبات تو اثبات وقوع کے متعلق ہو رہی ہے نہ کہ قاعدہ کلیہ کا اثبات اور یہ استعداد کو صیقل کرنے کے قبیل سے ہے نہ کہ حقیقتاً استعداد میں زیادت کا افادہ اور اللہ ہی اپنے اولیاء کی مراد کو خوب جانتے اور پہلی بات کی تائید آپ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے۔ والفعل ما تشاء فالاسم عال اور عنقریب اس بات کی تحقیق انشاء اللہ آئے گی کہ شیخ بزرگ رضی اللہ تعالے عنہ کو دوسرے اولیاء اللہ سے بڑھ کر تمکین کا مرتبہ حاصل ہوا تھا اے اللہ مجھے اس تصنیف خمریہ کی شرح لکھنے میں زیادہ تحقیق عطا فرما۔ اور بحرمت کہیعص اس شرح کو پورا کرنے کی کامیابی سے ہمکنار کر تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ تعالے اپنی مخلوق میں بہترین خلقت حضرت محمدؐ اور ان کی تمام آل پر رحمت فرمائیں۔ اے اللہ مجھے عبدالقادر کی طفیل ثابت قدم رکھ وہ دیکھنے والے نبی کے نور ہیں اور شیخ کے نور کی طفیل اس کے کلام کی شرح کی زیادہ کر دے۔ آپ کے مقصود کی شرح میرے دل میں ڈال دے۔ میرے پاس آپ کے اسرار کے سوا کوئی شرح صدر نہیں ہے وہ نبی کا چاند ہے بہترین عبد ہے اے اللہ محمد مصطفیٰ پر درود نازل فرما اور

تمام صحابہ پر جو اہل تقویٰ ہیں اور آپ کے خاص نائب تھے پر یعنی شیخ محی الدین بلند نور پر اس لجھ کے فقیر کی طرف نگاہ کر تیرے سوا کوئی مددگار اور کوئی غوث نہیں ہے۔

اور جو تھا اشارہ یہ ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا قرب کے خاص نہاں خانہ تک صعود کرنے اور واصل ہونے کی وجہ سے اس طرح ہو چکے تھے کہ اولیائے کاملین بھی آپ کے حال کو نہیں پہچانتے تھے بلکہ انکار کی طرف مائل ہو جاتے تھے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ عبدالرحمٰن طفسونجی قدس سرہ منبر پر چڑھے اور کہا میں اولیاء اللہ میں اس طرح ہوں جیسا کہ پرندوں میں پرندہ کرکی جو لمبی گردن والا ہوتا ہے (کلم ڈھینگ) اور اس مجلس میں شیخ ابوالحسن علی بن احمد حسینی بھی حاضر تھے اور یہ شیخ بڑے بلند مقام اور بڑے بڑے لوگوں میں بڑے عالی رتبہ تھے۔
عبدالرحمٰن کی اس بات سے ان کی غیرت کی رگ پھڑک اٹھی آپ کھڑے ہو گئے اور اپنے بدن سے گودڑی اتار ڈالی اور کہنے لگے اے شیخ عبدالرحمٰن آؤ مجھ سے کشتی لڑو تو شیخ عبدالرحمٰن خاموش ہو گئے اور پھر فرمایا اس شخص کے بدن میں کوئی بال بھی عنایت الٰہیہ سے خالی نہیں دیکھتا اس سے کہو اپنی گودڑی پہن لے انہوں نے نہ پہنی اور کہا جس سے میں باہر آ گیا ہوں اس میں دوبارہ داخل نہ ہوں گا۔ پھر شیخ نے فرمایا تو کون ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے! اور تیرا شیخ کون ہے؟ تو ابوالحسن نے کہا میرے شیخ عبدالقادر جیلانی ہیں تو شیخ عبدالرحمٰن نے کہا میں نے تو تیرے شیخ کا نام صرف دنیا میں سنا ہے اور میں چالیس سال سے قدرت کے دروازہ کی سیڑھیوں تک جاتا ہوں اور میں آپ کے شیخ عبدالقادر کو وہاں نہیں دیکھتا۔ پھر عبدالرحمٰن نے اپنے ساتھیوں سے کہا بغداد کی طرف جاؤ اور ان سے جا کر سوال کرو اور کہو کہ عبدالرحمٰن آپ کو سلام کہتا ہے اور اس کے بعد کہتا ہے کہ میں آپ کو قدرت کے دروازہ کے پاس نہیں دیکھتا ہوں نہ اندر نہ باہر" جب ان کے ساتھی راستے میں جا رہے تھے تو شیخ سید عبدالقادر نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا طفسونج کے راستہ کی طرف جاؤ تم کو شیخ عبدالرحمٰن طفسونجی کے مریدوں کی ایک جماعت ملے گی ان کو جا کر میرا یہ رقعہ ان کے رقعہ کے جواب میں دے آؤ اور وہ جواب یہ تھا کہ "اے شیخ عبدالرحمٰن آپ تو قدرت کے باب الدرکات میں ہیں اور میں باب السر میں ہوں جسے مخدع دنیا کہا جاتا ہے۔ اور جو آدمی درکات میں ہو وہ اس آدمی کو کیسے دیکھ سکتا ہے۔ جو حضرت میں ہو اور جو حضرت میں ہو وہ اس کو کیسے دیکھ سکتا ہے۔ جو مخدع میں ہو آپ مجھ کو دیکھنے سے محجوب ہیں کیونکہ آپ نیچے ہیں نہ کہ بلند اور اگر آپ کو اس میں کچھ شک ہو تو یاد کریں کہ فلاں وقت میں نے تم کو اپنے ہاتھ سے خلعت رضا عنایت کی تھی اور خلعت فتح فرحی جس پر سونے کی تاروں سے سورۂ اخلاص لکھی ہوئی تھی میں نے تم بارہ ہزار اولیاء اللہ کی مجلس میں دی تھی وہ میری مجلس اور تصرف سے آپ کو عطا ہوئی کیا آپ اس واقعہ کو بھول چکے ہیں یا محجوب ہو گئے ہیں؟" جب یہ جواب عبدالرحمٰن طفسونجی کو پہنچا اور اس کو پڑھا تو فرمایا سچ ہے۔ شیخ عبدالقادر وقت کے بادشاہ ہیں۔ صاحب تصرف ہیں۔ تو شیخ بزرگ نے اپنے اس قول میں تلک سائر الاقطاب گویا کہ بیان کر دیا ہے کہ وہ اولیاء جو آپ رضی اللہ عنہ کے مقام کو نہیں پہچانتے کہ تم پہ لازم ہے کہ اپنے حجابات اور میرے حالات کے عدم وجدان سے نکلنے کے لئے میرے حال میں اترو اور میرے قرب کے علم میں داخل ہو جاؤ تاکہ تم کو میرے بلند مقامات کا پتہ چل سکے اور تم جان لو کہ میرا مقام تم سب سے بلند رہا ہے۔ اور یہ شیخ بزرگ

کی طرف سے ان کو تعلیم ہے کہ ان کے حال کا انکار نہ کریں اور اپنے نفس کی بلندی کا دعویٰ چھوڑ دیں۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ بہت سے اولیاء اللہ ایسے ہیں جو دوسرے اولیا کے حال سے واقف نہیں ہوتے بلکہ آپ نے فتوح الغیب میں لکھا ہے کہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ شیخ اپنے مرید کا حال نہیں جانتا تو اس کا اظہار کرنا اور حجاب اور غرور کی ظلمت کو دور کرنا ضروری تھا تو شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے مقام کے متعلق حجاب اور عدم علم سے نکالا ہے تاکہ ان کو ان پر بلند مرتبہ ہونے کا وہم نہ رہے اور اس معنی کی تائید آپ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے تم سب کا مقام بلند ہے۔ لیکن میرا مقام ہمیشہ سب پر بلند رہا ہے!!

پھر اس قصہ میں جو عبدالرحمٰن طفسونجی اور آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے مرید کے درمیان ہوا۔ کئی ایک اشارے ہیں پہلا اشارہ تو یہ ہے کہ جائز ہے کہ کسی ولی سے اپنے کمال اور بلندی درجہ کے متعلق کوئی کلمہ نکل جائے لیکن کبھی ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کے حال سے واقف نہیں ہوتا جیسا کہ شیخ طفسونجی تھے اور کبھی بالکل واقع کے مطابق کئی ہزار اولیاء کاملین کی مجلس میں ایسا ہوتا ہے جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ میرے یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہیں تو پہلا قول سُکر کی وجہ سے ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے قائل پر اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر کر دیا کہ آپ کا یہ مقولہ علم جزئی کی بنا پر صادر ہوا ہے اور دوسرا قول مطلق صحو ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کے اس قول کو قیامت تک رائج کر دیا۔

دوسرا اشارہ یہ ہے کہ اس قسم کے اقوال ایسے ہونے چاہئیں جن پر تمام اولیائے کاملین کا اتفاق ہو کیونکہ کشف میں مغالطہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ اہل اجتہاد پر مسائل فقہیہ میں دل کی واردات میں خطا ممکن ہے اور ان دونوں قسم کے کہنے والوں پر کوئی مواخذہ نہیں ہے کیونکہ وہ معذور ہیں۔

اور تیسرا یہ اشارہ ہے کہ جب کوئی آدمی اپنے حال کی بلندی کا دعویٰ کسی شیخ کے مرید کے سامنے کرے تو ضروری ہے کہ مرید کی رگ حمیت پھڑک اٹھے کیونکہ وہ اکثر اپنے شیخ کو تمام شیوخ سے بہتر اور فائق سمجھتا ہے خصوصاً وہ شیخ جس کے قدم اولیاء کی گردن پر تھے اور اس پر تمام کاملین اور اکملین کا اتفاق ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ مرید پر لازم ہے کہ یہ عقیدہ رکھے کہ اس کے شیخ جیسا شیخ دنیا میں کوئی نہیں ہے یعنی اس کے حق میں نافع کوئی نہیں ہے۔

اور چوتھا اشارہ یہ ہے کہ اس جیسے شیخ کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مرید کے حال سے واقف ہو اور جو کچھ اس پر گذر رہا ہے اس کو معلوم ہو۔

اور پانچواں اشارہ یہ ہے کہ جب کسی شیخ پر حق ظاہر ہو جائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے سُکر کے حال میں نکلے ہوئے الفاظ سے رجوع کرے اور یہ اس کی صفائی کی علامت ہے ورنہ وہ کہنے والا متکبر اور ضدی ہو گا۔ وہ ہماری بحث یعنی بساط ولایت اور تکیۂ عنایت سے خارج ہے اور اگر تو نظیر غور دیکھے تو تجھ کو اس میں بہت سے ارشادات معلوم ہوں گے۔

Scanned by CamScanner

اور چھٹا اشارہ یہ ہے جس کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے دوستوں کو جو خاص قرب کی حالت میں عطا فرماتے ہیں وہ قرآن مجید کے حروف سے کشیدہ کاری کی ہوئی ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے فرمایا ہے۔ اتانی خلعۃ بطراز عزم ٭ وتوجنی بتیجان الکمال۔ اور اس کے متعلق باقی کلام اس بیت شریف کے بیان میں انشاء اللہ تعالےٰ خدا کے فضل وکرم سے آئے گا۔

اور پہلے اشاروں میں سے چوتھا اشارہ یہ ہے کہ وہ اولیاء اللہ جن کو مخاطب کیا گیا ہے وہ ابناء الحال تھے۔ ابوالحال نہیں تھے لیکن ابن الحال سوار نہیں ہوتا وہ پیدل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے فرمایا ہے۔ انتم رجالی اور شیخ رضی اللہ عنہ ابوالحال تھے کیونکہ ان کے ساتھ رجالیت کا خصوص ولایت کرتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ سوار تھے۔ یہ وہ ہے جو مجھے میرے اللہ نے اس بیت کی شرح میں الہام کیا میں نے اس کو مختصر طور پر یہ تحریر کیا ہے۔ اور انشاء اللہ تعالےٰ خدا کے فضل وکرم سے مجھے اس کے متعلق ابھی بہت سے معلومات ہیں سو تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے نور تحقیق کی رہنمائی فرمائی اور درود ہو اللہ کے حبیبؐ پر کہ جن کے اوامر ہر راہ سے محتاج آتے ہیں اور آپ کی آل اور اصحاب اور خاص نائب پر ہو۔

مناجات:۔ اے میرے خداوندا تیرا گنہگار بندہ تیرے پاس آیا ہے اپنے گناہوں کا اقراری ہے اور تجھے پکارتا ہے۔ اگر تو اسے معاف کر دے تو تو اسی لائق ہے۔ اور اگر تو ہانک دے گا تو پھر تیرے سوا کون رحم کرے گا۔ اے اللہ تیری رحمت کے جذبات میں سے ایک جذبہ مجھے کافی ہے اور تیری فیض کی شراب میں سے ایک شراب مجھے بے نیاز کر دے گی۔ مجھے اپنی معرفت کی شراب کے پیالوں کی اپنے بڑے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں رہنمائی فرما۔ آپ وہ ساقی ہیں کہ ان کے فیض کے پیالوں سے پیاسے سیر ہوتے ہیں۔ اے اللہ کے رسولؐ اے اللہ کے حبیبؐ تو وہ ہے کہ تیرے جمال کے وصال کے شوق میں عاشقوں کے رخساروں پر فراق کے آنسوؤں کی شراب جاری ہوتی ہے۔ تو وہ ہے کہ تیرے جمال کے وصال کے خیال کو مجتمع کرنے کے لئے بصیرتوں کے راز اور افکار ہجر میں قائم ہیں اللہ آپ پر رحمتیں برسائے اور اپنے فضل واحسان کے ہاتھوں سے رحمت کے پیالے پلائے آپ اس بندۂ حیران وپیاسے کی طرف نگاہ ڈالیں۔ اور اپنی شراب کا ایک قطرہ میرے دل کے حلق میں ڈالیں اور میری روح کو سیراب کر دیں اے غوث الاعظم میری مدد فرمائیں اور اپنے کلام کی شرح میں ہر ساعت میری امداد کریں اور اپنے طریقہ کے سرائر پر مطلع فرمائیں اور اپنے حال اور مقام کی شراب اے ساقی وانی مجھے پلائیں کہ آپ کے سوا میری کوئی جائے پناہ نہیں تو ہی وہ ہے جو اسرار کے ٹھنڈے پانیوں سے پیاسوں کو سیراب کرتا ہے اور آپ ہی نے عقلمند طالبوں کے ہر فرد کو نظروں کے پیالوں سے فیض کی شراب پلائی ہے۔ آمین۔ آمین۔ آمین۔

وَهِمُّوْا وَاشْرَبُوْا اَنْتُمْ جُنُوْدِيْ فَسَاقِي الْقَوْمِ بِالْوَافِي الْمَلَالِ

ہمّوا۔ ہمّ یہمّ سے امر کا صیغہ ہے بمعنی قصد کرنا اور یہاں اس سے وہ قصد کامل مراد ہے جس سے رجوع کا خطرہ

رہے۔ گویا کہ یہ قصد ان کے دلوں میں ایک ہَمّ اہتمام پیدا کر دے اور اسی معنی میں اس سے لفظ مُہتَم اشتقاق کیا جاتا ہے یعنی وہ کام جو مہتم بالشان ہو تو گویا کہ آپ نے اس طرح فرمایا قصد کرو اور جو میں کہہ رہا ہوں اس کو بڑا اہم سمجھو اور میری وہ فکر ایسی ہو جو اللہ تعالٰے نے مجھے دی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ ہَمَّہٗ الامرو ہمّا سے مشتق ہو یعنی اس کام نے اس کو فکر مند کر دیا اور یا پھر ہَمَّہٗ السُّقم ہمّا سے مشتق ہو یعنی بیماری نے اس کے جسم کو پگھلا دیا اور اس کا گوشت ختم کر دیا۔ بہر حال ہر طرح یہ اشارہ ہے کہ پہلے رتبۂ عطش حاصل کرو اور پھر پیو کیونکہ پینا پورے شوق کے بعد ہی ہوتا ہے۔ جو پیاس کامل پیدا کرے جس کو عاشق اور طالب لوگ حزن اور فراق سے تعبیر کرتے ہیں اور اس سے اس حدیث کا معنی بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ہمیشہ کا ہمیشہ کا حزن تھا آپ دائمی حزن والے تھے۔ اور مرتبۂ فنا کے حصول کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس سے وجود بشری پگھل جاتا ہے اور جسمانی لوازمات قدسی مکارم کے ساتھ تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اور پھر شیخ واصل کامل کی شرابوں میں سے پینا ہے اور صیغہ اِشرَبُوا بھی امر کا صیغہ ہے۔ شَرِبَ یَشرَبُ سے یعنی باب علم یعلم سے اور شرب پینے والے کے اندر تاثیر کلی سے عبارت ہے جیسا کہ اس کی طرف اللہ تعالٰے کا یہ قول اشارہ کر رہا ہے واشربوا فی قلوبھم العجل پس شرب اور سقی دونوں ہم معنی الفاظ ہیں یا سقی کے لفظ میں معنی کی زیادتی ہے۔ جیسا کہ آپ کا یہ قول اس طرح اشارہ کرتا ہے۔ سقانی الحب۔ اور یہاں شرب اور سقی میں ایک اور بھی فرق ہے کہ شرب کا اکثر استعمال پانی میں یا شراب کے سوا دوسرے مشروبات میں ہوتا ہے اور سقی کا لفظ اکثر شراب میں استعمال ہوتا ہے اور ہر استعمال کی طرف شیخ بزرگ کی عبارت اشارہ کر رہی ہے۔ اس کو خوب سمجھ لو۔ اور جُنُود۔ جند کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے لشکر اور وہ ایک بہت بڑی جماعت ہوتی ہے جو دشمن کے غلبہ کی دیوار کو گرانے کے لئے اکٹھی ہوتی ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس جماعت کے افراد ہتھیاروں مثلاً تلوار۔ نیزے۔ تیر۔ کمان وغیرہ سے مسلح ہوں۔ اور خود۔ ڈھال وغیرہ بھی پہنے ہوئے ہوں جو کہ دشمن کو حسب اوقات دفع کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ اور چونکہ یہ اقطاب دین کے دشمنوں کو دفع کرنے والے ہیں۔ وہ توحید کی تلواریں، پرہیزگاری کی ڈھالیں اور رب الارباب کی جناب میں عاجزی کی کمانیں اور ذکر دائم اور کے تیر اور توکل کے خود وغیرہ پہنے ہوئے ہیں۔ ان پر جند کا لفظ بولا گیا ہے۔ اگر جُند میں ہتھیاروں۔ خود۔ کمان۔ تیر وغیرہ ظاہری ہتھیاروں کا ہونا ضروری ہو تو اس صورت میں اقطاب پر جُنُد کا لفظ مجازاً ہو گا۔ ورنہ حقیقت پر مبنی ہو گا۔ اور میرا خیال تو یہ ہے، اگرچہ مجازاً ہی تھا لیکن اب حقیقت عرفی ہو چکا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جُند (فوج) کا ہر آدمی ہتھیار پہننے والا ہو۔ بلکہ کبھی جُند میں کمزور اور عورتیں اور بچے بھی ہوتے ہیں اور ان سب کو جُند کہا جاتا ہے پس وہ اسم جنس ہے جماعت کے معنی میں۔ اور اس کو جمع کے صیغے سے لانے کی توجیہ بلاغت میں انشاء اللہ تعالٰے آ جائے گی۔ اور ساقی کے لغوی معنی ہیں پانی یا شراب پلانے والا اور سیر سراب کرنے والا۔ اور حقیقت عرفی میں اس کو کہا جاتا ہے کہ جو مجلس میں لوگوں کو شراب پلائے اور اس جگہ اس سے مراد توحید اور کمال کی شراب پلانے والا ہے۔ اور وہ شیخ ہے ہر ارشاد میں اور قوم اسم جنس ہے بمعنی جماعت اور اس کا ہم معنی لفظ رہط ہے اور ان میں فرق صرف اس قدر ہے کہ قوم کا لفظ مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ بخلاف رہط کے جیسا کہ تلویح میں مذکور ہے اور واقی ہر اس چیز کی صفت

ہے. جو کسی کام میں کافی اور وافی ہو لیکن اس جگہ اس سے مراد جام وافی ہے. اور اس کا قرینہ لفظ ساقی اور
لفظ ملآں کی دلالت ہے جس کا معنی ہے شراب یا پانی سے بھرا ہوا. اور یہ بھی درست ہے کہ جام وافی کے لئے ہو
ہو اور ملآں فعال کے وزن پر بمعنی مفعول ہے یعنی بھرا ہوا اور اگر ملآں سے غم کا معنی مراد لیا جائے کیونکہ وہ دل
کو رنجیدہ کر دیتا ہے اور اس میں خوشی کی کوئی جگہ باقی نہیں رہتی تو اس صورت میں جام کی وافی کے ساتھ صفت
مبالغہ کے لئے ہوگی یعنی جام وافی عین ملآں ہو گیا. کیونکہ وہ عشق کے غم کا جام ہے اور عشق میں غم لازم
ہم ہے. بلکہ لفظ عشق و محبت بول کر اس سے اکثر غم مراد لیتے ہیں. جیسا کہ عاشقوں کے نزدیک مشہور و معروف
ہے. اے اللہ ہمیں شراب صافی. وافی. کافی کے بھرے ہوئے جام پلا دے. اے اللہ تو ہی سلام ہے
اور تیری ہی طرف سے سلامتی ہے اور سلامتی تیری ہی طرف لوٹتی ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں بے
شک میں ہی ظالموں سے تھا اور اگر میں بھول جاؤں یا غلطی کر بیٹھوں تو مجھ پر مواخذہ نہ فرما. یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے
نحو:۔ آپ کے قول وَہمُّوا میں واو. اوفنوا پر عطف کے لئے ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دخول کی قید کے
بعد لمّوا پر عطف ہو اور بعض نسخوں میں فا کے ساتھ ہے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فا عاطفہ ہو یا پھر جزا کے لئے
ہو. یعنی جب تم میری ارادت کی بساط میں داخل ہو گئے تو اب قصد کرو اور پیو. اور واشربوا کی واو بھی ہم اور بعد
کے لئے ہے اور جملہ انتم جنودی جملہ مستانفہ ہے اور اس کو اس نسبت کے افادہ کے لئے لایا گیا ہے جو بزرگ
شیخ رضی اللہ عنہ. اور دوسرے اقطاب کے درمیان ہے کہ آپ تو بادشاہ ہیں اور اقطاب آپ کا لشکر ہیں
اور بادشاہ اپنی نعمتوں کو بلاشبہ اپنے لشکر پر تقسیم کرتا رہتا ہے تو گویا کہ آپ کے قول وہموا الخ
میں اشارہ ہے اقطاب کی اس حیرت کو دفع کرنے کی طرف جو شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ کے جلال کے
مشاہدہ سے ان پر طاری ہوئی اور تقبیہ کلام بلاغت کے ضمن میں آئے گا. اور فساقی میں فا تعلیل
کے لئے ہے یعنی میں نے شرب کا حکم مطلق طور پر دیا ہے جیسا کہ اس پر اشربوا کے مفعول کا حذف دلالت
کر رہا ہے. اور یہ تعمیم کے لئے ہے. کیونکہ قوم کے ساقی کے پاس پورے خمار والے پیالے ہیں
اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آپ کے قول اعلم میں جملہ معترضہ ہو. تو انسان کا علم اس کو نفع دیتا ہے اور قوم
سے مراد یا تو اقطاب ہیں جیسا کہ ابتدائی طور پر ذہن میں یہی آتا ہے اور یہ اقطاب کے حال کا بیان ہو تو اس
میں لام عہد خارجی کے لئے ہو گا. اور اضافت لام کے معنی میں ہو گی. جو اختصاص کے لئے مفید ہے.
اور یا پھر مطلق اولیاء مراد ہوں گے اور یہ زیادہ فائدہ مند ہے اور اس صورت میں اس میں یہ اشارہ ہوا
کہ ساقی تمہارے سوا اور اقوام کو بھی پلاتا ہے اور اس کے باوجود وہ بھرے ہوئے جام والا ہے
تم پر لازم ہے کہ بہت سیر ہو کر پیو اور ختم ہو جانے کی فکر نہ کرو کیونکہ جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے
والا ہے اور یہ اللہ تعالٰی کے اس قول کے مطابق ہے "جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جاتا ہے اور
اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے" تو وافی شراب خالص سے بھرا ہوا ہے. اور یہ اللہ کے نزدیک

حصہ ہے جو وہ اپنے اولیاء کو دیتا ہے اور تیرے رب کا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے اور اس معنی کے مطابق بھی اضافت لام کے معنی میں ہو گی جو اختصاص کا فائدہ دیتی ہے لیکن ان دونوں اختصاصوں میں فرق ہے۔ اس کو سمجھ لے اور آپ کے قول بالوافی میں بآ الصاق کے لئے ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مصاحبت کے ہو۔ لیکن پہلا زیادہ بہتر ہے۔ اور دوسرے میں زیادہ باریک نکتہ ہے اور وافی وفا سے اسم فاعل ہے اور ملال دونوں طرح پر صفت ہے اور بالوافی میں لام یا تو عہد خارجی کے لئے ہے اور اس جام وافی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو خدا کی راہ میں پیاسے ہونے والوں کو پلانے کے لئے دیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہل قرب کے نزدیک جو جام وافی مقرر ہے اس کی طرف اشارہ ہو اور یا بغیر معنی کے لئے ہو لیکن پہلا زیادہ مناسب ہے اور دوسرا زیادہ مفید ہے اے اللہ شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے انوار کی برکت سے میرے سینہ نور اور انشراح زیادہ کر دے اے مجیب اے رقیب۔

البلاغت:۔ وہمتوا کو آپ نے اس ارشاد کے لئے زیادہ کیا ہے کہ سعادات الٰہیہ اور کرامات قدسیہ کے کامیابی پختہ قصد اور ارادہ کلیہ پر موقوف ہے جیسا کہ حدیث صحیح نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ "ہر آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس نے نیت کی"۔ تو نیت اور قصد کو صحیح کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ ہر طالب کے لئے سب سے پہلی مہم یہی ہے اور منافع سرمدیہ کو یہی کھینچتی ہے اور اشربوا کا عطف جو ہمتوا پر ڈالا گیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ نیت کے بعد عمل کا ہونا بھی نہایت ضروری ہے۔ تاکہ پورہ فائدہ حاصل ہو سکے۔ پھر جیسے عمل بلا نیت گرد و غبار بن کر اڑ جاتا ہے اسی طرح نیت بلا عمل بھی اس آدمی کے لئے جو وصول کی بلندیوں تک ترقی کرنا چاہے ایک بے پھل درخت کی طرح ہے اور وہ جو صحیح حدیث میں آیا ہے کہ "مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے"۔ اور اس کی توجیہ میں یہ بیان کیا ہے کہ عمل بغیر نیت کے غیر معتبر ہے اور نیت بغیر عمل کے بھی ثواب کا پھل دیتی ہے تو یہ عمل سے بہتر ہوئی۔ تو یہ صرف نفس ثواب کے حق میں ہے اور کلام اس نیت کے متعلق ہو رہی ہے۔ جو انسان کو اسفلیت کی پستی سے نکال کر افضلیت کی بلندیوں تک لے جاتی ہے۔ پھر اس حدیث کے معنی میں اور بھی بہت سی توجیہات میں جن کا یہ مقام متحمل نہیں ہو سکتا اور انشاء میں خدا کے فضل و کرم سے ان کو اس بیت شریف کے معنی کے ضمن میں بیان کر دوں اور ہمتوا کو مطلق لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہم کا طریق قوم کے نزدیک متعین ہے اور وہ ہے سب سے پہلے شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اوامر و نواہی سے آراستہ ہونا اور اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہو گا۔ کہ "جو تم کو رسول دے اسے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز آجاؤ"۔ اور طریقت میں اشارہ ہے اخلاق ردیہ سے نکلنے اور ناسوت سے ملکوت کی طرف عروج کرنے کی طرف جبکہ فضائل قدسیہ کو سمیٹ لیا جائے اور دوسرا اشارہ ہے کہ اپنے حاصل شدہ کمالات اور صفات واصلہ سے فنا ہو کر اللہ تعالیٰ کی صفات سے بقا حاصل کرے جیسا کہ اہل صفا کا ضابطہ مشہور ہے اور ہم نے اس کے بیان کی طرف مقامات میں اشارہ کیا ہے اس کو یاد رکھو۔

جب آدمی رذائل سے پاک اور فضائل سے آراستہ ہو جاتا ہے تو پھر وہ مستحق ہے کہ شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ و ارضاہ عنا کی مجلس میں داخل ہو اور وصال کی شراب کے پیالوں کے پینے کی اس میں استعداد پیدا ہو گئی اگر آپ یہ کہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خطاب اقطاب سے ہو رہا ہے اور وہ ایسی قوم ہیں جو پچھلے درجوں کو عبور کر کے بقا کے درجہ تک پہنچ چکے ہیں پھر یہ آپ کا بیان اقطاب کے متعلق کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ ان کو پہلے ارادہ کا حکم دیا ہو پھر ان مقامات کو عبور کرنے کا جو وصال کے جام نوش کرنے کا باعث ہیں یعنی خداوند تعالٰی کے وصال کے؟ تو ہم کہیں گا کہ معاملہ تو وہی ہے جو آپ کہتے ہیں لیکن کلام شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ و ارضاہ عنا کے حال میں اترنے کے متعلق ہے اور آپ کے سلوک خاص کے متعلق جس سے اللہ تعالٰی نے آپ کو نوازا ہے۔ مختصر یہ کہ شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ و ارضاہ اقطاب کو اس خاص نسبت میں سیر کرنے کے متعلق کہہ رہے ہیں جو اللہ تعالٰی کی طرف سے آپ کو عطا کی گئی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اقطاب اس نسبت قادریہ سے آراستہ ہونے میں مبتدی ہیں اگرچہ وہ اپنی نسبت سے منتہی ہیں اور مقام کی تفصیل یہ ہے کہ اولیاء اللہ میں سے ہر فرد کے ساتھ اللہ تعالٰی کی ایک خاص نسبت ہے جس سے وہ اللہ تعالٰی کی عبادت کرتا ہے اور اسی کے ساتھ اللہ کی طرف ترقی کرتا ہے اور نسبتیں الگ الگ ہیں۔ "اور ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے"۔ ہر نبی کے تفاوت درجات پر شاہد ہے۔ پھر ہر ولی کی نسبت کیسے یکساں ہو سکتی ہے۔ جبکہ ہر ولی کی ولایت ہر نبی کی نبوت کا ظل ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے "اور علم والے لوگوں کے مختلف درجے ہیں"۔ اور اسی کی طرف شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا ہے۔ و کل ولی لہ قدم وانی علی النبی بدر الکمال تو قدم سے مراد ولایت سے حاصل ہونے والی نسبت ہی ہے تو ہر ایک ولی کی نسبت بزرگترین شیخ رضی اللہ عنہ کی نسبت کے تحت ہے۔ کیونکہ آپ کی نسبت افضل الانبیا علیہ وعلیہم الصلوات الزاکیات کی نسبت خاص سے حاصل ہوئی ہے تو بادشاہ کے لشکر ہوتے ہیں اور لشکروں میں بادشاہ سے نسبت رکھنے والے لوگوں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ جو نسبت بادشاہ سے وزیر کو ہوتی وہ کسی اور کو نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ بزرگترین شیخ نے فرمایا تم میرے غیر ہو یعنی میری نسبت کے حاصل کرنے میں متفاوت ہو۔ سو بزرگترین شیخ رضی اللہ عنہ و ارضاہ عنا نے اپنے قول تم وا اپنی نسبت مخصوصہ میں سیر کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ سو وہ اشکال جو وہم کی پیداوار ہیں ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے اور اس کے متعلق بقیہ کلام آپ رضی اللہ عنہ کے قول و کل ولی لہ قدم وانی کے تحت آئے گا۔ اور پھر واشربوا کا لفظ زیادہ کرنے میں ساقی حقیقی کی مجلس میں حاضر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس وصال کا بقا کمال اور بقا سے ہوتا ہے اور جمال کی رویت بزرگترین شیخ کے نور جمال سے سرمہ حاصل کرنے والی بصیرت سے ہوتی ہے اور یہ آپ رضی اللہ عنہ و ارضاہ عنا کے اسی قول کے مطابق ہے جو آپ نے اہل حال بہادر مردوں سے فرمایا ہے اس سمندر کی طرف آجاؤ جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔ مجھے کہا جاتا ہے "اے عبدالقادر تجھے میری قسم کھا تجھے میری قسم پی تو اس سے مطمئن رہ تیری کوئی خواہش رد کی جائے"۔ اور آپ کے بعض کلام میں یہ بھی ہے کہ "میں تم میں سے کسی آدمی کی طرح نہیں ہوں اور مجھے دوسرے پر قیاس نہ کرو میرے اور ان کے درمیان اتنا ہی فرق ہے جتنا زمین اور آسمان میں فرق ہے"۔ جب تم اس نسبت کی مجلس

داخل ہو گئے تو وصال کی شراب کے حصول میں کامیاب ہو گئے۔ سوئم یہ استقامت حاصل کرو گے ساقی قوم کے پاس مستی سے بھرے ہوئے جام ہیں۔

پھر جو آپ نے اپنے قول لمّوا سے لے کر واشربوا تک امر کے صیغے استعمال کئے ہیں یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اقطاب آپ کے حکم کے ماتحت تھے۔ آپ سے پہلے مدبر ہی تھے کیونکہ امر کے صیغہ سے فعل بندی اور فعل کی ہر آن تجدید کے طریق پر مطلوب ہوتا ہے اور اس میں بھی کئی اشارات لطیفہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان میں سے ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کی توجہات ہر آن لحظہ بلحظہ تھی ہیں سو اقطاب ہر لحظہ ترقی کرتے جائیں گے۔ اور ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ کے کمالات غیر متناہی ہیں جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے نانا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات غیر مختتم ہیں اور اس لئے ختم ہونے والے نہیں ہیں کہ ان کی جانب اللہ تعالٰے کے نہ ختم ہونے والے کمالات یہ ہے اور اس کی طرف آپ رضی اللہ عنہ کا یہ قول میرا مقام ہمیشہ تم سے بلند رہا۔ مقامی فوقکم مازال عالی اشارہ کر رہا ہے اور ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ سالک ہمیشہ ترقی نہیں کرتا رہتا بلکہ کبھی وہ قبض کی حالت میں بھی ہوتا ہے اور کبھی بسط میں ہوتا ہے تو اس میں اللہ تعالٰے کے اس قول کی طرف اشارہ ہے۔ اور اللہ تنگ کر دیتا ہے اور فراخی کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور قبض اور بسط میں بہتر یہ ہے کہ سالک کی تربیت اس انداز سے ہو کہ اس کا وجود ایک ہی دفعہ ختم نہ ہو جائے کہ وہ انوار الٰہیہ اور اسرار قدسیہ سے سعادت حاصل کرنے سے محروم نہ رہ جائے اور اس میں عشق اور محبت اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اصفیاء پر یہ معاملہ پوشیدہ نہیں ہے۔ اور پھر جو آپ نے انتم جنودی میں جملہ اسمیہ استعمال فرمایا ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اقطاب کی یہ صفت ہمیشہ ہمیشہ تک قائم رہے گی وہ خواہ کتنی بھی ترقی کر جائیں کسی وقت بھی وہ اس سے باہر نہیں نکل سکیں گے۔ وہ آپ کے قدم کے نیچے ہیں مغلوب ہیں آپ سے کم مرتبہ ہیں اور انتم کے خطاب میں اشارہ ہے کہ اس کلام کے وقت تمام اقطاب حاضر تھے خواہ اپنے جسموں سے یا روحوں سے اور اس طرح کا ایک کلام آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے قول انتم رجالی میں پہلے گذر چکا ہے۔ اور جنود کے لفظ کو جو جمع لایا گیا ہے تو اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ اقطاب ہر ایک طریقہ میں سے صاحب جماعت تھے تو گویا کہ ہر قطب ایک علیحدہ طریقہ کا قطب تھا اور آپ کا وہ تبع تھا اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا ان کے بادشاہ ہیں ان پر جیسے چاہیں حکم کرتے ہیں اور اس میں اللہ تعالٰے کے اس قول کی طرف اشارہ ہے۔ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے میں سے صاحب امر کی۔ اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی شیخیت عام ہے جیسا کہ آپ نے اپنی کتاب جلاء الخاطر میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ کیا تم نہیں جانتے کہ میری شیخیت عام اور میری ولایت دین کی تمام اور کمل ہے۔ اور خلاصۃ المفاخر کے تکملہ میں ہے کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے فرمایا ایک شیخ انسانوں کا ہے اور ایک شیخ جنوں کا اور ایک فرشتوں کا اور ہر چیز کا ایک شیخ ہے اور میں تمام کا شیخ ہوں۔ اور اس کے متعلق آپ کے قول انا البازی اشہب کل شیخ فی الرجال اعطی مثالی کے تحت کلام آئے گا۔

پھر اس کے تعلیلیہ لانے میں اس تردد کے دفع کرنے کی طرف اشارہ ہے جو اقطاب کے دلوں میں پیدا ہو سکتا تھا کہ آیا شیخ کی شراب اس ساری جماعت کے لئے کافی ہو جائے گی جس کو بہت زیادہ شوق ہے اور جو بڑی پیاس ہے جیسا کہ پیاسے کی حالت ہوتی ہے جس کو پینے کی حرص ہو وہ یہ سمجھتا ہے کہ سمندر بھی میرے پینے کے لئے کافی نہیں ہوگا۔ جیسا کہ اہل دنیا مال جمع کرنے پر حریص ہوتے ہیں اور پھر بھی سیر نہیں ہوتے تو بزرگترین شیخ نے اس وہم پیدا کرنے والے تردد کو اپنے مدعیٰ کو دلیل کے ساتھ ثابت کر کے دور کر دیا اور وہ دلیل یہ ہے کہ قوم کا ساقی بھر دینے والا ہے۔ پھر آپ نے اپنے آپ کو "ساقی قوم" کے لفظ سے ذکر کیا ہے کیونکہ ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے بارے متعلق کہہ رہے ہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ہی اقطاب کو امام۔ دخول۔ ہمم۔ اور شرب وغیرہ کے اوامر سے خطاب کر رہے ہیں اس میں ایک لطیف نکتہ ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ تاکہ ہر سامع کا نفس اپنے مطلوب کو پہنچ جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے بزرگترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کی ذات مراد لی جائے۔ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات کیونکہ اس پیالے میں اصل تو وہی ہیں جیسا کہ اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قول کہ "وہ اللہ مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے"۔ اور ہر ایک نبی و ولی پر آپ ہی کا احسان ہے کیونکہ وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے فضل و کرم کے پیالے سے پینے والے ہیں یا پھر اس سے مراد اللہ تعالے کی ذات ہو۔ اور ساقی کا لفظ اللہ تعالے پر بولنا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قول "وہ مجھے پلاتا ہے" سے سمجھا جا سکتا ہے اور اس سے اللہ تعالے کی ذات مراد لینا ہی اصل ہے۔ کیونکہ حقیقی منعم وہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالے کے قول میں ہے۔ "اور تیرے رب کا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے"۔ "اور جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جاتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے"۔ اور بہر تقدیر یہ تعلیل بالکل درست اور مکمل ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے اور اس کا کچھ حصہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام کہ "وہ مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے" کے ضمن میں آپ کے قول وجدی حاجب العین الکمال کے تحت آئے گا انشاء اللہ بمنہ و کرمہ۔

اور آپ نے ساقی القوم کا لفظ فرمایا اور ساقیکم کا لفظ ذکر نہ کیا اس میں اشارہ ہے کہ یہ شرب تمہارے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ کی مجلس میں تمہارے سوا اور بھی افراد ہیں۔ جو مجلس میں داخل ہیں اور مشرب کا شغل اختیار کر چکے ہیں سو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اس شراب کے عدم کفایت کے متعلق متردد ہو اور اس کے مطابق اس میں اشارہ ہے کہ اس ساقی کی مجلس ازل سے لے کر ابد تک باقی رہنے والی ہے یہ ختم ہونے والی نہیں ہے سو جس کا ارادہ ہو کہ بقا کے ساتھ باقی رہے وہ اس مجلس میں داخل ہو کہ اس میں بیٹھنے والا بے نصیب نہیں رہے اور اس کا انہیں خوف نہیں کھائے گا۔ پھر وفا کی صفت ذکر کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کی شراب سے پینے والا اپنی تکمیل میں دوسرے اولیاء اللہ میں سے کسی کا محتاج نہیں ہوگا۔ جس نے اس سے پی لیا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اور ملآں بمعنی مملو میں اشارہ ہے کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی نسبت مظہر اتم سے حاصل ہے یعنی آپ کے نانا مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے جیسا کہ عنقریب آئے گا "میں نبی کے قدم پر ہوں جو کمال

ہیں۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔ تو اس میں اور کسی کا انتظار کسی طرح بھی نہیں رہا۔ پس آپ نبی حجازی صلے اللہ علیہ وسلم کے پورے نائب ہیں۔ جنہوں نے اللہ تعالے کے تمام کمالات اپنے اندر سمیٹ لئے ہیں۔ جیسا کہ علماء کرام نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق ذکر کیا ہے کہ آپ کا درجہ "اللہ نے آدم کو اپنی صورت پہ پیدا کیا" سے ماخوذ ہے یعنی اللہ تعالے کی صفت پہ ہیں کیونکہ آدم اور ان کے پیچھے کے تمام نبی اس کلام کے مورد ہیں کہ "انسان میرا سر ہے اور میں اس کا سر ہوں، اے میرے نور کے نور" "اے میرے سر کے سر اور اے میری معرفت کے خزانے میں سے تجھ پہ اپنا ملک قربان کر دیا" "اے محمدؐ تمام مخلوق میری رضا طلب کرتی ہے۔ اور میں تیری رضا طلب کرتا ہوں"۔ پس جس کی رضا طلب کی جائے وہ محبوب ہوتا ہے۔ اور محبوب اپنے محب کی ہر چیز کا مالک ہوتا ہے۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالے نے کیسے فرمایا؟ "آپ کہہ دیں اگر تم اللہ تعالے سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم کو اپنا محبوب بنائے گا" پس جبکہ آپ کی متابعت محبوبیت کا سبب ہے تو متبوع کی کیا شان ہوگی؟ پس آپ ہی خلقت میں سے محبوب اتم اور مطلوب اہم ہیں جیسا کہ اللہ تعالے کا قول وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی اس طرف اشارہ کر رہا ہے۔ پس اس کا ظہور کلی اصل کے لحاظ سے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ہے اور پہلے زمانہ میں آپ کے زیر سایہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہے اور صدر ثانی میں اللہ تعالے نے بزرگترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے بغیر کو آپ کے کمالات میں مماثل پیدا نہیں کیا۔ جیسا کہ آپ نے ایک اور قصیدہ میں فرمایا ہے کہ "پہلے لوگوں کے سورج غروب ہو گئے اور ہمارا سورج بلند کناروں پہ چمکتا رہے گا۔ غروب نہیں ہوگا۔ پس نیابت کلی اور خلافت تامہ صدر ثانی میں یعنی صحابہ کے بعد ولایت میں صرف بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا ہی کو حاصل ہے سو آپ کی نسبت تمام نسبتوں سے مکمل ہے کیونکہ آپ ہر ایک ولی پہ بادشاہ ہیں اور بادشاہی کی نسبت سے کسی طرح بھی برابر نہیں ہو سکتی تو آپ رضی اللہ تعالے عنہ کو دوسرے تمام اولیاء اللہ پہ قیامت تک پوری فضیلت حاصل ہے۔ جیسا کہ آپ نے ایک اور قصیدہ میں فرمایا ہے "مجھے اللہ تعالے نے بزرگ ترین ولایت عطا فرمائی ہے جو اللہ نے میرے سوا قیامت تک اور کسی کو نہیں دی ہے"۔ اور یہی معنی ہیں بزرگ ترین شیخ کے اس قول کے جو آپ نے بر سر عام فرمایا کہ "میرے یہ قدم پہلے اور پچھلے تمام اولیاء اللہ کی گردن پہ ہیں"

باقی رہے امام مہدی اور عیسٰی علیہ السلام تو ہو سکتا ہے کہ ان کا حال اس سے مستثنٰی ہو جیسا کہ کہتے ہیں کہ "ہر عام میں سے کچھ خاص ہوتا ہے"۔ اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ میرے قدم ان اولیاء کی گردن پہ ہیں۔ جو قیامت سے پہلے ظاہر ہونگے۔ لیکن وہ مستثنٰی ہیں جو قیامت کے قریب ہونگے اور وہ قیامت کی بڑی نشانیوں کے ظاہر ہونے کا وقت ہے جیسا کہ اس کی طرف آپ کا قول الی یوم القیامۃ اشارہ کر رہا ہے جبکہ یوم القیامت سے مراد اس کی بڑی علامات کا ظہور ہو اور انہی میں سے امام مہدی علیہ السلام اور عیسٰی علیہ السلام کا وجود ہے اور یہ مطلب ان قدسی الہامات سے ہے جن سے اللہ تعالے نے مجھے اس دور میں مخصوص فرمایا ہے اور مجھے امید ہے کہ یہ بھی

بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے خوانوں میں سے ہوگا۔

اصلی شرح :۔ اس بیت کے معنی کی تحقیق میں۔ اے اقطاب اور اے اولیا کے احباب جب تم ہمارے روبرو
کی بساط میں داخل ہو گئے اور ہمارے حالات کے مراکب کے وسیلہ سے اللہ عزوجل کے قرب کے عزت گاہ
پہنچ گئے اور مرد ہو گئے تو اب اس میں ثابت قدم رہو اور آداب سلطانی کا لحاظ رکھتے ہوئے پوری کمال کی
ارادت سے قصد کرو اور ہماری عنایات والطاف کے پیالوں سے جذبہ کی شراب پیو جو جمال محبوب کے
شہود کی بارگاہ تک پہنچانے والی ہے اور اس سلوک کی شراب پیو جو مطلوب کے وصال کی نظروں تک لے
جانے والی ہے کیونکہ تم ہمارے لشکری اور تابع ہو۔ پھر ایک سخی بادشاہ اپنے ان لشکریوں سے کس بخل کر سکتا
ہے جن کی تمام آرزوئیں اسی سے پوری ہوتی ہوں اور ان تمام معاش اسی کے قبضہ کے دراہم اور اس کے عطیہ
جیاروں سے آتا ہو اور اس کا تردد نہ کرو کہ یہ شراب تمہارے پینے اور سیراب ہونے کے لئے کافی ہو گی یا نہیں
کیونکہ تم نے اعلیٰ شان کے وصال کے ہجر کی آگ چکھی ہے اور پیاس کی جلن اور حرارت سے دوچار ہو۔ کیونکہ تو ہم
کا ساقی اور تم کو سیر اور سیراب کرنے والا شراب صافی کے پورے بھرے ہوئے پیالے دے کر کھڑا ہے
جتنا پی سکتے ہو پیو، جتنی طاقت ہو پیتے جاؤ تم بلند درجات اور رفیع مراتب حاصل کرو گے لیکن تم میرے مقام
تک پہنچنے کی طاقت نہیں رکھو گے۔ جیسا کہ آئندہ ابیات میں بیان کیا گیا ہے۔

فائدہ جلیلہ :۔ معلوم ہونا چاہئے کہ لفظ وافی کو مفرد لانے میں جو کہ کاس مفرد کی صفت ہے اور وافیات نہ
کہنے میں حالانکہ پہلے جمع مذکور ہے یعنی کاسات وکئوس ضرورت شعری کے علاوہ ایک اور باریک نکتہ بھی ہے
اور وہ یہ ہے کہ میرے پیالوں میں سے ایک ہی پیالہ تمام اقطاب اور اولیا کے احباب کو کافی ہے پس اس
میں تنبیہ ہے اقطاب کے اس تردد کو دفع کرنے کی کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی شراب تمام
اقطاب کو کافی نہیں ہو گی اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اے اقطاب پیو اور جتنا بھی تم پیو گے ساقی قوم کا ایک
پیالہ بھی ختم نہیں کر سکو گے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے " اور وہ اس کے علم میں
سے ماسوائے اس کے جو وہ چاہے کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے " اور اس قول کی طرف اشارہ ہے " کہ ہر
چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں اور ہم اسے ایک مقررہ مقدار سے نازل فرماتے ہیں " جتنی کہ مخلوق کی
استعداد ہو اور اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو شیخ کامل شہاب الدین سہروردی سے بیان کی جاتی ہے
کہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے سامنے ہیرے اور جواہرات کا ایک حوض بھرا ہوا ہے اور آپ اس سے
لے لے کر بے شمار مخلوق پر ان کو نثار کر رہے ہیں اور جب آپ ہیرے اور جواہرات لٹاتے ہیں تو وہ ایک
بیکراں سمندر سے موجیں مارتے ہوئے اس حوض میں آکر گرتے جاتے ہیں وہ حوض پھر بھر جاتا ہے۔ آپ
نے جب یہ خواب دیکھا تو کسی سے سوال کیا کہ یہ بحر ذخار جو ہیرے اور جواہرات سے اس حوض کے پیچھے موجیں مار
رہا ہے یہ کہاں سے آرہا ہے اور کس کا ہے۔ تو آپ کو بتایا گیا کہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اس شیخ اکمل کا ہے جن کا

تمام کائنات میں تصرف نافذ ہے۔ اور جس کا حال سب کے حال سے بلند ہے۔ یعنی بزرگ ترین شیخ سید ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا ہے اور اس قصیدہ میں بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے تصرف اور افضیلت کے دلائل موجود ہیں۔ ان کو ہر وہ آدمی سمجھ سکتا ہے جس کو باطن کا نور ملا ہے۔ اور جنہیں تقریر و تحریر میں لانا ضروری ہے۔ ان دلائل میں سے ایک دلیل اس طرف اشارہ ہے۔ کہ نسبت سہروردیہ نسبت قادریہ کی شاخ ہے۔ جیسا کہ نسبت چشتیہ بھی اس کی ایک شاخ ہے جیسا کہ جامی قدس سرہ نے تذکرہ الاولیاء میں تصریح کی ہے کہ شیخ قطب الاقطاب شیخ معین الدین قدس سرہ بزرگترین شیخ رضی اللہ عنہ کے پاس شیخ عثمان ہارونی کی صحبت میں بیس سال تک رہنے کے بعد آئے اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ کی چھ ماہ اور چند دن صحبت اختیار کی اور اس سے زیادہ فائدہ اٹھایا جو آپ نے بیس سال میں اٹھایا تھا۔ سبحان اللہ تو جسے چاہے اپنا ملک دے وہ اللہ وہ ہے جنہے بعض درجے بعض سے بلند فرماتے ہیں اور وہ بڑے فضل والا ہے۔

اور اس کا پورا بیان خدا کے فضل و کرم سے انشاء اللہ آپ رضی اللہ عنہ کے قول وجدی صاحب العین الکمال کے تحت آئے اللہ مجھے اس قصیدہ خمریہ کی آخر تک شرح کمل توفیق عطا فرما۔ اور عفو و عافیت کے ساتھ ساتھ میرے علم اور نور کو زیادہ کر آمین یارب العالمین۔

معلوم ہونا چاہئے کہ ہم کے کئی ایک معانی ہیں۔ پہلا ہے ارادہ اور قصد اور دوسرا ہے غم اور حزن سے موصوف ہونا خواہ یہ ترقی کے لئے ہو یا اس پر ندامت کے لئے جو کہ وہ زمانہ ماضی میں نچلے درجہ میں رہ چکا ہے۔ اور اس صورت میں یہ اس حدیث کی معنی طرف اشارہ ہوگا کہ "میرے دل پر کچھ غبار سا چھا جاتا ہے پھر میں اللہ تعالٰے سے ستر مرتبہ یا سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں"۔ اور اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ سالک جب نچلے مرتبہ سے ترقی کر کے بلند مرتبہ پہنچ جاتا ہے تو اس غفلت کی وجہ سے استغفار کرتا ہے کہ وہ نچلے مقام میں اب تک ٹھہرا رہا ہے خواہ اس نچلے مرتبہ پر رضامند ہو کر یا تقاضائے بشریت کے مطابق رتبہ علیا کے حصول کے لئے کوشش نہ کرنے کی وجہ سے اور اس طرح وہ ہر روز ترقی کرتا جاتا ہے۔ اس کا مصداق بن جاتا ہے کہ "جس کے دونوں دن برابر ہوں وہ خسارہ اٹھانے والا ہے"۔ وہ ہر روز ایک حالت میں ہوتا ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ تجلی مکمد نہیں ہوتی پس وہ ترقی کرتا جاتا ہے اور استغفار کرتا جاتا ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالٰے کے اس قول کا یہی مطلب ہے "تاکہ اللہ تجھے تیرے پہلے اور پچھلے گناہ" اور اس معنی کے مطابق آیت میں الفاظ کی تقدیم و تاخیر کا مطلب بھی پوری طرح واضح ہو جاتی ہے اور کسی تکلف کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور یہ ان الہامات سے ہے جن کے ساتھ بزرگترین شیخ رضی اللہ عنہ نے مجھے مخصوص فرمایا ہے اور اس میں تفصیل ہے جس کو عنقریب ہم انشاء اللہ بیان کریں گے۔ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس استغفار میں حزن اور ندامت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ تو بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا اقطاب سے فرماتے ہیں۔ کہ اے اقطاب اس مرتبہ سے نکلنے کے لئے کوشش کرو جس کو حاصل کر کے تم لذت حاصل کر رہے ہو اور بلند مرتبہ کی طرف ترقی کرنے کا قصد کرو تاکہ تم پر مراتب عالیہ جن کو تم ابھی تک پا نہیں سکے دیکھ کر ہم اور حزن ظاہر ہو۔ اور تیسرا

یہ ہے کہ مراتب عالیہ پر کامیاب ہونا ایک نئے قصد اور شدید کوشش کا محتاج ہے کیونکہ مراتب عالیہ اور منازل
رفیعہ جو میری نسبت سے حاصل ہوں گے یا جن کو میری ارادت سے اقتباس کیا جائے گا۔ ان تک پہنچنا مشکل اور
ان پہ فائز ہونا دشوار ہے۔ تو اس وصول میں قاعدہ یہ ہے کہ میری شراب سے پیو اور حزن حاصل کرو اور میرے
فائز المرامی کے آداب کو ملحوظ رکھو ممکن ہے اللہ تعالےٰ تمہیں بھی فوز عظیم سے سرفراز فرمائے سو تم پیو اور کو تم
دکھ درد کو توم کے ساقی کے پاس بھرے ہوئے پیالے ہیں۔ اور چوتھا یہ ہے کہ بادشاہ کے دربار میں حاضر رہنے
والے ملازم پر ضروری ہے کہ ہر وقت بادشاہ سے ڈرتا رہے اور اس کے آداب کو ملحوظ رکھے اور اپنے قرب
پر مغرور نہ ہو۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بادشاہ آداب میں ذرا سی کوتاہی پہ غیرت کھا جاتا ہے۔ اور قریب
کے متعلق تیز تلوار سے کاٹ دینے یا زہریلے تیروں سے چھید ڈالنے کا حکم دیدیتا ہے یا اسے صلیب پر لٹکا دیتا
ہے اور اسے ایسی سزا دیتا ہے جو عوام کو نہیں دی جاتی اور بادشاہ کے آداب کا بیان پہلے وارد طلوا لے معنی گزر چکا
ہے سو پوری بھلائی اسی میں ہے کہ قرب کے ساتھ خوف بھی ہو اور اس کے نظائر وہ واقعات ہیں جو اللہ کی طرف
سے انبیاء علیہم السلام کو آدم علیہ السلام سے لے کر پیش آتے رہے آدم علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت
کے ہاتھ سے پیدا کیا اور اس کی صورت بنائی پھر اس کو روتا ہوا دنیا کے قیدخانہ میں ڈال دیا اس کا کوئی دوست اور
ساتھی نہیں تھا ان پر وحشی جانور اور پرندے ہنستے پھر آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے وہی توبہ
قبول کرنے والا اور مہربان ہے اور اسی طرح ایوب و سلیمان و ابراہیم وغیرہم علی نبینا وعلیہم الصلوات کے ساتھ ہوا
اور اسی طرح اللہ تعالےٰ نے حبیب کریم کے ساتھ معاملہ ہوا کہ ان کو جنگیں اور مصیبتیں پیش آئیں مکہ سے نکلنا پڑا وغیرہ کہ جن
کے بیان سے دفتر لمبے ہو جاتے ہیں اور اولیاء رضوان اللہ علیہم کے اول دور میں ہوا کہ کوئی تو ان میں سے مخلوق کی ایذا
میں مبتلا ہوا کہ لوگوں نے ان کو شہروں اور بستیوں سے نکال دیا انہوں نے جنگلوں اور صحراؤں میں وحشی جانوروں اور پرندوں
کے ساتھ جا کر بسیرا کر لیا سبزیاں اور گری پڑی چیزیں کھائیں خدا کے وصال کی بھوک اور پیاس میں بھوکے اور پیاسے
رہے ان کا ظاہر تو مٹی کا تھا اور ان کا باطن خدا کا درباری ان کو وہی جان سکتا ہے۔ جن کی آنکھیں دیکھنے والی اور دل
حاضر ہو۔ اور کوئی ان میں سے ظاہری بیماریوں مثلاً پھلبہری وغیرہ یا اس سے بھی سخت بیماریوں میں مبتلا ہوا خلقت
ان کا مذاق اڑاتی رہی ان کو ٹھٹھے ہوتے تھے ان کا ظاہر تو خدا سے دور تھا اور باطن خدا کے قریب ان کے حالات
کو وہی آدمی جان سکتا ہے جس کے دل کو اللہ نے روشن کیا ہو اور جس کی نگاہیں اللہ نے سلامت رکھی ہوں۔ ان کی
تحت جتائی ان کی سلطنت ہے۔ اور خبردار اللہ کے دوستوں پہ کوئی خوف نہیں ان کا شہر ہے اگر سمندر اللہ کے کلمات کے
لئے سیاہی بن جائیں اور سب درختوں کی قلمیں بن جائیں تو سمندر کلمات کے ختم ہونے سے پہلے ختم ہو جائیں۔ اور
زبانوں کی نئی قلموں کو نہیں تراشتے بلکہ ہم اس بیان کو کل یوم ہو فی شان کے ملاحظہ سے لپیٹ لیتے ہیں۔ اور مخفی علوم کی
طرف رجوع کرتے ہیں۔ اے اللہ میرا علم زیادہ کر دے۔ اے پروردگار اے رحمان۔

اور پانچواں اشارہ یہ ہے کہ قصد مذکور ضروری ہے کہ تمہارے دلوں اور اعضا کے ساتھ ہمیشہ قائم رہے

جس طرح کہ ہم اور غم ہمیشہ دل سے چمٹے رہتے ہیں جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دائم الفکر اور ہمیشہ غمگین رہا کرتے تھے۔ آپ کبھی ہنستے تو صرف تبسم فرماتے۔ تو اس کے مطابق اس معنی کو اشارہ مستلزم ہوگا۔ کہ نیت کا عمل کے ساتھ مصاحب ہونا ہر ساعت و ہر لحظہ ضروری ہے تاکہ وہ ریا اور سمعہ اور غرور سے صاف ہو کر ترقی کا باعث بن سکے اور پھر اس طرح ایک اور لطیفہ بھی اس میں موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ سالک کا دل جب نیت سے بھر جاتا ہے تو پھر دل میں اور کسی چیز کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہتی تو اس طرح دل اللہ تعالیٰ کے اس قول کا ظل بن جاتا ہے کہ "رحمان عرش پر مستوی ہوا"۔ کیونکہ دل خدا کا عرش جب بادشاہ تخت پر جلوہ افروز ہوتا ہے اور تجلی فرماتا ہے۔ تو پھر باغی اور سرکش لوگوں کے لئے کوئی ٹھکانا اور جگہ باقی نہیں رہتی کیونکہ جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس بنیاد کو توڑ پھوڑ دیتے ہیں جو اہل بغی وفساد نے بنائی ہوتی ہے۔ اور وہاں باغی رہنے والوں کو ذلیل وخوار کر دیتے ہیں۔ وہ ذلیل ہو جاتے ہیں ان غلاموں کی طرح کہ جن کے تکبر کی گردنیں اپنے مالکوں کے قدموں پر جھک جاتی ہیں پھر دین سارا اللہ کے لئے ہو جاتا ہے۔ اگرچہ مشرک اسے ناپسند کریں پھر نیک بختی کا منادی آواز دیتا ہے "ہم نے آپ کو ایک واضح فتح عنایت فرمائی"۔ اس آواز سے وہ کان کھل جاتے ہیں جن پر کبر وعناد کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ اور عنایت خداوندی کے کانوں سے ہر وہ آدمی فتح کی بشارت سنتا ہے جس کے پاس دل ہو اور پورے حضور سے اس طرف کان لگائے۔ اور اس میں قاعدہ یہ ہے کہ اپنے دل اور تمام حواس ظاہری وباطنی کو غیر کے اشتغال سے اس قانون کے مطابق پاک صاف کر دے کہ ہر وہ چیز چھوڑ دے جو تجھے کھٹکے اس چیز کے لئے جو نہ کھٹکے۔ اور اپنے دل اور حواس کا دربان بن جائے اس میں غیر کا ایک ذرہ بھی داخل نہ ہونے دے اس میں بت خانہ والوں کی اولاد کو داخل نہ ہونے دے سب کو وداع کر دے۔ اور خالق الکل کے ساتھ استقامت اختیار کرے اور ایسی نماز پڑھے جیسے وداع کرنے والا وداع کے وقت پڑھتا ہے اور کہے میں نے اس اللہ کی طرف رخ کیا جس نے مجھے پیدا کیا اور ان بتوں سے بیزار ہو جائے جو اس کے ساتھ مکاری کر کے لواظ اور بصائر کے سرائر کو مخفی کر دیتے تھے۔ پس اپنے وجود سے فانی ہو جائے اور اللہ کی بقا اور شہود سے باقی ہو جائے اپنے حال کی زبان سے کہے "میں غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔ اور دوسروں کو اس زبان سے راہنمائی کرے کہ "اللہ کی طرف دوڑو میں تمہارے لئے کھلا ڈرانے والا ہوں"۔ تو اس وقت اس کے دل پر یہ معنی متحقق ہوتے ہیں کہ "مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے"۔ کیونکہ عمل نیت کے بغیر ترقی کا ثمرہ عطا نہیں کر سکتا تو پوری نعمت تو نیت ہی ہے۔ لیکن بعض تم میں سے وہ ہیں جو دنیا کے متلاشی ہیں وہ ان کو بہت جلد ہلاک کر دیتی ہے اور بعض وہ ہیں جو آخرت کے حور وقصور طالب ہیں تو اگرچہ ان کو کچھ اجر ملے گا۔ اور ان کو ثواب دنیا منظور لیکن پھر بھی وہ مخلوق کے طالب ہیں اور معذور ہیں اور جو لوگ خدا کی رضامندی چاہتے ہیں "تو جہاں بھی تم منہ کرو اسی طرف اللہ کی ذات ہے"۔ یہ لوگ لغو اور فساد فی الارض نہیں چاہتے یہ باقی ذات کو چاہتے ہیں۔ اور جو حوروں کا طالب ہے وہ ہر روز اپنے قرار وسرور کے مال کو کم رہا ہے اور مومن کی نیت عمل سے بہتر ہے" کی توجیہہ کے متعلق کہا گیا ہے۔ کہ

مومن کی نیت اس کے عمل سے اس لئے بہتر ہے کہ اس میں ریا اور سمعہ کا داخل نہیں ہے برخلاف عمل کے کہ اس میں ریا کا دخل نیت ہے۔ کیونکہ باطنی امور میں دکھاوے کی ملاوٹ نہیں ہو سکتی اس کو اللہ کبیر متعالی کے بغیر کوئی نہیں جانتا اور اس میں کچھ شبہ ہے کیونکہ ریا کا منشا تو دل کے اس مقصد سے تعلق رکھتا ہے جو خدا کے سوا غیر کے لئے ہو تو اس صورت میں پھر بھی نیت ہی پر دار و مدار ٹھہرا اگر وہ اچھی ہے تو عمل بھی اچھا ہے اور اگر بُری ہے تو عمل بھی بُرا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قیامت کے روز مومنوں کے صحیفے لائے جائیں گے مومن سے اس صحیفہ کے مطابق حساب لیا جائے گا تو اس کی نیکیوں کا وزن ہلکا ہو جائے گا۔ اس کی ماں ہاویہ ہو گی تو اسے آگ کے فرشتے پکڑنا چاہیں گے کہ ناگاہ رب سبحانہ وتعالےٰ فرمائیں گے "تم نے اس صحیفہ کے مطابق میرے بندے کا حساب لے لیا ہے اور ابھی اس کی بھلائیوں کا ایک خزانہ باقی ہے اس مہر شدہ صحیفہ کو بھی لاؤ تو وہ کہیں گے کہ ہمیں تو اس صحیفہ کا کوئی علم نہیں ہے تو اللہ تعالےٰ فرمائیں گے میں نے اس کا ایک صحیفہ پوشیدہ رکھا ہوا ہے اور اس پر اپنے راز کی مہر لگائی ہے اس صحیفہ کو لے آؤ۔ جب وہ اس کو کھولیں گے تو اس میں بہت سے اجر پائیں گے ان کو میزان میں رکھیں گے۔ تو اس کی نیکیوں کا وزن بوجھل ہو جائے گا۔ تو وہ عیش والی پسندیدہ زندگی پالے گا۔ یعنی جنت میں خوش ہو گا۔" اور اس صحیفہ میں جو اجر سے بھرا ہوا ہو گا سوائے بندے کی نیک نیت عمل کے اور کوئی چیز نہ ہو گی۔ یہ وہ نیتیں ہوں گی جن پر عمل نہ ہو سکا ہو گا۔ تو بندے کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہو جائے گی۔ اور بعض نے اس حدیث کو اپنے مورد (محل) کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے۔ کہ ایک منافق نے سنا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی نے فلاں جگہ کنواں کھدوانے کا ارادہ کیا ہے تو منافق نے ان سے پہلے کنواں کھدوا دیا۔ یہ معاملہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ مومن کی نیت اس کے عمل سے اچھی ہے۔ یعنی اس منافق کے عمل سے اس مومن کی نیت بہتر ہے کیونکہ منافق کا عمل تو ایک سراب ہے اس کا کوئی وجود نہیں ہے اور مومن کی نیت ایک پاک درخت کی طرح ہے۔ جو یقین اور شہود کا پھل دیتا ہے۔ اور اس حدیث کی اور بھی توجیہات ہیں جن کو ہم نے مضمون کے لمبا ہو جانے کے خوف سے لپیٹ دیا ہے اے اللہ اس قصیدہ خمریہ کے حقائق کی تحریر میں میرے علم کو زیادہ فرما بے شک تو ہی جاننے والا ہے اور حکمت والا ہے۔

اور چھٹا اشارہ یہ ہے کہ آپ اقطاب کو ہمت کی تعلیم دے رہے ہیں کہ قصد کرو اور اپنی ہمتوں کو بلند کرو کیونکہ "اللہ تعالےٰ بلند ہمت لوگوں کو پسند کرتے ہیں"۔ اور اس صورت میں یہ اشارہ ہو گا۔ کہ آدمی کمالات کے آسمان کی فضا میں ہمت ہی سے پرواز کرتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ پرندہ اپنے بازوؤں سے اڑتا ہے۔ اور آدمی اپنی ہمت" سے اڑتا ہے اور ہمت جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے تثبت یعنی حقائق سرمدیہ کے دامن کو تھامنے اور بشریت سے اس طرح نکلنے کا نام ہے کہ درمیان سے ناسوت و ملکوت و جبروت کے پردے اٹھ جائیں جیسا کہ آپ نے غوثیہ میں فرمایا ہے کہ "اللہ تعالےٰ نے مجھے فرمایا اے غوث الاعظم اللہ سے مانوس صرف وہی ہو سکتا ہے۔ جو غیر اللہ سے وحشت محسوس کرتا ہے"۔ جب غیر سے وحشت ہو جاتی ہے۔ تو رب الخیر سے اُنس ہو جاتا ہے پھر وہ

بلند ہمتی سے بھر جاتا ہے۔ اور اسفلیت کے گڑھوں سے ترقی کرکے افضلیت کی چوٹیوں پر پہنچ جاتا ہے۔ سو تمام بھلائیاں بلند ہمتی میں ہیں۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اے ابو یوسف تو ایک غبی تھا تیری ہمت نے تجھ کو غباوت سے نکال دیا ہے جس نے کسی کام کی ہمت کی وہ اس کام تک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کے موافق پہنچ گیا کہ "جس نے کوشش کی اس نے پالیا"۔ اور جس نے دروازہ کھٹکھٹایا وہ داخل ہو گیا۔ تو بزرگترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا اقطاب کو گویا ہمت بلند کرنے کی تلقین فرمارہے ہیں یعنی اے اقطاب نچلے درجہ پر مطمئن نہ ہو جاؤ بلکہ تمہارے لئے لازمی ہے کہ اپنے مقام سے بلند تر مقام کے حصول کے لئے کوشش کرو۔ اللہ ہر دن کسی کام میں ہے۔

ہمت بلند کرنے کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ جہاں بھی تم پہنچ جاؤ وہاں ٹھہرو نہیں یہاں تک کہ تم اللہ تعالیٰ کے اس قول کے اشارہ سے باہر نکل جاؤ کہ "انہوں نے جیسے خدا کی قدر کرنے کا حق تھا قدر نہیں کی"۔ قرب کی بلندیوں تک پہنچنا ایک ایسا امر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ سو تم ترقی کرنے میں اپنی کوشش چھوڑ نہ دو کیونکہ یہ قاعدہ تو مقرر رہے کہ "جس کے دونوں دن برابر ہوں وہ خسارے میں ہے"۔ یہاں تک کہ خدا کا نوشتہ اپنی مدت کو پہنچ جائے اور یہ اللہ کی اس آگ کا تقاضا ہے جو دلوں پر چڑھ آتی ہے تو لازمی ہے کہ خدا کے جمال کا عاشق ہل من مزید کا نعرہ لگاتا رہے۔ اور اللہ رب مجید کے کلمات کی طرف ترقی کے سوا اور کسی چیز میں مشغول نہ ہو۔ اور ہمت کے اقسام مبتدی متوسط اور منتہی کے مطابق تین ہیں۔ اور ان کا پہلے بیان گذر چکا اس کو یاد رکھ۔ اور یہ مقررہ شدہ بات ہے کہ ہمت وادیوں سے ہے۔ تو بزرگ ترین شیخ گویا کہ اقطاب کو اشارہ فرمارہے ہیں کہ میرے حال کے کعبہ تک پہنچنا راستہ میں واقع ہونے والی وادیوں کے قطع کئے بغیر بہت مشکل ہے خصوصاً ہمت کی وادی۔ کہ جب وہ قطع ہو جاتی ہے تو پھر سالک تمام منازل کو اپنے جذبہ کے قدموں اور سلوک کے پاؤں سے روند ڈالتا ہے۔ تو کلی استعداد غیر سے منہ پھیرنے میں پورے ارادہ کا نام کا نام ہے اور اسی کا نام ہمت ہے۔ مولانا روم قدس سرہ نے اسی معنی کے متعلق فرمایا ہے "جو با ہمت ہوا وہ مرد ہو گیا۔ اور دنیا کے ملک سے اس کا دل سرد ہو گیا۔ اے اللہ اے ہر چیز کے پیدا کرنے والے ہماری ہمتوں کو اس طرح بلند فرما کہ وہ کمتر کے تعلق سے آگے گذر جائیں۔

بیداروں کو مزید بیدار کرنا: آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول میں سقانی الحب کاسات الوصال میں احسن طریق پر ان منازل سے گذر جانے کے متعلق اشارہ فرمایا ہے۔ جو سلوک اور جذبہ کی راہ میں واقع ہیں اور ان ابیات میں جو خطاب پر مشتمل ہیں آپ اقطاب کو ان وادیوں کے عبور کی اس طریق پر تلقین فرمارہے ہیں جو آپ کے ساتھ خاص ہے اگرچہ وہ اپنی استعداد کے مطابق ان منازل سے گذر چکے ہیں۔ اور دار القرب تک پہنچ چکے ہیں لیکن ان دونوں عبوروں کی حالت میں بڑا فرق ہے۔ کیا آپ غور نہیں کرتے کہ کچھ آدمی بادشاہ کے دروازے کی بلندی تک پہنچنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس راستہ کو طے کرتے ہیں۔ ایک تو ان میں سے اس سفر کو بہترین سواری پر سوار ہو کر اور بادشاہ کے بھیجے ہوئے تاج اور خلعت کو زیب تن کرکے طے

کرتا ہے اور ہر آن اس سوار کو بادشاہ کی طرف سے تحائف پہنچ رہے ہیں اور لحظہ بلحظہ اس کے لئے اعزازات صادر ہو رہے ہیں اور ایک دوسرا آدمی اپنے ننگے پاؤں سے پا پیادہ بڑی مشقت سے جا رہا ہے۔ اور اس کے اوامر کو احکام سلطانی پہنچ رہے ہیں اور اس کو سابقہ سرکشی کے زمانہ کے امور کے متعلق دھمکیاں مل رہی ہیں تو یہ دونوں آدمی برابر نہیں ہو سکتے بلکہ پہلا تو بادشاہ کا مراد ہے۔ محبوب سبحانی ہے مطلوب صمدانی ہے اور دوسرا مرید خائف ہے پہلے کے لئے ہر منزل میں جمالی وصول ہے اور دوسرے کے لئے ہر منزل میں قہر جلالی کا خوف ہے اور ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ سو بزرگترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا اقطاب کو فرما رہے ہیں۔ تمہارے لئے ضروری ہے کہ منازل کو اس طرح طے کرو جس طرح میں نے طے کیا ہے اور ہر منزل و مقام میں اس طریق سے جو میرا مخصوص طریقہ ہے میرے زیر سایہ رہو جب تم سلوک مخصوص کو قطع کر لو گے اور میرے حال کے پاؤں سے راستہ طے کر لو گے اور میرے مراد و وصول و قرب کے دروازہ پر پہنچ جاؤ گے۔ تو پھر عزت و قرب وصول میں ہمیشہ ترقی کرتے رہو گے۔ تو آپ نے پہلی منزل کی طرف تو اپنے قول لمّوا سے اشارہ کیا ہے یعنی اپنے وصول سے اتر کر میرے وصول کے سایہ میں آ جاؤ۔ کہ ابتداء امر میں میرے سلوک و حال سے ابتدا کی جائے پھر اپنے قول وادخلوا سے اپنے مخصوص طریقہ سے ابتدا اور شروع ہے اور پھر اپنے قول ہمّوا سے اشارہ کیا ہے آپ کو ان کے معانی تو معلوم ہو ہی چکے ہیں۔ پھر اپنے قول واشربوا سے اشارہ فرمایا ہے۔ سو وصل اور قبول کے سبب کو اصطلاح میں یہی اصطلاح شرب ہے اور اس دنیا میں اس کے اثبات کی دلیل ہم پہلے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کر چکے ہیں اور وہ یہ ہے کہ میں اپنے رب کے پاس رات گذارتا ہوں۔ وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ اور وہ قصہ مذکورہ بھی اس کی دلیل ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتہ دو پیالے لے کر آیا ایک دودھ سے بھرا ہوا تھا اور دوسرا شراب سے تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے دودھ کا پیالہ لے لیا اور اس پر اللہ تعالے کے اس قول سے بھی دلیل لی جا سکتی ہے کہ "ان کو ان کا رب پاک شراب پلائے گا"۔

اور شرب کے بیان کی تفصیل یہ ہے کہ شرب اور ذوق دو حالتیں ہیں جن سے وصل اور قرب کی حالت میں سالک متصف ہوتا ہے۔ جب بھی وہ پیتا ہے تو اس سے چکھنے کا مزہ حاصل کرتا ہے۔ پس ذوق شرب کا ثمرہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ذوق مبتدی کے لئے ہے اور شرب منتہی کے لئے۔ اور میرے خیال میں ذوق کی دو جہتیں ہیں ایک تو شرب پر ترتیب کی جہت ہے اور ایک سببیت کی جہت ہے۔ جو کہ پہلی حالت سے بلند تر حالت ہے۔ وہ پہلی جہت سے تو انتہائی ہے اور دوسری جہت سے ابتدائی لیکن یہ شرب صرف اس آدمی کو نصیب ہوتا ہے جو ناسوت سے نکل کر لاہوت تک پہنچ چکا ہو اور اس قول کا یہی مطلب ہے جو کہتے ہیں۔ کہ شرب کے پیالے غیب سے ظاہر ہوتے ہیں اور صرف اسرار کو ملتے ہیں۔ جو آزاد ہو چکے ہیں اور ان ارواح کو پہنچتے ہیں۔ جو اجسام کی غلامی سے رہا ہو چکے ہیں۔ یعنی سالک جب نفس کی غلامی اور خواہشات سے نکل جاتا ہے اور اس کی عبادت اللہ تعالے کے لئے خالص ہو جاتی ہے تو اس کا وہ ستر جس کی صفائی اللہ کے نور سے ہے، نفس کی عبودیت سے آزاد ہو جاتا ہے اور اس کی روح اجسام و اشباح کی غلامی سے رہا ہو جاتی ہے تو پھر سارا ملک اللہ بلند کبیر کا ہو جاتا ہے۔ تو روح اور مجلس وصول کی طرف واصل ہونے

والے اس بستر کا قبولیت کی مجلس میں پینا خالص حق کے پیالوں کے پیالوں سے ہوتا ہے تو پھر وہ فرشتوں کے ہاتھوں سے صحو کی شراب پیتے ہیں۔ حالانکہ پہلے وہ تلوین طریقی میں سکر کی حالت میں تھے تو گویا کہ ان کے دل سیر ہو گئے کیونکہ شرب لذت اور مزہ حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ مبتدی صاحب ذوق ہے اور وہ مست بنتا ہے یعنی سکر کی کلفت برداشت کرتا ہے۔ اور اس میں کچھ نہ کچھ تکدر ضرور پایا جاتا ہے اور اس مقام والا اکثر اضطراب میں مبتلا رہتا ہے اور متوسط ابتدائے شرب والا ہے اور وہ وہ ہے جس کو شرب کی عادت نہیں ہے اور نہ اس کو مقابلہ کرنے کا ملکہ ہے سو یہ آدمی حقیقتاً مست ہے یعنی اپنے شرب سے لذت حاصل کرنے والا ہے کیونکہ وہ اپنے ہر شرب میں ترقی کرتا ہے یہانتک کہ اسکو منتہی (سیر ہونے) کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر وہ سیری حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو تمکین کا مرتبہ مل جاتا ہے جس کی طرف آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے اس قول میں اشارہ ہے۔

سقانی الحب کاسات الوصال۔ کیونکہ وصال ہی کے وہ پیالے ہیں جن سے سالک واصل سیر ہو سکتا ہے اور یہ سیری والا اور یہی منتہی ہے وہ اپنے صحو میں اس طرح باہوش ہوتا ہے کہ اس کے بعد سکر نہیں ہوتا۔ بس مرتبۂ اول میں دوسرے مرتبہ مرتبہ کی نسبت زیادہ تکدر ہوتا ہے اور تیسرے مرتبہ کسی طرح کا تکدر نہیں ہوتا اور صوفیا کے اس قول کا یہی مطلب ہے کہ صاحب ذوق مست بنتا ہے اور صاحب شرب مست ہوتا ہے اور صاحب ری باہوش ہوتا ہے اور اس شرب میں میں لذت اس طرح ہوتی ہے جیسے گنے میں مٹھاس اور اسی کے قریب قریب وہ قول ہے کہ جس کی حب قوی ہو اس کا شرب ہمیشہ ہوتا ہے۔ جب یہ صفت دائمی ہو جاتی ہے تو پھر وہ سکر نہیں پیدا کرتی پھر وہ حق کے ساتھ باہوش رہتا ہے۔ اور باقی تمام خطوط سے فانی ہو جاتا ہے اس پر کوئی وارد چیز اثر انداز نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اس کی طبیعت متغیر ہوتی ہے اور جس کا سر صاف ہو جائے اس پر شرب مکدر نہیں ہوتا اور جس کی غذا ہی شرب بن جائے وہ اس سے صبر نہیں کر سکتا یعنی وہ بار بار طلب کرتا ہے۔ اور ایک شرب پر صبر نہیں کر سکتا اور نہ وہ اس کے بغیر باقی رہ سکتا ہے یعنی سالک کی بقا ہی اس شرب کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ اس کے بغیر تو لہذا بقا اس شرب ہی کی بساتھ ہے یہی وجہ ہے کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ نے پہلے کہا۔ سقانی الحب کاسات الوصال اور پھر کہا فقلت لخمرتی نحوی تعال۔ یعنی پہلے پہلے تو میرا شرب وصول کے لئے تھا جب میں نے پی لیا اور سیر ہو گیا تو میں نے اپنی شراب سے کہا میری طرف آجا تاکہ میں تجھے کیونکہ وصول میں میری بقا اسی شرب ہی کے ساتھ منصور ہو سکتی ہے تو پہلا شرب تو وصال کی تحصیل کے لئے ہے اور دوسرا بقا پر باقی رہنے کے لئے جیسا کہ شاعر نے کہا شعر پیالہ ہمارے درمیان ایسا ہے جیسا کہ بچے کے لئے دودھ پینا اگر ہمیں نہ ملے تو ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ اسی کے قریب وہ مضمون ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ پہلے پیالے تو حصول وصال کے لئے ہیں اور یہ قول یعنی فقلت لخمرتی یہ کمال شوق کے لئے ہے اسے یاد رکھ یہ ایک عجیب تحقیق ہے۔ اور پہلے مضمون اور آئندہ آنے والے مضمون کے بالکل موافق ہے اور جب تو نے یہ معلوم کر لیا تو معلوم ہونا چاہئے کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا اقطاب کو اپنے اس قول سے کہ واشربوا انتم جنودی انہی تینوں مراتب کی تحصیل کے لئے ارشاد فرما رہے ہیں یعنی تمہارے لئے ضروری ہے کہ شرب میں اس کے مقررہ درجات میں ترقی کرو پہلے ذوق

جو مستی کی کیفیت سی پیدا کرتا ہے اور پھر شرب جس میں حقیقت مستی ہوتی ہے پھر وہ شرب جو ہر تدبر رتی تک
جس سے سکر اسے مطلق صحو حاصل ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنے نفس سے فانی ہوگا اور رب کے ساتھ باقی ہوگا۔
اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنے قول لہت بسکرتہ
سے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ موالی میں جو تقسیم کیا جارہا ہے وہ سُکرہ کا پیالہ ہے نہ کہ صحو کا اور صحو تک تو تکرار شرب کے بعد
جو کہ آپ کے قول فغلت سائر الاقطاب لمو بحالی وادخلوا انتم رجال۔ اور اس قول سے وہموا واشربوا انتم جنودی
النقوم بالوانی الملال سے مراد ہے اور اس صورت میں آپ کے قول فساقی القوم میں یہ اشارہ ہوگا کہ اقطاب رتی کے
مقام پر بھی آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے ظل ہی میں پہنچتے ہیں اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ بزرگ ترین شیخ رضی
اللہ عنہ وارضاہ عنہ کے لئے یہ شرب ہدایت پانے اور ہدایت دینے کی صورت میں ہمیشہ رہتا ہے۔ اور اللہ اپنے
نور کی طرف جس کی چاہے راہنمائی فرمائے اور وہی سیدھے رستے کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے۔ اے اللہ
ہمیں اپنی محبت کی شراب کے پیالے مجلس محمدی احمدیہ علیہ الصلوٰۃ میں طریق قادری غوثی اعظمی رضی اللہ عنہ وارضاہ
عنا کے مطابق پلا۔

اے توفیق کے پیالوں سے تحقیق کی شراب پینے کے طالب اگر تو پیاسا ہے تو میں تجھے حقائق کی شراب
کے پیالے پلاؤں گا جو کہ ساقی حقیقی کی توجہات کے مٹکوں سے تحقیقی شراب کے پیالے بھرے ہوئے ہیں۔ سو تو مجلس
آداب میں حاضر ہوجا اور انوار واسرار کو بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے سمندروں سے اٹھتا ہوا دیکھ سو تو
اللہ ہی کی طرف سے ہے معلوم ہونا چاہیئے کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ ارواح کے لشکر اکٹھے کئے گئے ہیں جن کا وہاں
تعارف ہوگیا ان میں محبت پیدا ہوگئی اور جو وہاں ایک دوسرے کو نہ پہچان سکے ان میں اختلاف ہوا۔ اور اس کی
وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالے نے جب اپنے امر عزیز سے ارواح کو پیدا فرمایا تو ان کو بہت سی جماعتوں کی
صورت میں اکٹھا کیا پھر تمام روحوں سے روح محمد صلے اللہ علیہ وسلم آگے بڑھی اور وہ تمام ارواح کی امام ہے
جیسا کہ احادیث اس مضمون کو بیان کرتی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ میں نبی تھا اور آدم مٹی اور پانی میں تھے سو
وہ قدیم جوہر ہے جو خلقت اور نبوت اور کمالات ولایت اور جوانمردی میں سب روحوں سے آگے بڑھی
سو تمام ارواح آپ کے مقتدیوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور آپ امام اول اور ہر کام میں مقدم ہیں۔ سو سب سے
پہلے آپ کی اقتدا انبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی صفوں نے کی اور پھر اولیاء کی صفوں نے اور اولیاء میں سے مقدم
تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم تھے اور پھر ان میں سے بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے وہ تمام صحابہ کے امام
اور مقدم ہیں کیونکہ جو کچھ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے سینہ میں ڈالا گیا ہے وہ ابو بکرؓ کے سینہ میں بھی ڈالا گیا ہے
پھر عمرؓ۔ پھر عثمانؓ پھر علی رضی اللہ تعالے عنہم اور ان میں سے ہر ایک کے حق میں حدیثیں وارد ہوتی ہیں۔ جو ان کی
ترتیب وار فضیلت پر دلالت کرتی ہیں ان میں سے ایک وہ بھی جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ابو بکر میرا سر ہے اور عمر میری آنکھیں ہیں اور عثمان میری زبان ہیں۔ وعلی میرا سینہ ہیں۔ تو سر آنکھ سے پہلے

ہے اور آنکھ زبان سے اور زبان سینہ سے۔ قصہ مختصر کہ خلفاء اربعہ اپنی مشہور ترتیب کے ساتھ دوسرے تمام صحابہ سے مقدم ہیں اس پر یقین ہے کسی رافضی یا خارجی ہی کو اس میں شک ہو سکتا ہے اللہ ان کو رسوا کرے یا ایمان کی راہنمائی کرے۔ پھر اولیاء ہیں اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق ان کے بعض کو بعض پر فضیلت ہے اور اللہ تعالے نے بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کو صحابہ کرام کے بعد تمام پہلے اور پچھلے اولیاء پر فضیلت بخشی ہے جیسا کہ آپ کا صاف قول ہے کہ "پہلے لوگوں کے سورج غروب ہو گئے اور ہمارا سورج افق کی بلندیوں پر ہے یہ غروب نہیں ہوگا"۔ اور آپ کا یہ قول کہ "مجھے اللہ تعالے نے بزرگ ترین ولایت عطا فرمائی ہے جو میرے سوا کسی کو بھی قیامت تک نصیب نہ ہوگی"۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے بر سرِ عام فرمایا "میرے یہ قدم تمام پہلے اور پچھلے اولیاء اللہ کی گردن پر ہیں"۔ اور اس کو آپ رضی اللہ عنہ کے قول وانی علی قدم النبی بدر الکمال کے تحت بیان کیا جائے۔

سو اللہ تعالے نے تمام جماعتوں کو حاضر کیا اور ان سے اس قول سے خطاب کیا "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں" تو سب نے یہی جواب دیا کہ ہاں واقعی تو ہمارا رب ہے اور اس خطاب اور جواب سے ہر ایک اپنی استعداد کے مطابق سرفراز ہوا۔ اور آدم علیہ السلام کی اولاد کے ہر ذرے نے خدا کے سورج کے نور سے اس قدر اقتباس کیا جتنا اس کے متعلق اللہ تعالے کا ارادہ ہوا اور ہر روح کو اس جسم اور اعضا اور حواس وغیرہ جسمانی لوازمات کا لباس عطا کیا گیا۔ اور ہر ایک جسم کا اندازہ ایک خالی ذرے کے برابر تھا۔ سبحان اللہ کس طرح اللہ تعالے نے یہ تمام لوازم ایک چھوٹے سے حقیر ذرہ میں پیدا کر دیئے تو ہر روح کو اسی قدر علم ملا جتنا اسے نور عطا کیا گیا تھا تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا نور کلی ہے پھر درجہ بدرجہ۔ اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا فرماتے ہیں جب میں اپنے نانا کے ظل میں خاص قدم میں اور مخصوص مقام میں تھا تو آپ کو ہر درجہ میں خلعت سلطانیہ عطا ہوئی۔ سو تمام اقطاب آپ کے سایہ کے نیچے ہیں آپ کے کمالات کے تابع ہیں۔ اور اس تبعیت میں وہ لشکروں کی طرح تھے تو بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا فرماتے ہیں کہ اے اقطاب قصد کرو اور پیو اور میرے حال کی بلندی اور میرے جمال کی سطوت سے نہ ڈرو کہ تم روحوں کے اجتماع کے دن میرے لشکروں میں تھے اور تم اس تبعیت سے مشرف ہو چکے ہو اگر تم کو یاد ہے تو اٹھو اور شرب اور قصد میں ترقی کرو اور اگر تم محجوب ہو چکے ہو تو میرے حال کی برکتوں سے حجاب کو کھولو اور شرب حاصل کرنے کے لئے دوڑو کہ تم میرے لشکری ہو اور بادشاہ اپنے لشکروں پر انعام کرتے ہی ہیں اور لشکری بادشاہ سے بلندی مناصب حاصل کرتے ہیں سو اللہ تمہارا مددگار ہے اور تم پر اسرار کھولنے والا ہے سو تم سرمدی غنیمتوں کے اسرار سے فائز ہونے والے ہو تم ثابت قدم رہو اور تردد نہ کرو۔ تو اس معنی سے جملہ انتم جنودی کئی ایک رموز و اسرار کا متضمن ہوگا۔ ان میں یہ بھی ہے کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ کو میثاق کے روز علم کلی اور کمال حقیقی عطا کیا گیا۔ کہ آپ ہر ایک حادثہ کو جانتے تھے۔ اور ہر ایک نازل ہونے والی چیز کو پہچانتے تھے اور آپ ہمیشہ کی سلطانی قوت تھی یعنی کائنات میں تصرف کرنا جیسا کہ آپ نے اس قصیدہ میں فرمایا ہے۔ دو فتنی قبل قبلی قد صفالی۔ اور خدا کے فضل و کرم

Scanned by CamScanner

سے اس کا بیان آئے گا۔ اور آپ نے ایک دوسرے قصیدہ میں فرمایا ہے۔ انا کنت قبل القبل قطبا مبجلا۔ اور ایک اور قصیدہ میں فرمایا ہے۔ انا کنت مع ابراہیم فی النار ملقیا + وما تطفئ النیران الا تبفضنتی۔ اور فرمایا انا کنت فی العلیا ولد تحرّ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ابیات شریفہ ہیں جو اس وجود حسی سے پہلے کے کمالات پر مشتمل ہیں۔ اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جس دن نبی صلے اللہ علیہ وسلم معراج کو گئے تو آپ نے بزرگترین شیخ رضی اللہ عنہ کی گردن پر قدم رکھا اور فرمایا میرا قدم تیری گردن پر ہے۔ اور تیرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پہ ہوگا اور اس کی تفصیل منقریب آئے گی۔

اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے لئے تعلیم کا مرتبہ ازل کی جانب سے ثابت تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل کو روشن فرمایا اور تجلیات خاصہ سے آپ کے حال کو مشرف فرمایا جو کہ ہدایت پانے اور ہدایت دینے کے لئے خاص ہیں۔ سو آپ ایک جانب سے تو اللہ تعالےٰ سے حاصل کرتے ہیں اور ایک جانب سے ہدایت اور راہنمائی فرماتے ہیں اور یہ مرتبہ نبوت کا باطن ہے جو آپ کے نانا نبی حجازی صلے اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا اور وہ قدم جس سے اللہ تعالےٰ ایمانداروں کو ثابت رکھتے ہیں جس کی طرف آپ کے اس قول میں اشارہ ہے کہ وانی علی قدم النبی بدر الکمال۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بزرگ ترین شیخ اپنے پہلے تجرد کے حال میں بھی انفس اور آفاق میں متصرف تھے جو اس جسمانی پیدائش سے پہلے تھا اور اسی طرح اس جسم کا لباس زیب تن کرنے کے بعد اس سے جدا ہونے اور نکل جانے کے بعد بھی۔ کیونکہ تجرد تو دونوں حالتوں میں برابر ہے بلکہ تجرد ثانی برگزیدہ اولیاء میں زیادہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ بہت دفعہ دیکھیں گے کہ بزرگ ترین شیخ اپنے مریدوں کی تربیت کے لئے بذات خود بلا واسطہ ظاہر ہوتے ہیں اور ان کی تربیت اور راہنمائی فرماتے ہیں۔ اگرچہ مرید ادنیٰ درجہ کا اہل ناسوت میں سے ہی کیوں نہ ہو اور آپ رضی اللہ عنہ کے اس قول کا یہی مطلب ہے "اگر میرا مرید اچھا نہیں تو میں تو اچھا ہوں" یعنی آپ رضی اللہ عنہ کی طرف طریقت کے قاعدہ کے مطابق عقیدت کا ہونا ضروری ہے اور وہ ہے محبت اور ترک میں شیخ کے ماسوا ہر چیز سے دستبردار ہو جانا۔ پس میں ارشاد میں اچھا ہوں اگرچہ مرید بشری کدورتوں سے ملوث ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ ایمانداروں کے دوست ہیں انکو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتے ہیں۔ اور وہی راہ کی ہدایت فرماتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا "اے میرے مرید کوئی خوف نہ کھا کہ اللہ میرا رب ہے"۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے میری تربیت فرمائی ہے۔ پس میں ربوبیت تامہ کا مظہر ہوں جو کہ اسم اللہ سے حاصل ہوئی ہے جو تمام صفات کا جامع ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے ایک اور قصیدہ میں فرمایا "میں ہر ظلم کے وقت اپنے مرید کا حافظ ہوں"۔ اور یہ بھی فرمایا کہ "جب میرا مرید مشرق میں مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی فریاد کو پہنچتا ہوں وہ جس قبر میں بھی ہو

اور پچھلے اولیاء میں تصرف اس طرح کا نہیں ہے بلکہ کسی امر کے متعلق جزوی تصرف ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس پہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قول دلالت کرتا ہے کہ "جب تم امور میں متحیر ہو جاؤ تو قبروں سے استعانت حاصل کرو"۔ یعنی قبروں والوں سے مدد حاصل کرو کیونکہ وہ حجابات سے آزاد ہو چکے ہیں اور حواشی سے الگ۔ اور وہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سچے اور پیارے اولیاء اللہ اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی صلے علیہ وسلم کے اوامر کی تعمیل اور ان کی نواہی سے پرہیز کرتے رہے جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے "جو تمہیں رسول دے اُسے لے لو. اور جس سے روکے اس سے باز آجاؤ" اور یہ تو ثابت ہو چکا ہے کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ کا تصرف بدن سے علیحدگی کے بعد بھی موجود ہے جیسا کہ بدن کی مفارقت کے وقت تھا. اور اس میں تفصیل ہے جس سے کلام لمبا ہو جائے گا اور میں انشاء اللہ آپ کے قول وجدی صاحب العین الکمال کے تحت اس کو بیان کروں گا. پس اس میں اولیاء اللہ کی امداد کے منکرین کا ایسا رد ہے کہ اگر وہ توبہ نہ کریں تو ان کو اسلام سے خارج کر دے اور اگر توبہ کر جائیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والے مہربان ہیں.

اور باقی رہے آپ رضی اللہ عنہ کے وہ تصرف جو ابراہیم اور ایوب اور موسیٰ اور داؤد اور اسمٰعیل وغیرہم انبیاء علیہم السلام کے وقت ان کی اعانت کے طور پر واقع ہوئے جیسا کہ آپ نے قصائد میں ذکر کیا ہے تو یہ ثابت ہیں ان میں انکار کی گنجائش نہیں ہے. ان کا انکار کوئی مغرور دجال منافق ہی کرے گا. اگر آپ اس پر یہ اعتراض کریں کہ "ان تصرف سے لازم آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اولیاء کی امداد کے محتاج ہوں اور یہ وہ معاملہ ہے کہ اسے طبیعت ہی قبول نہیں کرتی پھر شریعت اسے کیسے جائز قرار دے سکتی ہے" تو میں اس کے جواب میں کہوں گا. کہ نہایت افسوس کی بات ہے اس سے یہ بالکل لازم نہیں آتا. اوّلاً تو بزرگ ترین شیخ نے وضاحت کر دی ہے کہ یہ تصرفات نبی حجازی صلے اللہ علیہ وسلم کے نواسے حاصل شدہ ہیں تو پھر یہ امداد نبی حجازی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوتی. اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ کی حیثیت آپ کے امراء میں سے ایک امیر کی ہے. جیسا کہ اگر کوئی بادشاہ اپنے بیٹے یا بھائی کی امداد کرنا چاہتا ہے. تو اپنے لشکریوں میں سے کسی لشکری کو بھیج دیتا ہے. اور اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے. کہ وہ لشکری بادشاہ کے بیٹے یا اس کے بھائی سے افضل ہے. ہاں اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ بادشاہ کے نزدیک اس لشکری کو بہت اعتبار حاصل ہے اور بادشاہ کے بھائی یا اس کے بیٹے کے پاس اس کی بزرگی کا اظہار بھی ہو جائے گا بلکہ تمام زمانوں اور تمام لوگوں کے سامنے بزرگی کا اظہار ہو جائے گا.

اور دوسرا امر یہ ہے کہ ہر چیز کا ایک تقاضا ہوتا ہے اور ولایت محمدیہ کا تقاضا کائنات میں تصرف ہے اور اور اولیاء کے اس میں مخصوص مظاہر ہیں اور ہر ولی کا ایک قدم ہے جو کسی نبی علیہ السلام کی نبوت سے مناسبت رکھتا ہے اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا قدم ہر ایک نبی کے ظل میں ہے تو مرتبہ روحی میں ہر نبی کے ساتھ آپ کی مصاحبت رہی ہے پھر جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کسی نبی پر کوئی مصیبت یا حادثہ ظاہر ہوتا ہے تو نبی اس ولی کو جو تصرف میں فائق ہوتا ہے حکم دیتا ہے کہ اس حادثہ کی مدافعت کرے جیسا کہ مخدوم اپنے خادم کو حکم دیتا ہے یا باپ اپنے بیٹے کو حکم دیتا ہے تو یہ حکم ہر ایک نبی سے اپنے مناسب ولی کو ہوتا رہتا ہے جو اس کے ساتھ ہوتا ہے اور اس معیت کا اشارہ آپ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے سمجھا جاتا ہے.

انا کنت مع ابراہیم فی النار ملقیا + وما تطفی النیران الا تبغلتی ۔ اور یہ اسی طرح کی بات ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے معراج کی رات شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ آپ کے قدم کے نیچے اپنی گردن رکھیں۔ تو یہ
مخدوم کا اپنے خادم کو حکم ہے اور بر سر عام ازل کے دن سے لے کر قیامت تک کے لئے اس کی عزت افزائی
ہے اور یہ ایک مجمل تحقیق تھی ممکن ہے کہ اللہ اس کی تفصیل کی توفیق مجھے آپ رضی اللہ عنہ کے قول وکل ولی
قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال کے تحت دے دیں۔ اور ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ بزرگترین شیخ رضی اللہ عنہ و
ارضاہ عنا گویا اپنے قول نقلت لسائر الاقطاب لموا سے اشارہ فرما رہے ہیں کہ میں جو تم سے کہتا ہوں کہ مجھے تم
آؤ وہ اس بات کو پورا کرنے کے لئے ہے جو ان کی تربیت ازل کے روز اس جسمانی پیدائش کے بعد ان کے لئے
مقرر ہوئی تھی۔ یعنی میرا تم سے یہ کہنا کہ آجاؤ۔ اور داخل ہو جاؤ اور قصد کرو اور پیو یہ سب کچھ اس لئے ہے۔ اگر تم
عالم ارواح میں میرے اتباع قرار پا چکے ہو نہ کہ کسی اپنی غرض کے تعلق سے تو تم پر ضروری ہے کہ اترو اور بڑھو
یہاں تک کہ تم مجھ سے اپنا وہ حصہ لو جو تمہارے لئے اس پیدائش میں مقرر ہے اور میں ایک امانت دار ہوں
اس امانت کو دور کرنا چاہتا ہوں اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ کہ "اللہ تعالےٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ امانتیں ان کے
مالکوں کو ادا کر دو" تو تمہارے لئے پوری طرح حضور اور اس حصّہ کو لینا نہایت ضروری ہے جو کہ میرے اور تمہارے
درمیان تعلق کا ذریعہ ہے۔ اور آپ کے قول لموا بحالی واد خلوا انتم رجالی۔ مراد یہ ہے اور یہ واضح بات ہے۔ جس
میں کوئی پردہ نہیں ہے اور ایک یہ ہے کہ بادشاہ اپنے لشکریوں میں سے ہر فرد کا مالک ہوتا ہے اور بادشاہ کہ
اپنے حکم پر غالب ہوتا ہے جسے چاہے عزت بخشے اور جسے چاہے ذلیل کرے تو انتم جنودی کے جملہ میں تر
تہدید کی طرف اشارہ ہے یعنی تم پر میرے آداب اور پوری فرمانبرداری لازم ہے کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت
سے تمہارے احوال سلب کرنے اور معزول ومقہور کرنے پر قادر ہوں۔ سو اگر تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو
اور اپنے میں سے صاحب امر کی اطاعت کرو" کے مطابق تم میری اطاعت کرو گے تو تمہارے لئے بہتر
ہوگا ورنہ عنقریب تم کو اپنے کردار کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔

اور اس اشارہ کا فائدہ یہ ہے کہ اقطاب چونکہ درجۂ عالیہ میں ہوتے ہیں وہ اکثر خیال کرتے ہیں کہ اللہ
کے نزدیک ان کا ایک مرتبہ ہے اور ان کو کسی کی تابعداری کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہر ولی کا اللہ تعالیٰ کے
ساتھ قبولیت کا ایک درجہ اور وصول کا ایک مرتبہ تو اس چیز کا امکان ضرور تھا کہ وہ شیخ کے حکم کی اتباع نہ
کریں۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کی عدم اطاعت معزولی اور خواری کا باعث ہے۔ اور یہ اکثر اولیاء اللہ عزوجل کے
لئے باعث بدنامی کا باعث ہوتا ہے اور یہ اسی طرح کا کلام ہے کہ کہا جاتا ہے میری اتباع کرو اور میری
مخالفت نہ کرو کیونکہ میری مخالفت ادبار کا باعث ہے۔ جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب بزرگ ترین شیخ رضی
اللہ عنہ وارضاہ عنا نے یہ فرمایا کہ "میرے یہ قدم ہر اولیاء اللہ کی گردن پر ہیں" تو اصفہان کے اولیاء اللہ
میں سے ایک ولی تھا۔ اس نے اس بات کا انکار کیا اور کہا میں اس بات کو قبول نہیں کرتا کیونکہ میں بلا واسطہ

Scanned by CamScanner

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے منسوب ہوں۔ بس یہ کہنے والے کا وہی وقت تھا کہ جب اس نے انکار کیا تو اس پر اسی وقت ادبار اور خسارہ واقع ہو گیا اور اس کے تمام احوال چھین لئے گئے یہاں تک کہ نور ایمانی بھی جاتا رہا۔ پھر وہ شیخ کے پاس آیا اور توبہ کی اور استغفار کیا لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اس کے ادبار کے متعلق مقدر ہو چکی تھی اس کی توبہ قبول نہ ہوئی۔ شائد اس نے سچے دل سے توبہ نہ کی ہو۔ جیسا کہ کاتب وحی کا حال بیان کیا جاتا ہے کہ اس کے دل میں یہ خیال آ گیا چونکہ وہ آیات لکھتا تھا اور اس کی موجودگی میں جبرائیل علیہ السلام آ جایا کرتے تھے کہ "بغیر مجازی صلے اللہ علیہ وسلم کے توسط کے اللہ کے نزدیک اس کی قدر و منزلت ہے"۔ تو وہ بارگاہ الٰہی سے ایسا مردود ہوا کہ مرتے وقت ایمان بھی نصیب نہ ہوا۔ وہ ہر روز توبہ کے لئے تہیا کرتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کے سبب اپنے قہر کی وجہ سے توبہ کی توفیق نہ دی۔

اور اس میں مرتبہ جمالیہ کی طرف بھی اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ بادشاہ ہر ایک لشکری کا حال جانتا ہے اور اس پر مہربانی کرتا ہے کیونکہ لشکری کا معاش سلطانی تصرف کے سپرد ہے کیونکہ لشکری نے اپنا نفس و وجود اوامر سلطانی کے قدموں پر نثار کر دیا ہے وہ اپنے نفس سے فانی اور سلطان سے باقی ہے وہ مامون و مرحوم اور مبدء فیض ہے وہ رحیم و عظیم بادشاہ سے بہت بڑی کامیابیاں حاصل کرے گا۔ جیسا کہ ایک اور قصیدہ میں ہے۔ وکل عباد اللہ ترجو غاثیتی ؛ فکل ملوک العالمین رعیتی ؛ وکل بلاد اللہ ملکی حقیقۃ ؛ واقطابہا من تحت حکمی وطاعتی ۔ اور جب رعایا بادشاہ کے حکم کے ماتحت ہے تو وہ لازماً اوامر سلطانی کی تعمیل کریں گے اور اس کے احکام کو بغیر کسی سرکشی اور عناد کے بلکہ کلی حضور اور پورے خضوع و تسلیم سے ادا کرنے پر بہت بڑی کامیابی و طمانیت و تمکین حقیقی حاصل کریں گے۔ جیسا کہ ہر ایک بادشاہ کے محل اور اس کے بیرونی دروازہ کا معمول مشہور و معروف ہے اور اس معنی کے مطابق اس میں ایک اور نکتہ کی طرف اشارہ ہوگا جیسا کہ صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ "تم میں سے ہر ایک آدمی بادشاہ ہے اور ہر آدمی اپنی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔"

اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس مرید پر جو سعادات دینیہ اور فضائل اخرویہ کے حصول کا طالب ہو ضروری ہے کہ اپنے شیخ کے حکم پر اپنی گردن جھکا دے فرمانبردار بن جائے محکوم ہو جائے اور یہ سمجھ لے کہ شیخ اس کے وجود کی ولایت کا بادشاہ ہے اور اس کے عروج و زوال کے امور کا مالک ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق جو اس نے اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے "آپ کہیں اے اللہ ملک کے مالک تو جسے چاہے ملک بخشے اور جس سے چاہے چھین لے"۔ یعنی اے محمد آپ کفار کو متنبہ کریں اور آپ خود بھی اللہ عزوجل کے خوف اور ڈر کے طریقہ پر رہیں کہ اللہ عزوجل کو نہ تو کسی اہل قرب کی پرواہ ہے اور نہ کسی دور والے کی جیسا کہ غوثیہ میں کہا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے غوث اعظم کوئی آدمی مجھ سے گناہ کی وجہ سے دور نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی عبادت کی وجہ سے قریب ہو سکتا ہے۔ سبحان اللہ کیا شان ہے خدا تعالیٰ کی کہ کس طرح اس نے ایک کتے کو آدمی بنا دیا اور کس طرح ایک آدمی برصیصا راہب کو کتا بنا دیا۔ حالانکہ پہلے

نے کوئی عبادت نہیں کی تھی وہ صرف نیک لوگوں کے پیچھے ہولیا تھا اور دوسرا عالم اور عابد تھا اس نے اللہ کے حکم کا انکار نہ کیا تھا۔ جیسا کہ ابلیس نے انکار کیا تھا حالانکہ وہ ایک عابد تھا اور تسبیحات کہنے والا تھا اس نے ہزار لاکھ سال عبادت کی اور مردود ہو گیا۔ اور آدم علیہ السلام نے پہلے اللہ تعالیٰ کی کوئی عبادت نہ کی تھی اور پھر بھی زمین میں خلیفہ آلہی قرار پائے۔ حالانکہ ان دونوں سے ایک ایک مرتبہ غلطی ہوئی تھی۔ پہلے (آدم) کو توبہ اور بخشش کی توفیق مل گئی اور دوسرا (شیطان) انکار کی وجہ سے مردود ہو گیا۔ خسارہ پا گیا۔ تو اللہ عزوجل فرماتے ہیں۔ اے محمدؐ آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ ملک کا مالک ہے وہ جو چاہے اور جو چاہے حکم دیتا ہے۔ سو آپ بھی ڈرتے رہیں۔ اور جب آپ اپنے خداوندی قرب اور اس کے انوار کا مظہر ہونے اور اس کے اسرار کا مخزن ہونے کے باوجود اللہ مالک الملک سے ڈریں گے تو ان دشمنوں کا کیا حال ہو گا۔ جو اس کی نافرمانی کے جنگلوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے نفع کو نقصان سے بدل لیا اور ان کے نیزے الٹ گئے۔ سو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب ہے۔ تو ضروری ہے کہ مرید اپنے شیخ کے سامنے اس طرح ہو جیسے بندہ اپنے معبود کے سامنے کہ وہ کس طرح اپنے وجود سے فانی اور اس کے شہود میں محو اور اس کے حکم کی تعمیل میں کوشاں ہوتا ہے۔ اور غلام کی یہی کیفیت ہوتی ہے اور یہ عین اس کی سعادت ہے اور یہی معنی ہے اس عبارت کا جو بزرگ ترین شیخ نے اپنی کتاب "جلاء الخاطر" میں لکھی ہے۔ "تجھ پر افسوس ہے تو میری ارادت کا مدعی ہے اور اپنا مال مجھ سے دور رکھتا ہے تو اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ مرید کی تو اپنے شیخ کی نسبت سے نہ قمیص ہوتی ہے نہ عمامہ اور نہ سونا اور نہ کوئی اور چیز وہ اپنے شیخ کے حکم کے مطابق کھاتا ہے وہ اپنے آپ سے فانی ہوتا ہے وہ اپنے شیخ کے امر اور نہی کا انتظار کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مصلحت شیخ کے ہاتھ پر ہے اور اس کی مضبوطی اسی کی رسی سے ہے اگر تو اپنے شیخ کو کسی طرح متہم سمجھتا ہے تو اس کی صحبت اختیار نہ کر کیونکہ اس سے تیری صحبت اچھی نہیں رہ سکے گی اور نہ ارادت ہی پیدا ہو گی۔ مریض جب اپنے طبیب کو متہم سمجھے تو اس کی بیماری دور نہیں ہوتی"۔ آپ کی عبارت شریف ختم ہوئی۔

اور اس کا حاصل یہ ہے کہ مرید وہ ہوتا ہے جو اپنے ارادہ سے فانی ہو اور شیخ کے ارادہ سے باقی ہو اس کے اپنے ہاتھ میں نہ اس کا کوئی مال ہوتا ہے اور نہ کوئی اپنے وجود کی چیز وہ غلام ہے اور شیخ اس کا مالک ہے اور بندہ اور اس کی تمام ملکیت اپنے مالک کی ملک ہوتے ہیں اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ مرید اس وقت مرید بنتا ہے جب وہ اپنی عادت و ارادہ سے خالی ہو جائے اور شیخ کے ارادہ سے متصف ہو جائے جب تک اس میں اپنا ایک ذرہ بھی باقی رہے گا وہ ذرہ اس کے اور اس کے شیخ کے درمیان حجاب بن جائے گا۔ اور اس کا علاج بالکلیہ نفی ہے یہاں تک کہ شیخ ہی کلی اور جزئی حیثیت سے باقی رہ جائے۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ جب مجنوں کی لیلےٰ سے محبت راسخ ہو گئی تو جب لیلےٰ کے متعلق اس سے پوچھا جاتا تو وہ کہتا میں

لیلیٰ ہوں اور لیلیٰ میں ہے۔ یہ دونوں کلام مترادف ہیں۔ اور ان کا مدلول ایک ہے۔ اور یہ اپنے آپ سے خروج کبھی تو یکبارگی ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جذبۂ صادقہ سے کسی کو مشرف فرمائیں۔ اور اس کے وجود کے آثار مٹ جائیں اور اس کے سبب سے شیخ کامل کے وجود کے انوار دفعتہً بغیر کسی توقف کے رہ جائیں۔ یہ معاملہ شاذ و نادر ہی کسی کے ساتھ ہوتا ہے اور پھر خاص کر اس زمانہ میں جو کہ فترۂ حجاب کا زمانہ ہے۔ اور کبھی آہستہ آہستہ ہوتا ہے کہ مرید سلوک کے منازل متوسط رفتار سے طے کرتا جائے اور اللہ تعالیٰ اسے تبدیل صفات کی توفیق دیدیں کہ اس کی صفات مٹتی جائیں اور ان کی جگہ ایک ایک کر کے شیخ کی صفات آتی جائیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو شیخ کے کلی اخلاق کریمہ سے متخلق کر دے اور اس کی صفات عظیمہ سے موصوف بنا دے اور یہ پہلے کی نسبت سے زیادہ ہے اگرچہ یہ بھی اس زمانہ کے افراد کے لحاظ سے بہت کم ہے۔ پھر جب بزرگترین شیخ کے اوصاف سے دونوں لحاظ سے آدمی موصوف ہو جائے تو وہ اس طرح ہو گیا جیسے کسی نے اپنے دین کا گھر بنا لیا اور یقین کا قلعہ تعمیر کر لیا پھر جب اس پر مداومت کرتا جائے گا۔ تو یہ قلعہ مضبوط ہوتا جائے گا۔ اور یہ قلعہ ناسوت کے باغیوں کی فوج سے حفظ و امان بخشتا ہے۔ جب اس قلعہ میں ٹھہرنے کی عادت پختہ ہو جاتی ہے تو پھر اس کے بعد وہ ایک اور قلعہ سونے اور چاندی کا دیکھتا ہے وہ اس میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ تو اس میں داخل ہونا پہلے قلعے سے بھی زیادہ مشکل محسوس کرتا ہے وہ کوشش کرتا ہے اور اس میں داخل ہونے کے اسباب تلاش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اندر داخل ہونے کا راستہ اس کو معلوم ہو جاتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے کہ یہ فنا فی الرسول صلے اللہ علیہ وسلم اور بقاء بالرسول صلے اللہ علیہ وسلم کا قلعہ ہے پھر وہ اس میں شروع ہو جاتا ہے پھر یا تو اللہ تعالیٰ اسے دفعتاً ترقی دے دیتے ہیں اور یہ بہت کمیاب ہے یا پہلے کی طرح تدریج اسے عروج نصیب ہوتا ہے اور بہت بڑی کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔ پھر وہ اس بادشاہ کو جو اس کے اندر فیض کی کرسی اور فضل کے عرش پر بیٹھا ہے نہایت کریم اور سخی پاتا ہے وہ اسے عزم و رسوخ کی خلعت سے مشرف فرماتا ہے اور اس کو پہلے سے زیادہ صاف کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ خالص روح بن جاتا ہے اور اس میں اس کو ہر وہ چیز ملتی ہے جس کو وہ چاہے پھر ہر لحظہ اس کو ہر وہ چیز ملتی ہے جس کو وہ چاہے پھر ہر لحظہ اس کو فتوحات ہوتی ہیں وہ اس کے سر پر تاج رکھ دیتا ہے۔ پھر اس کو امن اور قرار کے دو درجے حاصل ہو جاتے ہیں۔ پھر جب وہ اس میں رہنے کا عادی ہو جاتا ہے اور اپنی بصیرت کو تیز کرتا ہے تو اس کے اوپر ایک اور یاقوت اور جواہرات کا قلعہ دیکھتا ہے اس طرح کا کہ جس کو نہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کا کبھی گذر ہوا۔ پھر جب اس کو نظر و بصیرت کی باریک بینی سے دیکھتا ہے۔ تو وہاں تک پہنچنا اس کو قوت بشری اور طاقت انسانی سے باہر معلوم ہوتا ہے اور وہ حیران و مضطرب ہو جاتا ہے کیونکہ وہ ایسا قلعہ ہے جس کا آنکھیں ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا۔ کیونکہ اس کی دیواروں کی شعاعیں اتنی تیز ہوتی ہیں کہ سالک اس کو دیکھنے سے بیہوش ہو کر گر پڑتا ہے۔ ہاں اگر اسے خدا تعالیٰ کا نور تھام لے تو وہ ایک غیبی آواز سنتا ہے

Scanned by CamScanner

جو عیب اور نقص سے پاک ہوتی ہے۔" اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو"۔ پھر وہ دعائیں کرتا ہے۔ اے اللہ تو ہی سبب ہے۔ ہمارے وصول کے لئے کوئی سبب بنا اور اس کا داخلہ ہماری قسمت میں کر دے۔ کیونکہ یہ بندہ حیران اس کے دروازہ تک پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتا اور نہیں ہے مجھے توفیق مگر تیری مدد سے نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی طاقت تیرے ہی فضل و رحم سے ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پھر اس متحیر کو اللہ تعالےٰ اپنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے کھینچ لیتے ہیں یا تو ایک ہی دفعہ اور یا پھر سلوک کے طریقہ پر جیسا کہ پہلے آپ کو معلوم ہو چکا۔ پھر جب آدمی شریعت کے دروازہ پہ پہنچ جاتا ہے اور اس پہ مدامت کرتا ہے تو حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم اس کو سے لیتے ہیں اور آخر قصہ مذکورہ تک پھر اس کو خداوند تعالیٰ بارگاہ میں پیش کر دیتے ہیں۔ اے اللہ ہمارے کام ہمارے لئے آسان کر دے اور ہم پہ رحم فرما بے شک تو ہی رحیم اور کریم ہے اور تیرے ہی لئے تعریف اور تیرے نبی اور ان کی آل و اصحاب اور نائبوں خصوصاً شیخ ابو محمد سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا پہ درود اور سلام ہو۔

عجیب اشارہ:۔ اگر تو پاک فطرت پہ ہے تو تو دیکھے گا کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا قول۔ فساقی القوم بالوافی الملال۔ کئی ایک رموز اسرار کا متضمن ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اقطاب کا تردد دور کر دیا گیا ہے کہ بزرگترین شیخ کی شراب آیا ہمارے لئے کافی ہوگی یا نہیں؟ اور اس کی تقریر و تحریر پہلے گذر چکی ہے۔ اور ایک یہ ہے کہ شیخ مرشد کامل مکمل اور اکمل ہونا چاہیئے یہاں تک کہ ہر وہ مصیبت جو مرید پہ نازل ہو اس کو دور کرنے کے لئے اس تصرف کافی ہو اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ اس کی توجہات کے مشکے اور اس کے ارشادات کی شراب ایسی ہو کہ وہ ختم نہ ہو سکے کیونکہ وہ رب الارباب کا رزق ہے اور تیرے رب کا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اس عبارت شریفہ میں اشارہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ شیخ مرشد بعض مقامات سے گذر چکا ہو اور بعض مقامات میں ابھی ٹھہرا ہوا ہو تو اس کے درست ہونے کی وجہ موجود ہے۔ کیونکہ آپ نے بھرے ہوئے پیالوں والے ساقی کے الفاظ سے اپنے آپ کو جو مخصوص کیا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مرشد اس حیثیت کے نہیں ہوتے جیسا کہ ان لوگوں پہ یہ بات مخفی نہیں ہے جو ادنیٰ سا بھی انداز کلام سمجھنے کا ملکہ بھی رکھتے ہیں۔ اور ان دونوں توجیہات کا تفصیلاً بیان پہلے گزر چکا ہے لیکن بہتر یہ ہے۔ بلکہ قریب یہ واجب ہے کہ شیخ کامل مکمل اور اکمل ہو تا کہ پیاسا مرید کسی استاد کے پاس جانے کی ضرورت محسوس نہ کرے اور یہ بہت بہتر ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے ضروری ہے کہ کتاب ایک ہو۔ سبق ایک ہو اور میں کہتا ہوں کہ ہمارا خدا ایک ہے رسول ایک ہے تو یہ بھی چاہیئے کہ شیخ بھی ایک ہی ہو۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ شیخ کامل مکمل اور اکمل ہو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ بایزید بسطامی قدس سرہ تین سو شیوخ کے پاس جانے کے لئے مجبور ہوئے تھے اور ان میں سے آخری شیخ امام ہمام سیدنا جعفر صادق رضی اللہ عنہ تھے۔ اگر پہلا شیخ ہی اس شیخ طالب کی تربیت کے لئے کافی ہوتا تو آپ کسی دوسرے شیخ کے پاس جانے کی ضرورت محسوس نہ کرتے اور ایسا ہی

لئے ہوتا آیا کہ آپ ایسے مقام پر پہنچ جاتے جس سے شیخ ناواقف ہوتا پھر وہ آپ کو کسی غیر کے پاس بھیج دیتا اللہ اس قصہ سے یہ دلیل بھی لی جا سکتی ہے کہ شیخ کے لئے جائز ہے کہ تکمیل سے پہلے ہی ارشاد کا کام شروع کر دے اس کو یاد رکھ اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ شیخ کو چاہیئے کہ اپنے مرید کو واضح کر دے کہ میں کامل ہوں تاکہ مرید کے دل میں کھٹکا نہ رہے کہ آیا یہ شیخ میرے ارشاد کے لئے کافی ہوگا یا نہیں؛ کیونکہ یہ خطرہ باطنی گھاٹ کے میٹھے مشرب کو مکدر کر دیتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مرید کے لئے ضروری ہے کہ یہ عقیدہ رکھے کہ اس کے اپنے شیخ مرشد کی طرح کا کوئی شیخ دنیا میں نہیں ہے۔ تاکہ اس کا دل اس مرشد سے اکتساب کرنے میں مطمئن ہو جائے ورنہ اس کو تردد اور اضطراب باقی رہے گا۔ اور یہ خیال باطنی علم میں سوءِ ادبی ہے جس سے آدمی معزول اور خوار ہو جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ کہا ہے بادشاہوں کی مجلس میں ضروری ہے کہ اعضاء پر ادب طاری رہے اور اولیاء کی مجلس میں جوارح کے ساتھ دل پر بھی ادب طاری رہنا چاہیئے کیونکہ دل کے جاسوس ہوتے ہیں۔ اور مولانا روم نے اسی معنی میں کہا ہے۔ شعر: اے بے حاصلو! صاحبدلوں کی بارگاہ میں دل کو نگاہ رکھو!

بیان کیا جاتا ہے کہ ابوالقاسم کے مریدوں میں سے ایک مرید نے کہا اے میرے شیخ! خواب میں مجھے آپ نے کوئی حکم دیا ہے اور میں نے اس کے جواب میں کہا ہے کیوں؟ تو شیخ نے اس سے منہ پھیر لیا اور کہا یہ تیری بیداری میں سوءِ ارادت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ نیند بیداری کی حکایت کرتی ہے جیسے موت زندگی کی حکایت ہوتی ہے صحیح حدیث میں ہے کہ "تم جیسے جیوگے ویسے ہی مروگے اور جیسے مروگے ویسے ہی اٹھوگے"۔ حاصل یہ ہے کہ مرید کے لئے نہایت ضروری ہے بلکہ واجب ہے کہ اس کا دل شیخ کے متعلق خطرات و وساوس سے پاک رہے بلکہ اس کا دل شیخ کے کمال سے بھرا ہوا ہو اس کے جمال سے روشن ہو۔ تو یہ تنبیہہ طالب مرید کے لئے تعلیم آداب میں ایک ضابطہ ہے۔ اور ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ مرید کا مطمح نظر اور منتہائے مقصود کمال جزئی کا حصول نہ ہو کیونکہ کعبۂ مقصود تک پہنچنے کے لئے مرید سالک اس وقت تک چلنے والا شمار نہیں کیا جاتا جب تک کہ اس کی ہمت عالیہ سعادت عظمی اور غایت قصوی کی کامیابی کو اپنا مقصود نہ بنائے۔ سو قاصر (کوتاہی کرنے والا یا راستہ میں رک جانے والا) محروس درمحروس ہے۔ اور اس معنی کے مطابق اس میں ایک اور لطیفہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اقطاب اپنے علم کے مطابق کامل تھے۔ کیونکہ وہ بعض وصولات تک پہنچ چکے تھے اور اسی کو عین اقبال اور قبول سمجھ چکے تھے۔ تو بزرگ ترین شیخ نے ان کی ہمتوں کو متحرک کیا اور ان اقطاب کو اپنے معہود و مقام سے ترقی و عروج کرنا لازم قرار دیا۔ تو سالک پہ لازم ہے کہ ترقی کے لئے دن بدن کوشش کرنا جائے یہاں تک کہ اس حدیث کے مورد سے نکل جائے کہ "جس کے دونوں دن برابر ہوں وہ خسارے میں ہے"۔ اور یہ ان اسرار میں سے ہے جو اللہ تعالے کے اس قول سے سمجھ آتے ہیں کہ "ہر دن وہ ایک نئے کام میں ہے" اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا یہ قول اس طرف اشارہ کر رہا ہے۔ مقامکم العلی جمعا ولکن ٭ مقامی فوقکم ما زال عال ٭ اور ایک یہ اشارہ بھی ہے کہ کمالات الٰہیہ غیر متناہی ہیں۔ تو ضروری ہے کہ سالک کسی

Scanned by CamScanner

وقت بھی اپنے نفس کو واصل نہ سمجھے اور ٹھہر نہ جائے بلکہ وصول کے بعد بھی فراق و ہجر سے اس کا دل جلتا ہو۔ جیسا کہ بعض صحیح احادیث میں آیا ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے "میری جلد فراق سے رقیق ہو گئی" اور فرماتے "اے کاش! محمدؐ کا رب محمدؐ کو پیدا نہ کرتا" پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے کو ایک ہی رات میں سیر کرائی"۔ اور پھر آپ کو فراق میں بھی رکھا اور یہ حقیقت کے علوم میں سے ہے اس پر وہی مطلع ہو سکتا ہے جس نے عشق کی تو اور محبت کی آگ دیکھی ہو۔ یہ علم عقلوں سے حاصل نہیں کیا جاتا یہ وہ علم ہے جس سے صرف بڑے بڑے لوگ متعارف ہیں۔ یہ عاشقی کے علوم کی طرح کا علم نہیں ہے یہ اندھیروں کا کامل نور ہے اس کو سوائے جلے ہوئے دل والوں اور قدس کے سمندروں کی گہرائیوں میں غرق ہونے والوں کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔

اور ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ غلام پر جبتک ایک بھی درہم ادا کرنا باقی ہے۔ وہ غلام ہے وہ آزاد نہیں ہو سکتا تو بندے کو چاہیئے کہ اپنے ذمہ کو بوجہ اتم پورا کرنے کے لئے ہمیشہ کوشش کرتا رہے تاکہ وہ آزاد ہو جائے۔ اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ فتوح الغیب میں کہا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ دو ہی صورتیں ہیں یا تو تو آزاد ہو گا اور یا پھر غلام ہو گا۔ اگر تو اپنے آپ کو آزاد سمجھے تو یہ ایک خالی دعویٰ ہے کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو تو موت تک عبادت کرنے کا حکم ہوا ہے: "اپنے رب کی موت آنے تک عبادت کر"۔ اور ہر مقام کی عبادت اس مقام سے مخصوص ہے پس جبتک زندگی ہے تجھ پر عبادات لازم ہیں۔ اور اگر تو اپنے آپ کو غلام کہتا ہے۔ تو بندے کے لئے لائق یہی ہے کہ وہ اپنے مالک کے سامنے کھڑا رہے۔ تو دونوں صورتوں میں بندے پر بندگی لازم ہوئی۔ کیا آپ غور نہیں کرتے کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو حالانکہ آپ اللہ کے محبوب تھے معراج کی رات کہا گیا "ہمارے خزانہ سے جو چاہو لے لو" تو آپ نے عرض کیا میں عبودیت کو اختیار کرتا ہوں کیونکہ بندے کے لئے عبودیت کی حالت لازمی ہے اور یہی معنی ہے اس قول کا جو سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ "بندہ بندہ ہی ہے اگرچہ وہ کتنی ترقی کر جائے اور رب رب ہی ہے اگرچہ وہ کتنا تنزل فرمائے"۔ کیا تم غور نہیں کرتے کہ اگر بادشاہ کسی ادنیٰ ملازم کے خیمہ میں تشریف لے آئے تو اس سے بادشاہ کی عزت کم نہیں ہو جائے گی بلکہ اس ادنیٰ آدمی کی عزت افزائی ہو جائے گی اور ادنیٰ آدمی بادشاہ پر تکبر کرے مغرور نہیں ہو گا بلکہ جتنا پہلے جھکتا تھا اس سے اب زیادہ جھک جائے گا۔ کیونکہ وہ اپنے نفس کو اس سے بہت کمتر محسوس کرے گا کہ بادشاہ اس کی طرف چل کر آئے۔ اور اس معاملہ کو تمام لوگ سمجھ سکتے ہیں ماسوائے ان لوگوں کے "جن کے دل اس کے بعد سخت ہو چکے ہیں پس وہ پتھروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی سخت تر"۔

بیان کیا جاتا ہے کہ محمود غزنوی نے اپنے غلام ایاز کو کہا میرے ملک سے جو چیز چاہے پسند کر لے تو اس نے کہا میں نے آپ کو پسند کیا۔ کیونکہ بندہ اپنے مالک کی غلامی ہی کو اختیار رکھتا ہے اور اس کی کئی ایک نظیریں ہیں جن کے ذکر سے کلام لمبا ہو جائے گا۔ اور ایک ان میں سے یہ تنبیہہ ہے کہ طالب سالک پریشان کو حصول

کمال اور اخبار وصال پر تنبیہ کیا جا رہا ہے۔ جو کہ اضطراب کی وادیوں اور حیرت اور نامرادی کے جنگلوں میں بھٹک رہا ہے اس میں اس کے لئے تسلی ہے کہ اے راہ کے طالب اور اے وہ کہ جس کا دل رفیق حقیقی کے وصال کی شراب کی طلب میں جل رہا ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو کہ اس کی رحمت سے صرف خسارہ اٹھانے والے لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔ تو اس کی نگاہوں اور کانوں کے سامنے ہے جس کا وصال بالکل ظاہر ہے شاید تو بہت بڑی کامیابی حاصل کرے۔ "خبردار اللہ کا لشکر وہی غالب آنے والے ہیں"۔

اور اس میں قانون یہ ہے کہ سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر لحظہ ساقی باقی کی نگاہوں کو دیکھتا رہے اور اس ساقی کی شراب کے جام نوش کرنے سے اپنے ناسوتی وجود سے فنا ہو جائے اور ہر شرب میں اس کا وجود فانی اس طرح پگھلے جیسے آگ کے شعلوں میں واقعی پگھل جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جب بھی ان کے نفس کے چمڑے جھلس جاتے ہیں تو اس کا چمڑا بدل دیا جاتا ہے۔ اور یہ عشق کی جہنم میں ہے اور تجھے معلوم ہے وہ جہنم کیا ہے وہ اللہ کی جلائی ہوئی آگ ہے جو عاشقوں کے دلوں پہ آسمان آلہی کے اُفق پہ نوری جذبات کی چمک سے چڑھ آتی ہے۔ اور اس کا ستر یہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ کسی بندے کے متعلق فیض سرمدی کا ارادہ فرماتے ہیں تو ایسے نور سے اس کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ جو اس کو ظلمات بشری سے نکال دیتا ہے۔ اور اس سے ظلمانی عناصر ختم ہو جاتے ہیں اور وہ ہیں مٹی، پانی اور ہوا۔ اور ایک روشن عنصر یعنی آگ باقی رہ جاتی ہے۔ تو وہ اس چمکنے والے نور سے مدد لے کر اور طاقتور ہو جاتی ہے۔ وہ پوری طرح جلاتی ہے۔ اور پوری روشنی کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت دفعہ مجازی عاشقوں کے جسموں کو اس آگ نے جلا ڈالا پھر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ جن کو حقیقی جذبہ نے کھینچ لیا ہو۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ زلیخا جب آہ بھرتی تو اس کے منہ سے آگ کے شعلے بھڑکتے اور اس میں اس کا یوسف علیہ السلام کے ساتھ ایک مشہور قصہ ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ اصفیاء میں سے ایک آدمی کلام نہیں کیا کرتا تھا اس سے اس کے متعلق سوال کیا گیا۔ تو اس نے لکھ کر بتایا۔ کہ اگر میں بولوں تو میرے منہ سے آگ کے شعلے نکلیں اور شہر کے مکانوں میں آگ لگ جائے۔ تو اس کے مریدوں کی ایک جماعت اس کی کلام کی مشتاق ہوئی اور کہنے لگے کہ اگر آگ ہمارے گھروں میں لگ گئی تو ہم اس پر رضامند ہیں۔ چنانچہ اس برگزیدہ نے کلام کیا تو اس کے منہ سے ایسے شعلے نکلے جن سے چند ایک گھر جل گئے اور اسی طرح ایک مدت کے بعد پھر انہوں نے درخواست کی تو پھر بھی وہی ہوا۔ جو پہلے ہوا تھا۔ پھر انہوں نے تین مرتبہ ان سے گفتگو کی تو ہر مرتبہ ان کے گھر جل اٹھے۔

اور بیان کیا جاتا ہے کہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید آپ کی مجلس میں تھا۔ جب جنید رحمۃ اللہ علیہ پہ حال وارد ہو تو یہ مرید بھی اس حال سے متاثر ہوا اور اس پہ بھی حال جاری ہو گیا۔ جب اس مجلس سے فارغ ہوئے تو جنیدؒ نے کہا یہ ادب کے برخلاف ہے کہ جب شیخ پہ حال وارد ہو تو مرید سے بھی حال ظاہر ہو پھر کچھ دیر کے بعد جنید پہ حال وارد ہوا اور یہ مرید بھی حاضر تھا سو وہ متاثر تو ہوا لیکن اس نے اپنے حال کو ضبط کیا اور

اپنے جذبہ کو مخفی رکھا۔ جب فارغ ہوئے تو اس مرید کو دیکھا وہ جل کر راکھ ہو چکا تھا۔ یہ شان ہے اس آگ کی جس کو اللہ نے جلایا ہے وہ جو دلوں پہ چڑھ آتی ہے۔ اور اس معاملہ کو عاشق لوگوں نے تجربہ کیا ہے اور انکار کرنے والے کا انکار منکر ہی کو نقصان پہنچائے گا۔ جیسا کہ غوثیہ میں ہے کہ "حال کہا نہیں جا سکتا جو اس پہ ایمان لائے وہ مومن ہے اور جس نے انکار کیا اس نے اللہ عظیم کا کفر کیا۔ اور اس معنی کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ جن کا علم بڑا بلند ہو اور توفیقات الٰہیہ سے اس کی روح مرفوع ہو اور غیر منتقل دائمی حال سے پوری تمیز سے اس میں ایسا ہو۔ اے اللہ ہمیں ایسا حال عطا فرما جس سے ہم پیچھے کی جانب نہ پھریں بلکہ وہ ہمیں رفیق اعلیٰ کی طرف بلندی کی طرف لے جائے اور ہمارے دلوں کو عشق کے نور سے منور فرما یہاں تک کہ ہمارے خیالات میں سے تمام ماسوی اللہ کو بھلا دے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہی بیمار سینوں کو شفا دیتا ہے اور تو ہی پیاسوں کو سیر کر دینے والی شراب کے پیالے پلاتا ہے اے غفور اے رحیم۔

اور ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ اکمل وہ ہے جس کے وجود کا برتن اس کے موجود کے شہود سے بھر جائے اس طرح کہ وجود کے ظرف میں ناسوت اور ملکوت اور جبروت کے کوئی آثار تک باقی نہ رہیں اور سارا دین اللہ کا ہو جائے پھر اس وقت ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس کا دل آسمانی اور اللہ سے متعلق ہے اور بدن زمینی بندگی سے منصرف ہے اگر اس واصل کی تعریف کی جائے تو اس کی پرواہ نہیں کرتا اور اگر اس کی مذمت کی جائے تو اس سے مضطرب نہیں ہوتا اور بقا کے عرش پہ مستوی ہو جاتا ہے اور تمام کائنات اور ساری دنیا کا وجود اس کے سمندروں کے ایک چھینٹے کی طرح ہوتا ہے یہی وہ آدمی ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب فقر پورا ہو جاتا ہے۔ تو اللہ باقی رہ جاتا ہے اور اسی کی اس خطاب میں اشارہ کیا گیا ہے کہ "کہو وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے اس لئے نہ کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا اور نہ ہی کوئی اس کے ساتھ برابری کرنے والا ہے"۔ جیسا کہ غوثیہ میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا اے غوث الاعظم مجھے سب سے پیارا وہ بندہ ہے۔ جس کا بیٹا اور باپ بھی ہوں اور اس کا دل ان دونوں سے فارغ ہو اگر اس کا بچہ فوت ہو جائے تو اس کو بچے کی موت کا کوئی غم نہ ہو۔ جب بندہ اس مقام پہ پہنچ جاتا ہے تو پھر وہ میرا بندہ ہے اس کا نہ کوئی باپ ہے نہ بیٹا اور نہ اس کے ساتھ کوئی برابری کرنے والا ہے اور جس کی سر کی آنکھ کھلی ہو اس پہ یہ معاملہ بالکل آشکار ہے۔ اور اس کا قاعدہ یہ ہے۔ کہ اس منزل کے طالب کے لئے ضروری ہے کہ وہ ماسوی اللہ سے فارغ ہو جائے اس کی تمام ہمت اپنے نفس اور تمام مخلوقات کو فنا کرنے میں لگی ہو اس کا دل معلومات و معارف اور کمالات کے غرور سے پاک ہو اور اس کی روح جلال اور جمال میں فانی ہو اور کمال بقا کے ساتھ باقی ہو اور اس کا سر حجابات نوریہ اور اسرار قدسیہ سے صاف ہو اس میں اس اکیلے بے نیاز کے سوا اور کچھ نہ ہو جس کی نہ کوئی اولاد ہے۔ نہ ماں نہ باپ اور نہ ہی اس کی کوئی برابری کرنے والا ہے۔ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون اس کے زیب تن ہو اللہ لا تدرکہ الابصار وہو یدرک الابصار اس کا اوڑھنا بچھونا ہو۔ اور یہی مطلب ہے اس عبارت کا جو بزرگترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنی کتاب جلاء الخاطر میں لکھا ہے کہ "مومن سارا اللہ عزوجل کے لئے ہے اس میں اللہ تعالےٰ

کی مخلوق کا ایک ذرہ بھی نہیں ہوتا وہ اپنے ظاہر اور باطن کے ساتھ اسی کے ساتھ ہے وہ اسی سے حرکت کرتا ہے اسی سے سکون پاتا ہے۔ وہ اسی کے ساتھ ہے اسی میں ہے اسی وقت وہ بھرے ہوئے جام والا بنتا ہے۔ کیونکہ اس کے وجود کے ظرف میں کسی طرح بھی کسی چیز کے لئے بھی کوئی جگہ اور کوئی محل باقی نہیں رہتا تم اس کے حال کو اور وجود کو جس طرف سے بھی دیکھو اسی طرف اللہ کی ذات ہے اس کے ظاہر اور باطن کی ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے مگر ایک اللہ باقی رہنے والے کی ذات وہ ہر ایک چیز سے الگ ہے اور ہر چیز کے ساتھ ہے وہ الگ بھی ہے اور واصل بھی ہے۔ اے اللہ ہمیں اپنا رزق عطا فرما اے اللہ تیرا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔ اور ہماری آنکھیں دنیا کی تروتازگی کی طرف مائل نہ ہوں اور ہمیں حقائق قادریہ عالیہ علیہ تک پہنچنے کی توفیق عنایت فرما۔

اور ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ گویا بزرگ ترین شیخ اس مصرعہ سے اللہ تعالٰے کی مدد سے استعداد عطا کرنے کا فائدہ بخش رہے ہیں۔ اور اللہ ہی بھلائی کے راستہ کی راہنمائی کرنے والا ہے ورنہ کہاں بندہ اور کہاں رب الارباب اور پہلے یہ بیان گذر چکا ہے کہ آیا استعداد بڑھ سکتی ہے یا نہیں؟ اہل ظاہر تو اس کا انکار کرتے ہیں۔ اور پہلی بات میرے خیال میں زیادہ صحیح ہے یعنی استعداد زیادہ ہو سکتی ہے کیونکہ اللہ تعالٰے کے ہاتھ میں ام الکتاب ہے وہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے۔ اور جو چاہے ثابت رکھتا ہے۔ اور وہ ہر چیز پہ قادر ہے کیونکہ اولیاء اللہ خصوصاً بزرگترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ کو مرتبہ تکوین حاصل ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا "ہر ایک ولی باب قدرت پر جا کر ٹھہر جاتا ہے۔ مگر میرے لئے ایک روزن کھول دے گا اور میں اس کے اندر داخل ہو گیا۔ اور اس کی تفصیل انشاء اللہ تعالٰے آپ رضی اللہ عنہ کے قول وافعل ماتشاء فالاسم عال کے تحت آئے گی حدیث قدسی کے بیان کے مطابق کہ "اے آدم کے بیٹے تو میری اطاعت کر تو کہیگا ہو جا تو ہو جائے گا" اور اس کی تفصیل فتوح الغیب میں ہے اور میں انشاء اللہ اس کو آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کے قول وعبد القادر المشہور اسمی وجدی صاحب العین الکمال کے تحت بیان کروں گا۔ اور اگر تجھے اس معاملہ میں شک ہو تو شیخ علی بن ہیتی کے مرض کا قصہ یاد کرو کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کی عنایت سے کس طرح اس کی استعداد میں اضافہ ہوا اور کس طرح اس پہ دروازہ کھلا سو اول و آخر خدا تعالٰے ہی کی حمد ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں "محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے لئے بڑے سخت گیر ہیں اور آپس میں نہایت رحم دل تو ان کو رکوع کرتے اور سجدہ کرتے دیکھے گا" اللہ تعالٰے ان پہ اور ان کی آل اور تمام صحابہ کرام پہ رحمتیں نازل فرماتے۔ اے پروردگار عالم ہماری دعا قبول فرما۔

تحقیق:۔ اے میرے بھائیو جو بزرگ ترین شیخ ابو محمد سید محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کے سلسلہ سے منسوب ہو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ساقی سے مراد اگر بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کی اپنی ذات ہو جیسا کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کے اقطاب کو خطاب کرتے سے بظاہر معلوم ہوتا ہے

Scanned by CamScanner

ہے کہ آپ اقطاب قدس اللہ اسرارہم کو پہلے اترنے پھر پینے اور آپ کے حال میں داخل ہونے کے متعلق ارشاد فرما رہے ہیں تو پھر قوم سے مراد یا تو اقطاب ہی ہیں جیسا کہ خطاب سے بظاہر معلوم ہوتا ہے اور یا تمام مطلق اولیاء مراد ہوں اور یہ زیادہ فائدہ مند ہے تاکہ اقطاب کو معلوم ہو جائے کہ بزرگ ترین شیخ کی شراب ان کے علاوہ اور لوگوں ابدال، اوتاد اور افراد وغیرہ اولیاء پر بھی تقسیم ہو رہی ہے تو اس وہم میں نہ پڑو کہ آپ کی شراب تمہارے لئے کافی ہوگی یا نہیں؟ جیسا کہ آپ نے ایک اور قصیدہ میں فرمایا ہے۔ والی امام العارفین جمیعہم۔ اور صاحب اشرفیہ نے بہت سے معانی بیان کئے ہیں اور فرمایا۔ وکل عباد اللہ بیہ جو اعانتی۔ نکل لرک العالمین رعیتی۔

اور اگر اس سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہو کیونکہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہی تو ارشاد فرمایا ہے۔ تو گویا کہ بزرگ ترین شیخ فرما رہے ہے کہ قوم کا ساقی یعنی ہمارے ساقی محمد رسول اللہ بھرے ہوئے جام والے ہیں وہ مجھے بہت سی شرابیں عطا فرماتے ہیں اور ہر طرح کی شراب کے پیالے مجھے پلا رہے ہیں پھر ہر وہ چیز جو تم پیو گے میں انہی سے لینے والا ہوں اور تم کو دینے والا ہوں سو تم پیو اور اس پینے سے کنارہ کش نہ رہو تو اس صورت میں اس میں کئی ایک اشارے ہوں گے۔ پہلا یہ ہے کہ میں تمہیں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ اس سخاوت کی بنا پر کہتا ہوں جو میرے نانا صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے وہ قاسم ہیں اور میں ان کا نائب ہوں ان کے حکم سے میں تم پہ تقسیم کر رہا ہوں کیونکہ حقیقی قاسم تو وہی ہیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے اللہ دینے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں اور دوسرا اشارہ یہ ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ اپنے وجود سے فنا ہیں اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود سے باقی ہیں اور یہ ارشاد میں سب سے اعلیٰ صورت ہے جیسا کہ وزیر اپنے ہم پایہ لوگوں سے کہے مجھ سے منصب حاصل کر لو کہ بادشاہ بلا عوض مناصب تقسیم کر رہا ہے اور اس کی عطا کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ اور اس میں وزیر کے ہم پایہ نفوس کی گردن بھی توڑنا مقصود ہے اس اشارہ سے کہ اس کا فعل بادشاہ کا فعل بن گیا ہے اور اس کے برعکس بھی اور یہ اسرار میں سے بہت باریک ہے۔ جیسا کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ نے فرمایا۔ وما قلت ہذا القول فخرا وانما۔ تکلم بی من لسان حقیقتی۔ اور تیسرا اشارہ یہ ہے کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کی نسبت تمام اولیاء کی نسبت سے بلند تر اور ترقی پذیر ہے۔ کیونکہ آپ کی نسبت بلا واسطہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے جیسا کہ آپ نے اپنے بعض کلام میں فرمایا کہ "مجھ پر اللہ اور اس کے رسول کے بعد اور کسی کا احسان نہیں ہے"۔ سو آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کے شیخ الارشاد صرف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور شیخ خرقہ ابو سعید مبارک مخزومی ہیں اور شیخ صحبت ابو مسلم حماد دباس ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ کے تین شیوخ ہیں، اور اس کی تفصیل پہلے بھی گذر چکی ہے اور آئندہ بھی انشاء اللہ تعالےٰ ہم آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ کے قول وجدی صاحب العین الکمال کے تحت اس کو تفصیل سے بیان کریں گے اور اس میں ایک اور اشارہ بھی ہے جس کو میں نے قلوب عارفین اور اسرار

نماکیہ کے سپرد کر دیا ہے کیونکہ اس کے اظہار میں خطرہ ہے کہ اسے عقول آسانی سے نہیں سمجھ سکیں گی۔ اے اللہ مجھے شیخ رضی اللہ عنہ کے سمندروں سے اس قصیدہ خمریہ کی شرح میں علم زیادہ عنایت فرما۔ آمین۔ اور اگر اس سے مراد اللہ تعالےٰ کی ذات ہو جیسا کہ اس کی طرف آپ کا یہ قول اشارہ کر رہا ہے۔ مریدی لاتخف اللہ ربی۔ اور اس کا تقاضا ہے کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہوں۔ تو اس صورت میں سابقہ اشارات کے ساتھ اس میں کچھ اور بھی اسرار ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ بزرگ ترین شیخ کی ذات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں فنا ہونے اور پھر باقی ہونے کے بعد اللہ کے ساتھ بھی باقی ہو گئی ہے سو اللہ تعالےٰ کا فعل اور اس کی تقدیر شیخ میں علی وجہ الکمال ظاہر ہوئی۔ اور دوسرا اشارہ یہ ہے کہ شیخ اللہ تعالےٰ کی مراد ہیں اور تم اس کے مرید ہو۔ پس مراد محبوب ہے اور مرید محب سو تم مراد کے ہاتھوں سے پیؤ تاکہ تم بھی مرادیت کے مرتبہ پر پہنچ جاؤ۔ اور اس کی طرف آپ رضی اللہ عنہ کا یہ قول اشارہ کر رہا ہے۔ شربتم فضلتی من بعد سکری۔ اور تیسرا یہ کہ انقطاب حجاب میں تھے مگر ساقی شیخ کی ذات ہے کیونکہ وہی پینے کا حکم دے رہے ہیں تو آپ نے ان کے اس حجاب کو دور کر دیا کہ ساقی تو اللہ تعالےٰ ہے اور یہ اللہ تعالےٰ کے اس قول کے مطابق ہے۔ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ اور اس میں کئی ایک اشارات اور اسرار ہیں جو بصیرت والوں پر مخفی نہیں ہیں اے اللہ مجھے بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کی مراد واضح کرنے میں زیادہ علم عطا فرما تو ہر چیز پر قادر ہے اور قبولیت کے لائق ہے۔

مناجات:۔ اے رب اے میرے پروردگار! میں تیرے ہی نام سے ہدایت پاتا ہوں اور نبی علیہ الصلوٰۃ و السلام کی اقتدا کرتا ہوں تو میرا کام آسان کر دے اور میرے دل کی زبان کی گرہ کھول دے تاکہ میں کلام کے اسرار میں کامیاب ہو سکوں اور اسرار کا کلام پاؤں اے رب الارباب مجھے اپنی پاک شراب کے پیالوں میں پلا اور اپنی جلا دینے والی شراب خالص کے پیالوں میں گھونٹ پلا اے آلٰہی نعمتوں سے قوم کے ساقی تو نے کمال کے ہاتھوں سے وصال کے پیالے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب کو پلاتے ہیں۔ اور تو نے شافی شراب کی طرف اس کے بعد اس کو زیادہ شوق عطا فرمایا یہاں تک کہ سیر ہونے کے بعد اس نے تیرے نبی علیہ اکمل الصلوٰۃ کے ارشاد سے لذت حاصل کی تو حضور کی مجلس میں شراب طہور کے بھرے ہوئے پیالوں نے اس کی طرف دو لگائی پھر بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ نے سوالی اور اقطاب پیاس کو خرچ کیا اور اس کو خرچ کیا اور اس کو اپنی بساط میں داخل ہونے اور اس کی نشاط کے قصد کے ساتھ پینے کا حکم دیا کیونکہ وہ اس قوم کا ساقی ہے۔ جن کے جگر حب دھوی کی ایسی آگ سے جل چکے ہیں جو طور کے شعلے دکھاتی ہے۔ پس آپ نے اس کو قاب قوسین او ادنیٰ کے نہایہ کے رتبہ میں چشم بصیرت سے معائنہ کیا۔ سو اقطاب پیاس کے حق و فضل کی طفیل اس کی شراب کے انوار سے میرے دل کو روشن کر دے اور اس کی شراب کے اسرار سے میری روح کو مست کر دے تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اور قبول کرنے کے لائق ہے تیرے ہی لئے حمد ہے اور تیرے حبیب پر مع ان کی آل واصحاب و نائبوں کے صلوٰۃ وسلام ہو۔

(۵) شَرِبْتُمْ فَضْلَتِیْ مِنْ بَعْدِ سُکْرِیْ ‏ ‏ ‏ وَلَا نِلْتُمْ عُلُوِّیْ وَاتِّصَالِ!

شُرب یا تو حسّی ہے یا معنوی ہے یا تشبیہی ہے اور اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ فُضلہ بالضم وہ چیز ہے جو کھانے پینے کے بعد بچ رہے اور اس مقام میں مراد پینے کی چیز ہے۔ اور اس کا قرینہ شربتم ہے۔ سکر ضم کے ساتھ اس کا معنی ہے۔ مست اور بدمست ہونا۔ نیل کا معنی پالینا اور پہنچنا۔ عُلوّ عین اور لام کے ضمہ سے اور واؤ کی شد سے اور اس مقام کے علاوہ کسرِ عین اور سکون لام اور تخفیف واؤ سے بھی پڑھا جاتا ہے اور معنی ایک ہی ہے یعنی بلندی اور اس مقام میں سالک ناسوت کے گڑھوں سے لاہوت کی چوٹیوں تک نزول سے عروج کے سبب سلوک وجذبہ کے قاعدہ کے مطابق درجہ وصول تک بلند ہونے کا نام ہے۔ جیسا کہ آپ اس کے بیان سے کسی طریقہ واقف ہو چکے ہیں۔ پھر چیپی کے حاشیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علو جو علی یعلی سے ہے وہ مکان کی بلندی کے ساتھ مخصوص ہے اور شرف میں علو عُلا کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کا بیان عنقریب آئے گا۔ اور الاتصال کا معنی ہے ایک دوسرے سے نزدیک ہونا اور مل جانا اور اس جگہ اس سے مراد وہ اصطلاحی وصول ہے جو اہل قرب میں سے بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ سکر سے مراد سکران اور سدتی کے درمیان کا مرتبہ ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا۔ یعنی شیخ اپنے خطاب میں اقطاب کو مرتبۂ توسط کی طرف رہنمائی کر رہے ہیں۔ نہ کہ مرتبہ رتی کی طرف جس کی طرف آپ نے اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے۔ فقلت لسائر الاقطاب لموا بنفسی اس قول کے بعد فقلت لحضرتی نحوی تعال۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ اس کو یاد رکھو۔ اور نحو اور صرف دونوں ظاہر ہیں ان کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

البلاغت: صیغہ شربتم یا تو خبر ہے یا خبر کی صورت میں امر ہے پہلی صورت میں اس بات کی طرف اشارہ ہوگا کہ تم نے میرے حکم دینے کے بعد کہ پیو تم نے پیا لیکن میرا بچا کھچا اور جو میرے پینے کے بعد بچا تھا وہ پیا ہے لہٰذا تم اس پینے میں میرے اتباع میں سے ہو۔ کیونکہ بادشاہ اپنے بچے ہوئے کھانے پینے کو اپنے لشکروں پر سخاوت کر دیتا ہے۔ اور اس میں اس لشکری کا فخر اور امتیاز ہوتا ہے کہ بادشاہ کے اس لشکری پر احسانات ہیں۔ اور اس صورت میں بعد سکری کی زیادت اس فائدہ کے لیئے ہوگی کہ بزرگ ترین شیخ اس شرب سے سیر ہو چکے ہیں، اور اس کے ساتھ اپنے مطلوب کو پہنچ چکے ہیں۔ جیسا کہ اس کی طرف کاسات الوصال کا لفظ اشارہ کر رہا ہے۔ پھر جب آپ سیر ہو چکے اور رتی کو پہنچ گئے تو اس کے بعد اقطاب پر توجہ فرمائی تو اس میں اشارہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے لیتے ہیں اور پیاسوں کو دیتے ہیں جیسا کہ ولایت کا تقاضا ہے جو کہ نبوت کا باطن ہوتا ہے۔ خصوصاً ولایت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اور دوسری صورت میں واشربوا امر کے قول سے حکم دینے کے بعد اس کا فائدہ یہ ہے کہ آپ اقطاب کو بتا رہے ہیں کہ تمہارا یہ شرب اس کے بعد کہ تم پہلے بھی پی چکے تھے میرے مشروب کا بقایا اور کاسات الوصال سے میرے سیر ہونے کا فضلہ ہے۔ پھر آپ نے جو فضلہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے اس میں کئی ایک اشارے ہیں۔

پہلا یہ ہے کہ یہ اشارہ بھی صلی اللہ علیہ قول کی طرف کہ "مومن کا جھوٹا شفا ہے"۔ اگر تم میں کوئی پرانی بیماری باقی

رہ گئی ہے۔ جس کو سمجھنے سے بڑے بڑے باطنی اطباء کی عقلیں عاجز آچکی ہیں تو میرے اس فضلہ اور جھوٹا پینے سے وہ چلی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میرے جھوٹے میں مختلف تاثیریں رکھی ہیں اور اس میں ان کو اپنے جھوٹے کی فضیلت کی رہنمائی ہے رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ۔ د

دوسرا یہ ہے۔ کہ مرید کے لئے ضروری ہے کہ اپنے شیخ کے کھائے پئے ہوئے جھوٹے کو غنیمت سمجھے کیونکہ وہ برکات کا باعث ہے۔ جیساکہ صحیح احادیث میں بیان کیا جاتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جھوٹے کو غنیمت سمجھا کرتے تھے۔ اور مریدین اپنے شیوخ کے بقیہ مشروبات کو غنیمت جانا کرتے تھے۔ جیساکہ ان کے حالات کی کتب میں مذکور ہے۔

تیسرا یہ ہے کہ بقیہ مشروب ظاہری اور باطنی دروازہ کے فتح کا باعث ہے۔ جیساکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے اپنی آدھی کھائی ہوئی کھجور ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے لئے امانت چھوڑ دی یا بخلاف روایت کے مطابق انس بن مالک کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔

اور چوتھا یہ ہے کہ وہ حب اور عشق کی شراب تھی جس کی آگ دلوں اور ارواح کو جلا ڈالتی ہے۔ اور اس سے استعداد پگھل جاتی ہے۔ پس جب مرتبۂ ولایت میں بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ نے اس کو پیا تو اس کی کیفیت ہوئی کہ بالکل اس کی ناریت بجھ گئی اور ایسی ہوگئی کہ اقطاب بھی اس کو پینے کی طاقت رکھنے لگے اس کی طرف من بعد سکرتی کا لفظ اشارہ کر رہا ہے۔ یعنی جب میں نے اس کو پیا تو اس کا جوش مجھ پر غالب آنے لگا۔ لیکن میں اس پر غالب آگیا اور اس کو کہا کہ میری طرف آکہ میں تجھ کو پینے کے بعد بھی پیوں اور یہ اس کے مطابق ہے جو فارسی رباعی میں کہا گیا ہے۔

رباعی:۔ اے عشق! اے ببر شیر! تو نے پہلوانوں کے مغز کھائے۔ اور شیر دلوں کے ساتھ کتنی ہی دستیاں دکھا
اب جو تو نے مجھ سے جنگ شروع کی ہے۔ تو ہر وہ حملہ جو تو کر سکتا ہے اگر نہ کرے تو نامرد ہے۔

اور پانچواں یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے اس کلام سے اشارہ فرما رہے ہیں کہ یہ شراب مجھے محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حاصل ہوتی ہے یا میرے کمال مجاہدہ کی وجہ سے میں نے اس شراب کو حاصل کیا ہے۔ اور اس سے پیا ہے اور میرے مشروب سے باقی رہ گیا ہے تم پر لازم ہے کہ اس کو پیو۔ اور یہ اسی طرح ہے جیسے شیر شکار کرتا ہے پھر جب اس سے کھا لیتا ہے تو اپنے فضلہ کے دوسرے امیدواروں کو کہتا ہے میرے کھائے ہوئے کے بقایا سے کھاؤ اور اس میں ادب اور تبعیت کی تعلیم ہے۔

اور چھٹا یہ ہے کہ مرید کے لئے ضروری ہے کہ شیخ کے حکم کا انتظار کرے اور جرأت کرنے میں جلدی نہ کرے کیونکہ آداب کے میدان میں جرأت کرنا بہت دفعہ وبال اور زوال کا باعث بن جاتا ہے۔

اور ساتواں یہ کہ اقطاب سے غرور کا خطرہ ضرور تھا کیونکہ وہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کے حالات سے ناواقف تھے۔ جیساکہ شیخ عبدالرحمٰن طفسونجی اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ کے مرید کے درمیان

Scanned by CamScanner

جو قطبیت کے مقام پہ پہنچ چکا ہو کیسے غرور ممکن ہے میں کہتا ہوں اور یہ مذاکرہ ہوا۔ اگر آپ کہیں کہ ایسے شیخ سے بشریت زائل نہیں ہو جاتی اور ذلت کے طریق پر تو ایسے واقعات انبیاء علیہم الصلوٰۃ سے بھی سرزد ہوئے ہیں اولیاء تو ان سے کم درجہ ہیں۔ کیونکہ ان میں تو کبائر سے معصوم ہونا شرط نہیں ہے۔ کیا تم نے وہ واقعہ نہیں سنا کہ کس طرح ایک شیخ کامل اکمل یہودیوں کی ایک لڑکی پہ فریفتہ ہو گیا جو کہ خنزیر کھانے والے ہیں اور وہ واقعہ مشہور ہے اور یہ واقعہ شیخ کے دل میں کثرت عبادت مثلاً حج۔ روزہ۔ اور نمازوں وغیرہ کے غرور کی وجہ سے ہوا جو کہ اس کے دل میں مخفی تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ غرور اور کبائر کا خطرہ اولیاء قدس اللہ سرہم سے غیر ممکن نہیں ہے۔

آٹھواں یہ ہے کہ اس کلام میں اقطاب کو تسلی ہے یعنی جب بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ نے سقانی الحب کاسات الوصال کہا تو پھر ان کو کہا سمو اور اشربوا تو اس بات کا امکان تھا۔ کہ اقطاب خیال کرتے کہ آیا ان کے مشروب سے کوئی چیز باقی رہ گئی ہے یا ہم اصالۃً بیٹھ گئے جیسے کہ انہوں نے پی ہے۔ تو آپ نے فرمایا میرے بچے ہوئے سے پیو کیونکہ میرا بچا ہوا تمہیں کافی ہے پھر آپ کا یہ قول کہ ولا نلتم ایک جملہ ہے جو اس بات کے لئے زیادہ کیا گیا ہے کہ مشروب اگرچہ ایک ہی جنس سے ہے لیکن تم میرا بچا ہوا پینے کے باوجود اس پر قادر نہیں ہو کہ اس مرتبہ پہ پہنچ سکو جس پہ میں عدد اور اتصال سے پہنچا ہوں۔ کیونکہ مشروب کی جنس کا اتحاد تم کو میرے جیسا نہیں بنا دے گا۔ کیونکہ میری اور تمہاری استعداد میں بڑا فرق ہے۔ اور یہ اللہ عزوجل کا فضل ہے۔ جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے زمانہ کے اولیاء بھی اسی طرح نمازیں پڑھتے روزے رکھتے اور اپنے اوقات کو اذکار اور افکار، ورد محو اور اثبات سے مشغول رکھتے جیسے کہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کے اوقات ان چیزوں سے معمور ہوتے لیکن وہ فتوحات جو بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کو نصیب ہوئیں۔ ان کا عشر عشیر بھی اولیاء اللہ قدس اللہ اسرارہم کو حاصل نہ ہوتا۔ انہوں نے بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل بتفاوت کا ہے اور اللہ اپنے فضل سے جسے چاہے خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس نفی میں اقطاب کو کمال ارادت میں ادب کی راہ پہ ثابت رکھنا مقصود ہو یعنی قصد کرو لیکن اس لئے قصد نہ کرو کہ تم میرے مرتبہ اور بلندی اور اتصال کو پہنچ جاؤ گے کیونکہ اس مرتبہ پہ فائز ہونا تمہارے مقدر میں نہیں ہے۔ اور اس کی طرف آپ کا قول انتم جنودی اشارہ کر رہا ہے۔ کیونکہ سلطنت سلطان کے ساتھ خاص ہوتی ہے۔ اور اس کے علاوہ دوسرے مراتب کے حصول کے لئے لشکریوں کو کوشش کرنا چاہئے کیونکہ اگر کوئی فوجی سلطنت کے مرتبہ کا ارادہ کرے تو اس کی گردن سے سر اڑا دیا جاتا ہے اور اس کا خون رائیگاں جاتا ہے۔ سو تم اس کی خواہش نہ کرو۔ جہاں تک تم پہنچ ہی نہیں سکتے۔ اور وہ ہے میری بلندی اور میرا اتصال۔

اور اس میں اشارہ ہے کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کو وہ منازل اور مقامات اور بلند مراتب عطا کئے گئے ہیں جہاں تک غیر کا پہنچنا ناممکن ہے جیسا کہ آپ نے ایک اور قصیدہ میں فرمایا اور اللہ

کے مردوں میں سے کون ہے۔ جو میرے مرتبہ پر پہنچا ہے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے اس قول کی شرح میں عنقریب آئے گا۔ ومن ذا فی الرجال اعطی مثال۔ اور اس معنی کے مطابق اس میں ایک اور اشارہ بھی ہے۔ کہ جیسے انبیاء علیہم الصلوات کے کچھ ایسے خواص ہوتے ہیں۔ جہاں تک ان کی امتوں کے افراد نہیں پہنچ سکتے۔ ایسے ہی اولیائے اللہ کے بھی کچھ ایسے خواص ہوتے ہیں۔ جن پر ان کے مریدوں میں سے دوسرے افراد نہیں پہنچ سکتے۔ خصوصًا حضرت محمد رسول اللہ علیہ وسلم کے خواص کہ کسی کے امکان میں نہیں ہے۔ کہ وہاں تک پہنچ سکے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ خواص کتابوں میں مشہور اور مذکور ہیں۔ مثلاً اس دنیا میں رویت بصری جیسا کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنی تائیہ میں جو آپ کی طرف منسوب ہے۔ اور کبریت احمر کے نام سے مشہور ہے۔ اس پر تصریح کی ہے۔ کہ رویت بالبصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔ اور جو شرح عقائد نسفی میں مذکور ہے۔ کہ صحیح یہ ہے۔ کہ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دیکھا ہے۔ آنکھوں سے نہیں دیکھا۔" تو اس میں نظر ہے۔ پس اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب حقیقی رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے بھی کچھ خواص ہیں۔ جو دوسرے اولیاء اللہ کو صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد نصیب نہیں ہوئے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آپ نے منبر پر چڑھ کر ستر ہزار آدمیوں کے مجمع میں جن میں اولیاء متقدمین و متاخرین کی ایک جماعت بھی اپنے ارواح اور اجسام سے حاضر تھی۔ فرمایا۔ "میرے یہ قدم ہر اولیاء کی گردن پر ہیں۔ خواہ وہ پہلے ہوں۔ یا پچھلے" اور ایک اور قصیدہ میں فرمایا۔ شعر ؎

پہلے لوگوں کے سورج غروب ہو گئے۔ اور ہمارا سورج افق بلند پر ہے وہ غروب نہ ہوگا۔ اور عنقریب اس کے معنی آپ کو آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے اس قول وانی علیٰ قدم النبی بدر الکمال کے تحت معلوم ہو جائیں گے۔ اور تکملہ میں ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ میرے نانا نے کوئی قدم ایسا نہ رکھا ہو۔ ماسوائے نبوت کے آپ نے فرما دیا ہے۔ "میرے بعد نبی کوئی نہیں ہوگا۔" پس صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ اور آپ کا قول ولا منتم آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی اس خصوصیت کا بیان ہے۔ پھر اس قول شریف میں اشارہ ہے۔ ان آداب کی طرف جو دعا کے متعلق وارد ہوتے ہیں۔ کہ آدمی کو چاہیئے۔ کہ ایسی دعا نہ کرے۔ جس تک پہنچنا عرفاً یا واقعۃً محال ہو۔ مثلاً کوئی یہ خواہش کرے۔ کہ اسے نبوت مل جائے۔ یا حضرت سلیمان علیہ السلام جیسی حکومت اس کو مل جائے۔ یا یہ کہ اسی وقت وہ آسمان کی طرف اڑ جائے۔ اور یہ کلیہ ضابطہ ہے۔ کلی اور جزئی آداب کے متعلق۔ اور ایک اور اشارہ بھی ہے۔ کہ مرید کو چاہیئے۔ کہ اس کا مطمح نظر اپنے شیخ سے برابر ہو جانے کا نہ ہو۔ بلکہ اس کا نظریہ ہونا چاہیئے۔ کہ جب وہ کسی بلندی کی طرف پہنچے گا۔ اس کا شیخ اس سے بلند تر مرتبہ پر پہنچ جائے گا۔ پھر جب تک مرید ترقی کرتا جائے گا۔ تب تک اس کا شیخ بھی ترقی کرتا جائے گا۔ اور یہ دونوں ترقیاں ہمیشہ چلتی رہیں گی۔ کیونکہ یہ سب کمالات خدا تعالیٰ کے نامتناہی کمالات سے ہیں۔ اور اسی طرح سالک مرید اور شیخ کامل کی ترقی بھی ہے۔ اور اس کے مطابق اس میں اس آیت کی طرف بھی اشارہ ہوگا۔ کہ "وہ ہر دن ایک نئے کام میں ہے۔" اور صحیح حدیث کی طرف کہ "جس کے دونوں دن برابر ہوں۔ وہ خسارہ میں ہے۔" تو شیخ راستہ دکھانے والے کی طرح ہے۔ وہ اپنے مرید کے آگے آگے جائے گا اور

مرید اس سے پیچھے دیکھ ۔ یہ دونوں ہی احادیث نے شہر کی طرف جا رہے ہیں۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ نے ان کے پہنچنے کا ارادہ فرمایا
ہے۔ اور اس سے اس حدیث کے معنی بھی سمجھ میں آ گئے۔ کہ " وطن کی محبت ایمان سے ہے۔" کیونکہ ہر مسافر کا مقصود اپنے
وطن کو پہنچنا ہوتا ہے۔ پھر جس آدمی نے اس دنیا کو اپنا وطن سمجھ رکھا ہے۔ جو کہ خباثت کا گھر ہے۔ اس کا تمام سفر
تک پہنچنے میں محدود رہے گا۔ اور جو آخرت کو اپنا سمجھتا ہے۔ وہ آخرت تک پہنچنے کے لئے اپنا سفر جاری رکھے گا۔ اور
جس کا وطن اللہ تعالیٰ کی ذات ہو۔ وہ اس تک پہنچنے کے لئے پرواز کرے گا۔ "تم میں بعض وہ ہیں۔ جو دنیا چاہتے ہیں
تو اس کو دنیا ہی ملے گی۔ اور بعض تم میں سے وہ ہیں جو آخرت کے طالب ہیں۔" تو اس کو آخرت ملے گی۔ پھر جتنا وطن بڑی
عزت والا ہوگا۔ اتنا ہی سفر بھی معزز ہوگا۔ اور اگر سفر اس کے برخلاف ہوگا۔ تو راستہ بھی اس کے برعکس ہوگا۔ اور
یہی معنی ہیں۔ اس آیت کے۔ کہ "ہر آدمی اپنی طرز پر عمل کرتا ہے۔ سو تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے۔ کہ کس کی راہ
زیادہ ہدایت والی ہے۔"

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ بایزید بسطامی قدس اللہ سرہٗ جب یہ آیت پڑھتے۔ کہ "بعض تم میں سے وہ ہیں۔ جو دنیا
چاہتے ہیں۔ اور بعض وہ ہیں۔ جو آخرت چاہتے ہیں۔" تو کہتے اللہ تعالیٰ ان دونوں کے متعلق شکوہ فرماتا ہے۔
کیونکہ یہ دونوں ہی غیر کے طالب ہیں۔ خدا کے متلاشی کہاں ہیں؟ اور یہ چند نادر افراد ہوتے ہیں۔ اور اللہ نے زیادہ
کی بجے چاہے۔ راہ نمائی فرمائے۔ اور وہ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔" پھر اس قیاس میں جو سکوتی اور علوی الاتصال
میں واقع ہے۔ چند ایک اشارات ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ مرتبہ سکر اور علو اور اتصال کا بزرگ ترین شیخ رضی اللہ
عنہ وارضاہ عنا کی ذات سے مخصوص ہے۔ اولیاء اللہ میں سے کوئی بھی اس میں شریک نہیں ہے۔ پس یہ وہی مرتبہ
ہے۔ جس کی طرف بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی ذات سے مخصوص ہے۔ اولیاء اللہ میں سے کوئی بھی
اس میں شریک نہیں ہے۔ پس یہ وہی مرتبہ ہے۔ جس کی طرف بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی ذات
نے ایک اور قصیدہ میں اشارہ فرمایا ہے۔ انا فرد المفرد لا شریك لسا ط اور اس کا بیان یہ ہے کہ آپ
رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنے بیٹے کو جو وصیت فرمائی۔ جو کائنات میں مشہور ہے۔ یہ فرمایا۔ "مجھے دوسرے
اولیاء اللہ پر قیاس نہ کرو۔ میرے اور ان کے درمیان زمین و آسمان جتنا فرق ہے۔" اور آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ
عنا کے اس قول کا اشارہ اسی طرف ہے۔ کہ "میرے یہ قدم تمام پہلے اور پچھلے اولیاء اللہ کی گردن پر ہیں۔"

فائدہ جلیلہ :- بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنے نفس کو جو آسمان قرار دیا۔ اور
دوسرے اولیاء اللہ کو زمین تو اس میں یہ اشارہ کیا ہے۔ کہ تمام اولیاء اللہ کے دلوں میں اسرار بزرگ ترین شیخ
رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے بادلوں کے قطرات سے پیدا ہوتے ہیں۔ تو دوسرے اولیاء آپ کے اسی طرح محتاج
ہیں۔ جیسے زمین بادلوں کے فیض کی محتاج ہے۔ کیونکہ بھاری بادل بلندی سے زمین کی سطح پر چھڑکاؤ کرتے ہیں
پھر اس کی انگوری اس سے مل جاتی ہے۔ اور اس میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ تو اس سے بہترین انگوری پیدا ہوتی ہے۔
بشرطیکہ زمین اچھی ہو۔ ورنہ نمکی اور ردی چیزوں کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں اُگاتی۔ اور سعدی شیرازی

رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا یہی معنی ہے۔ بیت :۔

بارش کہ جس کی لطافت طبع میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ باغوں میں لالے پیدا کرتی ہیں اور شور زمین میں کانٹے اور جھاڑیاں + تو اولیاء اللہ سب کے سب پیاسے ہیں۔ وہ آپ رضی اللہ عنہ کے فیض سے پیتے ہیں۔ اور اسی طرح زندہ ہو جاتے ہیں۔ جیسے بارش سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ اور اس میں تفصیل ہے جس کو ہم نے قلوب ﷺ صافیہ اور اسرار زاکیہ کے سپرد کر دیا ہے۔ اور دوسرا اشارہ یہ ہے۔ کہ یہ مرتبہ اصل میں تو بزرگ شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا ہی کی ذات سے قائم ہے۔ اللان کے سوا جس کسی پر بھی یہ وارد ہوگا۔ اس کا ظل اللہ اثر ہوگا۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اس مرتبہ میں اصالتاً شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا ہی ہیں۔ اور دوسرے آپ کا سایہ ہیں۔ آپ کی ذات تو اصل مہمان ہے۔ اور دوسرے طفیلی ہیں۔ پس پوری بزرگی آپ ہی کی ذات کے لئے ہے۔ اور تیسرا اشارہ یہ ہے۔ کہ سکر اور علو اور اتصال کی متکلم کی طرف جو کہ کمالات عالیہ سے متکمل ہے۔ اور یہ اقطاب کے دلوں میں کمال درجہ کی ہیبت ڈالنے کے لئے ہے۔ کیونکہ وہ لوگ بزرگ ترین شیخ کا جمال و جلال اور کمال قرب اور ظاہری اور باطنی عالم میں آپ کا تصرف تو مشاہدہ کرتے ہی تھے۔ تو شیخ بزرگ نے اس نسبت سے ہر چیز کو پگھلا کر رکھ دیا۔ جو ان کے وجود میں کچھ تھوڑی بہت باقی رہ گئی تھی۔ تا کہ وہ مراتب عالیہ پر پہنچ سکیں۔ کیونکہ آداب کو ملحوظ رکھنے والا معزول نہیں ہوتا۔ معزول صرف گستاخ ہی کو کیا جاتا ہے اور اسی کے متعلق مولوی معنوی نے کہا ہے۔ مثنوی :۔

یہ آسمان ادب ہی سے آباد ہیں۔ اور ادب ہی سے فرشتے معصوم اور پاک ہوتے ہیں۔ بے ادب صرف اپنے آپ کو ہی محروم نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ تمام دنیا میں آگ لگا دیتا ہے + اور اسی لئے کہا گیا ہے۔ کہ شریعت پوری کی پوری ادب ہے۔ اور طریقت پوری کی پوری ادب ہے اور معرفت پوری کی پوری ادب ہے پس سب بھلائیاں ادب ہی میں ہیں۔ اے اللہ ہمیں ظاہری و باطنی ادب عطا فرما۔ اور ہمیں یقین کرنے والے بندا اور میرے دل میں نور زیادہ کر دے۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی راہ نمائی سے اس قصیدہ خمریہ کی شرح میں روشنی حاصل کر سکوں +

اس بیت کے معنی میں حقیقی شراب :۔ اے اقطاب کی جماعت کہ جنہوں نے اپنی ہمتیں شراب صافی اور شریعت شافی کے پیالوں کے پینے میں صرف کر دی ہیں۔ تم پر لازم ہے۔ کہ جان لو۔ اور اپنے دلوں کی آنکھوں سے سستی کا پردہ ہٹا دو۔ اور سمجھ جاؤ۔ کہ وہ شراب جس سے تم مست ہو چکے ہو۔ یہ وہی شراب ہے جو میری مستی کے بعد بچ رہی تھی۔ سو جو کچھ بھی تم نے پیا ہے۔ وہ میرے ہی پینے سے بچا ہوا تھا۔ سو تم پر لازم ہے۔ کہ اپنی گردنیں میری فرمانبرداری کے قدموں میں جھکا دو۔ پس پیو اور تابعداری کرو۔ اور یہ نہ سمجھو کہ جو کچھ تم نے پیا ہے یہ تمہارا مستقل اور میری نسبت جلالی و جمالی کے واسطے کے بغیر تم کو ملا ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ تم نے میرا بچا ہوا پیا ہے۔ جب کہ میں پی چکا اور میرا نفس سیر ہو گیا۔ اور مجھے اپنی کی کیفیت حاصل ہو گئی۔ سو میں نے

شکر کے مرتبہ سے لے کر انتہاء (ساقی) کے مرتبہ تک ترقی کی۔ اور تم پیو گے۔ تو تم کو صرف شکر حاصل ہوگا ساقی نہیں ملے گا۔ اور اگر بالفرض تم میرے بچے ہوئے پیالے سے پینے کے بعد ساقی بھی حاصل کر لو۔ تو بھی وہ مقام بلند اور اتصال کامل جو مجھ کو ملا ہے۔ تم کو نہیں مل سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میرے نانا مصطفیٰ کے وسیلے سے حضور نے میری خاص تربیت کی ہے۔ ایسے علو و اتصال کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ جس کو اولیاء اللہ میں سے کوئی بھی قیامت تک حاصل نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے فرمایا۔ "مجھے اللہ نے وہ اجل ولایت بخشی ہے جو قیامت تک میرے سوا اور کسی کو نہیں دی جائے گی۔" اور یہ ایک اور قصیدہ میں ہے: "اور اللہ کے مردوں میں سے کون ہے جسے کہ میرا مرتبہ ملا۔" اور ایک اور قصیدہ میں فرمایا: "میں وقت کے زمانے سے بھی پہلے ایک بہت بڑا قطب تھا۔ آسمان میرا طواف کرتے تھے۔ اور میرا رب پاک تھا۔ میں نے تمام پردے پھاڑ ڈالے۔ یہاں تک کہ ایسے مقام میں پہنچ گیا۔ جس کے قریب مجھے نانا نے کر دیا تھا۔" اور اس قصیدہ مبارکہ میں فرمایا: "میں ہر شیخ کا شیخ شہباز ہوں۔ اور مردوں میں سے کون ہے۔ جسے میرا مرتبہ ملا۔" اور ایک اور قصیدہ میں فرمایا۔ "پہلے لوگوں کے سورج غروب ہو گئے۔ اور ہمارا سورج بلند کناروں پر ہے۔ وہ غروب نہ ہوگا۔" اور ایک اور قصیدہ میں فرمایا: "قطب میرے خادم اور غلام ہیں۔" اور یہ بھی فرمایا: "ہر قطب اور ہر شیخ اور ہر فرد میرے حکم کے ماتحت ہے۔ میری کلام کی تحقیق سے صفائی حاصل کرتا ہے۔ میں عبدالقادر ہوں۔ میرا وقت اچھا ہے۔ مصطفیٰ میرے نانا اور حبیب اللہ ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم۔

غرض مختصر یہ کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے مرتبہ کو اولیاء میں سے قیامت تک کوئی بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آپ نے الطعام۔ اور ہم۔ اور مشروب کے حکم بعد اقطاب کو یہ حکم فرمایا ہے کہ تم کو یہ جاننا نہایت ضروری ہے۔ کہ یہ شراب میری بچی ہے۔ اور تم میری مجلس کے اتباع میں سے ہو۔ اور میں تمہاری مجلس کا رئیس ہوں۔ جیسا کہ آپ نے انتم رجالی کے قول سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور فرمایا تم میرے لشکری ہو۔ کیونکہ لشکر اور خصوصاً پیادہ لشکر بادشاہ کا فرمانبردار ہی ہوتا ہے۔ اور بادشاہ سخی اور رئیس ہوتا ہے۔ اور لشکری اس کے ماتحت رہتے ہیں۔ سو تم اس کی مجلس میں ضروری آداب کو ملحوظ رکھو۔ جو ایک لشکری بادشاہ کے سامنے بجا لاتا ہے۔ اے اللہ ہمیں ان کی ظاہری و باطنی فرمانبرداری کی توفیق عطا فرما۔ اور آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی شکر کے بعد ہمیں ان کی باقی بچی ہوئی شراب پلا۔

تمثیل جمیل:- معلوم ہونا چاہئے۔ کہ سخی لوگوں کی اپنی بلند ہمتی کی وجہ سے سنت جاریہ ہے۔ کہ جب وہ اپنی مجلسوں میں کھانے پینے کے لئے بیٹھتے ہیں۔ تو وہ پہلے فقیروں کو کھانا کھلانے کے لئے یاد کرتے ہیں۔ پس وہ بہترین کھانے اور لذیذ اور ٹھنڈے اور میٹھے پانی کو ترتیب دیتے ہیں۔ لیکن ہر فرد کے حال و مقام کے مطابق کھانا تقسیم کرنے میں بھی ترتیب ملحوظ رکھتے ہیں۔ پس ہر ایک کو اس کی استعداد اور برداشت کے مطابق رنگا رنگ کھانے اور صاف شربت تقسیم کرتے ہیں۔ مثلاً جب بادشاہ اپنے لشکروں کے ساتھ بیٹھتا ہے۔ تو لشکر میں وزیر بھی ہوتے

Scanned by CamScanner

ہیں۔ اور امراء بھی اور بڑے اور چھوٹے فوجی افسر بھی اور سوار اور پیدل وغیرہ بھی ان سب کا بادشاہ سے بھی اور آپس میں بھی ایک تعلق اور ربط ہوتا ہے یا خدمت کے لئے لحاظ سے یا کمائی کے لحاظ سے۔ تو بادشاہ سب سے پہلے اپنے وزیر کو پہلو کے پاس سب سے زیادہ قریب کرکے بیٹھاتا ہے۔ پھر اس کو جو وزیر کے مرتبہ سے نیچے ہے۔ پھر اسی طرح درجہ بدرجہ یہاں تک کہ پیدل اور خادم لوگوں تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر سب سے پہلے بادشاہ کھانا شروع کرتا ہے کیونکہ اس مہمانی کا اصل مقصود تو وہی ہے۔ بلکہ کوئی ملازم اس سے پہلے ہی کھا نہیں سکتا۔ کیونکہ بادشاہ کی ہیبت ہوتی ہے یا ملازم بادشاہ کے بچے ہوئے کھانے سے تبرک حاصل کرتے ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ ادب حکم دیتا ہے۔ کہ اس کی ابتدا صاحب ضیافت سے ہو۔ تو قصہ مختصر بادشاہ اولاً کھانا پینا شروع کر دیتا ہے۔ پھر سب سے پہلے اپنے وزیر کو دیتا ہے پھر اس کو جو اس کے قریب ہے۔ پھر درجہ بدرجہ۔ یہاں تک کہ بادشاہ سیر ہو جاتا ہے۔ پھر حاضرین مجلس سے کہتا ہے میرا بچا ہوا کھاؤ۔ اور پیئو۔ اور اس سے تبرک حاصل کرو۔ اور یہ نہ سمجھو۔ کہ یہ ضیافت خاص طور پر تمہارے لئے تھی۔ بلکہ یہ ضیافت میری تھی۔ اور میں تم کو محض اپنے فضل سے دے رہا ہوں۔ سو میرا جھوٹا کھاؤ۔ اور پیو۔ کیونکہ میرے جھوٹے میں تمہاری بیماریوں کی شفا ہے۔ تو اس صورت میں اس میں اشارہ ہے۔ اس حدیث کی طرف جس میں ہے۔ کہ "مومن کا جھوٹا شفا ہے۔" سوائے میری قوم میری بچے ہوئے پانی سے پیو۔ تاکہ تمہارے سینوں کو شفا ہو۔ اور تمہارا وہ غرور ختم ہو جائے۔ جو تمہارے دلوں میں اپنے بلند کمالات کے دیکھنے سے پیدا ہو گیا ہے۔ سو یہ غرور ایک پرانی بیماری ہے۔ اللہ ہمیں اور تمہیں اس سے محفوظ رکھے۔ اگر علم ہو جانے کے بعد بھی یہ بیماری موجود رہے تو زوال کا باعث بن جاتی ہے۔ اور اگر اس کا علم نہ ہو۔ تو کمالات سے متنفر پیدا ہو جاتا ہے ؛

اگر آپ یہ کہیں کہ اقطاب کے لئے کیسے تصور کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ غرور سے متصف ہوں گے۔ یہ محض ایک وہم ہے۔ تو اس کے جواب میں میں یہ کہوں گا۔ کیا تم یہ جانتے۔ کہ عجب اور غرور صرف اہل کمال ہی میں ہوتا ہے۔ اس ہلاکت میں صرف ظاہری یا باطنی دولت اور حشمت والے ہی گرتے ہیں۔ جتنی ترقی انسان کرتا جاتا ہے۔ نفس مکارہ بھی اتنی ہی غرور میں ترقی کرتا ہے۔ اور کمالات جتنے لطیف اور صافی ہوں گے۔ غرور اس سے بھی زیادہ لطیف اور صاف ہوگا۔ بلکہ مخفی تر۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مقولہ شریفہ میں واقع ہوا ہے۔ کہ "علم سب سے بڑا حجاب ہے۔" امام غزالی نے اپنے رسالہ میں کہا ہے۔ کہ آخری بیماری جو سالک اس طرح چمٹتی ہے۔ کہ اسے محسوس بھی نہیں ہوتی۔ وہ غرور ہے اگر وہ کسی پہاڑ کی کھوہ میں یا جنگل بیابانوں میں یا ایسی جگہوں میں جہاں انسان یا جن یا فرشتہ کے قدموں کا پہنچنا بھی ناممکن ہو رہتا ہے۔ تو بھی عجب اور غرور اس میں اپنے کمالات کے تصور سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اس سالک کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے خیال تک بھی نہیں آتا۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کے دل میں یہ مرکوز ہو گیا۔ کہ آپ علم اور حکمت کے میدان کی دوڑ میں بہت آگے نکل چکے ہیں۔ اتنا کہ کوئی فرد بھی آپ کے برابر اور مساوی نہیں تھا۔ اور اس کا علم موسیٰ علیہ السلام پر مخفی رہا۔ آپ کے دل میں کسی طرح سے اس کے متعلق خیال بھی نہ آیا۔ کیونکہ نفس کی خفیہ باتیں اتنی باریک ہیں۔ کہ ان کو علام الغیوب ہی جانتا ہے۔ یا پھر وہ جانتا ہے۔

Scanned by CamScanner

جس کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص علم سے حصہ عنایت فرمائی۔ تو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے ان کو اس پر متنبہ فرمایا۔ اور ان کو خضر علیہ السلام کے پاس جانے کا حکم دیا۔ جب خضر سے آپ کی ملاقات ہوئی تو معاملہ اس طرح ہوا۔ کہ آپ ان کی مصاحبت پر قدرت حاصل نہ کر سکے۔ کیونکہ آپکے اندر شیخ کی ارادت کا مرتبہ نہیں تھا۔ کیونکہ ارادت کا کمتر مقام یہ ہے۔ کہ مرید اپنے آپکو نطق اور سکوت اور خیال میں اپنے شیخ کے سپرد کر دے اور موسیٰ علیہ السلام ان اشکالات پر قادر نہ رہ سکے۔ جن کو خضر علیہ السلام نے کہا تھا۔ پھر اس کے بعد کہ انہوں نے پہلے سن لیا تھا۔ کہ آپ میرے ساتھ صبر کی طاقت نہیں رکھیں گے۔ یہ سن لیا۔ کہ یہ میرے اور آپ کے درمیان فراق ہے۔ جب یہ کیفیت انبیاء علیہم السلام تک میں پائی جاتی ہے تو اولیاء کو کیا کہنا ہے۔ اور اس غرور کی مثالیں اولیاء میں بکثرت ملتی ہیں جیسا کہ ابوبکر وراق کا معاملہ ہوا کہ آپ ایک دفعہ سفر میں سواری پر جا رہے تھے آپکے ساتھ بزرگ اور چار سو مریدوں کی جماعت تھی۔ آپکے دل میں خیال آیا۔ کہ میں بھی بایزید بسطامی کی طرح ہوں تو اسی وقت انکی سواری کی دُبر سے بڑے زور کی بدبو دار ہوا نکلی۔ اور شیخ اپنی سواری سے نیچے گر پڑے جب ان کا حال دور ہوا۔ تو بعض مریدوں نے اس عجیب حالت کے متعلق استفسار کیا تو آپ نے فرمایا پھر دل میں ایسا خیال گزرا تھا۔ تو مجھے میری سواری کی دُبر کی بدبو نے جواب دیا۔ اس جیسے خیال کا جواب سواری کی دبر ہی سے ملنا چاہیئے تھا الخ وہ تمام مصیبت جو شیخ صدف پر گزری وہ غرور ہی کی وجہ سے تھی۔ قصہ مختصر اہل کمال میں غرور کا پیدا ہو جاتا کوئی عجیب بات نہیں ہے ابلیس پر بھی جو گزری۔ وہ غرور ہی کی وجہ سے گزری۔

لیکن فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام و اولیاء خدا تعالیٰ کے خبردار کرنیکے سے ہوشیار ہو جاتے ہیں اور اس پر نادم ہوتے ہیں تو انکو اور ترقی مل جاتی ہے اور ابلیس نادم نہ ہوا۔ اور گمراہی کے بھنور میں پھنس گیا اور ملعونوں میں سے ہو گیا۔ اس سے خدا کی پناہ۔ اور ضابطہ یہ ہے۔ کہ ابلیس کا غرور اسکی طبیعت کی عادت اور اسکی آگ کے شعلے کے باعث تھا۔ اور جو نار اگرچہ لطیف اور روشن ہے۔ لیکن اس میں سوداوی دخانی کدورت بھی ہے لہذا وہ ظلمانی کدورت اور سیاہی سے صاف نہیں ہو سکتی طور پر جبکہ یہ شعلہ اسی کی گمراہی کا باعث بنتا ہے اسطرح کہ پھر وہ واپس نہیں آسکتا۔ اور انبیاء اور اولیاء علیہم السلام اگرچہ مٹی کے جوہر سے پیدا کئے گئے ہیں لیکن انکی طہارت اور ہے جو نور کے لئے آراستہ ہے اور جوہر نور میں ذاتی کدورت نہیں ہے۔ صرف یہی ہے۔ جو مٹی کی وجہ سے عارضی طور پر لاحق ہوتی ہے اور وہ خارجی ہے داخلی نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ آدمی جلدی کی نسبت زیادہ متنبہ ہو جاتے ہیں۔ اور فرشتے چونکہ نور سے مخلوق ہیں لہذا انکو کسی طرح بھی کدورت عارضی نہیں ہوتی اور نہ ہی انہیں غرور پیدا ہوتا ہے مگر بہت کم انہوں نے بھی کہہ دیا تھا۔ ہم تیری حمد کی تسبیح اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ پھر وہ جلدی سے اس پر متنبہ ہو گئے۔ اور یہ قاعدہ تفصیل کا تقاضا کرتا تھا۔ لیکن میں نے اسکو پوری طرح مختصر کر دیا۔ اور یہی معنی ہے۔ اسکا جو کہا ہے کہ روحی تجلی میں ہزاروں اولیاء اللہ کے اندر غرور پیدا ہو جاتا ہے پھر ان میں سے تھوڑی سی جماعت تو نکل آتی ہے اور بہت سے اسی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور اسی تجلی کے آثار میں سے تھا کہ حلاج نے انا الحق کہا۔ اور بایزید بسطامی نے سبحانی ما اعظم شانی اور لیس فی جبتی سوا اللہ کہا پھر سلطان العارفین نے تو اس سے رجوع کر لیا اور فرمایا اگر میں نے کسی دن سبحانی ما اعظم شانی کہا تھا تو میں اب سے زنار کو لا الہ الا اللہ کے قول سے کاٹتا ہوں۔ اور حلاج چونکہ مغلوب الحال تھا وہ اس سے نہ نکل سکا اور اسی میں مبتلا رہا لیکن وہ معذور ہے کیونکہ یہ بات اپنی طرف سے نہیں تھی بلکہ تجلی روحی کے غلبہ سے تھی اور وہ جو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ عزازیل نے پورے تیس سال تک عرش کی عبادت کی تھی اور پھر وہ متنبہ ہوا۔ اور قصہ مختصر کہ تجلی روحی اور اس کا غرور نہایت ہی دقیق امر ہے اسکو صرف وہی آدمی معلوم کر سکتا ہے جسے اللہ نے خاص علم سے مشرف فرمایا ہو جیسے مجھے یہ معلوم ہوا۔ تو یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ اولیاء سے غرور کا صدور ممکن ہے اگرچہ صاحب غرور کو اس کا علم نہ ہو لیکن بعض غرور ایسے ہوتے ہیں کہ آدمی مردود ہو جاتا ہے پھر انکو معاف بھی کر دیا جاتا ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو حجاب پیدا کرتے ہیں اور یہ بھی کبھی معاف ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ آدمی ترقی کر جاتا ہے اور کبھی یہ معاف نہیں ہوتے تو پھر ایسا مغرور سفلی مرتبہ ہی میں رہ جاتا ہے تو بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ کا قول شدیدم فضلی من بعد سکری انکو اس غرور سے تنبیہ ہے۔ جو عام بزرگ لوگوں پر مخفی رہتا ہے پھر اس قول میں چند ایک باریک نکتے ہیں پہلا یہ ہے کہ بادشاہ ایں کھاتے اور اپنے لشکر کیلئے تھوڑا باقی رکھتے ہیں اپنی سخاوت اور بخشش کی طرف

اشارہ کیا جاتا ہے کیونکہ اپنے آپ ہی پر خرچ کرنیوالا بخیل ہوتا ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ بخیل اللہ کا دشمن اگرچہ زاہد ہی کیوں نہ ہو۔ اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ یہ سکر پر ایثار کے مرتبہ کی طرف اشارہ ہے اور یہ ایثار یہ ہوتا ہے کہ وہ چیز جو اپنے لئے ضروری ہو وہ کلی یا جزوی طور پر ضرورت کے ہوتے ہوئے بھی آدمی دوسرے کو دیدے۔ تو شیخ اجل ثمرہ کی حاجت کے باوجود کہ اس سے انکو مرتبۂ سکر کے حصول کے ساتھ صحو کا مرتبہ بھی حاصل ہو سکے اقطاب کو یہ ثمرہ دے رہے ہیں اور ایک طرح کا ایثار ہے اور اسکی طرف آپکا قول من بعد سکری اشارہ کر رہا ہے اور اللہ ہی اپنے اولیاء کی مراد کو خوب جانے۔ اور تیسرا یہ ہے کہ اولیاء اقطاب گویا کہ اس ثمرہ کے جلوات کی طاقت نہ رکھتے تھے تو آپنے اس ثمرہ کو جھوٹا کر دیا تاکہ اقطاب آپکے جھوٹے کی برکت سے ان جلوؤں کو برداشت کر سکیں جو دلوں کو جلادینے والے ہیں۔ اور ان بجلیوں کو جو روحوں پر چمکتی ہیں اور چوتھا نکتہ یہ ہے۔ کہ اکیلے کھانا بادشاہوں کی شان نہیں ہے انکا کھانا اور کھلانا تمام لوگوں کیلئے رحمت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہوگا: کہ ہم نے آپ کو تمام جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان فطری بات میں امت کو بھی شامل کیا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ بدترین انسان ہے۔ جو اکیلا کھائے اور پانچواں یہ ہے کہ وہ ثمرہ جو شیخ اجل رضی اللہ عنہ اقطاب پر خرچ کر رہے ہیں گویا کہ وہ اس عطیہ سے اور زیادہ بڑھ رہی ہے۔ جیسا کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا حال ہوتا ہے۔ آیت کریمہ میں ہے: "جیسے ایک دانہ جس نے سات بالیاں اگائیں ہر بالی میں سو سو دانہ ہے۔" تو پوری بھلائی خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امام ہمام۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے خلاصہ کے پاس چند ایک دینار تھے۔ اور انکو اس سے زیادہ کی ضرورت تھی۔ تو آپنے اپنے خادم سے فرمایا۔ ان دیناروں کو خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالو خادم نے ایسا ہی کیا تو تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی اس سے دس گنا دینار لے کر آگیا۔ اور یہ ان لوگوں کیلئے مجرب ہے جو اللہ تعالیٰ پر توکل اور یقین رکھتے ہیں۔ جسکی یہ تجارت فائدہ مند ہو جائے اسکو بہت سے منافع حاصل ہو جاتے ہیں اور جسکے دل میں ٹیڑھ ہو اسکی نہ تجارت ہے نہ فائدہ وہ خسارہ اٹھانیوالا ہے سراسر مغبون ہے اور چھٹا اشارہ ہے کہ لشکر کے افراد آپس میں اس اعتبار کی وجہ سے فخر کرتے ہیں جو ان کو بادشاہ کیطرف سے نصیب ہوا ہے۔ تو اس اقطاب کی مخاطبین جماعت کو دوسروں پر یہ فخر و فضل حاصل ہے۔ کہ وہ عظیم الشان بادشاہ کے مشروب کے فضلہ سے کامیاب ہوتے ہیں۔ ساتواں اشارہ یہ ہے کہ بادشاہ جسکی تربیت اپنی مخصوص نعمتوں اور احسانات سے کرے اور اسکی ایک خاص عزت و توقیر جانے۔ اکثر ایسے لوگوں کو بادشاہ معزول نہیں کرتے۔ تو چونکہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ احوال کے سلب کرنے والے ہیں۔ وہ بڑے بڑے ابدالوں اور طاقتور مردوں کے احوال چھین سکتے ہیں۔ تو گویا آپ اس خطاب سے ان اقطاب کو خواری اور معزولی کے خطرہ سے مامون و محفوظ کر رہے ہیں۔ اور اس کی طرف یہ قول اشارہ کر رہا ہے مقامکم العلی جمیعا لکن و مقامی فوقکم ما زال عالی تو انکے احوال ہمیشہ رہیں گے اور وہ محض نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے جو کہ احوال و مقامات کی تعداد کے برابر انواع جمال رکھتے ہیں، عزل سے محفوظ رہیں گے۔ آٹھواں اشارہ یہ ہے کہ اقطاب اپنے علم کے مطابق یہی تصور کئے ہوتے تھے۔ کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ بھی ایک قطب ہیں۔ جیسے کہ کہتے ہیں بعض تم لوگوں پر قطب ہو۔ اور شیخ اجل نے فرمایا۔ رک جاؤ۔ قطب تو میرے خادم اور غلام ہیں۔ تو آپنے انکے لئے خادمیت کا مرتبہ کہکر ثابت کر دیا۔ کہ میرا بچا کھچا پیو جیسا کہ خادم کی حالت ہوتی ہے کہ وہ اپنے مخدوم اور سید کا بچا کھچا کھاتا ہے۔ نواں اشارہ یہ ہے کہ مخدوم جب کسی ضیافت میں حاضر ہوتا ہے تو اسکے ساتھ خادموں کی ایک جماعت بھی ہوتی ہے تو اس مجلس میں مخدوم تو اپنے میزبان کے ساتھ کھانا کھاتا ہے پھر باقی بچا ہوا اپنے خادموں کو دیدیتا ہے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم میزبان ہیں۔ انہوں نے اپنے عزیز بیٹے کے لئے جو اپنے باپ کے نقش قدم پر ہے ایک عظیم ضیافت تیار کی تو آپنے اس میں انواع و اقسام کے کھانے اور مشروبات آپ رضی اللہ عنہ کیلئے ابیت عند ربی ہو یطعمنی ویسقینی کے باورچی خانہ سے تیار کئے۔ سو آپنے کھایا اور پیا جب فارغ ہوگئے۔ اور سیر ہوگئے۔ اور سکر کے بعد صحو کو پہنچ گئے۔ تو پھر اقطاب کو جو انکے خادم تھے فرمایا: میرے فضلہ سے پیو تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ میں نے کیا کھایا اور پیا ہے کیونکہ جو نہ چکھے اسکو معلوم نہیں ہو سکتا۔ تو آپنے انکو مرتبۂ عالیہ کے حصول سے مشرف فرمایا۔ تاکہ انکو مہمان کی تلذذ و

Scanned by CamScanner

لکے حق میں میزان کی میز بانیو للکالم ہو کے پھر وہ لوگوں کو اس کی عزت و تصرف اور اسکے وصول و قبول کے متعلق بتا سکیں اور یہ اشارہ ہے جو سقانی الحب کا سات الوصول سے لیکن اس مقولہ یعنی شرمِ تم تک سمجھ میں آسکا ہے جیسا کہ ہر آدمی پر مخفی نہیں ہے۔ جس نے حقائق کے شراب ہوں۔ اے ہمارے رب ہمیں علم الانوار زیادہ عطا فرما اور ہمیں خلل اور خطل سے محفوظ رکھ اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ کے خادموں کی بچی ہوئی شراب سے ایک غلط فہمی کا ازالہ۔ بتحقیق کا سورج توفیق کے افق سے بیان کی صبح کی ابتدا میں طلوع ہو چکا ہے۔ کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ نے یہ کلام مرتبہ میں نہیں کیا جو مبتدی کے درجہ سے ترقی کر کے متوسط کے مقام پر پہنچا ہے جس کو سُکر کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے بلکہ آپ رتبی اور ارتقا کے مقام تمکین کے درجہ میں ہے منتہی وہ بچی ہوئی شراب پیو جو مرتبہ توسط میں مجھ سے بچی تھی۔ کیونکہ تم صرف اسی مرتبہ کے اہل ہو۔ پھر جب تم اس شراب کو پی فضلہ کے پینے کے مرتبہ کو حاصل کر لوگے جو مرتبہ رتبی سے بچا ہے۔ اور اسکی طرف آپکا یہ قول اشارہ کر رہا ہے فقمت بسکرتی بین الموالی اگر سُکر کو مجمول کیا جائے اور اسکو محو مطلق پر محمول کیا جائے اور اس کا نام سُکر فاطین کے فہم کی حیثیت سے رکھا جائے کہ وہ اس مقام کو سُکر سمجھتے ہیں تو جیہ ہے۔ جس کی طرف آپکا یہ قول اشارہ کر رہا ہے ولا تلم علو و انفصال امرکو یاد رکھ۔ اور یا پھر اس حیثیت سے ہو کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ میرا وہ فضلہ جو سُکر کے بعد بچا ہے یعنی اس خمرہ کی فضیلت جسکو میں نے سُکر کے بعد بچایا ہے نہ کہ سُکر کی حالت میں اس توجیہ پر کہ من بعد سکری۔ فضلی کی صفت ہو جو اس سے متعلق ہو کا ظرف نہ ہو جیسا کہ ذہن میں ابتدائی طور پر آرہا ہے اور اسکی طرف آپ کا یہ قول اشارہ کر رہا ہے معاکم العلی اجمعا ولکن۔ مقالی تقلو ما زال تفریق اور تمیز کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جبکہ جنس میں مشارکت ہو۔ تو اس صورت میں اتقا بھی مرتبہ رتبی میں ہونگے۔ جو کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ کے پینے کے بچے ہوئے فضلہ کی برکت سے ان کو حاصل ہوا ہے اور یہ بہت باریک نکتہ ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول سقانی الحب کا سات الوصول کے بعد فرمایا ہے فقلت لحمرا تی نحوی تعال اور اسکا حاصل یہ ہے کہ میں اگرچہ محبوب سے واصل ہو چکا ہوں لیکن الارتقا اور اس وصول پر دوام اور بقا کیلئے یا وصولا جدیدہ کی تحصیل کیلئے اس پینے کو نہ چھوڑا۔ پھر آپ کے مسلسل پیتے جانے کے باوجود یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ جو اتقا نے پیا وہ فضلہ تھا۔ کیونکہ فضلہ تو کھانے یا پینے والے کے فارغ ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ تو میں اس کو جواب میں کہونگا۔ کہ کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ والے پیتے بھی ہیں اور زمین پر بھی گھونٹ گرائے جاتے ہیں تو جب بھی بزرگ ترین شیخ عنہ پیتے تو اتقا کے دلوں کی زمین پر بھی گھونٹ گرائے جاتے اور کہتے ہو تو اس حیثیت سے انہوں نے آپکو بچا ہوا پیا جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔ شعر ہم نے پیا اور زمین پر بھی گھونٹ گرا دیا اور زمین کو بھی شرفا کے پیالوں سے حصہ ملتا ہے تو اس صورت میں شیخ اجل کے فضلہ سے آپکے پینے سے فراغت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ کہ فضیلت فضلہ میں ثابت ہو۔ اور یہ جو آپ نے دعوی کیا ہے کہ فضلہ کھانے اور پینے والے سے فراغت کے بعد ہوتا ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے۔ کہ کوئی آدمی کھاتا ہے اور اپنے پاس بیٹھنے والوں کو بھی اپنے پیالہ میں سے تبرک کے طور پر دیتا ہے۔ اور وہ خود بھی اور حاضرین مجلس بھی اسے کہتے ہیں اس جھوٹے سے تبرک کیلئے کھاتا کہ اُسکے فضلہ اور جھوٹے کی برکت سے کو بھی برکت ملے! اور یہ ایک عرفی امر ہے جسمیں کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور اس صورت میں یہ بھی اشارہ ہوگا۔ کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ اپنے عین وصول کے مرتبہ اور پینے میں بھی اپنے خادموں کو یاد رکھا کرتے تھے اور یہ اسی طرح کا معاملہ ہے جو کہ نبی امی حجازی صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات میں پیش آیا۔ جب آپ نے التحیات للہ کہا تو آپکو السلام علیک ایہا النبی سے خطاب کیا گیا۔ تو آپ نے کہا السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کہ آپ نے عین معراج کی ضیافت میں اپنے اور صالح خادموں کو اپنے فضلہ سے یاد فرمایا۔ تو بزرگ ترین شیخ بھی گویا فضلہ کے نوش کرنیکے خطاب کیساتھ یہ کہہ رہے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے نانا اور شیخ نے عین ضیافت قرب میں وعلی عباد اللہ الصالحین کہکر میری تربیت فرمائی ہے۔ تو میں بھی تمکو اپنی عین ضیافت میں یاد رکھتا ہوں کیونکہ نائب کے مقام فعال اپنے نائب بنانے والے کے افعال کے طریقہ پر ہوتے ہیں تو وہی حبیب ہیں جن کے خمر کے قطرات کی امید کی جاتی ہے اور ان کی سکرات کی نگاہوں کا منتظر رہا جا سکتا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو اس صورت میں من بعد سکری کا معنی اسطرح ظاہر ہو گیا جیسے صاف افق پر سورج طلوع ہو جاتا ہے اور اللہ ہی

عجیب تحقیق:۔ اے جلے بھنے عاشق تجھ پر لازم ہے کہ تحقیق کی شراب کے پیالوں کے پیالے اپنے سینے کو حاضر کرے یہاں تک کہ تو اسرار کی شراب سے سیر ہو جائے اور ہجر اور فراق کے جنگلوں سے نکل کر ملنے کی وادی اتصال مع دقائق کی آبادیوں کی طرف آجائے تو جو تم کو بعض اعلیٰ حکم ہر گاہ کے فیوض سے سنایا جاتا ہے اسے غور سے سن کہ اللہ تعالیٰ نے موجودات کے ہر فرد کو مختلف استعداد پر پیدا فرمایا ہے۔ تو ہر چیز اسی کی محمل ہوتی ہے جس کے لئے اللہ نے اس کو پیدا کیا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ہر ایک کو وہی توفیق ہے جس کے لئے وہ پیدا ہوا اور انسان جو کمالات قدسیہ کا آئینہ ہے تمام اشیاء میں سے کوئی شے اس کی برابری نہیں کر سکتی انسان اگرچہ اپنے ظاہر کے لحاظ سے سفلی ہے لیکن اسرار کی حقیقت میں وہ وجود کی آنکھ کی پتلی ہے۔ اور شہود کی عین آنکھ ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ "انسان میرا راز ہے اور میں اس کا راز ہوں" اور ہر چیز کو میں نے انسان کے لئے پیدا کیا اور انسان کو میں نے اپنے لئے پیدا کیا" پس دیکھو کہ رب منان کی نگاہ میں انسان کی کتنی شان ہے۔ وہ ہر دن کسی نہ کسی کام میں ہے۔ کیونکہ آسمان اور زمین امانت الٰہیہ کی برداشت سے ڈر گئے اور اس نے اس کو اٹھا لیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے قدسی اسرار کا طالب اور امین بن گیا اور یہ کرامت اس کو اسی پیدائشی نسبت کے اعتبار سے ملی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حضور کے میدان میں اسکی فطرت میں رکھی تھی اور یہ نسبت بھی انسانوں میں مختلف ہے جیسا کہ آپ کے قول میں مذکور ہے۔ کہ "انسان درجہ بدرجہ پیدا ہوئے ہیں" تو تجھ پر لازم ہے کہ اپنی نگاہ کو دو مرتبہ دوڑائے اپنے ظاہر انسان سے اپنے باطن کی طرف اور پھر اپنے باطن سے وصول کی طرف تو اس نسبت کے اعتبار سے انسانی افراد ایک ہی وجود کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور اس نے اس کو ایک جان کی طرح پیدا کیا۔ لیکن حجابات بشریہ کے تہ بتہ ہونے یا ان کے انکشاف سے افراد انسانی درجہ بدرجہ ہو گئے جس کا حجاب باریک ہوگا اسکی نسبت قوی ہوگی اور جس کا حجاب کثیف ہوگا وہ اسفل السافلین میں ہوگا۔ اگر وہ اس حجاب کو نہ پھاڑے تو ہمیشہ اندھا ہی رہیگا اسکی حقیقت صم بکم عمی فهم لا یرجعون کی سی ہے اور اگر اس کو پھاڑ لیا تو جتنا اس حجاب کو پھاڑیگا۔ اس کی نسبت کے سورج سے اتنا ہی نور ظاہر ہوگا سو ہر ایک انسان اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر نفس اور ہوا جو اس کے ماں باپ کی طرح ہیں اسکو یہودی یا مجوسی بنا لیتے ہیں تو اس نسبت کا ظہور اسی قدر ہوتا ہے۔ جتنی وہ کسی میں پیدا کی گئی ہے۔ سو بعض افراد میں تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی استعداد کے مطابق اپنے تمام اسماء و صفات سے پوری طرح تجلی فرماتے ہیں یہ انسان ظاہر اور باطن میں ہر چیز سے افضل ہے اسمیں کسی طرح کا کوئی نقص نہیں ہے اور یہ تمام پہلے اور پچھلے اولیاء اور تمام نبیوں کے ختم کرنیوالے ہیں علیہ وعلیہم الصلوٰت والرضوان پھر درجہ بدرجہ ایک عام مومن تک

اگر تو سوال کرے کہ یہ جو کہا ہے "کہ آدم کو اس نے اپنی صورت پر پیدا کیا؟" اور صورت کی تفسیر صفت سے کی ہے اور اسکی تفسیر بیان کی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو پیدا کرنیکا ارادہ فرمایا تو اس کو اس طرح پیدا کیا کہ اپنی تمام صفات کریمہ سمیع بصیر قدرت وغیرہ اور تمام صفات قدسیہ فعلیہ کا اسکو مظہر بنا دیا اور یہ چیز دلالت کرتی ہے۔ کہ انسان کے تمام افراد اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کے مظہر ہیں پھر اس کا کیا مطلب ہے۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین مظہر اتم ہیں۔ حالانکہ خلق آدم علی صورته کے مطابق تو تمام انسانی افراد خدا کے مظہر اتم ہیں اور یہی تفسیر بڑے بڑے علمائے عاملین کے نزدیک مقبول و معتبر ہے تو میں اس کے جواب میں کہونگا کہ مظہریت دو قسم پر ہے۔ پہلی خلقی ذاتی محجوبہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان صفات پر پیدا فرمایا لیکن جب وہ بشریت کے پردوں اور حیوانیت سے متعلق امور میں محجوب ہو گیا۔ تو اس کے آئینہ کا چہرہ مکدر ہو گیا اس طرح کہ اسباب میں مخلوق نظر گی

Scanned by CamScanner

کی کوئی شے نظر نہیں آتی اور اسکی مثال وہ لوہا ہے۔ جو زمین اجزا کے ساتھ مکدر ہو چکا ہو حالانکہ اس میں آئینہ یا تلوار بننے کا استعداد موجود ہے۔ پھر جب اسکو لوہار بھٹی میں ڈالتا ہے۔ اور آگ میں اسکو پھونک دیتا ہے تو وہ بالکل آگ ہی کی طرح ہو جاتا ہے اور اس سے تمام گندگی اور میل کچیل دور ہو جاتی ہے اور صاف ہو جاتا ہے۔ پھر درجہ بدرجہ اس کو دیگر لوہار جو تلواریں اور آئینے تیار کرتے ہیں آگ میں ڈالتے جاتے ہیں اور پھونک دے دیکر کوٹتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ آئینہ یا تلوار بننے کے قابل ہو جاتا ہے اور اس کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ قول اشارہ کرتا ہے کہ جو لوگ ہمارے متعلق کوشش کرتے ہیں ہم انکو اپنے راستوں کی راہنمائی کرتے ہیں۔ اور یہ مجاہدہ کے ساتھ صفات عدمیہ سے خروج ایسا معاملہ ہے کہ جسکو کرنے ہی معلوم کیا جا سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایمانداروں کا دوست ہے۔ وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ اور کافروں کے دوست شیطان ہیں وہ ان کو روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لیجاتے ہیں۔ یہ قرآنی کلام اس نسبت خلقیہ ذاتیہ کے بیان کا حامل ہے۔ اور اس روشن خلقی نسبت کو واضح کرتا ہے اور دوسری مظہریت خلقی ذاتی روشن ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سورج زمین اور تمام آفاق کو روشن کرتا ہے۔ لیکن برج سے نکلنے کے بعد اور اگر وہ باہر نہ نکلے تو اس کے نور کا ظہور نہیں ہوتا میں کہتا ہوں محجوب انسان اس سورج کی طرح ہے جو پردے کے پیچھے چھپا ہو پھر جتنا حجاب سخت ہوگا اتنا ہی اس کا نور ظاہر ہونے سے چھپا رہیگا پس اس سخت پتھر کی طرح ہوگا۔ جو منکدر میلا ہے اس میں کسی طرح کی روشنی نہیں ہے۔ کیا آپ غور نہیں کرتے کہ شیشے کے اجزا پتھر کے ظلمانی میل سے محجوب ہوتے ہیں پھر جب اسے آگ میں پگھلا یا جاتا ہے۔ تو اس سے نور ظاہر ہونے لگتا ہے۔ پس کا فر بھی مظہریت کے نور سے خالی نہیں ہے۔ لیکن چونکہ اس میں ظلمانی حجاب بڑے سخت ہو چکے ہیں لہٰذا وہ کمالات حاصل نہیں کر سکتا جو مومن حاصل کرتا ہے اور گنہگار مومن اپنے حجاب کے ازالے کے مطابق محروم ہے اور جس نے حجاب کو پھاڑ دیا اور دنیا اور آخرت چھوڑنے والوں میں سے ہوگیا۔ تو اسپر حق کا سورج چمک اٹھا اس کا وجود ایسا ہو گیا کہ تم جدھر بھی منہ کرو اللہ کی ذات اسی طرف ہے اور اس کا شہود والشمس وضحٰھا والقمر اذا تلٰھا بن گیا تو اس وجود اور شہود کا کمال اس نبوت کے ظاہر ہوتا ہے۔ جو انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰت کے ولایت خاصہ کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ یعنی وہ ولایت جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ولایت نبوت سے بہتر ہے کیونکہ یہ ولایت ایک باطنی جہت ہے۔ اسکی تمام تر توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اور نبوت ظاہری جہت ہے اسکی ظاہر کی توجہ مخلوق کی طرف ہوتی ہے اگرچہ حقیقت میں یہ جہت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے۔ کیونکہ خلقت کی راہنمائی بھی تو انکو خدا تعالیٰ تک پہنچانے کیلئے ہے تو نبوت کی جہت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے۔ لیکن فرق الجملہ کثرت کی طرف توجہ کی حیثیت سے ہے پھر وحدت حقیقیہ کی طرف جامعیت کی طرف منتہی ہوتی ہے اور اس قول کے معنی میں تفصیل ہے۔ میں انشاء اللہ وہ تمہارے آپکے قول وکل ولی لہ قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال کے تحت بیان کروں گا۔

جب آپکو یہ معلوم ہو گیا۔ تو اب جاننا چاہئیے کہ نبوت سے ترقی ان اولیا کی ولایت کی طرف ہے جو نبوت کے زمانہ کے بعد ہیں۔ اور ان میں بھی درجے ہیں۔ بعض بعض سے بلند ہیں یہی وجہ ہے۔ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر پر فضیلت دی گئی ہے اور عمر کو عثمان پر اور عثمان کو علی پر رضوان اللہ علیہم اجمعین پھر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد اتباع میں بھی ولایت متحقق درجہ بدرجہ ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونیکا درجہ کسی کو نہیں مل سکتا کیونکہ جتنے بڑے بڑے سردار علما رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے مقررہ قاعدہ

مطابق عقیدہ یہ ہے کہ کوئی ولی کسی صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا پھر صحابہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے امت مرحومہ میں سے کسی ولی کو وہ ترجیح
عطا نہیں فرمایا۔ جو اس نے بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کو عطا فرمایا ہے اور ولایت کا یہ بلند درجہ بھی نسبت کی
قوت کے کمال کی وجہ سے ہے۔ کہ اس میں ایسے طریقے سے کمال درجہ کا انکشاف ہوتا ہے جس کا مطالبہ اللہ تعالیٰ نے پہلے دن
جس وقت کہ انسان کے تمام افراد کو استعداد عطا ہوئی تھی الارادہ فرمایا تھا۔ اور یہ قوت اسی قیاس کی قوت کے اعتبار سے
جوہر فرد پر متفاوت وارد ہوئی ہے۔ اگرچہ قرب کی نسبت حق تعالیٰ کے ظہور کی حیثیت سے برابر ہے۔ تو اس کی وجہ پیدائش میں
بھی وہ کلی و جزئی انکشاف کی حیثیت سے متفاوت ہے۔ یعنی بعض اولیا پر حال جزوی طور پر منکشف ہوتا ہے اور بعض
باعتبار قوت کیفیت انکشاف کے مختلف ہے پس کسی پر تو وہ اس طرح منکشف ہوتی ہے کہ اس کے دل پر کچھ پردہ سا باقی رہتا ہے
اور کسی پر حال کلی طور پر منکشف ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ نفس انکشاف میں دونوں برابر ہیں اور اسکی مثال قوت بصارت کی تیزی کی ہے
کہ بعض میں یہ کم ہوتی ہے۔ اور بعض میں زیادہ ہوتی ہے اگرچہ نظر آنے والی چیز دونوں کو دیکھنے کیلئے برابر ہے لیکن نظر کی تیزی و کمزوری
فرق کی حیثیت سے ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کشف میں غلطی بھی ہو سکتی ہے کیونکہ کمزور نظر والا آدمی بہت دفعہ دخت کو
انسان محسوس کرتا ہے۔ اور اس کے برعکس بھی اور اسی طرح یہ دیکھنے والا بھی اپنی بصیرت کی کمزوری کی وجہ سے ایک چیز کو حقیقت
کے خلاف معلوم کرتا ہے۔ جیسا کہ سلطان العارفین نے اپنے روح کے نور کو دیکھا تو اسے خدا کا نور سمجھ لیا اور اس کی عبادت کرتے رہے
پھر تیس سال کے بعد ان کو معلوم ہوا کہ یہ تو روح تھی پھر اسکو معبود سمجھنا چھوڑ دیا اور اہل کشف میں اس طرح کی بہت سی مثالیں
پائی جاتی ہیں۔ کیا آپ حلاج کے معاملہ پر غور نہیں کرتے کہ وہ اپنی بصیرت کی کمزوری کی وجہ سے انا الحق کہتے تھا اور اس سے باز نہ آیا
پھر اس پر جو گزرنا تھا گزر گیا۔ لیکن وہ اسمیں معذور تھا لہٰذا اسکو معاف کر دیا گیا اور اسکی وجہ یہ تھی کہ حلاج عبدیت اور ربوبیت
میں فرق نہ کر سکا اور اسپر معاملہ مشتبہ ہو گیا۔ چنانچہ اسپر عبدیت کی ذات محجوب ہو گئی حالانکہ وہ اس وقت بھی اس کے اندر موجود
تھی جسکی طرف وہ اپنے قول (انا وہیں) سے اشارہ کر رہا تھا۔ اور اگر وہ ہو الحق یا الحق کہتا تو یہ معاملہ ہی کیوں پیش آتا تو اس کے
کشف میں سے اس قدر محجوب تھا لہٰذا اسے سولی پر چڑھا دیا گیا اور اسپر اس وقت حق ظاہر ہوا جب اس کے وجود میں سے
اس کا اپنا آپ پوری طرح ختم ہو گیا۔ اور یہ ایسی بحث ہے کہ اگر ہم اسکی تفصیل بیان کریں تو ایک کتاب بن جائے اور ہم شیخ کا
کلام حلاج کے متعلق عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے قول انا الحق حضرت التقریب مدی کے تحت بیان کرینگے اب ہمیں رب کے
فضل سے اصل مقصود کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

تو ہم کہتے ہیں کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنے قول علوی سے اس نسبت کے مدارج اور من حیث الکشف
اس کے فرق کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یعنی اے اقطاب تمہیں بھی علو اور خداوند تعالیٰ کے ساتھ اتصال حاصل ہے اور مجھے بھی علو اور
اتصال حاصل ہے۔ لیکن میرا علو اور اتصال اور جنس سے ہے کیونکہ وہ کشف کلی سے تفصیلی وجہ پر پیدا ہوا ہے اور وہ طاقت کے لحاظ سے
بہت قوی ہے۔ برخلاف تمہارے علو اور اتصال کے اور آپ کا قول مقامی تو چونکہ اس توجیہ پر نہایت تمکین کے مرتبہ کا دال ہوگا نہ
کہ آپ کا قول علوی اور اتصال ابتدائے تمکین کے درجہ کا بیان ہے۔ پھر علو اور اتصال میں جو فرق ہے۔ وہ ذہین آدمی پر مخفی نہیں ہے لیکن
اس کی طرف اکثر کا فی نہیں ہوتا لہٰذا اسکی صراحت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ علو سالک کے ابتدائے منازل و مقامات کی سیر و سیر

مقام کی انتہا تک بلندی کا نام ہے۔ پس علو تو ابتدائے مقام کی حیثیت سے ہوگا اور اتصال اسی مقام کے انتہا کی حیثیت سے ہوگا
اسکی تفصیل یہ ہے کہ سالک جب بشریت کی پستیوں سے بلندی کی طرف جانیکا ارادہ کرتا ہے۔ تو سب سے پہلے وادی توبہ میں قدم
رکھتا ہے۔ پس وہ تائب ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ میں سے ہر فرد کا قدم توبہ میں نہایت مضبوط ہوتا ہے لیکن انمیں بھی فرق ہے چنانچہ
کہ بزرگ ترین شیخ فرماتے ہیں کہ مجھے ہر ایک منزل میں علو حاصل ہے۔ جو اقطاب میں سے اور کسی کو حاصل نہیں اور
ہر مقام میں اسی کی طرف آپنے ایک اور قصیدہ میں اشارہ فرمایا ہے۔ شعر: پہلے لوگوں کے سورج غروب ہوگئے اور ہمارا سورج
بلند افق پر چمکتا رہیگا وہ غروب نہ ہوگا۔ اور فرمایا "عشق میں جتنے بھی بیٹھے گھاٹ ہیں میران میں سب سے زیادہ ان
حصہ ہے۔ یعنی ہر ایک ولی بلند منازل کی طرف عروج اور ترقی کرتا ہے اور اسکی بلندی کی کیفیت ہر ترقی و عروج میں اسکی استعداد
کے مطابق ایک مخصوص طریقہ پر ہوتی ہے۔ اور میرے لئے ہر ترقی و عروج میں بلندی کی کیفیت ایک مخصوص طریقہ پہ ہے کیونکہ اللہ
نے مجھے تمہاری استعداد کی نسبت نہایت کامل استعداد سے مشرف فرمایا ہے تمہاری استعداد اور میری استعداد میں بڑا فرق ہے
جیسا کہ بزرگ ترین شیخ نے اپنے بعض کلام میں اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا "اے عبدالوہاب مجھے دوسرے اولیاء اللہ پر
قیاس کرو میرے اور انکے درمیان اتنا ہی فرق ہے جتنا زمین اور آسمان میں ہے"۔ اور اس میں منابطہ یہ ہے۔ کہ اولیاء اللہ میں سے
ہر ایک کسی نہ کسی نبی کے قدم پر چلتا ہے۔ جیسا کہ آپکو پہلے معلوم ہو چکا ہے۔ پھر بعض تو آدم کے قدم پر ہیں اور بعض ابراہیم کے قدم
پر اور بعض موسیٰ کے قدم پر علیٰ نبینا وعلیہم السلام اور اسیطرح بزرگ ترین شیخ یہ تمام کے سردار ہیں۔ یہ نبی حجازی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ
وسلم کے قدم پر ہیں آپ انکے نائب اور انکے علم کے وارث ہیں اور اسمیں بھی کوئی شک نہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام افضل الانبیاء
علیہ وعلیہم الصلوات کے قدم کے ظل پر ہیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی طرف اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا "کہ آدم اور ان کے
پیچھے تمام نبی میرے جھنڈے کے نیچے ہیں"۔ اور اسپر قرآنی آیات کی صراحت بھی موجود ہے۔ پھر جو افضل کے قدم پر ہوگا وہ زیادہ بلند
اور ترقی یافتہ ہوگا۔ بہ نسبت اس آدمی کے جو غیر افضل کے قدم پر ہوگا تو ضروری ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی سیر زیادہ
بلند اور زیادہ ترقی یافتہ ہو بہ نسبت دوسرے اولیاء اللہ علیہم الرحمۃ کے۔

اگر آپ یہ کہیں کہ دو صورتوں سے خالی نہیں یا تو دوسرے انبیاء علیہم السلام نبی حجازی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص قدم کے ظل
میں ہونگے یا اس قدم پر نہ ہونگے پہلی صورت میں یہ دونوں قدم اپنی ذات کے لحاظ سے برابر ہوگئے اگر اصل اور ظل ہونیکی حیثیت
سے الگ ہیں پھر کس طرح کہا جائیگا کہ فرق ہے اس آدمی کے سیر میں جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کے قدم پر ہے۔ جو کہ نبی حجازی صلی اللہ
علیہ وسلم کے قدم پر ہیں اور اس آدمی کی سیر میں جو نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پر ہے۔ اور دوسری صورت میں شیخ کو دوسرے انبیاء علیہم
الصلوۃ والسلام پر فضیلت ثابت ہوگی اور یہ مذہب غلط ہے۔ جیسا کہ تمکو معلوم ہے۔ کیونکہ اولیاء اللہ میں سے کوئی فرد بھی انبیاء
کے برابر نہیں ہو سکتا بلکہ یہ قاعدہ بھی مقرر ہے کوئی ولی کسی صحابی کے درجہ پر نہیں پہنچ سکتا تو میں اسکے جواب میں کہونگا کہ آپکے
ادراک کی آنکھ سے اسوقت تک پردہ نہیں اٹھ سکیگا جبتک کہ توفیق کے افق سے تحقیق کا سورج طلوع نہیں ہوگا۔ سو جان لینا
چاہیئے کہ چاند کا نور سورج کے نور سے مستفاد ہے۔ اور ستاروں کا نور چاند کے نور سے مستفاد ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نور جو
چاند نے سورج کے نور سے اقتباس کیا ہے۔ عین سورج کا نور ہے لیکن چونکہ چاند کی استعداد میں سورج کی استعداد کی نسبت انحطاط

لہٰذا ان میں نور کا ظہور چاند کی استعداد کے مطابق ہوا اب یہ قصور نور میں نہیں بلکہ استعداد میں تھا پھر اسی طرح قصور ستاروں میں ہے پس جو نور جو ستارے اور چاند میں ہے وہ سورج ہی کا نور ہے لیکن ظہور میں استعداد کے مطابق فرق ہے اور اس پر نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو قیاس کر لینا چاہیے کہ آپکی ذات سورج ہے اور دیگر انبیاء چاند ہیں اور اولیاء واللہ ستارے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے کہ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے جس کی بھی تم اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے" اور اللہ کے قول والشمس وضحٰھا میں اسی آدمی کی تفسیر کے مطابق جس نے سورج کی تفسیر نور محمدی علیہ الصلوات سے کی ہے پھر حبیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سورج کا نور ہر نبی کے سینے کے چاند میں چمکے گا تو یہ بعینہ سورج کا نور ہوگا جس کا تقاضا بہترین ظہور کا تھا۔ لیکن چونکہ استعداد کم ہوگی لہٰذا اسی کے مطابق ظاہر ہوا اور یہ اسی طرح ہے۔ کہ جب چراغ شیشے کے اندر جلایا جائے تو اس نسبت سے زیادہ چمکتا ہے کہ اسکو کسی پتھر یا مٹی کے برتن کے اندر جلایا جائے اور یہی حال ستاروں میں ہے۔ پس یہ فرق استعداد کے اندازے کے مطابق ہی ہے پس جلیل القدر شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ میری استعداد اگرچہ میں ستاروں میں سے ہوں انوار کے ظہور میں چاندوں کی استعداد کے برابر ہے۔ لہٰذا میں نے نبوت کے سورج کے چشمہ سے بلا واسطہ نور اخذ کیا ہے۔ اور دوسرے اولیاء نے چاند کے سینوں سے نور کا اقتباس کیا ہے۔ تو سورج کے چشمے کی نسبت سے استعداد کا فرق دو مرتبہ ہو گیا۔ ایک مرتبہ تو انبیاء علیہم السلام میں اور ایک مرتبہ اولیاء میں کیونکہ ان کی استعداد انبیاء کی استعداد سے کم ہے اور شیخ کی ذات میں فرق ایک ہی مرتبہ ہوا تو ضروری ہے۔ کہ آپکی بلندی دوسرے اولیاء کی بلندی سے زیادہ ہوگی پھر اگر آپ کہیں کہ آپکے بیان سے ستاروں کا چاندوں کے برابر ہونا لازم آتا ہے۔ یعنی بزرگترین شیخ رضی اللہ عنہ انبیاء علیہم السلام کے۔ برابر ٹھہرتے ہیں کیونکہ ان دونوں کے واسطہ اٹھ گیا تو میں کہونگا کہ اس سے ستارے کا چاند کے برابر ہونا لازم نہیں آتا اگرچہ وہ ستارہ اپنی استعداد کے لحاظ سے ستاروں پر فائق ہو کیونکہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی ذات میں چشمۂ خورشید کے نور کا ظہور صرف تجلی ولایت سے ہے۔ جو نبوت سے خالی ہے۔ حالانکہ نبوت کی تجلی ہی تو نبی علیہ السلام کی ولایت کی روح ہے تو نبی میں دو جہتیں اکٹھی ہو گئیں اصالت بھی اور خاتم النبیین علیہ وعلیہم الصلوات کی ظلیت بھی لیکن یہ ظلیت ظہور میں اصالت کی قوت کی طاقت رکھتی ہے۔ اور ولی میں یعنی بزرگ ترین رضی اللہ عنہ میں صرف ظلیت ہی متحقق ہے۔ تو جس میں اصالت اور ظلیت دونوں موجود ہیں وہ بہرحال اس سے بہت اعلیٰ وافضل ہے جس میں صرف ظلیت ہی ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے اور ایک طرح سے بھی دیکھیں کہ ستارہ ستارہ ہی ہے اگرچہ وہ دیگر ستاروں کی نسبت سے سورج کے نور سے زیادہ منور ہو اور چاند بہرحال چاند ہے۔ اور وہ ستارے سے بہرحال دائم ہے پس اس لائیکا نور جو انبیاء علیہم السلام کی ذات میں نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اقتباس کر کے متحقق ہوا ہے وہ اپنی قوت استعداد کے کمال کی وجہ سے اولیا کی استعداد سے بہت زیادہ ہے کیونکہ انبیاء کی استعداد نبوت اور ولایت دونوں کا تحمل کر سکتی ہے۔ برخلاف اولیاء کے کہ وہ صرف ولایت کا تحمل کرتی ہے اور اسی طرح اولیاء کی استعداد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی استعداد سے بھی کم ہے کیونکہ ان میں صحبت کی حیثیت سے ایک زیادتی موجود ہے بہرحال شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی ذات میں ظلیت استعداد کی ایسی قوت سے متحقق ہوئی ہے کہ وہ اپنی کمال استعداد کی حیثیت سے اس اصلی قوت کا ظل معلوم ہوتی ہے۔ جو انبیاء میں ہے اور نبی علیہ السلام کے اس قول کا یہی معنی ہے کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔ علیہ وعلیہم الصلوات کیونکہ علماء سے مراد عام ہے خواہ وہ ظاہری علماء ہوں یا باطنی جیسا کہ مطلق لفظ کا

Scanned by CamScanner

تقاضا ہے یہ اجمالی طور پر تحقیق ہے اور میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ مجھے اس کی تفصیل کی توفیق بھی آپ رضی اللہ عنہ
وارضاہ عنا کے قول وکل ال بر قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال کے تحت عطا فرمائے گا اور اگر اسی طرح سمجھ لیا جائے کہ بزرگ
تو اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔ اور بدر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰت اقمار ہیں اور شیخ رضی
اللہ عنہ وارضاہ عنا کی ذات ستارہ ہے تو یہ توجیہ بھی صحیح ہے۔ اور جس شخص نے ہماری مذکورہ بحث کو پوری طرح سمجھ لیا
اس پر آشکار ہے کہ علوی اور اتصال سے مراد بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہم کے کلام میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے کے بعد
یہ اس لئے کہ آپکا قول وانتم علوی اتصاب کا خطاب ہے، جو ہمارے کلام بہت بڑی دلیل ہے۔ اس کو سمجھ اور غنیمت جان
شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے ہدایت کے سورج کے انوار میں سے ہے پھر تجھے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ علو عبارت ہے
حرکت جذبیہ کے صعود سے جو کہ حرکت سلوکیہ کے ساتھ ملی ہوئی ہو اور یا پھر خدا تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچنے کے لئے صرف حرکت
سلوکیہ کا نام ہے۔ اور اتصال اس حرکت کی انتہا کا نام ہے لیکن یہ علو اور اتصال حسی نہیں ہیں کیونکہ وہ تو خداوند تعالیٰ کا جسم
محال ہے۔ نہ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے۔ پس یہ علو اور اتصال دونوں معنوی ہیں اور ان کا
بیان آپکو مقامات کے بیان میں جو کہ آپ رضی اللہ عنہ کے قول کاسات الوصال کے ذیل میں درج ہوا تھا معلوم ہو چکا ہے لیکن

مرجع وضاحت: جب اتصال کے بیان تک کلام پہنچ چکا اور ہم نے یہ ذکر کر دیا ہے۔ کہ یہ لفظ وصول کا مرادف ہے
اور ہم نے اس جگہ وصول کا معنی بھی اجمالی طور پر بیان کر دیا تھا۔ اور اسمیں تفاصیل بھی تھیں اب حالات اسکی پوری تفصیل کا تقاضا
کرتے ہیں تاکہ اس سے ہر خاص و عام کو حصہ مل سکے تو اللہ تعالیٰ ہی ہر مہم میں بہترین کارساز اور بہترین مددگار ہے تو میں اسی کے
علام کی توفیق سے کہتا ہوں کہ اصطلاحات میں باب الالف کے بیان میں جو مذکور ہوا تھا کہ اتصال یہ ہے۔ کہ بندہ اپنی ذات
کو وجود واحدی کے ساتھ ملا ہوا ملاحظہ کرکے قطع نظر اس سے کہ اپنے وجود کے عین کو مقید کرے اور اضافتوں کو اس سے ساقط کرے
اور اتصال کے بیان میں قوم کی کچھ عبارتیں ہیں کہ اگر آپ انکو دقت نظر سے دیکھیں گے تو اس کا مفہوم تم پر واضح ہو جائیگا کسی
نے کہا اتصال دلوں کے مکاشفے اور اسرار کے مشاہدات کا نام ہے۔ اور بعض نے کہا اتصال سر کا مقام وصول وصول جانے
تک پہنچنا ہے۔ بعض نے کہا اتصال یہ ہے۔ کہ بندہ اپنے خالق کے سوا کسی کا مشاہدہ نہ کرے اور اپنے صانع اور خالق کے سوا
اور کسی کا خیال اس کے دل میں نہ آئے سہل بن عبد اللہ نے کہا اگر ان کو بلا سے حرکت دی جائے تو حرکت کریں اور اگر ٹھہر
جائیں تو متصل ہو جائیں اور یحییٰ بن معاذ رازی نے کہا حال چار طرح کے ہیں تائب۔ زاہد۔ مشتاق اور واصل تائب
توبہ سے محجوب ہے، اور زاہد اپنے زہد سے محجوب ہے، اور مشتاق اپنے حال سے محجوب ہے، اور واصل کو اللہ تعالیٰ سے کوئی شئ نہیں روک
سکتی۔ اور ابو سعید نے کہا۔ واصل وہ ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اور ہمیشہ تک اس پر قطع کا خوف نہ ہے اور متصل وہ ہے جو
اپنی کوشش اور محنت سے ملنا چاہتا ہے۔ جب وہ قریب ہوتا ہے۔ تو منقطع ہو جاتا ہے۔ اور یہ کچھ ذکر ہوا مرید اور مراد کا
حال ہے۔ اور مراد چونکہ کشوف کی جائے پناہ ہے۔ وہ مراد ہے اور دوسرے کو کوشش کے سپرد کر دیا گیا ہے اور وہ مرید ہے ابو
نے کہا۔ واصل تین باتوں میں ہیں انکا سر اللہ میں ہوتا ہے ان کی ہمتیں اللہ کے لئے ہوتی ہیں اور ان کا رجوع اللہ تعالیٰ کی
طرف ہوتا ہے۔ شستاری نے کہا وصول ایک جلیل القدر مقام ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو اپنے

چاہتے ہیں تو اس پر راستہ مختصر کر دیتے ہیں اور بُعد کو قریب کر دیتے ہیں اور جنید نے کہا واصل ہی تو اللہ عزوجل کے نزدیک حاصل ہے اور رویم نے کہا اہل وصول وہ ہیں جن کے دل اللہ تعالیٰ نے آنکھ بنا دیئے ہیں پس وہ بات میں محفوظ ہیں اور خلق سے ہمیشہ تک حفاظت میں ہیں ذوالنون نے کہا جو بھی لوٹ کر آیا ہے۔ وہ راستہ ہی سے لوٹ کر آیا ہے اور جو اس کے ساتھ واصل ہو گیا ہے۔ وہ کبھی واپس نہیں آیا۔

ان عبارت کو جو بھی غور سے دیکھے گا اسے معلوم ہو جائیگا کہ یہ سب قول ایک دوسرے کے قریب ہیں بلکہ بعض بعض کی تفسیر میں ہیں یا ہم کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ اتصال اور مواصلت عبارت ہے سالک کے وجدانِ ذوق کے طریق سے یقین کی صفائی تک پہنچنے سے اور وصول کے مرتبہ میں پھر یہ لوگ آپس میں متفاوت ہیں۔ بعض تو وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ تک افعال کے طریق سے پہنچتے ہیں اور یہ تجلی میں ایک رتبہ ہے اس کے اپنے اور غیروں کے فعل فنا ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کے افعال کے ساتھ ٹھہر جاتا ہے۔ اور اس حالت میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے آدمی آسانی سے پہنچ جاتا ہے۔ اور بعض اختیار کے طریق سے پہنچتے ہیں۔ اور یہ بھی وصول میں ایک رتبہ ہے۔ اور بعض مقام الاہیبت اور انس میں ٹھہر جاتے ہیں کیونکہ ان کے دل پر جلال اور جمال کے مطالعہ کا کشف ہوتا ہے اور یہ صفات کے طریق سے تجلی ہے۔ اور یہ بھی وصول میں ایک رتبہ ہے۔ اور بعض وہ ہیں جو مقام فنا تک ترقی کر جاتے ہیں اور ان کے باطن پر یقین اور مشاہدہ کے انوار چمکتے ہیں وہ اس کے شہود میں اپنے موجود سے غائب ہو جاتے ہیں اور یہ تجلی ذات کی ایک قسم ہے جو خواص مقربین کے لئے ہے اور وصول میں یہ رتبہ پہلے دونوں مذکورہ رتبوں سے زیادہ بلند ہے۔ اور اس کے اوپر ایک حق الیقین کا مرتبہ ہے اور اس مرتبہ میں دنیا میں بھی خواص کو کچھ حصہ آٹے میں نمک کے برابر مل جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ بندے میں پوری طرح نور مشاہدہ کا سریان یہاں تک کہ اس کے بندے کا روح اور دل اور نفس سب لذت حاصل کرتے ہیں حتیٰ کہ ظاہری جسم بھی اور یہ وصول کے درجات میں سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے۔ جب حقائق کا علم ہوتا ہے۔ تو بندہ ان بلند و شریف احوال باوجود سمجھنے لگتا ہے کہ وہ تو بہت دور ابھی پہلی منزل ہی میں ہے۔ تو وصول کیسے ہو سکتا ہے۔ وصول کے راستے کی منزلیں بہت دور ہیں جن کو انسان کبھی بھی طے نہیں کر سکتا آخرت کی ابدی زندگی میں بھی نہیں پھر اس دنیا کی چھوٹی سی زندگی میں کیسے طے کر سکتا ہے۔ کیا آپ غور نہیں کرتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کلی اور حقیقی ایسے وصول کے باوجود کہ جس میں سے اللہ تعالیٰ نے ان کے سوا اور کسی کو حصہ نہیں دیا ہے۔ ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اگر تھوڑا میسر آ جائے تو اور بات ہے۔ پھر بھی آپ کہتے "میں تیری تعریف بیان نہیں کر سکتا" اللہ میں تجھ کو جیسے پہچاننے کا حق ہے نہیں پہچان سکا" اور یہی معنی ہے۔ اس قول کا جو بعض نے کہا ہے کہ ہم دریا میں ایک ایسے دریا پر پہنچا جس کا کنارہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نہیں دیکھا ہے۔ یعنی دریا کی دوسری طرف کا کنارہ جو کہ کوئی انتہا نہیں رکھتا یعنی جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی انتہا کو نہیں پہنچ سکتے تو میں ایک حقیر کیا حیثیت رکھتا ہوں۔

اور اس میں ضابطہ یہ ہے۔ کہ کمالات الٰہیہ اور صفات قدسیہ کی کوئی نہایت نہیں ہے۔ ورنہ وہ حادث ہو جائیں۔ کیونکہ متناہی محدود ہوتا۔ اور محدود حادث ہوتے ہیں جیسا کہ اپنے دوسرے علم (منطق) میں مقرر ہے پھر جب اس کی کوئی انتہا ہے ہی نہیں تو کسی کے لئے بھی وصول الی النہایت متحقق نہیں ہوگا کیونکہ نہایت معدوم ہے پھر جب بھی ولی کوئی کمال حاصل کریگا۔ تو اس کے اوپر کوئی اور کمال ہوگا۔ تو لازمی چیز ہے۔ کہ یہ سلسلہ نامتناہی ہو جائیگا اور یہ بزرگ ترین شیخ

Scanned by CamScanner

رضی اللہ وارضاہ عنا نے اپنے قول مقامی تو تحکم مادل حالی اسی طرف اشارہ کیا ہے جسکے مذکورہ بالا بیان کی جھلک یہ ہے کہ معلوم ہوگیا کہ اتصال کی کئی قسمیں ہیں پس بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ کا قول ولا تعم علوی و اتصال اشارہ کر رہا ہے کہ علو اور اتصال کی سالکین کے لئے کئی اقسام ہیں جو قدس کے سرچشمہ سے سالکین پر صادر ہونے والے جذبات کے مطابق تجلیات کے موافق ہیں اور اسکی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اور آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ عنہ کے قول جیسے فالجلال اور آپ کے قول عبدالقادر المشہور اسمی کی تشریح آپ رضی اللہ عنہ کے علم و افادہ کی برکت سے آئیگی۔ قصہ مختصر یہ کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ نے اپنے قول وانلم علوی مقا میں اشارہ فرمایا ہے کہ اولیاء اللہ کیلئے وصول تا بحضرت ربی کی استعداد کے مطابق الگ الگ ہیں جو کوئی اللہ کی راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں اور نفوس امارہ بالسوء کی زنجیروں سے اپنی گردنوں کو آزاد کرتے ہیں اور اپنے وجودات ارادی افعالی وغیرہ تمام صفات سے فانی ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ تفصیل کیساتھ علوم مصفورہ میں وہ مقرر ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ صفات قدسیہ کے مطابق تجلیات الٰہیہ غیر متناہی ہیں وہ ہر حالت میں کوئی ایک تجلی کیساتھ ظاہر ہوتی ہیں جسکے حالات کا علم روشن ادراک کو بھی نہیں ہو سکتا کیا آپ اسپر غور نہیں کرتے کہ مثلاً تجلی فعلی کے آثار ایک ہی شخص میں بلکہ ایک ہی شخص کی ایک ہی حالت میں مختلف ہو جاتے ہیں جنکا عقلیں ادراک ہی کر سکتی ہیں اسطرح حیران و پریشانی میں کہ اسکی گہرائیوں سے صرف وہی باہر نکل سکتا ہے۔ جس کا ہاتھ اللہ تعالیٰ توفیق کی رسی سے تھام لیا اور خیروں ایک طلسم ہی میں متعلق ہو نفس امارہ میں شبہت میں انکو وہی جان سکتا ہے جس پر ان میں سے کوئی چیز وارد ہو جس نے نہ چکھا ہو وہ کیسے جان سکتا ہے۔ مثلاً موجودات جسمانیہ کے ہر فرد میں قدرت کا تحقق ہے اور پھر ان میں جو باہمی فرق ہے اسے کسی طرح منضبط نہیں جا سکتا ایک قدسے سے لیکر ملائکہ تک دیکھو کہ جبریل کو کتنی طاقت عطا ہوئی ہے کہ وہ عرش سے فرش تک آنکھ جھپکنے میں پہنچ جاتے ہیں۔ اور اسیطرح معدودیت میں جو جو تحقق اور نفسانی حجابات سے آزاد ہو چکے ہیں جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنے اس قول سے کہ وجمیع اعمال الارض فی الحوالی خلوق ہے اپنے قول تطرت الی بلاد اللہ جمعا کخردلۃ سے اتصال کے حکم پر اشارہ کیا ہے اور اسکے علاوہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے قصائد مبارکہ میں اور بھی اشعار ہیں جو آپ کے تصرفات پر مشتمل ہیں یہ سب قدرت کا ہی سبب جب یہ بات متحقق ہوگئی تو اب یہ آپ کے قول وانا تم کے معانی بھی ظاہر ہوگئے یعنی تمہارے شخصی اور نوعی صفات تو تمہاری استعداد کے مطابق تم وارد ہونے والی تجلیات کے مطابق ہیں اور میرا وصول اتصال اس تجلی کے موافق ہے۔ جو مجھ پر اس خاص استعداد کے موافق وارد ہوتی جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مرتبہ مرادیت میں اپنی خاص نوازش سے مشرف فرمایا۔ اور پھر میرا وہ اتصال جو اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے نانا صلے اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں مرتبہ مرادیت کی حیثیت سے بخشا ہے وہ مقال اور بیان سے بھی باہر ہے اس کے معلومات میں سے کچھ بھی جز کا اس آدمی کے کہ جسکو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص علم سے مشرف فرمایا ہو کوئی بھی احاطہ نہیں کر سکتا تو میں تم سے اس اتصال میں بھی بلند تر ہوں جو مجھے مریدیت کی حیثیت سے حاصل ہے اور اس اتصال میں تو بہت ہی زیادہ آگے ہوں جو مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بحیثیت مرادیت حاصل ہے تو تم تم سے ہر ایک مشترکہ رتبہ یعنی مریدیت اس میں بھی بلند تر ہوں اور خاص رتبہ یعنی مرادیت میں بھی اگر ہمیشہ ہمیشہ تک ذرا بھی چلتے رہو۔ تو میرے علو اور اتصال کو نہیں پا سکو گے یہ تمہارے دل میں خیال بھی نہ گزرنا چاہیئے کہ تم مجھ تک پہنچ سکو گے ہاں اس صورت کہ تم میرے قدموں کے سایہ میں آجاؤ پھر میرے قدم تم سب کی گردنوں پر ہوں گے

پھر اس جملہ میں کئی ایک اشارات مجھ میں بتایا یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ نے انکو اپنے ساتھ مساوات کے خیال سے بھی روکا ہے

کے بیان کیلئے ناممکن ہے اور غیر ممکن میں کوشش کرنا بالکل بیہودہ امر ہے اور دوسرا اشارہ یہ ہے کہ آپؓ اقطاب کو اپنے مفضول علیہ قرار دے کر انکی عزت افزائی کررہے ہیں اور یہ اسی طرح کا کلام ہے جیسے بادشاہ اپنے لشکریوں کی جماعت سے فرمائے کہ میرا مرتبہ تم سے بلند ہے جب تک میں اس مرتبہ پر ہوں تم اس کو نہیں پا سکتے اور یہ کلام عادت کی دلیل کے مطابق اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اب ان دونوں مراتب میں اور کوئی واسطہ نہیں رہا یعنی اب تمہارے وصول میں سے کوئی مرتبہ باقی نہیں رہ گیا سوائے میرے وصول کے مرتبہ کے کہ وہ مرتبہ تم سے بڑا ہے تو شیخ اجلؓ کی اس مفضولہ جماعت کو پورا فخر حاصل ہے (کہ وہ بہت بلند مقام پر ہیں) اور تیسرا اشارہ یہ ہے کہ جب تک ممکن ہو ترقی کرنے کی حث اور رغبت ہونی چاہئیے اور اس میں اقطاب کی ہمت کیلئے تحریک ہے کہ جس مقام پر تم پہنچ چکے ہو اس پر قناعت نہ کرو کیونکہ ایک ہی مرتبہ پر قناعت کر جانا اور بلند تر ترقی کیلئے شوق کی آگ کی تیزی ختم ہو جانا اکثر سستی اور کاہلی پیدا کر دیتا ہے اور بذات خود اس مرتبہ میں بھی نقصان ہونے لگتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بزرگ ترین شیخؓ نے وصول کے پالینے پہنچنے کے بیان کے بعد فرمایا نُقِلَتْ لِحُمَّ دُنِیْ نَحْوِیْ تَعَالٰی یہ اصول کے بعد وصول حاصل ہونے کے بعد بھی بلندی کی طرف جانے کے شوق کا اعلان ہے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے لیا ہے کہ جس کے دونوں دن برابر ہوں وہ خسارے میں ہے۔ اور قرآن کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے بھی کہ جن لوگوں نے ہمارے لیے کوشش کی ہم اپنے راستوں کی انکو رہنمائی کرتے ہیں۔ سبلنا میں جمع کا صیغہ لانا اور ہدایت کو تاکید کے صیغہ سے بیان کرنا اشارہ کرتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی راہیں بیشمار ہیں کیونکہ اسکے کمالات کی کوئی انتہا نہیں ہے سو آدمی جبتک اس زندگی میں رہے، اس پر لازم ہے کہ ہر روز عروج اور ترقی کیلئے مجاہدہ کرتا رہے۔ اور اسکے لئے بھی قبر اور قیامت میں بھی ترقی ثابت ہے۔ اس دنیا میں تو ترقی مجاہدے سے ہے اور آخرت کے گھر میں مشاہدے سے جب وہ اللہ تعالیٰ کے کمالات کا مشاہدہ کریگا اور اپنے علم اور حال سے فانی ہو جائیگا۔ اور جبتک اس کے لئے مشاہدہ رہیگا وہ بلندی کی طرف ترقی کرتا رہیگا اور چونکہ مشاہدہ آخرت میں غیر منقطع ہے لہذا ترقی بھی غیر منقطع ہوگی اور اسی طرف شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اپنے قول، ازال عال سے اشارہ فرمایا ہے اور یہ گزر چکا ہے کہ جو چیز ہمیشہ رہنے والی ہو اسمیں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ جب ترقی کے متعلق کلام پورا ہو گیا تو قصیدہ خمریہ کے حقائق و دقائق لکھنے پر ضروری ہوا اور وہ ہے غوث محی الدین ہدایت پانیوالا ابوالفرج محمد فاضل الدین اللہ اسکی حقائق قادریہ کی طرف راہنمائی فرمائے کہ اتصال کے معنی اور اسکی شرط کے فرق کو تفصیل سے بیان کرے اور معیت کے معنی کی تحقیق کرے جو کہ اللہ تعالیٰ کے قول سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے بیان میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جواب میں جبکہ انکے دل میں غار کے اندر ابوجہل یعنی کے تیار ہ دان کی دلالت کے غار کے منہ پر جانے سے خوف پیدا ہوا آپ نے فرمایا لاتخف ان اللہ معنا (خوف نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے) میں نے اس بیان میں دو مشاہدے لکھے ہیں۔ میں ان میں وہ کچھ بیان کرونگا جسکی طرف شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنی تحقیق سے اشارہ فرمایا ہے وہ اسی قابل ہے کہ اس کے بیان کی طرف توجہ کی جائے اور اسکی ترجمانی سے غذا حاصل کی جائے سو میں کہتا ہوں

پھلا مشاھدہ: اتصال کے معنی اور اس کی شرط کے فرق کے بیان میں اسکی شرط تو وہی اتصال ہے جو صوفیہ کے نزدیک مشہور ہے اللہ تعالیٰ بندے کے دل کو اپنے انوار سے روشن کرے اور اسے اپنے اسرار تک پہنچائے جسکا اشارہ سلطان العارفین کے قول میں ہے۔ جبکہ آپ نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میرے رب وصول کس طرح ہے تو آپکو الہام ہوا کہ میری طرف آنیکا راستہ صرف دو قدم ہے پہلا قدم ہے نفس اور خواہشات کو چھوڑ دینا اور دوسرا قدم ہے فنا اور بقا کی پرہیزگاری کیساتھ تجلی جیسا کہ اس قول سے سمجھا جاتا ہے تو اپنے نفس کو چھوڑ دے

اور آجاؤ سو پہلا انفصال ہے اور دوسرا اتصال پہلے انفصال ہونا لازمی ہے تاکہ اتصال میسر آسکے اور پہلے قدم کی کیفیت دو امور میں ایک ان میں سے سلوک ہے جس کا اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے "اور جن لوگوں نے ہمارے لئے کوشش کی ہم انکو اپنے راستوں کی راہنمائی کرتے ہیں" اور یہ طریقہ عام اور اغلب ہے اور دوسرا جذبہ ہے جو عارضی وجود کو یکایک آن میں کاٹ کر رکھ دے جیسا کہ پہلا آہستہ آہستہ کاٹتا تھا۔ پس جذبہ ایک بجلی کی طرح ہے جو خاکی وجود کو جلا کر رکھ دیتا ہے۔ اور وہ نورانی آگ بن جاتا ہے پھر کسی چیز کا وجود باقی نہیں رہ جاتا انی آنست ناراً میں نے آگ محسوس کی ہے کے مطابق پھر وہ اپنے حقیقی وجود کا آغاز بھی میں اللہ ہوں" پھر وہ اپنے ہاتھ کی ہر چیز کو پھینک دیتا ہے۔ وہ مخلوق کی حالت سے تبدیل کر کے رکھ دیتا ہے پھر کیا اس میں فنا کا وجود پیدا ہوتا ہے۔ وہ کہ جس کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ قول اشارہ کر رہا ہے "اللہ کی جلائی ہوئی آگ ہے جو دلوں چڑھ آتی ہے" اور اسمیں تفصیل ہے۔ جسکو آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے قول "مالقیت بشری نوق نادہ" کے تحت ذکر کیا جا چکا اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض کلام میں فرمایا "میں اللہ کی جلائی ہوئی آگ ہوں" اور یہ جذبہ ایسا ہے جو ایک کو ہی قطع کر کے رکھ دیتا ہے۔ یہ خال خال آدمیوں کو نصیب ہوتا ہے۔ اور حالت سلوکیہ تدریجیہ کی مثال زراعت کی طرح ہے کہ پہلے بیلوں سے زمین کو پھاڑا جاتا ہے (ہل چلائے جاتے ہیں) اور اسمیں سے تمام خشک و تر جھاڑ جھنکاڑ اکھاڑ کر پھینک دیا جاتا ہے جو مقصود بیج کے اگنے میں مزاحم ہو۔ پھر ایک ضروری اندازے کے مطابق اس کو نہری یا بارش کا پانی دیا جاتا ہے پھر اسمیں سبزی اگتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کٹنے کی مدت تک پہنچ جاتی ہے پھر اس سے بالیاں اتاری جاتی ہیں پھر ہر بالی میں سے دانہ پھر جاتا ہے۔ پھر اس کٹے ہوئے کھلیان کو کوٹا جاتا ہے۔ اور اس سے دانے نکالے جاتے ہیں پھر اس سے ستو یا آٹا بنایا جاتا ہے پھر اسے چھانا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ چھلکا آٹے سے الگ ہو جاتا ہے۔ پھر اس آٹے کو گوندھا جاتا ہے اور پھر اسے آگ کے سخت گرم تنور میں ڈالا جاتا ہے۔ پھر جب روٹی پک کر تیار ہو جاتی ہے۔ تو کھائی جاتی ہے اور اس سے لذت حاصل کی جاتی ہے۔ اور اس سے بھوک دور کی جاتی ہے اور پانی پیا جاتا ہے تاکہ وہ معدے میں ہضم ہو جائے پھر معدے میں کئی انقلاب واقع ہوتے ہیں جنکو اللہ خالق منعم علیم کے سوا اور کوئی نہیں جانتا پھر اس سے الگ ہوتا ہے پھر وہ قوت دافعہ و ماسکہ کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے پھر وہ سفل کو تو دفع کر دیتی ہے اور خلاصے کو بغیر خون بنانے تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ پھر اس سے خون بنتا ہے پھر خون سے گوشت پھر اس سے طاقت بدنی بڑھتی ہے اور نطفے کا خلاصہ اس سے نوع انسانی کو باقی رکھنے کے لئے لیا جاتا ہے۔ پس اسی طرح سالک کے لئے ضروری ہے کہ محبت اور ذکر کے بیلوں سے پہلے دل کی زمین کو پھاڑے پھر اس سے نفسانی و شیطانی ظاہری وساوس کے جھاڑ جھنکار کو اکھاڑ کر پھینکدے خشک یعنی دنیوی بھی اور تر یعنی اخروی بھی پھر اس میں معرفت کا بیج بوئے اور خدا تعالیٰ کے فضل کے بادلوں اور اپنی آنکھوں کے آنسوؤں کا پانی شریعت غرا کے اندازے کے مطابق اسکو دے یہاں تک کہ اس کے دل کا دانہ استقامت کی نالی پر کھڑا ہو جائے پھر آفات اور بلیات کو خراب کر کے اسکو کوٹا جائے یہاں تک کہ اس سے اخلاق رذیلہ خفیہ بلکہ غرور عجب وغیرہ بھی جو کہ حصول کمالات اور فضائل ملکیہ سے پیدا ہوتے ہیں اور تمام طبعی کدورتوں کی نباتات نکل جائے پھر جب وہ صاف ہو جائے تو اس سے تمام وجود کو دم ہستی والے پتھروں یعنی فنا و رضا سے آٹا بنائے یہاں تک کہ وہ کلی خلوص کے ساتھ خالص آٹا بنالے پھر اسے چھانے یہاں تک کہ اس سے اپنے علم کے کمالات کا چھان نکل جائے اور عدم محض رہ جائے پھر اسے حیا کے پانی سے گوندھا جائے پھر اسے غیر متناہی تجلیات ذاتیہ کے تنور میں پکائے یہاں تک کہ روٹی پک کر تیار ہو جائے اور بقا کے بادشاہ کے کھانے کے لائق ہو جائے پھر اس کا نفس ایک باقی رہنے والا رزق حسن ہوگا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے کلام

قول میں اشارہ ہے اور تیرے رب کا رزق بہتر ہے۔ اور باقی رہنے والا ہے۔ پھر اس وقت وہ ایسا ہو جائیگا کہ جو اسکی طرف دیکھے گا یا جسکی طرف وہ دیکھے گا وہ سیر ہو جائیگا۔ اور کبھی پیاسا نہ ہوگا وہ ایک چھینٹا کا ذکر نیلا سمندر ہے وہ ایک چھینٹا کا ذکر نیلا سمندر ہے۔ اور انوار کا درخت ہے، پھر جو پھل کہ اسکو کھا جائیگا اس سبز درخت اور بحر نیلگوں کی طرف دیکھے تو سیر اور سیراب ہو جائیگا اور اسکی طرف اللہ تعالی کا یہ قول اشارہ کر رہا ہے ہم نے سبز درخت میں آگ پیدا کر دی یعنی تمام قبولیت تک پہنچے پہنچا اور نور کی آگ جسنے اپنا چہرہ اس اللہ کی طرف متوجہ کیا جس نے مجھے پیدا کیا یہی وہ درخت تھا جس سے آواز دی گئی تھی موسیٰ میں اللہ ہوں۔ اور یہ بیان تفصیل کا تقاضا کرتا تھا لیکن میں نے اس کو اس خوف سے مختصر کر دیا کہ اسے گدلی عقلیں اور حاشیا اور فہم نہ سمجھ سکینگے۔ یہ قدسی اسرار میں سے ایک سر ہے، اس کے اصل اور فرع کو وہ آدمی معلوم کر سکتا ہے وہ جس کا دل سلامت ہو اور کان لگائے حاضر ہو۔ اور قصہ مختصر یہ کہ انفصال بہرحال اتصال سے مقدم ہے خواہ اس کا منبع جذبہ ہو یا سلوک تو ہم کہتے ہیں کہ وہ انفصال جو اتصال کی شرط ہے، وہ عبارت ہے، دونوں جہان کے ترک و تجرد سے کہ تیری وہ نگاہ جو ان پر لگی ہوئی ہے۔ ان سے اٹھ جائے اور تیرا ان پر توقف ختم ہو جائے اور تیرا انکی پروا کرنا اللہ عزوجل کی وجہ سے چھوٹ جائے جب اتنا انفصال ہو جائے تو اس سے وصال و اتصال اس حیثیت سے تو پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن ضروری ہے۔ کہ اس کی نظر باریک ہو اور نگاہ بڑی تیز ہو کہ اس مذکورہ انفصال سے بھی اسکی نگاہ اٹھ جائے کہ شہود حقیقی میں انفصال اور اس کے متعلقات سے کوئی چیز اسکی نگاہ میں کوئی وزن رکھے پھر یہ بھی لازمی ہے کہ اس حاصل شدہ اتصال اور اس کے علم سے بھی دستبردار ہو جائے یہاں تک کہ اسے اتصال مطلق نصیب ہو جائے اور یہ وہ انتہا ہے جہاں کوئی تیز رو کوئی مرید ہی پہنچتا ہے پھر اس کے اندر بھی اتنے درجے ہیں کہ انکو وہی جان سکتا ہے، جو باقی رہنے والے کھانوں اور شراب جو طعمہ باقیہ اور اشربہ صافیہ سے لوگوں کو رزق عطا کرتا ہے پس اس کے مطابق اتصال کے بھی کئی ایک شعبے ہیں جیسا کہ اللہ تعالی کے اس قول میں اسکی طرف اشارہ ہے۔ پھر قریب ہوا پھر لٹکا پھر ہو گیا دو کمان کا اندازہ یا اس سے بھی قریب۔

منازل السائرین میں کہا ہے۔ کہ عقلیں مایوس ہو گئیں اور اللہ تعالی کے اس قول سے "یا اس سے بھی قریب" تمام بحثیں ختم ہو گئیں یعنی اس کا بیان عقول کے احاطہ کے بیان سے باہر ہے۔ اسمیں بڑے بڑے لوگ حیران ہیں سبحانہ ما اعظم شانہ اس کا اتصال انفصال ہے۔ اور اس کا انفصال اتصال ہے۔ پھر اتصال کے بھی تین درجے ہیں پہلا درجہ اتصال اعتصام ہے اور یہ صحیح قصد اور ارادہ کا نام ہے اور دوسرا درجہ اتصال شہود کا ہے اور وہ ہے اسباب سے آزاد اور استدلال سے بے نیاز ہو جاتا اور مختلف اسرار کا ساقط ہو جاتا اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ وجود کا اتصال ہو جائے اور یہی وہ انتہا ہے جسکی نہ کوئی صفت بیان کی جا سکتی ہے۔ نہ مقدار اور نہ ہی اس کا کوئی نام ہے مگر جو اللہ چاہے وہ اور نہیں چاہیے تم مگر یہ کہ اللہ رب العالمین چاہے "جب آپ کو انفصال کے معنی کا فرق معلوم ہو گیا اور اس کے مقابلہ میں اتصال کے معنے کا فرق بھی واضح ہو گیا اور اب دوبارہ اس فرق کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور ہم پہلے بڑے بڑے کاملین کے اقوال سے معنی بیان بھی کر چکے ہیں انکو یاد رکھو اور ہماری اس مذکورہ تفصیل سے آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے اس قول کا راز تو معلوم ہو گیا کہ وہ ازلی علوی اتصال اسلیے کہ شیخ کا اتصال وہ ادنی کے مرتبہ کا ظل ہے اور وہ نبی امی حجازی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے، اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اسکی طرف اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا ہے "وانی علی قدم النبی بدر الکمال" جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ تعالی آپ کو معلوم ہو جائیگا۔ اے اللہ ہمارے سردار محمد جمال و جلال کے مالک فیض اور کمال کے معدن پر اور انکے اصحاب اور آل اور نائبین کے جو کمال درجہ اکوان میں متصرف ہیں اپنی رحمتیں نازل فرما۔ **دوسرا مشاہدہ قرب۔** وصال اور معیت اور ان جیسے اور الفاظ کے معنی کی تحقیق میں یہ الفاظ بظاہر دیکھنے میں ایک دوسرے کے مرادف و ہم معنی معلوم ہوتے ہیں مگر ان کے معانی الگ الگ ہیں اگرچہ وہ ایک دوسرے کے قریب ہیں ان میں سے وصال سے مطلب

اتصال اور وصول کے معنی اگرچہ پہلے طرح بیان کر چکے ہیں پھر بھی ہم دوبارہ اسکو بیان کرتے ہیں رسالہ قوام میں کہا ہے وصال الٰہیہ آپکی کشتی
خدا کے ساتھ ملنا ہے اگر کوئی کہے کہ میں پہنچ گیا۔ تو وہ نہیں پہنچا اور جو کہے انہوں نے پہنچا دیا وہ پہنچ گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے
بندہ کی طرف سے نہیں۔ بلکہ جذبہ الوہیت کے تصرف اور سبب عنایت کی طرف سے ہوتا ہے لیکن یہ لازمی ہے کہ اپنے آپ کو سب کچھ ہر طرح
کا گینہ بنائے اور اسکی وحدت کی رضا کے تختہ پر کرتب دکھائے (دوہرہ) نرد کو ہار دے شعر جبتک دوست کی طرف سے وصال کی خواہش
نہ ہو وہ موہوم تمنا جو تو رکھتا ہے۔ کوئی فائدہ نہیں دے سکتی جبتک کہ سب سودا میں یہ سر دے چلا جائے اے سعدی تو آرام سے دیکھ
کوتاہ دکر۔ اس وجہ کی لغزی کو ... کے بازار میں خرچ کر دینا چاہیئے تاکہ ہو سکتا ہے۔ کہ تیرے نقد میں اللہ نے ایسا اور اسکی
جانیں اور اسکے مال خرید لیے ہیں کی آواز آ جائے اور تیرے اصل سرمایہ کے ہر ذرہ سے تجھ کو یہ آواز سنائی دے ہو۔ اے بھائی! اپنے آپ سے
جدائی دوست کے ساتھ وصال ہے اور اپنا وصال اسکی جدائی ہے کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ عاشق کیلئے فراق ہی مناسب ہوتا ہے کیونکہ
فراق وصال ہوتا ہے۔ اور وصال فراق سے اور یہ راز عشق کی آگ سے سوختہ جگر لوگوں کے سوا کسی سے نہیں سنا جا سکتا شعر ہم
کونسی آرزو کے ساتھ تیرے وصال کا ذکر کریں کہ ہم تو ابھی تیرے فراق کا شکریہ بھی ادا نہیں کر سکے۔ ابو القاسم قشیری نے کہا یہ سر خواہ کچھ
ایک عقوبت ہے۔ اور خواہ کچھ نئے رحمت ہے خواجہ ابو منصور مغربی نے ایک نوجوان کو دیکھا وہ مجمع میں بیٹھا ہوا تھا ناگہاں اسکی نگاہ
ایک خیمہ پر پڑی اور بیہوش ہوگیا۔ مجمع والوں میں کسی نے پوچھا کہ اسکو کیا ہوا؟ کہنے لگے اس خیمہ کے اندر اسکے چچا کی بیٹی ہے اور یہ اس پر
عاشق ہے۔ اس لڑکی کے دامن کا غبار اس نے دیکھا ہے۔ اور اس کی یہ کیفیت ہو گئی ہے۔ خواجہ ابو منصور خیمہ کے دروازہ پر گیا اور کہا کہ بیچارہ
کو اس پر رحم کرو اور ایک نظر اپنا آپ اس کو دکھا دو: اس لڑکی نے کہا اے سلیم القلب وہ میرے دامن کے غبار کا جلوہ برداشت نہیں کر سکتا
وہ میرا دیدار کس طرح کر سکے گا۔ بہت دور کی بات ہے۔ حضرت عزت کے نور کی تجلی کو کون برداشت کر سکتا ہے۔ تم نے سنا ہی ہوگا۔ کہ تجلی کی
شعاع کے نور نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا کیا اور پہاڑ کو اپنی جگہ سے اکھاڑ کر کہاں پھینک دیا سبحانہ تعالیٰ شانہ اس عاشقوں کے
قافلہ کے سردار کے حوصلہ نے بلکہ محبوب کی بساط اور اسرار کے گنجینہ اور آئینہ انوار کو دیکھنے والے ہر طرح کے سردار اور بقا کے تکیہ نشین احمد مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی طاقت و قدرت پائی ہے شعر موسیٰ علیہ السلام تو صفات کی ایک ہی پرتو دیکھنے سے بیہوش ہو گئے اور تو عین ذات
کو دیکھتا ہے۔ اور تبسم کر رہا ہے۔ شیخ ابو الحسن خرقانی قدس سرہ کے رسالہ میں ہے۔ خدا کی بارگاہ تک دو راستے ہیں ایک بندہ سے خدا تعالیٰ کی طرف
اور دوسرا خدا تعالیٰ سے بندہ کی طرف۔ وہ راہ جو بندہ سے خدا تعالیٰ تک ہے۔ وہ سراسر گمراہی ہے۔ اور وہ راہ جو خدا تعالیٰ سے بندہ تک ہے وہ سراسر
ولایت ہی ہدایت ہے۔ اور رسالہ (زہد المحقق) میں ہے؟ جسکو یہ نظر آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بغیر خدا تعالیٰ تک پہنچ رہا ہے۔ اسکے ساتھ فریب ہوا ہے
اور سالک کو موحدین میں مانے ہیں کہ واصل وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے آپ سے واصل اور برگزیدہ اور اسکے لئے قطع نہیں ہے اور متصل وہ آدمی ہے
جو کوشش سے واصل ہونا چاہے۔ یہ جب بھی قریب ہوگی کوشش کریگا کٹ جائیگا تو اس صورت میں بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وعنا
عنا کا قول ولا تلتم علوی واتصال اس چیز کی طرف اشارہ ہوگا۔ کہ اقطاب جو اتصال تک بھی نہیں پہنچ سکتے وصال کے رتبہ تک کیسے
پہنچ سکیں گے پس وصال مرید کا رتبہ ہے۔ اور وصال مراد کا رتبہ سقانی المحب کا سات الوصال مراد کے منصب کا بیان ہے۔ اور ولا تلتم علوی واتصال
مریدیت کے مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور اقطاب جبکہ دوسرے مرتبہ تک بھی نہیں پہنچ سکتے تو پہلے مرتبہ تک کیسے پہنچیں گے رسالہ مرصاد میں ہے کہ
موسیٰ علیہ السلام از خود رفتہ ہو گئے ولما جاء موسیٰ لمیقاتنا تو لازمی طور پر بادشاہ کا فرمان ہے موسیٰ تو جبکہ اپنی راہ سے آیا ہے لن ترانی تو مجھے
کبھی دیکھ سکیگا۔ کہ یہ دولت اس کو نہیں دیتے جو اپنے آپ کے اندر رہتے بلکہ اسکو دیتے ہیں جو اپنے آپ سے باہر ہو جائے۔

ہجویری کا قول ہے کہ تجھے پالینا ہماری آرزو ہے لیکن تیرا پالینا ہماری طاقت میں نہیں ہے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فلک کی طرف سے بلایا گیا، کہ پاک ہے وہ
اللہ جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی۔ اور قاب قوسین تک آگے لے گئے اور مقام او ادنیٰ پر پہنچا دیا جس پر محمدی لباس ہوا اسکو سر سے پکڑ کر کھینچ لیتے ہیں کہ ہم تم میں
سے کسی کے باپ نہیں ہیں" اور رحمت کی خلعت پہنا دیتے ہیں۔ اور پھر اس صورت کو مخلوق کی طرف بھیج دیتے ہیں۔ جب گئے تو محمد تھے اور جب واپس آئے
تو رحمت تھے۔ کہ نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو مگر سارے جہانوں کے لئے رحمت" صلی اللہ علیہ وسلم تو لازمی طور پر کمالی وصول میں دوئی اور اثنینیت اٹھ جاتی
ہے اور یکانگت و وحدانیت ہوتا ہے۔ یہ بشارت امت کے شکستہ پا اور ملت کے ضعفاء کو پہنچائی گئی ہے۔ اگر ایک شکستہ پا بشریت کے آستانہ سے
لیکر روحانیت کے سدرۃ المنتہیٰ تک نہیں جا سکتا تو ارادت کا سر رسول کی چوکھٹ پر رکھ دے اور فرمانبرداری کی کمر باندھ لے کہ اس جگہ وحدانیت کی
گانٹھ پکی ہے۔ اور دوئی یکانگت بیٹھ گئی ہے۔" جس نے رسول کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی" جس نے اس کو پالیا اس نے ہم کو لیا۔ "جو لوگ آپ سے
بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں" یہ وہ مقام ہے کہ جسکو ازل میں عشقبازی سکھا دی ہے پھر ابد تک اس کی جان میں عشق کی شمع
جلائی ہے۔ اور مرآۃ العارفین میں مسئلہ کی حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اللہ تمہارے ساتھ ہے" اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک آدمی پر ہوا وہ کہہ رہا تھا والا اللہ وحدہٗ، جو ساتویں آسمان کے پردہ میں ہے
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہر چیز سے اوپر ہے اور ہر چیز کے نیچے ہے۔ اور اس کی عظمت نے ہر چیز کو بھر دیا ہے۔ اور اسی کتاب میں یہ بھی ہے
کہ جان لینا چاہیئے کہ خداوند تعالیٰ تک وصول بے کیف شناخت پر مبنی ہے۔ اور اسکی معیت بے اسے ادراک کے تحت نہیں آسکتی پس وصول کا علم کس
صورت سے ہو اور کس طرح اس کا چہرہ دیکھا جائے "آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے" یہ ایک روشن دلیل ہے کہ جس نے فکر
جیسی عقل کی تیز زبان پر مہر سکوت لگا دی ہے۔ اشعار: اے ان اقوال سے برتر جو لوگ کہے میں جو دیکھا ہے۔ یا جو چھپایا ہے۔ آدم جو ایک بلند
مرتبہ خلیفہ ہے۔ وہ پریشانی میں ربنا ظلمنا کہہ رہا ہے۔ اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم جو وجود کا خلاصہ، وہ لا احصی کہہ کر سجدے میں گرے ہاتھ تعجب کے
نہ اس کے ساتھ اتصال جائز ہے۔ اور نہ اس سے علیحدگی ممکن لفظ معنی استواء کے قدس ادراک نہیں کر سکتا اور انقطاع اسکے وصول کے تنزہ میں راہ گم
کر چکا ہے۔ اور نہ اس کے بے وضع نزول سے معذور ہے۔ اسکا استواء اس وقت بھی موجود تھا۔ جبکہ عرش ابھی ناپید تھا۔ اور خلق معدوم تھی۔ اور اس کی معیت
اسکے ساتھ معلوم تھی۔ اور مکان ابھی کونیت سے خارج تھا کہ اس کے ساتھ اسکا نزول واصل تھا عرش کو اس کے استواء سے ایک وجہ ہے۔ اور اسکے استواء
کی وجہ عرش سے پوشیدہ ہے۔ اس کی معیت سے خلقت کا وجود قائم ہے۔ اور اسکی معیت کا وجود خلقت سے دور ہے اور مکان کو اس کے نزول سے
ایک طرح اور کوئی مکان اسکے وصول کے سرّ میں دخل بغیر وہ تصرف کی وجہ سے سب کے ساتھ ہے۔ "اور وہ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے" اور تمام ملک کی
وجہ سے اس کے ساتھ ہیں۔ وہ پاک ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے" لیکن کسی کو بھی اسکی معیت کی صورت سے کسی طرح بھی خبر نہیں ہے۔ اور
اسکی بے سبب وصول سے کسی صفت میں فرق نہیں ہے۔ اگرچہ وہ تصرف کے لحاظ سے سب کے ساتھ ہے لیکن تمام اسکی توبہ کی صورت سے بے خبر ہیں یعنی
میں کے ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے، کہ جس کے وجود کا تعلق اسکی معیت سے نہ ہو ازل الآزال میں تو بغیر تھا یعنی اس کے ساتھ تھا اور اب اس کی معیت
کی وجہ یہ صورت پیدا ہوئی ہے۔ اپنے وجود کی وجہ اس کے ساتھ ملحق کیا اور اس کے ساتھ معیت متحقق کرتا کہ مجھے معلوم ہو سکے کہ وصول باللہ
من اللہ کیا ہوتا ہے۔ اے عزیز عقل کی نگاہ میں ممکن کا واجب کے ساتھ واصل ہونا غیر ممکن ہے۔ کیونکہ ممکن کا جہت کے بغیر گزارہ نہیں ہے اور
جہت کو واجب کی کوئی خبر نہیں ہے۔ اور ممکن کو مکان کے بغیر قیام نہیں ہے۔ اور ممکن و مکان کو واجب سے نام کا بھی واسطہ نہیں اور ممکن امکان کی حد
سے آگے نہیں گزر سکتا اور امکان کا وجوب کے پہلو تک بھی گزارا نہیں ہے۔ لیکن عشق کی نگاہ میں ممکن کا واجب کے ساتھ وصول ممکن ہے۔ کیونکہ واجب
ممکن کے ساتھ ممکن کے وجود سے پہلے بلا جہت اور بلا مکان معیت رکھتا تھا اور اللہ تعالیٰ اب بھی اسی طرح ہے جیسے پہلے تھا۔ "مرآۃ العارفین" میں اسطرح ہے
ہمارے اس ذکر سے تحریر یہ تو واضح ہو گیا کہ اتصال کی دو قسمیں ہیں اتصال معیت اور اتصال قربت اور اسی طرح معیت بھی دو قسم ہے۔

معیت اتصال اور معیت محبوبیت پس اتصال اور معیت تمہیں پہلی دو قسمیں تو اہل شہود کیلئے ہیں اور دوسری دو قسمیں اہل وجود کیلئے

معیت اتصال اور قرب جو صوفیا اور اہل باطن میں مصطلح ہے یہ حسی اور ظاہری نہیں ہے کیونکہ دعا

میں پھر یہ بھی ہے کہ وہ معیت اور اتصال اور قرب جو صوفیا اور اہل باطن میں مصطلح ہے

ہے کیونکہ وہ جہت اور حد اور اللہ تعالی کی انتہا کو مستلزم ہیں اور یہ اللہ تعالی کی نسبت حلول اور مقارنت لازم کرتے

عقائد اسلامیہ میں اس کا بطلان ثابت ہو چکا ہے۔ تو ان الفاظ سے مراد بغیر کیفیت کے سالکین کے حالات ثابتہ اور معنوی نسبتیں

پھر اتصال کا بیان تو پہلے گزر چکا ہے اور باقی رہی معیت تو اسکی مثال روح کی جسم کے ساتھ معیت کی سی ہے پس عالم اللہ کے ساتھ ہے

ہے جیسے روح کی جسم سے معیت ہے اور جسم کی روح کیساتھ اس حیثیت سے کہ وہ بغیر حلول و اتحاد ثابت ہے "اللہ بلند ہے اس چیز سے جو ظالم کہتے ہیں"

لازم ہے کہ سالک اپنے وجود کا تصور اسطرح کرے جیسا کہ بتی میں کوئی عرض جوہر کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ اور اسکے بغیر قائم نہیں

اور مقارنت اور مصاحبت سو انکو بھی بغیر کیفیت کے خیال کرے جیسا کہ صفات اور ذات کے احاطہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ بغیر کیفیت کے

ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالی کو قیامت کے دن ان ظاہری آنکھوں سے دیکھا جائیگا لیکن بغیر کیفیت کے اور یہ ایک کشفی امر ہے

دریں سمجھ سکتا ہے جسکی بصیرت کے آئینہ سے پردہ اٹھ جائے اللہ تعالی کے موافق کہ ہم نے تیرا پردہ تجھ سے دور کر دیا آج تیری نظر تیز ہے

کہ جس طرح معیت کا وجود منتہی کیلئے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کا وجود اور شہود بلندی اور متوسط کیلئے بھی ہر مرتبہ میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ کسی کا

اشارہ کیا ہے۔ شعر: اگر دوست کا نور میرا ساتھ نہ دیتا تو مجھے آگ کے پیچھے کا ہوش کیسے آتا لیکن فرق حجابات کے کشف کے اندازے کے برابر

جب حجابات زیادہ ہو جاتے ہیں۔ تو خطاب کے سورج کا طلوع بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور صحیح حدیث میں اسی طرح اشارہ ہے کہ احسان یہ ہے

کہ اس طرح عبادت کرے جیسے تو اسکو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تو اسکو نہیں دیکھ رہا ہے۔ تو وہ تو بہرحال تجھے دیکھ رہا ہے، اور مراقبہ میں اصل یہی ہے کہ جتنی یہ رویت زیادہ ہوتی جائیگی

یہی شہود بڑھتا جائیگا اور یہی ہر معیت کا منشا اور ہر حضور کی جائے پناہ ہے، اور قرب بھی اسیطرح ہے جیسا کہ اسکی طرف اللہ تعالی کا قول اشارہ کر رہا ہے

"اور ہم اسکی شہ رگ سے بھی اسکے زیادہ نزدیک تر ہیں" سو اللہ تعالی کی طرف سے تو بعد ہرگز نہیں ہے، اللہ اس سے پاک ہے۔ بلکہ قرب بندے کے حجاب کے مطابق ہے تو بندے

وصفاتی کے انوار سے چھٹتے جاتے ہیں۔ اتنا ہی قرب بھی بڑھتا جاتا ہے، تو اتصال اور قرب اور معیت اللہ تعالی کے علم اور ظہور کی جانب سے

کی طرف ہے اسکے اتنے درجات ہیں کہ جن کا شمار اور گنتی بھی نہیں ہو سکتی اور میں ان شاء اللہ آپ اللہ عنہ وارضاہ عنا کے قول انا فی حضرۃ التقریب کے

بیان میں جیسی دعا مجلائی کے تحت اسکو تفصیل سے بیان کرونگا۔ پھر قرب کی قسمیں ہیں قرب فرائض اور قرب نوافل ان سب کا بیان اسی کے ذیل میں

اللہ مجھے توفیق دے کہ میں بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے افادہ کے مطابق حقیقت محمدیہ کے معانی کی وضاحت کر سکوں کیا کہتا ہوں

ہو کوئی علم یقینا تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔ پھر جیسے ابتدائے کلام میں کہا تھا کہ یہ تینوں الفاظ قریب المعنی ہیں جب ہی مجمل طور پر اس کی تفسیر بیان کر دی

میں خیال کرتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کہا ہے۔ تو اسکو سمجھ گیا ہوگا اور میرے دل کا اطمینان انا فی حضرۃ التقریب وحدی کے تحت کر رہا ہوں خدا کے فضل و کرم سے

مقصد پر وہاں سیر حاصل بحث کرونگا تو اس بحث پر فائض ہو کر علوم قدسیہ کے استفادہ کیلئے تیار رہ جس کا ولی شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا

مناجات: اے میرے خداوند تیرے فیض کے شربت سے پیاسے دل سیر ہو گئے اور تیرے ارشاد کی شراب سے پیاسے سینوں نے پانی پیا اور ایک

ایسی حیوۃ طیبہ سے زندہ ہو گئے جس کے بعد فنا نہیں ہے۔ وہ تیرے قدسی ارزاق سے بہترین رزق حاصل کرتے ہیں تیرے قدسی لطف کے

انا تھ پلا گئے کہ اس ایجی اور کرکی زندگی نہیں ہے وہ تیرے انکے پیالوں سے خوش منعم شراب پیتے ہیں مجھے اپنی ہدایت کے پیالوں سے ایک قطرہ عنایت کر دے

انکے سیلنے پھیرے سے بے نیاز کر دے اور مجھے اپنی عنایت کے سمندر سے ایسی شراب پلا جو مجھے تیری ہر بھلائی تک پہنچا دے اس پیاسے کا سینہ نفس امارہ

شریعت مطہرہ کے انوار مجھ پر ٹھنڈے اور سلامتی والے بنا دے اور اس پیاسے کی انتڑیاں حرص و ہوائی آگ سے مشتعل ہو چکی ہیں سو تو طریقہ

بہترین گھاٹ اور واضح نشانے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، محمد تیرے رسول ہیں سو ان پر اپنے جلال کے انوار اور اپنے جمال کے

تعریف مختصر یہ کہ انکا یہ قول مشہور معروف ہے اسکے ثبوت میں کوئی خفا نہیں ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ انگلی مصدر یعنی رفعت شرف ہو اور اپنے مفعول کیلئے
مقصود رکھے ہو اور مفعول ثانی کے ذریعے مراد ہو جیسے لبنة الخیل کی شرح ہے [illegible] حاشیہ میں ایسا لکھا ہے۔ تو اس ترجیح پر یہ با تکلف درست ہو سکتا ہے پھر آپکا قول
اگر مصدر ہو تو یہ تمیز یا حال ہوگا اور اسکو مفعول کے معنی میں لیا جائیگا یعنی مجتمعین کیونکہ وہ مصدر ہے۔ اسمیں مذکر و مؤنث اور مفرد و جمع سب برابر ہیں یا کہا جائے
حال ہو یا مجتمعۃ اگر یہ لفظ مقام سے حال ہو۔ اور یہ اس آدمی کے مذہب پر ہے جو مضاف الیہ اور مبتدا سے حال کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور اگر جمیعا کی جمع ہو تو پھر اسکا
معاملہ ظاہر ہے اسمیں کوئی پوشیدگی نہیں ہے۔ اور پھر آپکا قول ولکن یہ استدراک ہے اس وہم کو دفع کرنے کیلئے جو سامع کو مقام پر قلم کا عطف کرنے سے پیدا ہو سکتا تھا کہ
کسی کا مقام آپ سے بلند تر نہیں ہے کہ یہ علو کی استعداد انکے مطابق ہو یہ یعنی کہ مطلق طور پر اسطرح ہے کیونکہ وہ جو مجھے اس ترتیب کی نیابت میں دیا گیا ہے وہ تمام
اولیاء ماشاء قدس اللہ اسرارہم کے مقام سے بلند تر ہے۔ اور پھر آپکے قول فوقکم میں مضاف محذوف ہے۔ یعنی تمہارے مقام اور اپسے اسلئے حذف کیا گیا ہے کہ معنی ظاہر ہے
اور کلام کی استقامت کا تقاضا بھی ہے۔ اور قول یعنی ہمیشہ علی الدوام بغیر کسی فضل کے میرے لئے اوقات ثابتہ میں متعین ہوا ہو اور اس دوام کا عموم اکثر وقت پر معلوم کرانا ہے کہ
بدون مفارقت کے بعد بھی ترقی جائز ہے۔ اور آپکا قول وقال یعنی تمہارے مقامات بلکہ صحابہ کرام کا مقام میرے مقام سے بھی بہت بلند ہے جیسا کہ [illegible]
لفظ حال کا اختیار فرمایا اور [illegible] چھوڑ دیا جیسا کہ اس کے دم پر مخفی نہیں ہے۔ جسکو اس کلام کا کچھ بھی مذاق ہے اے اللہ حضرت محمد مصطفے علیہ افضل الصلوات پر
مجھے مقام کی قربت میں زیادہ علم عطا فرما۔ البلاغت الکو شریف کہ آپکے مقامات بلند ہیں یا تو اسکے لئے تسلی ہے اس تردد کی جو ان احباب کے قول الا انہم
مقامات سے پیدا ہوتا تھا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ کچھ سمجھیں کہ شیخ کے مقام کے ماتحت بالکل قلوب ہی نہیں قلوب کی طرف کیجئے ہے اور اس کے نیچے جو مراتب ہیں ان میں سے
نہیں تو آپنے اس تردد کو دور کر دیا کہ تیرے مقام کے نیچے بھی قلوب ہے جو علو کی طرف ترقی بھی کر سکتا ہے لیکن میرا مقام اس کی نسبت اعلی ہے اگر چہ اسکی اور بھی ابتدا
اور یا پھر انکو تنبیہ کے بعد تنبیہ کرنے کیلئے ہے جو وہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی تقلید پر اسی طرح مجبور رہتے تھے جیسے کہ شیخ عبدالکریم طلسونی کہ انہوں نے تو یہ بھی
کر لیا تھا کہ انکا مرتبہ بزرگ ترین شیخ کے مرتبہ کے علاوہ سب سے سبقت لے گیا۔ تو اس صورت میں آپکا قول مقامکم العلی سے آخر بیت تک تاکید یا تقریر کیلئے ہوگا۔
اور اسمیں فائدہ یا تو یہ ہے کہ انکے تردد کو دور کرنا مقصود ہے۔ جو کہ قرب کے میدان کے نقصان کا باعث ہے کیونکہ بزرگوں کیلئے برابری یا بلندی کا دعویٰ کرنا سوء ادب
اور یہ حرمت و صحبت کے دعویٰ کی تقاضا ہے۔ اور یا پھر مقامات عالیہ کی طرف ترقی کرنے کیلئے غفلت کی نیند سے بیدار کرنا مقصود ہے کہ وہ اپنے حاصل شدہ مراتب عالیہ پر بیکار نہ بیٹھ
رہے یعنی تمہارے مقامات اگرچہ بلند ہیں اور وہ اپنے مالک کو اسلئے کہ [illegible] والے ہیں لیکن اس کے اوپر بھی کئی ایک مقامات عالیہ ہیں جو تم کو حاصل
اور ان میں ترقی کرنا بھی [illegible] کسی کام میں سو تمہیں لازم ہے کہ تم ان مقامات میں ترقی کرنے کیلئے کوشش کرتے رہو جو تمہارے نیچے ہیں کیونکہ میں بھی ان کے
آیا ہوں کہ تم [illegible] کی طرح [illegible] جیسا کہ معروفہ سے معلوم ہوتا ہے۔ یا تو اس قبیل سے ہے کہ کلام مقابل کیلئے لایا گیا ہے
کیونکہ انکے اعتقاد میں یہ حصر [illegible] یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی ایسا بھی ہو جو ان مقامات کو سلم سمجھتا ہی ہو تو آپنے حصر اس وہم کو دور کر دیا پھر آپنے
کا لفظ زیادہ کیا ہے یہ اس لحاظ سے ہے کہ آپکا قول ان تمام اقطاب کے مقامات سے مجموعی طور پر بھی بلند ہے اور یہ قول ہر ایک مقام کی نسبت سے نہیں۔ اور اس
میں فائدہ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ ان تمام کے مقامات کے مجموعہ کا علو بھی شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے مقام سے نیچے ہے اور علیحدہ علیحدہ ہر ایک کا مقام
بھی نیچے ہے وہ اس قابل ہی نہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کے مقام کا مفضل علیہ نیچے ہونا اسے کہا جائے اور جملہ اسمیہ لانے میں یہ فائدہ ہے کہ آپکے مقامات کی بلندی
ہمیشہ ثابت ہے کسی زمانہ میں بھی انکی انگ نہیں ہوگی اور یہی فائدہ یہ جملہ لانے میں ہے۔ جیسا آپ نے فرمایا مقامی فوقکم ما زال حال پھر اسکے بعد [illegible]
جو اس فائدہ کی تاکید اور تقریر پر دلالت کرتا ہے۔ پھر آپ کا قول قال فرمایا اور اعلی نہ کہا کیونکہ یا شاید اسمیں کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ اپنے سے بلند صحابہ رضی اللہ عنہم کی
نسبت سے دوسرا مرتبہ رکھتے ہیں۔ جو اقطاب شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی نسبت رکھتے ہیں اور اس اشارہ پر کہ [illegible] عقیدہ مقررہ کی روایت ہے اور یہ
کہ کوئی ولی کسی صحابی [illegible] مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا ہے اور معنی پر قرینہ عقل اور عقیدہ ہے جیسا کہ اللہ تعالی کے قول [illegible] اور دوسرے
[illegible] اللہ کی ذات سے [illegible] اس قرینہ کی وجہ سے [illegible] پر دلالت کر رہا ہے اور یہ ترجیح کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے قول [illegible]

[illegible]

۱ پھر آپ کے قول مازال میں یہ اشارہ ہے کہ اولیاء اللہ کے لیے ترقی قیامت تک ثابت اور قبروں میں بھی اور اکثر بڑے بڑے اولیاء اللہ اس طرف گئے ہیں اور اسکی تائید وہ احادیث کرتی ہیں جو قرآن مجید کے قاریوں کے حق میں وارد ہیں جو کہ قرآن مجید پورا کیئے بغیر فوت ہو گئے کہ انکو قبروں میں قرآن مجید دیا جاتا ہے پس وہ اُس کو پورا کر لیتے ہیں چونکہ یہ احادیث بہت مشہور تھیں لہٰذا میں ان تمام کو ذکر کرنے میں مشغول نہیں ہوا بلکہ میں ان سے ایک بہت مشہور حدیث کو بیان کر دیتا ہوں تاکہ کم علم کا ظلم ختم ہو جائے۔ یزید رقاشی سے بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے کہا مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ میت جب مر جاتی ہے اور اس کا قرآن ابھی کچھ باقی ہوتا ہے۔ جو وہ نہیں پڑھ سکی تھی تو اللہ تعالیٰ اسکی طرف فرشتہ بھیج دیتے ہیں جو اُس کو باقی ماندہ قرآن مجید یاد کراتا ہے یہانتک کہ وہ اپنی قبر سے اٹھایا جائے اور عکرمہ سے بیان کیا گیا ہے کہ مومن کو قبر میں قرآن مجید دیا جاتا ہے وہ اس میں پڑھتا رہتا ہے قصہ مختصر یہ کہ مردے اپنی قبروں میں پڑھتے ہیں اور اچھے اعمال کرتے ہیں اور عدم تکلیف کے باوجود اُن کا فائدہ یہی ترقی اور حضور کی لذت ہے جو اُن کو عبادت الٰہی سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ وہ جس حال میں زندہ رہے تھے اُسی میں مرتے ہیں اور جیسے مریں گے ویسے ہی اٹھائے جائیں گے خصوصاً انبیاء اور اولیاء جب کہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس رات انکو معراج ہوا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے گزرے وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے اور ابو محمد سے مروی ہے کہ وہ جمعہ کے دن دوپہر کے وقت قبرستان کے پاس سے گزر رہے تھے کہ میں جس قبر کے پاس سے گزرا اس سے میں نے قرآن پڑھنے کی آواز سنی اور اس طرح کے منقول آثار بہت زیادہ ہیں اگر آپ ان پر مطلع ہونا چاہتے ہیں تو شرح صدور کی کتاب کا مطالعہ کریں اور مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سب صحابہ رضی اللہ عنہم قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں اور یہ معاملہ عقل کی حد سے باہر ہے اسے گندی نگاہیں نہیں دیکھ سکتیں اور اس کی حقیقت وہ آدمی جانتا ہے جس نے تکرر بشری کے پردے اپنی بصیرت کی آنکھ پتلی سے دور کر لیئے ہیں اے اللہ ہماری بصیرت کی آنکھوں کے پردے دور کر دے یہانتک کہ ہم اشیاء کی حقیقت کو اصلی صورت میں دیکھ سکیں اور ہمیں مصیبتوں کے تھپیڑوں اور کھیل تماشے کے حجابات سے محفوظ رکھ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے میں ہی ظالموں سے تھا اور مجھے قصیدہ خمریہ کے حقائق دقائق میں زیادہ علم عطا فرما اے اللہ اے پروردگار اے رحمٰن اے رحیم

توضیح کی تنقیح

یہ تو آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ اولیاء اللہ کے لیئے ثابت مقامات میں فرق ان پر وارد ہونیوالی تجلیات کے فرق کے اعتبار سے ہوتا ہے مثلاً جو سورج کے زیادہ قریب ہو اس کا نور دور والے کی نسبت زیادہ قوی ہوگا پس اولیاء اللہ تمام کے تمام عام اولیاء سے لیکر خواص اولیاء تک سب حضرت احدیت ولاہیت کے سورج کے گرد ذرے ہیں اور اس بارگاہ کے انوار سے روشنی حاصل کرنے میں مختلف درجات ہیں دلوں کی زمین انہی کے مطابق روشن ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کیلئے الگ الگ مقام ہے ان میں سے بعض بعض سے بلند ہیں جب ان میں سے کوئی آدمی نچلے مقام سے اوپر کے مقام پر ترقی کرتا ہے تو وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اب اس سے زیادہ بلند مقام اور کوئی نہیں ہے اور اس کی وجہ سالک میں قوت ممیزہ کا عدم کمال ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ منصور حلاج نے انا الحق کہا اور سلطان العارفین نے سبحانی ما اعظم شانی کہا کیونکہ یہ دونوں مرتبہ وسطیٰ اور مرتبہ عالیہ میں تمیز نہ کر سکے انہوں نے ادنیٰ درجہ کو اعلیٰ سمجھ لیا اور یہ یقین کر بیٹھے کہ یہ آخری مقام ہے حالانکہ یہ مقام انتہائی مغلوبیت اور خالص سکر کا تھا ان کو ایسے معلوم ہوا کہ شیشہ اور چراغ ایک ہی ہیں تو شیشہ پکار اٹھا کہ میں چراغ ہوں اور یہ امر عدم تمیز اور سکر سے پیدا ہوا شیخ اجل رضی اللہ عنہ ورضا عنا نے اپنے کلام میں فرمایا اور عبد الغنی نابلسی قدس سرہٗ نے تکملہ میں آپ کے ترجمہ میں آپ کا قول فارسی زبان میں نقل کیا ہے۔

بعض عارفوں کو اس شراب سے ایک قطرہ چکھایا ہے اور اس جام سے ایک گھونٹ اُن کے حلق میں انڈیلا ہے تو اسکی روح مدام

کی مجلس میں خوشی سے رقص میں آگئی اور بدن کا پہاڑ اور دل کا موسیٰ حرکت میں آگئے جب نفلی کی بجلی کوندی تو انہوں نے محبوب کا لذت کہ
اور اپنے غلبہ سکر اور عشق کے امتلا کی وجہ سے انا الحق کہہ دیا اور ایک دوسرے ندیم نے غلبہ سکر میں فرمایا کہ سبحانی اور بہ معنوں کی ایک جماعت
قفسوں سے مفارقت کر گئی اور شوق کے پرندوں کے عشق سے فضاؤں سے اڑنے لگے اور وہ جب کے بے بس ہو گئے اور ازل کی وادی کا مقصود
تا کہ قدم کے طور سے مشاہدہ کے دل نے جنہیں ناگہاں عظمت کی راہ سے وہ طلب کے حماموں میں گیا پس جو کوئی آسمانوں یا زمین میں تھا وہ بیرون
ہو گیا تعجب انہوں نے چاہا کا ظہور ہوا انتہی اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں ایک نے عارفوں میں سے دعویٰ کے افق پر انا الحق کے راز سے پرواز کی
اس نے ابدیت کی زمین کو انیس اور جلیس سے خالی دیکھا تو معمول کے خلاف حقیقت کے اظہار کیلئے ایک آواز نکالی تو بادشاہ کے عتاب
نے جو اللہ تعالیٰ جہانوں سے بے نیاز ہے کی غیرت سے نکل کر ہر نفس موت کو چکھنے والا ہے کے پنجہ اس کے چہرے میں گاڑ دیئے اور زبان
کے بدبخت نے اس کو اس طرح کہا کاش کہ تو بغیر ظہور طرب کے ترنم ریزی کرتا اب اپنے وجود کے قفس میں آ اور عزت کے قدم سے عذاب
کی سمت کی طرف آ اور اعتراف کی زبان سے کہہ واحد کی حب واحد کو اکیلا بیان کرنا ہے تاکہ تمام ارباب دعویٰ سننے اور جاننے کہ ملامت کے طریق اور
مذمت شریعت کے مخالف کا شامل ہے پھر ایک اور میں فرمایا ان عارفوں میں سے بعض کی عقل کے پرندہ نے صورت کے درخت سے پرواز
کی آسمانوں پر پہنچا فرشتوں کی صفیں پھاڑ دیں اور وہ بادشاہ کے بازوں میں سے ایک باز تھا انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے کہ دھلکے سے
اس کی آنکھیں سی دی گئیں پھر اس نے آسمان میں اپنا مطلوب شکار نہ پایا پس اس پر رایت بل ابی نے اپنے رب کو دیکھا کا رشتہ نمودار
ہوا تو اپنے مطلوب کے تو اس کی حیرت اور زیادہ بڑھ گئی تم جدھر بھی منہ کرو اسی طرف اللہ کی توجہ ہے اس جگہ سے اس نے زمین کے خلاء
دیواری کی طرف تنزل کیا وہ ایک چیز طلب کر رہا تھا جو تمام اشیاء سے زیادہ قیمتی ہے وجود سے پھر غفلت کے چشمے سے ملقب سمندر کی
گہرائی تک چلا گیا اس نے آثار کے سوا اور کچھ نہ دیکھا آخر میں چلا گیا وہ کا مطلوب کہیں نہ پایا اس طرف سے اس کے محبوب نے اس کو دیکھا
وہ خوشی میں آ گیا اور اپنے دل کے صدق کی زبان سے کہا اور خیمے انا الحق کی ترنم ریزی کی جو انسان کے معمول کے خلاف ہے اور یہ نغمہ اس نے
وجود کے باغ میں الاپا جو کہ بنی آدم کے لائق نہیں تھا اس نے اپنی صورت سے آواز پیدا کی کہ اپنی ہلاکت کا خود سامان پیدا کر لیا اس کے اندر سے
آواز آئی کہ اے حلاج کیا تو اعتقاد رکھتا ہے کہ تیری قوم تیرے ساتھ ہے اب کہو جمیع العارفین کی نیابت ہے۔ ایک کی محبت ایک کو اکیلا کرنا
ہے۔ انتہی اب چاہیے کہ تو اس کلام کی حقیقت کو پائے تاکہ تو معاملہ پہچان لے کہ ایک تجلی ذاتی ہے۔ اور ایک تجلی صفاتی ہے اور ان میں سے ہر
ایک کو ہم نے اوپر ذکر کر دیا ہے۔ اس کو یاد رکھنا چاہیے تاکہ حقیقت واضح ہو جائے خلاصہ یہ ہے کہ تجلی صفاتی کے وقت سالک پر مغلوبیت
اور سکر غالب ہوتا ہے۔ اور شطحیات کا ظہور ہوتا ہے۔ پھر جب تجلی ذاتی اسکو مضمحل کرتی ہے تو صحو اور پوری ہوشیاری آ جاتی ہے اور وہ جو
حقائق کی اصلیت ہے وہی اسکی زبان فیض ترجمان سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور وہی کہتا ہے اس وقت شریعت سے بال برابر بھی باہر نہیں ہوتا
لیکن ضروری ہے کہ اس کی تجلی صفاتی کے وقت کی کلام اور تجلی ذاتی کے وقت کی کلام میں فرق کیا جائے پہلی حالت میں شرعی حفظ کی حقیقت
نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی مغلوبیت اور سکر کی وجہ سے کہتا ہے۔ اسکی کلام کی مغلوبیت و معذوریت کے سوا اور کوئی تاویل نہیں ہوتی اور یہ
طریقت کی مجبوریاں جو معذوریاں احکام شرعیہ میں معتبر نہیں یہی وجہ ہے کہ منصور حلاج کو سولی پر چڑھا دیا گیا کیونکہ تاویل اور معذوریت
اس وقت مقبول ہوتی ہے جبکہ اس کا مالک خود اپنے کلام میں ان کے وجود کا اقرار کرے حالانکہ اس حالت والا اس خیال سے کلام کرتا ہے
کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے وہ قطعاً صحیح ہے حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا پھر اس کا کلام اگرچہ وہ اسے حق سمجھتا ہے حق نہیں ہوتا تو

پھر اسے شریعت احمدیہ علی صاحبہا الصلوات والسلام کے حکم کے مطابق سزا دی جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب بایزید بسطامی پر اصل حقیقت واضح ہو گئی تو انہوں نے فرمایا اگر میں نے کسی دن سبحانی کہا تھا تو میں اب اپنے زنار کو لا الہ اللہ کے قول سے توڑتا ہوں اور منصور پر یہ حقیقت واضح نہ ہوئی۔ لہذا سولی پر چڑھا دیا گیا۔ لیکن اپنے قول انا الحق سے جس کو وہ صحیح سمجھتا تھا رجوع نہ کیا اور اس کے خلاف اقرار نہ کیا۔ پھر اگر آپ سوال کریں کہ آپ منصور جیسے لوگوں کے متعلق ایمانی حیثیت سے کیا کہتے ہیں کہ اس کا انا الحق کہنا فرعون کے قول کی طرح تھا یا نہیں، تو میں کہوں گا تجھ پر افسوس ہے کہ فرعون اور منصور کے درمیان ظاہر اور حقیقت دونوں لحاظ سے بہت بڑا فرق ہے۔ ظاہر میں تو اس لیے کہ منصور شریعت کے احکام اور امر اور نواہی کا پورا معتقد تھا وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تصدیق کرتا تھا، نمازیں پڑھتا تھا، روزے رکھتا تھا اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا عقیدہ رکھتا تھا۔ لیکن وہ صرف اتنا کہتا تھا کہ اس ظاہری وجود میں اب اس کی کوئی چیز باقی نہیں ہے۔ بلکہ یہ خداوندی وجود ہے۔ اس میں کوئی کدورت اور ظلمت نہیں ہے۔ بلکہ "اللہ ہی آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے" اور "روشن ہو گئی زمین اپنے رب کے نور سے" اس طرح کہ گمان ہوتا ہے کہ شیشہ عین چراغ ہے اور یہ ایک صحیح تاویل کے ساتھ مؤول ہو سکتا ہے۔ اس کے قائل پر کفر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ باقی رہا فرعون کا قول تو وہ عین سے پیدا ہوا ہے۔ اور اس وجود کے لیے الوہیت کا دعویٰ اور اپنے لیے الوہیت کے وجود کا ادعا صریحاً کفر ہے۔ پھر اگر یہ سوال کریں کہ اگر منصور کا کلام قابل تاویل تھا اور اس کا شریعت حقہ پر اعتقاد تھا تو پھر اسے سولی پر کیوں چڑھایا گیا! میں کہتا ہوں اس کو سولی پر چڑھانا شرعی زجر کی حیثیت سے تھا کہ ملاحدہ میں سے ہر ایک مقلد ان جیسے کلمات سے سہل انگاری نہ کرے یہ حد اس پر ظاہر کی حیثیت سے نکالی گئی تھی اور باقی رہی بات باطنی حیثیت سے تو اس میں کئی ایک اسرار ہیں جن پر سوائے اس آدمی کے اور کوئی مطلع نہیں ہو سکتا کہ جس کو نور ملا ہو اور خداوندی عروج کی طرف راہنمائی کر رہا ہو۔ اور پھر حقیقت کے لحاظ سے یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو وادی ایمن میں درخت سے انوار کے ظہور کے بعد یہ آواز سنائی دی کہ میں "اللہ ہوں" تو ہم نے اس کو سچ مان لیا۔ کیونکہ یہ اس اللہ کا کلام ہے۔ جس میں کسی طرح کا کوئی تغیر و تبدل نہیں تو ان دونوں سے انوار کے ظہور کی حیثیت سے یہ ایک نظیر ہو گی۔ پھر جب شریعت میں ایک درخت سے "میں اللہ ہوں" کی آواز معتبر مان لی گئی ہے۔ اور اس پر کوئی اعتراض نہیں تو ایک کامل انسان میں جو ربانی احمدی صلی اللہ علیہ وسلم تربیت سے تربیت یافتہ ہو کیوں اس کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی معنی میں ایک عارف نے کہا ہے۔ شعر

"اگر تو درخت سے انا الحق کو جائز سمجھتا ہے تو کسی نیک بخت سے اس کو جائز کیوں نہیں سمجھتا"

اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ مقولہ مدعی الوہیت کے مقولہ سے بالکل الگ ہے۔ ان دونوں میں فرق ظاہر ہے۔ میں تو اس کلام میں فرق اس لیے مشغول ہو گیا کہ کم علم آدمی کا ظلم ختم ہو جائے اور صدیق کے کلام کو زندیق کے کلام پر قیاس نہ کیا جائے۔ پس منصور کے کلام میں اور سبحانی میں کچھ اسرار ہیں۔ جن کو صاحب نور و بصیرت کے سوا اور کوئی نہیں جان سکتا۔ پھر بعض کاملین نے منصور قدس سرہ کے قول کے معنی کی تحریر اور شرح میں کہا ہے "اے محبوب درویش تجلی صفات میں ایک قسم کا استغراق ہوتا ہے پس سالک اپنے آپ کو اس کی صفات میں سے کسی صفت کے جمال کے ساتھ دیکھتا ہے یعنی ذات جائز الوجود (انسان) واجب الوجود (خداوند تعالیٰ) کی صفات میں مستغرق ہو کر صفات میں سے کسی صفت کے جمال نور بن جاتی ہے۔ اور واجب الوجود کی وہ صفت

جذبیت میں آجاتی ہے اور وجود جائز الوجود کو ختم کر دیتی ہے اور پھر واجب الوجود اس انسان کی زبان سے کلام کرتا ہے اور کہتا ہے سبحانی اور انا الحق پس وہ انسان نہیں کہتا بلکہ واجب الوجود کی وہی صفت انسان کی زبان سے بولتی ہے۔ جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "حق ان کی زبان پر بولتا ہے"۔ اے محبوب! خدا کی قسم وہ شرح جو اس تیرے فقیر پر ظاہر ہوئی ہے۔ اگر سبحانی اور انا الحق کہنے والوں سے پوچھتے تو وہ بھی اس کو اس طرح بیان نہ کر سکتے۔ خداوند کی قسم وہ شرح مذکور کے بیان کرنے میں عاجز ہوتے یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ میں سے کسی نے بھی یہ شرح نہیں کی ہے۔ پس اہل ظاہر نے یہ کلام انسان سے سمجھا اور کہنے والوں کو تکلیف پہنچائی۔ اگر تو غور سے دیکھے گا تو تجھ کو معلوم ہو جائے گا کہ تجلی ذات میں کلام نہیں ہوتا۔ کلام صرف تجلی صفات میں ہوتا ہے میں کیا کروں آج ابن عربی زندہ نہیں ہے ورنہ میں اس سے کہتا جو کہتا اور وہ سنتا اور جانتا کہ وہ جو اس نے کہا ہے کہ منصور پر تجلی ذات تھی اور وہ افراد کا مقام رکھتا تھا"۔ یہ صرف عدم تحقیق کی بنا پر ہے۔ کیونکہ اگر منصور حلاج کو تجلی ذات ہوتی تو وہ کبھی انا الحق نہ کہتا اور دوسرا سبحانی کا نعرہ نہ لگاتا۔ کیونکہ تجلی ذات میں محویت ہوتی ہے اور محو کو کیا خبر کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں جو سبحانی اور انا الحق کہے کہ اس انا اور کی میں اپنی حقیقت مراد ہے پس وہ جو حق اور میں کہتا ہے وہ مقام محو میں کہاں ہے۔ کیونکہ محویت تجلی ذات میں کلام نہیں ہوتا جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "جس نے اپنے رب کو پہچان لیا اس کی زبان گنگ ہوگئی" اس حدیث سے تجلی ذات مراد ہے۔ لیکن تجلی صفات و افعال و آثار و اسماء کلام کرنا جائز ہے۔ جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے جس نے اپنے رب کو پہچان لیا اس کی زبان لمبی ہو گئی۔ اس حدیث سے تجلی صفات اور اس کے علاوہ مراد ہے۔ تجھے اس میں اچھی طرح غور و فکر کرنا چاہیئے اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اور شاید اس کامل کی اس منقولہ سے کہ "کلام تجلی صفاتی میں ہوتی ہے ذاتی میں نہیں ہوتی"، یہ مراد ہو۔ کہ مخلوقات جائزۃ الوجود میں کلام کے پیدا ہونے کا مقام تجلی صفاتی ہے نہ کہ ذاتی۔ ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معارف میں کلام ثابت ہے آپ نے فرمایا "میں بغیر میم کے احمد ہوں"، "اور میں نبی تھا اور آدم ابھی پانی اور مٹی میں تھے"۔ "اور میں ماحی ہوں"۔ "اور میں قاسم ہوں"۔ اور ان کے علاوہ اور حکمات بھی اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہا نے کہا "میں پہلا تھا میں نوح اور ابراہیم کے ساتھ تھا"۔ "میں آخری پیغمبر ہوں" اور اس طرح کے اور حکمات بھی اور پھر فرمایا وما قلت هذا القول الا انما انی من حیث لسانی حقیقۃ باوجود اس کے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہا جو آپ کے نائب ہیں کہ تجلی ذاتی کا وجود یقینی ہے۔ اس طرح مدلل ہے کہ اس کا کسی طریقہ سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس کلام میں کچھ اور توجیہات ہیں جن کے اظہار سے ادب مانع ہے۔ اور ہمارے مذکورہ بیان کو اگر تو اچھی طرح پڑھے گا تو تو ابن عربی کے کلام کی توجیہ کرنے پر قادر ہو جائے گا۔ اور وہ یہ ہے کہ منصور قدس اللہ سرہ تجلی ذاتی میں تھا اور وہ افراد سے تھا، اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اور وہی اولیا کی مراد کو خوب جانتے اس کو اچھی طرح سمجھ لے۔

جب تو نے یہ معلوم کر لیا تو اب یہ جاننا چاہیئے کہ اولیا پہلے مرتبہ میں تلوین اور تصریف میں اور دوسرے مرتبہ میں تمکین اور قرار میں مختلف ہیں بہت سالک ایسے ہیں کہ ان پر پہلے مرتبہ میں تجلی وارد ہوتی ہے۔ اور اسی طرح دوسرے پر بھی پہلے مرتبہ میں لیکن دونوں تجلیاں اگرچہ وہ ایک ہی قسم سے ہیں۔ قوت اور کمی بیشی میں الگ الگ ہو جاتی ہیں۔ اور پھر آخری تجلی کا بھی یہی حال ہے پھر تمکینات کچھ کے بعد قوت جو ہیں کا بھی یہی حال ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلمات یعنی اولیا تمکین کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے کمالات نا متناہیہ میں الگ الگ ہو

جنہیں جب کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہا نے اپنے قول ولا نلتم علوی واتصال اور اسی طرح مقامی فوقکم ما زال حال
اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ہم اس کو پہلے بیان کر چکے ہیں اس کو یاد رکھ اور مقامی فوقکم کے قول سے یعنی ہو کہ اس پر بیان کی ہے
یعنی اقطاب کو تسلی دینے کے بعد کہ تم بھی بلند درجات پر فائز ہو لیکن ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔ سو تم سستی نہ کرو اور غم نہ
کرو اور تم ہی بلند ہو گے۔ اور یہی وہ فرق ہے جو اس بیت اور آپ کے قول ولا نلتم علوی واتصال کے درمیان مقصود ہے۔ سو اس کو
تکرار سمجھ لینا۔ کیا آپ غور نہیں کرتے کہ ایک ہی قصہ کے متعلق قرآن مجید کی آیات میں کبھی تکرار کا وہم ہو جاتا ہے اور اس سے خدا کی پناہ بلکہ
ہر ایک اعادہ میں ایک ایسا فائدہ ہوتا ہے جو پہلے میں نہیں ہوتا اور اس امر پر صرف وہی مطلع ہو سکتا ہے۔ جس کا دل صاف ہو چکا ہو اور
جس کا دل منیر ہو چکا ہو۔

تزیرنی تصقیل مرآت من البیت :۔ اے شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہا کی ارادت کے آئینہ میں اپنے شہود کا چہرہ
بصیرت کی نگاہ کو تیز کرے تاکہ میں تجھے اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہا کے ارشاد کو
سمجھنے والے اپنی بصیرت کے حقائق کی تصویر دکھا سکوں۔ اے اقطاب دوستو! تم نے میری شراب پی ہے اور میرے مقامات اور حالات کی بلندی کو
دیکھا ہے۔ تم ان کی بلندی دیکھ کر حیرت میں ہو اور تم ان کی رفعت سے پریشان ہو یہاں تک کہ تم میرے بلند مقام کو دیکھ کر یقین کر بیٹھے
ہو کہ تم کوئی شے بھی نہیں ہو سو تم سست نہ ہو جاؤ اور غم نہ کھاؤ اور اگر تم مومن ہو تو تم ہی بلند ہو یعنی اگر تم یقین رکھنے والے ہو اور ظہیر
کے تعلق سے فارغ ہو۔ اور شوق کے عاشق ہو جو مقامات عالیہ کی طرف بسر کرنے سے ترقیات کا باعث ہے۔ سو تم پر لازم ہے کہ تم قول ثابت
پر اپنے نفسوں کو ثابت قدم رکھو یعنی اقرار اور تصدیق حقیقی کہ جس کے باعث تم حقیقت ایمانیہ اور دقیقہ ایقانیہ کی حیثیت سے شہود ایقانی
و وجود عیانی کے درجہ تک پہنچے ہو کیونکہ تمہارے وہ مقامات جن پر تم پہنچے ہو فی نفسہا بڑے بلند اور رفیع المرتبہ ہیں اگرچہ وہ میرے مقام کی
نسبت سے نیچے سے بھی نیچے ہیں۔ سو تم پر لازم ہے کہ بلندی اور تجلی کے حاصل کرنے میں کوشش کرو۔ یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ تم میرے بلند
مقام کو حاصل نہ کر سکنے کی وجہ ہمت ہار جاؤ کیونکہ میرا مرتبہ تو دن بدن بلند ہو رہا ہے۔ مجھے قرب میں وہ مقام حاصل ہوا ہے کہ یہ مقام
کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکا اور وہ ہے ترقی کلی۔ کیونکہ میں رضا کے میدان میں اور صفا کی زمین میں ہمیشہ کھاتا پیتا رہا ہوں۔ اور
پہلے اولیاء کے سورج تو غروب ہو چکے ہیں۔ اور میرا سورج ہمیشہ بلندی کے افق پر رہے گا۔ غروب نہ ہو گا۔ میری بصیرت کی آنکھ سے
پردے زائل ہو چکے ہیں۔ مجھے ساقی نے وہ جمال دکھایا ہے جس کی تعریف بیان نہیں کی جا سکتی۔ سو مشاہدہ حقیقی میں کلاً وجدا
درمیان سے غائب ہو چکا ہوں۔ سو میں ہر آن اللہ تعالیٰ کے کمالات لا متناہی میں ہوں۔ ما زال حال۔ سو تم پر لازم ہے کہ میرے قدموں پر چلنے
اور اللہ کی نگاہ سے دیکھو یہاں تک کہ تم مقامات عالیہ پر پہنچ جاؤ پھر تم کو معلوم ہو گا کہ ہر علم والے پر کوئی اور علم والا بھی ہے اور ہر ایک کی
حد کی قائم کرنے والے سے قائم ہے سو اس کے کمالات جزئیہ کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اگرچہ اس کی طرف وصول کلی نوعی کی ایک
معین حد ہے۔ اور وہ سیر الی اللہ۔ لیکن سیر فی اللہ کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ سو بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہا اپنے قول
ولا نلتم علوی واتصال میں ہو سکتا ہے۔ کہ اشارہ کر رہے ہوں کہ میرا وصول نوعی بھی تم سے بلند ہے تم اس تک نہیں پہنچ سکتے
اور کہ بیت میں آپ اشارہ کر رہے ہوں کہ وصولات جزئیہ میں بھی جن میں میں ترقی کر رہا ہوں۔ تم میرے برابر کسی طرح نہیں ہو سکتے کیونکہ تم جتنا
بھی اوپر بڑھتے جاؤ میں بلند ہی ہوں گا۔ اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت کرے اور اپنی رحمت سے جسے چاہے خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

Scanned by CamScanner

اور میرے دل میں آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہا کے قول کہ "میرے یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہیں"، کی ایک بہت اچھی تعبیر آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام پہلے اور پچھلے اولیاء کے مراتب ماسوائے صحابہ کرام اور مہدی رضی اللہ عنہم وارضاہم عنہا کے آپ رضی اللہ عنہ کی ترقی کی نسبت سے اس جھکی ہوئی رکاب کی طرح ہے جو آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہا کے مراتب اور وصولات کے پاؤں کے نیچے ہے، جو جیز تک رکاب سوار کے پاؤں کے پیچھے رہے گی پھر جب بھی صاحب رکاب (سواری) کسی بلندی پر چڑھے گا تو وہ سوار بھی بلند ہو جائے گا یعنی پاؤں اس کی رکاب پر ہیں۔ سو اولیاء اللہ اگرچہ وہ کتنی ہی ترقی کرتے جائیں شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہا کے پاؤں کے نیچے ہی رہیں گے اور آپ رضی اللہ عنہ کے قول اعطانی المولی اجل ولایة یعطہ لغیری الی یوم القیامة کا یہی معنی ہے اے اللہ قصیدہ فخریہ کی معنی کی تحریر میں میرے علم کو زیادہ کر دے اور اس کے اسرار میں فہم کو زیادہ کر دے اور اس نکتہ کے لیے تو مجھے الہام کی زبان سے کہا گیا ہے تیرا ایسا شان ہے جو تیرے سوا کسی کو نہیں ملا۔ اور میں تجھے ردّ سے مامون قرار دیتا ہوں اور حاصل کلام یہ ہے کہ نائب کا قیام نائب بنانے والے کے قیام سے ہے۔ جب نائب بنانے والا خاتم النبیین ہے۔ اس کے بعد کوئی نبی نہیں ہے تو اس کے سایہ میں نائب بھی ایسے مقام پر پہنچا کر وہ مقام آپ رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی کو نہیں دیا جائے گا۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معنی اس طرح ہوں اے اقطاب! ادخلوا اس شراب کے پینے کے بعد جو تم نے میری بچی ہوئی شراب سے پی، پر یہ خیال نہ کر بیٹھنا کہ تم مرتبہ میں میرے ساتھ برابر ہو گئے ہو کیونکہ تمہارا مقام اگرچہ بلند ہے لیکن میرا مقام ہمیشہ تم سے بلند رہا ہے لیکن نہیں کہ تم وہاں تک پہنچ سکو سو اس خیال سے باہر آ جاؤ اور اپنی استعداد کے مطابق من و سلویٰ کھاتے جاؤ تو اس صورت میں اس کلام میں ادب کی تعلیم ہوگی کہ مرید اپنے شیخ کے برابر کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا خصوصاً جب کہ شیخ اللہ کا محبوب ہو جس کے حق میں کہا گیا ہو کہ "تیرے قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہیں" اور اس شیخ کو دوسرے شیوخ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان میں تو مرید کی شیخ کے ساتھ برابری جائز ہے بلکہ اپنے شیخ سے بڑھ جانا بھی جیسا کہ یہ بحث اپنے مقام پر مذکور ہے اور اس لشکری کے لیے ڈانٹ ہے۔ غوث اعظم شیخ محی الدین کہ جس سے دین زندہ ہوا، اور اسلام مضبوط اور طاقت ور ہوئی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اولیاء اللہ میں سے ایک آدمی اپنے ذہن میں یہ خیال کرتا تھا کہ شیخ کی وفات کے بعد آپ کے مرتبہ کا وارث بنوں گا۔ اور آپ کے درجہ کی کرسی پر بیٹھوں گا۔ تو شیخ اپنے علم کی بنا پر اس سے مطلع ہو گئے۔ آپ نے اس پر قہر کیا اور اس کو نکال دیا اور اس کا حال چھین لیا یہاں تک کہ اس نے بہت سے اولیاء اللہ کی سفارشات بھی مہیا کیں۔ پھر شیخ نے اس کو فرمایا تم نکلے چلے جاؤ اور بچ کر رہو تیرے خیالات کی یہی جزا ہے۔ جب یہ ولی سو میل یا اس سے کچھ زیادہ فاصلہ طے کر گیا تو شیخ نے اس کی طرف نگاہ ڈالی وہ اپنی رگوں میں سے نکلنے والے خون میں غرق ہو گیا۔ اور اسی حال میں مر گیا اور شیخ نے اپنی قہر کی حالت میں یہ کہا تھا کہ میں اس کو اس وقت چھوڑوں گا جبکہ وہ اپنی رگوں سے نکلنے والے خون میں غرق ہو جائے گا۔ بزرگ ترین شیخ نے سچ فرمایا۔ کہ انہوں نے اس دنیا سے کوچ کرنے وقت اپنے بعض بیٹوں سے فرمایا تھا۔ مجھے دوسرے اولیاء اللہ پر قیاس نہ کرو میرے اور ان کے درمیان اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ زمین و آسمان میں، اور اس قول جزل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ بلندی جو آپ کے قول ما زال میں معتبر ہے وہ کامل بلندی ہے جیسے آسمان زمین پر بلند ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا، "اور ہم نے ان کے بعض کو بعض پر بلندی عنایت فرمائی۔ اور وہ لوگ جو علم دیئے گئے ہیں۔ ان کے کئی ایک درجے ہیں۔ اے اللہ ہمارے دلوں کو منور کر دے اور ہمیں سیدھے رستے کی طرف راہنمائی کر

Scanned by CamScanner

بیشک تو بلند اور حکمت والا ہے۔

فائدہ۔ پھر اس تعریف بیان اور بلندی و صراحت میں کئی ایک اشارے ہیں پہلا یہ ہے کہ اقطاب کو بلندی کی طرف ترقی کے متعلق تسلی فرمائی ہے کہ وہ باوجودیکہ اپنے مقصد پر پہنچ چکے ہیں۔ پھر بھی ترقی کریں گے۔ دوسرا یہ کہ تم پر کوشش کرنا لازم ہے یہاں تک کہ تم بلندی تک پہنچ جاؤ سو تم سست نہ ہو جاؤ اور یقین کرو۔ اور تیسرا اشارہ یہ ہے کہ میرے قدموں پر چلے آؤ اور میری نگاہ کا مراقبہ کرو رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہا، اور چوتھا اشارہ یہ ہے کہ تمہارے سب کے مقامات اکٹھے ہو کر بھی میرے مقام تک نہیں پہنچ سکتے پھر ایک ایک کا مقام میرے سامنے کیا حیثیت رکھتا ہے۔ عبدالرحمن طفسونجی کی کیا حیثیت ہے جس نے یہ دعوٰی کیا لیکن جب اس پر حال منکشف ہوا تو اس نے آپ کی فضیلت کی تصدیق کی اور آپ کی مہمانی سے کھانا کھایا اور کہا وہ خالص وجود میں صاحب تصرف ہیں۔ اور شیخ اصفہان کی کیا حیثیت ہے کہ اس نے آپ کے قول میں کہ میرے یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہیں۔ آپ کے قدموں کی طینت سے انکار کردیا۔ پھر اس کا حال سلب ہو گیا پھر اس نے توبہ کی لیکن چونکہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی تقدیر بربادی اور سلب کی تھی۔ لہٰذا اس کی توبہ قبول نہ ہوئی۔ شاید وہ اپنی توبہ میں سچا نہیں ہوگا ورنہ خدا تعالیٰ کی جناب تو گنہگاروں کی جائے پناہ اور بے آسروں کا سہارا ہے۔ اے ہمارے خدا اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔ اور پانچواں اشارہ یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہا کی ترقیات غیر متناہی ہیں۔ جیسے کہ آپ کو نائب بنانے والے صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ آپ ہر روز ایسی حالت میں ترقی کرتے ہیں۔ جو گذشتہ روز سے بلند تر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو آپ پر درود پڑھنے کا حکم دیا ہے اور مرید اپنے شیوخ کو خیرات پہنچانے میں بلکہ اولاد اپنے ماں باپ کو بھی نیکی پہنچانے میں درجات پر فائز ہوتی ہے اور عذاب کی گھاٹیوں سے رہائی حاصل کرتی ہے۔ جب کہ یہ ایک مشہور مسئلہ ہے اور احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ اموات کو زندوں کی خیرات سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اور چھٹا اشارہ یہ ہے کہ موت کے بعد بھی ترقی ثابت ہے یہی وجہ ہے کہ مالاً کا لفظ آپ نے استعمال کیا جو زندگی کے زمانے کی عدم قید پر دلالت کرتا ہے اور ہم اس کو پہلے بھی بیان کر چکے ہیں اور آئندہ بھی کریں گے اور عنقریب اس کے متعلق کلام ہوگا کہ آپ کے قول مقامی میں مقام سے مراد تخت ہے اور یہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے قول الخمر والمخدع مقامی کے تحت بیان ہوگا اے اللہ میرے سینے کو کھول دے اور اپنے نور اور فضل سے قصیدہ خمریہ کی شرح میں میرا کام آسان کر دے اے اللہ اے رحمان اے رحیم آمین اے رب اے بادشاہ میری دعا کو قبول فرما تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ملکوں کا مالک ہے ہر آدمی تجھ سے ایک علم اور یقین رکھتا ہے مجھے اس آدمی کے یقین پر قائم کر جو تیرے حبیب نبی حجازی کی اتباع کرے اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہا کی جناب میں ان کے انوار و اسرار سے پوری ارادت نصیب فرما۔ اللہ ان کے نام پر رحمت نازل فرمائے اور ان سے خوش ہو۔

تمثیل حال۔ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے کہ تمام اولیاء اللہ کے حالات ان کی نگاہوں اور علم میں ہیں آپ ہر ایک کی حالت کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ کیا آپ غور نہیں کرتے کہ جب بادشاہ اپنے ایسے تخت پر بیٹھتا ہے کہ جس سے بلند اور کوئی جگہ نہ ہو تو اس پر ہر چھوٹی بڑی چیز ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس کے علم سے اس کے عرش کے نیچے کی ہر ایک ذرہ برابر چیز بھی مخفی نہیں رہتی۔ پھر وہ بیٹھنے والوں اور اپنے مقام میں کھڑا ہونے والوں سے خطاب کرتا ہے کہ اے میری بارگاہ میں اپنے اپنے مقام پر بیٹھنے والے میرے تابعدارو اس مجلس کو غنیمت سمجھو اور اس ناموس سے بندگی حاصل کرو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مشرف فرمایا ہے۔ اس

Scanned by CamScanner

فضیلت سے تمہارے مقامات کی بلندی ثابت ہو گئی ہے سو تم مضبوطی سے اپنی جگہوں پر ثابت قدم رہو اور ڈگمگا نہ جاؤ میرے جلیس معزول نہیں ہوتے اور میرے دوست ذلیل نہیں ہوتے کسی ایسے آدمی سے حال سلب نہیں ہوگا جو میرے دروازہ میں داخل ہوگیا۔ اور اس پر قہر نہ کیا جائے گا جو میرے دوستوں میں بلند رتبہ ہوگیا سو تمہارا مقام ہمیشہ بلند رہے گا لیکن میرا مقام تم سب سے زیادہ بلند رہے گا۔ میں تمہارے حالات کو جانتا ہوں اور تمہارے حال اور مقام کا محافظ ہوں اور تم میرے ان کوائف کو نہیں جانتے جو اللہ تعالیٰ اور میرے درمیان جاری ہیں۔ سو میرے حال اور مقام کو صرف میرا وہ خدا ہی جانتا ہے۔ جس نے میرے نانا مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں میری پرورش فرمائی وہ جود و کمالوں کے اندازے تک پہنچایا اس سے بھی قریب سو میرے رب ہی کی طرف انتہا ہے وہ خدا اپنی خاص حفاظت سے میری نگرانی فرماتا ہے اور اپنی تصریفات میں الٹ پلٹ کرتا ہے وہ ذوالجلال بادشاہ ہے سو تم میری تصریف میں ہو جس سے مجھے اللہ تعالیٰ نے مشرف فرمایا ہے اور خدا وند تعالیٰ کی تصریف میں ہوں سو میں قرب اور تقریب کی بارگاہ میں اکیلا ہوں اس میں میرا کوئی شریک نہیں ہے اور نہ کوئی حصہ دار ہے یہی وجہ ہے کہ میرا مقام تم سب کے مقام سے اعلیٰ اور اکمل ہے کیونکہ اصل اور سایہ برابر نہیں ہو سکتے تم میری نسبت سے سائے میں ہو اور میں تمہاری نسبت سے کمال کے اصل میں ہوں اور اپنے نانا مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص قدم کے سایہ میں ہوں جس نے مجھے خدا کے قرب کے دروازے تک پہنچا دیا۔ اور مجھے اس کے قرب کے ہاتھوں کے سپرد کر دیا جیسا کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ ارضاہ عنہا نے اپنی کتاب "رجلاء الخاطر" میں فرمایا ہے۔ کہ مومن عارف صالح ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی خدمت کرکے خوش کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے دل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونے کی اجازت مانگتا ہے تو وہ اس کے سامنے اس غلام کی طرح ہوتا ہے کہ جب اس کی خدمت کو عرصہ دراز گزر جاتا ہے تو وہ کہتا ہے اے استاد مجھے بادشاہ کا دروازہ دکھاؤ کہ میں اس کے ساتھ مشغول ہو جاؤں یا مجھے کسی ایسی جگہ پر کھڑا کر دو کہ میں اس کو دیکھ سکوں میرے ہاتھ اس کے قرب کے دروازے کے حلقے کے پاس چھوڑ دو تو وہ اس کو اپنے ساتھ لے لیتا ہے اور اس کو دروازے کے قریب کر دیتا ہے تو آپ کو کہا جاتا ہے اے محمد اے سفیر اے وکیل اے معلم تیرے ساتھ کیا ہے آپ کہتے ہیں تو جانتا ہے یہ ایک چھوٹا سا بچہ ہے جس کی میں نے تربیت کی ہے اور اس کو بادشاہ کی خدمت کے لیے پسند کیا ہے پھر اس کے دل کو کہتا ہے اب تو جان اور تیرا رب جب کہ جبرائیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا تھا جب کہ آپ معراج کی رات آسمانوں سے قریب ہوئے اور اپنے رب عزوجل کا قرب حاصل کیا۔ "اب تو جان اور تیرا رب عزوجل"۔ انتہی۔

اور اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا وہ وسیلہ بنایا ہے کہ آپ بندوں کو اس کے قرب کے دروازہ تک پہنچا دیتے ہیں پھر جتنا کوئی آپ کا توسل حاصل کرے اسی مقدار سے وہ خدا تعالیٰ سے واصل ہو جاتا ہے۔ پھر جو شخص اللہ تعالیٰ کو اپنی بصیرت سے دیکھنا چاہے اس طرح کہ ہر ایک شے سے کل وجود باہر نکل آئے تو اس کے ساتھ یہ مذکورہ معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے تحقق کے بعد کیا جاتا ہے اور پھر وہ یہاں پہنچتا ہے پہنچتا ہے اور اللہ خوب جانتا ہے انت وربک کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمالات حد احاطہ سے خارج ہیں سو اب تو سیر الی اللہ کے بعد سیر فی اللہ کر اور یہی معنی قاب قوسین او ادنیٰ کا ہے۔ جب کہ اس کو ہر وہ آدمی جانتا ہے جو اپنے رب کی طرف تھوڑا سا بھی قریب ہوا ہو کہ پھر وہ بلندی کی طرف پہنچتا ہے۔ اور پھر بلندی سے رفیق اعلیٰ کی بلندیوں میں جاتا ہے اور مجھے انشاء اللہ العزیز توقع ہے کہ اس کلام کے ایک اور طریقہ سے معانی سمجھنے پر بھی قادر ہو جاؤں گا۔ اور بہر حال یہ درجہ نبی امی حجازی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا خاص درجہ ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ: جان لینا چاہیئے کہ ہمارے سلاسل میں کچھ کاملین کی طرف سے ایسے کلمات مشہور ہو چکے ہیں کہ ان سے ظاہر عقیدہ اور باطن کی حقیقت دونوں ہی ناخوش ہیں اور یہ کامل طریقہ نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم سے تھا۔ اور ان کے کلمات کی وجہ ان کے اس طریقہ کے ایک بھائی سے جھگڑا بھی ہو گیا کہ وہ ان کو کفر کی طرف منسوب کرتا تھا۔ اور اس میں اللہ کے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں تو میں ان کلمات کی تاویل کی صورت میں اس کا قول بھی نقل کرتا ہوں اور جو میں نے ان کی تاویل کی وہ بھی بیان کرتا ہوں اس کے کلمات تو یہ تھے کہ اس نے کہا: "میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کے سوا خدا تک پہنچا ہوں"۔ اور یہ بھی کہا "میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت میں شریک ہوں" اور پھر فارسی میں کہا: "میں صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہوں" اور یہ تو کسی پر مخفی نہیں کہ ایسے کلمات سے عرش سے لیکر ثریٰ تک کی ساری کائنات کانپ جاتی ہے کیونکہ ہر چیز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل ہے۔ پھر لازمی چیز ہے کہ ایسے کلمات کی تاویل کی جائے اور وہ تاویل یہ ہے۔ کہ وہ کامل جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی برکت سے خدا تعالیٰ کے قرب کے دروازے تک پہنچ جاتا ہے۔ اور اس دروازہ تک اس کا پہنچنا بھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی مدد سے ہے لیکن چونکہ اس وصول کی اس کو تمیز نہ ہوئی بلکہ اس پر ایک اجمالی ورود وارد ہوا جس کی حقیقت غیر متمیز تھی تو وہ تفصیل اور تمیز پر قادر نہ ہو سکا۔ کہ وہ یہ معلوم کر لیتا کہ اس دروازہ تک اس کو پہنچانے والی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ اور اس پر جو ورود آیا وہ اسی قرب کی ساعتیں تھیں جس کی طرف بزرگ ترین شیخ نے "بانت وبیک" سے اشارہ فرمایا ہے: "یعنی اب ان ترقیات میں تیرے اور تیرے رب کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے: کیونکہ اب یہ سیر فی اللہ ہے۔ سو اس مرتبہ کی ذات کی حیثیت اب کوئی واسطہ نہیں ہے اور امداد اور ایصال کی حیثیت سے بلا شبہ واسطہ ثابت ہے۔ سو یہ کلمات محض سکر اور مغلوبیت اور عدم تمیز کی وجہ سے ہیں تو اس مقام والا معذور ٹھہرا جب کہ منصور اور سبحانی کہنے والے معذور تھے۔ تو حقیقت میں تو یہ لوگ کافر نہیں ہیں اگرچہ ظاہری معنی کے لحاظ سے یہ قول کفر کا باعث ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ایسی کلام والے کو جو کفر کی موہم ہو اس وقت تک کافر نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ اس سے پوچھ نہ لیا جائے کہ اس کا اس سے کیا مطلب ہے؟ اور صحیح بات یہ ہے کہ ایسے کلمات شریعت میں ناجائز ہیں۔ سو اس طرح سے شطحیات خدا تعالیٰ کے قرب دروازے کی طرف چلنے والے سے صادر نہیں ہونے چاہئیں وہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ہے اور اگر کسی سے ایسے کلمات صادر ہو جائیں تو ضروری ہے کہ اس قائل کے حال کی تحقیق کی جائے اگر وہ خلقت کو ہدایت دینے والا ہو جیسے یہ قائل ہے تو چاہیئے کہ اس کے قول کو ہمارے کہنے کے مطابق مؤول کیا جائے اور اگر وہ مبتدی ہے اس کے اپنے نفس میں بھی ہدایت نہیں ہے چہ جائیکہ وہ ہدایت دینے والا ہو تو ضروری ہے کہ اس پر کفر کا حکم لگایا جائے اور اس کے قتل کا حکم دیا جائے۔ کیونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت نامہ کی حنیفیت کی بنیاد کو گرانا ہے۔ حالانکہ خداوند تعالیٰ نے ان تمام طریقوں کی بنیاد رکھ دی جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مخالف ہیں اور اس بات پر کہ یہ کلمات اس سے سکر اور مغلوبیت کی حالت میں صادر ہوتے ہیں اس قائل کا ایک اور جگہ میں یہ قول بھی ہے۔ جو فارسی میں ہے کہ: "میں اگرچہ طفیل ہوں لیکن بن بلائے نہیں آیا ہوں" تا کہ اس نے پہلے تو اپنے نفس کے لیے طفیلیت ثابت کی ہے پھر عدم تفصیل اور اشتباہ کی بنا پر کہہ دیا ہے کہ "میں بن بلائے نہیں آیا ہوں" اور وہ یہ تمیز نہ کر سکا کہ ہر وہ چیز جو اس پر وارد ہوتی ہے وہ اسی وسیلہ جمیلہ کی امداد سے ہے۔ جس کو وہ اپنی بصیرت کی آنکھ کی تنگی کی وجہ سے کہ جس سے حجاب کے پردے دور ہو چکے ہوں معلوم نہیں کر سکا۔ سو تفصیل کا دار و مدار تو بصیرت کی آنکھ کے کھلنے پر ہے پھر جس کی آنکھ سے کلاً و جزءاً پردے دور ہو گئے اس پر حقائق اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہو گئے وہ حقائق اور معلومات میں غلطی نہیں کرتا پھر وہ اسی کے مطابق کہتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا قول بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: "سو ہم نے تیرا پردہ تجھ سے دور کر دیا سو تیری نگاہ آج تیز ہے"۔ کیونکہ بیانی بصر

(نظر) سے مراد بصیرت ہی ہے نہ کہ ظاہری نظر اور یہ جاننے والے پر ظاہر ہے اور جس کی بصیرت کی آنکھ پوری طرح نہ کھلی ہو وہ تمام حقائق کو اصلی صورت میں دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا بلکہ وہ اپنا مقصود وصول الی اللہ ہی دیکھ سکتا ہے۔ اور وسیلہ اور اس آدمی جو اس کی عکس کرا ہے نہیں دیکھ سکتا اور یہ بصیرۃ کی آنکھ کی تنگی کی وجہ سے ہے۔ جس آدمی کا سینہ اللہ تعالیٰ نے کھول دیا ہے وہ تمیز اور تفصیل کر سکتا ہے۔ یہ ایک اجمالی تحقیق ہے اور یہ تو آپ کو ہمارے مذکورہ بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ اس منزل میں تمیز اور تفصیل یعنی بانٹ ورک میں صرف اسی آدمی کا خاصہ ہے جسکو نیابت کلیہ عطا کی گئی ہو یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے "اے اللہ ہمیں اشیاء کی حقیقت اسی طرح دکھا جس طرح وہ اصل میں ہے۔" تو اس صورت میں بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاعنا کا اقطاب کے لیے یہ قول مقامی تو تکلم ما لال حال اس بات طرف اشارہ ہے کہ میں مراتب میں سے ہر رتبہ کی تفصیل کے مقام میں ہوں، مجھ پر تمہارے حال مشتبہ نہیں ہیں۔ کیونکہ جو بلند ہو وہ اپنے سے نیچے کے حالات کو جانتا ہے اور جو نیچے ہو وہ اس کی تفصیل اور احاطہ پر قادر نہیں ہے جو اس سے بلند ہو یہی وجہ تھی کہ عبدالرحمن المغربی قدس اللہ سرہ نے شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے حال کا جبکہ ان کے مرید سے ان کی گفتگو ہوئی انکار کر دیا پھر جب آپ سے پردہ دور ہو گیا تو ان کو یقین آگیا تو کہا شیخ عبدالقادر سچے ہیں اور وہ صاحب تصرف ہیں کیونکہ عبدالرحمن درکات میں تھے جو حضرت سے نیچے ہے اور بزرگ ترین شیخ مخدع (رضاخانہ) میں تھے جو حضرت سے اوپر ہے اور ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے تو زمین پر بیٹھنے والا آسمان اور عرش پر رہنے والے حالات کس طرح معلوم کر سکتا ہے مگر یہ کہ اس کی بصیرت سے پردہ اٹھ جائے۔ اے اللہ ہماری بصیرت کی آنکھوں سے پردے دور کر دے یہاں تک کہ ہم حقائق کو ان کی اصلی صورت میں دیکھ سکیں۔ اور کھیل تماشہ سے دور رکھ اور مصائب سے بچا تو ہر چیز پر قادر ہے اور قبول کرنے کے لائق ہے۔

مناجات مدد اے غوث الثقلین۔ مدد۔ مدد کہ نفس کا امارہ مکارہ حق اور باطل میں تمیز نہیں کرتا۔ وہ بغیر بصیرت کے کام کرتا ہے اور بھینگی اونٹنی کی چال چلتا ہے۔ المدد المدد۔ المدد اغاثت راستہ خطرناک ہے اور اس میں بلند پہاڑ ہیں ان کے گھڑوں کو قطع کرنا میری بصیرت کے اقدام کے لیے ناممکن ہے اس پیادہ پا چلنے والے کی قوت تجھ ہی سے ہے اے میرے اچھے مددگار تیرا مقام بلند ہے اور میں گراوٹ اور بیوقوفی میں مبتلا ہوں۔ بس تیری بلندی کی چوٹی تک پہنچنے کی بالکل طاقت نہیں رکھتا مجھے اپنے فضل کی رسی سے کھینچ لے وہ ایک مضبوط رسی ہے جس نے اس کو تھام لیا وہ گرنے کی گمراہی سے نکل گیا۔ جو اد حرص کے عین طوفان سے مجھے اپنے طریقے کی کشتی کی طرف کھینچ لے میرے پاس کوئی ایسا وسیلہ نہیں جو مجھے بچا سکے۔ اور میں اس کی طرف پناہ لے سکوں۔ اے محبوب حقانی تیری ایک نگاہ تیرے مقام کی بلندی تک چڑھانے کے لیے مجھ کو کافی ہے۔ اے ہر گمراہ کی راہنمائی کرنے والے شیخ مجھے اپنی طرف انتہائی کر۔ میں تیرے دروازے کا ایک کمترین امیدوار فقیر ہوں اور تیری طرف منسوب ہوں۔ اے ہدایت دینے والے اے نبی امی حجازی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب علم واللہوا و نائب میرا ہاتھ پکڑ لے میں پیاسا اپنے معطر شراب کا صرف ایک قطرہ۔ پیاس ہائے پیاس اپنے غوث ربانی اپنے نور کے پیالوں سے کرم کی شراب پلا دے۔ اے قطب حقانی امداد فرما۔ آہ عشق اور اس کے حالات۔ میرے دل کو اپنی حرارتوں سے جلا رہا ہے۔ میری آنکھ نے تمہارے سوا اور کسی طرف نہیں دیکھا میں اللہ اور اس کی آیات کی قسم کھاتا ہوں۔ راہنمائی۔ راہنمائی۔

اَنَا فِیْ حَضْرَةِ التَّقْرِیْبِ وَحْدِیْ
یُصَرِّفُنِیْ وَحَسْبِیْ ذُو الْجَلَالِ

کلمہ انا واحد متکلم کی ضمیر ہے اور حضرت کا معنی ہے۔ درگاہ کی نزدیکی اور مطلق بارگاہ کے معنی میں بھی آتا ہے تقریب کا معنی ہے نزدیک کرنا

اور ایک قسم کی دوڑ اور قرب حاصل کرنا اور یہاں پہلا اور تیسرا معنی زیادہ مناسب ہے۔ اور دوسرا معنی بھی اگر مراد لیا جائے تو وہ جائز ہو سکتا ہے۔ الوحدۃ اور الوحدت کا معنی ہے یگانگت اور تنہا ہونا۔ اور حاکی کی نسخہ سے بمعنی تنہا اور منفرد بمعنی وحید۔ اور تصریف کا معنی ہے کسی چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت میں پھیرنا۔ اور شراب سادہ بنانا اور کسی کو تصرف عطا کرنا اور بیان کرنا اور ظاہر کرنا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں ہے۔ دیکھ ہم کس طرح آیات کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور حسب کا معنی ہے کافی ہونا۔ اور حسبی کا معنی ہے مجھے کافی ہے الجلال والجلالۃ کا معنی ہے بزرگ بزرگ ہونا۔ کسی کو بزرگ بنانا اور ذوالجلال اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اور انشاء اللہ اس کا بیان آئندہ آئے گا۔

نحو۔ انا مبتدا ہے۔ اور وحدی اس کی خبر ہے اور فی حضرۃ التقریب وحدی کے متعلق ہے یا تو اسے اہتمام کے لیے مقدم کیا گیا ہے یا صرف وزن شعری کے لیے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فی حضرۃ التقریب خبر اول ہو اور وحدی خبر ثانی ہو اور یصرفنی تیسری خبر ہو اور حسبی کا جملہ ہو سکتا ہے۔ کہ انا فی حضرۃ التقریب پر معطوف ہو اور بیان کے لیے جملہ معترضہ بھی ہو سکتا ہے یعنی تصریف صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے یعنی میری طرف سے ارادہ اور مجاہدہ کو اس میں دخل نہیں ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ جملہ و حسبی حالیہ ہے تو پھر یہ ایک جلیل نکتہ کا متضمن ہوگا اور وہ یہ ہے کہ تصریف اور اس میں کفایت ذوالجلال آپس میں بالکل ملے ہوتے ہیں۔

البلاغۃ۔ آپ جملہ اسمیہ لاتے ہیں اس میں آپ رضی اللہ عنہ دار فناء عنا کے خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں منفرد اور ہمیشہ اکیلا ہونے کا فائدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ پہلی خبر بھی اسم ہی لاتے ہیں اور دوسری خبر کو فعل لانے میں یہ اشارہ ہے کہ تصریف یعنی اللہ تعالیٰ کا آپ رضی اللہ عنہ ایک حالت سے دوسری حالت میں اور ایک مقام سے دوسرے مقام میں لے جانا ایک ایسا امر ہے جو لحظہ بلحظہ ہر آن نیا ہے۔ تو معنی یہ ہوئے کہ میں حضرت التقریب میں ہمیشہ خدا تعالیٰ کی تصریف سے آناً فآناً خدا تعالیٰ کی تجلیات ذاتی اور صفاتی میں ترقی کرتا رہتا ہوں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں میری تعلیم اور تربیت فرما رہا ہے جیسا کہ اس کی طرف اس عقیدہ مبارکہ کے آخر میں آپ کا قول وجدی صاحب العیر۔ الکمال اشارہ کر رہا ہے۔ اور حضرت کی جو تقریب کی طرف اضافت کی گئی ہے یہ اشارہ ہے آپ رضی اللہ عنہ کی مرتبہ قربت سے مرتبہ ابتداء اور انتہاء کمال تک ترقی کرنے کی طرف اور یہ جو آپ فی کا کلمہ لاتے ہیں اس میں ایک باریک نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اس حضرت کے اندر داخل ہیں۔ گھیرے ہوئے لپیٹے ہوئے ہیں اور قرب کے مظروف ہیں جیسا کہ ظرف ہر جو اپنے مظروف (جو ظرف میں ہو) کا احاطہ کرتا ہے اور اس میں اشارہ ہے آپ کے مظہر اتم کے نائب ہونے کی طرف کہ آپ کے اندر اللہ تعالیٰ کی ہر صفت اور کمال ظاہر ہو رہی ہے پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس تصریف اور قرب میں محیط بھی ہیں اور محاط بھی۔ اور التقریب پر جو لام داخل کیا گیا ہے اگر یہ عہد کے لیے ہو تو تقریب کے فرد کامل کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اس اصول کلی کی طرف جس میں ہدایت اور ابتلاء کی دونوں جہتیں علی وجہ الاتم پائی جاتی ہیں۔ تو اس صورت میں یا تو تقریب اللہ تعالیٰ کی طرف سے شیخ کے لیے ہو گی یا شیخ کی طرف سے مخلوق کے افراد کے لیے پہلے کی تائید تو آپ کا قول یصرفنی کرتا ہے۔ اور دوسرے معنی کے مطابق تصریف کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کبھی کمالات میں میری تصریف اس طریقہ سے کرتے ہیں کہ اس سے میری طرف سے خلائق کے لیے اسی طرح کی تعلیم اور تربیت ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری ہوئی اور اگر لام استغراق کے لیے ہو تو اس میں یہ اشارہ ہوگا۔ کہ شیخ اجل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور ان سے مخلوق کو ہر طرح کی تقریب حاصل ہوتی ہے اور یہ معنی آپ کے اس قول کے مطابق ہیں۔ جو آپ نے ایک اور قصیدہ میں فرمایا۔ "اور عشق میں جتنے بھی میٹھے گھاٹ ہیں ان میں سے میرا حصہ سب سے زیادہ لذیذ اور پاکیزہ ہے۔ یعنی وصول الی اللہ کے تمام طرق میں سے ہر طریقہ میں مجھ کو تصرف راسخ اور تصرف ثابت ہے یہی وجہ ہے کہ عبدالرحمٰن طفسونجی ر

نے آپ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرمایا شیخ عبدالقادر سچے ہیں وہ صاف تصرف ہیں وہ خالص وجود ہیں اس طرح ان اولیاء اللہ کی ایک جماعت نے کہا ہے جو آپ کے قرب کی بساط میں حاضر ہوا کرتے تھے اور آپ کے کمالات کا معائنہ کرتے تھے۔ کہ وہ ہر ایک کے لیے برابر ہیں بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنی کتاب جلاء الخاطر میں فرمایا ہے" مجھے پوری اور عام شخصیت حاصل ہے۔"

ثمر محقق شیخ اجل بزرگ تر رضی اللہ عنہ کا ہر طریقہ میں دو قدم صاحب قدم ہونا ہر اس آدمی پر ظاہر ہے جس نے آپ رضی اللہ عنہ کے حالات میں تالیف کردہ رسالہ تکملہ تصنیف شیخ عبداللہ یافعی رضی اللہ عنہ وعن سعیہ فی ذلک اللہ اس کی قدر افزائی کرنے کا مطالعہ کیا ہے اور وہ چیز جو اس پر تھوڑے الفاظ میں زیادہ معانی پر دلالت کرتی ہے وہ آپ کا اسم شریف محی الدین ہے، کیونکہ جب آپ نے دین کو زندہ کر دیا اور ہر طریقہ دین کی ایک نوع ہے تو آپ نے اپنے نام کے اسرار سے ہر طریقہ کی مدد کی ہے تو پھر آپ کے زمانہ کے خوف کا کیا حال ہو گا اے ہمارے رب اس جناب کے دروازے کے ملازم ہر طریقہ قادریہ رضی اللہ عنہ کے اطوار اور عقیدہ وغیرہ کے حقائق کے امور کھول دے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ لام جنس کا ہو لیکن یہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے استغراق کا مرادف ہے اور الف لام بہرحال حقیقت ہوا کرتا ہے۔ پھر وحدی میں یا ضمیر متکلم کے لیے ہے جب کہ اس بہا آپ کا قول أنا۔ اور لیعرفنی اور حسبی دلالت کر رہے ہیں کیونکہ یہ تمام ضمیر متکلم کے لیے ہیں اور لفظ کے احتمالات کی حیثیت سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یا نسبت کی ہو تو الوحدی کا معنی ہو گا وحدہ کی طرف منسوب یعنی منفرد یعنی نبی امی خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوات کی ذات کیونکہ آپ ہی اپنے کمالات میں منفرد ہیں یعنی حق تعالیٰ کی ذات کیونکہ حقیقی تو اسی کی ذات ہے۔ تو معنی اس طرح ہوئے کہ میں تقریب اور وصل کی بارگاہ کی بساط میں قائم ہوں اور میں اس ہوں منفرد کی طرف منسوب ہوں کہ اپنے نفس سے فانی ہوں اور اس کے ساتھ باقی ہوں۔

پھر بعض مقامات میں وحدانہ اور منفرد میں کچھ فرق بھی ہوتا ہے کہ پہلا لفظ منفرد فی الصفات کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا منفرد فی الذات کے لیے ہے کہا جاتا ہے کہ یہ فرق لغت کے لحاظ سے تو ثابت ہے لیکن ان جیسے مقامات میں وحدانہ اور وحدہ دونوں مترادف الفاظ ہیں کہ ان سے مراد واحد فی الذات ہے جیسا کہ ہر اس آدمی پر مخفی نہیں ہے جس کو تجلی ذات کے کمالات کے بیان کرنے کا کچھ بھی ملکہ ہے کوئی معبود نہیں مگر وہی ایک اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے فرما دیں وہ اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا اور نہ ہی کوئی اس کے ساتھ برابری کرنے والا ہے اس کو یاد رکھو اور کلمہ حسبی ذوالجلال مبتدا خبر ہے۔ جملہ اسمیہ اس لیے لائے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کے لیے خدائے ذوالجلال کی کفایت ہر آن اور ہر لحظہ ہمیشہ ہمیشہ تک پر دلالت کرے۔ اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ منزلہ ہونے سے محفوظ ہیں جیسا کہ آپ نے اپنے الہامی کلمات میں فرمایا ہے کہ مجھے کہا جاتا ہے اے عبدالقادر کھا اے عبدالقادر پی اور ایسی قمیص پہن جس کی آستینیں ایک دینار کی ہوں پھر حسبان کی نسبت جو جلال کی صفت کی طرف کی ہے اس میں اشارہ ہے کہ کمالات کے حصول میں طالب اور تعرف جلال کی صفت ہے اور انشاء اللہ عنقریب اس کی تفسیر آئے گی۔ اور أنا اور یا قائل میں ضمیر واحد متکلم لانے میں آپ رضی اللہ عنہ کے ان تقریب اور تعریف اور حسبان کے امور میں منفرد ہونے کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ یہ معاملہ اس آدمی پر مخفی نہیں ہے جس کو باطن اور ظاہر کی سمجھ حاصل ہے۔ اے اللہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے انوار سے میرے دل میں نور زیادہ کرے۔

ایک عجیب تحقیق یہ جان لینا چاہیے کہ علماء کا اختلاف ہے کہ أنا کا کلمہ بولنا جائز ہے یا نہیں یہ کہا گیا ہے کہ أنا کا بولنا بالکل جائز نہیں ہے اس طرح کہ اس کے دل میں یہ خیال گزرے کہ یہ کام میں نے کیا ہے یا میں نے کہا ہے یا میں اس طرح ہوں اس طرح ہوں یا اپنے نفس کی طرف منسوب کرے

اور مجھ میں نے، ہم نے، میرے لیے اور میرے پاس اور یہ سب دعوے تکبر اور کبر کا باعث ہیں اور کبر رب العالمین ہی کی ذات کے لائق ہے اور ہم تو کمزوروں کی جماعت ہیں سو ہم کو ایسے ہی الفاظ بولنا چاہئیے جیسے کمزور لوگ بولتے ہیں تو کسی کو بھی میں کہنا جائز نہیں ہے۔ اور یہ بھی کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ کہے ہم نے ایسا دیکھا، وکذا یہ شبہی میں بھی اسی طرح ہے۔ اور اہل علم کی ایک جماعت اور تھوڑے سے صوفیا کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ میں کے لفظ کے ساتھ اپنے نفس سے آدمی کو خبر دینا کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ یہاں تک کہ بعض صوفیا نے کہا ہے کہ انا (میں) کا لفظ ہمارے اصحاب پر ہمیشہ ہی بہ نحوست رہا ہے۔ اور ابلیس پر اللہ تعالیٰ نے اس کے قول انا کے سبب سے لعنت کی۔ اور اکثر علماء نے کہا ہے کہ یہ بلا کراہت جائز ہے۔ کیونکہ یہ انبیا علیہم الصلوٰۃ سے واقع ہوا ہے۔ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خبر دی ہے۔ "میں بے شک میں تمہارے ہی جیسا آدمی ہوں اور یہ بھی فرمایا ہے "میں سب سے پہلا مسلمان ہوں" اور "میں تکلیف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں" اور فرمایا "نہیں ہوں میں عبادت کرنے والا ان کی جنکی تم عبادت کرتے ہو" اور نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں" اور "میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں گا جس کی قبر پھٹے گی" "اور میں سب سے پہلا سفارش کرنے والا ہوں" امام تورپشتی نے شرح مصابیح میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔

اور میں خدا تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ اس قول سے منع کرنے والوں کی مراد اگر مطلق منع ہو تو یہ ایسی بات ہے جس پر کوئی عقلمند انسان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ احادیث سننے کے بعد جرأت نہیں کر سکتا۔ اس صورت میں وہ تمام احادیث جو علامہ تورپشتی نے ذکر کی ہیں اس کے برخلاف حجت ہونگی لیکن میرا خیال ہے۔ بلکہ یقین ہے کہ منع سے اس کی مراد اس آدمی کے لئے منع ہے جو محض اپنے نفس کی طرف سے دعویٰ کرے یا فخر اور تکبر کی صورت میں کہے تو اس کے منع ہونے میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ اور اسی پر اس قول کو محمول کیا جائے گا جو کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے یہ کلمہ ابلیس لعین اور فرعون ملعون نے کہا ہے۔ یعنی تکبر کی صورت میں یہ کلمہ فرعون اور اس کے بھائی ابلیس نے سب سے پہلے کہا ہے۔ اور اگر قائل کی تعیین یا اس کی فضیلت کے اظہار کے لیے ایسا کہے تو بغیر کسی شک و شبہ کے جائز ہے اور احادیث میں جو آیا ہے وہ اسی طرح آیا ہے اور یہاں ایک اور بھی حقیقی تحقیق ہے۔ مختصر طور پر اس کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ بشری پردوں سے آلودہ جس کے دل کا چہرہ حواس نفسانیہ اور ہوائیہ کی بدبو سے سیاہ ہو چکا ہے۔ جب اس کلمہ کے ساتھ گفتگو کرتا ہے تو اس کا اس کلمہ سے مشار الیہ وجود ہوائی ابلیس شیطانی ہوتا ہے جس کی آنکھیں حقیقت کی رویت سے محجوب ہیں تو ضروری ہے کہ وہ ان کلمات سے فخر کرے گا اور انکو دعویٰ میں نصب العین بنائے گا تو اس کا قول ابلیس اور فرعون کے قول کے موافق ہوگا، اور جو اکدار اور سیاہ افراز سے رہا ہو چکا ہے جو دموں کو سخت کر دیتی ہیں۔ اور ارواح کو عروج اور رفیق اعلیٰ کی طرف ترقی کرنے اور حقائق اشیا کو دیکھنے سے کہ جن کا وجود حق کا وجود ہے سے روک دیتی ہیں اور سخن کدورات سے اس کے دل کا آئینہ صاف ہو چکا ہے تو وہ اس کلمہ سے وجود حقیقی کی طرف جو کہ نور تحقیق کے ساتھ حجابات متکدرہ سے فنا کے بعد باقی ہو چکا ہے۔ اشارہ کرے گا تو اس کا اشارہ ظاہر میں اس درخت کا اشارہ ہے جس سے انی انا اللہ کی آواز آئی تھی کیونکہ ظاہر میں تو یہ کلام کرنے والا وہی درخت تھا لیکن واقعہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس کلمہ کا کہنے والا اللہ تعالیٰ کی ذات تھی۔ سو کاملین کا کلام اسی قبیل سے ہوتا ہے کیا آپ نے کبھی اس طرف غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور وہ کنکریاں جب آپ نے پھینکیں تھیں تو آپ نے نہیں پھینکیں تھیں وہ اللہ تعالیٰ نے پھینکیں تھیں۔ پھر جس آدمی کو یہ مقام مل چکا ہو وہ اس کلمہ کے ساتھ کلام کرے گا تو وہ کلام صحیح ہوگا، جائز ہوگا، نافذ ہوگا اور انبیاء اولیاء علیہم السلام کا کلام اسی قبیل سے ہوتا ہے۔ اور پہلی قسم کا کلام فراعنہ کے خواص سے ہے اور اسی نکتہ کے لیے شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا اور کہا پھیر نئی زعیسیٰ نبا الجلال اور ایک اور قصیدہ میں پہلے آپ نے فرمایا، میں ابراہیم کے ساتھ تھا، میں نوح کے ساتھ تھا، میں ایوب کے ساتھ تھا

اور اس کے بعد فرمایا۔ وما قلت هذا القول فخرا انما تكلم ابي من لساني حقيقتي
میں مولی کے ساتھ تھا۔ وغیر ذلک اور اس کے بعد فرمایا... کہ اللہ تعالیٰ عمر کی زبان پر کلام کرتے ہیں اور اس کا
حصہ ابتدائے کلام میں گذر چکا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا کلام اسی قبیل سے ہے کہ اللہ تعالیٰ عمر کی زبان پر کلام کرتے ہیں چنانچہ
آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی اپنے بیٹے عبدالوہاب سے فرمایا جبکہ انہوں نے منبر پر چڑھ کر وعظ کہنے کا ارادہ فرمایا تو بزرگ ترین شیخ ان کے قبال میں
ہو گئے۔ سامعین کو وعظ کے لیے کھڑا کر دیا۔ آپ کے بیٹے نے کئی قسم کے اسرار بیان فرمائے لیکن آپ کے کلام سے کوئی بھی متاثر نہ ہوا بلکہ دل مجوب ہو گئے
تو بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے فرمایا اے عبدالوہاب پیچھے اتر آؤ تم اپنے اپنے نفس سے بولتے ہو اور میں اللہ کے ساتھ بولتا ہوں
اور جو اللہ کے ساتھ بولے اس کا کلام دلوں کی بیماریوں کی شفا ہے۔ اور جو خود اندھیرے میں ہو اور مکدر ہو اس کا کلام کسی دوسرے کو ظلمات اور
کدورت سے ایک کھجور کے گودے کے برابر بھی نہیں نکال سکے گا۔ اور اس معنی میں مولوی معنوی نے مثنوی میں فرمایا ہے جس کا حاصل یہی ہے کہ
اور میرے دل میں فارسی کے کچھ ابیات اسی معنی کے متعلق آ رہے ہیں۔ ابیات (۱) اس آنا کے قریب دوزخ کی آگ ہے اور یہ انا رب العالمین کی
ہے۔ (۲) وہ انا شیطان کی حیثیت ہے اور یہ آنا ایمان کا خلیفہ ہے (۳) وہ آنا اپنے ساتھ کانٹے رکھتا ہے۔ اور یہ آنا کئی مشکلات کو حل کر دیتا ہے۔
(۴) وہ آنا تیرے دل میں سینکڑوں فرنگ پیدا کرے گا اور یہ آنا تیری مٹی میں نور پیدا کرے گا۔

جاننا چاہیئے کہ مرتبہ ترقی میں بر سبیل اجمال حضرت دو قسم کا ہے۔ حضور شہود اور اس حضور میں تبعاً کثرت ملحوظ ہے اور اس جگہ تو بوجہ
دائرہ وہمی خط سے لکھا جاتا ہے۔ اور وہمی کا معنی وہ نہیں ہے جو سوفسطائی کہتے ہیں بلکہ اس حیثیت سے وہمی ہے کہ وہ وجود حقیقی کے ظل میں ہے
اس حیثیت سے کہ وہ واقعی وہمی ہے جیسا کہ سوفسطائی کہتے ہیں پس دائرہ کی صورت اس طرح ہو گی ۞ اور دوسری قسم ہے حضور تقریب جو اس
حضور سے اوپر ہے وہاں یہ وہمی خط نظر سے مطلقاً مٹ جاتا ہے پھر سارا کام اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اور دائرہ کی صورت اس طرح ہو جاتی ہے
اس کو سمجھ لے اور التزاماً تحقیق کا منتظر رہ۔

سوال و جواب:۔ اگر آپ یہ کہیں کہ جب بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے قصیدہ مبارکہ کے اول میں کہا تھا
اور وہ اس بات کی صراحت تھی کہ آپ کو وصول یعنی تمکین کا مرتبہ حاصل ہو چکا ہے اور یہ تعریف و تقریب دلالت کر رہی ہے کہ آپ
ابھی مرتبہ تلوین میں ہیں تو ان دونوں میں تطبیق کیا ہے؟ تو میں تجھے کہوں گا کہ اپنے دل اور روح اور سر کو حاضر کر تاکہ میں تجھے
اور عام فیض بخشوں جس کے باعث تو جنت کی نعمتوں سے سیر ہو جائے۔ اور انواع روحانی کی شراب سے سیراب ہو جائے۔ یہ جان لے
کہ شیخ رضی اللہ عنہ کا یہ کلام کئی ایک وجوہ کا احتمال رکھتا ہے۔ ایک تو ایسے سقی کے طریق کا افادہ ہے جو کمال درجہ کے ارتواء اور سیرابی کا
باعث ہو یعنی میں حضرت تقریب میں ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اپنی بساط کے لیے مقرب بنایا ہے یعنی میں اس کے وصول میں منفرد
ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ میں اپنی ہر ساعت نئی پے در پے وارد ہونے والی تجلیات سے تعریف کی ہے اور مجھے اپنے انوار
تک ترقی دی ہے۔ اور اپنے جمال تک پہنچایا ہے لیکن میں نے وصال کے پیالے پیئے ہیں اور میں نے خوبصورت ساقی دیکھا ہے تو میرے
اندر شوق پر شوق بڑھ گیا ہے اور اس نے میرے روح اور دل اور سر کی گردنوں میں اپنے جمال کے کئی ایک طوق ڈال رکھے ہیں پس
مجھے ہر لحظہ کافی ہے کہ ان سے میری تربیت کے لیے مجھ کو میرے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیا ہے سو مجھ پر اللہ اور اس کے بعد
کسی کا بھی احسان نہیں ہے اور اس صورت میں یہ کلام۔ مقامی فوقکم مازال عال کے لیے دلیل کا کام دے گا۔ یعنی میرا مقام تم سے ہمیشہ
بلند رہا ہے۔ ابتدا کے حال میں بھی اور وسط اور انتہا میں بھی کیونکہ میں تعریف اور تقریب کے حضرت میں بالکل اکیلا ہوں

رب رحیم نے میری تربیت ایک خاص انداز میں فرمائی ہے۔ سو یہ ممکن ہی نہیں کہ تم میری مساوات کا خیال کرو۔ اور اللہ کی جلائی ہوئی آگ کے شعلے سے جو دلوں پر چڑھ آتی ہے۔ میرے کہنے کے مطابق علاج کرو۔ کیونکہ میرے طبیب نے بذات خود مجھے ازل کے ہر ایک درجہ میں پینے کی شراب سے بھرے ہوئے شفا کے جام پورے ارادہ اور کوادسے پلاتے ہیں۔ سو اے انطاب اپنے آداب کی حدود پر رہو اور اپنے رب کے اندازے کے مطابق اسباب اختیار کرو۔ کیونکہ ایک لشکری کبھی بھی بادشاہ کے برابر نہیں ہو سکتا تو بچپن کے زمانہ میں اور دودھ کے کٹورے پر حشمت و جلال سے بیٹھنے کی حالت میں اور نہ اس کے جمال اور کمال کی نشو کنندہ ہیں۔

اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ مراد یہ ہے کہ جب میں زنبیر سیر الی اللہ سے فارغ ہو گیا اور میرے رب نے مجھے وصل کے پیالے پلا دیئے تو میں رتبہ سیر فی اللہ میں متفرد ہو گیا۔ لیکن میرا سیر فی اللہ دوسرے اولیاء اللہ کے افراد کے سیر فی اللہ کی طرح نہیں ہے بلکہ میں اس میں متفرد ہوں اور اس صورت میں یہ جملہ آپ کے قول مقامی فوقکم مازال عال کی تفصیل اور تکمیل ہو گا۔ یعنی تم وصل کے بعد بھی میرے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکو گے۔ کیونکہ جس طرح میرا سیر الی اللہ تم سے اعلیٰ تھا۔ اسی طرح میرا سیر فی اللہ بھی تم سے اعلیٰ ہے۔ کیونکہ پھل درخت کی نشوونما کے اندازے کے برابر بڑھتا ہے جب میرا درخت پاک تھا یعنی سیر الی اللہ جس کی جڑیں رضا اور فرمانبرداری کی ثری تک مضبوط ہیں جو صفوہ اور بقا کے پانیوں سے پلایا گیا ہے۔ تو پھر میرے اس پھل کی کیا شان ہو گی جو اس درخت کا خلاصہ ہے۔ یعنی سیر فی اللہ میں میں ہر روز ایک الگ حالت میں ہوں جو دوسری حالتوں میں بہتر ہے بیشک میں فرد الفرد ہوں جس کا پھل میرا کوئی شریک نہیں ہے میں یہی دولت سے سرفراز ہوا ہوں جو پہلے اور پچھلے اولیاء اللہ میں سے کسی کو بھی سوائے صحابہ کرام اور مہدی رضی اللہ عنہ کے نہیں ملی ہے سو میرا کھانا پینا لباس اور تقریب میں ہے کمال و تصریف میں یعنی میرا کمالات الدہبیہ میں انقلاب بہت زیادہ خائق اور دائمی ہے ہو یہ زمانے میری اصل فطرت اور میرے دل کے نور اور میری حقیقت کی حقیقت میں تربیت فرمائی ہے۔ تو میں سیر فی اللہ میں سیر الی اللہ کے اسے مقام پر پہنچا کہ میرے نانا اس سے بہت قریب تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا "مجھے مولا نے بہت بڑی ولایت عطا کی ہے جو وہ قیامت تک اور کسی کو نہیں دے گا" اور یہ بھی فرمایا "میرے یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہیں" پس اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ آپ رضی اللہ عنہ و ارضاہ کو نہایت مطلق حاصل ہے جس کی کسی زمانہ کے ساتھ خصوصیت نہیں ہے اور آپ رضی اللہ عنہ کا اللہ تعالیٰ کے غیر متناہی کمالات میں لطیف تقریب حضرت میں ہونا ہر ایک ولی سے اعلیٰ اور نمایاں ہے۔ ورنہ آپ کے قول انا فی حضرت التقریب وحدی میں اس حضرت میں فردانیت کا اطلاق صحیح نہیں رہے گا۔ اور شیخ اجل مبالغہ سے پاک ہیں۔ کیونکہ وہ جب سے پیدا ہوئے قبر کے پیٹ میں داخل ہونے تک آپ کی زبان پر جھوٹ اور مبالغہ جاری نہیں ہوا۔ سو آپ رضی اللہ عنہ کے لئے قرب میں ایک مقام ہے۔ اور وہ مقامات میں سے مخدع ہے یعنی بادشاہ کے راز کا مکان کہ بادشاہ اور اس کے ساتھی کے علاوہ اس سے اور کوئی آگاہ نہیں ہوتا اور کسی کے پاؤں اس کے قریب تک بھی نہیں جا سکتے پس وہ بادشاہ اور اس کے وزیر کا قربت اور بادشاہ اور اس کے محبوب کا گھر ہے۔ پھر آپ کا اس قدر قرب اور کائنات میں آپ کا تصرف جیسا ہے وہ آپ دیکھتے ہی ہیں آپ بہت زیادہ ہونے والے اور منفرد ہیں کہ جن کا اس بساط میں کوئی شریک نہیں ہے اور نہ اس نشاط میں آپ کا کوئی حصہ دار ہے سو وہ جو بعض تیز زبانوں و نفوس میں زمانہ حال کی زبانوں سے جاری ہو رہا ہے کہ آپ کا تصرف تو کائنات میں غالب تھا لیکن آپ کی نسبت قرب تصرفات کے تعلق کے سبب سے مغلوبیت اور قصور میں تھی۔ کیونکہ اس میں تصرف کا ظہور آپ کے تعلق کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس سے اور اس میں اور اس کے ساتھ ہونے اور محبت قرب سے کیفیت تعلق آپ سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپ کی ترقی تصرف ترقی قرب سے تھی جیسا کہ بادشاہ کے وزیر سے کمال قرب کے

باوجود پھر کس طرح غلبۂ تصرف کا مغلوبیت قرب سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔
تقہ مختصر ضروری ہے کہ یہ جاہل لوگ اس جھوٹے دعویٰ سے توبہ کریں ورنہ ان کی گردنوں کے اوپر مارو برہم ظرف توم میں اور اس جیسی
ناواقف ہیں جو ان کے جھوٹے کلمات کے نتیجہ کے طور پر لازم آئے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے کام کو پہنچنے والے ہیں اور اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک
اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ ان لوگوں کے چہرے برے ہو گئے اور ان کے دل پریشان ہو گئے۔ اوہام کے صفحات پر آگ پڑی ہے یا پیٹوں میں
آگ کھاتے ہیں جو چہروں کو جھلس دیتی ہے اور جو ان کے پیٹوں میں ہے اسے پگھلا رہا ہے نہایت گرم اور زہریلا پانی۔ جو لوگ اللہ کی آیات کو جھٹلاتے
ہیں ان کی موٹی اور باریک آواز گدھے کی سی ہے۔ ان کے خطرات تب اس وقت تک نہ مریں گے جب تک کہ وہ خالص نہ ہو جائیں گے اور ان پر ظلم
کے ساتھ اس وقت تک زندہ نہ ہوں گے، جب تک کہ ان کو ارتقاء حاصل نہ ہو۔ پھر ان پر ٹھنڈا پانی کس طرح ڈالا جائے کہ ان کا دنیا کو خوف اور
ہیبت ہے۔ اے اللہ ان کو توبہ کی توفیق عنایت فرما تیری بارگاہ رحم اور ہدایت کی بارگاہ ہے اے اللہ اس قصیدہ مبارکہ کی شرح میں میرے علم کو
زیادہ کردے اور مجھے غلطیوں اور خلل سے محفوظ رکھ۔

اور تیسری توجیہ یہ ہے کہ اس کلام کا یہ مطلب بھی لینا جائز ہے کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا اپنے مریدوں کو قریب ہی
لے جانے کا ارادہ ہو کیونکہ جب آپ نے اقطاب سے فرمایا کہ میرا مقام تم سے اوپر ہے۔ تو اقطاب کے دل میں خیال گزرا کہ ان بلند اور رفیع مراتب
تک ترقی کرنے کا طریقہ کونسا ہو سکتا ہے۔ جو شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے خاص مقام کے نیچے ہیں۔ جس پر کہ آپ سرفراز ہیں تو آپ نے
ان کو مطلع فرمایا کہ میں اس تقریب میں اکیلا ہوں میں نے بہت سے ایسے لوگوں کی راہنمائی کی ہے۔ جو بسط کے بعد قبض کے قید خانہ میں محبوس ہو
چکے تھے۔ اور ترقی کے اسباب میں پریشان پھر رہے تھے جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ کا شیخ علی بن ہیتی کے مرید کے فتح باب کا واقعہ گزرا اور
اس کے علاوہ اور طالبوں کا بھی پس گویا کہ آپ اقطاب سے فرما رہے ہیں۔ کہ اپنے نفسوں کو عقیدت پر ثابت قدم رکھو اور صداقت کے ساتھ
پر دلوں کو کھینچ لاؤ تم بلند درجات پر پہنچ جاؤ گے کیونکہ میں ارشاد کی بساط کے حضور میں اکیلا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے محض اپنے فضل سے
یہ توفیق بخشی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے انقلابات مخصوصہ سے میری حالت میں تبدیلیاں فرما رہے ہیں اور مجھے کافی ہے بہت ہے پھر جس نے میرے
دامن کو تھام لیا وہ جو چاہے گا حاصل کرے گا۔ اور وہ ہے راہنمائی کرنے والا ہدایت پانے والا وہ ابتداءً بھی پیدا کرتا ہے اور دوبارہ بھی
لوٹا سکتا ہے۔ اور یہ قول بحالی واد خلو کے موافق ہے اور اس قول کے موافق ہے۔ جو آپ نے اپنے بعض کلمات میں فرمایا "اے ابدال اے
اے اقطاب اے عبادت خانہ کے مالکو تمہارے عبادت خانے گر چکے ہیں، آ جاؤ آ جاؤ۔ اس سمندر کی طرف آ جاؤ جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے
اور یہ تعلیم کس طریقہ پر ہے۔ کہ ان کو جو مراتب عالیہ کے حصول سے توقف کے قید خانہ میں مبتلا ہو چکے ہیں اس سے نکلنے کا طریقہ بتلا رہے ہیں کیونکہ
ان کا حوصلہ جب تھوڑا ہو۔ اور اس کا برتن بھر جائے تو اکثر وہ حل شدہ کمالات پر قناعت کر بیٹھتا ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ
جیسے بیٹے کو اگر دراہم اور دنانیر کی بہت سی دولت مل جائے۔ موتیوں اور سونے چاندی کے ڈھیر مل جائیں تو وہ اپنے حوصلہ کی پستی کی وجہ سے
سمجھنے لگتا ہے کہ یہ دولت کی انتہا ہے اس کے بعد اور کوئی دولت نہیں ہے تو اس کا مشفق باپ کہتا ہے۔ اے میرے بیٹے میرے پاس تو
دولت ہے کہ اس میں سارے جہاں سے منفرد ہوں اور تیری دولت سے وہ بہت زیادہ ہے تو اس کلام سے باپ کا مقصود یہ ہوتا ہے
کہ اپنی دولت اپنے بیٹے کو اس سے بہت زیادہ عطا کرے جتنی کہ بیٹے کے پاس ہے اور لوگوں کے کلام میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں
اور اس معنی کی تائید آپ رضی اللہ عنہ کا یہ قول کرتا ہے کہ "اللہ نے مجھے تمام اقطاب پر والی مقرر کیا ہے" تو اس صورت میں یہ کلام ارتقاء کی

حیثیت سے تصرف پیدا کرنے والے کے بیان کے لیے ہوگا سو جو آدمی ترقی کرنا چاہے اس پر لازم ہے کہ میرے دروازہ پر بیٹھا رہے تاکہ وہ اس مقصد سے بہت زیادہ حاصل کر سکے کہ جس میں وہ یہ سمجھ کر بیٹھ گیا ہے کہ یہی آخری کمال ہے اور حالت یہ ہے کہ ہر ایک علم والے سے بڑھ کر کوئی اور بھی علم والا ہے۔ اور اللہ ہر دن کسی نہ کسی کام میں ہے اور اس توجیہہ میں کلام کی تحقیق چونکہ تصرف کی تفصیل پر موقوف ہے تو ضروری ہے کہ ہم تصریف کی تحقیق کو شروع کریں سو ہم کہتے ہیں۔

تصریف شریف: اے کمال کے طالب اللہ نے خیال کے بھنور سے نکلنے کے آرزومند تجھے جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ لیکن چونکہ اس کا حسی وجود فضول لذتوں اور لذیذ خواہشوں کے خسیس امور کے ساتھ گندہ ہو جاتا ہے وہ ان کو پوری طرح حاصل کرنے اور ان کو سمیٹنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بھول جاتا ہے کہ اسے کن کن معارف الٰہیہ یا نیل کے مالک اللہ نے وصول کے لیے کیسے پیدا کیا گیا تھا۔ تو ان کے دل سخت ہو جاتے ہیں۔ وہ پتھر بن جاتے ہیں یا پتھروں سے بھی زیادہ سخت کیونکہ پتھر بھی بعض دفعہ پھوٹ جاتے ہیں اور ان سے میٹھے پانی کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں حالانکہ ان میں پتھر پن اور سختی بھی رہتی ہے اور جب دل مسخ ہو جاتے ہیں تو نہ ان میں کوئی پانی رہتا ہے اور نہ شرم و حیا۔ یہ دل خدا تعالیٰ کے مردود ہو گئے ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ ان اپنی جگہ سے پھرے ہوئے دلوں کو اپنی جگہ پر پھیر کر لانے کا ارادہ فرماتے ہیں۔ اور ان کو خواہشات کی گندگی سے نکالنا چاہتے ہیں تو ایسے آدمی کے دل میں نور جمال و جلال روشن کرنے کے بعد اس کے جسم میں اعمال کا نور پیدا کرتے ہیں۔ پس وہ لگاتار شرمندگی محسوس کرتا رہتا ہے پھر وہ پرانی بیماریوں کے معالج طبیبوں کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور شفاء کی تجویز طلب کرتا ہے تو اطباء کہتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے وہ عالم جو اس علم کی تلاش میں دور شہروں تک پہنچتے ہیں جہاں وہ نفس کی مشقت سے پہنچے اور جلال حق کے سورج کی حرارت میں قطع مسافت کرتے ہوئے مضمحل ہو گئے۔ اور اس کے جمال کے سایہ میں آرام حاصل کیا۔ اور جتنی بھلائی اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق چاہی اس سے کامیاب ہوئے سو یہ لوگ اس وقت تک کچھ نہیں چاہتے جب تک کہ اللہ نہ چاہے سو وہ لوگ اس اشارہ میں خدا تعالیٰ کے نائب اور خادم ہیں پس وہ لوگ اوامر کی تعلیم و تربیت کے ساتھ نواہی سے اجتناب بھی زیادہ کر دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بیٹھ جاؤ۔ اور خواہشات سے پرہیز کرو۔ اور تقا کا منضج نوش کرو۔ تاکہ فساد اور فسادت کا تمام مواد دل کے پیٹ کی گہرائیوں سے نکل جائے جب کلی طور پر ان کو فراغت حاصل ہو جاتی ہے۔ تو ان کو شریعت کے اوامر اور طریقت کے فضائل کی غذا کا حکم دیتے ہیں اور محرمات اور مکروہات اور غیر مناسب سے پرہیز کرنے کی تاکید کرتے ہیں کیونکہ اگر وہ ان بچنے کی چیزوں سے پرہیز نہ کریں گے۔ تو محرومی اور گناہ کے تپ دق اور قہری سل اور غضبی سر درد میں مبتلا ہو جائیں گے ان سے اللہ کی پناہ پھر جب وہ اس تبدیلی اور تپ شفاء پر مداومت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو پوری طرح شفا دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ کہنے لگتے ہیں کہ قرآن میں دوائیں نازل کی گئی ہیں۔ اس میں مومنوں کے دلوں اور سینوں کی شفاء ہے اور اگر تکبر کا کچھ دموی مواد باقی رہ جائے تو اس کے فاسد خیالات اور اوہام کی رگوں کا فصد کرتے ہیں۔ جو کہ سوداء اور جنون کا باعث ہوتا ہے اور ان کو سیدھے راستہ پر چلنے کا حکم دیتے ہیں۔ تو دل کے چہرہ اور اس کی آنکھوں پر جو پردے اندھیر دل کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ ان کو دور کر کے دمویات کو خارج کرتے ہیں پھر اللہ ان کو شفاء پر شفاء دیتا جاتا ہے۔ اور ان انقلابات کا ظہور اسباب طبابت اور آلات جراحی کے عمل سے علاج کرنے کے بعد ہی ہوتا ہے اور یہ بھی اللہ جل جلالہ کے جمال کے انداز میں اور یہ بھی لازمی ہے کہ میں تجھے اس کی طرف راہنمائی کر دوں۔ تاکہ تو اس صفت میں پورے

Scanned by CamScanner

علم والا ہو جائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ہر ایک صنعت میں اس کے اچھے کاریگروں سے مدد لینا ضروری ہے" اس میں اللہ ہی کی توفیق سے کہتا ہوں۔

جلال اور جمال اللہ تعالٰے کی دو لازمی صفتیں ہیں جو کسی طرح پر بھی علیحدہ نہیں ہوتیں اور یہی دو صفتیں اللہ تعالیٰ کی ہر ایک صفت کا منشا ہیں اور کبھی ان کا نام لطف اور قہر رکھا جاتا ہے۔ لیکن تجھے یہ معلوم ہو جانا ضروری ہے کہ جمال کبھی جلال اور قہر ہو جاتا ہے۔ اور کبھی جلال لطف اور جمال ہو جاتا ہے۔ اور یہ ایک باریک نکتہ ہے جس پر وہی آدمی مطلع ہو سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قدسی ورق عطا فرمایا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے انبیاء اور اولیاء علیہم الصلوات والرحمۃ کو رضا اور مصائب پر صبر اور نعمتوں میں تسلیم اور شکر کا حکم دیا ہے۔ بلکہ وہ اولیاء اللہ جنہوں نے وصول حق اور اس کے قبول کے شربت نوش کئے ہیں مصیبتوں پر شکر ادا کرتے ہیں اور قلب قدسی کی عین گھرائیوں سے جفاؤں پر صبر کرتے ہیں۔" مرصاد العباد میں کہا ہے۔

جلال اور جمال دونوں ذات الٰہی کی لازمی صفتیں ہیں اور ان دونوں صفتوں کی تجلی ذاتی بھی ہے اور افعالی بھی اور نور جلال و جمال میں کم ہزار سال کی مسافت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے نور جلال اور جمال میں نو ہزار سال کی مسافت ہے" لہٰذا لازم ہے کہ تجلیات جمالیہ اور جلالیہ کی تحقیق کی جائے تاکہ جلال و جمال کے چہرہ کا فرق ظاہر ہو جائے۔ اور تصرف و تلوین کی حقیقت کھل کر سامنے آ جائے اور ہم نے پہلے اس تحقیق کا وعدہ بھی کیا تھا اب اس کو محفوظ رکھو۔ اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے جان لینا چاہیئے کہ تجلی عبارت ہے ذات اور صفات کے ظہور سے یا ان دونوں سے ظہور سے اور ظہور کا معنی یہ ہے کہ سالک کا اپنا وجود کلی طور پر حاصل ہوئی شمائل الاتقیاء میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر معراج کی رات ذات اور تمام صفات کی تجلی ظاہر ہوئی اس طرح کہ رسول کی ہستی پورے طور پر ختم ہو گئی۔ اور اس ہستی کے وجود کے عوض ذات الوہیت کی ہستی ثابت ہو گئی اور ظہور کا معنی یہ ہے کہ ایک چیز کو کسی دوسری چیز میں پیدا کیا جائے اور اس کو اس اظہار یعنی اس تجلی سے مشاہدہ اور شعور نہ ہو۔ چنانچہ صاحب "مرصاد" نے لکھا ہے کہ آدم علیہ السلام پر بھی تجلی ذات و صفات ہوئی تھی لیکن اظہار کے طریق پر نہ کہ ظہور کے طریقہ پر جیسا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالٰے نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا اور اس پر تجلی فرمائی۔ یعنی تجلی اظہار نہ کہ تجلی ظہور۔ سو اب یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ تجلی ظہوری اور اظہاری میں بہت فرق ہے زمین و آسمان جتنا فرق۔ پس ظہور تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ہے اور اظہار آدم علیہ السلام میں اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے اس کو یاد رکھ اور اگر تو اس میں زیادہ تحقیق چاہتا ہے تو تجلی کی جو اقسام تجھ کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کو غور سے سن۔

سو جان لینا چاہیئے کہ تجلی ذاتی بھی ہے اور صفاتی بھی اور ثبوتی بھی اور سلبی بھی اور یہ دونوں تجلیاں یعنی ثبوتی اور سلبی یہ دونوں صفاتی ہیں اور انہی کو جلالیت اور جمالیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور کبھی تجلی تقسیم ہو جاتی ہے نفسی اور معنوی و موجودی و واحدی اور قائم تبعی و جبروتی و عظموتی وجہی اور قیومی اور کبریائی اور عظمت قہاری اور تجلا روح قدسی اور تجلی روحانی و رحمانی وغیرہ کی طرف اور ان تمام صفات میں شرح و بسط ہے جس کی محققین نے اپنے علم کے مطابق تحقیق کی ہے اور میں انشاء اللہ تعالیٰ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنی سمجھ کے مطابق ان کو بیان کروں گا اور جس کے متعلق میں علماء کی تحقیق پاؤں گا اس کو نقل کرتے ہوئے اس کی طرف منسوب کروں گا اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اس جگہ ایک عجیب تفصیل اور غریب تحقیق ہے جو شمائل الاتقیاء میں لکھا ہے میں اس کو اس کی فارسی عبارت ہی میں نقل کرتا

ہوں تاکہ ہر ایک کو اچھی طرح معلوم ہو جائے۔" جان لو کہ تجلی ذات و صفات جو آدم علیہ السلام پر بجلوت ہوئی تھی۔ اور اس کی تحقیق اس حدیث سے واضح ہوتی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا پھر اس میں تجلی فرمائی۔" پیر ہروی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ اور اپنی قدرت کو ظاہر کیا۔ اور چاہا کہ اپنے آپ کو ظاہر کرے اس نے آدم کو پیدا کیا۔ "میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں۔" اس کی حکایت کرتا ہے۔ لیکن ذات کی وہ تجلی جو اپنی تمام صفات کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی وہ کسی اور پیغمبر کو نصیب نہیں ہوئی اور امت محمدی کے خواص کو بھی اس سعادت سے کچھ حصہ ملتا ہے اور اس کی دلیل یہ کلمات قدسیہ ہیں۔ "کہ بندہ ہمیشہ میری طرف نوافل سے قرب حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں اور جب محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کے کان اور آنکھیں اور زبان بن جاتا ہوں وہ میرے ساتھ سنتا ہے میرے ساتھ دیکھتا ہے میرے ساتھ پکڑتا ہے میرے ساتھ بولتا ہے۔" اور یہ تمام ذات الوہیت کی تجلی کے خواص ہیں اور تجلی ذاتی اور چیز ہے۔ "مرصاد میں ہے تجلی ذاتی دو قسم پر ہے۔ الوہیتی و ربوبیتی۔ الوہیتی حضرت ختمی رسالت پر ہوئی اور ربوبیتی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کہ "پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔" پہاڑ موسیٰ کی طفیل تھا اور موسیٰ پہاڑ کی طفیل۔ موسیٰ علیہ السلام پر ایسی بیہوشی کہ گر پڑے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ الوہیت پالنے والی اور رکھنے والی اور ان پر نوازش کرنے والی تھی۔ کہ وہ دونوں باقی رہ گئے ورنہ دونوں ختم ہو جاتے۔

جب کہ تجلی کا بیج آدم کی مٹی میں کاشت کیا اور موسیٰ کی ولایت میں اس نے ارنی کا نعرہ لگایا اور ولایت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا ثمرہ "کیا تو نے اپنے رب کی طرف نہ دیکھا کہ اس نے سایہ کو کس طرح لمبا کیا۔" اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ خرمن محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خوشہ چین اس ثمرہ سے ہمیشہ ہمیشہ تک تناول فرمائیں گے۔ "کئی چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے" اس معنی پر گواہ ہے۔ تجلی صفات ذاتی و افعالی ہے۔ رموز الواصلین میں ہے کہ متکلمین کے نزدیک صفات ذاتی بھی ہیں اور ان کو ثبوتی بھی کہتے ہیں اور افعالی بھی بیشمار ہیں۔ اور ان کو سلبی بھی کہتے ہیں۔ لیکن محققین کے نزدیک جلال اور جمال واحد اور صمد بھی صفات ذاتی ہیں اور اسم کے لحاظ سے ذات پر زائد بھی ہیں نہ کہ تاثیر کے لحاظ سے۔ ان صفات کی تجلی کی تاثیر علم لدنی کا پانا اور آثار بشریت کا محو ہو جانا اور کلام فاوحی الی عبدہ ما اوحی کے معنی معلوم کر لینا اور حروف مقطعات کے معنی سے واقف ہونا ہے۔

"مرصاد میں ہے کہ جلال و جمال ذات باری تعالیٰ کی دو لازمی صفات ہیں اور تجلی جمال مشاہدہ سے ہوتی ہے اور تجلی جلال میں بھی مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور مشاہدہ باب مفاعلہ ہے جو مشارکت اور اثنینیت کا تقاضا کرتا ہے اور یہ مقام تلوین میں ہوتا ہے اور تجلی جلال اثنینیت اور دوجائگی کو ختم کر دیتی ہے اور احدیت کی مثبت ہے اور یہ مقام تمکین میں ہوتی ہے اور ان دونوں صفتوں سے ہر ایک صفت کے لیے ذاتی صفات بھی ہیں اور افعالی بھی۔ ذاتی جمال دو قسم کا ہے نفسی اور معنوی۔ نفسی وہ ہے جو ذات باری تعالیٰ پر دلالت کرتی ہو الذات کے سوا اور زیادت پر دلالت نہیں کرتی اور اس کی تین قسمیں ہیں موجودی۔ واجدی اور قائم بنفسی۔ ان تینوں صفتوں کی تاثیر یہ ہے کہ اگر بندہ موجودی صفت کے ساتھ متجلی ہو جیسا کہ شیخ جنید تو کہتا ہے۔ "میرے جبہ میں اللہ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔" اور اگر صفت واجدی کے ساتھ متجلی ہو تو جیسا کہ ابو سعید ابوالخیر کہتا ہے "وجود میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔" اگر قائم بنفسی سے تجلی ہو جیسا کہ بایزید تو سبحانی ما اعظم شانی کہتا ہے اور معنوی وہ ہے جو ذات سے زائد ہونے کے معنی پر دلالت کرے اور وہ آٹھ ہیں چنانچہ علم۔ قدرت۔ بصر۔ سمع۔ ارادہ۔ حیوٰۃ۔ کلام۔ اور بقا۔ ان آٹھوں صفات کی تاثیر یہ ہے کہ اگر خداوند تعالیٰ بندے پر صفت علم سے متجلی ہو

تو بغیر کسی ظاہری علم کے یعنی لدنی علم سے اشیاء کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے جیسا کہ آدم علیہ السلام پر ہوئی کہ اس نے نام کو سب نام کہہ دیا اور امت محمدیہ کے بعض خاص الخاص اولیاء اللہ کو بھی علم لدنی سے حصہ بخشا جاتا ہے۔ اور اگر حق تعالیٰ قدرت کی صفت کے ساتھ بندہ پر متجلی ہوں تو اس طرح ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی کے اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا اور ایک مٹھی خاک سے کفار کو شکست دے دی۔ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ اس معنی کا مظہر ہے اور اگر خداوند تعالیٰ بندہ پر مرید کی صفت سے تجلی فرمائیں جیسے سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا۔ کہ وہ گھوڑوں کو دیکھنے میں مصروف تھے اور آفتاب غروب ہو گیا تو سلیمان علیہ السلام کی دعا سے سورج پھر واپس آ گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اس کو مجھ پر واپس لاؤ"۔ اس معنی کا مظہر ہے اور یہ معنی اولیائے امت محمدی سے بھی منقول ہے یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ کا ارادہ بندہ کے ارادہ میں آ جاتا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں "بندہ نے ستر سال تک خدا تعالیٰ کے ارادہ میں کام کیا۔ اور اب اس کے بعد جو بندہ فرید چاہتا ہے۔ وہی خدا بھی چاہتا ہے" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ کے کچھ ایسے بھی بندے ہیں۔ کہ خدا ان کی رضا پر راضی ہوتے ہیں۔ اور ان کے غضب پر غضب فرماتے ہیں۔ جیسا کہ وہ بھی اس کی رضا پر راضی رہتے ہیں۔ اور اس کے غضب پر غضبناک ہوتے ہیں"۔ اور وہی چاہتے ہیں جو اللہ چاہتا ہے"۔ اس معنی پر گواہ ہے۔ اور اگر سمیعی صفت سے بندہ پر جلوہ گر ہوں۔ تو ایسا ہوتا ہے کہ تمام حیوانات اور جمادات اور نباتات اور تسبیحیں پڑھتے ہیں وہ سنتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کنکر اٹھایا۔ آپ اس کی تسبیح سنتے رہے پھر اسے امیر المومنین ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر رکھا۔ وہ اسی طرح تسبیح پڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ چاروں خلفاء کے ہاتھ پر رکھا۔ اور پھر اس کے بعد وہ خاموش ہو گیا۔ اور سلیمان علیہ السلام نے ایک چیونٹی کی بات سن لی اور یہ تجلی سمیعی اس حد تک پہنچ جاتی ہے۔ کہ بندہ حق تعالیٰ کی کلام حقیقی بغیر حروف اور بغیر جہت اور بے حجاب کے سن لیتا ہے۔ لیکن جس کو سنائیں وہی سنتا ہے۔

یہ فقیر کہتا ہے کہ تجلی قدرت اور سمیعی بلکہ تجلی معنوی کی یہ تمام صفات جنہوں نے غوث ربانی پر ظہور کیا ہے امت محمدی کے تمام اولیاء میں سے کسی بھی ولی پر بہت ہی کم تر ظاہر ہوئی ہیں۔ اور قدرت کو ان کے بزرگ نام ہی سے جو عبدالقادر ہے سمجھ لینا چاہیئے اور سمیعی کو کلام غوثیہ سے سمجھنا چاہیئے۔ اور تمام تجلیات کے بعد بصیرتی وحسبی ذوالجلال کے معنی تجھ پر پوری طرح سے ظاہر ہو جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور اگر بصیری صفت سے بندہ پر جلوہ گر ہوں تو ایسا ہوتا ہے کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح آگے دیکھتے تھے اسی طرح پیچھے کی جانب سے بھی دیکھتے تھے فقیر کہتا ہے کہ "میں نے اللہ کے شہروں کو دیکھا"۔ اسی صفات بصیرت کا بیان ہے۔ جیسا کہ انشاء اللہ آئے گا۔ اور اگر صفت حیوٰۃ سے تجلی ہو تو خضر و الیاس کی طرح قیامت تک زندہ رہتا ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ یہ تجلی تمام پیغمبروں اور اولیاء میں ہے۔ کیونکہ ان پر موت نہیں ہے۔ وہ ایک گھر سے دوسرے گھر کو منتقل ہوتا ہے۔ خبر دار اللہ کے دوست نہیں مرتے لیکن وہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوتے ہیں۔ اور یہ معنی بہت سے آدمیوں سے اولیاء کے متعلق سنا گیا ہے۔ کہ وہ اپنی اصلی صورت سے ظاہر ہوئے اور امداد کی خصوصاً جناب غوث صمدانی کے متعلق تو تواتر کی حد تک پہنچ گیا ہے اور اگر متکلمی کی صفت سے بندہ پر تجلی ہو تو ہر وہ بات جو بندہ کہتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے جیسا کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ عمر کی زبان پر بولتے ہیں"۔ اور اگر بقا کی صفت سے کسی پر تجلی ہو انسانی وجود میں ختم ہو جاتی ہے۔ اور ربانی صفت ثابت ہو جاتی ہے کہ بندہ بقا کی صفت سے کہ بندہ مشابہ الالٰہیہ کی بقا سے موصوف ہو جاتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ جو چاہے مٹا دے اور جو چاہے ثابت رکھے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔" اسی معنی کا سر ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ جناب غوث ربانی نے اپنے محمود قصائد میں فرمایا ہے تکلم ابی من لسان حقیقتی۔ اللہ تعالیٰ نے تیری زبان حقیقت سے گفتگو فرمائی۔ اسی تجلی میں سمجھنا چاہیے۔ اور یہ بھی اس قصیدہ میں فرمایا ہے۔ (ترجمہ) اگر میں اپنا راز ڈالتا۔ الو القیت سری اور یہ چار جگہ ہے۔ اور دوسرے قصائد میں بھی آپ نے فرمایا ہے: "میں نے تقدیر سے منازعت کی" اور ان اقوال کے علاوہ دوسرے تمام اقوال بھی اس تجلی بقائی کے بیان میں ہیں۔ استحالی۔ یہ ذات جمال معنوی کی آٹھ صفات ہیں۔ جب ان کے خواص اور تاثیر بیان ہو چکے۔ اس کے بعد افعال جمال کے خواص ہیں۔ اور وہ بے شمار ہیں ان میں سے چند ایک کہی جاتی ہیں۔

تجلی صفت افعالی:۔ افعال صفات کا جمال بے شمار ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ جو تمام افعال کو مشتمل ہیں۔ صاحب مرصاد العباد نے بیان فرمائی ہیں۔ جیسا کہ خالقی و رزاقی و احیائی و اماتتی وغیرہ۔ تجلی خالقی کی تاثیر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے صفت خالقی کی تجلی فرماتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہوئی۔ کہ اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے۔ کہ میں تمہارے لیے مٹی کی ایک شکل بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔" اور اگر صفت رزاقی تجلی فرماتی ہے جیسا کہ مریم علیہا السلام پر ہوئی تو تاثیر یہ ہوئی۔ کہ اپنی طرف کھجور کے تنے کو حرکت دے تجھ پر تازہ کھجوریں گرائے گا۔" اور اگر صفت احیائی بندہ پر جلوہ گر ہوتی ہے تو اس طرح ہوتا ہے کہ جیسے مردوں کو میرے حکم سے زندہ کرتا تھا۔" اور اگر صفت اماتت تجلی ہوتی ہے جیسا کہ بایزید قدس اللہ سرہ پر ہوئی۔ کہ آپ نے اپنے مرید ابو تراب نخشبی پر نگاہ ڈالی تو اس مرید نے نعرہ لگایا اور گر پڑا اور مر گیا۔ اور رسالہ معتمد کے مؤلف نے کہا ہے اماتت اگرچہ افعال جمال سے ہے لیکن وہ تاثیر قہر کی رکھتی ہے۔ اور اس جگہ ایک سر اور عظیم رمز ہے جس کو کہا نہیں جاسکتا۔ یہ صفات ذات و افعال اللہ تعالیٰ کا جمال تھیں۔ اب صفات ذات افعال جلال کا حال سنو مرصاد میں ہے صفات جلال بھی دو قسم کے ہے افعالی و ذاتی۔ صفات افعالی تو صفات افعال جمالی ہی کی طرح ہے۔ جیسے کہ خالقی اور رازقی اور احیائی اور اماتی۔ القصہ ذاتی دو قسم کی ہیں۔ جبروتی و عظموتی۔ ان دونوں صفات کی تاثیر تجلی جبروتی کی وجہ سے بدلتی رہتی ہے کہ جو صفات جلالی کا نتیجہ ہے اگر بندہ پر تجلی جبروتی متوجہ ہو تو بے حساب نور اور بے انتہا ہیبت ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن اس میں رنگ اور کیفیت نہیں ہوتا۔ اس سے انسانی صفات کا فنا اور آثار ہستی کا محو پیدا ہوتا ہے۔ بیت۔ تیرے جلال کے جام سے ایک گھونٹ کافی ہے۔ تاکہ میں عدم اور وجود سے بیزار ہو جاؤں۔ تجلی عظموتی چار قسم پر ہے۔ حیی۔ قیومی۔ کبریائی اور عظمت قہاری۔ اور ان چاروں میں سے ہر ایک کا تجلی میں اثر ہے حیی اور قیومی میں فناء الفنا پیدا ہوتا ہے اور اس کے بعد بقاء البقا پیدا ہو جاتا ہے۔" اللہ جسے چاہے اپنے نور کی طرف راہنمائی کرے" اس سے ظاہر ہوتا ہے اور پھر اس میں فنا نہیں پیدا ہوتی ہے۔ اور ایسا طلوع ہوتا ہے جو غیر مانوس نہیں ہوتا اور تجلی کبریائی اور عظمت قہاری میں سالک جو کچھ بھی ہے اپنے آپ کو گم کر کے بیٹھ جاتا ہے۔ اور علم و معرفت جہالت و نکارت میں تبدیل ہو جاتا ہے یہ وہ جہالت ہے جو علم سے بہت بالاتر ہے اور اس جگہ جا کر حضرت غوث ربانی کے اس قول کا معنی ظاہر ہوتا ہے کہ فرمایا "اے غوث الاعظم علم کا علم کیا ہے؟ آپ نے فرمایا علم سے جہالت۔ جیسا کہ امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔" ادراک سے عاجز آ جانا بھی ادراک ہے۔" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا معنی بھی یہی ہے کہ ہم نے جیسے تجھے پہچاننے کا حق تھا نہیں پہچانا۔" اور جب عظمت قہاری تمام موجودات پر جلوہ گر ہوتی ہے تو قیام قائم ہو جاتا ہے۔ اور تمام موجودات کی پیشانی پر کل شیء ہالک الا وجہہ کی تحریر

لکھی جاتی ہے۔ اور لمن الملک الیوم آج بادشاہی کس کی ہے۔ کی آواز آتی ہے اور پھر بصفت الوہیت خود ہی جواب دیتا ہے کہ للہ الواحد القہار۔ روح قدسی اور روح قدسی کی تجلی برحق ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خلافت خداوندی کا دعویٰ کرتا ہے اور اپنی تعریف شروع کر دیتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تمام موجودات اس کے تخت کے سامنے سجدہ کرتی ہے۔ طالبان نو نیاز اور مبتدی اس کو آغاز اس حدیث کے مطابق کہ جب اللہ کسی چیز پر ظاہر ہوتے ہیں۔ تو وہ چیز اس کے سامنے جھک جاتی ہے۔ گمان کر لیتے ہیں کہ یہ تجلی ذات ہے۔ تجلی روحانی اور رحمانی کے نور میں فرق اس طرح ہے۔ مرصاد میں لائے ہیں کہ دل کا آئینہ جب وجود ماسوی اللہ کی آلائشوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ تو روشن ہو جاتا ہے اور اس کی صفائی کمال درجہ تک پہنچ جاتی ہے تو تجلی روحانی کی سعادت ملتی ہے۔ لیکن تمام صاف شدہ دل اس کے لیے تیار نہیں ہو سکتے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے۔ شیخ عبداللہ انصاری فرماتے ہیں۔ حق کی تجلی ناگہاں آتی ہے۔ لیکن دل آگاہ پر آتی ہے۔ جب دل کا آئینہ صفات بشری اور طبیعت کے زنگار سے صاف ہو جاتا ہے۔ تو اس پر بعض صفات روحانی تجلی کرتی ہیں۔ اور وہ روحانی غلبات کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ عزیزی کی روح کی معرفت اس روح کی ذات کے ساتھ اور ذکر و اطاعت کے انوار اور ارواح شیخ و نبی کے انوار آپس میں سب مل جائیں اور تجلی کریں تو ابتدا ہونے والے نو آموز سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ ذات و صفات الٰہی کی تجلی ہے۔ اور اس نور سے راہ حق کے بہت سے سالک غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان کو سمجھ نہیں آتی کہ یہ تجلی روحانی ہے یا تجلی ربانی۔ اس مقام پر شیخ کامل اور صاحب تصرف کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ مرید کو نفسانی غرور اور شیطانی شر اور ہلاکت اور خوف زوال ایمان اور شرک سے بچائے کیونکہ روحانی تجلی حدوث کی علت رکھتی ہے اگرچہ وہ صفات بشری کا ازالہ تو کرتی ہے۔ لیکن صفات بشری کو پوری طرح فنا نہیں کر سکتی۔ جب وہ اس صفت سے خالی ہو جائے گا تو پھر صفات بشری عود کر آئیں گی۔ اور نرشا ئم ابد خصلتیں، اپنی طبیعت کی طرف لوٹ آتی ہیں ''کا یہی مطلب ہے اور دوسرا فرق یہ ہے کہ تجلی روحانی میں دل کو طمانیت حاصل نہیں ہوتی اور شک و شبہ کے لوازمات اور آدمیوں کی زینت سے خلاصی حاصل نہیں کر سکتا۔ اور ذوق معرفت پیدا نہیں ہوتا۔ اور غرور و پندار پیدا ہو جاتا ہے۔ اور عجب اور خود پرستی بڑھ جاتی ہے اور اس طرح یہ تجلی نقصان کر جاتی ہے۔ اور تجلی رحمانی بالکل اس کے برخلاف ہوتی ہے اس میں سابقہ اوصاف بھی پائے جاتے ہیں اور تجلی رحمانی تجلی حق کے لوازمات میں سے ہے۔ وہ نفس کے اطوار کا تدارک کرتی ہے اور صفات باطلہ کو یقیناً لازمی طور پر ختم کر دیتی ہے کہ ''حق آگیا اور باطل مٹ گیا بیشک باطل مٹنے ہی والا ہے'' اس تجلی میں ہستی نیستی میں بدل جاتی ہے اور درد اور طلب اور تشنگی بڑھ جاتی ہے۔ فقیر کہتا ہے کہ جان لینا چاہیئے کہ کوئی انسان وقت طاقت نہیں رکھتا کہ ہر لحظہ پے در پے تجلیات سے ترقی کرتا ہے ورنہ وجود کا پہاڑ اس طرح ریزہ ریزہ ہو جاتے کہ گویا کہ کوئی چیز قابل ذکر تھی ہی نہیں تو اللہ تعالیٰ انسان کی تربیت تجلی اور ستر میں کرتے ہیں یہی تربیت کا معاملہ ہے اور اس کا اصل وہ مشاہدہ ہے جو تجلی اور استتار کے درمیان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرے دل پر کچھ غبار سا آجاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اپنے اللہ سے کم از کم دن میں ستر یا سو دفعہ استغفار کرتا ہوں'' پس یہ غین (غبار۔ پردہ) صرف تربیت ہی کے لیے ہوتا ہے۔ پس قبض اور بسط اور تجلی اور استتار وغیرہ یہ سب کچھ اس تصریف کے اسباب ہیں۔ جو بیشمار ترقیات کا باعث ہیں۔ جو شمار بھی نہیں کی سکتیں ''اگر تم اللہ تعالیٰ کے احسانات کو گننا چاہو تو گن بھی نہیں سکتے''۔

اے قصیدہ غریبہ کے معانی اور تحقیق کے طالب جب آپ کو ہمارے مختصر بیان سے تجلیات کی تفصیل معلوم ہو گئی تو آپ کو

یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا اپنے قول وحسبی ذوالجلال "اور مجھے ذوالجلال کافی ہے" سے یہ اشارہ کیا ہے کہ تجلیات جمالیہ تمام کی تمام تجلیات جلالیہ سے پہلے ہیں تو گویا کہ آپ کہہ رہے ہیں کہ میں تجلیات جمالیہ سے پہلے موصوف ہو چکا ہوں اور تجلیات جلالیہ میں داخل ہو چکا ہوں جو میری تربیت اور تعلیم کے لیے کافی ہیں۔ کیونکہ اس کے پاس اوپر تو کوئی مقام ہی نہیں ہے پھر بندہ ہے اور رب ذوالجلال ہے یہاں تک کہ بندے کے وجود کا ایک ذرہ بھی باقی نہیں رہ جاتا اور سارا ملک اللہ کیلئے زبردست کا ہو جاتا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کے قول لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار "آج ملک کس کا ہے؟ صرف واحد قہار کا" کی سمجھ بھی آجاتی ہے۔ جو تجلی عظمت قہاریہ کا بیان ہے۔ کیونکہ یہاں آکر ہر چیز ختم ہو جاتی ہے اور کل شئی ہالک "اس کی ذات کے سوا ہر شئے ہلاک ہونے والی ہے۔" کا معنی ظاہر ہو جاتا ہے۔ تو بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے یہ تصریح کی ہے میں ضمیر غائب کے ساتھ جو ذوالجلال کی طرف راجع ہے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ ان کے اپنے اندر کوئی ارادہ اور اختیار اور وجود باقی نہیں رہا بلکہ سارا ملک اللہ تعالیٰ کا ہو چکا ہے سو تم جب ہی چاہتے ہو جب اللہ چاہتا ہے اور اس تعریف کے انفاس کی تعداد کے برابر بے شمار اور بہت سے طرق ہیں جیسا کہ مشہور قول میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے والے راستے مخلوقات کے انفاس کی تعداد کے برابر ہیں" لیکن جب اللہ تعالیٰ نے نبی حجازی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو ان تمام الگ الگ اور متفرق طریقوں کو اکٹھا کر دیا اور آپ کے ہاتھ پر ایک ابتدائی قاعدہ کلیہ رکھ دیا اور وہ ہے شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ کیونکہ اس نے تمام امور مثلاً معاش۔ معاد۔ معاملات اور بندوں کی عبادات وغیرہ میں تمام قسم کی ضروریات پوری کر دی ہیں۔ اب جو قبولیت کے ساتھ خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ شریعت کو اپنا وسیلہ بنائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں مخصوص ہے کہ "اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو" یہاں تک کہ اس کی نگاہ اس ملت بیضاء کے سوا اور کسی چیز پر نہ پڑے۔ اس آیت کے مطابق کہ "جو تمہیں رسول دے اس کو لے لو اور جس سے تم کو منع کرے اس سے باز آجاؤ" پس اس کے چہرہ اور اس کی جہت کا آئینہ صرف شریعت مقدسہ ہی ہو جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہو جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "میری مثال ایک صاف شیشے کی سی ہے۔ دیکھنے والے کو اس میں اس کا اپنا آپ ہی نظر آتا ہے" اور اس سے اس کی تحقیق بھی ہو گئی کہ مومن مومن کا آئینہ ہے اور شریعت کے مسائل معاملیہ اور عبادتیہ کے متعلق بہت سی کتابیں تصنیف ہو چکی ہیں۔ تو پہلے شریعت کا علم حاصل کرنا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے" اور اہل ظواہر نے اس کی تفسیر علم شرعی سے کی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں بیان فرمایا ہے "جو علم کے بغیر زاہد بنے وہ بے دین ہو جائے گا یا اپنی آخری زندگی میں دیوانہ ہو جائے گا" اور یہی وجہ ہے کہ بزرگ ترین شیخ نے اپنی بعض وصیتوں میں اپنی اولاد سے فرمایا "جاہل صوفیوں سے بچتے رہنا" اور اس میں یہ راز ہے کہ اندھا ایک خطرناک راستے پر نہیں جا سکتا جس میں جا بجا موڑ بھی ہیں اور ایسی گھاٹیاں بھی ہوں کہ ان کو طے کرنے میں ہر ایک عقلمند، تیز نگاہ، مضبوط قدم والا آدمی بھی پریشان ہو جائے۔ پھر جب علم شرعی اور اس کے مطابق عمل حاصل ہو جائے تو پھر ضروری ہے کہ علم طریقت کی طرف ترقی کرنے کا خواہشمند کوشش شروع کرے اور اس کا بھی ایک قاعدہ کلیہ ہے اور وہ یہ ہے اخلاق رذیلہ کو بدلنا اور فضائل قدسیہ کے ساتھ آراستہ ہونا لیکن اس کے ساتھ ہی شیخ کامل کی توجہ بھی ضروری ہے جس کا دل اپنی پوری گہرائیوں تک انوار بہیہ اور الٰہیہ سے منور ہو چکا ہو کیونکہ یہ راہ قلبی راہ ہے جیسا کہ پہلا طریقہ قالبی (جسمانی) طریقہ تھا اور دل سے دل کی طرف ایک روشندان ہوتا ہے۔ سالک اپنے دل کے پاؤں سے صرف اسی صورت میں چل سکتا ہے کہ کسی بزرگ ترین شیخ کی متواتر توجہات اس کی امداد کریں کیا

تم غور کرتے نہیں کہ انہوں نے قاعدہ مقرر کیا ہے کہ کامل ترین شیخ کی توجہ کے بغیر سو سال کی کوشش اور اہتمام کامل ترین شیخ کی ایک ساعت کی توجہ کے برابر نہیں ہو سکتی۔ شیخ عبداللہ انصاری نے فرمایا "الٰہی اگر تو مجھ کو ایک بار اپنا بندہ کہہ دے تو میرے قدم کی آواز عرش سے بھی اوپر گذر جائے"۔ اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی منقول دعاؤں میں ہے "تیری نگاہوں میں سے ایک نگاہ مجھے کافی ہے۔ اور تیری شراب کا ایک قطرہ مجھے سیراب کر دے گا۔ اور یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے "جس کا کوئی شیخ نہ ہو اس کا شیخ ابلیس ہے"۔

قصہ مختصر یہ کہ نہایت ضروری ہے۔ کہ سالک کا کوئی شیخ ہو جو اکمل اور پرہیزگار ہو اور اللہ کے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہو اپنے نفس سے فانی ہو اپنے رب کے ساتھ باقی ہو اور یہی وجہ ہے کہ شیخ اجل نے اپنی کتاب "جلاء الخاطر" میں فرمایا ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ "اگر تو شیخ کامل اور منازل کے واقف کے ہاتھ پر متورع اور زاہد نہ بنے گا تو کس طرح ترقی کر سکے گا اور کس طرح بلند ہو گا"۔ جب سالک اپنے نفس سے فنا ہو جاتا ہے۔ اور اس کو شیخ کے ساتھ بقا حاصل ہو جاتی ہے تو اس کا حال بلند ہو جاتا ہے پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں فنا اور بقا حاصل کرتا ہے پھر جب وہ آنحضرت کے اوامر و نواہی میں پوری طرح محکم ہو جاتا ہے تو اس کا معاملہ فنا اور بقا باللہ تک پہنچتا ہے۔ تو پھر اس کی تصریف ذوالجلال کے متعلق ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اس کی ملک میں اس کا غلام ہے اور مالک اپنی ملکیت میں جو چاہے تصرف کرتا ہے۔ پھر وہ سب سے پہلے جبروت حقیقی کی تجلی اور تعلق کے باعث مرتبہ جمع الجمع صفاتی کی حیثیت سے قادر کا بندہ بنتا ہے۔ پھر اس کا پھینکنا حقیقت میں اللہ کا پھینکنا ہوتا ہے اور اس کی ایجاد اللہ کی ایجاد ہوتی ہے پھر یہی وہ شیخ ہے جو زندہ کرتا ہے۔ اور مارتا ہے اور مادر زاد اندھوں اور پھلبہری والوں کو اللہ کے حکم سے تندرست کرتا ہے۔ جب اس کی آیات وصفات مستحکم ہو جاتی ہیں تو پھر وہ اللہ کا بندہ بنتا ہے محض عبودیت کی وجہ سے اس کی عبادت کرتا ہے۔ وہ معبودیت کے آداب میں قائم رہتا ہے۔ پھر اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مورد بنتا ہے کہ "میرے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ہے" اور اسی مقام پر یہ معنی پورے ہوتے ہیں۔ کہ "جب فقر پورا ہو جاتا ہے تو اللہ باقی رہ جاتا ہے" یعنی اللہ کے سوا کسی کی طاقت نہ برائی سے بچنے کی ہمت۔ پھر شیطان کلاً وجزءً پگھل جاتا ہے اور آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے غوثیت میں اس قول کے معنی حاصل ہوتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "ناسوت ملکوت کا شیطان ہے اور جبروت لاہوت کا شیطان ہے" اور اس عبارت میں شیطان کی مراد حجابات ہیں۔ پس ہر مقام میں حجاب اور موانع ہیں۔ خواہ وہ ظلماتی ہوں خواہ نورانی۔ پس حجاب حجاب ہی ہے اگرچہ نور کا ہی کیوں نہ ہو اور یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے "علم سب سے بڑا حجاب ہے" کیونکہ وہ نورانی حجابات میں سے آخری حجاب ہے۔ اس کا بڑا ہونا کدورت اور سفالت کے لحاظ سے نہیں ہے جیسا کہ جاہل لوگ سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ آخری حجاب ہے جس میں مبتلا آدمی اس کے معائنہ سے بہت لذت حاصل کرتا ہے تو اس کا اٹھنا بھی ضروری ہوتا ہے تاکہ حقیقت کے چہرہ کا مشاہدہ ہو سکے اور کلی اور جزئی اشتباہ ختم ہو جائیں۔ اور یہ مشاہدہ عام مومنوں کو قیامت کے دن حسی موت کے سبب سے ناسوتی حجاب کے جل جانے اور محاسبہ وغیرہ کے بعد ہو گا اور خواص کو اسی دنیا میں ہو جاتا ہے۔ لیکن بصیرت سے نہ کہ بصارت سے کیونکہ وہ صرف نبی حجازی صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ صحیح روایات کے مطابق معراج کی رات نصیب ہوا۔ جیسا کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی صلوٰۃ منقولہ میں اس طرف اشارہ ہے اور جس نے حجاب کو معائنہ بصری کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ تو بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے

Scanned by CamScanner

ان تمام مراتب کی طرف اپنے قول [illegible] میں اشارہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ [illegible] حقیقت ایک دوسری تحقیق [illegible]
کا مادہ اللہ کو ہو کر محبت اور علاق کے تمام مراتب تمام طرف کو شامل ہوگا تو مجھ پر لازم ہے کہ کوئی اس تعریف میں کوشش کرے
تو اللہ تعالیٰ مجھے رزق حسنہ ظاہرہ [illegible] بہت بڑا ہے اور باقی رہنے والا ہے اے اللہ مجھے اس
قصیدہ طریہ کی شرح میں علم اور فہم [illegible] یا نادانی کر بیٹھوں تو مجھ پر [illegible] ہر ایک غلطی اور
پھسلنے سے بچانے والا [illegible] دنیا اور آخرت میں [illegible] عنایت فرما بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

ایک تکمیل فائدہ کا افادہ [illegible] جو تصرف ولایت کے متعلق [illegible] سعادت کے عبور کرنے کی
نسا [illegible] ہے۔ [illegible] یہ ضروری ہے کہ تو پہلے [illegible] اور جوانی [illegible] تو اس کے بیانوں میں ابجت تعریف کے معانی
کے حقائق کی [illegible] فائدہ دے [illegible] اور وہ یہ ہے کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ
عنہ اور ارضاہ صاحب خدا تعالیٰ کی لا انتہائی سے بندے کے گرنے سے ترقی کر کے قرب کی بلندیوں تک پہنچ گئے اور تجلیات ذاتیہ و
صفاتیہ جمالیہ اور جلالیہ میں [illegible] یہاں تک کہ ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سایہ میں پہنچ
گئے۔ تو ہر ایک درجہ میں آپ کے نانا رضی اللہ عنہ نے آپ کی تربیت فرمائی۔ جیسا کہ آپ نے اپنے بعض قصائد میں فرمایا ہے کہ اور
میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل [illegible] میری تربیت فرمائی ہے۔ اور اس تربیت کا معنی یا تو عام ہے اور وہ ہے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی برکت سے [illegible] مراتب کا حصول ایسا [illegible] خاص ہے تو وہ اس حیثیت سے ہے
کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو [illegible] ہر درجہ میں آپ کی پوری طرح تربیت فرمائی کہ اس درجہ میں کوئی انتہا ایسی نہ تھی
جہاں آپ نہ پہنچے۔ تو آپ ہر مرتبہ کے حق تک پہنچے جیسا کہ آپ نے اس کی طرف ایک اور قصیدہ میں اشارہ فرمایا ہے۔ شعر:
عشق میں جتنے بھی میٹھے گھاٹ ہیں ان میں سب سے زیادہ پاکیزہ اور لذیذ میرا حصہ ہے یعنی ولایت کے ہر درجہ میں میرا ایسا قدم
ہے کہ اس سے اوپر اور کوئی قدم نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: میرے یہ قدم تمام پہلے اور پچھلے اولیاء اللہ کی گردن
پر ہیں۔ کیونکہ وہ ہر ایک درجہ میں وہاں تک نہیں پہنچ سکے جہاں تک میں پہنچا ہوں تو ہر ایک درجہ میں مجھے علو حقیقی انتہائی حاصل ہے
برخلاف دوسروں کے جیسا کہ آپ نے ایک اور قصیدہ میں فرمایا: مجھے مولا نے ایک بہت بڑی ولایت عطا فرمائی ہے جو میرے
سوا کسی کو بھی قیامت تک میسر نہ ہوگی۔ اور یہ ترقی بندہ کا ایک اور معنی ہے اور بہت دقیق ہے اور علاوہ اس معنی کے ہے جو پہلے بیان
کیا گیا ہے۔ کہ ضروری ہے کہ تو اس نئی نعمت کو غنیمت سمجھے۔ پھر جب ولایت کے ہر ایک مقام پر پہنچ گئے اور آپ کے قدم ہر مرتبہ پر
اٹھے جیسا کہ آپ نے فرمایا اپنی بعض کلام میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے جیسا کہ تکملہ میں اس کو نقل کیا ہے کہ میرے نانا نے
کوئی قدم ایسا نہیں اٹھایا جو میں نے بھی نہ اٹھایا ہو ماسوائے نبوت کے قدم کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ قاعدہ مقرر
ہے۔ آپ نے فرمایا انا فی حضرۃ التقریب وحدی۔ یعنی میں وہ ہوں کہ جس نے قرب اور ولایت کے ہر ایک درجہ میں ترقی کی ہے یہاں
تک کہ میں متفرد اور منفرد ہو گیا اس میں میرا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں اس مرتبہ اور منزلت میں ہمیشہ ابد الآباد تک اکیلا ہوں جیسا
کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میں ازل اور [illegible] ماحول ہوں پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ مجھے سیر فی اللہ میں پھیرتے رہے
کیونکہ اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اور وہ اس کلام میں مجھے کافی ہے یعنی میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ارادہ اور علم میں دل بدن اور

لحظہ بلحظہ ایک درجہ سے دوسرے درجہ میں ترقی کر رہا ہوں اور پھر رہا ہوں اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمالات نامتناہی ہیں اور جب کمالات غیر متناہی ہوں گے تو ان میں انقلابات اور سیر بھی نامتناہی ہو گی اس لئے آپ نے فرمایا کہ "میرا مقام تم سے بلند رہا ہے۔" اور اس صورت میں آپ کا قول انا فی حضرۃ التقریب وحدی علت تفوق کے بیان کے لیے ہو کر بمنزلہ حال کے مقید ہے۔ جملہ مستانفہ ہو گا۔ اور تصریف سے آپ کی مراد اس سیر میں تصریف ہے اور اس کی طرف آپ کا یہ قول اشارہ کر رہا ہے وحسبی ذوالجلال۔

یہ تو آپ کو پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ قرب میں تجلی جلال آخری تجلی ہے کیونکہ وہی کلی اور جزئی طور پر معدوم اور فنا کرنے والی ہے جیسا کہ اس کی طرف اللہ تعالیٰ کا کل شئی ہالک الا وجہہ (اس کی ذات کے سوا ہر شے ہلاک ہونے والی ہے) اشارہ کر رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قول قیامت اور انعام کے متعلق لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار۔ کیونکہ اس آیت میں قہر کا معنی جلال ہے جیسا کہ اس سے ہر وہ آدمی واقف ہے جو علم یا مشاہدہ کے لحاظ سے مقامات کی ادنیٰ سی بھی پہچان رکھتا ہے۔ اور یہ جو ہم نے کہا ہے کہ تجلی جلالی قرب میں آخری تجلی ہے حالانکہ جلالی و جمالی تجلیات سیر الی اللہ کے دوران میں یکے بعد دیگرے آتی رہتی ہیں۔ اور بہت دفعہ ایک دوسرے کا تعاقب کرتی ہیں۔ تو اگر حقیقت کی طرف نگاہ ڈالی جائے تو تجلی جلالی ہر مرتبہ اور ہر درجہ کی نہایت میں موخر ہو گی۔ اگر دیکھ لے۔

پھر جب کلام تصریف اور جلال تک پہنچ گیا تو ضروری ہے کہ اس کی تفصیل بیان کی جائے سو جاننا چاہیئے کہ عرفاء کی اصطلاح میں تصریف تلوین کا ہم معنی ہے اور وہ عبارت اس تغیر سے جو سالک کے احوال اور درجات میں کلاً و جزءً واقع ہوتا رہتا ہے اور اس کو بزرگ ترین شیخ نے اپنی بعض عبارتوں میں جو معروف کرخی کی زیارت کے واقعہ میں مذکور ہیں بیان فرمایا ہے۔ کہ ایک دفعہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ شیخ معروف کرخی کی قبر کی زیارت کے لیے گئے۔ آپ نے اس کی قبر پر ایک گھڑی تک قیام کیا اور ان کی طرف توجہ کی تو مزار کی طرف چلنے کا ارادہ کرنے کے بعد آپ نے فرمایا "اے معروف آپ نے ہم کو ایک درجہ سے گذار دیا۔" پھر تھوڑا زمانہ گذرنے کے بعد آپ پھر ان کی زیارت کے لیے آئے اور قیام کیا اور توجہ کی تو فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا "ہم نے آپ کو کئی درجات سے گزار دیا۔" سبحان اللہ اللہ کی شان بلند ہے۔ کہ خداوند ذوالجلال کی طرف سے کس طرح آپ کی تصریف ہو رہی ہے اور کس طرح اللہ تعالیٰ آپ سے کفایت کرتے تھے۔ پھر تصریف دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک قسم تو سیر الی اللہ میں ہوتی ہے یعنی ناستوتی اخلاق سے نکل کر فضائل قدسیہ کی طرف جانا اور پھر ملکیۃ سے جبروتیت تک پہنچنا پھر اسی طرح تمام صفات کے اطوار میں جب سالک یہاں تک پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک طرح سے واصل ہو جاتا ہے اور اولیاء اللہ میں یہ وصول بھی ہر ایک مرتبہ کا حق ادا کرنے کی حیثیت سے مختلف ہوتا ہے بعض وہ ہیں جن کو اس مرتبہ کا ظاہر نصیب ہوتا ہے اور بعض کو ظاہر اور باطن دونوں مل جاتے ہیں اور بعض کو صرف باطن میسر آتا ہے اور بعض کو ظاہر اور باطن اور باطن کے بعد اندرونی باطن بھی نصیب ہو جاتا ہے یعنی جو ہر مقام اور حال کے لیے رازخانہ مقرر ہے۔ جس کی طرف میں نے ابھی اشارہ کیا ہے اور یہ تصریف پہلی تصریف ہے اور اس سے ترقی لازمی ہے اور وصول کے حصول کے لیے اس سے فراغت ضروری ہے اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ نے اپنے قول سقانی الحب کاسات الوصال سے بعض وجوہ کے لحاظ سے اسی طرف اشارہ کیا ہے اور ایک اور قسم ہے جو اس وصول کے بعد ہوتی ہے اور وہ ہے سیر فی اللہ اور وہ اس سے عبارت ہے کہ سالک واصل اپنے وجود سے نکل کر کمالات الٰہیہ احدیہ سے متصف ہو جائے جن کو نہ کسی نے دیکھا

ہے۔ نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل پر ان کا گذر ہی ہوا ہے کیونکہ آنکھیں اور کان اور دل تو اس سے پہلے تھے اور اسی تعریف میں اللہ کا ستر ہو چکے جس کی طرف اس قول سے اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ انسان میرا ستر ہے اور میں اس کا ستر ہوں، اور وہ اس وقت عقلوں سے بہت دور ہے۔ ایسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا جیسا کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے یہ کہہ کر اس کی طرف اشارہ کیا ہے: "میں ایک راز ہوں" اور آپ کے قول میں ستر کا معنی یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ وہ چیزیں بھی اپنی حکمت سے پیدا کرے گا جو کہ تم نہیں جانتے" اور یہ تعریف اصل میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے اور ظلی طور پر شیخ اجل رضی اللہ عنہ کا خاصہ ہے اور اسی معنی کی حیثیت میں آپ نے ایک اور قصیدہ میں فرمایا ہے کہ "میں حسنی ہوں اور مخدع میرا مقام ہے" اور شروع قصیدہ میں آپ نے فرمایا تعلقت غزل نحوی نقال۔ سو تجھ پر لازم ہے کہ تو ابتداء کلام اور آخر کلام کا احاطہ کرلے تاکہ تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکے اے اللہ مجھے اپنے کلام کی شرح میں زیادہ علم عطا فرما۔ اور اگر میں بھول جاؤں یا غلطی کر بیٹھوں تو مجھ پر مواخذہ نہ فرما یقیناً تو بخشنے والا ہے جاننے والا ہے۔

تمکین اور تلوین کی ایک اور طریقہ سے تحقیق:- جان لینا چاہیئے کہ اللہ عزوجل نے اپنی کتاب کریم میں ابن آدم کے بدن اور اخلاق اور صفات اور اس کی ناسوت سے لاہوت تک ترقی کرنے میں کئی ایک تلوینات کا تذکرہ کیا ہے سو پہلے تو تلوین نطفہ میں ہوتی ہے کہ اس کو جما ہوا خون بنایا جاتا ہے پھر گوشت کا لوتھڑا اور اسی کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا ہے "پھر ہم نے نطفہ کو خون بنایا پھر علقہ کو مضغہ اور پھر مضغہ میں ہڈیاں پیدا کیں پھر ہم نے ہڈیاں پر گوشت چڑھایا" اور اس تلوین میں پھر بے شمار تلوینات ہیں جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ کیا آپ غور نہیں کرتے کہ ان میں سے ہر ایک حالت میں چالیس دن گذر جاتے ہیں اور ہر دن کا اپنا چوبیس ساعت کا ہوتا ہے۔ اور ہر ساعت چند ایک لمحات کی اور لمحہ چند ایک طرفہ کا پھر ایک طرفہ میں ان امور مذکورہ کے ساتھ تغیرات و تلوینات وارد ہوتے ہیں۔ کہ ان کا علم سوائے اس آدمی کے کسی کو بھی نہیں ہو سکتا جس کو اللہ مطلع فرمائے اور ہر تغیر میں اللہ تعالیٰ کی نگاہ اس پر پڑتی رہتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہر دفعہ میں خلقنا خلقنا اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ پھر جب وہ وقت پورا ہو جاتا ہے تو اس کو ایک اور ہی پیدائش میں لے آتا ہے یعنی اس میں روح داخل کرتا ہے جیسا کہ اس آیت کے آخر میں ہے پھر ہم نے اس کو ایک اور پیدائش میں پیدا کر دیا۔ پس اللہ برکت والا ہے جو بہترین پیدا کرنے والا ہے۔

اور میرے دل میں خیال گزرتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ثم انشاناہ خلقاً آخر کے اجمال میں تلوین اخلاق اور فنائی اور بقائی سب کو جمع کر دیا ہے اور یہ سب کچھ تجلیات جمالی و جلالی کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے "تمہارا پھرنا اور تمہارے ٹھہرنے کی جگہ سب کچھ جانتا ہے" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے اس کو الٹ پلٹ کرتا رہتا ہے" اور اس اجمال میں یہ بھی اشارہ ہے کہ وہ تلوین جو انسان کی تکمیل میں واقع ہوتی ہے کہ وہ بلندیوں کی طرف ترقی کرتا ہے اسے مفصل طور پر کسی عبارت سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر روز کسی نہ کسی کام میں ہیں" اور جس کے دونوں دن برابر ہوں وہ خسارے میں ہے۔ سو وہ وصول جو سیر الی اللہ کی حیثیت سے ہے۔ اگرچہ اس کی انتہا ہے لیکن وہ وصول جو سیر فی اللہ کی حیثیت سے ہے اس کی کوئی انتہا نہیں ہے نہ اس کو تعبیر کیا جا سکتا ہے نہ اس کی تصویر کھینچی جا سکتی ہے۔ تو ہمارے اس مذکورہ بیان سے معلوم ہو گیا ہے کہ جسم اور دل کے ہر مرتبہ میں

اللہ تعالیٰ کی تقلیب ہوتی رہتی ہے۔ لیکن پہلی تقلیب کثیف کو لطیف بنانے کے لیے ہے اور دوسری تقلیب لطیف کو بہت زیادہ لطیف بنانے کے لیے ہے۔ یہاں تک کہ اللہ کے سوا اور کوئی چیز باقی نہ رہ جائے۔ اور لبشری وجود ختم ہو جائے اور پھر اس میں بھی کئی ایک درجے ہیں۔ اور آپ نے اس کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے۔ انانی حضرۃ التقریب وحدی۔ لیصرفنی توریر تصریف اللطیف ہر اور اس میں کئی ایک درجے ہیں۔ سو تمکین کے حصول کے بعد اس میں کئی ایک تلوینات ہیں۔ جن کو نہ کبھی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کان نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل پر ان کا گزر ہوا ہے۔ سو یہ تلوینات پہلی تمکین سے بہت زیادہ قیمتی اور بہت زیادہ لذیذ ہوتی ہیں کیونکہ وہ تمکین اجمالی ہے اور یہ ہر لحظہ جمالی اور جلالی ہے لیکن اس تلوین میں اور تمکین سے پہلے کی تلوین میں اس حیثیت سے فرق ہے کہ پہلی تلوین میں اضطراب اور تنگی ہوتا ہے اور اس تلوین میں ہر لحظہ سرور اور خوشی اور شوق ہوتی ہے اور اس کی لذت کے برابر دنیا کی کسی نعمت کی لذت نہیں ہوتی۔ "اور ان کے لیے اس میں وہ کچھ ہے جو وہ چاہیں گے"۔ جس کو یہ لذت نصیب ہے وہ نعمتوں میں رہتا ہے "ان کو ان کا رب شراب پاک پلاتا ہے"۔ وہ اس دستر خوان پر بہترین کلام سنتے ہیں اور ان کو ایسے خطاب سے مخاطب کیا جاتا ہے کہ اس کا اکثر نہایت خوشگوار ہوتا ہے۔ سو پہلی تلوین میں تو حجابات سے نکال کر مکاشفات کی طرف لایا جاتا ہے اور اس میں انسان نور سے اعلیٰ نور کی طرف ترقی کرتا ہے پہلی تلوین میں وہ جھوٹ اور فریب کو پھاڑتا تھا۔ اور اس میں ضعیف اور طور پر ترقی کرتا ہے۔ اور ہمارے بیان سے تلوین اخلاق اور اتصالی کا فرق ظاہر ہو گیا جیسا کہ ہم نے وعدہ کیا تھا۔ اور اس میں اور بھی نکات ہیں اگر تو اس کو غور سے دیکھے گا تو شاید اللہ وہ تجھے رزق ارزانی فرما دیں جو کہ ہم پہلے تجلیات صفاتیہ اور ذاتیہ اور جمالیہ کے بیان میں ذکر کر آئے ہیں۔

اور یہاں تلوین اور تمکین کے معنی میں ایک نہایت باریک طریقہ اور بھی ہے جو رسالہ قشیریہ میں ہے تمکین کا معنی ہے تلوین کا ختم ہو جانا۔ اور تمکین کا معنی محققین کے نزدیک یہ ہے کہ کمال کے محل میں اقامت نصیب ہو جائے۔ اور اعلیٰ درجہ اور انتہائی قرارگاہ اور تلوین راستے کی منزلوں سے مبتدیوں کا درجہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام متلون تھے۔ تجلی طور پر ہوئی تو وہ بے ہوش ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے حبیب علیہ افضل الصلوات ممکن تھے کہ مکہ سے لے کر قاب قوسین تک تجلی میں تھے اور ان کی حالت تبدیل نہ ہوئی اور تمکین کا مطلب یہ ہے۔ کہ بندہ متغیر نہ ہو کیونکہ جب تک بشریت باقی ہے آدمی تغیر پذیر ہوتا ہے اور جب بشریت سے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر کس چیز پر تغیر آئے یہی وجہ ہے کہ تمکین میں جو کچھ بھی اس پر وارد ہوتا ہے وہ ہرگز مغلوب نہیں ہوتا۔ بیت: جب تک تو منزل پر نہ پہنچ جائے کہ کسی جگہ نہ ٹھہرے۔ اگر تو ایک بال برابر بھی رک جائے گا تو تو اس راہ کا مرد نہیں ہے۔ اور تلوین اس کے برعکس ہے یعنی اس میں تغیر ہوتا رہتا ہے۔ اور اگر کوئی چیز اس پر منکشف ہوتی ہے اور وہ پوشیدہ ہو جاتا ہے۔

اب یہ تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ تلوین اور تمکین کے دو مقام ہیں ایک سیر الی اللہ کے دوران میں اور اس میں وہ حالت متحقق ہوتی ہے جو اس رسالہ میں ذکر کی گئی ہے۔ اور دوسرا مقام سیر فی اللہ میں ہے۔ اور یہ دونوں اس مقام میں لازم ملزوم ہیں۔ بلکہ متجانس ہیں۔ ان میں پوری تمیز کے بغیر فرق کرنا بڑا مشکل ہے اور ان میں وہی فرق کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے جو خلائق کی مشیت کے مطابق ان سے بلندی حاصل کر چکا ہو اس کو سمجھ لے۔ سو بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ نے اپنے قول لیصرفنی میں دوسری تصریف مراد لی ہے۔ اور اس کا قرینہ آپ کا یہ قول ہے انانی حضرۃ التقریب وحدی اور آپ کا یہ قول سقانی الحب

کاسات الوصال. تو اس صورت میں یہ تعریف آپ کے اس قول کی تفہیم ہوگی مقامی فوقکم ما زال عالی. اور آپ کے اس قول کی ولو تم علوی واتصالی. اور سیاق کلام سے ظاہراً یہی سمجھ میں آتی ہے. کیونکہ شیخ اجل رحمہ اللہ تعالیٰ عنہ اپنے وہ احوال اور مقامات بیان کر رہے ہیں جو آپ کے لیے وصول کے بعد ثابت ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلی تعریف مراد ہو اور اس بیان کا فائدہ یہ ہے کہ آپ ابتدا سے لے کر انتہا تک اکیلے اور منفرد رہے ہیں آپ کے احوال میں کوئی بھی آپ کا شریک نہیں ہے نہ ابتدا میں اور نہ انتہا میں. سو آپ کے لیے ہر ایک درجہ میں ابتدا سے لے کر انتہا تک سوائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تمام پہلے اور پچھلے اولیا کے درجات کی گردنوں پہ آپ کے قدم رہے ہیں کیونکہ صحابہ کرام کو آنحضرت کی صحبت کا خلق علیحدہ نصیب ہوا ہے. جو ولایت کے تمام درجوں سے افضل ہے. اور ہر صورت میں ضروری ہے کہ مرید یہ ملاحظہ کرے کہ شیخ لحظہ بلحظہ ترقی کر رہے ہیں اور اپنے کمالات میں دن بدن منقلب ہیں. تو شیخ کے ثابت شدہ ایک مقام کے حصول پہ ٹھہر نہ جائے یہاں تک کہ وہ اس تنگی سے نکل جائے کہ جس کے دونوں دن برابر ہوں وہ خسارہ میں ہے تو ضروری ہے کہ اس کا نصب العین اعلیٰ سے اعلیٰ بلندیوں تک ترقی کرنا ہو یہاں تک کہ غروب کے ظلمات سے اس پر وصول کی فجر طلوع ہو اور اس پر یہ معنی متحقق ہو جائیں کہ اللہ ایمانداروں کا دوست ہے ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور کافروں کے دوست شیطان ہیں وہ ان کو روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لاتے ہیں و پھر بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے انوار سے اس تربیت یافتہ کے دل پہ یہ وارد ہو رہا ہے.

ضابطہ ۔ اس کو لکھ دینا ضروری ہے تاکہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ مرید جب قرب اور تقریب کی بارگاہ تک ترقی کرنے کا ارادہ کرے تو ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جلال کی بساط میں بیٹھ جائے اور یہ خیال کرے کہ معرف حقیقی اس میں ہر آن لحظہ بلحظہ تصرف کر رہے ہیں اور وہ جلال اور جمال کی حیثیت سے خدا تعالیٰ کی تقلیب کے ہاتھوں میں ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشہور حدیث میں فرمایا ہے کہ ابن آدم کے دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جس طرح چاہے ان کو پھیرتا رہتا ہے. اور تقلیب کے طریقے اللہ تعالیٰ کے رسول کریم اور نبی عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر بیان ہو چکے ہیں. پہلے فرائض ادا کرے اور ان میں حرام کا چھوڑنا بھی شامل ہے اور وہ ابتدا میں یعنی دنیا کو کامل طور پر چھوڑنے سے متحقق ہوتے ہیں جو کہ رفیق اعلیٰ کی بلندیوں تک ترقی کرنے میں مانع ہے اور دوسرے مرحلہ پر مطلق طور پہ اوامر کی تعمیل کرنا اور نواہی سے اجتناب کرنا ہے. اور اس کی تحقیق آپ کی کتاب "جلاء الخاطر" میں ہے. دل کا اس مقام تک پہنچنا فرائض کی ادائیگی اور حرام اور مشتبہ چیزوں سے صبر اور جود اور شہوت اور خواہش کے مباح کو تناول کرنا چھوڑنے اور ورع شافی اور زہد کامل استعمال کرنے سے ہے اور زہد کامل یہ ہے کہ آدمی اللہ عزوجل کے سوا ہر چیز کو چھوڑ دے اور نفس اور شیطان اور ہوا اور حرص کی مخالفت کرے. اور مخلوق سے اپنے دل کو پاک کرنا یہ ہے کہ اس کی نگاہ میں مدح و ذم اور دینا یا نہ دینا اور پتھر اور اینٹ سب برابر ہو جائیں. اس معاملہ کی ابتدا لا الہ الا اللہ کی شہادت سے ہے اور اس کی انتہا اینٹ اور پتھر کا برابر ہو جانا ہے. جس کا دل صحیح ہو جائے اور اپنے رب عزوجل سے مل جائے اس کی نگاہ میں اینٹ اور پتھر برابر ہو جاتے ہیں یعنی سونا اور چاندی اور مدح اور ذم اور صحت اور بیماری اور غنا اور فقر اور دنیا کا آنا اور جانا سب برابر ہو جاتا ہے جس میں یہ صفت

پیدا ہو جاتے ہیں اس کا نفس اور خواہش مر جاتے ہیں۔ اس کی طبیعت کی آگ بجھ جاتی ہے اس کا شیطان ذلیل ہو جاتا ہے اور اس کے
دل میں دنیا اور دنیا والے حقیر معلوم ہوتے ہیں پھر وہ ان دونوں سے منہ پھیر لیتا ہے اور اپنے دل کے دروازے سے ہی الگ ہو کر
درمیان اپنے مولیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے وہ اپنے خالق کی طرف اکیلا دائیں اور بائیں چلتا رہتا ہے۔ لوگ اس کے پاس سے
چھوڑ کر ایک طرف ہو جاتے ہیں۔ اس کی سچائی کی آگ اور ہنر کی ہیبت سے بھاگتے ہیں۔ اس وقت وہ ملکوت میں اکبر
آدمی سمجھا جاتا ہے تمام مخلوق اس کے دل کے قدموں کے تحت ہوتی ہے اس کے سایہ میں آرام حاصل کرتی ہیں۔ تو ہو کر
تیرے پاس اور تیرے لیے نہیں ہے۔ اس کا دعویٰ نہ کر۔ اگر ایسا ہے تو تیرا نفس تجھ پر غالب ہے اور مخلوق اور دنیا تیرے اور
عزوجل سے بڑے میں تو توم کی حد اور تعداد سے خارج ہے اگر تو اس مقام تک پہنچنا چاہتا ہے جس کی طرف میں نے اشارہ کیا
ہے تو اپنے دل کو تمام چیزوں سے پاک کر کے آجا۔ آپ کی عبارت ختم ہوئی۔

آپ کا یہ قول کہ وہ اکیلا دائیں بائیں چلتا ہے۔ یہ آپ کے اس قول کے معنی کا بیان ہے کہ "میں تقریب کی بارگاہ میں اکیلا
چلا" اور آپ کا قول کہ وہ ملکوت میں عظیم شمار کیا جاتا ہے۔ یہ اس خطاب کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کو نور عظیم کے خطاب سے سرفراز
فرمایا گیا۔ جیسا کہ آپ کے ایک اور قصیدہ میں ہے: میری ہمت کی وجہ سے مجھے نور عظیم کے خطاب سے پکارا گیا۔ سو اے طالب
تو جلال الٰہی کے سامنے اپنے وجود کو ایک شمع کی طرح بنا دے جو ہیبت کی آگ اور محبت کے شعلوں کے برابر رکھی گئی ہے اور
شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قالب کی طرح بنا لے جس میں وہ شمع رکھی ہوئی ہے۔ جب اس وجود میں قدرتی
کے ساتھ تحقق پورا ہو جائے گا اور چالیس دن کے مقررہ وعدہ کی میعاد پوری ہو جائے گی جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے آدم کی مٹی کو چالیس دن تک اپنے ہاتھ سے خمیر کیا۔ پھر اس مقلوب کی تربیت انوار ربانی
اور اسرار قدسیہ سے ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ پہلے سے زیادہ صاف ہو جاتا ہے پھر وہ اس وجود میں رہتا ہے اس کا
تجلیات ہوتی رہتی ہیں کل جلال۔ ذاتی اور صفاتی یہاں تک کہ اس کے وجود میں سے کوئی چیز بھی باقی نہ رہ جاتی اور وہ پہلے سے
جاتا ہے۔ اس میں اپنے ارادے کا کوئی پانی نہیں رہ جاتا جیسے ٹوٹا ہوا برتن کلی طور پر خالی ہو جاتا ہے پھر اس میں تیسری
اور اللہ کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔ اور حجابی ظلم سے فارغ ہو جاتا ہے جیسا کہ اس قول میں اشارہ کیا گیا ہے کہ
اس کی تلوین و تصریف پوری ہو جاتی ہے اور اس کے لیے ایک اور ایجاد اور ایک اور پیدائش ثابت ہو جاتی ہے وہ اس وقت ایک
کل میں ہوتا ہے۔ اس کی عمارت ایسی بنیادوں پر کھڑی ہو جاتی ہے جن میں کوئی خلل نہیں ہوتا۔ اس کا اعتصام ہوتا ہے
سکتا تو اس کو اللہ تعالیٰ کے قول "خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو" کی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے وہ محفوظ اور ہو جاتا ہے
اللہ تعالیٰ کے وجود کے سوا اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا تو اس وقت ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ انسانی وجود محض ایک آلہ اور ظاہری
وجود حقیقی نہیں ہے جیسا کہ بڑھئی کے لیے آری اور یہی معنی ہیں وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی کے یعنی فعل کو آلے کی طرف منسوب نہیں کیا
جاتا ہے۔ اس حال والا کہتا ہے کہ بندہ بندہ ہی ہے خواہ وہ کتنی ترقی کر جائے اور رب رب ہی ہے خواہ وہ کتنا ہی تنزل فرمائے
جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا یہی وجہ ہے کہ منصور حلاج کے قول انا الحق پر اعتراض کیا گیا تھا کیونکہ اس نے اپنے وجود کے لیے وجود
حقیقی ثابت کیا اور یہ شریعت میں تو کفر ہے اور طریقت میں مرتبہ سے قصور ہے اسی لیے اس کو سولی پر لٹکا دیا گیا۔

سولی پر چڑھایا اور نہ اس کو قتل کیا۔ بلکہ ان پر شبہ پڑ گیا۔" کیونکہ ان اس فعل سے اس کو وجود حسی کے فنا کرنے سے حقیقت کی طرف ترقی مل گئی جو کہ اس کو ظاہر میں حاصل تھا۔ تو اس کا وجود حسی کے وقت انا الحق کہنا ایک قسم کا تصور تھا۔ لیکن جب اس کے اعضا کاٹ دیئے گئے اور اس سے خون نکلا تو کلمۂ انا الحق کی شکل بن گیا۔ تو ایسے حالات کے وقت اس کلمے کا اس سے نکلنا عین توحید تھا یہی وجہ ہے کہ پھر اس کے مٹانے پر بڑے بڑے لوگوں میں سے بھی کوئی قادر نہ ہو سکا بلکہ وہ راکھ جو اس کو جلانے کے لئے بعد باقی رہ گئی تھی۔ وہ بھی انا الحق کی صورت اختیار کر گئی۔ پھر اسے دریا میں بہا دیا گیا تو اس سے بھی انا الحق کی آواز آنے لگی سو اس کا پہلی حالت میں انا الحق کہنا تصور تھا اور اب یہ حضور تھا اور اس سے آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے قول انا فی حضرۃ التقریب وحدی میں ایک عجیب وغریب نکتہ ظاہر ہو گیا یعنی وہ وجود کلی طور پر صاف ہو گیا۔ اور اس سے کلی طور پر میل کچیل نکل گئی یہاں تک کہ وہ مظہر اتم اور مطلع خاص بن گیا تو اس میں اللہ تعالیٰ کا ظہور اتم ظہور ہوا پس وہ مظہر اتم ہے۔ اور یہ معنی اصالۃً تو نبی امی حجازی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اور آپ کے سوا دوسروں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبعیت اور ظل میں ہے۔ سو آپ کے حضرۃ التقریب میں وحدی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ مظہریت تامہ کے مستحق ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس کو اپنے قول لیصرفنی وحسبی ذوالجلال۔ یعنی مجھے اس ذوالجلال نے جو ہر بندے کو کافی ہے مکمل کیا ہے اور اس حالت میں پہنچایا ہے۔ اور یہی معنی ہیں اس قول کے جو کہ آپ کی والدہ معظمہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے اللہ مجھے کافی ہے میں نے کافی کا قصد کیا تو میں نے کافی کو ہر ایک کے لیے کافی پایا سو مجھے کافی نے کفایت کی اور وہ بہترین کفایت کرنے والا ہے اور آپ کی والدہ رضی اللہ عنہا کے حکم کا سر ظاہر ہوا کہ جبکہ آپ نے بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کو کمالات علمی وعملی کے حصول کے لیے گھر سے وداع کرتے وقت دیا تھا۔ سو یہ قول یعنی آپ کا قول انا فی حضرۃ التقریب وحدی اسی طرح ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بغیر میم کے احمد ہوں۔ اور میم سے مراد وہی وجود برزخی حسی ہے یعنی میرے وجود حسی سے کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی ہے میں وجود اور اس کی اپنی طرف نسبت سے خالی ہو چکا ہوں۔ سو نہ میرا وجود باقی رہ گیا ہے نہ شہود میں صرف وجود واحدی کا ایک آلہ اور مظہر ہوں اور آپ کے قول میں میں انا احمد کے بعد۔ بلا میم کے الفاظ بڑھانے کا یہی راز ہے۔ اور آپ نے انا احد نہ کہا کیونکہ یہ قول تلوینات سے ہے جو کہ وجود میں کسی تعدد کے باقی رہ جانے کی علامت ہے۔ اور یہ قول یعنی انا احمد بلا میم یہ شریعت اور حقیقت کی محافظت ہے سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول انا احمد بلا میم میں جو کہ کمال کلی پر دلالت کرتا ہے۔ اور منصور کے قول انا الحق میں فرق ظاہر ہو گیا۔ کیونکہ وہ مرتبۂ تلوینات وسطیہ سے تھا اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا قول انا فی حضرۃ التقریب وحدی پہلے قبیل سے ہے اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے منصور کے حق میں فرمایا کہ اس نے کمال کے وقت کے بغیر یہ کلمہ کہا تو اس کے بولنے والے مرغ کا سر اڑا دیا گیا جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان کر چکا ہوں سو اس کو یاد رکھ۔ اے اللہ مجھے بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے کلام کی شرح میں علم زیادہ عطا فرما۔ پھر اس قول میں ان اشغال کی طرف بھی اشارہ ہے جو ہر چیز سے پہلے جاتے ہیں اور تغیرات سے متغیر ہونے میں تو سالک کو چاہیئے کہ ان پر اس نگاہ سے عبور حاصل کرے جو تیز ہو حتی ہو یہاں تک کہ وہ تمام پردے اٹھ جائیں جو کونی اور آفاقی اور انفسی کثوفات سے مانع اور حجاب ہیں اور میں انشاء اللہ تعالیٰ قصیدہ کی شرح میں ایک خاتمہ کا تذکرہ کروں گا۔ اس میں ہر بیعت کے اشغال اور ارشادات آپ کے لیے بیان کروں گا بلند کرنے والا وضیعہ اور راہنمائی کرنے والا ذوالجلال مجھے کافی ہے۔

فائدہ جمیلہ:۔ ہمارے سابقہ بیان سے یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ وہ تربیت جو شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے لیے ثابت ہے

وہ انوار جلالیہ سے ہوئی ہے جو آپ کو برد و برس کو تی ہے۔ اور یہ بھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ تجلیات جلالیہ ذاتیہ وصفائیہ کہ جن پر کمال کی کا دار و مدار ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اصالۃً ثابت ہیں اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے لیے نیابتاً۔ اور آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے۔ وعبد القادر المشهور اسمی وجدی صاحب العین الکمال یعنی میں نام میں یعنی وجود حسی میں تو اس نام یعنی عبد القادر سے مشہور ہوں لیکن میرے وجود حسی میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی ہے۔ بلکہ میرا وجود نبی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاف وجود سے ایک کیا گیا ہے جو کہ کمال حقیقی کے مالک ہیں۔ یعنی وجود الٰہی احدی اصفی سے میری صفائی ہو چکی ہے یعنی ایسا وجود جس کی طرف نہ اشارہ کیا جا سکتا ہے اور نہ اسے متعین کیا جا سکتا ہے۔ سو وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے۔ اور آپ کی کتاب جلاء الخاطر میں اسی طرف اشارہ ہے۔ کہ جب دل صحیح ہو جاتا ہے پھر وہ پرواہ نہیں کرتا کہ کون اس کی مخالفت کرتا ہے۔ کون اس کی تعریف کرتا ہے اور کون اس کی موافقت کرتا ہے اور کون مذمت۔ اور کون اس کو دیتا ہے اور کون نہیں دیتا اور کون اس سے قریب ہے اور کون دور ہے کون اس سے قبول کرتا ہے اور کون رد کرتا ہے۔ کیونکہ صحیح دل توحید اور توکل اور یقین اور تزئین اور ایمان سے بھر جاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہو جاتا ہے وہ تمام مخلوق کو عاجز و ذلیل اور فقیر دیکھتا ہے اور اس کے باوجود ایک چھوٹے بچے کی بھی مخالفت نہیں کرتا وہ منافقوں اور گنہگاروں اور کافروں سے جنگ کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی غیرت کے لیے ایک شیر کی طرح بن جاتا ہے اور صالح، متقی اور محترم لوگوں کے سامنے تواضع اختیار کرتا ہے۔ جھک جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسی قوم کا ذکر کیا ہے جن کی یہ صفت ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: وہ کافروں پر بڑے سخت گیر ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔ جب یہ کیفیت صحیح ہو جاتی ہے۔ تو اس وقت بندہ مخلوق کی عقلوں اور فکروں کی حد سے باہر ہو جاتا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کے اس قول ویخلق ما لا تعلمون کا مظہر بن جاتا ہے۔ یہ سب توحید اور اخلاص اور صبر کا پھل ہے انتہیٰ۔

اور اسی معنی کی طرف بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے ایک اور قصیدہ میں اشارہ فرمایا ہے کہ میں سر در ازل ہوں اللہ سر کا معنی اللہ تعالیٰ کے قول ویخلق ما لا تعلمون مجملہ کے الفاظ میں ہے یعنی میں سر کا سر ہوں اور اللہ تعالیٰ کے قول ویخلق ما لا تعلمون کے معنی کا معنی ہوں۔ اس کلمہ سے مراد چند ایک اندیشے ہیں کہ عارفوں میں سے کسی طرف وہی جان سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص علم پر مطلع فرمایا ہے اور یہ امر عقول کی سرحد سے باہر ہے اور یہ علم آحاد افراد میں پایا جاتا ہے۔ اور ہر علم والے پر کوئی نہ کوئی علم والا ہے۔ اے اللہ تو قلیل کا جاننے والا ہے۔ اگر میں بھول جاؤں یا غلطی کر بیٹھوں تو مجھ پر مواخذہ نہ فرما اور اس قصیدہ مبارکہ خمریہ کی شرح میں مجھے علم اور سر زیادہ عطا فرما اور اس کے پیالوں سے شراب طہور پلا اور ہمارے دلوں کے ارد گرد اپنی ایسی آگ جلا جو دلوں پر چڑھ آتی ہے جس سے جھوٹ اور فریب جل جائیں۔

فائدہ جلیلہ۔ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنے قول انا فی حضرۃ التقریب وحدی میں اشارہ فرمایا ہے کہ آپ کا مرتبہ تمکن میں ہے جو سب سے اعلیٰ اس وحدت سے آگے ہے۔ اور اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اولیاء کے لیے درکات اور حضرات اور مقامات اور متنوع ہیں۔ پھر وہ آدمی جو درکات میں ہے اس کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو گھر کی چھت کے نیچے رہتا ہو اس کو کچھ خبر نہیں کہ اس مکان کی چھت کے اوپر کیا ہو رہا ہے اور حضرت والے کی مثال اس آدمی جیسی ہے جو گھر کے صحن میں ہو کبھی وہ چھت کے اوپر بھی چلا جاتا ہے اور معلوم کر لیتا ہے کہ چھت پر کیا ہو رہا ہے اور اس آدمی کی مثال جو مقام میں ہے اس آدمی جیسی ہے جو چھت پر رہتا ہو اور چھت ہی اس کی

جگہ بنی ہے لیکن اس چھت کے اوپر بادشاہ کا ایک خاص مکان ہے جس میں وہ اپنے بعض خواص کے ساتھ بیٹھتا ہے جو چھت پر بیٹھنے والوں میں سے کسی کو جرأت نہیں کہ اس مکان تک چلا جائے کیونکہ یہ بادشاہ کے خاص اسرار کا اس کے خواص کے ساتھ مکان ہے وہ اس میں بیٹھتا ہے اور اپنے خاص ہم نشینوں کو مخصوص پیالے پلاتا ہے اور اس گھر کا نام مخدع ہے کیونکہ بادشاہ اپنے خواص کے ساتھ اس میں اپنی مجالس اور مشورت وغیرہ چھپا کر محفوظ رکھتا ہے سو یہی مخدع بادشاہ کی مراد ہے اور جو اس کے علاوہ جگہ ہے وہ مریدوں کی جگہ ہے تو جو لوگ تو ہیں شیخ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اے قطاب میں وہ ہوں جس کا حضرات میں بھی کوئی شریک نہیں ہے پھر مقامات اور مخدع میں بھی میرا کوئی شریک کیسے ہو سکتا ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ یہ تمام مراتب یعنی درکات و حضرات اور مقامات اور مخدع اپنی اپنی وضع کی حیثیت سے الگ الگ ہیں۔ سو بعض درکات کے درجے والے ایسے ہیں جن کی طرف بادشاہ حضرت والوں سے بھی زیادہ توجہ کرتا ہے اگرچہ دوسرا درجہ پہلے سے درکات اور حضرات کی حیثیت سے افضل ہے اور ان کو یہ تمام درکات اور حضرات کو تنہا اس کو حاصل ہیں اللہ تعالیٰ نے بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ کو ہر درجہ میں اس درجہ والوں پر کیفیت کی حیثیت سے فضیلت بخشی ہے سو اقطاب کو اس بیت میں تنبیہ ہے کہ اے اقطاب تم حضرت قرب میں بھی میرے برابر نہیں ہو سکتے۔ پھر مخدع القرب میں تم میرے ساتھ کیسے برابر ہو سکتے ہو تم میرے لحاظ سے دو جہتوں سے مجھ سے نیچے ہو اس کو سمجھو اور تمہارے دلوں میں مساوات کا خیال نہ آنا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ جس نے ایسا خیال کیا تو شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اس کا حال سلب کر لیا۔ ضروری ہے کہ اس معاملہ میں میں تمہیں شیخ عبد الرحمن طفسونجی کا واقعہ سناؤں جو کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے ایک مرید سے پیش آیا اگرچہ میں یہ حکایت پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس حکایت کو دوبارہ نقل کر دوں کیونکہ اس میں ایسے اسرار و نکات ہیں جن کو اس بیت کی شرح میں نظر انداز کر جانا درست نہیں ہے۔ اور میں ایک ایسے شیخ کی حکایت بھی نقل کر دوں گا جس کا حال چھین لیا گیا جب کہ اس کے دل میں شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی برابری کا خیال آیا۔ اب وہ حکایت میں فارسی زبان میں بیان کرتا ہوں جو شیخ عبد اللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ کے تکملہ میں ہے۔

مشائخ کی ایک جماعت سے منقول ہے کہتے ہیں کہ ایک وقت شیخ ابو محمد عبد الرحمن طفسونجی رحمۃ اللہ علیہ طفسونج میں منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا میں اولیاء میں ایسا سر بلند ہوں جیسے کہ کلنگ (ڈھینگ) پرندوں میں لمبی گردن والا ہے۔ شیخ علی بن احمد صنتی (صنت ایک بستی کا نام ہے) وہاں موجود تھے اور ان کی بڑی اچھی حالت تھی۔ وہ اسی وقت اٹھ بیٹھے اور گودڑی اتار ڈالی اور کہا "آؤ میں آپ سے کشتی لڑوں گا"۔ شیخ عبد الرحمن خاموش ہو گئے۔ اور اپنے ساتھیوں سے کہا میں اس کے جسم کا کوئی بال بغیر عنایت الٰہی کے نہیں دیکھتا۔ اسے کہو اپنی گودڑی پہن لے۔ اس نے کہا ہم جس چیز سے باہر آ جاتے ہیں اس میں کبھی واپس نہیں جاتے اور صنت (اپنی بستی) کی طرف منہ کیا۔ اور اپنی بیوی کو آواز دی کہ اے فاطمہ مجھے کپڑے بھیج تاکہ میں پہن سکوں وہ جنت میں تھی اس نے یہ آواز سنی اور کوئی چیز راہ میں باہر پھینک دی تاکہ وہ پہنے۔ اس کے بعد عبد الرحمن نے اس سے پوچھا کہ تمہارے شیخ کون ہیں؟ اس نے کہا میرے شیخ عبد القادر ہیں۔ انہوں نے کہا میں نے عبد القادر کا نام زمین پر ہی سنا ہے۔ مجھے چالیس سال گذر رہے ہیں کہ درکات میں باب قدرت پر ہوتا ہوں۔ میں نے اس جگہ شیخ عبد القادر کو کبھی نہیں دیکھا۔ اور اپنے اصحاب میں سے ایک جماعت کو اسی وقت حکم دیا کہ بغداد جاؤ اور شیخ عبد القادر سے کہو کہ عبد الرحمن سلام کہتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ چالیس سال جا رہے ہیں میں قدرت کے درکات میں رہتا ہوں۔ میں نے اس جگہ آپ کو کبھی نہیں دیکھا نہ اندر نہ باہر۔ اور اسی وقت شیخ عبد القادر نے بھی اپنے بعض اصحاب سے فرمایا کہ تم عبد الرحمن

طفسونجی کے پاس جاؤ۔ اثناء راہ میں تم اس کے بعض ساتھیوں سے ملاقات کرو گے کہ ان کو اس نے میرے پاس بھیجا ہے ان کو اسی جگہ سے واپس لے جانا۔ اور شیخ کے پاس پہنچو اور کہو کہ شیخ عبدالقادر سلام کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ آپ تو درکات میں ہیں اور جو درکات میں ہو وہ حضرت والوں کو کیسے دیکھ سکتا ہے۔ اور جو حضرت میں ہے وہ مخدع والوں کو نہیں دیکھ سکتا۔ یعنی مخفی خانہ والوں کو کہ میں اندر جاتا ہوں اور باہر آتا ہوں۔ جیسا کہ تو بھی مجھ کو جانتا ہے اور اس کی نشانی یہ ہے کہ فلاں وقت میں تیرے لیے رضا کی خلعت میرے ہاتھ سے باہر آئی تھی۔ اور فلاں رات میں فتح کی بزرگی آپ کے لیے میرے ہاتھ سے بھیجی گئی۔ اور ایک نشانی یہ بھی ہے کہ درکات میں بارہ ہزار اولیاء اللہ کی مجلس میں میرے ہاتھ سے آپ کے لیے خلعت رضا بھیجی گئی اور وہ ایک چھوٹی سی سبز رنگ کی قمیص تھی جس پر سونے کے تاروں سے سورہ اخلاص لکھی ہوئی تھی۔ اس کے بعد شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کے مرید شیخ عبدالرحمن طفسونجی کے مریدوں سے اثناء راہ میں ملے اور ان کو وہیں سے واپس اپنے ساتھ لے گئے جب شیخ کے پاس پہنچے اور شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کا پیغام پہنچایا تو شیخ عبدالرحمن نے فرمایا شیخ عبدالقادر نے سچ فرمایا ہے وہ وقت کے بادشاہ ہیں صاحب تصرف ہیں۔

رموز حقائق: جاننا چاہیئے کہ اس قصہ شریف میں بہت سے رموز اور حقائق ہیں پہلی رمز یہ ہے کہ مرید کے لیے ضروری ہے کہ اپنے شیخ کے کمال کے اثبات کے متعلق اس کے دل میں پوری اور بہت زیادہ غیرت ہو اور خصوصاً ایسا شیخ جس کی شیوخ میں مثال نہ ہو۔ ہاں اگر وہ اپنے شیخ کے کمال کو ثابت کر سکتا ہو تو دلائل سے ثابت کرے ان میں سے ایک دلیل مرید کی وہ حالت ثابتہ بھی ہے کہ وہ اپنے شیخ کامل کے اوصاف سے متصف ہو اور اس کے کامل ترین اخلاق کے ساتھ متخلق ہو اور اسی لیے اس نے اپنا حال شیخ عبدالرحمن طفسونجی پر ظاہر کر دیا۔ کہ اپنے کپڑے اتار ڈالے اور پھر ان کو نہ پہنا بلکہ تصرف کا اظہار کیا۔ اور دور کی مسافت سے اپنی بیوی سے کپڑے لے لیے یہاں تک کہ شیخ عبدالرحمن طفسونجی اس سے متاثر ہوئے اور کہا کہ میں اس کے جسم پر کوئی بال بھی بغیر عنایت خداوندی اور نور کے نہیں دیکھتا سو پھر انہوں نے ان کے شیخ کے متعلق پوچھا۔ اور دوسری رمز یہ ہے کہ شیخ کے لیے ضروری ہے کہ ہر آن اپنے مرید کے حال سے واقف رہے۔ اس طرح کہ اس کے مرید کے حالات سے ایک ذرہ برابر بھی اس کے علم سے باہر نہ ہو۔ اور مرید اپنے شیخ کے کمالات کا دعویٰ کرے۔ تو اس کی مدد کے لیے فوراً پہنچے۔ اور تیسری رمز یہ ہے کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ نے شیخ عبدالرحمن طفسونجی کو معلوم کرا دیا۔ کہ میرا علم تیرے قول اور ارادے پر محیط ہے۔ اور تیرا علم میرا احاطہ نہیں کر سکتا اور اسی علم کے مراتب اور ان کے معلومات بھی ہیں۔ سو اے عبدالرحمن جب تو ظاہری امور کا احاطہ نہیں کر سکتا تو ان چیزوں کا احاطہ کیسے کر سکے گا۔ جو عقل کی حدود سے باہر ہیں اور سمجھ میں نہیں آ سکتیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ عبدالرحمن طفسونجی نے کہا شیخ عبدالقادر وقت کے بادشاہ ہیں اور صاحب تصرف ہیں۔

پہلی حقیقت یہ ہے کہ اولیاء اللہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی حیرت انگیز بات اپنے منہ سے نکالیں اور شیخ عبدالرحمن طفسونجی کا کلمہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے نہیں تھا۔ ورنہ اس کے خلاف ظاہر نہ ہوتا۔ اور حقیقت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے اولیاء کی تکمیل کا ارادہ فرماتے ہیں۔ تو کسی پرندے یا انسان یا فرشتے کی زبان سے کوئی ایسا کلمہ ظاہر کرا دیتے ہیں جس سے ان کا عجب دور ہو جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو عجیب و غریب معاملہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ اولیاء اللہ میں سے کسی کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنی سواری پر سوار ہو کر جا رہے تھے۔ اور ان کے ساتھ ایک سو یا چار سو مریدوں کا ہجوم تھا۔ تو ناگہاں ان کی سواری کی دبر سے زور کی ہوا نکلی تو سوار شیخ متاثر ہوئے اور بے ہوش ہو کر سواری سے گر پڑے۔ جب کچھ دیر بعد افاقہ ہوا تو مریدوں نے تعجب کیا اور خاموش رہے

قادر ہو سکے آپ کے بڑے مریدوں میں سے ایک نے پوچھا اور کہا اے شیخ یہ کیا بات ہے کہ آپ کی سواری کی دیر سے ہوا خارج ہوئی اور آپ پر حال وارد ہو گیا تو انہوں نے فرمایا تم نہیں جانتے کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوا اور وہ یہ ہے کہ میرے دل میں خیال گزرا کہ میں بایزید بسطامی کا ثانی ہوں میرے آگے کا ملین مریدوں کی چار سو جماعت چل رہی ہے اور میں بھی کامل حالت میں ہوں اور یہ ایک مذموم عجب ہے سو اس عجب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے روک دیا۔ اور بتایا کہ یہ خیال اس قابل ہے۔ کہ اس کا جواب سواری کی دبر سے دیا جائے تو خوف سے میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اور اس شعلے سے میرا دل پگھل گیا سبحان اللہ۔ خداوند تعالیٰ کا معاملہ اپنے اولیاء سے کس طرح ہوتا ہے اور کیسے ان کی تربیت کرتا ہے۔ اور عُجب سے جو کہ کمال کی دولت سے زوال کا باعث ہے کس طرح ان کو محفوظ رکھتا ہے۔ اور جن کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرنا چاہے تو ان کو علوم اور کمالات کے باوجود ایک ہی کلمہ سے ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور پھر ان کو اس گمراہی سے نہیں نکالتا۔ پھر ضلالت بھی اسی کی طرف سے ہے اور ہدایت بھی اسی کی طرف سے کیا آپ غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے ابو طالب کو ہدایت نہ بخشی حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تمام بدن کا احاطہ کیا ہوا تھا اور اپنی زبان سے اس کو چاہتے رہے اور معلم الملکوت لابلیس، حالانکہ اس نے نو لاکھ یا چھ لاکھ سال تک پڑھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فخر کے ایک ہی کلمے سے ذلیل کر دیا۔ سو فضل کرنا اور معزول کرنا یہ دو نہریں جاری ہیں ایک نہر کا پانی میٹھا ہے خوش ہضم ہے اور دوسری نہر میں نمکین اور کڑوا ہے اور ان دونوں نہروں ہی سے اپنی قسمت کے مطابق وارد ہونے والے پیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ہدایت کے ساتھ بھیجا گیا ہوں اور علی ہذا القیاس ابلیس گمراہی میں مبتلا کرتا ہے اور یہ دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہیں یہ جنت کے لیے ہیں اور میں پرواہ نہیں کرتا۔ اور یہ جہنم کے لیے ہیں۔ اور میں پرواہ نہیں کرتا۔ اے اللہ ہمیں ایمان اور علم زیادہ عطا فرما۔ اور اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

اور دوسری حقیقت یہ ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کو نہایت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہے اور آپ ایک بہترین وسیلہ ہیں جن کی وساطت سے اولیاء کو خلعتیں اور بزرگیاں ملتی ہیں۔ اور اسی کی طرف آپ نے ایک اور قصیدہ میں اشارہ فرمایا ہے آپ نے کہا۔ مجھے اللہ نے بہت بڑی ولایت بخشی ہے جو میرے سوا کسی کو قیامت تک نہیں دی جائے گی۔ یہاں تک کہ آپ نے کہا۔ اور مقام نہایت میں تو ہی میرا کارساز ہے۔ پس آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی وارث اور تحقیقی نائب ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ شیخ عبدالرحمٰن طفسونجی نے فرمایا کہ آپ صاحب تصرف ہیں وقت کے بادشاہ ہیں

اور تیسری حقیقت یہ ہے کہ ولی کا کشف کبھی ناقص بھی ہوتا ہے اور وہ اس حال پر جو اس پر منکشف ہوا ہے یقین کر لیتا ہے۔ اور اس کشف کی بنا پر اس کو بیان بھی کر لیتا ہے اور یہ کشف مجتہد کی غلطی کی طرح ہوتا ہے اس کی بنا پر ولی سے مواخذہ نہیں ہوتا اور اسی کے مطابق اس کی تفسیر بیان کی جاتی ہے کہ غلطی کھانے والے مجتہد پر اس کے فیصلے کے مطابق اس پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس نے اپنی ہمت اور طاقت جو اسے میسر تھی اس مسئلہ کی تحقیق میں خرچ کر ڈالی ہے اور اللہ تعالیٰ کسی آدمی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے ہاں وہ ولی جس نے علوم باطنی کی وادیاں طے کر لی ہوں۔ اور اپنی تحصیل کے اعتبار سے انوار اور اسرار سے متحلی ہو چکا ہو اسے ایسے کشف کو مخفی رکھنے کا حکم ہوتا ہے۔ کیونکہ اولیاء اللہ پر منکشف ہونے والے بعض حقائق کشف جزئی کی بنا پر فی الواقع شریعت کے مخالف ہوتے ہیں ان کا اظہار صاحب کشف کی بیدینی کا باعث ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اسے مخفی رکھنے کا حکم ہوتا ہے۔ اور بعض حقائق کمال درجہ دقیق ہوتے ہیں۔ اور عقول ان کی حقیقت کے عدم احاطہ کی بنا پر شریعت محمدیہ سے ان کی تطبیق نہیں دے سکتیں جو کہ وصول الی اللہ کے فلک کا دارومدار ہے۔ کبھی ایسے کشف کی قواعد شرعیہ سے مخالفت نظر آتی ہے۔ تو عدم فہم کی بنا جو کہ عدم احاطہ سے پیدا ہوتی ہے جھگڑا اور منازعت پیدا ہو جاتا ہے۔ اور لوگ ایک

دوسرے کی گردنیں مارنے لگتے ہیں۔ اور ایک عام فتنہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے اسلام کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔ اسی سے عقل پر تعجب ہوتا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو علم حاصل کئے ہیں ان میں سے ایک تو میں نے پھیلا دیا ہے اور دوسرا کو اگر میں پھیلاؤں تو میری یہ شاہ رگ کاٹ دی جائے۔ یعنی اس لیے کہ عقول عامہ اس کی دقت کی وجہ سے اس کی حکمت کے ادراک سے عاجز ہیں میں تطبیق نہیں دے سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ تقدیر کے مسئلہ میں انہوں نے کہا ہے کہ ضروری ہے کہ اس کی تحقیق سے گریز کیا جائے بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے قول کے حوالے کر دیا گیا ہے جو کہ اس مسئلہ میں وارد ہیں۔ اور وہ باطنی حقائق جو کہ شریعت کے موافق ظاہر ہوں۔ ان کے اظہار میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ وہ مفید ہیں۔ اور شریعت سے ٹکرانے والے جیسے کہ اولیاء اللہ سے صادر ہونے والے وہ تصرفات جو شریعت کے مخالف ہیں۔ اور ایسے خوارق جن کے حقائق کو عوام نہیں سمجھ سکتے ان کو حقیقتاً مخفی رکھنا ضروری ہے۔ تاکہ فتنہ نہ پیدا ہو اور اس مسئلہ کی اس طرح پر تحقیق ان خواص میں سے ہے۔ جو اس کو حضرت سید ابوالفرج محی الدین کی مدد سے تحریر کرنے والے محمد فاضل الدین پر ظاہر ہوئی ہے۔ اے میرے خداوند اگر میں اس معاملہ میں بھول جاؤں یا غلطی کر بیٹھوں تو مجھ پر مواخذہ نہ فرما۔

اور چوتھی حقیقت یہ ہے کہ اولیاء اللہ سے ظاہر شریعت کبھی گناہ صادر ہو جاتا ہے اور باطن میں اس کے صدور میں اس ولی کی تعلیم کی حکمت مخفی ہوتی ہے کہ جس بعض صورتوں میں وہ پڑا ہوا ہے۔ اس سے اس کو نکالنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے کہ شیخ کامل شیخ عبداللہ سے ہوا کہ اس سے کبائر کا صدور ہوا۔ بلکہ ظاہر میں کفر کے قریب پہنچ گیا۔ اور اس میں حکمت یہ تھی کہ اس کو اس کے پرانے غرور سے نکالا جائے جس میں وہ اپنی کثرت عبادت حج اور روزے وغیرہ کی وجہ سے مبتلا ہو چکا تھا۔ جیسا کہ اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے پچاس حج اور عمرے کئے۔ اور ہمیشہ روزہ رکھا اور ان کے علاوہ ایسے کارنامے تھے کہ جن سے عقلیں حیران ہیں۔ اور شیخ عبدالرحمن طفسونجی کی زبان سے جو کلمہ نکلا وہ بھی آپ کے جذب کی وجہ سے تھا۔ جس کو وہ نہیں جانتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے ذریعہ زبان سے نکلنے والے حکم اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے اپنے مرید کی مدد کرنے اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ کے شیخ عبدالرحمن کی طرف خط لکھنے سے ان کی اصلاح کر دی۔

اور پانچویں حقیقت یہ ہے کہ ضروری ہے کہ شیوخ کی نصیحت قبول کرنے کے لیے دل دماغ ہوا اور غرور کے ہواجس سے خالی ہو اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ نے جو ہوا کہ اظہر میں اپنے قول سے اشارہ کیا ہے کہ جو غرور کی لاٹھی سے مارا جاتا ہے اس کو اشارہ کافی ہوتا ہے۔ رحمہ اللہ اس بندے پر رحم فرمائے کہ جب اس پر حق ظاہر ہو جائے تو اس کو قبول کرنے کے لیے جلدی کرے اور بڑے لوگوں کے حکم کی تعمیل میں حتی الامکان ان تمام باتوں کو صرف وہی آدمی جان سکتا ہے۔ جو حق کے نزدیک مقبول اور خدا کے دربار میں ہو۔

اور چھٹی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بزرگ ترین شیخ کو ظاہری اور باطنی کمالات کا وہ شرف عطا فرمایا ہے جو اور کسی کو نصیب نہ ہوا اور آپ اس حد تک بلند ہو گئے کہ آپ کا حال اولیاء کی نگاہوں سے بھی مخفی ہو گیا۔ حالانکہ وہ بڑی طویل مدت یعنی چالیس سال تک نزول کرتے رہے حالانکہ یہ مدت مشاہدات کی ترقی کے خواص سے ہے اور ظاہر ہے کہ شیخ عبدالرحمن طفسونجی قدس سرہ برابر مقامات عالیہ کی طرف ترقی کر رہے تھے اور اس کے باوجود شیخ کے حال سے مطلع نہ ہو سکے یہ اس بات کی پوری دلیل ہے کہ تمام اولیاء اللہ کی گردنیں آپ کے قدموں کے نیچے ہیں پھر نیچے والا بلند کے حال کو کیسے معلوم کر سکتا ہے اور یہی تحقیق ہے آپ کے اس قول کی کہ میرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے۔ یہ اسی جہت سے ہے اس کو سمجھ لے۔

Scanned by CamScanner

حقیقت یہ ہے کہ باب قدرت جس میں اولیاء کا حلقہ ہے نہایت وسیع ہے یہاں تک کہ اس میں درجات اور مقامات ہیں اور ساتویں ابطن بطن سے بلند تر ہیں اس کے اندر کا حال وہی جان سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم کل عطا فرمایا ہو اور اس باب میں اس کمال پر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد صرف بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا ہی نے ترقی کی ہے اور اسی لیے آپ نے فرمایا میں حقیقت میں قطب الاقطاب ہوں لا یعنی میری حقیقت اور ماہیت کے لحاظ سے یعنی یہ جو قطبیت میرے لیے ثابت ہے اس وجود پر موقوف نہیں ہے بلکہ میری روح پوری قوت سے اس قطبیت حقیقیہ کی طرف آدم اور نوح اور موسیٰ وغیرہم انبیاء علیہم السلام کے وقت میں بھی ترقی کرتی تھی جیسے کہ آپ نے اس قصیدہ کے آخری ابیات میں فرمایا ہے میں نوح کے ساتھ تھا۔ اور میں ابراہیم کے ساتھ تھا۔ اور موسیٰ اور داؤد اور ایوب علیہم الصلوات کے ساتھ تھا اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جب نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات اوپر گئے تو آپ نے اپنا قدم شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی گردن پر رکھا کیونکہ آپ کی روح نے جسمانی شکل اختیار کی اور یہ اس بنا پر ہے کہ کہتے ہیں کہ روح ایک لطیف جسم ہے اور وہ جسم بھی انسان کے ظاہری جسم کے موافق ہوتا ہے اور یا پھر یہ کہ وہ ایک ربانی حکم ہے جو جسمانی شکلیں اختیار کرنے پر قادر ہے۔

اگر آپ یہ سوال کریں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح کیا اور آپ کے تمام صحابہ اس میں داخل ہو گئے اور ہر ایک صحابی مکہ میں موجود بتوں کو توڑنے میں مشغول ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی چھت پر لگائے ہوئے بت دیکھے تو آپ نے چھت پر جانے کا ارادہ فرمایا لیکن چونکہ سیڑھی نہیں تھی یعنی چھت پر چڑھنے کا آلہ موجود نہیں تھا۔ تو آپ نے اس میں توقف فرمایا اور چھت پر جانے کیلئے ادھر ادھر دیکھا تو آپ کے ساتھ حضرت علی تھے انھوں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ لیجئے میں نیچے کھڑا ہوتا ہوں اور آپ میری گردن پر سوار ہو کر کعبہ کی چھت پر چڑھ جائیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی! تو میرا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ تو حضرت علی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں طاقت رکھتا ہوں آپ اپنے پاؤں میری گردن اور میری پیٹھ پر رکھ کر تو دیکھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاؤں کی انگلیاں ان کی پیٹھ پر رکھیں تو حضرت علی کی ہڈیاں چٹخنے لگیں۔ اور بیقرار ہو گئے اور آپ کے پاؤں کا بوجھ اٹھانا آپ پر دشوار ہو گیا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی حالت کو دیکھ کر فرمایا اے علی تو میرا بوجھ نہیں برداشت کر سکتا۔ کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ تو میرے ساتھ صبر کی طاقت نہیں رکھے گا۔ اب میں اپنی پیٹھ جھکاتا ہوں اور تو اوپر چڑھ جا چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آپ کی نگاہ میں واجب التعمیل تھا۔ لہٰذا آپ نے اپنا بایاں پاؤں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیٹھ پر رکھا اور کعبہ کی چھت پر چڑھ گئے اور بتوں کو توڑ دیا اور یہ قصہ تو اپنی جگہ ہے۔ اور مقصود یہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بوجھ برداشت کرنے پر قادر نہ ہو سکے تو شیخ عبدالقادر یعنی ان کی روح کس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بوجھ برداشت کر سکتی ہے میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ واقعی تو نے ایک دقیق معاملے کے متعلق استفسار کیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنے فضل سے بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا سے راہنمائی حاصل کرنے والے اس بندے کی زبان سے تجھے اس کے راز سے مطلع کر دے۔ سو میں کہتا ہوں کہ وہ معاملہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان جاری ہوا وہ ایک اور طرح کا معاملہ تھا اور وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس فتح میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سمیت صرف ظاہر پر اکتفا کیے ہوئے تھے اور صحابہ اپنی تمام ظاہری طاقتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور اعانت میں خرچ کر رہے تھے۔ اور اس چیز کا گمان تھا کہ صحابہ بشریت کے تقاضا سے اس قوت اور اعانت کو اپنے نفس کی طرف منسوب کرتے اور یہ حال تھا کہ یہ نصرت محض اللہ کے فضل و کرم سے تھی ہے اور نہیں تھی مدد مگر اللہ تعالیٰ غالب حکمت والے کی طرف سے تو مرشد حقیقی نے اس گمان کے وہم کو

Scanned by CamScanner

دھر دیا کہ ان میں سے سب سے زیادہ بہادر انسان پر ان کا ضعف اور عجز ظاہر کر دیا۔ یہاں تک کہ ان کو معلوم ہو گیا کہ طاقت سب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے ہے اور جو کچھ بھی ان سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے تھا۔

پھر اگر آپ سوال کریں کہ صحابہ کرام کے متعلق یہ کیسے خیال ہو سکتا ہے کیونکہ وہ تو آپ کے اخلاق سے متخلق اور اپنے وجود سے فانی ہو چکے تھے یہاں تک کہ وہ بالکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگے جا چکے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ بشریت پھر بھی باقی رہتی ہے کیا آپ غور نہیں کرتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں بھی چند فاقوں کے بعد بہ تقاضائے بشریت خیال آ گیا اور آپ کافروں کی حشمت کو دیکھنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو کس طرح دولت دے رکھی ہے اور آل محمد کے دل کس طرح بھوک اور فقر میں جل رہے ہیں تو اسی وقت جبرئیل علیہ السلام آپ کی طرف وحی لے کر آ گئے کہ اے محمد میں نے آپ کو وہ نعمتیں عطا کی ہیں کہ ان کے مقابلہ میں کفار کو تھوڑا سا بھی نہیں دیا ہے سن لو میں نے تم کو سورۂ فاتحہ بخشی ہے اس کی قراءت اور اس کا ثواب ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور یہ آپ کے دشمنوں کی دولتیں ختم ہو جانے والی ہیں۔ اور جہنم کی آگ اور عذاب الٰہی کے مستحق ہیں اور اس طرح کی مثالیں انبیاء اور اولیاء علیہم التسلیمات میں بہت سی پائی جاتی ہیں اور ان تمام چیزوں کا منشاء ہی تقاضائے بشریت ہے اس کو سمجھ اور یاد رکھ۔ پھر یہاں کچھ اور بھی جواب ہیں اگر تو علم والا ہے تو ان پر مطلع ہو جائے گا لیکن میں ایک دقیق جواب کی طرف اشارہ کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی روح کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بوجھ کو اٹھا لینا اللہ عزوجل کے حکم سے تھا اور وہ مقدمہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے وہ ان کے اپنے ارادہ سے تھا اور اپنے اختیار سے ارادہ کرنے والے اور مامور میں بہت بڑا فرق ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کمزوری جو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم رکھنے سے طاری ہوئی وہ جسمیت کے تقاضے کے مطابق تھی نہ کہ حقیقت روحیہ کی حیثیت سے اور وہ اٹھانا جو شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے لئے ثابت ہے وہ حقیقت روحیہ کی حیثیت سے ہے اور اس توجیہ پر کسی قسم کا کوئی تردد باقی نہیں رہتا۔ یہ وہ جواب ہے جو اس وقت میرے دل پر وارد ہوتا ہے اور ممکن ہے اے صاف دل تو اس سے بہتر جواب پر مطلع ہو سکے۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ اس قصیدہ خمریہ کی شرح میں اپنے فضل و کرم سے مجھے علم اور فہم اے کریم زیادہ فرما۔

جواب و سوال پس اگر آپ کہیں کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنی کتاب جلاء الخاطر میں سلوک کی تعریف کے طریق کے بیان میں فرمایا ہے۔ "اے قوم ایمان حاصل کرو اور مجاہدے کی لاٹھی سے اپنے نفسوں کو مارو اور ایمان کی طرف چلانے کے لیے ان کو سپرد کرو یہ ایسی جبری اونٹنی ہے جو نرم مزاج نہیں ہے۔ تمہارے نفوس اس پر آمادہ نہیں ہیں یہاں آنے والے نہیں ہیں کبر اور عظمت سے بھرے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا راستہ وہ ہے کہ جس میں تم اور میرے ساتھ اور میرے لیے نہیں ہے۔ یہ سارے کا سارا طریقہ محو اور فنا ہے"۔ اور یہ عبارت یعنی اس میں آنا اور معی اور لی نہیں ہے یہ صریحاً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اہل صفا سے آنا کا کلمہ صادر نہیں ہوتا۔ اور اس کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنے قول میں یہ بھی فرمایا ہے۔ انا فی حضرۃ التقریب وحدی۔ اس میں آنا کا کلمہ استعمال کیا ہے اور وحدی یائے متکلم سے ملے ہیں۔ جو معی کے معنی میں ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟ میں کہتا ہوں کہ میں پہلے اس کو بیان کر چکا ہوں۔ اور اس کی پوری شرح کر چکا ہوں کہ اس سے جواب واضح ہو جاتا ہے لیکن اب میں دوبارہ بیان کر دیتا ہوں تاکہ خرخشہ ختم ہو جائے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ قول ممنوع اس حیثیت سے ہے کہ اس میں انانیت حسیہ کا وجود ہو جو کہ فرعونی جبر اور خواہشات سے بھرے ہوئے ناسوت کی عظمت اور تکبر سے پیدا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے فرمایا یہ طریق پورے کا پورا فنا اور محو ہے پس وہ آدمی جس کا وجود فنا ہو چکا ہو اور حق اس کا مشہود ہو چکا ہو یہاں تک کہ وہ انوار حق سے خدا تعالیٰ کے قول کے مطابق ہو اور روشن ہو جائے گی زمین اپنے رب کے نور سے۔ آئینے کی طرح صاف

Scanned by CamScanner

ہوچکا ہو تو آپ کا قول انا دعنی وحدی ان کے اپنے نفس کی طرف سے نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کے وجود سے ہے۔ کیا آپ یہ نہیں جانتے کہ موسیٰ علیہ السّلام نے کہا تھا: "میرے ساتھ میرا رب ہے" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جبکہ وہ دونوں غار میں تھے فرمایا تھا: "خوف نہ کر بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔ اور وہ راز جو اس کے جائز ہونے اور دوسرے کے ناجائز ہونے میں ہے یہ ہے کہ وہ مومن جو الٰہی قدسی تجلیات سے روشن ہوچکا ہو۔ اور اللہ عزوجل کے سوا ہر چیز سے خالی ہوچکا ہو وہ ایک آلے کی طرح ہوتا ہے۔ سو جو چیز اس آلے کی طرف منسوب ہوگی جیسا کہ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی کا تقاضا ہے تو اس صورت میں قاتل حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔ اور جس میں احداث بشریہ جبلی اس میں قائل اللہ تعالیٰ نہیں ہوتا۔ اور وہ جو فرعون مزاج کہتے ہیں جو کہ نفسانی ناسوت کے خون سے لتھڑے ہوئے ہیں اور وجود شیطانی کی خباثتوں سے ملوث ہیں۔ سو وہ فریب خوردہ کا قول ہے جو نفس متکبر کی ردی خواہشوں سے واقع ہوتا ہے تو اس طرح کا کہنا بالکل منع ہو ناجائز ہے۔ مومن کے لیے لازمی ہے کہ ایسے قول اور کلام سے پرہیز کرے۔ اور اسی معنی میں مولانا روم نے مثنوی میں فرمایا ہے۔ شعر جو علت پکڑے گا وہ علت (بیماری) ہوجائے گی۔ کامل اگر کفر کی طرف توجہ کرے تو وہ بھی ملت بن جاتی ہے۔ سو فرعون کا انا کہنا تو کفر ہے اور اولیا سے جن کے وجود فانی ہوچکے ہیں۔ عین ایمان ہے تو اس معنی سے اس قائل کا انا تو دین اور ملت ہوجاتا ہے جو فانی ہو برخلاف اس آدمی کے جو وجود نفسی کی گندگی سے آلودہ ہے اس کا کہنا کفر اور نفاق اور تکبر اور جبر ہے۔ اس سے بچنا نہایت ضروری ہے اس کو یاد رکھ میں نے تجھ سے ایسا تذکرہ کیا ہے جو سراسر نور اور روشنی ہے۔

مناجات: اے اللہ ہم میں سے ہر آدمی کا ایک مقام ہے سو تو ہمارا مقام اس دنیا میں شریعت محمدیہ کی بساط کی بارگاہ میں بنا اور طریقہ احمدیہ میں جلد از جلد حضور وصول اور تقریب کی بارگاہ میں بنا اور آخرت میں جنت الفردوس کے بلند مقامات میں بنا اور عقلی میں رویت اور حضور کے نہایت پاکیزہ جگہ میں بنا بیشک تو ہی قدیم اور کریم ہے کہ ہم تجھ ہی سے شروع ہوئے اور تیری ہی طرف لوٹ کر جائیں گے۔ اے اللہ اس قصیدہ خمریہ کی شرح میں پورے صحو میں توفیق اور ہدایت سے بھرے ہوئے تحقیق کے پیالے زیادہ سے زیادہ عنایت فرما۔ اے نفع ونقصان کے مالک اگر میں بھول جاؤں یا غلطی کر جاؤں تو مجھ پر مواخذہ نہ فرما بیشک تو بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے اور نبی امی اور ان کے صحابہ اور ان کی آل کی طفیل ہمیں سیدھے راستے کی راہنمائی فرما۔ اور اپنے بزرگ ترین حبیب پر رحمت نازل فرما۔ اور مجھے ان لوگوں میں سے بنا جو آپ کے فیض سے کامیاب ہوئے اور ان کافروں کی بنیاد خراب کر دے جن کے دل اس کی ناراضگی کے باعث سخت ہوچکے ہیں اور مجھ پر ان کے نائب کے اسرار کھول دے۔ اور ان کے حجابات کے نور سے میرے دل کو روشن کر دے اور آپ کے نائب ہیں۔ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا سید ابومحمد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے ان عاشقوں کے دل زندہ کر دیئے جو وسیلۂ تقریب اور قرب کے وصل سے اپنے گناہوں کی شامت کے باعث منقطع ہوچکے تھے اے اللہ مجھے ہمیشہ کا سعادت مند اور وقت کا قادری بنا دے اور آپ کے قرب کی بساط میں ہمیشہ قائم کر دے آمین یارب العالمین سو سب سے پہلے تیری تعریف ہے اور دوسرے اور تیسرے نمبر پر تیرے حبیب اور ان کی آل اور صحابہ پر رحمت ہو اور چوتھے نمبر پر بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا پر رحمت ہو اور پانچویں مرحلہ پر ان کے اتباع اور ان کی آل اور اولاد پر رحمت ہو۔ اے اللہ اسے ہر دو جہاں کا

أَنَا الْبَازِيُّ أَشْهَبُ كُلِّ شَيْخٍ   وَمَنْ ذَا فِي الرِّجَالِ أُعْطِيَ مِثَالِي

اور اشہب وہ البازی مشہور پرندہ ہے اور اس کو باز بغیر یا کے بھی کہا جاتا ہے اور اس کی جمع ابواز۔ بیزان اور بزاۃ بالضم آتی ہے۔ اور اشہب وہ ہے جس میں سفیدی اور سیاہی ملی ہوئی ہو لیکن سفیدی زیادہ ہو یہی وجہ ہے کہ برف پڑنے کے دن کو "یوم اشہب" کہتے ہیں اور عنبر اشہب"

کہاجاتا ہے جب کہ اس میں سفیدی غالب ہو اور "فرس اشہب" کہاجاتا ہے جب کہ سفیدی سیاہی پر غالب ہو۔ اور شیخ قوم کی اصطلاح میں وہ آدمی ہے جو شریعت سے آراستہ ہو اور فنا سے بقا تک ترقی کر چکا ہو اور اس کی تفسیر آئندہ آئے گی اور رجال۔ رجل کی جمع ہے جیسا کہ قرآن عظیم میں ہے: "رجالاً یعنی پیدل یا سوار" اور کبھی اس سے مراد سانڈ ہوتا ہے کہا جاتا ہے فلاں مردوں سے ایک مرد ہے یعنی بڑے لوگوں میں سے ایک بڑا آدمی ہے۔ اور اس مقام میں یہ دونوں معنی ہی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ اور آپ کے قول "قائم رجال" کے تحت اس کا بیان مختصراً گذر چکا ہے۔ اور مثال بکسر میم بمعنی مانند اور جسم اور جامہ خواب و بستر، اور اس جگہ پہلا معنی مراد ہے اور بادشاہ کے حکم کے معنی میں بھی آتا ہے اور یہ معنی بھی مناسب ہے۔

نحو: "انا" مبتدا ہے اور "بازی" اس کی خبر ہے اور لفظ "اشہب" اس کی صفت ہے جو الف لام سے صرف وزن شعری کی وجہ سے خالی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کہا جائے "بازی اشہب" بمنزلہ آپ کے علم کے ہے۔ اور آپ کا قول "کم" اس بنا پر منصوب ہے کہ وہ فعل محذوف کا مفعول ہے یعنی میں ہر شیخ کا شکار کرتا ہوں اس حیثیت سے کہ میں ہر اس آدمی کا حال چھین لینے والا ہوں جو طریقت کے آداب اور شریعت کی حدود پر قائم نہ رہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کہا جائے وہ فعل محذوف "اطعم" کی جنس سے ہے یعنی وہ میں بازی اشہب ہوں جو اپنے شکار کا بڑا حصہ اس جنگل میں رہنے والے ہر بھوکے شیخ کو کھلاتا ہوں یعنی میں جو شکار کرتا ہوں اکیلا نہیں کھاتا بلکہ ان کو اپنے جلیسوں پر تقسیم کر دیتا ہوں اور یہ اس کے مناسب ہے جو آپ نے مناقب میں بیان کیا جاتا ہے کہ میں دیتا ہوں تو تقسیم کرتا ہوں اور میں بولتا ہوں تو صاف کہتا ہوں لیکن پہلا معنی اس قول کے زیادہ مناسب ہے "ومن فاتی الرجال اعطی مثال" جیسا کہ ہر اس آدمی پر مخفی نہیں ہے جو اسلوب کلام سے واقف ہو۔ اور کلمہ "من" استفہامیہ ہے۔ اور "ذا" بمعنی الذی ہے۔ یعنی شیوخ میں سے کون ایسا ہے جسے میری طرح کا دیا گیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "من" موصولہ ہو یعنی الذی کے معنی میں اور "ذا" اسم اشارہ ہو وہ آدمی جو مردوں میں شیوخ ہے وہ میری مثل دیا گیا ہے۔ تو اس صورت میں "من" مبتدا ہوگا اور آپ کا قول "اعطی" اس کی خبر ہوگا اور "مثال" کا لفظ "یا" سے تھا۔ یعنی "مثالی" تھا کتابت میں "یا" حذف ہو گئی ہے تاکہ "مثال"، "کمال"، "جبال" وغیرہ کے موافق ہو جائے اور اس کی مثالیں آخری ابیات میں واقع ہیں۔ کیونکہ ان میں بھی یائے متکلم نہیں ہے۔

البلاغت: "انا البازی" کا جملہ اس کمال کے بیان کے لیے لایا گیا ہے جو شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کو مل گیا ہے اور حرف عطف نہ لانے میں اشارہ ہے۔ کہ آپ کا قول "انا فی حضرۃ التقریب" اور یہ جملہ دونوں اپنے مفہوم میں مستقل ہیں ایک دوسرے کا تابع نہیں ہے اور ضمیر لانا اس فائدہ کیلئے ہے کہ آپ اس صفت سے ہمیشہ موصوف رہے ہیں اور آپ نے "بازی" کا لفظ استعمال کیا "باز" نہ کہا تو اس کا فائدہ یہ ہے کہ حروف کی زیادت معنی کی زیادت پر دلالت کرتی ہے۔ پس "باز" تو مطلق "مشہور پرندہ" ہے اور "بازی" مشہور طاقتور باز ہے اور اس کی صفت "اشہب" لگا کر ہے اس میں یہ فائدہ ہے کہ باز اشہب اپنی نوع کے تمام افراد سے زیادہ طاقت ور ہوتا ہے جیسا کہ شکاری لوگوں میں مسلم ہے اور حرف تشبیہ کے حذف کرنے میں کیونکہ اصل کلام تو "انا کالبازی" یعنی باز کی طرح ہوں، تھا یہ اشارہ ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا زیادتی کی وجہ سے اہل تجرد کے احوال سلب کرنے اور شکار کرنے کی صفت کے کمال میں اس طرح ہو گئے ہیں۔ کہ آپ عین بازی اشہب بن گئے ہیں اور یہ اسی طرح ہے جیسے مبالغہ کے لئے کہا جاتا ہے۔ زید اسد "زید شیر ہے"، اور شیوخ کو صید کی طرح بنانے میں ان کی آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے سامنے مغلوبیت میں مبالغہ ہے۔ اور وہ آپ کے شکاروں کا طعمہ حاصل کرنے کے انتظار میں ہیں۔ اور اس میں شیخ عبد الرحمن الطفسونجی کو جواب اور تنبیہ بھی ہے کہ اس نے کہا تھا۔ کہ میں اولیاء میں اس طرح ہوں جیسے پرندوں میں کرکی اور اس کا قصہ پہلے گذر چکا ہے

تو آپ اس کو کہہ رہے ہیں۔ اے شیخ تو تو پرندوں میں کرگی کی طرح ہے اور میں باز کی طرح ہوں سو تو ایک شکار ہے اور میں شکاروں کو پکڑنے والا ہوں۔ تو اپنی لمبی گردن پر فخر نہ کر کیونکہ لمبی گردن بسا اوقات اس چیز کی علامت ہوتی ہے کہ وہ دوسرے شکاروں میں سے سب سے پہلے پکڑا جائے سو کمال تو ہاتھ کے غلبہ میں ہے۔ کیونکہ وہ افعال کا منبع ہے نہ کہ گردن کیونکہ وہ تو اس کمال سے خالی ہے۔ بلکہ اکثر تکبر اور فخر کرنے والوں کے لیے قتل کا باعث ہوتی ہے تو اس صورت میں اس میں اشارہ ہوگا کہ میں عبد القادر ہوں یعنی بڑے طاقتور یا قتل والا ہوں جو کہ غالب قوت اور بلند قدرت کا منبع ہیں سو تو ہاتھ کی طرف دیکھ اور گردن جھکا دے۔ اور ہاتھ چھوٹے ہونے کے باوجود لمبی گردن کی طرف نہ دیکھ کیونکہ قدرت کے بغیر فخر کسی کام کا نہیں ہے اور شکار کی عمومیت میں یہ اشارہ ہے کہ میری یہ فضیلت تمام شیوخ کے لیے عام ہے۔ جو شیخوخت کے تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں اور اس میں کسی شیخ کے مرتبہ، مخصوص اور زمانوں میں سے کسی زمانہ کی خصوصیت نہیں ہے۔ تو اس صورت میں اس میں اشارہ ہوگا آپ کے اس قول کی طرف کہ میرے قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہیں۔ جیسا کہ آپ نے ایک اور قصیدہ میں فرمایا ہے ؎ "پہلے لوگوں کے سورج غروب ہو گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ بلندی کے افق رہے گا غروب نہ ہوگا۔" تو جس صورت میں پہلے لوگوں کا یہ حال ہے تو پچھلے لوگوں کے متعلق کیا خیال ہے کیونکہ تمام پہلے لوگوں کی فضیلت پچھلے لوگوں پر مسلّم ہے۔ اور اس کی تائید آپ کا قول بھی کرتا ہے کہ میرا قدم نبوت کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پر ہے اور یہ امر تفصیل کا تقاضا کرتا ہے۔ اور اس میں سے کچھ پہلے بھی گذر چکی ہے۔ اس کو یاد رکھ اور آپ کا قول ومن فانی الرجال جملہ معترضہ ہے اور اس حکم کے لیے علت کی طرح ہے جو فعل محذوف سے سمجھا جاتا ہے یعنی میں ہر ایک شیخ کا شکار کرتا ہوں۔ اور ہر ایک پر غالب آتا ہوں کیونکہ کون ہے وہ شخص جو مردوں میں میری مثال ہو اور شیوخ کو رجولیت کی صفت سے لوٹتے ہیں۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ آپ کی نسبت سے پا پیادہ ہیں اپنے پاؤں سے چلنے والے ہیں اور آپ سوار ہیں یا اس طرف اشارہ ہے کہ وہ بڑے بڑے لوگوں میں سے ہیں جو حقیقت تک پہنچ چکے ہیں لیکن وہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی برابری نہیں کر سکتے۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے وہ اپنی رحمت سے جس کو چاہے خاص کر لیتا ہے پھر ان کا پاؤں سے چلنا مغلوبیت سے کنایہ ہے یا حقیقتاً اسی طرح ہوتا ہو۔ جیسا کہ ابو سعید قیلوی اور علی بن ہیتی وغیرہما اولیاء سے منقول ہے۔ کہ وہ آپ کی سواری کے آگے آگے چلتے تھے اور اپنی گردنوں پر آپ کے دامن کو اٹھاتے تھے اور اس میں ادب کی تعلیم کی طرف اشارہ بھی ہے یعنی لشکری اور پیدل کے لیے ضروری ہے کہ وہ آپ کے مرتبہ کا لحاظ رکھے اور آپ کی منزلت سے غافل نہ ہو۔ اور اس میں اس آیت شریفہ کے مضمون کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ہم نے ان کے بعض کو بعض پر بلندی عطا فرمائی جو انبیاء علیہم السلام کے مراتب کے بیان میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف کہ علم والوں کے درجے ہیں تا سو تم جان لو اور اپنی حدود کی حفاظت کرو اور جو اللہ کی حدود سے تجاوز کریں سو وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں اور اس میں اشارہ ہے کہ تمام شیوخ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے لیے مریدوں کی طرح ہیں۔ اور پھر جو آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی مثلیت کی نفی کی گئی ہے۔ اس میں چند ایک رمز ہیں۔

پہلی رمز یہ ہے کہ یہ استفہام انکاری ہے اگر آپ کے علم میں آپ کی کوئی مثال ہوتی تو آپ اس کو ضرور ظاہر کر دیتے اور اگر نہیں بیان کیا ہے تو مثال نہیں ہے تو اس انکار میں اس آدمی کے لیے توبیخ ہے جو آپ کی مثلیت کے ثبوت میں متردد ہو۔

اور دوسری رمز یہ اشارہ ہے کہ ہر علم والے پر کوئی نہ کوئی علم والا ہے تو شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے مخاطب اگر تجھے کوئی میری مثال معلوم ہے تو اس کو بیان کر اور اس میں آپ کے کمال درجہ کا انکسار اور خضوع پایا جاتا ہے جبکہ اہل کمال کی عادت ہوتی ہے کہ وہ کافر یا سخت گیر ہوتے ہیں اور آپس میں رحمدل۔ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے فرمایا، تو ہم ہمیشہ اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتے رہتے ہیں تو تواضع اختیار کرتے ہیں

اور اس سے پیچھے نہیں ہٹتے یہاں تک کہ ان کو وہ ذات بلندی عطا فرماتی ہے جس کے لیے وہ تواضع کرتے ہیں۔ اور ایک اور مقام میں آپ نے فرمایا ہے دل، توحید، توکل اور یقین و توفیق اور ایمان سے بھرا ہوتا ہے اور اللہ عزوجل سے قریب ہوتا ہے وہ تمام مخلوق کو عاجز، ذلیل اور فقیر دیکھتا ہے اور اس کے باوجود کسی چھوٹے سے چھوٹے پر بھی تکبر نہیں کرتا۔ انتہی تو اس رمز کے مطابق آپ کا کلام آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی تواضع کے بیان اور اپنے نفس کے کمالات کے عدم ادعا کے لیے ہوگا جن کو آپ کا نفس سمجھتا ہے۔

اور تیسری رمز یہ ہے کہ مخاطب کو جب آپ کی مثل اور مثال معلوم نہ ہوگی تو ضروری طور پر آپ کی فردیت کا عقیدہ رکھے گا اور جو اس عقیدہ کی بنا پر کہے گا کہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی کوئی مثال نہیں ہے تو آپ کی فردیت پر اجماع ہوگا۔

اور چوتھی رمز آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی فردیت کے منکر کے رد کی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے موافق کہ اگر تم اپنے بندے پر ہماری نازل کردہ کتاب کے بارے میں شک میں ہو تو اس جیسی ایک سورۃ لے آؤ۔ یعنی اے مخاطب اگر ہماری فردیت کے اثبات میں جو محض اللہ نے اپنے فضل سے ہم کو دی ہے تو انکار یا تردد میں ہے تو ہماری کوئی مثال لے آ تاکہ ہمیں بھی معلوم ہو جائے تو یقیناً اس میں عاجز ہے تو ضروری طور پر ہمارے کہنے کے مطابق یقین کر اور بصیرت پر رہ۔ پھر اس جگہ ایک اور فائدہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کا قول ومن خاف الرجال مثال ہو سکتا ہے۔ کہ ان دونوں جملوں سے متعلق ہو یعنی انا فی حضرت التقریب اور آپ کے قول انا البازی سے اور یہ معنی میں زیادہ فائدہ مند اور کامل ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کے قول انا البازی سے ہی متعلق ہو اور الفاظ سے متبادر الی الفہم بھی ہے اور ہر صورت میں تعلق کی جہت تم یاد کے لحاظ سے الگ الگ ہے جیسا کہ اس آدمی پر مخفی نہیں ہے۔ جسے اسرار کے سمجھنے میں کچھ بھی ملکہ ہو۔ پھر الرجال میں لام ہو سکتا ہے کہ عہد کا ہو یعنی وہ آدمی جو ان میں معہود ہیں اور بلند مرتبہ والے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اقطاب حاضرہ کی معہودہ جماعت مراد ہو اور چونکہ وہ اولیاء اللہ کے تمام افراد سے افضل ہیں۔ تو تمام پر افضلیت لازم آتی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ استغراق کے لیے ہو اور یہ سب سے زیادہ ظاہر ہے تو مراد یہ ہوگی کہ کسی زمانہ میں میری مثال تمام آدمیوں میں سوائے صحابہ رضی اللہ عنہم کے نہیں پائی گئی۔ کیونکہ وہ تمام اولیاء اللہ قدس اللہ اسرارہم کے طبقہ میں سے اعلیٰ ہیں اور وہ صحبت نبوی کی صفت سے ممتاز ہیں وہ اس موقع میں شامل نہیں ہیں۔ وہ قرینہ کی بنا پر مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ صحیح عقیدہ یہی ہے کہ کوئی ولی کسی صحابی کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے انوار کی برکت تمام برکتوں سے سب سے زیادہ پوری اور کامل ہے اور استغراق اس کی تائید کرتا ہے کہ آپ نے اپنے قصائد میں فرمایا ہے۔ پہلے لوگوں کے سورج غروب ہو گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ تک بلندی افق پر رہے گا۔ کیونکہ یہ صریح ہے اس بات میں کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا تمام اولیائے متقدمین سے بلند تر ہیں اور وہ ہمیشہ بلندیوں کی طرف ترقی کرتے رہیں گے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ایک دفعہ معروف کرخی کے مزار پر زیارت کے لئے گئے آپ کچھ دیر وہاں ٹھہرے اور ایک ساعت کے بعد آپ نے فرمایا اے معروف کرخی آپ نے ہمیں ایک درجہ سے گزار دیا۔ پھر کچھ مدت کے بعد آپ پھر ان کی زیارت کو گئے اور وہاں کھڑے ہو گئے اور ایک ساعت کے بعد فرمایا ہم نے آپکو کئی درجات سے گزار دیا۔ اور باقی رہا متاخرین کا معاملہ تو اس قول سے بھی آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا ان پر مقدم ہونا واضح ہے اس کے علاوہ ایک اور قصیدہ میں آپ کا یہ قول بھی اس کی دلیل ہے۔ کہ مجھے اللہ نے ایک بلند ترین ولایت نصیب فرمائی ہے جو وہ میرے سوا اور کسی کو قیامت تک نہیں دیگا۔ سو جن لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے ارتقا کو ان کے اپنے زمانہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے وہ اپنے مدعا کے موافق کوئی چیز نہیں لائے اور مختلف مقامات کو اکٹھا کرنے سے یہ تحقیق ہماری طرف سے پہلے کئی دفعہ گذر چکی ہے اسکو یاد رکھو پھر آپ نے تمام

کو صفت ربانیت سے ذکر کیا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمام اولیا شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی قدرت کے تحت ہونے کی وجہ سے گویا کہ پیدل چل رہے ہیں اور آپ مراتب کاملہ اور مدارج عالیہ کے تخت پر سوار ہو کر جا رہے ہیں۔ اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے بخشے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں۔

عجیب تحقیق:۔ جان لینا چاہیئے کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے پہلے سلوک سیر کی تصریح کرنے کے بعد اب سلوک طیر کی تفریح کی ہے تو ضروری ہے کہ ہم تجھ کو سلوک کی تفصیل اور اس کے معانی بتائیں اگرچہ پہلے مجمل طور پر ہم بیان کر چکے ہیں جس سے سلوک اور سیر کا مفہوم معلوم ہو سکتا ہے سو ہم اللہ کی توفیق سے کہتے ہیں۔ انسان کا کمال صرف یہ ہے کہ وہ اپنے اس معبود کو پہچانے جس نے اس کو پیدا کیا۔ اور ڈالے جانے والی منی سے اس کو پیدا کیا۔ اور برابر کیا پھر اس کو بچپن میں لایا پھر جوان بنایا پھر ادھیڑ عمر کو پہنچایا پھر بڈھا کھوسٹ بنا دیا۔ اور یہ معرفت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر مبنی ہے جو کہ مخلوق اور خالق کے درمیان واسطہ ہیں جیسا کہ قرآن مجید نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ کیونکہ رب الارباب اور مٹی سے آلودہ نطفے میں کوئی مناسبت نہیں ہے تو سب سے پہلے اس مناسبت کا حصول لازمی ہے اور یہ مناسبت عقل سے حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ عبادت کے اسرار اور دقائق میں کفایت نہیں کر سکتی عقل تو صرف تحصیل اور تکلیف کی شرط اور استعداد ہے۔ اور راہنمائی ان انوار ہی سے حاصل ہو سکتی ہے جن سے دلوں کی زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہوتی ہے اور ان انوار کو حامل نبیوں کی ذات ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے انتخاب کیا ہے اور ان کو برگزیدہ خلائق بنایا ہے کہ وہ واسطہ بنیں سو ان کو اللہ تعالیٰ نے تمام بشری آلودگیوں سے جذبۂ قدسی کے ساتھ پاک کیا ہے۔ اور ان کو اسفلیت کے گڑھوں سے نکال کر اعلویت کی بلندی تک پہنچایا ہے سو اپنی ظاہری حیثیت سے تو انسان ہیں اور باطنی حیثیت سے قدسی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انکو بیشمار فیوض سے پاک کیا ہے۔ اور روشن شعاعوں سے ان کو منور کیا ہے۔ وہ اس حیثیت سے تو اللہ تعالیٰ سے اسرار حاصل کرتے ہیں اور اس کے انوار کا اقتباس کرتے ہیں اور کائنات کو ان سے بشری جہت کے لحاظ سے مناسبت ہے اور وہ ان کی طرف مائل ہوتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ وہ آدمیوں ہی سے رسول بناتا ہے۔ اور اس نے اپنی پوری کتاب میں فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ "اگر ہم فرشتوں میں سے رسول بناتے تو بھی ہم انکو آدمی بناتے اور ان پر وہی شبہ پڑجاتا جس شبہے میں وہ اب پڑے ہیں"۔ اور یہ صرف جنسی کشش کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ جنس اپنی جنس کی طرف بہت زیادہ میلان رکھتی ہے سو اللہ تعالیٰ نے پہلے تو ان کو اپنے نور سے راہنمائی فرمائی اور پھر وہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کردہ ہدایات سے لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے کہ "جو رسول تم کو دے اس کو لے لو اور جس سے روکے اس سے باز آجاؤ"۔ اور اس قول میں کہ "رسول پر تو صرف پہنچانا ہی ہے"۔ اور اس قول میں کہ "ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔ اور اس قول میں کہ "وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا وہ وحی ہے جو اسکی طرف کی گئی"۔ اور اس قول میں کہ "اے رسول اپنے رب کے پیغام پہنچا دے"۔ اور انکے علاوہ اور بھی آیات ہیں جو ہمارے مضمون پر دلالت کرتی ہیں۔

تو انسان کا کمال وہ معرفت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شریعت کے موافق حاصل کی جائے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے۔ پھر شریعت کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور باطن چار ہیں۔ پہلا باطن تو بذات خود خالص شریعت ہے یہی وجہ ہے کہ اس کیلئے شریعت کا نام خاص کیا گیا۔ اور دوسرا باطن طریقت ہے۔ اور تیسرا باطن معرفت ہے اور چوتھا باطن حقیقت ہے۔ اور کبھی اس کی تین قسمیں بنتی ہیں۔ اس صورت میں معرفت حقیقت میں مندرج ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث مشہور کا منطوق ہے۔ کہ شریعت اقوال ہیں

Scanned by CamScanner

اور طریقت افعال ہیں اور حقیقت احوال ہیں۔

زبدۃ الحقائق کے حاشیہ میں ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کو قبول کرے وہ اہل شریعت سے ہوتا ہے اور جو شخص وہ کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے وہ اہل طریقت سے ہوتا ہے اور جو آدمی وہ دیکھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا وہ اہل حقیقت سے ہوتا ہے۔ جو تینوں رکھتا ہے وہ تینوں رکھتا ہے اور جو دو رکھتا ہے وہ دو رکھتا ہے اور جو ایک رکھتا ہے وہ ایک رکھتا ہے اور جو کچھ نہیں رکھتا وہ کچھ نہیں رکھتا۔ وہ جماعت جو تینوں چیزیں رکھتی ہیں۔ وہ لوگ کامل ہیں۔ اور مخلوق کے پیشوا ہیں اور جو تینوں میں سے کچھ نہیں دیکھتے وہ ناقص ہیں چارپائوں میں داخل ہیں،، انتہی۔ میں کہتا ہوں جو شریعت نہیں رکھتا اور حقیقت رکھتا ہے وہ سراسر بیدینی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ نے جلاء الخاطر میں اور فتوح الغیب میں فرمایا ہے کہ ،، ہر وہ حقیقت جس کو شریعت مردود قرار دے وہ بیدینی ہے۔ پس کامل مکمل خلیفہ اور قطب وہ شخص ہے جس کی شریعت کمال درجہ کی ہو یہاں تک کہ مستحبات کا تارک بھی نہ ہو اور رذائل سے پاک ہو چکا ہو اور بہترین عادات سے آراستہ ہو تو اس کی بصیرت کی آنکھ کھول دی جاتی ہے اور اس سے بشری منکدر حجابات اٹھا لیے جاتے ہیں۔ اس کا دل جلال اور جمال کا آئینہ ہو جاتا ہے۔ اے اللہ ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتیں نازل فرما۔ جو جلال اور جمال کے مظہر ہیں۔ ذات اور صفات کا آئینہ ہیں۔ مشاہدات کا مخزن ہیں۔ بندوں کو رب الارباب تک پہنچانے والے ہیں۔ تو شریعت ایک واجب الرعایت لازمی مقدمہ ہے وہ دیوار کیلیے بنیاد کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ جس کی بنیاد ہی نہ ہو اسکی دیوار کہاں ہو گی اور درخت کے جڑ کی سی حیثیت رکھتی ہے جسکی جڑ ہی نہ ہو اس کی شاخیں کہاں ہونگی، اور بدن کیلیے روح کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ اور جس کا روح نہ ہو اس کا بدن بھی نہیں رہتا یہی وجہ ہے کہ کافر کو مردہ کہا جاتا ہے۔ اور مومن کو زندہ اور پر پہلے بیان ہو چکا ہے کہ شریعت کے بغیر ترقی کا قائل ملحد، دجال اور منافق ہے۔ اس کو قتل کر دینا ضروری ہے تاکہ مخلوق اس کے گمراہ کرنے سے محفوظ ہو جائے سو شریعت تو نفس چراغ ہے اور طریقت اسکے اجالے ہیں اور حقیقت اس کا عین بنے تو شریعت نہایت لازمی ہے تاکہ نفوس ظلمہ گہرے اندھیروں سے نکل آئیں شریعت کے بیان کیلئے فقہ اور عقائد کی مفصل کتابیں مدون ہو چکی ہیں۔ اور یہ بیان ان کا متحمل نہیں ہو سکتا اور طریقت اور حقیقت یہ دونوں بھی اجمالی طور پر کتب سلوک میں بیان کی گئی ہیں۔ اور چونکہ یہ قصیدہ مبارکہ سلوک کے دقائق کے بیان میں ہے اور یہ شرح اسی کے تابع ہے تو میں نے ارادہ کیا کہ سلوک طریقی اور حقیقی کی بعض تفصیلات کھول کر بیان کر دوں جنکی طرف اللہ اپنے نور سے راہنمائی کرے۔ پہلے تو یہ ضروری ہے کہ سلوک اور جذبہ کے معنی کی تحقیق کی جائے اور یہ کہ سلوک طیری اور سیری کی طرف منقسم ہوتا ہے اور اس کی وجہ بیان کی جائے کہ سلوک سیر طیر پر کیوں مقدم ہے پھر سلوک سیری کی اقسام سلوک ناسوتی اور ملکوتی اور جبروتی اور لاہوتی کو مکمل طور پر بیان کیا جائے تاکہ معاملہ پوری طرح کھل کر سامنے آ جائے۔ اللہ ایمانداروں کا دوست ہے۔ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے:

مقدمہ: سلوک کے معنی۔ جاننا چاہیئے کہ سلوک کے چار حرف ہیں ان میں سے پہلا سین ہے وہ سعادت کی تقدیم کا اشارہ کرتا ہے اور وہ سعادت شریف ہے اور یہ کہ پہلے اسفلیت سے اعلویت کی طرف سفر کیا جائے اور یہ بھی شریعت ہی ہے اور یہ کہ پہلے کانوں کو بہرہ پن سے خالی کرے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لائے ہیں انکی طرف کان لگائے اور یہ بھی شریعت ہی ہے اور اسی طرح اگر تو اثبات چاہے تو سمیع علیم سے بھی اشارہ سن اور پھر لام ہے اور یہ اشارہ کرتا ہے کہ پہلے لا الہ الا اللہ ہے اور وہ عین شریعت ہے اور ترقی کی لیاقت مقدم ہونی چاہیئے اور وہ بھی عین شریعت ہے کیونکہ شریعت کے بغیر کوئی لیاقت نہیں

ہے اور لوح محفوظ کو مقدم رکھے اور اس کی تفسیر بھی قرآن مجید ہے اور وہ بھی شریعت ہے اور لاشریک لہ الحمد والملک کو مقدم رکھے اور وہ خدا تعالیٰ کی معبودیت پر دال ہے اور یہ بھی شریعت ہے اور اسی طرح طالب خدا جو اسی کی توفیق سے اسرار اخذ کرتے جاؤ۔ اور پھر واؤ ہے جو کلمہ شہادت میں اللہ تعالیٰ کی وحدت پر دلالت کرتی ہے وحدہ لاشریک لہ اور وہ بھی بعینہ شریعت ہے کیونکہ وہ معبودیت میں مشارکت کو کاٹنے والی ہے اور عبد کو پیدا کرنے پر دلالت کرتی ہے جو کہ حق تعالیٰ کے قول الست بربکم قالوا بلی کہا میں تمہارا رب نہیں ہوں، سب نے کہا ہاں تو ہمارا رب ہے۔ سے ثابت ہے اور وہ بھی شریعت ہے اور اسی طرح دقیق اشارات کو اخذ کرتے جاؤ۔ ہم نے تیرے سامنے دروازہ کھول دیا ہے جتنا داخل ہو سکتے ہو جاؤ پھر کاف ہے اور وہ لفظ کن پر دلالت کرتا ہے اور کائنات اور اس کی تمام اشیاء کا جامع ہے اور وہ بھی شریعت پر دلالت کرتا ہے۔ پھر ضروری ہے کہ اس کائنات کے پیدا کرنے والے کی معرفت حاصل کی جائے تاکہ کون پر پورا ہو جائے اور دلالت کرتا ہے کہ کلمہ اللہ ہی بلند ہے اور وہ بعینہ شریعت محمدیہ ہے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور سین کے دندانوں اور اسکی حرکت میں اور لام کے ضمہ اور واؤ کی سکون میں کچھ اور بھی اشارات ہیں۔ اور کاف میں جو تنوین و حرکتوں کا احتمال ہے۔ اس میں بھی کچھ رموز ہیں جن کا وقت متحمل نہیں ہو سکتا اور باقی رہا ان چار بے نقط حروف کا بے نقط ہونا تو اس کے رموز کو بھی واضح کرتا ہوں وہ یہ ہیں کہ سالک کیلئے ضروری ہے کہ اپنے وجود کو تعلقات سے اور اپنے دل کو غیر اللہ کے رابطہ سے خالی رکھے اور سلوک سے جو سالک کا نام مشتق کیا گیا ہے یہ بڑا ہی اچھا نام ہے جو نقطوں سے خالی ہے اس کا دل ثقلین کے تعلق سے خالی ہوتا ہے۔ وہ تمام تعلقات سے خالی ہے اور اللہ تعالیٰ کے بلند کلمے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے پوری مناسبت رکھتا ہے۔ اور اس میں اور بھی تفصیل ہے اگر تو اللہ اور محمد کے اسماء پر غور کرے گا تو تو پائے گا اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور ان کی آل اور اہل اور عترت سب پر سلام نازل فرمائے۔

نور مبین: یہ جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی انسان کو خواہ نفس کے ابلیسوں اور گمراہی کے شیطانوں کے ہاتھ سے پکڑنے کا ارادہ فرماتے ہیں خواہ یکبارگی تو قوم کی اصطلاح میں اس کا نام جذبہ ہوتا ہے جیسا کہ ابوالوفا نے کہا میں شام کے وقت کردی تھا اور صبح کے وقت عربی، اور یہ اکثر انبیاء علیہم السلام و التسلیمات کے لیے ہوتا ہے اور پھر اولیاء اللہ میں سے خال خال (اِکا دُکا) اور یا پھر بتدریج و آہستہ آہستہ ہوتا ہے اور اس کو تدریج سلوک کہتے ہیں جیسا کہ اگر کوئی شخص گندی نجاست سے آلودہ ہو تو اس کو بڑا سخت پسینہ دیا جائے اور وہ گرم پانی میں داخل ہو جائے تو اس کے بدن سے نجاست کا ہر ذرہ دفعۃً دور ہو جاتا ہے۔ اور اگر اپنے بدن کو ٹھنڈے پانی سے دھوئے اور شدت کے ساتھ پسینہ نہ لے تو آہستہ آہستہ اس کے بدن سے نجاست دور ہوتی ہے۔ پس یہ سلوک ہے اور پہلا جذبہ ہے اگرچہ سلوک میں بھی تصفیہ طریق پر جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ ورنہ مقصود کسی طرح بھی حاصل نہ ہو سکے اور اسی کی طرف جنید کے پیر شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنے قول سے جلاء الخاطر میں اشارہ فرمایا ہے: "تو ٹھنڈے لوہے کو آگ کے بغیر کتنی دیر کوٹتا رہے گا" ویسی سیر اور سلوک محل حرکت ہیں کہ سالک کس طرح ایسے شہر دل کی طرف بتدریج چلے جس تک مشقت نفس کے بغیر نہیں پہنچا جا سکتا۔ اور اس حرکت کیلئے کچھ شرائط اور علامات ہیں جن کی اطلاع مرشد کامل مکمل کی زبان سے ہی ہو سکتی ہے۔ ایک ان میں سے اپنے نفس اور خواہش کے ارادہ سے دستبردار ہو جانا ہے اور اپنے نفع و نقصان کو شیخ کے سپرد کر دینا اور یہ اس طرح ہو کہ جیسے تمام بھلائی اور برائی اسی کے ہاتھ میں ہو اور ایک ان میں سے ہمیشہ کوشش اور محنت کرتے رہنا ہے۔ "والذین جاہدوا فینا لنہدینہم سبلنا" "اور وہ لوگ جو ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم انکو اپنی راہوں کی راہنمائی کرتے ہیں" کے مطابق اور ایک ان میں سے اللہ عزوجل کے سوا تمام مخلوقات سے قطع تعلق کرنے میں خالص ہو اور اس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آجائیگی

Scanned by CamScanner

اور اس کا اجمال اللہ تعالیٰ کے اس قول سے سمجھا جا سکتا ہے۔ افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت (کیا نہیں دیکھتے کہ اونٹ کیسے پیدا کیے گئے ہیں) کیونکہ اس کی اس عجیب و غریب خلقت کے باوجود کہ اس کے تمام نقوش اور اعضاء ٹیڑھے ہیں پھر بھی اس میں کئی ایک اشارات ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ صوف پہنتا ہے اور کانٹے کھاتا ہے اور بوجھ اٹھاتا ہے اور دن رات چلتا رہتا ہے اور جو جو ٹیڑھے راستوں میں چلتا رہتا ہے انکو کسی کو خبر تک نہیں دیتا اور اپنے بوجھ کی پرواہ کرتے ہوئے دیوانوں کی طرح بلبلاتا جاتا ہے اور راستہ جاننے والے کے ہاتھ میں اپنی مہار دیدیتا ہے اور انکے علاوہ اور بھی اشارے ہیں جو غور کرنے والے پر مخفی نہیں ہیں تو سلوک اسی حرکت سے عبارت ہے اگر وہ حرکت ظاہریہ اعمال نماز روزہ وغیرہ شرعی اعمال میں سست رفتاری سے ہو تو اسے "سلوک شرعی" کہا جاتا ہے اور اگر اخلاق باطنی میں رذائل کی فضائل کر تبدیلی میں شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ و تابعیہ وسلم کو ملحوظ رکھتے ہوئے تیزی سے حرکت ہو تو اسے "سلوک طریقی" کہتے ہیں اور اگر یہ حرکت اللہ تعالیٰ کے صفات سے متصف ہونے اور اس کے رنگ میں رنگین ہونے میں ہو اور مضبوط قاعدہ جو کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی (ترجمہ) آپ نے نہ پھینکا جبکہ آپ نے پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ولی یسمع ولی یبصر ولی یبطش (ترجمہ) میرے ساتھ سنتا ہے میرے ساتھ دیکھتا ہے اور میرے ساتھ پکڑتا ہے) تو اسے "سلوک جبروتی یا سلوک حقیقی" کہتے ہیں کیونکہ اس کی دو مختلف جہتیں ہیں جنکو ہم انشاء اللہ تعالیٰ بیان کریں گے اور چونکہ یہ سالک سائر چار مقامات کی حیثیت سے سائر ناسوتی ملکوتی اور جبروتی اور لاہوتی کی طرف ترقی کرتا ہے۔ تو ضروری ہے کہ ہم سالک کی ان چاروں اقسام کو تیرے لیے واضح کر دیں۔ پہلا سالک ناسوتی ہے اور دوسرا سالک ملکوتی اور تیسرا سائر جبروتی اور چوتھا سائر لاہوتی اب میں ان چاروں کی وضاحت خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے چار لمعات میں بیان کروں گا

لمعۂ اولیٰ یہ پہلا لمعہ سالک ناسوتی کے لوازمات کے بیان میں ہے۔ جاننا چاہیئے کہ سالک ناسوتی کیلئے ضروری ہے کہ توبہ کے بعد اسکا وظیفہ خدا کی طرف رجوع ہو ہمیشہ باوضو رہے۔ کلی طور پر حضور میں رہے۔ نماز جماعت سے پڑھے اوامر کی ادائیگی اور نواہی سے بچنا اسکا معمول ہو مختصر کر اسکے اعضاء وجوارح اقوال صنفی اور نیک اعمال کے انوار میں مشغول رہیں اور جب بھی کوئی نماز پڑھ لے تو اسکا مطمح نظر دوسری نماز کا انتظار ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "نماز کا انتظار کرنے والا ایسا ہے گویا کہ وہ نماز ہی میں ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل کا مرابطہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے "اے ایماندارو صبر کرو اور صبر کی تلقین کرو۔ اور مرابطہ کرو"۔ تو ضروری ہے کہ اوقات مخصوصہ کی رعایت رکھے یعنی جب فجر طلوع ہو تو وضو اور اسکے لوازم کیلئے تیار ہو جائے۔ اور کلام نہ کرے اور فجر کی سنتوں کے علاوہ اور کوئی نفل نہ پڑھے اور اسکی تمام فکر اس بات میں ہو کہ کسطرح رات اپنے رب کے حضور سے دل سے الگ ہو گئی ہے شاید اللہ تعالیٰ میرے دل کے چہرے سے بھی ظلمات کے حجاب دور کر دے پھر استغفار کرے اور رو لے اور جتنا ہو سکے خداوند تعالیٰ کے اسماء جلالی و جمالی کا حضور کے ساتھ مراقبہ کرے۔ جب فجر کی نماز جماعت سے ادا کر چکے تو پھر اپنی اسی جگہ میں یا اپنے گھر میں یا اپنے تیار کردہ حجرے میں اذکار جہریہ یا خفیہ یا مراقبہ میں جس طرح اسکو شیخ نے حکم دیا ہو قبلہ کی طرف منہ کر کے مشغول ہو جائے اور کلام نہ کرے اور اس پر مداومت کرے ترک نہ کرے کیونکہ وظیفہ کا ہمیشہ پڑھنا زیادہ اچھا اور فائدہ مند ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "بہترین عبادت وہ ہے جو ہمیشہ ادا کی جائے اگرچہ وہ کم ہو" اور چاہیئے کہ حضور اور دل کی جمعیت میں کوشش کرے پھر جب دو گھڑی وقت گذر جائے تو اشراق کی نماز میں مشغول ہو جائے دو رکعت یا چار رکعت بارہ رکعت تک پھر جو تعالیٰ دن تک اوراد پڑھنا ہے جن کا شیخ نے اسے حکم دیا ہو۔ پھر چاشت کی چار یا چھ یا بارہ رکعت تک ادا کرے پھر اگر ہو سکے تو کسب حلال میں کوشش کرے ورنہ مراقبہ میں مشغول ہو جائے اور اپنے رزق کے متعلق مستقل مزاجی سے اللہ پر توکل رکھے پھر اگر اسے سونے کا

حاجت معلوم ہو تو کچھ تھوڑا سا سو جائے اور ظہر کے ابتدائی وقت میں بیدار ہو جائے پھر وضو کرے اور اپنی ظہر کیلیے دو رکعتیں وضو کی دو رکعتوں کے بعد پڑھے پھر اسکے بعد ظہر کی سنتیں ادا کرے اور جماعت سے فرض نماز پڑھے پھر اسکے بعد جبتک طبیعت حاضر رہے قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول رہے اور اس وقت میں اگر اسے حلال کمائی کی ضرورت ہو تو کام کرے ورنہ اللہ پر توکل رکھے اور خدا تعالیٰ کا مراقبہ کرے جیسے اسے شیخ اکمل نے حکم دے رکھا ہے پھر عصر کی سنتیں پڑھے اور نہایت حضور کے ساتھ فرض با جماعت ادا کرے پھر اسکے بعد بیٹھ جائے اور کسی سے گفتگو نہ کرے اور فجر کی طرح اشتغال میں مشغول ہو جائے لیکن جب غروب آفتاب قریب ہو تو استغفار بہت زیادہ کرے کیونکہ وہ دن کا آخری وقت ہے اور کہے اے میرے خداوند! میری عمر چلی گئی اور میرا معاملہ درست نہ ہوا، اور میرے بوجھ کے اندھیرے میرے دل پر باقی رہ گئے پھر جب مغرب کی نماز پڑھ چکے تو مغرب اور عشاء کی نمازوں کے درمیان وقت کو مراقبہ اور اوراد و اذکار وغیرہ سے زندہ رکھنے کی بہت زیادہ کوشش کرے محققین کہتے ہیں کہ صبح کی دو قسمیں ہیں ایک صادقین کی صبح ہے اور وہ ہے طلوع فجر یہاں تک کہ سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے الگ ہو جائے اور ایک عاشقین کی صبح ہے اور وہ ہے غروب کے وقت سے لیکر نماز عشاء تک کا وقت جب عشاء کی با جماعت نماز سے فارغ ہو جائے تو ضروری ہے کہ مصلے پر ہی اذکار اور مراقبہ میں مشغول ہو جائے۔ اگر نیند غالب آ جائے تو اسی مصلے پر سو رہے ورنہ رات بیدار رہے اور اگر سونے کی ضرورت ہو تو بہتر ہے کہ مصلے پر سجدے کی حالت میں سو جائے تاکہ ان لوگوں میں سے ہو جائے جن کے بدن دنیا میں ہیں اور دل آخرت میں ہیں پھر جب بیدار ہو تو بہتر یہ ہے کہ اس کا قیام آدھی رات یا تیسرا حصہ رات ہو پھر پورے حضور کے ساتھ جتنا قرآن پڑھ سکے تہجد کی بارہ رکعت میں پڑھے کیونکہ یہ مقام محمود کی وراثت کا باعث ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ اور رات کو ومن الیل فتہجد بہ نافلۃ لک عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا تہجد ادا کیا کر یہ تیرے لیے نفل نماز ہے قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود تک پہنچا دے۔ اور پھر اسکے بعد نہ سوئے اور یہی اچھی بات ہے یہی وجہ ہے کہ کہتے ہیں کہ صوفی پر دوسری نیند حرام ہے اور کہا گیا ہے کہ اگر اسے اپنے نفس پر تسلط کا خوف ہو تو سجدے کی حالت میں سو جائے اور حواس کے معطل ہو جانے کے وقت میں وارد ہونے والے انوار کا منتظر رہے پھر جب فجر طلوع ہو جائے تو جس طرح کل کیا تھا اسی طرح پھر کرے لیکن یہ ضروری ہے کہ خدا کے فضل و کرم سے اس قاعدہ کے مطابق جو بیان کیا گیا ہے باطن کی تنویر اور تحلیہ اور تصفیہ میں کوشش کرتا رہے

فائدۃ الترقی ۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ ناسوتی سالک کا حال ہر روز کی ترقی سے خالی نہیں ہونا چاہیئے تاکہ اس وعید میں داخل نہ ہو کہ جسکے دونوں دن برابر ہوں وہ خسارے میں ہے، تو ضروری ہے کہ ابتداء میں بطور رخصت مذکورہ امور کیے ہوئے وظیفہ میں اشتغال ہو کہ ان تمام امور میں ابتداء سے لیکر انتہا تک ہر عمل میں حاضر رہے اور مفسدات شرعیہ کی مزاحمت سے خالی ہو پھر نفس اس بوجھ کو اٹھانے کا عادی ہو جائے تو پھر اس میں ہر آن حضور کا اضافہ کرتا رہے اور اس طرح ہو جائے کہ وہ اپنے معبود مطلوب کو دیکھ رہا ہے۔ اور پھر عزیمت کے قاعدہ کے مطابق ہو جیسے طریقت کہا جاتا ہے اور اگر اس دوران میں کسی حجاب سے محجوب ہو جائے یا کسی عارضی سبب سے جو اس حضور سے مانع ہو کسی حجاب سے محجوب ہو جائے تو چاہیئے کہ شیخ کامل کی طرف التجا کرے۔ اگر وہ زندہ ہو تو اس کے ظاہر سے اور اگر وصال یافتہ ہو تو اسکی طرح سے اور یہ نہایت ضروری ہے۔ کہ اس حضور سے دائمی غفلت میں جان بوجھ کر مبتلا نہ ہو جائے کیونکہ اس صورت میں وہ طریقت کا مرتد ہو جائے گا اور شریعت کا مرتد تو بچ سکتا ہے لیکن حقیقت کا مرتد نہیں بچ سکتا۔ شیخ جبرائیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ کے رستے کو پہچان لیا اور اس پر چلا پھر اسکو چھوڑ دیا۔ تو اللہ تعالیٰ اسکو ایسا عذاب کرتا ہے جو وہ جہان والوں میں سے کسی کو بھی نہیں کرتا۔ اسکا علاج یہ ہے کہ غفلت چھوڑ کر توبہ اور رجوع اور انابت الی اللہ کی طرف توجہ کرے اسی صورت میں اس کا زائل شدہ حال اسکو مل جائیگا ان شاء اللہ تعالیٰ ایسے [illegible]

ساتویں قسم کا وقفہ مزاحمت کرنے والا وقفہ ترقی سے رک جانا ساتویں قسم کا ہوتا ہے اعراض حجاب۔ تفاصل، سلب مزید، سلب قدیم اور تسلی اور عداوت۔ سو اعراض تو یہ ہے کہ محب سے کسی برے کام کے صدور کے باعث محبوب اپنا منہ پھیر لے تو اس کا علاج استغفار اور اسباب رضائے محبوب کی رضا کا حصول اور اس کے دروازے پر خضوع سے ذلیل اور ڈرتا ہوا کھڑا ہو جائے ممکن ہے کہ محبوب اپنے محب کی لغزش اسے معاف کر دے اور حجاب یہ ہے کہ جب محبوب منہ پھیرے اور محب کوئی معذرت نہ کرے تو یہ اعراض حجاب بن جاتا ہے اور تفاصل یہ ہے کہ جب حجاب رفع نہ ہو تو وہ فصل اور فراق کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور سلب مزید یہ ہے کہ جب فصل اور فراق نہ رکے تو تفاصل سلب مزید کہلاتا ہے اور سلب قدیم یہ ہے کہ جب سالک سلب مزید سے رجوع نہ کرے تو سلب قدیم ہو جاتا ہے یعنی اس کے پہلے نوافل اور طاعات چھین لئے جاتے ہیں اور تسلی اس سے عبارت ہے کہ محبوب اپنے محب کی محبت کی پرواہ نہ کرے سو وہ پوری طرح معزول ہو گیا اور عداوت وہ کلی طور پر محبت کا ازالہ اور عداوت کا پیدا ہو جانا ہے۔ اس سے خدا کی پناہ کہ محب معزول اور مغضوب اور دشمن قرار دیا جائے اور اسکو محبوب اپنے دروازے سے ہانک دے ایسے آدمی کا نہ کوئی ٹھکانا رہتا ہے اور نہ اس کیلئے کوئی دروازہ ہے۔

ان تمام کا علاج وہ ہے جس کی طرف شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنی بہترین کتاب جلاء الخاطر میں اشارہ کیا ہے تم پر افسوس ہے کہ اسلام اور توبہ اور معذرت اور اخلاص کی تجدید کرو یہاں تک کہ اللہ عزوجل تم کو قبول کرے اور تمہارے پہلے گناہ معاف کر دے انتہی اس کا حاصل یہ ہے کہ بادشاہ کے دروازے سے ہانکے ہوئے اور حجاب میں مبتلا آدمی کے لیے نہایت ضروری ہے کہ اس کے دروازہ کی طرف رجوع کرے اس کے دروازے کے سوا اور کوئی دروازہ نہیں ہے اور اس راہ کے سوا اور کوئی راہ نہیں ہے۔ وہی ہے جو محض اپنے فضل سے اپنے بندوں کے گناہ معاف کرتا ہے اور گنہگاروں کو معافی دیتا ہے اور معزول کر دینے کے بعد بھی انکو بحال کر دیتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب نوح علیہ السلام طوفان کے روز سفینہ (کشتی) پر سوار ہوئے تو ابلیس لعین آیا اور اس نے آکر کشتی کا کنارہ تھام لیا نوح علیہ السلام نے اس کو دیکھا اور پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا آپ کے باپ کا دشمن تو نوح علیہ السلام کو اس پر رحم آگیا اور اسے کشتی میں بٹھا لیا تو جبرائیل علیہ السلام آگئے اور کہا اے نوح اللہ عز اسمہ فرماتے ہیں کہ اس ملعون سے کہو کہ اگر یہ آدم علیہ السلام کے اس تابوت کو سجدہ کرے کہ جس کو آپ نے اپنی کشتی میں رکھا ہوا ہے تو ہم اس کو اس کے تمام گناہ جو وہ پہلے کر چکا ہے معاف کر دیں گے نوح علیہ السلام نے اس سے کہا تو ہنس پڑا اور کہا اے نوح جب میں نے آدم کو اس کی زندگی میں سجدہ نہ کیا تو اب میری غیرت کیسے گوارا کر سکتی ہے کہ وفات یافتہ کے جسد خاکی کو سجدہ کروں اے گنہگار خدا کی رحمت کو دیکھ اور مایوس نہ ہو اور اس کی طرف توبہ کر بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور بیان کیا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کوہ طور کی طرف جا رہے تھے تاکہ اپنے رب عزوجل سے گفتگو کریں تو آپ کی ایک کافر سے ملاقات ہوئی جو بتوں کی عبادت کرتا تھا کہنے لگا اے موسیٰ جب آپ اپنے رب سے ملاقات کریں تو میری طرف سے اسکو کہنا کہ میں تجھ سے کوئی چیز نہیں مانگونگا نہ تجھ سے کسی طرح کی کوئی امید رکھونگا اور میں تجھ سے پوری طرح بے نیاز ہوں۔ جب موسیٰ علیہ السلام اس گفتگو سے فارغ ہو گئے جو وہ اپنے رب سے کرنا چاہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا اس آدمی کا پیغام بھی پہنچا دو جو آپکو راستے میں ملا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے رب تو جانتا ہے کہ اس نے کیا کہا تھا میں تو اس بے ادبی کے اظہار کی جرأت نہیں کر سکتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا اس سے کہنا کہ اگر تو ہم سے بے نیاز ہے اور تجھے ہمارے متعلق کوئی کام نہیں رہا اور تو مجھے بھول چکا ہے تو میرا فضل وکرم تجھ کو بھولنا پسند نہیں کرتا تو جانے اور تیرا بھولنا اور میں جانوں اور میرا فضل میں تجھ پر نوازش کرتا ہی جاؤں گا تو نہیں قبول کرے یا نہ بھی کرے فضل ہو

اس کی رحمت ہر چیز سے زیادہ وسیع ہے۔ سوائے وہ سالک جس پر حجاب یا سلب مزید یا عداوت چھا چکی ہے تو رب کی طرف جلدی کرو اور نئے سرے سے اسلام لا تاکہ تیری موت اور تیری رحلت اللہ تعالیٰ کی عداوت اور بغض پر نہ ہو بلکہ اخلاص اور صفائی پر ہو۔

تتمہ: سالک ناسوتی کے لیے جو کہ عزیمت طریقت کی بلندی کی طرف ترقی کر رہا ہو نہایت ضروری ہے کہ اسکے بعد عزیمت حقیقت کی طرف ترقی کرنے کہ اسکی نماز اور ظاہری بدن سے تعلق رکھنے والے تمام اعمال حضور قلب کی رعایت سے اس طرح ادا ہوں کہ سالک اپنے وجود اور اسکے خیال سے ایسا مٹ جائے کہ شعور میں اسکا کوئی نشان اور اثر باقی نہ رہے اور ناسوتی اعمال کے ادا کرنے کی حیثیت سے ظاہر پر ناسوت بھاری رہے اور اسی کی طرف بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنی عزیز کتاب جلاء الخاطر میں اشارہ فرمایا ہے: "بعض نمازی ایسے ہوتے ہیں کہ انکا دل اللہ عزوجل کی طرف شکار ہوتا ہے جیسے کہ پرندہ پنجرے سے پکڑ لیا جاتا ہے پس وہ اس سے غائب ہو جاتا ہے پھر اگر اسے کاٹ بھی دیا جائے یا ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تو بھی اسے معلوم نہیں ہوتا ان سادات کرام میں سے بعض نیک لوگوں کے متعلق بیان کیا جاتا ہے اور وہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعی یعنی عروہ بن زبیر بن عوام عائشہ رضی اللہ عنہا وعن ابیہا کے بھانجے کہ آپ کے پاؤں میں گوشت خورہ پیدا ہو گیا تو آپ سے کہا گیا کہ اس پاؤں کا کاٹ دینا ضروری ہے ورنہ تمام جسم ہلاک ہو جائیگا تو آپ نے طبیب سے کہا جب میں نماز میں داخل ہو جاؤں تو کاٹ دینا اس نے آپ کے سجدے کی حالت میں پاؤں کو کاٹ کر علیحدہ کر دیا اور آپکو کوئی تکلیف محسوس نہ ہوئی تم ان پہلے لوگوں کی نسبت سراسر حرص ہو تم بلا عمل قول ہو تم بلا معنی صورت ہو تم بغیر خبر کے منتظر ہو۔ انتہیٰ۔

اے طالب تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ جتنی بھی عبارتیں اس قسم کی شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا سے منقول ہیں وہ سالک ناسوتی کے طریقت اور حقیقت کی طرف کرنے کا بیان ہیں۔ جبکہ یہ بیان اعمال ناسوتیہ کے متعلق ہو۔ اور جب اخلاق و حقائق کے متعلق ہو تو اس وقت سالک ملکوتی یا جبروتی ہو گا اور اس کا بیان عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ آ جائے گا۔

ضابطہ: سالک ناسوتی کیلیے لازمی امور کے متعلق ضابطہ: سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سلوک کا اصل مذہب یہ ہے کہ وہ مولیٰ کی طلب کیلیے ہو اور دنیا کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈالدے اور آخرت کو اپنی بائیں جانب اور ضرورت کے بغیر گفتگو نہ کرے اور اپنے گھر یا حجرہ سے بغیر ضرورت کے نہ نکلے اور ضرورت کے بغیر نہ کھائے اور لذیذ مشروبات یا ماکولات کی تمنا نہ کرے بلکہ اسکا طریق رازق مولیٰ کے سپرد کر دے کہ اگر لذیذ کھانا مل جائے تو بغیر غفلت کے کھائے اور غیر لذیذ اور خشک روٹی ملے تو اسے ناپسند نہ کرے بلکہ اس کو بھی لذت اور رضا سے کھائے اور سیری پر کھانا نہ کھائے اور اگر مہمان یا کسی اور دینی مصلحت کی وجہ سے سیر ہو کر کھانے کا موقع ملے۔ تو پانچوں قسم کی شہوات کے متعلق قاعدہ یہی ہے کہ ضرورت سے تجاوز نہ کرے اور کفاف سے زیادہ طلب نہ کرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے متعلق بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کا رزق کفاف (کفایت کرنا) بنا دیتے ہیں۔ اے اللہ ہمیں نیک لوگوں کی سی روزی عطا فرما اور ہمیں خسارہ اٹھانے والی قوم سے نہ بنا۔

رابطہ: جو کہ شیخ نجم الدین کبریٰ کے کلام سے ماخوذ ہے سالک ناسوتی کیلیے ضروری ہے کہ سالک ملکوتی کے ساتھ رابطہ حاصل کرے تاکہ بلندی کی چوٹیوں تک ترقی کرنے کیلیے تیار ہو جائے یعنی اسکے اعمال صالحہ اس حد تک مضبوط ہوں کہ اخلاق پسندیدہ اس سے طاقت حاصل کریں مگر طریقہ کے مشائخ کے حکم کے مطابق اقوال و افعال کو اچھا بنائے ورنہ بزرگوں کی جماعت اسکی دشمن بن جائے گی کیونکہ فوجی بادشاہ کے احکام سے خارج ہو جائے تو بادشاہ اس کا دشمن ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ قیامت کے دن ایسے ہونگے کہ اللہ اور اسکا رسول اور اسکا شیخ اسکے دشمن ہوں گے اور اس رابطہ کے اصول میں سب سے اہم چیز یہ ہے کہ اس کے اوقات معاملہ اور محاسبہ سے معمور ہوں پھر محاسبہ تو وہ ہے جو

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول سے ماخوذ ہے کہ "حساب کیے جانے سے پہلے اپنا حساب کر دو" تو ضروری ہے کہ سالک اپنے اوقات کو دیکھے کہ وہ کن اعمال میں گذر رہے ہیں اگر وہ اچھے ہیں تو اللہ کی تعریف کرے اور اگر برے ہوں تو توبہ و استغفار کرے اور یہ بھی دیکھے کہ اسکی عمر کتنی گذر چکی ہے اگر جوانی کا اکثر حصہ گذر چکا ہو اور سر سفید ہونے لگا ہو تو ندامت و استغفار میں جلدی کرے اور اگر جوان ہو تو اسکو غنیمت سمجھے اور مستعد رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جوان توبہ کرنے والے کو پسند کرتے ہیں اور یہ بھی دیکھے کہ اسکی عمر کن کاموں میں گذری ہے اگر وہ اچھے ہیں تو توفیق اللہ تعالیٰ سے تھی اور اعمال خیر پر باقی رہنے کی دعا کرے کیونکہ اعتبار تو خاتمہ کا ہے نہ کہ ابتداء کا۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ابتداء اچھی ہوتی ہے اور انتہا بری ہو جاتی ہے اس سے خدا کی پناہ کیا تو دیکھتا نہیں کہ ابلیس کیساتھ کیا معاملہ گزرا۔ اس نے چھ لاکھ سال درس دیا۔ اور یہ مصیبت کیا گذری اس نے علم کی کتابوں کے چالیس صندوق یاد کر رکھے تھے۔ اے اللہ ہمیں زوال اور خلل سے محفوظ رکھ اور یہ بھی ملاحظہ کرے کہ اسکی زندگی کا دارومدار ہوا پر ہی تو ہے جو جسم کے اندر داخل ہوتی ہے۔ جس میں بیشمار سوراخ ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کس طرح اسکو ایک مدت تک اس میں روکے رکھتے ہیں اور اسکی کیفیت کسی کو بھی معلوم نہیں ہے اور نیند سے بیدار ہونے کے بعد یہ ملاحظہ کرے کہ مرنے کے بعد اسکو اللہ تعالیٰ نے کیسے زندہ کر دیا ہے اور کہے سب تعریف اس اللہ کیلئے ہے جس نے موت کے بعد ہم کو زندہ کر دیا۔ اور یہ کہ اس آیت کے معنی میں غور کرے "اللہ جانوں کو انکی موت کے وقت اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے اور ان جانوں کو بھی جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا ہوتا پھر ان روحوں کو روک لیتا ہے" جنکی موت کا وقت آ گیا ہو اور دوسری روحوں کو وقت مقررہ تک چھوڑ دیتا ہے اور یہ بھی غور کرے کہ نیند موت کی بہن ہے۔ جب میں سویا ہوا تھا تو مجھے کوئی خبر اور اطلاع نہ تھی اور پھر جب میں مر جاؤں گا تو اسی طرح پھر مجھے کوئی خبر نہ ہوگی۔ اور نیند سے بیدار ہونے کے بعد جو میرے دل میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ جب کسی آدمی کا لوگوں کی نگاہ میں اعتبار ہوتا اسکے بستر کے پاس ہوتے رہتے ہیں اور اسکے لیے اخلاص ظاہر کرتے ہیں پھر وہ کچھ دیر کیلئے سو جاتا ہے اور پھر جب نیند سے بیدار ہو جاتا ہے تو ان دوستوں میں سے کوئی بھی وہاں موجود نہیں ہوتا جو اس کیلئے مصافات اور اتحاد کا اظہار کرتے ہیں وہ اکیلا رہ جاتا ہے ہاں وہ شاذ و نادر تھا اس کے گھر والے ہیں جو اس کے بستر سے کوچ نہیں کر سکتے حیاء کی وجہ سے یا فدائیت کی وجہ سے افسوس کہ دنیا کے دوست ایام صحت یا دولتمندی کے بکھر جانے سے کیسے الگ ہو جاتے ہیں۔ اشعار ریاکار دوستوں کی جمع جو آپ دیکھتے ہیں یہ ایک جھوٹا سراب ہے، دھوئیں کے بادل کبھی ثابت قدم نہیں رہتے وہ ہوا کے دوش پر کشتیوں کیطرح چلے جاتے ہیں نہ کوئی کشتی ہے نہ کوئی سکینت ہے جب تو غور کرے گا تو اخلاص تجھ کو ایک بناوٹی چیز معلوم ہو گی۔

اور یہ بھی ملاحظہ کرے کہ میری تمام نمازیں اور روزے بلکہ تمام مالی اور بدنی عبادتیں ایسے طریق سے مجھ سے ادا نہیں ہوئی ہیں جو اللہ کی بارگاہ کے لائق ہوں اور اغراض سے پاک ہوں بلکہ ان میں اکدار نفسانیہ اور بشریہ ملی ہوئی ہیں۔ اور اگر انکو اس قابل سمجھ بھی لیا جائے تو میری عبادتیں اسکی بادشاہی اور ملک میں کچھ بھی اضافہ نہیں کر سکتیں ہر حال میں وہ کمال میں پھر اس کے ساتھ میرے گناہ انکا معارضہ کر رہے ہیں جب دو چیزیں متعارض ہو جائیں تو وہ دونوں ساقط ہو جاتی ہیں اور اگر ان کا باقی رہنا فرض بھی کر لیا جائے تو پھر شائد خاتمہ کسی چیز پر ہو ایمان پر ہو تو الحمد للہ اور اگر کفر پر ہو تو اس سے خدا کی پناہ جسکی مہار کسی اور کے ہاتھ میں ہو۔ وہ کیسی تسلی اور اطمینان پا سکتا ہے اور ایسے اعمال صالحہ میں ہی کہاں جو اس آیت کا مصداق ہوں "ولا یشرک بعبادة ربه احدا" اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیے" اور یہ بھی ضروری ہے کہ فجر اور مغرب کے اوقات شریفہ کا لحاظ رکھے اور ان کا محاسبہ کرے کیونکہ یہ دونوں وقت فرشتوں کے اوقات ہیں جو اللہ کے سامنے اسکے اعمال پیش کرتے ہیں اگر اچھے ہوں تو اچھے پیش ہوتے ہیں اور اگر برے ہوں تو برے پیش ہوتے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کے بعد اسکے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے جبکہ صحیح حدیث میں آیا ہے مختصر یہ کہ ان تمام باتوں سے منہ پھیر لے جو اسکو اللہ تعالیٰ سے دور کریں اور ان تمام باتوں پر توجہ کرے

Scanned by CamScanner

جو اسکو اللہ کے قریب کریں۔ اور اللہ عزوجل کی قدرت کا مطالعہ کرے اور روزے کی بنیادوں کی حفاظت کرے اور وہ چار چیزیں یہ ہیں کم بولنا۔ کم سونا۔ عوام سے صحبت کم رکھنا اور کم کھانا۔ جس کا ان چار چیزوں پر دوام ہوگا اسکا وقت ہمیشہ صاف رہیگا اور چونکہ محاسبہ کے طلق میں بڑا لمبا بیان تھا لہٰذا ہم نے اسکو سمیٹ دیا ہے اور پاکیزہ اوصاف افہام کے سپرد کر دیا ہے جسکا ذہن صاف ہوگا وہ خود بخود سمجھ جائے گا ورنہ مضمون لمبا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور یہی معنی ہے اس قول کا جو شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنی کتاب جلاءالخاطر میں فرمایا ہے کہ غلام کو لاٹھی سے مارا جاتا ہے اور آزاد کو اشارہ کافی ہوتا ہے" اے اللہ ہمیں محاسبہ سے پہلے اپنا حساب کرنے کی توفیق عطا فرما اور ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی عنایت فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

اور باقی رہا معاملہ تو اسکی تین قسمیں ہیں۔ عام۔ خاص اور اخص، پہلا تو اجسام کی تہذیب ہے۔ اور دوسرا روح کی تطہیر اور تیسرا اسرار کی تقدیس سو پہلے فرقہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ ظاہری حرکات کو شریعت محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام کے مطابق محفوظ رکھے اور دوسرے فرقہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ اخلاق باطنیہ کو مضبوط کریں۔ اور تیسرے فرقہ کیلئے ضروری ہے کہ ان چیزوں کو طاقتور بنائیں جو سِر کو خالص کرنے کا باعث ہیں اور ان میں سے ہر ایک میں شریعت اور طریقت اور حقیقت کی حیثیت سے تفصیل ہے اگر تو سب پر مطلع ہونا چاہتا ہے تو ہم نے جو مقامات کا بیان لکھا ہے اسکی طرف رجوع کر اور اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل سے توفیق بخشی تو میں ضروری چیزوں کی تفصیل بیان کر دوں گا۔ لیکن مجمل قاعدہ یہ ہے کہ عمل کرنے والے بندہ کیلئے ضروری ہے کہ ظاہری شریعت کی اتباع کے بعد اعتدال کی حالت میں رہے اور انسانی شکل میں بھیڑیا نہ بن جائے۔ سو ہر ایک جو اس سے ظاہر ہو ضروری ہے کہ ظاہری رسوخ اور باطنی پختگی پر ہو۔ قاضی حمید الدین ناگوری نے اپنے طوالع میں فرمایا ہے کہ انسان کے وجود میں چار صفات پوشیدہ ہیں۔ شیطانی۔ سبعی۔ انسانی اور ملکی آدمیوں کو چاہیئے کہ اپنے احوال کو دیکھیں اگر ان کو قہر، غلبہ اور استیلاء کی طرف رغبت ہو تو وہ شکل میں انسان ہے اور سیرت میں درندہ ہے اور اگر مکر اور فریب اور دھوکہ بازی میں مستغرق ہے تو وہ صورت میں انسان ہے اور سیرت میں شیطان ہے اور سونے کھانے اور شہوت کی طرف مائل ہے تو وہ شکل میں آدمی ہے۔ اور سیرت میں چارپایہ ہے اور اگر توکل و تفویض اور رضا اور رستی اور تواضع اور خلق سے موصوف ہے تو وہ صورت میں انسان ہے اور سیرت میں فرشتہ ہے آج یہ صفات شکل میں پوشیدہ ہیں کل سب ظاہر ہوجائیں گی۔ اور تیری حقیقت سے تیری ظاہری صورت بنائی جائے گی اور میدان محشر میں لایا جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے" تم جیسے زندہ رہو گے ویسے ہی مرو گے اور جیسے مرو گے ویسے اٹھائے جاؤ گے بیت"۔ یہ چار صفتیں تجھ میں آج موجود ہیں جس صفت میں تو زیادہ ہوگا کل کو وہی بنے گا۔

شیخ زین الدین کا قول ہے کہ خدا تعالیٰ کا بندے کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ ہے جیسے ماں کا معاملہ اپنی اولاد سے ہوتا ہے کہ اگر وہ بچے کو اپنے سے جدا کرنا چاہتی ہے تو اس کو کسی دوسری چیز کے کھیل میں مشغول کر دیتی ہے تاکہ بچہ ماں سے فارغ ہوجائے اور جب اسکو اپنی طرف بلانا چاہتی ہے تو تمام کھلونے اس سے چھین لیتی ہے اور اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ خواجہ ابو سعید ابوالخیر فرماتے ہیں، سالک کو تمام چیزیں چاہئیں اور کچھ بھی نہ چاہیئے وہ ہر کوچہ میں جاتا ہے اور واپس آجاتا ہے تاکہ اس کا دل کسی چیز کی وجہ سے خدا سے رک نہ جائے یہ بھی معاملہ سے ہے۔ مردوں کا کام ہے کہ دوست کی راہ میں دونوں جہان مشکلات سے حاصل کرنا اور آسانی سے انکو چھوڑ دینا۔ رسالہ قشیریہ میں لائے ہیں کہ جسکا معاملہ خدا سے درست نہیں ہے اسکی بات کسی دل میں اثر نہیں کرتی۔

تنبیہ: جب آپ کو یہ معلوم ہو چکا کہ سالک ناسوتی کیلئے محاسبہ اور معاملہ ضروری ہے اور یہ بھی آپ کو معلوم ہو چکا کہ سیر ناسوتی میں طریقت اور حقیقت کیطرف ترقی افعال ناسوتی اور اعمال جسدی سے ہوتی ہے پھر اسکا معاملہ درست ہو جاتا ہے اور اعمال بدنیہ کی حیثیت سے وہ دل کے

دروازے تک پہنچ جاتا ہے پھر وہ دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو اسے پوچھا جاتا ہے کہ تو کون ہے؟ تو وہ کہتا ہے کہ ایک گنہگار اور غفلت والا بندہ جو دروازے سے باہر رہ گیا ہے میں نہ گھر کو پہچانتا ہوں نہ ہمسائے کو تو اسے کہا جاتا ہے جس نے وہ دروازہ کھٹکھٹایا وہ اندر داخل ہو گیا اگر کہہ اللہ اور امراض مزمنہ اور اخلاق ردیہ چھوڑ دے جو تجھے دخول سے مانع ہیں پھر وہ اچھے اخلاق سے متخلق ہو جاتا ہے پاکیزہ لوگ پاکیزہ چیزوں کیلئے ہیں اور پاکیزہ چیزیں پاکیزہ لوگوں کیلئے ہیں ہمارے دروازے پر تو کوئی پردہ مانع نہیں تو اور تیرا نفس ہی دخول سے مانع ہیں اور یہی ہیں اس قول کے جو بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ نے فارسی میں فرمایا ہے بیت: میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تاکہ دوست کیلیے اندر سے کوئی آواز آئی کہ دروازہ باہر سے بند ہے اور اگر تیری سیر ناسوتی محاسبہ اور معاملہ کے ساتھ صحیح ہو جائے تو تجھ پر یقیناً دروازہ کھل جائیگا پھر یہ سالک اہل استقامت اور استدامت کا عزم کرتا ہے پھر آپ کے سامنے جسمانی پہاڑوں کے پیچھے سے دل کے مطلع ظاہر ہونے ہیں اور ان پہاڑوں کا زینہ ہو جانا ظاہر ہو جاتا ہے اور فرشتے صف در صف آنے لگتے ہیں تو اس وقت سالک سیر ملکوتی میں شروع ہوتا ہے اور دل کی مملکت میں داخل ہو جاتا ہے پھر اس میں عجیب چیزیں اور غریب اشیاء ملاحظہ کرتا ہے۔

دوسرا لمعہ ان حقائق کے بیان میں جو سالک ملکوتی کے احوال سے تعلق رکھتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول اسی طرف اشارہ کرتا ہے وفی انفسکم افلا تبصرون (اور تمہاری اپنی جانوں میں بھی کیا تم نہیں دیکھتے) لیکن نہایت ضروری ہے کہ نفس اور خواہش کی مخالفت کرے اور اخلاق رذیلہ و ذمیمہ کو محامد اور فضائل سے بدل دے اور یہ دل کی اصلاح اور حجاب اور اس کدورت کے دور کرنے پر موقوف ہے جو اسکے چہرے پر گناہوں اور معاصی سے پیدا ہونے والے اندھیروں کے باعث چھا جاتی ہے اور اسکا پورا علاج اخلاق مصطفویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام سے متخلق ہونا ہے پہلے تو اپنے تربیت کرنیوالے شیخ کے لباس میں جو اپنے مرید کی تربیت محمدی طریقہ پر اسکو اس کے نفس اور اخلاق سے فنا کرکے اپنے اوصاف اور لقا کے ساتھ کرتا ہے اور پھر اسکے بعد لباس محمدی علی صاحبہا الصلوۃ میں تو ضروری ہے کہ ہم اس میں گری ہوئی مخلوق کو دور کریں اور اسکی جگہ نئی پیدائش اولاً شیخ سے اور پھر اسکے بعد نبی سے پیدا کریں اور یہ طریق جو دل سے تعلق رکھتا ہے اسکو ملکوت کہتے ہیں کیونکہ عالم الملکوت فرشتوں کا عالم ہے جو اکدار نفسانیہ اور جسمانیہ سے پاک و صاف ہیں۔ انکی تمامتر خوراک تسبیح و تقدیس ہے وہ دن رات اللہ کی تسبیحات کہتے ہیں اور اسکی تعریف کرتے ہیں تو صحیح دل کا بھی یہی حال ہوتا ہے وہ بدنی تعلق سے منہ پھیر لیتا ہے اور جسمانی علائق سے مجرد اور فارغ ہو جاتا ہے وہ تسبیح کی نوش کرتا ہے اور تقدیس کے کھانے کھاتا ہے وہ ایک خالص روح ہو جاتا ہے اور اسکا ظاہری کھانا صرف بشری محافظت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ تاکہ اسکے معبود بنا لینے کا ایک نیا فتنہ نہ پیدا ہو جائے۔ جیسا کہ ناقص عقلوں والے فرشتوں کے متعلق خیال کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اسی خدا کی پناہ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں صرف تمہارے جیسا آدمی ہوں میں کھاتا پیتا اور سوتا ہوں اور اسی لیے اللہ عزوجل نے شیخ اجل رضی اللہ عنہ کو فرمایا تجھے میری قسم کھا اور پی اور ایسی قمیص پہن جسکی آستینیں ایک دینار کی ہو اور انکے کھانے پینے میں کئی ایک اسرار ہیں جسکو صرف اللہ جانتا ہے اور اس دنیا میں ان کا کھانا پینا جنت والوں کے کھانے کیطرح ہے کہ جنت والے اپنے وجود کی بقا میں کھانے کے محتاج نہ ہونے کے باوجود کھائیں گے۔ سو اللہ تعالیٰ کی طرف راستہ صرف دل کی صفائی سے ہے عین القضاۃ نے کہا: خدا کا راستہ طلب کرنا فرض ہے لیکن خدا کا راستہ زمین اور آسمان میں نہیں ہے اور نہ عرش اور بہشت میں ہے اللہ کا راستہ باطن میں ہے اور باطن سے مراد صرف اور روح اور سر ہے۔ تو سالک ناسوتی دروازے سے باہر ہے اور راستہ دروازے کے اندر سے شروع ہوتا ہے اور دروازے کے اندر صرف صحیح دل ہی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مگر جو سلامتی والا دل لایا۔

ابراہیم ادہم قدس سرہ کا قول ہے جب سالک بلند قدم ملکوتی کے سامنے سے یہ تینوں حجاب اٹھ جاتے ہیں تو دولت ابدی اور سعادت سرمدی کا دروازہ اس پر کھولا جاتا ہے پہلا یہ ہے کہ اگر دونوں جہان کی حکومت اسکو ابدی عطا کے بدلے میں دیں تو وہ خوش نہ ہوگا۔ اور اگر بالفرض اسکے پاس دونوں جہان کی حکومت ہو اور اس سے واپس لے لیں اور مفلس ہو جائے تو یہ غمگین نہیں ہوگا۔ اور تیسرا یہ ہے کہ کسی کی مدح اور ثنا اور مخلوق کے لطف و عطا پر فریفتہ نہیں ہوتا۔ شیخ یوسف ہمدانی نے فرمایا سالک ملکوتی کو چاہیئے کہ جسمانی و قلبی اور نفسی اور عقلی، گھاٹیوں کو عبور کرے تاکہ مردان خدا کی راہ کے کمالات کے لائق ہو جائے اور وہ بہشت اس کو نظر آئے پہلی گھاٹی شریعت کی حدود پہ استقامت ہے اور دوسری ہمیشہ باوضو رہنا اور سلوک تیسری ذکر چوتھی ربط قلب با شیخ۔ پانچویں دل میں خیالات کی نفی چھٹی تسلیم ساتویں رضا اور آٹھویں خلق سے سوال کا ترک کر دینا ہے۔ اب تیرے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ توان مذکورہ گھاٹیوں کے عبور کرنے کا طریقہ بھی معلوم کرے۔ سو عقلی گھاٹی کے عبور کا طریقہ یہ ہے کہ مدح و ذم اور رد و قبول برابر ہو جائے اور یقین ہو جائے کہ نفع و ضرر صرف اللہ کی طرف سے ہے نہ کہ کسی اور مخلوق سے اور دل کی گھاٹی سے گذرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دنیا و عقبیٰ کی لذیذ چیزوں کی خواہش نہ رہے۔ اور اللہ کے سوا کسی چیز کی طرف التفات کرنے سے منہ پھیرے۔ اور جسمانی اور نفسانی گھاٹی سے گذرنے کا طریقہ ظاہر ہے اور وہ ہے معاصی اور گناہوں اور شہوانی لذائذ سے منہ پھیر لے اور اس میں حلال اور حرام اور مشتبہ چیزوں کا کوئی فرق نہیں ہے اور یہ تمام مضمون شیخ اجل رضی اللہ عنہ و ارضاہ عنا کی عبارت سے سمجھا گیا ہے جو انہوں نے اپنی کتاب جلاء الخاطر میں لکھی ہے کہ محب اسوقت محبوب بن جاتا ہے جب اس کا دل اللہ کے سوا تمام چیزوں سے خالی ہو جائے اور وہ اللہ سے اس کے سوا اور چیز کی خواہش نہ کرے اور اس مقام پر دل صرف فرائض کی ادائیگی اور حرام و مشتبہ سے صبر اور خواہش اور شہوت اور وجود کے مباح اور حلال کا تناول بھی چھوڑ دینے اور ورع استعمال کرنے سے جو کہ شافی ہو اور زہد کامل سے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کا چھوڑ دینا اور نفس اور شیطان اور ہوا کی مخالفت اور دل کی مخلوق سے طہارت جہاں تک کہ اسکے لیے مذمت اور مدح اور بخشش اور بخل اور اینٹ اور پتھر سب برابر ہو جائیں پہنچ سکتا ہے۔ انتہی یعنی سونا اور مٹی اور سونا اور چاندی سب برابر ہو جائیں اور یہ صحت قلب کی علامت ہے جو کسی نفع اور نقصان کی پرواہ نہیں کرتا اور جنگ تمرین شیخ رضی اللہ عنہ و ارضاہ عنا نے اسی عبارت کے قریب قریب فرمایا ہے کہ جس کا دل صحیح ہو جائے اسکا نفس اور خواہش مر جاتے ہیں اور اسکی طبیعت کی آگ بجھ جاتی ہے اور اسکے دل میں دنیا اور دنیا والوں کی حقارت کی وجہ سے اسکا شیطان ذلیل ہو جاتا ہے۔ اور یہ عبارت شریفہ آنکھوں والوں کیلئے کئی ایک اسرار پر مشتمل ہے اور اس سے سالک ناسوتی اور ملکوتی اور جبروتی اور لاہوتی کی حالت سیر کے متعلق بھی کئی ایک اسرار سمجھے جا سکتے ہیں لیکن اس وقت گفتگو سالک ملکوتی میں ہو رہی ہے اسلئے ہم اس پر اکتفا کریں گے تو ہم کہتے ہیں کہ سالک ملکوتی کیلئے ضروری ہے کہ ایسے اخلاق سے متخلق ہو جو دل کی صحت کا باعث ہوں اور ان اخلاق میں اسکا ظاہر اور باطن اور سر ہوتا ہے پس جب ظاہری حیثیت سے متخلق ہو کر ان اخلاق کی ذات کا حق ادا کرے تو یہ سالک ملکوتی ہے جو ظاہری کا راستہ عبور کر رہا ہے اور اگر اسکا تخلق اخلاق کے باطن سے ہو کہ اس میں یہ اخلاق اپنے وجود کے لحاظ سے بھی جاگزین ہو چکے ہوں اور دوسرے میں تاثر بھی کریں تو یہ سالک ملکوتی باطنی ہے۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ ان اخلاق کے علم سے بھی اکثر بے خبر ہوتا ہے جو اسکو حاصل ہیں کیونکہ وہ اس کے دل کے باطن میں داخل ہو چکے ہیں جسمیں ان اخلاق کے انوار و اطوار ہیں وہ اسکی حقیقت بن چکے ہیں وہ انکے ذاتی وجود اور حصول کی پرواہ بھی نہیں کرتا اسکی ہمت باطن کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اگر اسکا تخلق سر کے ساتھ ہو تو وہ ان اخلاق کے حصول اور انکی غیبت سے فانی ہوتا ہے اسے حقائق کی حقیقت نے کھینچ لیا ہے یعنی ان اخلاق کے اسرار نے پھر جب اسکو اخلاق کے اسرار حاصل ہو جاتے ہیں تو سیر ملکوتی کی حیثیت سے اسکی سیر پوری ہو جاتی ہے۔ لیکن اس سیر میں

Scanned by CamScanner

ابراہیم ادہم قدس سرہ کا قول ہے جب سالک بلند قدم ملکوتی کے سامنے سے یہ تینوں حجاب اٹھ جاتے ہیں تو دولت ابدی اور سعادت سرمدی کا دروازہ اس پر کھول جاتا ہے پہلا یہ ہے کہ اگر دونوں جہان کی حکومت اسکو ابدی عطا کے بدلہ میں دیں تو وہ خوش نہ ہوگا۔ اور اگر بالفرض اسکے پاس دونوں جہان کی حکومت ہو اور اس سے واپس لے لیں اور مفلس ہو جائے تو بھی غمگین نہیں ہوگا۔ اور تیسرا یہ ہے کہ کسی کی مدح اور ذم اور مخلوق کے لطف و عطا پر فریفتہ نہیں ہوتا۔ شیخ یوسف ہمدانی نے فرمایا سالک ملکوتی کو چاہیئے کہ جسمانی اور قلبی اور نفسی اور عقلی گھاٹیوں کو عبور کرے تاکہ بروں خدا کی راہ کے کرامات کے لائق ہو جائے اور وہ بہشت اس کو نظر آئے پہلی گھاٹی شریعت کی حدود پر استقامت ہے اور دوسری ہمیشہ باوضو رہنا اور سلوک۔ تیسری ذکر چوتھی رابطہ قلب با شیخ۔ پانچویں دل میں خیالات کی نفی چھٹی تسلیم ساتویں رضا اور آٹھویں خدا سے سوال کا ترک کر دینا ہے۔ اس تیر سے سیر پر بھی ضروری ہے کہ تو ان مذکورہ گھاٹیوں کے عبور کرنے کا طریقہ بھی معلوم کرے۔ سو عقلی گھاٹی کے عبور کا طریقہ یہ ہے کہ مدح و ذم اور رد و قبول برابر ہو جائے اور یقین ہو جائے کہ نفع و ضرر صرف اللہ کی طرف سے ہے نہ کہ کسی اور مخلوق سے اور قلبی گھاٹی سے گذرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دنیا و عقبیٰ کی لذیذ چیزوں کی خواہش نہ رہے۔ اور اللہ کے سوا کسی چیز کی طرف التفات کرنے سے منہ پھیر لے۔ اور جسمانی اور نفسانی گھاٹی سے گذرنے کا طریقہ ظاہر ہے اور وہ یہ ہے معاصی اور گناہوں اور شہوانی لذائذ سے منہ پھیر لے اور اس میں حلال اور حرام اور مشتبہ چیزوں کا کوئی فرق نہیں ہے اور یہ تمام مضمون شیخ اجل رضی اللہ عنہ و ارضاہ عنا کی عبارت سے سمجھا گیا ہے جو اپنے رسالہ بحر الجلال والخاطر میں لکھی ہے کہ محب اسوقت محبوب بن جاتا ہے جب اس کا دل اللہ کے سوا تمام چیزوں سے خالی ہو جائے اور وہ اللہ سے اس کے سوا اور چیز کی خواہش نہ کرے اور اس مقام پر دل صرف فرائض کی ادائیگی اور حرام و مشتبہ سے صبر اور خواہش اور شہوت اور وجود کے حاج اور حلال کا تناول بھی چھوڑ دیتے اور ورع استعمال کرنے سے جو کہ شافی ہو اور زہد کامل سے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کا چھوڑ دینا اور نفس اور شیطان اور ہوا کی مخالفت اور دل کی مخلوق سے طہارت جہاں تک کہ اسکے لیے مذمت اور مدح اور بخشش اور بخل اور اینٹ اور پتھر سب برابر ہو جائیں پہنچ سکتا ہے۔ انتہی یعنی سونا اور مٹی اور سونا اور چاندی سب برابر ہو جائیں اور یہ صحت قلب کی علامت ہے جو کسی نفع اور نقصان کی پرواہ نہیں کرتا اور جنگ تریں شیخ رضی اللہ عنہ و ارضاہ عنا نے اسی عبارت کے قریب قریب فرمایا ہے کہ جس کا دل صحیح ہو جائے اسکا نفس اور خواہش مر جاتے ہیں اور اسکی طبیعت کی آگ بجھ جاتی ہے اور اسکے دل میں دنیا اور دنیا والوں کی حقارت کی وجہ سے اسکا شیطان ذلیل ہو جاتا ہے۔ اور یہ عبارت شریفہ انکھوں والوں کیلئے کئی ایک اسرار پر مشتمل ہے اور اس سے سالک ناسوتی اور ملکوتی اور جبروتی اور لاہوتی کی حالت سیر کے متعلق بھی کئی ایک اسرار سمجھے جا سکتے ہیں لیکن اس وقت گفتگو سالک ملکوتی میں ہو رہی ہے اسلئے ہم اس پر اکتفا کریں گے تو ہم کہتے ہیں کہ سالک ملکوتی کیلئے ضروری ہے کہ ایسے اخلاق سے متخلق ہو جو دل کی صحت کا باعث ہوں اور ان اخلاق میں اسکا ظاہر اور باطن اور سر ہوتا ہے پس جب ظاہری حیثیت سے متخلق ہو کر ان اخلاق کی ذات کا حق ادا کرے تو یہ سالک ملکوتی ہے جو ظاہر ہی کا راستہ عبور کر رہا ہے اور اگر اسکا تخلق اخلاق کے باطن سے ہو کر اس میں یہ اخلاق اپنے وجود کے لحاظ سے بھی جاگزیں ہو چکے ہوں اور دوسرے میں تاثر بھی کریں تو یہ سالک ملکوتی باطنی ہے۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ ان اخلاق کے علم سے بھی اکثر بے خبر ہوتا ہے جو اسکو حاصل ہیں کیونکہ وہ اس کے دل کے باطن میں داخل ہو چکے ہیں جنہیں ان اخلاق کے انوار و اطوار ہیں وہ اسکی حقیقت بن چکے ہیں وہ انکے ذاتی وجود اور حصول کی پرواہ بھی نہیں کرتا اسکی ہمت باطن کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اگر اسکا تخلق سر کے ساتھ ہو تو وہ ان اخلاق کے حصول اور انکی غیبت سے فانی ہوتا ہے اسے حقائق کی حقیقت نے کھینچ لیا ہے یعنی ان اخلاق کے اسرار نے پھر جب اسکو اخلاق کے اسرار حاصل ہو جاتے ہیں تو سیر ملکوتی کی حیثیت سے اسکی سیر پوری ہو جاتی ہے۔ لیکن اس سیر میں

وکھوں وادیاں اور سمندر ہیں کہ جن میں وہ اکثر پریشان ہو جاتا ہے کیا تم غور نہیں کرتے کہ منصور حلاج پر انکی ایک ادنیٰ روشنی میں کیا کچھ گزر گیا
صحیح ہے کہ بایزید بسطامی نے تیس سال تک خدا سمجھ کر روح کی عبادت کی اور اسی وادی میں سبحانی ما اعظم شانی کا قول سرزد ہوا کیونکہ
ان پر منکشف نہ ہو سکی تو آپ نے اس روح کو جو عالم امر سے ہے رب سمجھ لیا۔ اور یہ اس مغلوبیت کا اثر تھا جو کہ اخلاق محمدیہ کے کشف کی ابتداء میں ان
پر طاری ہوئی کیونکہ وہ سراسر انوار و ارواح ہیں تو ہر ایک کو ان اخلاق کے اجتماع سے منبع نور سے ایک روح حاصل ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی ذات ایک ہمیشہ کا سورج ہے اور آپ کے اخلاق اس کی شعاعیں ہیں۔ اور یہ ارواح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا ہوئی ہیں
جس پر یہ حقیقت منکشف ہے وہ میری بات کا انکار نہیں کرے گا کیونکہ میں شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی شعاعوں سے روشنی حاصل
کر رہا ہوں اے اللہ مجھے حقائق اخلاقیہ اور صفاتیہ کی شرح میں زیادہ علم عطا فرما۔

بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے جلاء الخاطر میں فرمایا ہے کہ یہ راستہ تمام کا تمام محو اور فنا ہے۔ شروع میں جب ایمان کمزور
ہوتا ہے تو لا الٰہ الا اللہ ہوتا ہے اور انتہا میں جب ایمان طاقتور ہوتا ہے تو لا الٰہ الا انت ہو جاتا ہے کیونکہ وہ حاضر اور مشاہدہ کو مخاطب کرتا ہے اور یہ
ایک باطنی معاملہ ہے یہ سر کا سر ہے یہ اسکی خوشبوؤں میں سے ایک خوشبو ہے اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے زمانے کے دنوں میں
خدا تعالیٰ کے کچھ نفحات ہیں انکو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ انتہی۔ اب تجھے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ نفحات کیا ہیں اور کہاں ہیں اور انکو کیسے
حاصل کیا جاسکتا ہے۔ سو ہم کہتے ہیں کہ ابتدائی نفحات اخلاق محمدیہ ہیں جو مخلوق سے خدا تعالیٰ کی طرف ظاہری حیثیت سے جاری ہیں جیسے
حوصلہ، حیا، بخشش اور عطا وغیرہ پھر انکے بعد باطنی حیثیت سے انکے حقائق اور اطوار ہیں کہ ان کی تاثیر سے عابدین کے دل اور بادشاہوں کے
محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہونے ہی سے ٹوٹ جاتے ہیں پھر جنکو نفحات کے باطن میں سے حصہ نصیب نہیں ہوتا وہ کہتا ہے
کہ آپ جادوگر ہیں یا دیوانے ہیں۔ اور جس نے حقیقت معلوم کر لی ہے وہ کہتا ہے کہ آپ پروردگار عالم کی رحمت ہیں اور جو حقائق کی حقیقت تک
پہنچ گیا اسے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے آپکی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور وما رمیت اذ رمیت کا مطلب سمجھ جاتا ہے اور معلوم
کر لیتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر میں ایک جوہر بشر ملکی ہیں اور انکی حقیقت ہماری عقلوں سے باہر ہے ویخلق ما لا تعلمون اے اللہ تو پاک
ہے تیرے بتائے بغیر ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔

کیا آپ غور نہیں کرتے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قد مبارک کو اتنا ہی دیکھتے تھے جتنا کہ ظاہر میں تھا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ
آپ کو عرش سے بھی بلند تر دیکھتے اور عمر اور عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اپنے کشفی درجات کے مطابق دیکھتے پھر ظاہر قامت اور انکے باطنی امور کی
حقیقت میں اتنا فرق تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے کیا کہا جاسکتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی سیر لوگوں کی نیت
میں تو مذکورہ تین اقسام میں منحصر ہے اور اشخاص کی حیثیت سے اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ پھر جیسے جیسے سالک ملکوتی کی سیر طے ہو
جاتی ہے ویسے ہی دل کے حقائق کے کشف میں طریقت، معرفت اور حقیقت کے لحاظ سے اس کا درجہ بلند ہوتا جاتا ہے لیکن اخلاق کی
حیثیت سے اور باقی رہی صفات کی حیثیت وہ سالک جبروتی کے لوازمات میں سے ہے اسکی تفسیر انشاء اللہ آئندہ آئیگی اور اس سے
اللہ تعالیٰ کے قول انک لعلیٰ خلق عظیم کا معنی بھی معلوم ہو گیا۔ اور خلق کی عظمت اسکی حقیقت ہے یہی وجہ ہے کہ وہ بڑے بڑے جابر لوگوں کے
دل توڑ دیتی ہے اور اللہ عزوجل کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے کہو اے اللہ ملک کے مالک تو جسکو چاہے ملک عنایت کرے اور
جس سے چاہے چھین لے۔ جس نے اخلاقی حقیقت کو پا لیا اسے قدسی ملک عنایت ہو گیا وہ ملکوت میں سیر کرنے والا جاتا ہے وہ نہ کہ

اور مدرسوں کو طے کرتا جاتا ہے یہاں تک کہ جبروت کی پہنائیوں میں منتقل جاتا ہے اور یہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہے اسکی وضاحت کرونگا

شبہات کا ازالہ والے سلوک سیر کے خواہشمند کیلئے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ پہلے سیر ناسوتی کا تمام ہونا اور پھر سیر ملکوتی میں تنزل کرنا لازمی ہے ورنہ وہ اس درخت کی طرح ہوگا جو زمین پر پھیل جاتا ہے اور اس میں کوئی ثبات نہیں ہوتا اور پہلے کی مثال پاک درخت کی سی ہے جسکی جڑیں مضبوط ہیں ۔ اور شاخیں آسمان تک چلی گئی ہیں ۔ ایک محقق نے کہا ہے کہ سالک ملکوتی دل کی راہ سے چلتا ہے اسے اپنے اعمال پر نگاہ رکھنی چاہیئے اسکی راہ نماز اور روزہ اور اطاعت و عبادت اور ذکر و فکر و صحبت سے آگے چلتی ہے یا حق اور خوش اور غلامی اور نیاز مندی اور ذکر محبت اور شوق و ذوق اور عشق و محبت سے ۔ اگر پہلے اوصاف کا حامل ہے تو سمجھا کہ یہ نیک عمل اور نیک دل اور پرہیزگاروں کی راہ ہے اور اگر دوسرے اعمال کے اوصاف میں ہے تو بہت بہتر ہے کہ یہ عاشقوں اور عارفوں اور پاکبازوں اور جانگدازوں کی راہ ہے ۔ پہلی جماعت کو مرید کہتے ہیں اور دوسری کو مراد پہلے طبقہ کو طالب کہتے ہیں اور دوسرے کو مطلوب پہلے فرقہ کو محب کہتے ہیں اور دوسرے کو محبوب پہلے گروہ کو عاشق کہتے ہیں اور دوسرے کو معشوق اور میرا خیال ہے کہ اس محقق کا یہ تقسیم اس بات پر مبنی ہے کہ اس کا حال شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قولاً و فعلاً ثابت ہونے کے بعد ایسا ہی ہوگا ورنہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ پہلا فرقہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ کے طریقہ پر ہونے کے باوجود مرید اور طالب اور محب ہے دوسرا فرقہ جو انبیاء کے طریقہ پر نہیں ہے وہ مراد و محبوب ہے اور اس محقق کا بیان طریق محبت میں ترغیب کیلئے ہے اس حیثیت سے کہ وہ وصول الی اللہ کا ایک خاص طریقہ ہے تو ان کے اس قول سے کہ یہ مرحبا یہ نیکوں کی راہ ہے انکی مراد یہ ہے کہ یہ ایک عام طریقہ ہے جس سے انبیاء عوام کو ہدایت دیتے ہیں اور عوام کو اس طریقہ سے راہنمائی کرتے ہیں ۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسرے طریقہ میں انکا اشتغال اور استعمال نہیں ہے ۔ حاصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دو جہتیں ہیں پہلی عام جہت ہے اور اسی جہت سے وہ عوام کی راہنمائی کرتے ہیں اور دوسری خاص جہت ہے جسکی وجہ سے وہ بلندیوں کی چوٹیوں پر ترقی کرتے ہیں تو پہلے طریقہ کی انبیاء علیہم السلام کی طرف نسبت اس حیثیت سے ہے کہ وہ اس طریقہ کے استاد ہیں اور دوسرے طریقہ میں بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ کا شغل و اشتغال ہوتا ہے یہ اس محقق کے کلام انتہائی تصحیح ہے ورنہ اسکا ظاہر مقدونش ہے بلکہ ایسا کلام کسی محقق سے صادر نہ ہونا چاہیئے کیونکہ محقق کبھی ایسی بات نہیں کہتا جو ظاہر شریعت کے مخالف ہو اور چونکہ کلام سالک ملکوتی میں بحیثیت مراتب قلب اور اسکے پردوں کے تطویل کا باعث تھا میں نے اسکو کسی دوسرے وقت پر ٹال دیا ہے شاید اللہ تعالیٰ اس قصیدہ کے آئندہ ابیات کی شرح میں اسکے بیان کرنے کی مجھے توفیق دیدیں اور اگر آپ ہمارے مذکورہ بیان کو غور سے دیکھیں گے تو اسکی طرف بھی اشارہ پائیں گے ضروری ہے کہ آپ ہمارے بیان کی تحقیق کریں ۔ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے سرفراز فرماویں سو تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کیلئے ہیں اسی سے ہم مدد مانگتے ہیں اور اس کے رسول امین اور انکی آل اور انکے بلند مرتبہ غائب پر ہم درود بھیجتے ہیں ۔

تیسرا معرکہ ۔ جب سالک ملکوتی کے اعمال و اخلاق نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں متابعت پوری ہو جاتی ہے اور یہ احوال کریمہ اسکے اندر پختہ ہو جاتے ہیں تو اس پر ایک اور دروازہ کھلتا ہے وہ اسکے اندر داخل ہونا چاہتا ہے اس سے پوچھا جاتا ہے کہ اے قدرت و جبروت کے دروازہ کو کھٹکھٹانے والے تو کون ہے ؟ وہ کہتا ہے ایک کمزور بندہ جسکا وجود فنا ہو چکا ہے جسکا شہود و صاف ہو چکا ہے جس کا انتظار بڑا لمبا ہو چکا ہے جسکی بیقراری بڑھ چکی ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنے پہلے مقام سے بلند تر مقام میں اقامت اختیار کر دوں تو اسکو کہا جاتا ہے کہ یہ معاملہ زاحمت ہے اسکے اٹھانے سے تو زمین و آسمان کی کمر ٹوٹ گئی ان دونوں نے اس بوجھ کو اٹھانے کا ارادہ کیا تھا پھر اسکے بلند راستوں اور بلند پہاڑوں کے دیکھنے سے ڈر گئے اور انکار کر دیا ۔ تو بندہ کہتا ہے موت برحق ہے اس سے کوئی بھاگ نہیں سکتا اگر میری موت اس بوجھ اور

ان پہاڑوں کے اٹھانے ہی سے مکھی ہے تو بہت خوب ہے اور اگر میں نے اس بوجھ کو اٹھالیا تو بہت بڑی کامیابی حاصل کروں گا اللہ کے نام سے میں نے
اللہ ہی پر توکل کیا اللہ کے نام سے اور اللہ ہی کی مدد سے نیکی کرنے کی طاقت اور گناہ سے بچنے کی ہمت صرف اسی اللہ سے ہے۔ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ سب سے
پہلے تیرے لیے ضروری ہے کہ اس دروازہ کے چار انقلاب کے دامن کو تھام لے تاکہ اس دروازہ کی چوکھٹ تک پہنچنے کی تجھ میں قوت پیدا ہو جائے اگر یہ
ہے آپ کا حکم سر آنکھوں پر تو اس کو ان چار اسماء کا الہام ہوتا ہے یعنی اوّل۔ آخر۔ ظاہر۔ باطن کا۔ لیکن اس سے کہا جاتا ہے کہ ان اسماء میں سے ہر ایک
اسم کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اسکی تحقیق تیرے لیے ضروری ہے اور ان میں سے ہر ایک کی دو جہتیں آپ کو نظر آئیں گی سو جان لو کہ اسم اوّل کا ایک تو ظاہر
ہے اور وہ یہ ہے کہ تو جان لے کہ اس سے پہلے کوئی چیز نہیں آتی تھی ہر چیز کا وجود اسکے وجود کے بعد ہے سو اسکا وجود اسکی ذات کا مقتضی ہے للہ اول نہ
رہیگا اور باقی تمام اشیاء کا وجود اسکے ظل سے ہے ورنہ ہر چیز اوّل ہو جائے گی سو اس صورت میں اول اول نہ رہیگا جب تو نے یہ معلوم کر لیا تو اب جاننا چاہیئے کہ ہر ا
وجود پہلے عدم تھا اور جو پہلے عدم ہو وہ ابدی نہیں ہو سکتا کیونکہ مانگی ہوئی چیز واپس دی جاتی ہے اور امانتیں ادا کی جاتی ہیں پھر جب یہ وجود کی امانت
کی جائے گی تو پھر معلوم ہو جائیگا۔ تو دو عدم کے درمیان ہر وجود اسی طرح ہے جیسے دو خونوں کے درمیان طہر ہوتا ہے اسکا کوئی اعتبار نہیں ہوتا سو یہ ایسا وجود
عدم محض ہے اور عدم اس وقت تک تمام نہیں رہ سکتا جبتک کہ جو مدد اسکو وجود کا لباس نہ پہنائے سو ہر وہ چیز جو تجھ میں پیدا ہو یا تجھ سے پیدا ہو یا تیری طرف پہنچے
یہ سب کچھ کسی واسطہ تنور مکون کی طرف سے ہے تو تمام وجود اور قدرت تو اسی اول کیلئے ہے جو تجھ سے پہلے تھا تو اس وقت تجھ پر اسی طرح کی حقیقت واضح ہو گی
جبکہ ماشاء اللہ تجھے اشیاء کی حقیقت اسی طرح دکھا جیسے وہ حقیقت میں ہیں۔ کے مطابق ہو گی تو اس وجود میں تیری اپنی قدرت کسی طرح بھی نہیں ہوگی نہ ارادہ
میں نہ زندگی میں اور نہ کسی اور صفت میں یہ سب صفات اسی کی ہونگی سو تو محض ایک آلہ ہے اور مظہر خاص ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کا یہی مطلب ہے
کہ اسکی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونیوالی ہے۔ پھر اسکا ایک باطن بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ تو جان لے کہ ہر چیز کی ایجاد میں اللہ تعالیٰ ہر چیز سے اول ہے یعنی وہ
قدرت جو مقدور کے ساتھ متعلق ہے اسکی دو جہتیں ہیں پہلی ظاہری جہت ہے جو ظاہر میں نظر آتی ہے اور وہ ہے بندے کی طاقت پھر جسکی آنکھوں پر پردہ ہے
وہ دیکھتا ہے کہ مقدور عدم کے پردے سے وجود کے جلوے کی طرف اس ظاہری قادر کی قدرت سے آیا ہے اور اگر غور دیکھا جائے اور آنکھوں سے پردہ ہٹ
جائے تو معاملہ اسطرح نہیں ہے بلکہ یہی قدرت اس ظاہری قدرت میں اس قادر اوّل کی قدرت ہے جو سب سے پہلے تھا اور یہی دوسری جہت حقیقی ہے
اور اولین قدرت ہے۔ جو مقدور عدم کے پردے سے نکل کر وجود و شہود تک اسی ازلی ابدی قدرت کاملہ کی وجہ سے پہنچا ہے تو ظاہری قدرت اس
باطنی حقیقی قدرت کی نسبت سے ایک آلے کی حیثیت رکھتی ہے اور وہی قدرت ہر چیز سے پہلے ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ
میں اسی قدرت کیطرف اشارہ ہے اور یہ کمال شہودی ہے اور اس آدمی میں پیدا ہوتا ہے جو قدرت اور جبروت کے دروازہ تک پہنچ چکا ہے اسکی
نگاہ میں ملحوظ و مشہود وہی قادر اوّل کی حقیقی قدرت ہے جب سالک کو قدرت میں یہ منزلت حاصل ہو جاتی ہے تو اسے ہر صفت میں اسی شہود کا مقام
حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ ہر صفت حقیقت میں قدرت ہی کی طرف راجع ہے اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ کا نام عبدالقادر اسی کی طرف اشارہ کرتا
ہے تو آپ رضی اللہ عنہ کا یہ نام تمکین کے تمام لوازمات کا جامع ہے جیسا کہ آپ نے اپنے قول و عبدالقادر المشہور اسمی میں اسکی طرف اشارہ کیا
ہے اس کا بیان آئندہ آئے گا اور پہلے بھی اس کی طرف اشارہ گذر چکا ہے۔

اور باقی رہا اس مرتبہ پر ثبات تو وہ دوامی طور پر باب جبروتی کے اندر داخل ہونے کے بعد ہوتا ہے جبکہ وہ پردے دور ہو جاتے ہیں جو معیت
کی دوئیت سے مانع ہیں اسی لیے کہا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول جو آپ نے غار میں ابوبکر صدیق کی تسلی کیلئے فرمایا تھا کہ فکر نہ کر اللہ ہمارے ساتھ
ہے وہ شہود کلی کے کمال سے پیدا ہوا تھا جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت کی آنکھ سے پردے پھاڑ دیئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

Scanned by CamScanner

یہی مراد ہے کہ "اے اللہ مجھے حق کو حق کر کے دکھا اور باطل کو باطل دکھا"۔ سو اصل حق یہی ہے کہ وہ ہر چیز سے اول ہے اب نہ کوئی پردہ رہا نہ کوئی حجاب موہوم نے تیرا پردہ تجھ سے دور کر دیا سو آج تیری نگاہ تیز ہے۔" اور موسیٰ علیہ السلام کا قول کہ "ان معی ربی۔ (میرے ساتھ میرا رب ہے) اس منزل کی ابتدا سے صادر ہوا ہے۔ کیا آپ غور نہیں کرتے کہ حضرت موسیٰ نے ملاحظہ میں اپنی ذات کو مقدم کیا۔ اور نبی محبوب نے ملحوظ و مشہود (اللہ) کو اپنی پر مقدم کیا اور یہ اسی کے مطابق ہے کہ "ہم نے جو چیز بھی کبھی دیکھی ہے اس سے پہلے ہمیں اللہ نظر آیا ہے"۔ اور یہ ایک تفصیل ہے جسکو ہم نے قلوب صافیہ اور اسرار زاکیہ کے سپرد کر دیا ہے

پھر جان لینا چاہیئے کہ آخر کا بھی ظاہر اور باطن ہے اول کے قیاس پر اسکی معرفت پر بھی تو قادر ہو سکے گا اور مجملاً طور پر یہ ہے کہ وہی باقی ابدی ہے موجودات کی ہر چیز ہلاک ہو جائے گی (کل شئی ہالک الا وجہہ) اسکی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونیوالی ہے۔ کیونکہ اگر کوئی چیز باقی رہنے والی ہو تو پھر آخر آخر نہ رہیگا۔ بلکہ کوئی اور چیز بھی ہر مرتبہ میں اسکے ساتھ رہیگی۔ اور آخریت متحقق نہ ہو سکے گی اور یہ محال ہے اور اشیاء کے فناء ہو جانے کے بعد وہی باقی رہے گا اور وہی حقائق کی حقیقت ہے اور ہر چیز کی بقا و دوام اسی کی قدرت محیط کے باعث ہے جو ہر چیز کیلئے اول ہے اور ہر چیز کے آخر ہے اور وہ چیز کو گھیرنے والا ہے تو اولیت و آخریت اس شہود میں اللہ تعالیٰ کے ہر چیز کو احاطہ میں بلا کیف و کم لینے کا اشارہ ہے اور خدا تعالیٰ کی صفات کا احاطہ کیفیت اور کمیت کے بغیر بھی ہر چیز کیلئے نا ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے اور اسی طرح صفت الظاہر کا ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر چیز کا ظہور اسکے ظہور کا ظل ہے کیونکہ اگر اسکے وجود کا ظہور نہ ہوتا تو کوئی چیز ظاہر نہ ہوتی اور یہ اس چیز کو مقتضی ہے کہ کوئی چیز اس سے اوپر نہیں ہے پس وہ ہر چیز کے ظاہر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا یہی معنی ہے کہ "وہ ظاہر ہے اس سے اوپر کوئی چیز نہیں ہے۔" تو ہر چیز کا وجود اسکے نور کا سایہ ہے۔ کیا تم غور نہیں کرتے کہ سورج کا وجود حقیقی ہے اور ذرات کا وجود اسکا ظل ہے تو ذرے سورج کے ظہور سے زیادہ نہیں ہو سکتے بلکہ انکی بقا اسی کے ساتھ اور اسی سے ہے تو اللہ تعالیٰ اس شہود ظہوری میں سالک کی بصیرت کے آئینہ میں بغیر حلول کے حاضر ہے جیسا کہ سورج ذرات میں نہیں ہے بلکہ اسکا نور ہے۔ اسکے نور کی مثال ایک طاقچہ کی سی ہے کہ اس میں چراغ ہو۔ اور اس مثال میں فی (میں) کا کلمہ جو استعمال کیا گیا ہے جو ظرفیت کا تقاضا کرتا ہے تو وہ اسکے لازم معنی کے اعتبار سے ہے نہ حقیقت کے طور پر۔ اللہ تعالیٰ ظرفیت اور مظروفیت سے بالاتر ہے اور یہی توحید کی بنیاد ہے جو اتحاد سے بالکل الگ ہے اور وہ باطن بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کمال ظہور کے باعث آنکھوں سے مخفی ہے اور بصیرت کے ادراک سے پردہ میں ہے۔ آنکھیں اسکو نہیں پا سکتی اور وہ آنکھوں کو پالیتا ہے کما اسکا ظہور اس طرح کہ اس سے زیادہ کسی کا ظہور نہیں ہے باطن بن گیا کیونکہ بصارت اور بصیرت اسکا ادراک نہیں کر سکتیں اور اسکی تحقیق یہ ہے کہ بصارت اور بصیرت کی پتلی چونکہ نہایت تنگ ہے۔ وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتی مگر جو وہ خود چاہے اسکی کرسی نے آسمانوں اور زمینوں کی وسعتوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ پھر عرش کا کیا حال ہوگا اور اسکی کیفیت کون جان سکتا ہے جو عرش پر مستوی ہے پھر جو چیز خود گھیری گئی ہو وہ گھیرنے والی چیز کا احاطہ کسطرح کر سکتی ہے سبحان لوگوں نے جسطرح اللہ کے قدر کرنے کا حق تھا قدر نہیں کی۔ پس ظاہر کا باطن یہ ہے کہ وہ بصیرت اور بصارت کی تنگی کی وجہ سے احاطہ سے مخفی ہے تو وہ احاطہ کر سکتا ہے اور اسکا احاطہ کوئی نہیں کر سکتا تو سالک سبب تنگی کے دائرہ سے نکل جاتا ہے اور زمین اپنی فراخی کے باوجود اس پر تنگ ہو جاتی ہے تو وہ اپنے محلی ظہور سے خارج ہو جاتا ہے اور محیطی ظہور سے ظاہر ہوتا ہے تو اسوقت وہ الٰہی اخلاق کے ساتھ متخلق ہوتا ہے اور اسے کلی علم عطا کیا جاتا ہے تو وہ اپنے ظاہر کے لحاظ سے تو زمینی ہوتا ہے اور حقیقت میں آسمانی ہوتا ہے۔ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنے بعض قصائد مبارکہ میں فرمایا ہے: "میں سِر ہوں" اور سر کا معنی اللہ تعالیٰ کے قول میں ہے۔ "و یخلق مالا تعلمون (اور وہ کچھ پیدا کرے گا جو تم اپنی حکمت سے نہیں جانتے) اور آپ نے اپنی بعض کلام میں فرمایا ہے: "میں تمہاری عقلوں اور خلق کے امور سے بالاتر ہوں" تو اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کے معلومات سے ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں سے شمار کیا جاتا ہے پھر نہ اس کا ادراک ہو سکتا ہے نہ اسے

کس طرح قیاس کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ طریقت اور حقیقت کے شیونات ایسے ہیں کہ انکے عجائبات سے پاکیزہ عقلیں اور صاف دل بڑے بڑے لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ اور اسم ظاہر کی طرف نسبت اور اس سے اتصاف سالک جبروتی کی وہبی استعداد کے مطابق ہوتا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ بزرگ ترین شیخ نے اپنی بعض کلام میں اپنی بعض اولاد کو دار الفنا سے دار البقا کی طرف کوچ کرتے وقت فرمایا: مجھے دوسرے اولیاء اللہ پر قیاس نہ کرو اور نہ کسی کو مجھ پر قیاس کرو۔ میرے اور انکے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے تو اس سالک کیلئے ضروری ہے کہ اپنے تنگ وجود سے غائب ہو جائے تاکہ اسے فراخ وجود نصیب ہو سکے اگرچہ عقول قاصرہ اور اندھی آنکھیں اسکی حقیقت پر مطلع نہیں ہو سکتیں اور کہتے ہیں یہ ایک افترا کیا ہوا جادو ہے یا دیوانہ ہے جو گمراہ ہو چکا ہے اور حقیقت میں وہ وحی ہوتی ہے وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا اور اس میں تفصیل ہے شاید تو اس پر آپ رضی اللہ عنہ کے قول مریدی ہم و طب و اشطح و غنی کے تحت مطلع ہو سکے۔

پھر جاننا چاہیئے کہ اسکے نام باطن کا بھی ایک ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ ابصار اور بصیرت سے مخفی ہے کوئی تیز نگاہ اور عقل شدید اسکا ادراک نہیں کر سکتی اور یہ اکثر وہم ہوتا ہے کہ اسکے جمال کے پردوں کے ارد گرد ادراک و علم نہیں پھر سکتے اور صرف اتنا ہی معاملہ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اسکا بطون اس قدر ظاہر ہے کہ اسکی باطنی تجلیات کے دقائق سے بصر اور بصیرت بالکل لاشے ہو جاتی ہے اور محض فانی ہو جاتی ہیں اور فانی کسی چیز کا ادراک نہیں کر سکتی کیونکہ وہ فی نفسہٖ مضمحل ہے لاشے ہے تو اس وقت سالک اس قول خبر کا فائدہ معلوم ہوتا ہے کہ علم سب سے بڑا حجاب ہے کیونکہ وہ سالک کے وجود کی خبر دیتا ہے اور واصل وجود کے شائبہ سے پاک ہوتا ہے جیسا کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے قول میں اشارہ ہے کہ علم کا علم یہ ہے کہ علم سے جہالت ہو۔ کیونکہ اس دروازہ تک پہنچنے والا جب فانی ہو جاتا ہے تو علم کہاں رہتا ہے اور جہالت کا اطلاق بھی خالص عدم ہونے کی حیثیت سے ہے جیسا کہ امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وارضاہ کا قول اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ ادراک سے عجز ادراک ہے یعنی وہ عجز جو عدم کا مقتضی ہے وہ عجز ہے۔ اور اسکا عجز ادراک کی حکایت اور اشارہ کرتا ہے اور وہ جب عدم ادراک اور ادراک سے جہالت تو یہ سالک اس بطن میں فانی ہو جاتا ہے اسکا اپنا وجود نہیں ہوتا ۔ اسکا وجود اللہ تعالیٰ کا وجود ہوتا ہے کسی اور کا نہیں ہوتا بلکہ اور سے ہوتا بھی نہیں ، اور اسکا باطن بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسکا بطون تجلیات باطنیہ سے اشیاء کو بطون اور باطن بنا دیتا ہے اور اسکی تحقیق یہ ہے کہ اشیاء اس وجود عارضی کے عارض ہونے سے ظاہر وجود والی ہو جاتی ہیں ۔ اور یہی وجہ ہے کہ حواس بشریہ میں سے کثیف حواس اس کا ادراک کر لیتے ہیں اور یہ اسی کے موافق ہے کہ ہر ایک کو وہی میسر ہے جس کیلئے وہ پیدا ہوا ہے: تو یہ آنکھیں اپنی نظر آنے والی چیزوں کو دیکھ سکتی ہیں جو کثافت سے بنی ہیں اور خود بھی کثیف ہیں کیونکہ دیکھنے اور دیکھی گئی چیز میں مناسبت لازمی ہے کیونکہ مناسبت کے بغیر ادراک کا وقوع نہیں ہوتا۔ غور کرنا چاہیئے کہ آگ مٹی کی نسبت زیادہ لطیف ہے تو یہ آنکھیں مٹی سے پیدا ہونے والے حیوانات کا ادراک تو کر لیتی ہیں لیکن ناری جنوں کا ادراک نہیں کر سکتیں اور یہی حال ہوا کا بھی ہے یہی وجہ ہے کہ مٹی کے جسم افلاک تو کر لیتی ہیں لیکن روحی جسم کا ادراک نہیں کرتیں اور یہی حال اوصاف کے حقائق کا ہے تو جسم ترابی (مٹی کا) ترقی کر کے ملکی تک جاتا ہے اور اس سے روحی تک اور اس سے باریک دقائق تک اور یہ سب کچھ اسم باطن کے بطن کی تجلیات سے ہے تو یہ اسم الٰہی باطنی سالک کی دن بدن تربیت کرتا ہے اور وہ ہر روز کسی نہ کسی حال میں ہے اور یہی معنی ہیں اسکے جو وارد ہوا ہے کہ جسکے دونوں دن برابر ہوں وہ خسارے میں ہے ، پھر سالک ایک درجہ سے دوسرے درجہ تک منتقل ہوتا رہتا ہے۔ پھر اس اسم باطن کی تجلیات کی برکت سے وہاں جا پہنچتا ہے جسکی کوئی انتہا نہیں ہے۔ پھر اس باطن کا باطن بھی ہے لیس جبروت کے دروازہ تک پہنچنے والا سالک دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین کے حال میں ہوتا ہے اور پھر اس سے او ادنیٰ کا مرتبہ رہ جاتا ہے سو اللہ ہر مشکل کو آسان کرنے والا ہے اسی سے توفیق اور امداد ہے۔ جب اللہ

چاروں اقطاب یعنی اول۔ آخر۔ باطن۔ ظاہر سے معرفت مستقل ہو جاتی ہے تو ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ باب جبروتی کے اندر داخل ہوتا کہ اسکو ان چیزوں کا حصہ ملے جسکو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر ان کا گذر ہوا۔ اور رسالہ غریب میں بھی ہمارے بیان کردہ مضمون کے مطابق لکھا ہے ہم فارسی زبان میں اسکو بعینہٖ نقل کرتے ہیں۔

جبروت کے سالکوں کو ان مذکورہ اسماء یعنی اول۔ آخر۔ ظاہر۔ باطن میں سے کسی ایک سے حصہ ملتا ہے۔ بعض اسم اول سے حصہ لیتے اور اسکی علامت یہ ہے کہ انکی تمام تر ہمت شر اور خیر کے خیالات کے متعلق ہوتی ہے اور ازل کے اسرار انکو اپنے وجود سے چھین لیتے ہیں اور بعض کو اسم آخر سے حصہ ملتا ہے کہ انکے دل آئندہ کے حالات کے اسرار اور موجودات کے تقلب کی کیفیت کی تفتیش میں لگے رہتے ہیں یہ خوف کے صدمات کے سپرد ہوتے ہیں اور انکو حیرت و بیخودی کے مقام میں پھینک دیا جاتا ہے اور ایک طبقہ کو اسم ظاہر سے حصہ ملتا ہے کہ غیرت کے جلال کے شعلوں کی سطوت اس قوم کی ظاہری صورت کو خراب اور لاشئے کر دیتی ہے اور انکے بشری اوصاف کی کدورتوں کو انکے وجود سے کھینچ لیتی ہے البتہ انکے باطن کو حسن و جمال کے نور سے آراستہ کر دیتی ہے اور ترجمہ حق آگیا اور باطل چلا گیا کا راز ظاہر ہو جاتا ہے اور دوسرے فرقہ کو اسم باطن سے حصہ ملتا ہے جو انکی بصیرت کی آنکھوں کو معرفت کے نور سے روشن کر دیتا ہے تاکہ وہ الوہیت کے اسرار کی حقیقت اپنے وجود کے صحیفہ پر مطالعہ کر سکیں۔ اور قدرت کے آثار کے عجائبات اور عظمت کے انوار کی تجلی کا مشاہدہ کرنے سے۔ اینما تولوا فثم وجہ اللہ۔ تم جسطرف بھی منہ کرو اسی طرف اللہ کی توجہ ہے۔ کی بشارت حاصل کرتے ہیں اور اس مقام پر۔ میں نے جس چیز کو بھی دیکھا پہلے اس میں خدا کو دیکھا۔ کا راز ظاہر ہو جاتا ہے اور جس نے اللہ کو پہچان لیا اسکی زبان گنگ ہو گئی۔ کا معنی انکے حال کا حلیہ ہو جاتا ہے اور اس مقام کے مشاہدہ کی لذت کا استغراق اپنے اختیار کی لگام انکے ہاتھ سے چھین لیتا ہے اور جنت کی نعمتوں اور حور و قصور سے اسکو روک دیتا ہے کہ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اس سے کبھی پھر نہ جائیں گے۔ اسی معنی کا لذ ہے لیکن اصحاب عشق و معرفت ما زاغ البصر وما طغیٰ کا سرمہ اپنی جان کی آنکھوں میں لگاتے ہیں اور مطلوب حقیقی کی طلب میں قدم رکھتے ہیں اور دونوں جہانوں کے سر پر اپنے پاؤں رکھتے ہیں اور حور و قصور اور جنت کی نعمتوں کیطرف توجہ ہی نہیں کرتے اور مالک دوزخ جہنم کے داروغے کا نام ہے اور زبانیہ جہنم پر مسلط فرشتے کی ہلاکت خیزیوں سے نہیں ڈرتے یہ لوگ کوچہ طریقت کے عیار اور معرفت کے معرکہ کے جانباز ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ رسالہ رموز الواصلین میں لکھا ہے کہ سالک جبروتی کا کمال یہ ہے کہ ان چاروں اسماء سے حصہ حاصل کرے اور ان سے گزر جائے اور بلند مرتبہ حاصل کرے کہ ان حظوظ کا حصہ خودی کے عالم میں اپنے آپ میں گرفتار ہونا ہے۔ اور حق کی خودی سے محرومی اور محو فی اللہ کی سعادت سے بعد ہے رسالہ مرصاد میں ہے جب سالک عالم جبروت میں بغیر کسی کتاب اور تعلیم کے سلوک کرتا ہے تو روح قدسی کی تاثیر سے عجیب و غریب حالات ظاہر ہوتے ہیں لدنی علم حاصل ہو جاتا ہے اور شیخ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ میں ہے سالک جبروتی کو چاہیئے کہ سر اور روح کے مقام میں حظ حاصل کرے اور دونوں مقام سے طریقت کی طرف عبور کرے بشری مقام کے عبور کا طریقہ یہ ہے کہ خوف اور امید اور سحق اور خیر اور شر اور فقر و غنا اور صحو سکر اور صبر و قلق اور فنا و بقا اور قبض و بسط میں کوئی فرق محسوس نہ کرے اور جب اسکا سر ہستی و نیستی کی مملکت سے کوچ کرتا ہے تو وجود و عدم برابر ہو جاتے ہیں اور کوہ قاف اور تنکا اور دریا اور سمندر اور آبادی کو برابر جانتا ہے اور روحی مقام کو عبور کرنیکا طریقہ یہ ہے کہ اپنی ذات و صفات اور عدم و وجود اور تمام عقبات سے فارغ ہو جائے اور خدا کے قرب کی آرزو بھی نہ رکھے یہ اس مقام کا ثمر ہے اور زبدۃ الحقائق میں ہے کہ جبروت کے راہ سالک کو چاہیئے کہ سات لاکھ سیاروں کے باپ اور چار سفلی ماؤں اور تین بچوں سے بھاگے۔ یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ۔ جس دن آدمی اپنے بھائی اور ماں اور باپ

اور بیوی اور بیٹے سے بھاگے گا۔" اسی معنی کا ترس ہے اور صفاتی جسمانی زمین کو تبدیل کر دے۔ یوم تبدل الارض غیر الارض (جس دن زمین اور زمین بدل دی جائے گی) یہی ہے اور صفات روحی کے اسماء کو لپیٹ دیئے۔ السماء کطی السجل للکتب (جس دن ہم آسمان ایسے لپیٹ دیں گے جیسے نامہ نویس مکتوب کو لپیٹ دیتا ہے) اسی قدم کا اشارہ ہے جو کہ قدرت سے روحانیت پر آیا ہے اور روحانیت سے جسم اختیار کیا ہے پھر اسی طرح واپس آتا ہے۔ کما بدانا اول خلق نعیدہ (جیسے ہم نے اسکو پہلے پیدا کیا اسی طرح لوٹائیں گے۔) اسی کی حکایت ہے اسکے بعد عشق کی شراب ایسا مست کرتی ہے کہ معرفت سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے اور سالک کا سارا محبوب بن جاتا ہے اور اسکے بعد محبت کی آگاہی بھی اس سے جاتی رہتی ہے اور اس جگہ کئی نئی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور یہ عبارت بھی اس کتاب میں ہے، "جب سالک جبروتی عالم جبروت سے عبور کرتا ہے اور بلند اور فقار تیز دار الملک لامکان میں پہنچنے کیلئے باندھتا ہے تا کہ روح قدسی کے انوار سے جو کہ ذات کا پرتو ہے روشن ہو جائے اور عالم انوار میں لاہوتی کے سفر کی قابلیت غیب کے پردوں اور یقین کے سراپردہ سے اچھی طرح ظاہر ہو۔"

یہ وہ کچھ تھا جو بعض کے کلام سے ہم نے آپ کے سامنے بیان کیا۔ لیکن عدم تفصیل و وضاحت کی حیثیت سے ابھی تشنگی باقی تھی لہٰذا میں نے تفصیل سے لکھنے کا ارادہ کیا ہے تا کہ جو کچھ مجھے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بخشا ہے اسکا شکریہ بھی ہو جائے اور لکھنے سے اس شکر کی وجہ سے لئن شکرتم لازیدنکم (اگر تم شکر کرو گے تو ہم ضرور ہی زیادہ عطا کریں گے۔) کے مطابق کچھ اور بھی مل جائے سو جاننا چاہیئے کہ سالک حال کا صغیر جب ان چاروں اقطاب کی پہچان سے روشن ہو جاتا ہے اور ان عناصر اربعہ کے انوار یعنی روح وصول سے اسکا رابطہ قائم ہو جاتا ہے تو گویا کہتا ہے "اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور" (اللہ ایمانداروں کا دوست ہے انکو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے) تو اس نور سے وہ اس دروازہ میں داخل ہوتا ہے کہ اسکے اندر اسکا گھر ہے جسکا کوئی گھر نہیں ہے اور اسکا مکان ہے جسکا کوئی مکان نہیں ہے تو وہ اپنے حال کی زبان سے بولتا ہے "انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع" (اے میرے رب میں نے اپنی اولاد کو ایک اجاڑ وادی میں لا بسایا ہے تیری رحمت کے خزانوں کے علاوہ میرے پاس نہ کوئی خرچ ہے نہ سامان ہے انکو اپنے فضل سے رزق پہنچا اور جو پہلے مجھ سے غفلت ہوتی رہی ہے یا سہو یا رہا ہو وہ مجھے معاف کر دے راستہ بڑا خطرناک ہے اور اس میں آگ کے پہاڑ اور طوفانی سمندر ہیں میں نے تجھی پر توکل کیا۔) ومن یتوکل علی اللہ فہو حسبہ (اور جو اللہ پر توکل کرے وہ اس کو کافی ہے۔) تو اس سے کہا جاتا ہے کہ خرچ لے لے پس بہترین خرچ پرہیزگاری ہے اور تو ان لوگوں سے نکل جا کہ جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں میں پیچھے سے آؤ۔ پوری تسلی سے سجدہ کرتے ہوئے دروازے میں داخل ہو جا تیرے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور بقیہ انعامات سے تجھ کو سرفراز کیا جائے گا۔ سو انکو قوت سے پکڑ اور اپنی قوم کو حکم دے یعنی صفت و اخلاق کی اس رعایا کو جو تیرے ساتھ ہے تو نے اخلاق و صفات کو مادہ سے بدل دیا ہے لیکن یہ مواد اگرچہ خالص مغز ہیں لیکن حقیقت جبروتیہ قدریہ کی حیثیت سے پر چھلکے ہیں اور انہوں نے جیسے خدا کی قدر کرنے کا حق تھا قدر نہ کی اور اسکی معرفت کا حق پہچان نہ سکے تیرے لیے ضروری ہے کہ تو جسم کی زمین کو اور زمین سے بدل دے یہاں تک کہ تمام زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو جائے اور اس پر اسماء الٰہیہ کے سورج اور قدسی صفات کی بجلیاں چمکیں اور حقیقت بالکل نئی ہو جائے پھر اسکے ظاہری وجود کا سورج لپیٹ دیا جاتا ہے اور وجود حقیقی کا سورج طلوع ہوتا ہے اور سارا ملک اللہ کا ہو جاتا ہے پھر اس کے کان خدا کے کانوں سے اور اسکی آنکھیں خدا کی آنکھوں سے بدل جاتی ہیں اور اسکی پکڑ خدا کی پکڑ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ کہا جاتا ہے اب تو میرے ساتھ سنے گا میرے ساتھ دیکھے گا میرے ساتھ پکڑے گا اللہ کے سوا کوئی تیرا دوست ہے اور نہ مددگار انکو اپنے کمالات ذاتی چھلکے معلوم ہوتے ہیں جن میں مغز نہیں ہے کیونکہ مغز تو اسکے بعد ہے جیسے پیاسا میدان میں سراب کو پانی سمجھتا ہے حالانکہ پانی نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف پانی کا شبہ ہوتا ہے اور سالک اس خیال میں ہوتا ہے کہ اس نے نفس کو قتل کر دیا ہے حالانکہ وہ قتل نہیں ہوا ہوتا لیکن

اسکو خبر پڑ جاتا ہے جب اسکو یہ ملکہ نصیب ہوجاتا ہے تو پھر وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے پھر اس چیز کو قتل اور فنا کرتا جاتا ہے جو اسے اللہ کے سوا نظر آتی ہے اور وہ اس حکم کی تعمیل کرتا ہے کہ وہ مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ کیونکہ وہ حق سے منہ پھیرنے والے ہیں وہ توفیق کے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اس کے سر پر ایمان کا خود ہوتا ہے اسکے جسم پر پرہیزگاری کی زرہ ہوتی ہے وہ ہاتھ میں توحید کی تلوار پکڑتا ہے اور یقین کا نیزہ نفس اور شیطان کے گودے پر مارتا ہے اس کے ترکش میں قدرت کے تیر ہوتے ہیں اور جناب تعالیٰ مختار کی بارگاہ میں تضرع اور عاجزی کی کمان لیتا ہے اور اس وقت وہ قدرت کی زبانی سے کہتا ہے۔ میں مشہور شیخ فلاں ہوں میری کمان پر چلہ چڑھا ہوا ہے تیرے تیر نشانہ پر بیٹھتے ہیں میرا برچھا آگے بڑھتا ہے میرا تیر تنا ہوا ہے میرے گھوڑے پر زین کسی جا چکی ہے یہ بولتا ہوا خواہش اور نفس کے لشکروں پر حملہ کرتا ہے پھر اس کے پاس اللہ کی مدد اور فتح آتی ہے اور صفات الٰہیہ کی افواج اللہ کے دین کی حمایت میں داخل ہوتی ہے پھر وہ اپنے رب کی حمد بیان کرتا ہے اور اس سے بخشش مانگتا ہے اور کہتا ہے اے رب تو توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے میں ظلمت کے لشکروں میں فرعون بنا ہوا اختیاری مدد اور کار نے مجھے مالک قدرت کا فرشتہ بنا دیا اب اگر میں اپنا ناخن کسی چیز پر ڈالوں تو وہ ایسے وجود کے ساتھ پیدا ہو جائے جو میں چاہتا تھا جب یہ سب کچھ اسکو مل جاتا ہے تو پھر وہ اہل ظلمت پر دوسری مرتبہ بولتا ہے۔ میں ان اسرار کے بدلے میں جو مجھے کن سے حاصل ہوتے ہیں تمام کائنات بھی لینا پسند نہیں کرتا پھر وہ جو ارادہ کرتا ہے ہو جاتا ہے اور اسکا جسم سے ملا ہوا لباس ہو جاتا ہے کہ جبتک وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا اور جو چاہے کرے۔ اسکا ظاہر لباس ہو جاتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے اپنی جوتیاں اتار دے یعنی وجود و شہود ناسوتی و ملکوتی کو تو ایک پاک وادی طویٰ میں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات کے علم میں پس اسکو استقامت کا عصا اور تکوین کا ید بیضا دیا جاتا ہے تاکہ ہر معاملہ میں اسکا ہاتھ بلند ہے وہ اس قابل ہوتا ہے کہ اسے کہا جائے کہ اس نے مارا ہے اور اس نے زندہ کیا ہے وہ سدرۃ المنتہیٰ پر ہوتا ہے پھر قریب ہوتا ہے اور لٹکتا ہے پھر وہ عبد الفاصل بن جاتا ہے۔ اور جب کسی چیز کے ہونے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس پر قادر ہوتا ہے پھر خدا کے عالموں میں سے ہر ایک عالم میں اسکا نام عبد القادر مشہور ہو جاتا ہے اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے فتوح الغیب کی عبارت میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ تو اس حالت میں ہوگا جیسے آخرت میں تو موت کے بعد زندہ کر دیا گیا ہے تیرا سارا بدن قدرت بن جائیگا تو اللہ کے ساتھ سنےگا اللہ کے ساتھ دیکھےگا اللہ کے ساتھ بولیگا اور اللہ کے ساتھ پکڑیگا اور اللہ کے ساتھ سمجھےگا۔ اور اللہ کے ساتھ سکون پائیگا۔ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی عبارت ختم ہوئی اور پہلے یہ پوری عبارت گذر چکی ہے اسی لئے ہم نے اسکے ضروری جزو پر اکتفا کیا ہے واللہ اعلم اور آئندہ اسکی تحقیق میں آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے قول وعبد القادر المشہور اسمی کے تحت کلام ہوگا۔

لیکن اس جگہ ایک نہایت ضروری بحث رہ گئی ہے ضروری ہے کہ اسکی طرف اشارہ کر دیا جائے تاکہ وہ وسوسہ ختم ہو جائے جو اصطلاحات سے ناواقف آدمی کے دل میں کھٹکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ قدرت کا وہ مرتبہ جو سالک جبروتی کو عطا ہوتا ہے اسکے بیشمار مدارج ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی عطا کردہ استعداد کے مطابق بخشے ہیں۔ تو وہ مرتبہ مذکورہ جس کو ہم نے شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی عبارت سے بیان کیا ہے یہ شیخ اجل کا اپنا مخصوص مرتبہ ہے جو اس کمال پر متفرع ہوا ہے جو پہلے تو وہبی طور پر مرادیت کی حیثیت سے اور پھر کسبی طور پر مریدیت کی حیثیت سے وصل کے درخت پر پہنچا ہے اور یہی وجہ ہے کہ عقل سے ماوراء تصرفات کا ظہور آپ سے اتنا زیادہ ہوا ہے کہ پہلوں اور پچھلوں میں سے کسی بھی ولی سے مرتبہ جبروتیہ قدریہ تک پہنچے ہوئے اولیاء سے اتنا ظہور نہیں ہو سکا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا، میرے یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہیں۔ یعنی ہر مرتبہ میں شروع کرنے سے لیکر یعنی سیر ناسوتی سے لیکر وصل حقیقی تک کہ وہ قدرت جو شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کیلئے اس مرتبہ میں ثابت ہے وہ ان تمام مراتب سے زیادہ ہے جو دوسرے اولیاء اللہ کیلئے ثابت ہے اس طرح کہ آپ عین قدرت الالٰہیہ بن گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ آپکا نام عبد القادر ہوا۔ دوسرے اولیاء جو اس مرتبہ میں ہیں وہ آپ رضی اللہ عنہ کی قدرت کے سایہ میں ہیں۔

قصہ مختصر یہ کہ باب قدرت جبروتیہ تک پہنچنے والے ہر اس آدمی کیلئے جو صفات قدیمہ الٰہیہ کے میدان میں داخل ہونا چاہے ایک مرتبہ ہے اور اسکے قدم میں کرم کے باعث وہ باب البقاء میں داخل ہونے کا اہل بنتا ہے اور اس سے مراد سلوک وجودی اور سیر تحقیقی ہے جب سالک کا جبروت میں معاملہ درست ہو

Scanned by CamScanner

جاتا ہے اور وصف حقیقی اور معنی حقیقی اس کیلئے پورے ہو جاتے ہیں جس کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں اشارہ کیا گیا ہے [illegible]
صورت پر پیدا کیا" تو وہ ارادہ کرتا ہے کہ اس قوت قادرہ کے ساتھ ترقی کرے اور قاب قوسین کی سیر کے بعد رفیق اعلیٰ تک جو بلند پہنچا ہے تو وہ قدرت کے
ہاتھوں سے دروازہ کو کھٹکھٹاتا ہے اس سے پوچھا جاتا ہے تو کون ہے تیرا کیا نام ہے؟ وہ فنا کی زبان سے بولتا ہے، اللہ کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک
ہونیوالی ہے۔ معدوم شے کا نام کیا ہو نام اور نشان تو موجود چیزوں کے ہوتے ہیں پھر اسکو کہا جاتا ہے "ہو جا" کہ وہ ہو جاتا ہے۔ یعنی اسکے معنی [illegible]
میں اسے وجود کا لباس اس حیثیت سے پہنایا جاتا ہے کہ وہ ربانی قدرت اور قدسی طاقت بن چکا ہے۔ تو وہ کہتا ہے تیرے سوا کوئی موجود نہیں اب [illegible]
حال سونے کے اس ٹکڑے کی طرح ہوتا ہے جو پہلے تو صرافوں کے ہاتھ میں آتا ہے پھر پگھلانے والوں کے ہاتھ میں اسے بھٹی میں داخل کیا جاتا ہے اور
انوار قدسیہ کی جلتی ہوئی آگ میں صاف کیا جاتا ہے اور خلاصہ یہ کہ جب تک وہ اس دروازہ سے باہر تھا اور وہ اس پر بند تھا اور وہ باب الفنا پر تھا
اور اسے کہا جاتا ہے ٹھہر جا تا وقتیکہ تجھے پوری فنا حاصل ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ تو فنا اور اختفا میں پہلے ہی تھا تو اسے کہا جاتا ہے اپنی انانیت
اتار دے تو طویٰ کی پاک وادی میں ہے پھر جب یہ دروازہ پورا ہو جاتا ہے تو اس کے پاس فتح اور مدد آتی ہے اور اسے بہت بڑا خزانہ [illegible]
عظیم الشان تمغہ دیا جاتا ہے اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنی کتاب عزیز فتوح الغیب میں اسی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اول
اسے بھٹی سے نکالا جاتا ہے اسکا سونا خالص ہو جاتا ہے پھر اسکا زیور بنایا جاتا ہے اور پہنا جاتا ہے اسے پاکیزہ بنایا جاتا ہے پھر اسے بڑے بادشاہ کی
خدمت میں پیش کیا جاتا ہے تو اسے مخاطب کیا جاتا ہے کہ آج تو ہمارے پاس بڑے مرتبہ والا ہے امانتدار ہے پھر اس سے محبت کی جاتی ہے [illegible]
جاتی ہے اور اسے دخل کا کہنا پینا نصیب ہوتا ہے اسے قرب اور نزدیکی ملی ہوتی ہے اور اسے اسرار پر مطلع کیا جاتا ہے پھر اسے عطیات سے غنی
کر دیا جاتا ہے کیا آپ سونے کے ٹکڑے کی طرف غور نہیں کرتے کہ وہ متفرق ہوتا ہے دست بدست پھرتا رہتا ہے کبھی وہ عطاروں کے پاس ہوتا ہے
کبھی سبزی فروش کے پاس اور پھر قصاب، موچی، جلیم، رنگریز اور اچھی اور بری صنعت کرنے والوں کے ہاتھوں میں پھرتا رہتا ہے پھر اسے سنار کی انگیٹھی میں
ڈالا جاتا ہے وہاں وہ آگ کے شعلوں سے پگھلایا جاتا ہے پھر اسے نکال کر کوٹا جاتا ہے نرم کیا جاتا ہے پھر اس پر چھاپ لگائی جاتی ہے پھر اسے
زیور بنایا جاتا ہے پھر اسے صاف کر کے کسی اچھے مقام اور اچھی جگہ میں خزانوں کے اندر صندوقوں اور ڈبیوں میں تالا لگا کر رکھا جاتا ہے پھر وہ دلہن کو
پہنایا جاتا ہے اس کی زینت بنتا ہے عزت پاتا ہے اور پھر کبھی وہ عظیم بادشاہ کی دلہن ہوتی ہے تو وہ سونے کا ٹکڑا موچیوں کے ہاتھ سے نکل کر [illegible]
تک جا پہنچا ہے لیکن پگھلانے اور کوٹنے کے بعد۔ اسی طرح اے مومن جب تو تقدیر کے راستوں پر صبر کرے گا اور تمام احوال میں خدا تعالیٰ
پر راضی رہیگا تو دنیا ہی میں تجھے اپنے مولا کے قریب کیا جائے گا تجھے علوم اور معرفت اور اسرار کی نعمتیں عطا کی جائیں گی اور آخرت میں تو نبیوں اور
شہیدوں اور نیکوں کے ساتھ خدا کی ہمسائیگی اور اس کے گھر اور اسکے قرب اور انس کی جگہ جنت میں رہیگا سو تو صبر کر اور جلدی نہ کر اور تقدیر پر راضی [illegible]
متہم نہ ہو کہ تجھے اسکی معافی کی ٹھنڈک اور اس کی معرفت اور لطف اور کرم کی حلاوت پہنچے۔ آپ کی عبارت شریفہ ختم ہوگئی اور اس میں اسرار اور [illegible]
انوار و حقائق ہیں اور جو اسرار کا واقف ہے اور جس کی روح اور سر انوار سے روشن ہے وہ انکو معلوم کرے گا اے اللہ اسرار اور حقائق کی شرح میں ہمیں
زیادہ علم عطا فرما تا کہ وہ ہمارے لیے حجت ہو اور اسے ہمارے خلاف حجت نہ بنا اور ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی عنایت فرما اور آگ کے عذاب سے بچا۔
اور جو کچھ بھی ہم نے بیان کیا ہے یہ سیر الی اللہ باللہ مع اللہ کا بیان تھا باقی رہی سیر فی اللہ تو کسی طرح بھی اسکی کوئی انتہا نہیں ہے
لہٰذا وہ عبارت ہے ذاتی تجلیات کے ورود سے ایسی کیفیت سے کہ اس میں تکرار نہ ہو اور ہم نے تجھے جیسے پہچاننے کا حق تھا نہیں پہچانا [illegible]
طرف اشارہ ہے یعنی ہماری سیر تیرے اندر پوری نہ ہو سکی کیونکہ نہ اس کی انتہا ہے اور نہ ہم اسکا احاطہ کر سکتے ہیں اور وہ جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ [illegible]

فرمایا تھا کہ ہم نے تجھے اس طرح پہچانا جیسے پہچاننے کا حق تھا۔ تو وہ سیر الی اللہ کا بیان ہے ان دونوں قولوں میں تناقض نہیں ہے اور ان دونوں قولوں کی آپس میں تطبیق کے متعلق عرفا کے اقوال مشہور ہیں اگر تو نے وہ سمجھ لئے تو بہتر ورنہ کتابوں میں دیکھ لینا۔ میں تو کچھ اور بیان کرنا چاہتا ہوں ورنہ میں ہی ان کو بیان کر دیتا۔ قصہ مختصر یہ دونوں سیریں انتہا اور عدم انتہا کی حیثیت سے الگ الگ ہیں کہ پہلی سیر راستے کا ختم ہوتا ہے اور دوسری خدا تعالیٰ کے ذاتی کمالات کی کیفیت ہے اور اس کے کمالات انتہا سے خارج ہیں اگر سمندر بھی میرے رب کے کلمات کیلئے سیاہی بن جائیں تو اسکے کلمات ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائیں اور میں انشاء اللہ تعالیٰ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی عبارت جلاء الخاطر سے سیر الی اللہ کے اور سیر فی اللہ کی عدم انتہا کے متعلق انکے قول مریدی ہم و طب واشطح وغن اور آپ کے قول وجدی صاحب العین الکمال کے تحت نقل کرونگا اور ابھی میں سیر کے بیان سے فراغت کے بعد طیر کا بیان کرنا چاہتا ہوں لیکن میں نے پہلے کچھ ایسا اشارہ کیا تھا جس سے طیر پہلے معلوم ہوتا تھا اور یہ اقسام اربعہ بعد میں لیکن جب میں نے اقسام سیر کی تقدیم دیکھی کہ وہ اپنی تقسیم میں سیر اور سلوک پر منقسم ہوتی ہیں تو میں نے ان اقسام کو پہلے بیان کرنا مناسب سمجھا تو اب میں طیر کے متعلق اشارہ کرتا ہوں اور ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہی اقسام اربعہ کا طیر میں جاری ہونا بھی ممکن تھا تو اب پہلے طیر کے معنی سنو کہ شیخ سے بھی منقول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھ پر بھی وارد ہوئے ہیں اے اللہ ہمیں ان چیزوں کی توفیق دے جنکو تو پسند کرتا ہے اور محبوب رکھتا ہے تو ہر چیز پر قادر ہے اور قبول کرنے کے لائق ہے سو اللہ ہی کی تعریف پہلے بھی اور پیچھے بھی اور درود ہو اللہ کے رسول اور انکی آل و اصحاب و احباب پر

ہدایت قادریہ: اے آسمان کمال اور خوبصورتی کی فضا میں سیر کرنیوالے اور اڑنے والے تیرے لئے نہایت ضروری ہے کہ تو ان لطائف دنیا کی آنکھوں سے پردوں کو پھاڑ ڈالے جو تیرے اندر ودیعت کئے گئے ہیں تاکہ طیر کے معنی سمجھنے میں تجھ پر حقیقت منکشف ہو جائے۔ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا سیر آدمی کا فعل ہے اور طیر خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ اور اس کلام کے کئی ایک معانی ہیں جو اس عاجز کے دل میں آ رہے ہیں پہلا یہ ہے کہ سیر اس جد و جہد کا نام ہے جو بندے کیطرف سے ظاہر ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچ جائے سو وہ ہمیشہ محنت اور کلفت میں رہتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ تھوڑی یا زیادہ مدت کے بعد چاہیں کہ اسکی ارادت کا درخت پھل لائے تو وہ پھل لے آتا ہے اور اسکی محنت ٹھکانے لگ جاتی ہے ورنہ طالب ہمیشہ موت تک جد و جہد ہی میں رہتا ہے ممکن ہے کہ اسکو موت کے بعد راحت نصیب ہو جائے۔ کیونکہ موت سے تمام پردے اٹھ جاتے ہیں کیونکہ وہ معنوی موت تو پہلے ہی مر رہا تھا۔ اب حسی موت بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئی تو وہ مجرد روح باقی رہ جاتا ہے شاید اللہ تعالیٰ اسکی خواہش پوری کر دیں یہی وجہ ہے کہ اکثر طالبین پر موت حسی کے بعد فتح یاب ہوتا ہے اور اس کی وجہ یا تو وہ قساوت دلی ہوتی ہے جو انکی استعداد میں پائی جاتی ہے۔ اور یہ قساوت موت کے بعد ہی دور ہوتی ہے یا کسی اور مصلحت کی وجہ سے کہ اگر اس جیسے مجاہد پر معاملہ منکشف ہو جائے تو اس میں عجب اور غرور پیدا ہو جائے تو اس کی اصلی وجہ بھی قساوت موت کے بعد ہی ہوتی ہے اور یا پھر اسلئے اگر دنیا کی زندگی میں اس پر معاملہ کا کشف ہو جائے تو اس کے شوق کی حرارت ٹھنڈی ہو جائے اور اسکا شوق خدا تعالیٰ کو مرغوب ہوتا ہے اور اس جیسے اسرار بہت ہیں۔ جو مقام اصطفا پر واقف لوگ جانتے ہیں۔ اور طیر اللہ تعالیٰ کا فعل ہے یعنی اس میں اللہ تعالیٰ حقیقی افعال کرتے ہیں جن میں بندے کی طاقت اور کسب کا کوئی دخل نہیں ہوتا تو اسکو اعمال قدسیہ اور ارادۂ الٰہیہ کے مطابق ترقی نصیب ہوتی ہے پھر بندہ اللہ تعالیٰ کے مطابق اڑنا شروع کرتا ہے۔ اور تھوڑی سی مدت میں وہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ اپنی کوشش اور محنت سے وہاں تک لاکھوں برسوں میں بھی نہ پہنچتا اور اسی معنی کے قریب قریب یہ ہے کہ پہلا مرید ہے اور دوسرا مراد ہے پس مرید سائر ہے اور مراد طائر ہے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ سالک سائر کی سیر الی اللہ جب پوری ہو جاتی ہے تو اسکے بعد اسکی سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے اور اسی کا نام طیر ہے تو سیر فی اللہ میں بندے کا کوئی فعل نہیں ہوتا اسکا فعل صرف سیر الی اللہ میں ہوتا ہے اور وہ پورا ہو چکا ہے لہذا

اسکے فعل میں ختم ہو چکا ہے اب یہ فعل حقیقی فاعل کا ہے اور تفسیر کا معنی یہ ہے کہ جبتک بندہ جسم سے متعلقہ افعال میں رہتا ہے وہ سائر ہے اور جب افعال روح کیونکہ روح بھی اللہ تعالٰی کے امر سے ہے قل الروح من امر ربی کہہ دو روح میرے رب کا حکم ہے۔ اور اسکی کنہ کے متعلق شروع ہو گئے ہیں تو وہ طائر ہے اسکو سمجھ اور اس کے آگے نہ گذر کہ یہ طیور قدسی کی زبان کے بیان کا مقام ہے قریب قریب وہ قول ہے جو بعض کاملین نے کہا ہے کہ طیر میں روح کا مکاشفہ ہوتا ہے تاکہ تو اس معاملہ میں موازنہ کر سکے اور فہم مقالات تجھ کو نصیب ہو جائے اور جان لینا چاہیئے کہ میں تمہارے لیے ایک قاعدہ کلیہ تقریر کرتا ہوں اور ہر ایک میں کچھ غیبی حکمتیں اور خفیہ دولتیں رکھی گئی ہیں جن پر وہی آدمی مطلع ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان ظاہر میں روح اور جسم سے مرکب ہے کشف ریاضات شاقہ اور ایسے مجاہدات کا محتاج ہے جو قدسی امداد اور سرمدی توفیق کے جسکے وجود حسی اور مجازی کے چہرہ سے پردہ دور ہو چکا ہو اور یہ سوا انسانی طاقت میں نہیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے ہم نے تجھ سے تیرا پردہ دور کر دیا سو آج تیری نگاہ تیز ہے ۔ پھر جب اللہ تعالٰی چاہتے ہیں کہ بندہ وہاں تک پہنچ جائے جسکے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے تو اسکو توفیق دیتے ہیں اور اس پر مجاہدہ بھی آسان ہو جاتا ہے پھر اسکے نتیجہ میں مشاہدہ ہوتا ہے پھر جب مشاہدہ مستقل ہو جاتا ہے تو پوری طرح معاملہ کھل جاتا ہے پھر روح اس تجرد کو یاد کرتا ہے جو اسکو بدن کی قید میں داخل ہونے سے پہلے حاصل تھا پھر وہ حرکت کرتا ہے مضطرب ہوتا ہے بے چین ہوتا ہے اور اس قید سے نکل جانا چاہتا ہے پھر وہ اڑتا ہے پھر اگر اسکی طاقت کمزور ہو تو وہ نکل نہیں سکتا اور نہ پورے جسم کو لے کر اڑ سکتا ہے اور یہ تجلیات اگر مستقل نہ ہوں تو انکا نام حال ہے اور اگر مستقل ہوں تو ان کا نام مقام ہے پھر اگر وہ اسی کمزوری میں مبتلا رہے تو وہ سائر ہی رہتا ہے اور اگر قوت الٰہی اور قدسی امداد سے اسکو طاقت مل جائے تو اسکا معاملہ پورا ہو جاتا ہے اور اسکو عروج نصیب ہو جاتا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر آدمی پورا طاقتور ہو تو بوجھ سمیت تیز رفتاری سے جاتا ہے گویا کہ وہ اڑ رہا ہے اور اسی قسم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج تھا۔ سبحان الذی اسری بعبدہ وہ پاک ہے وہ اللہ جس نے ایک رات میں اپنے بندے کو سیر کرائی الآیہ اسی معراج کیطرف اشارہ ہے اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے کبریت احمر میں معجزات کے بیان میں اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ آپ کو ایک رات میں مسجد حرام کی مسجد اقصٰی تک اور پھر بلند آسمانوں تک سدرۃ المنتہٰی تک قاب قوسین او ادنٰی تک سیر کرائی گئی۔ آپ کو غایت قصوٰی تک پہنچایا گیا اور مخاطبہ اور مراقبہ اور مشاہدہ اور ظاہری آنکھ سے معائنہ کی عزت بخشی گئی۔ اور عقلمندوں پر مخفی نہیں ہے کہ یہ عبارت صریحی دلالت کرتی ہے کہ آپکا معراج جسمانی تھا نہ کہ صرف روح کا جیسا کہ بعض لوگ اسکے قائل ہیں اور یہ آخری مذہب کئی ایک وجوہ سے کمزور ہے جو مطولات میں مذکور ہیں اور وہ دلیل جو پہلے مذہب کی تائید میں ہے یہ ہے کہ آپ اپنے روح کے ساتھ تو ہمیشہ معراج میں ہیں، وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے وہ خالص وحی ہوتی ہے اور جسمانی معراج خدا تعالٰی کی ایک عظیم نعمت ہے جس سے اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب کو خاص کیا اور اگر یہ معراج صرف روح ہی کا ہوتا تو تخصیص باطل ہو جاتی۔ اس سے خدا کی پناہ اور اللہ تعالٰی نے اس معراج میں اپنی ذات کیلیے سبحان کے لفظ استعمال فرمائے ہیں سو یہ اسراء اور معراج جسم ہی کے ساتھ تھا اور اسی لیے تو براق آیا تھا۔ تاکہ آپ اس پر سوار ہوں اور روح کے براق پر سوار ہونے کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے اور آپ کا یہ عروج پورے طور پر تھا اسکا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قاب قوسین او ادنٰی تک ترقی کر گئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ میں دوسرے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رضی اللہ عنہم بھی ترقی کرتے ہیں۔ کیا آپ غور نہیں کرتے کہ جعفر طیار رضی اللہ عنہ جہاں تک اللہ تعالٰی چاہے اڑتے پھرتے تھے یہ آپ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ میں جسمانی عروج تھا۔ اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا عشاء کی نماز کے بعد اڑ جاتے تھے اور اولیاء آپ کی اطلاع کیلئے تجسس کرتے کہ آپ کہاں اڑتے پھرتے ہیں۔ لیکن وہ آپ کی اطلاع پر کسی طرح قادر نہ ہو سکتے اور یہ آپ کا عروج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عروج کے سایہ میں تھا۔

قصہ مختصر کہ انبیاء اور اولیاء علیہم السلام کیلئے طیر ثابت ہے اور اس طرح ثابت ہے کہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا اور اس طیر کی حقیقت مرکب

پوری صفوت کے بعد اعلیٰ بزرگی کی ترقی ہے پس ظاہر ہر لحاظ سے سائر سے بلند مرتبہ ہے کیونکہ اس میں سیر اور طیر کی دونوں صفتیں مجتمع ہو جاتی ہیں جب آپ کو یہ معلوم ہوگیا تو اب یہ جاننا چاہیئے کہ سالک ناسوتی کو طیر اکثر خواب میں ہوتا ہے اور کبھی کبھی بیداری میں بھی ہو جاتا ہے اور بہت کم ہوتا ہے اور بہت کم لوگوں کو ہوتا ہے جیسا کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ ابتداء میں جنگلوں میں ہوتے آپ پر حال وارد ہوتا اور آپ ایک زمین سے دوسری زمین تک اڑتے مثلاً حال کے ورود کی ابتداء میں آپ ایک جنگل میں ہوتے اور جب اس حال کی تجلیات سے فارغ ہوتے تو اپنے آپ کو کسی اور ہی جنگل میں پاتے جن کے درمیان کئی فرسنگ کی مسافت ہوتی پھر جب سالک ناسوتی کا یہ حال ہے تو دوسرے مقامات میں تو بالاولیٰ اس طرح ہونا چاہیئے۔

ایک شبہ کا ازالہ۔ ہمارے مذکورہ بیان سے آپ پر یہ تو واضح ہو چکا کہ طیر سیر کے بعد ہی ممکن ہے جس کی سیر پوری ہو جائے اسکا طیر شروع ہو جاتا ہے پھر وہ جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے اڑتا پھرتا ہے پھر اگر آپ یہ سوال کریں کہ سیر جیسا کہ آپ نے بیان کیا ہے اور انہیں کے بیان سے مقرر کیا ہے وہ ہے اخلاق کی تبدیلی پھر اوصاف کی اور پھر اپنے ارادے اور وجود اور علم سے فنا ہونا اور یہ بقا کا باعث ہے اور یہی وصول ہے اور اہل حقیقت کے قاعدہ کے مطابق اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ البتہ طیر جیسا کہ آپ نے ذکر کیا ہے کہ وہ جسم سے ہوتا ہے تو آپ پر یہ ضروری ہے کہ بیان فرمائیں کہ جسم اللہ تعالیٰ تک کسطرح پہنچ سکتا ہے اور اسکا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا ربط ہے کیونکہ جسم کی کیفیت اور کمیت ہوتی ہے اور جس کے ساتھ یہ جسم واصل ہوتا ہے اس میں کیفیت معدوم ہے پھر ربط کیسے ہوا؟ میں کہوں گا اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے آپ نے ایک ایسے امر کے متعلق استفسار کیا ہے جسکا بیان کرنا تھا جسکا بیان لازمی تھا سو میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معراج نصیب ہوا اور آپ اپنے جسم کے ساتھ جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا پہنچے تو آپ کا جسم دل بن گیا اور دل سر ہو گیا۔ اور کیفیت معدوم ہوگئی اور طبیعت بجھ گئی اور خلقت تبدیل ہوگئی اور جسم اللہ تعالیٰ کے امور میں سے ایک امر بن گیا تو آپ کو پوری مناسبت حاصل ہوگئی تو آپ بلا کیفیت وہاں تک پہنچے جیسا کہ روح وہاں تک بلا کیفیت پہنچی پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم مکانی کی طرف واپس آئے تو بشریت بھی واپس آگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پہلے سے بہت زیادہ صاف ہو کر واپس آئی اور دوسرے انبیاء اور اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے انکے درجات کے تفاوت کے مطابق بہت زیادہ صاف ہو کر آئی اور اس دنیا کی طرف واپس آنے یا واپس کرنے کا راز یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے راہنمائی حاصل کرنے میں امت کو سہولت رہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو مخلوق اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ضروری مناسبت ختم ہو جاتی کیا آپ اللہ تعالیٰ کے قول کی طرف غور نہیں کرتے کہ اگر ہم اس کو فرشتہ بناتے تو بھی ہم اسکو انسان بنا کر بھیجتے پھر وہ جس شبہے میں اب پڑے ہیں اس میں پڑے رہتے۔ اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ لینے والے اور جس سے لیا جاتا ہے اگر ان دونوں میں مناسبت نہ ہو تو حصول عادۃً تو بہا محال ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ اولیاء قدس اللہ اسرارہم کا طیر معراج جسمانی کی طرز پر ہو اور اگر ان کا طیر تیز رفتاری کی حیثیت سے ہو جو نفس سیر اول کی سرعت کے بخلاف جیسا اللہ تعالیٰ کی طرف سے طالب مراد کیلئے جذب حقیقی کے اعتبار سے ہو جیسا کہ ہم پہلے تحقیق کر چکے ہیں تو یہ معراج کے امر میں پورا ہو جاتا ہے اور سالک مراد کے طیر میں اس کی ضرورت نہیں پڑتی۔ لیکن پہلی توجیہ اقرب الی الصواب ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ طیر اس سالک میں متحقق ہوتا ہے جسکی سیر دار القرب تک پہنچی ہو دونوں صورتوں میں جیسا کہ اس آدمی پر مخفی نہیں ہے جس نے اسکا مزہ چکھا ہے اور اللہ نے اسے شراب طہور پلائی ہے اور ہمارے مذکورہ بیان کی تائید عادت کے بدلنے کے متعلق اس سے بھی ہوتی ہے جو کہ اہل جنت کے احوال میں روایت کے معاملہ میں ثابت ہے کہ وہ لوگ اللہ سے واصل ہوتے تھے اور ان آنکھوں سے اس کو دیکھتے تھے لیکن حقیقت بصر اس طرح سے بدل جاتی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بغیر کیف اور مثال کے دیکھ سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی زیادہ بلند ہے اور اس کی تفصیل بسط کلام کا تقاضا کرتی ہے بلکہ بیان اس کو برداشت بھی نہیں کر سکتا ہاں قلوب صافیہ اور اسرار زکیہ اس کا ادراک کرتے ہیں تو اس

بحث کو ہم نے کشف کل کے سپرد کر دیا ہے جو اسکو پیچھے کو پائے گا باب میں آپ کیلیے شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی عبارت نقل کرتا ہوں جو ہمارے اخوان کے نور پر ہے اور بعض کاملین نے ترکی زبان میں اس کا ترجمہ کیا ہے پس اللہ ہی کی توفیق سے کہتا ہوں۔

بیان مناسبت:- شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے فرمایا اے بیٹا! بلبل کی طرح نہ ہو جو اپنی ہی آواز پرست ہوتا ہے بہار کے دنوں میں جب درخت پھولتے ہیں تو وہ اس وقت کو اپنی آواز کی لذت میں گزارتی ہے اس کی آواز سے سوا شکوہ شکایت کے کچھ حاصل نہیں ہے باز کی طرح ہو کر نہ باغوں میں بلبل کی آواز حقیر اس سے نہ وہ برابر بھی خوش نہیں ہوتا وہ اپنی بلند ہمتی اور عزت و وقار و منزلت کو دیکھتے ہوئے نبی آکا زمان اور نفوس کی پرواہ نہیں کرتا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زرقی کی زمین کی عین حیات حقیقی کو طلب کی لیکن ان کو جواب ملا کہ وہ اس پہاڑ کے پیچھے ہے کہ سکندر بھی اسکو عبور کرنے سے معذور ہے وجود کے یاجوج کی دیوار اور ماجوج وجود کو فوت صحت توحید کے ساتھ کرنا پڑتا ہے کہ انکو اس میں عین عقل سے وہی کھانے والے کو ختم کرتی ہے اور اپنی ناقص عقل سے باہر آجائے اور دیکھے وہ موسے آخرت کی حیرت کی طرف نا پڑتا ہے۔ اور بہر کیف چہرے اس دن تر و تازہ ہونگے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہونگے۔ کے درخت کی زیر سایہ وہ زندگی حقیقی ہے اور وہ درخت قدس کی عظمتوں میں مقعد صدق کے مقام پر مشیت مقتدر کے پاس ہی پیدا ہوتا ہے جو نور شرقی ہے کہ دنیا کے ارض کے افق سے طلوع ہو وہ اسی آسمانوں کے مشرق سے طلوع ہوتا ہے وہ غربی نہیں ہیں جو کون کے مغرب سے ظاہر ہوں وصل کے معانی کے مغرب سے ظاہر ہوتے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام نے حیات حقیقی کو طلب کیا تو انکو جواب ملا یہ چیز آپ کو انی متوفیک کی مشقت کے بعد ورافعک الی کے زیر سایہ نصیب ہو گی اور محبوب کل احمد صلی اللہ علیہ وسلم میں کہ جنہوں نے عین حیات حقیقی کو اسری بعبدہ کی رات معراج کی بلندیوں میں مازاغ البصر کی مجلس میں پالیا کو کہا گیا کہ ماکذب الفؤاد کے چشمہ سے غسل کر وہ حق کے سوا حاصل کر وہ جو آپ کیلیے ناظم حرف نے تعداد کی حکایات رب اکبر کی لڑی میں پرو دئیے ہیں۔

بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنی کتاب جلاء الخاطر میں فرمایا ہے کہ دنیا مومن کا قید خانہ ہے۔ جب اسکی انتہا ہو جاتی ہے تو اسکے قدم منتقل ہوتے ہیں اور وہ معرفت کے حال کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ قید خانہ کی دیواریں گر پڑتی ہیں اور اس کے سامنے دروازے کھل جاتے ہیں اور اسکا دل اسکی مدد کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم کی فضا میں اڑتا ہے اور اس جگہ کے رہنے والے ارواح سے جا ملتا ہے یہ تمام عقلوں سے باہر کی چیز ہے نہیں جس آدمی کا دل بشری کدورتوں سے صاف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ یہ عبارت دلالت کر رہی ہے کہ اس طرح کی حقیقت کا ادراک عقل کے سوا ہے کہ آنکھیں اسکا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے۔ تو یہ معاملہ عقل میں آنے والا نہیں ہے اس کی حقیقت اس پر منکشف ہوتی ہے جس پر یہ دقیق حقیقت گذرے۔ اے اللہ ہمیں عبودیت کی تحقیق اور کمال الوہیت کی طرف وصول عنایت فرما اے ہمارے رب ہدایت کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر دے اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما تو ہی عطا کرنے والا ہے اسی وقت کی بنا پر ہم نے اسکو طوب صائغہ کے سپرد کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اسکی توفیق دے آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے قول وعبد القادر المشہور اسمی وجدی صاحب العین الکمال کے تحت بحث دیں۔ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل پر اور صحابہ پر اور غائب اور عزت سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

توضیح صحیح:- معلوم ہونا چاہئیے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے قول انا البازی میں اپنا نام باز رکھا ہے اس میں کئی ایک رموز ہیں پہلا رمز یہ ہے کہ آپ کمالات الوہیت قدسیہ کی فضا میں پرواز کرتے ہیں اور قدس اسرار کا شکار کرتے ہیں جو کہ عروج میں احدیت کے عرش کے قریب ہوتے ہیں اور آپ کی پرواز بالکل درست ہوتی ہے اس میں کوئی دھوکہ نہیں ہوتا اور تکملہ میں منصور قدس اللہ سرہ کے حال میں آپ کی بابت یہی مضمون سمجھا جاتا ہے میں آپ کی عبارت جو فارسی زبان سے ترجمہ شدہ ہے نقل کرتا ہوں تاکہ وہ تیرے لیے مددگار اور ساتھی ہو۔ بعض عارفوں کے حق کو یہ حقیقت شہباز سے نکل کر صورت کے درخت پر اڑنے لگا وہ آسمانوں کو عبادت کا جو فرشتوں کی صف میں جا پہنچا وہ بادشاہ

بازوں میں سے ایک باز تھا اور وخلق الانسان ضعیفا کے دھاگے سے اس کی دونوں آنکھیں سی ہوئی تھیں اس نے اپنے مطلوب شکار کو آسمانوں میں نہ پایا پھر جب اس پر آیت الی کارشتہ ظاہر ہوا تو اس کی اپنے مطلوب قول میں حیرت بڑھ گئی "تم جدھر بھی منہ کرو اسی طرف اللہ کی توجہ ہے" پھر اس جگہ سے خطۂ ارض کے خطیرہ کی طرف نزول کیا اور وہ وجود کی اشیاء میں سے سب سے زیادہ عزیز چیز کی تلاش میں پھرا پھر اس نے غفلت کی آنکھ سے سمندروں کی گہرائیوں میں جھانکا اسے آثار کے علاوہ کچھ نظر نہ آیا وہ سوچ میں چلا گیا۔ اس کو دارین میں اپنا مطلوب محبوب نہ ملا وہ اپنے دل کے شکر کی زبان سے انا الحق کا نغمہ بالجہر الاپنے لگا۔ انسانی آواز کے برخلاف اس نے وجود کے باغ میں یہ نغمہ گانا شروع کیا جو بنی آدم کے لائق نہ تھا اور اپنی صورت سے آواز نکالی جس سے اپنے آپ کو ہلاکت پر پیش کر دیا اس کے سر میں آواز پیدا ہوئی اسے حلاج تو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ تیری قوت تیری اپنی ہے اب کہہ تمام عارفین کی نہایت یہ ہے واحد کی محبت واحد کو ایک کہنا ہے کہہ اے محمد حقیقت کا بادشاہ تو ہے اور وجود کی آنکھ کی نیلی تو ہی ہے معرفت کے دروازے کی چوکھٹ پر تو ہی ہے ہم تیری جلالت کی پیشانی میں عارفین کی گردنیں جھکا دیں گے اور تمام مخلوق کی پیشانیاں تیرے سامنے رکھی جائیں گی"۔ انتہیٰ

اس عبارت شریفہ سے آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ ملک جلیل کے بہت سے باز ہیں جو اس کے کمالات کی فضا میں اڑتے پھرتے ہیں تاکہ وہ اپنی پرواز کی طاقت کی حیثیت کے مطابق شکار کریں۔ لیکن باز اشہب وہ صرف آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی ذات ہے اور اشہب کا معنی جیسا کہ پہلے بھی گذر چکا ہے۔ وہ ہے جس میں سفیدی اور سیاہی دونوں جمع ہوں لیکن سفیدی زیادہ ہو اور اس سے مراد یا تو جلال اور جمال ہے اور اس میں کوئی جھگڑا نہیں ہے کہ جلال کو سیاہ نور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور جمال کو سفید نور سے بلکہ خدا تعالیٰ سے ثابت ہونے والے نورانی دو نوروں کی طرف منقسم ہوتے ہیں بلکہ اور رنگوں کی طرف بھی لیکن ان کا منتہیٰ بھی یہی دو نور ہیں جیسا کہ اس آدمی پر مخفی نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دیکھنے کیلئے نور عطا کر رکھا ہے اور ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے بعض اقوال کے تحت انوار کی تفصیل بیان کرنے کی توفیق دیدے تو اس صورت میں یہ کلام یعنی آپ کا قول انا البازی اشارہ ہوگا آپ کی پرواز کی طرف جو دوسرے بازوں کی پرواز سے زیادہ ہے کہ آپ انکی بلندی سے بہت زیادہ اوپر پہنچے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جسے چاہے خاص کرے اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔ تو اس صورت آپ کا قول کل شیخ مفعول ہوگا لیصیدیا امید محذوف کا اس بنا پر کہ دوسرے شیوخ کی پرواز آپ کی پرواز کے نیچے ہے تو گویا کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا شکار ہو گئے۔

اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ تمام شیوخ پرواز میں اپنی استعداد کی حدود کے آخر تک چلے گئے اور سمجھ بیٹھے کہ وہ انتہیٰ تک پہنچ چکے ہیں لیکن وہ پرواز کے اس خیال میں محض گمان پر تھے وہ اسکا یقینی علم چاہتے تھے۔ تو شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے کہ وہ میرا شکار ہیں میں نے انکو پکڑا تو انکو بہتر جلا کر وہ انتہیٰ سے بہت بہنچی فضا میں پرواز کر رہے ہیں اور انکو یقین ہو گیا کہ وہ وصول اور انتہیٰ سے بہت نیچے کے مرتبہ میں ہیں تو اس صورت میں شیوخ کے شکار ہونے کا معنی یہ ہوگا کہ وہ آپ کے سامنے مغلوب اور مطیع ہو گئے کیونکہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا مرتبہ انسے بلند تر تھا تو شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے ان کے مطلوبہ مرتبہ کی فضا میں انکو پکڑا اور شکار کیا تو وہ اس معنی سے آپ کا شکار ہو گئے فاللہ اعلم۔

اور تیسری توجیہ یہ ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے جب مراتب عالیہ میں پرواز کی یہاں تک کہ دوسرے شیوخ کے وصول کے مقام سے وراء الوراء تک پہنچ گئے اور بادشاہ کی قدرت کے ہاتھ پر انسے بہت بلند تر ہو کر جا بیٹھے اور احدیت کا ہاتھ وہی ہے جس کی طرف انا احمد بلا میم میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اور اس سے زیادہ بلند پرواز کی جتنی انہوں نے کی تھی تو مراتب شیوخ میں سے ہر مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا شکار ہو گیا تو شیخ اجل بازی اشہب ہیں۔ جو تمام بازوں سے بلند پرواز کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ نے باز کی صفت اشہب بیان فرمائی اور اس معنی کی تائید آپ کا یہ قول بھی کرتا ہے۔ ومن ذا فی الرجال اعطی مثالی یعنی شیوخ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جسے میرا مرتبہ اور میری مثال دی گئی ہو تو میرا

مرتبہ تمام شیوخ کے مراتب سے اعلیٰ اور مقدم ہے تو جو مرتبہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا دیئے گئے ہیں وہ اور کسی شیخ کو نصیب نہیں ہوا اور اس صورت میں اس کلام میں بھی اشارہ ہوگا اس قول کی طرف جو شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے فرمایا کہ میرے یہ قدم تمام پہلے پچھلے اولیاء اللہ کی گردن پر ہیں۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما سو تو ہمارے گناہ ہم کو معاف کر دے اور حضرت محمد اور انکی آل اور انکے نائب اور انکے خدام سب پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔

معنی کی وضاحت

تیرے لیے ضروری ہے کہ تو اس درس میں حاضر ہوتا کہ میں بیت شریف کے معنی کا تجھ پر افاضہ کروں۔ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا فرما رہے ہیں جب میں سیر سے فارغ ہوا تو مجھے طیر نصیب ہوا اور طیر بھی وہ جو سب پروازوں سے بلند تر اور غالب تھا اور وہ باز کی پرواز جو شکار کرتا ہے اور شہود کے صعود تک بلند چلا جاتا ہے اور پھر وہاں سے احدیت کی فضا میں اس حیثیت سے پہنچتا ہے کہ ارادے اور اختیارات مضمحل ہو جاتے ہیں اور فنائے کلی کے بعد بقائے کلی حاصل ہو جاتا ہے تو پھر وہ ایسی پرواز کرتا ہے جو عقول کے ادراک سے باہر ہے اور بڑے بڑے لوگوں کے فہم سے بلند ہے۔ سو میں بازی اشہب ہوں یعنی اللہ تعالیٰ کی جلالی اور جمالی تجلیات سے متخلق ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے مطابق کہ آدم کے بیٹے کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے جسطرح چاہتا ہے اسکو پھیرتا ہے یعنی میرے وجود کے بازو جلال اور جمال کے پروں سے پرواز کرتے ہیں یہاں تک کہ میں ایک کامل اور طاقتور باز بن گیا جو تمام بازوں سے زیادہ قوی ہے اور میں اس درجہ پر بلند ہو گیا کہ تمام اولیاء کے درجات میرے قدموں کے نیچے آگئے۔ پس تمام میرا شکار ہو گئے کہ وہ میرے درجہ سے نچلے درجہ میں ہیں تو میں اگر چاہوں تو تمام شیوخ سے انکے حالات چھین سکتا ہوں اور اگر میں انکو دینا چاہوں تو وہ سب میرے بازوؤں کے نیچے ہیں اور ہر وقت میرے مغلوب ہیں اگر میں چاہوں تو ان کو اپنے بازوؤں کے نیچے اٹھا لوں اور بلندیوں تک لے جاؤں جیسے پرندہ اپنے بچوں کو گھونسلے سے نکال لینے کے بعد فضا میں لے جاتا ہے جہاں انکی معنوی کے دانے بکھرے پڑے ہیں سو میں ہر ایک شیخ کی تربیت کرتا ہوں اور اگر میں چاہوں تو اپنے قہر کی آگ کے پنجوں سے انکے شہود کے سر سے انکے وجود کو گدا نکال دوں اور انکو اس طرح بنا دوں کہ گویا وہ کوئی چیز قابل ذکر بھی نہیں تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو وہ قدرت اور مرتبہ عطا فرمایا ہے جو میرے سوا کسی اور کو نہیں دیا گیا۔ سو کوئی آدمی میری مثال اور میرے درجہ کے برابر نہیں دیا گیا سو کوئی آدمی اپنا حال واپس نہیں لا سکتا جبتک کہ میں اسکو واپس دینا چاہوں اور یہ اسی کے موافق ہے کہ جو آپ نے اپنے بعض کلام میں فرمایا ہے کہ "میں احوال کا سلب کرنیوالا ہوں اے راہبو! تمہارے عبادت خانے گر گئے اے رہبانو! سو میری طرف آجاؤ میرا اللہ کا علم ہے ایسے سمندر پر آؤ جسکا کوئی کنارہ نہیں ہے اے غوث اعظم اللہ آپ سے خوش اور ہماری طرف سے آپ کو خوش کرے آپ نے سچ فرمایا اور اس طریق میں بیان ہے قاصرین کی تعلیم کا اور غافلین و محجوبین کی تنبیہ کا اور کاملین کے لیے ہدایت نامہ ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے جو اپنے کمالات اس قصیدہ یا اور کتابوں میں گنے ہیں وہ صرف اپنے کمال کے اظہار کیلئے نہیں ہیں کہ آپ انکے محتاج ہوں کیونکہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے ایسا فرمایا ہے حالانکہ ولی کو اپنے احوال چھپانے کا حکم ہوتا ہے کیونکہ اس میں فخر یہ شکر کا امکان ہوتا ہے حاشا و کلا ایسا نہیں ہے بلکہ آپ کا مقصد اس کمال کا اظہار ہے جو طالبین اور اصحاب کی تکمیل کا باعث ہو اور وقت کا تقاضا بھی تھا اور اسکی مثال ایسی جیسے ایک سست بچے کو یا کسی جزوی کمال پر قناعت کر جانے والے بیٹے کو باپ کہتا ہے کہ میرے پاس یہ بھی ہے یہ بھی ہے تیرا اسکو انتہائی کمال حاصل کرنے کیلئے ترغیب ہوتی ہے اور ہر قسم کی صنعتوں میں ایسے اقوال کافی مل جائیں گے اے طالب یہ ایک کلیہ قاعدہ ہے اسکو یاد رکھنا تیرے لیے نہایت ضروری ہے تاکہ اکثر مقامات میں تیرے لیے مددگار ثابت ہو اور تو اکثر شبہات سے چھوٹ جائے لیکن یہ ضروری ہے کہ کہنے والے کی حالت نقصان اور ریا اور گھمنڈ سے محفوظ ہو ورنہ ہر مدعی کہے گا کہ میں نے ایسا کیا ایسا کیا اور

یہ سب جھوٹ اور معصیت ہو گا ہاں پھل درخت سے پیدا ہوتا ہے اور درخت پھل سے پیدا ہوتا ہے اس کو سوچ اور بصیرت حاصل کر تجھے مطلب میں راہنمائی کرے گی۔

ایک اور فائدہ، اب تجھے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ راہنمائی کرنے والا شیخ کون ہے کہ جس کی راہنمائی پر ہدایت کی بنیاد ہوتی ہے تو صوفیا کی اصطلاح میں شیخ کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک ایسا انسان ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے علم، عمل اخلاص میں پوری طرح اصلاح یافتہ ہو اور ردی اخلاق کو کامل اخلاق سے بدلنے کی پوری صلاحیت دے رکھی ہو وہ اپنے وجود سے کلاً و جزواً ذاتاً وصفاتاً فانی ہوتا ہے اور بقاء محمدی الٰہی سبحانی احدی سے باقی ہوتا ہے اسطرح کہ اس میں اپنے وجود کا ایک ذرہ بھی باقی نہیں رہ جاتا اور اس کی تین قسمیں ہیں پہلا وہ ہے جو اپنی ذات میں کامل ہے دوسرا وہ ہے جو خود کامل ہے اور کسی اندازمیں مکمل کرنے والا بھی ہے۔ اور تیسرا وہ ہے جو کامل بنانے میں پورا ماہر کامل ہے۔ پھر پہلا شیخ جو ہماری بیان کردہ صفات سے لازمی طور پر موصوف ہو لیکن دوسرے تک اس کے کمالات نہیں پہنچ سکتے۔ وہ اپنی ذات کیلئے ہی شیخ ہے اس کے کمالات دوسروں تک نہیں پہنچ سکتے اور دوسرا وہ ہے جو اوصاف مذکورہ سے متصف ہونے کے بعد کسی نہ کسی رنگ میں راہنمائی کرنے پر قادر ہے یہ اکثر اوقات صرف اپنی اصلاح ہی کرتا ہے۔ اور کبھی کبھی دوسروں کی بھی یہی وجہ ہے کہ اس کے مرید بڑی لمبی مدت میں تربیت حاصل کرتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی جلدی بھی ہو جاتی ہے اور تیسرا وہ پوری طرح کامل کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے جو اس کے پاس آجائے وہ اپنی مرادیں کامیاب ہو جاتا ہے اور یہ اکملیت تامہ و عامہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ آپ نے جلاء الخواطر میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ کیا تم نہیں جانتے میری شخصیت عام ہے اور ولایت پورے دین پر ہے، انتہیٰ۔ اور یہ سب کچھ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل کے طور پر ہے جیسا کہ آپ نے اپنے قول میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے وکل ولی لہ قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال علیہ اکمل الصلوات والتسلیمات۔

اگر آپ یہ سوال کریں کہ تمہارے بیان سے لازم آتا ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے بغیر شیوخ میں سے کوئی بھی اکمل نہ ہو حالانکہ تم نے شیوخ رضوان اللہ علیہم کی اکملیت کی تصریح کی ہے۔ تو میں کہوں گا کہ شاید تم نے اکملیت کے بیان میں میری بات نہیں سنی کہ یہ اکملیت تامہ اور عامہ ہے، تو میری عبارت پر یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کیونکہ دوسرے شیوخ کی اکملیت اس معنی سے نہیں ہے بلکہ انکی اکملیت کاملیت میں ہے جو ایک لحاظ سے اکملیت ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ مراتب میں سے ہر ایک مرتبہ کمال میں اولیت اور توسطیت اور آخریت پر مشتمل ہوتا ہے تو جو توسطیت ہے اور کمال درجہ کی ترقی پر ہے وہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا ہی کے ساتھ مخصوص ہے یہی وجہ ہے کہ انہیں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور وارث اور خلیفہ کا نام دیا گیا ہے۔ پھر اگر ہر ایک شیخ اکملیت عامہ میں فائق ہو تو یہ تخصیص نہیں رہے گی اور آپ کے اس قول کا یہی معنی ہے کہ میرا قدم اولیاء میں سے ہر ولی کی گردن پر ہے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ شیخ علی بن ہیتی کے ایک مرید پر معاملہ مشکل ہو گیا تو اس نے اپنے شیخ کی طرف رجوع کیا تو ان کے شیخ نے بزرگ ترین شیخ کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ یہ معاملہ اور اس جیسے اور معاملات کا علم شیخ اکمل شیخ عبد القادر کے سپرد ہے اور یہ قصہ پہلے گذر چکا ہے اسکو یاد رکھو اور تکملہ میں ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے فرمایا ایک انسانوں کا شیخ ہوتا ہے اور جنوں کا ایک شیخ ہوتا ہے اور ایک شیخ پرندوں کا ہوتا ہے اور اسی طرح عرش تک آپ گنتے گئے اور پھر آپ نے فرمایا میں سب کا شیخ ہوں۔ قصہ مختصر کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی شخصیت عام ہے اور پوری ہے اور وہ نصف النہار کے سورج کی طرح ہے اس کا انکار کوئی منافق، دجال، مدعی، متہور اور دیوانہ ہی کریگا اے اللہ ہمیں امن والے اور آپ کے نور سے روشنی حاصل کرنے والے آپ کے ظہور سے بشارت حاصل کرنے والے بنا آمین۔ پھر یہ بھی جاننا

چاہیئے کہ شیخ خت کا معاملہ ہدایت کی حیثیت سے خدا تعالیٰ کے سپرد ہے اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ کیا شیخ کسی کو ہدایت دینے پر قادر
یا نہیں حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا ہے کہ وہ تو جیسے چاہے ہدایت نہیں دے سکتا۔ تو اس مسئلہ کی وضاحت کرنا ضروری
تنقیح کنا میری بحث کے ذمہ ضروری تھا۔ اے ہمارے رب ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی عنایت فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

تنقیح و توضیح:۔ جاننا چاہیئے کہ ہدایت کی دو نسبتیں ہیں۔ کبھی تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتی ہے اور یہ نسبت ہمیشہ ثبوتی ہوتی ہے
اور اس معنی کی نفی اللہ تعالیٰ سے کسی طرح بھی نہیں کی جاسکتی مگر اس صورت میں کہ خدا تعالیٰ مخلوقات میں سے کسی فرد کی ہدایت کا ارادہ ہی نہ فرمائے
کبھی یہ بندوں کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور یہ مثبت بھی ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے "بیشک آپ سیدھے رستے کی طرف راہنمائی کرتے ہیں" اور
اور آیت میں فرمایا "وہ اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا" تو ان دونوں آیتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے
اسم ہادی (ہدایت دینے والا) تجویز کیا گیا ہے اور کبھی یہ نسبت منفی ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے "آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے" تو آپ سے
ہدایت کو سلب کیا گیا ہے تو ضروری ہے کہ ان نسبتوں کا مطلب واضح کیا جائے تاکہ معاملہ صاف ہو جائے تو میں مجمل طور پر کہتا ہوں کہ وہ ہدایت جو اللہ تعالیٰ
کی طرف منسوب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس بندے میں اللہ کی طرف پہنچنا اور اس کے اسباب کو پیدا کیا ہے۔ اس حیثیت سے کہ اللہ تعالیٰ کی
جانا ہے کہ بندہ ان اسباب کی مباشرت کے بعد اللہ تک پہنچ جاتا ہے اور اسباب یہ ہیں کہ بندہ انبیاء و اولیاء اور علماء علیہم السلام یا دینداروں کی طرف
رجوع کرے اور ارادہ کرے کہ سب سے بڑے بادشاہ اور سب سے بڑے خیر خواہ کی طرف پہنچے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
ایک جذبہ صادقہ پیدا کر دیتے ہیں۔ تو بندہ آپ کے توسط سے اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو چاہتے ہیں تو اس کے سبب بھی
کر دیتے ہیں پھر اسے کہتے ہیں ہو جا وہ ہو جاتی ہے اور اسی طرح قیامت کے دن تک معاملہ جاری رہے گا۔ اللہ جسے چاہے اپنے نور کی طرف راہ دکھائے
پس یہ ہدایت حقیقی معنی میں ہے اور وہ ہے منزل مقصود تک پہنچانا یا پہنچنا اور اس معنی سے ہدایت کسی رسول علیہم السلام کے ہاتھ میں نہیں ہے یہ خود
اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اسی ہدایت کی نفی بندوں سے کی جاتی ہے۔ اور وہ ہدایت جو خدا کے رسولوں اور علماء کی طرف منسوب ہے وہ دوسرے معنی میں ہے
اور وہ ہے راستہ دکھانا اور راہنمائی کرنا پھر جسکو منزل پر پہنچانے کا ارادہ فرمائیں وہ پہنچ جاتا ہے اور جس کیلئے ارادہ نہ کریں وہ نہیں پہنچتا جیسے دوسری
آیت کریمہ میں فرمایا ہے کہ "آپ سیدھے راستہ کی راہنمائی کرتے ہیں" یعنی آپ مخلوقت کو سیدھا راستہ دکھاتے ہیں اور وہ کھلی ہوئی روشن شریعت ہے
اور تو اللہ تعالیٰ کی طرف کسی کو پہنچا نہیں سکتا کیونکہ پہنچانا میری مشیت میں ہے جسکو میں چاہوں گا منزل پر پہنچاؤں گا اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بلفظ
کمال الفضل سے مکمل فرمایا ہے "ولیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دے" جبکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ فرمایا "آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے" یہ
خود نہیں کرتے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسلام پیش کیا اور چاہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بلند کلمہ قبول کرے مگر اس نے
قبول نہ کیا اور اپنے کفر پر ہی مر گیا اس حیثیت سے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اسلام کا ارادہ نہ فرمایا۔ پس ہدایت بمعنی راہ پہنچانا تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف
منسوب ہوتی ہے اور بندوں سے اس کی نفی ہوتی ہے اور اگر کوئی بندوں کی راہنمائی کے بعد پہنچ جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے پہنچا ہے جو پہلی
ہدایت سے تعلق رکھتی ہے پس اس میں دو ہدایتیں جمع ہو گئیں اور یہی وجہ ہے کہ بعض کو بندوں کی صفت ایصال کا وہم ہوتا ہے اس سے غافل ہے
اور ہدایت بمعنی راہ دکھانا اور دین کے مزایا امور کا اظہار کرنا، سو یہ رسولوں اور قیامت تک کے علماء علیہم السلام والرحمۃ کی صفت ہے اللہ تعالیٰ
کا یہ قول "واما ثمود فهديناهم فاستحبوا العمى على الهدى" (اور ثمود کو ہم نے راہنمائی کی سو انہوں نے اندھا رہنے کو ہدایت پر ترجیح دی) تو یہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی
طرف منسوب ہونے کے باوجود "راستہ دکھانے" کے معنی میں ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ مقرر ہے کہ ہدایت بمعنی ایصال (پہنچانا) صرف اللہ تعالیٰ

ہے اور ہدایت بمعنی ارادہ (دکھانا) بندوں کی طرف منسوب ہوتی ہے کیونکہ یہ دوسری قسم صرف بندوں کی طرف منسوب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف وہی ہدایت منسوب ہوتی ہے جو ایصال کے معنی میں ہے اس کو سمجھ اور غور کرو جب ہدایت کے متعلق گفتگو کی نوبت بیان تک پہنچ گئی تو گمراہی اور گمراہ کرنے کا بیان کرنا بھی ضروری معلوم ہوا۔ تو کبھی گمراہی اور گمراہ کرنا بندوں کی طرف منسوب ہوتا ہے جیسا کہ اس آدمی کو جو شریعت پر عمل نہ کرے کہا جاتا ہے "وہ بہت دور کی گمراہی میں مبتلا ہے۔ یعنی وہ سیدھے راستہ پر نہیں گیا اور اس نے ٹیڑھا راستہ اختیار کیا۔ اور شیطان کے متعلق کہا جاتا ہے وہ مومنوں کو گمراہ کرتا ہے یعنی ان کے ساتھ ایسی تدبیریں کرتا ہے کہ انکو سیدھے راستہ سے نکال دیتا ہے اور کبھی گمراہی کو اللہ تعالیٰ کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے لیکن وہ اس حیثیت سے ہوتا ہے کہ اس نے بندے میں گمراہی کے اسباب پیدا کئے کیونکہ جب اس نے اپنی قضاء و قدر کے مطابق بندے کے راستے پر پہنچنے کا ارادہ نہ فرمایا تو اس نے اس میں ایسے اسباب پیدا کئے جو اس کو اللہ تعالیٰ سے دور کرنے والے تھے جیسا کہ حدیث میں صاف آیا ہے کہ "یہ جنت کے لیے ہیں اور میں پرواہ نہیں کرتا اور یہ آگ کے لیے ہیں۔ اور میں پرواہ نہیں کرتا" پاک ہے وہ اللہ جس کے فیصلے میں کوئی جھگڑا کرنے والا نہیں ہے بلکہ ہر معاملہ اس کے سامنے جھکا ہوا ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور اس مقام میں اتنا ہی کافی ہے اور اگر تو تفصیل و وضاحت چاہتا ہے تو بڑی تفسیروں کی طرف رجوع کرو۔ جب شیخ اور ہدایت کے معنی کی وضاحت ہو چکی تو یہ بھی ضروری ہے کہ شیخ اور اس کے حکم کی تعمیل کے وجوب کے لیے بھی تو تیار ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو" تو اب ایجاب و قبول کے متعلق جو کہا جاتا ہے اس کو بغور سن اور اللہ ہی ہر معاملہ میں مسئول ہے۔

ایجاب و قبول:۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وہ اللہ تعالیٰ ہی سے بیعت کرتے ہیں" جبکہ صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر قبولیت کے ساتھ بیعت کی اور بیعت سے صحابہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر بیعت کی تو ابوبکر انکو لیکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان صحابہ کو ابوبکر کے ہاتھ پر کی ہوئی بیعت پر ہی رہنے دیا۔ بلکہ اس بیعت میں دوگنا وسیلہ ہو گیا۔ کیا آپ غور نہیں کرتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے۔ جیسے نبی اپنی امت میں" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جسکا کوئی شیخ نہ ہو اسکا شیخ ابلیس ہے" یہی وجہ ہے کہ صوفیا نے اس آدمی کیلئے بھی کسی شیخ کی بیعت مسنونہ کی شرط لگائی ہے جسکو انتہائی طرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہوئی ہو یعنی یہ کہ وہ خالص اویسی ہو اور یہی وجہ ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ و ارضاہ عنا کی بیعت اور خرقہ کا حصول ابوسعید مخزومی قدس اللہ سرہ سے تھا ورنہ آپ کے شیخ صرف نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جیسا کہ آپ نے اپنے کلام میں فرمایا "مجھ پر اللہ اور اس کے رسول کے سوا اور کسی کا احسان نہیں ہے" اور ایک اور قصیدہ میں فرمایا "اصل میں میری تربیت میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے" اور اس قصیدہ میں بھی فرمایا وجدی صاحب العین الکمال فقصہ مختصر یہ کہ کسی ایسے شیخ کا ہونا جو مذکورہ صفات سے موصوف ہو لازمی ہے واجب ہے کیونکہ وہی فلاح اور بھلائی اور نجات کا باعث ہے پس جو جاہل لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں کسی شیخ کی ضرورت نہیں ہے ہمارا شیخ قرآن ہے اور وہی ہدایت دینے والا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ تسلیم ہے۔ کہ قرآن ہدایت دینے والا ہے۔ لیکن ایک ہمیشہ کی امداد بھی لازمی ہے۔ تاکہ اس سے ایمان میں دوام نصیب ہو اور یہ شریعت ہیں اس صورت میں بات بلندی ہوتی کہ آپ کو قرآن کا علم علماء کے بغیر نصیب ہو جاتا اور یہ قریباً ناممکن ہے کیونکہ تعلیم کے بغیر علم کا حاصل ہو جانا لاکھوں آدمیوں میں سے کسی ایک کا خاصہ ہے اور اگر آپ قرآن کو علماء سے سیکھیں گے تو وہی عالم تمہارا شیخ ہوگا۔ پس پوری طرح بھلائی شیوخ اور انکی مصاحبت میں ہے ورنہ خواری اور خسارہ ہے اور علوم باطنی سے واقف ہونے کیلئے شیخ کا پکڑنا طریقت کا فرض ہے کیونکہ اسکا بغیر سینے کے سینے تک پہنچنا محال ہے یہی وجہ ہے کہ اس علم کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض صحابہ مخصوص ہیں اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے

جس کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ کے رسول مجھے اللہ کی طرف سب سے قریب ترین راستہ بتلایئے ۔ تو آپ نے فرمایا ۔ اے علی اپنی آنکھیں بند کر لو اور کہو لا الہ الا اللہ ۔ تو آپ نے انکو وہ تعلیم بتائی جو طریقت میں مذکور ہے اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو علم محفوظ کئے ہیں ۔ ان میں سے ایک کو میں ظاہر کرتا ہوں اور دوسرے کو اگر ظاہر کروں تو شاہ رگ کاٹ دی جائے ۔ اس ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا معنی یہ ہے میں نے اس کے مطلب کو نقل کیا ہے تاکہ سمجھنے میں آسانی ہو ۔

حاصل یہ کہ وہ سارے صحابہ اور ان میں سے شیوخ علم باطنی سے فائز تھے یہاں تک کہ ان سے آج تک اولیاء اللہ کے سلسلے جاری ہیں رضی اللہ عنہم اور ان سے آج تک ملنے والے سلسلے موجود ہیں مثلاً طیفوریہ ۔ فردوسیہ ۔ چشتیہ اور خصوصاً قادریہ کہ جس سے بہت سے شیوخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا سے کمال حاصل کرنے والوں کی استعداد کے مطابق نکلتے ہیں ۔ کیونکہ شیخ کے سمندر سے بے شمار موجیں اٹھتی ہیں اور لوگ حصول کی غرض سے اعتقاد کے ساحل پر منتظر ہوتے ہیں وہ ان سے جواہرات حاصل کرتے ہیں اس مضمون کے متعلق باقی کلام آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے قول مریدا ہم وطیب وا انتظر خوب کے تحت آئے گا اور شیخ کے لیے لازمی شرائط کا تذکرہ بھی میں انشاء اللہ تعالیٰ بیان کروں گا اور ولایت اور مرید کے شرائط بھی یہ بھی جاننا چاہیئے کہ عنوان میں جو ایجاب وقبول واقع ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ شیخ کی طرف سے ایجاب ہو اور مرید کی جانب سے قبول پس وہ نسبت جو اللہ اور بندے اور رسول اور امت اور پیر و مرید کے درمیان تعلق و رابطہ ہے وہ اپنی دونوں سے منعقد ہے تو یہ دونوں امر نسبت کے رکن ہیں اگر ان میں سے ایک بھی فوت ہو جائے تو سرے سے نسبت ہی ختم ہو جاتی ہے ۔ اے اللہ ہم تو کچھ حاصل کر پائے ہیں اس میں تو ہی توفیق دینے والا ہے اے ہمارے رب ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی عنایت فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل اور صحابہ اور تابعین اور عترت سب پر اپنی رحمتیں نازل فرما ۔

مناجات ۔ اے اللہ تو رب رحیم ہے اور میں ایک کمینہ بندہ ہوں کمینے کا ٹھکانا صرف رحیم کا لطف ہوتا ہے اے اللہ میری عمر چالیس برس سے اوپر ہو گئی ہے اور ابھی تک بچپن نہ گیا ۔ بلکہ خواہشات و شہوات میں زیادہ سے زیادہ غرق ہو گیا اے حمد کے لائق میں غریق ہوں بڑھاپا آگیا اور جوانی چلی گئی قوی ضعیف ہو گئے اور خواہشیں طاقتور ہو گئیں میرے لیے تیرے دروازے کے سوا کوئی دروازہ نہیں تیری بارگاہ کے سوا میرے لیے کوئی بارگاہ نہیں میرے گناہ معاف کر دے میرے عیب ڈھانپ دے تیرے سوا کوئی معاف کرنے والا نہیں اے اللہ اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل جو ہدایت کی معجونوں سے خلائق کے امراض کے معالج ہیں مجھے دار الشفا اور اصلاح کے خزانہ سے شفا عطا فرما ۔ میرا دل روحانی خواہشات اور نفسانی مراد سے بیمار ہو چکا ہے ۔ شفا بخش شفا ۔

مؤلف کے اشعار ۔ اے اللہ اپنی بے شمار رحمتیں اپنی روح اور نبی کبیر پر نازل فرما ۔ ہمارے لیے انکی بارگاہ کے علاوہ کوئی بارگاہ نہیں ہے وہ آپ کے حبیب ہیں مجھے بات سمجھانے کی توفیق دے ۔ اور آپ کے صاحب بلند مرتبہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور آپ کے محتسب عمر رضی اللہ عنہ جو ہوشیاری کی دلیل ہیں ۔ تیسرے عثمان ہیں اور چوتھے علی رضی اللہ عنہما آپ کے سب صحابہ نے بلند آواز سے کفر کو توڑ دیا اور آپ کی شریعت کو روشنی کی مدد سے مضبوط کیا ۔ اے اللہ شیخ اجل محی الدین کی طفیل جس نے شریعت کے رسوم کو زندہ کیا اور اس کے علوم کو ظاہر کیا اور وہ دین کا چاند اور سورج بن گیا اور اپنی روشنی سے ہر اندھیرے کو دور کیا اس قصیدہ خمریہ کی شرح میں میری مدد فرما ۔ اور ہر بیت سے ایک اچھے معنی کا دروازہ مجھ پر کھول دے ۔ تیرے ہی لیے تعریف ہے ۔ تیرا ہی احسان ہے ۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے ۔

....

كَسَانِيْ خِلْعَةً بِطَوَارِ عَزْمٍ ۞ وَتَوَّجَنِيْ بِتِيْجَانِ الْكَمَالِ

لغت: کِسْوَةٌ کا معنی ہے جامہ پہننا اور کبھی نفس لباس کے معنی میں بھی آتا ہے پھر اگر کسوة لفظ منقول ہو جیسا کہ بعض نے [illegible] ہے تو اس صورت میں لازمی ہے کہ کہا جائے کسانی کا اصل کسانی ہے اور تخفیف کے لیے حذف ہوا ہے اور [illegible] صحیح ہو جائے گا اور خِلعة خا کے کسرہ سے سیا ہوا کپڑا ہے جو کسی کو پہنایا جائے اطوار کی فتح سے بمعنی شمس ہے اور اطوار طاء کے کسرہ سے [illegible] ہیں اور وہ لباس جو بادشاہوں کے لیے بنایا جاتا ہے۔ اور العزم قصد کامل کو کہتے ہیں اور اس کے معنی کا بیان اور قصہ اور [illegible] آئندہ آجائے گا اور توجنی کا معنی ہے مجھے تاج پہنایا یعنی وہ تاج جو بادشاہوں کے سر پر رکھا جاتا ہے اور تاج و تیجان [illegible] معنی مشہور ہے اور وہ ہے نقصان کی ضد اور اس جگہ اس سے مراد وصول کل ہے جو اولیاء کرام کی سلوک سے بشریت کے ختم ہونے سے عبارت ہے۔

نحو: کسانی نون وقایہ اور یائے متکلم کے ساتھ فعل ماضی ہے اور خلعت کسانی کا دوسرا مفعول ہے اور باء الصاق کیلیے ہے [illegible] جو طراز عزم کے ساتھ ملصق ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ خلعت عزم کی خلعت تھی یا اس طرح کہا جائے کہ یہ ارادہ کی خلعت تھی جو طراز عزم کے ساتھ مطرز تھی یعنی اللہ تعالیٰ نے ان طرازات کے ساتھ اس کو مضبوط اور مزین بنایا اور مطلب بہرحال دونوں کا ایک ہی ہے اگرچہ توجیہ کی جہت مختلف ہے پھر خلعت پر توجنی کا عطف ڈالا گیا ہے اگرچہ خلعت کا لفظ تمام کپڑوں مثلاً قمیص تولیہ اور پگڑی پر بولا جاتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ خلعت سے لغت کے لحاظ سے نفس قمیص ہی کا ارادہ کیا جائے اور یہ کہ تاج پگڑی کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔ اور تیجان الکمال میں [illegible] کے ہے یعنی مجھے ایسا تاج پہنایا جو کمال کے ساتھ ملصق تھا اور اس میں مبالغہ ہے جیسے آپ بلاغت میں معلوم کرلیں گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ [illegible] یعنی مجھے تاج پہنایا اور تاج بھی کمال کا پہنایا اور اس میں بھی مذکورہ مبالغہ ہے۔ اور کمال کی طرف تیجان کی اضافت اختصاص کیلیے ہے یا ادنیٰ ملابست کیلیے اور پہلا زیادہ درست ہے۔

بلاغت: کسانی کے جملہ کو آپ بغیر حرف عطف کے لاتے ہیں یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس جملہ کو آپ کے قول ومن ذا فی الرجال اعطی مثالی کے ساتھ کمال درجہ کا اتصال ہے کیونکہ یہ کمال کے اندر داخل ہونے کی کیفیت اور پہنچنے کی حیثیت کی مثال کی نفی کا بیان ہے اور یہ جو ماضی کا صیغہ لایا گیا ہے یہ اشارہ ہے کہ آپ کیلیے یہ لباس سابقہ علم الٰہی میں تھا جہاں انسانوں کو کمالات کا شرف عطا ہوا تھا تو اس صورت میں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ میں مرتبہ ولایت کا بیان ہوگا کہ آپ نے مرتبہ نبوت کے بیان میں فرمایا میں نبی تھا اور آدم ابھی پانی اور مٹی میں [illegible] اور یہ آپ کے آنے والے قول وقتی قبل قبلی قد صفالی کے مطابق ہے اور ایک اور قصیدہ میں آپ کے قول انا کنت قبل القبل قطبا مبجلا کے بھی موافق ہے اور انکے علاوہ اقوال کے بھی جو آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے کلام میں واقع ہیں جیسا کہ آپ کے کلام سے واقفیت رکھنے والے پر مخفی نہیں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ماضی اس حیثیت سے ہو کہ خبر دینے کے وقت سے پہلے یہ مرتبہ آپ کو اس پیدائش میں حاصل ہو چکا ہے تو اس صورت میں یہ اشارہ ہوگا کہ خبر دینے کے وقت سے پہلے آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کو یہ مرتبہ کمال درجہ سے حاصل ہو چکا ہے یعنی اپنے انقلاب تام کے دن تک [illegible] کے سفر اور طلب رحیق کی استعداد میں مبتلا ہو اور میں خدا تعالیٰ کے توفیق دینے والے فضل سے مرتبہ تحقیق میں بتوفیق خداوندی پہنچ چکا تو پھر ان میں سے کوئی میرے مماثل کس طرح ہو سکتا ہے اور اللہ ہی اپنے اولیاء کی مراد کو خوب جانتے اور ممکن ہے کہ عاطف کے ترک کی وجہ یہ اشارہ ہو کہ یہ جملہ آپ کے کمالات کی تعداد میں مستقل ہے اسے سابقہ جملوں مثلاً سقانی وانا الحضرة وانا البازی وغیرہ کی حاجت نہیں ہے

اس کو خوب سمجھ اور آپ واحد متکلم کا صیغہ لاتے ہیں۔ یہ دوسرے اولیاء کے اس مرتبہ میں آپ کے شریک ہونے کے وہم کو قطع کرنے کیلیے ہے اور خلعۃ کی تنوین تعظیم کے لیے ہے یعنی اس نے مجھے ایک عظیم خلعت عطا کی ہے جو دوسرے اولیاء کے لیے مقرر خلعتوں کی جنس سے نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں ہے اللہ ان کی آنکھوں پر بہت بڑا پردہ ہے۔ جیسا کہ مطول اور دوسری کتب تفاسیر میں اس کی تفسیر کی گئی ہے اور یہ جو آپ لانے ہیں بطراز العساکر کیلیے موضوع ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ خلعت جو مجھے عطا کی گئی ہے اس سے طراز عزم کبھی تھوڑے سے وقت کیلیے بھی علیحدہ نہیں ہوگا نہ پہلے زمانہ میں اور نہ آئندہ ہوگا جیسا کہ آپ نے فرمایا مجھے اللہ عزوجل نے فرمایا: میں نے تجھے ردّے مامون کیا تو کبھی معزول نہ کیا جائے گا اور تیری مجلس میں بیٹھنے والے ... اور عزم کو جو نکرہ لائے ہیں یہ بھی تعظیم کیلیے ہے یہ اشارہ کہ عزم جو شیخ رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا یہ اس عزم کی جنس سے نہیں ہے جو دوسرے اولیاء اللہ کو دیا جاتا ہے اور یہ امر محقق ہے کہ آپ جس مرتبہ پر بھی پہنچے وہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل میں پہنچے جیسا کہ عنقریب آپ کا قول آئے گا وکل ولی له قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال۔ پس آپ خاص نائب ہیں اور خصوصی وارث ہیں سو آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا مرتبہ تمام مراتب میں سے دوسروں سے اعلیٰ، مقدم۔ فالحق اللہ مضبوط ہے جو اس کا انکار کرے وہ بدنصیب ہے اسے اللہ سنبھالے گا اور وہ سننے اور جاننے والا ہے اور ان جملوں سے اصلی غرض کے لحاظ سے یہ زیادہ مناسب ہے یہی کمال کے دعاوی ہیں مشائخ کے قلوب کی زبانوں کو تنبیہ کرنے میں اور اس تعبیر میں انکار شاد ہے کہ وہ اپنے مراتب سے بلند مراتب کے حصول کے لیے کوشش کریں اور جن مراتب پر وہ مقیم ہیں ان پر ٹھہرے نہ رہیں اور تو جیجان کو جمع لانے ہونے میں یہ کئی ایک وجوہ کی طرف اشارہ ہے پہلی وجہ تو وہی ہے جو ہم نحو میں بیان کر آئے ہیں اور دوسری وجہ یہ اشارہ ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا اولیاء کے بادشاہ ہیں۔ ہر ایک ولی کو خلعت عطا کی جاتی ہے۔ لیکن تاج صرف بادشاہوں کے لیے ہوتا ہے۔ اور اس اشارہ کی تائید آپ کے اس قول سے ہوتا ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ، تم میرے لشکر ہو، سو بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ اولیاء کے بادشاہ ہیں جن کو کمال کا تاج پہنایا گیا ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ تاج خلعات کی انواع میں تکمیل کرنے والا ہے تو شیخ رضی اللہ عنہ ہر کمال سے اعلیٰ کمال دیا گیا ہے۔ اور تیجان کو جمع کے صیغہ ہونا اس معنی کی تائید کرتا ہے جو اشارہ ہے کہ شیخ کا تاج بہت تاجوں کا انتظام کرنے والا ہے تو اس صورت میں اس میں اشارہ ہوگا کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ بادشاہوں کے بادشاہ ہیں تو اس صورت میں آپ کا قول تیجان الکمال آپ کے قول وتوجنی کی تکمیل ہوگی۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو عزم کی طراز سے مطرز خلعت پہنائی ہے۔ اور مجھے ایسا تاج پہنایا ہے جو بہت سے تاجوں کا جامع ہے سو آپ بادشاہوں کے بادشاہ ہیں اور اسی طرح آپ کا آئندہ آنے والا قول اشارہ کرتا ہے وکل ولی له قدم وانی۔ علی قدم النبی بدر الکمال۔ تو جیسے نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم درجہ نبوت میں بادشاہوں کے بادشاہ ہیں۔ اور اس کی تحقیق آپ کے قول وکل ولی له قدم وانی۔ علی قدم النبی بدر الکمال کے تحت آئے گی۔ اور آپ کے قول تیجان الکمال پر جو اضافت کی گئی ہے جو الصاق کے لیے بنائی گئی ہے اس میں اشارہ ہے کہ تمام اولیاء کے تاج آپ کے تاج کے اجزاء و تابع کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس سے اس طرح ملے ہوئے ہیں جیسے خادم اپنے مخدوم سے تو ہر ایک ولی کا ہر تاج روشنی اور چمک آپ ہی کے تاج سے حاصل کرتا ہے جو کہ تمام تاجوں کے مخزن کی طرح ہے اور پھر کمال کو جو تیجان کا مضاف الیہ بنا کر لائے ہیں۔ یہ ایک باریک نکتہ کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا تاج کمال کے تاجوں کا اصل ہے وہ ہر تاج سے زیادہ کامل ہے اور وہ اولیاء جو کمال کے درجہ سے نیچے ہے تو وہ آپ کے مقابل ادنیٰ ہیں اور ان کے تاج بھی ادنیٰ ہیں۔ یا تو ان کو بالکل تاج نصیب ہی نہیں ہوا۔ یا اگر دیا گیا ہے تو وہ آپ کے تاج کمال سے ملحق نہیں ہے بلکہ اس سے بہت نیچے ہیں لہٰذا وہ اس سے ملحق نہیں ہو سکا اور پھر کمال کو جو مفرد لائے ہیں یہ اشارہ ہے۔ کہ کمال کا مرتبہ ایک نوعی نہایت ہے اور نوع کے لحاظ سے ایک ہی ہے۔ اگرچہ اشخاص کمال یعنی اولیاء میں سے ہر ایک ولی اپنی استعداد کے موافق کمال حاصل کرتا ہے یہ بہت سے کمال ہیں اللہ

Scanned by CamScanner

اور یہ لام کو استغراق پر محمول کیا جاتا ہے اگرچہ نہایت کی حیثیت سے زیادہ مناسب یہ ہے کہ اسے جنس اور طبیعت پر محمول کیا جائے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ کمال کی دو قسمیں ہیں۔ پہلا کمال سیر الی اللہ میں ہے اور دوسرا کمال سیر فی اللہ میں۔ پہلے کی نوعی انتہا ہے اس کے افراد ما سوا کے اس اعتبار کے نہیں ہیں کہ اس شخص کی استعداد ملحوظ رکھی جائے اور دوسرا وہ کمال ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے پہلے کے متعلق امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہم نے تجھے ایسا پہچانا جیسے پہچاننے کا حق تھا۔ اور دوسرے کے متعلق نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس طرح تجھے پہچاننے کا حق تھا ہم تجھے نہیں پہچان سکے اے اللہ ہم تیری تعریف کما حقہ بیان کر سکتے ہیں اور اسی قسم سے اللہ عزوجل تک پہنچنے والے اولیاء کے وہ اقوال ہیں جن میں فراق کا شوق اسی طرح اظہار ہے۔ کہ جس کی طاقت نہیں ہے سو یہ کمال وراء الوراء ہے اور اسی کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول ہے کہ جس کے دو دن برابر ہوں وہ خسارہ میں ہے۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قول ہے۔ وہ ہر دن کسی نہ کسی کام میں ہے۔ الخ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی عبارت میں احتمال ہے کہ دونوں قسمیں مراد ہوں بلکہ دوسری زیادہ لائق ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے سقانی الحب کاسات الوصال اور اس کے بعد فرمایا فنلت تحری نحوی قول اور آپ کا یہ قول کہ مقامی فوقکم ما زال عالی۔ تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں جس نے ہمیں اس طرف راہنمائی فرمائی اور اگر اللہ راہنمائی نہ فرماتا تو ہم اس راہ پر کبھی نہ آ سکتے۔ اور درود ہو اللہ کے حبیب اور ان کی آل اور صحابہ اور نائب پر۔

خلعت نور ہمارے توفیق کی خلعت اور تحقیق کے تاج کے طالب تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ شیخ کے اس قصیدہ اور دوسرے قصائد کی عبارتوں میں جو خلعات اور تیجان کا ذکر ہے یہ دو احتمال رکھتے ہیں پہلا تحقیقی جیسے ظاہری لباس خواہ وہ سوتی ہو یا اونی ظاہری بدن کی ستر پوشی کرتا ہے اسی طرح خواص کو ایک باطنی لباس عطا ہوتا ہے جس سے وہ اپنے بدن ڈھانپتے ہیں اور وہ بھی کپڑوں کی قسم سے ہوتا ہے لیکن پہلے لباس پر سونے اور چاندی اور ابریشم وغیرہ کی پٹیاں ہوتی ہیں۔ اور دوسرے لباس پر آیات الٰہی کی پٹیاں ہوتی ہیں جو کہ توحید، تسبیح، تنزیہ اور تقوی پر دلالت کرتی ہیں وہ بھی ان لباسوں سے اپنی ستر پوشی کرتے ہیں تاکہ لوگوں کی نظر ان کے ستر پر نہ پڑے اور ان لباسوں سے ان کے خوف اور ان کے عیب ڈھانپے جاتے ہیں۔ کہ انکو بخش دیا جاتا ہے تاکہ شیطان کی ان پر نظر نہ پڑے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اور پرہیزگاری کا لباس بہتر ہے۔ اور اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آدم اور حوا علیہما السلام کے ظاہری لباس کے پھٹ جانے کا تذکرہ فرمایا ہے ظاہر لباس پرانا ہونے اور میعاد گذر جانے سے پھٹتا ہے اور یہ لباس شیطانی غرور اور امتحان سے پھٹتا ہے اے اللہ ہمارے پردہ پوشی فرما اور ہمارے خوف دور کر دے۔ مختصر یہ کہ ہر ولی کو اس کے مرتبہ کے مطابق لباس سے مشرف کیا جاتا ہے جس پر اس کے مطابق آیات کی پٹی لگی ہوتی ہے مثلاً جو توبہ کے مرتبہ میں ہو اسے وہ خلعت عطا کی جائے گی جس پر توبہ کی پٹی لگی ہو گی اور اکثر یہ خلعت پہننے والے پر مخفی رہتی ہے کیونکہ ابھی اس کے باطن کا تصفیہ نہیں ہوتا۔ جو کہ انکشاف کا باعث ہوتا ہے اور اگر اسے کلی صفائی حاصل ہو جائے تو اس پر ظاہر بھی ہو جاتی ہے اور اسی طرح ہر مقام والے کا حال ہوتا ہے کہ انہیں درجہ بدرجہ خلعت عطا ہوتی ہے۔ اور اہل علم کے درجے ہیں۔ پس شیخ بزرگ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خلعت پہنائی ہے جس پر عزم اور رسوخ کلی کی پٹی لگی ہوئی ہے جو کہ توکل کا مقدمہ ہے اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق کہ جب تو عزم کرے تو اللہ تعالیٰ پر توکل کر۔ اور اس توکل سے مراد شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے کلام کے مطابق آخری مرتبہ ہے جو کہ بندہ کے اپنے ارادے سے کلی خروج سے عبارت ہے۔ اور فناء کلی ہے جس کے بعد بقاء کلی نصیب ہوتی ہے جو سیر الی اللہ کی انتہا تک جا کر ختم ہوتا ہے اور اسی طرف شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنی اس عبارت سے اشارہ فرمایا ہے۔ تو کبھی کسی خواہش کا ارادہ نہ کریگا نہ تیری کوئی غرض ہوگی نہ تیری کوئی حاجت باقی ہو گی نہ مقصد کیونکہ تو اللہ تعالیٰ کے ارادے کے ساتھ اور کسی کو نہیں چاہے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کا

Scanned by CamScanner

نقش تجھ میں جاری ہوگا سو تو تو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور اس کا فعل ہوگا تیرے اعضاء ساکن ہوں گے دل اطمینان ہوگا سینہ کھلا ہوگا چہرہ روشن ہوگا باطن آباد ہوگا خالق کی وجہ سے تو اشیاء سے بے نیاز ہوگا تو قدرت کے ہاتھ میں چکر کھائے گا۔ تجھے ازل کی زبان پکارے گی اور علوموں کا رب تجھے تعلیم دے گا وہ تجھے اپنی طرف سے انوار اور حلّے عطا کرے گا وہ تجھے پہلے اہل علم لوگوں کی منزل میں اتارے گا یہاں تک کہ آپ نے فرمایا اس وقت تیری طرف تکوین کی نسبت ہوگی اور کرامات کا ظہور ہوگا۔ یہ چیزیں ظاہری عقل اور حکم کے لحاظ سے تیری طرف منسوب ہوں گی اور حقیقی علم میں وہ اللہ تعالیٰ کا فعل اور ارادہ ہوگا۔ سو اس وقت تو ان لوگوں کی جماعت میں داخل ہوگا جن کے دل ٹوٹ چکے ہیں۔"

اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ خلعت سے مراد وہ ہے جو خلعت حسیّہ کے اس لحاظ سے مشابہ ہے کہ دل کو خلعت جو عطا ہوئی ہے وہ اس کا احاطہ کر لیتی ہے تو اس صورت میں خلعت تشبیہی ہوگی لیکن ارادے کے لحاظ سے پہلا معنی زیادہ قوی ہے جیسا کہ آپ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے جو آپ نے عبدالرحمٰن طفسونجی کے جواب میں لکھی تھی اور ہم پہلے اس کو پورا نقل کر چکے ہیں اور اس مقام میں بھی ہم تھوڑی سی نقل کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا تو جانتا ہے کہ فلاں وقت میں تیرے لیے خلعت رضا میرے ہاتھ سے باہر آئی اور فلاں رات میں فتح کی بزرگی تیرے لیے میرے ہاتھ سے بھیجی گئی اور ایک نشانی یہ بھی ہے کہ درکات کے اندر بارہ ہزار ولی کی مجلس میں تجھ کو خلعت ولایت نصیب ہوئی اور وہ ایک سبز رنگ کی قمیض تھی جس پر سورۂ اخلاص کی پٹی لگی ہوئی تھی وہ بھی میرے ہاتھ سے تجھ کو ملی اور یہ عبارت پہلی توجیہ پر دلالت کرتی ہے اور یہ واقعہ بھی ہے کہ اولیاء اللہ میں سے ایک کا نام ابوبکر تھا بڑا مجاہدہ کرتا تھا اور بڑا صوفی حال اور صوفی وقت تھا اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور کہا اے اللہ کے رسول میرا کوئی شیخ نہیں ہے اور میں کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتا ہوں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین ابوبکر صدیق کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا اے ابوبکر! ابوبکر کا ہاتھ پکڑ لے اور اس کو خرقہ پہنا دے تو ابوبکر صدیق نے اس حکم کی تعمیل کی اور ایک پگڑی اور ایک قمیض ان کو دے دی جب ابوبکر نیند سے بیدار ہوئے تو دیکھا کہ آپ کے سر پر وہی پگڑی اور قمیض رکھی ہوئی تھی جو ان کو حضرت صدیق نے عطا کی تھی۔ تو اس طرح سے خرقہ اور خلعت کا پہنانا پہلے معنی کی دلیل ہے اور اسی طرح شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ سے بھی بعض مریدین کو پگڑی اور قمیض دینا ثابت ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ خلعت اور خرقہ کا پہنانا یعنی کپڑوں کا غیب سے اللہ تعالیٰ کی جناب سے ملنا کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جس کا لوگ انکار کریں ہاں جن کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں اور گمراہی کی وادیوں میں پریشان پھرتے ہیں۔ کہہ دو ہر ایک اپنی طرز پر عمل کرتا ہے اور اللہ اس آدمی کو خوب جانتا ہے جو زیادہ ہدایت والی راہ پر ہے۔" اور دوسرا معنی لینا بھی جائز ہو سکتا ہے ممکن ہے کہ بعض کو حسّی خرقہ عطا ہوتا ہو اور بعض کو تشبیہی اور اس کا کچھ حصہ مثنی اور اس کی اقسام کثیرہ کے بیان میں ذکر ہو چکا ہے۔ کسوۃ کو بھی اس پر قیاس کر لینا چاہیے تو تو اس میں کامیاب ہو جائے گا کہ جو ہر ولی کو استعداد کے لائق ہے۔ اسی طرح ہوتا ہے۔ اور اس خلعت کے عطا کرنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے وہ دینا خواہ کسی طرح کا ہو کہ صاحب زر کو پختگی اور ان آیات وانوار کی برکت سے اس کے دل کی روشنی۔ اور اس کے دوسرے ساتھیوں میں سے اس کا امتیاز ہوتا ہے۔ تاکہ ان کی ہمت اور حرص بھی کمالات کے حصول میں بڑھے اور اس کی مثال یہ ہے کہ بادشاہ جب اپنی خدمت میں کوتاہی کرنے والوں کو تنبیہ کرنا چاہتا ہے تو اپنے لشکر میں سے اپنے کسی فوجی کو امتیاز بخشتا ہے۔ اسے خلعت پہناتا ہے اور اسے بلند منصب پر فائز کر دیتا ہے تاکہ بادشاہ کی خدمت بجا لانے میں اوروں کو رغبت پیدا ہو اور ہر لحاظ سے اس سے مقصد بادشاہ کا اپنی بخشش اور کرم نوازی کا اظہار ہوتا ہے اور یہ اکرم الاکرمین میں سب سے زیادہ ہے کیونکہ وہ ایسا سخی اور رحیم ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی سخی

نہیں ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ پاک ہے اس کی شان نہایت بلند ہے۔
عزم کا معنی جاننے کے لیے تجھ پر نہایت ضروری ہے کہ تو پورے ارادہ کا عزم کرے تاکہ میں تجھے عزم کے معنی کی اصل تحقیق بتاؤں اور قرآن مجید میں ہے فاذا عزمت فتوکل علی اللہ جب تو عزم کرے تو اللہ پر توکل کر۔ عزم نام ہے قصد کے پختہ کرنے کا خواہ وہ لوٹنا ہو یا کرنا اور اس کے تین درجے ہیں پہلا درجہ یہ ہے کہ حال خواہشات کے مرجانے کی قبولیت اور نور انس کی ہمیشگی اور کشف کی بجلی چمکنے کی وجہ سے علم کا انکار کر دیتا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ عزم کا پہلا درجہ یہ ہے، کہ حال علم پر غالب آجاتا ہے کیونکہ جب شہود اور فنا غالب آجاتے ہیں تو علم کی کیفیت منقلب ہو جاتی ہے۔ کیونکہ علم حجاب اور وجود کا تقاضا کرتا ہے اور حال کا تقاضا فنا اور شہود کا ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ کہنے والوں نے کہا ہے کہ علم سب سے بڑا حجاب ہے اور جب حال قوی ہو جاتا ہے تو انس کی استدامت (ہمیشگی) حاصل ہو جاتی ہے اور ردی خواہشات زائل ہو جاتی ہیں تو پھر سالک تقلید علمی سے تحقیق شہودی کی طرف ترقی کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور عزم کے دوسرے درجہ میں چلا جاتا ہے اور وہ جمال مشہودیت کے انوار سے متواتر آنے اور مشاہدہ کے غالب ہونے کی وجہ سے استغراق کا نصیب ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ انوار کی چمک کے سبب سے اپنے نفس سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔ اور بعض اولیاء اللہ اس درجہ میں استغراق کل ہی کئی سال تک رہے اور اس میں سکر کا غلبہ رہتا ہے الا ماشاء اللہ۔ تو تمام فکریں حصول استقامت کے اعتبار سے ایک ہی فکر میں مجتمع ہو جاتی ہیں تو مقصود کی راہ نور شہودی استغراق کی وجہ سے روشن ہو جاتی ہے تو اللہ کی طرف توجہ کی لڑی میں پوری طرح پرو دیا جاتا ہے۔ اور وصل کے یقین پر اس کی طرف سیر شروع کرتا ہے۔ اور تیسرے درجہ میں یہ پہچان ہوتی ہے کہ عزم اللہ تعالیٰ کے افعال سے ہے۔ بندے کے افعال سے نہیں ہے چونکہ وہ خود پوری طرح فنا ہو چکا ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ تمام افعال کو خدا تعالیٰ ہی کی طرف منسوب کرتا ہے تو اسے وہ عزم نصیب ہوتا ہے کہ وہ اپنے عزم سے بھی آزاد ہو جاتا ہے جب اس کی نگاہ میں تمام افعال اللہ تعالیٰ کے فعل ہو جاتے ہیں تو پھر ترک عزم کی تکالیف سے بھی آزاد ہو جاتا ہے تو فعل تمام اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ اور یہ عزم پسندیدہ مقربین کے احوال سے ہے جو اپنے نفوس سے فانی ہو چکے ہیں اور اللہ کے ساتھ باقی ہو چکے ہیں۔ جن کی اللہ تعالیٰ تک سیر ختم ہو چکی ہے اور سیر فی اللہ تعالیٰ کے سمندر میں تیر رہے ہیں۔ اور وہ جو کہا گیا ہے کہ عزم اور مقصد نیک لوگوں کی نیکی سے ہے۔ اور اہل حال کا حجاب ہے تو یہ عزم پہلے درجہ کا عزم ہے۔ جیسا کہ ان کے مدعا کی دلیل اس پر دلالت کرتی ہے۔ کہ ابرار لوگ مقصد کو دور دیکھتے ہیں۔ اور مقربین اس کو قریب پاتے ہیں کیونکہ وہ حق کو اپنے ساتھ دیکھتے ہیں برخلاف پہلے فرقہ کے اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ ولرضاہ عنا کی راہ عزم کا آخری مرتبہ ہے اور اس کا قرینہ آپ کا یہ قول ہے۔ د توجنی بتیجان الکمال۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد عام ہو، اور آپ کا قول توجنی اس ترقی کا بیان ہو جو اس کلام شریعت میں فائدہ کو محیط ہے۔ اس کو خوب سمجھ لے۔

عجیب تحقیق: ضروری ہے کہ مقصد اور ارادہ کا فرق بھی تجھے معلوم ہو جائے۔ قصد عزم تک پہنچانے والی ابتدائی

Scanned by CamScanner

حرکت کا نام ہے کیونکہ اس کی تکرار سے عزم کے لوائح حاصل ہوتے ہیں اور ارادہ وہ اسی حرکت کا دوام ہے جب تک کہ مقصود کلی تک پہنچنے میں اس میں رسوخ نہ پیدا ہوا ہو اور اسی لیے ممکن ہے کہ کہا جائے یہ اس علم کی قسم ہے جس کا حال انکار کرتا ہے جب کہ سطوات شہود کا ظہور ہوتا ہے تو عزم ان دونوں سے اپنے حال میں بہت زیادہ بلند ہے۔ اور بعض نے ارادہ کو عزم سے زیادہ طاقتور کہا ہے۔ اور اس کا دارومدار اس کی تعبیر پر ہے جن لوگوں نے وہ مرتبہ مراد لیا ہے جو انتہا سے پیچھے ہے۔ انہوں نے ارادہ کو عزم سے پیچھے کہا ہے اور جن لوگوں نے آخری مرتبہ مراد لیا ہے۔ جہاں نفاذ تام ہوتی ہے تو انہوں نے اس کو عزم سے اعلیٰ قرار دیا ہے لیکن آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ آخری مرتبہ کی حیثیت سے عزم اور ارادہ دونوں متحد ہیں۔ ان کا فرق صرف ابتدائی مراتب میں ہے اس کو یاد رکھ یہ تجھ کو فائدہ دے گا اور شاید ارادہ کے پورے پورے معنی تجھ کو شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے قول مریدی لاتخف کے تحت معلوم ہو جائیں۔ اور اس کا کچھ حصہ مقامات کے بیان میں بھی گذر چکا ہے۔ اس کو یاد کر لے۔ سو اللہ ہی کی تعریف ہے۔ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے کہ اس نے ہمیں اس کی راہنمائی فرمائی اور اللہ اپنے حبیب اور ان کی آل اور صحابہ اور نائب سب پر رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

دقیق اشارہ

دقیق اشارہ۔ بادشاہوں اور سلاطین کی رسم ہے کہ جب وہ اپنی رعایا یا لشکر میں سے کسی آدمی کو اپنی خصوصی مجلس میں لانا چاہتے ہیں تو ان کو اپنی طرف کھینچ لاتے ہیں۔ ان کو طلب کرتے ہیں۔ ان سے محبت کرتے ہیں۔ پھر وہ بھی ان سے محبت رکھتا ہے اس کو اپنی بارگاہ میں حاضر کرنے کے بعد دیکھتے ہیں تو ان پر ایسے نشان اور اوصاف پاتے ہیں جو ان کی مجالست اور مصاحبت کے مانع ہوتے ہیں تو وہ اپنے نوکروں کو حکم دیتے ہیں۔ کہ پسندیدہ آدمی کو حمام میں لے جاؤ۔ اس کی تمام میل کچیل نہایت نرمی اور اچھی طرح سے صاف کرو چنانچہ وہ میل کچیل دور ہو جاتی ہے۔ اور گندگی ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے ظاہری جسم پر کسی طرح کی کوئی آلودگی باقی نہیں رہتی اور بالکل پاک و صاف ہو جاتا ہے تو پھر بادشاہ حکم دیتا ہے کہ اس کے بڑھے ہوئے بالوں کو کاٹ کر درست کرو۔ اس کی لبیں بڑھ رہی ہیں وہ ٹھیک کرو حتیٰ کہ وہ ایک خوبصورت چہرے والا بن جاتا ہے۔ اور بادشاہوں کے مراسم سے اس کا ایک بال بھی زائد نہیں رہتا تو پھر اسے کل اعزاز کی اور برگزیدگی جامہ کی بٹی سے مزین خلعت سے سرفراز کرتے ہیں۔ قمیض۔ پگڑی تولیہ وغیرہ سب کچھ دیتے ہیں۔ اور اگر اس کو کسی سمت کا خادم بنانا منظور ہو تو اسے خلعت عامہ اور خاصہ کے علاوہ تاج۔ جھنڈا اور پیالے وغیرہ بھی دیتے ہیں۔ جو امیر ہونے کے لوازمات ہیں تو وہ اکیلا آدمی اتنے امتیازات سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ کہ ان کو شمار بھی نہیں کر سکتا اور اپنے دوستوں سے بیان کرتا ہے کہ بادشاہ نے مجھے فلاں فلاں چیز سے مشرف فرمایا ہے۔ اگر تم بادشاہ کی وہ نعمتیں گننا چاہو۔ جن سے اس نے مجھے نوازا ہے تو تم انکو شمار بھی نہیں کر سکتے پھر انکو اپنے اور بادشاہ کے رازوں سے خبر دیتا ہے۔ اور وہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ کچھ اسرار تو ایسے ہوتے ہیں کہ وہ کلی لازمی طور پر نافذ کرنے ہوتے ہیں جو مملکت میں حکم اور امر کی حیثیت رکھتے ہیں اور دوسری قسم

بادشاہ کا اپنے جلال کا اظہار اور اس آدمی کی عاجزی پر اس کو تنبیہ کرنا ہیں ایسا یہ جلال جمال اور تو جس طرح کا عاجز اور حقیر تھا۔ وہ ہوتا تھا ہے سو تیرے لیے ضروری ہے کہ ان دونوں حالتوں کو ملحوظ رکھے ورنہ تیرے احوال رک جائیں گے اور تو اس طرح ہو جانا کہ مبتلا ہو جائے گا۔

اور یہی شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا اپنے قول کسائی میں اشارہ فرمایا ہے کہ سلوک اور نفس اور طبیعت اور نجاسات سے خلاصی پہلے ہو چکی ہے۔ کیونکہ یہ میل اور گندگی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی سے بندے کو دور کرتی ہے۔ کیونکہ وہ پاک ہے اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہیں۔ اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے تو اور کہا ہے کہ عوام میں سے جب اللہ تعالیٰ کا اصلی جذبہ کسی کو کھینچ لے تو وہ سب سے پہلے سلوک کی راہ اختیار کرے اور اس سلوک کی ابتداء اس کمینے ناسوت کی میل کچیل سے باہر نکلنا ہے۔ اور میل کچیل خواہشات کی پیروی ہے۔ اور اس کا ٹھکانا آگ ہے۔ اور اسی سے نکلنا توبہ اور رجوع الی اللہ اور شریعت محمدیہ کے نماز اور روزے وغیرہ فضائل اعمال کی ادائیگی سے ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد طریقت کے آداب ہیں۔ یہ بڑھی ہوئی حجامت درست کرنے کی حیثیت رکھتے ہیں اور پھر اس کے بعد استعداد عالیہ کے مطابق اخلاق الاہیہ سے آراستہ ہونا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کے کان اور آنکھیں بن جاتا ہے۔ اس کے ساتھ بولتا ہے۔ اسی کے لیے باقی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے سوا اس کا اپنا کوئی ارادہ نہیں رہتا اور یہ آراستگی خلعت اور عمامہ کی حیثیت رکھتی ہے اور تاج ہر لحاظ سے بقا باللہ کا نام ہے۔ جیسا کہ اہل کمال میں سے جوانمردوں اور بہادروں کا اسی پر دارو مدار ہے۔ اور اس کی تفصیل ابھی آپ کے قول انا البازی کے تحت گذر چکی ہے۔ اس کو یاد رکھ لیکن ترقی اسرار پر مطلع ہونے کے بعد بھی ہوتی رہتی ہے۔ اور وہ میں جلال الٰہی کا شہود اور عبودیت کا عجز اور اس عجز کا لزوم جو بندہ غلام کے لیے ہوتا ہے اور اسی چیز کی طرف سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اس قول سے اشارہ فرمایا کہ "رب رب ہی ہے خواہ وہ کتنا ہی نیچے اترے اور بندہ بہرحال بندہ ہی ہے خواہ وہ کتنی ترقی کر جائے"۔ تو بقا کی طرف ترقی کرنے والے کے لیے نہایت لازمی ہے کہ وہ اپنی غلامی کو ہمیشہ ملحوظ رکھے تاکہ ہمیشہ اسی میں رہے۔ اور اسی طرف اشارہ ہے اس قول کا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق معراج کی رات بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب پسند کر لینے کا اختیار دیا تو آپ نے فرمایا کہ "بندے کے لائق بندگی ہی ہے"۔ اور کہا "میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کا بندہ اور اس کا رسول ہے"۔ اور اس کے متعلق آئندہ آپ رضی اللہ عنہ کے قول داطلعنی علی سر قدیم کے تحت بحث ہوگی یہ سلوک کا مجمل بیان تھا۔ اور اس کا بیان تو کئی دفعہ گذر چکا ہے۔ لیکن بندے کو خلل سے محفوظ رکھنے والا معاملہ "عزیمت پر عمل کرنا اور رخصت سے بچنا ہے"۔ جو ہمیشہ رخصت ہی پر عمل کرتا رہے اور عزیمت کو چھوڑ دے تو اس کے دین کے ہلاک ہو جانے کا خوف ہے۔ عزیمت مردوں کے لیے ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ خطرات و مشکلات میں پڑنے کے عادی ہوتے ہیں اور امن اور رخصت عورتوں کے لیے ہے کیونکہ وہ نرم و نازک ہوتی ہیں۔ تجھے چاہیئے کہ ہمیشہ پہلی صف میں رہے کہ وہ مردوں کی صف ہوتی ہے۔

اور آخری صف سے بچ کہ وہ بزدلوں کی صف ہوتی ہے: آپ کی عبارت شریفہ ختم ہوئی۔

کیا تم اس پہ غور نہیں کرتے کہ جو بزدلوں کی صف میں رہتا ہے اکثر اسے دشمن پیچھے ہی سے اس طرح پکڑ لیتا ہے کہ اس کو پتہ بھی نہیں چلتا. اور حدیث میں صاف آیا ہے کہ بھیڑیا اس بکری کو پکڑتا ہے جو گلے سے الگ ہو جائے یا جو کتادے پر ہو اور پیچھے رہ گئی ہو، تو صوفی بھی نفس اور خواہش سے پہلی صف میں جنگ لڑتا ہے۔ کیونکہ اس کا نام ہی صوفی اس لیے ہوا کہ وہ پہلی صف والوں میں سے ہے. اور وہی ہے جو نفس اور خواہش کی بندش سے آزاد ہو چکا ہے۔ اے اللہ ہمیں نفس اور خواہش سے پہلی صف میں جنگ لڑنے میں زیادہ قوت عطا فرما تاکہ ہم ان لوگوں میں سے ہو جائیں جو اصلی حقائق سے کامیاب ہوئے۔ اے بیٹا پہلی صف میں جنگ لڑنا کیا بادشاہ کی حضوری میں نہیں ہوتا کہ جانباز بادشاہ کے سامنے اپنی ہر چیز قربان کر جاتے ہیں نہ ان کا اپنا وجود باقی رہتا ہے. اور نہ قوت تو ضرورت ہے کہ تو کوشش کرے کہ پہلی صف والوں میں سے ہو جائے مفرد لوگ آگے بڑھ گئے اور آگے بڑھنے والے ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

معنی کا بیان :- جب میں ان حجابات و موالفات سے باہر نکل آیا جو مجھے اللہ تعالیٰ کی جناب میں وصول سے مانع تھیں. تو میں شدید مسافتوں اور دور کے راستوں کو قطع کرنے لگا میں نفس کے پہاڑوں کی چوٹیوں سے اور وادی خواہشات کے ریت کے ٹیلوں سے گذر گیا یہاں تک کہ میں نے ہر ایک مشکل کام میں خدا کی مدد سے پوری ہمت صرف کر دی. اور اللہ کی مدد سے میں نے اپنا وقت اور عہد خرچ کیا تو میں مراد کے دروازے پر پہنچا اور پورے صحیح ارادہ سے ہر ایک کلی اور جزئی سے منقطع ہو کر اجازت کا طالب ہوا تو مجھے آواز دی گئی تجھ پر برکت کی گئی تو طوی کی پاک وادی میں ہے یہ جان لے کہ تیرے رب کی طرف انتہا ہے تو سب سے بہترین خواہش کا طالب ہے سو تو اپنے وجود اور ارادے کی جوتیاں اتار دے تاکہ تو ان چیزوں سے سرفراز ہو سکے جو کسی آنکھ نے کبھی نہیں دیکھیں تو میرے تمام دواعی سے الگ ہو جانے کے متعلق میرا کوئی ارادہ نہ رہ گیا تو میں نے کہا گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت آپ ہی سے ہے اور میں نے سر جھکا دیا مجھے رحمت کے ہاتھ نے پکڑ لیا اور عنایت کے منادی نے پکارا۔ آج تو ہمارے پاس امانت دار ہے. مرتبہ والا ہے. پھر میرے لیے بڑا خزانہ کھول دیا گیا۔ اور مجھے اس کا رہن بنایا گیا اور مجھے خدا کے اقتدار اور اختیار سے مقعد صدق میں بٹھایا گیا اور نیابت محمدیہ کے خطاب سے مشرف کیا گیا اور حکم ہوا اسے قوت سے پکڑ اور اپنی قوم کو حکم دے سو مجھے اس نے کرامت کلیہ اور سلطنت عامہ تامہ کی خلعت پہنائی جس کی طرف صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سوا تمام کی گردن پہ قدم سے اشارہ کیا گیا ہے۔ جس کا نام خلافت ہے اور وہ خلعت دائمی استقامت اور عزم کی پٹی سے مزین تھی۔ پھر جس کا مجھے حکم ہوا اس پہ میں نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ میں ہمیشہ مستقیم رہا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جیسے تو حکم دیا گیا ہے۔ اسی پر استقامت کر۔ اور یہ وہ ہے جو آپ رضی اللہ عنہ و ارضاہ عنا کے مخاطبہ میں وارد ہوا۔ میں تجھے واپس کرنے سے مامون کرتا ہوں۔ تجھے میری قسم ایسی قمیض پہن جس کی آستین ایک دینار کی ہو

اللہ تعالیٰ کی سب جانب سے توکل پر کھڑا رہا۔ جب کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ مجھے مقام قیامت میں ولایت عطا کی گئی پس یہ اللہ تعالیٰ کے قول فاذا عزمت فتوکل علی اللہ کے ظل میں ہے۔ کہ جب تو پختہ ارادہ کرلے تو اللہ پر توکل کر" اور یہ توکل جس کا حکم دیا جا رہا ہے اس توکل کے علاوہ ہے جو بندے کی جانب سے ہوتا ہے۔ یہ وہ توکل ہے جس سے بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشرف ہوتا ہے۔ پہلے میں بندے کا ارادہ ہوتا ہے۔ اور اس میں اس کا ارادہ نہیں ہوتا۔ تو اس صورت میں عزم سے مراد وہ عزم ہوگا جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے افعال سے حقیقت دیا گیا ہے۔ اور آپ کے اس قول سے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ عزم کی پٹی سے یہی مراد ہے۔ سو یہ عزم اس عزم اور عزیمت کے علاوہ ہے جو خلائق میں مذکور ہے کیونکہ وہ بندوں کی طرف سے ہوتا ہے اور اللہ ہی ولایت کا مالک ہے۔ اور اس پہنانے کے بعد بلا مہلت و وقفہ اس نے مجھے تاج پہنایا۔ اور ایسا تاج پہنایا جو تجلیات ذاتیہ سبحانیہ سے پیدا ہونے والے صاف اور بیش بہا جواہرات سے جڑاؤ تھا۔ وہ کہ جس کا نگاہیں ادراک بھی نہیں کرسکتیں اور اس نے ان تمام چیزوں میں میرے نانا کے سایہ میں جو کہ کمال بدر ہیں۔ مجھے مکمل فرما دیا۔ اور یہ تاج کئی ایک تاجوں کا متضمن تھا۔ سو میرا تاج ہر تاج کا منشا ہے۔ اور میری خلعت ہر خلعت کی جائے پناہ ہے جس طرح یہ مرتبہ مجھے میرے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ اور نیابت میں حاصل ہوا ہے۔ جنہوں نے اصل میں میری تربیت فرمائی ہے۔ اس طرح ہر ایک ولی کو میرے ظل اور نیابت میں مراتب حاصل ہوئے ہیں اور یہ اشارہ صاف ہے۔ کہ توجنی کے بعد آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ نے تیجان کا لفظ جو پڑھایا ہے۔ وہ اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس شعر کے مضمون کو ایک اور قصیدہ میں آپ نے ان الفاظ سے ادا کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عزت کا تاج پہنایا ہے اور خلعت تشریف دی جو پایا ہے۔ وہ اصل میں خلعتی تھا۔ اور آپ رضی اللہ عنہ نے ایک اور قصیدہ میں فرمایا۔ پس تمام حجاب اور پردے دور ہو گئے۔ جب کہ مجھے عزت و شرافت کا لباس پہنایا گیا۔ اور حاصل کلام یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے خلعات کا عطا ہونا ایک ثابت امر ہے۔ اس کا منکر راہ حق سے دور ہے۔ اور مخبر پر اس کو قیاس کرنا غیر معتبر ہے۔ بلکہ بہت سے دوسرے اولیاء اللہ کو بھی شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کے وسیلہ سے خلعات عطا ہوئی ہیں۔ اور آپ کی کتاب جلاء الخاطر میں ہے۔ "یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خلعت کو چھوڑ دیا اور مخلوق سے اپنے دل اٹھا لئے۔ خلق کا ایک ذرہ بھی ان کے دلوں میں نہ رہا۔ وہ اس کے ساتھ قیام رکھتے ہیں۔ اور اسی کے لئے رکھتے ہیں اور اسی کے سبب رکھتے ہیں۔ وہ بلا قبض پورے بسط میں ہیں۔ بلا ذلت پوری عزت میں ہیں۔ بلا امان پوری بخشش میں ہیں۔ بغیر رکاوٹ کے پوری قبولیت میں ہیں۔ بغیر رد کے ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ بغیر کسی دقتہ کے پوری خوشی میں ہیں۔ ان کو بلا عجز کے قدرت ہے جس میں ضعف نہیں۔ ان کو طاقت ہے۔ اور کمزوری نہیں۔ نعمت ہے اور ناراضگی نہیں۔ ان کو کرامت کے لباس پہنائے گئے ہیں۔ اور ان کے دلوں کے ہاتھوں میں تمکین اور تکوین اور وقار سونپ دیا گیا ہے۔ اور مومن ان کے ہاتھوں میں ایک ایسا خزانہ ہے۔ جو کبھی ختم ہونیوالا نہیں ہے۔ وہ ایک چشمہ ہے جو خشک نہیں ہوگا۔ جب کوئی خوف کا موقع ہوتا ہے۔ تو ان کا امن زیادہ ہو جاتا ہے۔ جب وہ پیچھے ہٹتے ہیں۔ تو ان کو آگے کر دیا جاتا ہے۔ ان کی بات سنی جاتی ہے۔ ان کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ مخلوق کی عقلوں سے باہر ان کو دنیا و آخرت کی مملکت بخشی گئی ہے۔ ملکوت میں ان کا نام عظیم ہے۔" انتہی ۔

پھر جاننا چاہئے کہ ممکن ہے کہ کسانی سے لے کر آخر بیت تک پہلے اور ابتدائی جذبے کا بیان مراد ہو۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے شیخ رضی اللہ عنہ کو کھینچا۔ اور باقی تمام شعر اسی سلوک جذبی کا اول سے لیکر آخر تک بیان ہو۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشرف

فرمایا۔ اور اس صورت میں کثرت سے مراد توفیق ہو گی۔ اور اس صورت میں عموم سے مراد اس کی ابتداء ہو گی۔ پھر درجہ بدرجہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ کی ترقی کے مطابق اول سے لیکر آخر تک۔ اور تاج سے مراد سیر الی اللہ کی انتہا ہو گی۔ اور اس معنی کی تائید اس سے ہوتی ہے۔ کہ سالک کا حقیقی پستی سے حقیقی بلندی کی طرف کمال اور ابتداء حضور قلب کے بعد اذکار جہریہ سے اہل طریقت کے قاعدہ کے مطابق ہوتی ہے۔ کہ غیر سے کلی طور پر اپنی آنکھیں بند کرلے۔ اور سالکین سے مشہور طریقہ منقول کے مطابق ضربات کے ساتھ ساتھ غیر کی ظاہری اور باطنی طور پر پوری طرح سے نفی کرے۔ جب جہر پورا ہو جاتا ہے۔ تو دل کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ پھر ہر سالک کی استعداد کے مطابق اللہ تعالیٰ کے نام پاک کے ذکر سے موجیں مارتا ہوا چشمہ ابلنے لگتا ہے۔ پھر ایک لطیفہ کھل جاتا ہے۔ جس کو نفسیہ کہتے ہیں۔ جب وہ قوی اور مستقل ہو جاتا ہے۔ تو اس کا نور ایک اور لطیفہ کی طرف پہنچتا ہے۔ جسے لطیفہ روحیہ کہتے ہیں پھر اس کے مضبوط اور پختہ ہونے کے بعد سر کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور اس کے کئی ایک درجے ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام لطیفہ خفیہ ہے۔ اور دوسرے لطیفہ اخفیٰ اور تیسرے کا سر مطلق اور ان مذکورہ چھ لطائف کے لئے مقرر مقام ہیں جب کہ "قلوب العارفین" میں اس پر دلائل قائم کئے گئے ہیں۔ اور ممکن ہے۔ کہ میں انشاء اللہ تعالیٰ ان مقامات کی تفصیل بیان کروں گا۔ تو اس صورت میں جائز ہے کہ ان کو چھ لطائف کہا جائے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ چار کہا جائے اور اس آخری لطیفہ کی طرف "بدرقۃ الایمان" کی عبارت اشارہ کرتی ہے۔ جو شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کی تصانیف میں سے ہے اور وہ عبارت یہ ہے۔ اے اللہ ہماری زبانوں کو اپنے ذکر سے تر رکھ۔ ہمارے نفوس کو اپنے حکم کا مطیع بنا۔ ہمارے دلوں کو اپنی معرفت سے بھر دے۔ ہمارے ارواح کو اپنے مشاہدہ سے مشرف فرما۔ ہمارے اسرار کو اپنے قرب اور مزید انعام کی نعمت عطا فرما۔" اس عبارت کریمہ سے لطیفہ نفسیہ کا لطیفہ قلبیہ پر مقدم ہونا معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ تمام لطائف سے اس کا پہلے ہونا واضح ہوتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ اس کے تقدیم کی وجہ سے اس کے شروع کرنے کا اہتمام ہو۔ واللہ اعلم۔

اے طالب! جب کلام لطائف کے بیان تک پہنچ گیا۔ تو اس بندے پر یہ لازم ہوا۔ کہ اپنے علم کے مطابق ان کی سیر اور طیر اور علوم و معارف کو بیان کرے۔ اور ان لطائف کو ان کی ضروری شرائط کے مطابق سلوک کے بعد کسی چیز میں مشغول ہونا چاہیئے۔ اور یہ کہ ہر لطیفہ میں سالک مسلک ناسوت و ملکوت و جبروت و لاہوت پر چلتا ہے۔ تو کیا پھر اس کا کام پورا ہو جاتا ہے۔ یا کسی اور سلوک کا محتاج بھی رہتا ہے۔ اور یہ "سلوک" کیا آخری ہے۔ اور اس کی طرف وصول کا کیا طریقہ ہے اللہ مجھے شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کی مدد سے اس کے لکھنے کی توفیق عطا فرما، اور میں نے اس کے لئے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام "کتاب مرقوم" رکھا ہے۔ تمام تر تعریف اس اللہ کے لئے ہے۔ جس نے ہمیں اس کی راہ نمائی فرمائی۔ اور اگر اللہ راہ نمائی نہ فرماتا۔ تو ہم کیسے راہ پا سکتے؟

کتاب مرقوم وسر مختوم ختامہ مسک۔ پورا امر وہ کشف ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے زاہد بندوں کو مشرف فرمایا ہے۔ جنہوں نے نفس کی لذات و خواہشات چھوڑ دی ہیں۔ اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت کا راستہ دکھایا۔ اللہ تعالیٰ گھات میں ہیں۔ اسی سے ابتداء ہے۔ اور اسی کی طرف انتہا ہے۔ لیکن چونکہ اس دور میں فتنے قائم ہو چکے ہیں۔ اور نفوس خسارہ اٹھا رہے ہیں۔ اور اکثر لوگ لذائذ و شہوات کے حصول میں لگے ہوئے ہیں وہ حلال اور

مشتبہ میں فرق نہیں کرتے۔ بلکہ انہوں نے اپنے سیرو نعود اور شہروں اور عبادت خانوں میں بیٹھنے کو اس حرام دنیا کے حصول کا ذریعہ بنالیا ہے۔ اور ہمیشہ کھوٹی پونجی حاصل کرنے کے لئے حیلے تراشتے رہتے ہیں۔ ہاں وہ لوگ اس سے بری ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی مضبوط توفیق عطا فرمائی ہے۔ ایمان کو ضیق اور ابلیس کے ہاتھوں سے چھین لیا ہے۔ اور ان کو ہدایت مستقیم اور تربیت کریمہ کے تحت رکھا ہے۔ اور یہ بہت کم لوگ ہیں۔ ہزار در ہزار میں سے کوئی ایک اور اللہ تعالیٰ نے مجھے شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کے ارشاد سے طریقہ قادریہ علیہ عالیہ کی بہت سے وجوہ اور عظیم طرق سے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے ہیں۔ راہ نمائی فرمائی ہے۔ اور میں نے اپنی اکثر تصانیف میں ان طرق کی طرف تھوڑا سا اشارہ کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ اس شرح میں بھی جو کہ حقائق کے بیان اور حقائق کے قانون کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کو بیان کر دوں۔ اور تیرے لئے ایک واضح اور آسان طریقہ مقرر کر دوں۔ ویسے یہ بہت سی تفصیل کا طالب تھا۔ لیکن میں نے ایک مضبوط طریقہ کو کہ جس سے خالص شراب کی موجیں اُٹھتی ہیں۔ پسند کرکے کلام کو مختصر کر دیا ہے۔ سو میں اللہ کی توفیق سے خود کہتا ہوں۔

انسان سہو و نسیان سے بنایا گیا ہے۔ کیونکہ اگرچہ وہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے مخلوق سے زیادہ بلند اور اعلیٰ ہے۔ کیونکہ وہی اس بار امانت کو اٹھانے والا ہے۔ کہ اگر وہ پہاڑوں پہ رکھا جاتا۔ تو وہ جھک جاتے اور پھٹ جاتے اور ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ انسان نور مطلق ہے۔ یہ سِرّ متخلق ہے۔ انوار قدسیہ سے روشنی حاصل کرتا ہے! اسرار ربانی سے صاف ہوتا ہے۔ لیکن یہ اپنے ظاہر کے لحاظ سے ہر نیچے سے نیچا ہے۔ ہر سافل سے سافل ہے۔ ماسوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے۔ اور عمل اچھے کئے۔ اور اللہ کے لئے خالص ہو گئے۔ اور حق اور استقامت کی وصیت کی۔ اور استدامت سے قضاء و قدر پہ صبر کی وصیت کی۔ اور یہ استقامت و استدامت اکثر اوامر اور نواہی کی تعمیل سے حاصل ہوتی ہے جو کتاب و سنت میں وارد ہیں۔ اور یہ تعمیل عامؔ اور خاصؔ اور خاص الخاصؔ اور اخص الخاصؔ (صادؔ اور دال کی تخفیف اور تشدید دونوں سے) کی طرف منقسم ہوتی ہے۔ اور دوسری طرف اس میں شیطانیت بھی ہے۔

اور لطیفہ اگر لطفؔ بمعنی توفیق سے ہو۔ تو اس طرح بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی وہ مقام جس کی توفیق صاحب خیرات کو ملی ہے۔ یا موفق کے معنی میں ہو۔ تو مطلب یہ ہوگا جسے خیر و برکت کی توفیق دی گئی ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ لطفؔ بمعنی رقتؔ و رافت سے ماخوذ ہو۔ میں کہتا ہوں۔ کہ اگر اس لفظ کو لطیف کلام سے لیا جائے۔ یعنی گہری بات تو لطف کا معنی گہری ہونا، اور لطیفہ بمعنی گہرا مقام۔ یا یہ کہ وہ ادراک سے ماوراء ہے۔ تو یہ اس کی ایک اچھی توجیہہ ہے۔ پھر یہ بھی جاننا چاہیئے۔ کہ لطیفہ جگہ کا نام ہے۔ یا اس ذکر کا نام ہے۔ جو اس جگہ میں ہوتا ہے۔ اور ہر صورت میں کسی طرح کا کوئی تکلف نہیں ہے۔ جب آپ کو یہ معلوم ہو چکا۔ تو اب یہ جاننا چاہیئے۔ کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کے کلام سے جب معلوم ہو رہا ہے۔ لطائف چارؔ ہیں یا چھؔ ہیں۔ جب کہ عام مشہور ہے۔ پہلا لطیفہ نفسیہ ہے۔ اور دوسرا لطیفہ قلبیہ، اور تیسرا لطیفہ روحیہ اور چوتھا لطیفہ سرّیہ اور پانچواں لطیفہ خفیہ اور چھٹا لطیفہ اخفیہ۔ بعض نے سات کہے ہیں۔ چھؔ یہی ہیں۔ اور ساتواں قالبیہ، اور میرا خیال یہ ہے۔ کہ یہ صرف لطائف کی روشنی کا عکس ہوتا ہے۔ پس یہ مشہور چھؔ ہی ہیں۔ اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کے کلام کے اقتباس کے مطابق چار ہیں۔ لیکن یہ

ضروری ہے۔ کہ ستر سے مراد دو امر ہوں۔ پہلا تین جہات کا جامع ہے۔ پہلا ادنیٰ درجہ ہے اور دُوسرا متوسط ہے اور تیسرا آخری مرتبہ ہے۔ اور اس کو اخفیٰ کہا جاتا ہے۔ تو بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کے کلام میں سے ستر سے مراد ان تینوں کا جامع مرتبہ ہے۔ اور جن لوگوں نے چھ لطائف بیان کئے ہیں۔ ان کے کلام میں ستر سے مراد ان تینوں میں سے پہلا مرتبہ ہے۔ اور مختصر یہ ہے کہ ان کے غلبۂ ظہور کے اعتبار سے ہر ایک کی ایک جگہ ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ اچاہے۔ اس لطیفہ اور اس کے مکان میں مناسبت دریافت کی گئی ہے۔

لطائف میں سے پہلا لطیفہ نفسیہ ہے۔ کیونکہ وہی نیچے اور اوپر کے ارتباط و اختلاط اور تعلق کا منشا پیدا ہونے کی جگہ ہے۔ جب کہ تم پہچانو گے۔ اور اس کی جگہ ناف کا دائرہ ہے۔ اوپر اور نیچے خط دائرہ کے احاطے کے طریق پر کہ مرکز سمیت اس سب کا احاطہ ہو جائے۔ اور ان دونوں کو آپس میں مناسبت یہ ہے۔ کہ ناف نفسی بھنور کی طرف اشارہ ہے۔ اور نفس اس میں شہوات کے غوطے لگاتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اس کے نیچے شہوت کا منبع آلہ سمیت رکھا گیا ہے۔ اور اس کے مقابل پیٹھ کی جانب مردوں میں منی کا خزانہ ہے اور اسی کے قریب چھاتی (سینہ) ہے۔ جو عورتوں میں منی کا مقام ہے۔ اور اس کے آس پاس گندگی اور نجاست اور بول کا مرکز ہے لیکن چونکہ یہ جہت نفس کی نچلی جہت ہے۔ اور اس کی اوپر کی جہت کا تقاضا ہے۔ کبر اور انانیت اور عروج و ترقی اور کمال کا دعویٰ۔ تو اس کی استعداد کا تقاضا ہے کہ وہ ترقی کرے۔ تو اس صورت میں یہ نیچے اور اوپر کے درمیان برزخ کا کام دیتی ہے تو انسان میں دو دریا چل رہے ہیں۔ ایک میٹھا ہے اور خوش ہضم ہے۔ اور دوسرا نمکین اور کڑوا ہے۔ اور حدیث کے مطابق ناف ہی نفس کا محل ہے۔ "تیرا دُہ نفس ہے جو تیرے دو پہلوؤں کے درمیان ہے۔" جیسے کہ وہ موج جس کی دو جہتیں ہوتی ہیں۔ ایک جہت تو خوش گوار اور میٹھے پانی کی طرف ہے۔ اور ایک جہت نمکین اور کڑوے پانی کی طرف اور نفس موجیں مارتے ہوئے بھنور میں کبھی فرعون کی طرح غرق ہو جاتا ہے۔ اور اپنی املاک کی سطوت کی ناامیدی اور مجاہدے کا عذاب دیکھنے کے بعد ہی ایمان لاتا ہے۔ پھر کبھی تو کہتا ہے "میرے دل اور روح اس پر ایمان لائے"۔ پھر جب اُسے کچھ مہلت مل جاتی ہے۔ تو کہتا ہے۔ "میں وہ اللہ ہوں۔ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔" یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے اپنے نفس کو پہچانا۔ اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔" کیونکہ جب وہ اس کو معلوم کرے گا تو اس کے مکر اور فریب سے واقف ہو جائے گا۔ تو اس مقررہ مقام میں اس کا مراقبہ کرے گا۔ اور نفس پیشانی کے بالوں اور قدموں سے پکڑا جائے گا۔ یعنی اس کے دشمنی کے اطوار کے دفعیہ کی کوشش کرے گا۔ اور اس علاج کے بہت اسباب ہیں۔ جو شریعت میں اختیار کئے گئے ہیں۔ نماز کے لوازمات اور رکوع سے اس کی تیزی بجھ جاتی ہے۔ لیکن وہ اس جگہ کے جھکنے کی وجہ سے جھک جاتا ہے۔ گویا کہ رکوع میں وہ اوندھے منہ گر جاتا ہے۔ شائد قیام ناف پر ہاتھ رکھنے کی یہی وجہ ہو۔ تو اس جگہ پر ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اشارہ ہے۔ دشمن کی تعیین اور اس کے قید کرنے کی طرف اور ہاتھ کی انگلیوں میں اسم اللہ کا نقش پورا ہو جاتا ہے۔ پس گویا کہ اس کو گرانے اور توڑنے کے لئے اللہ کا لفظ اس پر دو مرتبہ رکھا گیا ہے۔ تا کہ اس کی شوکت ٹوٹے۔ اور اس کی آگ بجھے۔ اور اسی لئے پہلے کانوں پر ہاتھ رکھ کر ہاتھ کی انگلیوں کے نقش اللہ سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی بڑائی اور نفس کی ذلت کی طرف جو ان بت کا دعویدار ہے۔ اور اللہ کے فیض سے اس بندے پر جو کچھ اس معاملہ میں منکشف ہو چکا ہے۔ اس کے ذکر سے نماز کے بیان میں ایک بہت بڑی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

تو ہم کہتے ہیں۔ طریقت میں نفس کو گرانے کے لئے اس جگہ میں نظر کے خدا تعالیٰ کی کبریائی کے تصور کے ساتھ یا خدا تعالیٰ کی ثبوتی اور ستاری صفات کے ساتھ رکھنا پسند کیا گیا ہے۔ اور بہتر یہ ہے۔ کہ صفت جامعہ یعنی الوہیت میں جو تمام صفات کاملہ جامع ہے۔ ذات کا تصور کرے۔ اور اسی لئے میں نے لطیفۂ نفسیہ میں اسم ذات علم کا یعنی لفظ اللہ کا معنی کے ساتھ تصور پسند کیا ہے۔ اور تعلیم میں احسن طریقہ یہ ہے۔ کہ شیخ اپنے مرید کو اس طرح سکھائے۔ یعنی قرآن کے خط کے مطابق اللہ کا لفظ کسی کاغذ پر لکھے۔ اور سونے کے پانی سے جس میں سرخ رنگ غالب ہو مثلاً شنگرف کا چمکتا ہوا رنگ تا کہ مرید اس کو ملاحظہ کرے۔ جب اس کا تصور اس کے وہم میں بیٹھ جائے۔ تو پھر اس کو ناف کے دائرے کی سطح پر گول صورت میں مرکوز کرے۔ خواہ ایک نقش سے یا زیادہ نقوش سے تصور کرے۔ اور نفس کا ملاحظہ بھی کرے۔ لیکن یہ ضروری ہے۔ کہ اس دشمن کی جگہ کا تصور سیاہ رنگ میں کرے۔ اور یہ خیال کرے۔ کہ ہر وقت اس دشمن کی آگ بجھتی جا رہی ہے۔ اور اس کے بیٹھنے کی جگہ کی سطح سفید نور کی طرف مائل ہو رہی ہے۔ لیکن ضروری ہے۔ کہ اس مراقبہ میں اس کا معاملہ اس مجلس میں اپنے مقدور بھر فضائل الاہیہ سے ردی اخلاق کو تبدیل کرنے کا ہو۔ مثلاً حسد اور بخل کو نکالے۔ اور اس کے عوض بخشش اور سخاوت کو داخل کرے۔ اور فیصلہ کن بات یہ ہے۔ کہ اپنے اندر سے دنیا کی محبت کو نکالے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو حقیقت تک پہنچنا نصیب فرمائے۔ جب یہ ذکر پورا ہو جائے گا۔ اور مراقبہ اس طرح مکمل ہو جائے گا۔ کہ اس کا تعلق سفلی ٹوٹ جائے۔ اور ترقی و بلندی کے اسرار عالیہ سے اس کا تعلق جڑ جائے گا۔ تو اس کی مثال ایک تائب باغی کی ہو جائے گی۔ کہ جس پر اس کی بغاوت کی ذلت دفع ہو چکی ہو۔ لیکن ابھی تک اس کی تیزی اور پوشیدہ مکائد ختم نہیں ہوئیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ابھی دل کی امداد کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ اور دل کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت تو تمام لطائف کی جامع اور محیط ہے۔ جب کہ آئندہ حدیث میں آئے گا۔ اور ایک جہت ظلمانی ہے۔ اور اسی جہت سے لطیفۂ قلبیہ کو دوسرے لطائف کے مقابل شمار کیا جاتا ہے۔ پس تمام لطائف کا مقصود نفس کو نرم کرنا ہے۔ تو اس مراقبہ میں اس کے تمام لوازمات پورے ہو جاتے ہیں۔ اور پھر دل اور روح میں اس کی طرف الہام آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ جب آدمی لطیفۂ سر تک پہنچ جاتا ہے۔ تو اس وقت نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ اور اسے کہا جاتا ہے۔ اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف خوش اور پسندیدہ ہو کر رجوع کر۔ تو مقصود کلی اسی نفس کو پورے طور پر نرم کرتا ہے۔ اور لطیفۂ نفسیہ کے اس مقام سے مناسبت کے اور وجوہ بھی میرے دل میں آ رہے ہیں۔ لیکن ان کی تحریر کی قلم کو اجازت نہیں ملی اور مجمل طور پر ان کا مضمون آدم اور حوا علیہما السلام کی تخلیق کی طرف راجع ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مجھے اس کے لکھنے کی توفیق دے دیں۔

اور دوسرا لطیفہ لطیفۂ قلبیہ ہے۔ کیونکہ ظلمات نفسانیہ بے شمار اور تہ بہ تہ ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ گنہگار اور کافر لوگوں کو بائیں جانب سے منسوب کیا جائے گا۔ اور ان کو بائیں جانب والے کہا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ دل کو بائیں جانب رکھا گیا ہے۔ کیونکہ دل کی دو جہتیں ہیں یعنی ناسوتی اور ملکوتی۔ اور یہی وجہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے دل میں دو گھر ہیں۔ ایک گھر تو بادشاہ کا ہے۔ اور ایک گھر شیطان کا ہے۔ اچھے الہام خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اور برے شیطان کی طرف سے۔ تو اس لطیفہ میں نفس کی پہلے سے زیادہ تربیت ہوتی ہے۔ اور لطیفۂ قلب کی جگہ یہی گوشت کا صنوبری ٹکڑا ہے۔ جس جگہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو رکھا ہے۔ اور اس میں بہت سے کمالات شریفہ ودیعت کئے گئے ہیں۔ اور اس کا مقام بائیں پستان کے نیچے ہے۔ اور لطیفۂ قلبیہ کی شکل اسی ٹکڑا کی طرح ہے

جو صنوبر کے پتے کی شکل کا ہوتا ہے۔ اور اس کے معنے کی حقیقت کشف سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک آدمی پر کسی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور دوسرے پر اور وجہ سے یہی وجہ ہے۔ کہ میں نے اس کی حقیقت کشفیہ کا تذکرہ نہیں کیا۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ کسی اور آدمی پر کسی اور طرح سے منکشف فرمائیں۔ جو اس کی استعداد کے مناسب ہو۔ تو وہ اور میں غیبت میں واقع ہو جائیں۔ اور یہ اسی قاعدہ کے مطابق ہے کہ "آدم کے بیٹے کے دل پر خدا تعالیٰ کی کئی ایک نگاہیں ہیں" اور یہ خدا تعالیٰ کے غیر متناہی تجلیات سے عبارت ہے اور تجلی سے ہر آدمی اپنی استعداد کے موافق اقتباس کرتا ہے۔ کیا آپ غور نہیں کرتے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا۔ تو نور محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کی تجلی ہر آدمی کی استعداد کے موافق اس پر جاری ہوئی۔ مثلاً جس آدمی کے سینے پر نور جلوہ گر ہوا۔ وہ عالم بن گیا۔ اور اس طرح دوسرے اوصاف بھی جب کہ یہ اپنے مقام پر لکھا جائے گا۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہر آدمی کا کسی نور تجلی سے اقتباس اس کی اپنی استعداد کے مطابق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ معارف و اسرار مختلف ہوتے ہیں۔ اور اس کے متعلق بیان کافی طویل ہے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ آئندہ اپنے فضل و کرم سے مجھے اس کی تفصیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور وہ جو حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ "میں ان لوگوں کے پاس ہوں جن کے دل میرے لئے ٹوٹے ہوئے ہیں" اور "مومنوں کے دل اللہ تعالیٰ کا عرش ہیں"۔ اور ان کے علاوہ اور احادیث جو دل کی عظمت پر دلالت کرتی ہیں تو ذہن میں جو پہلے خیال آتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اس دل سے مراد دل کی حقیقت جامعہ ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے بھی صنوبری گوشت مراد ہے۔ اور اس کو عرش اس جیسی چیزوں کا نام دیا گیا ہے۔ تو یہ تسامح کے قبیل سے ہے۔

اور لطیفہ روحیہ کی جگہ دائیں پستان کے نیچے لطیفہ قلبیہ کی جگہ کے بالمقابل ہے اور اس کی اس جگہ سے مناسبت یہ ہے کہ دائیں جانب برکات کے ظہور کی جگہ ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہر چیز میں دائیں جانب کو پسند کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جوتا پہنے اور کنگھی کرنے میں بھی اور اسی سے مومنوں کا نام اصحاب الیمین ہوگا۔ وہ شغل میں خوش ہوں گے۔ اور بیہودہ باتوں سے منہ پھیرنے والے ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور کی حفاظت کرتے ہوں گے اور روح اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی پہلی مخلوق ہے۔ اور یہ ہر لحاظ سے انوار و اسرار کا مرکز ہے۔ اس میں ماسوائے اس کے سفلیت کی اور کوئی جہت نہیں ہے۔ کہ اسے بدن میں داخل کیا گیا ہے۔ جو ہر لحاظ سے سفلی ہے اور صحبت کی تاثیر ہوتی ہے۔ خواہ ظلمت کی ہو اور خواہ روشنی کی۔ اور اللہ ہر چاہت پر قادر ہے۔ جب دل اپنے رب کے ذوق سے تربیت حاصل کرتا ہے۔ اور وہ ذوق بہتر بھی ہے۔ اور باقی رہنے والا بھی اور اس تربیت سے سالک کو حرمتی نصیب ہوتا ہے۔ اور اس مرتبہ کے تمام شرائط پورے ہو جاتے ہیں۔ اور نفس دوسری مرتبہ نرم ہو جاتا ہے۔ تو مطیع ہو جاتا ہے۔ تسلیم کر لیتا ہے۔ اور جھک جاتا ہے۔ اور عالم امر کی طرف پرواز کے لئے اسے بازو مل جاتے ہیں۔ اور عالم قدسی سے اس کو مناسبت حاصل ہو جاتی ہے۔ تو اس کا کام منظم ہو جاتا ہے۔ اور مناسب اذکار اور افکار لائقہ کی وجہ سے پہلے سے زیادہ اسرار صافیہ پر مشتمل ہو جاتا ہے۔ تو اس تربیت سے اس کے وجود پر قدسی بادشوں کے نوری چھینٹے پڑتے ہیں۔ تو اس کا تمام وجود روح بن جاتا ہے۔ تو اس وقت سالک ذکر، فکر، حال، مقالم، فنا اور وصول ہر لحاظ سے روح مجرد بن جاتا ہے۔ اور اس کا نور اس طرح ہو جاتا ہے۔ کہ سالک یہ سمجھنے لگتا ہے۔ کہ یہ میرا رب ہے۔ جو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ اور اس خیال سے باہر نکلنے کیلئے مجاہدات شاقہ اور ریاضات کا محتاج ہوتا ہے۔ تا وقتیکہ اس پر حقیقت

منکشف ہو۔ مختصر یہ کہ سلطان العارفین بایزید بسطامی کے دماغ پہ اتنا راسخ ہوا۔ کہ جب تجلی ذاتی ان پر بڑی مدت تک رہی
اور ان کا اپنا سابقہ وجود ختم ہو گیا۔ اور خالص روح ہی باقی رہ گئے۔ تو وہ سبحانی ما اعظم شانی کہنے لگے اور یہی
وجہ تھی۔ کہ آپ کی اجازت کے بعد آپ کے بعض مریدوں نے اس قول کے وقت آپ پر تلوار کھینچی۔ تو آپ کے جسم کا کوئی حصہ بھی
بے کام گیا۔ بلکہ جس نے تلوار چلائی تھی۔ وہ خود کٹ گیا۔ اور یہ اسی حیثیت سے ہوا تھا۔ کہ آپ خالص روح بن چکے تھے پس
آپ میں تلوار کی تیزی نے کوئی اثر نہ کیا۔ کیونکہ وہ روح ہیں۔ اثر نہیں کر سکتی۔ کیونکہ وہ اللہ کا امر ہے اور امر نہیں کٹ سکتا۔ پھر
جب آپ کا مجاہدہ اور ریاضت بڑی دیر تک جاری رہا۔ جب کہ مشہور ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد اور راہنمائی سے ان کو اس
سے نکالا۔ اور پھر ان کو معلوم ہوا۔ کہ یہ خیال ایک کشفی غلطی پر مبنی تھا۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے اور وہ عقول و
ادراک سے بالاتر ہے۔ نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ اور وہ نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے۔ تو پھر آپ نے کہا۔ اگر
میں نے کسی دن سبحانی ما اعظم شانی کہا تھا۔ تو آج میں اپنے زنار کو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے کاٹتا
ہوں۔ اللہ تعالیٰ میرے ادراک کے احاطے سے بالاتر ہے۔ وہ وراء الوراء ہے موجود ہے، باقی ہے۔ اس کی کوئی مثال
نہیں ہے۔ اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔" اور آپ کی جانب سے یہ تنزیہ اس تنزیہ کے قبیل سے نہیں ہے جو تشبیہات
کی متضمن ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ایک ایسی انتہا ہے۔ جو کسی تعبیر سے مقید نہیں ہو سکتی۔ بلکہ وہ خلوِ مطلق ہے۔ تیرا رب عزت والا
رب لوگوں کی گفتار سے پاک ہے۔ اور پیغمبروں پر سلام ہو۔ اور اس میں کافی تفصیل ہے۔ جو بسط کا تقاضا کرتی ہے ہم نے
اس کو ایک طرح سے مختصر کر دیا ہے۔ کیونکہ جس نے چکھا۔ اسی نے چکھا۔ اور جس نے نہ چکھا اس نے نہ سمجھا۔

اور لطیفہ سرّیہ کا مقام دونوں لطیفوں کے درمیان ہے۔ وہ ہر چیز کے گودے اور مغز کی طرح ہے۔ بلکہ وہ
ہر لطیفہ کا مغز ہے اور وہ اس ہڈی کے نیچے ہے۔ جہاں سینے کی ہڈیاں ختم ہوتی ہیں۔ اور اس ہڈی کی صورت الف جیسی ہے
جو ذات خالص پر دلالت کرتی ہے۔ اور سر اور اس جگہ میں مناسبت کشف ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔ لیکن کچھ تھوڑا سا
آپ کے سامنے اظہار کیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ہر چیز کا وسط اس کا بہترین حصہ ہوتا ہے۔ تو انسان کے سینہ کا وسط
وجود انسانی کی آنکھ کی پتلی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول الم نشرح لک صدرک و وضعنا عنک وزرک سے یہی
مراد ہے۔ اور شرح صدر ظاہری صورت میں تو اس طرح تھا۔ کہ اس سے بلغمی اور دموی سیاہ مادہ نکال دیا گیا۔ اور
حقیقت میں وہ اس اعتبار سے تھا۔ کہ تجلیات اسمائیہ وصفاتیہ سے تربیت کے بعد تجلی ذاتی اور اللہ تعالیٰ کے خاص نور کا اظہار
تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے پوری طرح آپ کو برگزیدہ کر لیا۔ اور ظلمات منکدرہ نکال دیئے۔ اور حجابات نوری وناری دور کر دیئے
گئے۔ کیونکہ جب بادشاہ کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں۔ تو اس کو تباہ وبرباد کر دیتے ہیں۔ اور اس کے باعزت لوگوں کو ذلیل
کر دیتے ہیں۔ تو اس کے ظہور کے بادشاہ اور تجلی کی سطوتوں نے تمام علوی اور سفلی اور نفس امارہ اور دل کی عرفانی اور
روح کی شنا بزاتی تمام مزاحمتوں کو دور کر دیا۔ اور باقی اللہ تعالیٰ رہ گیا۔ الرحمٰن علی العرش استویٰ اور اس نے عام
حکم کر دیا۔ "آج کس کی بادشاہی ہے؟ اور پھر اپنی سطوات غیرت سے ندائے عام سے جواب دیا " اللہ اکیلے زبردست کی بادشاہی
ہے۔" "اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے" کی صدا اس کی نقیب ہوتی ہے" اور جو چیز اس پر ہے فنا ہونے والی

ہے۔ اور باقی رہ جائے گی۔ ذات تیرے رب بزرگی اور اکرام والے کی"، اس کی بہترین آواز ہوتی ہے۔ فرما دیجئے وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے"، اس کا شکر ہوتا ہے۔ "میں وہ اللہ ہوں۔ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں" اس کا وجود ہوتا ہے۔ اب میقات پورا ہو گیا۔ اور طالب عرفات تک پہنچ گیا۔ اس نے کعبہ کا طواف کیا۔ اور اللہ کے لئے قربانی ذبح کی۔ تو ان لطیفات سے نفس مطمئنہ بن گیا۔ اور اپنے رب کی طرف خوش پسندیدہ ہو کر لوٹ آیا۔ تو سِرّ کا مقام وہی عرش ہے جس کی طرف الرحمٰن علی العرش استوٰی میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اور جو حدیث میں آیا ہے کہ "مومنوں کے دل اللہ کا عرش ہیں"۔ تو وہ عرشیت کی ہمسائیگی کی وجہ سے ہے۔ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ نے فرمایا ہے: سیر تو قلوب کی سیر ہے اور وصول اسرار کا ورود ہے۔ جب اسرار پہنچتے ہیں۔ تو وہ بادشاہ بن جاتے ہیں۔ اور اعضاء اس کے حاشیہ بردار اور تابع ہو جاتے ہیں۔ جب دل دروازے تک پہنچ جاتا ہے تو سِرّ کے لئے اجازت آ جاتا ہے! اس کلام کے معانی عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ ظاہر ہو جائیں گے الخ۔ اس جگہ چند تحقیقاتی ابحاث باقی رہ گئی ہیں۔ ضروری ہے کہ اُن کی طرف اشارہ کر دیا جائے۔ تاکہ طالب کو پورا علم پوری طرح ہو جائے اللہ آسان کرے اور حقائق کو کھول دے۔ تو ہر حالت پر قادر ہے۔

بحث اول:- یہ ہے کہ سِرّ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے یہ اس طریقہ پر ہے۔ جس کی راہ نمائی مجھے اللہ نے فرمائی ہے کہ لطائف چار ہیں۔ اور وصول لطیفہ سِرّ ہی میں ہے۔ اور یہی بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کے کلام سے جو کہ آپ سے روایتاً منقول ہے معلوم ہوتا ہے۔ اور جن لوگوں نے لطائف چھ بیان کئے ہیں۔ اور سِرّ کو چوتھا لطیفہ قرار دیا ہے۔ اور پانچواں خفی اور چھٹا اخفیٰ کو تو انہوں نے یہ سمجھا ہے۔ کہ سِرّ ایک مرتبہ ہے۔ جو روح سے اوپر ہے اور خفی اس سے اوپر ہے اور خفی سے اوپر اخفیٰ ہے۔ تو ان کے نزدیک آخری مرتبہ اخفیٰ ہے۔ اور میرا خیال یہ ہے۔ کہ خفی اور اخفیٰ سِرّ ہی میں مندرج ہیں تو مشہور اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے کلام کا مفہوم ایک ہی ہے۔ اور خفی کا مقام دماغ کا ابتدائی حصہ ہے۔ اور اخفیٰ کا مقام اس سے اوپر سر کی چوٹی ہے۔ اور یہی وہ جگہ ہے جہاں جا کر انسانی عروج کمالات کی حیثیت سے ختم ہو جاتا ہے جب کہ ناف کمینگی کی حیثیت سے انسان کا انتہائی نچلا مقام ہے۔

دوسری بحث یہ ہے۔ کہ بعض اہل کمال کا کشف ہے۔ کہ لطیفہ نفسیہ کا مقام وہ ہے جو مقام کہ ہم نے لطیفہ اخفیٰ کا بیان کیا ہے۔ کیونکہ انانیت اسی علوّ (بلندی) کی مقتضی ہے۔ پس اخفیٰ کمال کا انتہا ہونے کی وجہ سے صفائی کی بلندی کا تقاضا کرتا ہے۔ اور نفس منبع خباثت ہونے کی وجہ سے نخوتی بلندی کا تقاضا کرتا ہے۔ تو پاک ہے۔ وہ اللہ جس نے دو دریاؤں کو جمع کر رکھا ہے۔ ان میں ایک پردہ ہے۔ جو ایک دوسرے پر زیادتی نہیں کر سکتا۔ ایک میٹھا اور خوشگوار ہے اور دوسرا کڑوا اور نمکین۔ لیکن قبولیت کے لائق حق تحقیق یہی ہے۔ کہ لطیفہ نفسیہ کا مقام ناف کا حلقہ ہے۔ اور اس کی وجہ پہلے گزر چکی ہے۔ جو ہماری لطیفہ نفسیہ کی تقریر سے سمجھی جا سکتی ہے۔ کیونکہ خباثت نفسانیہ کی جہت تسفّل کا تقاضا کرتی ہے۔ اور نفس کے خباثت شو نخوت اگرچہ بلندی کا تقاضا کرتی ہے۔ لیکن اس بلندی کا آل بھی کمینگی اور سفلہ پن ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ شرکاء سے پاک ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور وہ ہر جاہت پر غالب ہے۔ اسی کی بادشاہی ہے۔ اور اسی کی تعریف ہے۔ اور درود ہو اس کے رسول محمد اور ان کی آل پر۔

Scanned by CamScanner

تیسری بحث یہ ہے۔ کہ سِرّ اور روح۔ قلب اور نفس کا معقولات کی جہت کی طرف میلان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منقول حدیث میں وارد ہوا ہے۔ کہ "انسان میرا بھید ہے اور میں اس کا بھید ہوں۔" اور انتظار سِرّ کہہ ہی کیا گیا ہے۔ یہی آخری انتہا ہے۔ اللہ تعالیٰ حق کی طرف کلی مرجع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ سے منقول عبارات جامعہ ہے۔ جیسے کہ اس حدیث میں تصریح ہوئی ہے۔ اور وصول اسرار کا وصول ہے۔" اور یہ دونوں لطیفے اس بنا پر ہیں۔ کہ سِرّ ہی مرجع ہے۔ اور قلب (دل) تمام لطائف کی حقیقت جامعہ ہے جیسا کہ اس حدیث میں وارد ہوا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ بنی آدم کے جسم میں ایک ٹکڑا ہے اور اس ٹکڑے میں قلب ہے۔ اور قلب میں فواد ہے۔ اور فواد میں خفی ہے اور خفی میں اخفیٰ ہے اور اخفیٰ میں میں ہوں اللہ تعالیٰ سے یہی تاثیر ہے۔ پس فی کا کلمہ لانا جو احاطے پر دلالت کرتا ہے معلوم کراتا ہے۔ کہ لطائف کے یہ تمام مراتب قلب کے مظروف ہیں پس وہی حقیقت جامعہ ہے۔ پس حاصل یہ ہے کہ قلب مختلف جہات ہیں۔ اور وہ ان پر مشتمل ہے اور یہی حقیقت جامعہ ہے اسے ہی حدیث میں ہے مراد ہے۔ اور اگر اس سے ایک جہت مراد لی جائے۔ تو وہ اس جہت کی حیثیت سے دوسرے لطائف کے مقابل ہوگا۔

چوتھی بحث یہ ہے۔ کہ حدیث میں جو فی کا کلمہ آیا ہے۔ اور وہ احاطہ کا تقاضا کرتا ہے۔ پھر اگر آپ اسے جہت جامعہ مراد لیں۔ تو پھر جو کچھ آپ نے مقاماتِ لطائف کے متعلق کہا ہے۔ وہ کس طرح صحیح ہوگا۔ کیونکہ وہ مقامات متعدد ہیں۔ جو ایک دوسرے سے دور ہیں۔ اور ظرفیت تو احاطہ اور ظرفیۃ کا تقاضا کرتی ہے۔ تو میں کہوں گا۔ اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا یہ ہے۔ کہ فی کا کلمہ حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ اس کے لازم سے مستعمل ہوا ہے۔ پس مقصود باعتبار ترقی و عروج دل کے درجات کا بیان ہے یا اس طرح کہو۔ کہ دل کا احاطہ باعتبار انکشاف اور حجابات کے ازالہ کے ہے یا اس حیثیت سے کہ دل ظلمت و صفت اور کدورت کے اٹھانے سے ان لطائف کا منشا ہے اور دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ بعض اہل کشف کے نزدیک مقرر ہے کہ قلب اور روح اور سِرّ سب ایک ہی ہیں۔ ان میں کوئی تغایر نہیں ہے۔ تو اتحاد سے ان کی مراد اسی کا ہر مکان میں ظہور ہے۔ اگرچہ دل بائیں جانب ہے۔ اور روح دائیں جانب ہے اور سِرّ ان کے درمیان ہے اور اس میں اور بھی وجوہات ہیں ممکن ہے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ان پر آپ کو مطلع کر دے۔

پانچویں بحث یہ ہے کہ حدیث میں جن لطائف کا ذکر ہوا ہے۔ ان میں لطیفۂ نفسیہ کا تذکرہ نہیں ہے اس کو نہ بیان کرنے کی کیا وجہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اولاً حدیث میں اس کے تذکرہ کا نہ ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ اسے مطلقاً ترک کر دیا گیا ہو۔ کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ "تیرا سب سے بڑا دشمن وہ نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں میں ہے!" اور دوسری احادیث میں آیا ہے۔ والذی نفس محمد بیدہ "اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس ہے" وغیر ذالك اور اس حدیث میں نفس کو لطیفۂ نفسیہ کے غیر پر محمول کرنا ضروری نہیں ہے۔ اور دوسرا جواب وہ ہم ہے کہ نفس کی خباثت اور دنائیت کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے کلام میں بیان کرنے سے لوازم ترک ہے یہ وہ وجہ ہے جو میرے دل پر وارد ہوئی۔ پھر میں نے سنا۔ کہ بعض اہل کمال پر یہی منکشف ہوا ہے۔ کہ نفس کو چھوڑنے کی یہی وجہ ہے۔ لیکن پھر میں کہتا ہوں کہ اس میں نظر ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ خبیث ترکیہ کا زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ ذکر کا زیادہ حقدار تھا۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گمراہوں اور خبیثوں کے ہدایت دینے پر زیادہ حریص تھے۔ اور ثانیاً اس لئے کہ "سخت دل" اپنی سختی میں نفس سے زیادہ سخت ہوتا ہے کیونکہ نفس کا تزکیہ تو ملحوظ ہے۔ اگرچہ وہ امانیت نخوت تیرہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اور قلب قاسی (سخت دل) خدا تعالیٰ کے مسخ شدہ چیز ہے جیسے کہ شیخ اجل

رضی اللہ عنہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ پس اس کی احسن توجیہ یہ ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ترقی کے مراتب کو بیان کرنا شروع فرمایا جب بندہ نفس قلب میں ترقی کرتا ہے اور نرم ہوتا ہے پھر فواد میں یہانتک کہ خدا تعالیٰ کا نوشتہ پورا ہو جائے۔ تو لطائف کا بیان بھی لطیفہ نفس کے بیان پر مشتمل ہوگا۔ اس کو خوب سمجھ لے اور فکر اور کشف اور رویت بصریہ کی آنکھوں سے حجاب دُور کر دے۔ اے اللہ ہمیں اپنے انوار کی بصیرت سے دکھا سو تیرے ہی لئے حمد ہے اور تیرے رسول اور انکی آل اور صحابہ اور نائب پر اور برکت اور سلامتی نازل فرما۔

فائدہ جلیلہ:- معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر لطیفہ کے اسماء مخصوصہ شیوخ کے کلام سے ماخوذ ہیں۔ جب کہ ان پر ان اسماء اور لطائف کے درمیان مناسبتیں ظاہر ہوئیں جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ تو اسم تبارک کی مناسبت لطیفہ نفسیہ سے ہے اور اسم اللہ کی جو صفات کمال کا جامع ہے لطیفہ قلبیہ سے مناسبت ہے۔ اور اسم قدوس کی لطیفہ روحیہ سے وعلیٰ ہذا القیاس اور مجھ پر اس وقت یہ کشف ہوا ہے کہ طالب کے لئے ضروری ہے کہ لطیفہ کا مراقبہ اسماء میں سے کسی خاص اسم کی تعیین کے بغیر کرے۔ یہانتک کہ اس پر دروازہ کھل جائے تو اس وقت اس حالت میں اس پر تمام اسماء کا ظہور ہوگا۔ پھر اسی کا اختیار کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر بندے سے مختلف معاملہ ہے کہ اس کا وہ معاملہ دوسرے سے نہیں ہے۔ اور یہ حالتیں کسی اسم مخصوص کے بغیر کسی اسم کے لوازمات میں سے ہیں۔ سو اللہ ہی اپنے بندے کے حال کو خوب جانتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ بعض شیوخ جب کسی مرید کو تلقین کرنے کا ارادہ کرتے تو اس پر خدا تعالیٰ کے ننانوے نام پڑھتے پھر جس اسم کی تاثیر اس پر ظاہر ہوتی۔ اسی کے ورد کا دوامی اس کو حکم کرتے کہ صبح و شام یہی پڑھو۔ اور اسی کا مراقبہ کرو۔ اور مناسبت کا علم علم الٰہی کے سپرد ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ اپنے کاملین اولیاء پر ظاہر فرما دیتا ہے۔ خواہ الہام سے خواہ ارشاد سے۔

ایک اور فائدہ:- جان لینا چاہیئے۔ کہ میں پہلے بھی کئی دفعہ صریحاً اور التزاماً ذکر اور محبت اور اس کے انوار کے مراقبہ کو کلمات شریفہ کے تحت بیان کر چکا ہوں۔ لیکن چونکہ اب کلام لطائف اور ان کے اذکار تک پہنچ چکا ہے میں مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ مختصر طور پر اس طریقہ کو بیان کر دوں جو میرے ذہن پر شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کے فیض سے وارد ہوا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ سب سے پہلا عضو جس کی بہ حیثیت انوار ظاہر سے بھی نسبت ہے۔ اور دل کو غفلت کی نیند سے جگانے کے اعتبار سے باطن سے بھی نسبت ہے۔ وہ زبان ہے۔ اگر وہ خیر پر جاری ہو تو گمراہوں کی گردنیں کاٹنے والی تلوار ہے اور اگر برائی پر جاری ہو۔ تو افسوس وہ ابلیس پر مشتمل ہے پہلے اس کو صاف کرنا لازمی ہے۔ کہ اس کو گالی گلوچ اور غیبت اور تہمت وغیرہ سے محفوظ رکھے اور غیر ضروری باتیں نہ کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے معاذ اپنی زبان کو روک" اور ایک روایت میں ہے۔ کہ آپ نے اپنی زبان کو اپنے ہاتھ پکڑ کر فرمایا "اس کو روک" اور ایک روایت میں ہے جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ جب ابن آدم صبح کرتا ہے تو تمام اعضاء زبان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ اگر تو نے اچھی بات کہی تو ہم نے بھی خیر سے رہیں گے۔ اور اگر تو نے بری بات کی تو برائی ہماری طرف بھی آئے گی۔ تو یہ باتیں کرنے والی زبان کی مثال اس چور کی سی ہے جو چوری کرے۔ اور جب امیر اس کو پکڑنے کا ارادہ کرے تو وہ بستی میں چھپ جائے۔ پھر اس کے رہنے والے پکڑے جائیں۔ اور ان کو مار پیٹ ہو۔ اور چور چھپ جانے کی وجہ سے محفوظ رہے اور جب زبان پر اچھی باتیں جاری ہوں۔ اس کی مثال ایک صوفی یا عالم دین کی سی ہے کہ وہ نیک کام کر کے چلے جاتے ہیں اور ان کی بھلائی کے آثار ان کی جگہ میں باقی رہ جاتے ہیں۔ جیسے کہ خضر علیہ السلام جب کہ دیوار گرنے کی طرف مائل ہوئی۔ تو اس کی مرمت کر دی۔ کہ اس کے نیچے دو یتیم بچوں کا خزانہ تھا۔ خضر علیہ السلام تو چلے گئے۔ اور آپ کی بھلائی کا اثر باقی رہ گیا۔ یہاں تک کہ وہ یتیم اپنا مال حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے خلاصہ کلام یہ کہ بھلائی اور برائی کا دارومدار ابن آدم پر اکثر زبان ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ پس یہ زبان تمام امور کی بنیاد ہے الخ

اچھی ہے تو سب اچھے ہیں۔ اور اگر یہ بری ہے تو سب برے ہیں۔ اور اس بندے پر اس باب میں جو کچھ وارد ہوا ہے وہ بہت لمبا ہے اس کی تفصیل کو میں سینوں میں ودیعت رکھتا ہوں۔ اور میں کہتا ہوں۔ کہ جب نقصان دہ کلام سے زبان پاک ہو گئی۔ تو ضروری ہے کہ اب اس کو ان اذکار سے معاف اور روشن کرنے میں مشغول ہو جائے جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ثابت ہیں مثلاً قرآن مجید یا تسبیحات و تقدیسات وغیرہ اور ان میں سے سب سے پہلے اور افضل لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ کیونکہ یہ وہی کلمہ ہے جو ایک ہی مرتبہ میں سالہا سال کا کفر دور کر دیتا ہے برائیاں ختم کر دیتا ہے۔ نیکیوں کو اپنی طرف جذب کرتا ہے جیسا کہ منقولات میں اس کے فضائل مذکور ہیں۔ پس سالک کے لئے ضروری ہے کہ پہلے نفی لا الٰہ اور اثبات یعنی الا اللہ میں مشغول ہو۔ جب نفی کے متعلق بولے تو اللہ تعالیٰ کے سوا ہر معبود، مقصود، مشہود، موجود کی نفی کرے۔ اور یہ صفات یقین اور اثبات کے طریقہ پر خدا تعالیٰ کے لئے ثابت کرے اور چاہئیے کہ اس کا طریقہ کسی مرشد کامل اور شیخ جو مطابقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر و باطن میں متصف ہے سے اکمل حاصل کرے اور جو دنیا کے ساتھ دلی تعلق سے فارغ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جانب سے ارشاد و راہنمائی پر مامور ہو۔ اور ایسے لوگوں سے ارشاد حاصل نہ کرے۔ جنہوں نے تصوف کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے یا ایسی کلام سے ارشاد کرتے ہیں۔ جس کو انہوں نے کتابوں سے چرا لیا ہے یا زبانوں پر جاری کر لیا ہے۔ تاکہ وہ اللہ کے ساتھ بہت بڑا مکر کریں۔ یہ لوگ عنقریب جان لیں گے کہ جہنم اور آگ کے کیسے شعلوں میں داخل ہوتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کلام کو ان کے خلاف حجت بنائے گا۔ یہ ان کے لئے حجت نہیں ہو گی۔ یہ لوگ اگر ایسا عقیدہ نہیں رکھتے تو عقیدے کے منافق ہیں۔ اور اگر عمل نہیں کرتے تو عملی منافق ہیں۔

اور جذبات کے دعویٰ کے ساتھ طنبورے اور دف کا سماع کرنا۔ سو ان لوگوں نے برائی تک پہنچنے کا ان چیزوں کو وسیلہ بنا رکھا ہے۔ یہ لوگ ڈاکو اور رہزن ہیں۔ یہ لوگ بھری مجلسوں میں برائی کرتے ہیں۔ اور اللہ کی شریعت سے مذاق کرتے ہیں۔ اللہ ان کو اس مذاق کی سزا دیگا۔ اور ان کو ان کی سرکشی میں حیران و پریشان بڑھاتا چلا جائے گا۔ اللہ ہمیں ایسے لوگوں کی صحبت سے بچائے ہاں اگر ارشاد یا کسی طریقہ سے ان کو منع کرنے کے لئے جانا پڑے۔ کہ شاید اللہ ان کو لگا ڑ کے بعد درست کر دے تو اور بات ہے تو شیخ اکمل سے اخذ کرنے کے بعد امن اور حضور اور سکون سے ذکر میں مشغول ہو جانا ضروری ہے۔ یہاں تک کہ ذاکر اور ذکر مذکور سے واصل ہو جائیں۔ اور زبان سے گزر کر جسم تک عبور حاصل ہو جائے۔ پھر ذکر باطنی دروازہ میں داخل ہو جائے گا۔ یعنی نفس میں آخری لطائف تک اور اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اور اس کی طرف بعض اہل کمال نے ایک اور طریقہ سے اشارہ فرمایا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وصال طریقت صراط مستقیم کی متابعت ہے جس کے ساتھ اللہ کا ذکر جہراً خفیہ سراً وعلانیۃً حضور کلی اور امن تام بضرب شدید اور طاقتور آواز کے ساتھ ہمیشہ ہو گویا کہ دل کے چہرے پر ضرب لگاتا ہے یا کسی اور لطیفہ پر جس کے ذکر کا ارادہ ہو تو اللہ تعالیٰ کا دائمی ذکر طالبین پر فرض ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔" اللہ تعالےٰ کو کھڑے بیٹھے اور اپنی کروٹوں لیٹے ہوئے یاد کرو۔" اور یہ دوام زبان سے غیر ممکن ہے۔ کیونکہ معاش کے ضروری امور بھی زبان کے محتاج ہیں۔ اور ان کا مطلقاً بند کر دینا بھی مشکل ہے۔ تو زبان کے ذکر کے دوام سے مراد غالب اور اکثر اوقات ہیں۔ جب زبانی ذکر پورا ہو جائے تو چاہئیے کہ ذکر نفس کی طرف رجوع کرے پھر دل کے ذکر کی طرف پھر روح کے ذکر کی طرف پھر سِر کی طرف بھی پھر خفی کے ذکر کی طرف پھر اخفیٰ کے ذکر کی طرف پس زبان کا ذکر دوسرے لطائف کے ذکر کی دلیل اور مرشد ہے۔ پس نفس کا ذکر حس غیر مسموع سے اور باطن میں حرکت ہے اس کے ذکر کا مطلب صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو قبول

کیے۔ اور ان کی اطاعت کرے۔ اور دل کا ذکر اللہ تعالیٰ معرفت میں ملاحظہ قلبی سے عبارت ہے اور روح کا ذکر انوار تجلیات صفات کا مشاہدہ ہے۔ اور سر کا ذکر اسرار الالٰہیہ میں مکاشفہ اور مراقبہ ہے۔ اور ذکر خفی ملیک مقتدر کی بارگاہ صدق میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے جمال کا معائنہ ہے۔ اور ذکر اخفیٰ عالم حقیقت میں حق الیقین کی حقیقت ہے۔ اور وہ اس کے سوا علم حقیقی سے زیادہ صحیح ہے اور میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ لطائف کے اذکار ثابت ہیں۔ ایک مجاہد اور صاف دل طالب ان کو اکثر سنتا ہے لطائف مقررہ کے اذکار سے اس کامل کی مراد یہ ہے۔ کہ وہ ابتدائی ذکر کے بعد ذکر وصولی ہے اور ہم انشاء اللہ تعالیٰ شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کی مدد سے اس کو بیان کریں گے:

ایقاظ و وعظ:- اے مرید جو محبوب کے شہر کی طرف پہنچنے کی اُمید رکھتا ہے۔ تیرے لئے ضروری ہے کہ اس شہر تک مشقت نفس کے بغیر نہیں پہنچا جا سکتا۔ سو تیرے لئے سواری کا ہونا بھی لازمی ہے اور زاد راہ کا بھی تاکہ تو مقصود کا اہتمام کر سکے اور راستہ خوفناک ہے اور اس کے ارد گرد ہر طرف وادیاں ہیں۔ جن کے کنارے نظر نہیں آتے۔ جو اس بھلائی کی راہ پر چلنا چاہے اسے اللہ ہی پر توکل رکھنا چاہیئے میرے بیان کا نمونہ اس سے پہلے صریحاً و استلزاماً ہم بیان کر چکے ہیں۔ اب میں تجھ کو ایک نیا فائدہ عطا کرتا ہوں۔ اور اس بیان کا ایک مقدمہ ہے جس کا میرے پہلے ہونا لازمی ہے۔ یہ جان لینا چاہیئے۔ کہ انسان ہی جمیع صفات الالٰہیہ اور اسماء قدسیہ کی ایک جامع حقیقت ہے اور یہی وہ تقویم ہے جس کی وجہ سے انسان کی قسم اٹھائی گئی ہے یہی وہ انسان ہے جو احسن تقویم میں پیدا کیا گیا ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ تمام کمالات صفاتیہ اور اسمائیہ کا مظہر ہے۔ لیکن جب یہ حقیقت مٹی کے جسم پر سوار ہوئی۔ اور خواہشات اور انانیت جو کہ کھانے پینے کی شہوات اور لذائذ اور محبت جاہ و ریاست و مدح و ذم سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ آکر شامل ہو گئی۔ تو یہ اس موتی کی طرح ہو گئی۔ جو صدف (سیپ) کی ہڈیوں میں بند ہو یا اس ہیرے کی طرح جو سخت پتھروں کے پیٹ میں گم شدہ ہو۔ تو لازمی طور پر یہ اسفل السافلین کی طرف لوٹ گیا۔ ہاں وہ لوگ جو مرشدین کی حبل المتین سے توسل کرکے مکاشفہ کی گہرائیوں میں غوطہ زن ہو گئے۔ تو انہوں نے وہ پردے چاک کر دیئے۔ جو حقیقت کی راہ میں روک تھے۔ اور انہوں نے درمیان سے بدن کی سیپ کے چھلکے دور کر کے موتی نکال لئے۔ اور عین کشف سے مشاہدہ کیا اور کہا۔ اللہ کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ انہوں نے سچی محبت کی آگ روشن کی۔ اور ان پتھروں پر پھینک دی جب دلوں پر چڑھ جانے والی اللہ کی آگ روشن ہوئی تو پتھر غبار کی طرح اڑ گئے اور زمین اپنے رب کے نور سے روشن ہو گئی تو انہوں نے دیکھا۔ کہ وہ جس طرف بھی منہ کرتے ہیں اسی طرف اللہ تعالیٰ کی روشن ذات اور سراج منیر موجود ہے۔ اور وہ کہنے لگے ہم اپنے اللہ کی طرف پھرنے والے ہیں۔ اور اس غوطہ زنی اور آگ روشن کرنے کا ابتدائی طریق یہ ہے۔ کہ شریعت محمدیہ جسے تقویٰ کہا جاتا ہے۔ پوری تابعداری کی جائے۔ سو تم خرچ لے لو۔ بہترین خرچ پرہیزگاری ہے یہی حبل متین اور نور مبین ہے۔ اور یہ اس ایمان سے حاصل کیا گیا ہے جو تقلید صحیح یا صحیح استدلال جس میں کوئی تردد اور شک و شبہ نہ ہو۔ یہ ترتیب ہوتا ہے لیکن سننا کبھی دیکھنے کی طرح تو نہیں ہو سکتا۔ تو انہوں نے اس معائنہ کے لئے شریعت کے اسلام کے بعد ایک سیڑھی رکھی ہے اور اس سیدھی ملت کی منزل کے علاوہ ایک منزل اور بنائی ہے۔ اور شرط رکھی ہے کہ پہلی منزل اور ابتدائی سیڑھی کی حفاظت کی جائے۔ کیونکہ وہی دروازہ ہے۔ اور اس سے درستی نصیب ہو سکتی ہے ورنہ سفر اور وصول کا معاملہ پلٹ ہو جائے گا چونکہ

Scanned by CamScanner

بہ خطرناک ہے۔ لہٰذا شریعت کی افواج یعنی جوارح کے اعمال نماز، روزہ وغیرہ [illegible]
کی حفاظت میں مدد و معاون ہوں۔ جہاں تک امداد محمدی علی صاحبہا الصلوات [illegible]
کی روایت ہر منزل میں لازمی ہے تو اس کے بعد سالک سیر اور سفر میں قدم رکھے گا۔ اور قدم قدم پر ترقی کرتا جائے [illegible]
اپنے مقصود شہر تک پہنچ جائے۔ پس سفر کی پہلی منزل نفس اور اس کی [illegible]
از قسم مباح اور حرام چیزوں کی لذتوں کے ظلمات کے عکس سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس کے [illegible]
جہد اور محاسبہ اور تخلیف کا عمل شروع کرے اور کہے اے نفس اللہ تعالیٰ تمہارا [illegible]
غالب ہے۔ اس نے تجھے اس لئے پیدا کیا۔ کہ تو اس پر ایمان لائے۔ اور اس سے واصل ہو [illegible]
اور تجارت میں خوف زدہ ہو چکا ہے اور اس وقت اس کی امداد شریعت کے صالح اعمال سے ہو گی [illegible]
کو جلاتا ہے۔ اور نفس کو اس میں ڈالتا ہے یہاں تک کہ وہ گرم لوہے کی طرح ہو جائے پھر اس پر اسماء الٰہیہ کی [illegible]
یعنی نفی و اثبات اور اسماء و صفات کی ضرب تو پھر وہ اپنے اس مقام میں صاف و پاکیزہ ہو جائے گا۔ پھر اس کے علوم ان [illegible]
کی طرح ہو جائیں گے جو بچوں کی تربیت کرتے ہیں پھر نفس ایسے علوم کا مالک ہو گا۔ جن میں اللہ تعالیٰ کے اوامر کی اطاعت اور نواہی
سے رکنا لازمی ہو گا۔ پھر جب نفس مطیع ہو جائے گا۔ تو سالک کے اختیار میں ہو جائے گا۔ اس وقت اس کی حیثیت اس ولی کی ہو گی
جو توبہ کر چکا ہو۔ اور اگرچہ وہ تائب ہو چکا ہے۔ لیکن پھر بھی اس سے مطمئن نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جنگل کے بھیڑیوں کو پالنے اور
بہت سی زنجیروں میں جکڑ بھی دیا جائے۔ تو پھر بھی اسے وہ جنگل اکثر یاد آتا رہتا ہے۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم
دیا ہے کہ جب کوئی گناہ سے توبہ کرے تو ضروری ہے کہ اس گناہ کو بھول جائے۔ اور اسے کبھی یاد نہ کرے۔ کیونکہ انسان میں طبیعت
کے تقاضے اور وجود ناسوتی کی وجہ سے غالب جہت سفلی ہی ہے۔ مختصر یہ کہ اس اطاعت کے باوجود نفس سے مطمئن ہو جانا سالکین
کے شیوہ کے خلاف ہے۔ لازمی ہے کہ اس کو پکڑیں۔ اور دل کی منزل کی طرف لے چلیں تو نفس کے علوم تو اسی جنس سے ہیں جو ہم
نے ذکر کیا۔ اور اس کا وصول خدا تعالیٰ کی قہری صفت کی جہت سے ہے پس نفس اسم قہار سے واصل ہوتا ہے اور اس کا ذات
کے ساتھ وصول اسی صفت کی حیثیت سے ہے۔ جیسے کہ قالب کا وصول اللہ تعالیٰ کی معبودیت کی حیثیت سے ہے۔ اور چونکہ ان
دونوں صفتوں میں حجاب ہے۔ تو ضروری ہے کہ دل کی طرف ترقی کی جائے۔ پس سالک جب دل کی منزل میں سیر کرتا ہے تو اللہ
تعالیٰ کو تمام صفات کاملہ سے پہچان لیتا ہے اور حقیقت جامعہ اس کے لئے منکشف ہو جاتی ہے۔ وہ ہر ایک اسم کے ساتھ سمندر
میں تیرنے والا ہے۔ اور غیر متناہی جنگلوں میں سیر کرتا ہے۔ وہ جس طرف بھی منہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفت کو ہی
محو پاتا ہے۔ پھر کبھی وہ کسی اسم کو پاتا ہے۔ پھر ترقی کرتا ہے۔ پھر اسم کی حقیقت معلوم کرتا ہے اور وہ اس کی صفت ہے اور
یہ ایک سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔ جب اس کو اجمالی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ تو سالک کہتا ہے "ہم نے تجھے
نہیں پہچانا جیسے پہچاننے کا حق تھا"۔ یعنی اپنی استعداد کے مطابق تیری معرفت ہم سے ہمارا حق اسی قدر ہے اور پھر جب
اس کی نگاہ صفات و کمالات کے سمندر پر پڑتی ہے۔ تو کہتا ہے "ہم نے تجھے جیسے پہچاننے کا حق تھا۔ نہیں پہچانا"۔ کیونکہ اس
بہت بڑے معاملہ کا احاطہ کسی انسان کی طاقت میں نہیں ہے تو دل کے علوم اجمالاً عرفان کی جنس سے ہیں اور تفصیلاً عجز کا ادراک

Scanned by CamScanner

ہے۔ اور یہ بھی اس کشتی کے بیٹھنے والے کی طرح ڈگمگاتا رہتا ہے جو بحرِ ذخار کی موجوں میں گرفتار ہو اور دل کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ وصول اسی اضطرابی جہت کی حیثیت سے ہے۔ تو لازمی ہے کہ یہ اس کی طرف رجوع کرے جو اس سے بلند مرتبہ ہو۔ اور وہ روح ہے تو اس پر اس مطلوب کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔ تو روح دل سے کہتا ہے اے بے چین دل! کمالاتِ الٰہیہ اور صفاتِ قدسیہ کی تو کوئی انتہا نہیں ہے۔ تو ان انوار کی طرف رجوع کر جو تجھے صاحبِ کمالات اور صفات تک راہ نمائی فرمائیں۔ تو روح دل کی اس مقام تک راہ نمائی کرتا ہے۔ جو دل کے مقام سے بلند تر ہے۔ روح چونکہ خدا تعالیٰ کا امر ہے لہٰذا وہ دل کو رب تک لے جاتی ہے ۔

پھر جب روح کی منزل میں پہنچ جائے تو اس منزل میں سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسماء و صفات کے ملاحظے سے فارغ ہو جائے اور اپنے رب کے مشاہدہ میں مشغول ہو۔ پھر صفات و اسماء ایک واسطہ کی طرح رہ جاتے ہیں جیسے کہ آنکھوں پر عینک لگائی جاتی ہے اور اب ملحوظ و مشاہد اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس سے پہلے ملحوظ اور مشاہد اسماء و صفات تھے۔ اور اس منزل میں دل مشہود و ملحوظ ہوتا ہے لیکن چونکہ روح مشاہدات اور ان کے انوار سے منور ہونے کا عادی ہو چکا ہوتا ہے تو یہی اس کا کمال اس کا اس طرح حجاب بن جاتا ہے کہ اسے اپنے محجوب ہونے کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ بلکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انوارِ صفاتیہ کے حصول اور ذاتی شعاعوں کے انعکاس کی وجہ سے ہی کہ رب خیال کر لیتا ہے۔ اور وہ جرأت کر کے کہہ اٹھتا ہے انا الحق۔ یہی وجہ تھی کہ بایزید بسطامی تیس سال تک خدا سمجھ کر روح کی پوجا کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ روح اس شیشے کی طرح ہے جس میں چراغ جل رہا ہو۔ اور شیشہ ہر لحاظ سے سفید اور روشن ہو۔ تو جس کی نگاہ تیز نہیں ہے وہ اس شیشہ کو چراغ سمجھنے لگ جاتا ہے اور اسی طرح وہ سالک ہوتا ہے جو ابھی منزل تک نہیں پہنچا اور اس کی آنکھوں پر بھی کچھ غبار سا ہوتا ہے۔ تو وہ روح کو رب سمجھنے لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے اور اس غلطی پر مواخذہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ انسان اس میں عاجز ہوتا ہے اور یہ آیت اس طرف اشارہ کر رہی ہے۔ فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید "ہم نے تجھ سے تیرا پردہ دور کر دیا۔ سو آج تیری نگاہ تیز ہے" پس روح کے علوم انواریہ ہیں جب کہ پہلے کے علوم اکثر استدلالیہ تھے۔ اگرچہ انکو بھی پوشیدگی کے بعد تجلیات ہوتی رہتی ہیں اور روح کا وصول انہی انوار کی حیثیت سے ہے اور یہ بھی حجاب ہے اس سے اسکا بھی لازمی ہے۔ اور آخری منزل تک پہنچنا ضروری ہے اور وہ سر ہے جو کلی طور پر وجود کے اضمحلال سے عبارت ہے۔ اب کمال اور اور ان کے آسمان اس طرح لپیٹ دیئے گئے جیسے عرائض نویس دستاویز کو لپیٹ دیتا ہے۔ اور زمین کے زلزلے ختم ہوئے اور اس کے بوجھ گئے۔ اور بادشاہ آ گیا۔ اور ملوکیت ختم ہو گئی۔ اور عالم کے پہاڑ دھنکی ہوئی اون کے گالے بن گئے۔ اب سالک اپنے بھائی یعنی لذات اور اپنے باپ یعنی ارشاد اور اپنی بیوی یعنی ارادہ اور اپنے بیٹے یعنی کمالات کے زعم سے بھاگنے لگا۔ خلاصہ کلام یہ کہ اللہ کے سوا کچھ نہ رہ گیا۔ اور دین سارا اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ہو گیا۔ اور رب عظیم برہانہ کا میثاق پورا ہو گیا۔ پہلے وصولات جزئیہ تھے اور وصول کلی ہے اور شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کے قول کا یہی معنی ہے۔ کہ "تیسرا دل کی سیر ہے۔ اور وصول اسرار کا وصول ہے۔" یعنی پہلے امور یعنی لطائف سابقہ وہ سائرہ تھے اور ان کا وصول جزئی تھا اور اسرار واصلہ ہیں اور ان کی طرف وصول کلی ہے۔ تمام تعریفیں اللہ کو ہیں جس نے ہمیں اس کی راہ نمائی فرمائی۔ اور اگر اللہ ہمیں راہ نمائی نہ فرماتا۔ تو ہم کبھی ہدایت نہ پا سکتے۔ اے ہمارے رب ہم پر حقائق کھول دے اور دقائق پر ہمیں مطلع کر دے۔

تفریح منیع:۔ جب تو نے ہمارے مذکورہ بیان کو اچھی طرح سمجھ لیا۔ تو گویا کہ اب تو سیر کی ایک اور طریقے تفصیل سے

تو اب میں تجھ کو اشارہ کرنے کے بعد صاف صاف بتلاتا ہوں۔ اب جاننا چاہئے۔ کہ سیر یا الی اللہ ہے یا فی اللہ ہے یا معی اللہ
یا باللہ ہے یا مع اللہ ہے۔ ان میں سے بعض بعض کے مترادف معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں اعتبار کا فرق ہے۔ ضروری ہے کہ ہر ایک
کی طرف اشارہ کیا جائے۔ تاکہ حال منکشف ہو جائے۔ اور قیل و قال کی بحث ختم ہو جائے۔ تو میں کہتا ہوں کہ سیر باللہ کا معنی یہ ہے کہ سالک
کے معاملہ میں ضروری ہے کہ اپنی قوت سے الگ ہو جائے۔ اور سمجھے کہ گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت اللہ ہی سے ہے تو نتیجہ عمل
جو بھی کرے گا یا اترے گا اسے توفیق ہو گی یا کچھ حاصل کرے گا۔ تو وہ اللہ ہی کی طرف ہو گا۔ توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہو گی اور میری
توفیق اللہ ہی سے ہے اور یہ اس سے عبارت ہے کہ کسب کی نسبت تو وہ اپنے نفس کی طرف کرے گا۔ اور فعل پر قوت و غلبہ کی نسبت اللہ
تعالیٰ کی طرف اور یہی مذہب حق ہے اگر آپ یہ سوال کریں کہ ظاہری عقیدہ بھی تو یہی ہے پھر اس طریقت میں کونسی ترقی ہوئی؟ حالانکہ یہ
عقیدہ ہے تو میں کہوں گا واقعی بات اس طرح ہے لیکن اس اعتبار سے فرق ثابت ہے کہ مومن عالم اس نسبت کسبی کو اپنے نفس کی طرف سمجھتا
ہے اور اقتداری کو اللہ تعالیٰ کی طرف، لیکن یہ دلی عقیدہ کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ اور اس عقیدہ کا حضور سوائے کسی وقت کے
نہیں ہوتا۔ اور سالک مومن کو یہ حضور دائمی ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اس واقع اور مراقبے میں رہتا ہے مگر جب اللہ تعالیٰ کسی مصلحت کی وجہ سے اس
کے فعل پر قبض وارد کر دیں اور اللہ تعالیٰ قبض کرتے ہیں اور فراخی کرتے ہیں۔ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ پھر بھی حاشا قوت
ہے کہ سالک سے یہ سیر کسی وقت بھی تمام سیر میں کبھی منقطع نہیں ہوتی۔

اور سیر الی اللہ یہ سالک کے اپنے نفس اور تمام خلقت سے فنا ہو جانے کا نام ہے۔ کہ وہ کسی سے امید نہیں رکھتا اور وہ کسی سے
ڈرتا ہے اور اس کا بیان فتوح الغیب کی عبارت میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کرتے ہوئے گزر چکا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ
فرماتے ہیں) میرا مومن بندہ نوافل سے ہمیشہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں اور جب میں اس کو محبوب
بنا لیتا ہوں۔ تو اس کے وہ کان بن جاتا ہوں۔ جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں۔ جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے
ہاتھ جن سے وہ پکڑتا ہے۔ اور اس کے پاؤں جن سے وہ چلتا ہے۔" اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ اور خواجہ نے اس مقام میں
فرمایا ہے یہ فنا کی حالت ہے۔ فنا ہی آخری آرزو ہے۔ یہی مقصود ہے یہی منتہا ہے اور یہی آخری حد ہے جہاں اولیاء کی سیر ختم ہو جاتی ہے
جب سالک اس مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ تو وہ کمال کے زیور سے آراستہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر وہ بقا کے زیور سے آراستہ ہو جاتا ہے۔
اور سیر فی اللہ رذی اخلاق کو تبدیل کرنے اور شریعت کے فضائل سے آراستہ ہونے سے شروع ہوتی ہے پھر سالک سے جو
چیز فوت ہو جاتی ہے۔ اس کی جگہ دوسری چیز آ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وجود بشری کے لوازمات سے پوری فنا ہو جاتی ہے اور پھر
تزکیہ اور تصفیہ ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ذات تک اللہ تعالیٰ ہی کے ارادے سے ارادہ کرتا ہے۔ اس کا نام استقامت ہے
جس کو جیسے اولیاء اللہ علیہم الرضوان مانگتے ہیں اور مانگتے چلے آئے ہیں۔ اور یہ سیر نفس، قلب اور روح کے اعتبار سے منقسم
ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا۔ اور آئندہ بھی کریں گے۔ اور اسی میں شہود اور وجود ہے اور اسی میں سیر آفاقی و انفسی ہے۔

فائدہ :- وہ سالک جو جلد مقصود تک پہنچنا چاہتا ہو۔ اس کے لئے نہایت ضروری ہے کہ سیر آفاقی میں مشغول نہ ہو
بلکہ فوراً اس سے گزر جائے۔ کیونکہ وہ ایک لمبا راستہ ہے۔ اگر سالک اس کو پورا کرنے میں مشغول ہو جائے گا۔ تو ہو سکے
کہ مقصود تک نہ پہنچے کیونکہ اس کی جانبات میں اکثر لوگوں کی عمریں ختم ہو گئیں ہیں۔ لہذا اس کو مجمل طور پر حاصل کرے۔ پھر سیر انفسی میں مشغول

ہو جانے۔ اور اس کی پوشیدہ چیزیں بھی غیر متناہی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ سیر وجودی ہے۔ یہ سالک کے اجمالی علم یا تفصیلی اجمال کے لئے جلدی ختم ہو جاتی ہے۔ البتہ اس کو پوری طرح حاصل کرنا ناممکن ہے۔ کیونکہ اگر تم اللہ تعالےٰ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو۔ تو نہ کر سکو۔ اور یہ چیز معلوم کراتی ہے۔ کہ انسان عالم کبیر ہے۔ اور اس کے علاوہ دوسرا عالم صغیر ہے۔ اے اللہ ہمیں حقائق کے اشیاء اسی طرح دکھا جیسے وہ اصل میں ہیں۔

فائدہ:- استقامت پانچ قسم کی ہے۔ استقامت زبان[1] کی ذکر پر، استقامت نفس[2] کی اطاعت اور حیا پر۔ استقامت دل[3] کی خوف اور رجاء پر۔ استقامت[4] روح کی صدق اور صفا پر۔ استقامت[5] سِر کی تعظیم اور وزن پر۔ اور اجمالی طور پر ان کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے "جیسے تجھے حکم دیا گیا ہے استقامت اختیار کر" جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے سورۃ ہود نے بوڑھا کر دیا" سوال کیا گیا۔ کہ اس سورۃ کی کونسی آیت نے آپ کو بوڑھا کر دیا۔ تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے اس قول نے کہ فاستقم کما امرت۔ ترجمہ "جیسے تجھے حکم دیا گیا ہے استقامت اختیار کر" جاننا چاہیئے۔ کہ استقامت شریعت میں اور استقامت خاص طریقت میں۔ اور استقامت خاص الخاص حقیقت میں ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں۔ جبروت کے انوار کا ظاہر خاص الخاص کی استقامت ہے۔ اور امور ستر اسی کا باطن ہے۔ اور اس میں کئی ایک درجے ہیں۔ پہلے گزرے ہوئے مضمون پر غور کرو۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

اور سیر فی اللہ۔ یہ سالک کے ہر طرح سے باقی ہو جانے کا نام ہے۔ اس آیت کے مطابق کہ ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام (ترجمہ) تیرے رب جو کہ بزرگی اور بخشش والا ہے۔ اس کی ذات باقی رہ جائے گی" اور اس قدر حاصل ہونا اس منزل کا ابتدائی قدم ہے۔ اور یہ غیر متناہی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے۔ کہ کل یوم ھو فی شان ط۔ ترجمہ "وہ ہر روز کسی نہ کسی حالت میں ہے" اور "جس کے دو دن برابر ہوں وہ خسارے میں ہے" پھر سالک بقائی تربیت حاصل کرتا ہے۔ اس کی کوئی انتہا نہیں ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے کمالات کی سیر ہے۔ اور اس کی تجلیات کی حیثیت سے ہر ایک میں کمال ہے اور چونکہ اس کی تجلیات اور کمالات غیر متناہی ہیں۔ لہٰذا سیر بھی نامتناہی ہوگی۔ اور یہی معنی ہے اس قول کا جو بعض نے کہا۔ کہ "میں ایک ایسے دریا پر پہنچا۔ کہ محمد علیہ السلام نے اس کا کنارہ نہیں دیکھا" یعنی اس کی دوسری طرف کا کنارہ نہیں دیکھا ہے۔ کیونکہ یہ کمالات الٰہیہ کا دریا ہے۔ جس کی کوئی حد نہیں ہے۔ "میں تیری تعریف کا حقہ بیان نہیں کر سکتا" اور "میرا جسم فراق سے پگھل گیا" اور "ہم نے جیسے تجھے پہچاننے کا حق تھا نہیں پہچانا" یہ تمام اس سیر کی طرف اشارے ہیں۔ پاک ہے وہ کہ نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے" اور اگر سالک اس سیر میں دن بدن ترقی حاصل کرتا جاتا ہے۔ اور کبھی اس پر قبض و بسط بھی واقع ہوتا ہے۔ اور وہ قبض کی حالت میں اس طرح روتا ہے۔ جیسے بچھڑے ہوئے روتے ہیں۔ حالانکہ وہ کمال درجہ کا واصل ہوتا ہے۔ اور واصلین کا رونا کاملین کا غمناک ہونا اسی قبیل سے ہوتا ہے اور جب اس پر بسط ظاہر ہوتا ہے تو وہ خوش ہو جاتا ہے۔ اور تبسم کرتا ہے۔ اور وہ ان لوگوں میں سے ہو جاتا ہے۔ جن پر اللہ تعالیٰ ہنستے ہوئے تجلی فرماتے ہیں۔ اس کے لئے ایسی جنت ہوتی ہے۔ جس میں نہ حوریں ہیں نہ محل بلکہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جاتا ہے۔ جن پر نہ خوف ہے اور نہ غم۔ الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون ط "خبردار اللہ تعالیٰ کے دوست نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے"۔

پھر یہ جاننا بھی ضروری ہے۔ کہ سالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اس سیر کے باوجود تکمیل میں مشغول ہوتا ہے یا نہیں؟ اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ اگر اس کی سیر اس طرح پر ہو کہ اس کا منہ مخلوق سے پورے طور پر اٹھ گیا ہو۔ بلکہ اللہ تعالےٰ کی ذات ہی اس کی زندگی بن گئی ہو۔ خواہ اپنی استعداد کے مطابق خواہ اپنی مغلوبیت کی وجہ سے تو وہ تکمیل (دوسروں کو کامل بنانا یا راہ دکھانا) میں مشغول نہیں ہوتا۔ کیونکہ تکمیل مخلوق کی طرف توجہ کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔ اگرچہ یہ رجوع بھی محض بھلائی دکھلانے کے لئے ہے پھر بھی وہ اس کو عین سمجھتا ہے اور اسی قبیل سے وہ واقعہ ہے جو بیان کیا جاتا ہے کہ دریائے دجلہ کے کنارے اولیاء اللہ میں سے کوئی آدمی دعا مانگ رہا تھا۔ "اے اللہ مجھے جنید (قدس سرہ) کی طرح نہ بنا دینا" تو حضرت جنید نے یہ بات سن لی۔ اور اس سے پوچھا "جنید میں آپ نے کیا برائی دیکھی ہے کہ اس کو برا سمجھ رہے ہو؟" اس نے کہا "وہ مخلوق میں مشغول ہو گیا ہے۔" حالانکہ آپ کا شغل محض راہ نمائی کے لئے تھا۔ اور اگر ایسے کامل کو ارشاد کا حکم دیا جائے۔ جیسے کہ انبیاء اور خصوصًا ہمارے نبی علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ تو وہ اپنی قوت استعداد کی وجہ سے اس اصول سے رک نہیں جاتے۔ اور اس کے باوجود آپ ہر روز سو دفعہ استغفار کیا کرتے تھے۔ جب کہ آپ نے فرمایا۔ "میرے دل پر کچھ غبار سا آجاتا ہے۔ پھر میں ہر روز اللہ سے سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔" اور اس کا راز یا تو وہی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے توجہ ہٹ جاتی ہے اور یا پھر یہ وجہ ہے۔ کہ اہل ناسوت سے اختلاط کے باعث مرشد کے دل پر اندھیرے مسلط ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ کہتے ہیں۔ کہ شیخ جب مرید کی تربیت میں مشغول ہوتا ہے تو مرید کے دل کی ظلمتیں شیخ کے دل پر اپنا عکس ڈالتی ہیں۔ لیکن شیخ چونکہ اپنے نفس میں کامل ہوتا ہے ان کو پوری طرح سے دور کر دیتا ہے۔ اور اس کا اپنا دل بھی اور مرید کا دل بھی دونوں روشن ہو جاتے ہیں؛

اور اگر اس کی سیر کلی طور پر ہو چکی ہو۔ کہ اس کی سیر فی اللہ اور سیر من اللہ دونوں برابر اور مضبوط ہوں۔ تو وہ بہت طاقتور ہے اور امانت دار ہے جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور آپ کے نائب خصوصًا شیخ اجل کی ذات تو وہ بغیر کسی تکلف کے تکمیل میں مشغول ہوتے ہیں۔ برخلاف اول کے کہ اس کو تکمیل میں تکلف کرنا پڑتا ہے پس پہلا کمزور ہے۔ اور دوسرا طاقتور اور انہی دونوں سیروں کے متعلق شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب جلاء الخاطر میں اشارہ فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا "اے بیٹا! خلق کے بازار سے گزر جا۔ ایک دروازے سے داخل ہو اور دوسرے دروازے سے نکل جا۔ اپنے دل اور نیت سے ان کے درمیان سے الگ ہو جا۔ اور وحدانی پرندے کی طرح ہو جا۔ جو نہ کسی سے مانوس ہوتا ہے نہ اس سے کوئی انس کرتا ہے نہ وہ کسی کو دیکھتا ہے۔ نہ کوئی اس کو دیکھتا ہے اسی طرح اپنی زندگی گزار۔ یہاں تک کہ خدا کا نوشتہ پورا ہو جائے۔ پھر تیرا دل اللہ عز وجل سے قریب ہو جائے گا۔ تو قوم کے دلوں کو وہاں دیکھے گا۔ وہ تیرا استقبال کریں گے۔ تجھے سلامتی کی مبارک باد دیں گے۔ تیری پیشانی پر بوسے دیں گے۔ پھر دروازے کے اندر سے لطف کا ہاتھ باہر آئے گا۔ وہ تیرا استقبال کرے گا۔ اور تجھے اٹھائے گا۔ تجھے رزق دیا جائے گا۔ تجھ پر توجہ کی جائے گی۔ تجھے کھلایا پلایا جائے گا۔ خوشبو لگائی جائے گی۔ پھر تجھے باہر نکالیں گے۔ اور ایک کھلے دروازے پر تجھ کو مریدین اور طالبین کے انتظار میں بٹھا دیں گے۔ تو اس کا ہاتھ پکڑے گا۔ اور اس ہاتھ کے سپرد کر دیا جائے گا۔ جس نے تجھے آتے وقت تھام لیا تھا۔ جب تیرا یہ معاملہ درست ہو جائے۔ تو مخلوق کی طرف نکل۔ تو بیماروں میں طبیب کی طرح ہے دیوانوں میں عقل مند ہے۔ تو اولاد میں ایک مشفق باپ کی طرح ہے۔ اور اس عزت افزائی سے پہلے تو ان کے لئے منافق تھا۔ ان کا غلام تھا۔ ان کی اغراض کا تابع تھا۔ تو

خیال کرتا تھا۔ کہ تو ان کا علاج کر رہا ہے۔ حالانکہ تو بھی ان کی بیماری میں شریک تھا۔ تیرا ان کا علاج معالجہ کرنا تیرے لئے عذاب کا موجب تھا۔ کیونکہ تو علاج سے ناواقف تھا۔ اس صنعت سے بے خبر تھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے اللہ کی جہالت سے عبادت کی۔ وہ اصلاح سے زیادہ بگاڑ پیدا کیا" انتہیٰ۔

اس کلام جلیل اور لفظ جمیل کے معانی کا احاطہ کرنے کے بعد تجھ پر سیر الی اللہ اور باللہ اور فی اللہ اور من اللہ کے معنی ظاہر ہو گئے۔ بلکہ سیر فی اللہ اور سیر من اللہ کے معنی بھی ظاہر ہو گئے۔ کیونکہ سیر للہ اس سے عبارت ہے کہ سالک کی مراد اور اس کی غرض اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی طرف وصول ہو۔ اور وہ دل سے سب کچھ نکال دینے کے بعد ہی ہو سکتا ہے کہ اس کا مطلع نظر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہو۔ پس یہ سالک غیر سے منقطع ہے۔ بلکہ اس کی نگاہ اس قدر بلند ہو چکی ہے۔ کہ غیر اس کی نظروں سے اٹھ گئے ہیں اور اس کا تمام ملاحظہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہ ہر ایک منزل میں سائر للہ فی اللہ ہے۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ قیامت کے دن شیخ کامل سری سقطی قدس سرہ کو لایا جائے گا۔ اور فرشتوں کو حکم ہوگا۔ اس کو جنت میں لے جاؤ۔ وہ اس حکم کی تعمیل میں اس کو لے جانا چاہیں گے اور وہ اس سے رکیں گے۔ اور دیوانوں کی طرح ہو جائیں گے۔ اور جھگڑا کریں گے۔ اور کہیں گے۔ میں جنت کی طرف نہیں جاؤں گا۔ میں نے اللہ کی عبادت اس لئے کی تھی۔ جنت کے لئے نہیں کی تھی۔ اور یہ قصہ اپنی جگہ پر ہے۔ اسی طرح مجنوں کا قصہ بھی ہے۔ جب اس کے پاس اس کا باپ جاتا۔ اور اس کو کہا جاتا۔ کہ یہ تیرا باپ ہے۔ تو مجنوں کہتا "لیلیٰ" پھر جو کچھ بھی لوگ بولتے۔ وہ یہی جواب دیتا "لیلیٰ" اور شیخ کامل عطار کے اس قول کا بھی یہی معنی ہے ؎

کافر کو کفر اور دیندار کو دین مبارک ہو ✤ عطار کے دل کو تیرے درد کا ایک ذرہ چاہیئے

اور حافظ شیرازی کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے۔ اگر وہ شیرازی ترک اپنے ہاتھ میں ہمارے دل کو لے، تو میں اس کے سیاہ خال پر سمرقند اور بخارا کو قربان کر دوں۔ یعنی اگر وہ میرے دل پر جو اس کے وصول کا منتظر اور اس کے وصول کو فخر سمجھتا ہے۔ اپنی ذات کی تجلی ڈالے۔ تو میں جنت اور دوزخ یا ایمان اور کفر دونوں اس کے جلوے کے استقبال پر قربان کر دوں۔ یعنی اس طرح جاؤں۔ کہ نہ مجھے جنت کی امید ہو۔ اور نہ جہنم کا ڈر ہو۔ کیونکہ یہ دونوں تو راستے ہی میں رہ گئیں۔ اور یہ دونوں حجاب ہیں۔ خالص شراب جو رفیق اعلیٰ کے سوا ہر چیز اور ہر ساقی کو جلا کر خاک سیاہ کر دے۔ پینے کے بعد ان کا اٹھ جانا بھی لازمی ہے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کے اس قول کا یہی مطلب ہے۔ کہ "خلق کے بازار سے گزر جا" اس کو خوب سمجھ۔

اور سیر مع اللہ وہ معیت کے اقرار سے عبارت ہے۔ "تم جہاں کہیں بھی ہو۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اس مراقبہ سے نہ بلندی فارغ ہو سکتا ہے۔ نہ منتہی۔ ہاں فرق یہ ہے کہ ابتدائی معیت (اثنینیت) "دوئی" کا پتہ دیتی ہے۔ اور انتہائی میں اثنینیت کا ملاحظہ ہی باقی نہیں رہتا۔ اور اس کے مطابق اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ اور تو نے نہ پھینکا جب تو نے پھینکا۔ وما رمیت اذ رمیت اور ابتدائی معیت کی حکایت موسیٰ علیہ السلام کا قول نقل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان معی ربی! ترجمہ "میرے ساتھ میرا رب ہے۔" اور دونوں معیتوں کے متعلق بہت سی آیات وارد ہیں۔ ان میں سے وہ بھی ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خوف کے وقت اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول نقل فرمایا:- لا تحزن ان اللہ معنا ترجمہ "خوف نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے" ان آیات کو یاد رکھ۔ میرا وعدہ پورا ہو گیا۔ اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ سیر کی یہ تمام اقسام آپس میں مترادف اور

Scanned by CamScanner

متلازم ہیں۔ ان میں فرق صرف حیثیتوں کا ہے۔ اور ہماری تفصیل کے احاطے کے بعد تجھ پر سمجھ جانا مخفی نہ رہ گیا۔ خوب سمجھ اور جو ہم نے آپ کے سامنے بیان کیا ہے اس سے اس کا مطلب بھی واضح ہو گیا۔ جو بعض اہل کمال نے کہا ہے۔ کہ سیر الی اللہ کے دو معنی ہیں۔ پہلا تو وہی ہے جو مشہور ہے۔ اور دوسرا یہ کہ سیر من اللہ کے بعد سالک اس طرح پھر الی اللہ کی طرف رجوع کرے کہ اس کو حق کی طرف توجہ کے کمال کی وجہ سے مخلوق کی طرف کوئی توجہ نہ رہے۔ اور یہ معنی سیر فی اللہ ہی میں داخل ہے۔ جب کہ آپ کو معلوم ہو چکا۔ یہ یا تو استعداد کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کی کسی مصلحت کی وجہ سے جو اس سالک کے حق میں اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔ انہی دونوں باتوں کی وجہ سے بعض اہل کتاب کسی کو مرید نہیں بنایا کرتے تھے۔ بلکہ پس و پیش کر کے ٹال دیتے واللہ اعلم بالصواب ؁

پس پوری طاقت والا قوی آدمی ان دونوں سابقہ مذکورہ قسموں میں سے دوسری قسم کا آدمی ہے اور یہ خصوصاً تو نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہے۔ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کا سبھاً۔ اے اللہ ہمیں اپنے فیض اور احسان کا رزق عطا فرما۔ باقی رہی آفاقی والنفسی اشیاء میں سیر تو وہ اشیاء ہی کی سیر ہے۔ اسے سیر فی اللہ نہیں کہا جا سکتا۔ جس نے سیر فی الاشیاء کو سیر فی اللہ پر محمول کیا ہے وہ کوئی اچھی چیز نہیں پیش کر سکا۔ اور سیر فی الاشیاء کے بھی بہت سے لوگ ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ اشیاء کو آئینہ کی حیثیت دی جائے۔ اور یہ بات اہل کشف اور اہل استدلال میں مشترک ہے البتہ اہل استدلال تو اشیاء کو آئینے کی طرح سمجھتے ہیں۔ کہ جس میں شکلیں روشن ہوتی ہیں۔ تو آدمی ایسے آثار دیکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے ہیں۔ اس حیثیت سے کہ فعل ایک حادث ہے اس کا کوئی محدث (پیدا کرنے والا) بھی ضرور چاہیئے۔ پس یہ عالم بھی مفعول ہے۔ اور ایسی عجائبات دقیقہ اور کمات عجیبہ پر مشتمل ہے۔ کہ ان کے معائنہ سے عقول حیران ہیں۔ اور ان کے ادراک سے بڑے بڑے لوگ عاجز ہیں۔ ضروری ہے کہ اس کا کوئی خالق بھی ہو۔ جو قادر، مختار، بصیر، علیم، مدبر وغیرہ صفات فاضلہ اور کمالات کاملہ کا حامل ہو۔ پس ایک بصیر نقاد جس کی عقل صحیح ہو وہ تو اللہ خالق کے وجود کا فیصلہ کرے گا۔ جیسا کہ آئینے میں شکل کے وجود کا فیصلہ کرتا ہے پس یہ جہان بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ایک آئینہ ہے۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔ تمام تر تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اس کی راہ نمائی فرمائی۔ اور اگر اللہ ہماری راہ نمائی نہ فرماتا۔ تو ہم کیسے ہدایت پا سکتے۔ اور اہل کشف اس معاملہ میں مختلف خیالات رکھتے ہیں۔ بعض کا کشف تو یہ ہے۔ کہ انسان اس وجود جسمی کا نام نہیں ہے۔ کیونکہ وہ جسمیت کی حیثیت سے تو انسان اور دوسرے حیوانوں میں مشترک ہے تو انسان اس حیثیت سے تو کوئی وزن نہیں ہے۔ اس کی فضیلت ایک اور حیثیت سے ہے۔ اور وہ کمالات اور فضائل کا جامع ہونا، اور اس کی ایک اور حقیقت ہے اور وہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا سر ہونا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "انسان میرا سر ہے اور میں اس کا سر ہوں"؟ اور اس خصوصیت میں کئی ایک وجوہات ہیں۔ ایک یہ ہے کہ یہ روح کی حیثیت سے ہے۔ یعنی اس کا روح اللہ تعالیٰ کا امر ہے۔ جس پر وہی آدمی مطلع ہو سکتا ہے جس پر حقائق منکشف ہو چکے ہوں۔ وہ اس نظر آنے والے جسم سے دوسرا ایک اور امر کو دیکھتے ہیں۔ اور وہ وہ حقیقت ہے جو کمالات قدسیہ اور فضائل ملکوتیہ کی جامع ہے وہ کہتے ہیں کہ عالم کبیر انسان ہے اور یہ عالم مشہود عالم صغیر ہے۔ تو اس فرقہ کی عالم صغیر میں سیر۔ سیر آفاقی کہلاتی ہے۔ اور عالم کبیر کی سیر انفسی سیر کہلاتی ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ کیا گیا ہے۔ وفی انفسکم افلا تبصرون (ترجمہ) "اور تمہاری اپنی جانوں میں بھی کیا تم نہیں دیکھتے" وہ آفاق میں انوار الٰہی دیکھتے ہیں۔ پھر وجود انفسی کی وادیوں میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں واللہ یقبض ویبسط والیہ ترجعون (ترجمہ) اللہ

Scanned by CamScanner

ہی تنگی کرتا ہے۔ اور وہی فراخی کرتا ہے اور اس کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے" تو اس سیر کے ہر قدم پر ان پر انوار الٰہی منکشف ہوتے ہیں جن کے نور کی مثال ایک طاقچہ کی سی ہے۔ اور وہی آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ اس کے بغیر کوئی معبود نہیں ہے اور وہ بڑا بلند۔ جب یہ روشن نور مشاہدہ ان پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ تو پھر وہ اور کسی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اُن کو انوار گھیر لیتے ہیں۔ اور وہ الواح اور کشوف کے صفحات پر اپنی نگاہوں کی قلمیں نور موجود کے ظہور کی سیاہی سے رکھ دیتے ہیں اور اپنے حال کی صورت کلمۂ انا الحق اور سبحانی ما اعظم شانی اور لیس فی جبتی سواہ اللہ کی صورت میں تحریر کرتے ہیں۔ اور اپنے حال کی زبان سے سورۃ الرحمانیہ الرحیمیہ کی تلاوت کرتے ہیں۔ کہ میں اپنے رب سے وصال چھوٹا ہوں: پھر ان پر شکر کی مجلس میں مصطبۂ شہودی کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔ اور بر سر عام وقت کے ہاتھ ان کو اسرار کے پیالے پکڑا دیتے ہیں اور نئی تلواروں سے ایک دوسرے کو کاٹ کر ایسی فنا کے گھاٹ اتارتے ہیں۔ جو اس نئی شراب سے پیدا ہوتی ہے۔ اور بہت پریشان ہوتے ہیں۔ اور بعض پر حق ظاہر ہو جاتا ہے۔ وہ کہہ دیتے ہیں۔ کہ بندہ بندہ ہی ہے۔ اور رب بہر حال رب ہے۔ تو ان لوگوں نے اس چیز کو اپنے کشف سے تحقیقی طور پر معلوم کر لیا۔ جو پہلے فرقہ پر مشتبہ رہی تھی۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ بندہ ایسے وجود سے موجود ہونے کے باوجود کہ جو فی نفسہ ایک دوسرے وجود کا محتاج ہے۔ جو کسی طرح بھی کسی چیز کا محتاج نہیں ہے ازلاً وابداً جیسا کہ علام ہے یہ نہیں کہ اس کا وجود وہم سے ہے ہی نہیں۔ اور وہ ایک وہمی امر ہے جیسا کہ سوفسطائیہ کا خیال ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو۔ تو شریعت اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا لازم آئے گا۔ العیاذ باللہ عزوجل اور اس میں تفصیل ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ اس قصیدۂ مبارک کے ختم کے قریب مجھے اس کے بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اور اگر اچھی طرح آپ میرے اس مضمون کو دیکھیں گے۔ جو میں پہلے ابیات کے ضمن میں لکھ آیا ہوں۔ تو میرے اس مضمون کو اجمالی طور پر سمجھ سکیں گے۔

باقی رہے صوفیائے کرام وجودیہ تو ان کے کئی ایک فرقے ہیں۔ بعض تو خالص گمراہی میں مبتلا ہیں۔ اور یہ نئے ملحدین جو دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ اشیاء اور اللہ تعالیٰ کی مثال ہے ایسی ہے جیسے پانی اور رنگ اور یہ صاف کفر ہے۔ اور بعض نے اس سے اعراض کیا ہے۔ اور انکار کیا ہے اور کچھ اس طرح کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ کہ خارج میں صرف ایک ہی وجود ہے۔ اس کے سوا کوئی وجود نہیں ہے اور ہر وجود کی حیثیت صرف تعین وجود کی ہے۔ اور ان پر بہت سے اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ جن کے جواب سے عاجز ہیں۔ اور اس کا بیان کرنا طوالت کلام کا باعث ہوگا۔ اور اس سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ سو تمام تر تعریف اس اللہ کے لئے ہے۔ جس نے ہمیں اس کی راہ نمائی فرمائی۔ اگر رب العلمین ہماری راہ نمائی نہ کرتا۔ تو ہم کیسے ہدایت پا سکتے۔ اور اللہ کے رسول اور ان کی آل اور صحابہ اور تابعین سب پر درود ہو۔

بیان شافی:۔ جان لینا چاہیئے کہ لطائف کی پرواز کی طرح پر ہے۔ پہلی یہ کہ کوئی لطیفہ مثلاً نفسیہ ہے اس کا نور چمکتا ہے۔ اور وہ سیدھے جھنڈے کی طرح اوپر جانا شروع ہوتا ہے۔ اور دوسرے لطیفہ سے جا کر مل جاتا ہے۔ مثلاً قلبیہ سے تو پھر وہ دونوں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اور طاقتور ہو جاتے ہیں۔ تو وہ بلند ہونے والا نور اس طرح ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ دو بازوؤں والا پرندہ تو وہ پہلے سے زیادہ طاقت اور قوت سے مائل ہوتا ہے۔ اور لطیفہ روحیہ کی طرف اپنا ڈیرہ جما لیتا ہے۔ پھر اس کی مثال تین بازوؤں والے پرندہ کی سی ہو جاتی ہے۔ اور پہلے سے زیادہ طاقتور ہو جاتا ہے۔ اور جب تک استعداد چاہے۔ اسی آشیانہ میں رہتا ہے اور اس مقام پر سالک پر مشتبہ ہو جاتا ہے۔ کہ اس سے اوپر کوئی مقام ہے یا نہیں اور ان انوار کی کمال درجہ کی روشنی کی وجہ سے سالک خیال کرتا ہے۔ کہ یہ اللہ کا نور ہے۔ اور اسی پر بھروسہ کر لیتا ہے جیسا کہ بعض کاملین تیس سال تک اس حالت میں مبتلا رہے پھر

قدرت کا ہاتھ اس کو تھام لیتا ہے۔ اور اسے مطلع کرتا ہے۔ کہ اس سے زیادہ بلند منزل بھی ہے پھر وہ پہلے سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے پرواز کرتا ہے۔ پھر وہ بیت آشیانے میں رہتا ہے۔ اور چار پروں سے سرفراز ہو جاتا ہے۔ اور اس آشیانے میں وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے الگ ہو جاتا ہے۔ اس کے صاف اللہ تعالیٰ کے کمالات کی طرف سیر فی اللہ ہی کی جہت باقی رہ جاتی ہے۔ اب یہ سیر پرواز کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور اس پرواز میں اس کی اڑان کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ اس سے وہی مطلع ہو سکتا ہے جسے اس کی توفیق ملی ہو۔ اور اس کے باوجود شروع سے لیکر آخر تک تمام پرواز کے دوران میں ہر سالک کی استعداد کے مطابق ایک خاص پرواز ہوتی ہے جسے اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ یہی وجہ ہے کہ مراتب اور درجات مختلف ہو جاتے ہیں۔ تمام تر تعریف اس اللہ کے لئے ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے فرشتوں کو ایلچی بنانے والا ہے۔ جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار بازو "پر" ہیں۔ وہ پیدائش میں جو چاہے زیادہ کر دے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور دوسرا طریقہ یہ ہے۔ کہ سالک اپنے وجود کو اس طرح فنا کرتا ہے گویا کہ وہ کبھی ذکر کے قابل ہی نہ تھا۔ وہ لطائف میں فرداً فرداً پرواز کرتا ہے۔ پھر جب یہ لطائف مجتمع ہو جاتے ہیں۔ تو پھر آسمان کی طرف جاتا ہے۔ پھر عرش تک پھر اس کی طرف جو مکان سے خارج ہے۔ بلکہ امکان سے خارج ہے۔ تو اس وقت مجرد صرف جواب مطلق ہی باقی رہ جاتا ہے۔ پھر لطائف کے حقائق اس کی طرف رجوع کرتے ہیں جیسے شاخ اپنے اصل کی طرف رجوع کرتی ہے اور اس کا طریقہ یا تو الہام سے معلوم ہوتا ہے یا اس آدمی سے جس پر یہ کیفیت وارد ہو۔ اس کو یاد رکھ اور دوسرے وجوہ قلوب اور ارواح کے سپرد ہیں۔ اور وہ اس طرح ہوتے ہیں جیسے آنکھ کا جھپکنا۔ اللہ وہ ہے جس پر زمانہ جاری نہیں ہو سکتا۔ اور وہ ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔ اگر تو اس آیت پر غور کریگا۔ تو اس پرواز کی حقیقت سمجھ جائے گا۔ جو کہ پہلی وجوہات سے نازک ہے۔ کوشش کر اور جو اللہ کی راہ میں اس کی خدا کے لئے کوشش کرے گا۔ تو اللہ تعالےٰ اس کو اس طرح آشکارا کر دیں گے۔ کہ وہ تجھے بھی نہ ہوں گے اس مقولہ کے مطابق کہ "علم کا علم کیا ہے؟" تو فرمایا علم سے جہالت اور ادراک کے ادراک سے عاجز آجانا بھی ادراک ہے پاک ہے وہ جس کی شان بلند ہے۔ پاک ہے تیرا رب ان چیزوں سے جو بیان کرتے ہیں۔

توضیح حقیقی:۔ اے سالک تجھے یہ جاننا بھی ضروری ہے۔ کہ لطائف میں فنا بھی ہے۔ اور بقا بھی اور یہ دو حالتیں ہیں جو سالک پر وارد ہوتی ہیں یا تو تعاقب سے کیونکہ اگر اس کا وہ خلق جو اس پر ظاہر ہوا۔ اور وہ علم جس کے ساتھ سالک متعلق ہے۔ فنا نہ ہوں۔ تو اس کو اوپر کے درجہ تک ترقی نصیب نہیں ہوتی۔ پس وہ سفلی حالت سے فناہ ہوتا ہے اور بلند حالت سے باقی ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ خدا کا نوشتہ پورا ہو جاتا ہے۔ اور پھر یا توارد کے ساتھ فنا و بقا ہوتی ہے۔ اس طرح کہ ایک حالت اس پر ظاہر ہوتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ فنا ہو جاتی ہے۔ اور اسی حالت میں اسے وہ بقا مل جاتی ہے جو اس کی قسمت میں ہے۔ پس یہ جزئی حالات ہیں۔ اور ان کی فنا کے افراد بھی جزئی ہیں۔ اور اسی طرح اس کی بقا کے افراد بھی جزئی ہیں۔ تو اس کو ہر حالت میں فنا اور بقا حاصل ہوتی رہتی ہے۔ جب ان دونوں لازم ملزوم چیزوں سے فارغ ہوتا ہے۔ تو سالک اس حالت سے بلند تر حالت میں ترقی کرتا ہے اور اسی طرح اس کی استعداد اور استرشاد کے تقاضے کے مطابق ہوتا رہتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی مدد سے یہی طریقہ ہر لطیفہ میں چلتا جاتا ہے۔ اور پوری طرح یہ دروازہ جمعیت اور طمانیت کے حصول اور کمالات کے اخذ کرنے سے کھلتا ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ مقرر ہے۔ کہ کسی راہ کا چلنے والا جب ہر منزل کا حق پوری طرح ادا کر دے۔ تو اس کی کیفیت کو بیان کرنے پر بھی قادر ہوتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے۔ کہ بعض سالکین کی سیر تو نچلے لطیفہ میں ہوتی ہے۔ اور اس پر اوپر کے لطیفہ کا دروازہ کھل جاتا ہے حالانکہ ابھی وہ پہلے لطیفہ کا حق بھی

ادا نہیں کر چکا ہوتا۔ پس وہ بلند مقام سے لطیفہ کے علوم کے متعلق گفتگو کرتا ہے پھر نیچے اُتر آتا ہے۔ تو اس پر قبض وارد ہوتا ہے اور احساس ختم کر دیا جاتا ہے۔ تو اس فیض کے ورود میں اس پر حیرت اور اضطراب طاری ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ کسی نے بادشاہ کی بساط دیکھی ہو۔ اور اسے بڑا بساط پر بیٹھنا پڑے۔ تو وہ مضطرب اور پریشان ہوتا ہے۔ اور شائد اس میں سالک کے مناسب حال اس کی تربیت مقصود ہوتی ہے۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا۔ کہ ہو سکتا ہے کہ مبتدی واردات میں منتہی جیسی باتیں کرے۔ لیکن ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے ایک عام اندھا آدمی سلطان کی مجلس میں جائے۔ اور بادشاہ سے گفتگو کرے۔ اور ایک دیدہ ور آدمی جو بادشاہ کے مقرر کردہ منصب پر فائز ہے۔ وہ بادشاہ کے پاس جائے۔ اور اس سے گفتگو کرے۔ تو پہلے کی گفتگو عارضی ہے۔ جو صرف بادشاہ کی انتہائی رحمت سے پیدا ہوئی ہے۔ اور دوسرے کی گفتگو اصلی ہے۔ اور سلطان کے اخلاق سے متعلق ہے۔ تو ان دونوں کا فرق سمجھ لینا چاہئے۔ اس سے یہ بھی معلوم معلوم ہو گیا۔ کہ سالک کے لئے ضروری ہے کہ ابتداء میں جو اس پر وارد ہو۔ اس کو مخفی اور پوشیدہ رکھے۔ اور پھر انتہا میں وہ اس چیز کو زیادہ اچھی طرح مخفی رکھ سکتا ہے۔ جس کے چھپانے کا اسے حکم ہے۔ اور جس کے ظاہر کرنے کا حکم ہے اس کو اچھی طرح ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ دل کے معاملہ کی باگ دوڑ امر الٰہی کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا اپنا نہ تو کوئی ارادہ ہے۔ اور نہ قدرت اور نہ وجود اور اس کی طرف پہلے اشارہ گزر چکا ہے۔ اس کو یاد رکھ۔ تمام تر تعریف اللہ کے لئے ہے۔ جس نے پرندوں کو پر پھیلانے والے بنایا۔ وہ کبھی بند کر لیتے ہیں۔ اور کبھی پھیلا دیتے ہیں۔ اور وہ تنگ کرتا ہے۔ اور فراخ کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

تعلیم حسن:۔ اے وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے طبیعت کی گہرائی کے گڑھوں سے نکال کر اصلی حقیقت کی بلندی تک پہنچایا ہے۔ تجھ پر یہ بھی لازمی ہے کہ تجھے ہر لطیفہ کے متعلق پورا پورا علم ہوتا۔ تاکہ تو ان کو ان ظلمات سے محفوظ رکھ سکے۔ جو طبیعت کے بخارات سے پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہر چیز کا اپنے اصل کی طرف میلان ہوتا ہے۔ کیونکہ سفلی طبیعت والے کی تربیت اگرچہ علوی دودھ کے مواد سے کی جائے۔ پھر بھی وہ اپنے اصلی کمینہ پن کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اگرچہ اس کی ہزار حفاظت کی جائے۔ کیونکہ ہر چیز اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ بلکہ ایک بشر اور انسان میں تسلیم ہی نہیں کیا جا سکتا۔ کہ اس میں امر ہوگا۔ جو کہ نہایت صاف اور لطیف ہے یعنی روح تو یہ بے ادب اور کافر لوگوں میں ایک صالح آدمی ہے۔ کیا آپ غور نہیں کرتے۔ کہ روح کو ان برے مکانوں اور بدتر گھروں میں لپٹنے کے باعث کئی حجابات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ کیونکہ انسان ہر نیچے سے نیچا ہے۔ اور ہر سافل سے سافل ہے۔ یہی ہے جسے اسفل السافلین تک پہنچایا گیا۔ ماسوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے۔ پس یہ خباثت کا جامع بھی ہے اور لطائف کا مخزن بھی۔ یہ ایک میٹھا خوش گوار ہے۔ اور دوسرا کڑوا، اور نمکین ہے۔ ان دونوں کے درمیان پردہ ہے۔ وہ ایک دوسرے پر زیادتی نہیں کر سکتے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ کہ پوری طرح حفاظت کرنا نہایت ضروری ہے اور ہر لطیفہ کی حفاظت کا طریقہ الگ الگ ہے مثلاً لطیفہ نفسیہ کی حفاظت کے لئے کہ سالک ان ظلمات سے اس کی حفاظت کرے۔ جو ردی خواہشات اور اخلاق رذیلہ مثلاً غیر ضروری لذائذ کی خواہش اور شہوت وغیرہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ تو ہر روز ضروری ہے۔ کہ ان ظلمات کے مواد کو قطع کرتا جائے۔ اور ذکر اور مراقبہ اور اخلاق فاضلہ سے موازنہ کا محاسبہ کرنے سے اس کی حفاظت کرے۔ کہ شہوات اور حرص کو چھوڑ دے۔ اور مال اور تمام محبوب چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا میں خرچ کر دے۔ یہاں تک کہ نفسِ امارہ، نفسِ مطمئنہ بن جائے۔ اور خوش بخت ہو جائے۔ اور ہر تذکرہ اور ملاحظہ میں پہلے مراقبہ سے بلند تر مراقبہ کرنے میں مشغول ہے۔ تو اس طرح جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ کام بڑھتا جائے گا۔ پھر اس کو حقیقی

Scanned by CamScanner

قابلیت اور تحقیق استعداد حاصل ہو جائے گی۔ تو پھر اللہ کی جانب سے یہ آواز دینے کا حکم ہے۔ کہ اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف خوش خوش ہو کر رجوع کر اور میرے وصول کی جنت میں داخل ہو جا۔ اور اس لطیفہ کا وصول جیسے آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ تجلی قہاری کی حیثیت سے ہوتا ہے۔

اور لطیفہ قلبیہ وہ ان علوم کی طرف محتاج ہے جو کہ دل کے آئینہ کے لئے صیقل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اس طرح صاف ہو جائے۔ کہ اس میں محبوب کا چہرہ نظر آنے لگے۔ لیکن چونکہ یہ لطیفہ لطیفہ نفسیہ کا ہمسایہ ہے۔ تو لطیفہ قلبیہ کی طرف ہمسائیگی کی وجہ سے ظلمات چڑھتے رہتے ہیں۔ اور کبھی نسبت ارادیہ کی وجہ سے قلب تک ظلمات جاتے ہیں۔ اور اس نسبت کو سالک جانتا ہے کہ اسے فلاں فلاں معارف و علوم حاصل ہیں۔ تو اس نسبت کو اپنے ارادے اور اختیار کی طرف منسوب کرنے سے کاٹ دینا نہایت لازمی ہے۔ پس وہ علوم کہ جن سے تہ بہ تہ اندھیرے اٹھ کر دل پر چھا جاتے ہیں۔ وہ یہی نسبتیں ہیں جو سالک کے لئے اس کے وجود کی حیثیت سے ثابت ہیں۔ اور ان ظلمات کو قطع کرنے کا علاج یہی ہے۔ کہ اس مواد مذکور کو کاٹ دیا جائے۔ جو ان علوم پر نگاہ رکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ معارف و علوم جن سے صفائی زیادہ ہو جاتی ہے۔ یہ وہی ہیں۔ جو ظلمات کی حفاظت کے بعد صفات اور اسماء کی پہچان میں اضافہ کرتے ہیں۔ اور ان کا جامع اسم اللہ ہے۔ اور اس ذات کا جو تمام صفات سے جو اس اسم جلیل سے سمجھی جا سکتی ہیں۔ ملاحظہ کرنا ہے تو ضروری ہے۔ کہ سالک اس اسم کا مراقبہ کرے۔ اور اس ذات کا ملاحظہ کرے۔ جو تمام صفات کاملہ کی جامع ہے تو اس لطیفہ کا وصول اسی اسم کی حیثیت سے ہے۔ اور یہ لطیفہ بھی تمام معلومات کا جامع ہے۔ اور یہی حقیقت جامعہ ہے۔ اس کو ظلمات سے محفوظ رکھ۔ اے رب ہمارے ہدایت کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر دے۔ اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما۔

اور لطیفہ روحیہ چونکہ لطیفہ قلبیہ کا ہمسایہ ہے اور وہ لطیفہ نفسیہ کا ہمسایہ ہے۔ جس کے ظلمات کا حال آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ تو مختصر اس کی ایک جہت سفلی ہے۔ اگرچہ روح عالم امر سے ہونے کے باعث علوی ہے۔ لیکن صحبت کی تاثیر ہوتی ہے یہی وجہ ہے۔ کہ شریف لوگ اپنے گھر کے انتخاب میں شرفاء کی ہمسائیگی کا خیال رکھتے ہیں۔ اور اس ہمسائیگی کی وجہ سے گھروں اور مکانوں کی قیمت سینکڑوں سے بڑھ کر ہزاروں تک جا پہنچتی ہے اور خبیث اور کمینے لوگوں کو اگر وہ گالی گلوچ اور بدکلامی سے باز نہ آئیں۔ علماء و شرفاء کی ہمسائیگی سے نکال دیا جاتا ہے قصہ مختصر یہ کہ اس ہمسائیگی سے یا انوار کے تخیل سے اندھیرے پیدا ہو جاتے ہیں جب کہ وہ ان کو اپنا کمال سمجھتا ہے۔ اور ان کے وجود کی نسبت اپنے نفس کی طرف کرتا ہے۔ بلکہ اس ارادہ کی نسبت بھی جو خدا تعالیٰ کے ارادوں سے متعلق ہے۔ جیسا کہ منصور حلاج نے کہا۔ اور جن لوگوں نے سبحانی اور لیس فی جبتی سواہ کہا۔ وہ اسی قبیل سے تھا۔ تو سالک کے لئے نہایت ضروری ہے۔ کہ ان ظلمات کے واقع ہونے کی حفاظت کرے جو کہ اس نسبت مذکورہ اور ہمسائیگی سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس کا علاج یہ ہے۔ کہ ضروری ہے مفارقت کے ملاحظہ کی طرف رجوع کرنے سے پناہ مانگے۔ اور یہ سمجھ لے کہ اس کی اپنی وجود کی نسبت بھی اپنی نہیں ہے۔ بلکہ اس وجود کا ملاحظہ کرنا بھی ایسا گناہ سمجھے۔ کہ اس کے برابر اور کوئی گناہ نہیں ہے۔ جب کہ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کو کہا گیا تھا۔ تو اس خیال سے خالی ہونے کا مراقبہ اور اس اقتران سے پناہ ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول وایدناہ بروح القدس میں اسی طرف اشارہ ہے اور یہ مراقبہ قدسیہ کہلاتا ہے۔ کیونکہ اس میں سالک وجود امکانی کے تعلق سے اس میں پوری طرح پاک اور مقدس ہو جاتا ہے۔ کہ جس کا دار و مدار تصفیہ اور نظافت پر ہے جیسا کہ

تعالیٰ کے قول میں اس طرف اشارہ ہے۔ ان طهر بيتي للطائفين والعاكفين والركع السجود ترجمہ: یہ کہ پاک کردو میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں، رکوع کرنے والوں اور سجود کرنے والوں کے لئے" پس لطیفہ قلبیہ کا مرتبہ معارف کا طواف کرنے والوں سے مناسبت رکھتا ہے۔ اور لطیفہ روحیہ کا مرتبہ علم اور قرآن سے علو اور نظافت سے مناسبت رکھتا ہے۔ کیونکہ اسلام کی بنیاد نظافت و پاکیزگی پر ہے۔ اور اسلام کا ظاہر اور باطن ہے۔ اور اس کا ظاہر دل کی تصدیق یعنی حضور قلبی [illegible] جس کا مرتبہ اس سے قوی ہے کہ جملہ اعمال کا نام ہے اور اس کی حقیقت فرمانبرداری ہر لحاظ سے جھک جاتا ہے اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ نے جلاء الخواطر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان الدين عند الله الاسلام ترجمہ: "دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے" اور اسلام کی حقیقت جھک جانا ہے۔ تم اسلام کی حقیقت کو لازم پکڑو۔ اور پھر جھک جانے کی تحقیق کرو۔ اپنی ظاہری صفیں اسلام سے درست کرو۔ اور اپنی باطنی صفیں استسلام (جھک جانے) سے درست کرو۔ اپنی جانوں کو اللہ عزوجل کے سپرد کرو۔ اور پھر اس پر راضی ہو جاؤ۔" انتہی پس آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنہ کا قول "پھر استسلام کی تحقیق کرو" یہ دوسرے مرتبہ کی تحریر ہے۔ اور اس سے پہلے فرمایا "تم اسلام کی حقیقت کو لازم پکڑو۔" اور وہ استسلام ہے تو اس قول میں مراد نفس استسلام ہے نہ کہ اس کا مرتبہ ہے۔ مختصر یہ کہ اس عبارت میں لطیفہ قلبیہ اور روحیہ اور سریہ کا بیان ہے۔ اور میں ان شاء اللہ تعالیٰ امید رکھتا ہوں کہ اس عبارت شریفہ کے معانی کو ایک علیحدہ شرح میں تحریر کروں گا بشرطیکہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اپنے لطف سے میری راہنمائی فرمائی۔ اب میں لطیفہ سریہ کے بیان کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ کہ اس منزلت سے مناسبت رکھنے والے ظلمات سے اس کو کیسے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ اور اس لطیفہ پر ظلمات کے وارد ہونے کی وجہ کیا ہوتی ہے۔ اور یہ وجہ یا تو لطیفہ روحیہ کی ہمسائیگی ہوتی ہے کہ جس میں وجود کا کچھ بقایا حصہ موجود ہوتا ہے جو کہ ظلمات کا باعث ہوتا ہے۔ یا کسی ایسے کام کا سرزد ہو جانا، جو اس لطیفہ سے مناسبت نہیں رکھتا۔ اور یہ امر یا تو ایسے امور سے ہوتا ہے جو سالک کے اس وجہ سے معزول ہو جانے کا باعث بن جاتا ہے۔ یا سالک کی طبیعت اور تربیت کے متعلق اس میں کوئی مصلحت ہوتی ہے اور یہ تمام امور احوال کے تکمیل سے ہیں۔ مذکورہ اقوال سے۔ اور اتنا سا جو بیان کر دیا گیا ہے۔ یہ ان لوگوں کے لئے نصیحت ہے۔ جو بھلائی کی راہ تک پہنچنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لطیفہ روحیہ کے وصول تک اسم "نوری" کی معرفت سے ہوتا ہے جیسا کہ لطیفہ سریہ کا وصول اسم "احد" سے ہوتا ہے۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا۔ کہ قل هو الله احد ۰ الله الصمد (ترجمہ: آپ کہیں وہ اللہ ایک ہے۔ اور اللہ بے نیاز ہے۔) اس مختصر سے تذکرہ کو یاد رکھو تو اس تفصیل پر قادر ہو جاؤ گے۔ جو صاف سینوں میں ودیعت کی گئی ہے۔ اور کلام کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ تفصیل چمکانا اور صاف کرنے کا کام ہے۔ اور کسی کامل نے فارسی میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔ اے بھائی اگر تو ہیکل (جسم) رکھتا ہے تو اس کو صاف کر۔ صاف کر [illegible] اور جلاء الخواطر کی نقل کردہ عبارت عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔ اور اس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ اس اجمال مجمل اور اختصار سے جو تفصیل پر مشتمل ہے کیا مراد ہے۔

سدرۃ المنتہیٰ:۔ اے وہ آدمی جو روشن چراغ کی طرف عروج اور ترقی کا خواہش مند ہے۔ تجھے جیسے حکم دیا گیا ہے ثابت قدمی اختیار کر کہ سلوک اور سیر اور جذبہ اور طہر یہ سب کچھ لطائف میں مندرج ہے۔ جس کی ابتدا یہ ہے۔ لا اله الا الله محمد رسول الله اور اس کی انتہا لا اله الا انت الاحد ہے۔ اور یہ طریق کئی ایک بلند منازل پر مشتمل ہے۔ یعنی لطائف پر اور ان میں شہر بھی ہیں اور بستیاں بھی اور گھر اور آبادیاں اور جنگل اور وادیاں اور چٹیل میدان ہیں۔ جن میں سائر پریشان ہو جاتا ہے۔ ان کو قطع کرنے [illegible]

کہ اور کٹ جاتے ہیں۔ اے اللہ ہمیں اپنے فضل و رحمت سے اس پر مدد عطا فرما۔ اور ان منازل سے آگے اور کوئی مسلک نہیں ہے یا کاہ جذبہ تمام فاصلہ کو طے کر لے۔ اور وہ ایک آنکھ جھپکنے کی طرح ہوتا ہے۔ اور بہت کم ہوتا ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں۔ کہ وہ بھی بادل کے چلنے کی رفتار سے ان منازل سے گزرتا ہے۔ لیکن تیزی کے باعث سالک اس کو معلوم نہیں کر سکتا۔ پھر جب واصل ہو جاتا ہے اور اس پر سیر ختم ہو جاتی ہے۔ اور اس کے علوم و معارف میں تمیز حاصل کر لیتا ہے۔ تو اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اصلی منازل یہی ہیں۔ ان سے آگے نہ کوئی ٹھکانا ہے اور پناہ کی جگہ۔ پس واصل کی اصلی منازل یہ ہے۔ لیکن سالک کو کمال اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ وہ پوری طرح واپس آ جاتا ہے اور بعض کو پہچانتا ہے اور بعض کو نہیں پہچانتا تھا۔ اب اس واپسی کی مفصل کیفیت میں آپ سے بیان کرتا ہوں۔ اور کہتا ہوں۔ کہ سفر اور سیر کی ابتدا اذکار سے ہوتی تھی۔ اور اس کا طریق آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ اور دوسرا قدم معاملہ کا اقدام ہے۔ اور یہ ہر لطیفہ میں الگ الگ ہوتا ہے۔ لطیفہ نفسیہ میں سالک پر بعد اس کے کہ یہ لطیفہ اس کو ایسے اسم سے یاد ہو جائے جو اس کے مناسب ہے۔ جیسے جبار اور قہار اور عزیز اور قادر وغیرہ جن میں قہر و اقتدار اور غلبہ کا معنی پایا جاتا ہے۔ ضروری ہے کہ وہ رذائل اور خواہشات نفسانی سے خالی ہو جائے۔ جو ظلمات کی باعث ہوتی ہیں۔ جو اس صفت کے چہرہ کو سیاہ کر دیتی ہیں۔ جو رفیق اعلیٰ کی طرف ترقی کا باعث ہے۔ پس سب سے پہلا تخلیہ نفس کا حرام اور دنیائے رذیلہ کی محبت سے پاک ہونا ہے پھر مکروہ سے اور اسی طرح یہاں تک کہ حلال تک پہنچ جائے۔ اس سے بھی بقدر امکان بچے اور اس خوف سے تقویٰ کا خرچ حاصل کرے۔ کہ مبادا حرام یا مشتبہ چیزوں میں مبتلا نہ ہو جائے جیسا کہ بعض تابعین صحابہ رضی اللہ عنہم حلال کے انیس حصے سے بچتے تھے۔ اور صرف ایک حصہ استعمال کرتے اور بعض اس سے بھی کم استعمال کرتے اس خوف سے کہ وہ حرام یا مشتبہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ ہر ایک بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کے محارم ہیں۔ سو ان سے بچنا لازمی ہے۔ پھر جب یہ تخلیہ مضبوط ہو جاتا ہے۔ تو جلوت کی طرف ترقی ضروری ہو جاتی ہے۔ یعنی ان امور کی طرف توجہ کرے جو اس کے علم کے بغیر پیدا ہو سکتے ہیں۔ اور وہ رذائل اعمال فضائل کے منافی ہیں۔ یعنی حسد، کبر، ریا، عجب اور انہی جیسے اور اعمال تو ہر ایک رذیل عادت کا علاج اس کی ضد سے کرے۔ کیا آپ غور نہیں کرتے۔ کہ آگ کی حرارت کو پانی سے ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔ جو شخص باغ کی طرف جانا چاہے۔ اور اس کے راستے میں آگ پھیلی ہوئی ہو۔ تو ضروری ہے کہ پہلے اس آگ کے بجھانے کا بندوبست کیا جائے۔ تاکہ یہ اپنے ارادے تک ٹھنڈک اور سلامتی سے پہنچنے میں کامیاب ہو جائے۔

اور یہی وجہ تھی۔ کہ ابو حفص حداد کے مرید ابو عثمان قدس اللہ اسرارہم نے جنید اور ان کے ساتھیوں کی طرف لکھا۔ کہ معلوم ہونا چاہئے۔ کہ وصول الی اللہ کی راہ میں آگ کے کئی ایک سمندر ہیں۔ تم نے ان میں سے کتنے طے کئے ہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ ہم نے تو ابھی تک سیر کے پہلے قدم پر ہیں۔ آگ کے سمندروں کی سیر کہاں۔ پاک ہے وہ اللہ جو سبز درختوں میں آگ پیدا کرتا ہے پھر اس کو نور بنا دیتا ہے۔ اور اے بھائی اگر آپ کو ہمارے بیان میں شک ہے۔ تو نمرود ذلیل اور ابراہیم خلیل علیہ السلام کا واقعہ یاد کرو کہ کس طرح وہ دھڑا دھڑ آگ جل رہی تھی۔ اور خلیل علیہ السلام کو اس کے اندر پھینک دیا گیا تھا۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ آپ کا ارادہ تھا۔ تو اس نے آگ کو ٹھنڈی اور سلامتی والا بنا دیا۔ اسی طرح سالک کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس سے بھی ایسا ہی معاملہ کرے۔ اور غیبی امداد کی توجہات کا منتظر رہے۔ جو کہ شیخ اکمل کے ہاتھ پر ظاہر ہوں۔ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر یا قدرت کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر بہت زیادہ نعمتیں ہیں۔ جب یہ ردی چیزیں اچھی طرح اس کے اندر سے نکل جائیں۔ تو ضروری ہے

ہے۔ کہ ان کا وجود اصلی ہے۔ وہ بھی فہم مقصود سے خارج ہے۔ اور یہ اسی کے مطابق ہے۔ کہ جو متقدمین نے ہر اور اذکار کے بارے
میں ہے۔ اور چونکہ اس میں کافی تفصیل تھی۔ لہذا میں نے اس کو کسی اور وقت کے سپرد کر دیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے بیان کیلئے
اگر اللہ توفیق عطا فرمائیں۔ تو چاہیے کہ ہم شغل مذکور کی طرف رجوع کریں۔ مثلاً سالک یہ قول کہے۔ لا الہ الا ھو الرحمٰن الرحیم
الملک القدوس الخ یعنی ایک ایک اسم کہتا جائے۔ اور ہمارے ذکر کردہ قاعدہ کے مطابق ان میں عمل کرتا جائے اور میں انشاء اللہ
حاشیہ میں اس جگہ مفصل بیان کروں گا۔ اس کو یاد رکھو۔

پس اہل قلب کے لئے ضروری ہے کہ ان معارف سے مزاحم ہونے والی چیزوں کو دل کے سوراخ سے خارج کرنے میں
مشغول ہو جائیں ورنہ وظیفہ ذکری مضبوط اور مستحکم نہیں ہوگا۔ اور وہ ھباءً منثوراً ہو جائے گا۔ جب ایمان سے ان کا اخراج
ہو جائے جیسا کہ اس کی کوشش ضائع نہ ہو جائے۔ اور ابلیس کی طرح معزول نہ ہو جائے۔ العیاذ باللہ تو کمالات کے تصفیہ میں
مشغول ہو جائے۔ کیونکہ عبودیت بندے کے نفس کی ذلت۔ اور ہر بڑائی اور کمال کا اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنے کا نام ہے۔ جب
کبھی کوئی معزول ہوا ہے۔ تو وہ صرف اس وجہ سے معزول ہوا ہے۔ کہ اس نے اپنے لئے وجود ثابت کیا۔ اور پھر جو اپنے لئے
وجود ثابت کیا۔ اور پھر جو اپنے لئے بڑائی کا اثبات کرے۔ اس کا ٹھکانا کہاں ہے۔ آپ غور نہیں کرتے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ملک اور ملکوت میں اختیار دیا۔ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے عبودیت کو پسند کر لیا۔ پس تکبر الوہیت
کا وصف ہے اور ذلت بندگی کا لازمہ۔ پس جو شخص وصول کی جنت میں داخل ہونا چاہے اسے چاہیے کہ ذلت اختیار کرنے کو اپنا
وصف اور لازمہ بنالے۔ ورنہ اس کے منہ پر معزولی اور فنا کے ڈھیر پڑیں گے۔ اے اللہ میں تجھ سے عبودیت کا سوال کرتا ہوں۔ اور
اسی طرح اس مضمون کے مطابق جنت سے مراد رویت مشاہدہ الاہیہ اور وصول قدسی کی جنت اسی زندگی میں مراد ہوگی اور
اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ" جس نے خالص اور مخلص ہو کر لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں
داخل ہو گیا" اس میں جو ماضی کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ جو کہ تحقق پر دلالت کرتا ہے۔ وہ ہمارے اسی مذکورہ مضمون کی طرف
اشارہ کر رہا ہے اور اس میں تفصیل ہے۔ جو عنقریب ابیات قدسیہ کے ذیل میں آئے گی۔

اور باقی رہا لطیفہ روحیہ تو کمال کی طرف ترقی کرنے والے مرید کا اس میں وظیفہ یہ ہے کہ مستحکم اور مضبوط ذکر کے
حصول کے بعد روح کے صفحہ کو اپنے کمالات خیال کے نقوش کی صورتوں سے پاک کرے۔ پھر وہ عالم امر اور عالم خلق کے عجیب
و غریب امور میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ انہی کی صفات خدا سمجھنے لگتا ہے۔ اور یہ ان کی کمال لطافت اور صفائی
کی وجہ سے ہوتا ہے۔ وہ بعد کو قرب سمجھتا ہے جیسے پیاسا سراب پیاس کے غلبہ کی وجہ سے پانی خیال کرنے لگتا ہے۔ اور یہ غلبہ
کی دو چیزوں سے پیدا ہوتا ہے۔ پہلی وجہ تو یہ ہوتی ہے کہ وہ ترقی کی طلب کے غلبہ سے مغلوب ہو جاتا ہے اور اس طرح خلل
پڑ جاتا ہے۔ اور دوسری وجہ اس کی وہ صفائی ہوتی ہے۔ جو اسے روح کے صفحہ کی گہرائیوں میں نظر آتی ہے اور اس کی مثال ایسی
ہے جیسے کسی آدمی پر بھوک کا غلبہ ہو۔ اور اُسے جَو کی روٹی اور تالاب کا پانی مل جائے۔ اور وہ اُسے کھانے میں مشغول ہو جائے۔
اور کوئی اس سے کہے۔ کہ ذرا آگے رنگا رنگ کے لذیذ کھانے پڑے ہوئے ہیں۔ تو وہ چھوڑ کر یہ کھا رہا ہے۔ تو وہ کہتا ہے۔
بھوک دور ہو رہی ہے۔ میں اس پر خوش ہوں۔ اور رنگا رنگ کے کھانے کہاں موجود ہوں گے۔ بس یہی کچھ ہے اور اس سے زیادہ

Scanned by CamScanner

میرے لئے اور کوئی چیز لذیذ اور مرغوب نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ولایت شہودیہ والے اکثر اسی چیز میں رہ جاتے ہیں جو ان کو لئے ظاہر ہوتی ہے وہ سمجھ لیتے ہیں۔ کہ کمال بس یہی ہے۔ حالانکہ کمال اس سے آگے چل کر بلا تحقیق کی آبادیوں میں ہوتا ہے۔ تفتہ مختصر یہ کہ سالک کے لئے اذکار روحیہ کے حصول کے بعد ضروری ہے کہ روح کے آئینہ کو خیالی کدورات کی گندگیوں سے پاک وصاف کرنے میں مشغول ہو جائے۔ کیونکہ وہ ایسے ظلمات ہیں۔ جن سے رفیق اعلیٰ کی طرف ترقی رک جاتی ہے۔ اور اس میں اور ابطال میں جو عبارت غوثیہ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے ضمن میں گزر چکا ہے تصریح ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا" غوث اعظم جو اجسام اور نقوش سے نکل جائے۔ اور پھر اس کے بعد قلوب وارواح سے نکل جائے۔ اور پھر اس کے بعد امر اور حکم سے نکل جانے تو وہ میرے ساتھ واصل ہو جاتا ہے۔" اور اس عبارت کی شرح اگر بہت بھی بیان کروں اور اس کی تفسیر و ترجمانی میں بہت کچھ بھی کہوں تو اس کے سمندر سے ایک قطرہ اور سورج سے ایک شعاع ذرہ بھر بھی بیان نہ ہوگا۔ لیکن جس کا سینہ کھل چکا ہے اور جس کی روح صاف ہو چکی ہے وہ اس کا مطلب سمجھ جائے گا۔ اور وہ بھی سمجھ جائے گا۔ جو جستجو اور تلاش میں ہے اور پھر یہ جو اجسام اور اس کے توابع میں جمع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یا تو سالکین کے افراد کے اعتبار سے ہے اور یہ تو ظاہری نقطہ ہے۔ پھر یہ ایک اور دقیقہ نکتہ کے لئے ہے اور وہ یہ ہے کہ جسم ونفس وقلب وروح میں ظلمات کی صفائی اور تصفیہ کے اعتبار سے مختلف مراتب ہیں۔ گویا کہ ہر درجہ میں وہ ایک نیا جسم ہے۔ نیا نفس ہے اور نیا دل ہے اور نئی روح جب اس سے یہ چیز بھی واضح ہو گئی۔ کہ ان تمام میدانوں میں حالات مختلف ہوتے ہیں۔ جس پر اللہ تعالیٰ دروازہ کھول دیں وہ اس کی طرف پہنچ جاتا ہے۔ انجلاء الخاطر میں اسی طرف اشارہ ہے کہ یہ دل جب صحیح ہو جاتا ہے تو اس میں کئی ایک باغ پیدا ہو جاتے ہیں ان میں درخت اور پھل ہوتے ہیں۔ اس میں جنگل اور بیابان ہوتے ہیں۔ دریا، نہریں اور پہاڑ بن جاتے ہیں۔ اور وہ دل انسانوں جنوں اور ملائکہ اور ارواح کا مجمع بن جاتا ہے۔" اور یہ چیز سمجھ سے بالاتر ہے۔ عقول ان کے احاطہ کی طاقت نہیں رکھتیں۔ وہاں کی کوئی چیز بھی عبارت میں نہیں آسکتی۔ اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے۔ وہ صرف اشارات ہیں۔ جو اس پر مطلع ہونا چاہے وہ حال اور کمال کے لئے کوشش کرے یہاں تک کہ اس کو وصال نصیب ہو جائے۔ پھر جب تیرے دل کے خیالات ختم ہو جائیں۔ اور سیر میں تیرا آگے بڑھنا رک جائے تو قرب اور وصل کی منزل آجائے گی۔ اور اس چیز کو بھی شیخ اجل نے اپنی کتاب جلاء الخاطر میں واضح فرمایا ہے اور اس میں کافی تفصیل ہے۔ جس کو پہلے قلوب صافیہ اور ارواح وافیہ کے سپرد کر دیا ہے۔

اور اب آگیا لطیفہ سر۔ یہ تو اس کے تین مراتب ہیں جیسا کہ اس کی طرف اشارہ پہلے گزر چکا ہے۔ سالک پر لازم ہے کہ اس کا ذکر حاصل کرنے کے بعد سر کی طرف منسوب ہونے والے ظلمات سے اس کی حفاظت کرے لیکن یہ معلوم ہونا ضروری ہے۔ کہ اس لطیفہ کے ظلمات فی نفسہٖ بڑے جلیل امور ہیں۔ اگرچہ وہ سیر کی صفائی کی لغت سے ظلمات ہیں۔ جیسا کہ "نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کی برائیوں جیسی ہیں۔" اور یہ اسی طرح ہے۔ کہ جیسے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات جب کہ آپ بارگاہ الٰہی میں پہنچے۔ تو ارادہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی بہترین ثناء کریں اور عبادات کو حمد اور سجدہ میں سے بہترین اور نہایت پاکیزہ دعوات خدا کی جناب میں پیش کریں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا "اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ٹھہر جا اللہ ثناء بیان کرے گا۔" یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میری ثناء اور عبادت کے ارادہ سے رک جا۔ کہ فانی کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا۔ ارادہ بشریہ سے فارغ ہو کر میرے ارادہ سے متعلق ہو جاؤ۔ کہ میری تم صفت و ثناء بیان کرنے پر قادر ہو سکو۔ جب تو اس طرح کا ہو جائے گا۔ تو پھر تو عبادت نہیں کرے گا۔ بلکہ میں عبادت کروں گا۔

قرآن میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔ ترجمہ: اور تو نے نہ پھینکا جب تو نے پھینکا۔ بلکہ اللہ نے پھینکا کا یہی مطلب ہے۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قول لا احصی ثناء علیک کما اثنیت علیٰ نفسک کا بھی یہی معنی ہے یعنی میں اس وقت تک تیری ثناء کے لائق قدرت حاصل نہیں کرسکتا۔ جب تک کہ میں اپنے نفس سے تجھ میں فانی نہ ہو جاؤں۔ سو تو ہی اپنے نفس پر ثناء بیان کرسکتا ہے۔ اور یہ اسی قاعدہ کے موافق ہے۔ جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی سے نقل کرتے ہوئے فرمایا۔ بندہ نوافل سے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کے کان اور آنکھیں بن جاتا ہوں۔ وہ میرے ساتھ دیکھتا ہے اور اس حدیث کے الفاظ فتوح الغیب میں مذکور ہیں ؛

قصہ مختصر یہ کہ فنا کے بعد ارادہ ایک ظلمت ہے سالک کے لئے ضروری ہے۔ کہ اس سے اجتناب کرے کیا تم آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے قول کی طرف غور نہیں کرتے جو آپ نے غوثیہ میں فرمایا ہے کہ "وصول کے بعد عبادت اللہ عظیم کے ساتھ شرک ہے" تو اس طریق کے چلنے والوں اور خالص شراب کے پینے والوں پر نہایت ضروری ہے۔ کہ وہ پہلے لطیفے سے لیکر آخر تک حجابات سے بچیں اور سلوک کے وقت بھی اور پوری سیر ختم ہو جانے کے بعد بھی اس محافظت پر مداومت کریں کیونکہ کٹ جانے اور زوال پذیر ہو جانے کے خطرے سے کسی وقت بھی اطمینان نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے۔ اہل باطن کے مذاق کے مطابق یہ قاعدہ مقرر ہو چکا ہے۔ کہ "اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطمئن ہو جانا کفر ہے۔ اور اس سے مایوس ہونا کفر ہے" تو ضروری ہے کہ حصول اور اس کے بقا کے لئے شغل جاری رہے پس راہ چلنے والے لوگ تو کمال حاصل کرنے کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ اور منتہی اس کو ہمیشہ مستقل طور پر قائم رکھنے کے لئے اور اسی وجہ سے وہ واقعہ ہوا جو شبلی نے اولیاء اللہ میں سے ایک آدمی کو روتے دیکھا۔ تو اس سے پوچھا "کیوں روتا ہے؟" تو اس نے کہا "میرا حال زائل ہو گیا ہے" پھر ایک مدت کے بعد شبلی اس کے پاس آئے۔ اور وہ پھر رو رہا تھا۔ تو شبلی نے اس سے پوچھا "کیوں روتا ہے" اس نے کہا۔ میں نے اپنی گمشدہ چیز پالی۔ لیکن اب میں اس لئے روتا ہوں۔ کہ معلوم نہیں کہ اب یہ باقی رہتی ہے یا فنا ہو جاتی ہے اللہ کا نام پاک ہے اس کی تدبیروں سے صرف خسارہ اٹھانے والی قوم ہی مطمئن ہو سکتی ہے۔ اور یہ حجابات کا مجمل بیان تھا۔ جو لطائف کی صفائی کے انوار کا باعث ہیں۔ باقی رہی ان کی تفصیل تو وہ سالکین کی استعداد کے خلاف کے سپرد کر دی گئی ہے۔ کہ اس میں ابتدا اور وسط اور انتہا ہے۔ اے اللہ ہمیں ان چیزوں کا مذاق نصیب فرما۔ اور ہمیں ان لوگوں سے نہ بنا جو کہتے ہیں اور کرتے نہیں۔ یہ خسارہ اٹھانے والے لوگ ہیں اے اللہ ہمیں ہماری اپنی اور غیروں کی برائیوں سے محفوظ رکھ۔ تو وعدے کا خلاف نہیں کرتا ؛

ارشاد غریب وایراد عجیب! اے بھائیو! اس عاجز بندے پر ظاہر ہوا ہے۔ کہ لطائف کی سیر کے دوران سالک کو پوری مُہلت سے ذکر، فکر، فنا اور بقا اور اصول میں عبور حاصل ہو جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی ایسا نہیں بھی ہوتا۔ بلکہ بعض سالکین پر تو ذکر کا دروازہ اس طرح بند ہو جاتا ہے۔ کہ وہ مجاہدہ میں تنگ آ جاتے ہیں۔ اور ان کو سمندر سے ایک قطرہ اور جنگل سے ایک ذرہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اور یہ سب کچھ اسی وجہ سے ہے کہ استعداد کے جنگل اور استجذاب کے سمندر میں کمال درجہ کا فساد ظاہر ہو جاتا ہے بیان کیا جاتا ہے کہ سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ پر ابتدائے امر میں یہ دروازہ بند ہو گیا۔ آپ زبان سے بڑے زور کی آواز سے اپنے ماموں کے دروازہ پر کھڑے ہو کر جو کہ آپ کے حال سے واقف تھے۔ اور آپ کے مرشد بھی تھے یعنی سری سقطی کے دروازہ پر ذکر جہر کرتے یہاں تک کہ آپ پر دس سال کی طویل مدت گزر گئی۔ اور یہ دروازہ نہ کھلا۔ اور وہ اپنے شغل میں لگے رہے۔ کوشش

کہ اس معاملہ میں دہ سلطان اور امین کہلائے ہاں جو بھی دروازہ کھٹکھٹائے وہ داخل ہو جاتا ہے جو غوطہ زنی کرے وہ داخل ہو جاتا ہے
کرتے رہے۔ نہ توقف کیا۔ نہ حیران و پریشان ہوئے۔ تو پھر ناگہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح مبین عطا فرمائی۔ اور اتنی بلندی پر چلے گئے
جو کوشش کرے پا لیتا ہے تم اس معاملہ میں سراسر ہوس ہو ورنہ تمہارا رب تو تلاش و جستجو میں ہے۔ پس پورا اور اصلی قاعدہ یہ ہے
کہ دروازہ کو لازم پکڑا جائے۔ اور نسبت کے حصول پر اگر زیادہ مدت گزر جائے تو اس پر ثابت قدم رہے۔ جب تو کافی عرصہ دروازہ
پر کھڑا رہے گا۔ تو اللہ تعالیٰ تجھ پر اپنا دروازہ کھول دیں گے۔ کہ عُسر کے بعد یُسر (تنگی کے بعد آسانی) لازمی ہے اور اللہ تعالیٰ
نے اپنی کتاب جمیل میں اس کا وعدہ فرمایا ہے؛
بیان کیا جاتا ہے۔ کہ بعض لوگوں پر مجاہدہ چالیس سال تک لمبا ہو گیا۔ اور مشقت کے باوجود نہ تو ان پر دروازہ کھلا۔ نہ ان کا حال
پہلے سے کچھ اچھا ہوا۔ تو انہوں نے اپنی گردن میں طوق ڈال لئے اور پاؤں میں بیڑیاں پہن لیں۔ اور اپنے آپ کو شاہی قید خانہ میں
ڈال دیا۔ اور اس پر بھی دس سال گزر گئے یا کچھ کم و بیش۔ تب کہیں جا کر ان کو اللہ تعالیٰ نے فتح عظیم عطا فرمائی لہٰذا غافل اور جلد باز گو
تمہارا مجاہدہ میں کیا حال ہے تم ایک ہی دن کے بعد مشاہدہ کا مطالبہ کرنے لگتے ہو۔ اور جھوٹ بات کہتے ہو۔ کہ یا تو صرف جادو ہے تمہاری مثال
تو اس جلد باز کی سی ہے جو دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہے تو درمیان میں وحی آنے کا انتظار کرنے لگتا ہے۔ سو بخشش مانگو۔ اور توبہ کرو
اور پوری طرح اس دروازے کو پکڑو۔ اور عمومی حالت میں ثابت قدم رہو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ لے آئے۔ کہ مشی رب الارباب
کے انوار سے بہت ہی دور ہے مختصر یہ کہ قاعدہ یہی ہے کہ جب سالک پر فتح کا دروازہ بند ہو جائے۔ تو اسے بہت زیادہ مجاہدہ کرنا
چاہئے۔ کہ مشاہدہ اکثر مجاہدہ کا باعث ہے اور قادر تو قادر ہی ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے اور ہر وجہ سے علاج معالجہ
کرے اور اس وجہ اتم ہمت عالیہ اور اخلاص ہے۔ جو اطاعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نہایت ضروری ہے۔ تو پھر زبان
سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے جب ذکر مستحکم ہو جائے تو ترتیب مذکورہ کے ساتھ لطائف کی طرف توجہ کرے۔ تو سب سے پہلے
پہلے لطیفہ میں شروع ہوا۔ اگر مجاہدہ کے باوجود اس پر اس کا دروازہ بند ہو جائے۔ تو بہتر یہ ہے کہ اس لطیفہ سے اوپر کے درجہ
کے لطیفہ میں مشغول ہو جائے۔ وعلیٰ ہذا القیاس اگر کامیاب ہو جائے تو بہت بہتر ورنہ اس طرح مشغول رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ
کی مدد اور فتح آ جائے۔ تو تو اذکار کو دیکھے گا۔ کہ وہ اس کے لطائف میں اللہ کے دین پر مشتمل ہو کر داخل ہونے لگیں گے اگرچہ
شیاطین اور خواہشوں کے لشکر اس کو ناپسند کریں۔ اور دوسرے طریقہ میں اسماء الٰہیہ کے متعلق بھی اسی طرح کرتا جائے۔ اگر
ایک اسم کا ذکر بند ہو جائے۔ تو بہتر یہ ہے کہ دوسرے اسم کی طرف منتقل ہو جائے۔ اسی طرح کرتا جائے۔ یہاں تک کہ خدا کا نوشتہ
پورا ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مرشد جب کسی مرید کو وارث ارشاد کرنے کا ارادہ کرتے تو اس کو اپنے پاس بٹھا لیتے۔ اور اس
پر وہ اسماء پڑھنا شروع کرتے جو حدیث میں مذکور ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کو شمار کیا۔ وہ جنت میں بغیر حساب
و کتاب داخل ہو گیا۔ پس ہر وہ اسم جس سے سالک متاثر ہو جاتا۔ اسی کے دو واحد ذکر کا اس کو اس کے حکم دیتے ہیں۔ اور یہ ایک
دقیق معاملہ ہے اس کو وہی آدمی معلوم کر سکتا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت قبول کرنے کی توفیق بخشی ہو۔
مختصر یہ کہ سلوک کے اذکار و اذکار وغیرہ میں جیسے کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے ترتیب کی رعایت لازمی اور ضروری ہے۔
لیکن اگر چیز عارضی ہو جائے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے تو ضروری ہے کہ اس احسن طریقہ پر عمل کیا جائے جو سالک کے دل میں اثر

کرے۔ ہر ایک لطیفہ میں ہر ایک اسم میں جو سالک سے مناسبت رکھے۔ اس کو سمجھ اور یاد رکھو۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ مریض کو اس کے مناسب حال دوا اور غذا دی جاتی ہے۔ اور یہ بیان شروع سے لے کر آخر تک مناسبات پر مشتمل ہے اس میں اس کی رعایت کو ملحوظ رکھو۔ اور اللہ ہی کے لئے اول و آخر حمد ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ غیب اور حاضر کا جاننے والا ہے۔ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا۔ تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے۔ اگرچہ مشرک لوگ اسے ناپسند کریں اور اللہ اپنے رسول اور ان کی آل اور صحابہ اور تابعین پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

عبادت جلیلہ:- اگرچہ میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی مدد سے بہت بیت کے معنی مع اس کے مفہوم کے مختصر طور پر بیان کر چکا۔ لیکن میں اب آپ کو بیت کے معنی بکر سقانی الحب الخ کے معنی پر بھی متضمن عبارت کا اعادہ کرتا ہوں۔ اور عبادت جلیلہ کے نقل کرنے میں فائدہ یہ ہے۔ کہ اس سے اس کی تائید ہو جائے گی۔ کہ یہ قصیدہ عین صحو کی حالت میں صادر ہوا ہے۔ اور یہ قصیدہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا ہی کا ہے۔ اس میں کوئی کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے اور وہ عبارت جلاء الخاطر سے منقول ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ بندہ مومن اپنے ایمان کی تحقیق میں ہمیشہ معروف رہتا ہے۔ یہاں تک کہ عارف اللہ ہو جاتا ہے اس کو جانتا ہے۔ اس سے قریب ہو جاتا ہے۔ اس سے داخل ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر ترجیح دیتا ہے۔ اس وقت وہ اپنا مال دروازے پر کھڑے ہوئے فقراء پر تقسیم کر دیتا ہے۔ اس کی تمام ترہمت یہ ہوتی ہے۔ کہ وہ دار قرب میں داخل ہو جائے۔ اور وہ اس محل تک پہنچنا چاہتا ہے۔ جو جنت میں ہے۔ تو اس کا سر اس کو جنت کے دروازے تک لے آتا ہے۔ وہ خلق اور وجود کے دروازے بند کر دیتا ہے۔ اور وہ خود بنفسہٖ بادشاہ کے دروازے تک ترقی کرتا ہے وہ اس جگہ بیمار رہا بن جاتا ہے۔ گویا کہ وہ ایک گوشت کا ٹکڑا گرا پڑا ہے۔ منتظر ہے کہ لطف کے قدم اس کے اوپر سے گزریں۔ اور اسے مسل کر رکھ جائیں۔ وہ رحمت کے لمحہ کا منتظر ہوتا ہے۔ اور احسان اور کرم کے ہاتھ سے مدد چاہتا ہے۔ وہ اسی کیفیت میں ہوتا ہے کہ وہ قرب کے مخدع میں پہنچ جاتا ہے وہ طبیب خبیر کے ساتھ لطف کی گود میں چلا جاتا ہے۔ وہ اس کی بیماری دور کرتا ہے اس کی قوت اس کو واپس کرتا ہے۔ اس سے انس کرتا ہے۔ اس کو خلعت اور زیور اور تاج پہناتا ہے اسے فضل کا کھانا کھلاتا ہے اسے انس کی شراب پلاتا ہے اس وقت اس کو وہاں قرب میں راحت پہنچتی ہے۔ وصول کی چوٹیوں پر خوشی اسے لے جاتی ہے۔ تمام مخلوق اس سے نیچے ہوتی ہے۔ وہ ان کی طرف رحمت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہوتا ہے۔ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتے ہیں ان کے دل مخلوق کے لئے رحمت سے بھر جاتے ہیں۔ وہ مسلمانوں اور کافروں اور عوام اور خواص کو رحمت نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ ہر ایک سے مہربانی سے پیش آتے ہیں۔ اور ان سے حدود شریعت کا مطالبہ کرتے ہیں یہ ظاہر میں مطالبہ ہوتا ہے۔ اور باطن میں رحمت ہوتی ہے۔ اے اللہ کے بندو جب تم ایسے لوگوں سے کسی کو دیکھو تو اس کا دامن تھام لو۔ اس کی نعمتوں کو قبول کرو۔ وہ تمہارا خیر خواہ ہے اے نفس اور خواہش اور کم علمی کے باوجود گھروں اور عبادت خانوں میں بیٹھنے والو تم پر لازم ہے۔ کہ شیوخ اور علم کے مطابق عمل کرنے والوں کی صحبت اختیار کرو۔ ان کے قدموں اور جوتیوں سے برکت حاصل کرو۔ اور ان کے توڑنے پر صبر کرو۔ یہاں تک کہ تمہاری خواہشیں ختم ہو جائیں، تمہارے نفس ٹوٹ جائیں اور تمہاری طبیعتوں کی آگ بجھ جائے اس وقت تم دنیا کو پہچان لوگے۔ اور تم اس کو حاصل کر لوگے اور وہ تمہاری ایک خادمہ ہوگی" آپ کے آخری قول

نکتہ اے قوم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ اور اللہ کی مخلوق میں سے نیک لوگوں کو سچا سمجھو۔ اللہ تعالیٰ سچا ہے۔ اور رسول سچا ہے۔ اور اللہ سے بات کہنے میں سچا کون ہو سکتا ہے۔ رسول بھی سچے ہیں اور نیک لوگ بھی سچ کہتے ہیں۔ اور ان کا سچ اللہ سے مشتق ہوتا ہے۔" یہ تھی جلاء الخاطر کی عبارت اور اس میں کئی ایک رموز اور اسرار ہیں جن کو ہم نے طالب کی سعادت کے سپرد کر دیا ہے اے اللہ ہمیں اپنے پاکیزہ رزق میں سے طیب رزق عطا فرما۔ جب کہ تو نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے تیرے رب کا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی بہترین مخلوق محمدؐ اور ان کی آل اور صحابہ اور آپ کے تابعین رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین یارب العالمین ؎

مناجات:۔ اے اللہ ہمیں اطاعت شعار مومن بنا۔ ہماری زبانوں کو اپنے ذکر سے تر رکھ۔ ہمارے نفسوں کو شریعت کا مطیع بنا۔ ہمارے دلوں کو اپنی معرفت سے بھر دے۔ ہمارے ارواح کو اپنے مشاہدے سے سرفراز فرما۔ ہمارے اسرار کو قرب کی نعمت بخش۔ اور اپنی طرف سے بہت کچھ مزید بھی عطا فرما۔ اے اللہ اے اللہ ہمارے لطائف کو معافی کا رزق عطا فرما اور ہماری نگاہوں کو ظلمات ناسوتیہ اور ملکوتیہ اور جبروتیہ کی وجہ سے مشاہدہ سے محجوب نہ بنا۔ اپنے انوار سے ہمیں گھیرے۔ ہمارے نفوس کو انوار کی روزی عطا فرما۔ اے ہمارے رب تو ہی بلند اور بڑا ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں۔ تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔ اور ہم پر بوجھ نہ ڈال۔ ہمیں محروم کر کے واپس نہ لوٹا۔ ہمیں ہدایت اور راہ نمائی میں زیادہ کر دے اور اے عطیات کے بخشنے والے۔ اے گناہ کے معاف کرنے والے ہمیں باقی رہنے والی نیکیوں کی روزی عطا فرما۔ (دوسرا بیت)

وَاَطْلَعَنِیْ عَلٰی سِرٍّ قَدِیْمٍ ؎ وَقَلَّدَنِیْ وَاَعْطَانِیْ سُؤَالِیْ

لغت:۔ الاطلاع کا معنی ہے کسی کو دیدہ ور کرنا۔ آگاہ کرنا۔ کسی پر نگاہ کرنا۔ اور اپنے راز پر کسی کو مطلع کرنا اور اس معنی پر اس کا صلہ کلمہ علیٰ سے آتا ہے اور اس معنے سے قصیدہ مبارکہ میں آیا ہے۔ اور کسی چیز کو باہر لانا۔ اور درخت کا شگوفہ نکالنا۔ اور تیر کا نشانہ سے اوپر سے گزرنا۔ اور تغیر میں اس کے معنی ہیں۔ کسی چیز پر جھانکنا۔ کسی چیز کی طرف دیکھنا اور سر کے معنی پہلے گزر چکے ہیں۔ اور انشاء اللہ اس کی تفسیر آئندہ بھی آئے گی۔ اور قدیم کے معنی ظاہر ہیں۔ اور اس سے مراد بھی واضح ہو جائے گی۔ اور تقلید کا معنی ہے گردن میں ہار یا اور کسی چیز کا ڈالنا۔ کسی عہدہ کا کسی کے ذمہ لگا دینا۔ اور قربانی کے جانور کے گلے میں قربانی کی علامت کے طور پر کوئی چیز لٹکا دینا۔ اور شمشیر لٹکانا۔ اور اسی سے "تقلید القضاء" لفظ ہے اور تقلید کا معنی بغیر کسی دلیل کے کسی کے قول کو قبول کرنا بھی ہے۔ اور اس قصیدہ مبارکہ میں دوسرا معنی مراد ہے یعنی کسی کام کا کسی کے سپرد کرنا اور اعطاء کا معنی کا ہے۔ کوئی چیز کسی کو دینا۔ اور سؤال قرآن مجید میں ہمزہ کے ساتھ ہے۔ اور ہمزہ کا تبدیل ہونا بھی ہے۔ اور کہا جاتا ہے۔ سول وسوال ومسالہ ومسل۔ اور اس کا معنی ہے مانگنا۔ پوچھنا اور کبھی کہا جاتا ہے کہ سؤل بالضم بھی ہے مانگنا۔ اور حاجت یعنی ہمزہ اور تلیین کے ساتھ اور قصیدہ مبارکہ میں اس سے مراد یا تو مصدری معنی ہیں۔ تو اس صورت میں اعطاء کی اس کی طرف نسبت مجازی ہو گی۔ یعنی اس نے مجھ کو وہ چیز دی۔ جس کے متعلق سوال ہے۔ اور یا پھر مسئول کے معنی میں ہوگا۔ اور اس صورت میں مجاز لغوی ہوگا۔ اور یہ بہت اور مشہور ہے ؎

النحو:۔ اطلاع فعل ماضی ہے اور اس کا فاعل وہ ضمیر ہے جو یا تو حُبّ کی طرف راجع ہے جب کہ قصیدہ کی ابتداء کے ساتھ

زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ جب کہ آپ نے سقی کی نسبت حب کی طرف کی ہے۔ اور یا پھر ضمیر ذوالجلال کی طرف راجع ہے جیسا کہ یہ لفظ اقرب ہے اور معنی کے لحاظ سے زیادہ فائدہ مند ہے یعنی حضرت ذوالجلال کی بارگاہ میں قرب کی جہت کی حیثیت سے زیادہ فائدہ مند ہے اور آپ کے اس قول کے زیادہ مناسب بھی ہے ودلانی علی الاقطاب جمعًا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو۔ جو کہ آپ رضی اللہ عنہ کے دل میں مرکوز ہے جب کہ مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے قول الیه یصعد الکلم الطیب کے خطبہ تنقیح میں اس کی صراحت کی ہے۔ کہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ کیونکہ مومن کا دل اللہ کے ذکر سے کسی حال میں خالی نہیں ہوتا۔ اور اس کا حضور مشاہد ہے۔ اور اس میں غیبت یا تو ظاہر کے طریقہ کی رعایت سے ہے۔ اور اگر اس کو غیبت وجود پر محمول کر لیا جائے۔ کیونکہ جب سالک درمیان سے اپنے نفس سے غائب ہو جاتا ہے۔ تو وہ پورا ہو جاتا ہے۔ اور اس میں وقت ہے۔ اور نون تو وقایہ ہے۔ اور اس کی یا یائے متکلم ہے۔ اور علیٰ کا کلمہ صلہ ہے۔ اطلعنی کا اور سر قدیم صفت موصوف ہیں۔ اور سر کی قدم کے ساتھ صفت لانا دو اعتبار سے ہے۔ جیسا کہ اس کے غیب سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور واؤ ضمیر پر عطف کے لئے ہے۔ اور قلدنی کی ترکیب اطلعنی کے طریقہ پر ہے۔ اور اسی طرح اعطانی بھی اور سوال کا لفظ یا تو یا سے ہے۔ یا یا کو دوسرے قوافی کے اواخر کی رعایت سے حذف کر دیا گیا ہے۔ اور یا کے ساتھ اس کی مناسبت تینوں افعال کی وجہ سے ظاہر ہے اور یہ بھی جائز ہے۔ کہ اس کو بغیر یا کے پڑھا جائے۔ کہ یہ حقیقت اصل میں سوالاً ہو۔ اور الف کو حذف کر دیا گیا ہو اور قافیہ کی رعایت کی وجہ سے اس کو کسرہ دیا گیا ہو۔ جیسا کہ سلام علیٰ من شم توبة احمد میں ہے۔ جیسا کہ نحو کی کتابوں میں مذکور ہے۔

البلاغت :- اطلع کے ماضی میں ہونے کا ماضی پر دلالت کرتا ہے اس طرف اشارہ ہے۔ کہ یہ کمالات آپ رضی اللہ عنہ و ارضاہ عنا کے لئے کنت کنزاً مخفیاً کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ میں پہلے ہی سے طے شدہ تھے۔ جب کہ ہم پہلے بھی اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ اور یہی نکتہ قلدنی اور اعطانی میں بھی ہے۔ اور ان افعال کے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے میں ایک اور باریک نقطہ ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ یہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا کے تمام کمالات محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہیں۔ ان میں کسی مجاہدہ کا دخل نہیں ہے۔ یا تو اس طرح کہ وہ کمالات اتنے بلند اور اچھے ہیں۔ کہ ان جیسے مجاہدوں سے حاصل نہیں ہو سکتے یہی وجہ ہے۔ کہ دوسرے اولیاء اللہ کو مجاہدہ کے باوجود ایسے کمالات نصیب نہیں ہوتے جیسے کہ شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کو نصیب ہو گئے۔ اگرچہ وہ بھی اس طرح کے مجاہدے کرتے تھے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ جیسا کہ پہلے اس کا بیان گزر چکا ہے کہ وہ مجاہدے کے بعد ایسے کمالات کے منتظر تھے۔ جیسے کہ شیخ رضی اللہ عنہ کو دیئے گئے۔ اور وہ اپنی مراد تک نہ پہنچ سکے انہوں نے شیخ رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کہ اس میں کیا راز ہے۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ یہ اللہ کا فضل ہے۔ جس کو چاہے خاص کرے یا اس لئے کہ شیخ رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ اور مراد کو بغیر مجاہدہ کے کمالات عطا کئے جاتے ہیں۔ اور پھر وہ مجاہدہ اس لئے اختیار کرتا ہے تاکہ وہ نعمتوں کا شکر گزار بندہ بنے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق مروی ہے کہ زیادہ قیام کی وجہ سے پاؤں پر ورم کی تکلیف برداشت کر رہے تھے۔ تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ نے جب آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ تو پھر آپ اتنا مجاہدہ کیوں فرماتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے عائشہ کیا میں اللہ تعالیٰ

Scanned by CamScanner

کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ اور اس سے یہ چیز بھی ظاہر ہو گئی۔ کہ واصلین وصال کے بعد بھی مجاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ ہم کو وہ شکر گزار نہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ انہوں نے کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے بے خوف نہیں ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

مختصر یہ کہ عبودیت کا لازمہ ہے کہ بندہ اپنے معبود کی عبادت ابتداء سے لے کر انتہا تک کرے۔ اور سِرّ کی صفت جو قدیم لائی گئی ہے تو اس میں اشارہ ہے۔ کہ اولیاء اللہ حقائق کونیہ کے اسرار حادثہ پر بھی اس طرح مطلع ہوتے ہیں۔ کہ وہ ہر چیز کو اس کے اور وجود ظلی سے پہچانتے ہیں۔ اور وجود اصلی تحقیق سے اس کو الگ دیکھتے ہیں۔ لیکن یہ اطلاع سِرّ قدیم کی اطلاع سے کمتر ہوتی ہے۔ اور سِرّ قدیم سے مراد یا تو تکوین کا مرتبہ ہے جو کہ اولیاء اللہ کو کلی تخلق سے حاصل ہوتا ہے۔ اور شیخ میں یہ مرتبہ پوری طرح پایا جاتا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا کہ "تمام اولیاء اللہ جب قضاء و قدر تک پہنچے۔ تو رک گئے۔ اور میرے لئے ایک روزن کھولا گیا۔ تو میں نے قضاء و قدر کو پھاڑ دیا۔ یعنی میں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مطلع کیا۔ قضاء و قدر کی حقیقت پر مطلع ہو گیا۔ پس دوسرے لوگ اگر کامل میں عارف اور اس کی حقیقت پر مطلع نہیں ہیں۔ اور یہ اطلاع اور علم میرا خاصہ ہے۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے مجھے خاص کیا ہے اور باقی رہا وصول ذاتی تو اس کے متعلق کچھ کلام پہلے گزر چکا ہے۔ اور آئندہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے بیان کے ذیل میں آئے گا۔ اور قلدّنی جس کا معنی ہے کسی کو کام پر مقرر کرنا ایک اور نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ صاحب خدمت ہیں۔ اور اس کے متعلق آپ نے اپنے قول وولانی علی الاقطاب میں تصریح فرمائی ہے اور پہلے مجمل بیان کرنے اور پھر صراحت سے کہتے ہیں فائدہ یا تو سامع کو شوق دلاتا ہے کہ وہ ایک بہت بڑا معاملہ ہے اور وہ ہے اقطاب پر متولی ہونا اور تقلید کے متعلق ذکر نہ کرنے اور اس کو اپنے عموم پر رکھنے میں اشارہ ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کو پوری خلافت اور ولایات عطا کی گئی ہیں۔ جیسا کہ نفحات شریفہ میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کو عراق پر والی بنایا۔ پھر مشرق و مغرب اور جنگل اور آبادیاں اور نرم زمین، پہاڑ بلکہ تمام عوام آپ کے سپرد کر دیئے یہی وجہ ہے کہ آپ کو سلطان الکل کہا جاتا ہے اور یہ بھی آپ سے بیان کیا جاتا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ ایک شیخ انسانوں کا ہوتا ہے اور ایک شیخ جنوں کا، اور اسی طرح تمام موجودات کا پھر آپ نے فرمایا اور میں سب کا شیخ ہوں۔ اور اس کی طرف سوال کا نکرہ لانا اشارہ کر رہا ہے۔ اس تقدیر پر کہ یہ اصل ہو یا اس کی اضافت یائے متکلم کی طرف ہو۔ جو دوسرے قوافی کی رعایت کی وجہ سے حذف ہو گئی ہے۔ اس بنا پر کہ یہ اضافت استغراق کے لئے ہو۔ اگر آپ یہ سوال کریں کہ جب آپ کے قول علی الاقطاب سے جو عنقریب آ رہا ہے۔ یہ سمجھا جا رہا ہے۔ کہ آپ کی ولایت اقطاب کے ساتھ مخصوص ہے پھر یہ عموم کا فائدہ کس طرح دے سکتا ہے۔ جس کا آپ دعویٰ کر رہے ہیں۔ تو میں کہوں گا۔ اس عموم کا اقطاب سے ماتحت ولایت کے لئے استلزام ہے تو ظاہر ہے اور جو اس سے اوپر ہیں۔ مثلاً غوث یا اس سے اوپر کے مراتب تو وہ اس لئے ہے۔ کہ اقطاب سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو ولایت کی انتہا تک پہنچ چکے ہیں جیسا کہ اس کی طرف آپ کا قول مقالکم العلی جمعاً اشارہ کر رہا ہے۔ اور آپ کا قول جو آ رہا ہے۔ واقدامی علی عنق الرجال۔ اس طرح پر کہ ہو سکتا ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا قول وکل ولی لہ قدم وانی۔ اس عموم کی تکمیل کے قبیل سے ہو۔ تو اس میں اس وہم کا ازالہ مقصود ہے اور اس کا کچھ حصہ آپ کے قول وکل ولی لہ قدم وانی کی تحریر کے ذیل میں آئے گا۔

طلیقہ ارشادیہ:۔ جان لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی سخاوت اور فیض کے تقاضے سے بندوں کی راہ نمائی کرتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

اور ان کو بھلائی حاصل کرنے پر تنبیہ کرتے ہیں۔" پھر جو آدمی ہدایت حاصل کرے۔ وہ اپنے لئے کرے گا۔ اور جو برائی کرے گا۔ اسی کا وبال اس پر ہوگا"۔ "یقیناً انسان خسارے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے۔ اور حق کی وصیت کی اور صبر کی وصیت کی" یعنی اپنے نفس کو ان لذتوں سے روکا۔ جو حقیقی زندگی اور معنوی وجود کو ہلاک کرنیوالی ہیں پھر جس کو اللہ تعالےٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ یا تو ظاہر شریعت سے اور یہ عام ہے ہر مومن کو اس کا حکم ہے اور یا پھر باطنی طریقے سے جس کو طریقت اور معرفت اور حقیقت کہتے ہیں۔ مختلف درجات پر اور یہ اس کے خاص بندوں کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جسے چاہے راہ نمائی فرماتے اور یہ بھی دو قسم پر ہے یا تو دفعتاً جذبے سے اس صورت میں سالک ایک ہی دفعہ قطعی طور پر منقطع ہو جاتا ہے۔ اور یہ بندوں میں سے کسی کسی کے لئے ہوتا ہے۔ اور یا پھر جذبہ تدریجی سے جو سلوک تو یہ پہنچانے والا نہیں ہے۔ یا اگر پہنچاتے تو بڑی مدت کے بعد جیسا کہ بعض اولیاء میں سے اکثر لوگوں میں ہوتا ہے اور باقی رہا بغیر جذبہ کے صرف سلوک تو یہ پہنچانے والا نہیں ہے۔ یا اگر پہنچائے تو بڑی مدت کے بعد جیسا کہ بعض اولیاء سے مروی ہے۔ کہ ان پر پچاس سال کی مدت گزر گئی۔ پھر کہیں جا کر ان پر فتح باب ہوا۔ پس اس قصیدہ مبارکہ میں اطلاع سے مراد یا تو دفعتہً جذبہ ہے۔ جیسا کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے مرید اور شدید مجاہد ہونے کی رو سے مناسب ہے حالانکہ پہلے آپ مرید تھے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اطلاع اول تو جذبہ دفعیہ سے حاصل ہوئی۔ وہ دوسری اطلاع کے علاوہ ہے۔ جو جذبہ تدریجیہ سے ہوئی۔ اور صورت میں فرق اجمال اور تفصیل کا ہوگا۔ اور اس معنی پر اطلعنی سے مراد اطلاع اجمالی کے بعد اطلاع تفصیلی ہوگی۔ اور یہ اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اور تجھے وہ کچھ سکھلایا۔ جو آپ نہیں جانتے تھے۔ یعنی آپ کو تفصیل سے بتایا۔ حالانکہ پہلے آپ تفصیل سے ناواقف تھے۔ اگرچہ آپ اس کو اجمالی طور پر جانتے تھے۔ اور اسی طرح ووجدک ضالاً فہدیٰ بھی ہے۔ یعنی آپ تفصیل سے واقف نہیں تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تفصیلی ہدایت فرمائی۔ اور اللہ ہی اپنی مراد اور اپنے اولیاء کی مراد کو خوب جاننے والا ہے اور سلوک اور جذبہ کا بیان پہلے تفصیل سے گزر چکا ہے اسے یاد رکھ آپ کو نفع ہوگا؛

بیان معنٰی سرّ بیان:۔ ضروری ہے۔ کہ آپ دل کو حاضر کریں۔ تاکہ وہ راز آپ کو بتایا جائے جس کی وجہ سے آپ دوسرے جانداروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اور خسارے کی گمراہی سے نکل کر رفیق اعلیٰ تک ترقی کرتے ہیں۔ پس جاننا چاہئے کہ سر کے اصطلاحی معنے تو پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ لیکن بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے بیان میں اس سے کیا مراد ہے؟ تو اس میں کئی ایک احتمالات ہیں۔ پہلا احتمال یہ ہے۔ کہ آپ نے سرّ سے مراد ہر وہ چیز لی ہے جو لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ ہے۔ خواہ وہ حقائق ہوں جو خلق میں ودیعت کئے گئے ہیں۔ یا وہ حقائق جو امر دینی میں مقرر کئے گئے ہیں۔ حالانکہ ہر چیز اسی کی قدرت اور اختیار میں ہے اور اس علم پر اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو مطلع فرماتے ہیں۔ یا تو اطمینان کے فائدہ کے لئے جیسا کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں لکھا ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا ہے: "اور جب ابراہیم نے کہا۔ اے میرے رب دکھا مجھے کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے" الآیہ اور اس علم کے فائدے کو قلوب صافیہ اور پاکیزہ ارواح کے سپرد کرتا ہوں۔ اور یا پھر کسی اور امر کے لئے جس پر تو مطلع نہیں ہے۔ اور اس طرح کا معاملہ بہت سے نفوس قدسیہ کے ساتھ گزر چکا ہے۔ اور یہ احتمال سرّ کے تمام معانی کو شامل ہے۔ اور عموم کی حیثیت سے یہ زیادہ بہتر ہے۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے۔ کہ آپ نے اس سے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے مع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات ثابتہ کے مراد لی ہے تحقق

حقیقی کے مطابق جس کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فائز ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں اس کو بیان کیا گیا ہے کہ "میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ میں نے پسند کیا۔ کہ میں پہچانا جاؤں۔ تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا" اور حدیث نبوی کہ "میں بغیر میم کے احمد ہوں" اور آپ کا یہ قول "کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا" اور شیخ اجل کا قول جو غوثیہ میں آپ سے اللہ تعالیٰ سے نقل فرمایا ہے۔ کہ "انسان میری سواری ہے۔ اور وہ میری صفات و کمالات کو اٹھانے والا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "پس اس کو انسان نے اٹھا لیا۔ بے شک وہ ظالم تھا" یعنی اپنے نفس پر کہ اس نے لذت کو چھوڑ دیا اور مجاہدات شاقہ میں داخل ہو گیا۔ کہ جن کے برداشت کرنے سے عظیمہ یعنی آسمان و زمین وغیرہ کی سواریاں عاجز آ گئیں۔ کیونکہ وہ ڈر گئیں اور جھک گئیں۔ اگر ان پر یہ قرآن مجید اتارا جاتا۔ تو وہ پھٹ جاتے جہولا۔ یعنی ان چیزوں سے ناواقف تھا۔ جو اس پر تختیاں اور محنتیں ڈالی جانے والی تھیں۔ اس نے ان سب کو بھلا دیا۔ اور جلیل کے امر کے حکم کے تعمیل کی یہی وجہ ہے۔ کہ انہوں نے اس کی بڑی اچھی تفسیر بیان فرمائی۔ کہ آیت میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہے۔ وہی ان چیزوں پر قادر ہیں اور اس سے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا معنی بھی ظاہر ہو گیا۔ کہ "اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔" اور مختصر یہ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات وہی سِرِّ قدیم ہے۔ جس کی طرف نبی صلے اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے کہ "میں نبی تھا اور آدم ابھی پانی اور مٹی میں تھے۔" اور یہ ظاہر ہے۔ اگر یہ کہا جائے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی صفت قدیم کیسے لائی جا سکتی ہے۔ حالانکہ مذہب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز حادث ہے۔ قدیم صرف وہی ہے تو میں کہوں گا۔ آپ نے اس کے متعلق خوب کہا۔ لیکن حال یہ ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کہ آپ وجود اور امکان کے جامع اور مظہر تام ہیں۔ آپ کا ظاہر بشر ہے اور حادث ہے اور آپ کا باطن اور حقیقت صفات قدیم کے تخلق کی وجہ سے قدیم ہے۔ خبردار اللہ کے دوست فانی نہیں ہیں۔ اور یہاں آپ اس معنی سے مراد ہیں اور یہی حقیقی بقا ہے۔ پس قدیمی ہونا تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس بندے میں تخلق کی حیثیت سے اس کا ظہور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنید بغدادی قدس سرہٗ نے فرمایا۔ بندے کا ظاہر بندہ ہے اور اس کا باطن رب ہے اور یہ وہ سِر ہے جس پر خواص ہی مطلع ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ باطنی امر کا ادراک باطن ہی سے کیا جا سکتا ہے اور یہ اطلاق شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا سے مشہور نماز میں جسے "کبریت احمر" کہتے ہیں منقول ہے: "اے اللہ جوہر شریف ابدی اور نور قدیم محمدی پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔"

مختصر یہ کہ آپ کے لئے اس معنی کا اطلاق بڑے بڑے لوگوں کے کشفی کلام میں ثابت ہے جو اس کا انکار کرے۔ اور میں تردد کرے۔ وہ حیرت کے بھنور میں پڑا ہوا ہے۔ اور اس احتمال پر یہ کلام آپ رضی اللہ عنہ رتبہ نیابت حاصل ہونے کی طرف مشیر ہو گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے سِرِّ قدیم پر مطلع فرمایا ہے کہ میں ان کے اخلاق کریمہ سے متخلق ہوں۔ وہ جیسے بھی ہیں اپنی اس طاقت کے مطابق جو مجھے اللہ عزوجل نے عطا فرمائی ہے۔ کیونکہ نائب اپنے منیب کے علم کلی کے بعد ہی بنیابت قادر ہو سکتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس پر مطلع فرمایا۔ اور آپ کا سوال آپ کو عطا کیا۔ اور اس صورت میں سوال سے مراد یہی نیابت ہو گی۔ کیونکہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ اپنی بلند استعداد اور اپنے فائق صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی وراثت کی وجہ سے اسی نیابت مقصودہ کے متمنی تھے۔ اور اس میں تفصیل ہے جس کا وقت نہیں ہو سکتا۔ اور

یہ احتمال اَتَّ، اللہ تعالیٰ آپ رضی اللہ عنہ کے قول ذکل ولی لہ قدام وانی علیٰ قدم النبی بدر الکمال کے تحت داخل ہو جائے گا۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ تو اطلعنی اور تلدنی اور اعطانی کے معانی کے اس احتمال کو محفوظ رکھے۔ تاکہ تو ہمارے ذکر کردہ بیان میں بصیرت رکھے۔ پس اس کو خوب سمجھ لے۔

اور تیسرا احتمال یہ ہے۔ کہ اس سے وصول ذاتی اور آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا اس منزلت جلیلہ پر فائز ہونا مراد ہو۔ جو ایک بہت بڑا خزانہ ہے۔ اور نہایت روشن عرش ہے۔ کیونکہ اس سے وصول کی نسبت نیچے مراتب گویا کہ باب سیر سے خارج ہیں۔ اور یہ تمام کے تمام اس باب سے خارج ہیں۔ اور یہ وصول سیر فی اللہ ہے جو سیر الی اللہ کے بعد آتا ہے۔ تو اس صورت میں آپ کے قول اطلعنی کا معنی وقفنی ہوگا۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے۔ کہ بعض صحیح نسخوں میں وقفنی کے لفظ آئے ہیں۔ ماسوائے اس کے جس کو وہ خود چاہے۔ پس یہ علم حضوری الٰہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنے بندے کو مشرف فرمایا۔ اور علم عبادی حصولی کی حیثیت سے وہ عدم علم اور خالص جہالت ہے۔ جیسا کہ غوثیہ میں واقع ہوا ہے۔ کہ "علم کا علم کیا ہے"؟ تو آپ نے فرمایا "علم سے جہالت" اور آپ رضی اللہ عنہ کے اس قول کے یہی معنی ہیں۔ کہ "اگر اس کے پاس علم ہے جو چھوڑ دیا جائے تو وہ شیطان ہو جائے۔" اور اس قول کے کہ "علم سب سے بڑا حجاب ہے۔" اور اس قول کہ "تیرا وجود ایک گناہ ہے جس پر اور کوئی گناہ قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس خالص جہالت اور نکارت کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اس قول میں مندرج ہے۔ کہ "تیرا رب عزت کا رب لوگوں کی توصیف سے پاک ہے۔" جیسا کہ یہ ارواح صافیہ اور اسرار ذاکیہ پر مخفی نہیں ہے۔ تو اس احتمال پر آپ رضی اللہ عنہ کے مرتبۂ بقا باللہ میں وصول کلی کی طرف اشارہ ہوگا۔ اس طرح کہ سالک میں وجود بشری کا شعور باقی نہ رہ جائے۔ جیسا کہ فرمایا "اے محمد ٹھہر جا۔ اللہ تعالیٰ خود عبادت کرنے لگا۔" اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی ہ اور آپ نے پھینکا جب آپ نے پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔ اور یہ قول کہ لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار اور یہی وہ خالص جہالت و نکارت ہے جس کا میں نے آپ سے تذکرہ کیا تھا۔ کہ وہ علم حضوری الٰہی ہے جو شعور بشری سے پوری طرح فارغ ہے جیسا کہ اس کو بعض دوسرے عرفا نے صرف "جہل محض" ہی کہنے پر اکتفا کیا ہے۔ بلکہ یہ کہ اس سے مراد وہی ہے جس کو ہم نے ذکر کیا۔ اس حق کو محفوظ رکھ کیونکہ حق قبول کرنے کے زیادہ لائق ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے۔ کہ ان دونوں احتمالات دوسرے اور تیسرے کو تو محفوظ رکھے۔ اور تیسرا احتمال یہ ہے کہ آپ کا قول وتوجنی بتیجان الکمال اور آپ کا قول واطلعنی علیٰ سر قدیم ملعف تغییری کے قبیل سے ہو۔ اور اگر اس کو جہت مغایرت بھی کہا جائے۔ تو یہ بھی درست ہو سکتا ہے۔ اور اللہ ہی ان کی مراد کو خوب جانے اور تیسرے احتمال کے مناسب وہ بیان ہے جو آپ رضی اللہ عنہ سے تکملہ میں مروی ہے

میں تبرک اور تیمن کے طور پر تکملہ کی عبارت نقل کرتا ہوں۔

"شیخ عمر وحاریفینی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ کہ انہوں نے کہا۔ میں نے حضرت شیخ محی الدین سید عبدالقادر رضی اللہ عنہ سے سُنا۔ کہ میں دن رات جنگلوں میں رہا کرتا تھا۔ اور بغداد میں نہیں آیا کرتا تھا۔ شیاطین میرے مقابلہ میں صف در صف سوار اور پیادے اسلحہ اور بے شمار سامان لے کر مقابلہ کے لئے آتے۔ اور مجھ پر آتش پھینکتے۔ میں اپنے

دل کو مضبوط پاتا وہ بالکل متغیر نہ ہوتا۔ اور میں اپنے اندر سے ذرا استغنا: "اے عبدالقادر! اٹھ اور ان کے مقابلہ پر کھڑا ہو جا۔ ہم تجھ کو ثابت قدم رکھیں گے۔ اور اپنی مدد سے تیری تائید کریں گے۔ ان کی کیا حیثیت ہے۔ صرف تیرے اٹھنے ہی سے شکست کھا جائیں گے۔" ایک دفعہ شیطان مجھ پر حملہ کر کے آیا۔ اور کہنے لگا۔ اس جگہ سے چلا جا۔ ورنہ میں ایسا کر دوں گا ویسا کر دوں گا۔ اور باتوں سے مجھ کو بہت ڈرایا دھمکایا۔ میں نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کر دیا۔ وہ رونے لگا۔ میں نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا۔ اور وہ میرے دیکھتے دیکھتے جل گیا۔ اور ایک دفعہ مجھ پر ایک بہت ہی بدشکل اور بری بو والا آدمی ہو کر آیا۔ اور کہنے لگا۔ "میں ابلیس ہوں میں تیری خدمت کرنے کے لئے آیا ہوں۔ کیونکہ تو نے مجھ کو اور میرے تابعداروں کو سخت عاجز کر دیا ہے۔" میں نے کہا "چلا جا" وہ نہ گیا۔ غیب سے ایک ہاتھ برآمد ہوا۔ اس نے اس پر ایسا تھپڑ لگایا۔ کہ وہ زمین میں غرق ہو گیا۔ پھر ایک اور مرتبہ ہاتھ میں آگ کا نیزہ لے کر آ گیا۔ اور میرے مقابل کھڑا ہوا۔ ناگہاں ایک سوار کندھے پر چادر ڈالے کمیت گھوڑے پر سوار ہو کر آ گیا۔ اس نے میرے ہاتھ میں ایک تلوار پکڑا دی۔ شیطان اس وقت پچھلے پاؤں بھاگ گیا۔ تیسری مرتبہ میں نے پھر دیکھا۔ وہ دور کھڑا ہو کر رو رہا تھا۔ اور سر پر خاک ڈال رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا۔ "اے عبدالقادر! تو نے مجھ کو ناامید کر دیا۔" میں نے کہا اے ملعون خدا کرے تو ہمیشہ خسارے اور نقصان میں رہے۔ میں ہمیشہ تجھ سے پرخوف ہوں۔ کہنے لگا۔ تیرا یہ قول میرے لئے پہلے سے بھی زیادہ سخت ہے اس کے بعد میں نے دیکھا۔ کہ بہت سی رسیاں اور جال میرے ارد گرد پڑے ہوتے ہیں۔ میں نے پوچھا "یہ کیا ہیں؟" تو جواب ملا کہ "یہ دنیا کے جال ہیں۔ جن سے تیرے جیسے آدمی کو شکار کیا جاتا ہے۔" میں ایک سال تک ان کی طرف متوجہ رہا۔ یہاں تک کہ میں نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس کے بعد دیکھا۔ کہ ہر طرف بہت سے اسباب اکٹھے ہو چکے ہیں۔ میں نے پوچھا۔ یہ کیا ہیں؟ تو کہنے لگے یہ تیرے ارادے اور اختیارات ہیں میں ان کی طرف بھی ایک سال تک متوجہ رہا۔ یہاں تک کہ میں نے ان ارادوں کا علاج کر لیا۔ خواہشات بیٹھ گئیں۔ اور اس کا شیطان مسلمان ہو گیا۔ اور معاملہ سارا اللہ تعالیٰ کا ہو گیا۔ پس میں اکیلا رہ گیا۔ اور مخلوقات کو پیچھے ڈال دیا۔ اور پھر بھی اپنے مقصود کو نہ پہنچا۔ اس کے بعد میں توکل کے دروازے پر گیا۔ تاکہ اس دروازے سے اپنے مطلوب پر پہنچ سکوں۔ میں نے دیکھا۔ وہاں بہت بھیڑ ہے۔ میں اس سے آگے چلا گیا۔ اور باب شکر میں گیا دیکھا۔ کہ وہاں بھی بھیڑ ہے اس سے بھی گزر گیا۔ اور غنا کے دروازہ پر گیا۔ وہاں بھی بھیڑ دیکھی۔ اس سے بھی گزر گیا۔ اور مشاہدہ کے دروازے پر گیا۔ دیکھا کہ وہاں بھی بھیڑ ہے اس سے بھی آگے گزر گیا۔ اور فقر کے دروازہ پر پہنچا۔ دیکھا کہ وہ دروازہ خالی ہے میں اس سے اندر آ گیا۔ تاکہ اپنے مطلوب کو پہنچ جاؤں۔ میں نے دیکھا کہ جو کچھ میں نے پیچھے چھوڑا تھا۔ وہ وہاں موجود تھا۔ ایک بہت بڑا خزانہ اور بڑی عزت اور غنا، سروری اور ہدیہ صالح مجھ کو نصیب ہوا۔ اور نفس کا بقیہ اور صفات بشری پوری طرح محو اور منسوخ ہو گئے۔ اور ایک دوسرا وجود از سر نو موجود ہو گیا۔

اقتباس تشریف:۔ اس مردی بیان میں اس کے علاوہ جو آپ کے لئے نقل کیا گیا ہے۔ کچھ اور بھی رموز ہیں جن کی تصریح لازمی ہے پہلی امر یہ ہے۔ کہ اس طریق کے سالک اور اس خالص شراب کے منتظر کے لئے ضروری ہے کہ خلوت سے عزلت اختیار کرے۔ یا اس طرح کہ جنگلوں اور ویرانوں میں چلا جائے۔ جہاں کوئی انسان نہ ہو جو اس کے اسرار قدسیہ کے

بیٹھنے اور اذکار الاہیہ کے شغل کے اوقات کو ضائع نہ کریں۔ یا کسی حجرہ میں بیٹھ جانے۔ پہلا دستور تو زمانہ قدیم میں تھا۔ کہ اہل تجرید میں سے اکثر شہروں اور بستیوں اور آبادیوں کو چھوڑ دیا کرتے تھے۔ اور بقدر امکان مخلوق سے الگ رہتے تو جنگلوں میں اس قبیل کے آدمیوں میں سے کچھ لوگ استعمال قبیل کے حصول کے لئے چلے جاتے۔ جب پانچوں نمازوں کا وقت ہوتا۔ تو اذان کہتے۔ اور اقامت کہہ کر نمازیں جماعت سے ادا کرتے۔ اور اس سنت مؤکدہ اور اس جیسی چیزوں کو کبھی ترک نہ کرتے وہ ظاہری شرعی علم سے آراستہ ہونے کے بعد باطن کو صاف کرنے میں مشغول ہو جاتے۔ اور غلطی کبھی نہ کھاتے۔ اور اب اس زمانہ میں جاہل لوگ علماء سے ایسے بھاگتے ہیں۔ جیسے گدھا شیر سے بھاگتا ہے۔ جماعتیں اور فرائض چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اپنے لئے مدعی ہیں کہ وہ اہل شہود ہیں۔ اور یہ سب کچھ خدا سے رکنے کے اسباب ہیں۔ اے اللہ ہمیں گوشہ نشینی ایسی سے محفوظ رکھ۔ یہ سراسر گمراہی اور ذلت ہے اور اب گوشہ نشینی حجروں میں ہے جو مساجد اور مدارس سے ملحق ہوں۔ یا ان شہروں میں جن میں علماء اور صلحاء رہتے ہوں۔ تاکہ اگر کسی علمی مسئلہ کی تفتیش کی ضرورت پڑے تو تفتیش کر سکیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں اکثر صوفی جاہل ہیں۔ اور اگر وہ مجالس ذکر اور علمائے عاملین کے پاس حاضر نہ ہوں گے۔ تو وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور اوروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ اے میرے بھائیو! اس زمانہ میں بدعات عام ہو چکی ہیں ان میں مبتلا ہونے سے بچو ورنہ تم خسارہ اٹھاؤ گے ہلاک ہو جاؤ گے۔ ان جاہل مدعیوں نے اپنے لئے جذبہ نادر یہ کی نسبت کر رکھی ہے اور اپنے آپ کو یہ صاف نظر اور صاحب نظر اور صاحب جذبہ کہتے ہیں۔ نہ قرآن پڑھتے ہیں نہ اوراد پڑھتے ہیں۔ اور نہ جماعت سے نمازیں ادا کرتے ہیں اور انہوں نے قواعد معرفت اور طریقہ عالیہ کے برخلاف کچھ اوراد اذکار وضع کر رکھے ہیں۔ طنبورہ، دف اور ڈھول کی آواز کے ساتھ گانے سنتے ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی کئی نئی چیزیں ہیں۔ یہ لوگ اجنبی عورتوں اور بچوں کے ساتھ بیٹھتے ہیں اور ان کو بھینچتے ہیں اور گدھے کی سی آوازیں نکالتے ہیں نہ ان میں کوئی حرف ہوتا ہے نہ ہی کوئی تقریر ہوتی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ نصیحت ہے اور یہ اس طریقہ انیقہ پر محض افترا ہے ان بدعات سے خدا کی پناہ اور اس کے فساد کی دلیل ان کی تردید میں صاحب شریعت کی آواز ہے اور عجیب بات یہ ہے۔ کہ جب یہ علماء کی مجلس میں حاضر ہوتے ہیں تو ان کی توجہ سے ان کے دل حرکت میں نہیں آتے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ "یہ قوم یعنی علماء اور طالب علم ان لوگوں سے ہیں۔ جن کے دل حروف علمیہ سے سیاہ ہو چکے ہیں" ایسے کلمات سے خدا کی پناہ یہ صاف صاف کفر ہے اور بدترین بوجھ ہے۔ اور اس طریق کے شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے ایسے ملاحدہ کا رد کیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا "تو بصورت اجنبی عورتوں اور بچوں کے ساتھ مجلس کی جاتی ہے۔ اور پھر تو کہتا ہے۔ کہ میں ان کی پرواہ نہیں کرتا۔ پس تو کذاب ہے۔" اور یہ بھی فرمایا۔ کہ ہر وہ طریقت جسے شریعت رد کرے۔ وہ بے دینی ہے تو ان جاہلوں کی جماعت سے بچو۔ جنہوں نے اپنے آپ کو جنگلوں میں اس لئے لا بٹھایا ہے کہ وہ خلقت کا شکار کریں۔ اور ان کے باطل پر ہونے کی سب سے پہلی دلیل یہ ہے کہ جب لوگ اُن کے پاس جاتے ہیں۔ تو ان کو لذائذ میں مشغول پاتے ہیں۔ اے اللہ اگر یہ جاہل لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کے برخلاف ہیں۔ تو میں اس کلام میں سچا ہوں۔ اور ثواب کا مستحق ہوں۔ ورنہ تو جانتا ہے اور یہ نہیں جانتے ان کے خلاف شریعت چلنے کا کیا سبب ہے؟

اے اللہ ہمیں ہدایت بخش پس پوری گوشہ نشینی یہ دوسری قسم کی ہے۔ کہ مخلوق سے حجرات میں علیحدہ ہو جائے اور مخلوق

Scanned by CamScanner

سے میل جول رکھے اور طالبان حامیین کی مجلس یا شرعی امور کے لئے اپنا دروازہ کھولے۔ ورنہ بند رکھے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ نے اپنے بعض کلام میں فرمایا۔ اگر تو اپنے مکان میں کوئی سوراخ کرے۔ تو ایسا کرے۔ یعنی لوگوں سے پوری طرح علیحدہ ہو جا اور سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کا قول بھی اسی کے موافق ہے کہ یہ فتنہ کا زمانہ ہے۔ کہ گھروں میں بیٹھا جائے۔ قوت پر قناعت کر لی جائے اور زبان کو خاموشی میں بند کر لیا جائے۔ تو مرید کے لئے ضروری ہے کہ مرشد کا دروازہ چھوڑنے اور اس کے حوائل کی تعمیل کرے۔ یہ پوری گوشہ نشینی ہے اور دنیا پر دوسری رمز یہ ہے کہ سالک کے لئے ضروری ہے اور اس کی تمام ہمت شیطان اور خواہش کی لعنت میں صرف ہو۔ یہاں تک کہ وہ اگر دشمن اپنا لشکر لے کر بھی آ جائے۔ تو اس سے نہ ڈرے اور پیٹھ نہ دکھائے کیونکہ شیطان کی تدبیر کمزور ہے۔ اس سے لڑائی کرو۔ بے شک شیطان کی تدبیر کمزور ہے؛ اور تیسری رمز یہ ہے کہ شیطان جب خفیہ حیلوں سے عاجز آ جاتا ہے۔ تو اپنا لشکر لے کر لڑائی کرنے والے دشمن کی صورت میں سامنے آ جاتا ہے اسی لئے نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قول میں جہاد کو جہاد اکبر فرمایا۔ کہ ہم چھوٹے جہاد سے لوٹ کر بڑے جہاد کی طرف آئے؛ سو سب توکل اللہ تعالیٰ ہی پر ہے۔ خبردار اللہ تعالیٰ کا لشکر ہی غالب آنے والا ہے۔ ان کے لئے فتح مبین ہے ان کے پہلے اور پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور حمایت میں ہے۔ خبردار اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر کوئی خوف نہیں ہے اور خبردار اللہ تعالیٰ کے بندوں پر اس کا کوئی غلبہ اور تصرف نہیں ہے پس پورا امن شریعت کی ذرع اور توکل کا خود اور توحید کی تلوار پہننے میں ہے۔ اور جلا الخاطر اور عبادت پہلے گزر چکی ہے۔ اس کو یاد رکھ۔ اور چوتھی رمز یہ ہے۔ کہ اس راہ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ سالک کی حفاظت کرنے والا ہے۔ کہ اس کے اردگرد گھیرے رہتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمیں ہماری ایڑیوں پر نہ لوٹا۔ اور اے عزیز اے مددگار در صرف تیری ہی طرف سے ہے۔ اور پانچویں رمز یہ ہے کہ تائید الٰہی اس کے شامل حال ہوتی ہے بلکہ اس کی قوت میں اضافہ کرتی ہے اور کہتی ہے۔ آگے بڑھ آگے بڑھ کام بالکل آسان ہے اللہ کی مدد آ رہی ہے اور فتح قریب تیرا ساتھ دے گی۔ پس تو اپنے رب کی تسبیح بیان کر اور اس سے بخشش مانگ وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اور چھٹی رمز یہ ہے۔ کہ شیطان جب سالک کے مقابلہ سے عاجز آ جاتا ہے۔ تو پھر اور حیلے اختیار کر لیتا ہے اور وہ امن کی اطلاع دینا۔ اور یہ سب حیلوں سے زیادہ سخت ہے۔ اور ساتویں رمز یہ ہے کہ سالک کے لئے ضروری ہے کہ نفس کے خیالات (جو کہ شیطان کے کان ہیں) اور اس کے حوادث سے محفوظ ہونے کے بعد تعلقات نفسانیہ اور خواہشات کی رسیاں بھی توڑ ڈالے جو کہ سالک کے ساتھ اندر سے چمٹی ہوئی ہیں۔

خلاصہ مختصر یہ کہ وہ موانع جو کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچانے سے مانع ہے۔ دو قسم پر ہیں۔ یا تو مطلقاً داخلی ہیں۔ ان میں کسی طرح کی کوئی ملاوٹ نہیں ہے۔ اور وہ ہیں خواہشات کے ارادے اور نفسانی ارادات و اختیارات جو کہ شریعت کے تقاضے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور انہی جیسی اور چیزیں جن میں کسی خارجی چیز کا کوئی دخل نہیں ہے اور یا پھر ایک حیثیت سے داخلی ہیں اور ایک حیثیت سے خارجی۔ اور وہ وہ تعلقات ہیں جو بیوی بچوں وغیرہ سے متعلق ہیں۔ کیونکہ وہ پیدا تو اندر سے ہوتے ہیں اور ان کا تعلق خارج سے ہوتا ہے۔ تو سالک کے لئے ضروری ہے کہ شیطان کی بنیاد گرانے سے فارغ ہونے کے بعد ان رسیوں اور قیود کو توڑنے میں جلدی کرے تا کہ وہ مجرد اور منفرد ہو جائے۔ اور روح مجسم بن جائے۔ پھر وہ تعلقات لطیفہ ہیں جو

اس نے اپنا مال یاد کیا۔ کہ شیطان نے اس کو حمام کے طاقچہ میں بھلا دیا۔ وہ گیا۔ اور اس نے حمام میں اپنا مال پا لیا۔ تو اس کی بیداری کی تقدیر خواب میں بدل گئی۔ پھر وہ اپنے شہر میں آیا۔ تو پہلے حماد قدس سرہٗ کی مجلس میں گیا۔ حماد نے اس سے کہا ۔اس شیخ کے پاس جاؤ۔ کہ جس کی سترہ مرتبہ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے بیداری کی تقدیر کو خواب میں بدل دیا'' تو وہ گیا تو شیخ اجل نے تبسم فرمایا۔ اور کہا میں نے اللہ تعالیٰ سے تیری تقدیر کے بدلنے کے لئے اس سے سہ چند دعائیں کی ہیں۔ جتنی آپ کے شیخ حماد قدس سرہٗ نے فرمائیں اور یہ قصہ اپنی جگہ پر ہے ؛

مختصر یہ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کو رتبہ جلیلہ اور منزلت جمیلہ اللہ تعالیٰ نے تکوین میں عطا فرمایا کہ آپ جو کچھ چاہتے۔ وہ ہو جاتے۔ جیسا کہ آپ کے اقوال شریفہ میں وارد ہوا ہے جس کا حاصل یہ ہے۔ کہ ہر ولی جب قضا و قدر تک پہنچا۔ تو رک گیا۔ مگر میرے لئے ایک روزن کھولا گیا۔ میں اس میں داخل ہو گیا۔ اور میں نے قضا و قدر کو پھاڑ ڈالا۔ اور خدا کی تقدیر سے اللہ کی مدد سے اللہ کیلئے جھگڑا کیا۔ اس کلام کا مجمل طور پر معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب شیخ اجل رضی اللہ عنہ کو اپنا محبوب بنایا۔ تو تقدیر اور تکوین کو آپ کے حکم اور ارادہ کے تحت کر دیا۔ پس جو کچھ شیخ نے حکم دیا۔ یا ارادہ کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔ اور یہ اسی کے مطابق ہے۔ جو علماء لشکر اللہ سعیہم نے اجتہاد کے معاملہ میں فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم وہی ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مجتہد کی رائے پر ظاہر فرمایا۔ وہ درست بات ہی سنتے ہیں اور اس میں تفصیل ہے۔ تو آپ اس صورت میں آپ کے قول واعطانی سؤالی کا معنی یہ ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے میرا سوال دے دیا۔ یعنی تکوین کے معاملہ میں کہ مجھے اس کا امیر بنا دیا۔ اور تقدیر کو رد کرنے میں میرا سوال پورا کر دیا۔ اور اس سے اس شبہ کا جواب بھی مل گیا۔ جو دل میں کھٹکتا ہے کہ تقدیر دو حال سے خالی نہیں ہے یا معلق ہوگی یا مبرم۔ پہلی تقدیر میں تغیر و تبدل شیخ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ عام ہے اور مبرم میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ ورنہ وہ مبرم نہ رہے گی۔ اور درست طریقے پر جواب کی تحقیق بیان کی محتاج نہیں ہے کہ ہو سکتا ہے۔ کہ غیر مبرم تقدیر کا پھیر دینا شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے ساتھ خاص نہ ہو عام ہو۔ لیکن دوسرے اولیاء اللہ میں اتنی دسترس نہ ہو جتنی شیخ اجل کو ہو۔ اور خالص حق پہلی بات ہی ہے۔ اس کو یاد رکھو۔ اور یہ بھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اعطانی سؤالی سے مراد نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ کو منصب نیابت کا حاصل ہونا ہو۔ اور اس کی طرف آپ رضی اللہ عنہ کا قول وجلای صاحب العین الکمال تمہاری راہ نمائی کرے گا۔ اور ایک اور قصیدہ میں ہے۔ اور میرے نانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصل میں میری ترتیب فرمائی ہے۔ اور آپ کے بعض کلام میں ہے۔ کہ مجھ پر اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اور کسی کا احسان نہیں ہے ؛

فتوح تحریر و وضوح تقریر :- ہمارے سابقہ بیان سے آپ کو بیت شریف اور کلام بلند کے معنی تو معلوم ہو ہی چکے ہیں۔ لیکن میں اس ذکر کو دوبارہ بیان کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ کستوری ہے اس کو جتنی دفعہ سونگھیں گے اس کی مہک پھیلے گی۔ جس سے ابواب فتوح کی طرف روح آرام پائے۔ تو میں کہتا ہوں۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا فرما رہے ہیں۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی بساط قرب میں مجھے تبدل کی خلعت پہنائی۔ اور مجھے اپنی بارگاہ

کے میدان کے بڑے بڑے لوگوں سے بنایا۔ اور مجھے کمال کا تاج پہنایا۔ اور سیر الی اللہ پوری ہو گئی۔ تو مجھے صدارت پر لا
دے کر اس نے مشرف فرمایا۔ اور مجھے سیر فی اللہ کی توفیق عطا فرمائی۔ اور مجھے صاحبِ خدمت بنایا۔ اور مجھے خدمت کی
راہ نمائی کے لئے واپس لوٹایا۔ اور دقائق وحقائق کے ساتھ ساتھ مجھے ہر وہ چیز عطا فرمائی۔ جو ہدایت اور تعلیم دینے
میں ضروری ہے تو مجھے مختار امین اور مکین بنایا۔ میں جو ارادہ کرتا ہوں۔ ہو جاتا ہے۔ اور جس کو فنا کروں وہ اسی وقت
فنا ہو جاتا ہے۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے کہ جب اس نے مجھے سیر فی اللہ کے شغل کے ساتھ کرسی پر بٹھایا تو میں
اور سیر الی اللہ سے پورے طور پر فارغ ہو گیا۔ تو جو کچھ ہدایت اور راہ نمائی کے لئے واجب اور ضروری تھا۔ اس پر مجھے
مطلع فرمایا۔ اور مجھے وقت کا بادشاہ بنایا۔ اور درستی کے بابِ ابواب کو فتح کرنے کے لئے مجھے مصاحبوں کا مالک بنایا۔
تو اس معنی کے مطابق سرِ قدیم کی اطلاع سے مراد سیر فی اللہ ہو گی۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ تینوں احتمالات مذکورہ مراد
ہوں۔ تو آپ کے غلبہ کی یہ سطوت کا عالم ہے۔ کہ اگر وہ تجلی کرے کفار پر تو وہ مسلمان ہو جائیں۔ جیسا کہ ایک اور قصیدہ میں
ہے۔ "جب اس نے مجھے شراب پلائی تو میرا قرب زیادہ ہو گیا۔" اور اس کے بعد فرمایا۔ "اگر میری شراب پیالوں میں پیش کی
ہو۔ تو ہر گمراہ میرے مشروب سے ہدایت پا جائے۔ اور اگر کفار پر تجلی کرے تو وہ تمام کے تمام گمراہیوں اور عذاب سے
نجات پا جائیں۔ اور اگر فرعون پر تجلی ہوتی۔ تو وہ غرق نہ ہوتا۔ جیسے کہ یعقوب علیہ السلام کی ڈوبی ہوئی نظر بحال ہو
گئی۔ اور آپ نے ایک اور قصیدہ مبارکہ میں فرمایا۔ پس عبد القادر میرا نام ہے۔ میں منزل پر پہنچ گیا ہوں۔ اور میرے
نانا مصطفےٰ میرے روح اور میرے محبوب ہیں۔ یعنی یہ تمام مراتب عالیہ جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں۔ یہ نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امداد سے ہیں۔ اے اللہ اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔ بے شک تو ہی مدد
کرنے والا ہے۔

مناجات:- اے رب اے میرے رب تو ہی معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو ہی موجود ہے کہ جس کے بغیر
کسی کا وجود نہیں۔ کہ تمام اولیاء اس کی سیر میں حیران ہیں۔ میرے گناہ بخش دے۔ میرے عیب ڈھانپ دے اور میری بے
چینی کو دور کر دے۔ میرا سوال پورا کر دے۔ میرے گناہ اور لغزشیں معاف کر دے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے مجھے اس
قصیدہ کی شرح میں شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی مراد کے مطابق زیادہ علم عطا فرما۔ جو خلل اور اختلال سے خالی
ہو۔ اے رب اے بزرگی والے اے بخشش والے اے پروردگار عالم میری دعا قبول فرما۔

قصیدہ مبارکہ خمریہ کا گیارہواں بیت شریف

وَوَلَّانِیْ عَلَی الْاَقْطَابِ جَمْعًا ۞ فَحُکْمِیْ نَافِذٌ فِیْ کُلِّ حَالٖ

لغت:- ولّانی تولیہ سے ہے یعنی کسی کے ذمہ لگانا اور ولایت عطا کرنا اور مقرر کرنا اور کسی کام
کی طرف توجہ کرنا۔ اور یہاں ولایت دینے کے معنے زیادہ مناسب ہیں۔ یہ لفظ کبھی تو بنفسہٖ متعدی ہو جاتا ہے جیسے کہ
اس بیت شریف میں اور کبھی با کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے۔ ولاہ بہ لیکن با کے دخول سے دوسرا
مفعول بن جاتا ہے۔ پس اس بیت میں ہو سکتا ہے۔ کہ یہ مفعول محذوف ہو یعنی ولّانی بالولایۃ والسلطنۃ التامۃ علی

Scanned by CamScanner

الاقطاب ط اس صورت میں اقطاب آپ کے حکم کے محکوم اور ماموم ہوں گے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا۔ اور اگر اس سے مراد تمام موجودات پر عالم موجودات پر عام حکم کی ولایت ہو۔ جو اقطاب کے مرتبہ سے اوپر بھی ہیں۔ تو یہ ایک اچھی توجیہ ہے اور اس کا بیان اقطاب کے معنی میں آئے گا۔ اور اس کے پہلے گزر بھی چکے ہیں۔ اور جمعًا کا معنی ہے اکٹھا کرنا۔ اور حکم کا معنی ہے تصرف نافذ کرنا اور جاری کرنا۔ اور حالؔ یا تو اس سے حالت مراد ہے اور یا پھر وہ حال جو صوفیائے کی اصطلاح میں ہے۔ اور اس سے مراد مطلق زمانہ ہے۔ ذکر خاص کا ہے اور ارادہ عام کا ہے اور بیت میں کل حال سے مراد آپ کے وہ حالات ہیں۔ جو بدن سے تعلق قائم ہونے سے پہلے کے ہیں۔ یعنی مرتبہ ارواح میں بھی اور زندگی اور موت کے حال میں بھی اور یا پھر اس زندگی کے مختلف حالات مراد ہوں۔ اور پہلا معنی زیادہ مناسب ہے اس کے جو نقل کیا جاتا ہے۔ کہ آپ کے تصرفات ہمیشہ یوم اول سے لے کر قیامت تک جاری ہیں ؛

الاعراب :۔ وولّانی میں واؔو عطف کے لئے ہے۔ اور ولّا ماضی کا صیغہ ہے اور نونؔ وقایہ ہے۔ اور یؔا مفعول کے لئے ہے۔ اور فاعل وہ ضمیر ہے۔ جو اس مرجع کی طرف لوٹتی ہے جس کی طرف کسانی اور اطلعنی وغیرہ کی ضمیریں راجع ہیں۔ اور اقطاب میں الف لام استغراق کے لئے ہے۔ اور اقطاب سے مراد مطلق اولیاء ہیں۔ اس بنا پر کہ جو اولیاء اقطاب کے مرتبہ سے اوپر ہیں۔ وہ بھی تو اقطاب ہی ہیں۔ اور جو ان کے ماتحت ہیں۔ وہ بلاشبہ اس میں داخل ہیں۔ اور جمعًا یا تو مصدر ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ اور بعض نے اس کو جَمْعَاء ، اجمع کی مونث پڑھا ہے۔ اور تاویل یہ ہے کہ جماعت کے اعتبار سے بہتر ہے۔ کہ صفت جَمْعَاء لائی جائے۔ اور اس میں غور کر۔ اور حکمؔ کی یاؔء کی طرف اضافت استغراق کے لئے ہے۔ اور یہ تمام احکام کے نفاذ کا فائدہ دیتی ہے۔ کہ اس سے مراد عہد خارجی ہو۔ اور اس حکم کی طرف اشارہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا۔ یعنی قضاء وقدر کی تکوین اور یہ تمام احکام کے نفاذ پر اچھی طرح دلالت کرتی ہے کیونکہ اگر حکم کا فرد کامل نافذ ہے۔ تو دوسرے احکام کی کیا حیثیت ہے جو اس سے کمتر ہیں۔ وہ کیوں نہ نافذ ہوں گے۔ اور اس صورت میں یہ اس طریق بیان کے سلوک کی طرف اشارہ ہوگا۔ جو فن بلاغت سے ہے ؛

بلاغت :۔ آپ نے جو تولیہ کا لفظ استعمال کیا۔ اور اعلانی یا امّرفنی اور ان کے ہم معنی الفاظ استعمال نہ کئے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے۔ کہ اقطاب آپ کی رعایا کی طرح ہیں۔ اور آپ ان کے والی ہیں۔ اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اقطاب کے افعال واحوال آپ کی تولیت کے بغیر خلل اور زوال پذیر ہیں۔ پس آپ قوم کے لئے والی کی طرح ہیں۔ اور وہ آپ کی نسبت سے بچوں کی طرح ہیں۔ اور آپ زبردست بادشاہ ہیں۔ اور وہ محکوم و مغلوب کی طرح ہیں۔ اور اس معنی مطابق آپ رضی اللہ عنہ کا یہ کلام مرتبۂ ولایت بفتح واؔو کی طرف اشارہ ہوگا جس کے معنی ہے تصرف واجراء احکام اور اشارہ ہے آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا پر منکشف ہونے والے اسرار واطوار کی تبلیغ میں آپ کے ظلی مرتبہ نبوت کی طرف اور یہ کلام اللہ تعالیٰ کے اس قول کا ظل قل اللھم مالك الملك ترجمہ :۔ "کہہ اے اللہ ملک کے مالک" اور اس قول کا "لله الملك اليوم" ترجمہ :۔ "آج کس کی بادشاہی ہے" اور اس قول کا ھنا لك الولاية لله ترجمہ :۔ "اور اس جگہ ولایت اللہ تعالیٰ کی ہے۔" اور ان کے علاوہ اور اقوال کا بھی اور آپ علیؔ کا لفظ لاتے ہیں۔

اور ولا فی الاقطاب نہیں کہہ دیا ۔ یہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی تمام اقطاب پر بلندی کی طرف اشارہ ہے اس حیثیت سے کہ وہ تمام اپنے مرتبہ کے لحاظ سے آپ کے غلبہ کے پاؤں کے نیچے ہیں۔ جیسا کہ اس کی طرف آپ کے اس قول میں اشارہ ہے کہ "میرے یہ قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہیں۔" اور اس قول میں کہ "تمہارا سب کا مقام بلند ہے۔ لیکن میرا مقام تم سب سے ہمیشہ بلند رہا ہے" اور اس قول میں کہ "ہر ولی کے لئے ایک قدم ہے اور میں الخ" اور قصیدہ مبارکہ کے الفاظ اور ابیات صریحاً اس مضمون پر دلالت کرتے تھے۔ ان کے باوجود اس اشارہ کا فائدہ ہر کلام وخطاب میں درجے کی حفاظت ہے اور اولیاء مفرد لانے کی وجہ پہلے سقائی کے تحت گزر چکی ہے۔ اور اسی وجہ کو تمام مثالوں مثلاً کستانی وغیرہ میں سمجھ لینا چاہیئے۔ اور لام استغراق کے اختیار کرنے اور علمی میں یائے اضافت لانے میں جو استغراق کے لئے مفید ہے۔ ایک بہت بڑا اشارہ ہے۔ کہ تمام اقطاب آپ کے حکم نافذ کے تحت ہیں۔ آپ کی طرف سے حکم ہے۔ اور ان کی طرف سے قبول ہے۔ کیونکہ نفاذ کا یہی معنی ہے۔ اور لفظ جمیعاً کا لانا اس مراد کی تائید اور تاکید یا تسجیل کے افادہ کی تصریح کے لئے ہے۔ پھر ہر حال کے استغراق میں اشارہ ہے۔ اس آدمی کی تنبیہ کے متعلق جو اپنے دل میں سمجھ رہا تھا۔ کہ میں شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی رحلت کے بعد ان کا وارث بنوں گا۔ اور آپ کی کرسئ سلطنت پر بیٹھوں گا۔ تو آپ نے یہ فرما دیا۔ کہ یہ نا ممکن ہے۔ اے متخیل تو وہ معاملہ سوچ رہا ہے جس سے تجھے کوئی نفع نہیں ہے اور اسی لئے آپ نے سُنا ہوگا۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس تصور کرنے والے کا حال چھین لیا۔ اور بڑی سختی گرفت کی اس کا حال ختم ہو گیا۔ اور خلل اور وبال نے اس کو گھیر لیا۔ پھر کچھ مدت بعد وہ تائب ہوا اور جب وہ اس خیال کے کفارہ اور اس تصور کے ختم کرنے کے لئے کعبہ کی طرف چلا گیا۔ تو جو کچھ اس پر گزر گیا۔ وہ گزر گیا۔ اور اس میں اپنی بڑی اولاد کو بھی تعلیم ہے۔ کہ آپ کی کرسئ جلال وجمال پر بیٹھنے کا خیال نہ کریں۔ کیونکہ آپ زندہ ہیں۔ اور زندگی اور موت کے بعد بھی اپنی کرسئ پر بیٹھے ہیں۔ تو ضروری ہے۔ کہ آپ کے کلام کی حقیقت کو سمجھیں۔ اور آپ کے آداب پر قائم رہیں اور پھر پورے اس شعر میں ہر ایک قطب کے لئے اشارہ ہے۔ کہ تمہارے لئے ضروری ہے۔ کہ آپ کے اوامر کی تعمیل کرو۔ اور آپ کی نواہی سے بچو یہاں تک کہ نفس کی مشقت سے خدا کے قرب کے شہر تک پہنچ جاؤ۔ اور اس صورت میں اس میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہوگا۔ کہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم " اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو۔ اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں صاحب امر کی اطاعت کرو" ان تینوں کے احکام کو ایک ہی حکم میں شامل کرنے میں سلامتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور نبی اور صاحب امر کے حکم برابر ہیں۔ سو اے اقوام اللہ تم پر رحم کرے۔ اس کو سنو۔ اور اس پر عمل کرو۔ اور اس کے بغیر تم خسارہ اٹھاؤ گے نائب رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے خدا کی پناہ۔ اے اللہ ہمیں علم وعمل میں زیادہ کر۔ اور ہمیں خلل وفساد سے محفوظ رکھ۔ تو ہر چیز پر قادر ہے اور قبول کرنے کے لائق ہے ؛

تبیین ازین وتلقین یقین : اے طالب تجھ پر ضروری ہے کہ تو بارگاہ میں حاضر ہو۔ تاکہ تیرے باطن میں ایک تام نور پھیل جائے جس کے سبب سے انکار دور ہو جائے۔ اور اس کے ظہور سے اسرار کے پردے زائل ہو جائیں سو جاننا چاہیئے۔ کہ ولی کا معنی پہلے مجمل طور پر گزر چکا ہے۔ لیکن چونکہ اس کے معنی کی تفصیل اور اس کے کمال اور تکمیل کے شرائط کتاب "تحفۃ الورۃ فی شرح متن الجوہرۃ" میں لکھتے ہیں۔ تو میں نے اس کو دوبارہ ذکر کرنا ضروری خیال کیا۔ تاکہ پہلے اجمال کی تفصیل ہو جائے اور وہ یہ ہے۔ اللہ عزوجل اور اس کے رسول کو پہچاننے والا، طاعات بجا لانے والا، محرمات سے اجتناب کرنے والا، اور لذات

Scanned by CamScanner

وشہوات میں انہماک سے منہ پھیرنے والا، دنیا کو چھوڑنے والا اور آخرت کو اختیار کرنے والا۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا اللہ تعالیٰ اس کے معاملے کے والی ہیں۔ اور اس کو ایک لحظہ بھر بھی اس کے اپنے نفس اور نہ کسی دوسرے کے سپرد کرتے ہیں۔ اور اس کے کچھ شرائط بھی ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے۔ کہ وہ دین کے اصولوں کو پہچاننے والا ہو۔ تاکہ وہ خالق اور مخلوق میں اور سچے اور جھوٹے نبی میں تمیز کر سکے۔ دوسری یہ ہے۔ کہ وہ احکام شریعت کا نقلاً و فہماً عالم ہو۔ تاکہ وہ احکام شریعت میں اپنی دور رس نظر کی وجہ سے تقلید سے بچا ہے۔ جیسا کہ وہ خواہ اصول دین اور توحید میں مکتفی ہے اس طرح کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام روئے زمین کے علماء کو لے جائے۔ تو جو کچھ ان کے پاس تھا۔ وُہ اس سے مل سکے۔

علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ کہ کوئی ذی مرتبہ ولی ایسا نہیں ہے جو علوم لدنیہ کا کشفی اور ذاتی طور پر عالم نہ ہو۔ نہ کہ نقلی اور فہمی طور پر۔ پس اولیاء کے تمام علوم میں سے پہلوں اور پچھلوں کا علم بھی ہے۔ اور اسماء مرکبہ اور اسماء الٰہیہ کا علم بھی اور امور کے انجام کا علم اور ملکوت کا علم اور زمانے کا علم اور مردود ہونے کے اسباب کا علم اور مقربین میں سعادت کے اسباب کا علم کہ جن کا پتہ نہیں چل سکتا (شعفاء) میں کہتا ہوں۔ یہ تمام علوم شیخ اجل، سلطان الاولیاء حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا میں موجود تھے۔ اور اس کی تفصیل آپ کے قول درست العلم حتیٰ صرت قطبا کے تحت آئے گی لیکن اجمال آپ کے قصائد شریفہ سے لیا جائے گا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ ابھی دودھ پیتے تھے۔ اس وقت آپ پر علم لدنی کے ستر دروازے کھولے گئے۔ ہر دروازے کی فراخی زمین و آسمان کے فاصلے کے برابر تھی۔ اور زمانہ کا علم آپ کے قول وما منا شہود ولا دھور کے تحت آئے گا۔ اور سعید اور بدبخت نظر آتے۔ آپ نیک بخت کو دیکھ کر مرحبا کہتے۔ اور مطرود کو دیکھ کر مرحبا نہ کہتے۔ اور تفصیل بیان کرنے سے کاغذ کا میدان تنگ ہے۔ اگر لکھوں جلدیں بھی تیار ہو جائیں۔ تو اظہار سے بیان عاجز آ جائے گا۔ پس ہم "تحفہ محررہ" کی مجمل شرائط کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ایک ان میں سے حضوری کا علم ہے۔ جو حقائق کو تبدیل کر دیتا ہے اور خود مغلوب نہیں ہوتا۔ اور یہ خود بھی حقائق میں سے ہے۔ اور ایک میں سے بندوں کے اعمال کے مطابق ان کی شکلوں کا علم ہے جیسے کتے اور خنزیر وغیرہ کی شکلیں۔ اور یہ بڑا وسیع علم ہے اور ان میں سے مواثیق وعہود کا علم بھی ہے اور ان میں سے فرشتوں کے عبادات کے مطابق مراتب کا علم بھی ہے۔ اور ان میں سے ان غیوبات کا علم بھی ہے جو معلوم ہو سکتے ہیں یا جو نہیں معلوم ہو سکتے۔ اور ان میں سے رات دن کی مبہمات کی وضاحت کا علم بھی ہے اور ان میں سے دو مقدمات میں سے فیصلہ کرنے کا علم بھی ہے۔ اور ان میں سے جہات اور احاطہ کا علم بھی ہے۔ اور ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کے درمیان معاملہ کا علم بھی ہے۔ کہ وہ اس سے خوش ہوں۔ نہ کہ برا محسوس کریں۔ اور یہ ایک نہایت دقیق علم ہے۔ اور اس میں سے اللہ تعالیٰ پر داخل ہونے کے آداب کا علم بھی ہے۔ اور اس میں سے اس آدمی کی صفات کا علم بھی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم جلیس ہونے دعویٰ کرتا ہے۔ اور اس میں سے ان اسباب کا علم بھی ہے جو عمل خالص کو قبول ہونے سے روک دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک عالم بھی بعض دفعہ ایسا عمل کرتا ہے۔ جو بے محل ہوتا ہے۔ اور اس میں سے حرکات زمانہ کے اندازے کا علم بھی ہے۔ اور اس میں سے مکر خفی کا علم بھی ہے۔ اور اس میں سے آخرت کا علم بھی ہے۔ اور اس میں سے اور علوم بھی ہیں۔ جن کے ذکر سے طوالت ہو گی۔

اور تیسری شرط یہ ہے۔ کہ معبود محمود کے اخلاق سے متخلق ہو۔ جو شرع اور عقل دونوں پر دلالت کرتے ہیں۔ پھر وہ شریعت پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ ہے محرمات سے بچنا۔ اور تمام اوامر کی تعمیل کرنا۔ اور وہ جو عقل پر دلالت کرتے ہیں وہ وہی ہیں جس کا ثمرہ اصول دین کے علم سے حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب وہ تمام عالم کے حدوث کو معلوم کرے گا۔ تو اس کا دل کسی چیز سے معلق نہ ہوگا۔ نہ کسی سے خوف کھائے گا۔ اور نہ کسی سے امید رکھے گا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے۔ کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں۔ اور جب وہ توحید کو معلوم کرے گا۔ تو اپنے تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کے لئے خلوص اختیار کرے گا اور چوتھی شرط یہ ہے۔ کہ اس پر ہمیشہ خوف مسلط ہے۔ اور کبھی اس کا نفس مطمئن نہ ہو۔ یہ "تحف محررہ" کا افادہ ہے میں کہتا ہوں۔ کہ یہ شرط ایک پورے ولی صاحب طریقت کی شرائط ہیں۔ اور وہ ہے پورا ولی اور نائب جیسے شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا ہیں۔ اور باقی رہے جزوی اولیاء تو ان کے لئے لازمی شرائط شریعت کی متابعت اور معرفت تامہ اور فنا و بقا کے ساتھ اخلاق محمودہ سے تخلق ہی ہیں۔ چنانچہ مذکورہ بالا شرائط میں بھی ان کی طرف اشارہ موجود ہے۔ اور یہ اشارے ہم کئی دفعہ پہلے بھی کر چکے ہیں ۛ

تنبیہ :- اے مخاطب تجھے یہ جاننا ضروری ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے جو بھی اپنے تعلیٰ میں اپنے احوال و کمالات کے متعلق جز دی ہے۔ اس کا مقصد صرف غافلین کو اطلاع کا افادہ دینا نہیں ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ میں اس انتہائی ولایت اور آخری غایت کے تمام شرائط موجود ہیں۔ جو ابتدائی نبوت سے ملحق ہے تاکہ مخلوق کو آپ کے کمالات کا علم ہو سکے۔ اور آپ کے وصال کی خواہش کریں۔ اور آپ نے اس کے متعلق اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے۔ وما قلت هذا القول فخرا وانما اتانی الله استدراما کی تعرفوا بطریقتی :- اور اس کا کچھ حصہ ابتدائے کلام میں گزر چکا ہے۔ اس کو یاد کرو۔ اور جھگڑالو نہ بن کہ وہ بُرا خلق ہے اور بری تدبیر اس کے اہل ہی کو گھیرتی ہے ۛ

بحث شریف و کشف لطیف :- جمہور اہل سنت کا مذہب یہ ہے۔ کہ اولیاء اللہ کی کرامات ثابت ہیں۔ ان میں کوئی شبہ نہیں ہے اور جو ان کا منکر ہے۔ وہ کھلی گمراہی میں ہے۔ قرآن۔ حدیث اور اجماع کا مخالف ہے جیسا کہ عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ اس کے معنی کا بیان کر دینا ضروری ہے۔ کرامات عادت کو پھاڑ ڈالنے والا ایک معاملہ ہے۔ اور نبوت کے وقت اس کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اور بعض نے کرامات میں بھی دعویٰ کی شرط رکھی ہے۔ اور یہ خلاف واقع ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے۔ کہ دعویٰ صرف معجزہ میں ہوتا ہے۔ اور وہ ایک ایسا امر ہے جو عادت کے برخلاف ہے اور جس آدمی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہو۔ اس کی تصدیق اس سے مقصود ہوتی ہے۔ جب کہ منکر ان کا انکار کر دیں۔ تو وہ منکرین کو بغیر اسباب کے استعمال سے اس کی مثال لانے سے عاجز کر دیتا ہے۔ اور اگر وہ اسباب کے ماتحت ہو۔ تو پھر جادو ہوگا۔ لیکن کرامت میں شرط یہ ہے کہ جس سے کرامت ظاہر ہوئی ہے۔ وہ مومن آدمی ہو۔ ورنہ وہ استدراج ہوگا۔ جو شیطان مردود کی طرف سے ہوگا۔ اور استدراج حاصل ہونے کے بعد صاحب استدراج میں فساد دم بدم بڑھتا جائے گا۔ اور بڑھتا جاتا ہے۔ اور یہ استدراج کبھی تو اس کی غرض کے موافق ہوتا ہے۔ اور کبھی مخالف ہوتا ہے۔ جیسا کہ مسیلمہ کذاب یعنی کے پاس پتھر نے بول کر کہا کہ "یہ مفتری اور کذاب ہے" اور بھینگے آدمی کو صحیح آنکھ بھی بھینگی نظر آتی ہے۔ لیکن کبھی اس کا نام

Scanned by CamScanner

اہانت بھی رکھا جاتا ہے۔ اور معجزے میں شرط یہ ہے۔ کہ اس کے ساتھ نبوت کا دعویٰ مقارن ہوتا ہے۔ اور جو کچھ نبی سے نبوت کے دعویٰ سے قبل ظاہر ہو اسے ارہاص کہتے ہیں۔ اور وہ ایک ارخارق ہے۔ جو سچے نبی سے نبوت کے دعویٰ سے قبل ظاہر ہوتا ہے۔ اور معجزے اور کرامات میں فرق محل کا ہے۔ کہ کرامت ولی سے ہوتی ہے۔ اور معجزہ نبی سے اور کبھی معجزہ کو معونت بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے دعوائے نبوت کی مدد کرتا ہے شرح عقائد میں کہا گیا ہے۔ قرآن کریم سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اور مریم علیہا السلام سے کرامت کے ظہور کے متعلق صاف بول رہا ہے۔ مریم کے متعلق تو فرمایا۔ انی لک ھٰذا الآیہ۔ اور سلیمان علیہ السلام کے ساتھی کے متعلق فرمایا۔ انا اٰتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک ؕ ترجمہ! میں لاؤں کا اس کو اس سے پہلے آپ آنکھ جھپکیں۔ اور یہ فرمایا۔ کہ کرامت کی حقیقت پر دلیل وہ تواتر ہے جو بہت سے صحابہ اور بعد کے لوگوں سے ثابت ہے۔ کہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصًا امر مشترک کا اگرچہ اس کی تفاصیل آحاد ہیں۔ مختصر یہ کہ کرامت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ یہ پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے۔ اور یہ معتزلہ کے عقیدے کے برخلاف اگر وہ ہدایت قبول نہ کریں۔ تو اللہ ان کو رسوا کرے ؛

حکایت :- ایک آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ آپ نے پوچھا۔ تیرا نام کیا ہے۔؟ اس نے کہا شہاب "شعلہ" آپ نے پوچھا۔ کس کا بیٹا ہے؟ اس نے کہا جمرہ "انگارا" کا۔ آپ نے پوچھا۔ کونسے قبیلے سے ہو۔؟ اس نے کہا۔ حرۃ النار "آگ کی تپش" سے آپ نے پوچھا۔ کہاں رہتے ہو؟ کہنے لگا۔ ذات لظی "شعلہ والی" میں نے فرمایا آپ جاکر اپنے گھر والوں کا جاکر پتہ لو۔ وہ جل چکے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا :

حکایت :- اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں منبر پر کھڑے تھے۔ اور آپ کا لشکر نہاوند میں لڑ رہا تھا۔ آپ نے امیر لشکر کو فرمایا "اے ساریہ پہاڑ کا خیال کر" آپ پہاڑ میں چھپے ہوئے دشمن کی تدبیر سے ان کو آگاہ کر رہے تھے۔ اور ساریہ نے آپ کا کلام بہت دور کی مسافت سے سن لیا۔ اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ دریائے نیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خط سے جاری ہو گیا تھا۔ اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کے قریب اپنا دُرّہ زمین پر مارا۔ اور ایک منکر اسلام کافر بادشاہ دور کی مسافت پر ایک اور شہر میں مر گیا۔ جیسے کہ کفایۂ شعبیہ میں اس کو نقل کیا ہے۔ اور اس جیسی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کرامات منقول ہیں:

حکایت :- اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے زہر پی لیا۔ اور ان کو کچھ تکلیف نہ ہوئی۔ اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ کہ ایک پیالہ نے تسبیحات کیں۔ اور ان کو حضرت سلمان فارسی اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہما ایسے کلام سے سنا۔ جو تسبیح پر دلالت کرتا تھا۔ اور میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ کہ ان کرامات کا شمار جو صحابہ رضی اللہ عنہ یا دوسرے اولیاء اللہ قدس سرہٗ سے ظاہر ہوئی ہیں۔ انسان کی طاقت سے باہر ہے بلکہ وہ کرامات جو شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا سے اور ان کے ساتھ اور ان کی معیت میں ظاہر ہوئی ہیں۔ وہ اتنی ہیں۔ کہ جن جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔ اور ان کو کئی ایک جلدوں میں لکھنا بھی ممکن نہیں ہے۔ تو کرامات کا معاملہ اس طرح روشن ہے۔ جیسے دن میں سورج۔ پھر جن معتزلہ وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے۔ ان کی مثال تو چمگادڑ کی سی ہے جو سورج

Scanned by CamScanner

کو موجود نہیں سمجھتی۔ اور اس کا انکار کرتی ہے۔ ہم ان کے انکار کے دلائل میں مشغول نہیں ہوں گے۔ کیونکہ پھل درخت ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور ان کے بعض دلائل یہ ہیں کہ "اولیاء سے کرامت کا صدور جائز نہیں۔ ورنہ وہ معجزہ سے مشابہ ہو جائے گی۔" اور اس کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔ کہ معجزوں میں دعویٰ شرط ہے۔ اور کرامت میں دعویٰ نہیں ہوتا۔ تو ان کا فرق تو ظاہر ہو گیا۔ اور یہ فرق بھی ہے کہ کرامات کا محل ولی ہے۔ اور معجزے کا محل نبی ہے اور یہ بھی طے ہو چکا ہے۔ کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ تو فرق تو ثابت ہو گیا۔ اور حق بات تو یہ ہے۔ کہ معتزلہ وغیرہ سے گفتگو کرنا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تضیع اوقات ہے۔ ہم خدا تعالیٰ کی توفیق اور مدد سے دوسرے مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں "تحفۂ محررۃ فی شرح متن الجوہرۃ" میں لکھا ہے۔ کہ یہ جو بعض دماغوں کی زبان پر مشہور ہے۔ کہ اولیاء اللہ کی کرامات ان کی موت سے منقطع ہو جاتی ہیں۔ اور ان کا وسیلہ پکڑنا اور ان سے مدد مانگنا جائز نہیں ہے اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔ کیونکہ یہ ایسا کلام ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور نہ ہی اس پر اعتبار کرنا ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ اولیاء کی کرامات ان کی موت سے منقطع نہیں ہوتیں۔ کیونکہ معجزہ کی طرح ان کا مرجع بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف منسوب ہے جو پوری ہے علم ہے محیط ہے۔ اور تمام ممکنات سے متعلق ہے وہ ایجاد کے متعلق ہو۔ یا اعدام کے متعلق جیسے اس کا ارادہ ازلی چاہے ممکن کی دونوں طرفوں میں سے ایک کو دوسرے کے مقابل ترجیح ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ارادے کے سامنے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ اور یہ ایک قطعی امر ہے جس میں اہل سنت والجماعت کے نزدیک یقیناً کوئی شک نہیں ہے اور تمام ممکنات کے متعلق ارادے اور قدرت کے متعلق کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے علاوہ اس کی قدرت اور ارادہ ابتداء سے اس طرح مرجع ہے کہ اس کے سوا کوئی چیز موثر نہیں ہے شیخ شمس قشوری سے کرامات اولیاء کے متعلق سوال کیا گیا۔ کہ کیا یہ ثابت ہیں۔ یا نہیں؟ اور کیا اولیاء اللہ ہر زمانہ میں موجود ہیں یا نہیں! تو آپ نے جواب دیا۔ کہ اولیاء اللہ خدا کو پہچاننے والے اس وقت تک موجود ہیں جب تک کہ طاعات پر ہمیشگی کرنے والے گناہوں سے بچنے والے اور لذات و خواہشات میں انہماک سے منہ پھیرنے والے موجود ہیں۔ اور ہر زمانہ میں ہیں۔ کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول عام ہے۔ کہ میری امت سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی" اور ان کی کرامتیں ثابت ہیں۔ اور ان کا تصرف باقی ہے۔ وہ موت سے منقطع نہیں ہوتا۔ تو جائز ہے۔ کہ کہا جائے سید احمد بدوی اور ان کے ساتھی یہ اولیاء اللہ ہیں۔ کیونکہ ان کی خبروں سے کان بھرے ہوئے ہیں اور وہ شائع میں عام ہیں۔

میں کہتا ہوں۔ کہ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ شیخ احمد بدوی شیخ اجل سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ وارضاہ کے مریدوں میں سے تھے۔ یہ پہلے ڈاکو تھے۔ اور شیخ اجل کے ہاتھ پر اس وقت تائب ہوئے۔ جب کہ آپ تحصیل علوم کے لئے بغداد کی طرف جا رہے تھے۔ اور اس صدقہ کی برکت سے تائب ہوئے۔ جو آپ کے پاس چالیس دینار تھے۔ جو آپ کی بغل کے نیچے سلے ہوئے تھے۔ اور یہ قصہ مشہور ہے۔ ہمارے شیخ المشائخ علامہ غنیمی نے جو حنفیہ میں سے آخری محقق ہیں۔ فرمایا جب کرامات کا مرجع اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف ہے جیسا کہ مقرر ہو چکا ہے۔ تو پھر ان کی زندگی اور موت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی خلق اور ایجاد اور کرامتوں کے ان کے ہاتھ پر ظاہر ہونے میں صرف واسطہ اور وسیلہ ہیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ کبھی ان کو اولیاء اللہ کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ اور کبھی ان کے واسطے اللہ تعالیٰ کی طرف اور

یہ تو یقینی چیز ہے۔ کہ ان کی اللہ تعالیٰ سے مشارکت نہیں ہے۔ کیونکہ مسلمان اور کوئی عقل مند اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ کوئی عقیدہ رکھے۔ پھر ان کی کرامتوں کے ثابت کرنے والے پر کفر کا فتویٰ کیسے لگایا جا سکتا ہے۔ حالانکہ ان کا ثبوت موجود ہے۔ اور وہ حق ہیں۔ اور ان کے عقیدوں کے وجوب سے گریز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ کتاب و سنت کی نص اور جمہور سلف اور خلف کے اتفاق سے ثابت ہیں۔ اور ان کی کتابیں اس سے بھری پڑی ہیں۔ اور یہ جائز ہیں۔ واقع ہے شائع ہیں بلکہ متواتر ہیں اور تواتر یقین کا فائدہ دیتا ہے۔ جس میں یقیناً کسی طرح کا کوئی شک و شبہ نہیں ہے یہاں تک کہ قریب ہے۔ کہ یہ ضروریات سے ملحق ہوں۔ بلکہ بدیہات سے تمام علمائے اسلام اس پر متفق ہیں۔ کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات شمار نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ بعض ان میں سے وہ ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر جاری کیا۔ اور بعض وہ ہیں۔ جو آپ کی امت کے اولیاء کے ہاتھوں پر کرامت کی صورت میں زندگی یا موت کی حالت میں قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے اور اس معاملہ میں شمار کا دامن یقیناً و قطعاً تنگ ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے۔ کہ ولی کی کرامت اس کے نبی کا ہی معجزہ ہے۔ تو اولیاء اللہ کی ہر کرامت حقیقت میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں۔ جو آپ کی وفات کے بعد باقی ہیں۔ اور آپ کی نبوت کی صحت پر اور آپ عام رسالت پر یقینی طور پر اور قطعی دلالت کرتے ہیں۔ کہ آپ کی رسالت کا دوام کسی زمانہ میں بھی قیامت کے دن تک منقطع نہیں ہو گی۔ ابن صلاح وغیرہ نے ایسا ہی کیا ہے۔

اور بعض معتبر ائمہ نے کہا ہے کہ اولیاء کی کرامات زندگی اور موت میں اتنی ظاہر ہیں۔ کہ ان کا انکار کوئی ذلیل یا اولیاء اللہ کے متعلق فاسد عقیدہ رکھنے والا ہی کرے گا۔ اور اکابر ائمہ میں سے کسی کے سامنے بیان کیا گیا۔ کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ ولی کی کرامت سے ہے۔ کہ کسی چیز کو کن کہے۔ اور وہ ہو جائے۔ تو اس کو اس سے روک دیا گیا ہے تو اس امام نے کہا جس نے اس کا انکار کیا ہے اس کا عقیدہ فاسد ہے کیونکہ جو اس نے تکوین کا دعویٰ کیا ہے وہ امر عادت کے خلاف ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھ پر ظاہر کر دیا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ حدیث قدسی میں آیا ہے: "وہ میرے ساتھ سنتا ہے، میرے ساتھ دیکھتا ہے اور میرے ساتھ پکڑتا ہے۔" اور ایک اور حدیث میں ہے۔ "تو میری اطاعت کر تجھے یہ قدرت حاصل ہو گی۔ کہ تو کن کہے۔ تو وہ چیز ہو جائے گی:" اور قرآن مجید میں ہے۔ وما رمیت اذ رمیت اور ائمہ نے کہا ہے۔ جو چیز نبی کے لئے معجزہ ہو سکتی ہے وہ ولی کے لئے کرامت بھی ہو سکتی ہے۔ اور کرامت مشاہدہ ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ اور ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی ثابت ہیں۔ اور یہ ان کی موت سے منقطع نہیں ہوتیں۔ اور اس کے منکر پر خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا خطرہ ہے اس سے خدا کی پناہ۔ اور جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء زندہ ہیں۔ قبض ہونے کے بعد ان کی روحیں ان کی طرف لوٹا دی گئی ہیں۔ اور ان کو اجازت دی گئی ہے۔ کہ وہ اپنی قبروں سے نکلیں۔ اور عالم علوی و سفلی میں تصرف کریں۔ پھر وہ احادیث اور منقولات لائے ہیں۔ اور پھر کہا ہے کہ ان تمام منقولات اور احادیث کا ماحصل یہ ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم تصرف کرتے ہیں۔ اور اپنے جسم اور روح کے ساتھ زمین اور ملکوت کے کناروں میں جہاں رہتے ہیں اور چلتے پھرتے ہیں۔ اور وہ اسی ہیئت پر ہیں جیسے وہ اپنی وفات سے پہلے تھے۔ کوئی چیز ان سے تبدیل نہیں ہوئی۔ اور وہ آنکھوں سے غائب ہیں۔ جیسے فرشتے اپنے جسموں کے ساتھ زندہ ہونے کے

Scanned by CamScanner

باوجود نگاہوں سے غائب ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی آدمی کی تنظیم فرما کر اس کی آنکھوں سے پردہ اٹھا دیتے ہیں۔ تو وہ ان کو انکی اصلی شکل پر دیکھ لیتا ہے۔ اور اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اور نہ ہی کوئی رویت مثالی کی تخصیص کا مدعی ہے۔ علامہ ابن قیم نے کہا "یہ یقینی چیز ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی روح اعلیٰ علیین میں ہے۔ یا جنت میں یا آسمانوں میں اور اس کا بدن کے ساتھ اس طرح کا اتصال ہے۔ کہ آپ ادراک کرتے ہیں۔ سنتے ہیں، پڑھتے ہیں۔ اور یہ چیز اس لئے عجیب معلوم ہوتی ہے۔ کہ دنیوی زندگی میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے۔ اور برزخ اور آخرت کے امور غیر مانوس طریقہ پر ہیں" انتہی امام سبکی نے کہا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل ہر حال میں آپ کی خلقت سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی آپ کی دنیوی زندگی میں بھی اور موت کے بعد برزخی مدت میں بھی اور اٹھنے کے بعد قیامت میں میدان میں بھی اور جنت میں بھی جائز ہے۔ اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسرے انبیاء اور اسی طرح اولیاء کے درمیان کوئی مدت میں بھی اور اٹھنے کے بعد قیامت میں بھی اور جنت میں بھی جائز ہے: اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم یا آپ کے علاوہ دوسرے انبیاء اور اسی طرح انبیاء اور صالحین اور اسی طرح اولیاء کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ کہ ان سے وسیلے اور استغاثے اور شفاعت کا ذکر کیا جائے اور ابن عبدالسلام نے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا دوسروں کے متعلق اس کو منع کہا ہے۔ اور شیخ الاسلام شہاب رملی انصاری شافعی سے سوال کیا گیا۔ کہ یہ جو عام لوگ مصیبت کے وقت پکارتے ہیں۔ کہ یا شیخ فلاں اور اسی طرح انبیاء اور مرسلین اور صالحین سے استغاثہ اور فریاد کرتے ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں۔ اور آیا بزرگان دین موت کے بعد فریاد رسی کر بھی سکتے ہیں یا نہیں؟ تو آپ نے بہت اچھا جواب فرمایا۔ کہ انبیاء اور مرسلین اور اولیاء اور علماء اور صالحین سے استغاثہ جائز ہے۔ اور مرسلین اور انبیاء اور اولیاء اور صالحین سے موت کے بعد بھی فریاد رسی جائز ہے کیونکہ نبیوں کا معجزہ اور اولیاء اور صالحین سے کرامات موت کے بعد بھی منقطع نہیں ہوتی۔ نبیوں سے تو اس لئے کہ وہ زندہ ہیں اور اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔ حج کرتے ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے اور ان سے فریاد رسی ان کا معجزہ ہے۔ اور شہید بھی زندہ ہیں۔ ان کو کھلا کھلا دن کی روشنی میں کفار سے جہاد کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے اور باقی رہے اولیاء تو ان کی یہ کرامت ہے۔ پس اہل حق کا یہ مذہب ہے کہ اولیاء کے ارادے اور بغیر ارادہ اللہ تعالیٰ کچھ ایسے امور ان کے سبب سے ظاہر کر دیتے ہیں۔ جو خلاف عادت ہوتے ہیں۔ اور اس کے جواز کی دلیل یہ ہے۔ کہ یہ ممکن امور ہیں۔ ان کے جواز وقوع سے محال لازم نہیں آتا۔ اور ہر وہ چیز جس کی یہ حالت ہو۔ وہ جائز الوقوع ہے۔

پہلے مضمون کی تقریر:۔ اولیاء زمین میں چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ جلال الدین سیوطی نے کہا میرے پاس ایک آدمی کے متعلق سوال آیا۔ کہ ایک آدمی نے طلاق کے ساتھ قسم اٹھائی۔ کہ ولی اللہ شیخ عبدالقادر طحطوطی نے آج کی رات میرے پاس گزاری ہے۔ اور ایک دوسرے آدمی نے بھی طلاق کے ساتھ قسم اٹھائی۔ کہ وہ آج ہی کی رات میرے پاس تھے کیا ان دونوں کی بیویوں پر طلاق واقع ہو گی یا ایک کی بیوی پر؟ تو میں نے اپنا قاصد شیخ عبدالقادر کے پاس بھیجا اور اس کے متعلق آپ سے سوال کیا۔ تو آپ نے کہا "اگر چار آدمی بھی میرے متعلق کہہ دیں۔ کہ میں نے ان کے پاس رات گزاری ہے۔ تو وہ سچے ہوں گے۔" تو میں نے فتویٰ دے دیا۔ کہ ان میں سے کسی کی قسم بھی نہیں ٹوٹی۔ اور پھر کہا۔ یہ مسئلہ ہے

Scanned by CamScanner

بھی واقع ہو چکا ہے۔ اور اس میں علماء نے قسم نہ ٹوٹنے ہی کا فتویٰ دے دیا تھا۔ کہ میں نے فتویٰ دیا۔ اور ان کی دلیل تھی۔ کہ یہ ناممکن ہے اور ممکن نہیں ہے۔ اور تضیب البان موصلی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ اور یہ آدمی ابدال میں سے تھا۔ ان پر کسی آدمی نے جس نے ان کو نماز پڑھتے نہ دیکھا تھا۔ یہ تہمت لگائی۔ کہ یہ نماز کے تارک ہیں۔ اور ان پر اس معاملہ میں سخت انکار کیا۔ تو وہ اس کے سامنے فوری طور پر مختلف صورتوں میں ظاہر ہو گئے۔ اور کہنے لگے۔ تو نے مجھے کس صورت میں نماز پڑھتے نہ دیکھا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جب ولی کی ولایت مستحق ہو جاتی ہے۔ تو اسے طاقت دی جاتی ہے۔ کہ وہ مختلف شکلوں میں چلتا پھرتا ہے۔ اور اپنی روحانیت کی بنا پر ایک ہی وقت میں چند مختلف سمتوں میں سے ظاہر ہوتا ہے اسے مختلف طریقوں سے اڑنے کی طاقت مل جاتی ہے۔ اور اپنے ارادے کے مطابق مختلف شکلیں اختیار کر لیتا ہے۔ بعض شعرادی مشائخ سے بیان کیا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے ذکر کیا۔ کہ اللہ تعالیٰ ولی کی قبر پر کوئی فرشتہ مقرر کر دیتا ہے۔ جو لوگوں کے کام پورے کرتا ہے۔ جب کہ امام شافعی اور سیدہ نفیسہ بنت علی رضی اللہ عنہا جو مصر میں تھیں۔ اور سیدی احمد بدوی کے متعلق واقع واقع ہوا۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ ولی خود بنفسہ اپنی قبر سے اپنی صورت پر باہر نکلتا ہے۔ اور لوگوں کے کام پورے کرتا ہے۔ تو اس کو اس کا ثواب اسی حساب سے ملتا ہے۔ جیسا کہ برزخ میں ان کو نمازیں پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ اور حدیث کی بعض کتابوں میں اس مضمون کو احادیث اور آثار سے مستحکم اور مضبوط کیا گیا ہے چونکہ اس سے مضمون لمبا ہو جاتا۔ لہذا میں نے بقدر ممکن اس بیان کو مختصر کر دیا ہے۔ اور صاحب بدائع زہری نے وقائع الدہر میں نقل کیا ہے۔ کہ خضر امام ابو حنیفہ کی مجلس فقہ میں ہر روز صبح کے وقت حاضر ہوا کرتے۔ اور آپ سے علم شریعت حاصل کرتے۔ جب امام ابو حنیفہ وفات پا گئے۔ تو خضر نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا۔ کہ قبر میں امام ابو حنیفہ کی روح کو لوٹا دے۔ تاکہ آپ کے شریعت کے علوم پورے ہو جاویں۔ چنانچہ خضر اپنی عادت جاویہ کے مطابق ہر روز ان کے پاس ان کی موت کے بعد بھی جاتے رہے۔ اور قبر کے اندر سے وہ آپ سے فقہ اور شریعت کے مسائل سنتے رہے۔ اور اس پر پورے پندرہ برس گزر گئے۔ یہاں تک کہ آپ کا علم شریعت امام ابو حنیفہ کی وفات کے بعد مکمل ہو گیا۔ انتہیٰ۔ ہمیں چاہیئے۔ کہ قلم کو اس میدان میں دوڑانے سے روکیں۔ کیونکہ وہ ذہین آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے بصر اور بصیرت کا نور عطا کر رکھا ہے۔ وہ ایک ہی مثال سے اتنا کچھ سمجھ جائے گا۔ جس کو غبی ہزار شہادت سے بھی نہیں سمجھ سکتا۔ تو تم اس قول کا انکار نہ کرو۔ جو کثیف اور فاسد عقلوں والے لوگ کہتے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی تجارت میں خسارہ اٹھایا۔ اور نفع حاصل نہ کیا۔ بلکہ ضرر میں مبتلا ہوئے یہی وہ لوگ ہیں جو انوار حق کے کھلے اور روشن دلائل اور دقائق کی آنکھوں سے نشانات دیکھنے کے بعد سخت دل ہو چکے ہیں۔ اگر یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کیا جاتا۔ تو آپ اسے جھکتا ہوا اور پھٹتا ہوا دیکھتے۔ تو حکم پس لیلئے زبردست خلاکا ہے۔ وہ جسے چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے گمراہ کرے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے ہمارے رب تحقیق میں ہمارے نور کو پورا کر دے۔ اور ہمیں خالص شراب کی تحقیق کے بابرکت پیالے پلا۔ سو اسی کی حمد ہے اور اللہ اپنے حبیب اور ان کی آل اور اصحاب اور تابعوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ اے اللہ ہمیں علم، عمل اور اخلاص میں زیادہ کر دے۔ اے پروردگار عوالم ہماری دعا قبول فرما ؛

Scanned by CamScanner

توضیح اسرار:۔ اے وہ لوگو! جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہو۔ تم جان لو۔ اور یقین رکھو۔ کہ ان کرامات کی شان جو جناب شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا سے صادر ہوتے ہیں۔ عقلوں کی زبان ان کو بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ اور بڑے بڑے لوگوں کے فہم ان کو سمیٹنے سے تنگ واقع ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس میں انہوں نے کتابیں تصنیف کیں۔ اور پھر بھی وہ سمندر سے ایک قطرہ یا درخت سے ایک پتہ یا سورج سے ایک ذرہ یا ذرہ سے ایک شعاع ہی حاصل کر سکے۔ اور بزرگ ترین شیخ نے اپنے قصائد کو اس طرح کے خوارق علوم و نظر بیان کر کے قدسی کھانوں کے دسترخوان سے سجا دیا ہے۔ اور خصوصًا اس قصیدہ کو جیسا کہ ہر اس آدمی پر مخفی نہیں ہے جو آپ رضی اللہ عنہ کے کلام کو سمجھنے کی مہارت رکھتا ہے۔ پس تجھ پر لازمی ہے۔ کہ تو حاضر ہو اور ان انعامات سے سرفراز ہو۔ جن سے اللہ کے ساتھ بقا حاصل کرنے والے مشرف ہوتے ہیں۔ ہماری تحریر سے تم کو ہر طرح کی تصریف اور تلوین اور تمکین کی حقیقت تو واضح ہو چکی۔ پس شیخ اجل رضی اللہ عنہ کو اس طرح کی تمکین عطا کی گئی ہے۔ کہ "تو میری اطاعت کر تجھے قدرت ملے گی کہ تو کن کہے تو وہ ہو جائے۔" اور آپ کے قول کا معنی بھی ظاہر ہو گیا۔ کہ تحکمی نافذ فی کل حال۔ کہ کل حال سے مراد وہ تمام حالات ہیں۔ جو روح کی حالت میں ہی گزر چکے۔ اور جو پیدائش جسمانی کے وقت تھے۔ اور جو روح سے بدن کی مفارقت کے بعد ظاہر ہوں گے۔ پہلے کی طرف، تو آپ نے اس قول کی طرف اشارہ فرمایا۔ وقتی قبل قبلی قد صفا اور ایک اور قصیدہ میں فرمایا انا کنت قبل القبل قطبا مبجلا:۔ اور ایک اور قصیدہ میں فرمایا "میں آدم کے ساتھ تھا میں نوح اور داؤد اور سلیمان اور ایوب اور موسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تھا۔" اور یہ سب کچھ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات کے سایہ میں تھا۔ کیونکہ آپ ان کے خاص نائب ہیں۔ کہ وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے سوا آپ کے تمام قدموں پر قدم رکھنے والے ہیں۔ اور نبوت اس لئے نہیں۔ کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور جسمانی زندگی کے حالات میں کئی ایک کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔ جیسے تکملہ اور بہجت الاسرار وغیرذالک اور تیسری حالت کے متعلق تواتر سے ثابت ہے کہ آپ نے ظاہری اور باطنی امداد فرمائی۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں اپنے مرید کی قیامت تک حفاظت کرنے والا ہوں! اور یہ آپ کے کلام میں صریحًا و ضمنًا بہت ہے خصوصًا اس قصیدہ میں کہ آپ نے فرمایا تحکمی نافذ فی کل حال یعنی بدن سے پہلے بھی اور اس کے ساتھ بھی اور یہ اسی طرح کا کلام ہے۔ "میں نبی تھا۔ اور آدم ابھی پانی اور مٹی میں تھے۔" اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات میں اس طرح کی بہت سی چیزیں ہیں۔ خصوصًا آدم علیہ السلام کے حق میں کہ آدم علیہ السلام کی توبہ بھی آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی امداد سے ہوئی۔ اور اس میں بہت تفصیل ہے۔ ہم نے تطویل کے خوف سے اس کو لپیٹ دیا ہے؛

تحریر المعنی وتوضیحہ:۔ اللہ ایمانداروں کا دوست ہے۔ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ کہ جہاں تک چاہے ان کو اپنے نور کی راہ نمائی فرماتا ہے پھر ان کو زیادہ صاف کرتا جاتا ہے۔ یہاں تک وہ پوری طرح صاف ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے وجود میں ایک ذرہ بھی سیاہ نہیں رہتا، نہ اخلاق میں نہ ارادے اور افعال میں جیسا کہ پہلے کئی دفعہ صریحًا و ضمنًا یہ قاعدہ لکھا جا چکا ہے۔ پھر ان کو اپنے قدس کے دروازے کا ملازم بنا لیتا ہے۔ اور وہ

اس میں قوت تامہ حاصل کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کو آواز دی جاتی ہے۔ یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوٰۃ الدنیا ط اور اللہ ایمان داروں کو دنیا اور آخرت کی زندگی میں قول ثابت کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے" اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا فلا خوف علیہم ولا ھم یحزنون ہ ترجمہ:۔ "جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور پھر اس پر مضبوط رہے تو نہ ان پر کوئی خوف ہے۔ اور نہ وہ غم کھائیں گے۔" پھر ان کو قرب کی بساط میں داخل کرتا ہے۔ اور خلعت اور تاج سے ان کی عزت افزائی کرتا ہے۔ اور ان کو اسرار پر مطلع کرتا ہے۔ اور ان کو زمانے اور علاقوں کا والی بناتا ہے۔ ان کو تقدیر اور تکوین اور حالات کے امین ٹھہراتا ہے۔ اور سارا ملک اللہ کے لئے زبردست کا ہو جاتا ہے" یعنی سالکین کی اس جماعت کے ہاتھ پر جنہوں نے بصر اور بصیرت کے حقائق ملاحظہ کر لئے ہیں۔ لیکن اس عجیب طریقہ کے لئے کوئی لاکھوں میں سے ایک آدمی پیدا ہوتا ہے۔ پس اس لئے شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا فرماتے ہیں کہ اس منزلت کریمہ کے ساتھ اللہ نے مجھے مخصوص فرمایا ہے۔ پس آپ نے فرمایا کسانی خلعۃ اور توجنی اور اطلعنی اور قلانی اور اس سے پہلے انا فی حضرت التقریب وحدی ط جو کہ ترقی کی حیثیت سے سابقہ کمالات پر مشتمل ابیات کے بعد واقع ہے۔ اور پھر فرمایا وولانی یعنی کائنات کے ظاہری وجودات میں مجھے والی اور متصرف بنایا ہے۔ جیسا کہ اس کی طرف آپ کا قول فلو القیت سری اس قصیدہ میں چار جگہ پر اشارہ کر رہا ہے۔ اور ایک قصیدہ میں اس سے بھی زیادہ ہے۔ اور شہوات باطنیہ میں اقطاب وغیرہ تمام اولیاء پر متصرف کیا ہے۔ پس اس ولایت تامہ اور حکومت عامہ عطا کرنے کے بعد میرے حکم اور امر کو جاری و نافذ فرمایا ہے۔ میرے حال میں یعنی ابتدا یا انتہا یا توسط میں اس میں کوئی رکاوٹ پیدا کرنے والا نہیں ہے۔ یعنی میں ابتدائے حال میں بھی نافذ الحکم ہوں۔ اور وسط میں بھی اور انتہا میں بھی پس ہر زمانہ میں اقطاب میں سے ہر ولی اپنے ہر مرتبہ میں میرے حکم کے تحت ہے۔ یا مراتب اولیاء میں سے ہر مرتبہ اور ہر حال میں میرے ماتحت ہے۔ پس یہاں حال سے مراد مرتبہ ہے۔ نہ وہ حال جو کہ مقام کے مقابل ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ ہر حالت میں نفوذ حکم مراد ہو۔ یعنی روح کی حالت اور زندگی کی حالت میں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ حال سے مراد زمانہ ہو۔ یعنی میرا حکم ہر زمانے میں نافذ ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا اعطانی المولیٰ اجل ولایۃ + لم یعطہا لغیری الی یوم القیامۃ ط اور فرمایا۔ "میرے یہ قدم تمام پہلے اور پچھلے اولیاء اللہ کی گردن پر ہیں" اور اس میں تفصیل ہے جب کہ اس کی طرف اشارہ پہلے گزر چکا ہے۔ اس کو یاد رکھ تاکہ تجھے پوری بصیرت حاصل ہو۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں۔ تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

فلو القیت سری فی بحار + لصار الکل غوراً فی الزوال

یہ نفوذ حکم کی تفصیل کے لئے ہے اور کلمہ لو شرط کے لئے ہے۔ اور القاء کا معنی ہے ڈالنا، پھینکنا اور نیچے پھینک دینا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فالملقیات ذکراً عذراً او نذراً ط" پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو عذاب یا ڈر کو لانے والے ہیں۔" اور اس کا معنی گردن جھکانا ہے والقی الیکم السلم ط اور بحار بحر کی جمع ہے

Scanned by CamScanner

دریا یا چھوٹی نہر اور کڑوا پانی اور تیز رفتار و فراخ قدم گھوڑا اور یہاں پہلا اور دوسرا معنی مراد ہے یا تیسرا بھی جیسا کہ ہے اور یہ زیادہ مناسب ہے۔ اور مغور بفتح غین۔ پانی کا زمین میں نیچے چلا جانا، اور پست زمین اور گڑھے اور یہاں پہلا معنی زیادہ مناسب ہے دوسرا اور تیسرا بھی جائز ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ اور منحال بفتح میم اپنی جگہ سے ہل جانا اور دور ہو جانا۔

الاعراب:۔ فا تعقیب کے لئے ہے یا اجمال کے بعد تفصیل کے لئے اور لو کا کلمہ شرط کے لئے ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ یہ کلمہ جزا کے مضمون کو شرط کے مضمون کے حصول کے ساتھ زمانہ ماضی میں معلق کرنے کے لئے آتا ہے۔ اور اس میں شرط کی نفی بھی یقینی ہوتی ہے اور اس صورت میں جزا کی نفی بھی لازم ہو جاتی ہے جیسے لو جئتنی لاکرمتک۔ اگر تو میرے پاس آتا۔ تو میں تیری عزت کرتا۔ یعنی عزت کو آنے کے ساتھ معلق کیا گیا ہے اور آنے کی نفی یقینی ہے۔ تو اکرام کی نفی بھی لازم آئے گی پس یہ ثانی یعنی جزا کی نفی کی وجہ سے پہلے یعنی شرط امتناع ہے۔ اور یہ لغت کے رو کے مطابق ہے۔ اور اس معنی میں اس کا استعمال بہت زیادہ ہے۔ اور ارباب معقول کہتے ہیں کہ اِنْ اور لو اور ان جیسے اور حروف بھی یہ حرف لزوم کے حروف ہیں۔ جو شرط کے لئے جزا کے لزوم پر دلالت کرتے ہیں اور ان میں نفی کی شرط کا قصد نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک مقدم کا استثناء صحیح ہوتا ہے جیسے کہ اگر سورج طلوع ہوگا۔ تو دن موجود ہوگا۔ لیکن سورج چڑھا ہوا ہے۔ تو لازمی چیز ہے۔ کہ دن بھی موجود ہوگا۔ اور قرآن مجید میں ہے کہ اگر ان میں اللہ کے سوا کوئی اور خدا ہوتا۔ تو ان دونوں میں فساد بپا ہو جاتا۔ اور اس معنی میں اہل لغت کے نزدیک بھی استعمال ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ پہلا معنی اہل لغت کے نزدیک حقیقت ہے۔ اور دوسرا اہل معقول کے نزدیک اور اس میں تفصیل ہے جس کو تو شرح تلخیص میں پائے گا۔ اور لو تمنی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور اس کے اور معنی بھی ہیں لیکن یہاں ہمیں ان سے کوئی غرض نہیں ہے۔ لہذا ہم نے ان کو چھوڑ دیا ہے اس کے بعد علم والے ناظر پر مخفی نہ رہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی غرض ان ابیات سے یہ ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے لئے مرتبہ تکوین کے حصول کو بیان کرتے ہیں یعنی مجھے مرتبہ تکوین علی العموم نہایت قوی طریقہ اور پوری طرح سے حاصل ہے۔ پھر اگر کلمہ لو کا استعمال تو اہل لغت کے مطابق ہو۔ جیسا کہ وہ قرآن مجید کے بھی مطابق ہے۔ جو فصیح عربی ہے تو اس کی توجیہہ ان خوارق کے نہ ہونے کے باوجود یعنی سمندروں کا پانی گہرا ہو جانا۔ اور مردوں کا زندہ ہونا، اور آگ کا بجھ جانا۔ اور ان جیسے اور خوارق جو کہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا سے مرویات میں عنقریب معلوم ہو جائیں گے۔ یہ ہوگی۔ کہ کرامات کا ظہور ہونا اولیاء کے نزدیک چونکہ پسندیدہ فعل نہیں ہے۔ خصوصاً الشیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے نزدیک کیونکہ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ وہ اپنی زندگی میں خوارق کے ظہور سے بچتے تھے۔ تو آپ لو کا کلمہ لاتے ہیں جو فرضیات پر دلالت کرتا ہے جن کا عدم وقوع یقینی ہے۔ اور اس کا بیان عنقریب جو منت میں آ جائے گا۔ اور کبھی لو کا کلمہ اِنْ کے معنی میں بھی ہوتا ہے اور اس میں بھی یہ نکتہ موجود ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ کلمہ لو کا اتیان انتفاء جزا کے ارادہ کے لئے ہو۔ اور باقی رہی دنیا اس کے وقوع کی صورت تو وہ آپ کا ارادہ نہیں ہے۔ بلکہ صفات الٰہیہ کے کمال ظہور کی وجہ

سے ہوتا ہے۔ جو آپ رضی اللہ عنہ میں متحقق ہیں۔ اور اگر اس کا استعمال صرف کلام مطلق کے لئے ہو۔ تو پھر اس میں کسی طرح کی الجھن نہیں ہے۔ اور اس کے متعلق باقی کلام عنقریب آپ کو انشاء اللہ معلوم ہو جائے گا۔ الفیت، القاے فعل ماضی ہے۔ اور اس کا فاعل تائے متکلم ہے۔ اور بحری اس کا مفعول ہے۔ اور کلمہ فی، علیٰ کے معنی میں ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اصلی معنی میں ہو۔ اور لتعلمن کے لام کی بلاغت عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گی۔ اور یہ ثمرات کے پوری طرح مترتب ہونے کی تاکید کے لئے ہے یعنی تمام سمندر یا سمندر کا تمام پانی اور پہلا معنی کلام سابق کے زیادہ مناسب ہے۔ اور دوسرا معنی اللہ تعالیٰ کے قول ان اصبح ماؤکم غورًا کے زیادہ موافق ہے اور یہ زیادہ قریب ہے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کا کلام اسی کے مطابق ہے تو ان دونوں میں لفظی اور معنوی مطابقت بقدر امکان ضروری ہے۔ فی الزوال کا معنی ہے۔ غورًا یعنی ایسی گہرائی جس کے طریقے میں زوال ہو۔ یعنی پوری طرح پانی زائل ہو جائے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ فی کا کلمہ من کے معنی میں ہو۔ یعنی ایسی گہرائی جو زوال سے پیدا ہوئی ہے۔ اور ان دونوں صورتوں میں اس میں اشارہ ہے۔ کہ غور کے دو طریقے ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ اختفا سمندر کی زمین کے باطن میں ہو۔ تو اس صورت میں پانی تو موجود ہوگا۔ لیکن وہ زمین کی گہرائی میں نیچے چلا گیا ہے۔ اور چھپ گیا ہے۔ اور دوسرا غور زوالی ہے یعنی سمندر کے پانی کا کوئی اثر نہیں رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ سرے سے ختم ہو گیا ہے۔ نہ تو سمندر کے ظاہر میں ہے۔ اور نہ ہی اس کے باطن میں اس کا کوئی اثر ہے۔ اور یہ گہرائی میں زیادہ سخت ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول فمن یاتیکم بماءٍ معین کے زیادہ موافق ہے۔ اس کو یاد رکھو۔ یہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے انوار کے خاص کے عجائبات سے مجھ پر وارد ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی بہترین مخلوق محمد اور ان کی تمام آل پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

البلاغت :۔ اے خبیر و بصیر! شیخ اجل رضی اللہ عنہ لَو کا کلمہ لائے ہیں۔ جو فرضیت پر دلالت کرتا ہے اور یہ اس طرف اشارہ ہے۔ کہ ان خوارق کے ظاہر کرنے کا آپ کا ارادہ نہیں ہے اور وہ جو آپ سے ظہور ہو جاتا ہے۔ وہ محض اللہ تعالیٰ کے ارادے کی وجہ سے ہے تاکہ مخلوق کے سامنے آپ کے کمالات کی تقویت اور آپ کے ارشاد کی پختگی ظاہر ہو جائے کیونکہ آپ نبی امی الابطحی صلے اللہ علیہ وسلم کے نائب مطلق ہیں۔ اور آپ کے کمالات کا انکار بھی جو مخالفین و جہال کرتے ہیں وہ اسی طرح ہے جیسے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا انکار ابو جہل لعین کرتا تھا۔ حالانکہ روشن معجزات کا ظہور بھی دیکھتا تھا۔ اور اس توجیہ سے وہ خیال بھی باطل ہو گیا۔ جو بعض کوتاہ فہم لوگ کہتے ہیں۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی توجہ جو ظہور خوارق کی طرف رہتی تھی۔ یہ نسبت جبروتیہ کے غلبہ کی وجہ سے تھی جو نسبت لاہوتیہ کے نیچے ہے۔ اور وہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی نسبت وصولیہ حقیقیہ ذاتیہ میں کچھ کمی تھی۔ اور یہ ان کا وہم فاسد ہے اور کھوٹا خیال ہے۔ اللہ ان کو برباد کرے وہ کدھر جاتے ہیں کیونکہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے کبھی کرامات کے اظہار کا ارادہ نہ فرمایا۔ ماسوائے کسی ضرورت کے جو دعا لین اللہ ... کے دینیہ کے لئے ضروری ہو۔ اور اسی لئے آپ نے فرمایا " اگر میں ڈالوں " اور یہ اس کے موافق ہے۔ جو قرآن مجید میں آیا ہے۔ ولو شاء اللہ لہدٰکم اجمعین ط اور ہم نے جو بیان کیا ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا۔ کہ اس توجیہ کے ساتھ یہ بھی جائز ہے۔ کہ لَو کا کلمہ اِنْ کے معنی میں ہو۔ جیسا کہ اِنْ بھی لَو کے معنی میں آجاتا ہے وان یشاء یذھبکم ایات بخلق

Scanned by CamScanner

سے ہوتا ہے۔ جو آپ رضی اللہ عنہ میں متحقق ہیں۔ اور اگر اس کا استعمال صرف لازم مطلق کے لئے ہو۔ تو پھر اس میں کسی طرح کی الجھن نہیں ہے۔ اور اس کے متعلق باقی کلام عنقریب آپ کو انشاء اللہ معلوم ہو جائے گا۔ الفیت، القات فعل ماضی ہے۔ اور اس کا فاعل تائے متکلم ہے۔ اور بحری اس کا مفعول ہے۔ اور کلمہ فی، علیٰ کے معنی میں ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اصلی معنی میں ہو۔ اور لتحلی کے لام کی بلاغت عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گی۔ اور یہ شرط پر جزا کے پوری طرح مترتب ہونے کی تاکید کے لئے ہے یعنی تمام سمندر یا سمندر کا تمام پانی اور پہلا معنی کلام سابق کے زیادہ مناسب ہے۔ اور دوسرا معنی اللہ تعالیٰ کے قول ان اصبح ماؤکم غورًا ملکے زیادہ موافق ہے اور یہ زیادہ قریب ہے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کا کلام اسی کے مطابق ہے تو ان دونوں میں لفظی اور معنوی مطابقت بقدر امکان ضروری ہے لدی فی الزوال کا معنی ہے۔ غورًا یعنی ایسی گہرائی جس کے طریق میں زوال ہو۔ یعنی پوری طرح پانی زائل ہو جائے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ فی کا کلمہ من کے معنی میں ہو۔ یعنی ایسی گہرائی جو زوال سے پیدا ہوئی ہے۔ اور ان دونوں صورتوں میں اس میں اشارہ ہے۔ کہ غور کے دو طریقے ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ اختفا سمندر کی زمین کے باطن میں ہو۔ تو اس صورت میں پانی تو موجود ہوگا۔ لیکن وہ زمین کی گہرائی میں نیچے چلا گیا ہے۔ اور چھپ گیا ہے۔ اور دوسرا غور زوالی ہے یعنی سمندر کے پانی کا کوئی اثر نہیں رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ سرے سے ختم ہو گیا ہے۔ نہ تو سمندر کے ظاہر میں ہے۔ اور نہ ہی اس کے باطن میں اس کا کوئی اثر ہے۔ اور یہ گہرائی میں زیادہ سخت ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول فمن یاتیکم بماء معین کے زیادہ موافق ہے۔ اس کو یاد رکھ۔ یہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے انوار کے خاص کے مواہبات سے مجھ پر وارد ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی بہترین مخلوق محمد اور ان کی تمام آل پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

البلاغت :۔ اے خبیر و بصیر! شیخ اجل رضی اللہ عنہ لو کا کلمہ لائے ہیں۔ جو فرضیت پر دلالت کرتا ہے اور یہ اس طرف اشارہ ہے۔ کہ ان خوارق کے ظاہر کرنے کا آپ کا ارادہ نہیں ہے اور وہ جو آپ سے ظہور ہو جاتا ہے۔ وہ محض اللہ تعالیٰ کے ارادے کی وجہ سے ہے تاکہ مخلوق کے سامنے آپ کے کمالات کی تقویت اور آپ کے ارشاد کی پختگی ظاہر ہو جائے کیونکہ آپ نبی امی الابطحی صلے اللہ علیہ وسلم کے نائب مطلق ہیں۔ اور آپ کے کمالات کا انکار بھی جو مخالفین دجال کرتے ہیں وہ اسی طرح ہے جیسے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا انکار ابو جہل لعین کرتا تھا۔ حالانکہ روشن معجزات کا ظہور بھی دیکھتا تھا۔ اور اس توجیہہ سے وہ خیال بھی باطل ہو گیا۔ جو بعض کوتاہ فہم لوگ کہتے ہیں۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی توجہ جو ظہور خوارق کی طرف رہتی تھی۔ یہ نسبت جبروتیہ کے غلبہ کی وجہ سے تھی جو نسبت لاہوتیہ کے نیچے ہے۔ اور وہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی نسبت وصولیہ حقیقیہ ذاتیہ میں کچھ کمی تھی۔ اور یہ ان کا وہم فاسد ہے اور کھوٹا خیال ہے۔ اللہ ان کو برباد کرے وہ کدھر جاتے ہیں۔ کیونکہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے کبھی کرامات کے اظہار کا ارادہ نہ فرمایا۔ ماسوائے کسی ضرورت کے جو دجالین بطالین کے دفیعہ کے لئے ضروری ہو۔ اور اسی لئے آپ نے فرمایا "اگر میں ڈالوں" اور یہ اس کے موافق ہے۔ جو قرآن مجید میں آیا ہے۔ ولو شاء اللہ لھدٰکم اجمعین ط اور ہم نے جو بیان کیا ہے اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا۔ کہ اس توجیہہ کے ساتھ یہ بھی جائز ہے۔ کہ لو کا کلمہ ان کے معنی میں ہو۔ جیسا کہ ان بھی لو کے معنی میں آجاتا ہے وان یشاء یذھبکم ایات بخلق

جدید ا وما ذالک علی اللہ بعزیز ؕ اور اس کا کچھ تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ اس کو یاد رکھ۔ اگر آپ یہ کہیں کہ آپ یہ کیسے کہتے ہیں۔ کہ آپ نے ارادہ نہیں کیا۔ اور جو کچھ بھی واقع ہوا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے واقع ہوا ہے۔ اور یہ تو مقرر ہے مگر اپنے سے فنا ہونے والے اور اللہ کے ساتھ باقی رہنے والے کا ارادہ نہیں ہوتا وہاں صرف اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے۔ پھر آپ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے کیونکہ وہ تو ہر ولی میں عام ہے۔ تو میں اس کے جواب میں کہوں گا۔ کہ وہ ارادہ جو فانی باقی باللہ کے لئے ثابت ہے۔ اس کی دو نسبتیں ہیں۔ ایک نسبت کا تعلق تو بندے سے ہے۔ اور ایک نسبت کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ اور پہلی نسبت میں بھی اگرچہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے۔ لیکن تعلق کی نسبت باقی ہوتی ہے اس میں بشریت صافیہ کے وجود کا کچھ ذرہ باقی ہوتا ہے۔ اور دوسرا مطلقاً ہر لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے۔ پہلی نسبت سے اللہ تعالیٰ دوسرے اولیاء کو سرفراز فرماتے ہیں۔ اور دوسری نسبت شیخ اجل رضی اللہ عنہ و ارضاہ عنا کے ساتھ مخصوص ہے تو بیت میں پہلے ارادے سے دوسرے ارادہ کی طرف بقاء مطلق اور کبیر اکبر کے موافق آپ کی ترقی کا اشارہ ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اولیاء اللہ میں سے ایک ولی کہا کرتا تھا: "اگر تم آسمانوں اور زمین والے میرے عیال ہو جائیں تو میں توکل پر ہوں۔ میں اس کی پرواہ نہیں کروں گا۔" تو اس کو کسی ایسے آدمی نے جو اس سے مرتبہ میں بلند تھا۔ کہا: "ابھی تو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص نہیں ہوا۔ تو شرک میں مبتلا ہے۔ اپنے اس ارادے سے توبہ کر۔ کہ اس میں تعلق کے تصورات کا شائبہ ہے اگرچہ اس میں حضور کی نسبت بھی پائی جاتی ہے اور اسی قبیل سے وہ عبارت ہے جو عوثیہ میں ہے۔ کہ "جس نے وصول کے بعد عبادت کا ارادہ کیا اس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا: کیونکہ یہ کلام صاف دلالت کر رہا ہے۔ کہ وصول کی نسبت کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت تعلق کی ہے۔ اور ایک جہت الملق کی۔ باوجود اس کے کہ دونوں جہتیں بشریت قاصرہ فاسرہ سے خارج ہیں۔ اور حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا قول اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کہ جب محبوب خدا نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں خدا کی بارگاہ تک پہنچے۔ اور اپنے وجود تعلق سے اللہ تعالیٰ پر ثناء کہنے کا ارادہ فرمایا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ٹھہر جا اللہ خود ثنا بیان کرے گا۔ یعنی اپنے ارادہ تعلقیہ سے ٹھہر جاؤ۔ اللہ تعالیٰ اپنے نفس کی خود ثنا بیان کرے گا۔ جو کہ اس تعلق سے خارج ہو گی۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا۔ میں تیری اس طرح تعریف بیان نہیں کر سکتا جس طرح تو اپنے نفس کی ثنا بیان کرے گا۔" اور ثنا وہ تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اس قول التحیات للہ الخ سے ہوئی۔ مختصر یہ کہ یہ تمام دو نسبتوں پر موقوف ہیں جیسا کہ تجھ کو معلوم ہو چکا۔ اس کو یاد رکھ۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں۔ تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔ اور اللہ اپنی بہترین مخلوق محمد اور ان کی آل پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

پھر القلۃ میں اشارہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے صرف توجہ کرنے اور القاء کرنے سے ہی یہ خوارق، کرامات، ظاہر ہوتی ہیں۔ اور اس کے لئے آپکی پوری توجہ اور ہمیشگی کی ضرورت نہیں ہے اور اس میں اشارہ ہے اس سرعت کی طرف جو آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کو مرتبۂ تکوین میں اللہ تعالیٰ کے لفظ کن فیکون کے ظل میں حاصل ہے اسی لئے آپ نے القاء کا لفظ اختیار فرمایا۔ اور اس ڈالنے وغیرہ کے الفاظ چھوڑ دیئے۔ جو سرعت کے مفہوم کو ادا نہیں کرتے تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اس کو کہہ دیتا ہے ہو جا۔ تو وہ ہو جاتی ہے۔ یعنی اس کے ارادہ کی کہنے کے ساتھ ہی تکمیل ہو جاتی ہے

اور یہ روشن اسرار کو سمجھنے کی کوشش کر۔ اور یہ جو آپ سرّی کا لفظ لاتے ہیں۔ یہ اشارہ ہے۔ کہ مرتبہ تکوین لطیفۂ سرّی کے مرتبہ میں حاصل ہوتا ہے۔ لیکن تجھے یہ معلوم ہونا نہایت ضروری ہے۔ کہ اس مرتبہ کا ظہور لطیفۂ سرّی کے ابتدائے ظہور میں ہوتا ہے۔ اور اس توجیہہ پر اگر آپ کے قول سرّی سے لطیفۂ سرّی مراد لیا جائے۔ تو جائز ہوگا۔ اور لطیفۂ نفسیہ اور قلبیہ اور روحیہ کے لئے بھی کچھ حالات ہیں انتہا، وسط اور ابتداء۔ اور ہر حال میں ولایت حاصل ہوتی ہے۔ اور ولایت ان کے مطابق عام خاص اور اخص کی طرف منقسم ہوجاتی ہے اور عنقریب انشاء اللہ آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ مختصر یہ کہ مرتبہ تکوینیہ کا ظہور اور لطیفۂ سرّی کے ابتداء میں حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کو یاد رکھ۔ پھر جو فی کا کلمہ لاتے ہیں۔ اگرچہ وہ حتیٰ کے معنی میں ہو تو اس میں لطیف ایک نقطہ ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ توجہ سمندروں کی گہرائی تک اس طرح سرایت کر جائے۔ کہ ان کے ایک ایک جزء میں پہنچ جائے۔ یہاں تک کہ تمام سمندر مٹ جائے۔ اور اس سے روئے زمین پر کوئی چیز باقی نہ رہ جائے اور نہ سمندر کی گہرائی اور باطن میں کوئی چیز باقی رہے۔ اور بحاری میں جو لفظ جمع کا لاتے ہیں۔ اس میں اشارہ ہے شیخ اجل رضی اللہ عنہ و ارضاہ عنا کے احاطہ تکوین کی طرف کہ آپ نے ہر سمندر کو گھیر رکھا ہے۔ خواہ اس صورت میں کہ سمندر اپنی ہیئت پر باقی ہیں اور آپ کی قدرت اس سے بہت فراخ ہو۔ اور یا اس طرح کہ سمندر سمٹ جائیں۔ اور ایک قطرہ کی طرح ہو جائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "واللہ یقبض ویبسط والیہ ترجعون ط ترجمہ :- اور اللہ تنگ کر دیتا ہے اور فراخ کرتا ہے اور اس کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ؛ پھر آپ نے جو صارت کا لفظ فرمایا اور اختیار کیا ہے اور صیّرت "ماضی مجہول" کو چھوڑ دیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے سمندروں کے آپ کے القاء اسرار کی کمال اطاعت کی طرف کہ وہ بنفسہ تمام کے تمام زائل ہو جائیں اور کوچ کر جائیں۔ اور اس میں اَتینا طائعین کے مطابق اور بھی نکات ہیں۔ ان کو سمجھنے کی کوشش کر۔ اور صارت کا لفظ چھوڑ کر کُلّی کا لفظ لانے میں بحروں کی استقامت کے سوا ایک اور وجہ بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ القاء کا احاطہ تمام سمندروں کے لئے ہے۔ خواہ بسط کی حالت میں ہوں۔ یا قبض کی صورت میں اور آپ نے غورًا کا لفظ اختیار کیا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے قول ماءکم غورًا کی موافقت کی طرف غور کیا جائے۔ اور اس میں ایک اور نکتہ بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ سمندروں پر آپ کے سِرّ کا وقوع سمندروں پر غالب ہے۔ اسی طرح کہ ان کا پانی نہ نکلے۔ بلکہ انہی کے اندر زائل اور فنا ہو جائے اس کو سمجھ اور للہ ما قال میں آپ کے قول غورًا کی تکمیل ہے۔ اور اس کی حقیقت نحو میں گزر چکی ہے۔ اور اس میں ایک باریک نکتہ اور بھی ہے۔ جس کو ہم قلوب ماہرہ کے سپرد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اس سے رزق عطا فرمائے۔ اور تیرے رب کا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی بہترین مخلوق محمد اور ان کی تمام آل پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

بیان سابق:- یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی طرف سے القاء یا تو صرف اس اظہار سے ہو۔ کہ کسی طرح سے اصالتًا یا تبعًا تعریف کی تجلی کے وقت کہ جس سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کی ابتدائے ترتیب فرمائی۔ اور پھر آپ کے لئے یہ تجلی تمام ممکنات کی نسبت سے بتا دی گئی۔ آپ کے دل میں صرف اس کا خیال آجائے۔ اور یا اس اشارت سے ہو سکتا ہے کہ آپ کسی چیز کی طرف توجہ یا قصد فرمائیں۔ پہلا آپ کے کمالات کے زیادہ لائق ہے اور دوسرا آپ کے قول القیت کے زیادہ موافق ہے مختصر یہ کہ القاء شیخ رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہ تجلی جلالی سے عبارت ہے جو کہ

Scanned by CamScanner

تمام کائنات میں مؤثر ہے۔ اور اس سے یہ چیز بھی معلوم ہو گئی۔ کہ جمال اور اس کی تجلی کا ظہور آپ رضی اللہ عنہ پر غالب اور دائمی تھا۔ اور سابق تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حدیث قدسی کے قول کے مطابق کہ "میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔" اور یہی رتبہ نیابت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زیادہ مناسب ہے۔ جو کہ شیخ رضی اللہ عنہ کو عطا کی گئی ہے۔ اور اس کی طرف آپ نے اپنے ایک اور قصیدہ میں ان الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے "تو مقام نیابت میں میرا دوست ہے" اور اس قصیدہ میں آپ نے ان الفاظ سے کہ کل ولی قدم وانی علیٰ قدم النبی بدر الکمال صلے اللہ علیہ وسلم۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کا یہ القاء زبان کے قول کے اعتبار سے ہو۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا ایک مرید آپ کے پاس زیارت کرنے کے لئے دور کی مسافت سے آ رہا تھا۔ اور اس کے اثنائے راہ میں ایک بہت بڑی نہر تھی۔ تو جب وہ نہر پر پہنچا۔ تو ناگہاں وہاں شیوخ میں سے ایک شیخ بھی آ گیا۔ اور جب وہ آیا۔ تو اسی وقت نہر کا پانی خشک ہو گیا۔ تو وہ شیخ اور مرید دونوں اس کو عبور کر گئے۔ یہاں تک کہ یہ مرید شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ تو آداب خدمت بجا لانے کے بعد اس نے آپ سے اس نے اس کرامت کا ذکر کیا۔ جو اس نے اس شیخ سے دیکھی تھی۔ تو شیخ رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف پیٹھ پھیر دی۔ اور پھر اس کے بعد جب تک وہ آپ کے پاس رہا۔ اس سے کوئی کلام نہ کیا۔ پھر اس مرید نے آپ سے رخصت چاہی۔ تو آپ نے اس سے فرمایا۔ جب تو اس نہر پر پہنچے۔ تو اس سے کہنا۔ کہ تو نے اس گزرنے والے شیخ کے لئے راستہ پیدا کر دیا تھا۔ اور میں تجھ پر ایسا القاء کرتا ہوں۔ جس سے تیرا پانی گہرا زوال میں چلا جائے۔ جب یہ مرید نہر پر پہنچا۔ تو اسی شیخ کو دیکھا۔ تو پھر اس نہر کو عبور کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے پیغام پہنچایا۔ اور پانی سے بہنے سے بھی زیادہ دگنی موجیں اٹھنے لگیں۔ یہاں تک کہ اس گزرنے والے شیخ کے لئے اس سے گزرنا ناممکن ہو گیا۔ پس اس شیخ نے اس کے حال کی طرف توجہ فرمائی۔ اور حیران ہوا۔ کہ اس کی کیا حالت ہے۔ تو اسے غیب سے خبر دی گئی۔ کہ یہ شیخ عبد القادر کی غیرت کی وجہ سے ہے۔ کہ تم نے ان کے مرید کو سامنے کرامت کا اظہار کیا۔ تو پھر وہ عبور کرنے والا شیخ تائب ہوا۔ اور اس نے بغداد کی طرف توجہ کی۔ اور یہ قصہ اپنی اپنی جگہ پر ہے۔ اور اس قصہ میں بہت سے فوائد ہیں۔ لیکن ان میں سے جو ہر ایک کے لئے ضروری ہیں۔ ان کا بیان کرنا تو لازمی ہے۔ پہلا فائدہ یہ ہے۔ کہ مرید کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے شیخ کے سامنے کسی اور شیخ کا تذکرہ کرے۔ کیونکہ اس میں عقیدت کے تقسیم ہو جانے کا شائبہ پایا جاتا ہے اور طریقت میں یہ بہت بڑی بات ہے۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہے۔ کہ کرامت کو اہمیت دینا بعض ذوات سیر الی اللہ میں کمزوری پیدا کر دیتا ہے۔ کیونکہ دل کو ان کے حصول کی طرف ربط اور تعلق ہو جاتا ہے۔ حالانکہ کرامت مطلوب نہیں ہے یہی وجہ ہے۔ کہ کہتے ہیں۔ کہ کسی اشد ضرورت کے بغیر کرامت کا اظہار جائز نہیں ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ "کرامت مردوں کا حیض ہے۔" تیسرا فائدہ یہ ہے۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے علاقہ کے ارد گرد کا اظہار خصوصاً آپ کے مرید کے سامنے بے ادبی اور گستاخی ہے۔ کیونکہ اکثر دیکھنے والے کا دل صاحب کرامات کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اور چوتھا فائدہ یہ ہے۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اس مرید سے کلام کرنا ناپسند کیا۔ اس میں یہ اشارہ ہے۔ کہ وہ طالب حق نہیں ہے۔ بلکہ غیر کا طالب ہے اور جس آدمی سے متکلم کی موانست اور مجانست نہ ہو۔ اس سے کلام کیسا۔ کیا تم اس پر غور نہیں کرتے۔ کہ یہ لوگ صرف اپنی

سے کلام کرتے ہیں۔ جن سے ان کو مناسبت ہوتی ہے۔ اور پانچواں نکتہ یہ ہے۔ کہ گنہگاروں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز کلام نہیں فرمائیں گے۔ اور یہ مرید اسی قبیل سے تھا۔ لہٰذا شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اس سے کلام نہ فرمایا۔ اور چھٹا نکتہ یہ ہے۔ کہ اس گزرنے والے شیخ کے حال کو زائل کر دینے میں یہ اشارہ تھا۔ کہ مرید کے دل سے اس شیخ کی طرف میلان ختم ہو جائے۔ کہ ان شیوخ جیسے لوگ تو بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ کے محکوم اور اطاعت گزار ہیں۔ اور آپ تمام اولیاء اللہ اور شیوخ کی گردنوں کے مالک ہیں۔ قدس اللہ اسرارہم اور اس میں اور بھی بہت سے نکات ہیں۔ کہ تحریر کی زبان ان کو بیان کرنے سے قاصر ہے۔ اور تمام تر حمد اس اللہ کے لئے ہے۔ جس نے ہمیں اس کی راہ نمائی فرمائی۔ اور اگر اللہ رب العالمین ہماری راہ نمائی نہ فرماتا۔ تو ہم کیسے ہدایت پا سکتے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی بہترین مخلوق محمد اور ان کی تمام آل پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ پاک ہے اللہ اور اسی کی تعریف ہے۔

تحقیق انیق اے طالب خیر والے ناقد بصیر تیرے لئے یہ معلوم ہونا نہایت ضروری ہے۔ کہ سمندروں سے مراد یا تو حقیقی سمندر ہیں۔ جیسا کہ اس کے اطلاق سے ابتداءً ذہن میں آتا ہے۔ اور یا پھر مجازی معنی ہیں۔ یعنی علم کے سمندر والے علماء اور اہل کمال اولیاء اور اس کی طرف یہ چیز اشارہ کرتی ہے کہ آپ گفتگو اولیاء سے کر رہے ہیں۔ تو زیادہ مناسب یہی ہے کہ سمندروں سے مراد ان کی اپنی ذات ہو۔ اور اس میں اقطاب کو تنبیہ اور خبردار کرنا مقصود ہے۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی متابعت سے باہر جانے کی کوشش مت کرو۔ کیونکہ آپ کا تصرف عام اور تنفیذ تام ہے۔ آپ کے حکم کی تعمیل کی رسی سے کسی ولی اور قطب اور غوث کی گردن باہر نہیں ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سمندر سے مراد واصلین کے دل ہوں۔ بلکہ تمام اولیاء کے مراتب عالیہ اور تمام لطائف بھی اس سے مراد ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ہر مرتبہ قدسی سمندروں میں سے ایک سمندر ہے۔ اور اس کے معنی کے مناسب وہ عبارت ہے جو ابو حفص حدادی قدس سرہٗ کے مرید ابو عثمان قدس سرہٗ سے منقول ہے۔ کہ انہوں نے حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ اور ان کے ساتھیوں کی طرف لکھا۔ کہ اس راہ میں آپ کے سات ہزار سمندر ہیں۔ آپ ان میں سے کس کس کو عبور کر چکے ہیں؟ اور اس سے مراد وہ مراتب ہی تو ہیں جو اس راہ میں واقع ہیں۔ اور جلا دینے والی خالص شراب سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور پھر اولیاء کا نام جو سمندر رکھا گیا ہے یہ ان تمام کمالات کی طرف اشارہ ہے۔ جن سے وہ سرفراز ہوتے ہیں جیسے پانی کو ہر اس شخص کو جو دنیوی تعلقات کی گندگی اور دنیوی ربط کی خباثت سے آلودہ ہو۔ اس صاف پانی کے پاس آنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ پانی نجاستوں کو دور کرنے اور گندگیوں کو زائل کرنے کے لئے کافی ہے خواہ وہ ظاہری ہوں۔ یا باطنی اور اس میں تمام اولیاء کی طرف بھی اشارہ ہے۔ کیونکہ وہ سیر الی اللہ میں دوڑ رہے ہیں۔ گویا کہ وہ دریا ہیں۔ جو کہ حقیقی سمندر کی طرف جاری ہیں۔ اور وہ ہے احدیت اور غیب خالص کا مرتبہ خواہ وہ سیر تدریجی ہو۔ یا دفعتاً ہو۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور اس کے متعلق باقی کلام قلوب حقانی کے سپرد ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ مجھے ان سمندروں سے کوئی قطرہ اور ان بارشوں سے کوئی چھینٹا عنایت کر دیں۔

مناجات اے اللہ ہمیں اپنے پاکیزہ رزق میں سے روزی عطا فرما کہ تیرا رزق بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والا بھی اور ہمیں محبت کی شراب پلا۔ اور ہمیں اپنے فیض کے پانی سے اس طرح دھو دے۔ کہ ہم تمام ناسوتی گندگیوں اور نفسانی

تعلقات سے نجس اور ہمارے نفس سفلی گندگیوں آلودگیوں سے پاک وصاف ہو جائیں۔ اے ہمارے رب ہمارے دل کینے سے آلودہ ہو چکے ہیں۔ ہمیں پوری طہارت سے دنیا کی زندگی میں پاک وصاف کر دے۔ اور ایسی پاکیزگی بخش۔ جو دنیا اور آخرت کو شامل ہو۔ یہاں تک کہ ہم قرب اور وصول کی نماز ادا کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اور انبیاء اور قبول کی مجلس میں بیٹھنے کے قابل ہو جائیں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیرے ہی لئے تمام تر تعریف ہے۔ اور تیرے رسول امی اور ان کی آل اور صحابہ اور تابعوں سب پر درود ہو۔

قصیدہ مبارکہ خمریہ کے سمندر سے تیرھویں موج

(۱۳) ولو القیت سری فی جبال ؛ لدکت واختفت بین الرمال

الجبال جمع ہے جبل بفتحتین کی۔ اور اگر سکون کے جبل ہو۔ تو اس کا معنی ہے پیدا کرنا اور جبل اخضر ایک پہاڑ ہے ظلمات سے پرے زبرجد کا پہاڑ ہے۔ اس پہاڑ کے رنگ کا عکس پانی پر پڑتا ہے۔ اور پانی کا عکس آسمان پر پڑتا ہے۔ تو وہ سبز نظر آتا ہے۔ ورنہ آسمان انتہا درجہ کا صاف ہے۔ اور اس پہاڑ کو کوہ قاف بھی کہتے ہیں۔ اور دکّ کا معنی ہے کوٹنا اور ریزہ ریزہ اور ٹکڑے کرنا، اور ہموار جگہ اور ہموار کرنا، اور حرکت دینا اور توڑنا اور دکاء کا معنی ہے پارہ پارہ۔ اختفاء کہتے ہیں پوشیدہ ہونا، اور خفی کا معنی ہے پوشیدہ کرنا اور ظاہر کرنا اور رکھنا اور رمل سکون میم کے ساتھ بمعنی ریت ہے اور اس کی جمع رمال ہے اور رمل بفتح میم کا معنی ہے پرپیڑ، دوڑنا اور فقہ کی کتاب میں ہے۔ کندھوں کو ہلاتے ہوئے تیزی سے چلنا۔

نحو۔ لو کا معنی پہلے گزر چکا ہے۔ اس کو یاد کر لو۔ اور دکت ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور اسے معلوم پڑھنا بھی جائز ہے پہلے کی تائید تو اللہ تعالیٰ کے قول اذا دکت الارض دکا دکا سے ہوتی ہے۔ اور دوسرے معنی کی تائید آپ کے قول واختفت صیغہ معلوم سے ہوتی ہے۔ کیونکہ اسے تو مجہول نہیں پڑھا جا سکتا۔ اور لام جزا کے مفہوم کے وقوع کی تاکید کے لئے ہے۔

بلاغت:۔ آپ فی کا کلمہ لائے ہیں۔ اس کی توجیہ وہی ہے۔ جو ہم پہلے آپ کے قول فی نعاس میں بیان کر آئے ہیں۔ اور اس اشارہ کے لئے بھی کہ وہ ستر جو شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی طرف سے ڈالا جائے گا۔ اگر وہ پہاڑوں کے درمیان کھلی ہوئی جگہ میں بھی ڈالا جائے۔ تو وہ دونوں پہاڑ کوٹے جائیں۔ اور ذرہ ذرہ ہو جائیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے۔ کہ فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا ؕ تو جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی۔ تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور اس قول کی طرف کہ لو انزلنا ھذا القران علی جبل لرایتہ خاشعا متصدعا ؕ اگر ہم قرآن کریم کو پہاڑ پر اتارتے۔ تو تو اسے دیکھتا کانپتا ہوا اور پھٹتا ہوا۔

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ طور پہاڑ پر جب اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی فرمائی۔ اور وہ ذرہ ذرہ ہو گیا۔ تو اس کے ذرات دنیا میں ہوا میں اور روشندانوں میں قیامت تک رقص کرنے لگے۔ پاک ہے اللہ کہ سخت اجسام میں بھی اس کی تجلی کا کیسا اثر ہوتا ہے۔ ہم سخت دلوں کا کیا حال ہے۔ اے ہمارے رب ہدایت کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر دے۔ اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت

Scanned by CamScanner

فرمایا یقیناً تو ہی دینے والا ہے اور بلند ہمتی ہے۔

البلاغت:- بعض کلام کے متعلق بلاغت پہلے بیان ہو چکی ہے۔ آپ نے دکت میں مجہول کا صیغہ استعمال کیا ہے یہ اس طرف اشارہ ہے۔ کہ پہاڑوں کا کوٹا جانا صرف القاء سے ثابت ہو جاتا ہے۔ اور دکت کا فاعل القا ہی ہے اور اس میں القاء سر کی کمال تاثیر کی طرف اشارہ ہے۔ حالانکہ پہاڑ سخت اجسام ہوتے ہیں۔ جو آسانی سے کوٹے نہیں جاتے یہی وجہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "جب اس کے رب نے اس پر تجلی فرمائی۔ تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا۔" اور اللہ تعالیٰ کا قول اذا دکت الارض دکا دکا "جب زمین ریزہ ریزہ کر دی جائے گی۔" بھی اس طرف اشارہ کر رہا ہے۔ پھر آپ نے اختفا میں فاعل معلوم کا صیغہ پسند کیا ہے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے۔ کہ دکت کے بعد پہاڑ خود بخود اختفاء کو قبول کر لیں کہ ذرہ ذرہ ہو جائیں۔ اس لئے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے۔ کہ آپ نے کہا "وہ ریت میں پوشیدہ ہو جائیں۔" کیونکہ ریت کے ذرے نہایت باریک ہوتے ہیں۔ تو پہاڑوں کا اس میں پوشیدہ ہونا تقاضا کرتا ہے۔ کہ وہ ریت سے بھی زیادہ باریک ہوں اور اس میں پہاڑوں کے شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے اسرار کے جلوے کی تاثیر کو قبول کرنے کا بیان ہے۔

تحقیق و تشیق:- اے خبیر! تجھ پر لازم ہے۔ کہ اس مضمون کو یاد رکھے۔ جو ہم سمندروں سے مراد کے متعلق پہلے تجھ سے بیان کر آئے ہیں۔ کہ جائز ہے۔ کہ اس سے صوری اور معنوی سمندر مراد لئے جائیں۔ اسی پر جبال سے مراد وہی پہاڑ ہوں۔ جو زمین کے لئے میخیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا "اور ہم نے پہاڑوں کو میخیں بنایا"؛ تو اس صورت میں اس دکت کے ساتھ یہ اشارہ ہوگا۔ کہ میرا پہاڑوں پر اپنے سر کو القاء کرنا ان کو کوٹ کر رکھ دے گا۔ اور جب اوتاد کوٹ دیئے جائیں۔ تو پھر زمین اور جو کچھ اس کے اندر ہے۔ اس کا کیا حال ہوگا۔ جیسے کہ سمندر زمین کے جسم میں رگوں کی طرح ہیں۔ جب ان کا پانی گہرا ہو جائے گا۔ تو اس بدن کا کیا حال ہوگا۔ جس کی رگوں میں سے خون خشک ہو گیا ہو۔ تو پھر زمین مردہ ہو جائے گی۔ پھر اسے سوائے اس اللہ کے اور کون زندہ کر سکتا ہے۔ جس نے اسے مار دیا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ آپ نے اپنے اس قول کو اس قول سے مکمل کیا ہے۔ کہ "اگر میں اپنا راز کسی مردے پر ڈالوں" جیسا کہ عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ اور سمندروں اور پہاڑوں کو خاص کرنے میں اس طرف اشارہ ہے۔ کہ اس القاء کی تاثیر کی طرح ہے۔ جو کہ فنائے کلی کے ظہور کے وقت ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "اللہ کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔" اور اس بیان کی طرف اس قول میں اشارہ کیا گیا ہے واذا البحار سجرت اور اس قول میں واذا الجبال سیرت ط اور ان کے علاوہ اور بھی مثالیں ہیں۔ اور حاصل یہ ہے۔ کہ اگر میں تجلی انانی کے ساتھ جلوہ ڈالوں تو یہ بڑے بڑے جسم اور بڑے بڑے امور سب ہلاک ہو جائیں۔ پھر دوسری چیزوں کی کیا حیثیت ہے کہ وہ ہلاک نہ ہوں خدائے پاک کی پناہ۔ اس کی شان بڑی بلند ہے۔

سرِّ دقیق:- پھر اختفا اور غوص کے الفاظ اور وجوہات کا احتمال بھی رکھتے ہیں۔ جن کو ہم نے ابھی بیان نہیں کیا۔ اختفاء کے متعلق تو یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ تمام پہاڑوں کا اصل ریت ہی ہے۔ کیونکہ پتھر ہی جڑ مل کر پیدا ہوتے ہیں۔ اور زمین کے لئے میخوں کی طرح ہیں۔ کہ اگر میں اپنا راز اور اپنی تجلیات پہاڑوں پر اتاروں۔ جو کہ بڑے سخت اجسام ہیں۔

Scanned by CamScanner

ہیں۔ اور اس کو مضبوط رکھتے ہیں۔ تو یہ زمین کے مرکب اجزاء ہی منتشر ہو جائیں۔ اور منفرد اجزاء کی طرف لوٹ کر متفرق ہو جائیں۔ اور ہر چیز ریت سے بھی زیادہ باریک ہو جائے۔ اور ریت کے نیچے چھپ جانا چاہے۔ اور پہاڑوں کا کوئی نام ونشان اور کوئی رسم باقی نہ رہ جائے۔ اور یہ ان کے یک بارگی انعدام اور انمحاء سے کنایہ ہے۔

اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ پہاڑ سخت اور کثیف ہیں۔ ان پر بھی اپنا راز ڈالوں۔ تو یہ بھی اجسام لطیفہ اور چھوٹے چھوٹے ہو جائیں۔ اور ریت کے نیچے چھپ جائیں۔ اور یہ تجلی جلالی کے اجسام عظیمہ میں کمال ظہور سے کنایہ ہے اور اسی مضمون سے وہ روایات بھی ہیں۔ کہ بعض فقراء کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مختلف سمتوں میں جا پڑے بلکہ ان کے جسم کے سات ٹکڑے یا سو یا اس سے بھی زیادہ ہو گئے۔ اور اس تجلی کا فائدہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اس سے ردّیات اور کثافت نکل کر جسم لطیف ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اس علم والوں کے نزدیک مقرر ہے۔ اور یہ اسی طرح ہے جیسے طبیب لوگ کسی مریض کا تنقیہ کرتے ہیں۔ جس نے نہیں چکھا۔ وہ نہیں جانتا۔ اور اس مضمون میں کافی تفصیل ہے جو طوالت کا تقاضا کرتی ہے۔ میں نے اس کو عقلمند لوگوں کے دلوں کے سپرد کر دیا ہے۔ اگر آپ یہ سوال کریں۔ کہ اس صورت میں دک کا کیا معنی ہوگا۔ تو میں کہوں گا۔ اس کا معنی ہے۔ کہ اس کی ہیئت جبالیہ کو قائم رکھتے ہوئے کوٹ کر اس سے کثافتوں کا اخراج کرنا مقصود ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ جبال سے مراد معنوی جبال ہوں۔ یعنی اقطاب و اوتاد تو اس صورت میں دک کی نسبت میں تسامح ہوگا۔ یا تو استعارہ کی صورت میں کہ ان کے سلب اور تلطیف کو دک حسی سے منسوب کیا گیا ہے۔ جو کہ کثافت کے اخراج کے لئے ہوتا ہے۔ اور اگر جبال سے مراد سخت دل یا وہ ارواح ہوں جو کمالات شہودیہ کی طرف صعود کرتے ہیں۔ اور بول اٹھتے ہیں۔ سبحانی ما اعظم شانی اور انا الحق اور لیس فی جبتی سوا اللہ تو یہ توجیہ بھی درست ہو سکتی ہے۔ لیکن اس صورت میں دک سے مراد اس ملاحظہ اور انیت کی ہتک ہوگی۔ جو کچھ نہ کچھ ان میں باقی رہ گئی ہے جیسا کہ جنید بغدادی قدس سرہ کو کہا گیا تھا "گناہ سے توبہ کرو" تو انہوں نے پوچھا "میرا گناہ کیا ہے"؟ تو جواب ملا "تیرا وجود سب سے بڑا گناہ ہے"۔ پس بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ ارشاد فرما رہے ہیں۔ کہ اگر میں اپنا سِر اہل شہودیہ پر ڈالوں۔ تو وہ اہل تحقیق کے مرتبہ تک پہنچ جائیں جیسا کہ آپ نے اپنے بعض کلام میں فرمایا ہے۔ "جب آدمی کا پاؤں پھسل جائے۔ میں اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہوں۔ اگر میرے اختیار میں ہوتا۔ تو میں منصور کا ہاتھ بھی تھام لیتا۔ اور اس سے یہ کلام یعنی انا الحق صادر نہ ہوتا"۔ لیکن ائمہ کے معاملہ میں حالت یہ ہے کہ اللہ کی اجازت کے ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ سو تمام تعریف اسی کی ہے اور درود ہو اللہ کے حبیب اور ان کی تمام آل پر۔

قصیدہ مبارکہ غوثیہ خمریہ کے سمندر میں سے چودھویں موج

(۱۴)

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فَوْقَ نَارٍ ۞ لَخَمِدَتْ وَانْطَفَتْ مِنْ سِرِّ حَالِ

یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق ہے۔ یٰا نارُ کونی بردًا وسلامًا علی ابراہیم۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم

Scanned by CamScanner

کے اس قول کے مطابق کہ جب مومن آگ پر وارد ہوگا۔ تو آگ کہے گی "اے مومن گزر جا کہ تیرے نور نے میرے شعلے بجھا دیئے ہیں"۔ النار کا معنی ہے آتش۔ اور مویشی کا نشان کرنا۔ اور اس کی جمع نیران ہے۔ فقیہ ابو اللیث کی بستان میں ہے۔ آگ کے سات نام ہیں۔ جہنم، لظی، حطمہ، سعیر، سقر، جحیم، ھاویہ۔ اور کبھی آگ کا اطلاق ان سب پر ہوتا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک پر بھی جیسا کہ اس کی مراد سے آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ فوق کا معنی ہے اوپر۔ یہ تحت کی ضد ہے۔ اور کسی سے علم یا کسی اور چیز میں آگے بڑھ جانا۔ اور مرتبہ میں زیادہ ہو جانا، اور غالب آنے کے معنی میں بھی آتا ہے اور علی کے معنی میں بھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں ہے۔ وھو القاھر فوق عبادہ۔ اور پہلے معنی کے علاوہ دوسرے معانی بھی اس جگہ لئے جا سکتے ہیں۔ الخمود کا معنی ہے۔ نیچے لے جانا۔ اور آگ کا بیٹھ جانا، اور خامد اس سے "بجھی ہوئی آگ" کے معنی میں مستعمل ہے۔ اور محمود خا کی فتح اور میم کی تشدید سے وہ جگہ ہے۔ جہاں آگ کو دباؤ دیتے ہیں۔ اور نطفان اور نطاف کا معنی ہے۔ ٹپکنا اور پانی کا چلا جانا، اور نطف سے خمود کا معنی لینا اخذ با لازم کے قبیل سے ہے۔ اور بعض لغات میں انطاف کا معنی ہے کسی کو متہم کرنا، اور اس کو ہتک لازم ہے۔ اور وہ ٹوٹنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور قرآن عظیم میں ہے "تاکہ وہ اللہ کے نور کو بجھا دیں"۔ اور یہاں اس کا معنی ہیں۔ بجھا دینا اور اس کی گرمی کو دور کرنا اور انطفا اسی سے ماخوذ ہے۔ اور مختصر یہ کہ انطفاء سے کمال درجہ کا خمود مراد ہے۔ جیسا کہ وہ ہر اس طالب پر ظاہر ہے۔ جس کا سرنا سوت کے میل کچیل سے صاف ہو چکا ہے۔ مطول پر چلپی کے حاشیہ میں ہے۔ خمدت النار یہ فہم اور دخل کے باب سے آتا ہے۔ اس کا معنی ہے "اس کے شعلے بیٹھ گئے۔ اور اس کے انگارے نہ بجھے" تو اس صورت میں خمدت کے بعد انطفت ہونا ذکر کرنا مراد کی تکمیل ہے۔ یعنی آگ اس طرح ہو جائے گویا کہ وہ کوئی چیز ذکر کے قابل بھی نہ تھی۔ اور آپ کے قول من سر حال میں من کا کلمہ آپ کے قول خمدت یا آپ کے قول وانطفت کے متعلق ہے۔ اور پھر آپ نے سر حال کا لفظ زیادہ کر دیا ہے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ان چار بیتوں میں اسرار سے مراد وہ سر ہے۔ جو انوار حال سے حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ اسرار جو مقامات کے انوار سے حاصل ہوتے ہیں۔ یعنی جو مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتے ہیں۔ تو ان کی طرف ان کے القاء کرنے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ وہ اسرار ہیں۔ جن کو اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، اور میں ان سے وصول اور قرب کے ساتھ فائز ہوں۔ اور اس میں ولایت ہے۔ کہ تبلیغ کی جہت میں صرف تصرف حالی کافی ہے، اور باقی رہا تصرف مقامی، تو وہ ترقی اور جہاد اکبر کے ساتھ مخصوص ہے۔ جس کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے۔ کہ "ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے"۔ اور وہ ہے نفس کی تکذیب کہ وہ کلی طور پر اپنے وجود سے کٹ جائے۔ اور شہود حقیقی سے متصف ہو جائے۔ جو وجود کے تحت واصل ہے۔ اور باقی کلام خدا کے فضل و کرم سے عنقریب آ جائے گا۔ اے اللہ اس ضعیف بندے پر قصیدہ شریفہ خمریہ کے اسرار نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل اور ان کے نائب سلطان محی الدین رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے طفیل کھول دے اے اللہ سید المرسلین اور ان کی آل اور تمام صحابہ پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔

Scanned by CamScanner

قصیدۂ حمیدیہ ثمرہ کے سمندر میں سے پندرہویں موج!

(۱۵)

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فَوْقَ مَیْتٍ ۔ لَقَامَ بِقُدْرَۃِ الْمَوْلٰی تَعَالٰی

الموت اور ممات کا معنی ہے۔ مرنا اور میّت یاء کی تشدید سے مرادہ کو کہتے ہیں۔ اور کبھی یہ مخفف بھی آتا ہے اور کہا جاتا ہے۔ فھو میّتٌ، و میتٌ اور میتۃٌ تا کی فتح اور میم کی تخفیف سے مُردار کے معنی میں آتا ہے۔ اور غیر زندہ کے معنی میں آتا ہے۔ اور قیام کا معنی ہے۔ پاؤں پر کھڑا ہونا، اور کسی کام میں مضبوط ہونا، اور باء سببیہ کے لئے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں ہے۔ اُبرئُ الاکمہ والابرص واُحی الموتیٰ باذن اللہ ط اور یہ بھی ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام میت سے فرماتے۔ قم باذن اللہ تو میت اٹھ کر کھڑی ہو جایا کرتی تھی۔ اور اس صورت میں اس میں بلاغت یہ ہو گی۔ کہ آپ نے اُحْیِیْ کے بجائے اس لفظ کو اختیار کیا ہے۔ اور یہ صرف القاء سے کمال حیاۃ کے حصول کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ معنی اس طرح ہوں۔ کہ میت میری خدمت میں زندگی کے حصول کے ادائے حقوق کے لئے کھڑی ہو جائے۔ اور یہ معنی شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے سرّ القاء کرنے کے زیادہ مناسب ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ باء الصاق کے لئے ہو۔ تو معنی اس طرح ہوں گے۔ کہ یہ میت اللہ تعالیٰ کی قدرت کے الصاق کے ساتھ ہی کھڑی ہو جائے۔ یعنی اس حال میں کھڑی ہو۔ کہ اس میں موت سے پہلی زندگی کی نسبت امور کو سرانجام دینے کی نسبت امور کو سرانجام دینے کی زیادہ قدرت حاصل ہو جائے: جس میں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے فضل و کرم سے زندہ کر دیا ہے اور اللہ ہی ان کی مراد کو خوب جانے۔

بیان تعلق و تبیان تخلق:۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کا قول بقدرۃ المولیٰ چاروں ابیات سے تعلق رکھتا ہو۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ غور اور دکّ اور خمود۔ اور انطفاء اور احیائے موتیٰ یہ سب طریقہ طریقت کے قاعدہ کے مطابق آپ رضی اللہ عنہ کے متخلق باخلاق اللہ ہونے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ مضمون پہلے مجمل اور مفصل طور پر گزر چکا ہے۔ اس کو یاد رکھ۔ اور اس کا خلاصہ آپ رضی اللہ عنہ کے اسم شریف عبدالقادر سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جب بندہ اپنے اختیار اور اوصاف سے فنا ہو جاتا ہے۔ تو پھر صرف اللہ باقی رہ جاتا ہے۔ تو حکم اور اختیار سب مالک کا ہے۔ اور بندہ تو صرف ظاہر میں بشریت کے بقا کے لئے نظر آتا ہے۔ اور اسی کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا۔ کہ "میں صرف تمہارے جیسا ایک آدمی ہوں" تو شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اپنے قول بقدرۃ المولیٰ تعالیٰ سے اپنا نام عبدالقادر کی وجہ تسمیہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یعنی اس اسم کے سایہ میں شیخ کو اللہ تعالیٰ کی عبودیت مرتبۂ تکوین میں حاصل ہوئی ہے۔ ورنہ آپ کا اصلی نام نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سایہ میں عبداللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ لما قام عبداللہ ط یہی وجہ ہے۔ کہ آپ نے اس قصیدہ مبارکہ میں فرمایا ہے "اللہ میرا رب ہے" اور جب اللہ تعالیٰ آپ کا رب ہوا۔ تو آپ عبداللہ ہوئے۔ اور اسی کی طرف آپ نے اپنے قول وعبدالقادر المشہور اسمی میں اشارہ فرمایا ہے۔ یعنی کائنات نے مجھے اس نام سے پہچانا۔ ورنہ میرے حقیقی نام کو صرف خواص کاملین ہی اپنی معانی

کے انداز کے مطابق جانتے ہیں۔ تو اس صورت میں آپ کے اس قول میں اللہ تعالیٰ کے قول وما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمیٰ کی طرف اشارہ ہوگا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اس کا تعلق تمام سے ہو۔ اور یہی مراد پہلے تینوں اشعار میں بھی قیاساً سمجھی جا سکتی ہے۔ بہرحال آپ نے یہ قول اس لئے بڑھا دیا ہے کہ دو ذیل فریق سے کوتاہ فہم لوگوں کا اعتراض دور ہو جائے۔ پہلے تو محض عوام ہیں۔ جو اکثر یہ خیال رکھتے ہیں۔ کہ ان امور کا ظہور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ تو پھر ان کو بندے کی طرف کیسے منسوب کیا جائے۔ تو آپ نے اس اعتراض کو اس طرح دور فرمایا کہ ان کا بندے سے ظہور خدا تعالیٰ کی قدرت سے ہے۔ اور جو کچھ غلام کے قبضے میں ہے۔ وہ سب کچھ مالک کی ملکیت ہے اور دوسرے خاص لوگ وہ ہیں جو یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ یہ سُکر کا مرتبہ ہے۔ اور آپ سے ان امور کا ظہور مغلوبیت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے۔ ان میں میرا کسی قسم کا اور کسی طرح کا ارادہ شامل نہیں ہے۔ اور اہل سُکر کا کچھ نہ کچھ ارادہ ہوتا ہے جیسے کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ شریعت کے تعلق سے جو صحو کلی کے لئے پردہ ہوتا ہے۔ جس میں بندے کو اپنے وجود سے ذات اور تعلق کے لحاظ سے فنا نے کلی کے بعد بقا باللہ نصیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس کی طرف پہلے اشارہ گزر چکا ہے۔ اور آپ جو مولیٰ کا لفظ لاتے ہیں اور قدرۃ القادر نہیں کہا۔ اس میں استقامت وزن کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہ کی عبودیت کی تحقیق ہے آپ ایک بندۂ صادق اور خدمت میں کھڑے ہونے والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کا مالک اور قادر ہے۔ اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اور جملہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کی مدح ہے۔ اس سے تاء خوف ہو گئی ہے۔ کیونکہ یہ ماضی کا صیغہ ہے۔ اور لام کا کسرہ دوسرے ابیات کے اواخر کی مطابقت کے لئے لائے ہیں۔ اور اس کے لانے میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہیں۔ کہ ان کا احاطہ کیا جائے۔ پھر جو آدمی بھی اللہ تعالیٰ سے واصل ہوا ہے۔ اسے سیر الی اللہ ہی نصیب ہوئی ہے۔ اور وصول اسی حیثیت سے ہے۔ باقی رہا سیر الی اللہ تو اس میں کسی کو وصول نہیں ہے۔ کیونکہ وہ احاطہ کو مستلزم ہے۔ پس تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اسی سیر میں سائر ہیں۔ اور فراق کی آواز دیتے ہیں۔ ہمارے سردار آمر اور ناہی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرا جسم فراق سے پگھل گیا۔ حالانکہ آپ اللہ تعالیٰ سے واصل تھے۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا "میں تیری تعریف بیان نہیں کر سکتا۔" اور فرمایا ہم تجھے جیسے پہچاننے کا حق تھا۔ نہیں پہچان سکے اور اس تحقیق کے متعلق پہلے بہت اچھا بیان گزر چکا ہے۔ اے رفیق اللہ تجھے توفیق کی راہ نمائی کرے۔ اس کو یاد رکھ۔

افادۂ عامہ:۔ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے یہ چاروں اقوال بیان فرمائے ہیں حالانکہ آپ نے دوسرے قصائد میں بھی یہ فرمایا ہے۔ "اگر میں اپنا راز فرعون اور نمرود پر ڈالتا۔ تو وہ بھی مسلمان ہو جاتے۔" اور اسی جنس کی اور بھی کچھ چیزیں ہیں۔ یا تو آپ نے اسی قدر پر اکتفا کر کے بڑے بڑے امور کا ذکر کر کے اپنے مرتبۂ تکوین کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ کیونکہ دریاؤں پر زمین کی زندگی کا دارومدار ہے۔ اور انہی پر زمین کی بنیاد ہے۔ اور پہاڑ زمین کی میخیں ہیں جن سے وہ مستحکم ہے۔ اور آگ سے مراد اگر یہ آگ لی جائے۔ تو اس پر خلقت کا دارومدار ہے اور اگر اس سے جہنم کا طبقہ مراد لیا جائے۔ تو اس کا بڑا ہونا بیان کرنے سے بے نیاز ہے اور مردوں کا زندہ کرنا ایک بہت بڑا معاملہ ہے۔ اور

Scanned by CamScanner

آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ نمرود اور فرعون کا اسلام بھی مردوں کو زندہ کرنے میں درج کیا جاسکتا ہے کیونکہ میت کے تمام سے مراد عام ہے خواہ صوری ہو یا معنوی جیسا کہ عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ پھر یہ بھی آپ کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ شیخ نے دریاؤں اور پہاڑوں، آگ اور میت کو نکرہ ذکر کیا ہے پھر پہلے دو جمع کے لفظ سے بیان کئے ہیں۔ اور پچھلے دو مفرد کے صیغہ سے ضروری ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا نکتہ بیان کر دیا جائے۔ ان کو نکرہ لانے میں تو یہ اشارہ ہے کہ غور اور دکّ اور خمود اور احیاء، القادستر کے بعد کسی خاص دریا یا کسی خاص پہاڑ سے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ ہر وہ چیز جس پر دریا، پہاڑ آگ اور میت کا لفظ صادق آتا ہے۔ اس میں خوارق پائے جاتے ہیں۔ اور پہلوں میں جمع اس اشارہ کے لئے لائے ہیں کہ تمام دریا اس میں برابر ہیں۔ اور اسی طرح تمام پہاڑ بھی کیونکہ ریت میں پوشیدہ ہو جانا اسی چیز کا تقاضا کرتا ہے۔ کہ دنیا میں کوئی پہاڑ باقی نہ رہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے وارد ہونے کے وقت ایک دریا کا پانی گہرا ہو بھی گیا تھا۔ اور موسیٰ علیہ السلام پر جب تجلی ہوئی۔ تو ایک پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا تھا۔ اور باقی رہی یہ تجلی جس سے القادستر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ تجلی محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ یہ کسی خاص دریا اور پہاڑ کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ ہر اس چیز پر محیط ہے جسے دریا یا پہاڑ کہا جا سکے۔ اور باقی رہا۔ آگ کو مفرد لانا، تو یہ جنس کی ناریت کے اتحاد کی طرف اشارہ ہے اور میت کو مفرد لانے میں بھی یہی توجیہ ہے۔ کیونکہ ہر چیز کی زندگی روح کے اعادہ سے ہے۔ اور دریا اور پہاڑوں میں اختلاف موجود ہے کہ اس میں کہ ان میں پتھر اور لوہا اور جزوی دریا اور مجمع البحر (سمندر) موجود ہیں۔ جو عموم کا تقاضا کرتے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اس طرح کا کلام صرف تفنن کی وجہ سے ہو۔ اور اصلی وجہ پہلی ہی ہے اور اس میں اور بھی نکات ہیں جن کو صاف دل صوفی سمجھتا ہے۔ ایک ان میں سے یہ ہے کہ پہلے دو میں بیان اقطاب کے لئے ہے اور آگ بجھنے میں شیطان کیلئے اور موت نفس کے لئے تو ان میں سے ہر ایک ہر ایک سے مناسب ہے۔ اگر آپ باریک بینی سے کام لیں گے۔ تو ان کے علاوہ اور اسرار بھی آپ کو معلوم ہوں گے۔ پھر ان چاروں اشعار میں چاروں ولایتوں کی طرف بھی اشارہ ہے پہلے میں ولایت موسوی کی طرف اور دوسرے اور تیسرے میں ولایت ابراہیمیہ کی طرف اور چوتھے میں ولایت عیسویہ کی طرف علی نبینا وعلیہم الصلوات الزاکیات اور وہ جو آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا مخصوص مرتبہ ہے۔ وہ ہے ولایت محمدیہ علی صاحبہا الصلوات کا ظل جیسا کہ آپ کا آئندہ قول اس کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ وکل ولی قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال صلی اللہ علیہ وسلم اور اس صورت میں لو کے کلمہ میں جو فرضیت کے لئے ہے۔ اشارہ ہے شیخ اجل کے ان تصرفات کے ظہور میں پرواہ نہ کرنے کی طرف کیونکہ آپ اس رتبہ سے ترقی کر کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ولایت خاصہ بلکہ اخفیتہ تک پہنچ چکے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا اور "میرا مشہور نام عبدالقادر ہے اور میرے نانا عین کمال کے مالک ہیں" ہر ایک نبی کو کمال حاصل ہوتا ہے لیکن عین کمال صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ اور اس میں اشارہ ہے۔ کہ تمام وہ کمالات جو اس عین کے علاوہ کسی اور کے لئے ہیں اندھے کی طرح اسی لئے تو کہا جا سکتا ہے ملنے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، میری آنکھوں کی ٹھنڈک آپ ہیں۔ اور اس کی تفصیل آپ کو وجدانی صاحب لعین الکمال کے تحت معلوم ہو جائے گی۔ پھر آپ پہلے دو اشعار میں فی کا لفظ بھی لائے ہیں جو کہ ظرفیت پر دلالت کرتا ہے۔ اور فوق کا لفظ بھی جو استیلاء "غلبہ" پر دلالت کرتا ہے اس میں کئی ایک باریک نکتے ہیں پہلا نکتہ یہ ہے کہ پہلے دو میں القا و نفوذ

کے لحاظ سے زیادہ آسان ہے کیونکہ غور اور دکت عدم کی طرف لوٹتا ہے اور آگ کا بجھنا بھی اگرچہ اسی طرح کا ہے لیکن اگر آگ یعنی جہنم ہو تو وہ اپنی عظمت کی وجہ سے قوت کا تقاضا کرتا ہے اسی لئے آپ فوق کا لفظ بھی لائے ہیں اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ آپ نے جب پہلے دو میں نہی کا لفظ استعمال کیا۔ تو مخاطب کو وہم ہوا کہ آپ رضی اللہ عنہ کا القاء جب تک اس چیز میں سرایت نہ کر جائے جس پر القاء کیا گیا ہے تو اس وقت تک وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تو آپ نے اس وہم کو دفع کر دیا۔ کہ کسی چیز پر مجرد القاء ہی موردِ نمود کا سبب ہو سکتا ہے۔ اس میں سرایت کے لزوم کا وہم نہیں کرنا چاہیئے۔ اور تیسرا نکتہ یہ ہے کہ آگ اپنی فطری بلندی کی وجہ سے ہر چیز سے بلند ہونے کا تقاضا کرتی تھی۔ تو القاء سِر نے یہ معلوم کرا دیا۔ کہ وہ اس سے بھی بلند تر ہے چنانچہ اس نے آگ کو بجھا دیا۔ اور باقی رہا میت کی نسبت سے تو اس میں یہ اشارہ ہے۔ کہ صرف سِر کے میت پر وارد ہونے ہی سے وہ میت کو زندہ کر دیگا۔ اور وہ کھڑی ہو جائے گی۔ تو آپ کا سِر اس موت پر بھی غالب ہے جو میت کے ساتھ قائم ہے۔ اگرچہ موت ہر چیز کو پریشان کر دینے والی ہے اور ہر معاملے کو منتشر دینے والی ہے اور باقی نکات قلوب صافیہ کے سپرد ہیں ؛

بیان دقیق :- جاننا چاہیئے کہ آگ سے مراد یا تو یہی مشہور معنی ہے اور یا جہنم ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے عشق کی آگ مراد لی جائے۔ جو سلوک کے میدانوں میں نکلنے والوں اور جذبہ کی جولانگاہ میں آگے آنے والوں کے جگر کو جلا ڈالتی ہے کتنے ہی نورانی درختوں کے سینے ہیں۔ جو اس کے شعلوں سے جل چکے ہیں اور کتنے ہی مضبوط اوتاد ہیں جس کے وجود اس کی آگ میں بھڑک اٹھے ہیں وہ خرافات شکریہ کی وجہ سے علومیت کی باگ ڈور نہ سنبھال سکے۔ اور محو کے شہروں کی راہ میں قدرت کی لگام نہ تھام سکے۔ اور اس کے معنی کے مناسب شیخ اجل رضی اللہ عنہ کا وہ قول ہے جو آپ نے فارسی رباعی میں کہا ہے سے

اے عشق تو اے ببر شیر تو نے پہلوانوں کے مغز کھائے اور شیر دلوں کے ساتھ کتنی ہی رنگی دکھائی۔ اب جو تم میرے مقابل پر آئے ہے تو ہر وہ حملہ جو تو کر سکتا ہے۔ اگر نہ کرے۔ تو نامرد ہے۔ تو اس صورت میں آگ کے بجھنے کا مطلب اس کا آپ کے سِر کے تحت مغلوب ہونا ہے جو کہ حقیقی اور محوی توحید ہے اور اگر اس سے مراد جہنم ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ اگر میں اس تجلی رحمت کا ارادہ کرتا۔ تو گنہگار لوگ جہنم کے عذاب سے بچ جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کے ساتھ متعلق نہیں ہوئی۔ لہٰذا ہم نے اس کا ارادہ نہیں کیا۔ کیونکہ ہمارا ارادہ تو اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے تابع ہے۔ اور یہ اسی طرح کا قول ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا " اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیدیتا " اور اس میں ان لوگوں کے لئے جن کے پاس عقل سلیم ہے اور بہت کچھ تحقیق ہے اور میت سے مراد یا تو ظاہری معنی ہیں۔ یا پھر سخت دل یا وہ سالک مراد ہیں۔ جن کے حال سلب کئے گئے اور جو بلند مراتب تک ترقی کرنے سے راستے ہی میں ٹھہر گئے۔ جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ شیخ علی بن ہیتی کے ایک مرید کا حال بند ہو گیا۔ اور وہ ٹھہر گیا۔ تو اس کے شیخ نے اس مشکل کے کھولنے کے متعلق اس کو شیخ اجل کے پاس جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ مرید شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کا حال کھول دیا۔ اور یہ حصہ لکھا ہوا ہے مشہور ہے۔ اس مقام میں اس کو تحریر کرنے کی ضرورت نہیں ہے پہلے لکھے ہوئے واقعہ کو یاد کر لو۔ اور آئندہ بھی آئے گا ؛

شرح دفرح :- جب شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنے حکم کا نفوذ ہر حال میں ذکر کیا۔ اور حال عام ہے خواہ زمانہ ماضی میں ہو۔ جو کہ اعیان اور ارواح کا مرتبہ تھا۔ خواہ یہ موجود زمانہ ہو۔ جو وجود حسی جسمی کے متعلق ہے خواہ زمانہ مستقبل کا ہو۔ جو برزخ، حشر اور قیامت سے تعلق رکھتا ہے تو پہلے آپ نے ان سب تصرفات عظیمہ کا ذکر کیا ہے۔ جو ان کے مناسب تھے آپ نے سمندروں کے پانی نیچے جانے کا تذکرہ کیا۔ اور یہ آپ رضی اللہ عنہ سے بحری تصرف نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا۔ اور آگ کا تصرف

Scanned by CamScanner

ابراہیم علیہ السلام کے آگ بجھنے کے وقت ہوا۔ اور دو آخری تعرفات سے اس مضمون کو مکمل کیا ہے۔ اور انہی چاروں پر اکتفا کیا ہے کیونکہ شریعت میں شہادت معتبرہ کی انتہا یہی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ لوگوں کی نگاہ میں یہی چاروں بڑے امور ہیں یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے غلبہ کے بیان میں انہی چیزوں کو بیان فرمایا ہے جب کہ قرآن کریم کی آیات میں لکھا ہے۔ تو پہلے بیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اقطاب پر والی بنایا ہے۔ اور مجھے اکوان میں تصرف کرنے والے خلفاء سے بنایا ہے تو اس کو آپ نے اپنے قول فلو القیت سے ظاہر فرمایا ہے اور قرب کے میدان میں آگے بڑھنے والوں پر والی بنایا ہے اور اس کو اس قول سے بیان فرمایا۔ انا فی حضرۃ التقریب وحدی اور اپنے اس قول سے المخادع مقاطمی الیس میں اگر تجلی تکوینی جلالی سے توجہ کروں۔ اور اپنا سر سمندروں یا ان سالکین پر ڈالوں جو سمندروں کی طرح ہیں تو سب کے پانی خشک ہو جائیں سب کے پانی چلے جائیں اور اسی طرح ہو جائیں جیسے وہ کبھی تھے ہی نہیں کل شیٔ ھالک الّا وجہہ کے مطابق اور اس میں سالک کو اشغال کی تعلیم دی گئی ہے خصوصًا نفی اور اثبات یعنی لا الٰہ الا اللہ کی۔ اور اس صورت میں سمندروں کی مثال اخلاط نفسانیہ وشیطانیہ سے دی گئی ہے جو کہ دلوں اور بدنوں کی زمین میں مرکوز ہیں پس شاغل کو ضروری ہے کہ اس میں پوری توجہ سے متوجہ ہو گویا کہ وہ اپنا سر ہر حجاب پر ڈال رہا ہے اور اس کو ھباءً منثورًا کر رہا ہے ۔

اور دوسرے بیت کا معنی یہ ہے کہ اگر میں اپنے سر کی رکاب اور اپنی صفائی کی سریت اور اپنی توحید کی آگ اور اپنے محو ہو کر بقا حاصل کرنیوالے وجود کو مضبوط پہاڑوں کی طرف متوجہ کروں اور ان پر اپنا راز ڈالوں یا اقطاب اوتاد پر جو پاک باطن اور بلند مرتبہ ہیں یا سخت دلوں پر یا ٹھہرے اور رکے ہوئے ارواح پر تو وہ سب کوٹے جائیں وہ دھوئیں کے بادلوں کی طرح اڑ جائیں۔ اور اسی طرح چھپ جائیں اور اسی طرح ہو جائیں کہ جیسے اور وجود میں ان سے کوئی چیز باقی نہ رہے وہ دھنکی ہوئی اون کی طرح ہو جائیں۔ وہ دھوئیں کے بادلوں کی طرح اڑ جائیں جن کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں ہوتا۔ اور اس صورت میں اس میں اشارہ ہوگا۔ قلوب اور ارواح سے سالک کو حاصل ہونیوالے کمالات کے خیال کے حجاب کے دور کرنے کی طرف یعنی ضروری ہے۔ کہ سالک ردی اخلاق کو اکھاڑ ڈالے اور فضائل شریفہ سے متحلی ہو جائے۔ اور پھر گمان کے صفحہ سے ان پہاڑوں کو کھود ڈالے اور خدائے پاک بلند رحم کرنے والے احسان کرنیوالے احسان کرنیوالے کے سوا اور کوئی چیز باقی نہ رہ جائے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور اس صورت میں یہ رحمت اور بخشش ہوگی ۔

اور تیسرے بیت کا معنی یہ ہے۔ کہ اگر میں قصد اور ارادہ کروں۔ کہ اپنے سر اور اپنی نسبت خداوندی کو جو تعریف وتکوین کے مرتبہ میں تمکن سے حاصل ہوئی ہے اس مشہور آگ پر ڈالوں یا جہنم کی آگ پر یا عشق کی آگ یا جابر لوگوں کے غضب کی آگ پر یا شہود کی آگ پر جو مقصود کی چوٹیوں پر ترقی کرنے کا باعث ہے۔ تو یہ آگ بجھ جائے۔ دب جائے بھڑکنے سے فارغ ہو جائے۔ اس کے بلند شعلے بیٹھ جائیں۔ اور دھواں کا ڈھیر بن جائے۔ اس میں میرے حال کے سر کے جلوے سے نہ حرارت باقی رہے نہ تپش یعنی نہ مفعول دینے والی چیز کا وجود باقی رہے نہ نافع کا شہود۔ بلکہ آگ اپنی جگہ نار ہیت ختم کر دینے کی وجہ سے نوریت کی طرف ترقی کر جائے۔ کیونکہ میرے حال کا نور جو مجھے اللہ تعالیٰ نے بخشا ہے ایسا ہے۔ کہ اس کی وجہ سے میں جس چیز کے تبدیل وتحویل کا ارادہ کروں۔ وہ چیز تبدیل ہو جاتی ہے کیونکہ جو چیز نمک کی کان میں چلی جائے۔ وہ نمک بن جاتی ہے تو پھر میرا نور کیسے اس آگ کو نورانیت نہ بنا سکتا۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ سالک جب حجابات کو پھاڑ کر شہود کی طرف ترقی کر جائے۔ تو ضروری ہے کہ شہود سے بھی جو کہ اکثر شکر کا موجب ہوتا ہے ترقی کر کے وصول حقیقی کو

Scanned by CamScanner

بمال تحقیق تک پہنچے۔ جو اکثر محو کا باعث ہے۔ تو اس وقت یہ مردہ زندہ ہو جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول صادق آئے گا۔ کہ وہ "مردے سے زندہ کو نکالتا ہے"۔ اور آپ نے جو چوتھا البیت فرمایا ہے اس کا یہی مطلب ہے۔

اور چوتھے بیت کے معنی یہ ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اگر میں اپنے سر اور اپنے باطن کو جو کہ اخلاق الاہیہ اور اوصاف قدسیہ سے متعلق ہیں۔ صوری مُردوں کے زندہ کرنے کی طرف متوجہ کروں۔ یا ان پر اپنا سر ڈالوں یا سخت دلوں پر یا شہود سے ڈکے ہوئے ارواح پر یا اس سالک پر جس کا حال سلب ہو چکا ہو۔ یا اس سالک پر جس کے بشری وجود کے تعلق کا کوئی ذرہ باقی رہ گیا ہو۔ تو ان میں سے ہر ایک پہلی حالت سے بھی زیادہ اچھی حالت میں پاکیزہ زندگی حاصل کر کے کھڑا ہو جائے اور اس کو حقیقت و معالیہ سے پہلے سے بھی زیادہ کامل صورت میں حاصل ہو جائے۔ اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے بندے کا اس میں کوئی ارادہ اور اختیار نہیں ہے۔ اور میں بھی اس افنا میں وجود اور ارادہ اور اختیار سے فارغ ہوں۔ فاعل صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے بغیر کوئی معبود نہیں ہے اور اس توجیہہ کے مطابق اس میں اشارہ ہے۔ کہ ضروری ہے کہ سالک وصول کے بعد اپنے نفس سے مطلقاً خالی ہو جائے اور اس خالی ہونے کا بھی اس کو علم نہ ہو۔ کیونکہ اس کا علم ہونا بھی ایک حجاب ہے۔ اور اس قبیل سے وہ قول ہے جو امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ کہ "علم سب سے بڑا حجاب ہے" اور شیخ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جو وصول کے بعد عبادت کا ارادہ کرے۔ اس نے اللہ عظیم کے ساتھ شرک کیا" اور اسی قبیل سے وہ عبارت ہے جو شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی کتاب میں وارد ہے۔ کہ "میں ایسی موت چاہتا ہوں۔ جس کے بعد زندگی نہ ہو اور ایسی زندگی چاہتا ہوں۔ کہ جس کے بعد موت نہ ہو"۔ پس جب میت اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کھڑی ہو جائے۔ یعنی قدرت الٰہی کے سبب یا اس کے الصاق سے تو عبودیت پوری ہو گئی۔ اور وجود مٹ گیا۔ اور حقیقت آ گئی۔ اور غیریت اُٹھ گئی۔ اور اس قاعدے کے مطابق حقیقت روشن ہو گئی جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس کو یاد رکھ۔ یہ مجمل طور پر چاروں اشعار کے معانی تھے۔ باقی رہی تفصیل تو اگر سمندر اس کے لئے سیاہی بن جائیں۔ تو وہ بھی ختم ہو جائیں۔ لہٰذا میں نے اسے قلوب صافی کے سپرد کر دیا ہے۔ اور اللہ ہی کافی اور وافی ہے اس کی ہے۔ اسی کی تعریف ہے۔ اور درود ہو اس کے رسول اور رسول کی آل اور صحابہ اور تمام نائبوں پر خصوصاً شیخ اجل رضی اللہ عنہ پر جو لب الارباب کے محبوب ہیں۔

مناجات :- اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں۔ یا غلطی کر جائیں۔ تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔ اور ہمارے دلوں کو نور اور شہود کے دریا بنا دے اور ہمارے دلوں کو فیض معمور کی نہریں بنا دے۔ اور ہم پر شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے اسرار ڈال دے یہاں تک کہ ہمارے نفسوں کے چشمے خشک ہو جائیں۔ اور دلوں کے پانی کے چشمے اُبلنے لگیں۔ اور ہماری ارادت کی زمین کو حقائق قادریہ کی بارش سے سیراب کر دے۔ اور ہمارے اعمال کو کھیتوں پر اس طریقۂ عالیہ مرغوبہ کے دقائق کی بارش نازل فرما۔ اور ہماری روحوں کو شریعت کی متابعت میں مضبوط اور باقی رہنے والی میخیں بنا دے اور ہمارے اچھے افعال کو بلندی اور صفائی میں بلند پہاڑوں کی طرح کر دے۔ پھر ہر وہ حرص کا پہاڑ جو بلند ہونا چاہیے۔ اس پر شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے اسرار ڈال دے۔ تاکہ وہ ریزہ ریزہ ہو کر ایسی عبودیت کی ریت میں چھپ جائے۔ جو شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کی عبودیت کے انوار سے حاصل ہوا ہے ہمارے لب اگر شیطان کی آگ ہمارے دلوں کے اردگرد مشتعل ہو۔ تو اسے آپ کے اسرار سے سلامتی والی ٹھنڈی بنا دے اور اگر عشق کی آگ اخلاق کی گیلی (تر) لکڑیوں کی وجہ سے دھواں دے تو اس کو آپ کے انوار کے دودے سے صاف نور بنا دے۔ اے اللہ ہمارے سخت

دلوں کو پاکیزہ زندگی کے انوار سے روشن کر دے۔ یہاں تک کہ تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی ہمارا مقصود بن جائے۔ اور ہماری ارواح کی آنکھوں کو شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے نور کے سُرمہ سے سرمگیں بنا دے۔ تاکہ اے رب آپ کے اخلاق کریمہ کا مطالعہ ہمارا مشہود ٹھہرے۔

تصیدہ خمریہ شریفہ حمیدہ کے سمندر سے سولھویں موج

(۱۶)

وَمَا مِنَّا شُهُوْرٌ اَوْ دُهُوْرٌ ✽ تَمُرُّ وَتَنْقَضِيْ اِلَّا اَتَانِيْ !

کلمہ مَا نفی کے معنی میں ہے اور شُهُوْر شہر کی جمع ہے بمعنی مہینہ اور وہ کبھی تیس دن کا ہوتا ہے اور کبھی ایک دن کم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ کہ آپ نے مہینہ کے دنوں کی طرف اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے تین مرتبہ اشارہ فرمایا۔ اور اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تین مرتبہ اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔ اور تیسری مرتبہ میں ایک انگلی ہتھیلی ہی سے ملائے رکھی۔ اور وہ اُنتیس دن ہوئے اور دُهُوْر جمع دھر کی ہے۔ اور وہ مطلق زمانہ ہے یا لمبا زمانہ مراد ہے: اور مَرّ اور مُرُوْر کا معنی ہے گزرنا اور چلا جانا اور انقضا کا معنی ہے پورا ہونا، اِلَّا حرف استثناء ہے اس کا معنی ہے۔ مگر: اَلْاِتْيَان کا معنی ہے آنا۔ لی کی یاء حذف ہو گئی ہے اور کسرہ میں اشباع پیدا کر لیا گیا ہے۔ تاکہ آخر ابیات کے ظاہر کی موافقت ہو جائے۔

النحو :- واؤ آپ کے قول وَکو پر عطف ڈالنے کے لئے ہے۔ اور ان کی علتِ جامعہ کرامات کی تعداد میں اشتراک ہے مِنَّا یعنی ہمارے زمانے سے اور اضافت ادنیٰ ملابست کے لئے ہے۔ یعنی وہ زمانہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ایجاد فرمایا ہے اور ہمیں اس میں پیدا کیا ہے۔ اور اس میں اشارہ ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ کے خوارق صرف آپ ہی کے زمانہ سے مخصوص نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آپ جمع متکلم کا کلمہ لائے ہیں۔ اور بعض نسخوں میں وَمَا مِنْهَا کا لفظ ہے۔ اور ضمیر مؤنث یا تو مخلوقات کی طرف راجع ہے جیسا کہ بحار اور جبال یا دوسرے مفردات پر جو آپ رضی اللہ عنہ کے قول بقدرة المولیٰ سے سمجھے جاتے ہیں۔ الغاء اسرار سے سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر ضمیر دنیا کے سالوں کی طرف راجع ہو۔ اور وہ سات ہزار سال ہیں یا ساڑھے چھ ہزار سال۔ تو پھر یا تو کلام کی تائید کے لئے ہو گی۔ یا یہ کہ دنیا فنا کی حیثیت سے یا ان سالوں کے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی حیثیت سے ہو۔ تو یہ بھی ایک توجیہہ ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم اور پہلا نسخہ اس طرف اشارہ کر رہا ہے۔ کہ زمانہ بھی منجملہ مخلوقات سے ہے۔ کہ آپ نے اس کو جمع متکلم کی ضمیر میں شامل کیا ہے اس کو سمجھ۔ اور آپ کا قول شُهُوْر، مَا کا اسم ہے۔ اور آپ کا قول مِنَّا اس کی خبر مقدم ہے۔ اور اَوْ کا کلمہ تعمیم کے لئے ہے نہ کہ تردد اور ابہام کے لئے اور آپ کا قول تَمُرُّ جملہ ہے۔ اور ضمیر شهود اور دهور کی طرف راجع ہے۔ اور یہ ان دونوں کی صفت ہے یا تو بدل کے طریقہ پر یا دهور اور شهود کے مجموعے کو ایک ہی مدت قرار دینے سے اور لفظ تنقضی میں بھی یہی کیفیت ہے۔ اور اِلَّا حرف استثناء ہے اور ظاہر ہے کہ مستثنیٰ متصل ہے اور اس کو منقطع قرار دینا درست نہیں ہے۔ اور اس کے معنی آئندہ تحریر میں آجائیں گے۔ اور آپ کا قول اَتَا مَاضی کا صیغہ ہے۔ جو تاء کی فتح کی مناسبت سے بصورت الف لکھا گیا ہے اور یا پھر اس کے ساتھ لی کے کلمہ کے الحاق کی وجہ سے جیسا کہ ضمیر کے ملنے کے وقت قاعدہ مقرر ہے۔ مثلاً اَتَانَا، اَتَانِیْ وغیرہ اس کا اصل اَتَانِیْ، اَتیٰ تیا کے ساتھ ہے۔ اور ضمیر شُهُوْر اور دُهُوْر کی طرف راجع ہے۔ اس تاویل سے کہ ان کو زمانہ قرار دیا جائے۔ یا ہر ایک کے دونوں جمعوں کے افراد ہونے کی حیثیت سے تیا

تاویل مذکور کی وجہ سے اور کلمہ گی سے یاء کو آخر ابیات کی موافقت کے لئے حذف کر دیا گیا ہے جیسے وصال اور کمال وغیرہ ہیں

البلاغت :- آپ نفی اور استثناء کو لاتے ہیں جو حصر کے لئے مفید ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ کوئی مہینہ یا زمانہ ایسا نہیں ہے جو آنے سے خارج ہو اور اگر یہ لام تعریف کے ساتھ لایا جاتا اور لام کو استغراق پر محمول کیا جاتا تو وہ بھی یہی فائدہ دے سکتا تھا لیکن استغراق قرینہ کی مدد کا محتاج ہوتا ہے پس وہ اس لفظ کی طرح نہ ہوتا جو کہ حصر کے الفاظ فائدہ دے رہے ہیں اور پھر ان میں انتظار کے بعد کامیابی کی لذت اور شوق کو برانگیختہ کرنا بھی ہے یہی وجہ ہے کہ کہتے ہیں انتظار کے بعد نعمت زیادہ میٹھی ہوتی ہے اور ذہن میں اچھی طرح بیٹھتی ہے پھر جو آپ نے شہود اور دہور کو ضمیر متکلم مع الغیر میں داخل کیا ہے تو یہ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ بھی مخلوق ہیں اور حادث ہیں اور ان میں سے کوئی چیز بھی قدیم نہیں ہے جیسا کہ حکما کہتے ہیں جو زمانہ کے قدیم ہونے کے قائل ہیں اور اس میں دہریوں کا رد بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۔ ترجمہ ہمیں زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے جو آپ نے فرمایا وہ زمانہ جس کی الوہیت کا حکیم قائل ہے وہ ہماری ہی جنس سے ہے اور مخلوق ہے بلکہ اس کا ہر دن اور ہر لحظہ میرا محکوم و فرمانبردار ہے وہ جو بھی مہینہ یا زمانہ گزرتا ہے وہ میرے پاس آتا ہے اور جو کچھ اس میں جاری ہونے والا ہوتا ہے اس کی مجھے خبر دیتا ہے اگر آپ سوال کریں کہ آپ کا قول تمر وتنقضی شہود اور دہور کی صفت بھی جیسا کہ آپ پہلے بیان کر آئے ہیں تو اس صورت میں اس کے یہ معنی ہوں گے کہ جو مہینہ یا زمانہ گزر جائے وہ میرے پاس آتا ہے اور اس کا تو تصور ہی کوئی نہیں کیونکہ جو گزر چکا اور ختم ہو گیا وہ واپس آکر کیسے خبر دے سکتا ہے تو میں کہوں گا کہ آپ کلام اور اس کی ترتیب کو سمجھ نہیں سکے کلام اس طرح ہے "اور نہیں گزرتا کوئی مہینہ اور زمانہ اور ختم نہیں ہوتا مگر وہ پہلے میرے پاس آتا ہے" یعنی میرے پاس آنے اور اپنے حالات کی خبر دینے کے بعد گزرتا ہے تو اے جھگڑا کرنے والے جھگڑا چھوڑ دے ماہو منا کو جو شہود اور دہور پر مقدم کیا گیا ہے یہ اس اہتمام کے لئے ہے کہ شہود اور دہور بھی مخلوقات سے ہیں اور مرور اور انقضا کو جو مؤخر کیا گیا ہے کہ وہ ایتان سے مقارن ہو جائیں کیونکہ ان میں تضاد کا شبہ پیدا ہو سکتا تھا جیسا کہ ہر اس آدمی پر یہ معاملہ مخفی نہیں ہے جس کو علم بلاغت سے ذرا بھی مس ہے۔

اور شہود اور دہور کو آپ نکرہ لاتے ہیں یہ اس طرف اشارہ ہے کہ یہ حکم کسی خاص مہینہ یا زمانہ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ اور ہر شہر کے لئے عام ہے اور شہود کو دہور پر اس لئے مقدم کیا ہے کہ شریعت میں زمانہ سے معتبر مہینوں کی گنتی ہے جیسا کہ قرآن عظیم اس کے متعلق بول رہا ہے کہ إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا (ترجمہ) مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں۔ اور شریعت کے متعین کرنے کا مقصد بندوں کے اہم امور کی تعیین اور حج اور روزے وغیرہ کے معاملہ کا بیان کرنا ہے اور اگر یوں کہا جائے کہ چونکہ مہینوں میں رمضان شریف کا مہینہ بھی ہے اس لئے اس کو زمانہ پر مقدم کیا ہے تو یہ توجیہ بھی صحیح ہے بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے پاس رمضان شریف کا مہینہ آیا اور آپ سے کلام کرتا رہا اور اس جیسے اور منقول واقعات بھی آئندہ انشاء اللہ آئیں گے۔ اگر آپ یہ سوال کریں کہ آپ نے دن کا تذکرہ کیوں نہیں کیا حالانکہ دن بھی تو آپ کے پاس ایک خاص صورت میں آتے اور آپ سے طلوع ہونے اور گزرنے کی اجازت لیتے اور اسی طرح بیان کیا گیا ہے کہ سورج بھی آپ رضی اللہ عنہ سے اجازت کے بعد ہی طلوع اور

Scanned by CamScanner

غروب ہوتا۔ تو میں کہوں گا جب آپ نے مہینہ کا تذکرہ کر دیا اور وہ جیسے کہ آپ جانتے ہیں دنوں ہی سے عبارت ہے تو اس کا ذکر کر دینا دنوں پر بھی مشتمل ہے تو معنی اس طرح ہوں گے کہ مہینہ پورے کا پورا بھی اور اپنے اجزا کے ساتھ بھی آتا ہے۔ پھر اگر یہ سوال کریں کہ جب علیحدہ علیحدہ ہر دن آپ کے پاس آجاتا تو پھر مہینہ کے آنے کا کیا مطلب ہوا تو میں کہوں گا کہ اس میں آپ کے ہر جزء میں کمال غلبہ کا بیان ہے اور اس طرح کہنا بھی درست ہے کہ پورا مہینہ اگر اجمالی خبر دیتا اور ہر دن تفصیلی اطلاع دیتا اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بستی کسی بادشاہ کے ماتحت ہو اور پھر وہ کہے کہ اس بستی کا ہر ہر فرد میرے پاس آتا ہے تو اس میں تصرف کی زیادت اور ایک ایسا فائدہ ہے جو مخفی نہیں ہے اس کو سوچ۔ اگر آپ کہیں کہ دہور کے زیادہ کرنے کی کیا وجہ ہے تو میں کہوں گا اس میں دہریوں کے رد کے علاوہ کسی مہینے کی تخصیص و تعلیم کا دفعیہ بھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا حکم ہر زمانے میں ہے جو ماہ و سال کی قید سے آزاد ہے اور اس عموم میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ و ارضاہ عنا کا حکم زمانے کے ہر جزء میں نافذ اور ثابت ہے خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ وہ چھوٹا ہو یا لمبا۔ اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا حکم قیامت تک باقی رہنے والا ہے کیونکہ زمانہ اسی وقت ختم ہو گا جب قیامت آئے گی۔ اور آپ جو لکھ رہے ہیں اس کے مناسب بیان پہلے گزر چکا ہے۔ تمر اور تنقضی دونوں شہود اور دہور کی صفتیں ہیں ان کو اس لئے لائے ہیں کہ اشارہ کرے کہ زمانہ قدیم نہیں ہے جیسے کہ حکماء سمجھتے ہیں اور اس صورت میں اس میں ان پر رد بھی ہے کہ وہ زمانہ جس کے قدیم ہونے کے تم مدعی ہو وہ ایک ایک جز کر کے ختم ہو رہا ہے اور گزر رہا ہے اور اسی لئے آپ نے انقضاء کا لفظ زیادہ کیا ہے جو صراحۃً تجدد زمانہ کا افادہ بخش رہا ہے اور اس میں ان لوگوں کا بھی رد ہے جو کہتے ہیں کہ زمانہ موجود نہیں ہے بلکہ یہ محض وہم ہے اور اس میں دہریوں کا رد بھی ہے جو اس کے قائل ہیں کہ زمانہ ہر چیز میں متصرف ہے کہ وہ ایک ایک جز کر کے خود ہی ختم ہو رہا ہے اس کو خود اپنی ہی بقا نہیں ہے تو جو خود فانی ہو وہ تصرف نہیں کر سکتا کیونکہ متغیر کا اپنا نفس ہی تغیر اور تصریف کا محل ہے تو وہ ایجاد میں مستقل نہیں ہو سکتا وہ صرف مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے اور اس میں ایک اور طرح سے بھی ان کی تردید ہے کہ جب مہینے اور زمانہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ و ارضاہ عنا کی خدمت میں ان حوادث کی خبر دینے کے حاضر ہوتے جو ان میں جاری ہونے والے ہیں تو وہ آپ کے محکوم ہوتے اور آپ کے تصرف کے تحت ٹھہرے پھر محکوم اور مغلوب فاعل اور قادر کیسے بن سکتے ہیں اور یہ توجیہ پہلے بھی گزر چکی ہے۔

اور آپ نے مرور پر انقضا کا لفظ بھی زیادہ کیا ہے یہ ایک اور توجیہ کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ عرض دو زمانوں میں باقی نہیں رہتا بلکہ لحظہ بلحظہ نیا ہوتا رہتا ہے تو پھر وہ ان اجسام میں کیسے مؤثر ہو سکتا ہے جو نئے نہیں ہوتے اور یہی وجہ ہے کہ متکلمین نے کہا ہے کہ خداوند تعالیٰ عرضی نہیں ہیں اے طالب اگر تو اس معقولہ و ما منا شہود الخ پر باریک نگاہ سے غور کرے گا تو تجھ کو اس پر پوری توجیہ ملے گی اور صفات اس میں مندرج ہوں گی یعنی یہ کہ زمانہ فاعل نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی قدرت ہے کیونکہ وہ خود گزرتا جاتا ہے اور قائم نہیں رہتا تو اس کی محدث ہی قدیمی ذات ہے جو ختم ہونے والی نہیں ہے بس وہی قدیم ہے اور اسی کی صفات قدیم ہیں جو زوال سے محفوظ ہیں تو زمانہ اور اس

Scanned by CamScanner

کے مندر کی تمام چیزوں میں تبدیلی پیدا کرنے والا وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے سو اس کے سوا کوئی معبود نہیں تیرا رب جو عزت کا رب بھی ہے لوگوں کی توصیف سے بلند تر ہے اور آپ کے قول الاقالی میں چند ایک اشارے ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو جیسے کشف کلی اور وضوح حقیقت سے علم حاصل تھا ایسے ہی زمانہ بھی اگر اپنے اندر پیدا ہونے والے حالات سے آگاہ کرتا تھا اور یہ کرامت آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے ساتھ خاص ہے۔ اور دوسرا اشارہ یہ ہے کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ سلطان وقت ہیں پس ہر وہ چیز جو زمانہ میں جاری ہو ضروری ہے کہ وہ آپ پر ظاہر ہو کیونکہ آپ حاکم ہیں اور حاکم اللہ تعالیٰ کی قدرت سے جیسے چاہے تصرف کرتا ہے اور تیسرا اشارہ یہ ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں کہ ہر چیز آپ کے حکم کی تعمیل کرتی ہے اور آپ سے اجازت لیتی ہے کیونکہ زمانہ آپ رضی اللہ عنہ کو اسی لئے تو آگاہ اطلاع دیتا تھا کہ وہ آپ کے حکم کی تعمیل کرے اور چوتھا اشارہ یہ ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ ہر معاملہ میں نافذ الحکم ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ کہا کرتے تھے کہ ہر ایک آدمی جب قدر تک پہنچتا ہے تو رک جاتا ہے اور میں جب تقدیر کے دروازے تک پہنچا تو میرے لئے ایک روزن کھولا گیا اور میں نے خدا کی تقدیر سے خدا کے لئے خدا کی مدد سے جھگڑا کیا اور اس میں ایسے اسرار ہیں کہ اگر کیا بھی ان کے بیان کے متحمل نہیں ہو سکتے الا ماشاء اللہ جیسے کہ اس فقیر پر بعض شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے فیض سے ظاہر ہوئے اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے علوم فقہیہ میں مجتہدین کا طریق صواب ہوتا ہے۔ فتامل۔ اور پانچواں اشارہ یہ ہے کہ کلمہ گی صریحاً اس پر دلالت کر رہا ہے کہ مہینوں اور زمانے کا آپ کو آگاہ اخبار حوادث سے مطلع کرنا صرف محبوب کی رضامندی کے لئے تھا کیونکہ محب اپنے محبوب کو ہر چیز سے راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ مرتبہ آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظل میں حاصل ہوا جیسا کہ آپ نے اس قول کو اس کلمہ سے مکمل کیا ہے کہ میں نبی کے قدموں پہ ہوں جو کمال کے بعد ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اور چھٹا اشارہ یہ ہے کہ کلام اختصاص کا ہے وہ دلالت کرتا ہے کہ یہ خوارق آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اولیاء قدس اللہ اسرارہم کے طبقہ میں سے خاص ہیں اور اگر شاذ و نادر کسی کو یہ کرامت ملی بھی ہو تو وہ کلی طور پر نہیں ہوگی بلکہ جزئی ہوگی اور کچھ باریک اشارے ہیں جن کے متحمل قلوب صافیہ ہی ہو سکتے ہیں اور وہ عبارت کے محتاج نہیں ہیں عقلمند کو اشارہ ہی کافی ہوتا ہے سو اللہ ہی کی تعریف ہے کہ اس نے ہمیں شیخ جیلانی محبوب صمدانی رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے کلام کے انوار کی راہنمائی فرمائی۔

شبہات کا ازالہ:- یہ جان لینا ضروری ہے کہ زمانے کو ثابت کرنے والوں اور اس کے منکروں کے دلائل بہت ہیں۔ ہم ان کے ذکر سے کلام کو لمبا نہیں کرنا چاہتے کیونکہ علوم کی کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں۔ اور انکی طرف شیخ اجل نے اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے کہ دریائے علوم میں بہت قطرے ہیں اور اس میں اور معانی بھی ہیں جنکو ان شاء اللہ تم معلوم کر لوگے۔ اگر آپ یہ سوال کریں کہ زمانہ کا وجود جب دلائل سے ثابت ہو گیا اور اعراض و معانی کے قبیل سے ہیں تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ہر مہینہ اور ہر زمانہ شیخ اجل رض کے پاس تمام معاملات کا کلام کرتا اور جو کچھ آنے والا ہو اور جاری ہونے والا ہو اسکی اگر آپ کو خبر دیتا۔ آپ اس عقیدہ کو شیخ اجل رض کے کلام کے اسرار سے خدا کے فضل و کرم سے حل فرمائیں اللہ آپ کی راہنمائی کرے۔ تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ یہ تو مسلم ہے اللہ تعالیٰ کے ان مخلوقات کے اعمال کی تصویریں ہوتی ہیں اگر اعمال اچھے ہیں تو اچھی تصویر ہوتی ہے اور اگر

برے ہیں تو بری تصویر ہوتی ہے اور ان کی یہ تصویریں ہر ایک انسان کے ساتھ ہوتی ہیں قبر میں بھی اور دوسرے مقامات میں بھی۔ بعض اعمال کی شکل خوبصورت گھوڑوں کی سی ہوتی ہے جن پر نیک لوگ سوار ہو گئے اور یہ متواتر ہے ان میں کوئی شبہ نہیں ہے اور اگر بعض جن سے ہوتے ہوئے بھی زمانہ کی کوئی صورت موجود ہوا اور وہ اگر خبر دے تو اس میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس کا کوئی انکار کوئی مدعی دجال اور اولیاء اللہ کی کرامات کا منکر ہی کرے گا۔ اور اس کی سب سے مضبوط سند اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد نہ بیان کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے اور اس کے مناسب وہ بھی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام دحیہ کلبی کی صورت میں آئے حالانکہ جبرائیل علیہ السلام فرشتوں میں سے ہیں جن کے اجسام نوری ہیں اور ان کی ایک قسم ناری بھی ہے اور بعض آگ اور ہوا سے مرکب ہیں اور جبرائیل دحیہ کلبی کی صورت اختیار کرتے حالانکہ دحیہ مٹی کے اجسام سے تھے۔ مختصر یہ کہ فرشتوں اور انسانوں کا مادہ علیحدہ علیحدہ ہونے کے باوجود ایک خاص صورت اختیار کر لیتے تو اس میں کوئی استحالہ نہیں ہے کہ کوئی اور چیز زمانہ کی شکل بن جائے اور زمانہ جواہر اور اجسام کے مخالف و مغایر ہے

اور اس چیز کی تائید اس مشہور قصہ سے بھی ہوتی ہے جو ستون کے رونے کے متعلق ہے اور یہ ستون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں تھا وہ خشک لکڑی کی قسم سے ہونے کے باوجود رویا اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے وصال کی درخواست کی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آپ سے ایک زہر ملی ہوئی بکری نے کلام کیا۔ مختصر یہ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے اس کی مثالیں اتنی زیادہ اور اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ پھر جس آدمی کا دل ہو یا حضور سے دل سے کان رکھے وہ سچا ہے۔ اور اس خصلت کے برخلاف ہے اس کے ساتھ ہماری گفتگو نہیں ہے کیونکہ وہ منکر مدعی اور دجال ہے کیا آپ غور نہیں کرتے کہ ابو جہل اور اس جیسے لوگوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ایسے معجزات دیکھے جو ہدایت دینے میں سورج کی طرح روشن تھے لیکن پھر بھی انہوں نے عناد کی بیماری کی وجہ سے ان کا انکار کر دیا۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ترجمہ۔ اور جب کہا جاتا ہے اللہ سے ڈر تو اس کو گناہ کے ساتھ اپنی عزت نفس کا خیال آجاتا ہے اس کو جہنم کافی ہے اور بہت برا ٹھکانا ہے۔

سر دقیق :۔ اے خبیر و بصیر تجھے بتانا ضروری ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ ان خوارق کے اظہار میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور تھے تاکہ باطل ذلیل ہو "قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا" ترجمہ۔ کہہ دو حق آگیا اور باطل برباد ہو گیا اور باطل برباد ہی ہونے والا ہے۔" یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنے قصائد مبارکہ میں فرمایا "میرے پاس آؤ آزمائی تاکہ تم میری تعریف کو پہچان سکو" پس شیخ رضی اللہ عنہ جو کچھ بھی بولتے بس وہ سچ ہے اس میں وہی آدمی متردد ہو گا وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا۔ جس نے اپنے رب کے ذکر سے منہ پھیرا ہے اس کی معیشت تنگ ہو گئی" کیونکہ آپ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ظل میں ہیں اور اپنی خواہش سے نہیں بولتے وہ ان کی طرف اللہ کی وحی ہے۔ میں تجھ پر ایک کتاب کریم پیش کرتا ہوں جو بیانات سابقہ کے مطابق شیخ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہونے والے خوارق پر مشتمل ہے اب جو کچھ تجھ کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے اس کو سن۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ اجل ایک دن بازار میں جا رہے تھے ایک قصاب نے بکری کا چمڑا اتار رکھا تھا اور اس کا گوشت فروخت کرنا چاہتا تھا تو اس گوشت نے آپ سے فریاد کی اور بولا اے شیخ میں ایک مردہ بکری ہوں اور یہ قصاب

مسلمانوں کے بازار میں میرا گوشت بیچنا چاہتا ہے"۔ تو شیخ نے اس قصاب کو ڈانٹا تو وہ نادم ہوا اور اس نے توبہ کی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ رمضان شریف کے مہینہ میں سے ایک دن آنا بڑی اچھی شکل میں شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور کہا السلام علیکم و رحمۃ اللہ شیخ اجل نے وعلیکم السلام کہا پھر اس نے کہا کہ میں آپ کے پاس یہ خبر دینے کے لیے حاضر ہوا ہوں کہ آپ آئندہ سال میں مجھے نہیں پائیں گے۔ ہر چیز موت کو چکھنے والی ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ۔ اور یہ واقعہ پھر اسی طرح ہوا اور اس کی تفصیل آپ رضی اللہ عنہ کے قول وَتَجْنِیْ بِلَیَالِیْ وَتَجِیْ کے تحت انشاء اللہ عنقریب آئے گی

بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے پاس دو آدمی بڑی دور کی مسافت سے آئے جب وہ بغداد کے قریب پہنچے تو انہوں نے ایک شکاری دیکھا جو حلال قسم کے پرندوں کا شکار کر رہا تھا اور اس نے تقریباً تین سو کے لگ بھگ پرندے پکڑ رکھے تھے ان دونوں نے اس سے ان پرندوں کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا یہ شیخ عبد القادر کے لئے ہیں وہ اتنے پرندوں کا ہر روز گوشت بھون کر کھاتے ہیں تو ان کے دل میں خیال آیا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں ان کو تو اتنا گوشت نہیں کھانا چاہیے وہ تو نفس اور طبیعت کے تقاضوں کی مخالفت کرتے ہیں پھر اتنا کھانے اور مجاہدے کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ پھر وہ بغداد میں داخل ہوئے تو انہوں نے ایک آدمی کو سولی پر لٹکا ہوا دیکھا انہوں نے اس کے متعلق سوال کیا تو ان کو جواب ملا کہ اس شہر میں ایک شیخ تھے جن کا مشہور نام سید عبد القادر جیلانی ہے یہ مصلوب آدمی وہی ہیں تو ان دونوں کو بہت زیادہ تردد ہوا۔ پھر وہ شیخ اجل کے دروازہ پر پہنچے تو آپ کے دروازہ پر ایک بوڑھی عورت کو دیکھا شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لئے آنے والے پہلے اس بڑھیا کے سر پر جوتے لگاتے پھر زیارت کے لئے اندر داخل ہوتے وہ دونوں بہت زیادہ پریشان ہوئے اور کہنے لگے ایسا کام تو شریعت میں کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے خصوصاً اس ضعیف بڑھیا کے لئے ان کو اس کام کی قباحت کا یقین ہو گیا اور کہنے لگے ہم تو اس بڑھیا کو نہیں ماریں گے وہ دروازہ کے اندر داخل ہونے لگے تو بڑھیا نے ان کو روک دیا اور کہا کہ جوتے مار کر اندر جاؤ تو مجبور ہو کر انہوں نے بھی اس کو اسی طرح جوتے لگائے جیسے دوسرے لوگ لگا رہے تھے پھر وہ دروازہ کے اندر داخل ہوئے اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے قرب کی بساط پر پہنچے تو انہوں نے اپنے سامنے شیخ کو پایا جیسے چودھویں رات کا چاند یا روشن سورج ہو تو ان کو آپ کی جلالت کا یقین ہو گیا اور اللہ کے نزدیک ان کی منزلت کا ان پر ظاہر ہو گئی تو انہوں نے وہ شبہات بھی پیش کئے جو ان کے دل میں پیدا ہوئے تھے اور عقیدت کی وجہ سے بیعت کی درخواست بھی کی تو شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہاری دونوں مرادیں پوری نہیں ہو سکتیں یا تو شبہات کا ازالہ کرا لو اور یا ارادت حاصل کر لو تو وہ کہنے لگے ہم پہلے پہلی چیز کو اختیار کرتے ہیں۔ تو شیخ نے اپنا منہ کھول دیا تو آپ کے سینہ میں سے بہت سے پرندے اڑے جتنے انہوں نے دیکھے تھے اس سے بھی زیادہ۔ پھر شیخ نے فرمایا وہ جو سولی پر لٹکا ہوا آدمی تھا وہ میرا نفس تھا اور وہ بڑھیا وہ کمینی دنیا تھی جو میرے دروازہ کے اندر داخل ہونا چاہتی تھی تو میں نے اس کو ہانک دیا۔ تو وہ دونوں آدمی حیران رہ گئے وہ عاجزی کے سجدہ میں گر پڑے اور ارادت حاصل کرنے کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا تم اس میں کامیاب نہ ہو سکو گے کیونکہ تمہاری ارادت کا آئینہ مکدر ہو چکا ہے کہ تمہارے اندر شکوک

پیدا ہو چکے ہیں پس نہ تو تم ہی مراد کو پاسکو گے اور نہ میں ہی تم کو تمہارے انکار کی وجہ سے جو تمہارے اندر اندھیروں نے پیدا ہو کر پوری سخت دل پیدا کر دی ہے راہنمائی کرنے والا ہوں کیونکہ اس باطنی میٹھے گھاٹ کی شرط ہی صفائی اور عدم شک ذریعہ ہے اور اسی ادب کے مناسب وہ واقعہ ہے جو کہ فرید مرتاض اور بہاؤالدین زکریا کو پیش آیا کہ یہ دونوں شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ اسرارہم کے پاس ارادت کے لئے گئے اور سہروردی بڑے جسیم تھے ان کی چھاتیاں بدن سے ابھری ہوئی تھیں تو شیخ فرید الدین کے دل میں خیال آیا کہ ہم ایک ایسے شیخ کے پاس آگئے جن کی چھاتیاں عورتوں کی طرح ہیں تو شیخ مرشد نے اس خیال کو بھانپ لیا پس انہوں نے شیخ فرید مرتاض سے کہا آپ تو کسی اور شیخ کے پاس چلے جائیں آپ اس خیال کی وجہ سے جو آپ کے دل میں آیا ہمارے پاس ہدایت نہیں پاسکیں گے اور شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کو راہنمائی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اس باطنی علم کا حال اور اس کا ادب کیسا ہے کہ ان ردی خیالات سے پیدا ہونے والے ظلمات کی وجہ سے کوئی کم ہی طالب اپنے مطلوب پہنچتا ہے اگر آپ یہ سوال کریں کہ دل کے خطرہ پر تو کوئی مواخذہ نہیں تو میں کہوں گا یہ مواخذہ نہیں ہے بلکہ خطرہ سے پیدا ہونے والی ظلمت کا بیان ہے اس پر غور کر۔ اب ہم ان دونوں آدمیوں کے باقی قصہ کی طرف رجوع کرتے کرتے ہیں کہ انہوں نے ارادت کے لئے بہت ہی عاجزی اور اصرار ظاہر کیا لیکن آپ نے قبول نہ فرمایا اور ان کو اپنے ایک مرید کی طرف اشارہ کیا جو کسی اور شہر میں بغداد سے نزدیک یا دور رہتا تھا۔

تقریب:۔ ابو القاسم بن احمد بن محمد بغدادی حربی قدس سرہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور شیخ ابو مسعود حریمی اور شیخ ابو الحسین بن محفوظا اور شیخ ابو الحفص لکمانی اور شیخ ابو العباس اسکاف اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سیف الدین سید عبدالوہاب ہم سب شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے پاس ۵۶۱ھ کے جمادی الاول کے آخری جمعہ کے روز بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے کہ ایک بڑا خوبصورت نوجوان آیا اور بیٹھ گیا اور کہا اے اللہ کے ولی آپ پر سلام ہو میں رجب کا مہینہ ہوں میں آپ کے پاس آیا ہوں کہ جو کچھ مجھ میں بھلائی اور سعادت ودیعت کی گئی ہے اس کی آپ کو اطلاع دوں اور اس سے خبردار کروں۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے رجب میں بھلائی ہی پائی۔ اور اسی طرح رجب کا مہینہ گزرنے کے بعد شعبان ایک نہایت بدشکل آدمی کی صورت میں آیا اور اس نے کہا اے اللہ کے ولی آپ پر سلام ہو میں شعبان کا مہینہ ہوں آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ کو ان چیزوں کی خبر دوں جو مجھ میں مقدر کی گئی ہیں کہ حجاز میں مصیبتیں ہوں گی اور بغداد میں دبا ہو گی اور خراسان میں تلوار چلے گی۔ پھر راوی نے کہا کہ اسی طرح ہوا۔ آپ کے بیٹے شیخ کامل شیخ سید عبدالوہاب نے فرمایا جو بھی مہینہ ہوتا اس کا جلال آپ کے پاس آتا اور ان کو آکر خبر دیتا اگر اچھی ہوتی تو اچھی اور اگر بری ہوتی تو بری یہی وجہ ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اس معنی کی تکمیل اپنے اس قول شریف سے فرمائی رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا۔

قصیدہ خمریہ شریفہ حمیدہ کے سمندروں سے سترھویں موج

(۱۷) وَ تُعْلِمُنِیْ بِمَا یَأْتِیْ وَ یَجْرِیْ

وَ تُعْلِمُنِیْ بِهٖ فَاَقْصُرْ جِدَالَ

اور اکثر نسخوں میں اس طرح ہے وَتُعْلِمُنِیْ فَاَقْصُرْ عَنْ جِدَالِ۔ انحبار۔ کسی چیز کی خبر دینا جو کہ خارج میں بھی اسی طرح ہو اور اس کے

مقابلہ میں انشاء ہونا ہے کیونکہ اس کا معنی ہے کوئی نئی بات کرنا یا حکم دینا۔ اور ایتان کا معنی ہے۔ آنا۔ اور لانا۔ اور اس جگہ دونوں ہی مراد ہو سکتے ہیں الجری۔ روانہ ہونا۔ گذر جانا۔ الاعلام۔ معلوم کرانا۔ التقصر چھوٹا کرنا۔ الجدال۔ جنگ اور جھگڑا کرنا۔ اور مقابلہ کرنا۔ اور مناظرہ کرنا۔

النحو :۔ واؤ عطف کے لئے ہے اور واو کا حالیہ ہونا ذہن کے زیادہ قریب ہے تجدنی۔ مضارع غایب کا صیغہ ہے جس کے ساتھ نون عمادی اور یائے متکلم ملی ہوتی ہے اور اس میں ضمیر شہود اور دہود کی طرف راجع ہے۔ بما اس میں با تجد کے متعلق ہے اور با ہر معدر محذوف کے متعلق ہے یعنی اس چیز کی خبر جو آنے اور جاری ہونے والی ہے یا اس مقدر کے متعلق ہے جو آنے اور جاری ہونے والی ہے۔ اور یاتی اور یجری دونوں مضارع غائب کے صیغے ہیں ان کی ضمیر ما کی طرف رجع ہے اور تعلمنی کا قول وتجزنی پر عطف ہے۔ اس کی ضمیر بھی اسی طرف راجع ہے جس کی طرف تجزنی کی ضمیر لوٹتی ہے اور بہ کی ضمیر یاتی کی طرف راجع ہے۔ اور فا فصیحیہ ہے یعنی جب تو نے اس کرامت کو معلوم کر لیا تو اب مجھ سے جھگڑا کرنے سے رک جا۔ اور باز آجا۔ پس اس صورت جدال یائے متکلم محذوف ہو گی اور ایک اور نسخے کے مطابق حذف یاء کے قول کی طرف کوئی ضرورت نہیں رہتی تو معنی یوں ہوں گے جو کچھ میں نے کہا ہے اے مدعی اس میں جھگڑا نہ کر اور پہلے نسخہ کے مطابق بھی ہو سکتا ہے کہ یاء کو حذف نہ کیا جائے لیکن اس میں عنایت ہو گی خوب سمجھ لے۔

البلاغت :۔ آپ نے اس جملہ کو بڑھا دیا ہے حالانکہ یہ مفہوم آپ کے قول الاتاکی سے بھی سمجھا جا سکتا تھا کیونکہ مرور اور انقضا سے نفی کو متعلق کرنا اور پھر الا سے اثبات کرنا اس کو معلوم کرا رہا ہے۔ میں کہتا ہوں ہاں درست ہے لیکن چونکہ یہ خارق ایک وقیق امر تھا جو کبھی شاذ و نادر ہی اولیاء قدس اسرارہم کے ہاتھ پر ظاہر ہوا ہو تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ اچھی طرح اس کی تفصیل اور تاکید فرمائیں تاکہ منکر۔ مدعی۔ دجال کی کج بحثی پوری طرح منقطع ہو جائے کہ جس کی تمام ہمت لڑائی اور جھگڑا کرنا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے اس کو جھگڑے سے بند رہنے کے ساتھ مکمل کیا ہے گویا کہ یہ عبارت ایک سچے آدمی کی زبان سے کہ جس کا یولنا وما ینطق عن الہوی ان ہو الا وحی یوحی کے زیر سایہ ہے تکرار بیان کا فائدہ دے رہی ہے اور یہ اس کے سچا ہونے کی تحقیق کی دلیل ہے تو اب جھگڑا نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ حق کے ظاہر ہونے کے بعد تو صرف گمراہی ہے اور اس کے بعد صرف وہی آدمی جھگڑا کرتا ہے جسے گناہ کے ساتھ اپنی عزت نفس کا خیال ہو اور بہت زیادہ جھگڑالو ہو۔ اور یائے متکلم کے نکات پہلے گذر چکے ہیں ان کو یاد رکھو اور ما کا کلمہ لانا جو کہ عموم پر دلالت کرتا ہے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کی یہ کرامت ہر ایک امر اور مقدور میں عام ہے اس میں کسی مہینہ یا زمانہ کی خصوصیت نہیں ہے آپ پہلے اتیان لاتے ہیں اور پھر جریان ہو اس طرف اشارہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو پہلے تو یہ خبر دی جاتی کہ امور اس طرح ظاہر ہوں گے اور جب گذر جاتے تو ان کی کیفیت کی اطلاع دی جاتی کہ آسانی سے یا مشکل سے گذرے پھر اس لئے ہو کہ تقدیر دعا سے رد ہو سکتی ہے یا نہیں؟ پھر یہ جو یاتی اور یجری میں استقبال کا صیغہ استعمال ہوا ہے وہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے اس برزخی جسم کی نسبت سے نہیں ہے۔ بلکہ جو راتا میں سے ممکن موجود کی نسبت سے ہے تو اس صورت میں یہ ماضی حال اور مستقبل تینوں زمانوں کو شامل ہوگا اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ماضی چونکہ متحقق ہو چکی ہے اور حال حاضر ہے یہ تو آپ کو کشف کی حیثیت سے ظاہر ہیں اور

Scanned by CamScanner

غیر موجود میں اگرچہ معلوم ہے لیکن اس کے غیر موجود ہونے کی وجہ سے اس کے متعلق خبر دینا حق تھا اور آپ نے تعلمنی کا جملہ زیادہ کیا ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ تبغایہ کسی اور کے لئے ہو سکتا تھا تو آپ نے فرمایا وہ صرف مجھے ہی اطلاع دیتے ہیں کیونکہ اللہ عزوجل نے ان کو صرف مجھے ہر چیز بتانے اور اطلاع دینے کے لئے بھیجی ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ کبھی خبر دینا اجمالی بھی ہوتا ہے تو آپ نے تعلمنی کا لفظ بڑھا دیا تاکہ تفصیل کے ظہور کا فائدہ نکلے پھر اگر آپ کہیں کہ آپ نے قصر من جبال کا مقولہ کیوں پڑھا یا تو میں کہوں گا اس کی وجہ تو پہلے جواب سے بھی جا سکتی ہے جو ابھی گذرا اور یہ بھی جائز ہے کہا جائے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود ابس گئے کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے محبوب تھے کہ خدا تعالیٰ آپ کی رضا چاہتے تھے پھر بھی آپ سے عناد رکھنے والے ابو جہل ابو لہب کی طرح کے آدمی موجود تھے حالانکہ ان کو آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا بھی یقین تھا کیونکہ کفر ہمیشہ سے ایمان کا معارض رہا ہے اور کفر والے ایمان والوں کے مقابل رہے ہیں تو شیخ اجل رضی اللہ عنہ بھی روافض اور خوارج کے مبغوض تھے وہ جب بھی کچھ کہتے تو وہ عناد اور جھگڑا کرتے تو آپ ان کو کلی بیان کے بعد فرمایا اے جھگڑالو معاند جھگڑا چھوڑ دے کیونکہ حق آگیا ہے اور باطل ہلاک ہو گیا ہے کیونکہ وہ ہلاک ہونے ہی والا تھا اور یہ بھی جائز ہے کہ جدال سے مراد دلائل کے طالب سے مناظرہ ہو تو آپ نے فرمایا ولایت کا کام معارضہ اور مجادلہ نہیں ہے کیونکہ یہ نبیوں کے معجزات میں شرط ہے تو اس میں دلیل طلب کی جا سکتی ہے اور نہ کوئی تعارض ہے کیونکہ یہ غیر موقع میں کسی چیز کو رکھنا ہے اور یہ معاملہ جیسا ہے آپ کو معلوم ہی ہے اور ہم نے جو یہ کہا یہ غیر موقع میں رکھنا ہے یہ اس لئے ہے کہ نفس کرامت ولایت کے لئے شرط نہیں ہے پھر ان سے خوارق کے واقع ہونے کی وضاحت میں معارضہ کیا؟ اور ان کو اس کے بیان کرنے اور ظاہر کرنے کی کیا ضرورت؟ جب کہ یہ بھی جائز ہو کہ کرامت کی دلیل کسی دوسری کرامت کا ثبوت ہے پھر جب جھگڑالو اس کرامت پر یقین نہ کرے گا تو دوسری کرامت کا یقین کیسے کرے گا کیونکہ وہ بھی تو کرامت ہی ہوگی تو اس کے جواب میں مشغول ہونا کرامات کا تسلسل ہوگا اور یہ محض تضییع اوقات ہے اور صورت میں اس میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہوگا وجادلہم بالتی ہی احسن (ترجمہ) اور ان سے جدال طریقہ احسن سے کرو تو یہ کلام اس اشارہ کا متضمن ہوگا کہ بعد فائدہ جھگڑا حرام ہے کیونکہ وہ وقت کا ضائع کرنا اور منکر سے اہانت کا سماع ہے؟ ان کو اپنے شغل میں چھوڑ دے کہ کھیلتے رہیں اور شیخ شیرازی نے اسی کے متعلق کہا ہے کہ سے جس سے تو قرآن وحدیث کے ذریعہ عہدہ برآنہ ہو سکے اس کا جواب یہ کہ تو اس کو جواب نہ دے۔

باقی رہے ایسے آدمی جن کو کرامت اظہار نفع دے جیسے کہ وہ علماء تھے جو شیخ رضی اللہ عنہ کے پاس مشکل مسائل سے ان کا امتحان کرنے کے لئے آئے یہاں تک کہ ان پر شیخ اجل کا جذبہ وارد ہوا تو ان میں سے ہر آدمی غش کھا کر گر پڑا پھر شیخ اجل کے منہ سے ایک نور نکلا اور علماء کی جماعت کے مونہوں میں داخل ہو گیا تو ایسی کرامت کا اظہار ضروری ہے۔ حاصل یہ کہ اولیا کرامت کا اظہار نہیں کرتے کیونکہ کرامت کا دعویٰ ان کا وظیفہ نہیں ہے برخلاف انبیاء علیہم الصلوات کے کہ وہ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اور دعویٰ کے لئے دلیل ضروری ہے سو ان کے معجزات ان کے دعویٰ کے شواہد ہوتے ہیں لیکن اولیاء جب کرامت کے اظہار میں مجبور ہوتے ہیں تو اظہار کرتے ہیں یا باطل کو سرنگوں کرنے کے لئے ان کو کرامت کے اظہار کا حکم ہوتا ہے تو وہ کرتے یا ان کی منزلت کے اظہار کے لئے ہوتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا پھر وہ کرامت کا اظہار

کرتے ہیں تاکہ اہل زمانہ ان سے ادب سے پیش آئیں تاکہ غلطی میں سوء ادب کی وجہ سے ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی آدمی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے اور وہ ان کا حال جاننے کے بعد بھی بے ادبی کریں گے تو ان کو ہدایت کی جگہ گمراہی نصیب ہو گی اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے اکثر خوارق اسی قبیل سے ہیں اور اسی لئے آپ نے فرمایا اے عبدالوہاب مجھے دوسرے اولیا پر قیاس نہ کر و میرے اور ان کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے اور ایک اور قصیدہ میں آپ نے فرمایا ہیں ستر ہوں اور سر کا معنی اللہ تعالیٰ کے قول ویخلق مالا تعلمون نحلۃ میں ہے اور یہ بیان کرتے تھے کہ بعد کر ابراہیم کی آگ میری ہی تھوک سے بجھی تھی اور نوح کی کشتی جودی پہاڑ پر میری ہی قوت سے پہنچی تھی اور ایوب کا بیماری سے تندرست ہونا اور موسیٰ کے فرعون کا غرق ہونا اور اسی طرح کی اور چیزیں علیٰ نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام آپ نے یہ بھی فرمایا کہ "میں یہ بات فخر سے نہیں کہہ رہا ہوں میرا رب میری حقیقت کی زبان سے بول رہا ہے" اور یہ بھی فرمایا "میرے پاس آؤ اور آؤ تاکہ تم میری طریقت کو سمجھو" اور یہ سب کچھ آپ رضی اللہ عنہ کی بلندی منزلت بیان کرنے کے لئے ہے کیونکہ آپ کی منزلت کی بلندی تو اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ عبدالرحمٰن طفسونجی اس کو نہ پا سکے اور آپ رضی اللہ عنہ کے قرب کا انکار کر دیا ہے جیسا کہ اس کی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہے اس کو یاد کر اور اس کی تفصیل اگر لکھی جائے تو سمندر ختم ہو جائیں جیسا کہ عقلمندوں کے نزدیک مقرر ہے پر جس کو بصیرت کشفیہ حاصل ہو اور اس کی حقیقت کا آئینہ صاف ہو چکا ہو تو وہ میری بات کا یقین کرے گا ورنہ ابوجہل و ابولہب کے ظل تو انکار میں جلدی کریں گے اللہ ان کو برباد کرے کہاں پھرے جاتے ہیں اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

احتمال نحوی :۔ جائز ہے کہ آپ کے قول تعلمی کو باب علم یعلم سے صیغہ مخاطب کا پڑھا جائے تو اس کے معنی ہوں گے اور تو اے مخاطب مجھے معلوم کرے گا کہ میں ان کمالات اور فضائل سے موصوف ہوں جو انسانی طاقت سے اکثر خارج میں ہو تو مجھ سے جھگڑا نہ کر یعنی مہینوں اور زمانوں کا ان امور کے متعلق اطلاع دینا تو ایک معمولی کام ہے میرے فضائل تو اتنے ہیں جو شمار اور گنتی میں بھی نہیں آسکتے اور ان کا شمار اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ ان کا انکار ایک مدعی دجال اور جھگڑالو ہی کرے گا سو تو جھگڑا بند کر دے اور قیل و قال کی خرافات چھوڑ دے اور یہ معنی ایک روایت کی بنا پر ہیں اگرچہ روایت پہلی ہی صحیح ہے۔ یہ ایک نحوی احتمال ہے اور اگرچہ عام روایت لکھی گئی ہے لیکن یہ معنی دقیق اور آپ کے قول فاقصر عن جدال کے زیادہ مناسب ہے کہ آپ اس کو فا سے لاتے ہیں جیسا کہ ذہین لوگوں پر یہ مخفی نہیں ہے۔

افادہ دقیقہ و ایقاظ حقیقہ :۔ آپ کے قول فاقصر عن جدال میں اشارہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے زمانہ میں بھی آپ کے بعض مخالف اور جھگڑا کرنے والے موجود تھے جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب کا وجود تھا اور آپ نے طاقت ہوتے ہوئے بھی ان کو جنگل کے کٹے ہوئے بھوسے کی طرح نہ کر دیا بلکہ ان کی گمراہی کی حالت میں چھوڑ دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت اسی طرح جاری ہے یعنی پھول کی پتیوں کے ساتھ کانٹوں کا وجود بھی رہا ہے اور اہل سعادت شہود کے ساتھ اہل شقاوت بھی رہتے ہیں کیا آپ غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر تھے کہ چشم زدن کے ایک ہی لمحہ میں ابوجہل کے ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ کر دیتے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کو چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی ایذا دہی میں اور ضرر رسانی میں پوری پوری کوشش کی اور اس میں حکمت یہ ہے کہ مصیبتوں سے اہل خصوصی کا امتحان لیا جاتا ہے اور

Scanned by CamScanner

اس میں قرآن کی آیات واحادیث کی نصوص وارد ہوئی ہیں تو ان مصیبتوں سے اہل قرب کو مراتب ومنازل حاصل ہوتے تھے جیسے صبر اور اپنے آپ سے مٹ جانا اور ان کے حالات کے مناسب کہ حسنات الابرار سیئات المقربین کے مطابق ان کی سیئات کا کفارہ ہونا۔ اور رفیق اعلیٰ کی طرف ان کو عروج اور صعود نصیب ہونا۔ کیونکہ وہ مال اور جانیں خرچ کرتے ہیں اور اپنے سروں کے خون اور آنکھوں کے آنسوؤں کے صاف پیالے پیتے ہیں اور اس کے باوجود وہ بغیر کسی تیوری چڑھانے اور فتور کے خصوصی اور زیادہ قرب چاہتے ہیں بلکہ وہ اپنی بہترین ہمتوں پر جو اچھے گھوڑوں کی طرح ہیں سوار ہو کر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جیسے کوئی ہوئی چیز ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے وہ اپنے اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہیں اور بوسیدہ چیز کے منعدم ہونے کی طرح وہ فنا وانکساری کی وادیوں میں بوسیدہ ہو جاتے ہیں اور کافروں اور مجوسیوں سے اس حال میں لڑائی کرتے ہیں کہ ان کے ارواح اللہ اور اس کے نبی کی محبت کی آگ سے اس طرح جل رہے ہوتے ہیں جیسے شمع یا چراغ فانوس میں جلتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ اجل ایک روز دجلہ کے کنارے اکیلے اور تنہا بیٹھے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور مشاہدہ میں مشغول تھے وہ اس عالم سے اس طرح فارغ تھے کہ آپ کے سامنے حضور اور نور ہی تھا تو ناگہاں ایک منافق دجال آ گیا اس نے شیخ کے ہاتھ پکڑے اور اٹھا لیا اور ان کو دریا میں پھینک دیا تو ناگہاں دریا ساحل بن گیا اور ساحل پر ریشم اور استبرق کے فرش بچھ گئے۔ وہ پھینکنے والا پوری طرح حیران رہ گیا یہاں تک کہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہ رہ سکا۔ پھر شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف غضب یا تعجب یا مطلق نگاہ سے دیکھا تو اس آدمی میں ہراس اور ختم ہونا بڑھتا گیا اور اس نے کہا میں اس فعل میں بے ادبی کرنے والا نہیں تھا بلکہ میں امتحان کرنا چاہتا تھا تو آپ نے فرمایا میں تجھ کو کچھ نہیں کہوں گا کوئی خوف نہ کر چنانچہ وہ آدمی وہاں سے چلا گیا جب اپنے گھر پہنچا تو مر گیا اور شیخ اجل مدرسے کی طرف راستے میں جا رہے تھے تو جلدی سے ایک جنازہ حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہے تو انہوں نے کہا فلاں آدمی ہے اور یہ وہی آپ کو پھینکنے والا آدمی تھا پس شیخ نے اس کے جنازہ پر کھڑے ہونے کا ارادہ فرمایا تو وادی قدس کے پیچھے سے آواز آئی۔ یہ منافق آدمی ہے کفر پر مر گیا ہے آپ نماز نہ پڑھیں کہ آپ کی نماز سے اس کو تسلی ہو جائے گی۔ تو شیخ اجل نے اپنے رب سے سرگوشی کی کہ یہ کیوں کفر پر مرا ہے تو جواب ملا تیری بے ادبی کی وجہ سے تو آپ نے کہا اے اللہ میں نے اس کو معاف کر دیا اس کو ایمان دے تو اس کو ایمان بخش دیا گیا اور شیخ اجل نے اس پر نماز پڑھی اور فضل واحسان کے ساتھ مدرسہ میں چلے گئے۔ سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کا انکار کرو گے یہ ایک بہت بڑے شیخ ہیں جن کے برابر کوئی انسان کوئی جن اور کوئی فرشتہ اور کوئی خدا کا بندہ نہیں ہے۔ وہ ہر روز کسی نہ کسی حال میں ہے اے اللہ ہمیں علم اور احسان میں زیادہ کر۔

تائید :۔ شیخ اجل رضی اللہ عنہ اپنی کتاب مسمّٰی جلاء الخاطر میں اکثر کہہ جاتے ہیں جس کا مصیبتوں کے بیان میں مفہوم یہ ہے کہ بدعتی مجھے قتل کرنا چاہتا ہے لیکن حافظ حقیقی میری حفاظت کرتا ہے۔ رافضی مجھ سے بغض رکھتا ہے اور دوستی چاہتا ہے یہاں تک کہ آپ نے بعض مقالات میں یہ عبارت شریفہ بیان کی ہے "اے بیٹا مصیبتوں اور ان پر صبر کرنے سے گریز نہ کر وہ تقدیر کیسے بدل جائے گی جو تیرے لئے پیدا کی گئی ہے انبیاء جو بہترین مخلوق تھے وہ بھی مبتلا ہوتے رہے ہیں اور اسی طرح ان کے تابعدار ان کی اقتدا کرنے والے ان کے راستہ پر چلنے والے ان کے قدموں پر قدم رکھنے والے بھی مبتلا ہوتے رہے

اور ہمارے نبی محمد صلے اللہ علیہ وسلم جن کی وجہ سے ہر چیز موجود ہوئی جو اللہ عزوجل کے محبوب تھے پھر بھی وہ فقر و فاقہ اور بھوک اور لڑائی اور جنگوں اور مخلوق کی تکلیفوں میں مبتلا ہوتے رہے۔ پھر عیسٰی علیہ السلام کا حال بیان کرنے کے بعد فرمایا "یہ فعل تو اس کا نبیوں اور رسولوں سے ہے جو اس کے محبوب ہیں پھر تو کون ہے جو چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم کو تو اپنے اور دنیا کے تعلق تبدیل کر دے۔" آپ کی عبارت ختم ہوئی مختصر یہ کہ اہل جدال کی اہل خصوص و قرب کے ساتھ مخالفت اور ان کا ان انتقام نہ لینا ان کی جلالت شان میں نقص کا موجب نہیں ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ بندے اللہ تعالیٰ سے کیسا معاملہ کرتے ہیں حالانکہ وہ تمام جہانوں کا پروردگار ہے اگر وہ چاہے تو تمام کو لے جائے اور ایک نئی مخلوق لے آئے لیکن پھر بھی وہ ان کی روزی نہیں روکتا اور ان کی زندگی اور عافیت ختم نہیں کر دیتا انجام کار پرہیزگاروں کے لئے ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور وہ بلند برتر ہے۔

بیان معانی ابیات الستۃ شوق و ایضاحہا

چونکہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا حکم ہر حال میں اور ہر ہر چیز میں نافذ تھا جیسا کہ آپ نے اس کی وضاحت اپنے اس قول میں کی ہے حکمی نافذ فی کل حال۔ تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ امور میں اس کے نفوذ کی طرف اشارہ فرمائیں لیکن آپ نے بیان نفوذ کو بڑی بڑی چیزوں اور بڑے بڑے جسموں تک محدود رکھا اور فرمایا اگر میں اپنا راز دریاؤں پر ڈالوں جو کہ زمین کے لئے رگوں اور میخوں کی طرح ہیں اور ان ہی کے ساتھ مردہ زمین زندہ ہوتی ہے جیسا کہ بہت سی آیات شریفہ میں مذکور ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ زمین پانی کے بغیر مردہ ہے اس میں کوئی زندگی نہیں ہے پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو پانی پلاتے ہیں یا تو متواتر بارشوں سے جب کہ آپ اس کے زندہ کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کی قوتیں اناج بھڑک اٹھتی ہیں اور وہ اگانے کے لئے تیار ہو جاتی ہے تو پانی زمین کے لئے اسی طرح ہے جیسے انسانوں کے لئے روح یا پھر چشمے پھاڑ کر اس کے مناسب پانیوں سے۔ تو دریا گہرے ہو جائیں یعنی ان کا تمام پانی فنا ہو جائے یہاں تک کہ رطوبت میں سے کوئی چیز باقی نہ رہ جائے اور زمین کے اجزا ترکیب سے پریشان ہو جائیں اور جو اس کے اوپر اور اس کے اندر ہے سب فنا ہو جائے تو اس صورت میں دریاؤں پر راز ڈالنا بارشوں پر ڈالنے کو بھی مشتمل ہوگا کیونکہ اگر بارشیں پانی برساتی رہیں اور زمین پر ان کا پانی باقی رہے تو لازماً وہ دریاؤں کی طرف جائے گا اور وہ بھی گہرا ہو جائے گا بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ جب دریا گہرے ہو جائیں گے تو پھر بارشوں کا پانی کس طرح باقی رہ جائے گا جو زمین پر ہر چیز کا ذکر کرتی ہیں تو حاصل کلام یہ ہوا کہ دریاؤں کا انتشار ہونا اور پانی کا گہرا ہو جانا زمین کے ترکیب سے فنا ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ تو ہبا منثورا ہو جائے گی اور جب زمین فنا ہو جائے گی تو نہ کوئی پہاڑ باقی رہے گا نہ درخت اور نہ اشیاء میں سے کوئی چیز کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ کے مطابق اشیاء کا وجود زمین اور پانی پر موقوف ہے اور ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندہ کیا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ بحار کا ظاہری معنی مراد لیا جائے اور اگر اس سے وہ آدمی مراد لئے جائیں جو زمین کے وجود کے سلوک اور بحر محیط یعنی احادیث کی طرف سمندر کے دریاؤں کی طرح ہیں کیونکہ وہ اپنے نفسوں کی حیثیت سے ظاہر ہیں اور غیر کو ظاہر کرنے والے ہیں اور احادیث کے سمندر کی طرف ہر یان کلی سے موجیں مارتے جا رہے ہیں اور کسی طرح بھی اجسام کی زمینیں اور وجود کے حجابات ان کی مزاحمت نہیں کر سکتے۔

توان کی دریاؤں کے ساتھ پوری مشابہت ہے اور یہ معنی اقطاب سے فی طبہ کے زیادہ مناسب ہے جیسا کہ ابتدا سے قصیدہ میں پہلے گزر چکا ہے تو اس صورت میں گہرائی سے مراد ان کے احوال کا سبب واخذ ہوگا جیسے کہ دریا کا پانی لے لیا جائے یا ان کے مقامات چھپ جائیں جیسے گہرائی کے وقت پانی چھپ جاتا ہے۔ تو پہلے پہل سلب ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ احوال کی حیثیت سے کوئی نسبت ہی باقی نہ رہے یا ان کے احوال و مقامات سے کچھ تھوڑی چیز باقی رہ جائے اور ان کے استقلال سے رونق اور تروتازگی جاتی رہے اور یہ بھی جائز ہے کہ دریاؤں سے مراد لطائف اور احوال اور ان کے مناسبات ہوں اور اگر دریاؤں سے مراد عشق کے غرقی دریا ہوں جن کو سالک راہ میں دیکھتا ہے جیسا کہ ابوعثمان تلمیذ ابوحفص حدادی قدس اللہ سرہما نے جنید بغدادی اور شمعی نوری قدس اللہ اسرارہم کی طرف لکھا تھا تو یہ توجیہ بھی درست ہو سکتی ہے اور اس کی طرف پہلے اشارہ گزر چکا ہے اس کو یاد رکھو۔

دوسرے بیت کا معنی :- اور اگر میں اپنا راز اور اپنی توجہ پہاڑوں پر ڈالوں جو کہ زمین کے استقرار کے لئے میخوں اور بوجھ کا کام دے رہے ہیں جیسا کہ بہت سی آیات شریفہ کریمہ میں آیا ہے تو وہ اس کو اٹھانے اور قائم رہنے کی طاقت نہ رکھیں بلکہ وہ کوٹے جائیں متفرق ہو جائیں اور پریشان ہو جائیں اور ان کے اجزا اس طرح پریشان ہو جائیں کہ ان کے اجزا تک پہنچ جائیں جو ان کے اندر چھوٹے ریت کے اجزا پوشیدہ ہیں اور یہ انتہائی تفرق اور پوری پریشانی سے کنایہ ہے تو وہ اس اوتادیت کے قابل ہی نہ رہیں جو ان سے مقصود ہے۔ اور جب زمین کی میخوں کا یہ حال ہو جائے تو ان کا کیا حال ہوگا جو اس میں رہتے ہیں کیونکہ وہ چیز جس کو میخ سے باندھا گیا تھا وہ میخوں کے کھل جانے کے بعد خود بھی کھل جائے گی کیا آپ دیکھتے نہیں کہ جب کشتی کی رسیاں کھل جائیں جو اس کو روکے ہوئے تھیں تو وہ خود بخود پھٹ جائے گی اور دریا میں پریشان ہو جائے گی اور غرق ہو جائے گی اور جو اس کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں گے وہ بھی غرق ہو جائیں گے اور اعزاز ختم ہو جائیں گی تو اس صورت میں اس فقرہ میں ہر چیز کے انعدام کی طرف اشارہ ہوگا۔ پہاڑوں میں تو صریحاً اور باقی تمام چیزوں میں التزاماً۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ اس سے ظاہری معنی مراد لئے جائیں اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے بعض ابدال اور اوتاد مراد لئے جائیں اور اس معنی پر دکے سے یا تو سلب کلی کی طرف اشارہ ہوگا یا اس نسبت کی تفریق کی طرف جو ان کو حاصل ہے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ احوال کے سلب کرنے والے تھے جب کہ اولیاء قدس سرہم سے کوئی ایسا کام صادر ہو جاتا جو اس سلب کو لازم قرار دے دیتا اور یہ بھی جائز ہے کہ پہاڑ سے مراد وصول سے مانع حجابات ہوں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے سعاد کی طرف کیسے پہنچا جا سکتا ہے کہ اس سے آگے پہاڑوں کی چوٹیاں ہیں اور اس سے پہلے سوئیں ہیں اور پاؤں ننگا ہے اور میرے پاس سواری نہیں ہے اور ہاتھ خالی ہے اور راستہ پر خطرہ ہے +

تیسرے بیت کا معنی :- اگر میں اپنا راز اور اپنی توجہ اور اپنے دل کا ملاحظہ اوقات مخصوصہ میں جو میرے لئے اللہ کے ساتھ ایک وقت ہے جس میں کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل نہیں سما سکتا" کا ظل ہیں اس آگ پر ڈالوں جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں جو فاسقوں کے لئے تیار کی گئی ہے، یا اس آگ پر جس پر پکے ہوئے کھانوں اور چراغوں اور شمعوں یا جنگی لباسوں کی صنعت تلواروں اور نیزوں اور ان کی مثل اور اشیاء ارکر جبہ کے ساتھ اسلام کے ضبط یا نظام کے ربط کی حیثیت سے جہان کا دار و مدار ہے۔ یا آگ کے اس عنصر پر جو تمام عوالم میں موجود ہے یا اس عنصر پر جو اجسام میں دوسرے عناصر کے ساتھ مخلوط طور پر موجود ہے تو یہ سب بجھ جائیں ٹھنڈی ہو جائیں اور معدوم ہو جائیں یہاں تک کہ اس سے کوئی تھوڑی سی چیز بھی باقی رہ جائے

Scanned by CamScanner

سے باقی رہے جو اس پر موقوف ہیں اور اہل معاصی کو جہنم کے شعلوں سے نجات حاصل ہو جائے کیونکہ یہ انوار جو نبی امی صلی
اللہ علیہ وسلم کے انوار اور ان کی متابعت سے حاصل شدہ اور اقتباس کیا گیا ہے وہ جہنم کو نعمت بنا دے گا اور اس جلتی ہوئی آگ کو
جو کافروں پر چڑھ آئی ہے ٹھنڈا اور سلامتی والا بنا دے گا لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے برخلاف تھا لہٰذا میں نے یہ شرار آگ پر نہ
ڈالا اور یہ کیفیت حاصل نہ ہوئی اگرچہ مریدین کے حق میں حاصل ہو گئی کیونکہ آگ آپ کے مریدوں کو پکڑنے اور ان پر اپنے شعلے
پھیلانے پر قادر نہیں ہے۔ پھر یہ امر بہت سی تفصیل چاہتا ہے اگر تو آپ رضی اللہ عنہ کے قول مریدی لا تخف اللّٰہ ربی عطا بی
رفعۃ نلت المنال کے معنی کا معنی کا مطالع کرے گا تو اس پر قادر ہو جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے جہنم کے داروغہ مالک سے ملاقات کی۔ تو شیخ اجل نے فرمایا کیا
تمہارے پاس میرے ساتھیوں اور مریدوں میں سے بھی کوئی آدمی ہے؟ تو مالک نے جواب دیا آپ کے مریدوں سے آگ کا کیا
کام ہے۔ سبحان اللہ شیخ اور ان کے مریدوں کی کیا شان ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ مومن جب آگ پر وارد ہو گا تو آگ اس سے کہے گی اے
مومن جلد گزر جا کہ تیرے نور نے میرے شعلے بجھا دیئے پھر اس نائب خاص کا کیا حال ہو گا جس کے برابر کمالات میں کوئی ابدال اور غوث
قدس اسرارہم نہیں ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ آگ سے مراد شیطان ہو کیونکہ وہ ایسا ناری ہے جو اپنی گمراہی کی وجہ سے عین جہنم کا طبقہ
ہے اور اس معنی کی تائید اس سے ہوتی ہے جو شیخ اجل کے ساتھ شیطان کا محاربہ نقل کیا گیا ہے اور اس جنگ کے بعد اسے نامرادی اور
خسارے کی کئی صورتیں ہوئیں اللہ اسے برباد کرے وہ کہاں بھاگا جاتا ہے اور اس معنی کی تائید آپ کے قول بہ جلال سے ہوتی ہے۔
جیسے کہ ہر اس آدمی پر مخفی نہیں ہے جس کا دل سلامت ہے اور جائز ہے کہ اس سے مراد خواہش اور حسد وغیرہ اخلاق کی آگ ہو جیسا کہ پہلے
جلال سے مراد سالکین کے وصول سے موانع لیے گئے اس پر قیاس کرکے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے اسی جذبہ کی آگ مراد ہو جو طلب
کو حاصل ہوتا ہے جو شہوت محو یہ تا ہما ہبا الصفوت کی مخالفت کرتے ہیں اور جائز ہے کہ اس سے عشق اور محبت کی آگ مراد لی جائے
لیکن اس کی دو تقریریں ہیں پہلی اولیا قدس اسرارہم کو تہدید ہے کہ وہ اپنے حاصل شدہ کمالات پر مغرور نہ ہو جائیں اور آپ رضی اللہ
عنہ کے ساتھ مساوات کے دعوی میں جلدی نہ کریں ورنہ ان کے حال چھین لیے جائیں گے جیسا کہ آپ نے فرمایا جس احوال کا چھیننے
والا ہوں اے عبادت خانوں میں رہنے والو تمہارے عبادت خانے گر گئے اس سمندر کی طرف آ جس کا کوئی کنارا نہیں ہے میں
اللہ تعالیٰ کی جلائی ہوئی آگ ہوں محبت کی آگ صرف میری ہی آگ ہے تم اس کے مقابلہ میں اپنی محبت کے شعلوں سے بجھے ہوئے ہو۔
اور دوسری تقریر یہ ہے کہ محبت حجاب ہے اور حجاب کے ہوتے ہوئے وصول نہیں ہوتا تو شیخ اجل رضی اللہ عنہ فرماتے
ہیں کہ محبین محبت سے لذت حاصل کرنے کی وجہ سے محبت کے دائرہ سے نکلنے کی طاقت نہیں رکھتے پس وہ فراق میں رہتے ہیں۔
اور فراق آگ ہے لیکن اگر میں صرف اس پر اپنا شرر ڈال دوں تو اس آگ کو بجھا ڈالوں اور احباب کو محبوب تک پہنچا دوں پھر صرف
محبوب ہی باقی رہ جائے اور سلک سواد اللہ تعالیٰ کا ہو جائے اور یہ معنی آپ کے اس قول کے مناسب ہے جو غوثیہ میں ہے
"کہ محبت محبوب اور محب کے درمیان ایک حجاب ہے جب محب اپنی محبت سے فنا ہو جاتا ہے تو محبوب سے واصل ہو جاتا ہے"۔
اور اس معنی کی تفصیل یہ ہے کہ غیر سارے کا سارا حجاب ہے اور حجاب کثیف اور لطیف کی طرف منقسم ہوتا ہے۔ کثیف تو وہ ہے
جس کی مناسبت نفس اور خواہش سے ہو اور لطیف وہ ہے جو روح اور صفا سے مناسبت رکھتا ہو اور جو انہوں نے کہا ہے

کہ وجود سب سے بڑا گناہ ہے پہلی قسم سے ہے کیونکہ وجود کا منشا ذنبیت ہے جیسا کہ ثابت کیا گیا ہے اور علم توبہ کے بعد
دوسری قسم سے ہے کیونکہ علم ایک کمال اور اکمال کی صفت ہے۔ لیکن چونکہ کلی وصل فنائیت سے عبارت ہے جس میں
توجہ کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے سوا ہوگا وہ حجاب ہوگا اسی لئے شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنے بعض کلام میں
جس کا حاصل یہ ہے کہ توکل میں زحمت ہے اور شکر زحمت ہے اور صبر زحمت ہے اور اسی طرح کے تمام مقامات
نقص ہے کیونکہ یہ وصال حقیقی ہے اور یہی معنی جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا ہے جب کہ آپ سے سوال
کیا ہے تو آپ نے فرمایا فقر فقد (گم کرنا) ہے اور پہلے ابیات شریفہ کے تحت فقر اور فقد کا ذکر گزر چکا ہے

چوتھے بیت کا معنی :- اور اگر میں اپنا راز اور وہ تجلیات جو مجھے اس تحقق سے حاصل ہوا
صفات جمالیہ رحیمیہ سے ثابت ہے سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ (ترجمہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے) کے ساتھ
جس سے روح کلی طور پر الگ ہوچکا ہے اور جسمانی موت ہوچکی ہے یہاں تک کہ وہ ایک بے جان لاشہ ہے
میں ایک متحیر آدمی کہتا ہے "ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا" اور اطمینان کا طالب استفسار کرتا ہے کہ
کو کیسے زندہ کرتا ہے "تو اس کو کہا جاتا ہے کیا تو اس پر ایمان نہیں رکھتا؟" اور ہماری خبر پر کفایت نہیں کرتا
اور احیاء کے متعلق دی ہے تو وہ کہتا ہے "میں تیری خبر پر ایمان لاتا ہوں یقین رکھتا ہوں لیکن تاکہ میرا دل مطمئن ہو
میں یہ بات کہہ رہا ہوں تو وہ کہتا ہے "چار پرندے پکڑ لے" اور یہ قصہ قرآن مجید میں موجود ہے اور حاصل یہ ہے کہ
روح کا نکلنا اور اس کا بے جان ہوجانا یا مٹی یا راکھ ہوجانا یا جس میں معقول حیران ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے
ہونے کی سند کے طور پر یہ معاملہ انبیاء علیہم السلام کے معجزہ میں رکھا جیسے کہ عیسیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام
اور پھلبہری والے کو تندرست کرتے اور مردوں کو خدا کے حکم سے زندہ کرتے اور یہی کرامت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
نائبوں کے ہاتھ پر بھی ظاہر فرمائی یہی وجہ ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اس کرامت کا اظہار کیا یہ اشارہ ہے
جیسی کرامتیں جناب نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن تھامنے والوں سے بھی ظاہر ہوتی ہیں تو نبی الشیخ صلی اللہ علیہ وسلم کی
شان کا کیا کہنا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت دلوں کو محبت کی روح سے زندہ کرتے ہیں تو بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن
جاتا ہے۔ کہہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو اپنا محبوب بنالیں گے تو یہ بیت شریف
کے لحاظ سے اجساد کے حشر کے منکروں پر رد ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی پوری پوری قدرت دی ہے اور یہ پہلے کرامت بھی
واقع ہوچکا ہے یعنی انبیاء علیہم السلام سے تو اس امر کا انکار نہ کرو جس کے متعلق دو دعوے واقع ہوچکے ہیں تو یہ دلالت
کرنے والی خبر معائنہ سے قویہ ہے یہی وجہ ہے اللہ تعالیٰ نے اس آدمی پر ظاہر کر دیا جس نے کہا تھا "یا اس آدمی کی طرح جو
ایک بستی پر گزرا جو اپنی چھتوں پر گری ہوئی تھی" آخر آیت تک اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اگر آپ یہ سوال کریں کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے تجلی جلالی کو تو تین اشعار میں ذکر کیا اور تجلی جمالی کے متعلق صرف
ایک بیت کہا تو اس کی کیا وجہ ہے تو میں کہوں گا کہ جلال اور جمال دونوں آپس میں لازم ملزوم ہیں پس ہر جلال کو جمال ہے
اور ہر جمال جلال ہے جیسا کہ اس کی طرف پہلے اشارہ گزر چکا ہے۔ اور فرق ان میں صرف ملاحظہ اور تعلق اور ظہور کی وجہ سے ہے

اس پر کلام اشارہ کر رہا ہے کہ آپ خوارق قلبیہ وکثیرہ کے اظہار پر رضامند نہیں ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا اور جائز ہے کہ کہا جائے میت
اور اس کے قیام سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے۔ اور یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جو وجود تجلیات قہریہ کی وجہ سے محو ہو چکے
ہیں ان پر تجلیات رحمیہ ڈالی جائیں تو ہر ہلاک ہونے والی چیز اٹھ کر کھڑی ہو جائے۔ اور جائز ہے کہ اس صورت میں میت
اگر اس سے مراد نفع سے ہلاک ہونے والا ہو اور قیام سے مراد اس کا نفع مقصود کی طرف لوٹنا ہو تو اس صورت میں یہ خشک شدہ
دریاؤں اور کوٹے ہوئے پہاڑوں اور بجھی ہوئی آگ کو بھی شامل ہو گا تو یہ پہلو تقابیت گویا کہ تجلی رحمی کو شامل ہے ان کے لئے جن
پر تجلی قہری ہو چکی ہے اور یہ اس صورت میں ہے جب کہ میت سے مشہور معنی مراد لئے جائیں اور اگر اس سے مردہ دل مراد
لئے جائیں تو بیت کے معنی اس طرح ہوں گے اگر میں اپنا وہ جذبہ ڈالوں جو مجھے محض بافضال الالٰہیہ سے بغیر کسی سابقہ محنت
اور طلب کے حاصل ہوا ہے جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی مراد بیت کا تقاضا ہے یا میرا وہ جذبہ جو مجھے سلوک کے بعد
حاصل ہوا ہے جس کو آپ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظل میں اختیار کیا ہے کہ جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قدموں
کی تکلیف اور ورم اور خون نکلنے کے بعد کہا گیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے اور پچھلے گناہوں کی معافی کی خبر نہیں دی ہے
تو آپ نے فرمایا کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں اور اس کے ساتھ میں مردوں کو زندہ کرنے کا ارادہ کروں یعنی
ان دلوں کا جو سخت ہو چکے ہیں اور پتھروں کی طرح ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت تو ہر ایک دل حجابات کی موت کے بعد زندہ ہو
کر کھڑا ہو جائے اور اس طرح ہو جائے گویا کہ وہ مرا ہی نہیں تھا جیسے وہ سورج جو غروب ہو جاتا ہے پھر جب وہ چڑھے گا تو اسی
طرح چڑھے گا جیسا کہ پہلے تھا اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو گی اور یہ دل عام ہے کہ پہلے روشن اور صاف ہوں پھر سخت ہو جائیں
اور اس کے بعد مر جائیں یا پہلے ہی سے مرے ہوئے ہوں کہ ان کو ایمان اور یقین کی ہدایت ابتدا ہی سے نصیب نہ ہوئی ہو تو
اس صورت میں یہ اس مضمون کو شامل ہو گا جو دوسرے قصائد میں ہے کہ اگر میں اپنا راز فرعون اور نمرود اور ان جیسے دوسرے
لوگوں پر ڈالوں کیونکہ انہی کے دل تو مردہ ہیں اور ہر تقدیر کلام میں اشارہ ہے اقطاب و اولیاء کی قدس اسرارہم کو تنبیہ کی طرف
اور دو جہات سے پہلی تنبیہ تو ترقی کے متعلق راہنمائی کرنا ہے جب کہ ان کے احوال سلب ہو جائیں کہ تم اللہ کی رحمت سے
مایوس نہ ہو جاؤ۔ اور دوسری تنبیہ یہ ہے کہ آپ کی خدمت میں غیر مناسب طریقہ سے کبھی جرأت نہ کریں کیونکہ جب آپ
مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہیں تو ضروری ہے کہ آپ مارنے پر بھی قادر ہوں تو یہ اللہ تعالیٰ کے قول یحیی و یمیت کی طرف اشارہ
ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے بعض کلام میں وارد ہوا ہے میں زندہ بھی کرتا ہوں اور مارتا بھی ہوں اور اولیاء نے شیخ عبد القادر
جیلانی کی روح میں کہا ہے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور ان کے اس قول کے یہی معنی ہیں کہ حقیقت کے لحاظ سے شیخ
زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور چاندوں ابیات کا معنی جو میں نے بیان کیا ہے یہ مجمل ہے اور اس کی تفصیل اس کے سپرد کر
دی گئی ہے جس کو اخلاق الٰہی سے تخلق کی وجہ سے ذوق سلیم عطا ہوا ہے کیونکہ وہ شعر الشطح جو انس مرتبہ تکوینیہ کا باعث
بنا اگر انہیں بیان کیا جائے اور بیان کے بعد ان کے حقائق کے وجود سے پردہ دور کیا جائے اور ان کے حصول کے طریق
کو واضح کیا جائے تو کئی ایک مجلدات میں بھی یہ کلام سما نہ سکے لہٰذا ہمیں چاہیے کہ دوسرے فائدہ کی طرف رجوع کریں جو ذکر
کرنے کے زیادہ لائق ہے۔

Scanned by CamScanner

تبیین :۔ یقینی چیز ہے کہ یہ مرتبہ تکوین کا مرتبہ ہے اور سالک کو قدرت قاہرہ کا حصول اللہ عزوجل کے اوامر ونواہی کی پوری اطاعت اور طریق سلوک کی مزاولت کے بعد نصیب ہوتا ہے جو کہ مضوی علم ہے جس پر بعض خواص ہی مطلع ہوتے ہیں یہاں اس کی بنیادوں پر وہی مطلع ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں میں سے ہو جائے اور یہ جزئی طور پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ بعض دوسرے پہلے اور پچھلے اولیاء کو نصیب ہوا ہے اور کلی طور پر بھی جیسے کہ شیخ اجل کو نصیب ہوا ان خوارق سے شیخ کی خصوصیت کی وجہ آپ رضی اللہ عنہ کا اطراد کلی ہے اور کلی بھی اور قسم پر ہے بعض اولیاء کو تو ان کے ارادہ کے ساتھ قضا کے متعلق ہونے کی حیثیت سے ہوتا ہے کہ ان کو لوح محفوظ سے معلوم ہو جاتے ہیں کہ یہ امور فلاں آدمی کے ارادہ پر موقوف ہیں اگر وہ ارادہ کرے گا تو ہو جائے گا اور اگر نہ چاہے گا تو نہ ہوگا پھر وہ بعض امور میں چاہتا ہے تو ہو جاتا ہے اور بعض میں نہیں چاہتا تو وہ نہیں ہوتا اور شیخ اجل کے لئے وہ اس طرح ہے کہ تقدیر آپ کے قول کے تابع ہے یعنی جو بھی میرا محبوب کہے گا وہ میری تقدیر ہے جیسے کہ اس کی تقریر پہلے گذر چکی ہے اس کو یاد رکھو پس شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے ان چاروں ابیات میں اپنے اسی مرتبہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی عبارت شعریہ میں فرمایا میں نے خدا کے لئے خدا کی تقدیر سے جھگڑا کیا اور میرے لئے ایک روزن کھول گیا اس میں اس میں داخل ہو گیا اور یہ ایک بہت بڑا راز ہے اس میں کلام لمبا ہو جائے گا اس کا بیان یہ ہے کہ محب کی ہر چیز محبوب کی ملک ہوتی ہے محبت میں خادم اور مخدوم کا فرق نہیں ہوتا ہاں کمال عبدیت خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ صحو کلی میں ہے یہی وجہ ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ سے کوئی ایسا کلمہ صادر نہیں ہوا جس سے اتحاد معلوم ہوتا ہو کیونکہ یہ سکری مقولہ ہے اور شیخ اجل چونکہ صحو کلی میں ہیں لہٰذا صحوی ہیں اور اس کی بقا سے باقی ہیں سو آپ کا کلام اسی طرح ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے اپنے ملک میں سے جو چیز بھی وہ پسند کرنا چاہیں اس کے متعلق مختار بنا دیا تو آپ نے عبودیت کو اختیار کر لیا یہی وجہ ہے کہ کلمہ شہادت میں عبودیت کو مقدم کیا گیا میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے اور محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں یہی وجہ ہے کہ شیخ نے اپنی مناجات میں کہا جیسا کہ آپ سے شیخ سعدی شیرازی نے نقل کیا ہے "اے اللہ مجھے قیامت کے دن نابینا اٹھانا کہ میں نیکوں کے سامنے شرمندہ نہ ہوں" اور شیرازی کی عبارت میں جو آپ رضی اللہ عنہ سے نقل کی گئی ہے ایک معنی توجیہ بھی ہے جس پر وہی آدمی مطلع ہو سکتا ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے روشن کیا ہو اور وہ یہ ہے کہ آپ کے قول "نابینا" (اندھا) سے مراد غیر سے اندھا ہے یعنی یا اللہ مجھے غیر سے نابینا کر دے یعنی اے اللہ العلمین تو میرا اور میرے باپ دادا کا معبود ہے مجھے اپنے سوا کسی اور کی طرف نظر کرنے سے اندھا کر دے یہاں تک کہ میں تیرے سوا اور کسی کو نہ دیکھوں اور نیک لوگوں یعنی نبیوں اور صحابہ اور اولیاء تمام پر اللہ کا سلام ہو کے سامنے سرمساری نہ اٹھاؤں کیونکہ تیرے غیر کی طرف دیکھنے والا آنکھ سے اور تیری معرفت سے محجوب ہے اور محجوب جب اٹھے گا تو شرم اور ندامت میں ہوگا اس کو یاد رکھو۔ اب ہم اصل مقصود کی طرف رجوع کرتے ہیں مختصر یہ کہ بندہ بندہ ہی ہے خواہ وہ کتنی ترقی کر جائے اور یہ صحو کلی ہے جیسا کہ سید الطائفہ جنید بغدادی قدس سرہ کا حال تھا۔ پس کلی بنیاد ادب ہے یہی وجہ ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے قو کا کلمہ کہا ہے جو فرضیت پر دلالت کرتا ہے اور تکوین کے مرتبہ کی طرف اشارہ کیا جو آپ کو حاصل ہے اور صراحت سے اس کی نسبت اپنی طرف نہ کی اور پھر اس کو بھی اپنے قول "اللہ تعالیٰ کی قدرت" سے مکمل کیا۔ اے اللہ اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر جائیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما بیشک تو بخشنے اور رحم کرنے والا ہے

Scanned by CamScanner

پانچویں بیت کا معنی :۔ اور ہمارے زمانہ میں سے کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ اور وہ پہلے بھی نہیں تھا۔ کیونکہ وہ حادث زمانی ہے۔ "اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی۔ اور پھر جیسے تھا ویسا ہی ہو جائے گا۔ اور اب بھی ویسا ہی ہے۔ جیسے تھا۔ مہینے کے بعد مہینہ اور زمانے کے بعد زمانہ چلتا رہتا ہے۔ اور ختم ہوتا رہتا ہے یعنی رات سے دن پیدا ہو جاتا ہے اور دن سے رات نکل آتی ہے۔ بلکہ ایک ساعت کے بعد دوسری ساعت بھی پس لحظوں اور ساعتوں کے گزرنے سے دن بھی گذر جاتا ہے اور دنوں اور راتوں کے گزرنے سے مہینہ گذر جاتا ہے اور مہینے گزرنے سے زمانہ گذرتا ہے۔ مگر وہ میرے پاس آتی ہے اور جو اس میں مقدر کیا گیا ہے اس کی حکایت بیان کرتی ہے اور مستقبل کی خبریں دیتی ہے اور اس کی ہر آن جاری ہوتی ہے اور مجھے تفصیل علم بتاتی ہے اس طرح کہ مجھ سے اس کی کوئی چیز چھپی نہیں رہتی وہ الہام الٰہی سے مجھ پر ظاہر ہو جاتی ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی لشکری جو بادشاہ کی خدمت پر مقرر ہو آکر اطلاع دیتا ہے یا اس کی مثال ایسی ہے کہ بادشاہ اپنے نائب کی طرف اخبار دے کر کسی کو بھیجے اور وہ آکر اظہار کرے۔ کہ میں فلاں وقت میں ایسا ایسا کروں گا تم پر ضروری ہے کہ ان اوقات کی حفاظت کرو اور یہ اسرار بادشاہ اس ابلاغ میں ودیعت کرے اور یہ اسرار ایسے ہیں کہ ان پر ہر آدمی سہولت سے مطلع نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا جھگڑا بند کر دے اور ان چیزوں کی طرف توجہ کر جو حجابات کو زائل کریں اور مشاہدے کا باعث ہوں پس اہل ارشاد کے دروازے کو لازم پکڑ یہاں تک کہ تجھے ان رمزوں کی مراد معلوم ہو جائے۔ پھر جس نے اس کو اللہ ہادی کے علم کی طرف سپرد کیا تو اللہ بھلائی کا والی ہے۔ اور جس نے اس کا انکار کیا اور جھگڑے پر قائم رہا تو وہ غیر صالح خصلت پر ہے اور سخت جھگڑالو ہے اس کے لئے بعد کا جہنم کافی ہے اور بہت برا ٹھکانہ ہے۔

اگر آپ یہ کہیں کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے مہینے اور زمانے کا ذکر کیا ہے اور دن اور ساعت کا ذکر نہیں کیا؟ تو میں کہوں گا یہ دونوں ان دونوں کو بھی شامل ہیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا اگر آپ کہیں کہ آپ نے سرمد (ہمیشگی) کا ذکر کیوں نہ کر دیا کیونکہ انھوں نے زمانے کو ایک اندازے کی تقدیر سے تقسیم کیا ہے جس کو رات اور دن گھیرے ہوئے ہیں اور وہ ہر ایک معلوم ہیں۔ پھر مہینہ ہے اور وہ بھی تیس یا انتیس دن سے عبارت ہے جیسا کہ اس کا ذکر حدیث سے پہلے گذر چکا ہے اور وہ بھی معروف ہے اور دہر وہ ایک طویل زمانہ کا نام ہے لیکن اس کی ایک عرفی انتہا ہے وہ بھی سرمد کا مفہوم نہیں ادا کر سکتا۔ جس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کی کوئی انتہا نہیں ہے تو میں کہوں گا کہ یہ اہل سنت والجماعۃ کے اصول پر پورا نہیں اترتا بلکہ فلاسفہ کے اصول پر بھی جو جہان کے قدم کے قائل ہیں اور وہ باطل ہے۔ بلکہ میں کہوں گا کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ دہر پر اقتصار کر کے اور سرمد کو بیان کرنے

Scanned by CamScanner

سے چھوڑ دینے میں اس گمراہ جماعت پر رد کیا ہے۔ پس اس میں اشارہ ہے کہ جہان حادث ہے۔ اور حرکت کی طرف اس کی نسبت جیسا کہ حکماء کہتے ہیں۔ بالکل غلط محض ہے بلکہ جہان کا محدث وہ اللہ قادر مرید فعال ہی ہے چونکہ زمانہ بنفسہ خود بھی ختم ہونے والا ہے اور جو اس میں حوادث موجود ہوتے ہیں ان کی حکایت کرتا ہے تو خود اس کا حدوث بھی لازم آیا اور حادث الوہیت اور خالقیت کا مستحق نہیں ہو سکتا اور اس میں اس آدمی کا بھی رد ہے جو اس کے لئے موجب ہونا ثابت کرتا ہے کیونکہ حوادث میں سے پہلے کوئی چیز بھی نہیں تھی اور پھر یہ صادر ہوئے اور جو ایجاب کے ساتھ صادر ہو۔ وہ قدیم نہیں ہو سکتا اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ حدوث عالم کا مخالف جھگڑالو اور دجال ہے اسے جھگڑے کو بند کر دینا چاہیے۔ تاکہ وہ فوراً حال کے ساتھ لامحالہ کامیاب ہو سکے اور قیل وقال سے فارغ ہو جائے۔

اشارہ دقیقہ:۔ پھر معلوم ہونا چاہیے کہ آپ کے قول فانقصر عن الجدال تو جدال سے رک جاؤ میں کچھ باریک اشارات ہیں جن پر زکی عارف کے سوا کوئی مطلع نہیں ہو سکتا۔ پہلا اشارہ یہ ہے کہ نفس جدال (بحث مباحثہ) منع نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ان کے ساتھ احسن صورت سے بحث کرو"۔ اور اس جدال سے بہت بڑا ثواب اور علوم دینیہ کے مذاکرہ پر اچھا اجر ملتا ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک ساعت دینی علم کا مذاکرہ کرنا دنیا وما فیہا سے بہتر ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر صبح کی نماز تک علوم دینیہ کی تحقیق میں درست بات معلوم کرنے کے لئے مذاکرہ کرتے اور اس مذاکرہ کو سننے کے لئے علماء کی ایک بہت بڑی جماعت حاضر ہوتی یہاں تک کہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس جماعت میں سے ایک آدمی اپنا پیشاب روکنے کی وجہ سے مر گیا کیونکہ اسے سننے کی خواہش تھی یعنی اگر وہ مسجد سے باہر چلا جاتا تو اس سے سماع فوت ہو جاتا سبحان اللہ عز اسمہ یہ کاملین علماء کی شان تھی اور اب جہالت اور گمراہ اور جاہل لوگ عام ہو چکے ہیں وہ اپنے لئے علم باطنی کے کمال کا دعویٰ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طالب باطنی کو ظاہری علوم کی کوئی ضرورت نہیں ہے یہ صرف علماء کا وظیفہ ہے اور یہ علماء کو ان کے ظاہری علوم کو پڑھنے پڑھانے کی وجہ سے قصور باطنی کی طرف نسبت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ حرفوں کی سیاہی میں قیدی ہیں اور اس سے ان کا مقصد جہالت اور گمراہی کی ترویج ہوتا ہے جو انہوں نے اپنے لئے ایجاد کر رکھی ہیں اور اس میں رد ہے ان لوگوں کا جو ابلیسی راہ میں لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں یہ بدترین قوم ہے اور یہ لوگ

Scanned by CamScanner

جہنم کے طبقات حیران پھر رہے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ "میری امت پر ایک زمانہ ایسا آئے گا۔ کہ لوگ علماء سے ایسا بھاگیں گے جیسے گدھا شیر یا سانپ سے بھاگتا ہے"۔ سو اے میرے بھائیو! ضروری ہے کہ تم اس گمراہ اور گمراہ کرنے والے فرقہ سے بچو یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے سنت کے برخلاف جاہلیت کی فطرت میں بدعات پیدا کرلی ہیں یہ لوگ دین کے چور ہیں یہ اپنے پیٹوں میں آگ کھا رہے ہیں ان کو بعد کا جہنم کافی ہے اور بدترین ٹھکانہ ہے۔ اور اللہ ہی بھلائی کا مالک ہے۔ کیا آپ نے یہ نہیں سنا کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ جیسے علم باطنی میں تھے ویسے ہی ظاہری علم بھی پڑھایا کرتے تھے۔ جیسا کہ آپ کے قول درست العلم الخ کے تحت آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ بلا انقطاع میں اپنے مریدوں کو ہمیشہ علماء کی مجالست اور ذکر کی محافل میں حاضری کی وصیت فرماتے ہیں اور پھر جو شخص آپ کے طریقہ اور امر اور نہی سے پھر جاتے۔ وہ گمراہی کے گہرے کنوئیں میں گرا ہوا ہے اور جو آپ کے کلام کی خوبی کے چہرہ کو نہ دیکھے اس کی آنکھ آمد اور تندی سے بھینگی ہے۔

دوسرا اشارہ علوم باطنیہ میں بھی مذاکرہ کا ہے لیکن اس علم کے اہل کے ساتھ اور جو اس کا اہل نہ ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ بحث سے رک جائے کیونکہ وہ اس کے ادب سے واقف نہیں ہے ادب کی رعایت اس سے ممکن نہیں ہے اور ان کے نزدیک یہ رعایت فرض ہے اسی پر سعادت کے حصول اور شقاوت کے نزول کا وجوداً وعدماً دارومدار ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اولیاء اللہ میں سے ایک آدمی آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا یہ دونوں مذاکرہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ کلام بہت لمبا ہو گیا پھر وہ چلا گیا اور حاضرین اس میں سے کچھ بھی نہ سمجھ سکے تو انھوں نے شیخ اجل رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا تو شیخ نے جواب دیا وہ ایک باطنی مسئلہ کی تحقیق کررہا تھا اور اس کا کلام تھا اور مخاطب دوسرا تھا۔ اور اس تمام سے کنارہ میں ہو پھر تم کیسے سمجھ سکتے ہو۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ عجمی جب عربی لوگوں کی مجالس میں حاضر ہو جو ایک طویل مذاکرہ کر رہے ہوں تو وہ کوئی بھی نہ سمجھ سکے گا۔ بلکہ بسا اوقات ان کی زیادہ گفتگو سے خیال کرے گا۔ کہ وہ جھگڑ رہے ہیں تو ہر ایک کے لئے وہی آسان ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا یہ وہ معاملہ ہے کہ اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کو اشارہ ہو۔

تیسرا اشارہ یہ ہے کہ ضروری ہے کہ بڑوں کے ساتھ جھگڑا کرنے سے پرہیز کی جائے خصوصاً ایسے معاملہ میں جس میں عقل کو دخل نہ ہو مثلاً وہ خوارق جو معقولات رستہ لاہیہ کے طریقہ سے باہر ہیں وہ صرف کشف میں ان پر صرف وہی آدمی مطلع ہو سکتا ہے جس کے دل کا آئینہ ان کدورتوں سے صاف ہو چکا ہو جو ظلمت کا باعث ہیں۔ پس مومن مومن کا آئینہ ہے۔ کیونکہ

جس نے نہ چکھا اس نے نہ جانا۔
چوتھا اشارہ یہ ہے کہ ان خوارق میں جھگڑا کرنا جو عادت سے باہر ہیں یہ صرف ابوجہل کے تابعداروں کا کام ہے۔ وہ جو کچھ دیکھتا تھا وہ ان چیزوں کو دیکھتا تھا جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر دلالت کرتی ہیں۔ اور اس کے باوجود عناد اور جھگڑے کی وجہ سے اس کا انکار کرتا تھا تو یہی وہ شخص ہے جو اللہ کے بارے میں بغیر علم کے جھگڑا کرتا ہے پس بے شک وہ دور کی گمراہی میں گمراہ ہے۔ اور اس صورت میں جھگڑے سے مراد وہ جھگڑا ہے کہ جس کی کوئی دلیل عناد کے سوا جھگڑا کرنے والے کے پاس نہ ہو۔
اور پانچواں اشارہ یہ ہے کہ باطن کا طریق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے بعد صرف تسلیم اور سپردگی کلی پر بنی ہے پس ضروری ہے کہ کسی طریقہ سے بھی تردد نہ کرے۔ اور جو کچھ کہ طریقہ سے خارج دیکھے اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے کیونکہ وہی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ پھر وہ چیزیں کیسے سمجھ میں آسکتی ہیں جن کو وہ اپنے ملک و ملکوت سے ظاہر فرماتے کیونکہ وہ اپنے خزانوں میں سے ایک خاص اندازے کے مطابق ہی اتارتا ہے اور اس کے پاس ہر چیز کے بہت سے خزانے ہیں۔ جن کو صرف وہی جانتا ہے۔ تو سب سے بڑا کام سپردگی ہی ہے۔ ان چیزوں میں جو عقل سے دور ہیں اور باقی رہیں وہ چیزیں جو ظاہری شریعت کے طریقہ سے خارج ہیں۔ جیسے بڑے گناہ۔ تو ضروری ہے کہ عقیدہ رکھے کہ یہ اولیاء سے صادر نہیں ہو سکتے اور اگر اس طرح کی کوئی چیز اس کو معلوم ہو تو شرعی وجہ سے اس کو پوچھ لینا چاہیئے۔ اور اولیاء میں کبائر کے حق ہوتے عقیدہ نہ رکھے۔ یہ ایک بہت بڑا بہتان ہے جس کو جاہلوں نے اہل کمال کے حق میں افترا کیا ہے۔ باقی رہے بعض ملامتیہ تو وہ ظاہر میں ایسے اطوار اختیار کرتے ہیں۔ اور ان کے وجود کی حقیقت میں شریعت ہی ہوتی ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ تقضیب البان موصلی کو ایک عالم نے ترک نماز کے الزام میں پکڑا تو اس نے طور اختیار کیا۔ اور بہت سی صورتوں میں متصور ہو گیا۔ اور کہا کون سی صورت ہے جو نماز چھوڑتی ہے۔ تو صرف ظاہر ہی کو جانتا ہے۔ اور ہمارے لئے ایک اور عالم بھی ہے لیکن اس زمانہ میں تقضیب البان جیسے وجود کی حالت وہ گزر چکی جو گزر چکی۔ پس اب بگاڑ کا زمانہ ہے لوگ اپنے نفسوں کے لئے دعوی کرتے ہیں حالانکہ وہ اس سے کئی مراحل دور ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ اتباع محمدی صلے اللہ علیہ وسلم ہی سب کام ہے اور اس کے بعد سپردگی اور تسلیم ہے بس سمجھ۔ اور اے جاہلو اور ان کے تابعدارو غلطی نہ بنو۔ جو لوگ جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے۔ وہ برابر نہیں ہو سکتے

اور چھٹا اشارہ یہ ہے کہ علم دو قسم ہے ایک قسم تو ابن آدم کے لئے حجت ہے۔ اور وہ نافع علم ہے اور وہ وہی ہے جو کتاب و سنت کے موافق ہو پس علم مناظرہ وہ کہ جس میں دو جھگڑا کرنے والوں کی توجہ درست چیز کو ظاہر کرنے کے امر میں ہو نافع علم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم الاصول جو کہ منقول اور معقول کا جامع ہے تمام علوم سے اسرار کے لحاظ سے مشکل اور قدر کے لحاظ سے افضل شمار کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے مناظرہ کے مباحث کو بھی اصول کی کتابوں میں داخل کیا ہے تو بھلائی پوری بھلائی نافع علم میں ہے اور دوسری قسم ابن آدم پر حجت ہے اور وہ وہ جھگڑا ہے جو حق اور صواب کی طرف پہنچانے والا نہیں ہے۔ پہلا علم اکثر عمل پیدا کرتا ہے مگر جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ بدبخت رکھنا چاہیں۔ اور دوسرا علم کم ہی عمل پیدا کرتا ہے مگر جس کی سعادت اللہ تعالےٰ چاہے تو مومن کے لئے ضروری ہے کہ اپنے عقیدے اور اعمال اور احوال کو مجادلہ و مکابرہ اور مخالفین کے دلائل جو دلائل حقہ اہل دین کو توڑنے والے ہیں کے ملاخطہ کے شغل سے اپنے عقیدے کو صاف رکھے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قول میں اسی طرف اشارہ ہے کہ سب سے زیادہ خوفناک چیز جس سے میں اپنی امت پر ڈرتا ہوں وہ عالم ہے جو اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرے کیونکہ ایسے عالم کا پھسلنا دنیا کا پھسلنا ہے اور یہی وہ عالم ہے جو زبان کا جاننے والا ہے اور دل کا ہکلا ہے اور اپنے علم کے مطابق عمل کرنے والا عالم جب جانتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے تو ملکوت میں اسے عظیم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اس کی تنزیح اپنی کتاب جلاء الخاطر میں کی ہے یہی وجہ ہے کہ فقہا متکلم کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں جو کہ علم کلام میں داخل ہوتے ہیں۔ اور ہر طرح کے رطب و یابس دلائل میں چلے جاتے ہیں۔ اور عقیدے کی حفاظت کی پرواہ نہیں کرتے۔ بلکہ اس کی تمام نظر اور بڑی ہمت جھگڑا کرنا ہے بغیر اس کے کہ حق اور باطل کی طرف دیکھے پس یہ بدعتی۔ جھگڑالو دجال ہے اس کے پیچھے نماز کیسے صحیح ہو سکتی ہے۔ جس کا دارو مدار ظاہری اور باطنی طہارت پر ہے۔ نماز صرف ان ارکان کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو اس کی صورت ہے۔

اور اس کی حقیقت پوری صفائی ہے یہی وجہ ہے کہ اسے اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے جو صفائی پر بنائی گئی ہے اور اس بیان کا دامن بڑا لمبا ہے جس کے بیان کی یہ کتاب متحمل نہیں ہو سکتی اور شائد اللہ تعالےٰ مجھے اس کی کسی اور کتاب میں توفیق دے دیں اگر اللہ تعالےٰ کو منظور ہو۔ مختصر یہ کہ نقصان دینے والا علم حجاب اکبر ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ شیعہ اور معتزلی وغیرہ گمراہ فرقے اسی نقصان دینے والے علم سے ان کی گمراہی پیدا ہوئی ہے پھر وہ جہاں

جاگرے جاگرے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو محض اپنے فضل سے بچالے یا اپنے اولیاء کی توجہات سے جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ جب وعظ کے لئے بیٹھتے تو آپ کے پاس ستر ہزار جن اور انسان ان کے بیٹھے ہوتے اور ان آدمیوں میں منافق اور دجال اور رافضی بھی ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں وعظ کو مؤثر کرتا تو ہر فرقہ کے لوگ توجہ کرتے یہاں تک کہ چار سو رافضی آپ کے ہاتھ پر تائب ہوئے اور اسی لئے تو دیکھے گا کہ آپ کی کتاب عزیز جلاء الخاطر میں آپ کے اس قول سے ندا واقع ہوئی ہے اے دجال اے منافق اور آپ کے اس قول سے تم پر افسوس تم پر ہلاکت جو کہ مومن کے علاوہ دوسروں کے لائق ہیں یعنی آپ رضی اللہ عنہ وعظ میں ان افراد کو ان کی ہدایت کے اہتمام سے مخاطب کرتے اور جلاء الخاطر کی پوری کتاب جمعوں میں سے چند ایک جمعوں کا وعظ ہے جو کہ تین مہینوں رجب سے لے کر شوال تک تھے۔ جیسا کہ صحیح نقل سے ثابت ہے اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے وعظ کے وقت یہودی اور عیسائی اور راہب اور ان جیسے لوگ بھی تائب ہوئے۔ اللہ پاک ہے اللہ کی تعریف ہے جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اور صلوٰۃ اور سلام ہو ہمارے سرور محمد اور ان کی آل اور ان کے نائبوں سب پر۔

مناجات:۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر جائیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما اور ہمارے حجاب کے پہاڑوں پر اپنی معرفت کے اسرار ڈال دے یہاں تک کہ تو ہمارے تمام علوم کو جواہر کا سرمہ بنا دے۔ اور خواہش اور نفس دونوں اس طرح کوٹے جائیں۔ کہ ارادے کے ذرات میں سے ہر ذرہ حقائق کی فضا میں رقص کرنے لگے۔ اور ہمارے اختیارات کے دریاؤں پر تجلی فرما یہاں تک کہ وہ پوری عبودیت کی ریت میں گھرے ہو جائیں۔ اور اپنے جمال کے انوار کی روشنی خواہشات کی آگ پر ڈال۔ یہاں تک کہ وہ بجھ جائے۔ اور تیری محبت کی آگ کے شعلے ہمارے دلوں پر جلائی ہوئی آگ بن جائیں۔ اور ہمارے ان دلوں کو زندہ کر دے جو حجاب کی موت سے مغلوب ہو چکے ہیں۔ یہاں تک کہ گویا کہ وہ میت ہیں اور تو مردوں کو زندہ کرتا ہے اپنی ہدایت کے سورجوں کی روشنی سے ہمارے بھیدوں سے موت کے اندھیرے نکال دے اور ہر ساعت اور دن اور مہینے میں ہماری عمروں کو زیادہ کر دے۔ جو برکات و خیرات پر مشتمل ہوں۔ یہاں تک کہ تو مجھے لمبا زمانہ زندہ رکھے اور بغیر کسی کمزوری اور بیماری اور فقر و فاقہ کے ایک سو بیس سال تک پہنچا دے۔ اے وہ کہ جس نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور ابراہیم علیہ السلام پر آگ کو سلامتی والا ٹھنڈا کر دیا۔ اور دریاؤں کو جاری کیا۔ پھر ان کو

Scanned by CamScanner

گبراکر دیا اور زندہ کیا اور مارا پھر زندہ کیا اور مغلوب کیا اور ہنسایا پھر رلایا اور محبوب کی طرف راہنمائی کی اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی بلند اور بہت بلند رفیق ہے۔ اے اللہ مجھے علم اور عمل اور حال اور وصول اور قبول میں زیادہ کر دے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے تو غالب حکمت والا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ اپنی بہترین مخلوق محمد اور ان کی آل سب پر اور ہمارے غوث اور فریاد رس شیخ سید ابو محمد محی الدین جیلی حسنی اور حسینی پر رحمتیں نازل فرمائے۔ اے اللہ مجھے آپ کے طریقہ پر رکھ اور اے توفیق دینے والے اور درستی کا الہام کرنے والے اپنی توفیق سے مجھے ان کی خالص شراب سے مست کر دے۔

قصیدہ خمریہ شریفیہ مبارکہ حمیدہ کے سمندروں سے اٹھارویں موج

(۱۸) مُرِیْدُکَ بِخَمْرِ طِبْ وَاشْطَحْ وَغَنِّ ۔۔۔ وَافْعَلْ مَا تَشَاءُ فَالْاِسْمُ عَالِیْ !

المرید:۔ کسی چیز کو چاہنے والا ہیم اور ہیمان اور ہیوم عشق کی پریشانی اور عاشق ہونا اور ہائم اور مستہام پریشان الطیب اور الطیبہ اچھی خوشبو اور پاکی اور الطیب پاک وحلال اور خوشبو اور اچھا کھانا اور پاکیزہ بات اور مرد پاکیزہ اور انتہائی خوبصورت اور اس مقام میں مراد خوشی اور پاکیزگی ہے۔ جیسا کہ تو جلدی جان لے گا۔ اور الغنا فتح اور مد کے ساتھ فائدہ اور نفع اور مالدار ہونا اور ضمہ اور کسرہ کے ساتھ دولتمندی اور طاقت اور بے نیازی اور یہ لفظ امر کے صیغہ سے اسی سے لیا گیا ہے۔ جیسا کہ تو اس کی مراد کو معلوم کرے گا۔ اور غِنَا کسرہ اور مد کے ساتھ بمعنی گانا ہے۔ اور اس جگہ یہ مراد نہیں ہے۔ اور اگر اس کا لازمی معنی مراد لیا جائے۔ یعنی خوش اور فارغ البالی تو اس کی توجیہ ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ تجھے معلوم ہو جائے گا اور جان لے کہ وہ غَنِّ غِنَا سے ماخوذ ہے بمعنی بے نیازی و تونگری۔ صحاح میں کہا ہے۔ کہ غنّی اور تغنّی شد کے ساتھ کہا جاتا ہے الرجل جب کہ بے نیاز ہو جائے اور کہا جاتا ہے تغانوا یعنی ان کا بعض بعض سے بے نیاز ہو گیا پس باب تفعیل غنا سے ماخوذ ہے بمعنی تونگری و بے نیازی نہ کہ غِنا بمعنی سرود سے جیسا کہ عنقریب تو اس کی وجہ جان لے گا۔ اور فعل کسرہ اور فتح کے ساتھ کام اور کام کرنا اور مشیئت اور ارادہ کا معنی ہے چاہنا کہا گیا ہے کہ یہ دونوں مرادف لفظ ہیں اور کہا گیا ہے کہ ایک اعتبار سے فرق ہے اور تجھے جلدی معلوم ہو جائے گا۔ اور اسم کی تعریف اور معنی کو تم جان چکے ہو اور علو واد کی

شَد اور عین کے ضمہ اور عین کے کسرہ اور تخفیف کے ساتھ بلندی اور بلند ہونا اور کسی جگہ کا بلند ہونا اور بزرگی اور بزرگ دار ہونا اور غالب ہونا اور ہوا میں تیر چلاتا اور اس مقام کے مناسب سب معنی ہیں سوائے آخری معنی کے اور عالی صفت ہے۔ اور موالی اس کی جمع ہے۔ اور متعالی اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے بمعنی ہر نقص سے پاک اور جائز ہے کہ یہ معنی آپ کے قول فالاسم عال میں مراد ہوں اور اس کی تحقیق تو عنقریب معلوم کرے گا۔

صرف :۔ المرید اَرَادَ یُرِیدُ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اس کے معنی عنقریب تم کو معلوم ہو جائیں گے اور رِمْ کا صیغہ بکسر راء و سکون میم رام یریم سے امر ہے اور اسی طرح طِبْ طاب یطیب سے امر ہے اور اسی طرح وَاسْتَنْطِحْ شطح یشطح بروزن منع یمنع سے امر ہے۔ اور اسی طرح فُن تمنّٰی یتمنّٰی سے امر ہے مُتَرَّف بصرف کے وزن پر جیسے ثَنّ یُثَنّی تثنیۃ اور اور اکثر نسخوں میں آخر میں بغیر یاء کے ہے اور بعض نسخوں میں یاء کے ساتھ ہے۔ اور صحیح پہلا ہے۔ حذف کے وجوب کی وجہ سے اور افعَل فعَل یفعَل مفتوح العین سے امر ہے۔ تشابع مضارع مخاطب کا صیغہ ہے۔ شاع یشاع منع یمنع کے وزن پر۔

نحو :۔ مریدی مضاف و مضاف الیہ اور اضافت اختصاص کے لئے ہے۔ یعنی اے وہ طالب جسے میری ارادت سے اختصاص ہے۔ یعنی اس کو میری پوری ارادت حاصل ہو چکی ہے۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے ظاہری اور باطنی اختیارات کی باگ ڈور میرے علم کے سپرد کر دی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول کی طرح کی اضافت ہے کہ "میرے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ہے" اور اللہ کے اس قول کی طرح "بے شک اللہ تعالیٰ کے دوست ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے" اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح کہ "اللہ تعالیٰ سے اس کے عالم بندے ہی ڈرتے ہیں" اور جائز ہے کہ اضافت ادنیٰ ملابست کے لئے ہو یعنی وہ مرید جس کو کچھ نہ کچھ ارادت حاصل ہو چکی ہے یہ کہ برابر کی توجہ کی جائے۔ برابر ہے کہ اس میں خصوصیت کلیہ ہو یا نہ ہو۔ اور برابر ہے کہ حاضر باش ہو یا نہ ہو اور برابر کہ میری زندگی میں ہو یا میری موت کے بعد اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو بیان کیا گیا ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ و ارضاہ عنا سے پوچھا گیا۔ کہ آپ فرماتے ہیں کہ "میرے مرید کی اس اس طرح فضیلت ہے۔ آپ مرید سے کیا مراد لیتے ہیں"؟ تو آپ نے فرمایا وہ وہ

Scanned by CamScanner

شخص ہے جو فی الجملہ میری طرف توجہ کرے قیامت کے دن تک اور اسی معنی پر آپ رضی اللہ عنہ کے اس قول کو محمول کیا جائے گا۔ کہ اگر میرا مرید اچھا نہیں ہے تو میں اچھا ہوں " یعنی اگر وہ میری ارادت میں اور میرے اخلاق سے متصف ہونے میں اچھا نہیں ہے تو میں اچھا ہوں۔ میں نہ اچھے کو اچھا بنا دوں گا۔ کیونکہ دریا میں اگرچہ کوئی نجاستوں سے آلودہ اور گندگیوں سے لتھڑا ہوا کوئی داخل ہو تو وہ اس کو اس طرح پاک کر دیتا ہے کہ اس پر کسی طرح کی کوئی میل کچیل باقی نہیں رہتی اگرچہ وہ کلنے اور معالجہ کرنے کے لئے اعضا کو حرکت نہ دے کیونکہ اس کی موجوں کا تلاطم ہر نجاست کو دور کر دیتا ہے اور دریا بھی جیسے تھا اپنی طہارت پر باقی رہتا ہے۔ اور اسی پر آپ کے اس قول کو محمول کیا جائے گا کہ میں اس آدمی کا ضامن ہوں جس نے مجھ سے ارادت رکھی اگرچہ وہ غیر صالح خصلت پر ہو یعنی صرف اس کی مجھ سے ارادت کی وجہ سے میں اس سے خباثت اور گندگیوں کو محو کر دوں گا کیونکہ میری ملاقات ایسی ہے جیسے چیز کی دریا سے ملاقات اور دریا صرف نجس چیز کی ملاقات ہی سے گندگیوں اور میل کچیل کو دور کر دیتا ہے۔ اے اللہ ہمارے دلوں کو اپنے محبوب کی موجوں میں سے ایک موج کے ساتھ کینے تعلقات کی گندگیوں سے پاک کر دے اے قادر جو تیرے جمال کے انوار سے روکنے والے ہیں۔ پھر آپ کا قول مریدی منادٰی ہے اس سے صرف ندا وزن کی استقامت کے لئے حذف کیا گیا ہے اور اصل عبارت اس طرح ہے اے میرے مرید اور ایک اور توجیہ بھی ہے۔ جو عنقریب بلاغت میں آئے گی اور چاروں واؤیں عطف کے لئے ہیں اور ما کا کلمہ یا تو موصوفہ ہے اور وہ زیادہ فائدہ مند ہے یا موصولہ ہے اور وہ جائز ہے۔ اور پہلی صورت میں تقدیر اس طرح ہے اے وہ آدمی جو ارادت رکھتا ہے۔ کہ اور دوسری میں وہ چیز ہو تو چاہتا ہے اور آپ کے قول فالاسم میں فا یا تو علّیت کے لئے ہے اور وہ زیادہ لائق ہے اور یا شرط محذوف کا جواب ہے یعنی جب اس طرح ہو تو نام بلند ہے اور الاسم میں الف لام عہد کے لئے ہے یا مضاف الیہ سے عوض ہے۔ یعنی جب تو مرتبہ تکمیل میں ہو گیا تو تیرا نام بلند ہے اس پر مخلوقات میں سے کسی چیز کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ یا نبی امی کا نام۔ یا اللہ تعالٰی کا نام یا میرا وہ نام جس کے ساتھ تو نے وسیلہ پکڑا ہے بلند ہے وہ دین اور یقین کو بلندی اور عروج زیادہ عطا کرتا ہے جیسا کہ آپ نے اپنے کلام میں فرمایا کہ میرا نام اسم اعظم کی طرح ہے جس نے اس کے ساتھ وسیلہ پکڑا وہ کامیاب ہو گیا۔ اور اس کی حاجت پوری ہو گئی۔ اور آخری معنی کی تائید آپ کے قول مریدی سے ہوتی ہے۔ کہ

Scanned by CamScanner

آپ مرید کو اپنے نفس کی طرف یائے متکلم سے منسوب کیا ہے۔
اگر تو کہے کہ اسم کلمہ سے عبارت ہے اور وہ لفظ ہے جو مفرد معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اور لفظ ایک آواز ہے جو مخارج پر اعتماد کرتی ہے یا لفظ کی کیفیت ثابتہ پر تو پھر علوّ کے ساتھ کیسے موصوف ہو سکتا ہے؟ میں کہوں گا معاملہ اسی طرح جیسے تو نے ذکر کیا۔ لیکن اسم کی علوّ کے ساتھ صفت یا تو اس اعتبار سے ہے کہ وہ بلند معنی پر دال ہے۔ اور اسی لئے قرآن اور اللہ تعالےٰ کے اسماء اور نبی کے اسماء جیسے محمد و احمد صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔ اور یہ لفظ کے ساتھ معنی کے تعلق کی وجہ سے ہے۔ تو معنی کی تعظیم لفظ کی تعظیم میں اثر کرتی ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر کوئی آدمی کسی بڑے آدمی یا بادشاہ کے نام کی توہین کرتا ہے تو وہ اسے درد اور تعزیر کے ساتھ سزا دیتا ہے اور تعزیر لگاتا ہے۔ اور اسی لئے اللہ تعالےٰ کے ناموں میں سے کسی نام یا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے کسی نام کی توہین کرنے والے کو تعزیر لگائی جاتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اولیاء میں سے ایک آدمی اپنے ابتدائے وقت میں ہمیشہ مجلسوں میں شراب پینے والا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ مست تھا راستے میں جا رہا تھا اس کی نظر ایک کاغذ پر پڑی۔ جس پر اللہ تعالےٰ کا نام لکھا ہوا تھا۔ اس نے اس کو پکڑ لیا اور طرح طرح کی خوشبوؤں سے اس کی تعظیم کی۔ تو اللہ تعالےٰ نے اولیاء میں سے ایک کی طرف الہام کیا کہ اس آدمی نے میرے نام کی تعظیم کی ہے میں دنیا اور آخرت میں اس کو معزز بناؤں گا اور اس قصے کو بشر حافی قدس سرہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اللہ ہی بہتر جانے۔

قصہ مختصر یہ کہ اسم کی عظمت اس حیثیت سے ہے کہ وہ با عظمت ذات کا نام ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان ناصرالدین کا ایک فراش (اردلی) تھا۔ اس کا نام خواجہ احمد تھا۔ جب بھی بادشاہ اسے بلاتا تھا۔ اسی نام سے بلاتا تھا اور اس عادت پر کئی سال گذر چکے تھے۔ ایک دن اس نے اس کو صرف خواجہ کے نام سے پکارا۔ تو خادم پریشان ہو گیا۔ پھر ایک دن کے بعد اس کو اس کے پورے نام سے پکارا تو خادم نے آدھا نام لینے کی وجہ دریافت کی۔ تو بادشاہ نے کہا جب میں آدھا نام لیا اس وقت میں بے وضو تھا۔ اور میں نے عہد کر رکھا ہے۔ کہ میں آپ صلے اللہ علیہ وسلم کا نام بے وضو نہیں لوں گا۔ اور یا پھر یہ ہے۔ کہ اسم کی طرف علوّ کی نسبت مجاز ہے۔ کیونکہ لفظ اور معنی کے درمیان پوری مناسبت ہوتی ہے۔ جائز ہے کہ ایک دوسرے سے موصوف کیا جائے۔ کیا تو نہیں

دیکھنا کہ مفرد اور مرکب ہونا اصل میں الفاظ کے صفات میں سے ہے۔ اور مجازاً وتبعاً معنی اس سے موصوف ہو جاتا ہے۔ اور کلیت اور جزئیت اصل میں معانی کے اوصاف میں سے ہے۔ اور لفظ اس سے مجازاً وتبعاً موصوف ہوتا ہے۔ ان دونوں توجیہوں میں فرق کو سمجھ۔ اللہ ہی اپنے فضل سے بندوں کو الہام کرتا ہے۔

بلاغت:۔ آپ ندا کے طریقہ کو لائے جو طلب کا اعلان کرتا ہے یا تو کمال شفقت کی وجہ سے جیسا کہ آیات میں لقمان کے اپنے بیٹے کے حالات میں ہے۔ یا یعقوب علیہ السلام کے اپنے بیٹوں کو خطابات جیسا کہ قرآن عظیم میں ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ مقصود مرید کو غفلت سے بیدار کرنا ہو۔ یہاں تک کہ ان امور جزیہ سے مخاطبہ کی عظمت اس پر ظاہر ہو جائے جن سے تمام سلوک مستنبط ہے۔ اور اگر ندا کی توجیہ میں کہا جائے کہ اگرچہ وہ لفظ بعید یا متوسط سے ہو کہ مرید ناسوت کے میدان میں ہونے کی وجہ سے فی الجملہ شیخ اجل سے دور ہے جو افق اعلیٰ کی بساط کی چوٹیوں تک ترقی کئے ہوئے ہیں اور اس میں اشارا ہے مرید کے مرتبہ کے اپنی حیثیت سے نیچا ہونے کی طرف اور اپنی حیثیت سے شیخ کے مرتبہ کی بلندی کی طرف اور اسی سبب سے بندہ اپنے ذکر میں یا اللہ کہتا ہے اس حیثیت سے کہ بندے کی کمینگی اللہ تعالٰے کی عظمت کے ساتھ بندے کے بُعد کا سبب ہے۔

ایک باریک نکتہ:۔ کہ عبد (بندہ) کا عین اگر معرفت میں مقدم کیا جائے تو عبد ہو جاتا ہے اور اگر اس کا عین موخر کیا جائے تو بُعد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ عبد اور بعد کا مادہ ایک ہی ہے اور فرق عین کی تقدیم یا تاخیر کا ہے پھر جس کی عین (آنکھ) اس کے یقین کی جبین پر کھلی ہو تو وہ عبد (بندہ) ہے ورنہ وہ بُعد (دوری) ہے۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ساتھ اکثر احادیث ندا سے ہیں بلکہ اس کی تکرار سے یا تو شفقت کی وجہ سے یا اس لئے کہ پوری طرح حاضر ہو جائے کیونکہ خادم کو ندائے محذوف کے شرف سے حضور کل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مخاطبہ کا شرف پھر تکرار ان چیزوں سے ہیں کہ حضور پر اس کی زیادہ آمادگی ہو۔ یا نی ربا بندے کی طرف سے مولا کی طرف تو ندا اور تکرار یا تو شوق حاصل کرنے کے لئے ہے یا اس کے نام کی برکت سے اس کے میدان میں حضوری کی استعداد حاصل کرنے کے لئے ہے۔ جیسا کہ اس آدمی پر پوشیدہ نہیں ہے۔ جس کو غلام کے درمیان آداب کی معرفت میں کچھ بھی مہارت ہے اور ربّا کی طرف نسبت کرنے میں کئی رموز ہیں۔

Scanned by CamScanner

پہلی یہ ہے کہ ضروری ہے کہ اپنے شیخ کی ارادت میں اس طرح منفرد ہو کہ اس کی مراد میں کسی طرح کی شیوخ میں سے کسی فرد کے متعلق کوئی شرکت باقی نہ رہ جائے اور نہ مال ومرتبہ اور رسوخ کے ساتھ کوئی شرکت باقی رہے۔

اور دوسری رمز یہ ہے کہ مرید اور اس کے شیخ کے درمیان موانع میں سے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہ جائے اسی لئے شیخ اجل نے اپنی کتاب عزیز جلاء الخاطر میں فرمایا ہے۔ تُو کہتا ہے کہ تو میرا مرید ہے اور اپنے مال کو اپنے گھر میں چھپا کر رکھتا ہے۔ تاکہ اس کے ساتھ اوقات گذرین اور اس کو نہ کاٹنا۔ کیونکہ دنیوی اور دینی امور شیخ کی توجہ کے سپرد ہیں شیخ اور مرید کے درمیان ایک حجاب ہے اگرچہ یہ حجاب مرید کو شیخ کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے محبوب نہ ہو۔ لیکن فی الجملہ کسی چیز کا باقی رہنا حجاب ہے۔ اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔

اور تیسری رمز یہ ہے کہ اس میں شرم کرنے پر تنبیہ ہے۔ یعنی ضروری ہے کہ مرید شیخ اجل سے شرم کرے۔ اور ملاحظہ کرے کہ وہ شیخ کل پرہیز گار۔ محی الدین سے تعلق رکھتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ بے حیائی اور برے کاموں سے بچے۔ جن سے اس کے شیخ نے اجتناب کیا ہے تو ہائے افسوس اور ہائے واویلا ان لوگوں پر جو جناب شیخ اجل عبدالقادر رضی سے ارادت کے لائق ہیں۔ اور اس نے دین اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کو زندہ کیا تھا۔ پھر جو آدمی دین کی مخالفت کرے۔ اور بدعت کو اختیار کرے۔ اور دعویٰ کرے کہ ان کے مریدوں سے ہے۔ تو وہ مکابر اور مجادل ہے اس کا دعویٰ نہیں سنا جا سکتا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب بادشاہ کی لشکری کے لئے اسم ہو کہ وہ بادشاہ کے نام کی پٹی لگائے پھر اگر کسی لشکری کی پٹی پر بادشاہ کے دشمن کا نام لکھا ہو گا۔ تو بادشاہ کے ساتھ اس کی عقیدت کا دعویٰ کیسے صحیح تصور کر لیا جائے گا۔ اور یہ ان چیزوں میں سے ہے کہ جن میں دنیوی امور میں بھی کوئی غبار نہیں ہے۔ پھر امور شرعیہ میں کیا حال ہو گا۔ وہ کہ جن کے متعلق اللہ تعالٰے نے اپنے نبی محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کو شریعت کی محافظت کی رعایت میں فرمایا ہے یہ اگر تو علم آجانے کے بعد بھی ان کی خواہشوں کی پیروی کرے گا۔ تو تیرے لئے اللہ تعالٰے کی طرف سے نہ کوئی دوست ہو گا۔ اور نہ کوئی مددگار۔

Scanned by CamScanner

اے میرے بھائیو یہ زمانہ فتور کا زمانہ ہے۔ فقیروں میں جہالت پیدا ہو چکی ہے۔ اور علماء میں بے عملی۔ پس علاج پورا علاج اللہ تعالےٰ کے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں ہے جو کہ صحیح کتب سے اخذ کیا جائے۔ جو کتاب و سنت اور ان ائمہ کی فقہ سے تالیف کی گئی ہیں۔ جنھوں نے دین کے ستون کو قائم کیا۔ اور سید المرسلین اللہ تعالےٰ ان پر اور آپ کی آل اور آپ کے صحابہ اور آپ کے تمام نائبوں پر رحمت نازل فرمائے۔ کے طریقہ کی پیروی کی۔

اور چوتھی رمز اس نسبت میں" مومن مومن کا آئینہ ہے" کے تقاضے کے مطابق تعلیم اور ارشاد ہے۔ یعنی اے میرے مرید تو نے جب مجھ سے ارادت رکھی اور اپنے نفس کو تو نے میری طرف منسوب کیا۔ تو اس میں شک نہیں۔ کہ تو نے مجھ سے دینی اور اخلاقی کمالات حاصل کرنے کے لئے ربط قائم کیا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے مجھ کو ایک صاف آئینے کی طرح بنایا ہے۔ میرے اندر جلال اور جمال کے کمال کی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ تو اے سالک اگر تو ان کے حصول سے بیکار بیٹھا ہے۔ تو اپنے معاملے میں دیر نہ کر۔ کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دیر کرنے سے بچو۔ کہ معذرت میں دوڑ نہ لگانے اور نور اور انوار کے حاصل کرنے میں دیر کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ یہ آنکھوں والوں نصیحت ہے پھر جو چاہے پس نرمی کرے۔ کہ لطافت اور پاکیزگی انبیاء و اولیاء علیہم السلام ورحمۃ اللہ کی میراث ہے۔ اس لئے کہ میرا عہد ظالموں کو نہ پہنچے گا تو بھلائی اور پوری بھلائی آئینہ مجھے سامنے آتے ہیں ہے۔ کہ جو کچھ دیکھنے والوں کو بدن کی میل کچیل نظر آئے اس کے ازالہ اور دور کرنے میں کوشش کرے تاکہ اپنے لئے حدیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا معنی تلاش کرے"۔ میری مثال صاف آئینے کی سی ہے۔ دیکھنے والے کو وہی ظاہر ہو گا جس میں وہ ہے اور جو اس آئینے کے سامنے نہ آیا وہ بہت بڑے خسارہ میں رہا۔

اور پانچویں رمز یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے شیخ اجل کو مکمل فرمایا ہے اور تو اے مرید آپ کی ارادت سے سعادت مند ہوا ہے اللہ تعالےٰ نے تجھ کو بہت بڑا ملک بخشا ہے اور بہت بڑی نعمت عطا فرمائی ہے تو ضروری ہے کہ یہ نعمتِ کبریٰ اور نعمت اسنیٰ تقسیم کی جائے پھر آپ کے انوار سے اقتباس کیا جائے اور آپ کے اسرار

Scanned by CamScanner

حاصل کئے جائیں اور اس معنی کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد آپ کے ہمعصر شیوخ آپ کی ظاہری صحبت کی مفارقت میں حسرت کرتے تھے اور کہتے تھے افسوس شیخ عبدالقادر جیلانی کی صحبت وہ ایک جوان تھا کہ ہم دیکھا کرتے تھے جب ہم اس سے جدا ہو گئے تو ہمیں معلوم ہوا کہ ہم سے کیا چیز فوت ہو رہی ہے۔ سبحان اللہ یہ تو آپ کی ظاہری زندگی کی صحبت کی مفارقت میں ان بڑے شیوخ کا حال تھا۔ جو بلدۃ طیبہ کی طرف معمور صورت اور صفائی سے سیر کر چکے تھے پھر ان لوگوں کا کیا حال ہے جو آپ رضی اللہ عنہ سے ظاہری اور باطنی مفارقت رکھتے ہیں۔ پھر ان کے پاس سفر کی اونٹنی بھی کمزور اور بالوں والی ہے تو اے حق کو چاہنے والو اور دین کے طالبو آپ کے طریقہ کو غنیمت سمجھو یعنی شیخ اجل محی الدین کا طریقہ کہ آپ کا طریقہ یقین کے فتوحات اور نور اور تمکن کے خزانوں سے آباد و معمور ہے پس کوشش کرو کہ اس میں کوشش کرنا بہترین ساتھی ہے۔ اور احسن طریق ہے اور خالص شراب ہے اے ہمارے رب ہمیں آپ کی خالص شراب کے پیالوں سے ایک قطرہ پلا دے تاکہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لئے عید ہو جائے۔ بے شک تو دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔

اور چھٹی رمز یہ ہے کہ وہ اشارہ ہے شیخ کے اپنے مرید کی حفاظت کی طرف ہیمان اور اس کے اخوات کی طرف یعنی ہیمان ایک اجاڑ وادی ہے۔ اس میں آپ نے اپنی لطیف اولاد کو بسایا ہے۔ تو اس خطاب سے ان کی حفاظت کا ارادہ کیا کہ تم اے میرے مرید واسکے غبار کو دیکھنے سے بیقرار نہ ہو جاؤ اور اس پر آنسو بہا کر نہ روؤ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم سے ہر لحظہ اور ہر عمر میں میں تم سے ملا ہوا ہوں جب کہ آپ نے ایک اور قصیدہ میں فرمایا "میں ہر ظلم کے وقت اپنے مرید کی حفاظت کرنے والا ہوں اگرچہ وہ مشرق میں ہو اور میں مغرب میں ہوں میں اس کی فریاد کو پہنچتا ہوں جہاں بھی وہ کسی شہر میں ہو۔ مختصر یہ کہ محبت اور ہیمان کی وادی ایک بڑی وسیع وادی ہے اس کے کنارے گرد سے پٹے پڑے ہیں اور غفلت کی رات اندھیری ہے اور پاؤں ننگے ہیں اور سواری نہیں ہے اور یہ آپ رضی اللہ عنہ کی طرف سے شفقت ہے: اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد کو ایک اجاڑ وادی میں آباد کیا ہے۔ آپ کے اس قول تک کہ پس لوگوں کے دلوں کو ایسا کر کہ ان کی طرف جھکے آئیں" تو شیخ اجل رضی اللہ عنہ گویا فرما رہے ہیں اے میرے مریدو تم بیقرار نہ ہو اگرچہ تم ہیمان کی

وادی میں پریشان پھر رہے ہو لیکن میرے اللہ نے مجھ کو رفعت عطا فرمائی ہے میں اس سے مرید کی حفاظت کو پا لیتا ہوں اور مستفید کو ملاحظہ کرتا ہوں نہ اس پر دشمن غالب آسکتا ہے نہ شیطان گمراہی کا ارادہ کرنے والا اس کو بے چین کر سکتا ہے سو کیا مجھے ظلم پالے گا اور تم میرا ذخیرہ ہو + کیا میں دنیا میں ظلم کیا جاؤں گا اور تو میرا مددگار ہے پس چراگاہ کا محافظ اگر قادر ہو تو اس پر عار ہے۔ جب کہ میدان میں میرے اونٹ کی رسّی بھی ضائع ہو جائے۔

پھر یہ بھی ضروری ہے کہ تو جانے کہ آپ کا قول مریدی اس کا اصل مریدین جمع ہے جو یار کی طرف مضاف ہے لیکن یائے مشدّد کو مخفف کیا گیا ہے اور اس صورت میں جمع کے صیغے کو اختیار کرنے میں جو استغراق کے لئے مضاف کیا گیا ہے کئی ایک لطائف ہیں اس سے یہ بھی ہے کہ یہ حکم یعنی ہم سے آخر تک تمام مریدوں کو خطاب ہے خواہ وہ ارادت کی کسی منزل میں ہوں اگرچہ ان میں شمار ہی ہوں کیونکہ کھوٹی کو اچھی کے ساتھ جمع کرنا جبکہ ان کی قیمت ایک ہی ہو تو اس صورت میں کھوٹی چیز واپس نہیں کی جاسکتی۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول ایاک نعبد میں متکلم مع الغیر کا صیغہ اختیار کرنے میں بھی نکتہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ کاملین کی عبادت ردّ نہیں کی جاسکتی اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت بزرگ ہیں کہ ناقصین کی عبادت کو جو اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے ردّ کر دے تو کیا تو فقہی مسئلہ کی طرف نہیں دیکھتا اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کپڑوں کی گٹھڑی ایک ہی قیمت سے خرید لے بعض ان میں اچھے ہوں اور بعض ردّی ہوں تو خریدنے والے کو جائز نہیں ہے کہ اچھے لے لے اور ردّی واپس کر دے۔" پاک ہے وہ اللہ جس نے ایمانداروں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے کہ ان کے لئے جنت ہے؟" اور ایک لطیفہ یہ بھی ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ تمام مریدوں کے سر پر تربیت اور ارشاد کی حیثیت سے برابر توجہ فرما رہے ہیں آپ سورج ہیں اور یہ ستارے ہیں پس شیخ اجل بھی بہت اچھے ہیں اور مرید بھی بہت اچھے ہیں جو آپ کے دامن کو تھام رہے ہیں آپ کے لشکر میں داخل ہیں اور اگر اس کو اضافت پر محمول کیا جائے تو بیان ان مریدوں کیلئے مخصوص ہوگا جو اخلاقی مطابقت کے بعد جذبہ قومی اور ہیمان کے دروازے کی چوکھٹ تک پہنچ چکے ہیں تو ان کو اس دروازہ کے اندر داخل ہونے کا حکم دیا ہے جو کہ اس کا ارادہ کرتے تھے اور اس صورت میں جائز ہو گا کہ کہا جائے کہ لفظ مریدکا مضاف الیہ محذوف ہے یعنی میرے حال یا میرے مقام کا ارادہ کرنے والے اور یہ اس جماعت کے حق میں ہے۔ جو ان

ہیمان تک پہنچنے والوں سے زیادہ خاص ہیں۔
پھر اگر تو کہے کہ مریدی جمع ہو اور یاء کی طرف مضاف ہو تو پھر خطاب کو مفرد رکھنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے تو میں کہوں گا ہر فرد کے اعتبار سے جائز ہے۔ اور ندا میں جمع اور ہیمان اور اس کے اخوات کی تحصیل میں ہر مرید کو لانے میں ایک نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سخی آدمی فقیروں کی اکٹھی جماعت کو بلاتا ہے اور ہر ایک کو الگ الگ دیتا ہے اور یہ سب سے زیادہ پوری سخاوت ہے تاکہ مستحقین کی تقسیم میں جھگڑے کا امکان باقی نہ رہے اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ہر مرید کی تربیت شیخ اجل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علیحدہ علیحدہ منظور ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو بیان کیا گیا ہے کہ مریدین میں سے ہر ایک آدمی یہی خیال کرتا تھا کہ جتنی شفقت شیخ کو اس کے ساتھ ہے اتنی دوسرے کے ساتھ نہیں ہے اور یہ کمال فیض ہے یہ وہ ہے جس کی طرف مجھے اللہ نے شیخ اجل رضی اللہ عنہ دارضاہ عنا کے فضل سے مریدی کی بلاغت میں راہنمائی فرمائی ہے اب میں اس ساقی کے فضل سے جس کے مٹکے بھرے ہوئے ہیں۔ باقی کی بلاغت میں شروع ہوتا ہوں۔ پس جاننا چاہئیے کہ ہیمان کے امر میں جو کہ ذات کے لحاظ سے محبت کا ابتدائی مرتبہ ہے اور صفت کے لحاظ سے پوری محبت ہے کئی ایک رموز ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ مرید کے لئے ضروری ہے کہ پرہیزگار ہو۔ زاہد ہو۔ شریعت غرّا کی متابعت میں مبالغہ کرنے والا ہو اس جذبہ کے دروازہ تک پہنچنے والا ہو جو حقیقی شہودی وصالی ترقی کی طرف کھینچنے والا ہے پس اس کے اسباب میں سے پہلی چیز ہیمان ہے اور یہ متضمن ہے کہ وہ کبھی بیداری اور توبہ وغیرہ امور سے پیدا ہوتا ہے جو اس کمال میں لازم ہیں اور تُو نے احوال و مقامات کی تفصیل میں اس کو جان لیا ہے۔ اور دوسری رمز یہ ہے کہ بیداری اور اس کی مثل وہ چیزیں جن کا بیان پہلے گذر چکا ہے ہیمان کے مرتبہ کے مقدمات ہیں۔ طالب سالک کے لئے ان کی رعائت لازمی ہے اور تیسری رمز یہ ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی صحبت کی ملازمت ہر اس چیز کے لیے حاصل ہے جو ہیمان اور طیب اور شطح اور غناء کی تحصیل میں ضروری ہے۔

اور میرا خیال یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ہیجان کے رو سے مجملاً سلوک کی طرف اشارہ کر دیا ہے یعنی مقامات اور احوال
تو اتنے ہیں کہ اُن کی تعداد شمار نہیں کی جاسکتی۔ اور اگر تم اللہ کے کلمات کو شمار کرو، تو سمندر ختم ہو جائیں۔ اور اس کی وجہ
یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف وصول پر لانے حجابات کے قطع کرنے سے ہے جو بنی آدم کی طینت میں پڑے ہیں، اور وہ
بہت ہیں بلکہ ان کی ایک قسم کو بھی ضبط کرنا ممکن نہیں ہے مگر اجمالی صورت میں اور اس لئے اہل کمال نے کہا ہے سے میں سبزہ
کی طرح کئی دفعہ اگا ہوں۔ میں نے تین سو ستر قالب دیکھے ہیں۔ اور جامی نے کہا آپ کا بلند راز پاکیزہ ہو سے ہر کوئی ایک
ہی دفعہ مرتا ہے اور بیچارہ جامی کئی دفعہ مرا ہے۔ یعنی جب بھی کسی ردّی خلق سے نجات پاتا ہوں تو اس کے نیچے کوئی اور
ردّی ہوتا ہے اور یہ سب موت اور زندگی ہے اور اسی لئے شیخ اجلی رضی اللہ عنہ نے غوثیہ اور فتوح الغیب میں کہا
ہے "میں ایسی موت چاہتا ہوں جس کے بعد زندگی نہیں ہے" یعنی میں چاہتا ہوں کہ میرا نفس مرجائے اور اس کے حجابات
طرح اٹھ جائیں کہ کوئی چیز ان میں سے واپس نہ آئے۔ "اور میں ایسی زندگی چاہتا ہوں جس کے بعد موت نہ ہو" یعنی میں
میں چاہتا ہوں کہ میری روح اور نفس اس طرح ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جائیں کہ اس کے بعد ارادت سے مردہ نہ
اور چونکہ حجابات غیر مضبوط تھے تو ان کے اکھاڑنے کے لئے تجلیات الٰہیہ اور اس پر مبنی ہونے والے اشغال کی
تفصیل ضبط میں نہیں آسکتی تو پھر اجمال کی طرف ہی رجوع ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ ہم نے مقامات و احوال کو مجمل بیان
کیا جب کہ آپ کو پہلے معلوم ہو چکا ہے اور شیخ اجلی رضی اللہ عنہ نے ان سب کو چار میں مجمل طور پر بیان کیا ہے یعنی
ہیجان اور طیب اور شطح اور غنا میں اور تو انشاء اللہ تعالیٰ خدا کے فضل و کرم سے عنقریب ہر ایک کے معنی کی تفصیل
معلوم کرلے گا۔ پھر ہیجان کے امر میں جو کہ سلطان محبت کا ظہور ہے اشارہ ہے اس بات کی طرف جو مشہور ہے
کہ عشق اور محبت کا مرتبہ ایک ایسا امر ہے کہ جس کے حاصل کرنے میں اختیار نہیں ہے اور اس کی ترجمانی انہوں
نے اسطرح کی ہے کہ "عشق آوردنی نہیں ہے آمدنی ہے" تو یہ صرف نفس ہیجان اور عشق کی حیثیت سے ہے۔ اور
باقی رہا اختیاری امور سے مجاہدہ کہ جنکے استعمال کے بعد یہ مرتبہ ہوتا ہے تو وہ ضروری ہے اور اسی لیے کہا ہے کہ
جو عشق کا ارادہ کرے ضروری ہے کہ اسکا کوئی محبوب ہو اور اسکے جمال کی کتاب کا مطالعہ بھی ضروری ہے جو کنپٹیوں کی
سطور سے آراستہ ہو اور انکے علاوہ وہ امور جو زینت کے موجب ہیں۔ سلوک کی تحصیل میں بھی کہ متابعت محمدیہ
علی صاحبہ الصلوات اللہ تعالیٰ کے قول کے موافق ضروری ہے "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" کہ اگر تم
اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت رکھے گا۔" اور اس میں ایک اچھی تفصیل ہے۔ اس کا فی
طلب وہی ہے جو ہمیشہ جاگنے کا دوست ہو اور بھوکا رہنے سے بیمار ہو اور مجمل امر یہ ہے کہ قوت کا حذف کرنا اور اسباب کی
مزاولت جب کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ اس فعل کے وجود کے بعد اس پر مرتب ہو اور یہ وہ معاملہ ہے
جس کو بڑے بڑے متکلمین محققین نے تحقیق کہا ہے کہ چیزوں کا وجود اسباب پر مرتب ہونا ترتب عادی ہے۔ اور میرا خیال
یہ ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اس امر میں اسی صحیح عقیدہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اس معاملہ میں محبت اور دوسری
چیزوں میں کوئی فرق نہیں ہے فرق صرف غیر تحقیق پر مبنی ہے اسکو سمجھ۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ کہا جائے کہ مسبب کا حکم سبب

Scanned by CamScanner

کا حکم ہے تو اجلی رضی اللہ عنہ نے ان چاروں میں ان تمام چیزوں کا حکم دیا ہے جن کا ہیجان اور طیب اور شطح اور غنا کی تمیل میں ہونا ضروری ہے پس یہ کلام ان تمام ضروری چیزوں کی تحصیل پر مشتمل ہوگی جن سے مقامات و احوال کی انتہا و ابتدا میں چارہ نہیں ہے پس امر اور امر کی متضمن چیزوں کو سمجھ پھر ہیجان کے مطلوب کی صراحت کو چھوڑ دینے میں ایک لطیفہ ہے اور وہ یا تو تشبیح اور نہی اور اللہ عزوجل سے عموم کی طرف اشارہ ہے اور یا پھر تعیین کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مطلوب نہیں ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہی معبود، مقصود، مشہود اور موجود ہے۔ اس کے سوا گھر میں کوئی رہنے والا نہیں ہے۔ اور یہ سب سے پہلے ہے۔ کیونکہ ہیجان اور طیب اور شطح اور غنا اصطلاحاً کمالات الاہیہ کی طرف نسبت میں استعمال ہوتے ہیں اگرچہ شیخ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت میں استعمال کرتے ہیں بھی لغت کے لحاظ سے کوئی مانع نہیں ہے اور ان چاروں امروں کے ذکر کی ترتیب میں اشارہ ہے کہ مرتبہ تعلم اس طرح ہے کیونکہ ہیجان مقصود کی طرف ارادہ اور مقصد کا غلبہ ہے اس طرح کہ اکثر حالات و اوقات میں سالک کے لئے کوئی سکون اور آرام باقی نہ رہ جائے اور اس کو جنون اور مستی کی طرف منسوب کیا جائے اور طیبت اور سرور اضطراب کی حالت سے استقامت سے عبارت ہیں جو کہ ہیجان اور اس کی خوشی سے حاصل تھا اس طرح کہ سالک کو پوری طرح استقرار نصیب ہو جائے اور محبوب کے شہود سے قریب ہو جائے گویا کہ وہ باب مشاہدہ میں داخل ہونے کا اہل ہو چکا ہے اور شطح اس سے عبارت ہے کہ سالک کو استقرار نصیب ہو اور جو ملک عزیز کی طرف منسوب ہیں ان کو پانے اور دیکھنے کے قریب ہو جائے اور جو کچھ وہ املاک اور تصرفات پاتا ہے ان کو اپنے نفس کی طرف منسوب کرتا ہے اور کہتا ہے جس کا مولیٰ ہو اس کا سب کچھ ہے لیکن فی الجملہ وہ مستعار وجود کے بقاء کی وجہ سے اس عنایت کا متحمل نہیں ہو سکتا اور اس کمینے کی طرح ہو جاتا ہے جو بادشاہ پر مغرور ہو کہ بادشاہ اس کو مناصب اور اموال اور خلعات بخشے اور وہ اپنے حوصلے کے مطابق کہے کہ یہ میرا ہے کیونکہ بادشاہ نے یہ سب چیزیں اس کے آگے رکھی ہیں اور وہ میری ہیں اور اس کے نزدیک میرا مرتبہ ایسا ایسا ہے اور وہ ایسا وجود نا سور کی بقاء کے ساتھ کہتا ہے تو غالباً معزول کیا جاتا ہے یا تعزیر لگایا جاتا ہے یا سولی چڑھایا جاتا ہے یا پھر اللہ تعالیٰ اس کو قوت عطا کرتے ہیں تو اس کو اٹھانے اور برداشت کرنے کی طاقت حاصل کرتا ہے تو غنا ر مطلق کی طرف صعود کرتا ہے وہ اس سمندر کی طرح ہو جاتا ہے جس کا کنارہ نہ ہو اس کے تموج میں کوئی چیز مانع اور حجاب نہیں ہوتی چنانچہ وہ موجیں مارتا ہے اور موتی اور جواہر ساحلوں پر ڈالتا رہتا ہے اور سمندروں والے ان کو پکڑ لیتے ہیں اور صفائی اور جانوں کی قیمت لے کر تاجروں کے ہاں بیچ دیتے ہیں وہ جو کہ ارادت سے فنا ہو چکے ہیں ان گھروں میں کہ حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ بلند کئے جائیں اور یہ قدسی خرید و فروخت ہے جس کو ہر ایک کھیلنے والا نہیں جان سکتا کہ دنیا کی زندگی صرف ایک کھیل اور تماشہ ہے۔ پھر جو آدمی شہود کو چاہے اس کے لئے یہ شہود حقیقی اور وجود تحقیقی ضروری ہے لیکن لازمی ہے کہ جان لیا جائے کہ وہ موتی جو تمکین سمندر کی موجوں سے پھینکے جاتے ہیں یعنی شطح کے سمندر سے وہ قیمت اور صفائی اور مہنگائی میں عارفوں کے نزدیک ان موتیوں جیسے نہیں ہوتے جو بیٹھے

اور خوشگوار سمندر کی موجوں سے باہر آتے ہیں" ان دونوں میں ایک پردہ ہے وہ ایک دوسرے پر سرکشی نہیں کرتے" اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے اور اس بیان کے لئے ایک اور مقام ہے جس میں اللہ تعالٰے عزاسمہ کی توفیق سے اس کو بیان کروں گا۔ اور افعل کے لانے میں اس طرح رمز ہے کہ سالک ان چاروں امور کے حاصل ہو جانے کے بعد اللہ تعالٰے کے قول" کرتا ہے جو چاہتا ہے اور فیصلہ کرتا ہے جو چاہتا ہے" کے سایہ میں ہو جاتا ہے کیونکہ اس کی مشیت اور ارادہ اللہ تعالٰی کی مشیت اور ارادہ اظل ہو جاتا ہے جیسا کہ تو عنقریب انشاء اللہ تعالٰے جان لے گا اور ما کا لفظ لانے میں جو کہ عموم پر دلالت کرتا ہے اس طرف اشارہ ہے کہ سالک چاروں مراتب کے حاصل کرنے کے بعد اللہ تعالٰے کی قدرت سے رتبہ تکوین اور تمکین کے لئے تیار ہو جاتا ہے اور اسے ہر چیز کی ایجاد اور ہر چیز کے معدوم کرنے کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ جو ایجاد پر قدرت رکھتا ہے وہ اعدام پر بھی قدرت رکھتا ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالٰے نے اپنے نفس کی صفت میں زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے" کہا ہے اور آپ کا قول ما تشاء سوائے سابق قول کے اشارہ کے یہ اللہ تعالٰی کے اس قول کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے" اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ رب العالمین چاہے" پس اللہ تعالٰے بے حیائی کا حکم نہیں کرتے پھر جو اس کا اس میں نائب ہو وہ بھی حکم نہیں کرے گا پھر جس نے عموم کو ہر امر پر محمول کیا خواہ وہ شرعی ہو یا اس کے علاوہ وہ ملحد ہے زندیق ہے کیونکہ وہ نائب محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام کی ایسی تفسیر ہے جس کو نہ اللہ پسند کرتا ہے نہ اس کا رسول اور نہ اس کا نائب اور اس کہنے والے کے زندیق ہونے پر آپ کا یہ قول دلالت کرتا ہے مریدی یعنی وہ شخص جس کی میری طرف ارادت ثابت ہو چکی ہے پھر جس کی مراد شیخ اجلی طیب ہوں وہ کس طرح پلید چیز کو چاہے گا۔ کہ پاکیزہ چیزیں پاکیزہ لوگوں کے لئے ہیں اور پلید چیزیں پلید لوگوں کے لئے ہیں پھر جس نے نیکی کو برائی سے بدلا تو اس کو جہنم کافی ہے اور برا ٹھکانہ ہے اور اسم کے لانے میں کہ آپ نے اسمی یا اسم النبی یا اسم اللہ نہ کہا سوائے وزن کی درستی کے ایک اور بھی اچھی توجیہ ہے اور وہ اشارہ ہے کہ سامع کا نفس ہر ممکن چیز کی طرف چلا جائے جیسا کہ آئے گا اور اجمالاً گزر بھی چکا ہے اس کو یاد کر اور منتظر رہ اور آپ کے قول عالی میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسان جب مرتبہ ناسوت میں ہوتا ہے تو وہ سفلی ہے جیسا کہ اس کی طرف اللہ تعالٰے کے قول میں اشارہ ہے پھر ہم نے اس کو نچلوں سے نیچے لوٹا دیا" اور اللہ تعالٰے کے اس قول میں کہ" انسان خسارے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے" اور اس طرف کہ انسان جب فضائل اور مقام سے متحقق ہوتا ہے تو وہ بلند امور میں سے ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے جلد الخاطر میں کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ جو اپنے جسم ہی کو پہچانتا ہے وہ زمینی، پردہ دیکھنے والا ہے حالانکہ وہ سماوی اور عرشی ہے اور یہ سب چیزیں طریقہ بیضاء کے قاعدہ کے مطابق بقا باللہ اور شریعت غرّا کے طریقہ کے مطابق نفس کی فنا سے حاصل ہوتی ہیں۔ اے اللہ ہمیں اپنی محبت اور اپنی فکر عطا فرما اور اپنے فضل اور القاء سے ہمارے دلوں کو منور کر تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے تو پاک ہے۔

ہیمان کے متعلق اصطلاحی بیان

یہ تو مجھ کو معلوم ہو چکا ہے کہ لفظ ہم یام یہیم سے امر ہے اور مصدر ہوم اور ہیمان ہے اور یہ معنا سے نہیں ہے جیسا کہ اس آدمی نے سمجھا ہے جس نے عربیت کا شربت نہیں چکھا۔ ضروری ہے کہ تو حاضر

ہو یہاں تک کہ تیرے دل کے حلق میں ان شربتوں میں کوئی شربت گرایا جائے تاکہ تیرے اوہام اور تفرقات زائل زائل ہو جائیں۔ جان لینا چاہیے کہ ہیمان اہل باطن کی اصطلاح میں اس سے عبارت ہے کہ بندہ چلا جائے اور اس سے دور ہو جائے کہ اپنے حال کو عقل کے حکم کے مطابق ضبط کر سکے یا روک سکے اور اس کا سبب وہ امور ہیں جو حیرت یا تعجب کا باعث ہیں کیونکہ اس کی استعداد کے پیالے میں انوار و اسرار کی شراب ڈالی گئی ہے وہ ان کی حرارت کی شدت اور ان کے اطوار کے معائنہ سے اس طرح ہو جاتا ہے کہ اس کی عقل چلی جاتی ہے اور اس کی نگاہ دہشت زدہ ہو جاتی ہے جیسا کہ کمزور والا کہ جب اس پر اس کی آنکھوں کے سامنے سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی نظر کانپ جاتی ہے اور اس طرح ہو جاتا ہے گویا کہ استقامت سے شعاعوں کے خطوط پھٹ کر ٹیڑھے ہو گئے ہیں اور ان میں طمانیت کے بجائے کپکپاہٹ ہے اور یہ حال کا معاملہ ہے تاں اس میں شافی نہیں ہے وہ شفا جس سے طمانیت ہو کیونکہ خبر دیکھنے کی طرح نہیں ہے جس نے نہ چکھا نہ جانا لیکن ہیمان میں شرط لگائی جاتی ہے۔ کہ اس میں بے خودی اطوار میں عمیق اور تاخیر ہو ہمیشہ رہے اور لمبی مدت تک باقی رہے بخلاف دہشت کے کہ اس میں اس کی شرط نہیں لگائی جاتی پس ان دونوں میں عموم خصوص ہے کیونکہ ہر ہیمان دہشت ہے اور اس کا عکس نہیں کیونکہ کبھی دہشت جلدی سے زائل ہو جاتا ہے اور یہ دونوں ان وادیوں میں سے ہیں کہ طالب ان میں چلتا ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے عبور کر جاتا ہے اور جو اپنی سیر کے سلوک کی اثناء میں ان جنگلوں کے قطع کرنے سے کترا جائے وہ وصول سے خسارے میں ہے اور اس لئے تو اہل نقص کو دیکھتا ہے کہ وہ پریشان پھرتے ہیں کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ کس وادی میں حیران پھرتے ہیں پس ہیمان تین درجات پر ہے۔

پہلا درجہ وہ حیرت ہے جو اس کے صاحب کو اللہ تعالیٰ کے لطف کی تجلیوں میں سے پہلی تجلی کے وارد سے اس کے وصول کی امر میں حاصل ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کمالات کے آسمان میں کڑک اور بجلی ہے جو سالک کی آنکھوں کو اچک لے جاتی ہے جب بھی اس کے لئے روشنی کرتی ہے اس میں چلتا ہے اور جب قبض کا اندھیرا ہو جاتا ہے تو کہتا ہے اگر اللہ عزاسمہ چاہتے تو میرے حال کے صفحہ کو اپنی تجلی سے منور کرتے پھر جب اللہ تعالیٰ اس حیرت کی وادی میں پریشان ہونے والے سالک کی تکمیل کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے عروج کی جہت اس طرح روشن ہو جاتی ہے کہ وہ اس اس کے علو اور صعود کو جانتا ہے اور حق کی جہت کی لطافت اور بشریت اور ناسوتیت کی جہت کی سفلیت اس پر ظاہر ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی پوری لطافت پر اور اپنے نفس کی پوری خساست پر مطلع ہوتا ہے تو جانتا ہے کہ رب الارباب کے مقابلہ میں مٹی کی کیا حیثیت ہے پھر وہ شرم کرتا ہے اور حیران رہ جاتا ہے۔

اور دوسرا درجہ امواج تحقیقیہ کے امواج کے تلاطم میں ہیمان ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے افضال کی پیراہن کا ظہور اس کی مخلوقات میں سے کسی کے سابقہ استحقاق کے بغیر اس کی بندوں کے حق میں رحمت و سخاوت کے تقاضے کے مطابق ہوتا ہے پس جان لینا ہے کہ اس کے فعل اور اس کی سخاوت میں اس کو کوئی غرض نہیں ہے بلکہ یہ ظاہری اور باطنی سخاوت اس کی ذات و صفات کا تقاضا ہے کہ اس سے افضال ظاہر ہوتے ہیں پھر وہ بلند ہوتا ہے اور اوپر کی طرف ترقی کرتا ہے۔

اور تیسرا درجہ سلطان ازل کے قہر اور غلبہ اور غرق کے معائنہ کی بقا اور شہود ذات کے سمندروں میں وجود مٹ جانے کے نشانات کا فنا ہو جانا ہے۔ اور چونکہ کبھی احوال میں صاحب ہیمان سے غفلت صادر ہو جاتی ہے یا تو کسی خارجی میں بندے کے وارد ہونے سے یا اندر سے کسی حجاب کے پیدا ہو جانے سے یا تو کسی مشتبہ کھانے یا مخلوط لباس پہن لینے کی حیثیت ظلمت کے سے یا پھر اس کمال، وصال کو واجب کرنے والی دولت کو نہ سمیٹنے سے تو اس سے مختلف حرکات و سکنات صادر ہوتی ہیں جو سالکین کی عادت سے خارج ہیں۔ شیخ اجل نے اپنے مرید سے کہا ہے۔ اے مرید تم اور غفلت اور دید کرنے میں نہ پڑ اور اس وادی میں ہلاک ہونے سے نہ ڈر کہ میں تیری حفاظت کرنے والا ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے احوال کی مہاروں کا مالک اور سچے سالکوں کیلئے وادی قطع کرنے میں ممد بنایا ہے تو خوف نہ کر تو نجات پا جائیگا بلکہ تو فاسق تو تم نجات پا گیا یعنی ردی اخلاق اور رذیل خصلتوں سے اور خدا تعالیٰ کے احسان و کرم سے معافی کے چہروں سے پردہ ہٹانے کی تحریر میں عنقریب آئے گا۔ پھر چونکہ دہشت ہیمان کا مقدمہ ہے اس لیے اس کو شیخ اجل نے ذکر نہیں کیا۔ بلکہ ہیمان کا ذکر کر دیا جو کہ دوام کے لحاظ سے زیادہ ثابت ہے بخلاف دہشت کے کہ وہ زوال میں جلدی کرتا ہے اور اگر تو کہے کہ آپ نے ہیمان سے عام کا ارادہ کیا ہے پس وہ دہشت کو بھی مشتمل ہے تو اس کے لئے بھی ایک اچھی توجیہ ہو سکتی ہے پھر دہشت کے بھی انہوں نے تین درجے ذکر کئے ہیں۔ پہلا درجہ مرید کی وہ دہشت ہے جب کہ حال اس کے علم پر اور شوق اس کی طاقت پر حملہ کرتے ہیں اور دوسرا درجہ سالک کی وہ دہشت ہے جب کہ جمع سالک کے نشانات پر حملہ کرتا ہے اور اس کی روح پر اللہ تعالیٰ کی بقا اور اس کا مشاہدہ جو ازل میں پہلے گزر چکا ہے اس کا شہود حملہ کرتا ہے۔ اور تیسرا درجہ وہ ہے جب کہ شوق کی خبر پر عیان کے شوق اور نور قرب اور اتصال کا حملہ ہوتا ہے لیکن دہشت میں یہ حملے کبھی جلدی سے زائل ہو جاتے ہیں بخلاف ہیمان کے اس کو یاد رکھ پس شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اللہ کے لئے اس کی خوبی ہے کہ انہوں نے تمام وادیوں کو ہیمان میں اس کے ثبوت و دوام کی وجہ سے لپیٹ دیا ہے تو ہر وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے ہیمان سے شرف فرمایا ہے اس کا قدم اس کے لوازمات میں بھی راسخ ہے کیونکہ ملزوم کا دوام ان لوازم کے دوام کو مستلزم ہے جو اس کے مساوی ہیں پھر چونکہ ہیمان میں سالک کے حیرت اور تلاطم اور ان حملوں سے رسوم کے مٹ جانے کی وجہ سے اضطراب کے باعث زوال کا خوف باقی تھا کیونکہ قوت بشری اگرچہ بلندی کی طرف حرکت تو یہ کہ باعث طاقتور ہو چکی ہو اور انوار و اسرار سے صاف اور مصفّٰی بن چکی ہو لیکن اس کی حرکت طبعی اسفل السافلین کی طرف سے خطرہ اور ڈر باقی ہے کیونکہ ہر چیز اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے اسی لئے نماز اور روزے اور ان کے علاوہ دوسرے فرائض بار بار دنوں اور سالوں میں فرض کئے گئے ہیں تا کہ وہ ایمان مضبوط ہو جائے جو نچلے کے لئے بلندی کی طرف قرب کی حرکت ہے اور یہی حال مجاہدات میں ہے جو طریقت میں لازم ہیں ورنہ اور یقین جو ایک دفعہ حاصل ہوئے۔ وہی ایمان کے تحقق میں کافی تھے بلکہ پہلا اقرار اور یقین ہی کافی تھا جو شریعت میں مقرر ہے ایک دفعہ اقرار کر لے اور یقین کر لے وہ کفر اور کافروں کے ظلمات سے نکل گیا اور اس کا مال اور خون محفوظ ہو گیا مختصر یہ کہ وہ نچلا پن جو بشریت کا تقاضا ہے وہ ثابت ہے اور تاکید کا تقاضا کرتا ہے اور یہ یا تو استقرار سے متعلق

Scanned by CamScanner

ہوتا ہے یا بغیر کلی استکمال اور بلندی کی طرف ترقی کرنے سے تو شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے مرید کو متنبہ فرمایا ہے کہ تیرے لئے ضروری ہے کہ تو ہیمان میں ثابت قدم رہے اور طیبت کی طرف ترقی کرے جو کہ ہیمان سے حاصل ہونے والی چیز پر اطمینان کا ظہور ہے یعنی کمالات کے شہود کی طرف جیسا کہ تو اس کے معانی اور درجات کے تحت معلوم کر چکا ہے تو کہا اور خوش ہو اے مرید اور سکون حاصل کر اور بیقرار نہ ہو۔

ہدایت طیبت اور رعایت سرور :- تو جان چکا ہے کہ طِبْ کا صیغہ طاب یطیب طیبا طیبۃ بمعنی سرور و خوشی سے امر ہے جو کہ وہ دونوں قوم کی اصطلاحات سے ہیں لیکن شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو طیبت کے لفظ سے تعبیر فرمایا یہ اشارہ ہے کہ سالک اس حالت میں گویا کہ اذائل کی ملاوٹ سے فارغ اور پاک ہو گیا تو اس کا منشا اس کا اس کا سرور اور اس کی خوشی ہے اور یہ وہی طیبت ہے جو پاکیزہ ہونے کے معنی میں ہے اور اگر خوش ہونے کے معنی میں آئے تو بھی صحیح ہے اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس کا ایک اور لفظ بھی ہے اور اصطلاح سرور اور فرح پر مقصود نہیں ہے اور ایک ہی باب کے وزن کی طرف ان کا موافق ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے اور اس میں وزن شعر کی استقامت بھی ملحوظ ہے اور اس کی طرف آپ نے بہت سے شعروں میں اشارہ کیا ہے اور پھر قرآن میں فرح کا لفظ ہے۔ کہو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے پس چاہیے کہ خوش ہوں"۔ مختصر یہ کہ فرح اور سرور اور طیبت سے وہ حیات مراد ہے جو سب کی جامع ہے اور وہ جامع بشارت اور خوشی ہے جو بندے کے ظاہر اور باطن کو بغیر کسی اضطراب اور غم کے شائبہ کے شامل ہے بلکہ اس کا حل ایک وسیع برتن کی طرح ہو جاتا ہے جو کہ اس میں تھوڑی ہوئی چیزوں کو محفوظ کر لیتا ہے اور یہ کہ ہنڈیا کو اسباب عشق کی بہت سی لکڑیوں کو اس آگ سے جلانے کے ساتھ جو دلوں پر چڑھ آتی ہے جوش دلوایا جائے تو اس کا جوش اور تموج اس کے حوصلہ کی وسعت کے مطابق ہو گا جیسا کہ سالکوں میں سے یہ کسی پر بھی مخفی نہیں ہے پیران کے بعض نے فرح اور سرور میں فرق کیا ہے جن کو طیبت سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ فرح میں کبھی غم کی ملاوٹ بھی ہوتی ہے برخلاف سرور کے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اخروی نعمتوں کے بیان میں فرمایا ہے "تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس دن کی برائی سے بچایا اور ان کو تازگی اور سرور سے ملا دیا"۔ اور ایک اور میں ہے "اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف مسرور ہو کر پھرے گا۔ اور فرح کو اپنے اس قول میں "تو خوش نہ ہو اللہ تعالیٰ خوش ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ صحیح ترادف ہے خصوصاً اصطلاح میں اور اس کی طرف آپ کے قول ہم پر آپ کے قول طب کا اضافہ اشارہ کر رہا ہے کیونکہ وہ اطمینان کی طرف ترقی ہے تو اس میں کسی طرح بھی غم نہیں مل سکتے اور مختصر یہ کہ طیبت کے تین درجے ہیں پہلا درجہ تین غموں کے چلے جانے پر خوشی کا ہے ایک غم تو وہ ہے جس کا باعث انقطاع کا غم ہے اور ایک غم وہ ہے جسے جہالت کی ظلمت اور معارف الالہیہ کا عدم احاطہ بری حیرت کی حیثیت سے پیدا کرتا ہے یعنی وہ کہ جسے عدم معرفت کا نام دیا جاتا ہے اور ایک وہ غم ہے جو تفرق اور عدم جمعیت کی وحشت اور پہلے زمانے میں یا اس زمانہ میں کہ جس کو اس کے جلال کی سطوت نے مغلوب کیا ہے اور اس جناب قدس کے اس کی عدم لیاقت کی حیثیت

سے اس کو محض ایک چھلکا بنا دیا ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے توجہ اور انس کے اٹھ جانے سے پیدا ہوتا ہے۔ اور دوسرا درجہ شہود کا سرور ہے جو کہ غیب کے حجاب کھلنے اور تکلیف کی مشقت چلے جانے سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس حالت میں اس سے محنت اور کلفت اٹھ جاتی ہے جو کہ عبادت کے حکم سے اس پر وارد تھی جو کہ وہ فرائض اور نوافل سے کرتا تھا پس اس وقت وہ ان اختیارات سے صاف ہو جاتا ہے جن کو وہ اپنے نفس کی طرف ارادہ ناسوتیہ سے منسوب کرتا تھا کیونکہ وہ صرف اللہ قادر مختار ہی کے وجود و اختیار کو دیکھتا ہے اور جب آدمی کے لئے کوئی اختیار نہ رہ گیا تو بندہ اس کی حضوری کے میدان میں ذلیل ہو گیا پس اس کے اپنے نفس کی قوت باقی نہیں رہتی پس وہ اللہ کی قوت سے قوت اور اللہ کی قدرت سے قدرت حاصل کرتا ہے پھر اس سے وہی صادر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہے اور اس کے شیطان کے پگھل جانے کے بعد وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے کہتا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ پھر اس پر صادق آتا ہے "اور نہیں چاہتے تم مگر جو اللہ رب العالمین چاہے" لیکن اس میں بھی اس کا بقیہ علم ہوتا ہے اور وہ وجود کا خیال اس طرح کہ اس کو معلوم بھی نہیں ہوتا پس اس کا علاج شطح کے ظہور اور اس کے اظہار سے شرم میں ہے یہاں تک کہ وہ وجود اُدھلا پگھل جائے جب کہ عنقریب آئے گا۔

اور تیسرا درجہ قبولیت کے سماع کا سرور ہے یعنی شہود میں فنا کے دوامی کا قبول ہونا یہاں تک کہ وہ پہلے علم سے فارغ ہو جاتا ہے اور خالص روح باقی رہ جاتا ہے پھر وہ ایسے جمال کا مشاہدہ کرتا ہے قیاس نہیں کیا جا سکتا اور اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کے قول "کہہ روح میرے رب کے حکم سے ہے" کا معنی سمجھ لیتا ہے پھر تمام غیر دل اور آنکھوں سے فنا ہو جاتے ہیں پھر صرف روح اور اسرار باقی رہ جاتے ہیں پس سارا دین اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اور یہ سالک کی تمام صفات کے فنا کا مرتبہ ہے پھر اس کے سامنے رب ہنستا ہوا جلوہ گر ہوتا ہے لیکن مرتبہ ارواح میں اور اس کے بعد تحقیق کا مرتبہ ہے جو اللہ اس کے بعد اس کو عطا فرمائے گا "اور تیرے رب کا رزق بہتر اور باقی رہنے والا ہے اسی نے ہنسایا اور رلایا" وہ صرف وحی ہے جو وحی کی جاتی ہے "اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا۔ اس اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو رفیق اعلیٰ ہے اور چونکہ طبیعت کے مرتبہ میں ہر طرح سے حال کی صفائی اور وبال کا چلا جانا ہے یہاں تک کہ سالک کو اس میں اللہ تعالیٰ کے خزائن کی اطلاع اسرار و انوار کی حیثیت سے حاصل ہو جاتی ہے تو پھر وہ الٹا طبعی سفل کی طرف گر پڑتا ہے اور اس کمینے کی طرح کہتا ہے جو کہ طاقت سے بڑھ کر مال پالے کہ میرے پاس ایسے ایسے خزانے ہیں وہ اپنی خصلت کے نور اور طبیعت کے ظہور کے کمال سے کہتا ہے "میں خدا ہوں اور میرے جبہ میں اس کے سوا اور کوئی نہیں" اور میں پاک ہوں میری شان کتنی بلند ہے پھر کہا جاتا ہے تیرا نام کیا ہے تیرا باپ کون ہے ایسا نہ کہو اللہ تعالیٰ جہانوں سے بے نیاز ہے پھر اس کو غنا حاصل ہوتی ہے پس شیخ اجل نے طبیعت کے حصول کے بعد اپنے مرید سے فرمایا ہے اے مرید شطح کہ میں تیرا نگران ہوں تجھ پر قادر ہوں تیرے شطحیات شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ کے طریقہ کے مطابق ہوں گے کیوں کہ تو میرا مرید ہے یعنی اس کا مرید ہے جس نے دین کو زندہ کیا اور اپنے گھوڑے کی لگام شریعت سے خارج راہ کی طرف ڈھیلی نہ چھوڑ پس شطح کر اور اپنے اسرار ظاہر کر تجھ سے عدم ظہور

Scanned by CamScanner

ہمیشہ رہے گا۔ مگر بقدر قلیل اور مقدور اندازے کے مطابق۔

ترخیصِ شطح فی حفظِ سطح :۔ پہلے بیان سے تجھے معلوم ہوچکا ہے کہ اشطح شطح یشطح بروزن منع یمنع شطحاً سے امر کا صیغہ ہے اور شطح کے دو معنی ہیں لغوی اور اصطلاحی اور اس کے لغوی معانی متعدد ہیں ان میں سے بعض اس مقام میں اصطلاحی سے مناسبت قریبہ رکھتے ہیں اور بعض مناسبت بعیدہ اور بعض بالکل مناسبت نہیں رکھتے تو ضروری ہے کہ اصطلاحی کو مقدم کیا جائے تاکہ وہ مناسبت کے لئے معیار ہو اور اس لئے بھی کہ اہتمام تو اصطلاح ہی کا ہے جیساکہ اس کے دوسرے بھائیوں ہیمان اور طیبت اور فنا کا تقاضا ہے اور پھر اس کے معنی میں اہل اصطلاح کے اقوال بھی متعدد ہیں توضیح الاسماء فی اصطلاح الاصفیاء میں کہا ہے شطح شین معجمہ کے ساتھ عرفاء کے نزدیک عشق کے غلبہ سے عاشقوں کے اسرار کی حرکت ہے پس سالک سے ایسے معارف واسرار چھلک جاتے ہیں جو عقل کے طریقہ سے خارج ہیں وہ کہ جن سے دل بڑی قوت سے کانپتا ہے اور عقل اس کے ادراک سے عاجز ہو جاتی ہے جیسے پانی برتن سے یا نہر سے چھلک جاتا ہے کیونکہ پانی سمندر یا نہر میں جب موجیں مارتا ہے اور برتن میں حرکت کرتا ہے یہاں تک کہ اس سے نکل جاتا ہے اور ساحل اور خارج پر گرتا ہے تو عرب میں کہا جاتا ہے سمندر نے اپنا پانی چھلکا دیا یعنی اس کو نکال دیا اور پانی نہر سے باہر آگیا جب وہ نہر میں سما نہ سکے اور برتن نے اپنا پانی پھینک دیا یعنی اس کی حرکت سے پانی گر گیا اور یہی اصل اور بڑا معنی ہے اور کہا گیا ہے کہ شطح سالک سے معارف واسرار کے انوار کے ظہور سے عبارت ہے خواہ وہ قول سے ہو یا حال سے یا مقام سے اس طرح کہ عقل اس کو سمجھنے اور برداشت کرنے سے عاجز آجائے اور یہ لغوی معنی سے ماخوذ ہے جو اس کے مناسب ہے جیساکہ جواہر الاسرار میں کہا ہے کہ شطح چراغ کا وہ نور ہے جو چمکتا ہے اور روزن سے روشنی ڈالتا ہے اور اس کی شعاعیں اور اس کی روشنی اور روزن سے گھر سے باہر جاتی ہے اور یہ معنی بھی مناسب ہے لیکن پہلا اسرار کا غلبہ معلوم کراتا ہے اور اس سے نفس نور کا ثبوت ہوتا ہے نہ کہ اس کا غلبہ اور جائز ہے کہ شطح سے کمال وصول کے حصول میں حرکت راسخہ مراد ہو کیونکہ لغت میں شطح کا معنی نفس حرکت ہے اور اسی لئے چکی کو اس کے کمال حرکت کی وجہ سے مبالغہ کے طور پر شطاح کہا جاتا ہے اور یہ معنی ترقیات کے لحاظ سے زیادہ مناسب ہے کیونکہ ہیمان پھر طیبت پھر شطح پھر فنا بیان ہے ان ترقیات کا جو سالک کے لئے وصول کے انتہائی مرتبہ کے حصول کے لئے ضروری ہیں جیساکہ مخفی نہیں ہے۔

رشیدی میں کہا ہے کہ شطح بالفتح کا معنی ہے بے حیائی کرنا اور صوفیاء کی اصطلاح میں شریعت کے مخالف کوئی چیز کہنا ہے کہا جاتا ہے شطاح فتح اور تشدید کے ساتھ بمعنی بے حیا۔ پھر صاحب رشیدی نے کہا ہے کہ یہ دونوں لفظ اس معنی سے لغت کی معتبر کتابوں میں نہیں پائے گئے لیکن وہ دونوں فارسی نہیں ہیں اس کو یاد رکھ۔ ضروری ہے کہ تو جان لے کہ شطح اس معنی سے اصطلاحی معنی سے مناسبت رکھتا ہے جو انہوں نے کہا ہے کہ وہ شریعت سے خارج کلام ہے اگرچہ وہ ان معارف کے متعلق ہوتی ہے جو توحید کو متضمن ہیں جیسے انا الحق اور اس جیسے حکم۔ لیکن شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے کلام میں قول کا زیادہ حق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے اور وہ پہلا اور دوسرا اور تیسرا

Scanned by CamScanner

معنی ہے پھر اگر تو کہے کہ جائز ہے کہ نسلخ کا حکم دینے میں شیخ کی مراد آخری معنی ہو جو بے حیائی کا معنی ہے اور حاصل معنی یہ ہو کہ اے میرے مرید تو نسلخ کہ اور معارف شہودیہ کے امور کو بیان کر میں تیری حفاظت کرنے والا ہوں تو تو ایسا نہیں ہو گا کہ ایسے طریقے سے کہے کہ جس سے شریعت کی مخالفت لازم آئے بلکہ ان معارف کے بیان میں جو کچھ بھی تجھ سے صادر ہو گا وہ ایسے الفاظ سے صادر ہو گا جو شریعت کے الفاظ کے موافق ہوں گے میں کہوں گا اس معنی سے یہ ارادہ ممکن ہے۔ لیکن جناب شیخ رضی اللہ عنہ ان چاروں جملوں میں ترقی کے بیان میں ہیں تو تقاضا یہ ہے کہ ہر جملہ کو ترقی پر محمول کیا جائے اور وہ تینوں معانی میں میسر ہو سکتا ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا اور شارح گلشن راز کی عبارت مطلق شطاح سے معنی اصطلاحی سے واصل کامل پر دلالت کرتی ہے اور وہ پہلے معنی پر مناسبت نامہ پوری ہوتی ہے اور دوسرے اور تیسرے پر بھی اور جائز ہے کہ اخیر معنی کے ارادہ کی تقدیر پر بھی وارد ہو یعنی اے میرے مرید تو شطح کر کیونکہ تیرے شطحیات حقیقت سے پیدا ہونے والے ہیں نہ کہ شہود سے اور یہ معنی بھی ترقی میں واقع ہونے والے جملوں کے موافق نہیں ہے بلکہ اگر تو نظر کو ٹھہرائے گا تو پہلے معنی کا یقین کر لے گا اور بعض توفیق کرنے والوں نے جن کو جناب شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا سے عقیدت ہے سکسین ممله کے ساتھ سیح کہا ہے جس کا معنی ہے خوشی کے وقت پیچھے کو گر پڑنا جیسا کہ حد سے زیادہ خوش ہونے والوں کی عادت ہوتی ہے۔ اور اس کو مسرت پر محمول کیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ معاملہ نہیں ہے جسے علم ظاہری سے لیا جائے بلکہ وہ الہامی امر ہے پس یہ معنی اگر ظاہری علم میں مستند تھا لیکن اس کلام کی شان ظاہری علم سے دور ہے وہ اسرار میں سے ایک سر ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اپنے فضل اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی مدد سے مطلع فرمایا ہے پس حق یہی ہے کہ وہ شین معجمہ کے ساتھ ہے اور معنی وہی ہیں جو مرتبہ کے بیان سے تم کو معلوم ہو چکے اور صحیح پر اعتراض وارد ہو گا لفظ کو غیر مشہور پر محمول کرنے کا مجاز پر محمول کرنے کا اور غیر اصطلاحی معنی پر محمول کرنے کا اور آپ کے قول طب کے بعد تکرار پر محمول کرنے کا پس اس کو سمجھ۔

پھر اگر تو کہے کہ منصور نے جب انا الحق کہا اور قتل کیا گیا اور سولی پر چڑھایا گیا اور عارف کامل بایزید بسطامی سبحانی الخ کہتا تھا اور اس پر کاٹنے والی تیز تلواریں کھینچتے تھے۔ اور اس کا ایک بال نہ کاٹا جاتا تھا۔ بلکہ ہر وہ آدمی قتل ہو جاتا تھا جس نے تلوار کھینچی حالانکہ یہ دونوں قول شطحیات سے تھے اور ظاہر شریعت کے مخالف تھے اسی لئے بیان کیا گیا ہے۔ کہ جب بسطامی قدس سرہ کی موت کا وقت آیا تو وہ کہتے ہیں اگر میں نے کسی دن سبحانی کہا تھا تو اپنے زنار کو لا الہ الا اللہ کے قول سے قطع کرتا ہوں تو میں کہوں گا۔ کہ یہ ایک بہت بڑا راز ہے اس پر بعض انہی لوگوں میں سے مطلع ہو سکتے ہیں جو کشوف سے مشرف ہو چکے ہیں میں تیری طرف کتاب کریم ڈالتا ہوں اس سے تو نعمتوں کی تر و تازگی معلوم کرے گا جان لے کہ قول منصور حق کی نسبت انیت کی طرف ہے وہ کہ جس کی طرف اس نے اپنے قول انا سے اشارہ کیا اور وہ عبارت ہے منصور میں وجود بشری کے باقی ہونے سے جو کہ انوار شہود سے مغلوب ہے تو اس نے اس وجود کو مشہود ٹھہرایا اور اس کے لئے حقیقت ثابت کی اور یہ علم ظاہری اور باطنی دونوں میں نا درست و قبیح ہے شریعت میں تو بالکل ظاہر ہے اور طریقت میں اس لئے کہ نفس کا وجود فی الجملہ ایک لیا

گناہ ہے کہ جس کے ساتھ اور کوئی گناہ قیاس نہیں کیا جا سکتا اور بسطامی کے قول سبحانی اس میں انیت مقصودہ کیلئے تقویت اور الوہیت کا اثبات نہیں ہے بلکہ اس میں تنزیہ ہے جو یائے متکلم کی طرف راجع ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ تنزیہ آئینہ تعلق کلی سے وجود کی نفی کے فائدہ کیلئے ہو یعنی میری بشریت کا وجود میرے اندر باقی نہیں رہا گویا جو وجود باقی ہے وہ حق ہے اور تم میرا جسم دیکھتے ہو اور یہ ہیکل تو نقصانات سے بھرا ہوا ہے پھر اسے وجود حقیقی کی طرف کیسے منسوب کیا جا سکتا ہے جو کہ ان نقصانات سے رابطہ اور تعلق سے فارغ ہے پس میں پاک ہوں یعنی میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرتا ہوں۔ ایسی تنزیہ جو میرے مظہر میں ہے کیونکہ میرے وجود کا کوئی ذرہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات میرے ساتھ متعلق اور مربوط نہیں ہے پس میں پاک ہوں پاک ہوں اور یہ شریعت اور طریقت دونوں میں صحیح ہے لیکن چونکہ لفظ یائے متکلم کی طرف منسوب کرنے سے معلوم کرا رہا تھا کہ مراد عارف کا ظاہری نفس ہے۔ تو آپ نے کہا اگر میں نے سماان سبحانی کہا تھا اور جو ہم نے کہا ہے اسکی تائید آپکے اس قول سے ہوتی ہے کہ "اگر میں نے کہا تھا" اُن وہ جو شک کیلئے ہے مطلب یہ ہے کہ میں نے نہیں کہا لیکن کہنے والا اللہ تعالیٰ تھا لیکن چونکہ سکر کا مرتبہ باقی تھا تو آپنے بالکلیۃ اپنی عدم تمیز کی طرف اشارہ فرمایا پس کہا "اگر میں نے کہا تھا" یعنی اگر یہ قول ایسے وقت میں تھا جس میں میرے وجود کا بقیہ موجود تھا اور میں اسکو سمجھ نہیں سکا تو اب میں اپنے زنار کو قطع کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں۔ وہی موجود، معبود، مشہود اور مقصود ہے۔ اور یہ بینی ہے شیخ بایزید بسطامی کی نہایت شہود سے حقیقت واقعہ کی طرف ترقی پر نہ کہ کسی طرح سے وجود پر نہ قصداً اور نہ تبعاً بلکہ ارتفاع کلی پر دلالت کرتا ہے جسے کسی عبارت سے تعبیر اور کسی اشارہ سے مشارالیہ نہیں بنایا جا سکتا۔ اور یہی علم کا علم ہے جسکی تفسیر "علم سے جہالت" سے کی گئی ہے۔ اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ دار عناہ عنا نے اسی کو غوثیہ میں فرمایا ہے اور وہ اسی کے موافق ہے جو امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "ادراک کے ادراک سے عاجز آجانا ادراک ہے" اور صحیح یہ ہے کہ یہ ایک کشفی امر ہے جو عبارتوں سے واضح نہیں ہوتا اور اسی لیے شیخ اجل نے غوثیہ میں فرمایا "حال کو کہا نہیں جا سکتا۔ اور جس نے حال کا انکار کیا۔ اس نے اللہ عظیم کے ساتھ کفر کیا" اللہ عز اسمہ کی پناہ۔

مختصر یہ کہ شیخ اجل رضی نے مرید کو شطح کا حکم دیا ہے اس معنی سے کہ حرکت عشقی اسراری قدسی کی قوت کے حصول سے ترقی کرے کہ جس کے ساتھ سچے طالب فائدہ اٹھاتے ہیں جیسے وہ لوگ جو سمندر کے کناروں پر ان موجوں کے منتظر رہتے ہیں جو موتی اور جواہرات پھینک جاتی ہیں اور وہ پکڑ لیتے ہیں بس یہی وہ لوگ ہیں جن کی تجارت فائدہ مند ہوئی اور مطلوب کی طرف ہدایت پانے والے ہوئے اور شطح کے بھی تین مراتب ہیں۔ پہلا مرتبہ ابتدائی شہودی آئینوں میں ہے جیسا کہ منصور قدس سرہ کے لئے تھا اور دوسرا مرتبہ حقائق شہودیہ انتہائیہ میں ہے جیسا کہ عارف اکمل کے لئے ان کے قول سبحانی اعظم شانی میں تھا اور پہلے اور دوسرے میں فرق آپ کو دونوں قولوں کے فرق سے معلوم ہو چکا ہے جیسا کہ آپ نے ابھی معلوم کیا اور تیسرا مرتبہ ہر چیز کی حقیقت اور اس کے تقاضا کے مطابق اسرار میں کشوف تفصیلی اور وضوح کلی کا ہے اے اللہ ہمیں اشیاء کے حقائق اسی طرح دکھا جیسے کہ وہ ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مقبول ہو چکی ہے اور اولیاء قدس سرہم ہر زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ میں ترقی کرتے ہیں تو شطح کا حکم مراتب عالیہ کی

Scanned by CamScanner

طرف ترقی کرنے کا حکم ہے خواہ وہ اپنے تینوں درجات کے ساتھ شہودی ہوں یا اپنے تینوں مراتب کے ساتھ حقیقی ہوں اور یہ ترقیات وہ ترقیات ہیں جو ہیمان کے لوازم اور طیبت اور سرور کے توابع کے حصول کے بعد ظاہر ہوتے ہیں اور جو ہم نے تجھ سے ذکر کیا ہے اس سے ظاہر ہو گیا کہ شطح کا حکم کمالات حقیقیہ کے کسب اور ترقی کا حکم ہے جو اس پر کامیاب ہوا وہ جانے گا۔ اور جس نے چکھا نہ جانا اور چونکہ سالک مقام شطح میں کمال کی رسیوں سے بندھا ہوا ہے اور راستکمال کے طریقوں سے لٹکا ہوا ہے اور اس کی نگاہ اس پر ٹھہر جاتی ہے کہ اس کو کوئی چیز حاصل ہو گئی ہے اور وہ کامیاب ہو چکا ہے اور یہ سب چیزیں وصول حقیقی میں حجاب ہیں اسی لئے حقائق میں وارد ہوا ہے کہ "علم سب سے بڑا حجاب ہے" اور علم والے کو جہل تک کوئی راہ نہیں ہے۔ تو علم سے مراد یہی کمالات اور فضائل کا علم ہے جو سالک مرتبہ حقیقت میں حاصل ہوتے ہیں جب کہ علم اصول میں مقدر ہو چکا ہے اور بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ نے اپنی تصانیف شریفہ میں اس کو واضح کیا ہے شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اس پر متنبہ کیا ہے کہ ضروری ہے کہ سالک غناء مطلق کی طرف ترقی کرے جس میں کمال کا کوئی خیال نہیں ہوتا کہ اکثر دفعہ اس سے تکبر اور غرور پیدا ہوتا ہے اور یہ زوال و وبال کا باعث ہے کیا تو نے معلم الملکوت (ابلیس) کو نہ دیکھا کہ وہ فرشتوں کو چھ لاکھ سال تک علوم اور اسرار پڑھاتا رہا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی ارادہ سے اپنے خلیفے یعنی آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ارادہ فرمایا اور فرشتوں کو اس کی طرف سجدہ کرنے کا حکم دیا تو سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کر دیا اور تکبر کیا اور کافروں سے ہو گیا" تو اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا "تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے منع کیا" تو اس نے کہا "تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا" پس اس نے علمی دلیل پیش کی تو اللہ تعالےٰ نے اس کو ہانک دیا اور فرمایا چلا جا تو ہانکے گئے لوگوں سے ہے حالانکہ وہ علمی نکتہ بھی نہ سمجھ سکا کیونکہ اللہ تعالےٰ نے ہم کو کعبہ کی طرف سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ تو ہم اس کی طرف اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور آدم حقائق الٰہیہ کا مظہر تھے اور اس کو سجدہ کرنا اللہ تعالیٰ ہی کے لئے تھا۔

اور مختصر یہ کہ علم ایک شریف جوہر ہے اور لطیف کمال ہے لیکن بعد کی مسافت کرنے میں اور حجابات کے اٹھنے میں باقی رہا قرب کا میدان تو وہ ایک نوری حجاب ہے۔ اس سے قطع نظر کرنا بھی ضروری ہے اور ہم ذکر کر چکے ہیں کہ محبت بھی حجاب ہے پھر علم کے متعلق تو کیا کہے گا کیا تو نہیں دیکھتا کہ گنگھی کرنے والی اور محبت کرنے والوں کے درمیان بات ہے۔ اگرچہ ارا ستگی میں اس کا وجود لازمی ہے پس اسرار کو سمجھ اور غبار سے نکل اور یہ نکلنا غنا کے حصول ہی سے ہو سکتا ہے تو غنا کا بیان ضروری ہے۔ یہاں تک کہ تو اس سے بصیرت پر ہو جائے۔

ابداء ابداء الی غنا انتہا ۔ غناء کے معنی تو معلوم کر چکا ہے۔ اور یہ کہ غنیّ امر مذکر کا صیغہ ہے اور جس نے اس کو یاء کے ساتھ لکھا ہے۔ تو وہ تضعیف ہے مگر یہ کہ کہا جائے کہ وہ یاء اشباعیہ سے ہے تو غنی یغنی تغنیۃ سے مشتق ہے۔ اور غناء کا معنی یہ ہے بے نیاز ہونا نہ کہ گانا دو وجہ سے پہلی وجہ یہ ہے کہ بزرگ ترین شیخ رضی اللہ عنہ نے اپنی تصانیف میں غنا کے سننے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ عنقریب آپ کی عبارت نقل کرنے سے ظاہر ہو جائے گا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ چاروں جملے ترقی کے بیان کے لئے ہیں اور یہ آخری جملہ انتہائی وصول کا بیان ہے اور غنا کا سننا

ان امور سے ہے جس میں مبتدی اور متوسط اور منتہی سب شریک ہیں بلکہ منتہی اس سے بے نیاز ہے اگرچہ وہ اس کو فرض نہیں ہے تو تحقیق کے منصب کے لحاظ سے خالص حق غناء کو اصطلاحی معنی پر محمول کرنا ہے کہ اس کے بھی تین ہی درجات ہیں پس ضروری ہے کہ پہلے اس کے معنی بیان کر دئے جائیں پھر اس کے درجات معنی کے لحاظ سے تو وہ سالک کا اللہ تعالی کے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہو جانے سے عبارت ہے اس کی نگاہ کا مرکز اور مطمع نظر ظاہری اور باطنی طور پر اللہ تعالٰی ہی ہو پس وہ اللہ تعالٰی کے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس وقت اس کی غنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ میں پوری ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالی نے اپنے صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا "اور تجھ کو تنگدست پایا تو غنی کر دیا۔" اور یہ غنا حقیقی سے ماخوذ ہے جو اللہ تعالی کی صفت ہے اللہ تعالی نے فرمایا "اور اللہ غنی ہے۔ اور تم محتاج ہو" اور فرمایا "اور اللہ تعالی تمام جہانوں سے بے نیاز ہے" اور اس کے حصول کے طریق کی طرف شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب عزیز فتوح الغیب میں اشارہ کیا ہے آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"جب تو خلق سے مر جائے گا تو تجھے کہا جائے گا اللہ تعالی تجھ پر رحم کرے پھر وہ تجھ کو خواہش سے مارے گا اور جب تو خواہش سے مرے گا تو کہا جائے گا اللہ تعالی تجھ پر رحم کرے پھر وہ تجھ کو تیرے ارادے اور آرزو سے مارے گا اور جب تو ارادہ سے مرے گا تجھے کہا جائے گا اللہ تجھ پر رحم کرے اور تجھے زندہ کرے پس اس وقت تو ایسی زندگی پائے گا جس کے بعد موت نہیں ہے اور ایسا غنی ہو گا۔ جس کے بعد فقر نہیں ہے اور ایسا آرام پائے گا جس کے بعد رونا نہیں ہے ایسی نعمتیں پائے گا جن کے بعد کوئی تنگی نہ ہو گی ایسا علم حاصل کرے گا جس کے بعد جہالت نہیں ہے اور ایسی خوش نصیبی کہ جس کے بعد بدبختی نہیں ہے تو قریب ہو گا پھر کبھی دور نہ ہو گا اور بلند ہو گا اور کبھی نہ گرے گا۔ اور معظم بن جائے گا پھر تو کبھی حقیر نہ ہو گا۔ اور پاک ہو گا اور پلید نہ ہو گا۔ پھر تیرے متعلق آرزوئیں متحقق ہو جائیں گی تیرے متعلق باتیں سچی ہو جائیں گی تو کبریت احمر ہو گا۔ تیرا نظر آنا بھی مشکل ہو جائے گا تو عزیز ہو گا تیری مثال نہ ہو گی تو ایک یکتا نہ مرد ہو گا۔ تیرا کوئی شریک نہ ہو گا اور تو اکیلا ہو گا تیرا کوئی ہم جنس نہ ہو گا اکیلا غیب الغیب اور رازوں کا راز اس وقت تو ہر نبی اور رسول اور صدیق کا وارث ہو گا تم پر ولایت ختم ہو جائے گی ابدال تیرے پاس آئیں گے تیرے وسیلے سے سختیاں دور ہوں گی بارشیں برسیں گی کھیتیاں اگیں گی تیرے ذریعے سے عوام اور خواص اور سرحد والوں اور حاکموں اور رعایا اور اماموں اور امت اور تمام مخلوقات مصیبتیں اور مشقتیں دور ہوں گی تو شہروں اور شہر والوں کو توال ہو گا۔ آدمی تیری طرف دوڑتے ہوئے اور پیدل چلتے ہوئے آئیں گے اور خالق الاشیاء کے حکم سے تمام حالات میں لوگوں کے ہاتھ خرچ کرتے بخشش کرنے اور خدمت کرنے کے لئے اٹھیں گے اور تمام مقامات میں لوگ تیرا اچھا ذکر اور تعریف اور ثنا بیان کریں گے اور جنگلوں اور آبادیوں میں رہنے والوں میں سے بہترین انسان تیرے متعلق "مومن بھی اختلاف نہ کریں گے اور یہ آدمی کا حال "اللہ کا فضل ہے۔ وہ جسے چاہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے" آپ کی عبارت شریفہ ختم ہوگی

اور اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ فنا جس کے بعد نفرنعیمہ سے وہ مخلوق اور خواہش اور ارادہ اور اختیار سے فنا موت کے حصول کے بعد ہے کہ جس کی وجہ سے تو اس کو تدبیر عقلی کی طرف منسوب کرتا ہے کہ جس سے تیرے اندر ادعائی وجود پیدا ہوتا ہے۔ جو ان حجابات کا باعث ہے جو وصول سے مانع ہیں پھر آپ نے اسی کتاب کے ایک اور مقالہ میں فرمایا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ خلق سے فنا اپنے آپ کو کلی اور جزئی طور پر قضاء و قدر کے سپرد کر دینے سے ہے یعنی تو امور کو اس کے سپرد کر دے کیونکہ وہی خدا ہے جس نے تجھ ازل میں نہ بھلایا وہ تجھے اس دنیا میں کیسے بھول جائیگا اور خواہش سے فنا اوامر اور نواہی کی پیروی سے ہے جو شریعت میں وارد ہیں جو کہ قرآن و حدیث پر مبنی ہے یہ کہ جس کا شریعت نے حکم دیا ہے اس کا تابع ہو جائے اور جس سے اس نے روکا ہے اس سے باز آجائے پھر اس کا اپنا وجود اور اپنے نفس کی کوئی تدبیر نہ ہوگی اور فنا اول کی علامت دل کا مخلوق اور اس کی طرف رجوع کرنے کے خیال منقطع کر لینا ہے پھر اگر اسے ظاہری انقطاع دگوشہ نشینی بھی نصیب ہو جائے تو وہ بہت اچھا ہے۔ ورنہ دار و مدار دل کے انقطاع پر ہے اور دل کا انقطاع کے بغیر ظاہری انقطاع اگر نفاق اور ریاء کے لئے ہے تو وہ ضائع ہے اور اگر مریدی کے لئے ہے تو اس سے بھلائی کی امید ہے اور اسی لئے شیخ اجل نے اپنے ایک اسامہ مسمّیٰ "لوائح" میں فرمایا ہے" تو اپنے عبادت خانہ میں بیٹھا ہے اور تیرا دل لوگوں کے کوچہ میں ہے" اور دوسری فنا کی علامت اسباب کی طرف نفع و نقصان کی نسبت سے نظر بند کر لینا ہے اور تکلف اور اس کے تعلق کا اس حیثیت سے چھوڑ دینا ہے کہ ان کو مؤثر سمجھا جائے اگرچہ کسی درجہ میں ہو بلکہ ان کو آلات سمجھے جن کی کوئی تاثیر نہیں ہے۔ جیسا کہ تجھے معلوم ہو چکا ہے کہ عادت کے جریان کے قبیل سے ہے تو اپنے ساتھ اپنے اندر کوئی حرکت نہیں کر سکتا اور نہ تو اپنے نفس کی خواہشوں میں اس کی کوئی مدد کر سکتا ہے پھر ارادے سے فنا یہ ہے کہ تو کوئی ارادہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے فعل میں تیرا کوئی ارادہ باقی نہ رہے اور اس فناء کی علامت یہ ہے کہ تو کوئی ارادہ ہی نہ کرے اور نہ تیری کوئی غرض باقی رہے بلکہ تجھ میں اللہ تعالیٰ کا فعل جاری ہو پھر کوئی حاجت اور مقصد نہ ہوگا تو خود اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوگا اعضا ساکن ہونگے دل مطمئن ہوگا۔ سینہ کھلا ہوگا پیٹ آباد ہوگا اپنے خالق کے ساتھ چیزوں سے بے نیاز ہوگا تجھے قدرت کا ہاتھ الٹ پلٹ کرے گا تجھے ازل کی زبان پکارے گی اور ملتوں کا رب تجھے تعلیم دیگا۔ اپنی طرف سے تجھے انوار اور حلے پہنائے گا وہ تجھے پہلے سلف کے پہلے علم کی منزل میں اتار دے گا تو ہمیشہ منکسر رہے گا تیرے اندر کوئی ارادہ اور شہوت ثابت نہ رہے گی تو ٹوٹے ہوئے برتن کی طرح ہوگا جس میں کوئی بہنے والے چیز اور کدورت باقی نہیں رہتی تو بشری اخلاق سے دور ہوگا تیرا باطن اللہ تعالیٰ کے ارادے کے سوا کسی چیز کو قبول نہ کرے گا تو اس وقت تیری طرف تکوین اور خرق عادات کو منسوب کیا جائیگا پس تجھ سے یہ ظاہر عقل اور حکم میں دیکھا جائیگا اور حقیقی علم میں وہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور فعل ہوگا آپ رضی اللہ عنہ دار ضاہ عنا کی عبارت کا خلاصہ ختم ہوا۔

اور جو اس عروج کے انوار سے اقتباس کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ غناء استغناء کلی سے عبارت ہے جو کہ سالک کو

Scanned by CamScanner

حصول باللہ کے سبب سے حاصل ہوتا ہے پس وہ خالق الاشیاء کے ساتھ ان چیزوں سے بے نیاز ہے اور یہی وہ فنا ہے
جو سالک کے لئے سلوک کو پوری طرح سے پورا کر دیتی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے نفس سے بھی فنا ہو جاتا ہے اور اپنے
رب کے ساتھ باقی ہو کر غنی ہو جاتا ہے پس اس کا فعل باطن میں اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور ظاہر میں اس سے
صادر ہوتا ہے اور اسی لئے شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اپنے قول شریف دعّن کے بعد فرمایا ہے را فعل ما
تشاء فالاسم بمال یعنی تیری طرف تکوین کو لوٹایا جائے گا پس آپ کا قول ثم خلق سے فنا کی طرف اشارہ ہے
کیونکہ خلعت سے نسبت منقطع نہیں ہوتی مگر جبکہ بندے کی خدا تعالیٰ کے ساتھ نسبت غالب ہو جائے اور یہ
غلبہ ہی ہیجان ہے اور اپنے قول طلب خواہش سے فنا کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ طلبیت اس صفوت عبارت سے
جو اس کو ہیجان میں اضطراب اور انکار کو دور کرنے سے حاصل ہوئی جیسا کہ تو معلوم کر چکا اور صفوت ممکن نہیں ہے
مگر خواہش کی غبار سے چلے جانے سے جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جھگڑا کرنے والی ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے
جس کا حاصل یہ ہے کہ میری مخلوقات میں خواہش کے سوا میرے ساتھ کوئی چیز جھگڑا نہیں کرتی اور تیسرے کی
طرف اپنے قول واشطح سے اشارہ فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ شوق کی تحریک سے عبارت ہے اس طرح کہ وجود کو ختم
کر دے اسی لئے منصور انا الحق اور عارف اکمل سبحانی، اعظم شانی کہا کرتا تھا جیسے کہ تجھ کو معلوم ہو چکا تو اسکی
مراد اللہ تعالیٰ کی مراد ہوگی اور اس کے پوری طرح ٹوٹ جانے کی وجہ سے اس کی اپنی کوئی چیز باقی نہیں رہ جائیگی
اور اس کے بعد وہ ہر چیز سے بے نیاز ہو جائے گا اور اپنے قول دعّن سے اسی طرف اشارہ کیا ہے اس وقت
سارا دین اللہ تعالیٰ کا ہوگا کہ "بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں اور اس کے
عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں" اور عنقریب معنی کی تفسیر اور تحریر انشاء اللہ تعالیٰ آجائے گی پس ہمیں غنا کے
درجات اور اس کے مراتب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے پس اس کے درجات بھی تین ہیں پہلا درجہ دل کی غنا ہے
اور وہ عبارت ہے سالک کے سبب سے سلامت ہونے اور خدا کے حکم کے سامنے ٹوٹ جانے سے اور یہ دو طرح سے
متصور ہوتا ہے پہلا یہ ہے کہ اس کے نفس میں کوئی ارادہ ہی نہ ہو مگر وہ جس کی طرف حکم اشارہ کرے یعنی قضا و قدر
پس وہ دودھ پینے والے بچے کی ہے۔ جو دایہ کی گود میں ہو یا میت کی طرح ہے غسال کے ہاتھ میں یا گیند کی ہے
چوگان کے ہاتھ میں اور یہ خلق سے فنا ہونے پر متفرع ہے۔

اور دوسرا یہ ہے کہ شریعت کا حکم اور امر و نواہی سے دور ہونے کے بعد وہ اس آیت کے تقاضا کے مطابق
ارادہ کرنے والا ہو۔ کہ جو تم کو رسول دے اس کو لے لو اور جس سے روکے اس سے باز آجاؤ، پس وہ ہر امر میں
شرع شریف ہی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور اس کا عمل شریعت کے عمل کے خلاف نہیں ہوتا ورنہ وہ زندیق ہوگا
کیونکہ وہ مرد حقیقت جس کو شریعت رد کر دے پس وہ زندقہ (بیدینی) ہے پس وہ کسی چیز میں بھی تنازع نہیں کرتا
کیونکہ تابع اپنے متبوع کے ساتھ جھگڑا نہیں کرتا۔

اور دوسرا درجہ نفس لوامہ کی غنا ہے اور وہ عبارت ہے مرغوب پر اس کی استقامت اور بری چیزوں سے

اس کی علامت اور دکھلاوے سے براءت ہے کہ وہ ریا اور شمعہ سے خالص ہو جائے کیونکہ جب اس حالت میں سالک خلق اور خواہش سے فانی ہوگا۔ تو اس کے عمل میں کدورت کا کوئی شائبہ نہ ہوگا جو کہ خدا تعالیٰ اور خواہش کو ملانے سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ کسی چیز سے فنا اس کی اکدار سے صفائی اور اس کی بیماریوں سے شفا کا باعث ہے

اور تیسرا درجہ حق کے ساتھ غنا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی عنایت سے اس کی تمام صفات سے متصف ہو جائے جیسے کہ اس کی عالمیت خدا کے علم سے ہو اور اس کی ذات کی غنا اللہ تعالیٰ کی ذات کی غنا سے ہو پس اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے جہانوں سے بے نیاز ہیں پس سالک بھی اپنی ذات سے فنا کی طرف رجوع کرے گا طریقت کے قاعدے کے مطابق اور اس تیسرے مرتبے کے تین مرتبے ہیں پہلا مرتبہ اس کے ذکر کا اسیر شہود ہے اور وہ اس کا تجھ پر ہر چیز سے غنا کلی کے ساتھ تجلی فرماتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس کے نزدیک مذکور اور حاضر ہے کیونکہ وہ ذات تمام صفات کی جامع ہے اور ہر فعل میں دیکھتا ہے فعل صرف اسی کا ہے پس وہ ارزاق کی تقسیم وغیرہ میں مجھے نہ بھولا تو اس وقت میں مجھ کو نہ بھولے گا کیونکہ وہ سخی ہے جہانوں سے بے نیاز ہے بغیر کسی حق کے ہر چیز کو اس کی داد عطا کرتا ہے اور دوسرا مرتبہ ہمیشہ ذات کا مطالعہ کرنا ہے جو تمام صفات کی جامع ہے خصوصاً اولیت و آخریت اور ظاہریت اور باطنیت کی اور تیسرا مرتبہ اپنے نفس کے متعلق فنا کلی کی حیثیت سے غور کرنا ہے۔ اور وہ وہی ہے جسے راز کا راز اور غیب الغیب کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے کلام سے فتوح الغیب کے سوانح انوار سے اقتباس کرتے ہوئے گذر چکا ہے۔ اور اس چیز کے ضمن میں جو ہم شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے کلام سے نقل کر چکے ہیں تو معلوم کر چکا ہے جو کہ امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب میں وصال کے گمان کے مقام تک پہنچی تو مجھ سے کہا گیا اول کی طرف دیکھ پس میں نے اس کی طرف دیکھا تو میں نے تعلق کی رسیوں کو اپنی حالت پر پایا پھر میں نے ایک سال تک مجاہدہ کیا پھر اسی طرح پھر اسی طرح پھر میں توکل اور صبر اور شکر اور ان جیسی دوسری چیزوں کے دروازہ پر چلتی تو میں نے بھیڑ دیکھی پس میں نے ان سب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا پھر میں فقر کے دروازہ پر پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہی بہت بڑا خزانہ اور غنا مطلق ہے۔

مختصر یہ کہ غناء کا مرتبہ وہی آخری عنایت اور انتہائی نہایت ہے اور یہی وہ مقام ہے جس کے بعد اور کوئی مقام نہیں ہے کیونکہ یہی وہ ہے جسے وہ عبارت میں سے پسند کرتا ہے پس ان کو غیر سے پوری طرح بے نیاز کر دیتا ہے کیونکہ محبوب محبین کی نظروں میں ہوتے ہیں وہ ان کو ایسی چیزوں کے سپرد نہیں کرتے جو ان کی حفاظت نہ کریں پس ان اسرار کو سمجھ جو اللہ تعالیٰ کے قول لعمرک میں واضح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ قسم اٹھائی اور پھر اللہ تعالیٰ کے قول والضحی واللیل اذا سجی کی طرف دیکھو کہ وہ بہت بڑی قسم ہے محبوب کے چہرے اور اس کی کنپٹیوں کی قسم ہے یعنی ظاہری اور باطنی تحقیقات کی پس وہ اللہ ہی کی قسم ہے لیکن اس کے محبوب کے برزخ کے ظہور کی حیثیت سے

Scanned by CamScanner

اور اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کا ان امور سے قلم اٹھانے کا راز بھی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اس کے محبوب میں تجلیات ہیں پس قسم اللہ ہی کی ہے اور غیر کی قسم نہیں ہے پس اس کی محتاج نہیں ہے جو انہوں نے اس سے قوت پکڑی ہے کہ یہ قسمیں عرب کے دتیرہ پر ہیں کہ وہ ان امور کو بڑا سمجھتے تھے پس یہ عوام کو سمجھانے کے لئے ظاہری امر ہے اور وہ خاص جن کی نگاہ محبوب کی طرف کھلی ہے وہ اس پر قناعت نہیں کرتے پس تمام خبر اور وصول عنا اور اس کے مراتب میں ہے اور اسی لئے شیخ اجل نے مرید کو اس مرتبہ کا چاروں مراتب میں سے آخر میں حکم دیا ہے وہ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے جس پر سلوک اور جذبہ کو ان میں سے آخری پر ختم فرمایا ہے اے میرے بھائیو ان چاروں جلوں کی تفصیل جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ضعیف بندے پر شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی توجہات کے جلوں سے ظاہر فرمائی ہے شرح کی کئی جلدوں کا تقاضا کرتی ہے لیکن مامور معذور ہوتا ہے اور بندہ غلام ہے جیسے مالک اس کو حکم دیتا ہے کرتا ہے پس میں نے اجمال پر اقتصار کیا اور کوشش کی پنڈلی اس بیت کے مراد کے معنی کی تحریر کے لئے فضل اور افضال سے باندھی اے اللہ مجھے علم میں زیادہ کر اور مجھے خلل اور زلت سے محفوظ رکھ۔

بروق لامعہ فی شموس طالعۃ اے بھائیو! اللہ تعالیٰ تمہیں شریعت محمدیہ اور طریقہ احمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نائب حقیقی ہیں اور قرآن میں ایسی آیتیں ثابت ہیں جو اس پر دال ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم شرعی امر کی تعمیل میں بہت زیادہ پہنچنے والے اور بہت زیادہ راضی ہیں اور اسی لئے وارد ہوا ہے کہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کے غمگین تھے بلکہ روایت کیا گیا ہے کہ آپ پر کوئی دن ایسا نہیں گزرا جس میں آپ پر غمگین سے زیادہ غمگین نہ ہوں آیت فاستقم کما امرت کے نزول میں روایت کیا گیا ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے سورۃ ہود نے بوڑھا کر دیا ہے۔ لوگوں نے کہا کیا اس میں وارد ہونے والے قصول نے؟ تو فرمایا نہیں بلکہ اللہ کے قول فاستقم کما امرت نے کیا تو اس آیت کریمہ کی طرف نہیں دیکھتا جو مکرر وارد ہوئی ہے اور اگر تو ان کی خواہشوں پیروی علم آجانے کے بعد بھی کرے گا تو اللہ تعالیٰ سے تیرے لئے کوئی درست اور مددگار نہ ہوگا پس کس طرح آپ صلے اللہ علیہ وسلم سے امور میں اغماض ممکن ہے اور جو آدمی اس طرح کہے پس وہ اللہ بڑے کے ساتھ کفر کرنے والا ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم جب اس چیز کی تبلیغ کرتے جو آپ کی طرف اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ سے فرماتے تم اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو تم اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو پس گواہ رہنا۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی اور برائی اور سرکشی کا حکم نہیں فرماتے وہ تم کو نصیحت کرتے ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو پھر یہ امر رسول اور آپ کے تابعداروں اور نائبوں سے کیسے ہو سکتا ہے جو کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی مرضیات میں فنا ہو چکے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے آپ کے دین کی ترویج میں مالوں اور جانوں کو خرچ کر ڈالا اور شریعتوں کی تبلیغ میں آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے اشارہ کے مطابق اپنی جانوں کو ذبح کر ڈالا یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک ان میں سے زیادہ پرہیزگار زیادہ عزت والا ہو گیا۔ پھر اولیاء قدس اسرارہم کے درجے ہیں جو اس میں زیادہ مبالغہ کرنے

والے تھے ان کو آپ کے دین اور سنت کے زندہ کرنے کی وجہ سے محی الدین کے خطاب سے مخاطب کیا گیا اور آپ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح نے خواب میں فخر فرمایا کہا میرے یہ قدم اللہ تعالیٰ کے اولیاء کی گردن پر ہیں اور انبیاء و اولیا علیہم السلام کی روحیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبارکباد کہتیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے اے میرے بیٹے اللہ تجھے برکت دے اور یہ پورا قصہ پسندیدہ کتاب مسماۃ "بہجۃ الاسرار" میں موجود ہے۔ اور وہ علما بھی اس سے مخاطب کیے گئے جنہوں نے محی السلعۃ کی سنت کو زندہ کیا رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین۔

مختصر یہ کہ نائب وہی کرتا ہے اور وہی حکم دیتا ہے جو نائب بنانے والے نے کیا یا حکم دیا ہوتا کہ اس کی نیابت کے عرش پر راسخ اور قائم ہو اور اللہ تعالیٰ کے قول کہ "جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر مضبوط رہے تو ان پر کوئی خوف نہیں ہے اور نہ وہ غم کھائیں گے کا مورد ہو اور دوسری آیت میں ہے" وہ لوگ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر مضبوط رہے ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ کوئی خوف نہ کرو اور کوئی غم نہ کھاؤ اور اس جنت کی بشارت حاصل کرو جس کا تم وعدہ دئے جاتے تھے" پس استقامت پوری جو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور جس سے روکا ہے اس پر مضبوط رہنے میں ہے۔ پس جب تو نے یہ معلوم کر لیا تو جان لے کہ آپ کا قول ما تشاء فالاسم بہالی میں ما کے عموم کی مراد میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے پس ملحد لوگ دین میں ملاوٹ کرنے والے کہ جن کے دلوں میں بیماری اور نفاق کا کھوٹ ہے اس طرف گئے ہیں۔ کہ عموم ناجائز امور کو بھی شامل ہے اور اس پر شیخ اجل رضی اللہ عنہ سے وارد ہونے والے اقوال سے استدلال کرتے ہیں اس میں سے آپ کا یہ قول ہے کہ "میں اپنے مرید کا ضامن ہوں اگرچہ وہ غیر صالح خصلت پہ ہو" اور اس میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا "اگر میرا مرید اچھا نہ ہو پس میں تو اچھا ہوں" اور اسی طرح کی اور بھی مثالیں ہیں پس میں کہتا ہوں کہ یہ لوگ گمراہ قوم ہیں یہ خود بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا اور کمینی دنیا والوں کے لئے انہوں نے ناجائز امور کو مباح کر دیا۔ جو کہ جناب رضی اللہ عنہ کی ارادت کے مدعی ہیں پھر وہ شراب پیتے ہیں اور زنا کرتے ہیں اور جو برے اعمال ان سے سرزد ہوتے ہیں۔ انکی پرواہ نہیں کرتے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ اپنے مریدوں کے لئے ضامن ہیں اور اس میں شریعت کی محافظت لازمی نہیں ہے۔ پس پیو اور جو چاہتے ہو کرو کہ شیخ نے قصیدہ میں فرمایا ہے تو جو چاہتا ہے کر پس نام بلند ہے پس جو لوگ سلطان سے منسوب ہو گئے ان پر کوئی خوف نہیں ہے اللہ ان کو برباد کرے کہا میر ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں یہی لوگ ہیں کہ جن کے لئے گرم پانی ہے اور انکے پیٹوں میں جہنم کی آگ ہے اور جلتے ہیں بیشک برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں یہی لوگ ہیں کہ جن کے لئے گرم پانی ہے اور انکے پیٹوں میں جہنم کی آگ ہے اور ٹھوہر سے پیٹ کو بھرنے والے ہیں ہر وہ چیز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے برخلاف ہو وہ قبولیت کے لائق حق کے نائب سے کیسے صادر ہو سکتی ہے۔

باقی رہا آپ رضی اللہ عنہ کے قول کا معنی کہ میں اپنے مرید کا ضامن ہوں اگرچہ وہ غیر صالح خصلت پہ ہو یہ کہ اگر شیطان کے مکر اور سلطان نفس کے غلبہ کی وجہ سے میرے مرید سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد ہو جائے کیونکہ انسان نبیوں کے سوا معصوم نہیں ہے اور اگر ابدال اور نائب ہوں تو ان کو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و لطف سے محفوظ رکھتا ہے جیسے کہ اسپر شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے فتوح الغیب کے پانچویں مقالہ میں نص وارد کی ہے تو میں توبہ پر اس کے لئے مددگار بن جاتا ہوں

پس وہ جلدی یا بدیر نادم ہوتا ہے اور غوایت اور گمراہی کے بھنور میں غرق نہیں ہوتا پس اس کی علامت اس کا توبہ کی طرف ارادہ ہے وہ شریعت کی متابعت کرتا ہے اور جو اس سے صادر ہوا ہے اس پہ نادم ہوتا ہے اور اگر توبہ نہ کرے گندگیوں اور آسودگیوں سے پاک نہ ہو جو کہ گمراہی اور قہر کے پردوں میں بھٹک ہونے کا باعث ہیں تو وہ گمراہ ہے اسکو میری ارادت ثابت نہیں ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ معنی اس طرح ہوں کہ اگرچہ وہ گزرے ہوئے زمانہ میں بُری خصلت پہ ہو یعنی گمراہ ہو پھر جب اس نے میری بیعت اور میری شیخوخت کا ارادہ کیا تو صرف تابعدار بن جانے ہی سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ مٹا دیں گے اور میری حمایت اور میری شفاعت سے اس کو بخش دیں گے اور ہو سکتا ہے کہ معنی اس طرح ہوں کہ اگرچہ وہ بُری خصلت پر تھا۔ یعنی اس میں رسوا کن کام اور بُرے عمل کے لئے ارادہ فاسدہ اور بُری نسبت ظاہر ہوئی کہ اس نے ارادہ کیا کہ زنا یا چوری یا کسی اور حرام کا ارتکاب کرے تو میں اس کا محافظ ہونگا تو ضمانت سے مراد گناہ سے حفاظت کی ضمانت ہے یعنی میں اس کی حفاظت کرنے کا ضامن ہوں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کا ایک مرید آپ کے کسی دور مقام پہ رہتا تھا۔ اس کو ایک خوبصورت عورت کی محبت نے گرفتار کر لیا یہانتک کہ اس کے عشق میں دیوانہ ہو گیا اور اختیار کی لگام اس کے ہاتھ سے جاتی رہی پھر اس نے فحش کبیرہ گناہ کے چکر میں پڑنے کا ارادہ کر لیا پھر جب اس کی رانوں میں بیٹھا تو اس کے لئے قدرت کا ہاتھ ظاہر ہوا اور ڈانٹ کی مار کی طرح اس کو مارا یہانتک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بچا لیا اسی لئے شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے فرمایا میں اس آدمی کی سواری کو تھام لیتا ہوں جو پھسل جائے اور مختصر یہ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کا کلام حفاظت میں ہے نہ کہ مرید کے کبائر کی پرواہ نہ کرنے کے متعلق اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بری خصلت سے مراد آپ رضی اللہ عنہ کی جناب میں مرید کی سوادبی ہو جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ بعض مریدوں نے جو شیخ فرماتے تھے اس کو قبول کرنے کی حیثیت سے بے ادبی کی یا ان نے آپ کے پاس آپ کی کرامت دوسرے اولیاء سے شنکر نقل کی جو آپ کی فضیلت فی الجمعہ اشارہ کرنے والی تھی۔ یا وہ طالب علم تھے جو شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے پاس پڑھا کرتے تھے اور سوء ادبی کرتے تھے۔ تو شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اس طرف اشارہ کیا کہ میں جس کو پکڑتا ہوں اسے گمراہی میں نہیں پھینک دیتا ہوں بلکہ اپنے نانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اسے معاف کر دیتا ہوں کیونکہ آپ گناہوں کو معاف کرتے تھے اور دوسرا نزدیک پر رحم کھاتے تھے اے اللہ ہمیں بدبختی اور معصیت سے محفوظ رکھ

اور آپ کے اس قول کا معنی کہ اگر میرا مرید اچھا نہ ہو تو میں اچھا ہوں یعنی اگر اس کو شیطان کے مقابلہ کی قوت نہ ہو تو میں اچھا ہوں اس کو طاقت دونگا اور گمراہی اور خواہش کے روکنے پر اس کی مدد کروں گا پس مرید سیدھے دین اور صراط مستقیم کی طرف ہدایت پہ طاقتور ہو جائے گا۔ پھر وہ دین اور حق کے یقین پر ہو گا۔ اور اسی لئے کہا اے میرے مرید خوف نہ کر اللہ میرا رب ہے۔ یعنی میں تیری امداد اور نصرت میں ہوں اور اسی لئے آپ نے علی بن ہیتی کے مرید سے فرمایا اس کو طاقت سے پکڑ اور اپنی قوم کو حکم دے اور مختصر یہ کہ یہ قول امداد کے افادہ کے لئے ہے نہ کہ مرید کے بگاڑ کی رضا کے لئے اس سے خدا کی پناہ وہ اچھا ہدایت دینے والا ہے اور جائز ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ اگر میرا مرید

جو کہ جذبہ کا باعث ہے تو میں اس سلوک کے افادہ میں اچھا ہوں جو کہ جذبہ کا باعث ہے اچھا نہ ہو وصول میں سلوک کے
قات کی اس کو اس میں ہوں اچھا تو میں اچھا نہ ہو تھامنے میں لگام کی اسرار میرا مرید اگر کہ ہو یہ معنی کہ ہے سکتا ہو
اس قول کے کئی ایک معنی ہیں جو اس کے علاوہ ہیں جس کو اس گمراہ فرقہ نے سمجھا ہے اللہ تعالی مختصر یہ کہ اور
اگر ہدایت نہ پائیں تو اللہ ان کو برباد کرے یہانتک کہ خلقت ان کے گمراہ کرنے سے رہائی پائے اور ہدایت دے
تقویٰ والے اس طرف گئے ہیں کہ عموم سے امور واجبہ یا شرعی مباحات کا عموم ہے یعنی اے میرے ہدایت اور
کو مجھ سے اخلاق شریفہ اور فضائل کے اکتساب کی نسبت ہے اور حاصل یہ ہے کہ اے میرے مرید تجھ وہ مرید کہ جس
کہ تو شریعت عامہ کی محافظت کرے کہ مباح چیزوں کو کھائے اور مباح کام کرے اور فرائض اور واجبات لازم ہے
سنتیں اور مستحبات کو ادا کرے اور خلاصہ یہ ہے کہ شریعت کی مخالفت نہ کرے اور اگر تو رخصتوں میں سے
تو یقیناً تو میری مدد سے اس مرتبہ تک پہنچ جائے گا کہ جس تک قوم پہنچتی ہے جو عزیمت کے ساتھ رخصت پر ہے
اور اس کی تائید آپ رضی اللہ عنہ کا آپ کی تصانیف میں یہ قول کرتا ہے جبکو آپ سے شیخ دہلوی نے کرتے ہیں
نقل کیا ہے کہ دوسرے سلسلوں میں دوسری چیزوں سے پہنچتے ہیں اور ہمارے دوست شریعت سے پہنچتے ہیں
اور اسکے معنی جبکہ اللہ تعالی نے مجھے اسکی طرف راہنمائی فرمائی ہے یہ ہیں کہ میرا مرید صرف شریعت ہی سے مراتب
تک پہنچ جاتا ہے اور دوسرے سلسلوں میں اس منزل تک مجاہدہ سے کامیاب ہوتا ہے۔ اور اس معنی کی تائید آپ رضی اللہ
قول کرتا ہے کہ ہمارا انڈا ایک ہزار کا ہے اور چوزے کی کوئی قیمت ہی نہیں ہے یعنی جو ہم میں سے ظاہر شریعت پر
یعنی ہمارے مریدوں میں سے وہ قبولیت الٰہی اور وصول کے بازار میں ایک ہزار کی قیمت پاتا ہے ثابت
ترقی کرتا ہے یہانتک کہ کمالات کی فضا میں اُڑنے لگتا ہے۔ تو اس کی کوئی قیمت ہی نہیں ہے نہ وہ جب
سے تولا جا سکتا ہے اور نہ کسی قیاس سے اس کو قیاس کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کو کمالات میں کسی
اور میرے کمالات دوسرے اولیاء طریقہ سے خارج ہیں جیسا کہ اس پر اپنے قول میں دلیل قائم کی ہے نسبت ہے۔
دوسرے اولیاء پر قیاس نہ کرو میرے اور ان کے درمیان فرق زمین اور آسمان کا ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ جو بادشاہ
کوئی بھی نہیں کر سکتا
کے لشکروں میں سے قیاس کی برابری امیروں اور وزیروں
پس اگر تو کہے تو عامہ کے کلمہ کی تخصیص پر کیا قرینہ ہے اور ضروری ہے کہ عام کی تخصیص میں کوئی قرینہ ہو جو اس کا
قاعدہ مقرر ہے تو میں کہونگا کہ قرینہ کئی وجوہ سے موجود ہے پہلا قرینہ مرید کا لفظ ہے عام میں
وقت ہی ہو سکتا ہے جب وہ اپنے ثابت شدہ ارادوں سے خارج ہو جائے اور شیخ کی ارادت میں داخل
شریعت سے آراستہ ہو اور حقیقت سے روشن ہو جیسا کہ گزر چکا اور عنقریب تو جانیگا
کہ مرید کی نسبت اپنے نفس کی طرف جو یائے متکلمی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور شرعیہ کے ساتھ تخصیص
قرینہ ہے کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کی ذات دین کو زندہ کرنے والی ہے اور اس کا زندہ کرنا شریعت کی
اقتداء سے ہے جبکہ مخفی نہیں ہے کیا تو اللہ تعالی کے قول کی طرف نہیں دیکھتا کہ میرے بندے تیرا ان پر

کوئی غلبہ نہیں ہے، پس اضافت میں ایک خصوصیت ہے جس کو اہل خصوص و اختصاص ہی سمجھ سکتے ہیں جیسا کہ مخفی نہیں ہے اور تیسرا قرینہ یہ ہے کہ ایمان اور اس کے اخوات کا حکم شریعت کے ساتھ آراستہ ہونیکے بعد ہی ہو سکتا ہے ورنہ وہ ایمان نہیں ہوگا۔ بلکہ رسوائی ہوگی۔ اور چوتھا قرینہ آپ کا قول نا لاسم عال ہے کیونکہ علو اللہ تعالیٰ کے بلند کلمہ کو بلند کرنے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔ اور اسی لئے مومنوں کو اسفل السافلین سے اپنے قول پھر ہم نے اس کو اسفل السافلین میں لوٹا دیا سے مستثنیٰ کیا ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کیے اچھے اور اسی طرح خسران سے بھی اپنے اس قول میں مستثنیٰ کیا ہے کہ انسان خسارہ میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے۔

اور مختصر یہ کہ قرائن حالی اور مقامی اس تخصیص پر بہت ہیں جن کے ذکر سے بیان لمبا ہوگا اور عقلی قرینہ بھی موجود ہے کیونکہ نائب ایسی چیز کا حکم نہیں دیتا جس کا حکم نائب بنانے والے نے دیا ہو جیسا کہ ہم اس کو کئی دفعہ کھول کر بیان کر چکے ہیں کیا تو اللہ تعالیٰ کے قول کی طرف نہیں دیکھتا۔ کہ "وہ ہر شے پر قادر ہے۔" شے کو قرینہ عقلیہ سے ممکن سے مخصوص کیا ہے جیسا کہ اہل تفسیر نے اس کی تفسیر کی ہے اور ناقد بصیر اس کو جانتا ہے۔ اور اہل باطن کلمہ ما کے عموم میں زیادت تخصیص کی طرف گئے ہیں اور انھوں نے کہا ہے۔ کہ ما عام سے مراد اذکار و افکار ہیں کہ جن کی مجاہدہ کے وقت رعایت و مباشرت لازمی امور میں سے ہے یعنی اے مرید اذکار و افکار میں سے جو تو چاہے کر تو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچ جائیگا پس میرا نام بلند ہے پھر جب وسیلہ بلند ہو تو رفیق اعلیٰ کی طرف وسیلہ پکڑنے والا کامیاب ہو جاتا ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ ایک چیونٹی محلوں کی چھت پر پہنچنا چاہتی ہے خصوصاً خانہ کعبہ کی چھت پر تو وہ کسی کبوتر کے پاؤں سے چمٹ جاتی ہے جو جنگل میں بیٹھا ہو پس کبوتر اڑتا ہے اور ان چھتوں پر جا کر بیٹھ جاتا ہے۔ یا کعبہ کی چھت پر پس وہ کعبہ تک پہنچ جاتی ہے بلکہ کبوتر کے وسیلے سے کعبہ کے اوپر پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح ادنیٰ کا حال ہے جو کہ فقراء کے جنگل میں چیونٹی کی طرح ہے جائیے کہ مرشد کے پاؤں سے چمٹ جائے پس وہ رفیق اعلیٰ تک پہنچ جائے گا تو اس صورت میں اس جملہ شریفہ میں اللہ تعالیٰ کے قول کی طرف اشارہ ہوگا "اور کہ اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو" اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف کہ "وہ لوگ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔" تعالیٰ شانہ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے طریقہ میں تمام طریقے ہیں۔ جہریہ خفیہ، مراقبہ مشاہدہ اور محبوس وغیرہ اور ہر وہ چیز جو طریقت کے قاعدے کے مطابق اللہ تک پہنچانے والی ہے۔ سب داخل ہیں پس آپ کا طریقہ تمام طریقوں کا بادشاہ ہے اور دوسرے تمام طریقے لشکروں کی طرح ہیں جو آپ رضی اللہ عنہ کے دامن سے متعلق ہیں اور اسی لئے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلطان کے نام سے خطاب کیا گیا اور آپ ہر طریقہ میں دلیل ہیں اس کو یاد رکھ اور کسی وقت میں میرے دل میں خیال گزرا تھا۔ کہ عموم ان چار جملوں۔ ہم۔ وطب و اشطح وغن کے خصوص کی طرف راجع ہے یعنی اے مرید تجھے یہ جاننا ضروری ہے کہ ترقی انہی چاروں سے ہے اور ان چاروں میں سے جو تو چاہے کر ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچانے والا ہے اور یہ توجیہ اگرچہ اصطلاح کے قریب ہے لیکن افعل کے عطف میں اس پر کوئی چیز کھٹکتی ہے جسے واقف ہم محسوس کرتا ہے اور وہ دو توجیہیں یعنی دوسری اور تیسری اگر وہ علم کے طریقہ پر پوری ہیں لیکن اصطلاح اور افادہ کا ثابت شدہ طریق یہ ر... ان سے مناسبت نہیں رکھتے

پس غور کر اور اچھی توجیہ دی ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی مدد سے میری راہنمائی فرمائی ہے کہ اس بیت شریف کا معنی اس طرح ہے کہ اے میرے وہ مرید جو تو قاب قوسین اور ادنیٰ کے ظل میں پورے اور قریب اہتمام سے ترقی کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ منزل حاصل ہو جائے جہاں تو میرے سایہ اور میرے قبول کرنے سے مدد کیساتھ پہنچے جانا چاہتا ہے تو تجھ پر لازم ہے کہ تو حیمان اور اس محبت کو حاصل کرے جو وجود کی قید سے قرب و شہود کے میدان کی طرف نکلنے کا سبب ہے اور اس کے ساتھ تو طیبت اور سرور کے مرتبہ کو ملائے تاکہ حیمان کی سطوت سے مضطرب نہ ہو بلکہ تو اس میں پورے سرور اور کامل طیبت سے اس راہ میں سیدھا بہنے والے کی طرح اور اس تعلق پر قائم رہنے والے کی طرح ہو جائے پھر تو حرکت وجدیہ کی قوت حاصل کرے گا جو موتی اور جواہر گرانے کا تقاضا کرتی ہے جو شہود کے سمندروں سے حاصل ہوتے ہیں تو تجھ پر لازم ہے کہ تو شطح کرے اور بلندی کی طرف حرکت کرے اور سدرۃ المنتہیٰ کی غایت پر پہنچے لیکن تجھے سمجھنا چاہیئے کہ وہ شطح جس کا حکم دیا گیا ہے وہ پورے صحو اور قدس کے ساتھ پورے محو سے حاصل ہوتا ہے پھر اس سے بھی غنا حاصل ہو جاتی ہے اور کمال کے ساتھ علم سے بھی پوری طرح فانی ہو جا یہانتک کہ رضا میں رضا اور مرنے کے بعد بقاء میں بقاء حاصل ہو جائے خلائق سے تقدیر کے ساتھ اور خواہش سے شریعت کے ساتھ اور ارادہ سے مولیٰ کے فعل کے ساتھ اور علم سے کمال عجز اور علیحدگی کے ساتھ یہانتک کہ تو الٹ دینے اور پیدا کرنے پر قادر ہو جائے کیونکہ فنائے الٰہی کے لئے ہر ایک سے فنا اور بقاء قدسی ہی تکوین کا مورد ہیں اور اسی لئے فرمایا جو تو چاہتا ہے کہ یعنی امور مذکورہ میں سے یعنی سمندر کے گہرا کرنے اور پہاڑوں کے کوٹنے اور آگ کے بجھانے اور مردے کو زندہ کرنے وغیرہ امور سے جو عادت سے خارج ہیں جیسا کہ تکوین اور قدرت کی شان ہے اور یہ مشیت اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق مشیت ہے کہ تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ رب العالمین چاہے۔ یعنی وہ مشیت جو موجودات کے افراد کے افراد میں سے مظاہر الاہیہ کے ساتھ قائم ہے وہ وہی مشیت الاہیہ قدیمہ ذاتیہ ہے پس نام بلند ہے یعنی اے مرید تیرا نام ان مراتب سلوکیہ کے حصول کے بعد جو تخلق کلی اور بقائے قدسی کا باعث ہیں بلند ہے جو مراتب تحتانیہ ناسوتیہ سے منازل علویہ کی طرف بلند ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے "اور تم ہی بلند ہو" اور انسان کی بلندی صرف کمالات اور فضائل ہی کے اعتبار سے ہے۔ اور جائز ہے کہ کہا جائے کہ معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نام بلند ہے جو اللہ کے اخلاق سے تخلق کرلیگا۔ اور اسکی ذات سے متصف ہوگا اس سے وہ کچھ ظاہر ہوگا جو اللہ کی قدرت سے ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ تو عنقریب آپ کے قول مریدی لا تخف اللہ ربی کے تحت معلوم کرلیگا اور جائز ہے کہ معنی اس طرح ہوں پس نبی امی کا نام جو کہ محبوب ہے جس نے مجھے وصال کے پیالے پلائے ہیں بلند ہے کیونکہ آپ ہی وہ ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے کمالات قدسیہ کے اظہار سے بلند فرمایا ہے بلکہ اللہ نے آپ کو مظہر تمام اور وجود دائم بنا لیا ہے پس وہ یہ ہے جو اس وقت اس کے معنی کے بیان میں مجھ پر محض اللہ کے فضل اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی مدد سے ظاہر ہوا ہے اے اللہ آپ کے نانا پر مع انکی آل اور اصحاب اور نائبوں کے رضی اللہ عنہم وارضاہ عنا پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔

تحقیق خطاب و توثیق جواب:۔ تجھے یہ جاننا ضروری ہے کہ امر میں خطاب انہی خطابات کے مطابق ہے جو قرآن و

واحادیث میں واقع ہیں ہر اس آدمی کے لئے عام ہیں جو حال یا مآل کے لحاظ سے ان اوامر کی تعمیل کی صلاحیت رکھتے ہیں اور یہ یا تو ہر مخاطب کی صورت متخیلہ کے تصور پر مبنی ہے جو خیال کے خزانہ میں ہے یا آپ رضی اللہ عنہ کے لئے علم حقیقی میں مکشوف ہے جو کہ آپ کو علم الٰہی کے ظل سے حاصل ہے جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی کشف کلی میں آپکے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ حالت ہے۔ اور یا پھر اس پر مبنی ہے کہ حاضرین کو عبارت النص سے خطاب ہے اور غائب لوگوں کو دلالۃ النص سے اور یہ توجیہ علم ظاہر کے ساتھ زیادہ مناسب ہے اور یا اس پر مبنی ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے حاضرین کو اور ان لوگوں کو جو آپ سے غائب ہیں مخاطب کیا ہے۔ پس وہ بھی فضائل حاصل کرنے کیلئے انکے ساتھ مقید ہیں اور پہلی دونوں توجیہیں اسبق ہیں اور پھر امر یا تو وجوب کے لئے ہے یا استحباب کے لئے اور پہلا اگرچہ عوام کی نسبت سے ملحوظ نہیں ہے لیکن ان لوگوں کی نسبت سے لازم دواجب ہے جو وصول کے حصول کو اپنے نفس پر لازم کرلیں اور جائز ہے کہ اس مرتبہ کے حصول کی طرف طریقہ کے لحاظ سے واجب ہو اور یہ بہت دقیق ہے اور اگر آپکا قول مریدی ہم وشطح وغن۔ اللہ تعالیٰ کے قول وابتغوا الیہ الوسیلہ۔ اور جاہدوا کے مطابق ہو تو اس میں وجوب ظلی کا ارادہ پورا ہوگا اور اس کا مرجع بعض پہلی توجیہات کی طرف ہے اور جائز ہے کہ یہ استحباب کے لئے ہو اور وہ دونوں احتمالوں میں سے دُوسرا ہے اور یہی اسبق ہے۔ کیونکہ ترقیات کا حاصل کرنا واجب نہیں ہے وہ صرف مندوب ومستحب ہے۔ واجب صرف نفس ایمان اور پانچ نمازیں اور روزہ اور حج اور زکوٰۃ ہے جبکہ مخفی نہیں ہے اور اگر کہا جائے کہ شیخ کا مرید کو اپنی پیروی کے حصول میں حکم دینا واجب ہے تو یہ بھی ٹھیک ہے پس فرق کو سمجھ کہ خدا تعالیٰ کی رحمت قسم قسم ہے وہ ہر روز کسی نہ کسی حال میں ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور وہ بلند درجہ ہے پس اول و آخر اسی کی تعریف ہے اور درود ہو اللہ کے حبیب پر مع انکی آل واصحاب اور تابعوں اور تمام شیوخ اور مریدوں کے اور مرید اور مراد کی تحقیق آپ کے قول مریدی لا تخف کے تحت عنقریب آئے گی۔

قصیدہ خمریہ شریفہ مبارکہ کے سمندر سے انیسویں موج۔

9 مُرِیْدِیْ لَا تَخَفْ اَللّٰہُ رَبِّیْ عَطَانِیْ رِفْعَۃً نِلْتُ الْمَنَالِیْ

خوف ڈرنا خائف ڈرنے والا اور کہا جاتا ہے قومٌ خوّفٌ اصل پر اور اللہ اس ذات کا نام ہے جو تمام صفات کاملہ کی جامع ہے اور اس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے کہ رب پروردگار و مالک خدا اور وہ خدا تعالیٰ کے ناموں میں ایک نام ہے اور اللہ کے سوا دُوسروں پر اس کا اطلاق اضافت یا الف لام سے ہوتا ہے۔ اور بیضاوی میں ہے رب اصل میں تربیت کے معنی میں ہے۔ اور وہ کسی چیز کو آہستہ آہستہ مرتبہ کمال پر پہنچانا ہے پھر اس کو مبالغہ کے لئے وصف کے طور پر لائے ہیں جیسے صوم اور عدل اور کہا گیا ہے کہ وہ ربہ یربہ فھو ربّہ سے صفت ہے، یہ کسی چیز کے مالک کا نام ہے کیونکہ وہ اپنی چیز کی حفاظت کرتا ہے۔ اور اس کی تربیت کرتا ہے اور مدارک میں ہے واسطی نے کہا وہ ابتدا خالق ہے اور غذا کے لحاظ سے اور انتہا کے لحاظ سے کاٹ دینے والا ہے اور عمر نسفی کی تفسیر میں ہے کہ وہ سردار کے معنی میں ہے اللہ تعالیٰ کے قول کی طرح اپنے رب کے پاس میرا ذکر کرنا، یعنی اپنے سردار کے پاس اور مالک کے معنی میں کہا جاتا ہے۔ گھر کا رب یعنی اس کا مالک اور حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اونٹوں کا رب ہے یا بکریوں کا؟ تو اس نے کہا مجھے اللہ نے ہر چیز دے رکھی ہے اور

Scanned by CamScanner

مصلح اور مدبر کے معنی میں کہا جاتا ہے گھر کا رب اور اسی سے ربّانیون کا لفظ ہے اور وہ لوگوں کے امور کو اپنے علم سے درست کرنیوالے
اور انکے امور کی تدبیر کرنے والے علماء ہیں اور رواثم ثابت کے معنی میں بھی انکے قول سے ربّ بالمکان ٹھہرا اسا ور ارَبّ ٹھہرا۔ اور
اسیطرح لبّ و البّ ہے بمعنی ٹھہرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں ٹھہر جانے والے فقر اور ساکن
ہوجانے والی۔ وش اور دشمن کے سامنے عاجزی کرنے سے امام ابو منصور رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا مالک کے معنی سے ہونا
سیّد کے معنی میں ہونے سے قریب ہے کیونکہ کہا جاتا ہے ربّ السمٰوات یعنی مالک اور سیّد کے معنی میں نہیں کہا جاتا میں کہتا
ہوں اگر یہ معانی مضاف الیہ کی حیثیت سے قرائن پر موقوف المرادہ ہوں تو معانی میں سے کوئی معنی بھی دوسرے کی
نسبت سے اقربیت میں پورا نہیں ہوتا جیسا کہ لفظ متعین ہے اور ابن عباس اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہما سے مروی ہے
کہ انھوں نے کہا یہ اللہ کا سب سے بڑا نام ہے کیونکہ ہر اسم کو جب اکٹھا کیا جائے تو اس کے معنی باطل ہوجاتے ہیں مگر ربّ
کا لفظ کہ اس کا الٹ بَرّ ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اور خضر علیہ السلام نے بھی اسی کے ساتھ اشارہ
کیا اور کفایہ شعبیۃ میں ہے اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آیا ہے کہ اے ربّ کا قول زیادہ کہو کہ جس نے سب سے
پہلے یاربّ کہا وہ جبرائیل علیہ السلام ہے ہیں اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب گنہگار بندہ یاربّ کہتا ہے۔
تو فرشتے اس کی آواز کو روکتے ہیں اور جب دوسری مرتبہ یارب کہتا ہے تو پھر بھی فرشتے روکتے ہیں اور اسی طرح تیری
مرتبہ بھی اور جب چوتھی مرتبہ یاربّ کہتا ہے تو فرشتے اس کو روکنے کا ارادہ کرتے میں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کب تک
تم میرے بندے کی آواز کو روکتے جاؤ گے میرے بندے کو معلوم ہوچکا ہے کہ اس کے کچھ گناہ ہیں اور اس کا کوئی رب ہے
جو انکی وجہ سے اس سے مواخذہ کریگا اور ان کو بخش بھی سکتا ہے اے میرے فرشتو میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسکو بخش دیا۔
اور احادیث میں مروی ہے کہ ایک بدّو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں داخل ہوا اور دو رکعت نماز پڑھی پھر جب
سلام پھیرا تو تین مرتبہ کہا اے ربّ پھر اُٹھ کر کھڑا ہوگیا اور کہا یا رب یارب یارب تین مرتبہ پھر کھڑا ہوا اور کہا یارب
چار دفعہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا پس اعرابی نے کہا اے اللہ کے رسول کیا آپ میری دعا سے ہنستے ہیں؟ تو
آپ نے فرمایا نہیں لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے تعجب کرتے ہوئے تبسم کیا ہے۔ کیونکہ جب تو نے بیٹھے ہوئے تین
مرتبہ یاربّ کہا۔ تو تجھے اللہ تعالیٰ نے تین ہی مرتبہ لبّیک سے جواب دیا پھر جب تو کھڑا ہوا اور تو نے چار مرتبہ کہا تو اللہ تعالیٰ
نے چار ہی مرتبہ جواب دیا تو میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے تعجب کیا اور اسماء الٰہی کے فضائل بیان میں منحصر نہیں ہوسکتے مخصوصاً
اسم ربّ کے فضائل اور اسی لئے اس کو اپنے قول الحمد للہ رب العالمین میں لفظ اللہ کے بعد اپنی تعریف کے علت (سبب)
قرار دیا ہے اور عطاء مصدر بمعنی اعطاء ہے۔ اور کبھی دی ہوئی چیز کی ذات پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور رفعت بالکسر بلندی قدر
اور بلند ہونا نیل پانا اور پہنچنا اور فعال مصدر ہے اور ظرف کے معنی میں بھی آیا ہے اور کلام دونوں توجیہوں کی متحمل ہے
لیکن دوسرا معنی آپ کے قول رفعۃ سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے جیسا کہ ہر اس آدمی پر مخفی نہیں ہے جس کو کلام کے اسلوب
سے واقفیت ہے۔ پس اس کو سمجھ۔
نحو: لا تخف نہی کا صیغہ ہے خاف یخاف اجوف واوی سے اور دو فعل ہے اور اس کا فاعل ضمیر مخاطبہ ہے اور مفعول

محذوف ہے یعنی تو نفس اور خواہش اور دشمن اور گمراہ کرنے والوں اور شیطان اور ذلیل لوگوں سے نہ ڈر اور یہ بھی جائز ہے کہ مفعول مقدر ہو یعنی تو ہولناک امر سے نہ ڈر یعنی مجاہدہ کے امر سے جس کے لئے تو اے مرید ہم اور اس کے اخوات میں مامور ہے یعنی محبت کا معاملہ سخت ہے کہ اس کے اشغال کی وادیوں میں عقلیں اور بڑے بڑے لوگ جل گئے ہیں خصوصًا اللہ تعالیٰ کی محبت کہ جس کے متعلق سرور کائنات نے فرمایا میرا جگر افراق سے پتلا ہو گیا اور محبت کی حشمت کا بیان اور محبت کے جنگلوں کے وہم کے ترجمان کا بیان پہلے گزر چکا ہے اس کو یاد کر اور جائز ہے کہ آپ کا قول اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق ہو جو شعیب علیہ السلام کی زبان سے موسیٰ علیہ السلام کے لئے نکلا "تو خوف نہ کر تو نے ظالم قوم سے نجات پائی" یعنی اے میرے مرید تو زوال اور نفس امارہ کے برائی سے دھوکہ دینے سے خوف نہ کر جب تو میری ارادت کی بساط میں پہنچ گیا تو تو نے اس سے نجات پا لی میں خدا تعالیٰ کے فضل و رحمت سے تیری نگرانی اور حفاظت کرنیوالا ہوں تجھے خوش ہونا چاہیے کہ ایک مضبوط قلعہ میں ساکن ہے پس تیرا دل مطمئن ہو گا۔ اور تجھے ہر مقام میں دل اور روح اور سر کے لحاظ سے اس طرف میدان میں حاصل ہو گا یہاں تک کہ تو ان لوگوں سے ہو جائیگا جن میں استقامت ہے اور ایسے قیام میں کھڑے کئے گئے ہیں جو زائل نہ ہو گا انکو ایسا دوام جو بیعرے گا نہیں اور اسی کا طمانیت اور سکون میں پہلے وعدہ کیا گیا تھا۔

اور ربّک اللہ ربی مبتدا اور خبر ہے اعراب کے لحاظ سے اس کو پہلے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے پھر یا تو وہ جملہ مستانفہ ہے یا معترضہ ہے اور عنقریب بلاغت میں آئیگا اور عطائی کا جملہ یا تو اللہ کے قول کے لئے دوسری خبر ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ استیناف ہو یا معترضہ ہو اور آپ کا قول رفعۃ اس کا مفعول ثانی ہے اور پہلا مفعول یائے متکلم ہے نلت فعل ماضی متکلم کا صیغہ ہے اور منال یا تو مفعول مطلق ہے یا مفعول فیہ ہے اور یہ جملہ آپ کے قول رفعۃ کیلئے صفت ہے اور ضمیر محذوف ہے یعنی نلت بہا المنال جملہ ہے اور منال کی جزئی درجہ گزر چکی ہے اور وہ کاسات الوصال سے لیکر ابیات کے آخر کا توافق ہے پھر منال سے مراد اگر ظرف ہو تو یا تو قرب حقیقی کی بساط ہے۔ یا حقیقی دائمی نیابت کا منصب ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کو عطا فرمایا ہے اور اسی لئے شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض کلاموں میں فرمایا ہے "اے شیخ عبد القادر تجھے میری قسم کھا میں نے تجھ کو رد سے محفوظ رکھا ہے اور ایک اور قصیدہ میں ہے سے پہلے لوگوں کے شموس غروب ہو گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ بلند افق پر رہیگا غروب نہ ہو گا۔ اور اگر منا کو بالضم پڑھا جائے یعنی مرادات اور منی کا کلمہ علیحدہ ہو جائے تو معنی اس طرح ہو گا میں نے ان مرادوں کو پالیا جو سخت مجاہدات سے میرے سامنے ملحوظ تھیں پس تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جو ہم سے غم کو لے گیا پھر اگر تو کہے کہ جب آپ کا قول نلت آپکے قول رفعۃ کی صفت ہو تو رفعۃ مراد اور مقاصد حاصل کرنے کا سبب ہو گا۔ تو ضروری ہے کہ تو بیان کرے کہ رفعت سے مراد کیا ہے کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس سے مراد قدر بلند ہے جو وصول کے وقت حاصل ہو تو اس سے چیز کی سببیت اپنے نفس کیلئے لازم آئے گی تو میں کہونگا کہ رفعت سے مراد یا تو وہ ابتدائی مرادی جذبہ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے شیخ اجل رضی اللہ عنہ کو مشرف فرمایا یا اس کے سبب خرمایا تو اس وقت مراد کی وضاحت سورج کی روشنی کی طرح ہو گی اور اگر اس سے توفیق مراد لی جائے تو بھی اسی طرح ہے اور اگر اس سے قرب حقیقی مراد لیا جائے جو کہ آپکے قول اللہ ربی کے زیادہ لائق ہے تو پھر بھی صحیح ہے کیونکہ منال سے مراد

سیر فی اللہ مراد لیا جائے یعنی اس نے میری تربیت فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کرنے میں قوت کا طرہ و متانت شامل سے مجھے رفعت بخشی تو میں اسکی وجہ سے ابلغ وجہ اور اتم طریق کے ساتھ سیر فی اللہ تک پہنچا کیونکہ سیر الی اللہ سیر فی اللہ کی بنیاد ہے اور دیوار کی مضبوطی بنیاد کی مضبوطی کے مطابق ہوتی ہے اور جو کچھ تیرے سامنے ذکر کیا اس سے تجھے یہ تو ظاہر ہو گیا کہ خوف کی نفی سے مراد وہ خوف نہیں ہے جس پر ایمان کے بقا کا دارومدار ہے یعنی امید کے بالمقابل ہے یہاں تک کہ کہا جائے کہ آپکا قول لاتخف للہ تعالیٰ کے قول کے "اللہ کی تدبیر سے فائدہ خسارہ اٹھانے والی قوم ہی مطمئن ہوتی ہے" کے مخالف ہے اور صحیح عقیدہ یہ ہے کہ اللہ سے بےخوف ہو جانا کفر ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ "ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے" اور انکے علاوہ اور بھی آیات اور احادیث ہیں۔ جو دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے خوف نہ رکھنا کفر اور گمراہی اور خسارہ ہے بلکہ خوف کی نفی سے مراد دشمنوں، اور نقصان پہنچانیوالے اور انسان کو خواہشات میں مبتلا کرنیوالے شیطانوں کا خوف ہے اور اس قول کا خلاصہ اس حمایت کا بیان ہے جو مرید کیلئے شیخ سے تکلیفوں کے دور کرنے میں آپکے فضل کی حیثیت سے ثابت ہے۔ اور یہ اسی طرح ہے جیسے کہ بادشاہ کا نائب ان لوگوں سے کہے جو باغیوں اور چوروں میں سے اس کے ہاتھ پر توبہ کریں۔ کہ تو کوئی خوف نہ کر کیونکہ میں تیرا حمائیتی ہوں یعنی اس سے خوف نہ کر کہ کوئی تجھ پر ظلم کرے گا باقی رہا بادشاہ سے خوف تو وہ خود ہی خوف میں ہے اور اسی لئے تو اس نے توبہ کی ہے پس نفی خوف سے مراد بادشاہ کا خوف سمجھنا اس حالت میں بالکل باطل ہے اس کے ارادہ کرنے پر صرف وہی شخص جرأت کریگا جس کی عقل سلب ہو چکی ہے اور جس کی بصیرت کی نظر چلی گئی ہے۔ اور اس کا اچھا باطن الٹ ہو چکا ہے۔

البلاغت:۔ آپ نے اپنے قول مریدی کو مکرر فرمایا ہے۔ یا تو اس آدمی پر کمال شفقت کے اظہار کے لئے ہے۔ جو آپکی ارادت سے متصف ہوا ہے۔ یا اس آدمی کو حکم دینے کے لئے ہے جس نے ارادت کے ساتھ آپ کی بیعت کی کہ تجھ کو چاہیے کہ تو میری ارادت کی مخالفت نہ کرے اور یا اس آدمی کے شرف کے اظہار کے لئے ہے جو آپ کی ارادت سے متصف ہوا اس حیثیت سے کہ وہ اس ارادت کی وجہ سے اس لائق ہو گیا ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا اس سے خطاب کریں اور جائز ہے کہ تکرار کی وجہ یہ اشارہ ہو کہ ان دونوں ترکیبوں سے ہر ایک بیت کے امر اور نہی کا منشا اس کی تعمیل اور اس سے باز آنے کا صرف ارادت ہے۔ اس قاعدہ کی بنا پر کہ صفت کے ساتھ حکم کو معلق کرنا سببیت کا مشعر ہے اور یا یہ توجیہ ہو کہ مرید نے جب اپنے نفس کو شیخ کے دامن سے منسوب کیا تو شیخ پر لازم ہوا کہ اسکو فضائل کا حکم دے اور اس کو رذائل سے بچائے اور اچھی عادات اور احسن خصائل میں کوشش کرے اور اس میں الشاد کی شدت ہے یا دنیا اور آخرت میں اس کی حفاظت کرنا ہے اور اگر کہا جائے کہ تکرار کی وجہ ان مفاخر کے حصول کی طرف اشارہ ہے۔ جو مرید کو آپ رضی اللہ عنہ کی نسبت کی حیثیت سے دوسروں کے مریدوں کی نسبت حاصل ہوئے ہیں تو یہ توجیہ بھی صحیح ہے۔ اور جائز ہے کہ تکرار امر و نہی میں سے ہر ایک کے مستقل ہونے کی طرف اشارہ ہو اور یا مرید کو شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی جناب سے نسبت حاصل ہونے کے بعد غفلت کی نیند سے جگانے کیلئے ہو اور یہ اسی طرح ہے سلطان اپنے بعض متبعین کے جگاتے ہیں کہ اس کو جو آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی جناب سے نسبت کی وجہ سے

نعمتوں کے حصول ہوا ہے اسے معلوم کرانے کے لئے اور اُن تحف کا جواب لانے میں اہل بدعت کے رد کی طرف اشارہ ہے جو خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور غیر حق کی طرف بار بار مائل ہو جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں واقع ہوا ہے کہ "یہ شیطان ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے سو تم ان سے نہ ڈرو اور اگر تم مومن ہو تو مجھ سے ڈرو" تو اس صورت میں اس جملہ میں منفی شیطان اور خواہش کی سلک پیروی ہوگی معاملہ اور عبادت کی حیثیت سے مثلاً ایک آدمی نے ارادہ کیا کہ اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرے تو شیطان اسے فقر سے ڈراتا ہے اور وسوسے سے اسکو گمراہ کرتا ہے کہ تیری اولاد چھوٹی ہے اگر تو یہ خرچ کر دیگا تو فقیر ہو جائیگا اور اس آدمی کا محتاج ہو جائیگا جو ان دونوں حالتوں میں تیرے درجہ کا نہیں ہے۔ پس تو اس مال کو خرچ نہ کر اور اپنے نفس کو مصیبت میں نہ ڈال اور تو اس گمراہ فرقے سے دور یعنی شیطان اور اس کے تابعداروں سے اور بصیرت تامہ اور ہمت کاملہ پر قائم رہ تو اہل بدعت کے لئے جو خوف ثابت ہے وہ کئی قسم کا ہے ایک قسم مال خرچ کرنے اور اس کے بعد فقر کے آنے کی حیثیت سے ہے پس وہ ڈرتے ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ شیطان تم کو فقر کا وعدہ دیتا ہے اور بےحیائی کا حکم دیتا ہے پس معلوم ہوا کہ بےحیائی کا حکم مال خرچ کرنے سے فقر کے خوف کے ساتھ مجتمع ہے مثلاً ایک شخص کے پاس مال ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب ہے اور وہ واجب زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ تو حکم شرعی کا عالم اس سے کہتا ہے جو تجھ پر زکوٰۃ واجب ہے ادا کر اور وہ اس کے حکم سے سستی کرتا ہے۔ تو پھر وہ عالم اس کو سختی سے پکڑ لیتا ہے۔ اور اسے بادشاہ کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے۔ کیونکہ وہ پانچ فرائض میں سے ایک فرض کا تارک ہے۔ تو اس سستی کرنے والے نے خیال کیا کہ اس امر کو قبول نہ کرے پھر وہ رات میں اس کے پاس جاتا ہے۔ اور حملہ کرتا ہے۔ تو یہ گناہ حقیقت میں شیطان کے خوف سے پیدا ہوتا ہے جس نے اس کے دل میں یہ خیال بٹھایا کہ اگر وہ زکوٰۃ کا مال ادا کریگا تو اس کے نتیجے میں فقیر ہو جائیگا کیا تو نے نہ دیکھا کہ قارُون کو جب موسیٰ علیہ السلام نے تاکید کی تو اس نے ایک بہت بڑا بہتان بنایا وہ ایک عورت کو لایا اور اس کو سکھلایا کہ موسیٰ علیہ السلام سے باوجود انکے بری ہونیکے کہدے کہ اے موسیٰ تو نے میرے ساتھ زنا کیا ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان بدل دی۔ پس جب وہ عین اس بہتان کے ارادہ میں تھی۔ اس نے کہا اے موسیٰ تو اس چیز سے بری ہے جو تیرے متعلق قارون کہتا ہے۔ میں کسی آدمی پر تہمت نہیں لگاتی جو بری پر تہمت لگائے تو اس کو اللہ تعالیٰ بڑی سخت پکڑ پکڑیگا اور دردناک سزا دیگا۔

مختصر یہ کہ خواہش اور شیطان کی اتباع ہر برائی و ہر قباحت کا منبع و مخزن ہے اسی لئے شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اس سے خوف کھانے سے روکا ہے کیونکہ کوئی بھی کسی کی پیروی اس وقت تک نہیں کرتا جبتک کہ اس سے ڈرتا نہ ہو پس متابعت اکثر خوف سے پیدا ہوتی ہے۔ پس خوف میں ان تمام نفسانی خواہشات کی مباشرت کی نفی ہے جو شیطانی خواہشات کی نفی سے پیدا ہوتی ہے۔ تو اس صورت میں یہ آپکے قول مرید کی ہم الخ کی تکمیل ہوگا یعنی یہ اوامر اس وقت تک مکمل اور پورے نہیں ہو سکتے جبتک کہ شیطان کے خوف سے پرہیز نہ کی جائے کیونکہ اہل ایمان اپنی جانوں کو ہلاکت اور الکساری میں ڈال دیتے ہیں۔ تو انکو موت سے ڈراتا ہے اور اہل طبیعت ان کو اس میں اطمینان ہے جس پر وہ کامیاب ہیں

تو انکو اس سے ڈراتا ہے کہ تمہاری اولاد چھوٹی ہے اور ماں باپ کمزور ہیں تم پر ضروری ہے کہ انکے لئے کمائی کرو کہ انکا خرچ تم پر واجب ہے اور اہلِ شطحِ غنا کی طرف ترقی کرتے ہیں تو انکو کہتا ہے کہ تم کو کیا ہو گیا ہے کہ اہل و قبائل کو چھوڑتے ہو اور ہلاکتوں اور جالوں میں پھنستے ہو۔ بیشک یہ ایسی وادی ہے جسکی کوئی انتہا نہیں ہے اس میں ایک بہت بڑی جماعت پگھل چکی ہے۔ اور ان میں چھوٹے بڑے ہلاک ہو چکے ہیں اور وہ چیز نہیں پا سکے جس سے مطمئن ہوں پس تم کو کیا ہو گیا ہے کہ تم اس سے پریشان ہو اور اہل غنا اس سے اور اس کے خطرات سے محفوظ ہیں۔ خبردار میرے بندے بیتر ان پر کوئی غلبہ نہیں ہے اسی لئے شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اسکے لئے قول اللہ ربی سے مکمل فرمایا یعنی مجھ کو میرے رب نے تمام صفات کی سطوت کے ظہور سے اور تمام ظہورات کے جلووں کے شہود سے تربیت فرمایا ہے پس میں اپنے نانا مصطفٰے کے زیر سایہ ہوں جو کہ مظہر اتم ہیں اور جن کو جمال اور جلال کے تمام کمالات حاصل ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ان تخیلات کے دفع کرنے میں بعض کاملین سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک قبر کھود لی اور اس میں سو جاتے پس شیطان انکو وسوسہ ڈالتا اور کہتا تو کیا کھائیگا وہ کہتا موت پھر کہتا کیا پہنے گا وہ کہتا کفن پھر کہتا تو کہاں رہیگا وہ کہتا اس قبر میں تو شیطان نامراد اور خسارہ اٹھانے والا ہو جاتا پس شیخ اجل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اے مرید تو شیطان کے ساتھ مجاہدہ کرنے سے خوف نہ کھا اور اس کے دوستوں سے لڑائی کر بیشک شیطان کا مکر کمزور ہے آیت کریمہ کے مطابق کہ "شیطان کے دوستوں سے لڑو کہ شیطان کی تدبیر کمزور ہے" پھر آپ کا قول عطائی رفعۃً اگر جملہ مستانفہ ہو جیسا کہ وہی ظاہر ہے تو یہ آپ کے قول اللہ ربی کیلئے علت ہوگا یعنی اللہ تعالٰی نے جو تمام صفات کا جامع ہے میری تربیت فرمائی ہے کیونکہ اسی نے معنوی قدر اور حقیقی ترقی میں نبی کے زیر سایہ ہو اس کا مظہر اتم ہیں مجھے بلندی عطا فرمائی ہے یعنی میں اس بلند قدری کو پہنچا ہوں اور بلندیوں پر کامیاب ہوا ہوں یعنی دعوٰی کلی نوعی کے بعد وصولات جزئیہ پر اور اس صورت ہو سکتا ہے۔ کہ یہ بھی بیان ہو یعنی رفعت سوائے اس کے نہیں کہ وہ عطا ہے جس کے ساتھ مجھے اللہ تعالٰی نے مشرف فرمایا ہے اور اگر وہ خبر کے بعد خبر ہو جیسا کہ پہلے بھی اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔ تو بھی ہو سکتا ہے پھر آپ اپنے قول رفعۃ میں ماضی کا صیغہ لائے ہیں یہ اشارہ ہے۔ کہ اس رفعت اور اس نیل کے کمال تحقق کی طرف اشارہ ہے۔ اور پھر جائز ہے کہ عطاء اور نیل میں ماضی مراد اللہ تعالٰی کے علم میں تقسیم کمالات کا زمانہ ہو یا عالم ارواح میں یا ماں کے پیٹ میں جیسا کہ بعض کاملین سے روایت کیا گیا ہے کہ جب استاد نے ان کو حروف پڑھانے کا قاعدہ سکھلانے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا مجھے قرآن مجید کے پندرھویں پارہ یعنی سبحان الذی اسرٰی بعبدہٖ سے لکھ دو تو اس سے کہا گیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ تو اس نے کہا میں نے نصف قرآن اپنی ماں کے پیٹ کے اندر پڑھ لیا ہے۔ کیونکہ وہ اتنے قرآن کی حافظ تھی اور وہ پڑھا کرتی تھی۔ اور میں اس سے سنا کرتا تھا۔ تو اس قدر تو میں نے یاد کر لیا ہے۔ پاک ہے۔ وہ اس کی شان بلند ہے اور یہ معاملہ عقول کی سرحد سے آگے کا ہے۔ اور جائز ہے کہ اس سے بچپن کا زمانہ مراد ہو اور یہ اسی طرح ہے جیسے کہ آپ نے قصیدہ مبارکہ میں فرمایا اور گود میں میری روزہ رکھنے کے ساتھ شہرت ہو چکی ہے اسکو یاد رکھ تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں اس کی راہنمائی فرمائی اور نہیں تھے ہم کہ ہدایت پا سکتے اگر اللہ تعالٰی ہماری رہنمائی نہ فرماتا اور

Scanned by CamScanner

درود ہو اللہ کے رسول محمد اور انکی آل اور صحابہ اور تمام تابعداروں پر۔

تحقیق زائد و تحقیق عائد: شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے مرید اور مراد کے معنی میں فائدہ بخشا ہے ہم انکی عبارت شریف غنیۃ الطالبین سے طالبوں کی جماعت کو مرید اور مراد اور ارادہ کے معنی میں بے نیاز کرنے کیلئے نقل کرتے ہیں۔ ارادہ تو عادت کو چھوڑنے کا نام ہے اور اسکی تحقیق حق سبحانہ کی طلب میں دل کا اٹھنا اور ماسوی کو چھوڑنا ہے۔ پس جب بندہ عادت کو چھوڑ دیتا ہے جو کہ دنیا و آخرت کے حظوظ میں سے تو اس وقت اس کا ارادہ خالص ہو جاتا ہے پس ارادہ ہر کام کا مقدمہ ہے پھر اسکے بعد قصد ہوتا ہے پھر عمل یہ ہر سالک کے طریق کی ابتدا اور ہر قاصد کی پہلی منزل کا نام ہے۔ اللہ تعالی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا اور ان لوگونکو ہانک نہ دے جو اپنے رب صبح و شام پکارتے ہیں اسکی رضامندی کا ارادہ کرتے ہیں تو اللہ تعالی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو انکے ہانکنے اور دور کردینے سے منع فرمایا اور دوسری آیت میں ہے "اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ روک رکھ جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں اور اس کی رضامندی کا ارادہ رکھتے ہیں اور دنیا کی زندگی کی زینت چاہتے ہوئے اپنی نظریں ان سے نہ پھیر" آپ کو ان کے ساتھ رہنے اور صبر کرنے اور نفس کو انکی صحبت میں روکنے کا حکم دیا ہے۔ اور انکی صفت یہ بیان کی ہے کہ وہ اللہ کی رضامندی چاہتے ہیں پھر فرمایا دنیا کی زینت چاہتے ہوئے ان سے اپنی آنکھیں نہ پھیر تو اس سے ظاہر ہوگیا کہ ارادے کی حقیقت وہ صرف اللہ کی رضامندی کا ارادہ ہے سوائے دنیا اور آخرت کی زینت کے اور کہا گیا ہے کہ ارادہ ترک ارادہ کا نام ہے اور ارادہ کی جلن اور سوزش ہی دل کا اٹھنا ہے۔

باقی رہا مرید اور مراد تو مرید وہ شخص ہے جس میں یہ تمام چیزیں موجود ہوں اور ان صفات سے متصف ہو پس وہ انکے ساتھ ہمیشہ اللہ عزوجل اور اسکی اطاعت کی طرف متوجہ ہے اور دوسروں سے منہ پھیرنے والا ہے وہ اپنے رب سے سنتا ہے۔ پھر جو کتاب و سنت میں ہے۔ اس کے مطابق عمل کرتا ہے اور دوسروں سے بہرا ہوجاتا ہے اور اللہ عزوجل کے ساتھ دیکھتا ہے۔ پس وہ اپنے اندر اور دوسری تمام مخلوقات کے اندر اس کے فعل کو دیکھتا ہے۔ اور دوسروں سے اندھا ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ عزوجل کے سوا اور کسی کو حقیقی فاعل نہیں دیکھتا پس وہ سنتا ہے بلکہ دیکھتا ہے۔ کہ وہ ایک آلہ اور سبب محرک اور مدبر و مسخر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری کسی چیز سے محبت اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔ یعنی تجھ کو تیرے محبوب کے سوا اندھا کر دیتی ہے اور تیرے محبوب کے اشتغال میں تجھ دوسروں سے بہرا کر دیتی ہے پس نے تجھ کو ارادہ کے بعد ہی محبوب بنایا اور اسوقت تک ارادہ نہ کیا جبتک کہ اس کا ارادہ خالص نہ ہوا اور اس کا ارادہ اس وقت تک خالص نہ ہوا جبتک کہ تو نے دل میں ڈر کی چنگاری نہ ڈال دی اور تو نے دنیا کی ہر چیز کو جلا نہ دیا اللہ تعالی نے فرمایا۔ بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو برباد کر دیتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیتے ہیں!! جیسا کہ وہ خیال کرتا ہے کہ وہ ایک دلی سوزش ہے۔ جس سے ہر ایک ڈر آسان ہو جاتا ہے۔ پس اسکی نیند غلبہ سے ہوتی ہے اس کا کھانا فاقے سے ہوتا ہے۔ اس کا کلام ضرورت سے ہوتا ہے۔ وہ اپنے نفس کو ہمیشہ پختہ کرتا ہے۔ اور اسکی محبوب اور اسکی لذتوں کو قبول نہیں کرتا وہ اللہ عزوجل کے بندوں کی خیرخواہی کرتا ہے۔ اور اللہ عزوجل کے ساتھ خلوت سے مانوس ہوتا ہے

Scanned by CamScanner

وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے صبر کرتا ہے اور اللہ کی تقدیر پہ راضی ہوتا ہے اور اللہ عزّوجل کے حکم کو پسند کرتا ہے اور اللہ کے دیکھنے سے شرم کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنی ہمت خرچ کرتا ہے اور ہر اس سبب پر توجہ کرتا ہے۔ جو اسکو اللہ عزّوجل تک پہنچا دے اور گمنامی اور چھپے رہنے پر قناعت کرتا ہے۔ وہ اللہ کے بندوں کی تعریف پسند نہیں کرتا اور کثرت نوافل کے ساتھ اپنے رب کی محبت حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ عزاسمہ تک پہنچ جاتا ہے پھر وہ اللہ کے دوستوں اور مرادوں کی جماعت میں شمار کیا جاتا ہے۔ پھر اس کا نام مراد رکھا جاتا ہے۔ پھر اس وقت اس سے اللہ کے طریق کے سالکوں کے بوجھ دور کر دیئے جاتے ہیں اسکو اللہ عزاسمہ کی رحمت اور رافت اور لطف کے پانی سے دھویا جاتا ہے۔ پھر اس کے لئے اللہ کی ہمسائیگی میں ایک گھر بنایا جاتا ہے اور اس پر گوشہ نشینی کے انوار کی خلعت ڈالی جاتی ہے۔ اور وہ ہے اللہ کی معرفت اور اس کے ساتھ انس اور سکون اور اسکی طرف طمانیت وہ اللہ کی حکمت اور اللہ کے اسرار کے ساتھ صریح اذن کے بعد بلکہ اللہ عزّوجل کی خبر کے بعد بولتا ہے اور کئی القاب سے لقب کیا جاتا ہے۔ جن سے وہ اللہ کے دوستوں کے درمیان متمیز ہوتا ہے پھر وہ اللہ تعالیٰ کے خواص میں داخل ہوتا اور ایسے ناموں سے موسوم ہوتا ہے۔ جنکو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور ایسے اسرار پر مطلع ہوتا ہے جو اسکو خصوصاً ملتے ہیں پھر وہ اللہ عزّوجل کی طرف سے دوسروں کے پاس ان سے نہیں بولتا وہ اللہ کے ساتھ دیکھتا ہے اور اللہ کی قوت سے پکڑتا اور بولتا ہے اسکی اطاعت میں کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سکون حاصل کرتا ہے اور اللہ کی اطاعت کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی تمام آیات میں اللہ کو یاد کرتا ہے۔ اللہ کی پناہ میں ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے امینوں اور اس کے گواہوں اور اسکی زمین کے اوتادوں اور اس کے بندوں اور اس کے شہروں کے کوتوالوں اور اس کے دوستوں اور اس کے محبوبوں سے ہو جاتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عزّوجل سے بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میرا بندہ مومن ہمیشہ میری طرف نوافل سے قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں پھر جب اسکو محبوب بناتا ہوں تو اس کے کان اور اسکی آنکھیں اور اسکی زبان اور اس کے ہاتھ اور اس کے پاؤں اور اس کا دل بن جاتا ہوں پھر وہ میرے ساتھ سنتا ہے میرے ساتھ دیکھتا ہے میرے ساتھ بولتا ہے میرے ساتھ سمجھتا ہے میرے ساتھ پکڑتا ہے۔ پس یہ بندہ ہے۔ کہ اسکی عقل کو عقل اکبر نے اٹھا لیا اور اسکی حرکات تھم جانے اللہ عزّوجل کے قبضہ کی وجہ سے ٹھہر گئیں اس کا دل اللہ تعالیٰ کا خزانہ بن گیا پس اے اللہ کے بندے اگر تو اسے جاننا چاہے تو یہی اللہ تعالیٰ کا مراد ہے۔ آپ کی عبارت غنیۃ الطالبین سے منقولہ سے ختم ہوئی۔

تجھے اس عبارت شریفہ سے ظاہر ہوگیا کہ وہ لوگ جو ارادت کا دعویٰ کرتے ہیں اور اپنا نام مرید رکھتے ہیں اور مرید کی شرائط ان میں ثابت ہوں جو شیخ اجل نے مرید کی شرائط اور حقائق میں بیان کئے ہیں یہ دعاوی ان سے یہ صحیح ہو سکتے ہیں جبکہ وہ ان چیزوں میں سچے ثابت ہوں جو شیخ اجل نے مرید کی شرائط اور پھر حقائق میں بیے ہیں۔ اس کے باوجود وہ گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں اور شریعت کی مخالفت کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں۔ کہ ہم شیخ اجل کی ارادت پر ہیں اور یہ سب ان سے افترا اور جھوٹ ہے کیونکہ مرید وہی ہے جس کے معنی شیخ اجل سے گزر چکے اور اتفاق ہے۔ اس پر کہ دعویٰ بلانیت باطل ہے وہ ایک جادو ہے جس سے وہ مسحور ہیں پس

مسحور گمراہ بے فتور والا ہے دعوے کے ساتھ مغرور ہے۔ میں انکو مجاہدہ کے درخت کے تنوں پر صلیب دونگا تاکہ وہ پختہ ایمان لائیں اور کہیں کہ ہم اپنے رب کی طرف پھرنیوالے ہیں اور اس تذکرہ کریمہ سے آپ رضی اللہ عنہ دار صفا عنا کے قول کا معنی بھی ظاہر ہوگیا مریدی ہم د طب دانشطح دعن دافعل ماتشاء فالاسم عال یعنی ما کے عموم سے مراد معنی مرید کے تشریف لاسخ ہونیکے بعد جوارادات کے لائق ہوں جیسا کہ شیخ اجل نے کتاب سنتہ پر عمل کی شرط کو مرید میں ذکر کیا ہے۔ توان مخالف اتبر قبول ہونیسے ایک کنارہ پر ہے پھر وہ جو ملاحدہ نے شیخ اجل رضی اللہ عنہ سے اپنے مریدینکے لئے عمومی اباحت کا تذکرہ کیا ہے۔ جو محظورات شرعیہ کو بھی عام ہو پس آپ اپنے مریدوں کے لئے ضامن ہیں اگرچہ وہ شریعت کے برخلاف ہوں تو یہ بدیہی ہے اور آپکے قول ہ اگر میرا مرید اچھا نہیں ہے تو میں اچھا ہوں" اور اس کے علاوہ دوسرا اقوال جو آپ رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں کو اسی پر محمول کرنا چاہیے جو ہم نے ذکر کیا اور اس عبارت سے تجھ پر یہ بھی ظاہر ہوگیا۔ کہ قصیدہ خمریہ کی اس کتاب سے مطابقت کیا ہے۔ اور جس آدمی نے یہ کہا ہے کہ یہ قصیدہ شیخ کا نہیں ہے بلکہ آپکے مرید کا ہے۔ اس نے صریحًا غلط کہا ہے اور یہ کہ مراد درجے میں مرید سے زیادہ بلیغ ہے اور یہی اہل کمال داعتدال کا مذہب ہے۔ اور مرید اور مراد کو مترادف قرار دینا جیسا کہ متقدمین اسکی طرف گئے ہیں۔ استلزام کو مستلزم ہے۔ اور حقیقت مطلقہ اس کو اشتراک پر محمول کرنیسے بہتر ہے۔ مگر یہ کہا جائے کہ وہ اصطلاح ہے تو اسمیں کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ پھر جس نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے کہا کہ مرید مبتدی ہے اور مراد منتہی اور مرید وہ ہے۔ جس نے اپنے نفس کو عین محنت سے تھکا دیا اور مشکل مقامات میں ڈالا اور مراد وہ ہے جو بغیر مشقت کے مقصد کو پہنچ گیا پس مرید کو محنت سے تھکایا جاتا ہے اور مراد کے ساتھ نرمی کی جاتی ہے۔ پس مبتدی قاصد کے حق میں اللہ تعالیٰ کی سنت اکثر وہی ہے۔ جو اللہ کی توفیق سے مجاہدات سے پوری اور جاری ہوتی ہے۔ اور پھر انکو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچایا جاتا ہے۔ اور ان سے بوجھ اتار دیئے جاتے ہیں۔ بہت سے نوافل اور ترک خواہشات میں ان سے تخفیف کیجاتی ہے اور تمام عبادات میں سنن و فرائض کے قیام اور دل کی حفاظت اور حدود اور مقام کی محافظت اور اللہ عزوجل کے سوا دلونکے ساتھ انقطاع پر اختصار کر دیا جاتا ہے پس انکے ظاہر تو اللہ کی مخلوق کے ساتھ ہوتے ہیں اور ان کے باطن اللہ عزوجل کے ساتھ انکی زبانیں اللہ تعالیٰ کی حکمت کے لئے ہیں اور انکے دل اللہ تعالیٰ کے لئے پس انکی زبانیں اللہ کے بندونکی خیر خواہی کیلئے ہیں اور انکے باطن اللہ تعالیٰ کی ودیعتوں کی حفاظت کے لئے تو جبتک اللہ تعالیٰ کی زمین اور آسمان رہیں اور بندے اسکی اطاعت اور حق کو ادا کریں اور اسکی حدود کی حفاظت کریں ان پر اللہ تعالیٰ کا سلام اور اس کے تحفے اور اس کی برکتیں نازل ہوتی رہیں۔

جنید رحمۃ اللہ سے مرید اور مراد کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ مرید کی تولیت تو علم کی سیاست کرتی ہے اور مراد کی تولیت خدا تعالیٰ کی رعایت کیونکہ مرید چلتا ہے۔ اور مراد اڑتا ہے۔ پھر چلنے والا اڑنے والے کیساتھ کیسے مل سکتا ہے اور یہ معاملہ تجھ پر موسیٰ اور ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے منکشف ہوسکتا ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام مرید تھے۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد موسیٰ علیہ السلام کی سیر طور سینا کے پہاڑ تک ختم ہوگئی اور ہمارے

نبی کی پرواز عرش اور لوح مسطور و محفوظ تک ہوئی پس مرید طالب ہے اور مراد مطلوب ہے۔ مرید کی عبادت مجاہدہ ہے اور مراد کی عبادت بخشش و انعام ہے۔ مرید موجود ہے اور مراد فانی ہے مرید عوض کیلئے عمل کرتا ہے اور مراد عمل کو نہیں دیکھتا بلکہ اور احسان دیکھتا ہے مرید راہ کے سلوک میں عمل کرتا ہے۔ اور مراد اللہ کے فعل سے قائم ہے مرید اپنی خواہش کی مخالفت کرتا ہے اور مراد لپٹے ارادہ و خواہش سے بری ہوتا ہے۔ مرید قریب ہونا چاہتا ہے اور مراد قریب کیا جاتا ہے مرید پرہیز کرتا ہے۔ اور مراد بخشش و نعمت میں ہوتا ہے۔ غذا دیا جاتا ہے۔ خواہش کرتا ہے مرید محفوظ رہتا ہے۔ اور مراد کی حفاظت کی جاتی ہے۔ مرید ترقی میں ہے۔ اور مراد اس رب تک پہنچ چکا اور واصل ہو چکا ہے جو ترقی کی انتہا ہے اور کہا مراد کے پاس ہر اچھی اور نفیس اور لطیف چیز ہے۔ اسکو سمجھو اور جب کلام مرید اور مراد کے متعلق اس حد تک شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے کلام سے ماخوذ ہو کر پہنچ چکا ہے۔ تو آپکے کلام سے اقتباس کر صوفی اور زاہد کے معنی بیان کر دینا بھی مناسب ہے۔

اقتباس شریف : - تیرے لئے یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ یہ ایک نصیحت ہے۔ پھر جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف رستہ پکڑے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف وصول دنیا کے قید خانے سے نکلنے کے ساتھ ہی میسر آسکتا ہے۔ پھر جو شخص وصول کی جنت اور قبول کے فردوس میں داخل ہونا چاہے اسے خبیث حجاب کے قید خانہ سے نکل آنا چاہیئے کہ پاک اور پلید دونوں ایک جگہ میں اکٹھے نہیں ہو سکتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کہ "دنیا مومن کا قید خانہ ہے" یہی مراد ہے یعنی اس کے تعلقات جو کہ مومن کو قبول کی بساط تک پہنچنے سے قید کر لیتے ہیں۔ اور اسے اسوقت تک نہیں چھوڑتے جبتک کہ اسے پہنچنے والا توانہ پہنچے پس وہ اس حالت ایمان کے تقاضے کے مطابق جو کہ موانع کے اکدار سے فارغ ہونیکے بعد دار القرب کی طرف جاتا ہے۔ دنیا کی ہر ایک لذیذ چیز کو اپنے جانے کے پاؤں میں طوق اور زنجیریں سمجھتا ہے برخلاف کافر کے کیونکہ وہ ظلمت شدیدہ پر بہرا گونگا۔ اندھا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتا کہ جس سے مبدا ہے۔ اور اسی کی طرف معاد ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وہ اسکو جنت و عیش سمجھتا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "اور کافر کے لئے جنت ہے" کے یہی معنی ہیں مختصر یہ کہ ضروری ہے۔ کہ جان لے کہ یہ نکلنا صفائی کے حصول میں جہاد اور کوشش کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور اس کے مراتب بہت ہیں پہلا مرتبہ یہ ہے کہ سالک اس کے حصول میں تکلف کرے پس اس کا نام متصوف ہے یعنی کوشش اور تکلیف کے صفوت کے حصول میں داخل ہونیوالا جیسا کہ کہا جاتا ہے تعمق یعنی کوشش سے قمیص کو پہنا اور یہ اسی طرح ہے۔ جیسا کہ اس آدمی کو جو زہد میں داخل ہو متزہد کہا جاتا ہے۔ اور اگر وہ اپنے زہد میں منتہی ہو جائے اور پہنچ جائے اور تمام چیزوں کو مبغوض رکھے اور اس کے فانی ہو جائے اور اسمیں سے ہر چیز کو چھوڑ دے تو اس وقت اس کا نام زاہد رکھا جاتا ہے۔ پھر اسکے پاس اشیاء آتی ہے وہ نہ تو انکو چاہتا ہے۔ اور نہ انکو برا سمجھتا ہے۔ بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے یا اس میں اللہ تعالیٰ کے فعل کا منتظر رہتا ہے اسی لئے صوفی اس آدمی کو کہا جاتا ہے۔ جو صفاء کامل سے متصف ہو چکا ہو کیونکہ وہ آفات نفس سے صاف ہو چکا ہے۔ اسکی برائیوں سے خالی ہو چکا ہے۔ وہ اس کی اچھی راہوں پر چلنے والا ہے اور حقائق کے

اور متصافات سے ساتھ رہنے والا ہے۔ اور مخلوقات میں سے کسی کی طرف اپنے دل سے سکون نہیں پاتا پس صوفی فوعل کے وزن پر ہے اور متصافات سے ماخوذ ہے یعنی وہ بندہ جسکو اللہ تعالیٰ نے صاف کر دیا پس وہ حق کے ساتھ صادق ہے۔ اور خلقت کے ساتھ بہترین خُلق رکھنے والا ہے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ متصوف اور صوفی کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلا مبتدی ہے اور دوسرا منتہی اور کہا گیا ہے۔ صوفی کو اٹھایا جاتا ہے۔ اور متصوف پر بوجھ لادا جاتا ہے۔ پس متصوف پر ہر بوجھل چیز ڈالی جاتی ہے یہانتک کہ اس کا نفس پگھل جائے اور اس کی خواہش زائل ہو جائے اور اس کا ارادہ لاشئ ہو جائے پس وہ صاف ہو جائے پھر وہ تقدیر کی سواری بن جاتا ہے۔ اور علوم و حکمت کا منبع ہوتا ہے۔ اولیاء وابدال کیسے لوگ ہیں؟ تاج کے موتی رب کے دیکھنے کا مقام اس کے سامنے جہات کی جہت اور ابواب کا دروازہ کھل جاتا ہے اور وہ رب الانام داب الارباب کی تقدیر پر رضامندی اور اسمیں جہان کے افعال کئے جاتے ہیں۔ جو ہو چکا اور جو آنیوالا ہے اور اسرار وخفیات کی خبر پھر اس دروازے کے سامنے ایک اور دروازہ کھولا جاتا ہے جیسے بادشاہ احسان کنندہ کی طرف قرب کے دروازہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ پھر وہاں سے اسے مجالس انس کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔ پھر اسے یگانہ کرسی پر بیٹھایا جاتا ہے پھر اس سے حجابات اٹھا دیے جاتے ہیں اور اسکو فردانیت کے گھر میں داخل کیا جاتا ہے اور اس سے جلال وعظمت کو کھول دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے نفس اور اپنی صفات سے فانی ہو جاتا ہے پھر وہ شیشے کے برتن کی طرح ہو جاتا ہے۔ جو صاف پانی سے بھرا ہوا ہو۔ اسمیں اجسام کے عکس ظاہر ہوتے ہیں اس پر قدرت کے سوا کوئی چیز حکومت نہیں کر سکتی اور امر کے سوا اسے کوئی چیز ایجاد نہیں کرتی پس وہ اپنے آپ اور اپنی خواہش سے فانی ہے اپنے مولا اور اس کے حکم کے ساتھ موجود ہے کیونکہ خلوت تو موجود کیلئے ہے پھر وہ بچے کی طرح ہوتا ہے کہ جبتک اسکو کھلایا نہ جائے وہ نہیں کھاتا اور جبتک پہنایا نہ جائے نہیں پہنتا پس وہ سپرد کیا گیا ہے چھوڑ دیا گیا ہے "ہم انکو دائیں اور بائیں طرف پھیرتے ہیں"۔ الا یہ وہ اپنی تخلیق کے لحاظ سے دوسرے جسموں کے ساتھ ہے اور افعال اور سرائر اور ضمائر اور نیتوں کے ساتھ ان سے الگ ہے پس اس وقت اس کا نام صوفی رکھا جاتا ہے اس معنی پر کہ وہ تکدر اور مخلوق سے اپنی تخلیق کے ساتھ صاف ہو چکا ہے اگر تو چاہے تو اس کا نام ابدالوں میں سے ابدال اور اعیان میں سے عین رکھ لے وہ اپنے نفس اور اپنے رب کو پہچاننے والا ہے جو کہ مردوں کو زندہ کرنیوالا ہے۔ پس اولیاء کو نفوس اور طبائع کے ظلمات سے ذکر اور علوم اور اسرار اور اللہ عزوجل کی نور کی طرف قربت کے نور کی طرف نکالنے والا ہے "اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایک طاقچہ کی طرح ہے" اور اللہ ایمانداروں کا دوست ہے" الا یہ اور یہی وہ بزرگ فرقہ ہے جنکو اللہ تعالیٰ نے اسرار وخفیات پر مطلع فرمایا ہے اور انکو دلوں کے جاسوس بنایا ہے۔ اور خلوتوں اور جلوتوں میں انکو دشمنوں سے بچایا ہے پس نہ کوئی شیطان ہے جو گمراہ کرے اور نہ اسکی خواہش ہے کہ انکو گمراہیوں کی طرف جھکائے اللہ عزوجل نے فرمایا بیشک میرے بندے تیرا ان پر کوئی غلبہ نہیں ہے اور نہ برائی کا حکم دینے والا نفس ہے۔ جو انکو ردی لذتوں کی طرف بلائے اللہ عزوجل نے فرمایا "اسی طرح تا کہ ہم سے برائی اور بےحیائی کو پھیر دیں۔ وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا اور اسمیں تفصیل ہے جو کتاب عزیز غنیۃ الطالبین میں مذکور ہے اور وہ تمام چیزیں جو میں نے اس کتاب میں ذکر کی ہیں وہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے سورج کے نور کا اقتباس ہیں پھر جو ہم نے

ذکر کیا ہے اسمیں مرید کی یائے متکلم کی نسبت میں بہت سے رموز ہیں پس وہ مرید جو اپنے شیخ کی طرف منسوب ہے اس کا ظل ہے پس ان میں تناسب لازمی ہے۔ اسی لئے میں نے اسمیں ضروری شرطیں ذکر کر دی ہیں۔

تکمیل جمال :۔ ضروری ہے کہ معلوم کیا جائے کہ مرید پر اپنے شیخ کی طرف سے کیا کچھ واجب ہے اور شیخ پر اپنے مرید کیلئے کیا کچھ ضروری ہے (و) آداب میں کتاب کریم غنیۃ الطالبین کی عبارت سے اس کو نقل کرتا ہوں پس شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو چیز مرید مبتدی پر اس طریقہ میں لازم ہے وہ صحیح عقیدہ ہے جو کہ بنیاد ہے پس اسے قدیم اہل السنۃ کے طریقہ پر ہونا چاہیے اور کتاب و سنت سے تمسک اور ان دونوں پر امر و نہی اور اصل و فرع میں عمل ہونا چاہیے پس ان دو کو اپنے بازو بنائے اللہ عز و جل کی طرف پہنچانیوالی میں اس کو اڑائیں پھر صدق پھر اجتہاد یہانتک کہ ہدایت اور ارشاد اور دلیل اور لیے قائد کو پالے جو اسے کھینچ کر لیجائے پھر مونس جو ان سے محبت رکھے اور کوئی آرام دینے والا جو اسکی طرف اپنی تکان اور تھکاوٹ اور غلبۂ شہوت کے جوش اور اسکی لذت کی ظلمت کے وقت آرام پالے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جن لوگوں نے ہمارے متعلق کوشش کی ہم ضرور انکو اپنی راہ دکھائیں گے اور حکیم نے کہا جس نے طلب کیا اور کوشش کی اس نے پا لیا۔ پس اعتقاد کے ساتھ تو اسے حقیقت کا علم ہوگا اور کوشش اور اجتہاد کے ساتھ راہ کا سلوک میسر ہوگا۔ پھر اسپر لازم ہے کہ اللہ عز و جل کے ساتھ خالص عہد کرے کہ وہ اپنے طریق میں قدم صرف اسی کی طرف اٹھائیگا اور جبتک اللہ کی طرف نہ پہنچے ان کو اللہ ہی کے ساتھ رکھیگا اور ابنہ ملامت تو اپنے قصد سے نہ پھرے کیونکہ سچا آدمی واپس نہیں آتا اور نہ کرامت کے وجود کے ساتھ اس سے ٹھہر جائے اور نہ اللہ تعالیٰ کے عوض میں سے اس سے راضی ہو جائے کیونکہ جبتک وہ اللہ عز و جل کی طرف نہ پہنچے وہ اسکے رب سے اس کے لے حجاب ہے۔ اور جب وصول حاصل ہو جائے تو اسے کرامتیں نقصان نہ پہنچا سکیں گی کیونکہ وہ قدرت اور اس کے ثمرات اور اسکی علامات سے ہے اور اسکا اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنا بھی قدرت سے ہے پس کوئی چیز اپنے نفس کو نہیں توڑتی اور کبھی وہ اس وقت خود زمین میں قدرت اور فرق عادت ہوتا ہے اور اس کا کلام حکمت بالغہ اور چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے سوائے ہمیشہ گناہوں کی مغفرت اور آئندہ آنیوالے وقت میں عصمت اور توفیق کے اور کسی مطلوب کا منتظر نہ رہے۔ یہ کلام جلیل کا خلاصہ ہے کہ میں نے اسکو طویل ذیل سے اقتباس کیا ہے۔ پس اس سمندر کی طرف جس کا یہ ایک قطرہ ہے۔

اور وہ چیزیں جو اس پر شیخ کے آداب سے واجب ہیں تو ضروری ہے۔ کہ شیخ کی مخالفت اسکی ظاہری صحبت میں چھوڑ دے اور باطن میں اسپر اعتراض کرنا ترک کرے پس گناہ والا اپنے ظاہر سے اسکے ادب کو چھوڑنے والا ہے اور پوشیدگی میں اعتراض کرنیوالا ہے۔ اس کے عطیہ کے مقابل آنیوالا ہے بلکہ وہ اپنے شیخ پر اعتراض کرکے اپنے نفس کا ہمیشہ کیلئے دشمن ہے۔ اپنے نفس کو شیخ کی ظاہری اور باطنی مخالفت سے روکے اور ڈانٹ ڈپٹ کرے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کی کثرت سے تلاوت کرے "اور ہمارے دلوں میں ایمانداروں کیلئے کینہ نہ رکھ اے ہمارے رب تو رحم کرنیوالا شفقت کرنیوالا ہے" اور جب اسکو شیخ سے کوئی ایسی چیز معلوم ہو جو شریعت میں ناپسندیدہ ہے تو اسکو ضرب المثل اور اشارہ کے طریقہ سے معلوم کرلے اور اسکی مزاحمت نہ کرے تاکہ وہ اس

متنفر نہ ہو جائے اور اگر اس میں عیوب میں سے کوئی عیب دیکھے اور اس پر پردہ پوشی کرے اور اپنے نفس کو الزام دے اور شریعت میں شیخ کیلئے تاویل کرے پھر اگر اس کے لئے شریعت میں کوئی عذر نہ پاتے تو شیخ کے لئے استغفار کرے اور اسکی توفیق اور علم اور بیداری اور عصمت اور پرہیز کیلئے دعا کرے اور اس کے معصوم ہونے کا عقیدہ نہ رکھے اور نہ کسی کو اسکی خبر دے اور جب اسکی طرف کسی اور دن اور ساعت میں رجوع کرے تو یہ خیال کرے کہ وہ گناہ اس سے زائل ہو چکا ہے اور شیخ اس مقام سے اعلیٰ مقام کی طرف ترقی کر چکا ہے۔ اور اس گناہ پر ٹھہرا ہوا نہیں ہے اور یہ ایک عقل ہی ہے۔ جو دونوں حالتوں میں فرق معلوم کرتی ہے۔ کیونکہ دونوں حالتوں میں فرق ہے اور شریعت کی رخصت اور اباحت کی طرف رجوع اور ارادہ اور عزیمت کو چھوڑ دینا دو گھروں کے درمیان دہلیز اور مکانوں کے درمیان مکان کی طرح ہے۔ اسکی پہلی حالت کی انتہا اور دوسری حالت کی دہلیز پر کھڑا ہونا ہے اور وہ ایک ولایت سے دوسری ولایت کی طرف منتقل ہو چکا ہے۔ اور اب کسی دوسری ولایت کی خلعت سے آراستہ ہے جو کہ پہلی سے اعلیٰ اور اشرف ہے۔ کیونکہ یہ لوگ ہر روز اللہ عزوجل کے قرب میں اضافہ میں ہیں اور جب شیخ اسیر نا واقف ہو جائے اور اسیر تسویدی چڑھ جاتے اور اس سے کسی طرح کا اعتراض ظاہر ہو تو اس سے قطع تعلق نہ کرے بلکہ اپنے باطن کی تفتیش کرے۔ اور شیخ کے حق میں جو سوء ادبی اور کوتاہی اس سے سرزد ہوتی ہو۔ جس کا مآل اللہ تعالیٰ کی طرف اور امر کی تعمیل اور نہی کے ارتکاب کی صورت میں راجع ہو تو اس سے اپنے رب عزوجل سے استغفار کرے اور اسکی طرف توبہ کرے اور اس کے ساتھ مقابلہ چھوڑ دے اور شیخ کی طرف معذرت کرے اور اس کے سامنے جھک جائے اور اسکی مخالفت چھوڑ کر اسکی طرف جھک جائے اور اس پر ہمیشگی کرے اور اس کو اپنے اور رب عزوجل کے درمیان وسیلہ اور واسطہ بنائے اور اسے سبب اور طریقہ سمجھے اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچے اس آدمی کی طرح جو بادشاہ کے اس کے گھر میں داخل ہونا چاہے۔ اور اس کو اسکی کوئی پہچان نہ ہو۔ تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس کے دربانوں میں سے کسی دربان یا اس کے حاشیہ نشینوں اور خواص میں سے کسی آدمی کے پاس جائے جو اس کو بادشاہ کا سیاست اور اس کے آداب اور اس کی عادات سے آگاہ کرے اور یہ سب کچھ آپ رضی اللہ عنہ کی کتاب غنیۃ الطالبین کے کلام کی شعاعوں کے انوار کی روشنی ہے۔

پھر شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عادت جاری کر رکھی ہے۔ کہ زمین میں شیخ اور مرید ہوں صاحب اور مصحوب ہوں۔ تابع اور متبوع ہوں آدم علیہ السلام سے لیکر قیامت قائم ہونے تک یہی طریقہ ہے۔ کیا تو نے آدم علیہ السلام کی طرف نہ دیکھا۔ کہ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انکو پیدا فرمایا تو تمام نام سکھانے اور ان سے اس کام شروع کیا۔ پس انکو استاد کے ساتھ شاگرد اور شیخ کے ساتھ تابعداری کرنیوالے مرید کی طرح بنایا اے آدم یہ گھوڑا ہے اور یہ گدھا ہے اور یہ خچر ہے۔ یہاں تک کہ آپکو پیالہ اور پیالی بھی سکھایا۔ اور جب انکی تعلیم اور تہذیب سے فارغ ہوئے تو انکو استاد معلم شیخ اور حکیم بنایا انکو طرح طرح سے لباس اور زیورات پہنائے انکو تابع بنایا اور جنت میں کرسی پر بٹھایا اور فرشتوں کو آپ کے گرد اگرد صفوں میں کھڑا کیا اور فرمایا اے آدم

انکوان چیزوں کے ناموں کی خبر دو بعد اس کے کہ ان کا اس سے عجز اور عدم علم ظاہر ہو چکا اور وہ کہہ چکے کہ تو پاک ہے۔
ہمیں تیرے بتائے ہوئے کے سوا کوئی علم نہیں ہے پس فرشتے آدم علیہ السلام کے شاگرد تھے اور آدم ان کے استاد
پھر آپ نے انکو ان تمام چیزوں کے ناموں کی اطلاع دی جیسا کہ قرآن مجید نے اسپر شہادت دی ہے تو آدم علیہ السلام
کی فضیلت فرشتوں پر ظاہر ہوگئی پس آپ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کے نزدیک ان سے افضل و اشرف و اعلم قرار
پائے تو اس وقت آپ فرشتوں کے متبوع تھے اور وہ آپکے تابع اور آپکی اقتدا کرنیوالے اللہ تعالیٰ کی
رحمتیں ان پر نازل ہوں ۔

اور پھر جب درخت کے کھانے اور جنت سے نکلنے اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف انتقال
کرنے اور ایسی منزل کی طرف آنے کا واقعہ جاری ہوا۔ جن کا علم آپ کو پہلے نہیں تھا پھر جب آپ زمین کے حال
اور منزل کی طرف آئے اور آپکو زمین میں اکھٹا کیا گیا اور آپنے ایسی چیزیں دیکھیں جو پہلے کبھی نہ دیکھی تھیں تو
آپ پر بھوک اور پیاس اور جلن اور قبض ڈالی جن کے آپ پہلے سے واقف نہیں تھے ۔ تو کسی معلم اور مرشد اور
استاد کے محتاج ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا آپکو اس نے مانوس کیا اور جو منزل کے معاملہ
میں انکو مشکل پیش آ رہی تھی ۔ اس کے متعلق بتایا اور آپ کو گندم دی اور ان کو حکم دیا تو آپنے گندم کو بویا
پھر انکو حکم دیا۔ تو آپنے اسکو صاف کیا پھر حکم دیا تو اسکو پیسا اور اس کے اسباب جھاڑ کے پھر اسکو روٹی کا
حکم دیا۔ تو آپ نے روٹی پکائی پھر کھانیکا حکم دیا۔ تو آپنے کھایا۔ پھر جب کھانے کو معدے سے نکلنے کی طلب
معلوم ہوئی تو آپ حیران رہ گئے اور یہ نہ جان سکے کہ کیا کریں۔ تو آپ پھر استاد کے محتاج ہوئے پھر
آپکو سکھایا۔ کہ آپ کیسے رفع حاجت کریں ۔ اور کیسے طہارت کریں ۔ اور کس طرح زندگی میں اللہ تعالیٰ کی
عبادت کریں اور اپنے جسم کی سفیدی کو پھر کس طرح حاصل کریں ۔ جس کا رنگ سفیدی اور روشنی سے سیاہی
اور ظلمت کی طرف مائل ہو چکا تھا۔ تو آپکو مہینہ کے ایام بیض کے روزوں یعنی تیرہ چودہ پندرہ کا حکم ہوا تو پھر
آپکا رنگ سفید ہو گیا ۔ اور اس کے علاوہ دوسرے علوم اور آداب بھی سکھلائے پس آدم علیہ السلام اب جبرائیل
علیہ السلام کے شاگرد تھے اور جبرئیل آپکے استاد و شیخ حالانکہ اس سے پہلے آدم علیہ السلام شیخ تھے اور
تمام فرشتے انکے شاگرد تھے ۔ یہ سب کچھ آپ کے حالات کے بدلنے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ میں منتقل
ہونیکی وجہ سے ہوا پھر ابتک اسی طرح چلتا آیا پھر شیث بن آدم نے اپنے آدم علیہ سے سیکھا پھر انکی اولاد
نے ان سے اور اسی طرح نوح نبی علیہ السلام نے اپنی اولاد کو سکھایا اور ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو
سکھایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ اور اسی کی وصیت ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو کی اور یعقوب نے بھی ۔ یعنی انکو
حکم دیا اور سکھایا اور اسی طرح موسیٰ اور ہارون علیہ السلام نے اپنی اولاد بنی اسرائیل کو سکھایا اور عیسیٰ علیہ السلام
نے حواریوں کو پھر جبرائیل علیہ السلام نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو اور نماز کی تعلیم دی اور آپ کو
مسواک کی وصیت فرمائی اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ مجھے جبرائیل علیہ السلام نے مسواک کی وصیت

Scanned by CamScanner

کی آخر حدیث تک پھر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا پھر تابعین نے ان سے ان سب پر سلام ہو پھر تابعین اپنے تابعداروں کو اسی طرح قرناً بعد قرن اور عصراً بعد عصر ہوتا آیا۔

پھر کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس کا کوئی ایسا ساتھی نہ ہو جو اس سے ہدایت پائے اور اس کے نشانات کی پیروی کرے اور آپ کے مذہب کو اختیار کرے اور اسکی ہدایت سے راہنمائی حاصل کرے اور پھر اسکی جگہ اس کا خلیفہ بنے اور اس کا قائمقام ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام اور آپکے ملازم اور بھتیجے یوشع بن نون علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوبکر وعمر اور اسیطرح عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور اسی طرح اولیاء اور صدیق اور ابدال ہمیشہ استاد و شاگرد رہے جیسے کہ حسن بصری اور انکے غلام و شاگرد عتبہ اور سری سقطی اور انکے غلام اور بھتیجے یعنی جنید وغیرہم جنکی شرح بڑی لمبی ہے۔ پس مشائخ وہی اللہ عزوجل کا طریق اور اللہ تبارک و تعالیٰ پر دلالت کرنیوالے اور وہ دروازہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ پر داخل ہوا جا سکتا ہے تو جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف ارادہ کرنیوالے کیلئے شیخ ضروری ہے۔ مگر شاذونادر یہ بھی جائز ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو پسند کرے اور اسکی تربیت کا متولی ہو جائے اور شیطان و نفس خواہش سے اسکی حفاظت فرمائے جس طرح ابراہیم نبی علیہ السلام اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء وغیرہ میں سے اویس قرنی رضی اللہ عنہ تو اس کا انکار نہیں ہے اور اغلب اور اکثر اور زیادہ سلامتی والا اور احسن طریقہ وہی پہلا طریقہ ہے۔ اور یہ سب کچھ غنیۃ الطالبین تالیف سید مؤید سیدنا محی الدین رضی اللہ عنہ سے ماخوذ ہے۔

پھر شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مرید کو اپنے شیخ سے اس وقت تک منقطع نہیں ہونا چاہیے جبتک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف واصل ہو جانے اس سے بے نیاز نہ ہو جائے پھر اللہ تعالیٰ اسکی تربیت و تہذیب کے متولی ہونگے اور اس کو ایسے معانی پر واقف کریں گے جو شیخ پر مخفی رہے اور اعمال میں سے جو چاہیں گے اس سے عمل کرائیں گے اسکو حکم دینگے اور روکیں گے اسکو بسط ہو گا۔ اور قبض ہو گا۔ اور غنی کریں گے فقیر کریں گے اور اس کو تلقین کریں گے تعلیم دینگے اور اسکی اقسام پر مطلع کریں گے اور جو اس کو آئندہ پیش آنیوالا ہو گا پھر وہ سب کا سب اللہ عزوجل کے لئے ہو گا پس وہ اس وقت شیخ سے قطعی طور پر منقطع ہو گا۔ اور اسمیں تفصیل ہے جس سے ہمیں شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب مسمّی فتنۃ الکلام میں مشرف فرمایا ہے۔ اور اسمیں یہ بھی ہے کہ مرید کے آداب میں سے ہے۔ کہ اپنے شیخ کے سامنے ضرورت کے حال علاوہ گفتگو نہ کرے اور اپنے نفس کی کسی منقبت کا اظہار اس کے سامنے نہ کرے اور اسے یہ بھی نہیں چاہیئے کہ اپنے جانماز کو شیخ کے سامنے بچھائے مگر نماز ادا کرنے کے وقت پھر جب اپنی نماز سے فارغ ہو جائے تو اسی وقت اپنے جانماز کو لپیٹ دے اور اپنے شیخ اور اس آدمی کی خدمت کیلئے تیار ہو جائے جو شیخ کی بساط پر ہو اور اس کا ہم مرتبہ ہو نہ کہ کلفت سے اس کے ساتھ بیٹھا ہو۔ اور جو لوگ رتبہ میں اس سے اوپر ہیں انکے جانماز کے اوپر اپنی جانماز نہ بچھائے اور انکے مصلے کے برابر بھی اپنا مصلے بچھانے سے پرہیز کرے کہ یہ سب چیزیں ان کے نزدیک بے ادبی ہیں اور مرید کو چاہیئے کہ جب کوئی مسئلہ شیخ کے سامنے شروع ہو جائے تو خاموش رہے اگرچہ وہ اچھا جواب دے سکتا ہو بلکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ

اسکی زبان سے اسپر کھولدے اسکو غنیمت سمجھے اور اس کو قبول کرے اور اس پر عمل کرے اور اگر اس کے جواب میں کوئی نقصان اور قصور دیکھے کہ اسکی تردید نہ کرے بلکہ جس علم و فضل دونوں سے اللہ تعالیٰ نے اسکو مخصوص کیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرے اور یہ سب باتیں اپنے دل میں مخفی رکھے اور زیادہ باتیں نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ شیخ نے اس مسئلہ میں غلطی کھائی ہے۔ مگر یہ کہ غلبۂ حال کی صورت میں اس سے کوئی کلمہ صادر ہو جائے تو سکوت اور توبہ اور مخالفت کے ترک کے عزم سے اسکا تدارک کرے پس مرید کی پوری بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اپنے شیخ کی متابعت کرے اور مرید کو چاہیے کہ سماع کی حالت میں شیخ کے سامنے حرکت نہ کرے مگر یہ کہ اسکی طرف سے اس کو اشارہ ہو۔ اور اس کے نفس سے یقیناً کوئی حال نہ دیکھا جائے مگر یہ کہ اس پر غلبہ وارد ہو جو اس سے تمیز اور اختیار کو چھین لے تو جب اس کا جوش ٹھہر جائے تو پھر اپنے سکوت اور ادب اور وقار کی حالت کی طرف رجوع کرے اور جن اسرار کا اللہ تعالیٰ نے اسے والی بنایا ہے۔ ان کو چھپائے۔

شیخ اجل سیدنا ابو محمد محی الدین نے فرمایا یہ ہمارے غیر کی رائے کے مطابق ہے باقی رہا میں تو ہم سماع اور قوالی اور رقص کو جائز نہیں سمجھتے وہ ہمارے نزدیک مکروہ ہے۔ اور جو ہمارے زمانہ میں انکی مجالس اور ٹھکانوں میں سماع عام ہو چکا ہے۔ تو ہم انکار نہیں کرتے ہو سکتا ہے کہ ان میں کوئی ایسا آدمی بھی ہو جو سچائی سے ایسا کرتا ہو اور جو اسے سنتا ہو اس کے معنی نے اسکی سچائی کے شعلہ کو تیز کر دیا ہو پس وہ اپنے شعلہ سے مشتعل ہوتا ہو اور اس میں غائب ہو جاتا ہو اور اس کے اعضاء و جوارح قوم کے درمیان حرکت کرتے ہوئے حالانکہ وہ طبیعت کی لذت اور خواہشوں کی حیثیت سے قوم سے الگ ہے کہ جن کو اپنے بڑی مدت کے مرے ہوئے معشوق کا قرب یاد آتا ہے۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ سماع صرف اس آدمی کو جائز ہے جس کا حال اس طرح کا ہو اور جو خواہشات اور گمراہی و غوایت کی اتباع میں ہو جس میں اپنے رب عزوجل کی بات میں سے کوئی بات نہ ہو تو اشعار اور گانے والوں اور آوازوں کو سننا اور مدعی لوگوں کا چیخنا پھر ڈھولوں اور طنبورے کا بجنا اور انکے علاوہ دوسرے نئے نئے آلات کا استعمال بدعت اور گمراہی ہے پس ایسا آدمی شیطان کے شریکوں اور خواہشات کی سواریوں اور نفس اور طبیعت کی سواریوں میں سے ہے اسکو سمجھ لے۔ اور یہ تو شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تھا اور اب اس زمانہ میں کہ جس میں مکر و فریب عام ہو چکا ہے بلکہ ہوس پرستوں کا وظیفہ بن گیا ہے۔ انکی مجلسیں نغمات سے گونجتی ہیں جو کہ طنبوروں اور ڈھولوں کے ساتھ اٹھتے ہیں۔ اور اس کے ذریعہ سے وہ اہل دولت و ثروت کو کھینچتے ہیں کہ جن لوگوں نے مال اکٹھے کر رکھے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ انکے بال ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ پس یہ لوگ ان سے کہتے ہیں کہ اہل محبت و باطن کا فرقہ علماء کے فرقہ سے الگ ہے اور انکو علم اور شریعت کی کوئی ضرورت نہیں ہے علم اور شریعت تو علماء کے لئے ہے جو اہل ظاہر ہیں اور ہم اہل باطن کا فرقہ ہیں۔ تو اس فرقہ نے انکو خسارے میں ڈالا اور انکی تجارت فائدہ مند نہ ہوئی اور نہ وہ ہدایت پانے والے ہوئے یہ لوگ اس طرح کے کافر ہیں کہ خیال بھی نہیں کرتے۔

خزانۃ المفتین میں ہے۔ کہ جو آدمی یہ کہے کہ شرع اور علم تو علماء کو چاہیے ہم فقیر لوگ ہیں صاحب باطن ہیں

Scanned by CamScanner

ہم کو شریعت سے کیا کام" تو اس کو کافر کہا جائیگا اور اسکی عورت کو طلاق ہو جائیگی اللہ انکو ہلاک کرے یہ کہاں پھیرے جاتے ہیں یہ اپنی مستی میں بےخبر ہیں۔ پس طریقہ قادریہ عالیہ ہمیں اللہ تعالیٰ اسکی برکات سے مشرف فرمائے محمدی شرعی طریقہ ہے۔ اسمیں مستحبات کے مخالف بھی کوئی چیز نہیں ہے، چہ جائیکہ سنن و فرائض و واجبات کے خلاف ہو پھر جو شخص یہ کہے کہ اس طریقہ میں سماع ہے اور شریعت کی متابعت ضروری نہیں ہے تو اس نے اثم عظیم کے ساتھ کفر کیا کیونکہ شریعت کی متابعت کے بغیر کوئی طریقہ ہی نہیں ہے خصوصاً نائب حقیقی اور وارث تحقیقی کا طریقہ کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ایسے نام سے مشرف فرمایا ہے۔ جو دین قویم اور شرع قویم کے احیاء سے پیدا ہوا ہے جیسا کہ کئی دفعہ اسکی طرف اشارہ کر چکا ہے۔ اور جو شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی عبارت میں واقع ہوا ہے کہ "مرید کو چاہیے کہ سماع کی حالت میں کسی کا معارضہ کرے اور نہ کسی کی اس کے وقت میں مزاحمت کرے" یہ صرف اس سماع کے متعلق ہے جس میں شریعت کی صریح خلاف ورزی نہ ہو اور جبکہ سماع کرنیوالے کا بدن مر چکا ہو اور دل زندہ ہو چکا ہو اور اس زمانہ میں تو ہزاروں میں سے کوئی ایک اس طرح کا ہوگا۔ ان لوگوں نے اہل تنویر کی تقلید میں دھوکے کی مجالس رائج کر رکھی ہیں تو یہ واصل ہوئے اور نہ قریب ہوئے لیکن ان کے لئے شبہ ڈالا گیا یہ لوگ منکر قوم ہیں یہ لوگ دنیا کا سامان سمیٹنے کے لئے رقص کرتے ہیں اور اپنے دین کے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے برباد کرتے ہیں کہ دو دنیا کا سامان تھوڑا ہے۔ تم کہاں جاتے ہو۔

شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے فرمایا مرید کو چاہیے کہ جب وہ کسی شیخ کے ادب کا ارادہ کرے تو وہ ایمان و تصدیق اور اس اعتقاد سے ہو کہ اس علاقہ میں کوئی آدمی اس سے بہتر نہیں ہے۔ یہانتک کہ اپنے مقصد میں اس سے فائدہ اٹھائے اور چاہیے کہ اس کو اپنے عقد ارادت میں محض اللہ عزوجل کے لئے قبول کرے اور اسکی حفاظت کرے اور اس کے شیخ کی زبان پر جو بھی کچھ جاری ہو جو اسکی شان کے لائق ہے۔ اور مرید اپنے شیخ کی مخالفت سے بہت پرہیز کرے کیونکہ شیخ کی مخالفت زہر قاتل ہے۔ اور اسمیں عام مضرت ہے۔ پس نہ تو صریحاً اسکی مخالفت کرے اور نہ تاویل سے اور کوشش کرے کہ اپنے احوال و اسرار میں سے کوئی چیز اپنے شیخ سے مخفی نہ رکھے اور جو شیخ اس کو حکم دیتا ہے۔ اس پر کسی کو اس کے سوا مطلع نہ کرے اور یہ نہ چاہیے کی رخصت کی طلب کیلئے حجت پکڑے اور اس چیز کی طرف رجوع کرے جس کو اللہ عزوجل کیلئے چھوڑ چکا ہے۔ کیونکہ یہ کیا برا ہے۔ اور اہل طریقت کے نزدیک بیعت کو فسخ نہ کرنا چاہیے اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا اپنے ہبہ میں رجوع کرنیوالا کتے کی طرح ہے۔ جو قے کرتا ہے پھر اسمیں رجوع کر لیتا ہے۔ اور مرید پر ہر اس چیز کی فرمانبرداری لازم ہے جس کے متعلق اس کا شیخ تادیب وغیرہ سے حکم دے اگر سوئے ادبی کے تقاضا کے مطابق جسکی طرف شیخ نے اشارہ فرمایا اس کے قیام میں تقصیر واقع ہو۔ تو اس پر واجب ہے کہ شیخ کو اسکی اطلاع دیدے تاکہ وہ اسمیں اپنی رائے دیکھے اور اس کے لئے توفیق اور آسانی اور فلاح کی دعا کرے یہ برشیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی عبارت ہے۔

اور میرے فتور زدہ دل میں آپ کے انوار سے یہ چیز ڈالی جا رہی ہے۔ کہ جملہ حکم یہ ہے کہ مرید اپنے شیخ کی مخالفت نہ کرے نہ ظاہری طور پر کیونکہ اس کا ظاہر شریعت ہے۔ اور شریعت کے خلاف اندھیرا اور ظلم ہے اور اللہ ظالموں کو

دوست نہیں رکھتا۔ "اور نہ باطنی طور پر" کیونکہ اسکا باطن ردی اخلاق اور خواہشات کی پرانی بیماریوں کے قرانت ہے۔ پس باطناً اسکی مخالفت حجابات اور ظلمات میں پڑتا ہے۔ جو سختی کا باعث ہیں جن سے دل پتھروں کی طرح ہوجاتے ہیں یا ان سے بھی سخت پھر جس کا دل سخت ہوجائے وہ حسرت اور بیہوشی اور تزلزل اور فتور اور دھوکہ اور کوتاہی میں مبتلا ہے نہ اس کے لئے ہدایت ہے اور نہ وصول اور نہ اس کے ساتھ عنایت ہے۔ اور نہ قبول خدا کی پناہ اے اللہ ہمیں محفوظ رکھ "اور ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کر اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما" پس شیخ ایک صاف آئینہ ہے۔ جس میں مرید اس کے مقابل اور برابر ہوکر اپنے چہرے کا ہر باب نظر آجاتا ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال ایک صاف آئینے کی مثال ہے۔ دیکھنے والے کو اسمیں وہی چیز نظر آتی ہے جس میں وہ ہو، یعنی ہر وہ حالت جس میں وہ ہوگا اسپر ظاہر ہوجائیگی پس اگر اچھی ہے تو حسن کے مقابلہ میں اچھی قوت در زانت سے ہوگی کیونکہ خوبی وہی ہے جسے شریعت خوبی سمجھے اور برائی وہ ہے جسے شریعت برائی سمجھے پھر اگر بری حالت ہو تو تجھ پر ضروری ہے کہ اس کے ازالہ کی کوشش کرے کیونکہ مومن اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے، اور محبوب کو محب کی ارادت کیلئے سنوارا جاتا ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ہر نماز کے لئے اپنی زینت پکڑو" کیا تو نہیں دیکھتا کہ عاشق ہر آن محبوب کی زینت زیادہ چاہتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حسن اور قبح کا آئینہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے موافق ہو اور قبیح وہ ہے۔ جو آپکے برخلاف ہو تو پہلی چیز کو کوشش اور سعی سے قائم کرنا ضروری ہے۔ اور دوسری کو ہمت اور کوشش سے دور کرنا اور اللہ تعالیٰ کے قول "کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت رکھیگا" کا یہی خلاصہ ہے پس وہ محبوبیت جو مومن میں ثابت ہے وہ اخلاق محمدی علی صاحبہا الصلوات کی حیثیت سے ہے۔ پھر جو آپکی ہدایت اور سیرت کی پیروی کرے وہ اچھے چہرے والا ہے۔ دین اور دنیا میں باعزت ہے "جس کی رات کی نماز زیادہ ہوگی دن کو اس کا چہرہ خوبصورت ہوگا" اسی معنی کا مفید و مؤید ہے۔ پھر جس کے لئے نور ہوگا وہی ہدایت پانے والا ہے اور وہی رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وتوابعہ وسلم کی اقتدا کرنیوالا ہے۔ اسی طرح شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔

اور وہ جو مرید کی تادیب میں شیخ پر واجب ہے، وہ یہ ہے کہ مرید کو اللہ عز وجل کیلئے قبول کرے نہ کہ اپنے نفس کے لئے پھر خیرخواہی کے طریق سے اس سے دن گزارے اور شفقت کی نگاہ سے اس کو دیکھے اور جب وہ ریاضت کا بوجھ اٹھانے سے عاجز آجائے تو اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے اسکی تربیت اس طرح کرے جیسے ماں اپنے بچے کی تربیت کرتا ہے یا عقلمند یا حکیم و مشفق باپ اپنے بچے یا غلام کی تربیت کرتا ہے۔ اسکو زیادہ آسان چیز سے پکڑے اور اس پر اتنا بوجھ نہ رکھے جسکی اسے طاقت نہ ہو پھر اس سے سختی کے ساتھ پھر پہلے اسکو حکم دے کہ تمام امور میں طبیعت کی متابعت اور شریعت کی رخصت کی اتباع چھوڑ دے یہانتک کہ اس سے طبیعت کی قید اور اس کے حکم سے نکل جائے اور شریعت کی قید نرمی سے حاصل ہوجائے پھر اسے آہستہ آہستہ رخصت سے عزیمت کی طرف منتقل کرے پھر رخصتوں کو مٹائے اور اسکی جگہ عزیمت کو حاصل کرے اور اگر مرید کے ابتداء امر ہی میں مجاہدہ کی سچائی اور عزیمت پائے اور اللہ تعالیٰ کے

Scanned by CamScanner

نور اور اس کے مکاشفہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم کی وجہ سے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی سنت اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں اولیاء احباب، استاد اور علما کے متعلق گزر چکی ہے اسمیں یہ چیز اسکو معلوم ہو جائے تو اسوقت اسمیں کوئی نرمی نہ کرے بلکہ اسکو سخت ریاضتوں میں پکڑے کہ جن کے متعلق وہ جانتا ہے۔ کہ اس کی قوت ارادہ اسمیں کوتاہی نہ کریگی کیونکہ اسکو ثابت ہو چکا ہے۔ کہ وہ اسی لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اس کے لائق ہے۔ اور یہ اس کی حالت کے مطابق ہے تو اس کی آسانی کر نیسے اسکی خیانت نہ کرے اور اس کے مال اور اسکی خدمت سے مدد نہ لے اور اسکی تادیب میں اللہ تعالیٰ سے عوض کی آرزو نہ رکھے بلکہ اس کے موافق اس کی تربیت کرے اور اسکو ادب سکھائے اور خدا کے حکم کو ادا کرے اور اس کے ہدیہ کو قبول کرے کیونکہ وہ مرید جو بغیر کسی شیخ کی راہنمائی اور کھینچنے کے بغیر آگیا ہے۔ بلکہ محض تقدیر سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے اور ہدایت اور اسکی بیداری سے اس کے پاس آگیا ہے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدیہ ہے شیخ پر اس کا قبول کرنا اور اچھی تادیب و تربیت سے اسپر احسان کرنا لازم ہے پس وہ اس سے اور اس کے مال سے کوئی خدمت نہ لے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے مرید کی اصلاح اور نجات رکھی ہو اور شیخ کو اس پر قسم دی ہو تو اسوقت اس سے منہ پھیرنے اور اس کے رد کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ اور شیخ کو چاہیئے کہ اپنی ہمت سے مرید کی تربیت کرے اور جب اسمیں کوئی خلل یا فتور پائے تو اس کے ستر میں اسکی نیابت کرے اور اس پر لازم ہے کہ مرید و اس کے راز کی حفاظت کرے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے علم لدنی کے طریق پر یا مرید کے اس کو بتانے سے مرید کے احوال کی زندگی اس کو معلوم ہو اس سے دوسروں کو مطلع نہ کرے اور اسکو خاص طور پر چھپائے رکھے پس اس کو لائق نہیں ہے کہ دوسروں پر اس کو افشا کرے کیونکہ وہ اس کے پاس امانت ہے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ اخیار احرار کے سینے اسرار کی قبریں ہیں پس اسکو لائق ہے کہ مریدین کے لئے آرام کا سبب بنے ان کے اسرار کا خزینہ ہو ان کے لئے جائے پناہ اور غار اور طاقت دینے والا اور مدد گار رہو انکو راہ پر ثابت رکھے اور انکو طریقت سے اور اس کی مصاحبت اور قصد الی اللہ سے متنفر نہ کرے اور اگر مرید سے کوئی ایسی چیز دیکھے جو شریعت میں مکروہ ہے تو اس کو علیحدگی میں نصیحت کرے اور ادب سکھلائے اور اسکو دوبارہ ایسا کرنے سے منع کرے اگر وہ اصول یا فروع کے متعلق ہو یا کسی حالت کا دعویٰ کرے جو فی الحقیقت اسکی ہے نہیں اور وہ اپنے عمل کو اچھا سمجھتا ہے یا انکو دیکھتا ہے۔ تو اسے عجب کے مقام سے بچائے اور اس کے اعمال و احوال اسکی آنکھوں میں چھوٹے کر کے دکھائے تاکہ ہلاک نہ ہو جائے کیونکہ عجب بندے کو اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے گرا دیتا ہے۔ اور اگر عام جماعت کی خیر خواہی کرنا چاہے تو انکو جمع کرے اور ان پر کلام کرے اور کہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے۔ کہ تمہارے اندر کوئی ایسا آدمی ہے جو اس طرح کا دعویٰ کرتا ہے اور اس طرح کہتا ہے اور اس طرح کا ارتکاب کرتا ہے پھر جو اس کے متعلق مفاسد و مصالح ہوں وہ بیان کرے اور انکو نصیحت کرے اور ڈرائے اور کسی کو ان میں سے ایک ساتھ خاص نہ کرے کیونکہ اس سے نفرت پیدا ہو گی۔

پھر شیخ اصل نے ایک فائدہ کی طرف عبارت سے اشارہ کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شیخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ شریعت علی صاحبہا الصلوٰۃ کی عادت پر ہو اور اس میں اس کے پختہ ہونے کے بعد یہ بھی ضروری ہے۔

Scanned by CamScanner

کدورت گندگیوں اور میل کچیل سے صاف ہو جو اللہ عزوجل تک پہنچنے سے مانع ہیں اس سے دنیا کی محبت اور مرتبہ کی محبت اور طمع لازم ہی ہے۔ پھر جس شخص کا حال اس کے برخلاف ہو اسے چاہیئے کہ اپنے نفس کو معزول کرے اور مریدوں سے علیحدہ ہو جائے اور اپنے نفس کے مجاہدہ اور اسکی ریاضت میں مشغول ہو جائے اور کوئی ایسا شخص تلاش کرے جو اسکی تادیب کرے اس کی راہنمائی کرے ان مصیبتوں کے ساتھ وہ شیخ ہونیکے ہرگز لائق نہیں ہے جو شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے ہمیں اپنی عبارت سے فائدہ دیا وہ ختم ہوا اور میرے دل میں ہدایت اور عنایت سے ایک فائدہ کلیہ القا کیا گیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے قول "اور اگر تو بدمزاج اور سخت دل ہوتا۔ تو یقیناً یہ لوگ تمہارے گرد سے بھاگ جاتے۔" سے ماخوذ ہے یعنی تو تیرے دیکھنے والا نہ بن کہ انکے احوال پر سستی اور معاصی کے ظلمات کی وجہ سے شفقت اور رحم نہ کرے بلکہ جو لغزش ان سے صادر ہوئے کرم اور معافی اور درگذر کی نگاہ سے دیکھ اور اچھی طرح درگزر کر اور سخت دل نہ ہو کہ انکو قبول کے میدان سے ہانک دے یا یہ کہ تو انکی خواہشات کا تابعدار بن جائے کیونکہ یہ دونوں چیزیں انکے تجھ سے فرار کا باعث ہیں پہلی چیز تو ظاہر ہے اور دوسری اس لئے کہ ان کو تیرے متعلق کوئی اعتبار نہ رہے گا بلکہ وہ سمجھیں گے کہ تو خود ہدایت پر نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں ہے کہ "ان لوگوں کو نہ ہانک جو اسکی رضامندی چاہتے ہیں" اور اللہ تعالیٰ کے قول اور "اگر تو علم آجانے کے بعد بھی انکی خواہشات کی پیروی کریگا۔ تو تیرے لئے اللہ تعالیٰ سے کوئی دوست اور مددگار نہ ہوگا۔"

خلاصہ امر یہ ہے۔ کہ شیخ کیلئے ضروری ہے کہ اپنے نفس میں کامل اور مکمل اور مرید پر ارشاد کرنے میں رحیم درگذر ہو اور برائیوں کے دور کرنے میں بارعب ہو کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا قول نہیں سنا کہ "محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپکے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بڑے سخت گیر ہیں آپس میں رحم دل ہیں تو انکو رکوع کرتے اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھے گا۔ جو اللہ کا فضل اور اسکی رضامندی چاہتے ہیں سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر ان کے نشان ہیں" یہ خاتمہ ہے۔ جس کو میں نے اختصار کے ساتھ آسانی کی غرض سے اور اس مختصر کتاب کی رعایت سے جو قصیدہ مبارکہ خمریہ کی شرح میں ہے پیش کیا ہے۔ اے اللہ مجھے اسکی شرح میں نور اور ہدایت زیادہ عطا فرما تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور ہمارے سردار محمد ﷺ پر انکی آل اور صحابہ اور ہمارے غوث سید اولیاء سید ابو محمد محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا سمیت اپنی رحمتیں عطا فرما اور اے غوث الثقلین اگر میں آپکے کلام کے انوار کے اقتباس میں بھول جاؤں یا غلطی کر جاؤں تو مجھ پر اپنے نانا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تمام صحابہ اور آل کی طفیل مواخذہ نہ کرنا آمین آمین۔

اے اللہ حمید کے وصول میں کہ جس سے ابتداء ہے۔ اور جسکی طرف انتہاء ہے۔ زیادہ ذوق و شوق رکھنے والے مرید تجھ پر لازم ہے کہ حقائق کے طلب میں کوشش کرے اور دقائق کے حصول میں سعی کرے پس جان لے کہ اللہ تعالیٰ فیاض ہے یعنی ہے اپنی رحمت جسے چاہے خاص کر لیتا ہے۔ اور ہر موجود کی نسبت اس کے پاس علیحدہ فیض فیض و رحمت ہے۔ اور موجودات کے ہر فرد کے اعتبار سے اس کا الگ نام ہے۔ وہ اس تمام موجودات کا رب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے فیض کے پہنچانے میں مختار ہے اس نے انسان کو تفاوت سے پیدا فرمایا ہے اور جس انداز سے چاہا ہر ایک کی تربیت فرمائی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تمام کمالات قدسیہ کے ظہور کی حیثیت سے مظہر اتم ٹھہرایا پس وہ اس کے راز کا رازہ ہیں اور اس کے نور کا نقد ہیں اور اس کے

اسرار کا خزانہ ہیں وہ اصل الاصول ہیں آدم اور ان کے نیچے کے تمام پیغمبر آپکے کمالات کے جھنڈے کے نیچے ہیں آپ سورج ہیں اور انبیاء آپکے چاند ہیں اور اولیاء آپکے ستارے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے صحابہ کو گالی نہ دو میرے صحابہ کو گالی نہ دو میرے صحابہ کو گالی نہ دو میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے جس کی بھی تم پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے"۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر ایک نے اسی قدر روشنی حاصل کی جتنی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر ایک نے اسی قدر روشنی حاصل کی جتنی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غیروں کو ان کے فیض سے ان کے لئے مقدر کر دکھی ہے۔ پھر اگر تو کہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر اتم ہونیکا کیا مطلب ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے ہر فرد میں سوائے وجوب ذاتی اور استعداد کے اپنے تمام اسماء سے ظاہر ہوئے ہیں جیسا کہ آپکے قول "میں ایک مخفی خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پھر میں نے خلقت کو پیدا کیا۔" اور اللہ تعالیٰ کے قول "اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں" یعنی مجھے پہچانیں کا تقاضا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مطابق کہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا تو میں کہونگا کہ ہر فرد میں ہر اسم سے خدا تعالیٰ کے ظہور کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی ظہور میں تساوی (برابری) ناممکن ہے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اسماء کا ظہور اعتدال کے طریقہ پر ہے نہ کوئی اسم غالب ہے نہ کوئی مغلوب ہے، بلکہ جیسا کہ ہر اسم کا تقاضا ہے اس کے مطابق ہے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت استعداد کی وجہ سے ہے جیسا کہ اللہ عزوجل کے اس قول (حدیث قدسی) میں اشارہ ہے کہ مجھے میری زمین اور میرے آسمان اپنے اندر نہیں سما سکتے لیکن میں سما سکتا ہوں تو اپنے مومن بندے کے دل میں، یعنی بہ حیثیت اصل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جیسا کہ عنقریب تجھ کو معلوم ہو جائیگا اور آپ علیہ السلام کے سوا دوسرے انبیاء میں بھی حق اپنے تمام اسماء کے ساتھ ظاہر ہوا ہے لیکن بعض اسماء کی غالبیت اور بعض کی مغلوبیت کی صورت میں پس ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی اپنی استعداد کے مطابق جو اللہ عزوجل نے آپکو بخشی ہے۔ پوری طرح ہر اسم کے ظہور کے مظہر تام ہیں۔

پھر اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں غالبیت اور مغلوبیت کا کیا معنی؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی صفات تغیر اور نقص اور مزاحمت اور تعارض سے محفوظ ہیں تو میں کہونگا کہ اللہ تعالیٰ کی نفس صفات میں تو غالبیت اور مغلوبیت کوئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ یہ فرق استعداد کے انکے اثر کو قبول کرنیکی حیثیت سے ہے جیسا کہ سورج ایک نور ہے اللہ تعالیٰ نے سب دنیا کو اس کے ساتھ روشن کیا ہے اور ہر چیز اپنے اندازے اور استعداد کے مطابق اس سے روشنی حاصل کرتی ہے۔ کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں دیکھتا کہ "ہم نے ہر چیز کو اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہے"؟ پس فرق اور تغیر وہ صرف موجودات میں ہے۔ نہ کہ موجد میں کیا تو بارش برسانے والے بادل کی طرف نہیں دیکھتا کہ وہ زمینوں پر برابر چھڑکا ڈکرتا ہے۔ لیکن سبزیوں کی روئیدگی برابر نہیں ہوتی اچھی زمین کی سبزی پوری سبز رنگت میں پیدا ہوتی ہے۔ اور ردی زمین کی پیداوار نکمی پیدا ہوتی ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا یہی معنی ہے۔ کہ "لوگ کانوں کی طرح ہیں جیسے سونے اور چاندی کی کانیں" اور یہ بھی حدیث میں ہے۔ جس کا معنی یہ ہے۔ کہ "مومن اس زمین کی طرح ہے

جو بانی کورد کی لیتی ہے اور منافق اس کے برخلاف ہے مختصر یہ کہ مخلوق کا فرق اور تغیر اللہ تعالیٰ کی صفات میں تغیر اور تفاوت کو مستلزم نہیں ہے۔ جیسا کہ ہر اس آدمی پر مخفی نہیں ہے جس کو انوار قدسیہ اور اسرار الٰہیہ سے کچھ بھی نسبت ہے۔

پھر اگر تو یہ سوال کرے کہ تم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے اولیاء کے بارے میں کیا کہتے ہو اور دوسرے تمام انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوات کی اُمتوں کے اولیاء کا کیا حال ہے۔؟ تو میں کہونگا کہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے قول اور ہر ایک ولی کا ایک قدم ہے۔ اور میں نبی کے قدم پر ہوں جو کمال کے بدر ہیں ہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیٰ میں اسماء کا اعتدال پر ظہور خلفاء اور نواب میں ہوتا ہے اور صدر اوّل میں صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اسی اعتدال کے ظہور پر تھے اور پھر جو انکے بعد ہیں وہ اس اعتدال پر نہیں ہیں۔ مگر شیخ اجل سیدنا محی الدین کی ذات گرامی اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کے اسرار اور انوار سے مشرف فرمائے اور جو آپکے علاوہ دوسرے اولیاء ہیں وہ انبیاء علیہم السلام میں ظہور کے طریقے کے مطابق اسماء غالبہ و مغلوبہ کے سایہ میں ہیں اور یہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے تمام اولیاء کے بارے میں عدم ظہور اعتدال کا جواب دیا جاتا ہے یہ ایسی چیز ہے کہ جس کو عقل اور نقل دونوں قبول نہیں کرتے۔

پھر اگر تو یہ سوال کرے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے اولیاء دوسرے انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہوں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اولیاء میں ظہور اعتدال کا تحقق موجود ہے اور دوسرے انبیاء میں نہیں جیسا کہ آپ مقرر کر چکے ہیں تو میں کہونگا کہ افضیلت لازم نہیں آتی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اولیاء میں ظہور اعتدالی صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ میں ہے نہ کہ اصل کے لحاظ سے پس یہ فضیلت تو صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے نہ کہ آپکے اولیاء کیلئے کیونکہ ان میں یہ ظہور طبعی اور ظلی ہے نہ کہ اصلی اور حقیقی پس ان اولیا کی ولایت جو ظہور اعتدالی پر ہیں حقیقت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت ہے۔ پس بلاشبہ یہ تفضیلت انبیاء علیہم الصلوات ہی کے لئے ثابت ہوئی جیسا کہ ہر اس آدمی پر مخفی نہیں ہے جس کو صفوت اور بقا کا نور حاصل ہے اور جو ہم نے ظل اور حقیقت کی بات بیان کی ہے۔ اس سے اس کا جواب بھی معلوم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے اولیاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہور اعتدالی میں برابر نہیں ہیں کیونکہ ولی اگرچہ ظہور اعتدالی پر ہو لیکن اس کا ظہور وظل ہے پس وہ اصل کی فرع اور اس کے تابع ہے پس فضیلت پوری فضیلت وہ تو اصل اور مظہر حقیقی ہی کو حاصل ہے۔ یہ انوار ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے پھر جو اسکی معرفت پر ہو وہ موصول اور مقبول ہے۔

اور جب تم کو یہ معلوم ہو گیا تو اب جاننا چاہیے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اپنے قول اللہ ربی میں اس معنی کا افادہ فرمایا ہے۔ یعنی میں اپنے صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ اللہ تعالیٰ کا مظہر اتم ہوں سوائے میرے مرید تو خوف نہ کر میں تیری پوری طرح کامل تربیت کرونگا اور تجھے ہر مقام کے شیطان سے پوری طرح محفوظ رکھونگا تو اسکی تکلیف سے خوف نہ کر اور نہ کسی اور رنج سے ڈر کہ میں اسم ،، اللہ تعالیٰ کا تربیت یافتہ ہوں اور میرے علاوہ دوسرے اولیاء اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک ایک نام سے تربیت پائے ہوئے ہیں پھر جس شخص کے ارد گرد

Scanned by CamScanner

حصا ہو وہ نہیں ڈرتا۔ میرے پاس مرید نہیں ڈرتے پس اسم اللہ" تمام پرورش کرنے والوں کا پرورش کرنیوالا ہے اور باقی تمام اسماء خاص قسم کی خاص و عام کی استعداد کے مطابق تربیت کرتے ہیں اور عنقریب اسکی تحقیق آپ رضی اللہ عنہ کے قول وکل ولی لہ قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال کے تحت آئیگی اور اسی معنی کی طرف بدر الکمال اشارہ کررہا ہے جو اس کے نشان کے پیچھے جائے گا وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہوگا میں اللہ کے رب ہوتے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوا پس آپ رضی اللہ عنہ کا قول مریدی لاتخف اللہ ربی آپ کے قول مریدہم وطب واشطح وغنی وافعل ماتشاء فالاسم عال کی تکمیل ہے۔ کیونکہ جو ہیمان اور طیبت اور شطح اور غنا سے تربیت پائے گا اس کی تربیت کرنیوالا "اللہ" ہوگا اور وہ آدمی تربیت یافتہ ہوگا پھر جس کا یہ رب ہو پس وہ حقیقی تربیت یافتہ ہے وہ ایسے طاقچہ سے روشنی حاصل کرنیوالا ہے جس میں چراغ ہوا اور چراغ ہو جیسے چمکتا ہوا ستارہ جیسے برکت والے درخت سے جلایا جائے جو نہ شرقی ہو اور غربی اور اسرار دل میں روشن ہو رہے ہیں لیکن شیخ اجل رضی اللہ عنہ و ارضاہ عنا کے حکم کی زبان اسی قدر پر اختصار کرنیکا حکم دے رہی ہے پس تمام اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ اور درود ہو اللہ کے رسول اور انکی آل اور صحابہ اور تابعوں سب پر۔

اظہار تمام وفیض عام: اے نا قد بصیر تجھے بیت شریف کے معنی تقریر و تحریر میں تو معلوم ہو چکے لیکن افادہ عامہ اور استفادہ تامہ زیادہ اظہار اور انوار کے اعادہ کا تقاضا کرتا ہے وہ کستوری ہے۔ اسے جتنی بار سونگھو گے خوشبو دیگی پس ہمارے سردار شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے کلام کا معنی یہ ہے لے میرے وہ مرید جو تو اپنی خواہش کے ارادہ سے میری صفات ارادت میں فانی ہو چکا ہے۔ جو کہ قوت فنائیہ سے پیدا ہوئی ہے جو کہ لطافت بقائیہ کو مصطفائی رضیات علی صاحبہا التجلیات الصلوٰتیہ کے حصول میں تمیز کرنیوالی ہے۔ تو شیطان اور خواہش سے نہ ڈر اور نہ ہلاکت اور تباہی سے ڈر کہ تو رفیق اعلیٰ کی طرف عروج کے راہ پر ہے اور ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔ جو شریعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی رہنے والے طریقہ کی متابعت سے مکرم و مشرف و بزرگ ہیں اور تیرے رب کے رزق سے مرزوق ہیں وہ بہتر ہے۔ اور باقی رہنے والا ہے اور زوال و انتقال اور الٹے پاؤں پھرنے سے بھی خوف نہ کھا کہ میرا وہ رب ہے جس نے فیض و ارشاد سے میری تربیت فرمائی ہے۔ اور اس نے معنوی وجہ ان سے پوری ایجاد کے ساتھ مجھ کو ایجاد کیا ہے وہ میرا نگہبان ہے۔ اور پوری تربیت میں جو محیط ہے بسیط ہے۔ اجمالی ہے تفصیلی ہے۔ ظل محمدی علیہ اکمل الصلوات والسلام میں میرا رب ہے۔ کیونکہ وہی مظہر جلال و جمال ہیں وہی مظہر اتم اور مقصود اہم ہیں پھر جو آدمی آپکے زیر سایہ تربیت کیا جائے آپ کے انوار و اسرار کی گود میں محبوب ہو اور ہر لحاظ سے کامل ہو اللہ کے فضل سے گھیرا ہوا ہو دنیا اور دین کی تمام بلاؤں سے محفوظ ہو اور تمام آفات صوری و معنوی سے یقین حق الیقین کے ساتھ یقین کی حقیقت میں حفاظت چاہنے والا ہو اور ہر خوفناک راہ میں رفیق اعلیٰ کی طرف سیر کرنیوالا ہو اسپر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ کوئی غم کھائے گا۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ میں اخلاق محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہوں اور تو بھی آپکے اخلاق کریمہ اور اوصاف عظیمہ سے متخلق ہوگا یہانتک کہ تجھ پر کوئی خوف اور غم کسی طرح باقی نہ رہیگا پس اللہ نے میری ایسے مرتبہ میں تربیت فرمائی ہے

جس سے میں مراد کو پہنچا ہوں اور نہایت بلند رفعت حاصل کی ہے اس نے مجھے نہایت بلند درجہ عطا کیا ہے پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے کو ناسوت کی رات میں عروج ولاہوت کی بلندیوں کی طرف سیر کرائی اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا اللہ کے دوستوں نے جو کہا سچ کہا کیونکہ جو کچھ انھوں نے ظاہر کیا وہ حاصل کرنیکے بعد ظاہر کیا جس نے پایا پھر کہا تو اس کا قول صادق ہے" اور بات میں اللہ سے زیادہ اور سچا کون ہے، اور اس کے رسول سے زیادہ سچا کون ہے" وہ صرف وحی ہے جو دی کی جاتی ہے، اور اس کے دوستوں سے سچا کون ہے۔ ؟" اللہ ایمانداروں کا دوست ہے۔ انکو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے۔ اور اس کلام میں آپ رضی اللہ عنہ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے۔ کہ مجھ پر اللہ اور اس کے رسول کے بعد اور کسی کا احسان نہیں ہے" اور جلاء الخاطر میں ہے" کشف کی حقیقت میں حجابات سے نکلنے کے بعد ہی پوری ہوتی ہے اگر تو وصول کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو دنیا اور آخرت کو چھوڑ دے اور ہر وہ چیز جو عرش کے نیچے ثری تک مخلوقات میں سے ہے۔ سب حجاب ہے سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ دروازہ ہیں اللہ عزوجل نے انکے حق میں فرمایا ہے" اور جو کچھ تمھیں رسول دے لے لو اور جس چیز سے تمھیں روکے اس سے باز آجاؤ" آپکی پیروی حجاب نہیں ہے بلکہ وہ وصول کا سبب ہے اور اسی کتاب کے دوسرے مقام میں ہے۔ کہ مومن عارف ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اعمال سے خوش کرتا رہتا ہے۔ یہانتک کہ اپنے دل سے اللہ عزوجل پر اذن مانگتا ہے۔ اور اس کے سامنے غلام کی طرح ہوتا ہے۔ پھر جب انکی خدمت کو کافی عرصہ ہو جاتا ہے۔ تو اپنے استاد سے کہتا ہے۔ مجھے بادشاہ کا دروازہ دکھاؤ مجھے اس کے ساتھ مشغول کر دو مجھے ایسی جگہ میں کھڑا کر دو کہ میں اسکو دیکھوں میرے ہاتھ کو اس کے قریب کے دروازے کے پاس چھوڑ دو پس وہ اس کو اپنے ساتھ لیتا ہے اور دروازے کے قریب کر دیتا ہے۔ تو آپ سے کہا جاتا ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اے سفیر اے دلیل اے معلم تمہارے ساتھ کیا ہے۔ تو وہ کہتے ہیں تو جانتا ہے۔ چھوٹا سا چوزہ ہے۔ جسے میں نے تربیت کیا اور اس بادشاہ کی خدمت کے لئے پسند کیا۔ پھر اس کے دل سے کہتا ہے۔" اب تو جان اور تیرا رب" جیسا کہ جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے کہا تھا۔ جبکہ آپ کو آسمانوں پر کرایا اور آپ اپنے رب کے قریب ہوئے تو کہا اب تو جان اور تیرا رب عزوجل آپکی عبارت شریفہ ختم ہو گئی تو اس صورت میں آپکے قول اللہ ربی کا معنی یہ ہوگا کہ مجھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری تربیت کے بعد بادشاہ کی خدمت تک پہنچا دیا۔ اور جیسے کہ حکمت ازلی کا تقاضا تھا۔ میرے معاملہ کو اس کے سپرد کر دیا کہ رسول کی تربیت کے بعد ہم اس کو اپنے قرب کی بساط میں پسند کر لیں گے کیونکہ آپ ہی دعوت دینے والے ہیں پھر جب دعوت اور تربیت پوری ہو جاتی ہے اور بندہ اپنے رب تک پہنچ جاتا ہے۔ تو پھر اسکی حفاظت میں اسکو سپرد کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ بشریت کے تقاضے کے مطابق اسکی تکمیل ہو اور اس میں بندے کا اپنے رب پر اطمینان بھی ہے۔ اور اس میں رسول علیہ الصلوٰت کی صداقت بھی ہے کہ آپ اسکو تربیت کی طرف دعوت دیتے تھے پس آپ نے مدعو کو رب تک پہنچا دیا تاکہ وہ اطمینان و یقین پر ہو اور اس کو اپنے رب کی عبادت کرنا چاہئے کہ تجھے یقین آجائے" کے معنی حاصل ہو جائیں۔ پھر اگر تو سوال کرے کہ اس کے مجاہدہ اور عبادت کی کیا ضرورت ہے کیونکہ واصل سفر نہیں کرتا۔ اور حاضر کا ذکر نہیں کیا جاتا ؟ تو میں کہونگا کہ وصول تو سیر الی اللہ کی حیثیت سے ہے اور اس کا پورا ہونا عدم سفر اور مجاہدہ کا تقاضا نہیں کرتا۔ کیونکہ سیر فی اللہ کی مسافت ابھی باقی ہے جیسے کہ مجھے کئی دفعہ معلوم ہو چکا اور یہ بھی جائز ہے کہ عبادت اور مجاہدہ پہلے مرتبہ میں وصول کیلئے ہو۔ اور اس مرتبہ میں بقا اور ادائے شکر کے لئے جیسا کہ

حدیث میں وارد ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قدم متورم ہوگئے یہانتک کہ آپ سے خون نکلا اور بہت سے زخم ہوگئے تو آپ سے عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیک اللہ تعالیٰ نے آپ کے پہلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے پھر اب یہ زخم اور محنت کیسے؟ تو آپ نے فرمایا کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ اور اسمیں تفصیل ہے میں نے اس کو شیخ بد کمال کے حال کی زبان کے حکم سے دل پر لپیٹ دیا ہے۔ اور ہر حال میں اللہ ہی کی تعریف ہے۔

مُناجات:۔ اے میرے خداوند میں ایک گنہگار بندہ ہوں میرے پاس تقویٰ کا زاد نہیں ہے میں خواہش کے گھوڑوں پر سوار ہوں جو مجھے غفلت اور حیرت کے جنگلوں کی طرف کھینچے لئے جارہے ہیں اور میرا کوئی راہنما بھی نہیں ہے۔ جو مجھے کہے کہ سیدھی راہ پر قائم رہ پس تو میرے حال کو دیکھ اور میری لغزشوں پر رحم فرما تیرے سوا کوئی موجود، مشہود، معبود نہیں ہے مجھے طاقت دے اور بساط قرب و وصول کی طرف میری راہنمائی کر اور مجھے قبولیت کی خلعتوں کے اقتباس سے بیکار اور محروم رکھ اور مجھے بڑے آدمیوں میں سے بنادے کہ جنہوں نے شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے لشکر میں پہنچ کر آپ کے طبل کی آوازیں سنی ہیں اور اپنے فیض سے مجھے اس کے قرب میں زیادہ کر اور اس کے دروازہ میں داخل فرما مجھ ہی سے مطلوب مسئول کی قبولیت ہے اپنے جلال و کمال اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل کی طفیل کہ آپ کا دین قائم اور راسخ ہے۔ اسکے لئے غروب ہونا نہیں ہے میں تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں اور تیری طرف لوٹتا ہوں۔

قصیدہ خمریہ شریفہ کے سمندروں میں سے بیسویں موج

(۲۰) طُبُولِیْ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ دُقَّتْ   وَشَاؤُسُ السَّعَادَةِ قَدْ بَدَالِیْ

طبل معروف (طبلہ) ہے اور ڈھول اور چاندی کی اور درہم داخیار کی جگہ اور پہلا معنی آپ کے قول دُقَّت سے زیادہ مناسب ہے کیونکہ دق کا معنی کوٹنا ہے اور دق نقارے اور طبل معروف کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور اسکی جمع طبول ہے اور طبال طبلہ بجانے والا اور طبل کی جمع طبول ہے جیسے اصول اصل کی جمع ہے اور فحول فحل کی اور طبل کا بجانا یا تو مین سفر دریں ہوتا ہے جیسے فوجی بجاتے ہیں یا اس کا غلبہ معلوم کرانے کیلئے یا چلنے میں اپنی طاقت کے اشارہ کیلئے یا پیچھے آنیوالوں کی راہنمائی کے لئے خواہ وہ قریب ہوں یا دُور اور اس میں شمت اور دبدبے اور ہیبت کا اظہار بھی ہے اور اس میں دشمنوں کو اپنے لشکر کے آنکی اطلاع دینا سے بھی ہے۔ یہانتک کہ وہ جنگ کیلئے تیار ہو جائے اور یہ نہ کہیں کہ ہم جنگ سے غفلت میں تھے اور اور بھی فوائد میں جنکو جنگ لڑنے والے جانتے ہیں خصوصاً اہل باطن اور کبھی طبل جنگ کے وقت بھی بجایا جاتا ہے یا فتح حاصل ہونیکے بعد اور یہ آخری معنی آپکی حالت سے زیادہ ملاصق ہے۔ اور پہلا اور دوسرا مریدین کی ہدایت کے حال سے زیادہ مناسب سما آسمان اور یہ اسم جنس ہے۔ تھوڑے اور زیادہ پر بولا جاتا ہے۔ اور اسی طرح ارض یعنی زمین بھی اور سما کی جمع اسمہ ہے۔ اور سموٰت اور سماوات بھی آتی ہے۔ اور اس کا معنی چھت اور سائبان اور بارش اور گھوڑے کی پیٹھ بھی آتا ہے۔ اور زمین سے زیادہ مناسبت رکھنے والا وہی پہلا مشہور معنی ہے۔ اور بستان الفقیہ میں ہے کہ دنیا کا آسمان ایک سبز رنگ کا موتی ہے۔ اور دوسرا سفید مرمر ہے اور تیسرا لوہا۔ اور چوتھا پیتل اور پانچواں تانبہ اور چھٹا

چاندی اور ساتواں سونے کا ہے۔ اور میرے دل میں خیال گزرتا ہے کہ سما کی وجہ تسمیہ سما اسکی بلندی اور زمین پر اسکا علو ہے اور ارض کا معنی زمین ہے اور اس کی جمع آرضات اور ارضوان اور ارامنین اور اراضی اور اروض اور آرامن ہے اور اس کا معنی پستی اور بیل کے پاؤں اور کانپنا بھی آتے ہیں اور مشہور معنی ہی آسمان سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور میرے دل میں خیال آرہا ہے کہ ارض کا نام ارض اس کے تسفل یعنی اسکے آسمان کے تحت اور نیچا ہونیکی وجہ سے ہے اور اللہ تعالی کا قول اسی طرف اشارہ کرتا ہے "پھر ہم نے اسکو اسفل السافلین کی طرف لوٹا دیا" اور یہ بھی اسم جنس ہے تھوڑے اور زیادہ پر بولا جاتا ہے اور ان دونوں میں جمع باعتبار ارادہ نوعیت کے ہے ہر آسمان سے مختلف منافع کے ملاحظہ کی وجہ سے اور جس سے وہ مرکب ہوتے ہیں جیسا کہ تو ابھی معلوم کر چکا شاؤس یعنی نگہبان یہ تشاؤس سے مشتق ہے۔ جس کا معنی ہے۔ آنکھ کے گوشہ سے دیکھنا اور اس مقام میں مراد ہے۔ قاصد اور قیافہ دان اور راہنما ورہبر اور انشاء اللہ عنقریب بیان ہوگا۔ کہ اس سے مقصود کیا ہے اور سعادۃ نیکبخت ہونا یہ شقاوت کے خلاف ہے اور اس صورت میں لفظ شاؤس میں اشارہ ہے۔ اللہ تعالی کے قول کی طرف "اور اللہ ایمانداروں کا دوست ہے۔ انکو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے اور اس قول کی طرف اور اللہ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے" اور اس قول کی طرف کہ "وہ سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کرتا ہے"۔ اور اسکے علاوہ اور بھی آیتیں ہیں جو اس معنی پر دلالت کرتی ہیں اور اللہ تعالی کے اس قول کی طرف "اور جو لوگ نیکبخت ہیں" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی طرف "اور نیکبخت وہ ہے۔ جو اپنی ماں کے پیٹ میں نیکبخت ہوا" مختصر یہ کہ اس مصرعہ کے مطابق بہت سی آیات اور احادیث ہیں جنکو قرآن اور سنت کا عالم پالیگا۔ باقی رہا پہلا مصرعہ تو یہ اللہ تعالی کے اس قول کے موافق ہے "ان گھروں میں جو حکم دیا ہے اللہ تعالی نے کہ انکو بلند کیا جائے" اور اس قول کے "اور اللہ ایمانداروں کو بلند کرتا ہے" اور اس معنی میں بھی آیات اور احادیث بہت زیادہ ہیں۔ بدؤ کا معنی ہے ظاہر ہونا اور شروع کرنا اور آپسند آنا اور پیدا کرنا اور بزرگ اور بزرگی میں اول نمبر کا آدمی اور نیا کام کرنا اور اس مقام کے مناسب پہلا اور دوسرا معنی ہے۔ اور چوتھا اور پانچواں اور چھٹا بھی جائز ہے جیسا کہ اس آدمی پر مخفی نہیں ہے۔ جو مطلب کو سمجھتا ہے اور کبھی آئی سے یاء کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ اور لام کی صورت پر لکھا جاتا ہے۔ تاکہ آپکے قول وصال اور کمال وغیرہ کے موافق ہو جائے جو کہ صرف لام سے ہیں۔ اور اللہ ہی کلام کی حقیقت کو خوب جانے اور وہی ہر مقام میں توفیق کا والی ہے۔

نحو: طلبولی مبتدا ہے جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہے اور اسکی خبر دقت ہے۔ اور آپکا قول فی السماء خبر متعلق ہے۔ اور آرض سما پر معطوف ہے۔ اور تقدیم کی توجیہ عنقریب بلاغت میں آجائیگی اور السماء میں اور الارض میں لام یا تو جنس کیلئے ہے یا استغراق کے لئے اور یہی بہتر ہے۔ کیونکہ یہ مسامحت سے خالی ہے بخلاف جنس کے جیسا کہ مخفی نہیں ہے اور آپکا قول دقت دق یدق سے ماضی مجہول مؤنث غائب کا صیغہ ہے۔ اور آپکے قول وشاؤس میں واؤ آپکے قول طلبولی پر عطف کیلئے ہے۔ اور سعادت کی طرف اضافت لام اختصاصی کے معنی میں ہے۔ اور آپ کا لفظ قد تحقیق کیلئے ہے۔ اور بدو جو کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اسکی تاکید ہے۔ یعنی یقیناً تحقیق ہو چکی ہے۔ جو تردد سے خارج ہے۔ اور اس میں انکار۔

Scanned by CamScanner

البلاغت: آپ نے اپنے قول طبولی میں جمع کو اختیار کیا ہے۔ یہ اشارہ ہے اسطرف کہ آپ رضی اللہ عنہ کیلئے بہت سے طبل ہیں باعتبار ہر فتح ہر درجہ اور ہر مرتبہ کے یا باعتبار ہر ملک کے جو اللہ تعالیٰ نے آپکو مشرق اور مغرب اور جنوب اور شمال سے عطا کئے اسی لئے آپ اپنے قول فی السماء والارض کو مطلق لائے ہیں اور بغیر کسی طرف کی قید کے اطراف میں سے لائے ہیں اور اسی طرح جیسے آپ کے ایک اور قصیدہ میں فرمایا پہلے لوگوں کے سورج غروب ہو گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ بلند کناروں پر ہے۔ وہ غروب نہ ہوگا۔ کہ آپ افق العلی کو مطلق لائے ہیں اور یہ بھی جائز ہے۔ کہ کثرت باعتبار ہر طالب کو ہر مشکل مرتبہ میں ہدائیت دینے کے ہو۔ جیسا کہ علی بن ہیتی کے مرید کے قصہ میں گزرا کہ اپنے مرشد کے حکم سے اس نے آپ رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا اور آپ نے اسی وقت اسکی مشکل حل کر دی حالانکہ اس کا شیخ اسکی راہنمائی سے عاجز آچکا تھا پھر اس نے اسکو شیخ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی طرف اشارہ کیا اور اس صورت میں اسمیں اشارہ ہوگا کہ تمام اولیاء اپنے تمام مراتب میں میرے جھنڈے اور میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے قول "میرے یہ قدم ہر اولیاء اللہ کی گردن پر ہیں" میں اسکی طرف اشارہ ہے کیا تو نہیں دیکھتا ہے۔ کہ شیخ عبدالرحمن طفسونجی قدس سرہ نے کہا کہ میں اولیاء میں اس طرح ہوں جیسے پرندوں میں کرگی وہ ان سب سے بلند گردن والا ہوتا ہے۔ پھر جب آپکے مرید سے مذاکرہ کرنے کے بعد انکو محقق ہو گیا جیسا کہ اس قصہ کریمہ کی طرف پہلے اشارہ گزر چکا ہے۔ اور جائز ہے۔ کہ آپ کثرت طبولی آپ رضی اللہ عنہ سے کثرت ہدائیت کے اعتبار سے ہو با واسطہ اور بالواسطہ قیامت قائم ہونے تک اور یائے متکلم اپنے مفرد ہونیکی وجہ سے ان طبول کے آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا سے آپکے خاص مرتبہ میں اختصاص کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور اسکی طرف وہ اضافت اشارہ کر رہی ہے۔ جو اختصاص پر دلالت کرتی ہے۔

تکمیل: ضروری ہے کہ تو جان لے کہ طبول سے مراد یا تو مراتب عالیہ ہیں اور انکو طبول سے تعبیر کرتے ہیں اس طرف اشارہ ہے۔ کہ یہ مراتب جو آپ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہیں ظاہر اور مشہور ہیں اولیاء کے لشکروں میں سے ہر ایک انکو جانتا ہے اور جو آدمی انکار کرے وہ اس لئے انکار کرتا ہے کہ اس کے کانوں میں بوجھ ہے پس وہ بہرا اور گونگا ہے بلکہ اندھا ہے پھر کون آدمی بہروں۔ گونگوں اور اندھوں کو سنا سکتا ہے اور اس صورت میں اس میں آپ رضی اللہ عنہ کی اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کی طرف اشارہ ہے۔ پھر اس تعبیر میں اشارہ ہے۔ کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے طبول کے اعتبار سے آسمانوں اور زمینوں میں اولیاء کے بادشاہ ہیں۔ اور یا پھر وہ مراتب تحقیقی ہیں جن پر کوئی بھی مطلع نہیں ہیں پس وہ آسمانوں اور زمینوں سے خارج ہیں۔ انکو صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ اور وراء الوراء ہیں جیسا کہ آپکے کلام میں وارد ہوا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ میں عقول سے بہت آگے ہوں میرے حال پر کوئی مطلع نہیں ہے۔ اور مجھ کو دوسرے اولیاء کی طرح قیاس نہ کرو میرے اور ان کے درمیان اتنا ہی فرق ہے۔ جتنا فرق آسمان اور زمین میں ہے تو اس صورت میں طبل کا بجانا شہرت کلیہ سے کنایہ اور طبل متعارف معنی میں ہو اور جائز ہے۔ کہ جہاد اکبر میں بھی ہو جیسا کہ جہاد اصغر کے لشکروں میں ہوتا ہے۔ اور اس صورت میں اس میں اشارہ ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی طرف کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے اور جائز ہے کہ طبول طبول جہاد ہوں جیسا کہ جائز ہے۔ کہ یہ طبول فتح اور مراد حاصل کرنے کے ہوں اور اس صورت میں کلام آپکے اس قول کے مطابق

ہوگا کہ " اس نے مجھے کمال کے تاج پہنائے " اس حیثیت سے کہ اس سے مراد وہ تاج ہو جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے اولیاء کیلئے دیا ہے اور شیخ عبد الرحمٰن طفسونجی قدس سرہ کے قصّہ میں اسکی طرف اشارہ گزر چکا ہے کہ انکو ایک صدری شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر دی گئی جس پر قل ھو اللہ احد کی پٹی لکھی ہوئی تھی اور آپ رضی اللہ عنہ کے قول " ہیں خلعات اور ولایات ہیں " میں آپ رضی اللہ عنہ دارضاہ عنا کی مجلس شریف کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس ارادہ کے مناسب آپ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے۔ کہ " میں مشہور تیغ زن ہوں میری کمان کھینچی ہوئی ہے۔ میرے تیر نشانہ پر بیٹھنے والے ہیں اور میرے گھوڑے پر زین کسی ہوئی ہے۔ اور میرا نیزہ تنا ہوا ہے " جیسا کہ اسرار کے واقف پر مخفی نہیں ہے۔ اور جائز ہے۔ کہ طبل بجانے سے مراد وہ شغل ہو جس کا نام طریقہ قادریہ عالیہ میں ا صوت سرمدی ہے۔ اور وہ مختصر یہ ہے کہ سالک جیسے دل کی طرف توجہ رکھتا ہے۔ اسی طرح کانوں کی طرف بھی توجہ رکھتا ہے پھر اسکی توجہ اخلاص کلی اور انفاس جملی سے بڑی دیر تک رہتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسکی طرف " سرمدی آواز " ڈالتے ہیں جو حرف اور الفاظ حادثہ سے خالی ہوتی ہے اور اس کے باوجود بلا کیف ہوتی ہے۔ اور یہ حالت ورود کے بعد ہی منکشف ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ایک کشفی امر ہے حسی اور سمعی نہیں ہے۔ جو اس کان سے سُنی جائے اور غالب ہوتی ہے۔ جو تمام مخلوقات کے آوازوں سے بلند اور غالب ہوتی ہے پس اس کا وہ کان جو اس آواز کو سُنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مورد ہوتا ہے۔ کہ " وہ میرے ساتھ سُنتا ہے " جیسا کہ مشہور حدیث میں ہے۔ پھر جب اس غلبہ کو پہنچ جاتا ہے۔ تو یہ شغل رکھنے والا مخلوق کی آواز کو نہیں سُنتا اگر چہ اس کے کان کے نزدیک اسے پکارا جائے پس وہ غیر اللہ سے بہرا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ شانہ سے متکلم ہوتا ہے پھر اس کا کمال یہ ہے۔ کہ وہ اللہ کے ساتھ کلیم ہو جائے پس وہ حکیم کے کلام سے قدیم آواز کو سنتا ہے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام سنتے تھے اور یہ تاویل پوری طرح پر شیخ اجل رضی اللہ عنہ دارضاہ عنا ہی کیلئے متحقق ہوئی ہے اور اسی قسم سے آپکا کلام غوثیہ میں ہے اس خطاب کے لئے غوث اعظم اللہ تعالیٰ سے انس حاصل کرنیوالا ہی غیر اللہ سے وحشت محسوس کرتا ہے آخر کلام تک اور اس صورت میں تحول کی آپ رضی اللہ عنہ کے نفس سے تخصیص بھی ظاہر ہے۔ اور مختصر یہ کہ یہ کلام جوامع الکلم سے ہے جائز ہے اس کے ہر معنی کا ارادہ کرنا عبارتاً و اشارتاً ہر طرح سے جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی نبی امّی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نیابت کی شان ہے۔

علامت صدق: پھر اس شغل کے صدق کی علامت ارادہ اور وجود سے فنا کلی اور اللہ موجود کے ساتھ بقا ہے۔ اور اسی کی طرف شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب مسمّیٰ فتوح الغیب میں اشارہ کیا ہے شیخ اجل نے فنا کے ذکر کے بعد فرمایا لیں یہ سب تیرے لئے قدرت بن جائیگی۔ تو اللہ کے ساتھ سُنے گا۔ اللہ کے ساتھ دیکھے گا۔ اللہ کے ساتھ نظر کریگا اللہ کے ساتھ بولے گا۔ اللہ کے ساتھ پکڑے گا۔ اللہ کے ساتھ کوشش کریگا اللہ کے ساتھ سمجھے گا۔ اللہ کے ساتھ مطمئن ہوگا۔ اللہ کے ساتھ سکون پائے گا۔ تو اس کے سوائے اندھا ہو جائیگا اور اس کے سوا دوسروں سے بہرہ ہوگا تو اس کے سوا کیلئے وجود نہیں دیکھے گا۔ اور اس کے ساتھ حدود کی حفاظت اور امر و نواہی کا لزوم رکھیگا اور اگر حدود میں سے کوئی جرم تیرے اندر موجود ہے۔ تو سمجھ لے کہ تو فتنے میں مبتلا ہے۔ تجھ سے شیطان کھیل رہا ہے پس شریعت کے حکم کی طرف رجوع کر اور اس کو لازم پکڑ اور اپنی خواہش چھوڑ دے کیونکہ ہر وہ حقیقت جس کی شریعت شہادت نہ دے وہ بددینی ہے آپکی عبارت شریفہ ختم ہوئی اور اس میں بہت سے فوائد ہیں جو اہتمام کے ساتھ بسط کا تقاضا کرتے ہیں لیکن فائدہ تامہ عامہ یہ ہے کہ سالک کے

لئے ضروری ہے۔ کہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوات کے زیور سے آراستہ ہو کیونکہ شریعت غراء کا مخالف ایک کوڑے کے سبز رنگ ڈھیر کی طرح ہے۔ اس کا انجام یہ ہے۔ کہ ہوا اسکو اڑاتی ہے۔ اور وہ ھَبَاءً مَّنثُورًا ہو جاتا ہے اور حدیث میں جس کے معنی یہ ہیں کہ شریعت کا مخالف کوڑے کے ڈھیر پر سبزیوں کی طرح ہے اور پھر آپ کے اس بیت کے ذیل میں کہ موریدی لاتخف اللہ ربی آپ رضی اللہ عنہ کے مراتب عالیہ پانے کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ اس مضمون سے آپ کا یہ قول بول رہا ہے۔ کہ "اس نے مجھے رفعت عطا فرمائی ہے۔ جس سے میں اپنی مرادوں کو پہنچا ہوں"۔ پس آپ کا طبولی سے لیکر آپ کے قول درست العلم تک اسی اللہ تعالیٰ سے پانے کا بیان ہے یعنی میں نے ایسی کامیابی حاصل کی کہ میرے طبل زمینوں اور آسمانوں میں بجائے گئے اور میں خاص و عام میں مشہور ہو گیا۔ یہانتک کہ ذرہ اور عرش بھی مجھے پورے کمال کے ساتھ پہچانتے ہیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ کفار جن کی اسلام کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے۔ وہ بھی شیخ اجل کی جلالت کا یقین رکھے ہوئے ہیں۔ اور آپکی طرف کلی رجوع اور پوری طرح میلان رکھتے ہیں۔ اور آپ کو صبح و شام کمال اور جلال اور جمال سے یاد کرتے ہیں۔ اور آپ پر یقین رکھتے ہوئے مہمات کے کھلوانے اور خلل اور اختلال کے دور کراتے میں آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں یہانتک کہ ان میں سے بعض نے جب آپ کے یقین میں استقامت دکھائی تو آپکی پیشانی کی چمک سے آپ کو دیکھا تو آپ نے ارشاد و تبیین سے آپکے ساتھ اسلام لے آئے اور اس معنی کی طرف شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک قصیدہ میں اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا۔ انا فی صع الکفار باسر دائما۔ تجورت غیری بسلطان قدرتی اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ کہ آپ نے اپنے نور کو نائبوں میں اس طرح ظاہر فرمایا کہ کفر کا غلبہ اور نفاق کی ظلمت کی آپکے ذکر دنیا کے ملاحظہ سے ٹوٹ جاتی ہے۔ پس پاک ہے۔ وہ اللہ جس کے ہاتھ میں تحقیق کی لگام اور تدقیق کی باگ ڈور ہے اللہ تعالیٰ اپنی بہترین مخلوق محمد اور انکی تمام آل اور ہمارے غوث اور غیاث سید محی الدین رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

رجوع الی بلاغت: پھر آپکے قول لی السماء والارض میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی اشارہ ہے کہ اللہ ہی کا ہے۔ جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اس میں اس طرف اشارہ ہے۔ کہ شیخ اجل کبھی اللہ تعالیٰ کے اوصاف سے پوری طرح متخلق ہو جاتے ہیں پھر آپکے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا معنی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ "جو اللہ کیلئے ہو گیا اللہ اس کیلئے ہو جاتے ہیں" آپکے اس قول کے مطابق کہ جس کا مولی ہے۔ اس کا سب کچھ ہے۔ تو اس معنی سے اللہ تعالیٰ کا تمام ملک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ آپ رضی اللہ عنہ کا ملک ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت میں فرمایا "میں نے اپنا تمام تجھ پر فدا کیا"۔ پس شیخ اجل رضی اللہ عنہ اس قول سے اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ جو آدمی میرے قول سے منحرف ہو گا اور میرے حکم کے نفاذ سے رکے گا تو وہ خسارے میں ہے۔ غم میں بھرا ہوا ہے۔ کیونکہ تابعداری کرنیوالا خادم اپنے متبوع مخدوم کی مخالفت نہیں کرتا اور اگر مخالفت کرے تو وہ نعمتوں اور انعامات سے محروم و ممتنع ہے اور اسی لئے شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اس ظرف کو اپنے قول وقت پر مقدم کیا ہے اور جائز ہے کہ کہا جائے کہ تقدیم حصر کے لئے ہے اس آدمی کے رد میں جو آپ رضی اللہ عنہ کے تمام اماکن علویہ وسفلیہ میں طبل بجانے کا منکر ہے۔ بلکہ اسکو عراق سے خاص کیا ہے جیسے کہ آپکی

جانب ابتدائے امر میں تھی اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی پیروی ہے۔ کہ یہود اور نصاریٰ کے کافر لوگ آپ تمام لوگوں کے لئے عموم نبوت کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے۔ کہ اگر وہ پیغمبر ہے۔ تو اس کی نبوت صرف عرب کیلئے ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کا اپنے اس قول سے رد فرمایا کہ "ہم نے تجھ کو تمام لوگوں کیلئے بھیجا" اور اپنے اس قول سے کہ "ہم نے آپ کو جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا" اور انکے علاوہ اور بھی آیات ہیں۔ جو اس معنی پر دلالت کرتی ہیں پھر جاننا چاہیئے کہ آپکا قول فی السماء والارض اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق کل سے کنایہ ہے۔ جیسا کہ ہم نے اسکی طرف پہلے تقریر میں اشارہ کر دیا ہے کیونکہ عرف ہمارے اس قول سے معلوم ہوجاتا ہے۔ کہ یہ مال جو اس حجرہ میں ہے زید کا ہے۔ کہ حجرہ اور مال دونوں زید کے ہیں۔ الا اگر تو اس سے انکار کرے تو میں کہونگا کہ جب آپکے طبل آسمانوں میں بجائے گئے یعنی آپ رضی اللہ عنہ کے شرف کو ہر اس چیز نے قبول کیا جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ تو یقینی طور پر آسمان سے آپ کے شرف کا قبول لازم آئے گا کیونکہ وہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے خصوصاً اولیاء اور اللہ تعالیٰ کو جاننے والے علما جو کہ تمام مخلوقات کا خلاصہ ہیں جب وہ آپکے تصرف اور حکم اور شرف کی متابعت میں جھک گئے تو لازمی امر ہے کہ ان کے لئے آسمانوں اور زمین اور عرش اور کرسی کی گردنیں بھی جھک جائیں گی پس یہ معنی فہم کے لحاظ سے دقیق ہے۔ اور تحریر کے لحاظ سے عام ہے۔ ذہین آدمی اس کو سمجھنے اور اس کا مقابل یہ ہے۔ کہ آسمانوں اور زمینوں میں طبل کا بجنا جائز ہے۔ کہ آپ کے گھر میں نقارہ بجنے کے قبیل سے ہو اور آپکے اس گھر کے باہر اور نقارہ ہو تو اس وقت جائز ہے کہ یہ اس طرف اشارہ ہو کہ آسمان اور زمین اس وسعت کے باوجود آپکے طبول سے بھر چکے ہیں پس یہ دونوں آپکے نقارہ بجنے کا مقام ہیں اور اس معنی پر یہ ایک اور اشارہ پر متضمن ہوگا اور وہ یہ ہے۔ آسمان اور زمین آپ کی نظر کا مورد اور آپ کی ہمت کا مطمح نہیں ہیں بلکہ آپ کا منظور اور آپکے رجوع کا مقام قدسی ملک ہے جسکو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی آدمی کے دل پر ان کا گزر ہوا اور آسمان کو زمین پر مقدم کرنیکے کئی ایک وجوہات ہیں ایک تو قرآن مجید کی متابعت ہے اور دوسرے کہ پیدائش میں انسانوں کی تقدیم اور تیسری یہ اشارہ کہ سب سے بڑی مخلوق آپ کے سامنے پہلے مغلوب ہوتی ہے اور چوتھی فرشتوں کی آپ رضی اللہ عنہ کی متابعت کا اہتمام کیونکہ وہ نوری اجسام ہیں ان کے اس حکم عجیب کو سننے میں آپ کا کمال شرف بکمال وجہ ہے۔ کیونکہ جنس کی تجنیس کے لئے متابعت فہم کے زیادہ قریب ہے۔ بہ نسبت مخالف جنس کی متابعت کے اپنے مقابل کے لئے باقی رہی زمین اور اس کے رہنے والے تو وہ خلقت کے لحاظ سے آپ رضی اللہ عنہ کی جنس سے ہیں پس جنس اپنی جنس کی طرف زیادہ میلان اور التصاق رکھتی ہے وہ اللہ وہ ہے "جس نے تم میں تمہاری اپنی جنس ہی سے رسول بھیجا۔ پھر آپ دق میں ماضی مجہول کا صیغہ لائے ہیں۔ تو یہ اشارہ ہے اس کے کمال خروج کی طرف اس دق کے قصد سے پس دق مجرد اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور فاعل کو تعیین کے لئے حذف کیا گیا ہے اور وہ فاعل اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ فاعل حقیقی وہی ہے خصوصاً عرفاء کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق کہ "وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی" کہ ان کی نظر سے غیر کے وجود کا استقلال اٹھ چکا ہے۔ بلکہ ان کے لئے ظاہر ہے۔ کہ ظاہری فاعل آلات کی طرح ہیں پس وہ کسب کرنے والے ہیں فاعل نہیں ہیں اور یہ مسئلہ طویل الذیل ہے۔ اس کی طرف پہلے بھی اشارہ گزر چکا ہے اور تفصیل توضیح میں ہے۔

جو کہ اصول فقہ کی کتابوں میں ایک ستون کی طرح ہے پھر شاؤس کی اضافت سعادت کی طرف اختصاص کے لئے ہے یعنی نیکبختی کے شاؤس شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی ہدایت سے خاص ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا آپ کو ہدایت دینا اعیان ثابتہ میں یا ارواح میں یا اس اولاد میں جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السّلام کو دکھائی تھی پس ان میں سے ہر ایک کو کمالات دے یا جس وقت کہ ارواح کو سجدہ کا حکم دیا تھا یا ماں کے پیٹ میں آپکی تصویر بننے کے وقت جیسے کہ حدیث بول کر کہہ رہی ہے کہ خوش نصیب وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں نیکبخت ہوا" یا اس پیدائش میں آپ کی پیدائش کے وقت یا آپکی بلوغت کے بعد اور ان ارادوں میں سے ہر ایک کے لئے واضح دلائل ہیں ان میں سے اس قصیدہ مبارکہ میں بھی ہے یعنی آپکا قول وہ وقتی قبل قبلی قد صفال اور ان میں سے ہے اور قصیدہ میں ہے۔ انا کنت قبل القبل قطبا اور آپ رضی اللہ کے ایک اور قصیدہ میں ہے۔ وصوحی فی المهد به صار شهرتی اور اس جیسے اور اقوال جن کو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے قصائد میں ذکر کیا ہے۔ اور اہل سیر نے ان کا بیان آپ رضی اللہ عنہ سے صادر ہونیوالی کرامات میں کیا ہے اور اس مذکور سے کچھ حصہ عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ آئیگا پھر آپ خبر کو جملہ فعلیہ لائے ہیں یہ اشارہ ہے کہ جب بھی آپکے نئے مراتب حاصل ہوتے ہیں جن میں تجلیات ازلیہ کے مطابق آپ کی ترقی کا ظہور ہوتا ہے۔ تو نئے شاؤس ظاہر ہوتے ہیں اور اسمیں اشارہ ہے۔ کہ تجلی متکرر نہیں ہوتی اور اس طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ کی تربیت اللہ تعالیٰ نے نہائیت تیزی سے فرمائی ہے۔ گویا کہ آئی قبض کے سوا آپ پر کوئی قبض ظاہر نہیں ہوئی اور آپ قد کا کلمہ لائے ہیں جو تحقیق پر دلالت کرتا ہے۔ یہ اشارہ اس بات کی طرف کہ یہ تجددات جو شاؤس نفیس اور ہادی لاریبی سے آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کو نصیب ہیں اور آپکی ترقی کا باعث ہیں ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ انکار ضرر کا باعث ہے۔ پھر فعل کی تقلید میں یعنی تبد کو اپنے قول لی سے مقید کرنے میں یہ اشارہ ہے۔ کہ میرے درجہ اور مرتبہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور میں بھی اللہ تعالیٰ ہی کے بتانے سے جانتا ہوں اور اس صورت میں اس میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہوگا جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شیخ کامل عبدالرحمٰن طفسونجی کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کے اپنے مرید کی مدد کرنے سے واقع ہوا جبکہ اس نے کہا میں اولیاء کے اندر اس طرح ہوں جیسے پرندوں میں کرکی اور یہ قصہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور اس اشارہ کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کمالات کو جو میرے لئے ثابت میں خاص مجھ ہی پر ظاہر فرمایا اور انکو میں ہی اللہ تعالیٰ کے بتانے سے جانتا ہوں پھر جو شخص میرے حال کا انکار کرتا ہے وہ جہالت یا غفلت یا تساہل یا اس کی تفصیل سے عدم اطلاع کی بنا پر انکار کرتا ہے اور اسکی طرف آپنے ایک اور قصیدہ میں اشارہ کیا ہے کہ میں راز ہوں اور ستر کا معنی اللہ تعالیٰ کے قول ویخلق ما لا تعلمون بحکمہ میں ہے۔ اور ایک اور کلام میں ہے کہ تمہاری عقلوں سے بہت دور ہوں اے غوث اللہ تعالیٰ آپ سے پوری طرح ہوں اور استر ضاء عام ہو آپنے سچ فرمایا۔

تحریر مقصود۔ جان لے کہ یہ کلام جمیل اور خطاب جلیل یا تو شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی زمین و آسمان والوں میں کرامت حقیقیہ اور مراتب عالیہ سے شہرت سے کنایہ ہے کہ آپکی شہرت تمام شیوخ و اولیاء و ابدالین سے فائق ہے جیسا کہ آپنے اپنے کلام عزیز جلاء الخاطر میں اس کی تصریح کی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے۔ کہ میرے لئے شیخیت عامہ اور ایسی مضبوط

ولایت ہے۔ کہ جس سے قیامت تک معزول نہ کیا جائیگا اور یہ عبارت شریفہ پہلے گزر چکی ہے اس کو یاد کرا در ایک قصیدہ میں ہے "مجھے اللہ تعالیٰ نے اجل ولایت عطا فرمائی ہے جو قیامت تک میرے سوا اور کسی کو نہیں ملیگی" پھر اگر تو کہے کہ اجل ولایت کا کیا معنی ہے۔؟ تو میں کہونگا اس کا معنی وہ مرتبہ ہے جو ثقلین کی غوثیت کے مرتبہ سے فائق ہے یعنی خلافت و نیابت جو آپ کے لئے ہر مرتبہ میں ثابت ہے جیسا کہ اسکی طرف آپ نے اپنے قول افلت شموس الاولین وشمسنا: ابدا علی افق العلی لا تغرب میں اشارہ فرمایا ہے۔ کیونکہ اجلّہ اولیاء قدس اللہ اسرارہم کے واضح بیان سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کو ایسی نیابت محمدیہ اور خلافت احمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ ملی ہے جس سے آپ کسی زمانہ میں بھی معزول نہیں ہونگے پس وہ قیامت تک مضبوط ہے پھر ہر وہ آدمی جو آپ کے بعد آئیگا وہ آپ رضی اللہ عنہ کے زیر سایہ ہوگا بس آپ کی نیابت کے لئے غروب نہیں ہے۔ پھر جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبوۃ ہیں اسی طرح آپ کا بیٹا جو آپ کا سر ہے خاتم النیابت ہے۔ پھر اگر تو کہے کہ ثابت ہو چکا ہے کہ امام مہدی اصل میں خاتم النیابت و ولایت ظلیہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو میں کہونگا درست ہے۔ لیکن شیخ کی عبارت جو آپ نے "قیامت کے دن" فرمایا ہے قید کیلئے مضاف الیہ کے ساتھ یعنی قیامت کے دن کے آثار و علامات کے ظہور تک اور مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی علامات سے ہیں پس کوئی تناقض نہیں ہے اور پہلے اسکی اشارہ گزر چکا ہے کہ آپ کے قول کہ "وہ ولایت جو بہت بڑی ہے میرے سوا کسی کو بھی قیامت تک نہیں دی جائیگی۔ سے مراد ہر زمانہ میں زندگی اور موت کے بعد بھی ولایت عامہ تامہ ہے باقی رہے امام مہدی تو ان کو ایسی ولائیت دی گئی ہے جو آپکے زمانہ ہی سے تعلق رکھتی ہے پھر انکی موت کے بعد آپکا تصرف اس طرح نہ رہیگا جس طرح تھا اور اسکی طرف لفظ افول اور لا تغرب اشارہ کرتے ہیں اور ممکن ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی امام مہدی رضی اللہ عنہ سے افضلیت لازم آئے اور یہ کوئی عقیدہ کے خلاف بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ تکملہ میں کہا ہے کہ "خدا تعالیٰ نے شیخ عبد القادر جیلانی کی مثل سوائے صحابہ کرام کے نہ پیدا کی ہے۔ اور نہ پیدا کریگا۔ اور یہ خود بھی صحابہ سے ہیں۔" اور یہ آپ رضی اللہ عنہ کی ان لوگوں کی افضلیت میں صراحت ہے۔ جو بعد میں آئیں گے اور یہ کلام تکملہ میں ہے اور وہ بھی اولیاء وابدال کاملین کے اتفاق سے جن کے سینے اللہ تعالیٰ نے کشف کلی کے ساتھ کھول دئے ہیں۔

اور مختصر یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ کا یہ کلام آپ کے قول کہ "میرے یہ قدم ہر پہلے اور پچھلے اولیا کی گردن پر ہیں" کے مطابق ہے پھر کسی زمانے یا بعض مراتب سے اس کو مقید کرنا شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے کلام سے مطابقت نہیں رکھتا پھر جو اس کے معنی ہیں وہی اس کے بھی معنی ہیں اور یا پھر تمام زمین و آسمان والوں کے ارشاد سے کنایہ ہے اور اسی لئے آپ مفرد لفظ لائے ہیں جو اس طرف اشارہ ہے۔ کہ آپ کا ارشاد ہر فرد کے ساتھ تفصیلی طور پر تعلق رکھتا ہے اور نفی کا کلمہ لانا جو کہ دِقّت کی سرائیت پر دلالت کرتا ہے۔ ایک اور باریک نکتہ کو متضمن ہے۔ اور وہ ہے ہر موجود کے ساتھ کلی بیر جنوں انسانوں۔ درختوں سمندروں۔ سبزیوں جانوروں اور تمام فرشتوں اور سورج چاند اور ستاروں کے ساتھ جیسا کہ آپ کے خوارق میں وارد ہوا ہے۔ کہ جن بھی آپ کے مریدوں سے تھے کیونکہ آپ شیخ الثقلین ہیں اور اسی طرح درخت اور سمندر اور پتھر اور سبزیاں بھی اور ان چیزوں کی ارادت کا مطلب اس کے سپرد ہے۔ جو اس کو جانتا ہے۔ اور اس کے واقف ہے۔

Scanned by CamScanner

ان کے افکار اور اُن کی تسبیحات اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق ہیں کہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اسکی تعریف بیان نہ کرتی ہو لیکن تم انکی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے ۔ اللہ پاک ہے ۔ کہ ہر ذرہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے خالص و کامل بندوں کے ساتھ ایک راز ہے جس پر اور کوئی مطلع نہیں ہے کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت سے رونے والے ستون کھجور کو نہیں دیکھتا اور آپ کے بلانے سے درخت سجدہ کرتے کرتے پردہ پوشی کرتے ہوئے آگئے اور آپ کے ساتھ ہرنی اور گوہ نے کلام کیا ۔ پھر حرام بکری کے چمڑا اترے ہوئے گوشت کا مکالمہ بھی پہلے گذر چکا ہے اور اسی طرح کی اور بھی چیزیں ہیں جو عقل کے طریقہ سے خارج ہیں اور یہ اسرار ہیں لے ستر ہے جسکو صرف اخیار و ابرار ہی جانتے ہیں ۔ اور اسی کنایہ کی رعائت سے آپ نے اپنے قول طبوبی میں جمع کا صیغہ پسند کیا ہے تاکہ اشارہ کریں کہ آپ کو بہ نسبت ہر اس آدمی کے جو آپ سے بھلائی حاصل کرنا چاہے ۔ مرید کے حصول کمال کی حیثیت سے بلند کمال حاصل ہے ۔ اگر وہ مرید ابتدائی یا وسطی درجہ میں ہو اور اسی لئے آپ نے اپنے کلام میں فرمایا ہے اگر میرا مرید اچھا نہیں ہے ۔ تو میں اچھا ہوں یعنی جو آدمی ارادت کے ساتھ میرا وسیلہ حاصل کرے پس اگر وہ نفس و خواہش کے ساتھ جہاد و قوت والا ہے ۔ اور عشق و سرمستی میں پورا جذبہ رکھتا ہے تو وہ اچھا ہے جس نے اچھے کے ساتھ وسیلہ پکڑا اس کے مرتبہ کی کوئی انتہا نہیں ہے ۔ اور نہ اسکی ترقی کی کوئی حد ہے اور اسی طرف آپ نے اپنے قول سے اشارہ کیا ہے ۔ کہ ہر گوشے میں کوئی نہ کوئی ہے ۔ جس کے ساتھ برابری کرنیوالا کوئی نہیں ہے اگرچہ وہ کمزور ہو مجاہدہ کی طاقت نہ رکھتا ہو یا تو مباح لذتوں میں انہماک کی وجہ سے یا ظاہری علم پر قناعت کی وجہ سے تو میں اسکو قوت کے جذبہ سے کھینچونگا اور اسے اللہ عزیز و حکیم کی طرف کھینچ کر لے جاؤں گا پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میرے طریقہ پر اتباع کریگا ۔ جس کی بنیاد شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰت و التسلیمات کے ستونوں پر ہے اور میں اسکو اپنے نور کی حمایت میں رکھونگا پھر وہ اچھا ہو جائیگا کیونکہ کامل کی طرف منسوب ہونیوالا کامل ہو جاتا ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ کافر اپنے کفر کی گمراہی میں ہونیکی وجہ سے اہل ضلالت و ظلمت تھے ۔ لیکن جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے منسوب ہو گئے تو دین والے ہو گئے پھر وہ آپس میں دینی بھائی بن گئے حالانکہ اس سے پہلے وہ دشمن اور بغض والے تھے کیا تو نہیں دیکھا ۔ کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو رات کے تمام اندھیرے اس طرح دور جاتے ہیں کہ انکا کوئی اثر اور نشان باقی نہیں رہ جاتا اور یہ سب کچھ دین کا نور رکھنے والوں کے ساتھ ارادت رکھنے والوں کے لئے تعلیم ہے یعنی اے وہ لوگو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی طرف منسوب ہو تمہارے لئے ضروری ہے ۔ کہ اپنے دلوں کے چہروں سے اس نور کی طرف توجہ کرو یہانتک کہ تم نور علی نور ہو جاؤ اور شیطانی مکر و فریب کی طرف ارادت رکھنے والوں کو توبیخ ہے یعنی اے دنیا کی زندگی کی زینت سے دھوکہ کھانے والو غافل نہ ہو جاؤ یہ دنیا کھیتی ہے ۔ اس کو فنا کی ہوائیں درمیان سے اڑا کر لے جائیں گی پھر یہ زینت جاتی رہیگی اور عیب اور زنگ باقی رہ جائیگا تو اسکی طرف دوڑ جسکی طرف آگے بڑھنے والے دوڑے ہیں ۔ اور یہی لوگ مقرب ہیں ۔

اور جائز ہے کہ طبوبی سے مراد یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ کا ہر آسمان اور ہر زمین ایک خاص نام ہے جیسا کہ نقل کیا گیا ہے ۔ کہ یہ آسمان میں آپ کا نام باز اشہب ہے ، اور ایک آسمان میں " نور عظیم اور ایک آسمان میں درسر تنگ لاہوت و علی

بہذالقیاس ہر آسمان میں آپ رضی اللہ عنہ کے نام ہیں اور انہی اسماء کے اعتبار سے ان آسمانوں والے آپ کے انوار کا اقتباس کرتے ہیں اور اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ کا زمین میں نام مشہور جو ہے۔ وہ عبدالقادر ہے۔ اور شرق و غرب کے نواحی میں آپ کو محی الدین کہا جاتا ہے۔ اور اس میں آپکا نام عبداللہ بھی ہے۔ اور اس طریقہ پر طبل بجنے سے آپ کے ناموں کی طرف اشارہ ہے کیونکہ موجودات کا ہر ذرہ آپ سے منفعت خاصہ انتفاع عام حاصل کرتا ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ طبول کا معنی عقول کے ادراک اور فحول کے تصور سے خارج ہے۔ تو ہم نے اس کا بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عین نور کی متابعت کرنیوالوں میں سے بصیرت تامہ رکھنے والوں کے دلوں کے سپرد کر دیا ہے۔

تقریر بہ مشہود۔ ظاہر ہے کہ آسمان اور زمین سے مراد یہی ظاہری معنی ہیں جیسا کہ آپکو معلوم ہو چکا اور جائز ہے کہ سماء سے مراد لطائف قدسیہ ہوں سوائے لطیفہ نفسیہ کے کہ زمین سے وہی مراد ہے یعنی میرے اشغال کے طبل اور میرے احوال کا ظہور اور میرے بلند مقام کا سامنے آنا ہر لطیفہ علویہ و سفلیہ پر بجائے گئے ہیں اور وجود کے ملک میں کوئی بلندی اور پستی باقی نہیں رہی مگر سارا دین اللہ کیلئے ہو گیا ہے اگرچہ ردی خواہشوں اور سفل اخلاق کے مشرکا سے بجیک اشغال کا بادشاہ ظاہر ہوا اور افضال کے افاضہ سے ہر ایک کو پکڑا اپس سلوک کا موسیٰ بسلوک عصا لیکر نفس کے فرعون کے پاس آیا اور اس نے اگرچہ خواہشات کے جادوگروں کو جمع کیا لیکن ان کا فر جادوگروں پر کلمۂ توحید طیبہ کا اژدہا ڈالا گیا۔ تو یہ جادوگر سجدے میں ڈالے گئے پس یہ لوگ اپنے رب کی طرف نور اور پاکیزہ زندگی لیکر لوٹے تو نفس کے فرعون نے انکو مجاہدہ کے عذاب میں پکڑا پس اسکو توحید کے نیل میں غرق کیا تو پاک معاف ہو کر مرا۔ اور کہا میں موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لایا یعنی اور ستر کے رب پر کہ اسکے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پس ان دونوں بھائیوں کے تابعدار قویٰ کے بنی اسرائیل امن میں ہو گئے یہی خالص حق ہے اور جائز ہے کہ آسمان سے مراد روح اور ستر ہوں اور زمین بدن یا نفس اور اس صورت میں طبل کا بجنا ان تمام میں رسول واہب العطیات صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے انوار و اسرار اور پوشیدہ چیزوں کے کشف کی حیثیت سے فتح سے کنایہ ہو اور جائز ہے کہ آسمان سے مراد وہ مراتب ہوں جو وصول سے متعلق ہیں اور زمین سے وہ مراتب مراد ہوں جو شہود کے توسط سے تعلق رکھتے ہیں۔ علی ہذالقیاس شاؤس کا معنی ہر مرتبہ میں وسیلہ ہے اور جائز ہے کہ یہ اس مشہور قصہ کی طرف اشارہ ہو جو آپؓ کیلئے گائے کے بولنے سے ظاہر ہوا اور اس کا بیان یہ ہے کہ شیخ اجلؓ پندرہ سال کے تھے کہ انکی ماں امۃ الجبار فاطمہ امہ الخیار نے انسے کہا اے بیٹا اس گائے کو چراگاہ کی طرف لے جاؤ آپ گائے کو ہانکنے لگے تاکہ چراگاہ کی طرف جلدی پہنچے تو گائے نے آپ سے کلام کیا اور کہا اے عبدالقادر تو اسلئے پیدا نہیں کیا گیا ہے اور اے عبدالقادر تجھے اسکا حکم بھی نہیں دیا گیا تھا اور گائے کا بولنا ایک امر خارق تھا اور نبیؐ کے زمانہ میں بھی یہ متحقق ہوا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ نبیؐ نے فرمایا کہ ایک آدمی بیل کو ہانک رہا تھا اور اس پر کوئی چیز لادی ہوئی تھی تو ناگہاں بیل اس کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ میں اسلئے پیدا نہیں کیا گیا ہوں میں تو کھیتی باڑی کیلئے پیدا ہوا ہوں تو لوگوں نے کہا سبحان اللہ بیل نے کلام کیا تو نبیؐ نے فرمایا میں اس پر ایمان لایا اور گائے کا اس طرح آپؓ سے بولنا گائے کی زبان کی کلام تھا اور اس تکلم کی حقیقت وہ آپؓ کو بغیر کسی انسانی واسطہ کے اللہ تعالےٰ کی طرف سے راہنمائی تھی۔ بلکہ اس میں تعلیم میں آپ کی پختگی تھی۔ کیونکہ ایک اور عجیب کا تحقق تھا

اور کچھ ایسے بھی ہیں جو آپ سے اس امر کا تصور نہیں کرتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ شیخ اجل رضؓ کے باطن میں کمال جذب پیدا ہوا پس آپ اپنے مکان کی چھت پر چڑھے جب اوپر گئے تو حاجی لوگوں کو حالات کے میدان میں کھڑے ہوئے دیکھا پس آپ اس چیز کی تحصیل کے مشتاق ہوئے جس کا آپ کو حکم تھا اور جس کے لئے آپ پیدا ہوئے تھے۔ اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اللہ تک وصول اور چونکہ یہ علم اور شیوخ واہل کمال کی ملاقات پر موقوف تھا تو فضائل کی تحصیل کیلئے آپنے بغداد کی طرف کوچ کرنے کیلئے اپنی بزرگ ماں سے اجازت مانگی سو انہوں نے انکو اجداد کی طرف رخصت کیا اور صدق وصفا کی وصیت فرمائی اور آپکی گودڑی کی بغل میں چالیس دینار سی دیئے جو کہ وراثت سے آپ کا حصہ تھا۔ اور جو حلال وجہ سے تھے۔ اور انکو یہ دعا سکھائی اللہ مجھے کافی ہے میں نے کافی کا قصد کیا اور ہر کافی کے لئے اسے کافی پایا مجھے کافی نے کفایت کی اور اچھا ہے کفایت کرنیوالا اور سب اللہ ہی کی تعریف ہے۔ اور انکو حکم دیا کہ اس کو ایک سو گیارہ مرتبہ پڑھا کریں کہ وہ آپ رضی اللہ عنہ کی تمام مہمات میں کافی ہوگا۔ اور تکملہ میں یہ مشہور قصہ ہے۔ پس جائز ہے کہ شاذ وسن السعادت مرادگائے کے بولنے کی حقیقت ہو۔

رموز فیضیہ ۔ اس قصہ میں کئی ایک رموز ہیں پہلی یہ ہے۔ کہ حق کو سر آنکھوں پر قبول کرنا چاہیئے اگرچہ اس کا صدور کسی ایسی چیز سے ہو کہ اس سے اس کا ظہور متصور نہ ہو پس ان کافر لوگوں نکر کیا ہو گیا ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر یقین نہیں کرتے اور اس میں اس طرف اشارہ ہے۔ جو حدیث نبوی صلی اللہ علی صاحبہ نے افادہ کیا کہ اگر تمہارے پاس کوئی حبشی زخمی چہرے والا آجائے اور تمہیں دین حق سکھائے تو اسپر یقین کرو اور اس سے حاصل کرو اور غافل نہ ہو اور اسکی صورت کو نہ دیکھو بلکہ اس کے معنی کو دیکھو۔ اور دوسری رمز یہ ہے کہ حکم دینے والے کیلئے فضائل علمیہ اور عملیہ سے آراستہ ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ لازمی ہے کہ حق کو قبول کیا جائے اگرچہ وہ کسی ایسے آدمی کی زبان سے ہو جو خود عمل نہیں کرتا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کہ حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے جہاں اسکو پائے اس کو لے لے پس اس میں اشارہ ہے۔ اس آدمی سے تعلیم کے جواز پر جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا۔ بلکہ اس آدمی سے بھی جس کا عقیدہ بھی علم کے خلاف ہو یہی وجہ ہے کہ پہلے علما شیعوں سے بھی علم حاصل کر لیتے تھے۔ جیسا کہ قطب شیرازی ایک مجوسی سے علم حاصل کرتا تھا یعنی نصیر طوسی سے جو کہ علم میں ایک سمندر تھا اور عمل میں کڑا تھا اور اس میں تفصیل ہے۔ جو اطناب کا باعث ہے۔ پس تمام تعریف اللہ رب الارباب کیلئے ہے۔

اور تیسری رمز یہ ہے۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کا ابتدائے ظہور ایک کرامت سے تھا۔ پس پاکیزہ درخت کا پھل بھی پاکیزہ ہوتا ہے پھر آپ رضی اللہ عنہ کے کمال اور انتہا کا کیا قیاس ہو سکتا ہے۔ اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔ کہ جب شیخ اجل رضی اللہ عنہ کمال کے حصول میں تھے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی واسطہ کے انکی تربیت فرماتے تھے۔ اور چوتھی رمز یا اشارہ ہے کہ بے زبان جانوروں کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کے مخفی اسرار ہیں۔ جن پہ اللہ عزوجل کے بعض خواص ہی مطلع ہو سکتے ہیں اور اسمیں اس آدمی کی بنیاد کو مضبوط کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جس سے حیوان بولتے ہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی اپنے متعلق اس آدمی کو خبر دیدی تھی۔ جو اسکو نہیں جانتا تھا۔ کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی ہے۔ اور آپسے ہرنی نے بھی گفتگو کی اور اسکی طرح اور بھی واقعات ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں ذکر کیئے گئے ہیں اور پانچویں رمز یہ ہے کہ ہر مخلوق کیلئے ضروری ہے۔ کہ وہ سوچے کس لئے پیدا ہوئی ہے۔ اور جس کے نزدیک

Scanned by CamScanner

پیدا ہوئی ہے اسکو اختیار کرے اور جن اور انسان عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں جیسا کہ یہ آیت اس کو بیان کرتی ہے کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں سید المفسرین یعنی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا تاکہ وہ مجھے پہچانیں، پس انسان کی پیدائش کا تقاضا اللہ تعالیٰ عز شانہ کی معرفت ہے۔ پھر اگر اس نے اس طرف توجہ کی تو بہت بڑی کامیابی حاصل کرلی اور جو الٹا پھر اور الٹ گیا اور پیٹھ کے بل گرا وہ قیامت کے دن منہ کے بل آگ میں ڈالا اور دھتکارا ہوا لوٹایا جائیگا

اور چھٹی رمز یہ ہے کہ علم حاصل کرنے میں بھی ماں باپ سے اجازت لینا ضروری ہے اگرچہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر اسکو وہ بھی اجازت دیں تو بھی علم حاصل کرنے کیلئے چلا جائے لیکن مستحب کو اختیار کرنا زیادہ پسندیدہ ہے اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ کی بھی آپ رضی اللہ عنہ کیلئے کمال کے حصول کی رضا تھی اسی لئے بلا توقف اس نے آپ کو اجازت دیدی اور ساتویں یہ ہے کہ طالب علم کی مالی امداد بھی ضروری ہے خصوصاً جبکہ کسی کو کسی کے پاس اس کا حق بھی ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جس نے طالب علم کی کسی نقودی سی چیز کے ساتھ بھی مدد کی اس کے لئے بغیر حساب کے جنت ہے کیونکہ طالب علم ہی خدا کے گھروں کی مضبوط بنیاد ہیں جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کو بلند کیا جائے اور اس میں تفصیل ہے جس کو فقہ کے علم سے حاصل کرنا ضروری ہے اور آٹھویں رمز یہ ہے کہ جو آدمی علوم ظاہری و باطنی کو حاصل کرنیکا ارادہ رکھتا ہو اس کے پاس صدق و تقوی کا طریق ہونا ضروری ہے کیونکہ علم اللہ تعالیٰ کے افضال اور فضل سے ہے اور سخت دل گنہگار کم ہی اس سے بہرہ ور ہوتا ہے پس خوب لے لیا کرو پس بہترین طریق پرہیزگاری ہے۔ اور نویں یہ ہے کہ والدہ اور والد اور استاد کے مامور کو اپنے امر کی سچائی سے متابعت و موافقت کرنی چاہیئے یہاں تک کہ وہ پوری ہدایت کے سورج کے چمکتے ہوئے انوار کے ساتھ کامیاب ہو جائے اور علوم کے ثمرات حاصل کرے کیا تو نہیں دیکھتا کہ ڈاکوؤں کا سردار احمد بدوی تھا جب اس نے آپ رضی اللہ عنہ کی سلے ہوئے دیناروں کے اظہار میں سچائی سنی تو کہا کہ اس اظہار کیلئے کس چیز نے آپ کو آمادہ کیا تو شیخ اجل نے فرمایا کہ میری والدہ نے مجھے سچ بولنے کا حکم دیا تھا۔ تو اس چیز نے احمد قدس سرہ کے دل پر اثر کیا اور کہا تو اپنی ماں کے وعدہ پر اس طرح قائم ہے اور میں خدائے خالق کے عہد کو برائی کئی سالوں سے توڑ رہا ہوں پس اب میں تیرے ہاتھ پہ توبہ کرتا ہوں۔ پس وہ آپ رضی اللہ عنہ کے مریدوں میں سے پہلا تائب تھا اور قصہ مشہور ہے۔

اور دسویں رمز یہ ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی والدہ کی آپ سے محبت نفس ناسوتیہ کی بنا پر نہیں تھی بلکہ یہ محبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اکرموا اولادکم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے کے ماتحت تھی اور گیارہویں رمز یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ کا دل اپنے بیٹے اور دوسروں کی محبت سے الگ ہو چکا تھا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تعمیل تھی "کہ کوئی تم میں سے اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جبتک کہ میں اسکی طرف اس کے باپ اور بیٹے سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں" اور یہ وہ ہے۔ جو غوثیہ میں وارد ہوا ہے کہ کہا اے غوث الاعظم تمام بندوں سے زیادہ پیارا مجھے وہ بندہ ہے جس کا بیٹا اور والد اور والدہ ہوں اور اس کا دل ان سے فارغ ہو اگر اس کا بیٹا فوت ہو جائے تو اس کو بیٹے کی موت کا غم نہ ہو پھر جب بندہ اس منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ اور وہ میرے لئے بغیر ماں باپ اور بغیر بیٹے کے ہو جاتا ہے اور اس سے کوئی برابری کرنے والا نہیں ہے صوفیہ کی عبادت ختم ہوئی یہی وجہ ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ

Scanned by CamScanner

کی حالت یہ تھی کہ جب آپ کی اولاد میں کوئی فوت ہو جاتا اور آپ وعظ اور افادہ میں ہوتے تو کسی طرح بھی آپ متغیر نہ ہوتے پھر جب اس کو سنبھالنے کو لے آتے تو اسپر دوسرے لوگوں کی طرح نماز پڑھ دیتے۔ اللہ عزاسمہ پاک ہے۔ یہ نصیحت ہے پھر جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف راستہ پکڑے اور نفس سے فنا ہونا اور خالق قمر و شمس کے ساتھ باقی ہونے کی یہی علامت ہے۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر جائیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما اور ہمارا مددگار و معین ہو۔ اور ہمارے لئے روشن دلیل آسان فرما۔

اور پھر اس رمز میں ایک اور رمز ہے اور وہ ہے شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی دنیوی تعلقات سے قطع کی تعلیم کہ جن میں سب سے زیادہ قوی اور اسبق اولاد کی محبت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد کو دشمنوں میں شمار کیا ہے اور دنیا اور اس کے دیوتے ہیں بھی ایک اور رمز ہے اور وہ ہے مال سے قطع تعلق اور اس رمز میں پھر ایک اور رمز ہے اور وہ ہے پہلے بندوں کے حقوق ادا کرنے کی تعلیم اور پھر تحصیل کمال کا شغل اختیار کرنا جو کہ جلال و جمال کے جلوات سے پیدا ہوتا ہے اے میرے بھائیو! اس ضعیف بندے پر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ اور آپ کے نائب رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے اللہ تعالے کا بہت فضل ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو میں تمام باطنی علم و اشغال بعدہ و سمیت اس عجیب قصہ سے استنباط کرتا خصوصاً آپ کے قول "اللہ مجھ کو کافی ہے اور میں نے کافی کا قصد کیا" آخر تک سے لیکن بندہ وہی کچھ کہہ سکتا ہے جس کی اُسے اجازت ہو اور اگر تو دل کی صفائی والا ہے جو شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے جلوات سے پیدا ہوتی ہے تو تو بھی اس پر قادر ہوگا ورنہ انتظار کر اللہ تعالے جو عزیز کسی نہ کسی حالت میں ہیں اور اس قصے کے اسرار کی کوئی انتہا نہیں ہے اور نہ اس کے انوار کی کوئی حد ہے لیکن اس آدمی کے لئے جس کا دل ہو یا کان لگائے اور وہ حاضر ہو اور انوار سے زید فضل بھی ہے۔

رجوع الی المراد۔ اور جائز ہے کہ نشاؤس سے مراد جذبہ حقیقیہ ہو جو کہ اول فطرت میں آپ رضی اللہ عنہ کی تربیت کرنے والا تھا تو اس صورت میں سعادت سے مراد یا تو اس کے ظاہر معنی ہونگے اور اضافت لامیہ ہوگی یا مطلق جذبہ تو اضافت بیانیہ ہوگی اور بہ تقدیر ہر اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالے کی طرف وصول ہی سعادت ہے کیونکہ اس کے اہل ہی جنت سے کامیاب ہونے والے ہیں جس کا تم وعدہ دیئے جاتے تھے اور اس میں حوریں قصور میں اور مخمل کے فرش بچھے ہوئے ہیں اور آبخورے رکھے ہیں اور ہمیشہ رہنے والے غلام ہیں گویا کہ وہ چھپے ہوئے موتی ہیں اور اس میں تفصیل ہے اور وقت کا تقاضا اختصار کا ہے اور جائز ہے کہ نشاؤس السعادت سے علم یا وعظ و درس ہو جیسا کہ اس کی طرف آپ کا قول رأست العلم اشارہ کر رہا ہے یا اس سے مراد نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی تجلیات کا ہر اس چیز میں جو آپ کو حالات پیش آئے ظہور ہو یا آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی آپ رضی اللہ عنہ کی حفاظت داد ہو جو کہ آپ پر منبر کے وقت تجلی جلدی وارد ہوئی تو وعظ کا تحت اس حد تک پھیل گیا کہ اسرار کو گھیرنے والی نظروں کے احاطہ سے نکل گیا پھر اس پر سبز استبرق و سندس کا فرش بچھایا گیا پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ وغیرہم علیہم الرضوان سمیت تشریف لائے اور شیخ اجل وعظ کی تقریر میں تھے پس آپ پر اس طرح سے تجلی وارد ہوئی کہ آپ کا وجود اتنا ہو گیا کہ فرش کے تحت کے برابر ہو گیا اور آپ اس طرح ہو گئے کہ تمالک و تماسک (اختیار) کی باگ شیخ اجل کے تصرف کے ہاتھ سے نکل گئی پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں بازوؤں میں ان کو پکڑا اور سینے سے چمٹا لیا پھر آپ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تھام لیا یہاں تک کہ آپ اپنی پہلی اصلی حالت پر آ گئے اور یہ پورا قصہ تکملہ میں ہے اور اس میں کئی ایک اشارات و رموز ہیں ان کو وہی آدمی جان سکتا

ہے جودل کے نور پر ہوا اور تکملہ میں یہ بھی کہا ہے کہ یہ تجلی آخری تجلی تھی جو شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا پر تجلیات جلالیہ وجمالیہ میں سے وارد ہوئی اور جائز ہے کہ سعادت سے مراد شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہو اور شاذ وس سے مراد اس کی متابعت ہو یعنی ہر وہ منزل جس پر میں پہنچا ہوں اور جب بھی کمالات میں میرے طبل بجائے گئے تو وہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰت کی متابعت کی وجہ سے ہے اور یا پھر سعادت سے مراد ظاہری اور باطنی کمالات ہوں اور شاذ وس سے مراد سچائی ہو یعنی میری تمام ترقیات سچائی کی وجہ سے ہیں جس کا مجھے میرے مرشد نے حکم دیا ہے یعنی والدہ نے جو فرمانبردہ عدول سے تھی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اپنی عمر میں ماں کے پیٹ سے نکلنے کی ابتداء سے لے کر قبر کے پیٹ میں داخل ہونے کی انتہا تک کبھی بھی جھوٹ نہ بولا نہ مذاق سے نہ حقیقت سے نہ سہو سے نہ نسیان سے اللہ تعالیٰ شانہ پاک ہے اور اللہ تعالیٰ کی اپنے اولیاء اصدقاء کی حفاظت کے قبیل سے ہے اور ہم نے ذکر کو نازل فرمایا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنیوالے ہیں یہ محافظت کے محافظت کے قاعدہ کی طرف اشارہ ہے۔ پھر جس کی اللہ سبحانہ وتعالیٰ حفاظت کریں وہ مضبوط قلعہ میں ہے اور جائز ہے۔ کہ شاذ وس السعادت سے مراد عنایت ازلیہ ہو جو کہ ارادہ ازلی میں شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی تربیت سے بغیر کسی سابقہ عمل کے متعلق ہو چکی تھی کیونکہ وہی بغیر عوض کے دینے والا ہے اور خالص حق میرے نزدیک یہ ہے۔ کہ شاذ وس السعادۃ سے مراد ہر ظاہری اور باطنی امر میں نیابت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور یہ معنی آپ کے قول طبولی فی السماء سے مناسبت رکھتا ہے کیونکہ طبل اور نقارہ اور خلعتیں نیابت اور سلطنت کے لوازمات میں سے ہیں پس شیخ اجل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے طبل زمینوں اور آسمانوں میں بجائے گئے اور میں مغرب ومشرق اور جنوب وشمال اور تحت الثریٰ اور عرش کے ہر گوشہ میں کمال کے ساتھ مشہور ہو گیا اور یہ سب کچھ نیابت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اور محمدیت سرمایہ کے اعتبار سے ہے کہ جس کے ساتھ اس کا نور ہر لحظہ میں پہنچا پھر چونکہ نائب بنانے والے صلی اللہ علیہ وسلم زمین وآسمان کی تمام مخلوقات کیلئے رسول تھے۔ تو ضروری ہے کہ نائب بھی ہر طرف اور ہر حال میں نائب ذوالحکم ہو پس اسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام لوگوں کی طرف رسالت کے منکروں کا رد ہے۔ جو کہتے ہیں کہ آپ عرب کے رسول ہیں اور آپ رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت عامہ کے منکروں کا بھی رد ہے تو آپ نے ان دونوں کا رد ہر طرف میں نیابت کے اثبات سے کر دیا اور اس سے عموم رسالت بھی بطریق اولیٰ ثابت ہوئی اور یہ طریق برہان کے سلوک کی ایک قسم ہے جیسا کہ اس آدمی پر مخفی نہیں ہے جس کے پاس نور دریا ہے پس تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور درود ہو صلی اللہ علیہ وسلم پر مع انکی آل اور صحابہ اور نائبوں کے خصوصاً شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما سورج کی روشنی کو کما حقہ پالینا ذرے کے بازوؤں کی طاقت سے باہر ہے۔ لیکن ذرے کا جلوہ سورج کے بالمقابل ہونے کے انداز سے پر ہے۔

تحریر یعنی بوضوحہ استلذاذا۔ جب شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے مرید پر افاضہ اور رحمت کا تذکرہ دو بیتوں میں کیا اور آخر میں کہا نہ فداللہ میرا رب ہے پھر کہا میں مقصد کو پہنچ گیا آپ کے مرید کو اپنے بعض اس نتیجہ تربیت سے آگاہ کرنا چاہا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے لئے ثابت ہے لیکن یہ آگاہی اجمالی ہے۔ کیونکہ عقول تفصیلی فہم کی لگام کو تھامنے

سے بے اختیار ہیں اور بڑے بڑے لوگوں کی رائیں اس کے علم میں سے کوئی چیز نہیں گھیر سکتیں کیونکہ ہر روز کسی نئی شان میں اپنے بندوں پر غیر منحصر وجوہات سے فضل کرتے ہیں، اور یہ بھی ہے کہ اسرار ظاہر نہیں کیئے جا سکتے جیسا کہ تجھے معلوم ہے پھر اگر کہا جائے کہ ضروری ہے کہ اجمال سے کہہ دیا جائے تاکہ کمال کا امیدوار محروم نہ رہ جائے تو اولیاء کا اپنے کمالات ظاہر کرنا مریدین کے ارشاد کیلئے ہوتا ہے۔ پس اظہار ضروری ہے اور اظہار سے مجمل ہی کی طاقت ہے اور مفصل خدا تعالیٰ سپرد ہے میں اپنا کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ بیشک اللہ تعالیٰ بندوں کو دیکھنے والے ہیں اور بھلائی کا وارث اللہ ہی ہے۔ پس فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری تربیت فرمائی ہے۔ جو تمام صفات کمال کا جامع ہے۔ اور تمام حالات بلکہ ابدالآباد اور ازل الآزال میں طبعی محامد کا مستحق ہے پس اس نے ہر ولی سے مجھے رفعت اور ولائیت میں درجہ عالیہ اور مرتبہ متعالیہ بخشا ہے۔ یہانتک کہ میرے قدم ہر اولیاء کی گردن پر ہیں۔ اور وہ میری نسبت سے وہ تسفل میں زمین کی طرح ہیں آسمان کی نسبت سے اور فیض کی بارشوں سے منافع اخذ کرتے ہیں اور توجہ کے شموس کے جلوات میں اور افادہ کے بدر اور اعانت کے نجوم میں پس میں ایسی منزل پر پہنچا ہوں کہ جس پر ان میں سے کوئی نہیں پہنچا یہی وجہ ہے۔ کہ انہوں نے میرے درجات کی تصدیق کی پس میں اللہ تعالیٰ کی قوت اور تعریف سے ان کا بادشاہ ہوں۔ اور وہ میرے لشکری ہیں، اور میری عزت کے نقارے آسمانوں اور زمینوں کے کناروں میں بجائے گئے وہ جو کہ اللہ اور اس کے رسول ہی کی عزت ہے پس کوئی بھی میرے حکم سے خارج نہیں رہا اور میرے لئے آ ہیں سعادت کے شاؤس یعنی نیابت محمدیہ علی صاحبہا الصلوات والسلام ظاہر ہوئے ہیں۔ میں ایسے صعود پر چڑھا ہوں اور ایسے عروج پر بلند ہوا ہوں کہ کوئی آدمی بھی اولیاء میں سے کسی زمانہ میں مجھ تک نہ پہنچ سکیگا۔ جیسا کہ آپ نے ایک اور قصیدہ میں اشارہ فرمایا ہے۔ کہ دمشق میں کوئی بھی میٹھا گھاٹ نہیں ہے۔ مگر میرے لئے اس میں سے زیادہ لذیذ اور پاکیزہ حصہ ہے" اور ایک اور قصیدہ میں فرمایا میں تمام عارفوں کا امام ہوں اور اس قصیدہ میں فرمایا "میرا مقام تم سب سے ہمیشہ زیادہ بلند رہا ہے۔" اور آپکا قول کہ میں نبی کے قدم پر ہوں جو کمال کے بدر ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم پس تمام شہر میرا ملک ہیں۔ اور میرے حکم کے شاؤس مشرق و مغرب میں آواز دے رہے ہیں جیسا کہ سابقہ والے آئندہ بیت میں انشاء اللہ عنقریب آئیگا

مناجات: اے میرے اللہ میں تیرے قرب کے شہروں سے دور ہوں اور تیرے وصول کی راہ سے بھٹک چکا ہوں اور تیرے قبول کے رحیق کے زلال کا پیاسا ہوں مجھے اپنے قرب کی بساط کی طرف اپنے حبیب مصطفیٰ کے ذریعے اور اپنے نبی مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اپنی ہدایت کے شاؤس کے ارشاد سے طریقہ قادریہ اور رحیق نادریہ میں راہنمائی فرما اور اس قصیدہ خمریہ کے حقائق کے معانی بیان کرنے کی مجھے میرے ارادہ کے آخر تک اپنے فضل سے اسکی شرح میں آپکے قول عبد القادر المشہور اسمی وجدی صاحب العین الکمال تک توفیق دے اور اے اللہ ہر حال میں اپنے فضل سے توفیق دینے والے مجھے کمال اور افضال تک پہنچانے والے بلند قدر اللہ تجھ ہی سے ابتدا ہے اور تیری ہی رجوع ہے۔

قصیدۂ خمریہ مبارکہ شریفہ کے سمندروں سے اکیسویں [21] موج

بِلَادُ اللّٰہِ مُلْکِیْ تَحْتَ حُکْمِیْ ۔ وَوَقْتِیْ قَبْلَ قَبْلِیْ قَدْ صَفَا لِیْ

Scanned by CamScanner

البلاد بالکسر بلدۃ کی جمع بمعنی شہر ہے اور بلد کی جمع بفتح با و لام بھی آتی ہے اور وہ بھی شہر کے معنی میں ہے اور بمعنی زمین اور زمین کی ہر جگہ بھی آئے ہیں اَلمُلک بضم میم وسکون اللام بادشاہی اور ملکہ یملکہ اور بادشاہی کرنا اور اسی طرح ملکوت بادشاہی اور بمعنی بادشاہ یہ ملک سے ماخوذ ہے اور صوفیاء کی اصطلاح میں ملکوت عالم معقولات ہے اور ملک عالم ناسوت ہے۔ اور اس کو عالم شہادت بھی کہتے ہیں اور بلاد سے مراد متعارف معنی ہی ہے۔ اور جائز ہے کہ اس سے مراد زمین کی ہر جگہ ہو۔ اور عنقریب آئیگا کہ جو اس سے مراد ہے اسکی حقیقت کیا ہے اور ملک سے مراد معنی متعارف میں یعنی وہ جو بادشاہ کے تصرف میں ہو پھر ہر وہ چیز جس میں بادشاہ تصرف کرے وہ اس کی ملک ہوگا اور وہ ملک اول کر لبکون لام ہے اور ملیک و مالک اور جمع ملوک و املاک ہے۔ تحت فوق کی ضد ہے۔ اور اس سے مراد مغلوبیت ہے کیونکہ نچلا بلند کا مغلوب ہوتا ہے۔ وقت گاہ وقت اور وقت ظاہر کرنا اور مطلق زمانہ قبل پیش یہ بعد کی ضد ہے الصفا برگزیدگی اور اسی سے صوفی ہے۔ اور اس کے متعلق کچھ پہلے گزر چکا ہے۔

نحو:۔ بلاد اللہ مبتدا مضاف ہے اور آپ کا قول ملکی خبر ہے اور آپ کا قول حکمی خبر کے بعد خبر ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ آپکے قول ملکی سے متعلق ہو۔ صفت کو مقدر کرنے سے یعنی میرا ملکی جو ہے وہ میرے حکم کے ماتحت ہے اور اس کا فائدہ اس کی زیادت ہے۔ جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ بلاغت میں آپ کو معلوم ہو جائیگا اور واؤ آپ کے قول و وقتی میں جائز ہے۔ کہ بلاد اللہ پر عطف کے لئے ہو اور دونوں جملے دونوں حالتوں کے افادہ کیلئے ہوں یعنی اللہ کے شہروں کا آپکے تصرف کے تحت ہونا اور اس وقت اور حال کا آپکے لئے ذات موجودہ میں آپکے ثابت ہونا یا ارواح میں یا اس کے علاوہ جیسا کہ اس کی طرف پہلے اشارہ گزر چکا ہے۔ اور عن قریب اس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آئیگا اور آپ کا قول قبل ظرف ہے جو آپ کے قول قد صفا کے متعلق ہے اور قبلی آپکے قول ہے۔ اور قبل القبل زمانہ متقدم سے کنایہ ہے جو اس پیدائش دنیوی سے پہلے تھا اور ایک اور قصیدہ میں ہے۔ انا کنت قبل القبل قطبا مبجلا۔ اور خدا کے فضل وکرم سے اس کی تفصیل آئے گی اور قد صفا اس کی خبر ہے وقتی اور آپ کے قول صفا کی قید ہے۔ یعنی یہ منزلت میرے ساتھ خاص ہے۔ میرے سوا دوسرے اس سے حصہ نہیں ہے۔ مگر میری متابعت کے زیر سایہ اور وقتی اور آپ اور حکمی ہیں یاء کا مفرد لانا اس کی توجیہ بلاغت میں عنقریب آئیگی۔ اور پہلے بھی گزر چکی ہے۔ اس کو یاد کر اور یاد رکھ۔

البلاغت:۔ آپ بلاد کو جمع لاتے ہیں یہ اس طرف اشارہ ہے۔ کہ آپ کا حکم کسی ایک شہر کے ساتھ خاص نہیں ہے کہ دوسرے میں نہ ہو بلکہ وہ ان تمام مقامات کے لئے عام ہے جنہیں بلاد کہا جا سکتا ہے۔ اور اسی لئے اس کو معرفہ کی طرف مضاف کیا ہے۔ اس افادہ کیلئے کہ جمع جو معرفہ کی طرف مضاف ہو وہ استغراق میں نص ہے پھر آپنے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کیا ہے۔ یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔ کہ ملک سارا اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس کے سوا کسی اور کے لئے کوئی مستقل وجود نہیں ہے۔ چہ جائیکہ کوئی مالک ہو تو اس صورت میں اس اضافت میں اشارہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے قول لمن الملک للہ الواحد القہار کی طرف اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف کہ "پاک ہے۔ وہ اللہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے" اور الملک اور اس جیسی آیات ہیں۔ جو اس معنی پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر لفظ اللہ کی طرف اضافت کی تخصیص میں جبکہ اس ذات کے

کے لئے موضوع ہے جو تمام صفات کمال کا جامع ہے۔ کئی ایک وجوہ میں پہلی تو آپ کے قول اللہ ربی سے مطابقت اور دوسری
یہ کہ استغراق سے مراد بلاد کا استغراق ہے جو اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہر نام کی طرف منسوب ہیں پس شہروں میں سے کوئی
شہر اس اضافت سے باہر نہیں ہو سکتا پس شیخ اجل رضی اللہ عنہ عبد القادر کے نام سے موسوم ہوں گے جیسا کہ
آپ کے قول تعام بقدرۃ المولیٰ تعالیٰ سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اور عبد اللہ کے نام کے ساتھ جیسا کہ آپ کے قول اللہ ربی اعد بلاد اللہ
ملکی سے سمجھا جاتا ہے۔ اور تیسری یہ کہ بلاد اللہ اللہ کی طرف اپنی نسبت حقیقیہ کی حیثیت سے باقی ہیں لیکن ان کا آپ کی ملک
ہونا وہ آپ رضی اللہ کے اپنے فنا اور اللہ کے ساتھ باقی ہونے کی وجہ سے ہے یہ نہیں کہ اللہ کے سوا آپ کا کوئی دوسرا وجود قائم
ناسوت کے مطابق موجود ہو اگرچہ اہل حقیقت کے قاعدہ پر آپ کا ظلی تحقیقی وجود موجود ہے جیسا کہ اس آدمی پر مخفی نہیں ہے
کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے علم حاصل ہے ۲ اور اس کے علم میں سے صرف وہی چیز معلوم کر سکتے ہیں جو وہ چاہے اور اس
صورت میں اس میں اللہ تعالیٰ کے قول کی طرف اشارہ ہو گا جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صفی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب
کرتے ہوئے فرمایا وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ کیا تو اللہ تعالیٰ کے قول ما رمیت کو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ
نے نفی فرمائی ہے۔ اور اللہ کے اس قول کی طرف کہ اذ رمیت پس یہ اثبات ہے اور اہل ظاہر کی زبان کے مطابق ان دو قول
میں تطبیق مطول پر سندھی کے حاشیہ سے طلب کی جائے اور حقیقت کی حیثیت سے اس سے حقیقت منکشف ہو رہی ہے
جو ہم نے جبر متوسط کی طرف اشارہ کرنے کے متعلق کہا ہے۔ جو اہل حقیقت کے نزدیک محقق ہے اور اگر تو اس میں زیادہ
چاہے تو فتوح الغیب میں دیکھ اور اب مجمل طور پر اس سے نقل کرتا ہوں آپ نے بیان تام کے بعد فرمایا ہے اور یہ سب کچھ
فاعل حقیقی کے فعل اور مدبر کی تدبیر سے ہے۔ اور وہ جل علی ہیں تاکہ تو رب عز و جل کے لئے موحد ہو اور تو اپنے کسب کو نہ بھول تاکہ
تو جبریہ کے مذہب سے رہائی پائے اور یہ عقیدہ رکھ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سوا افعال پورے نہیں ہوتے پس وہ خلقت کے لحاظ
سے اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ اور کسب کے لحاظ سے بندوں کے لئے" اور یہ عبارت شریفہ ہے۔ میں نے اس سے خلاصہ لیا ہے۔
اور جو میں نے کہا ہے۔ اس پر تو اس عبارت سے قادر ہو گا بصیرت پر رہ اور شریعت سے غافل نہ ہو پس متصوفین سے وہ لوگ
جو کسی طرح بھی بندوں کے لئے کسب ثابت نہیں کرتے یہ ملحد جبریہ میں فرقہ ہی ہے کہ ان پر بوجھ ڈالے جائیں یا ان کو سخت
مار ماری جائے اگر وہ ہمارے کہنے کے مطابق یقین کر لیں تو بہتر ورنہ مرجائیں ہمیں چاہیئے کہ اضافت کے بیان کی طرف رجوع
کریں پس میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ محبوب کا ملک محب کی محبوب میں فنا کے بعد محب کا ملک ہے۔ بلکہ ظاہری محبت
میں تو یہ بھی امتحان ہو چکا ہے۔ کہ وہ اپنے محبوب کی نسبت سے جسم سے بھی فرق نہیں کرتے جیسا کہ تو نے لیلیٰ و مجنوں کا قصہ
سنا ہو گا۔ اللہ عز و جل پاک ہے۔ کہ محبت معنوی حقیقی کی کیا شان ہے۔ اور اسی قبیل سے ہے جو غوثیہ میں واقع ہے کہ
اللہ نے کہا اے غوث الاعظم انسان میرا سر ہے اور میں اس کا سر ہوں اگر انسان اپنی اس منزلت کو دور کرے جو میرے نزدیک
اس کی ہے۔ تو انفاس میں سے ہر نفس کے لئے کہا جائے میں بادشاہ ہوں آج ملک صرف میرا ہی ہے اور آپ کا قول کہ
حبیب فقر پورا ہو جاتا ہے۔ تو وہی اللہ ہے۔ اور اس نسبت میں دو جہتیں ہیں ایک جہت تو اہل شہود کے لئے ہے پس وہ انا
الحق اور سبحانی ما اعظم شانی کہہ دیتے ہیں وہ فی الجملہ اپنے نفسوں کے لئے وجود کو ثابت کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت کے قاعدہ پر

نہیں اور عینک کو کہتے ہیں کہ یہ آنکھ سے پھر وہ مارے جاتے ہیں اور صلیب دئے جاتے ہیں یا محفوظ کیے جاتے ہیں یہاں تک کہ اس سے نکل جائیں اور ایک محبت اہل حقیقت کے لئے ہے۔ پس وہ اپنے نفس کی طرف کسی چیز کو منسوب نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن ایسے وجود کا اثبات کرتے ہیں جس پر حقیقت کے قاعدے کے مطابق عبودیت قائم ہے جیسے کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پس یہ کئی گنا زیادہ بڑھ جاتے ہیں پس موسیٰ علیہ السلام کا قول کہ "میرے ساتھ میرا رب ہے" پہلے قبیل سے ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ "اللہ ہمارے ساتھ ہے" دوسری قبیل سے ہے۔ اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے اور اس کلام کی طرح میں بہت دفعہ ایضاح کلی کے لئے ہر اس آدمی کے لئے تکرار کر چکا ہوں۔ جو علم کو سمجھتا ہے۔ اور جس کو کشف حاصل ہے۔ اسے تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ اگرچہ اس کے لئے بھی انوار کا باعث ہے۔ اور اسی لئے کہا گیا ہے۔ کہ علم ایک نکتہ ہے جسے جاہلوں نے زیادہ بنا دیا یعنی جب وہ نہ سمجھ سکے تو مبادی، وشروط اجزا کے محتاج ہوئے جو کہ سمجھانے کا باعث ہیں تو میں کہتا ہوں یہ جہالت ہے۔ جس کے سبب سے محجوب کے انوار ظاہر ہوتے ہیں۔ پس فضیلت اور پوری فضیلت علماء اور طالب علموں کے لئے ہے اور اسی لئے حدیث میں وارد ہوا ہے کہ انسان یا عالم ہیں یا متعلم اور باقی لوگ بیج (چھوٹی مکھی) کی طرح ہیں۔ اور وہ گندگی کی مکھی ہے پاکیزہ چیزیں پاکیزہ لوگوں کے لئے ہیں۔ اور خبیث چیزیں خبیث لوگوں کے لئے اے اللہ ہمیں پوری قسمت عطا فرما تاکہ ہم شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی برکت سے رحمت عامہ حاصل کر سکیں اور جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس سے شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی زبان سے اس آدمی کی طرف حماقت کی نسبت کی وجہ ظاہر ہو گئی۔ جس نے کہا "میں کہتا ہوں کہ ملک میرا ہے"۔ جب کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے قاری کے اس آیت کی قرأت کے وقت کہا کہ آج کس کی بادشاہی ہے۔ صرف اللہ اکیلے زبردست کی۔" کہ کون شخص طاقت رکھتا ہے۔ کہ کہے کہ ملک میرا ہے۔" تو شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو یہ کیسے کہتا ہے۔ تو اس نے کہا کیونکہ میں اللہ سے ہوں اور وہ میرا رب ہے جس نے میری تربیت فرمائی ہے۔ تو شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے فرمایا "جب اللہ تھا۔ اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی۔ اس وقت تو کہاں تھا۔" تو اس کا دل پریشان ہو گیا۔ اور اس کا حال مختل ہو گیا۔ اور گودڑی پھٹ گئی اور معمول کی طرف چلا گیا مخلوق سے غیر مانوس ہوا اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اس نے بغیر اس کے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتا اپنی طرف ملک کی نسبت کر دی اور یہ ایک بہت بڑا راز ہے جسے ہر آدمی نہیں سمجھ سکتا اور یہی وجہ ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ نے اس طرح فرمایا کہ اللہ کے شہر میرا ملک ہیں۔ اور یہ نہیں کہا کہ شہر میرا ملک ہیں اس نکتہ کو سمجھ تاکہ تو حقیقت کی معرفت پر ہو اور اللہ ہی ہر بھلائی کی توفیق دینے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ وہ حق ہے۔ اور ہر مشکل کی عطا کی پر مدد دینے والا ہے۔ اور تکلیف سے بچانے والا ہے۔ "اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم پر گرفت نہ کر اے ہمارے رب ہم پر اس طرح بوجھ نہ ڈال جیسے تو نے ان لوگوں پر ڈالا۔ جو ہم سے پہلے تھے۔" اور ہمیں اضافت کی حقیقت پر مطلع فرما اور یہ مضمون شیخ اجل کے قصائد میں کئی دفعہ آیا ہے۔ آپ نے ایک قصیدہ میں فرمایا "اور اللہ کے تمام شہر حقیقت میں میرا ملک ہیں اور اس کے اقطاب میرے حکم اور اطاعت کے تحت ہیں۔" اور اس صورت میں آپ کے قول تحت حکمی میں آپ کے قول بلاد اللہ ملکی تحت حکمی کے اندر کئی ایک رموز ہیں۔

Scanned by CamScanner

پہلی یہ ہے کہ آپ کا قول ملکی مالک کی ملکیت کے افادہ کے لئے کافی تھا۔ لیکن کبھی کوئی چیز ملک میں ہوتی ہے اور مالک کا حکم اس میں نافذ نہیں ہوتا تو آپ نے تحت حکمی کے قول کی زیادت کا فائدہ دیا۔ کہ میرا حکم بھی ان میں نافذ ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس کے اقطاب اور اس کے دراز چونکہ سب ہی محکوم ہیں تو جو ان سے نیچے ہیں وہ بطریق اولیٰ محکوم ہونگے اور دوسری رمز یہ ہے۔ کہ اللہ کے شہر میرا ملک ہیں۔ سے مراد انکی ذات کی حیثیت ہے اور تحت حکمی سے مراد اقطاب وغیرہ اور ہر وہ چیز جو اس کے متعلق ہے۔ یہ مخلوقیت کی حیثیت سے ہے۔ اور تیسری رمز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاد کی نسبت کرنے کے بعد ملک کی نسبت یائے متکلم کرنے کی طرف سے مراد یہ ہے۔ کہ یہ نسبت آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بقا اور تخلق حاصل کرنے کے بعد ثاقب ہے۔ اور یہ بصیرتی نسبت ہے اور باقی رہی نسبت ناسوتیہ کہ جس کا ہر مومن اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے کی حیثیت سے عقیدہ رکھتا ہے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہونے کی حیثیت سے ہے۔ پس وہ ایک عام نسبت ہے اور یہ اس طرح کی نسبت ہے۔ کہ ایک عام آدمی جو کسی بستی میں رہتا ہو جب اس سے سوال کیا جائے کہ تیری بستی کہاں ہے تو وہ کہہ دیتا ہے۔ یہ میری بستی ہے۔ وہ بستی کو اپنے نفس کی طرف اس حیثیت سے منسوب کرتا ہے کہ اس کو اس بستی سے سکونت کی نسبت ہے اور یا وہ اس بستی کے سردار کی رعیت ہے۔ اور یہ اندھے کی طرح ہے اور جب سردار کے غلام سے سوال کیا جائے گا تو وہ بھی یہی جواب دیگا۔ لیکن ان دونوں مرادوں میں فرق ہے۔ کیونکہ غلام سے یہ قول اس حیثیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالک کی ملکیت غلام کی ہی ملکیت ہے کیونکہ وہ اس کے آقا کی ملکیت ہے۔ نہ کہ کسی اور کی اور اگر اسکو اپنی طرف نسبت کرتا ہے۔ تو وہ اپنی ملکیت کو مالک کی ملکیت کی فرع کی حیثیت سے نسبت کرتا ہے۔ اور یہ دیکھنے والے کی طرح ہے۔ اور اس صورت میں اس اضافت میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہوگا کہ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ اور اسی لئے آپ رضی اللہ عنہ کے بعض ابیات میں واقع ہوا ہے کہ ؎

دبیتی بیت اللہ من جاء زائرا ۔ وکل بامر اللہ فاحکم بقدرتی

اور آپ کا قول " اور میرا حکم اللہ کا حکم ہے۔ اگر میں کہوں ہو جا تو ہو جاتا ہے۔ پس اگر تو میری محبت رکھتا ہے تو میری جناب کی پناہ لے " اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم کے مطابق کئی ایک وجوہات کا احتمال رکھتا ہے۔ پس اس کو سمجھ اور آپ کے قول دو قتی میں واؤ عطف کے لئے ہے یا اعتراض کے لئے معترضہ کے لئے اور ہر صورت میں اس جملہ کی زیادت کی وجہ یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شہر دل کا میرا ملک اور میرے حکم کے تحت ہونا اس پیدائش کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ یہ مجھے اس زمانہ سے پہلے زمانہ میں بھی حاصل تھا۔ تو اس صورت میں اس میں نبی صلی اللہ علیہ کے قول کی طرف اشارہ ہوگا۔ کہ میں نبی تھا اور آدم بھی پانی اور کیچڑ میں تھے۔" یعنی جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں مرتبۂ نبوت آدم علیہ السلام سے پہلے تھا اسی طرح میرے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ مجھ کو مرتبۂ ولائیت میرے پیدا ہونے سے پہلے مجھ کو حاصل تھا اور اسکی تحقیق یہ ہے۔ کہ کمالات اپنی ذات کے اعتبار سے تو ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی تقدیر سے درجہ بدرجے اللہ کا حکم اس کے متعلق جاری ہوا حاصل ہیں۔ کیونکہ اس نے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور راہ بنائی ہے اور

ہر ایک کو ایک وجہ دیا گیا ہے۔ کہ اس جیسا دوسرے کو نہیں علاوہ انسان کو فرق سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور یہ امر مقرر ہے۔ جس میں ادنیٰ شک نہیں ہے۔ لیکن حالت یہ ہے۔ کہ اس حال میں بعض کو اپنے اس کمال کا علم ہے اور بعض کو نہیں ہے جس کو اپنے کمالات کا علم ہے۔ وہ اس آدمی کا استاد معلم ہوگیا۔ جس کو اس کا علم نہیں ہے تو اس نے اس کو اس حال میں تعلیم دی اور متعلم چونکہ اپنے بدن کی کثافت سے حجاب میں ہے جو کہ نفسی و خواہشی تقاضوں سے اس کو بھول چکا ہے اور اس پیدائش میں دوسری تعلیم کا محتاج ہے۔ پس جو حجاب میں نہیں ہے اس کو اس پر علمی حیثیت سے بھی فضیلت ہے۔ جو حجاب میں ہے اور استاد کا درجہ بھی شاگرد کے درجہ سے بلند ہوتا ہے۔ تو اس کو دو فضیلتیں ہیں ایک رفعت درجہ کی فضیلت اور ایک عدم حجاب کی وجہ سے علم کی فضیلت پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کہ میں نبی تھا۔ اور آدم علیہ السلام ابھی پانی اور کیچڑ میں تھے ان دونوں فضیلتوں کا بیان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے آدم علیہ السلام سے پہلے کمالات سے مشرف فرمایا ہے اور میں اپنے کمالات سے بخوبی آگاہ ہوں جو مجھے محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے دئے گئے ہیں۔ اللہ میرا رب ہے۔ جس نے خاص تربیت سے میری پرورش کی ہے اور اسی طرح شیخ اجل رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے سوا اور اولیاء سے کہتے ہیں کہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد علم کلی اور درجہ بلند پر ہوں اور یہ کمال مجھے سابقاً و لاحقاً حاصل ہے ممکن نہیں ہے۔ کہ کوئی بھی اولیاء میں سے میرے تسلط سے باہر نکل سکے میرے یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہیں۔

پھر اگر تو کہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول ووجدک ضالاً فھدیٰ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کنت نبیا وآدم بین الماء والطین میں تطبیق کس طرح ہے۔ تو میں کہوں گا کہ تطبیق کس چیز کی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضال پانا وہ آپ کی پیدائش سے پہلے زمانہ کی بات ہے۔ یعنی علم الٰہی میں نہ کہ اس پیدائش میں اور اس پر دلیل یہی حدیث ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نبوت سے خاص ہونا وہ مرتبہ کمالیہ الکلیہ کے لحاظ سے ہے اور جو آپ کے سوا ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ میں ہیں کیونکہ اگرچہ آپ اس پیدائش میں آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں لیکن آدم اور انکے نیچے کے تمام نبی کمال کی حیثیت سے آپ کے جھنڈے کے نیچے ہیں۔ پس ہر موجود فضائل کی حیثیت سے آپ کی اولاد ہے۔ اور اسی لئے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارواح کے باپ ہیں اور آدم علیہ السلام اجسام کے باپ ہیں اور یہ معنی حدیث سے ماخوذ ہے۔ اور علم حقیقت میں اسی سے آیت کی تفسیر کی جاتی ہے پس منافات نہیں ہے۔ اور اگر اہل ظاہر کے علم کے مطابق بھی اسکی تفسیر کی جائے تو پھر بھی مخالف نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کو ضال پانے کا مطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیدائش میں اپنے کمالات سے قبل نبوت عدم اطلاع ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مدت تک اس سے حجاب میں رہنا مصلحت کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھی تھی۔ اور پھر جب آپ کو ان کمالات کا علم دے دیا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے مراتب تمام سر ہو گئے کہ وہ ہر نبی و ولی کے مرتبہ سے اعلیٰ وارفع ہیں تو آپ نے فرمایا میں نبی تھا۔ اور آدم پانی اور کیچڑ میں تھے۔ اور اس میں تفصیل ہے۔ جو کلام میں بسط کا تقاضا کرتی ہے پس حق باطن کی طرف رجوع کرنا ہے تاکہ حقائق و دقائق منکشف ہوں پھر آپ نے قدماً کا قول زیادہ کیا یہ اس معنی کے ظل کی طرف اشارہ ہے یعنی آپ کے قول کنت نبیا وآدم بین الماء والطین کی طرف پس انبیاء کو ظل نبوت میں اور اولیاء کو ظل ولایت میں یہ مرتبہ حاصل ہے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد اس درجہ کی رفعت شیخ اجل رضی اللہ عنہ کو تمام اولیاء پر حاصل ہے پھر لقد سمعنا

میں بجائے اس کے کہ رتنع کہتے یا کوئی اور لفظ جو اس کا معنی ادا کرتا ایک اور رمز ہے یعنی قبولیت کے درجات کی انتہا تک آپ کو کمال دخول حاصل ہوتا ہے اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کھا جائیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

بیان مراد من بلاد۔ جتنا چاہیے کہ بلاد سے یا تو ظاہری معنی ہیں یا زمین کا ہر حصہ آباد ہو یا خالی تو اس صورت میں یہ ملوک و سلاطین کی تنبیہ کی طرف اشارہ ہوگا۔ جو زمین کے شہروں کے مالک ہیں اور اپنی بادشاہی اور غلبہ پر مغرور ہیں اور اپنے رب کے حکم سے منحرف ہیں۔ تو آپ نے ان سے فرمایا تم دھوکہ نہ کھاؤ اور اس اللہ سے ڈرو جس نے تم کو پیدا کیا پھر برابر کیا اور اس قوت و غلبہ اور رفعت کا مالک کیا وہ اس پر بھی قادر ہے۔ کہ تم سے یہ چھین لے سوا اسکی عبادت کرو اور اس کے امر و نواہی میں سستی نہ کرو تو اس صورت میں یہ ہر اس بادشاہ کے لئے جس نے شہروں پر قبضہ کیا ہے۔ اور اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔ وعظ عام اور نصیحت تام کی طرف اشارہ ہے۔ اور جائز ہے۔ کہ یہ اس وہم کے ازالہ کے لئے ہو جو کہ سلطان سنجر یا اور کسی بادشاہ کے دل میں پیدا ہوا کہ کچھ اہل عناد نے شیخ اجل رضی اللہ سے بغاوت کی اور کہا کہ شیخ اس مرتبہ پر پہنچ چکا ہے۔ کہ اگر وہ تیرے ملک پر قبضہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ تو بادشاہ نے ان کو لکھا کہ اولیاء اس اس طرح ظاہری حشمت اور خزانے جمع کرنے سے کیا کام بیان کیا جاتا ہے۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کو ایک روز چھینک آئی تو حاضرین نے یرحمک اللہ سے جواب دیا یہاں تک کہ جواب غائبین کی پے درپے آوازوں کے سماع سے لمبا ہوگیا تو ان آوازوں کے ازدحام سے بادشاہ کا تخت کانپ گیا تو بادشاہ نے پوچھا کہ یہ کیسی آوازیں ہیں جو رعد کے گرجنے کی طرح گرجتی ہیں تو لوگوں نے کہا کہ شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کو چھینک آئی تو مخلوقات نے ان کو جواب دیا ہے۔ اور آوازیں بلند ہوتی گئیں ہیں اور ہوا میں تموج بڑھتا گیا ہے تو وہ اپنے دل میں ڈر گیا اور پھر اس نے جو لکھا تو شیخ رضی اللہ عنہ نے اسکو جواب دیا کہ خزانوں کو جمع کرنا میرے ارادہ میں نہیں ہے۔ بلکہ یہاں تو جمع ہی نہیں کیونکہ میں تو ان کو خرچ کرنے اور مسکینوں تک پہنچانے کے خیال میں ہوں پس میرے خزانے غریبوں اور عاجزوں کے لئے جائے پناہ ہیں اور خلقت کا اجتماع تو وہ دین حاصل کرنے کے لئے ہے نہ کہ اس کے لئے جو بادشاہ ہوں وہم خیال کرتے ہیں اور اس وہم کے دفعیہ کو آپ نے اپنے اس قصیدہ کے اس قول سے مکمل کر دیا کہ بلاد اللہ ملکی تحت حکمی یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام شہروں کو میرے سپرد کر دیا ہے اور مجھ کو ان کا مالک بنایا ہے۔ اور تصرف تکوینی کے ساتھ مجھ کو متصرف کیا ہے۔ اگر میں کسی کام کا ارادہ کروں تو وہ بلا تاخیر واقع ہو جاتا ہے مجھے اس میں لشکروں کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ رب مسجود کی قوت سے مالک الملک کی طرف ضرورت ہے۔ اور تیرا لشکر تو زمین کے افراد ہیں۔ جو تعلق اور قبیح سے ہیں اور میرے لشکر یہ گھات میں لگی ہوئی زبان ہے اور مشہود دل اور ستر بتہ روح اور گمشدہ راز اور اس کے علاوہ رب معبود کی طرف سے احوال و انوار و تجلیات ہیں اور تیرے رب کے لشکروں کو صرف وہی جانتا ہے۔ اور وہی مقصود مشہود اور مسجود ہے۔ تو اس صورت میں اس افادہ میں کئی ایک رموز ہیں۔

پہلی رمز یہ ہے۔ کہ وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ دین کا بادشاہ بنائے اور اپنے یقین کو بساط میں اس کو حضوری کا شرف بخشے وہ کس طرح اس فانی ملک کو دیکھ سکتا ہے۔ کہ جس میں ظاہری سلاطین اور ان بادشاہوں کے معزول کرنے اور بحال کرنے کے متعلق اس کا حکم نافذ ہے۔ جو کہ صوری نعمتوں پر قناعت کیے ہوئے ہیں اور اس رمز میں ایک اور رمز ہے۔ یعنی مومن کو جب اللہ تعالیٰ قرب جلالی کی اس باطنی منزل پر پہنچا دیں تو پھر کیا کام ہے۔ کہ وہ اس کمینی دنیا کی طرف توجہ کرے جو کہ اس کے حکم کی مامور اور اس کی

فرمانبردار ہے۔ بشرطیکہ وہ اللہ عزوجل کے حکم کی موافقت کرے اور حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا تو اس کو فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس کی خدمت اور جس نے میری نافرمانی کی اسکو چھوڑ دے۔ اور دوسری رمز یہ ہے۔ کہ ہر ہر فرد اپنے پاس کی چیز پر خوش ہے۔ پھر وہ آدمی کہ جس کی نظر صرف ظاہر پر ہی رک گئی ہے وہ سراب کو شراب اور صاف پانی سمجھتا ہے پھر جب وہ نگاہ کو بلند کرتے ہیں اور اس کو تیز کرتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ یہ ملاحظہ سچا نہیں تھا۔ بلکہ ھباءً منثورًا تھا۔ پھر جبکہ اہل دنیا اپنی دنیا پر اس طرح راضی ہیں۔ تو دین والوں کا کیا کام ہے۔ کہ وہ اپنے دین پر راضی نہ ہوں حالانکہ دنیا کا ملک اس ملک حقیقی کے تابع ہے۔ اور تیسری رمز یہ ہے کہ دنیا والے بیوقوف لوگ ہیں جو غیر کی ملک کو اپنی جانوں کی ملکیت سمجھتے ہیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ عرب اور عجم کے تمام ملک اللہ کے ملک ہیں اور اس کی زمین کے وارث نیک لوگ ہیں کیونکہ میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچیگا۔ پس اللہ تعالیٰ کے تمام شہر میرا ملک ہیں میرے حکم کے ماتحت ہیں اور بادشاہ انکی ملکیت کا دعویٰ غلط کرتے ہیں۔ پس اگر میں چاہوں تو انکو معزول کر دوں۔ اور ایک بادشاہ کی جگہ دوسرا بادشاہ کھڑا کر دوں تو میرا یہ حکم نافذ ہوگا ان سے کہہ دو کہ ملک اللہ ہی کیلئے زبردست کا ہے۔ اور چوتھی رمز یہ ہے۔ کہ تم اے بادشاہو میرے تابع ہو اور سلطنت میری ہے۔ تمہاری نہیں ہے۔ تم تو فاسد خیالات مت کرو۔

اور رموز تو اتنی ہیں۔ کہ ضبط نہیں ہو سکتی ہیں اور جائز ہے کہ اس صورت میں اقطاب کو بھی تنبیہ ہو کہ ملک تو میرا ہے اور تم میرے نائب اور خلفاء ہو۔ تو اس معنی پر ملک کی اقطاب کی طرف نسبت ہمارے طریقہ کے سلوک پر ہے۔ اور باقی رہے باطنی معنی تو ان میں بھی کئی ایک وجوہ کا احتمال ہے پہلی وجہ یہ ہے۔ کہ اس سے مراد اقطاب ہوں۔ کیونکہ ہر ایک قطب اپنے تجلیات الاہیہ اور کمالات قدسیہ کا مورد ہونے کی وجہ سے گویا کہ ایک شہر ہے جو کہ قدسی عمارتوں اور معنوی زینتوں کا جامع ہے۔ اور اسرار و انوار کے جواہرات کی دکانوں پر مشتمل ہے۔ اور اس میں رنگ برنگ پھل اور کھانے ہیں کہ بھوکا ان کے دیکھنے ہی سے سیر ہو جائے۔ اور پیاسا ان کے نظارہ سے سیراب ہو جائے اور اس میں وہ کچھ ہے جس کو وہ چاہیں۔ اور طلب کریں اس سے اچھا رزق حاصل کیا جاتا ہے۔ اور تیرے رب کا رزق بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ اور اس کلام کے اقطاب کی تخصیص یا تو اس لئے ہے۔ کہ اس قصیدہ میں کلام انہی کے ساتھ ہو رہا ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا اور یا پھر اس لیے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا اقطاب پر غلبہ آپ کے تمام اولیاء پر غلبے کو مستلزم ہے۔ کیونکہ اس قصیدہ میں خطاب کے وقت قطب ہی وہ شخصیت ہے۔ جس کا سر انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ اور کمالات قدسیہ کا مالک ہو چکا ہے۔ ہاں یہ بات الگ ہے کہ شیخ رضی اللہ عنہ ان سے بہت آگے ہیں۔ اور یا اس لئے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کی نسبت سے تمام اولیاء نچلے مرتبہ میں ہیں پس آپ ان کو انکی عزت افزائی کرتے ہوئے قطب کے لفظ سے مخاطب فرماتے ہیں اور اس میں کئی وجوہ ہیں اور دوسری توجیہ یہ ہے۔ کہ اس سے مراد دل ہوں۔ کیونکہ دل ہی ہر کمال اور ولایت کے لئے حقیقت جامعہ ہے جیسا کہ گزر چکا اور عنقریب معلوم کرے گا۔ یا ارواح و اسرار اور ان کے علاوہ دوسرے لطائف مراد ہوں اور ان کے شہر ہونے کی توجیہ اس آدمی پر مخفی نہیں ہے۔ جو حظوظ معارف اور حقائق کے خزانوں پر مطلع ہو چکا ہے۔ اور تیسری توجیہ یہ ہے جو سب سے رائج ہے کہ بلاد سے مراد اولیاء کے لئے ان کے قرب کے میدان اور جو تصرفات ان کے لئے لازم ہیں میں ان کے درجات

Scanned by CamScanner

درجات کے مطابق ثابت شدہ ولایات ہوں جو ولایات خاصہ ترقی یافتہ اور عامہ منقسمہ کے مطابق ہوں جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے قول "اور ہر ولی کا ایک قدم ہے۔ اور میں نبی کے قدم پر ہوں جو کمال کے بدر میں" سے سمجھا جاتا ہے اور اس صورت میں یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے ظل کی طرف اشارہ ہوگا کہ "آدم اور جو ان سے نیچے ہیں وہ میرے جھنڈے کے نیچے ہیں" اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سایہ اصل کے مطابق ہوتا ہے اور اس میں وہ سب چیزیں ہوتی ہیں جو اس میں ہوتی ہیں اور فرق صرف اصالت اور تابعیت کا ہوتا ہے۔ اور اس میں تفصیل ہے جس کی طرف پہلے اشارہ گزر چکا ہے۔ اور انشاء اللہ عنقریب آئیگا اور اللہ ہی اپنے خواص رضی اللہ عنہم کی مراد کو خوب جانتے اور جائز ہے کہ بلاد سے مراد سیر ارضی و سماوی مخلوق ہو اور اسکی طرف آپ کا یہ قول اشارہ کرتا ہے بطوبلی فی السماء والارض وقت اور بہتر یہ ہے کہ کہا جائے کہ بلاد سے مراد سیر الی اللہ وفی اللہ وباللہ کے وصول میں قرب کے مراتب ہوں یعنی یہ شہر میرے قبول و وصول میں ہیں۔ جیسے کہ ملک مالک کے قبضہ میں ہوتی ہے۔ ان پر قائم ہوں اور جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں۔ اور اس معنی کی طرف آپ رضی اللہ عنہ کا یہ قول اشارہ کر رہا ہے "وقتی قبیل قبلی قد صفالی" جیسا کہ اس آدمی پر مخفی نہیں ہے۔ جس کو وقت اور مقام سے مناسبت ہے۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے اور اسی سے استعانت ہے۔

ایفاء ما بوعد - تیرے لئے ضروری ہے کہ جانے کہ بعض عرفاء نے وقت سے وہ امر سمجھا ہے جو آخری مرتبہ میں سالک پر وارد ہوتا ہے اور اچک لیجانے والی بجلی کی طرح گزر جاتا ہے۔ یا تھوڑا سا وقت رہتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ میرا ایک وقت ہے۔ جس میں کوئی مقرب فرشتہ بھی مجھ میں نہیں سما سکتا" عارف شیرازی نے کہا کہ "آپ نے اللہ کے ساتھ" ایک وقت فرمایا ہے۔ اور ہمیشہ کا لفظ نہ کہا۔ اور اس عاجز کے دل میں خیال گزرتا ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام مراتب میں منتہی تھے۔ اور آپ کو یہ سب کمال حاصل تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیر الی اللہ میں کسی حالت کا انتظار رہا۔ تو سیر معنوی کی طرف بسابق اور ظاہر تو یہی ہے کہ وہ وقت جو آپکو حاصل تھا وہ ہمیشہ تھا۔ وہ زائل نہیں ہوتا تھا اور نہ کسی طرح سے وہ پھرتا تھا پس شیخ عارف شیرازی کی مراد یہ ہے۔ کہ آپکی ایک توجہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتی تھی۔ اور ایک توجہ مخلوق کے ساتھ اور ان کے اس قول کا معنی کہ "ہمیشہ نہ فرمایا" دوامی توجہ ہے اور اس معنی کی تائید ان کے اس قول سے ہوتی ہے۔ کہ "کبھی زینب اور حفصہ سے مشغول ہوتے" اس کو یاد رکھ اور اللہ ہی مراد کو خوب جاننے والا ہے اور اسی سے اعانت اور اشارہ ہے۔ پھر جاننا چاہئیے کہ اگر وقت میں گروہ مکثتے کی شرط لگائی جائے تو پھر وہ اسی قول کے مطابق درست ہو سکے گا۔ جس نے کہا ہے۔ کہ وقت مبتدی یا متوسط کیلئے ہے اور اس قول کی تردید آپ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے۔ کہ "وقتی جی قبلی قد صفالی" کیونکہ یہ استمرار اور بقا اور آپ کے بلند مقام پر ہونے والا دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ اس کلام میں اس حالت کے بیان میں ہیں جو غایت میں آخری اور نہایت میں انتہائی ہے۔ پس شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے کلام سے جو معلوم ہوتا ہے وہ ہمیشہ کا وقت ہے۔ اور وقت کا منتہی کے خاص سے ہونا تو یا تو اس صورت میں ہے۔ کہ وہ نائب یا ولی ہو تو اس صورت میں اس آدمی کے مذہب

Scanned by CamScanner

کی طرف اشارہ ہوگا۔ جو حصول وقت میں نبی و ولی کے اشتراک کے جواز کا قائل ہے اور اگر کہا جائے کہ آپ رضی اللہ عنہ میں وقت کا حصول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ میں ہے تو وقت کی اصالت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواص سے ہوگی۔ تو اس صورت میں اس آدمی کے مذہب کی طرف اشارہ ہوگا۔ جس نے کہا کہ وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔ اور اس میں تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اس کو یاد رکھو۔

بیان لطیفہ: اس علاقہ میں جو اکثر قدیم و مشہور نسخے ہیں ان میں اسی طرح ہے کہ مع قتی قبل قبلی قد صفا اور اس آدمی پر مخفی نہیں ہے۔ جو شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے کلام کے اسرار سے واقف ہے۔ کہ یہ نسخہ آپ رضی اللہ عنہ کے قول انا کنت قبل القبل قطبا مجلا کے ساتھ مخالفت رکھنے کے باوجود لازم قرار دیتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کو وقت کا حصول مرتبہ قلب سے پہلے حاصل ہوا یا دل کے وجود کا ظہور پہلے ہوا باوجود اس کے کہ روح اور سر دونوں دل پر متقدم ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "انسان میرا سر ہے اور میں اس کا سر ہوں" اور پھر ایک اور حدیث میں فرمایا کہ "میں ان لوگوں کے پاس ہوں۔ جن کے دل میری وجہ سے ٹوٹ گئے ہیں" تو پہلا عروجی ہے۔ اور دوسرا نزولی اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے کہا میں سر ہوں اور سر کا معنی اللہ تعالیٰ کے قول "اور وہ کچھ پیدا کریگا جو تم میری حکمت کو نہیں سمجھتے" کے لفظ میں ہے۔ اور کچھ اور بھی وجوہ ہیں۔ جو دلالت کرتے ہیں۔ کہ قلب کا مرتبہ سر اور روح کے رتبہ سے قرب اور ولایات کی حیثیت سے کمتر ہے اور اس کا کچھ بیان پہلے لطائف کے بیان میں گزر چکا ہے اسکو یاد کر پھر اگر تو کہے۔ کہ ممکن ہے۔ دل سے مراد تمام مراتب کی حقیقت جامع ہو اور اس پر یائے   کی اضافت دلالت کر رہی ہے۔ کہ اس سے مراد آپ رضی اللہ عنہ کی ذات ہے۔ بحیثیت آپکے تمام کمالات کے جامع ہونے کے پس اس ارادہ میں دونوں نسخوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ جو کچھ آپ نے ذکر کیا ہے۔ وہ اس بنا پر ہے کہ دل سے مراد انفرادی مرتبہ ہو میں کہتا ہوں تو نے سچ کہا اور اس نسخہ کریمہ کے مقصود پر پہنچا اور حسن ادب کا تقاضا یہی ہے کہ جو نسخوں میں یہ عبارت شریفہ واقع ہے۔ اس کی یہی توجیہ کی جائے لیکن نسخہ قبل القبل میں کچھ وجدانی رموز ہیں۔ وقت ان میں سے بعض کے بیان کی اجازت دیتا ہے۔ اور بعض کی نہیں دیتا پہلی یہ ہے کہ قبل قبل اشارہ ہے آپ رضی اللہ عنہ کے وجود سابق کے وجود لاحق پر پوری طرح سے تقدم کی طرف اور یہ قبل قبلی ہے یہ کلام میں تصرف کرنے کی طرف محتاج ہے۔ اور مقصد کی توجیہ ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ اور کچھ اور رموز بھی ہیں۔ جو وجود کی کدورتوں اور شہود کے آثار بلکہ موجود وجود کی تجلی سے بھی صاف کشف کی طرف سپرد ہیں اے اللہ ہمیں اس کے کشف کی روزی فرما اور اس کے ترشح اور اس کی بارشوں سے ہمیں زیادہ نصیب فرما اور ادب اسی کا تقاضا کرتا ہے۔ پس خبردار رہ جا اور غافل نہ ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہر دن میں ایک شان ہے۔ اور اسی پر بھروسہ ہے۔

التلذاذ ببیان المعنی: جب شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی رفعت عطا فرمائی ہے۔ جو آرزوؤں کی پانے کی طرف پہنچانے والی ہے۔ اور انسانی حقائق کو کھولنے والی ہے اور اس کو اپنے قول طبولی سے مکمل کیا یعنی پوری طرح مرتبہ قربیۃ اور علی الدوام منزل تصرلیفیہ دی ہے۔ یہاں تک کہ اولیائے کرام میں سے

Scanned by CamScanner

خاص و عام اس کو جانتے ہیں تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ خصوصی تصرفات اور قربات کو بیان کریں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے شہر وہ کہ جن کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُن میں آناً فاناً اس کے احکام واقع ہونے کی حیثیت سے ایک مخصوص نسبت ہے اور ان شہروں میں ہر موجود کے لئے ظاہراً و باطناً صوری اور معنوی ترتیب حاصل ہوتی ہے۔ پس وہ میرے حکم اور ملک کے تحت جو اللہ عز اسمہ نے مجھ کو دیا ہے ۔ اور اس میں مجھے سلطان وقت بنایا ہے ۔ اور وقتی تصرفات میرے اس حتی وجود یا اس قدیمی وجود سے پہلے میرے لئے قدیم سے ثابت ہیں کہ مجھے مجاہدات شدیدہ حاصل ہوئے جو فنا اور بقا کلی کو مستلزم ہیں حقیقت کی حیثیت سے وجود محمدی علی صاحبہ الصلوات والتحیات کے سایہ میں اور صفا اور صفوت جو مجھے حاصل ہے یہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدام کے تحت ہے ۔ اے اللہ ہمارے وجودوں کو مصطفیٰ کی صفائی سے صاف بنادے اور انوار مصطفیٰ کے ساتھ ہمارے دلوں کو روشن کردے اور ہمارے ارواح کو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی سے روشن کردے اور اس معنی کے افادہ میں آپ نے ایک اور قصیدہ میں فرمایا ۔ میں ان لوگوں کے بلند کیا گیا ہوں جو خواہش میں محبت کا دعوے کرتے ہیں اور مولیٰ نے مجھے قریب کیا تو میں اپنی دولت کامیاب ہوا میں بلندیوں میں نور محمدی تھا ۔ اور اپنی بعثت سے پہلے اللہ کے علم میں پوشیدہ تھا ۔ ہاں محبت میں میری پیدائش آدم سے پہلے ہے ۔ اور اکوان میں میرا سِر میری پیدائش سے پہلے ہے ۔ اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ تو آپ کا نور انوار قدسیہ پر مشتمل تھا۔ جو کہ انبیاء علیٰ نبینا و علیہم الصلوات کے حقائق ہیں ۔ اور انوار صافیہ پر مشتمل تھا۔ جو کہ اولیاء علیہم الرضوان کے حقائق ہیں اور ولایت کی حقیقت نبوت کی حقیقت پر متقدم ہے ۔ کیونکہ پہلی جہت خدا تعالیٰ کی ذات اور اس کے قرب کی طرف ہے ۔ اور دوسری جہت خلق اور ظہور کی طرف اور اس میں تو کوئی شک نہیں ۔ کہ نبی میں قرب کی جہت اپنی بعینہ تبلیغ پر وصول حقیقی کی حیثیت سے اقدم و افضل ہے جیسے کہ مقرر ہو چکا ہے ۔ اور معلوم ہے ۔ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت سے کمتر ہے ۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے تمام اولیاء ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت کے نور سے اقتباس کرتے ہیں لیکن اپنے درجات کے اختلاف کے مطابق بعض تو آپ کی خصوصی ولایت سے احاطہ کلیہ کے مطابق حقیقی اولی ظل سے اقتباس کرتے ہیں اور بعض اس خصوص سے مذکورہ طریقہ پر لیکن حقیقی ثانوی ظل سے پہلی صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں ۔ اور ان میں بھی فرق ہے ۔ اور دوسری شیخ اجل رضی اللہ عنہ سے مخصوص ہے ۔ وہ آپ کے سوا قیامت تک کسی اور میں نہیں پائی جائے گی اسی لئے شیخ اجل نے اپنے بعض قصائد شریفہ میں بتایا ہے ۔

۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اجل ولایت عطا فرمائی ہے جو قیامت تک میرے سوا اور کسی کو نہیں دے گا ۔ اور اسی نسبت سے آپ نے ایک اور قصیدہ میں فرمایا ۔ میں خالق کے علم میں پہلا قدوس ہوں ۔ اور میں سر ولایت میں آخری مبعوث ہوں ۔ اور اسی معنی کا آپ نے اپنے اس قول میں افادہ فرمایا ہے ۔ دو قعق قبل قبلی قد صفالی یعنی میں اپنے نانا کے سایہ میں ہوں ۔ جو کہ عین کمال ہیں ۔ میں واصل ہوں ۔ اور اس نسبت الکلیہ کو جاننے والا ہوں ۔ اور میرے علاوہ دوسرے اولیاء رفع نسبت ولایت میں مجھ سے بہت پیچھے ہیں ۔ کیونکہ وہ ہر نبی کے

اقدام کے ظل میں ہیں اور میں اس نبی کے قدم کے ظل میں ہوں جو کمال کا بدر ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے
اور اسی لئے آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے کلام میں فرمایا ہے "مجھ کو دوسرے اولیاء پر قیاس نہ کرو میرے اور دوسرے اولیاء کے
درمیان زمین اور آسمان کا فرق ہے" اور اس معنی کی تحقیق پہلے صریحاً استلزاماً پہلے گزر چکی ہے۔ لیکن میں نے اس کو افادہ
اور تعلیم کے لئے تحریر کر دیا۔ تاکہ اس سے ہوس پرست غافل نہ ہو۔ اور اس پر اعتراض نہ کرے کیونکہ اس پر اعتراض
کرنا اپنے نفس کو برباد کرنا ہے۔ اس سے خدا کی پناہ۔ اسی لئے شیخ اجل نے ایک اور قصیدہ میں فرمایا ہے۔ ؎

ومن خادعني ضل سعياً وفاته ۔ مناه ولا يحيى بسلطان عزتي ۔

کیا تو نہیں دیکھتا کہ نائب بنانے والے کا کلام چونکہ وحی تھا۔ جو وحی کی جاتی ہے اور وہ خواہش سے نہیں بولتا تو
آپ کا نائب بھی آپ کے قدموں پر پوری طرح چلانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ بلند و برتر کے سوا کوئی معبود نہیں ہے محمد
صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول مصطفیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر ایسی رحمتیں اور سلام نازل فرمائے جس سے
ہدایت حاصل کی جائے اور آپ کی پاک اولاد اور آپ کے اندھیروں کو مٹانے والے نائب پر۔

مناجات: اے وہ کہ جس کی طرف عام مصیبت میں شکوے کئے جاتے ہیں بیرالنفس برائی کا حکم دینے
والا ہے۔ اور وہ خواری کے طریقہ پر ہے۔ پس اے رب تیرے فضل ہی کی طرف لوٹنا ہے اور تجھ ہی سے ابتدا ہے اور
تجھ ہی سے انتہا ہے۔ سو مجھے ایسا رزق عطا فرما کہ تو مجھے اس کے ساتھ نہ پکڑے اور مجھے اپنے حضور کی طرف مصطفیٰ
کی شریعت کی اتباع سے کھینچ لے تیرا رزق بہتر ہے۔ اور باقی رہنے والا ہے۔ میں تیرے اچھے طریقہ کے حاصل کرنے
میں باقی رہنے والی امید کا کل و جزو امیدوار ہوں میں تیرے انوار کے شہروں کی طرف رجوع کرتا ہوں پس مجھ سے
قرب اور زلفی سے روکنے والے ظلمات کو دور کر دے تو ملک کا مالک ہے۔ تو جسے چاہے ملک دیتا ہے میں تجھ سے ایسا
ملک مانگتا ہوں جو کبھی بوسیدہ نہ ہو اور وہ تیرے نبی مجتبیٰ کی متابعت ہے اور مجھے شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ
عنا ارضاہ اور نے کے طریقہ پر ثابت قدم رکھ۔

قصیدہ حمیدیہ خمریہ مبارکہ کے سمندروں میں سے بائیسویں موج

(۲۲) نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعًا ! کَخَرْدَلَۃٍ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالٖ !

نظر دو نوں فتحہ کے ساتھ کسی چیز کو غور سے دیکھنا اور یہ الی سے متعدی ہوتا ہے۔ اور اس کا مرادف اعتبار ہے کہا جاتا
ہے۔ نَظَرْتُ الشَّیْئَ جب تو اس کی طرف دیکھے اور اسکی حالت کی رعایت کرے تلویح میں اس کی تصریح ہے اور جمع
تمام گروہ اور سپاہ کا انبوہ اور فراہم اور اکٹھا کرنا اور اکٹھا کرانا خردل۔ ہرمل کا بیج اور رائی کا دانہ اور گوشت کا کٹا
ہوا ایک ٹکڑا۔ اور کسی چیز کا ریزہ ریزہ کرنا اور تفتازانی کے حاشیہ میں خشخاش کے دانہ کے معنی میں بھی آیا ہے۔ اور حکم
ضمہ کے ساتھ فرمان اور فرمانا اور حکم کرنا اور روکنا اور عقل و فہم اور حکمت اور حاکم اسی سے صفت ہے اور حکومت کرنا اور
جگہ پانچواں معنی مناسب ہے یعنی دانش فہم اور جائز ہے کہ حکم سے مراد اثر ہو اور معنی اس طرح ہیں کہ اتصال سے پیدا

Scanned by CamScanner

ہونے والے اثر مرتب کے مطابق شہر رائی کے دانہ کی طرح ہیں اور اتصال کا معنی ہے بھینچا اور ملنا اور اس کے خلاف انفصال ہے نحو۔ نظرت صیغہ ماضی متکلم ہے جو الی کے کلمہ سے متعدی کیا گیا ہے۔ اور آپ کا قول جمعا ہا تو مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی میں نے دیکھا مختصر دیکھنا یعنی مجمل و اختصار کے طور پر اور جائز ہے۔ کہ یہ حال ہو یعنی میں نے شہروں کو دیکھا اس حالت میں کہ وہ مجتمع تھے۔ اور مصدر میں مذکر و مؤنث برابر ہوتے ہیں کیونکہ وہ حدث محض کیلئے بنائی گئی ہے واللہ اعلم اور اگر اس کو جمعا پڑھا جائے اور شعر کے وزن کی استقامت کے لئے ہمزہ کو حذف کر دیا جائے تو یہ توجیہ بھی ہو سکتی ہے لیکن ملا کی زبان سے جو مشہور روایت ہے۔ وہ مصدر ہے۔ اور آپ کا قول کخردلۃ مضاف کے حذف پر یعنی جیسے رائی کو دیکھنا یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کے شہروں کی طرف ایسی نظر کی جیسے اعتبار کی نظر میں چھوٹا اور حقیر ہونے میں رائی کے دانہ کی طرف دیکھنا ہوتا ہے یا کہا جائے کہ اس کا عامل محذوف ہے۔ یعنی میں نے اللہ کے تمام شہروں کو دیکھا تو ان کو اتصال کے حکم کے مطابق مقدار رائی کے دانہ کے برابر پایا اور اس کے عامل کو کمال ظہور کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔ اور پہلی توجیہ اگرچہ اس میں بھی حذف ہے۔ لیکن وہ ذہن کی طرف زیادہ اسبق ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ یہ آپ کے قول جمعا سے متعلق ہے۔ یعنی اتصال کے حکم میں یہ سب رائی کے دانہ کے برابر ہیں۔ پھر اگر تو کہے کہ یہ کلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ ایک صادق اور مصدوق کا کلام ہے اور اس میں شک نہیں ہے۔ کہ یہاں تو شہر اور ان کے علاوہ دوسری موجودات بہت بڑے متفرق امور ہیں۔ پھر اس تشبیہ کا کیا معنی؟ تو میں کہوں گا۔ کہ تشبیہ کا معنی شہروں کے رائی کے دانہ سے اشتراک مقدار کی حقیقت کے اعتبار سے نہیں ہے یہانتک کہ کہا جائے کہ حس کا کے حکم کا حال کس طرح اس کے برخلاف ہے۔ بلکہ چھوٹا اور حقیر ہونے کے اشتراک کے اعتبار سے ہے۔ یعنی جس طرح تمہارے ظاہری حواس میں رائی کا دانہ ایک چھوٹا اور حقیر مقدار جسم ہے۔ اسی طرح شیخ اجل رضی اللہ عنہ جو اللہ کے ساتھ باقی ہو چکے ہیں کی نظر میں شہر میں کہ وہ بے پروائی کی حیثیت سے چھوٹے اور حقیر ہو چکے ہیں۔ یا جبروت و لاہوت کے کشف شدہ معلومات کے تعلق کے اعتبار سے ہماری نظروں میں جو عظیم و جسیم چیزیں ہیں۔ مثلاً پہاڑ تو ان کو ان سے وہی نسبت ہے۔ جو رائی کے دانہ کو عظیم و جسیم چیزوں سے ہے اور جائز ہے۔ کہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ ان عظیم اشیا کو جن کو حس بڑا سمجھتی ہے اور ان کو امور عظیمہ خیال کرتی ہے۔ تحقیقی بصیرت کی تحقیقی آنکھ کھلنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے قول کہ وہ میرے ساتھ دیکھتا ہے۔ کے مطابق ان چیزوں کو رائی کے دانہ کی طرح حقیر و صغیر دیکھتا ہے۔ یہانتک کہ ان سب چیزوں کا وجود آنکھوں سے مٹ جاتا ہے پس اے عقلمند عبرت حاصل کر اور جائز ہے کہ کہا۔ جائے یہ عرف پر مبنی ہے۔ پس یہ اسی طرح ہے جیسے کہ ہم موجودات میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہر ایک آدمی اپنے ابتدائی وجود میں بچپن کے زمانہ میں مکان کی چھت کو چڑھائی کے مشکل ہونے کی حیثیت سے آسمان کی طرح سمجھتا ہے۔ پھر جب وہ جوان ہو جاتا ہے اور چلنے اور بلند پہاڑوں کی طرح بڑی بڑی بلندیوں پر چڑھنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ تو کہتا ہے۔ کہ چھت پر چڑھنا میرے لئے سب سے آسان اور کمتر چیز ہے۔ اور یہ صرف اسی امر کے احاطہ کی آسانی کے اعتبار سے ہے اور حق یہ ہے۔ کہ شہروں کو رائی کے دانہ کی طرح چھوٹا دیکھنے کا حکم ان سے بے پروائی پر مبنی ہے۔ اور عنقریب اس کا بیان آئے گا۔ اور آپ کا قول علی حکم اتصال جائز ہے کہ وہ آپ کے قول نظرت سے متعلق ہو یعنی میں نے شہروں کی طرف اتصال کے حکم پر دیکھا۔ یعنی وہ اگرچہ متفرق تھے۔ لیکن میری نظر میں اتصال کے حکم سے اور اتصدیق کے فہم سے وہ مجتمع ہیں اور جائز ہے

کہ شہروں کی رائی سے تشبیہ کے مفہوم سے متعلق ہو یعنی میں نے اتصال و احاطہ کے حکم سے جو شہروں کو رائی کے دانے کی طرح ہونے کا فیصلہ کیا ہے اور اس صورت میں یہ ہمارے اس قول کی طرف اشارہ ہوگا جو ہم نے جواب میں ابھی کہا ہے لہذا ایسی صورت میں ہے کہ اتصال سے اتصال بلاد کا ارادہ کیا جائے اور اگر اتصال سے اللہ عزوجل کا وصول مراد لیا جائے تو معنی اس طرح ہوں گے کہ شہروں کی طرف میری یہ نظر اور ان پر رائی کے دانہ کا حکم لگانا وہ وصول باللہ کے مرتبہ کے حیثیت سے ہے۔ کہ اس تمام کون و کائن مضمحل ہو جاتے ہیں اور ظاہری نظر میں بلاد کی حقیقت حسیہ موجود ہے۔ تو اس صورت میں یہ الٰہی حقیقت کے سورجوں سے روشنی حاصل کرنیوالی بصیرت کی نظر کا بیان ہوگا پس اس صورت میں یہ متصوفہ کے اس فرقہ کا رد ہوگا جو کہتے ہیں کہ اشیاء کا وجود بالکل ہے ہی نہیں ہے بلکہ لاشیٔ محض ہیں اور رد کی توجیہ یہ ہے کہ اشیا کا وجود تو ہے لیکن وجود حقیقی کی نسبت سے حقیر و صغیر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وجود اصل و حقیقی ہے اور اسکے سوا اوروں کا وجود ظلی اور ذیلی ہے اور زائل اور ناقص چیز باقی اور کامل کے مقابلہ میں۔ کالعدم ہے نہ یہ کہ وہ محض عدم ہے یہانتک کہ وہ مراد ہو جس کی طرف متصوفین گئے ہیں اور میں اللہ تعالیٰ شانہ کے فضل انشاء اللہ تعالیٰ اسکو نیزے لئے مفصل بیان کرونگا۔

البلاغت : جب آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے قول بلاد اللہ ملکی تحت حکمی کو کہا تو ناسوتی سامع کو وہم ہونے کا اندیشہ تھا کہ اللہ عزوجل کے ساتھ باقی ہونے والے اور واصل ہونے کے تو لائق یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کی طرف نہ دیکھے اور ملک ناسوتی اور اس میں تصرف پر قناعت نہ کرے اور اپنی ہمت کو اس پر روک نہ دے کیونکہ کونین سے قطع نظر کرنا اور ثقلین اور دونوں زندگیوں سے گزر جانا ان کی بلند ہمتوں کے سامنے یہ بعض حقیر چیز ہے تو شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اس وہم کو دور کر دیا اور کہا فقرت بلدہ واللہ جبا یعنی آپ کے قول کی میں اضافت کی نسبت اس حیثیت سے ہے کہ اقطاب جو بلاد میں متصرف ہیں اور ان میں رہنے والوں کے امور سے قائم ہیں تو یہ خیال ہو سکتا تھا۔ کہ اقطاب ان تصرفات اور شہروں کے رہنے والوں کے امور سے قیام پر مغرور نہ ہو جائیں کیونکہ نفس برائی کا حکم دینے والا ہے اس سے کوئی رسول اور صحابی و کوئی تابعی نہ بچ سکا ہے پس وہ ان کمالات کی بہت زیادہ اطاعت کرنیوالا ہے۔ جو کہ انانیت اور تکبر کا باعث ہیں خصوصاً حکومت اور سلطنت اور اگر ہو بھی ظاہری سلطنت پر تکبر کرنا گندگی ہے۔ کیونکہ گندے لوگ گندی چیزوں ہی کے طالب ہیں اور معنوی سلطنت پر فخر کرنا لطیف ہے اور یہ بہت زیادہ سخت ہے۔ کیونکہ پہلی حالت فرعون اور نمرود کی ہے اور دوسری شیطان مردود کی پس اس کلام شریف کا حاصل یہ ہوا کہ اس سلطنت پر اس میں تمالک و تصرف کی نسبت سے اپنے لئے فخر اس لئے کرتا ہوں کہ اس سے اقطاب کے نفس کے شعلہ کی تیزی ٹھنڈی ہو جائے اور یہ آپ رضی اللہ عنہ سے اقطاب قدس سرہم کے لئے تعلیم کلی ہے کہ تم ان دونوں چیزوں کا کچھ بھی اعتبار نہ کرو اول تو اس لئے کہ ملک سارا اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اور اس نے مجھے ان میں تصرف و نفاذ حکم پر کھڑا کیا ہے۔ اور تم میرے تصرف کے ماتحت ہو جو میرے رب نے مجھ کو دیا ہے۔ تو محکوم حاکم نہیں ہوتا پھر جب تم کوئی بھی تصرف کرتے ہو تو میرے تصرف ہی سے تصرف کرتے ہو سو تم اپنے دم کا استقلال نہ کرو اور دوسرا یہ کہ یہ ملک اور تصرف قرب رفیق اعلیٰ اور ملک اقدس کی نسبت سے بہت چھوٹا اور فقیر ہے کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا قول نہیں سنا کہ کہہ دو دنیا کا سامان تھوڑا ہے اور تم نہیں جانتے کہ اس سے آگے ایک بڑا اور وسیع ملک

اور رفیع منزل ہے اور وہ ہر طالب کا مطلوب ہے اور ہر طالب کا محبوب ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جب تو اس جگہ کو دیکھے گا تو نعمتیں اور بہت بڑا ملک دیکھے گا۔ پس وہ ملک جو کبھی پرانا نہ ہو اور نہ ہی اس کا وزن کیا جاسکے وہ وصولی ملک اور قربی بساط ہے پس اقطاب اسی قدر پر اپنی نظروں کو بند نہ کردو اور اپنی عقلوں کی خواہش اسی کو نہ رکھو جس کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی وزن نہیں ہے۔ مگر جیسے کہ رائی کے دانہ کا وزن۔

پھر اگر تو کہے کہ یہ تو اس صورت میں ہے۔ جبکہ بلاد سے مراد دنیوی قماش اور کینے سامان سے بھرے ہوئے صوری اماکن ہوں اور جب اس سے مراتب عالیہ اور انکی مثل اور چیزیں مراد لی جائیں جیسا کہ آپنے ذکر کیا ہے۔ تو اس صورت میں اس کلام میں کیا فائدہ ہے۔ تو میں کہونگا فائدہ یہ ہے کہ کمالات اور ان کا علم بھی طالب اور مطلوب کے درمیان ایک حجاب ہے۔ تو شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اقطاب کو ادادہ فرمایا کہ حاصل ہونے والے مراتب و کمالات تمہارے لئے حجاب نہیں ہونے چاہئیں کیونکہ یہ تم ثابت ہو چکا ہے۔ کہ سب کچھ ہمارے تصرفات سے ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ یہ سب چیزیں واصل کی نگاہ میں جانے والے کی راہ میں ایک رائی کے پھینکے ہوئے دانے کی طرح ہیں کہ جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور نہ اس کے وقوع کی کوئی حیثیت ہے اسی لئے شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے غوثیہ میں کہا ہے کہ اہل طاعت طاعت سے محجوب ہیں اور یہ بھی کہا کہ علم والے کے لئے میرے پاس کوئی راہ نہیں ہے۔ کیونکہ اگر علم اس کے پاس چھوڑ دیا جائے تو وہ شیطان ہو جائے اور اس کی تحقیق یہ ہے۔ کہ وہ ہر چیز مطلوب کے علاوہ ہے اگر چہ اسی کے توابع سے ہو بلکہ اگر چہ اسی کا کمال ہو بلکہ اگر چہ اسی کا جمال ہو کیا تو نہیں دیکھتا کہ اپنے محبوب تک پہنچنے والا علیحدہ ہوتا ہے۔ بلکہ مشاطہ اور دلالہ سے بھی ایک طرف ہو جاتا ہے بلکہ اس پر محبوب کے کپڑے بھی بوجھل ہو جاتے ہیں جو محبوب کے چہرے پر نقاب بنے ہوئے ہیں اور اسی معنی کی طرف آپ رضی اللہ عنہ کے قول العلم حجاب الاکبر نے اشارہ کیا ہے۔ اور اس میں تفصیل ہے۔ جس کو عشقی صفا کے ساتھ صاف شدہ دل کے قطعہ پر محبت کے خبگل کے قلم سے اور سیاہی کی بصیرت کی آنکھوں کی سیاہی سے جس کو جھکے ہوئے لوگوں کی آنکھوں کے جلے ہوئے پانی کے گلاب کے ساتھ مل گیا ہو۔ جلال و جمال کے طویل رخساروں کی کنپٹیوں کی سطروں میں انسان کی پیدائش کی کتاب میں ودیعت کئے گئے اسرار کی وحی کے عالم کاتب کی تعلیم ہی سے لکھا جاسکتا ہے۔ کیونکہ وہی ایسا راز ہے جس کی اللہ عزوجل حنان و منان نے ہر ایک نولد و برہان میں تربیت فرمائی ہے۔ اور اس کلام میں ایک اور توجیہ بھی ہے۔ جس کو میں نے حواشی میں رقم کیا ہے لیکن یہ توجیہ کل یوم ھو فی الشان کی تجلیات سے ہے۔ پھر شیخ اجل رضی اللہ عنہ اپنے قول نظرت میں ماضی کا صیغہ لائے ہیں یہ اس طرف اشارہ ہے۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے لئے یہ مرتبہ اللہ تعالیٰ کے علم سابق میں پہلے متحقق تھا۔ تو اس صورت میں اس میں کئی ایک فوائد ہیں۔

پہلا یہ ہے۔ کہ یہ کمالات آپ کو دوسرے اقطاب کے علاوہ پہلے سے حاصل ہیں کیونکہ بعض اگر چہ ان کو علم سابق میں کمال حاصل تھا۔ لیکن اس کو اس کا علم نہیں تھا۔ اور کمال باعتبار علم ہے۔ اور بعض کے لئے اس کے حصول کی استعداد تو تھی۔ لیکن قبول کی پرکھ نہ تھی۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہے۔ کہ اقطاب آپ رضی اللہ عنہ کے کمالات کے عدم احاطہ کی وجہ سے جیسا کہ شیخ عبدالرحمن طفسونجی کا قصہ پہلے گزر چکا ہے۔ آپ سے واقف نہ تھے۔ تو آپ نے ان کو واقف کر دیا تاکہ وہ ادب میں غلطی نہ کریں

Scanned by CamScanner

تاکہ ہلاکت میں نہ پڑیں اور تیسرا فائدہ یہ ہے کہ آپ کے علاوہ دوسرے اولیاء کو مکشوفات کی اطلاع ان کے خاص اوقات میں جیسے مراقبہ اور توجہ اور نمازوں وغیرہ میں ہوتی ہے۔ اور میں پس یہ چیزیں اور انکی مثل کئی گنا زیادہ مجھے حاصل ہیں اور میں ہر وقت کل کی کل دکشف پر ہوں لیکن شریعت کے آداب ان کی خصوصیات کے اظہار سے مجھ کو روکتے ہیں اسی لئے میں کلیات سے کلام کرتا ہوں۔

بعض شیوخ قدس اسرارہم سے روایت کیا گیا ہے۔ کہ اس نے کہا جب میں تکبیر کے وقت اللہ اکبر نماز کی تکبیر میں کہتا ہوں تو میں غائب ہو جاتا ہوں اور میرے باطن میں اس کا نور بھر جاتا ہے۔ اور ساری کائنات میرے شرح صدر کی فضا میں ایک رائی کے دانہ کی طرح ہوتی ہے۔ جو کسی جنگل زمین میں ہو پھر یہ رائی بھی درمیان سے اٹھا دی جاتی ہے اور صرف اب معبود ہی باقی رہ جاتا ہے۔ پھر وسوسہ اور حدیث نفس سے کوئی چیز باقی نہیں رہتی میں کہتا ہوں یہ تو تجھ پر ظاہر ہو گیا کہ بلاد کا رائی کی طرح ہو جانا کائنات کے کلی انقطاع سے کنایہ ہے تو اس صورت میں ظاہری حیثیت سے بھی تشبیہ میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور اس کے متعلقات کو تو پہلے معلوم کر چکا ہے۔ پھر آپ کے قول الٰہی میں سوائے اسکے کہ آپ آئی کہتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے نظرت فی الکتاب (میں کتاب میں دیکھا) یہ اشارہ ہے آپ رضی اللہ عنہ کی بلاد کی بے پروائی کی طرف اور جس کو علم کی مس ہے اس پر یہ مخفی نہیں ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ سلوک کے طالب کے لئے ضروری ہے کہ اس کی نظر ہر چیز سے مقطوع ہو مگر ضرورت سے پس مجملاً دیکھے پھر آپ کا قول بلاد اللہ ضمیر کی جگہ پر ظاہر لایا گیا ہے کیونکہ ظاہر الیہا تھا اور بلاد کی طرف ضمیر عائد ہوتی جن کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے اشارہ ہے اس طرف کہ بلاد کو رائی کی طرح سمجھنا نصب العین ہے۔ اور یہ ایک لطیف نکتہ کو متضمن ہے۔ جیسا کہ مخفی نہیں ہے اور لفظ اللہ کا لانا اور یہاں بھی ضمیر کی جگہ مظہر لانا یہ یا تو اللہ تعالیٰ کے نام کے ذکر سے لذت حاصل کرنے کے لئے ہے یا ان بلاد کو اللہ کی طرف منسوب کر کے ان کے شرف کا افادہ مقصود ہے۔ پھر آپ جمیعاً کا لفظ لائے ہیں یہ بلاد کے احاطہ کلیہ کے افادہ کے لئے ہے کہ نظر ایک شہر کے ساتھ دوسرے شہر کے علاوہ مخصوص نہیں ہے اور ان کا رائی کی طرح ہونا تمام کو شامل ہے اور اس میں کسی طرح بھی انکی پرواہ نہیں ہے۔ اور خردلۃ کو نکرہ لانا یا تو حقارت کے لئے ہے۔ (اور یہی زیادہ مناسب ہے)، اور یا اس اشارہ کے لئے کہ یہ حکم کسی خاص دانہ رائی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر رائی کا دانہ حکم اتصال پر بلاد کا مشبہ بہ ہے اور یہ کئی طرح سے زیادہ مفید ہے پہلا تو یہ ہے کہ سامع اس معنی کے سمجھنے میں متردد ہوتا ہے۔ یعنی بڑے بڑے شہروں کی تشبیہ باوجود ان تمام چیزوں کے کہ وہ اجسام کبیرہ و کثیرہ پر مشتمل ہیں تو آپ نے یہ افادہ دیا ہے کہ یہ حکم اتصال و اجتماع فی النظر اور فی الاجسام کی حیثیت سے ہے اور یہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بعید نہیں ہے کیونکہ وہ جہنمی کی ڈاڑھ کو احد پہاڑ جتنی بنا سکتا ہے تو یہ بھی اسکی قدرت سے بعید نہیں ہے۔ پس اسی کی تعریف اور بڑائی ہے۔ وہ اپنے ملک میں جس طرح چاہے حکم کرتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے

افادۂ دقیقہ: ضروری ہے کہ تو جانے کہ نظر سے مراد یا تو ظاہری نظر ہے۔ یعنی جب آنکھ اللہ تعالیٰ کے قول میرے ساتھ دیکھتا ہے۔ کے تخلق سے بصیرت کاملہ کے ساتھ دیکھتی ہے۔ تو بڑی چیزیں اس کے سامنے ایک ذرہ اور رائی کی طرح

ظاہر ہوتی ہیں اور یہ حقارت الابیہ سے نا ممکن نہیں ہے۔ اور اگر نظر سے مراد نظر بصیرت ہو، یا صفائی ملاحظہ ہو جو اولیاء رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے تو پھر بھی کسی طرح کا کوئی شک نہیں ہے۔ کیونکہ صاف دل وہ چیزیں دیکھ لیتے ہیں جن کو دوسرے نہیں دیکھ سکتے کیا تو نہیں دیکھتا کہ اسپر عالم ارواح و اسرار ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور دوسر دل کی آنکھیں انھیں نہیں دیکھتیں اور یہی نظر حقیقی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ پس کہا جاتا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کی طرف نہیں دیکھتے لیکن تمہارے دلوں کی طرف دیکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے مومن بندے پر ہر دن اور رات میں ستر نظریں ہیں وامثال ذلک اور آیات میں اللہ کی طرف ناظریت کی نسبت واقع ہوئی ہے نفی میں بھی اور اثبات میں بھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں ہے۔ اور "نہ ان کی طرف دیکھے گا" اور آپ رضی اللہ عنہ فارضاہ عنا کا قول اپنے نفس سے اسی نظر کی حقیقت "و میرے ساتھ سنتا ہے۔ اور میرے ساتھ دیکھتا ہے" کی حیثیت سے ہے اس بار یک نکتہ کو سمجھ لے تجھے پورا ثمرہ دے گا۔ اور تجھے عام لوگوں میں عزیز بنا دے گا۔ پھر جو ہم نے کہا ہے۔ اس کے احاطہ کے بعد حدیث شریف کے معنی تجھ پر مخفی نہیں ہیں۔ اسی لئے ہم نے اس کو سابق کے سپرد کر دیا ہے۔ اے اللہ تیری ہی طرف سلامتی ہے اور تیری ہی طرف سلام ہے۔ اور ایک اور تصیدہ میں ہے۔ ہے میں نے اللہ کے شہروں کو مشرق سے لے کر مغرب تک دیکھا۔ یہ میری قدرت اور میری ہتھیلی کے وسط میں رائی کا دانہ ہو۔ میں اس کو اپنے ہتھیلی کے وسط میں چکلی کی طرح پھیرتا ہوں۔ اور ایک لمحہ کے اندازے میں اس کو سات چکر دیتا ہوں۔

مناجات: اے اللہ ہمارے دلوں کے شہروں کو اپنے فضل کے بادلوں سے سیراب کر دے اور ہمارے سینوں کو اپنی طرح طرح کی بخششوں کے انوار سے مزین فرما اور اسرار کے شہروں کو ہماری ملکیت بنا دے اور ہمیں اوامر کے عرش پر ثابت رکھ اور نواہی کے فرش سے بچا اور ہمیں اشیاء کے حقائق اسی طرح دکھا جیسے وہ ہیں اور ہمیں ملاہی کے اشغال سے محفوظ رکھ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تو پاک ہے۔ میں تیری طرف گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اور ایسے امور کی مصاحبت سے تیری طرف رجوع کرتا ہوں جو سخت دلی کا باعث ہوں اے اللہ میری نظر کو کلی طور پر اپنی طرف پھیر دے یہاں تک کہ دنیا اور آخرت کو میری آنکھ میں ان امور کی نسبت جو تو نے مجھے اپنی پوری بخششوں سے بخشے ہیں اور مجھے تو نے نفی کی نظروں سے التباس و تلبس سے خصوصی امتیاز اس امت کے ساتھ خاص سعادت سے بہرہ ور کرتے ہوئے بخشے ہیں۔ رائی سے بھی بہت چھوٹا بنا دے پس تیرے ہی لئے تعریف ہے اور تیرے نبی پر صلوٰۃ و سلام ہو اور اسی طرح انکی آل اور صحابہ اور تابعین سب پر اور شیخ ہمام امام ہمارے سردار ابو محمد سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ پر بھی آمین آمین

قصیدہ خمریہ شریفہ کے سمندروں میں سے تیئسویں موج !!

۲۳۔ دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطْبًا　　وَنِلْتُ السَّعْدَ مِنْ مَوْلَی الْمَوَالِی

درس اور دراسۃ اور مدارستہ اور تدارس اور تدریس کتاب سبق کہنا اور علم پڑھنا اور مدرسہ سبق کہنے کی جگہ اور مدرس اسم فاعل کا صیغہ سبق پڑھانے والا اور ادریس علیہ السلام کا نام اسی وجہ سے ادریس ہوا کیونکہ وہ کثیر الدرس تھے۔

Scanned by CamScanner

اور انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ کے قول میں واقع ہوا ہے۔ "اور ہم نے اس کو اعلیٰ مقام پر پہنچایا" پس کہا گیا ہے۔ کہ آپ چوتھے آسمان پر ہیں اور کہا گیا ہے جنت میں ہیں اور کہا گیا ہے۔ چھٹے آسمان میں ہیں اور علم بکسر مین عقل اور جاننا اور پہچاننا اور خدا کا حکم اللہ تعالیٰ کے قول کی وجہ سے کہ "اس کو اپنے حکم سے اُتارا" اور اس جگہ یا تو مصدر مبنی للمفعول ہے یعنی معلوم یا خدا کے فرمان کے معنی میں ہے۔ اور درس کی نسبت پہلے کی طرف تو ظاہر ہے اور چوتھے معنی کی طرف نسبت عنائیت کی طرف محتاج ہے۔ اور ان کے علاوہ دوسرے معانی پس انکی طرف درس کی نسبت مشہور تسامح پر ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ مخفی نہیں ہے آپ کا قول صرت صار سے ماضی متکلم کا صیغہ ہے اور وہ انتقال کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ علم بھی اسباب تکوینی میں سے ہے۔ جو تمکین کی طرف پہنچانیوالا ہے اور قُطب کے معنی پہلے گزر چکے ہیں اس کو یاد رکھ اور نُبل کے معنی بھی گذر چکے ہیں ان کو میں نہیں لوٹاؤں گا۔ اور سعد کا معنی ہے نیکبختی اور نیک بخت کرنا اور نحس کی ضد اور ایک دیکھ نام اور کلمہ مِن ابتدائیہ اتصالیہ ہے یعنی ایسی سعادت جو مولی الموالی کے مراحم سے پیدا ہوتی ہے اٰلمولی جس کی پرستش کی جائے اور مالک اور خدا اور آزاد کرنے والا اور آزاد کردہ شدہ اور اس جگہ آخری معنے مراد نہیں ہے۔ اور اس کے ساتھ کا ارادہ جائز ہے اور ان تینوں معانی میں سے سب سے زیادہ درست پہلا ہے۔ پھر اگر کہا جائے کہ اضافت کس طرح صحیح ہو سکتی ہے۔ جبکہ مضاف الیہ سے تیسرا معنی مراد لیا جائے بلکہ وہ غیر ممکن الارادہ ہے۔ تو میں کہونگا کہ اس سے تمام معانی مراد لینا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ پہلا اور دوسرا معنی مالک پر اطلاق کے اعتبار سے مراد لیا جائیگا کیونکہ مالک مخدوم ہوتا ہے اور اپنے مملوک میں صاحب تصرف پس وہ اپنے بندے کا مالک ہو گیا اور حق یہ ہے کہ مضاف سے مراد تیسرا معنی ہے اور مضاف الیہ سے خداوند کا۔

نحو:۔ درست متکلم کا صیغہ ہے۔ اور علم کا اس کا مفعول ہے اور حتٰی انتہا غائیت کے لئے ہے اور یہ اس صورت میں ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ کا درس قطبیت کے مرتبہ کے حصول تک منتہی ہوا اور یہ اس روایت کے خلاف ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس دار فانی نے بساط قرب باقی کی طرف رحلت کے وقت تک درس کو لازم رکھا مگر یہ کہا جائے۔ کہ انتہا اس اعتبار سے ہے۔ کہ اول وقت میں علم کا حصول اس غرض کے حاصل کرنے کے لئے تھا یعنی کمال کی چوٹیوں تک ترقی کرنے کے لئے اور اس کے بعد درس کا شغل تشکر اور استحباب کے طور پر تھا جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام لیل کی عبادت تھی یہانتک کہ آپ کے قدم مورم سے تکلیف کی شکایت کرتے یا کمال حاصل کرنے کے لئے اور یقیناً یہ شکر اور حمد کے لئے تھا۔ اور اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔ اسے یاد کرنا چاہئیے اور جائز ہے کہ حتٰی تفریعیہ ہو یعنی میں نے علم پڑھا۔ یہانتک کہ درس پر مرتبہ قطبیت کا حصول متفرع ہوا اور اس میں تفصیل ہے۔ جو علم نحو سے متعلق ہے اور آپ کے قول و نلت میں واؤ صرت پر عطف کے لئے ہے تو یہ بھی درس کے متفرعات میں سے ہوگا۔ اور کلمہ مِن یا تو آپ کے قول نلت سے متعلق ہے۔ یا آپ کے قول صرت سے اور جائز ہے کہ آپ کے قول درست العلم سے متعلق ہو یعنی میں نے ایسا علم پڑھا جو مولی الموالی سے ماخوذ ہے۔ اور اس صورت میں یہ علم باطنی کی طرف اشارہ ہوگا اگرچہ ظاہری علم کا ارادہ بھی جائز ہے اور ہر تعلق کے لئے اس کے مطابق تحقیق ہے۔ کہ اس کی طرف مکمل طور پر اشارہ کرنا ضروری ہے۔

Scanned by CamScanner

پہلی صُورت میں معنی اس طرح ہیں کہ میں نے اللہ سے پایا یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا اللہ کی جانب سے یا اللہ کے فضل سے جیسا کہ ظاہر اور اقرب الے الذہن ہے۔ اور اس صُورت میں اس میں اشارہ ہوگا۔ کہ اس کا پانا محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے اگرچہ یہ مجاہدات پر مترتب ہُوا ہے۔ اور یہ اسی کے مطابق ہے جو اہل سنت والجماعۃ رضوان اللہ علیہم سے ثابت ہے کہ اسباب عادیہ پر نتائج کا مرتب ہونا محض اللہ تعالیٰ شانہ کے فضل سے ہے۔ اور اسباب کے لئے اس میں کوئی تاثیر نہیں ہے۔ جیسا کہ تجھ کو معلوم ہوچکا اور دُوسری صورت میں معنی اس طرح ہیں۔ کہ میں مولی الموالی سے قطب بن گیا یعنی بغیر میرے کسی حق کے اس نے مجھے اس منزلت سے معزز کیا ہے۔ اور اس میں بھی پہلی رمز ہے۔ اور کچھ افادہ زیادت بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ بندوں کا کسی چیز کے لئے کوئی حق نہیں ہے وہ محض بغیر کسی وجہ کے سبب اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ہے۔ اور یہی صحیح عقیدہ ہے۔ اے میرے بھائیو! اس تعلق میں کئی ایک رموز ہیں۔ اس کا مختصر اشارہ حصول کی فنا کی طرف ہے۔ جو طریقت کے قاعدہ پر بقا کو مستلزم ہے۔ اور تیسری صُورت میں دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ قلم سے متعلق ہو اور اس کی تقریر پہلے گزر چکی ہے۔ اور اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف ظلی طور پر اشارہ ہوگا کہ وہ ایک وحی ہے۔ جو وحی کی جاتی ہے۔ پس آپ کے تمام معلومات علم آلی قدسی کے سوجوں سے مقتبس و ماخوذ ہیں اور دوسرا یہ کہ یہ درس سے متعلق ہو تو اس صُورت میں ضروری ہے۔ کہ تعلق میں ہمارے قول تمکنا کی طرف منتقل ہو یعنی میں نے مولی الموالی سے تمکن کی حالت میں پڑھا۔

البلاغت :۔ ماضی کے صیغہ سے کئی ایک نکات کی طرف اشارہ ہے۔ جو کئی دفعہ گزر چکے ہیں ہم ان کا اعادہ نہیں کریں گے کیونکہ تو تکرار سے بے نیاز ہوچکا ہے۔ پھر اس جملہ کے لانے میں ایک اور اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ سالک جو چاہتا ہے۔ کہ بقا کے شہر کو دیکھے ضروری ہے کہ اس کے پاس درس اور تعلم کا خروج ہو کیونکہ علم کے فوائد ہر نفلی عبادت سے افضل اور بزرگ ہیں۔ بلکہ تو جب دینی علم سے ناواقف ہو تو اس صورت میں پڑھانا علماء پر فرض ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے۔ کہ ایک آدمی کی تعلیم اس کے ذمہ سے کل فرضیت کے ساقط کرنے کے لئے کافی ہے باقی رہی وہ علم سے ناواقف جماعت تو علم کا طلب کرنا ان پر فرض ہے۔ جیسا کہ حدیث صحیح اور امر صریح میں ہے علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت پر فرض ہے اور اس کے اختلاف کیا ہے۔ کہ علم سے کیا مراد ہے۔ تو بعض نے کہا علم توحید ہے کیونکہ وہی ہر علم پر مقدم ہے اور کہا گیا ہے۔ نماز روزے اور حیض و نفاس کا علم اور کہا گیا ہے کہ علم سے مراد دلوں کا علم ہے۔ کیونکہ وہ فعل کی ابتدا ہے۔ اور اس کے بگاڑ کے ساتھ فعل کا فساد ہے۔ اور میری عمر کی قسم یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ دلوں کا علم ہر فرد کے لئے نہیں ہے۔ اور حال یہ ہے۔ کہ واجب حدیث میں عموم ہے۔ جیسا کہ اس کا لفظ کل تقاضا کرتا ہے۔ اسی طرح کہا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں ہر شخص کا دل اس کے حال پر ہے۔ پس عموم جائز ہے اور کہا گیا ہے۔ مراد مطلق علم نقہ ہے۔ اور میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں یہاں ایک پوری تحریر اور تقریر عام اجمالی طور پر ضروری ہے۔ کیونکہ تفصیل اچھے بیان کی طاقت سے باہر ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ضروری ہے۔ کہ یا تو علم سے مراد علم معاملہ ہے۔ پس حق یہ ہے۔ کہ کہا جائے علم سے مراد ہر وہ چیز ہے۔ جو عقیدہ یا عمل کے لحاظ سے ضروری ہے جیسے

عباٰدات اور بیوع اور نکاح وغیرہ جو کہ ہر عام و خاص مومن کے لئے فرض ہی ہے۔ اور مختصر یہ ہے کہ اس سے مراد علم شریعت و احکام اصول و فروع اور ان کے توابع علم اخلاق و آداب اور جو ان کے برابر ہے سب مراد ہے۔ اور یا یہ کہ اس سے مراد علم مکاشفہ ہو بس اسکی فرضیت اس پر مبنی ہے کہ مکاشفات ہی سے اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ اور وہ واجب ہے اور درست یہ ہے۔ کہ اس سے مراد علم الٰہی ہے۔ جو اللہ کی طرف پہنچانیوالا ہے۔ اور عام ہے اس سے کہ معاملہ ہو یا مکاشفہ اس مختصر قدر کو محفوظ رکھ اور علم کے لئے درس کے اثبات میں کئی ایک رموز ہیں۔

پہلی یہ ہے۔ کہ وہی اصل ہے۔ سالک کو چاہئیے کہ اس کو نہ چھوڑے اگرچہ وہ عشقی شعاعوں کے ورود کے وقت میں ہو اور خیال کرتا ہو کہ درس وغیرہ سے اشتغال حجاب ہے کیونکہ یہ صرف ابتدائے امر میں ہے۔ اور وہ تخیلی شہودی ہے اس کا کوئی اصل نہیں ہے اور حق یہ ہے۔ کہ وہ حق سے حجاب نہیں ہے۔ اور دوسری رمز یہ ہے۔ کہ یہ جو مشہور ہے کہ علم حجاب اکبر ہے یہ علی الاطلاق نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس آدمی کے لئے ہے۔ جس کی نیت صادق نہ ہو یا اس کو انتہائی کمال سمجھتا ہو حالانکہ اس کے آگے بھی اتنے کمالات ہیں۔ کہ جن کو پوری طرح گنا بھی نہیں جا سکتا پھر جس نے کہا کہ علم حجاب ہے۔ وہ حقیقت کو نہیں سمجھا کیا تو اللہ تعالیٰ کے قول کی طرف نہیں دیکھتا کہ آدم علیہ السلام تمام نام سکھائے اور اللہ تعالیٰ کے قول کی طرف کہ نہیں برابر ہو سکتے جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے اور اسی طرح کی اور بھی آئتیں قرآن مجید میں علم کے درجہ اور اس کی فضیلت کو بیان کرنے کے لئے موجود ہیں اور ابوامامہ باہلی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا ایک ان دونوں میں سے عابد ہے۔ اور دوسرا عالم ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ آدمی پر پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور آسمانوں اور زمینوں والے یہانتک کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور یہانتک کہ مچھلی پانی میں لوگوں کو بھلائی یعنی علم سکھانے پر رحمت کرتے ہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ”اور اللہ تعالیٰ سے اس کے عالم بندے ہی ڈرتے ہیں“ اور مختصر یہ ہے کہ اس باب میں اتنی احادیث ہیں۔ کہ جن کا اختصار کے ساتھ گننا بھی ممکن نہیں ہے۔ اور تیسری رمز یہ ہے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ باوجود اپنے ظاہر و باطن میں ایسا کامل ہونے کے کہ آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ آپ علم اور علما اور طالب علموں کی شریعت محمدیہ روز بروز اپنے نور پر قائم رکھنے کے لئے بڑے اہتمام سے عزت کرتے پس آپ دین کو زندہ کرنے والے اور شریعت کو نیا کام کرنے والے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس امت میں ایسے آدمی پیدا کرے گا۔ جو ہر سو سال کے بعد شریعت کی تجدید کریں گے۔ پس یہی مجدد ہے جو کہ قطب شریعت ہوتا ہے۔ تو اس صورت میں آپ کے قول کا معنی کہ میں نے علم پڑھا تھا یہانتک کہ میں قطب ہو گیا۔ یہ ہوگا کہ میں نے علم سیکھا اور کمال طرح پر تعلیم کا حق ادا کیا یہانتک کہ میں قطب اور دین کے لئے مدار ہو گیا۔ تو مجھے اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن تک ہر عالم و متعلم کا رئیس بنایا ہے۔ اور میری قطبیت کے لئے نہ معزولی نہ زوال پس میں علم کا قطب ہوں پھر جو شخص علم اور اس کی زیارت کو چاہے اس کے لئے لازم ہے۔ کہ میرے اسماء کے دامن سے تعلق رکھے اور میری ہدایت و راہنمائی کے اقدام سے تمسک کرے یہ کتاب ہے۔ جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے۔ اسی لئے روایت کیا گیا ہے

کہ جو آدمی اس قصیدہ حمیدہ کو مغرب کی نماز کے بعد پڑھے پہلے دو رکعت نفل پڑھے ہر رکعت میں الحمد للہ ایک مرتبہ اور قل یایها الکافرون اور قل ھو اللہ احد دونوں گیارہ مرتبہ پھر سلام کے بعد شیخ کی جناب کی طرف پورے حضور سے توجہ کرے پھر تین مرتبہ اس قصیدہ کو پڑھے لیکن اول و آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر گیارہ مرتبہ درود پڑھے پھر علم کی یا اور کسی حاجت کی دعا کرے تو یقیناً اس کی دعا اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے ضرور قبول کی جائے گی پس تمام تعریف اللہ رب العالمین کے لئے ہے اور درود ہو اللہ کے نبی سید المرسلین پر اور انکی آل اور صحابہ پر اور شیخ اجل سید محی الدین رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا پر پھر درس پر قطبیت کی تفریع میں کہ درس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کئی ایک عوض ہیں جو معلم کو مرتبہ عالیہ اور درجہ متعالیہ پر پہنچاتے ہیں اور سعادت کے پانے کے عطف میں بھی یہی پہلا اشارہ ہے اور یہ کہ درس ظاہری و باطنی سعادتوں کی بنیاد ہے اور اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں اور احادیث میں آیا ہے۔ کہ علم دنیا کی بزرگی ہے۔ اور آخرت کی زینت پھر اس کی تکمیل آپ کے قول من مولی الموالی میں کئی ایک قرب کی طرف اور معلم مدرس کی صلاحیت کی طرف رموز ہیں۔ وہ ایسے مرتبہ پر پہنچا ہے کہ اس کے اور مولی الموالی کے درمیان سے حجاب اٹھ جاتا ہے۔ پس وہ علم جس میں نیت صاف ہو۔ حجاب کو اٹھانے والا ہے اور احتجاب کا ازالہ کرنے والا ہے۔ نہ یہ کہ وہ خود حجاب ہے۔ پس حجاب کی طرف اس کی نسبت جاہلوں سے بعید بینی اور الحاد ہے۔ اور اہل صفا سے اس طرف اشارہ ہے۔ کہ متعلم کے لئے سچی نیت اور اس کے نزدیک غرور کی نظر کا اٹھ جانا ضروری ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا میں تجھ کو نعمتوں میں سے کسی چیز کا احسان نہیں جتاتا لیکن میں تجھ پر اس کا احسان رکھتا ہوں جو میرے قول نے تجھے فائدہ دیا" اور تجھ کو وہ چیزیں سکھائیں جو تو نہیں جانتا تھا" اور خلیل علیہ السلام سے فرمایا میں تجھے خلت وغیرہ نعمتوں کا احسان نہیں جتاتا لیکن اس بات کا احسان جتاتا ہوں کہ میں نے تجھے علماء سے مجالست کی توفیق بخشی اور یہ تمام مضمون "کفایۃ شعبیہ" میں ہے علم اور علماء کی یہ شان ہے پھر ان بیوقوف جاہلوں کا کیا حال ہے کہ یہ علماء سے بھاگتے ہیں یہ لوگ گمراہی اور راہ دیں پریشان پھرتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ میری امت پر ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ علماء سے اس طرح بھاگیں گے جیسے گدھے سانپ سے بھاگتے ہیں پھر علم کے مطلق رکھنے میں یہ اشارہ ہے کہ وہ علوم جو علم دین کے لئے شرط کی طرح ہیں ان کی تعلیم میں کوئی حرج نہیں ہے اور اسی لئے شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے صرف و نحو وغیرہ پڑھی جن پر فی الجملہ علوم دینیہ موقوف ہیں۔

پھر علم نجوم اور منطق وغیرہ میں مشغول ہونا مکروہ ہے اور اگر بقدر ضرورت مشغول ہو تو امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہ ہو اور اس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے پس اس کو سمجھ پھر کمال کی تعداد میں اس بیت کو لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ علم کے ساتھ مشغول ہونا بھی کمالات شریفہ میں سے ایک کمال ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ باطنی کمال کے ساتھ ساتھ علم میں مشغول ہونے والا نبوت کے سایہ میں مجاہد ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے مشاہدہ کے ساتھ قرب حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ مبلغ بھی ہے اور اس میں جاہل صوفیاء پر رد ہے اللہ تعالیٰ انکو حقیقت کی راہنمائی فرمائے پھر جو شخص جہالت کے باوجود عبادت خانہ میں جا بیٹھے وہ باغی ہے اور اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اسی طرح اپنے آپ اپنی کتاب مسمیٰ "جلاء الخاطر" میں تصریح فرمائی

Scanned by CamScanner

ہے اے اللہ ہمیں حقائق کی راہنمائی فرما اور ہمیں دقائق تک پہنچا تیرے سوا نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے نہ نیکی کرنے کی قوت پھر اپنے رسول نبی امی پر مع ان کی آل اور صحابہ اور تابعوں رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا اپنی رحمتیں نازل فرما۔

بیان شریف: "میں نے سعادت کو پالیا" جب آپ نے اپنے قول وشاؤس السعادۃ قد بدالی کو کہا تو پھر اپنے اس قول سے افادہ کیا کہ میں نے اس سعادت سے وصول کی سعادت کو پالیا اور سعادت سے جو مراد ہے وہ پہلے گذر چکی تو ضروری ہے کہ سابقہ حاصل شدہ وضاحت کے باوجود معنی کو تحریر کیا جائے تو میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کو فضائل تدریسیہ سے مخصوص فرمایا اس میں ظاہر علم کا درس بھی ہے جس پر شریعت غرا کی بنیاد ہے۔ اور ملت بیضاء کی اساس ہے۔ اور آپ کو علم باطن کا افادہ کیا جو کہ وجودات کے اس عالم میں آخری عنایت ہے تو آپ کہتے ہیں کہ میں نے علم پڑھا اور طالبوں کو پڑھایا جو کہ میرے پاس عقیدہ کی صفائی سے آئے اور روشنی طبیعت میری صحبت سے مشرف ہوئے اور انہوں نے علم حاصل کیا اور میں نے اس علم کو صحیح محل پر ودیعت کیا نہ کہ خنزیر کے منہ میں موتی ڈالنے کی طرح کہ وہ علم اور حکمت کو ضائع کرتا ہے۔ اور یہ خصوصیت اس تعلیم و درس پر مرتب ہونے والے آثار سے سمجھ جاتی ہے۔ کیونکہ اچھی زمین میں بیج ڈالنے سے اچھی سبزی پیدا ہوتی ہے جو زمیندار کو پسند آتی ہے اور اس پر بالیاں لگتی ہیں۔ ہر بالی میں سو دانہ ہوتا ہے۔ پھر اس کو کئی گنا زیادہ بڑھا دیتا ہے اور جب بیج نکمی زمین میں ڈالا جائے تو اس کی سبزی نکمی برآمد ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے شیخ اجل رضی اللہ عنہ کو تعلیم کے دستور کے مطابق تعلیم سے مشرف فرمایا اسی لئے آپ ملکوت میں "نور عظیم" سے پکارے گئے شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے جلاء الخاطر میں فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے۔ کہ حدیث میں ہے۔ کہ جس نے علم حاصل کیا اور سکھایا اور اس کے مطابق عمل کیا تو وہ ملکوت میں "عظیم" پکارا جاتا ہے۔ اور وہی عالم ربانی ہے۔ اور ایک اور قصیدہ میں فرمایا۔ "اور میں اپنی ہمت کی وجہ سے نور عظیم سے پکارا گیا ہوں" اور شیخ اجل نے اپنے قصائد میں نص فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیخ اجل کو علوم لدنیہ سے مشرف فرمایا ہے یہاں تک کہ اس سے علم کا ہر دروازہ ایسا ہے جیسا کہ زمین و آسمان کے درمیان فاصلہ اور ایک اور قصیدہ میں فرمایا۔

السکر راحی وذکر الحق مطلوبی وقبلتی وجہ حبی فی الغیاستی جامعی مجلسی الدرسی ومنبری فکری والعلم مکلوبی۔

یعنی میری ہر تمنا اور ہر حاجت کامل ظاہراً و باطناً وصول کلی ہے پس میں درس کے ساتھ تو اپنے آقا کے زیر سایہ خدا تعالیٰ کے پیغام پہنچاتا ہوں اور محبت اور شراب عشق سے انسانی صورت کی کیفیتی کی گہرائیوں سے کمال کی چوٹی تک ترقی کرتا ہوں پس اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ہر علم میں زیادہ کیا ہے جیسا کہ ایک اور قصیدہ میں ہے۔ "اور کوئی ایسا علم نہیں ہے جس کے سمندروں پر میں وارد نہ ہوا اور کوئی نقل ایسی نہیں جو میری صحیح روایت سے نہ ہو" یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ تمام اچھے علوم اور بلند معارف کا مالک بنا دیا ہے۔ یہاں تک کہ میں علوم عیسویہ اور موسویہ کے اسرار پر بھی واقف ہوا ہوں اور اس طرف آپ نے ایک اور قصیدہ میں اشارہ فرمایا ہے

شممت من الانجیل صبحا بسبعۃ ۔۔۔ بہم نال عیسیٰ من مقامی دو نعتی
قرأت من التوراۃ نسخا بحضرۃ ۔۔۔ بتین علی موسیٰ فلن یتثبت

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کو کمالات و اسرار کا مخزن بنایا اور اسکے خلقت کو حصہ دیا پس شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے درس اور اظہار سے علوم پڑھائے بعض پر ظاہری علوم کا افاضہ انکی طاقت اور استعداد کے موافق کیا اور بعض پر ان کے حوصلے کے اندازہ اور نشاۃ کے بطون کے مطابق اسرار باطنیہ اور اطوار معنویہ کے علوم کے فیض کے بادلوں سے بارش برسائی پس معنی یہ ہوئے کہ میں نے علم ظاہر اور باطن پڑھا۔ یہانتک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قطبیت کے مرتبہ اور تمام مخلوق کے لئے حقائق میں نیابت محمدیہ علی صاحبہا الصلوات کی حیثیت سے درجہ ہدایت سے مشرف فرمایا اور میں بہت کامیابی پر فائز ہوا یعنی مولی الولی کے وصول کلی پر یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اجرت کے معاوضہ میں وہ کچھ عطا فرمایا کہ ممکن نہیں ہے۔ کہ اتنا کوئی اور دے سکے بلکہ وہ مولیٰ الموالی کی طرف سے ہے۔ تو اس صورت میں یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہوگا کہہ دو میں اس پر کوئی مزدوری نہیں مانگی۔ میری مزدوری اللہ پر ہے؟ اور اس صورت میں اس میں یہ اشارہ ہے کہ علماء کی اجرت کسی آدمی کی طاقت میں نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے ہے اور اس طرف بھی کہ علماء کو چاہئے کہ اللہ کے لئے درس دینے کی اجرت میں اللہ تعالیٰ ہی سے التجا کریں۔ نہ کہ بادشاہ کی طرف اگرچہ مسئلہ کی حیثیت سے بادشاہ پر واجب ہے کہ عالم مدرس کو مثلاً پانچ درہم کی مقدار عطا کرے اور طالب علموں کو اس سے کم اتنا کہ انکی خوراک اور لباس اور ضروری وجوہات کے اخراجات کو کافی ہو جائے اور اس طرف بھی کہ تمام مخلوق پر لازم ہے کہ علماء کی خدمت کریں میں نے فقہ کی ایک کتاب میں ایک مسئلہ دیکھا ہے کہ وہ عالم جو علم کی تبلیغ پر قائم ہے۔ اگر بادشاہ اس کو تنخواہ نہ دے تو ضروری ہے۔ کہ لوگ اپنی جانوں پر اپنی استعداد کے مطابق علماء کے خرچ کا بوجھ ڈال کر پڑھیں۔ اور اس کو اپنی جانوں پر تقسیم کرلیں یہی حق ہے اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے اس کلام عزیز سے مفہوم ہوتا ہے۔ الا افضل یہ ہے کہ علماء مطلقاً اپنی نظر مخلوق سے اٹھالیں اور اپنے چہرے کی توجہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں کی طرف پھیریں کہ وہ بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔ اور تیرے رب کا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے اور اسی لئے جلاء الخاطر میں کہا ہے کہ یہ مجرب ہے۔ پرہیزگار صالح لوگوں نے اسکا تجربہ کیا ہے پس پوری فضیلت اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع

مناجات: اے اللہ مجھے علم اور درس پر میری قوت کو زیادہ کر یہاں تک کہ میں تیری طرف سے معنوی اور صوری بعلو پر کامیاب ہوجاؤں اور مجھے ان لوگوں سے بنا جو تجھ سے طلب کرتے ہیں تو تو ان کو پسند کرتا ہے۔ اور تجھ سے مانگتا ہے تو تو اسکو راضی کرتا ہے۔ میں تجھ سے ایسا علم مانگتا ہوں جو عمل صالح سے متعارن ہو اور مجھے ایسے اعمال عطا فرما جو اس دنیا کی زندگی میں وصول حقیقی اور قرب کا نتیجہ پیدا کریں۔ اور بحرمت رسول ہادی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے میری مراد پر پہنچا۔ اور مجھے وہ چیزیں سکھا جن کا مجھے علم نہیں ہے اور تو جانتا ہے جو میرے نفس میں ہے اور میں تیرے دل کی بات نہیں جانتا پس مجھے علم میں زیادہ کر اور میرے مدرسہ قادریہ کو علماء و فضلاء و صلحاء کا مورد بنادے اور جو آدمی اس مدرسہ قادریہ میں داخل ہوں انہیں کمالات علمی و عملی پر فائز فرما اور مجھے اس مدرسہ میں وعظ اور درس اور طریقہ قادریہ کے حقائق کی طرف وصول کی طرف توفیق عطا فرما جیسے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا سے مقرر ہے۔ اور مجھے مومنوں کے دلوں میں محبوب بنادے اور مجھے اکیس تیس سال معافی اور تندرستی اور وعظ و ایقاظ اور ہدایت اور راہنمائی کرتے میں پہنچا اے زمین و آسمان کے رب بحق لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

Scanned by CamScanner

قصیدۂ حمیدیہ خمریہ مبارکہ شریفہ کے سمندروں میں سے چوبیسویں موج

(۴۴) رِجَالِیْ فِیْ ھَوَاجِرِھِمْ صِیَامٌ ۔ وَفِیْ ظُلَمِ اللَّیَالِیْ کَاللَّآلِ ۔!

رِجَال بکسر راء جماعت اور سوار کے مقابلہ میں ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی اس سے طاقتور مراد لیئے جاتے ہیں کہا جاتا ہے رَجُل یعنی وجولیت میں کامل یعنی مردانہ رجولیت اور بالضم مردانگی و مردی اور اس مقام میں مراد مرید ہیں یا وہ اولیا جو آپ رضی اللہ عنہ کے تابع تھے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض مشائخ علی بن ہیتی اور ابو سعید قیلوی اور ماجد الکردی قدس اللہ اسرارہم شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے دامن کو اٹھاتے اور بعض ان میں جھاڑ دینے کے بعد پانی کا چھڑکاؤ کرتے اور اپنے نفس رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کی یاء ہمارے قول کی طرف اشارہ کررہی ہے۔ اور یہ نسبت بہترین شرف ہے۔ ھَوَاجِر جمع ھجیرہ یا ھاجرہ گرم جگہ یا دوپہر کی گرمی یا میدان جنگ تلویح کے حواشی میں کہا ہے۔ کہ جمع میں قیاس ھَوَاجِیْر تھا لیکن یا کو تخفیف کے لئے حذف کردیا گیا ہے۔ صدر الافاضل نے "ضابط السقط" میں کہا ہے کہ دن کا ابتدائی حصہ فجر ہے اور اس کے بعد صباح پھر غداۃ پھر بکرہ پھر ضحیٰ پھر ضحوۃ پھر تہجیر پھر ظہر پھر رواح پھر مساء پھر اصیل پھر عشاء اول پھر عشاء آخر اور ان کی مراد عنقریب بیان ہوگی۔ صِیَام یا تو یہ صوم کی جمع ہو۔ تو حمل یا تو مبالغہ کے لئے ہو یا ذو کے اعتبار سے یا یہ کہ وہ مفرد ہو جیسا کہ لغت کی کتاب میں ہے اور وہ ہر وہ چیز ہے۔ جو کھانے یا کلام سے روکنے والی ہو اور اس صورت میں اتحاد مع الظلم ظُلَم بالضم ظلمت کی جمع ہے۔ تاریکی خلاف نور اور ظلمہ کی جمع ظلمات و ظلام بھی ہے اللیالی لیلۃ کی جمع ہے، یعنی ایک رات اور آج کی رات زیادہ صحیح قول کے مطابق اس کا اصل لیلی تھا اور جمع لیلۃ اللیل بھی آتی ہے۔ اور لیل یعنی رات اور اللآلی لؤلؤ کی جمع ہے اور وہ ہر حیثیت سے اس طرح کا صاف موتی ہے۔ جس میں کوئی کدورت اور غبار کسی طرح کا غبار نہ ہو۔

نحو:۔ رِجَالی مبتدا مضاف ہے۔ اس کی خبر آپ کا قول صِیَام ہے اور حمل کی توجیہ ایک طرح سے تو پہلے بیان ہوچکی ہے اور دوسری وجہ میرے دل میں یہ آرہی ہے۔ کہ آپ کا قول فی ھواجرھم آپ کے قول صیام کی خبر ہے اور وہ دوسرا مبتدا ہے اور یہ جملہ آپ کے قول رجالی کے متعلق ہے۔ اور معنی یہ ہے۔ کہ میرے رجال کی یہ کرامت ہے۔ یعنی ان فی ھواجرھم صیام یعنی ان کے لئے گرمی کی شدت میں روزے ثابت ہیں کہ جس میں انسان ہلاک ہونے کے قریب ہوجاتا ہے۔ اور وہ ان میں ہمیشہ روزہ رکھنے کی پرواہ نہیں کرتے اور آپ رضی اللہ عنہ کی مراد کو اللہ ہی خوب جانے پھر ہواجر کی اضافت ضمیر کی طرف یا تو ادنیٰ ملابست سے ہے۔ اور یا بتقدیر مضاف یعنی ھواجرایامھم پس اس کو سمجھ اور ظلم کی اضافت لآلی کی طرف یا تو بمعنی لام ہے۔ یا صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے اور ظلم یعنی ظلمت ہے جیسا کہ سید سند نے قطبی کے حاشیہ میں اس کو نص سے بیان کیا ہے۔ اور آپ کے قول وفی ظلم اللیالی میں واو خبر سابق پر عطف کے لئے ہے اور ظلم کی اضافت لیالی کی طرف یا تو اس افادہ کے لئے ہے۔ کہ ان اندھیری راتوں میں جاگنے میں نفس کی کوئی تمنا نہیں ہے پھر جب چاند رات ہو تو بہت دفعہ بیدار ہونے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اس کی روشنی سے بھی نفس کو مقصد ملتا ہے۔ یا اس افادہ کے لئے ہے۔ کہ میرے رجال کو نصف رات میں بیداری ہے کیونکہ وہ عموماً عدم انیس یا جلیس کے سو جانے کی حیثیت سے

اندھیرنا ہوتی ہے کاللآلی کا کاف ان کے دلوں کے چہروں پر عدم غبار میں یا قیمت کے اعتبار سے یا قیمت میں مہنگا ہونے کی حیثیت سے کاف تشبیہ کے لئے ہے۔ اور باقی کلام عنقریب بلاغت میں آجائیگی اور اگر کہا جائے کہ آپ کے قول رجالی کی خبر آپ کے قول صیام کے بعد وہ موتیوں کی طرح ہے۔ اور فی ظُلَم محذوف کے متعلق ہوا ہے یعنی رجال اپنی راتوں میں جاگے ہوئے ہونے کی حالت میں موتیوں کی طرح ہیں تو یہ توجیہ بھی اچھی ہے اور اس حذف پر قرینہ ظاہر ہے فتدبر۔

البلاغت:۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے حال کے ساتھ متصل ہی رجال کے احوال کو بیان فرمایا ہے۔ یا تو اس طرف اشارہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ پر عنایات ازلیہ صرف مرتبہ ہدایت پانے پر ہی مقتصر نہیں ہوئی بلکہ اس نے مرتبہ ارشاد (رہدائیت دینے) کی طرف بھی تجاوز کیا ہے۔ پس آپ کے لئے ولایت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ظل نبوت احمدیہ علی صاحبہا الصلات والتحیات ثابت ہے۔ اور اس میں یہ رمز بھی ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے مریدوں کو آپ کی نسبت خاصہ سے حقہ اور نصیب ہے اور یہ بادشاہ کی اپنے لشکروں پر پوری سخاوت ہے۔ کہ وہ ان پر وہی کچھ تقسیم کرے جو کہ وہ کھاتا ہے اور اس میں ایک اور رمز ہے۔ اور آپ کے مریدوں کا دوسرے اولیاء کے مریدوں کی نسبت سے اس حیثیت سے اعزاز ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے مریدوں کے مراتب کی ترقیات دوسرے اولیا قدس اسرارہم خدام کی نسبت سے بلند تر ہیں ان ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض کو بعض پر درجات میں فضیلت بخشی ہے پھر رجال کے لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ مرتبہ اس آدمی کے لئے ہے۔ جو آپ رضی اللہ عنہ کے آداب کو ملحوظ رکھے اور نخوت کے گھوڑے سے نیچے اتر آئے اور بادشاہ عزیز وغفار کے سامنے محتاجی اور عاجزی کے قدموں سے پیدل چلتا ہوا آجائے اور آپ جمع لائے یہ اس طرف اشارہ ہے۔ کہ یہ مرتبہ کسی فرد کے ساتھ دوسرے افراد میں سے خاص نہیں ہے۔ بلکہ ہر اس آدمی میں پایا جاتا ہے جو آپ کے رجال سے ہو جائے اور اس میں ایک اور رمز بھی ہے۔ اور ہر طالب کے مطالب عالیہ اور مراتب متعالیہ تک پہنچنے کی طرف اشارہ ہے۔ بغیر کسی شخص کے دوسرے اشخاص سے تفرقہ کے اور یہ افادہ ہے۔ معرفہ کی طرف جمع کے مضاف ہونے کا۔ اس کے استغراق کے لئے ہونے کی صورت میں اور اگر اضافت عہد کے لئے ہو تو جائز ہے کہ رجالی سے مراد جماعت مخصوصہ معہودہ ہو۔ اور یہ وہ جماعت ہے کہ ان میں سے ہر ایک فرد آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے اخلاق سے متخلق ہے۔ اور ہر ایک کے لئے ایک جہت ہے کہ وہ اس کی طرف منہ پھیرنے والا ہے پھر آپ نے ہواجر اختیار فرمایا ہے۔ حالانکہ روزہ تمام دن پر محیط ہوتا ہے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے۔ کہ گرمی کی شدت نصف یوم میں ہوتی ہے۔ پس وہ گرمی کی شدت کے باوجود اپنے روزوں پر ثابت ہیں اور دوپہر کی گرمی کی کسی طرح بھی پرواہ نہیں کرتے پھر آپ نے ہواجر کو ضمیر رجال کی طرف مضاف کیا ہے۔ یہ اشارہ ہے۔ کہ ان میں سے ہر ایک میں گرمی کی خصوصیت کا وجود موجود ہے۔ یہ نہیں کہ بعض میں گرمی پائی جاتی ہے۔ اور بعض میں نہیں اور یہ اس طرف اشارہ ہے۔ کہ ساری کی ساری قوم ہواجر کی سختیوں میں برابر ہے۔ پس ان میں سے کوئی بھی دوپہر کی گرمی کو دوائی سے یا ٹھنڈی جگہوں سے ٹھنڈا کرنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ اسی حالت میں قائم ہیں روزے دار ہیں اور اگر چہ ان کے سوا دوسرے لوگ اس گرمی کی شدت سے اسباب کی وادیوں میں پریشان پھرتے ہیں اور وہ حیران ہیں۔

پھر جمع کا جمع سے مقابلہ احاد کے احاد پر تقسیم ہونے کا تقاضا کرتا ہے پس ہر ایک آدمی کے لیے دوپہر ہوگی اور ہر روزے کے لئے علیحدہ علیحدہ گرمی اور شدت ہوگی اور اس میں بھی مذکورہ امر ہے پھر آپ نے بیان کے لیے رات کے اندھیروں کو خاص کیا ہے یا تو اس وجہ سے جو پہلے گذر چکی ہے اور یا اس لیے کہ میرے مردوں پر انوار وصفوت وارد ہوتے ہیں تو وہ اندھیروں کو دور کر کے روشنی کر دیتے ہیں یہاں تک کہ ان کے نفسوں میں سے ہر نفس چمکیلے موتیوں کی طرح روشن ہوتا ہے اور چمکتا ہے اور رجال کو موتیوں سے تشبیہ دیتے ہیں اس طرف اشارہ ہے کہ نفس انسانیہ کہ جس پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ ابتدائے پیدائش میں صاف اور روشن تھا جب کہ حدیث صحیح اس کو بیان کر رہی ہے کہ کوئی بچہ نہیں ہے مگر وہ فطرت اسلامیہ پر پیدا کیا جاتا ہے" پھر جب اس کا حال بشری رسوم سے جو کہ ضلالت کے غبار اللہ تعالٰی کے قول "پھر ہم نے اس کو سب سے نیچے لوٹا دیا" کے مطابق گھر ردّ ہو جاتا ہے سے ملتا ہے جب کہ حدیث مذکور کے تتمہ میں اس کی صراحت ہے کہ "پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بناتے ہیں یا عیسائی بناتے ہیں یا مجوسی بناتے ہیں" تو گندہ ہو جاتا ہے اور نیچے گر پڑتا ہے اور باپ اور ماں سے مراد یہ تو ظاہری ماں باپ ہیں جب کہ وہ دین اسلام کے مخالف ہوں اور یا شیطان خناس مراد ہے جو لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور خواہش جو قادر مختار کی تقدیر میں تنازع کرتی ہے۔ اور حدیث قدسی میں اسی طرف اشارہ ہے کہ میری مخلوق میں سے خواہش کی طرح مجھ سے کسی چیز نے جھگڑا نہیں کیا لیکن جب وہ اللہ تعالٰی کے قول کے مطابق کہ جن لوگوں نے ہمارے متعلق کوشش کی ہم ضرور ان کی راہنمائی کریں گے" مجاہدہ کو پسند کر لیتا ہے تو اللہ اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے راہنمائی فرماتا ہے۔ پھر وہ سے صفوت اسرار کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس میں اصلی جواہر اور معقیق عنصر ظاہر ہوتے ہیں پھر اس کی صفائی دن بدن بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کو اس موتی سے مناسبت حاصل ہو جاتی ہے جس میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی ہزار سال تک رکھا گیا ہے کیونکہ ہر چیز کا رجوع اس کے اصل کی طرف ہوتا ہے اور ہر فرع کا کمال اصل کے ساتھ پہلے سے ہی ہے کیونکہ وہ اس کی نسل سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی پیشانی چمکتی ہے اور اس کا یقین روشن ہوتا ہے جب کہ اللہ تعالٰی کے قول میں ہے کہ سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں میں ان کے نشان ظاہر ہیں اور جنت والوں کے بیان میں آیات کریمہ میں ہے موتی ہیں چھپے ہوئے اور لڑکے ہیں ہمیشہ رہنے والے پس نور پور انور مجاہدہ کے ساتھ صفائی میں ہے اور اس صورت میں اس نسبت میں اشارہ ہے تصفیہ کے حصول اور انکدار سے فراغت اور آلودگیوں سے انخلاع اور اسرار سے آراستگی اور انوار سے روشنی کی طرف اور یہ تصفیہ بہت دفعہ ان ریاضتوں کا محتاج ہوتا ہے جو شریعت مصطفٰے اور ملت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کے قانون سے ثابت ہیں تو اس صورت میں اس بیت میں اجمالی اشارہ ہے اتباع محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو اصول احدی کا نتیجہ پیدا کرتی ہے اللہ تعالٰی اس کے صاحب پر اپنی رحمت نازل فرمائے (آمین)۔

افادہ اجمالیہ ضروری ہے کہ معلوم کیا جائے کہ وہ ریاضتیں جو شریعت سے ثابت ہیں بہت سی ہیں۔ ان کو اشغال و اعمال میں ضبط نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ وہ منقسم ہیں فرائض کی طرف

اور وہ ایمان کے بعد منقسم ہیں۔ امر و نہی کے اقسام کی طرف پھر اوامر بعض ان میں سے عبادات ہیں۔ جیسے نماز اور روزہ اور حج اور زکوٰۃ اور بعض ان سے معاملات ہیں اور وہ ہیں جیسے بیع و شرا ایسے طریقہ پر کہ اس کا کرنے والا سود اور باطل طریقہ سے مال لینے سے پاک صاف رہے۔ اور جو نواہی ہیں۔ وہ بھی یا تو عبادات میں ہیں۔ جیسے نماز میں بولنا اور روزے میں جماع کرنا اور زکوٰۃ ادا نہ کرنا اور یا معاملات میں ہیں۔ جیسے سود اور ان کی مثل اور مختصر بات یہ کہ ایمان کے بعد پہلا فرض حرام کا چھوڑنا اور رب العزت کہ وہی علیم و علام ہے۔ کی عبادت میں مشغول ہونا ہے۔ اور اس میں تفاصیل ہیں۔ جو اپنے مقام پر مذکور ہیں ہم اس مختصر کو ان کے بیان سے لمبا نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ ہر علم کے لئے مخاطب اور کلام ہوتے ہیں۔ اور نوافل کی طرف اور وہ بھی عبادات و معاملات ہیں۔ جیساکہ جمہور اہل علم و حضور کے نزدیک مشہور ہے۔ اور ان میں سے زیادہ طاقت ور وعزیمت کی طرف زیادہ صعود کرنے والی ہے۔ کیوں کہ رخصت بچوں اور عورتوں کا حصہ ہے۔ اور عزیمت بہادروں کا شعار ہے۔ جیساکہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب مسمیٰ بہ جلاء الخاطر میں اس کی تصریح کی ہے۔ پس نفس امارہ جو سرکش گھوڑے کی طرح ہے۔ اس عزیمت سے نرم ہو جاتا ہے۔ اور ادب حاصل کرتا ہے۔ اور نفلی نماز اور نفلی روزہ اور رات کا جاگنا ان جملہ امور میں سے ہیں جن سے یہ گھوڑا ادب حاصل کرتا ہے۔ اسی لئے اس کو بعض اولیاء نے پسند کیا ہے۔ یہاں تک کہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ منصور بن حلاج قدس اللہ سرہ ہر روز پانچ سو رکعت نفل پڑھا کرتا تھا اور سری سقطی قدس اللہ سرہ العزیز اپنے دن میں ہزار رکعت پڑھا کرتے تھے۔ اور اس کے باوجود وہ اپنی دوکان میں بیٹھتے اور ان چیزوں کی خرید و فروخت کرتے جن کی آپ کو تجارت میں عادت تھی۔ اللہ اسمہ پاک ہے۔ اس فرقہ قدسیہ کی کیا شان ہے۔ کہ ان کی عادت تھی نفوس کو ذبح کرنا اور مصیبتوں اور تیوریوں اور مایوسیوں کو برداشت کرنا اور یہ لوگ اپنے خون کے پیالے پیتے تھے۔ اور مجاہدہ کی صحبت میں جسموں اور سروں کو کاٹتے تھے۔ پس یہی لوگ دلہنوں کی طرح حسرۃ اور خسارے کے دن بادشاہ احسان کنندہ کی مہمانی میں ہوں گے۔ اور ان میں سے بعض نے ہمیشہ کے روزے کو اختیار کیا کیونکہ روزہ نفس پر ہر چیز سے زیادہ سخت ہے۔ کیوں کہ وہ تمام لذتوں سے رک جاتا ہے۔ یعنی کھانے اور پینے اور جماع سے بلکہ وہ ہر ایک مادہ کو کاٹ دیتا ہے۔ اور اس کی تمام عادتیں صاف ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ شرفت میں سے سرداروں کی جماعت کی یہی عادت تھی۔ اور باقی رہا ہے۔ حج اور زکوٰۃ پس چوں کہ ان کا وجود مال کے اجتماع

پر مبنی ہے۔ اور حالت یہ ہے کہ مال کا اجتماع ان فقیروں کا شعار نہیں ہے۔ جو ملک دیان کے گھر سے دروازہ کی طرف جاتے ہیں۔ لہذا شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کا ذکر نہ کیا۔ اور نماز میں رات کے قیام کی طرف اشارہ کیا اور اس حیثیت سے کہ آپ نے رات کے اندھیروں میں کھڑا ہونے والے کو موتیوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی طرف اشارہ ہوگا۔ کہ جس کی رات کو نماز زیادہ ہوگی۔ دن کو اس کا چہرہ خوبصورت ہوگا" اور آپ نے روزے کے بیان کو مقدم کیا کیونکہ وہی قیام لیل اور اس کے زندہ رکھنے پر طاقت دینے والا ہے۔ کیونکہ روزے دار فضول کلام اور طعام اور عوام کی صحبت کے اشتغال اور نیند کے غلبہ سے اس حیثیت سے محفوظ رہتا ہے۔ کہ فاقے کی آگ منکدر ظلمات اور حجابات کے کھوٹ کو جلا ڈالتی ہے۔ اور دل کا سونا خالص باقی رہ جاتا ہے۔ اور وہ بادشاہ کی مہر لگنے کا مستحق ہوجاتا ہے۔ پھر وہ بیداری کے بازار میں رائج ہوتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالے کے قول کہ وہ رات کو بہت تھوڑا سویا کرتے تھے۔" اور اللہ کے قول "ان کی کروٹیں ان کے بستروں سے الگ رہتی تھیں" کا مورد بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ فاقہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب چیز تھی۔

وارد ہوا ہے۔ کہ مومن بندے کے لئے اللہ تعالے کی ضیافت یہ فاقہ ہی ہے۔ اور اس کے بیان میں تفصیل ہے۔ جو اس اجمال سے سمجھی جاسکتی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن متواتر چھنے ہوئے جو کی روٹی سیر ہوکر نہیں کھائی اور اہل صفہ رضی اللہ عنہم کے فاقہ کے احوال سے۔ اور مختصر یہ کہ روزہ قرب کے تمام نوافل کو متضمن ہے۔ پہلا یہ کہ روزے دار کو کسی چیز کی لذیذ خواہشات میں سے حرص باقی نہیں رہتی پس وہ مال جمع ہی نہیں کرتا۔ اور دوسرا یہ کہ وہ مخلوق کی طرف مائل نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔ "روزہ میرے لئے ہے۔ اور میں ہی اس کی جزا بنوں گا۔" پس اللہ تعالے کا نور اس کو اپنی طرف پوری طرح کھینچ لیتا ہے۔ اور تیسرا یہ کہ وہ حرام کھانے سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ کیونکہ جس کو اللہ تعالے مباح حلال سے بھی روک رہے وہ حرام کھانے پر کیسے جرأت کر سکتا ہے۔ پس روزہ ہر مفطر مباح سے روزہ ہے غیر حرام کھانے کا شغل بے وقوفی اور جہالت و خیانت ہے۔ اس فعل پہ وہ مومن سبقت نہیں کرتا جسے امین بنایا گیا ہو اور منافق اور اہل جرأت بیان سے خارج ہیں۔ اور چوتھا یہ ہے کہ اس کے دل کا آئینہ صاف ہوجاتا ہے۔ پس وہ

Scanned by CamScanner

شہود حق سے لذائذ کا رزق پاتا ہے۔ کہ اس کی تفصیل بیان سے خارج ہے۔ پس منقصر یہ کہ روزہ خلوت و جلوت کا جامع ہے۔ پھر جس کو اللہ تعالیٰ روزے کی توفیق بخشے پس وہ وصال کی عید کے انتظار میں اے ہمارے رب ہم پر مائدہ نازل فرما کر ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لئے عید ہو جائے پس شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے۔ اس کلام میں قیام رات اور دن کے روزے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جن کی آیات و احادیث میں تعریف کی گئی ہے۔ بعد اس کے کہ اپنے لئے درس علم کا مرتبہ ثابت کیا ہے۔ جو کہ ان کے روزے اور قیام لیل سے زیادہ طاقت ور ہے۔ پس آپ رضی اللہ عنہ کی اس مقولہ شریفہ میں مراد مرادین و مصاحبین حاضرین و غائبین۔ جو کہ موجود ہیں۔ اور جو آئندہ پائے جائیں گے۔ کے لئے اشارہ کہ جو آدمی چاہے: کہ اس کو ہمارے قرب کے دروازے سے مناسبت حاصل ہو جائے تو اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ ان اخلاق سے متخلق ہوتا۔ کہ اس کے قرب اور اچھی جگہ ہو اور یہ اسی طرح ہے۔ جیسے بادشاہ اپنے لشکروں سے کہتا ہے۔ کہ ہماری عادت تو یہ ہے۔ اور جو ہمارے دروازے کا ملازم رہنا چاہے۔ اس کی خصلت ایسی ایسی ہونی چاہیئے۔

پس اے بھائیو! شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے ہر مرید کو ارشاد کیا ہے۔ کہ وہ ان کی خصلت پر ہو۔ اور وہ ہے۔ حرام اور فضول حلال سے روزہ پھر عزیمت کے ساتھ پوری۔ بے داری پھر اگر تم اس پر قائم ہو جاؤ تو تمہارے لئے پورا فیض ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا فضل پہلے مجاہدہ کے ہونے کا تقاضا نہیں کرتا۔ لیکن یہ شاذ و نادر ہے۔ ہزاروں لاکھوں میں سے کسی ایک آدمی کے لئے ہوتا ہے۔ پھر اگر تو کہے۔ کہ اس سے لازم آتا ہے۔ کہ وہ مرید جو روزہ نہیں رکھتا۔ وہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے مخالف ہو۔ پھر حال کیسا؟ تو میں کہوں گا۔ کہ روزے سے مراد اگر یہ ظاہری معنے ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں۔ کہ آپ کی مراد یہ ہے۔ کہ جو روزے پر قادر ہو اور روزے پر قادر نہ ہو۔ یا تو اپنے مزاج کی کمزوری سے یا کسی اور کام درس وغیرہ کی وجہ سے جیسے بال بچوں کے لئے حلال کمائی کہ وہ قوت کا تقاضا کرتی ہے۔ اور وہ غالباً اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ کے مطابق کھانا کھانے کے بعد ہی ہوتی ہے۔ جو کہ طاقت دینے والا ہے۔ تو اس کے حق میں جائز رکھا گیا ہے۔ کہ کھائے۔ لیکن وقت کی حفاظت کرے اور اسی لئے۔

آپنے جلاءوالخاطر میں فرمایا ہے۔ کہ نفس کا بھی حق ہے۔ اور اس کے بیوی کا بھی حق ہے۔ اور اس کی اولاد کا بھی حق ہے۔ تو ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرے۔ جو اس کی حفاظت کے لئے جانتا ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا۔ کہ جب جانور کام کرنے والا ہو۔ یا اچھا سلوک کرتا ہو تو اس کو علامت اور چارہ اس کے اندازہ کے مطابق دیا جاتا ہے۔ اور پھر جب وہ اس طرح کا ہو جائے۔ کہ لوگوں کو تکلیف دے یا گھوڑا سرکش ہو جائے۔ تو اس کو بیکار چھوڑا جاتا ہے۔ اور اکثر اسے چارہ نہیں دیا جاتا۔ اور عموماً یہ ہاتھی میں معائنہ کیا جا سکتا ہے۔ مختصر امر یہ کہ معاملات حالت کے سپرد ہے۔ اگر حالت فاقہ کے مناسب ہو۔ تو طریق واجب یہی ہے۔ اور اگر حالت غذا کی ہو۔ تو اسے غذا دی جائے۔ اور اعتبار پورا اعتبار اسی چیز کا ہے۔ جو فاقہ اور کھانے پر مرتب ہو اگر عمل اور قرب ان دونوں پر مرتب ہو۔ تو دونوں ہی کوئی چیز نہیں ہیں۔ اے عقلمند عزت حاصل کر۔ پس وہ کافر جو نہیں کھاتا۔ اور وہ گنہگار جو نہیں سوتا یا وہ ریاکار منافق جو نماز کا عمل کرتا ہے۔ یہ سب آگ میں ہیں۔ اور وہ لوگ جو حلال کھاتے ہیں۔ اور سو رہتے ہیں۔ جیسے علماء معلمین اور اصفیاء و مبلغین پس وہ جنت میں ہیں۔ وہ اس میں وہ چیز دیئے جائیں گے۔ جو وہ چاہیں گے۔ اور اگر روزہ سے نفس کی خواہش کے لئے نفس کی لذتوں سے رکنا مراد ہو۔ تو ہر ایک کے لئے یہ حکم برابر ہے۔ کہ سب روزہ دار ہوں۔ یا نہ ہوں۔ یعنی وہ لوگ جو مجاہدات شدیدہ کے خیال میں ہیں۔ وہ اپنے نفس کو اس کے تمام خواہشات سے خواہ وہ کھانے پینے کی ہوں۔ یا جماع وغیرہ کے امور کی مراد میں کسی وجہ سے یا تمام دیوعیٰ سے روزے دار ہیں۔ اور اسی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے۔ جو آپ علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے۔ کہ "دنیا ایک دن ہے اور ہمارا اس میں روزہ ہے"۔ یعنی حرام اور مکروہات اور مباحات زائدہ سے بلکہ کسی لحاظ سے حلال مطلق سے بھی اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول سے سمجھا جاتا ہے۔ لاتمدن عینیک الی ما متعنا بہ الایۃ۔ تو اس صورت میں آپ کے قول ہاجالی میں اللہ تعالیٰ کے قول سے اقتباس ہوگا" کہہ یہ میری راہ ہے۔ میں اس کی طرف بلاتا ہوں۔" اور اس میں اشارہ ہے صیام و قیام کے رتبہ کے حصول کی طرف کہ یہ دونوں محبت کے دعویٰ کی بنیاد ہیں۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے۔ جس نے میری محبت کا دعویٰ کیا یہاں تک کہ جب رات نے اس کو ڈھانپ لیا۔ تو مجھ سے سو گیا" اور حدیث اور آیات اور اولیاء سے منقولہ اقوال اس معنی میں بہت ہیں۔ اگر میں اُن کو نقل کردوں۔ تو کلام لمبا ہو جائے۔ اور کتاب کا مطالعہ بھی لمبا ہو جائے۔ اور یہ ایسا امر ہے۔ کہ میں نے اس کتاب عزیز میں اس کو اپنے ذمہ نہیں لیا ہے بلکہ میرے لئے جو کچھ بلا تکلف و کلفت حاضر ہو گیا۔ میں نے لکھ دیا۔ اور جس آدمی کو کتابوں کا احاطہ ہو۔ جو اس مرقوم کے مناسب ہو۔ تو اس پر لازم ہے۔ کہ میں نے لکھا ہے۔ تو اس پر لازم ہے کہ جو میں نے لکھا ہے اس کی تائید کرے۔ اور میرا خیال یہ ہے۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے جو کچھ میرے دل اس تحریر کے وقت میں جذبہ کے ساتھ تجلی فرمائی ہے۔ اس نے مجھے محتاج نہیں چھوڑا۔ خواہ اجمال سے یا تفصیل سے۔ اور اللہ ہی خوب جانتے۔ اور ہر علم والے پر کوئی نہ کوئی علم والا ہے؛

ایضاح مراد:۔ تجھ پر ضروری ہے کہ حاضر ہو۔ تاکہ میں تیرے قبولیت کے کانوں میں کچھ امور ڈالوں۔ پہلا یہ ہے کہ ھواجر سے مراد یا تو ظاہری معنی ہیں۔ پس اس وقت کے ساتھ تخصیص کی وجہ یا تو اس طرف اشارہ ہے۔ کہ سخت گرمی میں پیاس کے غلبہ کی وجہ سے جس کے تحمل پر ابن آدم غالباً ایک دن بھی قادر نہیں ہو سکتا۔ روزہ بڑا سخت ہے۔ مگر جن کو اللہ تعالیٰ اولیاء سے چاہے جیسا کہ ابویزید بسطامی سے روایت کیا گیا ہے۔ کہ آپ نے نفس کو پانی کا ایک گھونٹ بیس سال تک نہ دیا۔ کیونکہ ان کو نفس کے ساتھ عناد

Scanned by CamScanner

اور جہاد تھا۔ اور اسی طرح کا کوئی اور واقعہ بھی شاذونادر بیان کیا جاتا ہے۔ اور یا اس لئے کہ جو شخص اس وقت میں روزے پر قادر ہو اس سے جہنم کی گرمی برداشت کرنا بھی ممکن ہے۔ اگرچہ وہ اس دنیوی آگ سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اور اس میں اس چیز کی طرف اشارہ ہے۔ جو بعض منافقوں کے احوال میں واقع ہوا ہے۔ کہ جب ان کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سخت گرمی کے غزوات کے متعلق کہا تو کہنے لگے۔ کہ ہم گرمی برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ تو ان سے کہا جائے گا۔ کہ جہنم کی گرمی اس سے زیادہ گرم ہے یعنی جب تم اس حرارت کو بھی برداشت نہ کر سکے۔ جو جہنم کی گرمی کی واقع ہے۔ تو تم پر جہنم کی گرمی زیادہ سخت گرم ہو گی۔ اس کے شعلے ٹھنڈے نہ ہوں گے۔ کیونکہ اس کی آگ تو الہٰی آگ ہی سے بجھ سکتی ہے۔ جو کہ دلوں پر چڑھ آتی ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اے مومن گزر جا کہ تیرے نور نے میرے شعلے بجھا دیئے۔ اور یا پھر کنائی معنی ہیں۔ یعنی نفس کی آگ کا غلبہ جو کہ جہنم کی طرح ہے۔ اس کی آگ بھڑکتی ہے اور اپنے ہمسایوں کو جلا ڈالتی ہے۔ اور یہ جہنم بھرتی نہیں ہے بلکہ ہر ساعت ھل من مزید کہتی ہے پھر اس کی آگ نہیں بجھتی مگر جب کہ رب اپنے فضل کا قدم رکھے۔ تو پھر کہتی ہے۔ بس بس پھر وہ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح جوش نہیں مارتی اور اس ستر کے ڈالنے سے پوری طرح بجھ جاتی ہے۔ جیسا کہ آپ کے قول: اگر میں اپنا راز آگ پر ڈالوں۔ تو وہ میرے حال کے ستر سے بجھ جائے کے تحت گزر چکا۔ اور جو لوگ عین اس حرارت میں روزے سے متخلق ہو چکے ہیں۔ اور اس نے ان کے وجود کو جلا ڈالا ہے۔ اور ان کے شہودات سے شغل رکھتی ہے یہی وہ لوگ ہیں۔ جن کی طرف غوثیہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ نے فرمایا اے غوث اعظم میرے کچھ بندے ہیں۔ جو انبیاء و مرسلین کے علاوہ ہیں۔ ان کے احوال پر دنیا والوں میں سے کوئی بھی مطلع نہیں ہے اور نہ کوئی اہل آخرت سے اور نہ کوئی اہل جنت سے اور نہ کوئی دوزخ والوں سے اور نہ مالک اور نہ رضوان اور نہ میں نے ان کو جنت کے لئے پیدا کیا ہے۔ نہ دوزخ کے لئے اور نہ آگ کے لئے اور نہ ثواب کے لئے اور نہ عقاب کے لئے اور نہ حور کے لئے اور نہ قصور کے لئے اور نہ غلمان کے لئے۔ پس مبارک ہو۔ اس کو جو ان پر ایمان لائے۔ اگرچہ ان کو نہ پہچانتا ہو۔ اور فرمایا اے غوث اعظم تو بھی ان میں سے ہے اور دنیا میں ان کی علامات یہ ہیں۔ کہ ان کے اجسام قلت طعام و شراب سے جلے ہوئے ہیں اور ان کے نفس خواہشات سے جلے ہوتے ہیں اور ان کے دل خطرات سے جلے ہوتے ہیں۔ اور ان کے روح گناہوں سے جلے ہوتے ہیں۔ اور وہ اصحاب بقا ہیں۔ جو لقاء کے نور سے جلے ہوتے ہیں۔ اور انتہائی لیکن ضروری ہے۔ کہ تو جانے کہ مراد میرے رجال سے اس صورت میں آپ کے اس مرتبہ میں اقران مراد ہیں۔ یعنی میرے اقران اور میرے اصحاب اور میرے مصاحب اور جائز ہے۔ کہ مریدین بھی مراد لئے جائیں۔ یعنی وہ جو آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی ارادت میں فنا ہو چکے ہیں۔ اور ظلی طور پر آپ رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کی چوکھٹ تک پہنچ چکے ہیں۔ تو اسی صورت میں آپ کے قول فی رجالی میں اضافت عہدہ خارجی کے لئے ہو گی۔ اور چونکہ نائب کا کلام اپنے منیب کے ظل میں جوامع الکلم کے قبیل سے ہے۔ جائز ہے۔ کہ اس سے تمام معانی مراد لئے جائیں۔ جیسا کہ معانی القرآن میں یہ مصرح ہے۔ کہ اس کا بطن کے بعد بطن ہے۔ سات بطنوں تک اور اسی کے ظل میں حدیث ہے کیونکہ " وہ خواہش سے نہیں بولتا۔ بلکہ وہ وحی ہے۔ جو وحی کی جاتی ہے اور حدیث کے ظل میں شیخ نائب اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا کلام بھی ہے۔ کیونکہ وہ آپ کے انوار ہی سے مقتبس ہے۔ اور آپ ہی کے اسرار سے مکتسب ہے اور جائز ہے۔ کہ ھواجر سے مراد عنفوان شباب ہو۔ جو کہ بچپن اور کہولت کے درمیان ہے تو اس صورت میں یہ شباب کے زمانہ کی طرف اشارہ ہوگا۔ کیونکہ وہ سراب کی طرح ہے۔ جس کو پیاسا آدمی سمجھتا ہے اور کوئی جاری پانی نہیں ہوتا۔ اور

Scanned by CamScanner

اس کے ساتھ ہی بہت سے لوگ اس سے مطمئن نہیں ہیں۔ بلکہ غفلت اور خسران کی وادیوں میں پریشان پھرتے ہیں۔ اور جو آدمی میرے ساتھ وسیلہ پکڑلے۔ تو اس کی عادت اور اس کا لازم یہ ہونا چاہیئے۔ کہ وہ روزہ رکھے۔ اور اپنے نفس کو اس امر سے روکے جو کہ چلا جانے والا ہے۔ اور غائب ہونے کا باعث ہے۔ پس اپنے نفس اور شباب سے غائب ہو جائے۔ یہاں تک کہ اس کو افضل روزہ حاصل ہو جائے جیسا کہ غوثیہ میں ہے۔ پس میں نے کہا۔ اے رب تیرے نزدیک بہترین روزہ کونسا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے غوث الاعظم وہ روزہ جس میں میرے سوا اور کوئی نہ ہو۔ اور روزہ دار اس سے غائب ہو۔ پس جو آدمی جوانی میں روزہ رکھے۔ پس وہ میرے مردوں اور مریدوں سے ہے۔ جیسا کہ وارد ہوا ہے۔ کہ جب حسرت اور حشر کا دن ہوگا۔ تو آدمی اپنے بھائی اور بیوی اور بیٹوں سے بھاگے گا۔ اور اللہ عزوجل کے عرش کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ پس روزہ پر تمام رہنے والا اس کے سایہ میں ہوگا۔ ان میں سے ایک سلطان عادل ہے۔ اور جوان توبہ کرنے والا وغیرہا جیسا کہ ابن حجر کی منبہات میں ہے پس یہ توبہ اور رجوع الی اللہ عزوجل کا روزہ ہے۔ پھر جس کو اس میں سے رزق ملا۔ اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔ اے اللہ ہمیں اس کلام کی شرح میں علم اور تحقیق زیادہ عطا فرما۔ اور مجھے مقصد کی تحقیق میں خطاء سے محفوظ رکھ۔ میں نے تمام امور میں تجھ ہی پر توکل کیا۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور اپنے نبی اور ان کے صحابہ مع ان کی آل اور نائبوں کے اپنی رحمت نازل فرما۔ خصوصاً شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا ؎

تحقیق و تدقیق:۔ پھر لیالی سے مراد یا تو ظاہری معنی ہیں۔ جیسا کہ روزے کے ذکر سے جلدی سے یہی ذہن میں آتا ہے۔ جو کہ رات کے مقابلہ میں دن میں متحقق ہوتا ہے۔ پس دن کا روزہ اور رات کا قیام ظاہری تناسب کے لحاظ سے منتظم ہوتے ہیں پھر ظلم کی اضافت رات کی طرف یا تو لامیہ ہے۔ پس مراد یہ ہے۔ کہ میرے آدمی دنوں میں روزے دار ہیں۔ اور رات کے اندھیروں میں جاگنے والے ہیں۔ ان کے چہرے موتیوں کی طرح چمکتے ہیں۔ جیسا کہ اس کی تقریر پہلے گزر چکی ہے۔ اور یا صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے۔ یعنی اندھیری راتیں کہ جن میں کچھ نظر نہیں آتا۔ جن سے کوئی مانوس ہو سکے۔ پس نہ کوئی انیس ہے اور نہ جلیس۔ یہاں تک کہ اس سے گفتگو کرے۔ اور اس کے ساتھ مشغول ہو۔ اور تخصیص کی وجہ یہ ہے۔ کہ جس کا کوئی مصاحب نہ ہو۔ وہ اکثر غمگین رہتا ہے اور سو رہتا ہے۔ پھر وہ آدمی جس کو مجھ سے ارادت ہے۔ اور جس کا دل پورے جذبہ سے کھنچ گیا ہے۔ وہ نہیں سوتا۔ بلکہ پوری طرح جاگتا رہتا ہے۔ اس میں کوئی فترت نہیں ہوتی۔ اور محبت قلب کو سکون میں نہیں چھوڑتی۔ بلکہ جنون میں قلق و اضطراب پیدا کرتا ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ؎

؎ اس نے مجھ سے کہا۔ تو کیسا ہے۔ میں نے کہا۔ بیمار ہوں۔ دائمی جاگنا اور طویل غم ہے۔

اور باقی رہے معنی کنائی یعنی وہ حجابات جو سالک کو ہوا و حرص کے شباب کے آغاز سے سالک کے لئے واقع ہوتے ہیں۔ جو کہ اس پر قبض کے موارد سے وارد ہوتے ہیں۔ یا نفس شباب کی راتیں۔ کیونکہ لوگوں کی عادت ہے۔ کہ شباب کو اندھیری رات سے تشبیہ دیتے ہیں۔ یا تو کالے بادلوں کی وجہ سے یا نفس امارہ کے عروج سے کہ وہ استقرار و استقامت پر قرار نہیں پاتا۔ تو اس صورت میں بھی یہ اشارہ ہوگا۔ کہ میرے مرد اس ظلمت شدیدہ میں کہ جس میں اکثر عقل مند ممتاز نہیں رہتا ہے۔ یہ ہمیشہ کی استقامت پر قائم ہیں۔ تو استیقاظ و تیقظ میں ان کی جوانی بھی بڑھاپے کی مانند ہے۔ کیونکہ انسان کو غالباً بیداری بڑھاپے کے وقت میں حاصل ہوتی ہے یہی وجہ ہے۔ کہ حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے۔ کہ زنا حرام ہے گناہوں میں بہت برا ہے۔ لیکن جب اس کا

کا ارتکاب وہ آدمی کرے۔ جس کے بال سفید ہو چکے ہیں۔ تو وہ بہت زیادہ سخت ہے اور برائیوں میں سے بدترین برائی ہے۔ اور کتاب و سنت پر عمل نہ کرنا بہت برا ہے۔ لیکن جب یہ علماء سے صادر ہو۔ تو زیادہ سخت اللہ قہر کے لحاظ سے بہت شدید ہو جاتا ہے اور اسی لئے وارد ہوا ہے۔ کہ عالم کا پھسلنا دنیا کا پھسلنا ہے۔ اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عطا فرما۔ بے شک تو ہی عطا کرنے والا ہے اور موتیوں سے مراد تو ظاہری معنی ہیں۔ جیسا کہ ابتداء یہی معلوم ہوتا ہے۔ اور جائز ہے۔ کہ اس سے انبیاء علیہم السلام مراد ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مطابق۔ کہ "میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں"۔ تو اس صورت میں یہ حقیقت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ولایت کے ظل کی تفسیر ہوگی۔ باعتبار اس کے آپ کے اولیاء کے افراد میں ظہور کے۔ جو کہ نبوت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کے سورج کے انوار سے اقتباس کرنے والے ذرے ہیں۔ اور اس میں تفصیل ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ تجھے آپ رضی اللہ عنہ کے قول وکل ولی لہ قدم وانی علیٰ قدم النبی بدر الکمال صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ والصحابہ اجمعین کے تحت سمجھا دے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے علم اور درس اور مرتبہ قطبیت سے موصوف ہونے کے بعد اپنے مریدوں کی عادات جو بیان کی ہیں۔ اس میں اشارہ ہے۔ کہ کامل اور مکمل وہی آدمی ہے جو علم ظاہر اور باطن دونوں کو ظاہر کرے۔ ورنہ وہ مضطرب رہے گا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے ابتدائے امر میں علم حاصل کیا۔ پھر باطن میں مشغول ہوئے اور ہدایت دینے کے تخت پر بیٹھنے کے بعد آپ درس دیتے۔ تاکہ پوری تکمیل ہو جائے۔ پس بھلائی پوری بھلائی علم کو عمل پر مقدم کرنے اور طریقت کے آسمان اور حقیقت کے عرشوں پر عروج کرنے میں ہے۔ جیسا کہ کئی دفعہ گزر چکا ہے۔

تبیین توضیحی:- جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس سے بیت شریف کے معنی تو معلوم ہو گئے۔ لیکن کستوری کو جتنی بار سونگھو خوشبو کی لپٹیں آتی ہیں۔ یہ کستوری ہے جتنی بار اس کو سونگھو گے۔ خوشبو دے گی۔ کہتے ہیں۔ کہ میرے مرد اور میرے مرید اور میرے مصاحب اور میرے ساتھی اور جو لوگ میرے برابر ہیں۔ اور میرے قدموں کی پیروی کرتے ہیں۔ ان کی علامات سے ہے۔ کہ یہ جماعت بقا کے شہر کی طرف کرتے ہیں۔ اور ملاقات کے مدینہ کی طرف سیر کرتے ہیں۔ اس حال میں کہ وہ روزے دار ہیں۔ اپنے نفسوں کو لذائذ میں منہمک ہونے سے روکتے ہیں۔ بلکہ کھانے میں کمی کرتے ہیں۔ اور پیاس کی سختی برداشت کرتے ہیں۔ اور خواہش کو پھیر دیتے ہیں۔ جو رب کی تقدیروں سے جھگڑا کرنے والی ہے۔ اور وہ پردے اور کھوٹ سے خالص ہوتے ہیں یہاں تک کہ ان کے دلوں کا آئینہ صاف ہو جاتا ہے۔ ان میں اشیاء کی حقائق کی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور اپنی بصیرت کی آنکھوں سے مطلوب کو دیکھتے ہیں۔ جیسے کہ روزے دار عید کا چاند دیکھتے ہیں۔ پھر ان پر مائدہ نازل ہوتا ہے۔ اور ان کے پہلوں اور پچھلوں کی عید ہو جاتی ہے۔ پس ان کا کھانا اور پینا تجلیات قدسیہ کے وجوہ کی روٹیوں اور انوار الاہیہ کے معائنہ کے پانیوں سے ہے؛ ان کو ان کا رب پاک شراب پلائے گا۔ پس وہ اس کے بعد کسی طرح بھی پیاسے نہیں ہوتے۔ کہ وہ دنیوی غبار آلودہ پانیوں کے محتاج ہوں۔ اور ان کا مسبب ان کو پاک کھانے کھلاتا ہے۔ وہ اپنے پیٹوں میں بھوک محسوس نہیں کرتے۔ کہ وہ ان کھانوں کے باورچی خانہ کی طرف بیقرار ہوں۔ جو کمینگی کے رنگوں سے ملے ہوئے ہیں۔ ان کے دلوں کے کپڑے پرانے نہیں ہوتے۔ کہ وہ عنکبوت کے تاروں سے بُنے ہوئے کپڑوں کی طرف مائل ہوں۔ اور نہ ان کی طبیعتیں بے قرار ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ کہیں کہ ہم کونسی وادی

Scanned by CamScanner

میں پریشان پھر رہے ہیں۔ وہ بالا خانوں میں اُٹھائے جائیں گے۔ نور کے سندس و استبرق کے لباس پہنے ہوں گے۔ اور اُن کے روحوں کے گھروں میں وہ کچھ ہے جو وہ چاہیں گے۔ ملیک مقتدر کے پاس سچائی کی نہریں تسبیح کرتے ہوں گے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔ اور وہ ان سے قیامت کے دن تک راضی ہے۔ پس نہ اس کو نیند ہے اور نہ وہ اس سے غافل ہیں یہ لوگ قرب الٰہی کی بساط میں جاگنے والے ہیں۔ فخر کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ اگرچہ ابدان کی راتوں میں پڑے لیٹے ہیں لیکن اَکدار ناسوتیہ اور اطوار جسمانیہ کے انخلاع کی وجہ سے چمکتے ہیں۔ گویا کہ وہ یاقوت و مرجان اور تازہ زبرجد اور چھپے ہوئے موتی ہیں۔ یہی لوگ نور سے ہدایت پانے والے ہیں۔ اور دل کے ستارے اور روح کے بلاد اور سِر کے سورج سے روشنی اور ضیا حاصل کرتے ہیں۔ اور اللہ کے نور کے ساتھ داخل ہیں۔ اے اللہ ہمیں ان کی متابعت میں زیادہ استقامت عطا فرما۔ اور ہمیں دین کے ساتھ قائم رکھ اور ان کی اتباع کی رغبت عطا فرما۔ بحرمت نبی اور ان کی آل اور ان کے صحابہ اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ سیدنا و مرشدنا شیخ عبدالقادر ابو محمد سید محی الدین رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا سے اور اس سخت ذلیل گناہگار کو نور کا رزق عطا فرما۔ کہ میں اس کے ساتھ طریقہ قادریہ علیہ عالیہ کی حقیقت کی طرف فائز ہو جاؤں۔ اور اگر میں بھول جاؤں یا غلطی کروں۔ تو مجھ سے مواخذہ نہ فرما۔ بے شک تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۔

قصیدہ خمریہ شریفہ کے سمندروں سے پچیسویں[۲۵] موج

(۲۵) وَكُلُّ وَلِيٍّ لَهُ قَدَمٌ وَاِنِّيْ ۞ عَلٰى قَدَمِ النَّبِيِّ بَدْرِ الْكَمَالِ

الولایت :۔ بالکسر خداوندی اور تصرف کرنا اور ہاتھ پانا اور والی ہونا اور امر ولایت کا والی ہونا، اور مالک اور ولی نزدیک ہونا، اور بالفتح مدد کرنا اور بادشاہی چلانا اور میراث کے معنی میں بھی آیا ہے۔ اور سورہ انفال میں ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت نہ کی۔ تم کو ان کی میراث میں سے کوئی چیز نہیں ہے۔ اور اس کے برعکس بھی کہا گیا ہے۔ جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ اور ولی صفت کا صیغہ ہے۔ بمعنی مددگار اور نیک خواہ اور نگاہ رکھنے والا اور قریبی اور نزدیک اور کسی پر متصرف اور مالک اور قدم دونوں فتحہ کے ساتھ پاؤں کا اگلا حصہ اور پاؤں اور پیچھے اور نشان اور نبی جائز ہے۔ کہ نبوۃ سے ہو۔ اور یہ اور نباوۃ بمعنی باہر آنا، اور بلند ہونا، اور بلند زمین اور جائز ہے۔ کہ نبا بمعنی انباء خبر دینا سے ہو۔ پس پہلی صورت میں اس کا اصل ہمزہ کے سوا فعیل بمعنی مفعول یعنی جسے تمام مخلوق پر بزرگی دی گئی۔ اور بلند کیا گیا۔ پس اس کی جمع انبیاء ہے اور اس کی تصغیر نبیّ ہے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ وہ بمعنی فاعل ہے۔ کیونکہ وہ جمع سالم لایا جاتا ہے۔ اور اس کی جمع مکسر افعلاء پر آتی ہے باوجود اس کے کہ فعیل بمعنی مفعول جمع نہیں لایا جاتا۔ اسی طرح تائید میں ہے۔ اور اسی میں غور کر اور دوسرے معنی پر اس کا اصل ہمزہ ہے۔ اسی لئے اس کی تصغیر نبیئ لائی جاتی ہے۔ اور اس کی تکسیر نباٗء پر ہے۔ اور نبی میں ہمزہ کا ترک اسی طرح ہے جیسا کہ انہوں نے ذریت اور خابیہ میں چھوڑ دیا ہے۔ پھر اگر تو کہے۔ کہ اس کی جمع تو صرف انبیاء آتی ہے۔ پس مہموز کا استعمال کس طرح ہے۔ تو میں کہوں گا۔ جب ہمزہ کو بدل دیا گیا۔ اور ابدال لازم ہو گیا۔ تو جمع ایسی لایا گیا۔ کہ جس جمع کا اصل لام کلمہ حرف علت ہو۔ جیسے عید، اعیاد، پس پہلی وجہ تو تکلف سے خالی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ نبی بمعنی راہ سے منقول ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رستہ ہے ۔

Scanned by CamScanner

تشکیل:- ضروری ہے۔ کہ تو نبی اور رسول کے درمیان فرق معلوم کرے۔ پس کہا گیا ہے۔ کہ وہ دونوں برابر ہیں اور اس میں نظر ہے۔ کیونکہ روایت کیا گیا ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء کی تعداد کے متعلق سوال کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ ایک لاکھ اور چوبیس ہزار اور رسولوں کی تعداد کے متعلق سوال کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ تین سو تیرہ اور کہا گیا ہے۔ کہ نبی زیادہ خاص ہے۔ کیونکہ وہ صاحب کتاب پہلی شریعت کا ناسخ ہے۔ اور اس کی تردید بھی وہ روایت کرتی ہے جو بیان کی گئی ہے اور اس کی تردید اللہ تعالیٰ کا قول بھی کرتی ہے "اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا۔" اور کہا گیا ہے۔ کہ یہ زیادہ عام ہے کیونکہ رسول وہ ہے۔ جو نئی شریعت کا مالک ہو۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کا حضرت اسماعیل علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ قول بھی ہے۔ کہ "وہ رسول نبی تھا۔" پس یہ رسول میں نئی شریعت کے عدم اشتراط پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد آپ علیہ السلام کی شریعت پر ہی تھی۔ اور جو اس پر داؤد علیہ السلام سے نقض وارد کیا گیا ہے۔ کہ آپ کے پاس نئی شریعت نہیں تھی۔ کیونکہ آپ موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت پر تھے۔ حالانکہ آپ رسولوں سے شمار کئے جاتے ہیں اور اس کی تردید اللہ تعالیٰ کا یہ قول کرتا ہے۔ کہ "ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور دی"؛ مگر یہ کہ تو ثابت کرے۔ کہ زبور میں موسیٰ علیہ السلام کی متابعت کا حکم تھا۔ اور یا یہ کہ زبور میں صرف دعائیں تھیں۔ احکام نہیں تھے۔ اور اس میں جو کمزوری ہے سو ہے۔ اور اگر ان دونوں کے درمیان عموم من وجہ کی نسبت کہی جائے۔ تو یہ توجیہہ بھی درست نہ ہے۔ اور یہ بھی نظر سے خالی نہیں ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ دونوں متباین ہیں پس رسول وہ ہے کہ ابتداءً شریعت لے کر آئے۔ اور نبی وہ ہے جو شریعت نہ لائے اگرچہ اُسے بھی تبلیغ کا حکم ہو" شرح تاویلات" میں اس کی تصریح ہے۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ظاہر ہے۔ "اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول اور نہ کوئی نبی الآیۃ۔" اور اس میں یہ ہے۔ کہ اس کی تردید اللہ تعالیٰ کا یہ قول کرتا ہے کہ "وہ رسول نبی تھا" اور میرے نزدیک حق یہ ہے۔ کہ کہا جائے۔ کہ نبی عام ہے برابر ہے۔ کہ اس کے ساتھ کتاب یا نہ ہو۔ اور رسول وہ ہے۔ جس کے پاس کتاب ہو برابر ہے۔ کہ پہلے رسول کی کتاب ہو۔ جو اس پر اتاری گئی ہو۔ یا اس پر نئی کتاب اتاری گئی ہو جو نئی شریعت سے مقارن ہو۔ یا دعاؤں کی کتاب ہو۔ پس اس صورت میں جو ہم نے ذکر کیا ہے اس میں سے کوئی چیز وارد نہیں ہوتی اور اس میں تفصیل ہے۔ جس کو تو شرح عقائد نسفیہ میں پائے گا۔ بدر بمعنی پورا چاند ہے۔ لیلۃ البدر مہینے کی چودھویں رات اور کمال بفتح کاف تام اور پورا اور پورا ہونا ؛

نحو:- واؤ عطف کے لئے ہے۔ یا تو آپ کے قول رجالی فی ھواجرھم پر یعنی میرے مردوں کا حال یہ ہے۔ کہ ہر ولی کا ایک قدم ہے۔ اور میں نبی بدر کمال کے قدم پر ہوں۔ اور یا استئناف کے لئے ہے۔ اور اس میں فائدہ یہ ہے۔ کہ چونکہ پہلا کلام اقطاب کے ساتھ تھا۔ تو وہم ہو سکتا تھا۔ کہ کوئی آدمی اقطاب کی نسبت سے آپ رضی اللہ عنہ کے علو مرتبہ کی تخصیص کرتا۔ تو آپ نے حکم کو عام کر دیا۔ کہ ہر ولی میرے قدموں کے نیچے ہے۔ اور جائز ہے کہ واؤ حال کے لئے ہو۔ یعنی میں مقصد کو پہنچا۔ اور علم پڑھا۔ اور میرے رجال ان کا حال اس طرح ہے۔ اور حال یہ ہے۔ کہ ہر ولی میرے قدموں کے نیچے ہے۔ اور جائز ہے۔ کہ تقدیر ہو۔ اور آپ کے قول رجالی فی ھواجرھم الخ سے متعلق ہو۔ اور آپ کا قول کل ولی مبتدا ہے۔ اور اُس کی خبر آپ کا قول قدم ہے اور آپ کے قول وانی میں واؤ یا تو عطف کے لئے ہو۔ اور وہ ظاہر

ہے۔ اور یا حال کے بنے ہو۔ اور وہ ذہن میں جلدی آ تا ہے۔ اور علیٰ قدم النبی ؐ ان کی خبر ہے یعنی ثابت ہے آپ کے ظاہر
اور باطن طریق میں جاننے کے مطابق ہے یا آپ کے قدموں پر چلنے والا ہے۔ اور النبی میں لام عہد خارجی کے لئے ہے۔ کیونکہ اس
سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور آپ کا قول بدر الکمال آپ کے قول النبی کا بیان ہے۔ اور بدر الکمال میں اضافت
یا تو لامیہ ہے یعنی کمال کے آسمان کا چاند یعنی آپ کے ساتھ کمال پورا ہوا۔ پس کمال کو پورا کرنے والے ہیں کیونکہ آپ ہی وہ ہیں
کہ آپ سے اس کے معنی اور اس کی صورت پورے ہوئے۔ پس وہ ہی مظہر اتم ہیں۔ اور جائز ہے۔ کہ فی کے معنی میں ہو یعنی آپ
کمال کے آسمان میں چاند ہیں۔ یعنی کمال آپ سے پہلے ایک اندھیرے امر کی طرح تھا۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پائی گئی۔
تو وہ پوری طرح سے روشن اور منور ہو گیا" اللہ ایمان داروں کا دوست ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے۔
اور وہ لوگ جو کافر ہیں۔ اُن کے دوست شیطان ہیں۔ وہ ان کو روشنی سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں "

البلاغت :- آپ کل لفظ تنقیص کے لئے لاتے ہیں۔ اس پر کہ یہ حکم زمانوں کے ساتھ خاص نہیں ہے سوائے صحابہ کرام
کے کہ ان کا زمانہ مستثنیٰ ہے۔ اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہ کے بعد قیامت تک ولیوں میں سے کسی ولی کے ساتھ یہ خاص نہیں ہے
عموم زمانہ تو جملہ اسمیہ سے سمجھا جاتا ہے۔ اور عموم افراد لفظ کل کے اختیار کرنے سے جو عموم پر دلالت کرنے والا ہے۔ پس جس نے
اس کو کسی زمانہ کے ساتھ یا بعض خاص کیا۔ یا بعض اولیاء کے ساتھ یا بعض ولایات کے ساتھ تو اس نے آپ کے کلام کے نص کے
خلاف کیا۔ اور نصوص میں جب تک جب تک کوئی عارض پیش نہ آئے۔ تاویل نہیں کی جاتی۔ اور عارض معدوم ہے تو تاویل
بھی معدوم ہے۔ تو اس صورت میں آپ رضی اللہ عنہ کا یہ کلام اقطاب کے مقام پر آپ کی بلندئ مقام کے اختصاص کے توہم کے
دفع کرنے کے لئے ہے۔ جیسا کہ اقطاب کے خطاب سے یہ وہم ہوتا ہے۔ تو کل کے لفظ کا لانا خصوص کے وہم کے دفعیہ کے لئے ہے
اور اس کو بعض مخصوص پر محمول کرنا سہو کے قریب ہے۔ بلکہ محض بیوقوفی ہے۔ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا کلام
اس کے موافق نہیں ہے۔ پھر آپ کے قدم کا رسول اُمّی کے قدم پر ثابت کرنا وہ کہ آپ علیہ السلام خاتم النبوۃ ہیں یہ آپ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے سوا دوسروں کے اقدام کے اثبات کے مقابلہ میں ہے۔ جو دلالت کرتا ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ کے سوا دوسرے
اولیاء میں سے کسی کے قدم بھی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم پر نہیں ہیں۔ بلکہ وہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے اقدام کے علاوہ
اپنی ولایت میں دوسرے انبیاء کے اقدام پر ہیں۔ اور قدم کا لفظ لانے میں اشارہ ہے۔ کہ اولیاء کو اگرچہ ولایت محمدیہ علی صاحبہا
الصلوٰۃ کی ولایت سے نور حاصل ہے۔ لیکن ان کو اس میں قدم اور رسوخ نہیں ہے۔ اس میں قدم اور رسوخ صرف شیخ اجل
رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا ہی کو ہے۔ مثلاً کوئی بادشاہ کے دروازہ تک پہنچتا ہے۔ بلکہ بادشاہ کے گھر کے اندر بھی داخل ہو جاتا
ہے۔ لیکن اس کو بادشاہ کے ساتھ معرفت کلیہ اور استقرار نہیں ہوتا۔ پھر جو بادشاہ کے گھر میں داخل ہے۔ ضروری نہیں ہے
کہ وہ بادشاہ کے ساتھ واصل بھی ہے۔ پس اولیاء اگرچہ ان کے بعض کو فی الجملہ نبی کے دروازے تک رسائی بھی ہوتی ہے
لیکن شیخ اجل کی طرح کا وصول نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی تربیت نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے بغیر کسی واسطہ کے تربیت خاصہ ہوئی
ہے۔ اور بدر الکمال کے لانے میں اشارہ ہے۔ اس چیز کی طرف جو ہم نے آپ رضی اللہ عنہ کی کمالات محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم
علیٰ صاحبہا الصلوات کمال درجہ کی کامیابی کے متعلق کہا ہے۔ پس ضروری ہے۔ کہ ولایت کو اس کے درجات کے اعتبار سے تقسیم کیا

Scanned by CamScanner

جائے۔ یہاں تک کہ خاص و عام پر مقصد واضح ہو جائے۔ اور اس میں توفیق ملک علام ہی کی طرف سے ہے ؛

بیان شافی فی درجات الولایۃ کافی ۔ اے عزیز دانا ضروری ہے۔ کہ تو اس کلام کبیر کے سمجھنے میں خالص ہو۔ یہاں تک کہ تقریر و تحریر میں تیرے لئے اسرار واضح ہو جائیں۔ پس میں کہتا ہوں۔ کہ ولایت چار درجات پر منقسم ہے اور یہ موقوف ہے۔ ولایت کے معنی سمجھنے پر اور اُس کے معنی پہلے گزر چکے ہیں۔ اور مختصر معنی یہ ہیں۔ کہ ولایت عبادت ہے۔ فناء اور بقاء سے اور فناء اور بقاء چار حالتوں میں محقق ہوتی ہے۔ پہلی فناء و بقاء نفس میں ہے۔ وہ بُرائی کا حکم دینے سے فانی ہو جاتا ہے۔ اور اوامر اور نواہی کی تعمیل سے باقی ہو جاتا ہے۔ اور نوافل و فضائل پسندیدہ سمیٹتا ہے۔ پھر اس کے حواس ظاہری اور باطنی انوار الٰہیہ سے بدل جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ حقائق کی صورتوں کے لئے آئینے کی طرح ہو جاتا ہے۔ پس وہ اسی اندازے کے مطابق صاف ہو جاتے ہیں۔ جس اندازے کے مطابق وہ قرب حقیقی کی بساط کی طرف کمینگی سے ترقی کرتا ہے۔ اور یہ ولایت عامہ ہے جو ہر مومن کو حاصل ہے جو سیدھے رستے پر جانے والا ہے۔ اور خالص شراب پینے والا ہے۔ لیکن ولایت کے اس درجہ میں ترقیات ہیں۔ اوّل اور اوسط اور انتہائی۔ اور اس کی انتہا یہ ہے کہ وہ دل کے آئینہ میں اصل کے مطابق نقش ہونے کے بعد کما حقہٗ حقیقت کا ادراک ہے۔ پس وہ اس بساط پر کامیاب ہونے کے بعد جو اللہ تعالیٰ کے لئے بچھائی گئی ہے۔ جو ہر دن کسی نہ کسی حالت میں ہے۔ مشاہدہ اور عرفان پر تقویت حاصل کرتا ہے۔ اور بادشاہ کے دروازہ کی چوکھٹ سے چمٹ جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حشمت و شوکت کو بھی پاتا ہے۔ پس وہ قہری تجلیات کے ملاقات سے چھوٹا ہو جاتا ہے۔ اور تجلیات رحمیہ کے بادلوں کے نظرات سے بڑا ہو جاتا ہے۔ اور اس ولایت میں پہلی سے زیادہ قرب ہے۔ جیسا کہ کسی پر بھی مخفی نہیں ہے۔ اور اس ولایت کے تین مراتب ہیں پہلا اور دوسرا ، اور تیسرا ، ان سب میں اخلاق ردّیہ سے جو حاجب ہیں۔ فنا کی طرف اور کمالات الٰہیہ کے ساتھ جو کہ ایسی معرفت کا باعث ہیں۔ جو اطمینان کلی کی طرف پہنچانے والی ہے۔ اور پھر اس عرفان کی حیثیت سے کوئی عارض اس کا معارضہ نہیں کرتا۔ اور کوئی مزاحم اس کی مزاحمت نہیں کرتا۔ بقاء کی طرف پورا رجوع ہے ؛

باقی رہا بیرونی موالفات کا وارد ہونا۔ تو اس سے اس وقت تک اطمینان نہیں جب تک کہ کتاب اپنی مدت کو نہ پہنچ جائے۔

پس ولایت اوّل۔ ولایت عامہ ہے۔ جو ہر اس آدمی کو شامل ہے۔ جو اطاعت کرے۔ اور نواہی سے باز آ جائے۔ لیکن اس میں ہر فرد نسبت کی کمیت و کیفیت کے مطابق علیحدہ نسبت ہے۔ پھر بعض اس کو ولایت کے ساتھ دائمی قرب ہے۔ لیکن اس قرب کی کیفیت احیانی قرب کی حیثیت سے نہیں ہے جو اس کے سوا دوسرے میں واقع ہے۔ کیونکہ یہ پچھلا پہلے کی نسبت سے نسبت قربیہ میں زیادہ کامل ہے۔ اور یہ پیادہ اور سوار کی مثال پر ہے۔ مثلاً پیادہ آدمی تمام دن چلتا ہے لیکن کمزور چال سے اور سوار جب بھی چلے گا۔ تو اس کا چلنا پیادے کی نسبت سے قوی کیفیت سے ہوگا۔ وہ راہ کو طاقت ور وجہ سے پہلے کی نسبت زیادہ جلدی قطع کرے گا۔ اور یہی معنی ہے اس کا جو شیرازی نے اپنی کتاب میں کہا ہے۔ کہ " عابد عبادت کرنے والا پیادہ چلنے والا ہے اور سُستی کرنے والا عالم سویا ہوا سوار ہے " مختصر یہ کہ کیفیت کے درجات مخلوقات کی تعداد کے مطابق ہیں جیسا کہ آپ کے قول میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف راہ مخلوقات کی تعداد کے مطابق ہے۔ بلکہ بعض اس فرقہ سے مرتبہ کو جانتے ہی نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ کے ساتھ ان کو نفس قرب ہے۔ اور اسی لئے کہا گیا ہے۔ کہ ضروری ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نبوت کو جاننے والا ہو برخلاف ولی کے کیونکہ نبوت امانت ہے

اس کا جاننا ضروری ہے۔ یہاں تک کہ امانت کو اس کے اہل کی طرف ادا کرے۔ اور ولایت اللہ کے ساتھ بندے کا اپنے لوازم سے فنا
اور اللہ تعالیٰ کے اوصاف کے ساتھ بقا کی حیثیت سے قرب ہے۔ اور اس ولایت کا نام ولایت عامہ مومنین ہے۔ اغلب عمومیت
کی حیثیت سے کیونکہ اس کے اہل میں بعض ایسے افراد بھی ہیں جو اس سے بلند تر ولایت کے برابر ہیں۔ جیسا کہ عنقریب تجھ کو معلوم ہو
جائے گا۔ اور اگر اس کا نام ولایت نفسیہ یا اطمینانیہ یا استقامیہ یا اسی طرح کا کوئی اور نام رکھا جائے۔ تو یہ بھی درست ہے اور ہر
ایک کو حق ہے۔ کہ وہ جو چاہے۔ اصطلاح قائم کرے۔ اور اس ولایت کی علامت یہ ہے کہ اس ولایت والے سے اطاعت اور عبادت
میں ارادہ فنا ہو جائے۔ پس وہ ایسا اطاعت کرنے والا ہے۔ جس کا خلاف امر پر کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ
نے "بدرقۃ المفجر" میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔ اے اللہ ہمارے نفسوں کو اپنے حکم کے لئے مطیع بنا دے۔ اور اکثر دفعہ ایسا
ہوتا ہے کہ اس ولایت والے سے خوارق و تکوینات ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن تجھے یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ اس ولایت کے لئے نوع کی
حیثیت دو وجہ ہیں۔ ایک رُخ تو اطاعت و عبادت کی حیثیت سے ہے۔ اور ایک رُخ اس اطاعت اور عبادت کو داعیہ
کرنے کی حیثیت سے فنا کا ہے۔ جو پہلی وجہ پر ہی رُک جائے۔ اور دوسرا رُخ اس پر نہ کھلے۔ اس ولایت والے کو "عابد مطیع"
کہتے ہیں۔ اور جس پر دونوں رُخ واضح ہو جائیں۔ بلکہ دوسرا رخ اس پر غالب ہو۔ تو اس کو "ولی مطیع" جو ولایت ثانیہ کے
کے دروازے کی طرف پہنچنے والا ہے۔ اور اس دوسری ولایت کا نام "ولایت ملائکہ عامہ" رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ایسی بساط
پر ملیں۔ کہ ان کے لئے کسی طرح کا کوئی حاجب، اور مانع نہیں ہے۔ جو کہ پہلی ولایت میں تھے۔ پس یہ عارف ہیں جو اس عرفان
کے نفس کی حیثیت اور کیفیت کی حیثیت سے نہایت طاقت اور پوری طرح سے اس کی تسبیحات کہتے ہیں۔ اور اس میں بھی ہر ایک
کے لئے اس کے حجاب سے خالی ہونے کے مطابق علیحدہ درجے ہیں۔ اور اگر اس ولایت کا نام "ولایت عرفانیہ قلبیہ حجاب کو دور
کرنے والی" رکھا جائے۔ تو اس کے لئے بھی توجیہہ ہے۔

اور اس ولایت کے بھی دو رخ ہیں۔
اور جس طرح ہم نے تفصیل بیان کی ہے۔ کہ تو مذکورہ کو بھی اسی طرح ملاحظہ کرے۔
ایک رُخ تو نفس قرب و عرفان کی حیثیت سے ہے۔ اور ایک رُخ عرفان کی نسبت کے خلو کی حیثیت سے بھی ہے۔ پھر جس کو
پہلا ہی نصیب ہوا اُسے عارف کہا جاتا ہے۔ اور جو اس سے آگے گزر جائے۔ اور خلو تک پہنچ جائے۔ تو اس کا نام شاہد ہے۔
اور اس کی طرف شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے بدرقہ میں اشارہ فرمایا ہے۔ "اے اللہ ہمارے دلوں کو اپنی معرفت سے
بھر دے۔" جب دل عرفان سے بھر جاتا ہے۔ تو پھر اس میں نفس سالک کی طرف عرفان کی نسبت کا موقع ہی باقی نہیں رہتا اور نہ
وہ بھرا ہوا نہیں ہوگا۔ بلکہ اس نسبت سے غیر معرفت ہوگی۔ اور تو نے معلوم کر لیا ہے جو اس میں تیری تائید کرے گا جو پہلے اس
بیان میں گزر چکا ہے۔ "کہ محبت حجاب ہے۔" جب یہ فنا ہو جاتی ہے۔ تو محب محبوب سے واصل ہو جاتا ہے۔ اس کو یاد رکھ۔
پھر جان لے کہ اس ولایت کے بعد ایک اور ولایت ہے۔ جو اس سے زیادہ بلند ہے۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے۔ کہ سالک
اس حیثیت سے کمالات کے حجاب سے فانی ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اس کے تصور اور ارادے سے بھی خالی ہو جائے۔ بلکہ مطلق طور پر
خالی ہو جاتا ہے۔ اور اس پر اجمالیہ انوار و جلالیہ انوار بغیر اس کے نفس کی طرف نسبت کے وارد ہوتے ہیں۔ بلکہ محض فیض اقدس
سے اس حیثیت سے کہ وہ گمان بھی نہیں کرتا۔ اور اس میں متحقق ہو جاتا ہے۔ کہ "میرے غیر کی طرف نگاہ نہ پھیلا"، کہ تیرے رب کا

یعنی رزق قدسی تجھ کو تیرا رب عطا کرے گا۔ جو بہتر اور باقی رہنے والا ہے جس کو کوئی فنا نہیں ہے۔ پس اس مرتبہ میں فنا کے بعد اس کی نسبت سے بھی فنا ہے۔ پس وہ فناء الفناء ہے۔ اور بقا ہے۔ لیکن اس بقا کے اتصاف کے ملاحظہ کی حیثیت سے نہیں۔ بلکہ بقاء البقاء کی حیثیت سے لیکن یہ قرب قرب شہودی ہے۔ اس کا مالک وجودات ظلیہ حقیقیہ اور وجود اصلی حقیقی میں تمیز نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے۔ کہ اشیاء کا کوئی وجود نہیں ہے۔ بلکہ فی الواقع صرف ایک ہی وجود ہے جو مختلف صورتیں اختیار کرتا ہے۔ اور یہ موجودات صرف اس کو دکھلانے میں بھی درجات ہیں۔ بعض ان میں سے عدم تمیز کی وجہ سے الحاد تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور بعض تکالیف شرعیہ کے ابطال کی طرف اور بعض اشیاء خبیثہ کے اشتراک کو لازم قرار دیتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ عدم تمیز کی وجہ سے ہے۔ کہ بندہ بندہ ہے۔ اور اس کا وجود ظلی حقیقی ہے۔ اور خدا خدا ہے۔ اور اس کا وجود تحقیقی حقیقی ہے۔ اور اس کی مثال اس آدمی جیسی ہے۔ جو اندھیری رات میں انوار کا مشاہدہ کرے۔ تو اس کا پوری طرح احاطہ کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی نگاہ سے اس کے اپنے نفس کا وجود بھی اُٹھ جاتا ہے۔ اس کی تیز نگاہ کی نظر میں صرف محیط اور محاط انوار ہی باقی رہ جاتے ہیں۔ پھر وہ تیز نظر ہو جاتا ہے۔ "ہم نے تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دیا۔ سو تیری نگاہ آج تیز ہے۔ لیکن اس درجہ میں نظر ابھی باقی ہے۔ اور وہ بھی حجاب ہے ؛

اور مختصر یہ کہ دیکھو اگرچہ بصیرت ہو چکی ہو۔ لیکن اس سے اور اس کے ملاحظہ سے بھی فنا ہو سکتی ہے۔ پس بھلائی اور پوری بھلائی اس شہود سے بھی فنا میں ہے یہاں تک کہ اس کے لئے امر متحقق ہو جائے۔ اور اس تیسری ولایت کی طرف شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اس طرف سے اشارہ فرمایا" اے اللہ ہماری ارواح کو اپنے مشاہدے سے مشرف فرما۔" اور اس مرتبہ میں بھی دو رخ ہے۔ ایک رخ تو روح کی طرف مشاہدہ کی نسبت کی طرف ہے۔ اور ایک رخ سالک کے اس نسبت سے تخلیہ کی طرف ہے پس پہلا رخ ملاء اعلیٰ کی طرف نسبت کیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ خالص ارواح ہیں۔ جو انوار قدسیہ سے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ پس قرب ولایت کو" ولایت ملاء اعلیٰ" کہا جاتا ہے۔ اور دوسرا رخ انبیاء علیہم السلام کی طرف ہے۔ کیونکہ وہ خالص بھی اس نسبت سے پس وہ باب ستر کی ابتدا تک پہنچ گئے۔ جو کہ قرب حقیقی ہے۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے ھٰذا ربی کے بعد فرمایا" میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف کیا۔ جس نے مجھے پیدا کیا۔" پس تمام انبیاء علیہم السلام کی ولایت وہی آخری درجہ ہے۔ جو کہ تحقیق کا دروازہ ہے۔ اور جو کہ ولایت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہی انتہائی غایت ہے۔ اور یہی آخری انتہا ہے۔ پس پہلا دروازہ قاب قوسین کا ہے۔ اور اس کے بعد او ادنیٰ ہے۔ اور اس کا بیان نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قول سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ (صلے اللہ علیہ وسلم) اور آپ رضی اللہ عنہ کے قول اللھم اجعل اسرارنا منعمة بقربك ومزيد لا ينتك میں بھی اشارہ ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا۔ کہ اس مرتبہ پر انہوں نے قرب کا اطلاق کس طرح کیا ہے۔ اور وہ جو ان مراتب پر کہا جاتا ہے۔ پس پہلے پر اطاعت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اور دوسرے پر معرفت کا، اور تیسرے پر مشاھدہ کا۔ پس قرب حقیقی صرف ولایت سریہ ہے۔ اور تیسرے مرتبے کا نام" ولایت ملاء اعلیٰ" ہے۔ مگر ایک حیثیت سے اور دوسری حیثیت سے اس کا نام ولایت انبیاء ہے۔ اور اگر ہر ایک کا نام ولایت شہودی رکھا جائے۔ یا روحی تو یہ بھی درست ہے ؛

اور چوتھی ولایت کا نام" ولایت محمدیہ" علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے۔ اور اگر اس کا نام سری یا قربی یا حقیقی رکھا

جائے۔ تو اس کی بھی توجیہ ہے۔ اور یہ وہ کچھ ہے جو اس بندے پر کشف اور معائنہ سے وارد ہوا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ میرے علاوہ کسی اور
کے پاس کچھ دوسری توجیہات بھی ہوں۔ اگر میرے سوا دوسروں کے کشوف بھی میرے کشف سے موافق ہوں۔ تو اللہ کے لئے تعریف اور احسان
ہے۔ ورنہ حق میرے اور اس کے درمیان دائر ہے۔ اور ممکن ہے۔ کہ تمام کو حق پر محمول کیا جائے۔ بتناسب استعدادی کے مطابق ہر ایک کو
ہر ایک سے مناسبت ہے۔ اور آپ کے قول وکل ولی لہ قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال کا یہی معنی ہے۔ یعنی
ولایت میں میں انبیاء علیہم السلام کی ولایت کے قدم پر ہوں۔ جیسا کہ تجھے معلوم ہو چکا۔ پھر اگر تو کہے: کہ تمہارے بیان کے مطابق دو امر لازم
آتے ہیں۔ پہلا یہ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کا مرتبہ انبیاء علیہم السلام کے مرتبہ سے بلند ہو۔ اور یہ امر جیسا ہے کہ تم دیکھ ہی رہے ہو۔ اور
دوسرا یہ کہ کوئی ولی اس مرتبہ تک واصل نہ ہو۔ جس مرتبہ پر شیخ اجل رضی اللہ عنہ واصل ہو چکے ہیں۔ اور یہ بھی جیسا ہے۔ تم دیکھ ہی
رہے ہو۔ تو میں کہوں گا۔ پہلے کا جواب تو مظہر اتم کے بیان میں گزر چکا ہے۔ اور مختصر یہ ہے۔ کہ یہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سایہ میں ہے۔
نہ کہ اصل پر پس فضیلت تو صرف اصل ہی کو ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا۔ کہ وہ مرتبہ جو کمائی سے فرعی ظلی طور پر حاصل ہو۔ وہ اگرچہ
بلند ہو۔ وہ کسی شخص کے اصلی ثابت شدہ مرتبہ کے برابر نہیں ہو سکتا۔ مثلاً جب غلام کا مالک اعلیٰ مقام پر ہو۔ تو اس کا غلام اس
کی خدمت کے لئے اس کے ساتھ ہوگا۔ باوجود اس کے کہ دوسرے لوگ نچلے مرتبہ میں بیٹھے ہوں گے۔ تو اس غلام کو یہ نہ کہا جائے گا۔ کہ یہ اس
جماعت سے اعلیٰ ہے۔ پس یہی حال مراتب معنویہ میں ہے۔ کہ جو ان میں سے اصلی ہے۔ وہ ظلی سے بہرحال بلند ہے۔ اگرچہ ظلی واقع میں بلند ہی کیوں
نہ ہو۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان فرق بہت ہے۔ اس سے کہ وہ مخفی رہے۔ پس فضیلت تو حقیقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔
پھر اگر تو کہے۔ کہ انبیاء کے مراتب بھی ظلی ہیں۔ تو پھر ان میں اصالت کی بات کیسے پوری ہو سکتی ہے۔ تو میں کہوں گا۔ کہ معاملہ تو اسی طرح ہے
جیسے تو نے ذکر کیا۔ لیکن ان کے مرتبۂ نبوت میں استقلال اور انفرادی طور پر ان کے ادیان کے تقرر کی وجہ سے اپنے مراتب میں اصل کے ساتھ
مستقل ہو گئے ہیں۔ تو ان کے ظلیات میں اصل کی جہت پیدا ہو چکی ہے۔ اور امت کے اولیاء پس یہ لوگ خالص تبعیت اور تجرد طلبیت میں ہیں
اور یہ نہیں کہا جائے گا۔ کہ ولی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ ہے۔ پس انبیاء علیہم السلام میں ظلیت کی جہت اسی طرح ہے جیسے موتی میں
ماہیت اور اولیاء قدس اسرارہم میں ظلیت کی جہت یاقوت میں روشنی کی طرح ہے۔ پس اے عقلمندو! عبرت حاصل کرو۔
اور دوسرا جواب ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اس مرتبہ کے حصول میں اولیاء سے مستثنیٰ ہیں۔ اور اولیاء میں سے دوسرے
پس جائز ہے۔ کہ ان کے لئے بھی مرتبۂ تحقیق ہو۔ لیکن شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے سایہ میں پس یہ مرتبہ آپ کے علاوہ دوسرے اولیاء میں
شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے زیر سایہ ہے۔ پھر اگر تو کہے۔ کہ یہ ان لوگوں کے لئے تو بات پوری ہو سکتی ہے جو آپ رضی اللہ عنہ کے بعد میں
اور جو آپ سے پہلے گزر چکا ہے۔ وہ آپ رضی اللہ عنہ کے سایہ میں کیسے ہو سکتے ہیں۔ تو میں کہوں گا۔ اتمام کا حصر صرف ان لوگوں کے لئے
جو آپ کے بعد ہیں۔ کس وجہ سے ہے؟ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ارواح میں تھے۔ آدم اور ان کے نیچے کے تمام نبی آپ کے جھنڈے کے
نیچے تھے۔ آپ کے وسیلہ سے سفارش کرتے تھے۔ پس وجود میں ان سے پہلے ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ میں
تھے۔ اور اولیاء آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے سایہ میں آرام پاتے تھے۔ کیا تو آپ
بلکہ اور یہی حال حقیقی نائب میں ہے کہ وہ ارواح میں تھے۔ اور ان کے علاوہ اور نبیوں علی نبینا وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات
رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف نہیں دیکھتا۔ کہ میں آدم و نوح و ابراہیم اور ان کے علاوہ اور نبیوں علی نبینا وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات
کے ساتھ تھا۔ اور آپ نے اس قصیدہ میں فرمایا ہے ؎ ہاں میری پیدائش محبت میں آدم سے پہلے ہے۔ علیہ السلام اور آپ رضی اللہ عنہ

Scanned by CamScanner

کے احوال سے روایت کیا گیا ہے۔ کہ جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات اوپر لے جایا گیا۔ تو آپ نے اپنا قدم آپ کی روح کی گردن پر رکھا۔ جو جسم میں متشکل تھی۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے قدم تیری گردن پر ہیں۔ اور تیرے قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہیں۔ اور مختصر یہ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے لئے نیابت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات ہر زمانہ میں ثابت ہے۔ ارواح کے زمانہ کے اول میں اور آپ اُس وقت خالص روح تھے۔ آپ نے اپنا بدن نہ دیکھا تھا۔ اور پھر روح کے جسم کے ساتھ مقارن ہونے میں اور اس زمانہ میں بھی آپ خالص روح تھے۔ حالانکہ آپ بدن میں تھے۔ اور پھر جب اس تعلق بدنیہ سے منتقل ہوئے۔ اور موت جسی کے عرش پر مستوی ہوئے۔ تو پھر آپ خالص روح ہو گئے۔ اور دوسرے کمالات کے ساتھ بھی جو ان کو بدن کی مقارنت سے حاصل ہوئے پس آپ خالص وجود ہیں۔ جو مولیٰ تعالیٰ شانہ کی قدرت سے منصرف ہیں۔ آپ پر خدا کی رضا مندی ہو ÷

ضروری ہے۔ کہ تو جانے کہ سالک ولایت کے درجات میں فرق مراتب یہ ہیں۔ ہر ایک کے لئے ایک قدم ہے جو دوسرے کیلئے نہیں ہے۔ اور اسی طرح استعدادات بھی الگ الگ ہیں۔ مثلاً بعض کو ولایت کے ایک مرتبہ کی استعداد ہے۔ اور اس مرتبہ میں اس کا برتن بھر چکا ہے۔ پس وہ جانتا ہے۔ کہ وہ کمال میں ہے۔ حالانکہ وہ پہلے قدم پر ہوتا ہے اور اگر اس مرتبہ کی حیثیت سے اس کا استعدادی مقصد پورا ہو چکا ہے پھر استعدادات کی کیفیت میں تفاوت و مدارج ہیں پس بعض اولیاء نچلے مرتبہ میں ہیں۔ مستقل ہو چکے ہیں۔ اور راسخ ہو چکے ہیں یہاں تک کہ وہ استحکام میں اس آدمی سے زیادہ طاقت ور ہیں۔ جو اس سے اعلیٰ ہے۔ کہ وہ پہلے سے بلند مقام میں ہو۔ لیکن استعداد اللہ تعالیٰ سبحانہ و برہانہ کے پورے رنگ سے رنگی جا چکی ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کہا جائے۔ کہ زید بادشاہ ہے اور اس کے بہت سے غلام ہیں۔ اور ہر ایک غلام کا ایک منصب ہے۔ بعض مرتبہ میں بعض سے بلند ہیں۔ لیکن غلام بلال اگرچہ منصب کے لحاظ سے نچلے مرتبہ میں ہے۔ پس اس کو زید کے ساتھ قرب ہے۔ کیونکہ اس کی استعداد نے ہر اس چیز کو سمیٹ لیا ہے۔ جو اس کے مالک کی پسندیدہ ہے۔ پس وہ کیفیت کے لحاظ سے راسخ قرب رکھتا ہے۔ بہ نسبت قربت صہیب کے کہ وہ بھی اس کا غلام ہے۔ اور مرتبہ میں بلند ہے۔ لیکن اس کا قرب استعداد کی کمزوری کی وجہ سے راسخ نہیں ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے نائب کو تجلی ذاتی سے مخصوص فرمایا ہے۔ لیکن اس تجلی ذاتی میں آپ کی وہ شان ہے جو دوسرے انبیاء کی آپ کے سوا اس تجلی میں نہیں ہے ورنہ عیسیٰ علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کو بھی تجلی ذاتی نصیب ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے حق میں فرمایا ہے۔ کہ میں نے تجھے اپنے نفس کے لئے چنا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق "روح اللہ" اور "کلمۃ اللہ" فرمایا ہے۔ لیکن کبھی کہا جاتا ہے۔ کہ وہ تجلی ذاتی جو عیسیٰ علیہ السلام میں ہے۔ وہ زیادہ کامل اور اتم ہے اس تجلی کی نسبت سے جو موسیٰ علیہ السلام میں ہے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی استعداد عیسیٰ علیہ السلام کی استعداد سے کم تر ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے اقرب مناسبت رکھتے ہیں۔ پس عیسیٰ علیہ السلام اس ولایت اور اقرب کی حیثیت سے موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں ÷

پھر اگر تو کہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق تم کیا کہتے ہو۔ کیونکہ جیسا بعض اہل کمال نے کہا ہے۔ وہ بھی تجلی صفاتی پر تھے۔ پس لازم آئے گا۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہوں۔ اور اسی طرح نوح علیہ السلام سے بھی اور دوسرے انبیاء سے بھی جو تجلی صفاتی پر ہیں علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات۔ تو میں کہوں گا۔ کہ یہ اس صورت میں لازم آئے۔ کہ فضیلت اپنے نفس

کی حیثیت سے صرف انہی دو تجلیوں پر موقوف ہوتی۔ لیکن فضیلت تجلیات کی کیفیت پر دائر ہے۔ پس موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی تجلی ذاتی اور اگر ذاتی ہے۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام کی تجلی اور اگرچہ وہ صفاتی ہے۔ لیکن بلند مرتبہ پر پہنچ چکی ہے۔ کہ وہ تجلی ذات محمد علیہ السلام کے نزدیک قریب پہنچ چکی ہے۔ پس وہ نظر کی تیزی جس سے ابراہیم علیہ السلام تجلی صفاتی میں مشرف ہیں اس سے موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام مشرف نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ استعداد جو ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی ہے۔ وہ ان دونوں کو نہیں دی گئی ہے پس ابراہیم علیہ السلام دونوں سے افضل ہیں۔ پھر اگر تو کہے۔ کہ نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان مساوات لازم آئے گی۔ تو میں کہوں گا۔ کہ بالکل مساوات لازم نہیں آتی۔ کیونکہ دونوں تجلیوں میں ذات اور صفت کے لحاظ سے فرق ہے۔ پس تجلی صفاتی اگرچہ بڑی تیز اور اعلیٰ ہو۔ پھر بھی وہ تجلی ذات تک کبھی نہیں پہنچ سکتی۔ کیا تو نہیں دیکھتا۔ جو دروازے پر ہے اگرچہ اس کو کلی اعتبار حاصل ہو۔ پھر بھی وہ اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ جو کرسی پر بیٹھا ہو۔ قریب ہو۔ اور جو قریب اور اتصال اسے دیا گیا ہو اس میں وہ ہر ایک سے فارغ ہو۔ جیسا کہ ہر آدمی پر مخفی نہیں ہے۔ جس کی آنکھ نور اور معقول کی طرف کھلی ہو۔ پس قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ تجلی اور قرب نفس منزلت کی حیثیت سے اور کیفیت استعدادیہ کی حیثیت سے مندرج ہوتی ہے۔ اور اس جگہ ممکن ہے کہ کہا جائے۔ کہ انبیاء علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات اول مرتبہ کی حیثیت سے ولایت تحقیقیہ کے مرتبہ میں تھے۔ پس یہ ولایت شہودیہ کی انتہا ہے۔ اس حیثیت سے کہ یہ ولایت تحقیقیہ کے ابتدائی مرتبہ تک جا کر ختم ہوتی ہے۔ اور جو ولایت خاصہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ پس وہ حقیقیہ تحقیقیہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کو اس سے کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور تمام نیچے کی ولایات اس کا ظل ہیں۔ ہر نبی کی استعداد کے مطابق جو ان کو پہلے جلوہ میں نصیب ہوئی۔ علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والسلام جیسا کہ اس کی طرف نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے کہ آدم اور جو ان کے نیچے ہیں۔ میرے جھنڈے کے نیچے ہیں۔ اور اس میں تفصیل ہے۔ کہ اس میں بیان کئی مجلدات کی طوالت کا محتاج ہے۔ اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لئے سیاہی ہو۔ تو سمندر ان کے ختم ہونے سے پہلے ختم ہو جائیں۔ اور اسی اجمال کی طرف شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اپنے قول وکل ولی لہ قدم وانی علیٰ قدم النبی بدر الکمال سے اشارہ فرمایا ہے۔ کہ اشارہ فرمایا۔ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ اور اولیاء سب یا تو ستارے ہیں یا چاند ہیں۔ لیکن بدر سے کم تر ہیں۔ جس کا نور پورا ہے۔ اور جس کا کمال کے آسمان میں ظہور عام ہے۔ اور آپ کے کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں ہے اور یہ پہلے گزر چکا ہے۔ کہ نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم ہی مظہر اتم اور نور اتم ہیں۔ اور یہ صرف آپ کے حسی و معنوی [illegible] تشریف میں نور ادنیٰ کے تحقق کے اعتبار سے ہے۔ اور ہر ولی کا انبیاء علیہم السلام کے اقدام پر متحقق ہونا ان کی ولایات شریفہ کے تعلق کی حیثیت سے ظاہر ہے۔ اور جو ہم نے تجھ کو اسی ورق میں اکٹھا کر دیا ہے۔ اس کے احاطہ کے بعد یہ تجھ پر مخفی نہیں ہے۔ اور جائز ہے کہ مراد یہ ہو۔ کہ ہر ایک کے لئے ولایت محمدیہ میں قدم اور وصول ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ متحقق ہے۔ لیکن اس کا مآل بھی پہلے کی طرف راجع ہے۔ اور اگر کہا جائے۔ کہ ہر ایک کے لئے قدم ہیں۔ ان میں سے بعض کے قدم انبیاء علیہم السلام کی ولایت پر ہیں۔ اور بعض کے اسرافیل کی ولایت پر اور کچھ دوسروں کے میکائیل کی ولایت پر جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے تو یہ توجیہہ بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن اس توجیہہ کا مآل بھی پہلی کی طرف ہے۔ پس اس کو سوچ جب تمام ولایات تک پہنچ چکا ہے۔ تو ضروری ہے۔ کہ اشارہ کر دیا جائے۔ کہ ولایت دو قسم پر ہے۔ اور یا پھر تصرف کے

Scanned by CamScanner

ساتھ مقارن ہوگا۔ اور ان دونوں کی تحقیق میں تفصیل ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ وجود میں تصرف کرنے والا کبھی ولایت کے لحاظ سے اس آدمی سے کمتر ہوتا ہے۔ جو محض قرب پر ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ اولیاء میں خوارق و تصرفات کی شرط نہیں لگائی گئی ہے کیا تو نہیں دیکھتا۔ کہ اولیاء میں سے افضل صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور یہ تو ثابت شدہ ہے۔ کہ ان سے کوئی کرامت یا خارق اغلباً ظاہر نہیں ہوا۔ حالانکہ ان پر امور مشکل بھی پیش آئے۔ پس زیادہ تصرف کثرت قرب کی دلیل نہیں ہے۔ مگر اس آدمی میں کہ جس کو نیابت خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بلند کلمہ کو بلند کرنے کے لئے کھڑا کیا جائے۔ جیسا کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے قصیدہ مبارکہ میں فرمایا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اجل ولایت عطا فرمائی ہے۔ جو وہ میرے سوا کسی کو بھی قیامت تک نہ دے گا پھر اس قصیدہ میں فرمایا۔ تو مقام نیابت میں میرا دل ہے۔ اور مختصر یہ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ کے لئے معجزات کا اظہار ضروری ہے۔ کیونکہ وہ ان کی نبوت کی سچائی پر دلیل ہیں۔ اور نائب بھی نبی علیہ السلام کے دین کی تبلیغ کے لئے ان خوارق کا محتاج ہوتا ہے اور اس زمانہ میں آپ رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کی نیابت نہیں ہے۔ پس ضروری ہے۔ کہ ان میں پوری طرح تمام سے پورا تصرف ہو کہ منیب صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو۔ یہی وجہ ہے۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ سے خوارق کا ظہور ہوتا۔ کبھی تو ان سے کبھی ان کے لئے اور کبھی ان کے ساتھ اور کبھی ان سے دور جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوگیا۔ کہ خوارق اور ان کا ظہور قرب کی نسبت میں مضر نہیں ہے۔ ورنہ ان کا نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ظہور درست نہ ہوتا۔ اور اسی طرح تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف تمام مخلوق سے زیادہ قریب ہیں۔ ہاں خوارق اس آدمی کو نقصان دیتے ہیں جو ناقص ہو۔ اور قربیت کی نسبت میں غیر قوی ہو۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر وہ مدح کے ساتھ نخوت اور انیت کی طرف ڈگمگا جاتا ہے۔ اور اس اچھی تحقیق سے وہ چیز ساقط ہو گئی۔ جسے بعض جاہل بلکہ گمراہ لوگ خیال کرتے ہیں۔ کہ شیخ محی الدین رضی اللہ عنہ خوارق کی وجہ سے نسبت قربیہ سے محجوب تھے۔ کیونکہ کثرت خوارق حجاب ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ اگر یہ ارادہ کیا ہے۔ کہ خوارق کا نفس حجاب ہے تو یہ باطل ہے۔ جو ہم نے ذکر کیا ہے تجھے معلوم ہو گیا۔ کہ انبیاء علیہم السلام کی ولایت اور حجابات کی حیثیت سے ان کی تخصیص ہے برخلاف اولیاء کے اور دوسری میں بھی پہلی کے علاوہ اگر یہ تسلیم کیا جائے۔ تو یہ بیہودہ قول ہے۔ کیونکہ جو اصل سے حاصل ہو۔ اس کا حکم اصل ہی کا حکم ہے۔ اور اگر یہ ارادہ کیا ہے کہ خوارق اس حیثیت سے حجاب ہیں۔ کہ وہ قدرت ہی سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور قدرت صفات سے ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ کہ صفات ذات کے لئے حجاب ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں۔ کہ یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ صفات کا ذات کے لئے حجاب ہونے کا معنی یہ ہے۔ کہ جو آدمی ولایت سیر الی اللہ میں صفات ہی پر رک جائے۔ تو صفات اس کے لئے وصول سے حاجب ہو جاتی ہیں۔ اور جو آدمی ذات تک واصل ہو جائے۔ کہ اس کی سیر الی اللہ پوری ہو جائے۔ پھر سیر فی اللہ میں مشغول ہو جائے۔ اور اسے مخلوق کی دعوت کی طرف لوٹا دیا جائے۔ جس کو سیر عن اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تو اس کے لئے ناسوت میں سے بھی کوئی چیز حجاب نہیں ہے چہ جائیکہ صفات اس کے لئے حجاب ہوں۔ ورنہ اس کا یہ شبہ تو انبیاء علیہم الصلوات پر بھی ان کے معجزات کے اظہار میں وارد ہوگا۔ کیونکہ وہ بھی تو قدرت ہی کے باب سے ہیں۔ یہ وہ ہے جو مجھے میرے رب نے الہام فرمایا۔ اور مجھے اس کے ساتھ مخصوص کیا ضروری ہے کہ تو اس پر محافظت کرے۔ تاکہ تو اوہام باطلہ اور خرافات کی عینک دور کر سکے۔ خصوصاً شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے متعلق خیال کرنا تو لہر قاتل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کی بنیاد خراب کر ڈالی۔ جنہوں نے شیخ اجل کے ساتھ دھوکہ کرنا چاہا۔ یہ لوگ اپنی ہی

Scanned by CamScanner

جاہل کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اور نہیں سمجھتے ہیں ؛

رمز الی الکنوز:- جب کلام ولایت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تک پہنچ گیا۔ تو ضروری ہے۔ کہ اشارہ کر دیا جائے کہ اس کے حصول کی طرف وصول کس طرح ہے۔ اہل تحقیق میں سے بعض کاملین نے کہا ہے کہ جاننا چاہیئے۔ کہ ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوات والسلام مجذوبین سالکین کے ساتھ خاص ہے۔ جن کا نام مراد رکھا جاتا ہے۔ مریدین کے لئے ان کی ذاتی استعداد کے مطابق کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور مراد لوگوں سے ہم وہ لوگ مراد لیتے ہیں۔ جن کا سلوک ان کے جذبہ پر مقدم ہوں۔ مگر یہ کہ مرید محب مراد محبوب کو اپنے کمال تصرف سے کھینچ لے۔ اور اس میں تصرف کرے۔ جیسے کہ حال امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے جذبہ کا تھا۔ پس آپ سالک مجذوب ہیں۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے ولایت خاصہ تک پہنچتے ہیں۔ اور جیسے ان میں تصرف کیا۔ اور ان کو کھینچ لیا۔ برخلاف ان سے پہلے تینوں خلفاء کے کہ ان کا جذبہ ان کے سلوک پر مقدم ہے۔ جیسا کہ حضرت رسالت مصطفویہ علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کا حال ہے۔ کہ آپ علیہ الصلوات والسلام کا جذبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلوک پر مقدم ہے۔ اور یہ وہم نہ کیا جائے۔ کہ ہر مجذوب سالک اس ولایت تک پہنچ جاتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اگر کوئی پایا جاتا ہے ہزاروں میں سے کوئی ایک ایسا نکلتا ہے۔ اور اگر بڑی مدت کے بعد کوئی ایسا نکل آیا۔ تو اس کو غنیمت سمجھو۔ اور یہ اللہ کا فضل ہے۔ جسے چاہے دیتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ حضرت محمدؐ اور ان کی آل پر رحمت اور سلام نازل فرمائیں ؛

فائدہ:- سالک مجذوب معرفت میں مجذوب سالک پر زیادہ ہوتا ہے۔ اور محبت اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ مجذوب سالک کی تربیت اللہ تعالیٰ اول امر سے آخر تک خاص محبت سے فرماتے ہیں۔ اور اس کو اپنی بارگاہ قدس کی طرف معرفت کی عنایت کا اسے کھینچ لیتے ہیں۔ یعنی وہ معرفت جو تجلیات افعالیہ سے اشیاء کونیہ اور صفات اضافت الاہیہ کی معرفت سے متعلق ہے اور وہ معرفت جو ذات سے متعلق ہے۔ اور وہ عبارت ہے۔ صفات سلبیہ تنزیہیہ سے جہالت سے اور وہ مشتمل ہے حیرت پر اور اس معرفت پر جو ذاتیہ صفات موجودہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اور جو شیون ذاتیہ اعتباریہ سے متعلق ہے۔ اور وہ عبارت ہے پس مجذوب سالک اس کا زیادہ حقدار ہے۔ اور اس کی تفصیل کے زیادہ لائق ہے۔ اور وہ معارف جو مقامات عشرہ سے متعلق ہیں یعنی توبہ، توکل، صبر، اور رضا وغیرہ سے۔ پس سالک مجذوب اس کے اور اس کی تفصیلات کے زیادہ لائق ہے۔ کیونکہ اس نے ان مقامات کو تفصیل سے قطع کیا ہے۔ اور ترتیب سے ان کی تمیز حاصل کی ہے۔ وہ ہر مقام کے دقائق کو تفصیل سے جانتا ہے۔ جس کو مجذوب سالک نہیں جانتا۔ کیونکہ اس کے حق میں یہ مقامات لپیٹ دیئے گئے ہیں۔ اور ہر مقام کا خلاصہ اور مغز اس کو حاصل ہے۔ جو کہ سالک مجذوب کو حاصل نہیں ہوتا۔ پس سالک مجذوب صورت اور ظاہر کے اعتبار سے مقامات میں زیادہ پورا ہے۔ اور مجذوب سالک باعتبار مغز اور خلاصہ کے اس میں زیادہ کامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام میں جو صورت کو دیکھنے والے اہل خیال کرتے ہیں۔ کہ پہلا دوسرے سے مقامات میں زیادہ زہد، توکل، صبر اور رضا وغیرہ کے مقام میں زیادہ عام ہے اور یہ نہیں جانتے۔ کہ دوسرے میں رغبت کا وجود نفس کے پورا ہونے کے منافی نہیں ہے۔ اور اسی طرح تعلق کمال توکل کے منافی نہیں ہے۔ اور کراہت کا وجود رضا کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی اللہ تعالیٰ سے رغبت اور اسباب سے تعلق بھی اللہ عزوجل کے ساتھ ہی ہے۔ اور اسی طرح کراہت اللہ عزوجل کے ساتھ حاصل ہے۔ باوجود اس کے کہ ان اوصاف کا اس میں وجود

خالص اللہ سبحانہ کے لئے ہے۔ وہ دنیا میں رغبت صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے کرتا ہے۔ اور وہ اسے نقصان نہیں دیتی۔ اور اگر اس کی رغبت اپنے نفس کے لئے ہو۔ اور اس کا نفس اس کے رب کے لئے ہو۔ تو یہ رغبت بھی حقیقت میں اس کے رب عز وجل کے لئے ہوگی ؛

تکمیل جزیل :- اے خبردار اے اور اے نافذ بصیر لازمی اور ضروری ہے۔ کہ تو حاضر ہو۔ تاکہ میں تجھے تفصیل جمیل اور تکمیل جزیل کا فائدہ بخشوں۔ تاکہ تجھ کو ایسی جگہ سے رزق کریم حاصل ہو۔ جس جگہ سے خیال بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور اللہ جسے چاہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ عز وجل جو کہ غنی حمید ہے۔ کی راہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے سوا میسر نہیں آتی اور اس توفیق کا ثمرہ اور علامت یہی جذبہ ہے۔ اور یہ کبھی تو ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بغیر کسی واسطہ کے اور بغیر اس کے اور اس کے رب کے درمیان مجاہدہ اور اعمال صالحہ اور اخلاق ردیہ کے تخلیہ کے وسیلہ کے اس کو خدا تعالیٰ تک پہنچا دیتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے بندے کو ایک ہی دفعہ اپنی بساط قرب کی طرف اٹھا لیتے ہیں۔ اور کبھی یہ جذبہ خفیہ ہوتا ہے۔ اور وہ وہ ہے۔ جس کے بعد سلوک ہو۔ پس پہلے میں جذبہ کا پورا غلبہ ہے۔ تو یہ سالک مجذوب محض رہ جاتا ہے۔ اگر اس کے ساتھ سلوک شامل نہ ہو۔ اور اگر سلوک شامل ہو جائے۔ تو یہ مجذوب سلوک کو بھی اختیار کرے۔ یا تو ان معارف و مقامات کے حقائق پر اطلاع حاصل کرنے کے لئے جو کہ اسے اجمالی طور پر محض مجاہدہ اور سلوک اور محض عنایت مرد دیہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور یہ سالک مجذوب سالک کہلاتا ہے۔ پس اجمالی طور پر اس کا وصول تو جذبہ سے ہے۔ اور اس کو تفصیل کا حصول سلوک سے ہوا ہے۔ اور کبھی مجاہدہ اور سلوک محض ادائے شکر کے لئے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا ہے کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ اور وہ آدمی جس کے لئے جذبہ بالکل ہے ہی نہیں ہے۔ اس کو صرف سالک کہا جاتا ہے۔ کہ جذبہ خفیہ ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں۔ کہ جذبہ کے بغیر سلوک ممکن ہی نہیں ہے۔ اور اس کا کمتر یہ ہے۔ کہ جذبہ انتہا درجہ کا خفیہ اور ہلکا ہو۔ اور اگر اس پر اصطلاح قائم کی جائے۔ اور کہا جائے۔ کہ جذبہ خفیہ جو انتہا درجہ کا ہلکا ہو۔ نہ ہونے کے برابر شمار کیا جاتا ہے۔ پس کہدے کہ وہ سالک غیر مجذوب ہے۔ تو اصطلاح میں کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ باقی رہ گئی ایک اور قسم اور وہ ہے۔ سالک مجذوب یعنی اس کا سلوک جذبہ پر مقدم ہے۔ کہ اس سلوک نے اس جذبۂ تامہ کو پیدا کیا۔ تو اس میں دو صفتیں ہیں۔ ابتدائً سلوک اور دوسرے مرتبہ پر جذبہ اسی لئے اس کا نام سالک مجذوب رکھا جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے کا نام مجذوب سالک ہے اور حاصل یہ ہے کہ چار قسمیں ہیں۔ پہلا صرف مجذوب اور تیسرا مجذوب سالک اور چوتھا سالک مجذوب اور مفہوم کے لحاظ سے ان اقسام میں فرق معلوم کر چکا ہے۔ اور فرق باعتبار فضیلت پس اس میں تفصیل ہے۔ میں اس کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ کی بخششوں سے سوا۔ پس میں کہتا ہوں۔ صرف سالک سب سے ادنیٰ اور کمتر ہے۔ کیونکہ وہ پیادہ چلنے والا مسافر ہے۔ پاؤں سے ننگا ہے۔ اس کے پاؤں میں خطرات و وساوس کے کانٹے چبھتے ہیں۔ وہ ہر قدم پر ٹھہر جاتا ہے۔ ایک قدم آگے رکھتا ہے۔ تو دوسرا پیچھے ہٹا لیتا ہے۔ لیکن مخفی جذبہ بلکہ بہت زیادہ خفی جذبہ اس کو ایسے شہر کی طرف کھینچ کرلے جا رہا ہے۔ کہ جہاں تک نفس کی مشقت کے بغیر پہنچنا ناممکن ہے۔ پس اس کا حال اس آدمی کے جیسا ہے۔ جو ہزار سال میں پلصراط سے گزرتا ہے۔ لیکن اس کا اجر یہ ہے کہ پھٹنے اور افتراق اور بے چینی اور اضطراب کے بعد وہ ہمیشہ کی جنت تک پہنچ جاتا ہے۔ یعنی اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنا۔ پس اس کے متعلق کہا جاتا ہے

کہ صبر کشادگی کی کنجی ہے اور تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ یقیناً تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔ تو خوف نہ کر اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ پس وہ آہستہ آہستہ چلتا رہتا ہے۔ اور ہر منزل میں وہ وارد اور ٹھہرنے کی جگہ طلب کرتا ہے۔ اور عاقبت پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔ پھر اس کے بعد صرف مجذوب ہے کیونکہ اگر وہ مراد تک بجلی کی طرح پہنچ چکا ہے۔ لیکن اس کا حال اس بچے جیسا ہے۔ جسے اٹھا کر بادشاہ کی گود میں رکھ دیا گیا ہو۔ وہ مراتب اور آداب کو نہیں جانتا۔ اور نہ مشکلات و مغلقات کے کھلنے کی لذت کو جانتا ہے۔ نہ ابتداء میں اور نہ انتہا میں جیسا کہ دوسری دونوں قسموں میں ہے۔ پھر مجذوب سالک، سالک مجذوب سے افضل اور زیادہ کامل ہے۔ کیونکہ جذب پہنچانے میں ایک چمک جانے والی بجلی ہے۔ تو اس کا صاحب اللہ تعالیٰ کا مراد ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے انتخاب کیا ہے۔ پھر جب وہ اپنے مقصود تک پہنچا۔ اور اپنے مقام محمود تک مستوی ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے تائیدات علیہ اور قدسی پختگی سے طاقت بخشی اور اسے سلوک کے دقائق اور ملکوت کے آداب کے حقائق پر مطلع کیا۔ وہ پس وہ اٹھایا گیا ہے۔ اٹھانے والا ہے۔ اور قبول کیا گیا ہے اور قبول کرنے والا ہے۔ اور وہ بندوں میں بہت زیادہ پورا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے قرب کے کمال کے باوجود اس کی حد پر قائم ہے۔ اور اس کی عبودیت پر ٹھہرا ہوا ہے۔ اس کی ابتداء کلی عروج ہے۔ اور اس کی انتہا پورا رسوخ ہے۔ اور اسی لئے کہا جاتا ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ مالک کے مُراد تھے۔ اور وہ مجذوب سالک ہیں۔ اور تینوں خلفاء اس نسبت اور غلبہ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وہ خلافت میں اسد اللہ المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مقدم ہیں۔ کیونکہ حضرت علی سالک مجذوب ہیں۔ اور تیسرا درجہ چوتھے سے افضل ہے کیونکہ پہلے میں انجام کار عبودیت پر استقامت ہے۔ جو کہ انسان کا ایک مخصوص رُتبہ ہے۔ جو کہ تمام مخلوقات کی آنکھوں کی پُتلی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کا وہی مشار الیہ ہے۔ کہ "انسان میرا راز ہے اور میں اس کا راز ہوں۔" اور کلمہ شہادت میں اسی طرف اشارہ ہے میں شہادت دیتا ہوں۔ کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اس حیثیت سے کہ آپ نے اس شرف کے کمال میں جو آپ کو اختیار میں دیا گیا تھا۔ عبودیت ہی کو پسند فرمایا۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات اپنے لطف کی کان سے کسی جوہر کے اختیار کر لینے کا اختیار عطا کیا ہے۔ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے عبودیت کو اختیار فرمایا۔ پس کمال پورا کمال عبودیت ہی میں ہے۔ اور اس پر سلوک کا دار و مدار ہے۔ جو عبادت ہے۔ کمال کے حصول میں اپنے خضوع اور خشوع کے گھوڑوں پر سوار ہو کر بندے کی سیر ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا۔ کہ جب بادشاہ اپنے غلاموں میں سے کسی کو انتخاب کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو قریب کر لیتا ہے۔ تو کیا کرے گا۔ تو غلام کہتا ہے۔ کہ بندے کے لئے لائق نہیں ہے۔ مگر وہی جو اس کے لئے لازم ہے پس میرے لئے پوری خوبی و کمال یہی خدمت اور ادب ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے قول "اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو۔ تو میری پیروی کرو۔ اللہ تمہیں محبوب بنالے گا" کا مشار الیہ یہی ہے۔ پس بھلائی پوری بھلائی بندے کے لئے اپنے مخدوم اور سردار کی خدمت ہے۔ پس مجذوب سالک کامل ہے۔ خضوع و خشوع والا ہے۔ اپنے مالک کی خدمت میں قائم ہے۔ اور سالک مجذوب بھی افضل ہے۔ لیکن دوسروں کی نسبت سے کیونکہ وہ بھی ان اخلاق سے متخلق ہے۔ جن سے مجذوب سالک کامل متخلق ہوتا ہے۔ لیکن ان دونوں میں فرق ثابت ہے۔ جو ہماری تحریر سے سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے۔ جب کہ مجذوب سالک

Scanned by CamScanner

سے مراد وہ شخص ہو۔ جس کا جذبہ اس کے سلوک پر مقدم ہو۔ جس کا جذبہ اس کے سلوک پر مقدم ہو۔ اور جب اس سے مراد وہ جذبہ ہو۔ جو ہر سلوک میں ہوتا ہے۔ یعنی ہر آن میں پورے جذبہ سے وہ چلتا رہتا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے۔ کہ اس میں فرق جذبہ کے نصب العین ہونے میں ہے۔ اور سالک مجذوب وہ سالک ہے۔ کہ جس کو اللہ تعالےٰ کھینچ لیتا ہے۔ پھر وہ ہر آن سلوک کی پیروی کرتا ہے۔ تو سلوک کا نصب العین ہے۔ اور جذبہ اس کے تابع ہے۔ اور فرق کے سمجھنے کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ بلکہ اگر تو نظر کو اس معنی پر ٹھہرائے گا۔ تو سالک مجذوب کو پہلے معنی کے لحاظ سے مجذوب سالک کے معنی میں پائے گا۔ پس غور کر

اب میرے لئے ایک اور وجہ باقی رہ گئی ہے۔ ضروری ہے۔ کہ اس کی طرف اشارہ کر دیا جائے۔ پس میں کہتا ہوں۔ کہ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس محقق کامل کے تذکرہ کے مطابق مجذوب سالک ہیں اور اس میں شک نہیں ہے کہ خلفائے اربعہ آپ کی ظاہری اور باطنی نیابت پر ہیں۔ تو یہ ممکن ہے۔ کہ بعض خلفاء یعنی تین تو مجذوب سالک کی منزل پر ہوں۔ اور چوتھا یعنی اسد اللہ رضی اللہ عنہم وعنہ سالک مجذوب کے مرتبہ پر ہو۔ جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ ورنہ وہ نائب نہیں ہوگا۔ اور وہ جیسا ہے تو دیکھ ہی رہا ہے اور باقی جو دوسرے اصحاب تو وہ چونکہ خلافت کے قدم پر نہیں تھے۔ جائز ہے کہ ان سے بعض نسبت خاصہ پر ہوں۔ اور بعض آپ پر صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے مناسبت رکھنے والے ہوں۔ بلکہ آپ کی عمومی نسبت سے بہت نیچے ہوں۔ لیکن وہ بھی تمام اولیاء سے اوپر ہوں یہی وجہ ہے کہ غوث ربانی اللہ تعالےٰ کے مراد ٹھہرے۔ یعنی مجذوب سالک کیوں آپ نائب ہیں۔ اور نائب کسی طرح بھی اپنے منیب کا مخالف نہیں ہوتا۔ پھر اگر تو کہے۔ کہ آپ کے ذکر سے لازم آتا ہے۔ کہ خلفائے راشدین میں درجے کے لحاظ سے کوئی فرق نہ ہو۔ اور یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ اولیاء جو ہندوستانی میں ہیں۔ وہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سوائے خلفائے رضی اللہ عنہم کے جیسا کہ آپ نے ذکر کیا ہے۔ جائز ہے۔ کہ سالک مجذوب کی منزل پر ہوں۔ تو میں کہوں گا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کیونکہ یہ مقرر ہے۔ کہ ایک ہی نسبت جائز ہے۔ کہ اولیاء کے بہت سے افراد میں متحقق ہو۔ اور بعض ان کے بعض سے افضل ہوں۔ اس نسبت کی حیثیت سے نہیں۔ بلکہ سالک کی نسبت کی قوت اور بصیرت کی تیزی کی حیثیت سے جیسے کہ اس کی استعداد کا تقاضا ہو۔ بلکہ جائز ہے۔ کہ نچلے درجہ کا آدمی اوپر کی نسبت والے سے زیادہ طاقت ور ہو۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ تجلی ذاتی میں ہیں۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام تجلی صفاتی میں جو کہ ان کو نصیب کی گئی ہے۔ تیز نگاہ ہونے کی وجہ سے ان سے افضل ہیں۔ علی نبینا وعلیہ السلام۔ یہی وجہ ہے۔ کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ تمام ان اولیاء سے بہتر ہیں۔ جو ان کے بعد آئے رضی اللہ عنہم کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھنے اور آپ کے قرب کے سورج اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور کے سبب سے انوار سے اقتباس کرنے کی وجہ سے نسبت قوی رکھتے ہیں۔ یہ وہ ہے۔ جو ہم نے اجمالی طور پر ذکر کر دیا ہے ۔

بیان واضح وتبیان ساطع :- تکملہ یا تعیہ میں کہا ہے ۔ امام المقربین شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے ۔ کہ آپ نے کہا ۔ کہ میں نے شیخ محی الدین سید عبد القادر رضی اللہ عنہ سے اپنے مدرسہ میں منبر پر فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر ولی کسی نہ کسی نبی کے قدم پر ہے ۔ اور میں اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پر ہوں ۔ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا ۔ کہ میں نے اسی جگہ پر اپنا قدم نہ رکھا ہو ۔ مگر قدم نبوت کہ اس میں غیر نبی کو راہ نہیں ہے ۔ کسی پر یہ مخفی نہیں ہے ۔ کہ یہ کلام جیلی منادی کر رہا ہے ۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ کی ولایت کا مرتبہ ہر لحاظ سے پورے طور پر مکمل ہے ۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت کے اقدام میں سے کوئی قدم ایسا نہیں ہے ۔ کہ جس میں شیخ اجل رضی اللہ عنہ نہ کھڑے ہوں ۔ پھر جو شخص جائز رکھتا ہے ۔ کہ ولایت محمدیہ کے اقدام میں سے کوئی ایسا قدم ہو ۔ جہاں شیخ اجل رضی اللہ عنہ نہ پہنچے ہوں ۔ اور کہتا ہے ۔ کہ یہ امام مہدی رضی اللہ عنہ میں ہوگا ۔ وہ اس کلام کے صریح مخالف ہے ۔ پھر اگر تو کہے ۔ کہ آپ صحابہ رضی اللہ عنہ کی تفضیل میں کیا کہتے ہو؟ تو میں کہتا ہوں اللہ کہوں گا ۔ کہ فرق صرف کیفیت کی قوت کی حیثیت سے ہے ۔ پس جائز ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت کیفیت کے لحاظ سے قوی ہو ۔ اور اسی طرح میں یہ بھی کہتا ہوں ۔ کہ امام مہدی کی شیخ اجل رضی اللہ عنہ پر تفضیل کا جواز کیفیت کی قوت کے اعتبار سے ہو ۔ جو کہ امام مہدی رضی اللہ عنہ کا خاص حصہ ہے ۔

اور تکملہ یا تعیہ میں ہے ابو محمد علی ابن ادریس یعقوبی نے کہا ۔ کہ میں نے شیخ سے مرض الموت میں سنا ہے ۔ کہ وہ اپنی اولاد سے کہہ رہے تھے ۔ کہ میرے اور تمہارے اور تمام مخلوق کے درمیان زمین و آسمان کا بعد ہے ۔ پس مجھ کو کسی پر یا کسی کو مجھ پر قیاس نہ کرو ۔ اور یہ کلام اس میں نص ہے ۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے برابر اس منزل میں اولیاء میں سے اور کوئی نہیں ہے ۔ اور زمانہ کی تخصیص بھی باطل ہے ۔ کیونکہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے قصیدہ میں تصریح فرمائی ہے ۔ کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھے اجل ولایت بخشی ہے ۔ جو وہ قیامت تک میرے سوا کسی کو نہ دے گا ۔" اور آپ کا قول قیامت تک آپ کے قول لحیطہا الغیوری کی آپ رضی اللہ عنہ کی آپ کے زمانہ کے ساتھ تخصیص کے توہم کی حیثیت سے تاکید کی ہے پھر اس تاکید کے بعد تخصیص کے لئے کوئی میدان نہیں ہے ۔ پھر اگر تو کہے ۔ کہ غوثیہ سے پہلے نقل گزر چکی ہے ۔ کہ "انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے علاوہ میرے کچھ بندے ایسے ہیں ۔ جن کے احوال پر نہ کوئی دنیا والوں میں سے مطلع ہے ۔ اور نہ کوئی اہل آخرت سے ۔ یہاں تک کہ آپ نے آخر کلام میں فرمایا ۔ اور تو بھی ان میں سے ہے ۔ اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے ۔ کہ شیخ اجل کے مرتبہ میں آپ کے اقران اور شرکاء بھی ہیں ۔ تو میں کہوں گا ۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ کے علاوہ دوسرے بھی اس منزل پر داخل ہوں ۔ وہ منزل کہ جس میں شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے ۔ کہ میرے اور ان کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے کیونکہ غوثیہ کا کلام اس وقت کا ہے ۔ جب کہ آپ رضی اللہ عنہ مرتبہ غوثیت میں تھے ۔ جیسا کہ اس پر اس صفت سے خطاب دلالت کر رہا ہے ۔ اور یہ وہ آپ کے بدر کمال کے کمال سایہ ہونے کے مطابق کلی کمالات کے حصول کے وقت کا ہے ۔ اور اس پر یہ دلالت کرتا ہے ۔ اس وقت کا ہے جب کہ آپ رضی اللہ عنہ اس دار فانی سے دار البقار کی طرف رحلت فرما رہے تھے ۔ اور یہ تو مخفی نہیں ہے کہ یہ وقت وصول کلی کے حصول اور کائن کی طرف تمام استعدادات کی فعلیت کے تحقق کا وقت ہے ۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ۔ کہ پہلے آپ کے سپرد عراق کیا گیا ۔ پھر دنیا اور آخرت مشرق و مغرب اور جنوب اور شمال اور

Scanned by CamScanner

ہموار زمین اور پہاڑ وغیرہ فلک و عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ اور اسی طرح قربی نسبت کی ترقیات ہیں۔ یہاں تک کہ آپ رتبۂ خلافت و نیابت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے۔ پھر اگر تو کہے۔ کہ یہ مقرر ہو چکا ہے کہ تمام مراتب آپ رضی اللہ عنہ کو ابتداء ہی میں حاصل ہو چکے تھے۔ جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ آپ نے کہا۔ کہ میں ابراہیم و نوح و ایوب و اسماعیل علیہم السلام کے ساتھ تھا۔ تو پھر جو آپ کہہ رہے ہیں۔ وہ کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے؟ تو میں کہوں گا۔ کہ تصرف اور قرب کی دو جہتیں ہیں۔ پہلی جہت پہلے علم اور تصرف روحی کی حیثیت سے ہے۔ اور دوسری جہت اس ظہور اور تصرف جسمانی کے اعتبار سے ہے پھر جو مقرر ہے۔ اور جو تو نے روایت کیا ہے وہ پہلے کے قبیل سے ہے۔ اور جس میں کلام چل رہا ہے وہ دوسرے قبیل سے ہے۔ کیونکہ وہ آپ رضی اللہ عنہ سے اس زندگی میں کلام و گفتگو ہے۔ اور یہ قاعدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے اخذ کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آدم اور جو ان کے پیچھے ہیں وہ میرے جھنڈے کے تحت ہیں"۔ اور یہ بھی فرمایا۔ کہ "میں نبی تھا۔ اور آدم ابھی پانی اور کیچڑ میں تھے"۔ اور ان کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجۂ روحیہ میں کمال پر دلالت کرتی ہیں۔ اور آپ کو رب عز و جل نے اپنی محکم کتاب میں فرمایا "اور تجھے گمراہ پایا۔ پس ہدایت دی" اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی کہ "تجھے وہ کچھ سکھایا۔ جو تو نہیں جانتا تھا"۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ آپ وحی کے منتظر رہتے۔ پس وہ کمال جو جسمانی پیدائش سے متعلق ہے گویا کہ وہ پہلے کمال کی حقیقت ہے۔ لیکن پہلا دفعتہً ہوتا ہے۔ اور یہ آہستہ آہستہ اور تدریجی میں جائز ہے۔ کہ سارا ابتداء ہی میں ہو۔ لیکن اس کا بعض حصہ ترقیات کے حصول کے زمانہ میں معلوم ہو۔ وہ اپنے ذہن کے خالی ہونے کے بعد معلوم کرے۔ اور یہ تفصیل کا تقاضا کرتا ہے لیکن چونکہ ڈھیر میں سے نمونے کا دکھا دینا کافی ہوتا ہے۔ لہذا ہم اسی طرح تھوڑے سے انداز پر کفایت کرتے ہیں۔ پس اس طریق کو یاد رکھ۔ کہ یہ دقیق کے اسرار سے ہے۔ اور اس سے آپ رضی اللہ عنہ کے قول وکل ولی لہ قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال کا راز بھی تجھ پر دونوں مرتبہ میں ظاہر ہو گیا ہوگا۔ روحی میں بھی اور جسمی میں بھی۔ پھر اگر تو کہے۔ کہ یہ علم اپنے کمالات کے ساتھ بعض دوسرے اولیاء کو بھی حاصل ہے تو میں کہوں گا۔ تو معلوم کر چکا ہے۔ کہ فضیلت باعتبار وضوح کلی اور انکشاف تام کے ہے۔ اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارشاد مناہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

رموز هذه القصة العجيبة:- اس عجیب قصہ میں کئی رموز ہیں۔ پہلا یہ ہے۔ کہ آپ کا قول اور اپنے اس قول کا منبر پر اظہار اس طرف اشارہ ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ اس کہنے کے ساتھ مامور تھے۔ گویا کہ یہ اظہار واجبات یا مستحبات ضروری الاظہار سے تھا۔ تاکہ لوگ اس اچھے طریقہ کو معلوم کر سکیں۔ جس کے ورود سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مشرف فرمایا ہے اور دوسری رمز آپ کا مدرسہ میں یہ قول کہنا اس طرف اشارہ ہے۔ کہ آپ اس قول اور اس کے لوازم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کامل کے زیر سایہ تھے۔ اور تیسری رمز یہ ہے کہ ولایت محمدیہ قیامت کے دن تک باقی ہے۔ اس کی بقا میں کوئی شک نہیں ہے پس تمام اولیاء آپ کی ولایت کے قدم کے نیچے ہیں۔ اور اس قدم کا نفس وہ آپ رضی اللہ عنہ کا ہی حصہ ہے اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔ اور چوتھی رمز یہ ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر اس حیثیت سے نبوت ختم ہو چکی ہے کہ آپ کے بعد کوئی بھی نبی کے نام سے نہ پکارا جائے گا۔ اور نبوت کے تحقق کی حیثیت سے بھی جو کہ وہ الہام وحی کی سفارت سے لوگوں کی طرف تبلیغ احکام سے عبارت ہے یعنی جبرائیل کا نبی کی بعثت کے بعد آنا موقوف ہو چکا ہے۔ اور باقی رہا تبلیغ احکام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تبلیغ حکایت کی حیثیت سے کتاب و سنت سے نو

Scanned by CamScanner

وہ بھی قیامت کے دن تک باقی رہے۔ اور اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کی طرح ہیں۔ اور جو ہم نے ذکر کیا۔ اس سے اس وہم کی مدافعت آپ کے لئے ظاہر ہو گئی۔ جو متردد دلوں میں کھٹکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ نبوت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق تک احکام پہنچانے سے عبارت ہے۔ اور یہ قیامت کے دن تک باقی ہے کیونکہ ہر عالم مخلوق کی طرف کتاب و سنت کے احکام پہنچانے پر عامل ہے۔ پس ولایت کی طرح نبوت کے لئے بھی ختم ہونا نہیں ہے۔ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا کیا معنی ہے۔ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کے اس قول کا کیا معنی ہے۔" مگر نبوت کا قدم" اور مدافعت کی توجیہ ظاہر ہے۔ کیونکہ نبوت اپنے مفہوم میں اس سے ماخوذ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ سے سفارت الہامیہ یا اللہ تعالیٰ کی وحی سے خواہ وہ نئی کتاب کے ساتھ ہو۔ یا اس علیہ السلام سے پہلی شریعت پر باقی رکھنے سے نبی کو مبعوث فرمائے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام والصلوات کی اولاد میں تھا۔

اور پانچویں رمزیہ ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ کی اپنی موت میں اپنے اس قول سے وصیت کہ میرے اور ان کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دلیل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے لئے تمام خلائق کی نسبت سے کمالات کے حصول پر پس اس آدمی کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ جو آپ کے ساتھ آپ کی زندگی میں یا اس کے بعد کسی کی برابری مدعی ہے۔ اور اسی لئے آپ نے یہ قول زیادہ کیا۔ کہ تمام مخلوق" اور آپ کا یہ قول کہ" مجھ کو کسی کے ساتھ یا کسی کو میرے ساتھ قیاس نہ کرو" اور حق یہ ہے کہ شیخ رضی اللہ عنہ کے کلام کے حروف میں سے ہر حرف میں کئی اشارے اور رموز ہیں۔ جن کو سمیٹنا ممکن نہیں ہے اسی لئے ہم نے اس کو طلب معانی کے سپرد کر دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جسے چاہتا ہے۔ دیتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور وہ بڑا بلند ہے اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں۔ یا غلطی کریں۔ تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔ اور اپنے حبیب اکمل پر ہے۔ ان کی آل اور صحابہ اور شیخ جیلی رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے اپنی رحمتیں نازل فرما:

فائدہ جلیلہ:۔ رسالہ رموز الواصلین میں ہے: بعض مشائخ صاحب ولایت ہیں۔ بکسر واؤ اور بعض کے لئے ولایت بفتح واؤ ہے۔ اور ہر ایک کا علیحدہ درجہ ہے۔ پہلا تلوین میں ہے۔ اور دوسرا تمکین میں پہلا عاشق کا مقام ہے۔ اور دوسرا معشوق کا۔ پہلے کو ولی کہتے ہیں۔ اور دوسرے کو والی" اور کشف المحجوب میں ہے۔ ولایت بمعنی ربوبیت ہے ھنالک الولایۃ اللہ چونکہ ولی نفس اور خواہش کے ساتھ جنگ کرنے والا ہے۔ اور نفس اللہ کے دشمنوں سے ہے اور خواہش جھگڑا کرنے والی ہے۔ تو اللہ ولی کو مدد دیتا ہے۔ اور اللہ اپنے بندوں کی ان دلوں سے وساوس اور بد اخلاقیاں دور کر کے تربیت کرتا ہے۔ جو اللہ کے لئے دنیا سے بے رغبت ہیں۔ اور اسی لئے کہا جاتا ہے۔ کہ ولایت بمعنی مدد بھی ہے۔ کیونکہ منصور اللہ کے قریب ہے۔ نیز ولی اللہ کی مدد قریب ہے۔ ابراہیم ادہم نے کہا: " اگر تو چاہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تجھے ولایت بخشے تو ضروری ہے کہ تو دنیا اور آخرت کی کسی چیز میں رغبت نہ کر۔ اللہ تعالیٰ میں اپنی رغبت کی وجہ سے اللہ کے سوا ہر چیز سے منہ پھیرے" اور رسالہ فوائد میں ہے:" ولایت دو قسم پر ہے۔ ایک عام ہے اللہ پر ایمان لانے سے اللہ ایمان والوں کا دوست ہے اور ایک خاص ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر احسان کے ساتھ حقائق کا کشف ہے۔" اور عثمان مغربی کے رسالہ میں ہے کہ" ولی کبھی مشہور ہوتا ہے۔ اور کبھی مستور ہوتا ہے۔ اور یہ اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کی حکمت پر مبنی ہے۔ اگر شہرت اسے تکلیف دے تو پوشیدہ

Scanned by CamScanner

رکھا جاتا ہے۔ اور اگر حکمت تقاضا کرے۔ تو مشہور کیا جاتا ہے۔ اور بایزید کے رسالہ میں ہے۔ "ولی ہمیشہ موت تک امر و نہی کے ماتحت صبر کرنے والا ہے۔" اور وہ شخص بے دین ہے۔ جو کہتا ہے۔ کہ قرب کے بعد امر و نہی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ بے دینی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حال سے جہالت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ کہ آپ موت تک عبادت پر رہے" اپنے رب کی یقین آنے تک عبادت کر؛ یعنی موت آنے تک۔ قشیر کے ترجمہ میں ہے۔ ولی فعیل یا تو بمعنی فاعل ہے۔ پس اس کے معنی ہیں۔ لغزش یا نافرمانی کے ارادہ کے بغیر خدا تعالیٰ کے امر اور حق کی اطاعت کو قبول کرنے والا۔ اور یا بمعنی مفعول ہے پس اس کے معنی ہیں۔ ہمیشہ کی اطاعت سے خدا تعالیٰ کا قبول کیا ہوا۔ اور گمراہی و نافرمانی سے بچایا ہوا" اور وہ نیک لوگوں کا والی ہے۔

میں کہتا ہوں۔ ان دونوں وجوہات کا احتمال تجھ پر مخفی نہ رہے۔ کہ جب ولایت بمعنی نصرت اور قرب اور تصرف وغیرہ ہو تو یاد کر اور خیال کر کہ اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور ہر معنی پر محمول کیا جائے گا۔ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا قول ہے "جس نے ولی کو تکلیف دی۔ اس نے میری جنگ کو حلال کر لیا۔" پھر ولی کبھی اپنی ولایت کو نہیں جانتا۔ اور اللہ تعالےٰ حکیم کی حکمت و مصلحت کی وجہ سے اس کو مخفی رکھا جاتا ہے۔ مثلاً اس کی استعداد کی کمینگی کی وجہ سے وہ تکبر کرتا ہے پس اس سے قرب اور ولایت دور ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے۔ کہ ولایت کا دعویٰ ولایت کو زائل کر دیتا ہے خصوصاً جھوٹا دعویٰ پس پہلے پر ابلیس کا قول ہے۔ کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ اور دوسرے پر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا قول وارد ہوا ہے۔ کہ کچھ گناہ ایسے ہیں۔ جن کی سزا صرف ایمان کا سلب ہونا ہے۔ خبردار وہ ولایت کا دعویٰ اور مکر اور فریب سے اللہ تعالیٰ پر کرامات کا افترا کرنا ہے۔ اور اسی لئے اولیائے کرام کرامات کو چھپاتے تھے۔ اور ظاہر نہیں کرتے تھے۔ اور جو ان کی کرامات پر مطلع ہو جاتا اس کو ظاہر کرنے سے منع کر دیتے۔ یحییٰ معاذ نے کہا۔ تمام دلوں میں محبوب ہے اور اقوال میں اور افعال میں مقبول ہے اور اولیاء کی علامات میں سے ہے۔ حق کے ساتھ شغل اور حق کی طرف فرار اور اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ قرار اور جس شخص کو ظاہر کرنے کا حکم دیا جائے۔ جیسے شیخ اجل رضی اللہ عنہ تو وہ اللہ تعالےٰ کے حکم کی تعمیل میں ظاہر کرتے ہیں۔ اور اس نے فرمایا۔ تو کہہ اور خوف نہ کر۔ تاکہ وہ تیرے طریقہ کو پہچانیں۔ اور اس کو اقتدا کریں۔ اور اسی طرح کا مضمون کئی بار گزر چکا ہے۔ اس کو یاد کر۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل و صحابہ و نائب کی برکت سے احاطہ پر قادر ہو جائے گا؛

فائدہ جلیلہ:- جب کلام ولایت کے بیان تک مفہوم کی حیثیت سے پہنچ گیا۔ تو ہمیں ابو سعید حمودی کا قول یاد آگیا۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ وہ مولانا رومی کا قول ہے۔ کہ ولایت نبوت سے افضل ہے پس میں کہتا ہوں۔ کہ اس قول میں اختلاف کیا گیا ہے۔ پس کہا گیا ہے۔ کہ ولایت کو نبوت پر بزرگی دینا کفر ہے۔ اور یہ اس پر مبنی ہے جو انہوں نے اس کلام کے ظاہر سے سمجھا کیونکہ وہ نبی پر ولی کی تفضیل کو مستلزم ہے۔ اور یہ صاف کفر ہے۔ اور چونکہ یہ کلام ایک کامل کا کلام تھا۔ لہذا انہوں نے تاویل کی اور آپ کے لفظ من کو بمعنی بعد لغت کے مطابق بنایا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول واطعمھم من جوع میں ہے۔ یعنی بعد جوع تو کلام کا معنی اس طرح ہوا۔ کہ ولایت نبوت کے بعد افضل ہے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے۔ خدا کی قسم نہ سورج طلوع ہوا اور نہ غروب ہوا۔ کسی پر بھی جو نبیوں کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ سے افضل ہو۔ اور اس توجیہ میں کلام تو صحیح حدیث میں ہے اور کلام ایک دوسرے معنی میں ہے۔ جسے اہل اسرار جانتے ہیں۔ اور توجیہ میں یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ ولایت سے مراد اللہ تعالیٰ کی

Scanned by CamScanner

ولایت ہے۔ پس معنی اس طرح ہوئے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی ولایت نبوت سے بہتر ہے۔ اور یہ معنی بھی خلل سے خالی نہیں ہیں کیونکہ ظاہر ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی ولایت پر فضیلت سے افضل ہے۔ جو نبیوں کے لئے ثابت کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی مکسوب ہے اور پہلے آدمی نے کہا جس کے قول کی انتذار جاتی ہے۔ کہ مراد یہ ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے بہتر ہے کیونکہ ولایت جہت قربیہ ہے۔ اور نبوت مخلوق کی طرف توجہ کی جہت ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ قرب کی جہت بُعد کی جہت سے افضل ہے اور کہا گیا ہے کہ مراد مطلقاً قرب کی جہت بُعد کی جہت سے افضل ہے۔ اور اس سے نبی پر ولی کی فضیلت لازم نہیں آتی۔ کیونکہ وہ ورود وحی اور صاحب کتاب ہے۔ پھر یہ کسی پر مخفی نہ رہے۔ کہ مجھ پر اب تک یہ معنے ظاہر نہ ہوئے۔ کہ نبوت بُعد کی جہت ہے۔ کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنی عین تبلیغ میں بھی اللہ عز اسمہٗ کی طرف متوجہ ہیں۔ بلکہ نبوت میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہے۔ بلکہ ان کے تمام کمالات اور صفات میں بھی لیکن حق زیادہ حقدار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ اور میرے دل میں خیال گزرتا ہے کہ اس مقولے قائل کا مقصود یہ ہے۔ کہ ولایت یعنی نبی کی ولایت نبوت سے افضل ہے۔ کیونکہ ولایت ایک مرتبۂ قرب ہے جو ازل سے کہ ابد تک دنیا اور آخرت میں ثابت ہے۔ اور نبوت وہ دنیا کے باقی رہنے تک ہے۔ بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک اور اگر یہ کہا جائے۔ کہ ولایت نبوت کا حصہ ہے۔ یعنی ولایت ہے اپنے نبوت کا حصہ ہونے کی وجہ سے تو بھی معنی پورے ہو جاتے ہیں اور یہ معنی تقدیر (مقدار کرنے) کا محتاج ہے۔ لیکن اکثر معانی سے بہتر ہے پھر جزئیت کے اعتبار سے حکم ترکیب کے اعتبار سے نہیں ہے۔ بلکہ مفہوم کے اعتبار سے ہے اور پہلے اس کا حصہ کچھ گزر چکا ہے اس کو یاد کر ؛

فضائل الاولیاء :۔ یحییٰ بن معاذ نے کہا۔ "ولی زمین میں اللہ تعالےٰ کا نازبو ہے لیکن ضروری ہے۔ کہ کوئی اس نازبو کی خوشبو سونگھنے والا ہو۔ اور اس سونگھنے کی صحت صداقت اور اشتیاق اور محبت سے ہے۔" ابو سعید خراز کا قول ہے۔ "جب اللہ تعالےٰ کسی کو صاحب ولایت کرنا چاہتا ہے۔ تو پہلے ذکر کا دروازہ اس پر کھولتے ہیں۔ جب وہ ذکر میں ذکر میں لذت پاتا ہے۔ تو اس پر قرب کا دروازہ کھولا جاتا ہے پھر اس کو انس کی مجلس میں توحید کی کرسی پر بٹھاتا ہے اور اس کے بعد اس کے سامنے سے پردہ اُٹھا دیتا ہے۔ اور فردانیت کی سرا میں لاتا ہے۔ اور اپنے جلال کی عظمت اس پر ظاہر کرتا ہے اس جگہ خدا تعالیٰ کی ملاقات میں فانی ہو جاتا ہے۔" رسالہ شیخ جبرئیل میں ہے۔ کہ "صاحبان ولایت ایک قوم ہیں۔ کہ جب وہ کسی بندے کی طرف نگاہ کرتے ہیں۔ تو اُس کی خوش بختی بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ ان کی اطاعت بے گمان ہے۔ اور ان کی معصیت بے نشان ہوتی ہے۔ ان کی گفتار تمام کی تمام کردار ہے۔ اور ان کا کردار ان کی گفتار ہوتی ہے۔ وہ غائب حاضر ہیں۔ اور حاضران غائب ہیں۔ کہنہ پوش بادشاہ ہے اور کہنہ پوش اور نوفروش ہیں۔ یہ پاؤں نہیں رکھتے۔ لیکن آسمان ان کے قدم کے نیچے ہے۔ ان کا ہاتھ نہیں ہے۔ لیکن دونوں جہانوں کا ملک ان کے زیر نگین ہے۔ ایک وقت حضرت رسالت صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمایا۔ اے میرے بھائیوں کی ملاقات کا شوق صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا۔ کہ دوست تو سب حاضر ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ وہ میری ہجرت سے چار سو سال اور پانچ سو سال بعد عجم میں پیدا ہوں گے ؛ "عین القضاۃ" میں ہے۔ کہ اگر کوئی آدمی مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و منزلت کو معلوم کر سکے۔ تو اس وقت ممکن ہے۔ کہ مردانِ خدا کو بھی پہچان سکے۔ جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "میں ان لوگوں کو پہچانتا ہوں۔ تو اللہ کے نزدیک میرے

مقام میں ہیں۔ نہ تو وہ نبی ہیں۔ نہ شہیدان کے اللہ تعالےٰ کے نزدیک مقام کی وجہ سے انبیاء اور شہیدان پر رشک کریں گے۔ اور یہ لوگ صرف اللہ تعالےٰ کے لئے آپس میں محبت رکھنے والے ہیں۔" میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کہ "وہ میرے مقام میں ہیں" کے متعلق کہتا ہوں۔ کہ یہ اس طرف اشارہ ہے۔ کہ ان کے لئے ولایت محمدیہ خاصہ ہے۔ وہ میرے مرتبہ اور میری منزلت کے زیر سایہ ہوں گے۔ اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ کہ ہر ولی کا ایک قدم ہے۔ اور میں نبی کے قدم پر ہوں۔ جو کہ کمال کے بدر میں اس پر دلالت کرتا ہے۔ کہ اس حدیث میں آپ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا قول کہ "چار سو سال بعد اور پانچ سو سال بعد عجم میں پیدا ہوں گے۔" یہ بھی ہمارے قول کی تائید کرتا ہے۔ اور شیخ "عین القضاۃ" کے قول میں بھی شیخ اجل رضی اللہ عنہ کا قول کی طرف اشارہ ہے کہ "میں تمہاری عقول سے بالا ہوں۔" اور آپ کے اس قول کی طرف کہ "میں ستر ہوں۔ اور ستر کا معنی اللہ تعالےٰ کے قول و یخلق مالا تعلمون بحکمتی میں ہے"۔ کشف المحجوب میں اولیاء کے متعلق ہے: ان کے چہرے نور ہوں گے۔ اور نور کے منبروں پر ہوں گے۔ جب لوگ ڈریں گے۔ اور جب لوگ غمگین ہوں گے اللہ تعالےٰ نے ان کے حق میں فرمایا ہے۔ کہ میرے کچھ بندے ہیں میری ملکیت ہیں۔ اور قیامت تک رہیں گے۔ اس کے بعد فرمایا چار ہزار ان میں سے مکتوم ہیں۔ اور ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے۔ اور اپنے حال کے جمال سے ناواقف ہیں۔ اور تمام احوال میں اپنے آپ سے بھی اور خلقت سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ اور یہ صاحب ولایت ہیں۔ اور تین سو اخیار ہیں۔ جو اہل حل و عقد ہیں یہ درگاہ الٰہی سپاہی ہیں۔ ان میں سے چالیس ابدال ہیں اور سات ابرار ہیں۔ اور چار اوتاد ہیں۔ اور تین نقیب ہیں اور ایک قطب ہے۔ اور اس کو غوث بھی کہتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ اور امور میں ایک دوسرے کی اجازت کے محتاج ہوتے ہیں۔" اس کو یاد رکھ۔ اور پہلے اولیاء اقطاب و ابدال کے بیان میں پہلے ایک لمبی حدیث گزر چکی ہے اس کو یاد کر:

پھر تجھ پر یہ بھی مخفی نہ رہنا چاہیئے۔ کہ یہ تمام اولیاء قدس اللہ اسرارہم شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے قدم کے نیچے ہیں۔ اور تمام اقدام شیخ اجل کے قدم کے نیچے ہیں۔ پس آپ سچائی کے قدم میں ملیک مقتدر کے پاس ہیں پس آپ نبی کے قدم پر ہیں۔ جو کمال کے مبداء ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہ۔ پھر میں نے اولیاء قدس اللہ اسرارہم کی علامات کو نقل کیا ہے۔ تو یہ اس لئے کہ تو جان لے۔ کہ دعویٰ ولایت کے لئے کچھ دلائل اور شہادتیں ہوتی ہیں۔ اور ان کے سواء دعویٰ قبول نہیں کیا جاتا۔ اسی لئے شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب عزیز جلاء الخاطر میں فرمایا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے۔ کہ دعویٰ دلیل ہی سے سُنا جاتا ہے۔ اور ولایت کی دلیل کتاب و سنت ہے۔ پھر جو اس راہ پر برابر ہو۔ وہ ہدایت پانے والا ہے ورنہ وہ گمراہی و غوایت میں ہے۔ اس کو شبہ پڑ گیا ہے۔ کہ وہ ہدایت میں ہے۔ لیکن وہ کھلی ہوئی بیوقوفی ہے۔ اے اللہ ہمیں خلل اور ذلل سے محفوظ رکھ۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور ہمارے سردار محمدؐ اور ان کی آل اور ان کے صحابہ اور تابعین اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا سب پر اپنی رحمتیں نازل فرما:

بیان عجیب فی المعنی ا۔ ضروری ہے۔ کہ تو جانے کہ قدم سے مراد وہ مقام ہے جس میں اللہ ہر ولی کو کھڑا کر دیں۔ اور اس کو اس کا ٹھکانہ بنا دیں۔ اور اسی کو قرب اور وصال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور وصول و کمال سے اس کی تعبیر کی جاتی ہے۔ اور کتاب کے ابتداء میں مقامات کا بیان گزر چکا ہے۔ کہ اس کو یاد رکھ۔ تجھے یاد رکھنا نفع دے گا۔ اور آپکے

Scanned by CamScanner

قول دکل ولی لسہ قدم کی تحقیق بیان کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ لیکن وہ ہر لحظہ کسی نہ کسی حالت میں ہے۔ پس شیخ جیل رضی اللہ عنہ کی یہ مراد ہے۔ کہ ہر ولی کے لئے قدم اور مقام ہے۔ جس میں وہ ٹھہرا ہے۔ اور اس میں قیام کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ تک تاکہ بعد بقا کے حصول سے پہنچا ہے۔ اور تمام اولیاء کے لئے یہ مقامات انبیاء علیہم السلام کے زیر سایہ ہیں۔ کیونکہ اولیاء نبی علیہ الصلوات والسلام کی طفیل ہی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ اور وصول کا سبب ولایت وہ صرف ایک خاص مقام ہے کہ جس کی حیثیت وصول کا مدار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ کے مطابق اس کے بغیر وصول نہیں ہے۔ اور ہر ولی کا وصول الگ الگ اور متفاوت ہے۔ کسی کے وصول میں فانیاً کبھی دوسرے کی شرکت نہیں ہے۔ یا تو قومی اختلاف کی وجہ سے یا تحفی اختلاف سے جیسا کہ ہم نے کیفیت کی حیثیت سے فرق کو بیان کیا ہے۔ پس شیخ اجل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ ہر ولی پہلے انبیاء میں سے کسی نبی کے قدم پر ہے مثلاً بعض اولیاء آدم علیہ السلام کے قدم پر ہیں۔ اور بعض ابراہیم علیہ السلام کے قدم پر اور اسی طرح بلکہ بعض اولیاء اسرافیل وغیرہ فرشتوں کے قدم پر بھی ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث میں گزر چکا ہے۔ جو اوتاد وابدال کے بیان میں روایت کی گئی ہے۔ یعنی ہر ولی کی تربیت انبیائے سابقین کی تربیت کے سایہ میں ہے۔ اور میں اپنے نانا مصطفےٰ کے قدم کی تربیت پر ہوں۔ جیسا کہ آپ نے ایک اور قصیدہ میں فرمایا۔ اور میرے نانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اصل میں میری تربیت فرمائی ہے۔ اور ایک اور قصیدہ میں ہے۔ میں نے تمام حجاب پھاڑ ڈالے۔ یہاں تک کہ میں اس مقام میں پہنچ گیا۔ جو کہ میرے نانا کے لئے تھا اور میں سفید موتی اور رضا کے سدرۃ تک پہنچا۔ تو میرے پیارے نے مجھے مبارک باد دی۔ اور مجھے بلایا یعنی میں اپنی ابتدائے تربیت سے لے کر اپنے آخری وصول تک ان مقامات پر ہوں۔ جو میرے نانا کی طرف منسوب ہیں۔ پس میں اوّلاً و آخراً اپنے نانا مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ ہوں۔ پس آپ نے میری تربیت فرمائی۔ اور وہی مجھے قائم رکھتے ہیں۔ وہی مجھے رفیق اعلیٰ تک پہنچاتے ہیں۔ پس میرا وصول ولایت محمدیہ تامہ کا وصول ہے۔ کہ جس کے قریب تک بھی سوائے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اور کوئی نہیں پہنچا۔ پس صحابہ نور محبت سے واصل ہیں +

پھر اگر تو کہے: کہ "ہر ولی نبی کے قدم پر ہے" کا کیا معنی ہے؟ تو میں کہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک خاص مقام سے مخصوص فرمایا ہے۔ کہ اس کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچا۔ اور اسی کے ساتھ مشرف ہوا۔ پس وہ امان ہی ہے۔ مضبوط ٹھکانے میں ہے۔ اس کے پاس امانت والا ہے۔ پھر جب نبیوں کے علاوہ کوئی ارادہ کرتا ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچے۔ اور اس کا قرب حاصل کرے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر مومن کے لئے فرمایا ہے۔ "اے ایمان والو صبر کرو اور صبر کی تلقین کرو۔ اور رابطہ کرو۔ اور اللہ سے ڈرو۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔" اور اس کے علاوہ اور آیات میں بھی ہر مومن کے لئے وصول و قرب کے وعدے فرماتے ہیں۔ تو ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور رستہ بنایا ہے۔ پس انبیاء علیہم الصلوات والسلام تو اصالت راسخہ سے واصل ہوئے۔ اگرچہ وہ بھی سب نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے سائے میں ہیں۔ اور لیکن رہے اولیاء تو وہ مستقل نہیں ہیں۔ پس ہر ولی کے لئے کسی نبی کے مقام کا سایہ ہے۔ اور نبی علیہ الصلوات والسلام کے قدم کے نشان میں قدم ہے۔ پس بعض اولیاء کے لئے صفوۃ کے قدم میں برگزیدگی ہے۔ جو کہ آدم علیہ السلام کے لئے ثابت ہے۔ اور بعض کے لئے خلّت کے قدم میں بزرگی ہے۔ جو کہ ابراہیم علیہ السلام کے لئے ہے۔ اسی طرح ہر نبی علیہ السلام کا قدم ہر ولی

علیہ الرضوان کے لئے جناب حنّان و منّان کے قرب کی بارگاہ تک پہنچانے والا ہے۔ اسی کے ساتھ وصول ہے اور اسی پر بھروسہ ہے۔ اور میرے لئے نبی امی صلے اللہ علیہ السلام والصلوات جو کہ میرے بلا واسطہ مربی ہیں۔ کے قدم کا سایہ اس تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ میں محمدی عنایت ہوں۔ اور احمدی رعایت ہوں۔ جو ہمیشہ رہی اور ہمیشہ رہے گی۔ پس میری ولایت کی انتہا ہے جیسے کہ صحابہ کی ولایت کی انتہا نہیں ہے۔ کہ جن میں سے ہر ایک نے مرتبہ خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے سایہ میں تربیت حاصل کی ہے۔ لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اس امر کو میرے سپرد کر دیا ہے۔ اور باقی رہے پہلے اور پچھلے صحابہ رضی اللہ عنہ کے سوا دوسرے اولیاء تو ان کی ولایت کا دَور پورا ہو چکا۔ اور ان کی کوشش کی گہرائی ختم ہو گئی۔ اور اسی طرف شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے ؂ پہلے لوگوں کے سورج غروب ہو گئے۔ اور ہمارا سورج ہمیشہ بلندی کے اُفق پر رہے گا۔ غروب نہ ہوگا ؂

پھر اگر آپ پوچھیں۔ کہ دوسرے اولیاء کی ولایت ختم ہو جانے کے کیا معنی ہیں۔ اور ان کے سورجوں کے غروب ہونے کا کیا مطلب ہے۔ کیونکہ پہلے اور پچھلے اولیاء کی اللہ کے قرب کے ساتھ نسبت ابھی تک باقی ہے۔ وہ ہمیشہ رہی۔ اور ہمیشہ رہے گی۔ اور اگر اسکا مطلب تصرفات کا غروب (ختم) ہوتا ہے۔ تو باوجود اس کے کہ تصرف ولایت کے لئے لازم نہیں ہے۔ بعض فوت شدہ اولیاء کے تصرفات باقی ہیں۔ اور دوسرے اولیاء جو قیامت تک آتے رہیں گے۔ وہ بھی تصرف کرتے رہیں گے۔ تو میں کہوں گا۔ یہ ایک مقدمہ پر موقوف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ولی کا قرب اور اس کا تصرف ہر نبی علیہ السلام کے مرتبہ کے سایہ میں ہے۔ وہ نبی کہ جس کے ساتھ فیاض حقیقی کی عطا کردہ استعداد کی حیثیت سے اس کو تعلق ہے۔ پس تمام اولیاء اس نسبت میں اقتباس کی حیثیت سے ظلی طور پر اور اپنے حاصل شدہ وصول کی حیثیت سے اصل کے طور پر کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے قرب کی سطوت اور غلبہ ظاہر ہوا۔ پس آپ کی نسبت پہلے اور پچھلے تمام اولیاء کی نسبت پر فوقیت لے گئی۔ تو وہ بقاء اور وصول کی حیثیت سے آپ کے زیر سایہ ہو گئے۔ تو ان کے سورج مستقل طور پر سفید ہاتھ ظاہر کرنے کی حیثیت سے غروب ہو گئے۔ اور یہ اس طرح ہے جیسے رات کو دیکھا جاتا ہے۔ کہ ستارے چمک رہے ہیں اور چاند کے انوار روشن ہیں۔ پھر جب سورج چڑھتا ہے۔ تو اس کے انوار روشن ہو جاتے ہیں۔ اور اس کی چمک اس طرح پھیل جاتی ہے۔ کہ چاند اور ستاروں کے انوار ماند پڑ جاتے ہیں۔ اور اس طرح ہو جاتے ہیں۔ گویا کہ وہ کوئی چیز ذکر قابل تھے ہی نہیں تو ان تمام ستاروں اور چاند کی روشنیوں کے عدم ظہور کو غروب ہونے سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور اسی لئے آپ نے افول کا لفظ اختیار فرمایا۔ جو کہ روشنی دینے والے اور لینے والے کے نفس کے بقاء پر دلالت کرتا ہے۔ اور آپ نے ان کی عدمیت نہ کہا۔ پس استقلال پورا استقلال سورج کو ہے۔ اگرچہ نفس روشنی ستاروں اور چاند کے لئے ثابت ہے۔ یہ وہ ہے۔ جو کہ ہمیں شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے افادہ فرمایا۔ اور اس معنی کی تائید ایک اور قصیدہ میں آپ کا یہ قول کرتا ہے ؂ میں حقیقت میں دعوت کے اقطاب کا قطب ہوں + میں ان کا بادشاہ ہوں۔ اور باقی سب میرے غلام کہلاتے ہیں + اور ایک اور قصیدہ میں فرمایا ؂ اور تمام دنیا کے بادشاہ میری رعیت ہیں۔ اور یہ بھی ہے۔ کہ جب اللہ تعالے نے شیخ اجل کو اس منزلت پر مشرف فرمایا۔ اور اس زندگی میں آپ کو ظاہر کیا۔ تو اولیاء اور اقطاب کا تصرف عزل آپ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا گیا۔ آپ جس کو مقرر کرنا چاہتے۔ مقرر کر دیتے۔ اور جس کو معزول کرنا چاہتے۔ معزول کر دیتے۔ پس اب ہر منزلت و قرب کی باگ ڈور آپ کے تصرفات کے ہاتھ میں ہے۔ اسی لئے شیخ عبدالرحمن طفسونجی نے سابقہ واقعہ گزرنے کے بعد شیخ عبدالقادر

Scanned by CamScanner

جیلانی نے سچ فرمایا۔ وہ صاحب تصرف ہیں۔ خالص وجود ہیں۔ جیسا کہ گزر چکا۔ اور آپ نے ایک قصیدہ میں اپنے کمالات بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے اور میں نے تمام اقوال حقیقت سے کہے ہیں۔ ان میں ظن اور شک کا شائبہ تک نہیں ہے + اور میں نے اس وقت تک نہ کہا جب تک کہ مجھ پر نہ کہا گیا۔ کہ کہہ اور خوف نہ کر۔ پس تو ہمارے پاس نقص سے مطمئن ہے + کوئی شیخ ایسا نہیں ہے۔ جسے میں نے قائم نہ کیا ہو۔ اور کوئی قطب ایسا نہیں جو میری ولایت کے تحت نہ ہو + مجھے اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی ولایت بخشی ہے جو وہ میرے سوا قیامت تک کسی کو نہ دے گا + جو مجھ سے ٹیڑھا ہوگا۔ اس کی کوشش رائیگاں جائے گی۔ اور اس کی آرزو فوت ہو جائے گی۔ اور میری عزت کے غلبہ سے زندگی نہ پائے گا + ہر ہول اور شدت میں ہمارے ساتھ تمسک کر وہ تجھے اشیاء میں میری ہمت کے ساتھ کھلی کھلی مدد کرے گا + میں تمام عارفین کا امام ہوں۔ اور معانی کا خزانہ ہو۔ بزرگی والا ہوں + آخر قصیدہ تک

پس یہ کلمات شریفہ اس پر سچی دلیل ہیں۔ کہ تمام ولایت اور نیابت نیابت محمدیہ علی صاحبہا الصلوات کے زیر سایہ اصل میں تو آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے لئے ہے۔ اور جو اولیاء اقطاب قدس اللہ اسرارہم آپ کے علاوہ ہیں۔ وہ قیامت تک آپ رضی اللہ عنہ کے زیر سایہ ہیں۔ اور اسی طرف شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اپنے کلام میں اشارہ فرمایا۔ جو آپ نے اولیاء کے سامنے علی الاعلان فرمایا۔ اور ان کو حاضر کے خطاب سے مخاطب فرمایا۔" میں مشہور تیغ زن ہوں۔ میری کمان کھینچی ہوئی ہے۔ اور میرے تیر چلائے جا رہے ہیں۔ میرے تیر نشانے پر بیٹھتے ہیں۔ میرا نیزہ تنا ہوا ہے۔ میرے گھوڑے پر زین کسی ہوئی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی جلائی ہوئی آگ ہوں۔ میں احوال کا سلب کرنے والا ہوں۔ میں بے کنار سمندر ہوں۔ میں محفوظ ہوں۔ میں ملحوظ ہوں۔ اے روزہ رکھنے والے، اے قیام کرنے والے، اے پہاڑوں والو تمہارے پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے گئے۔ اے عبادت خانوں کے مالکو تمہارے عبادت خانے گر پڑے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف آجاؤ۔ میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوں۔ اے راہ چلنے والو اے مردو اے بہادرو اے ابدال اے اطفال آجاؤ۔ اور اس سمندر سے حاصل کرو۔ جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔ مجھے کہا جاتا ہے۔ اے عبدالقادر بول تیری سنی جائے گی۔ اے عبدالقادر تجھے میری قسم کھا اور میری قسم پی اور میں تجھے رد سے امن دیتا ہوں۔" اور یہی معنی آپ کے قول "میرے یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہیں"۔ اور آپ ایسا کہتے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور تھے۔ یہاں تک کہ بعض ان اولیاء نے آپ کے اس قول کی خبر دی۔ جو آپ سے سو سال پہلے پیدا ہوئے۔ اور اس میں پہلے کلام گزر چکا ہے۔ اور آئندہ بھی آئے گا۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کا یہ کلام ہمارے قول کے لئے نص ہے۔ اس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جو کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے علمائے عاملین اور معتبر پختہ کار نقرار کی موجودگی میں کہے۔ اور اب اس زمانہ میں جو بڑے بڑے اصول اور فروع کے حاوی علماء ہیں۔ وہ ان کلمات کو کفر کے قریب بلکہ عین گمراہی سمجھتے ہیں۔ اس سے خدا کی پناہ جو بدر کمال کے نائب حقیقی کے کلام کا انکار کرے۔ اور حقیقت حال کو اللہ ہی بہتر جانے ؛

پھر اگر تو کہے کہ مقرر ہو چکا ہے۔ کہ ہر ولی کی سیر اللہ تعالیٰ کے وصول ہی سے پوری ہوتی ہے۔ پھر جب ہر ولی اللہ تک پہنچ گیا۔ تو پھر اولیاء میں ایک دوسرے سے برتری کا تصور کیسے ہو سکتا ہے؟ تو میں کہوں گا۔ وصولات غیر منحصر ہیں۔ اور وصول میں شرط نہیں ہے کہ اس کی کوئی معین حد ہو۔ جہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف تمام اولیاء کی سیر جا کر ختم ہو جاتی ہو۔ بلکہ وصولات کی حدود الگ الگ ہیں۔ اور نوع کے اتحاد کے بعد بھی تشخیص کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ خواہ کیفیات کے اعتبار سے یا استعدادات کی

Scanned by CamScanner

حیثیت سے یہی وجہ ہے۔ کہ بعض اولیاء کی سیر الی اللہ تجلی صفاتی تک ختم ہوئی۔ اور یہی حال سیر فی اللہ کا ہے۔ کہ ہر وصول جزئی میں کیفیت کے لحاظ سے فرق ہے۔ اور یہی معنی ہے۔ اس قول کا جو مشہور ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کی طرف راستے مخلوقات کے انفاس کی تعداد کے برابر ہیں۔ اور یہی معنی آپ قدس سرہٗ کے اس قول کے ہیں۔ کہ نہایت بدایت کی طرف رجوع ہے۔ یعنی جب سالک کو، سیر الی اللہ کی انتہا میسر ہو جاتی ہے۔ تو وہ پھر واپس آتا ہے۔ اور سمجھتا ہے۔ کہ وہ ابتداء میں ہے یعنی سیر فی اللہ کی نسبت سے اور اسی لئے کہا جاتا ہے۔ کہ وصول میسر نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ نہایت کو مستلزم ہے۔ اور وہ محال ہے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ وصول میں ناممکن، نہایت ہے۔ وہ نہایت سیر فی اللہ کی ہے۔ اور باقی رہا سیر الی اللہ تو اس کی نہایت ہے۔ کیونکہ وہ تو سالک کے خلق اور خواہش اور ارادے اور وجود سے فنا ہونے کا نام ہے۔

اور جو ہم نے ذکر کیا ہے اس سے تجھ پر شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے اس قول کا معنی واضح ہو گیا۔ جو رسالہ وصول میں ہے: جاننا چاہیئے۔ کہ اللہ تعالےٰ کی طرف وصول تین قسم کا ہے۔ ان میں سے پہلا وصول الی اللہ یہ ہے۔ کہ افعال ذمیمہ سے باہر آ جائے اور وہ نفس کا تزکیہ ہے۔ اور ان میں سے دوسرا وصول الی اللہ یہ ہے کہ قلب کی صفائی سے اللہ تعالےٰ کے سوا ہر چیز سے منقطع ہو جائے۔ اور تیسرا وصول الی اللہ یہ ہے۔ کہ وہ اپنی صفات سے باہر آ جائے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ کی صفات کے ساتھ باقی ہو جائے۔ اور یہ بھی تجھ پر ظاہر ہو گیا۔ کہ آپ کے قول بدر الکمال کے معنی سیر الی اللہ کی نہایت ہے یعنی پوری طرح سے بروایت خاصۃ الخاصۃ اور اخص الخواص میں اس کی سیر الی اللہ پوری ہو جائے۔ اور یہ عقول کی حد سے باہر ہے باقی رہی سیر فی اللہ تو وہ نبیوں اور سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم و علیہم اجمعین کی بھی پوری نہ ہوئی۔ پھر اولیاء قدس سرہم کی کیا طاقت ہے۔ سب لوگ ہر زمانہ میں اس جنگل میں فقیر پھر رہے ہیں۔ اگر سمندر اللہ کے کلمات کے لئے سیاہی بن جائیں تو کلمات قدسیہ اور کمالات الالہیہ کے ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائیں۔ اور فارسی میں کیا اچھا کہا گیا ہے۔ ؎ آدم جو خلیفہ مطلق ہے وہ ربنا ظلمنا میں پریشان ہے + احمد جو وجود کا خلاصہ و مغز ہے۔ وہ لااحصی کہہ کر سجدے میں پڑا ہے۔ جس موتی کو جان سے پرو دیا جا سکے۔ خبردار اسے زبان سے کیسے کہا جا سکتا ہے؟

مناجات:- جیسے تیری جان پہچان کا حق تھا۔ ہم تجھے نہیں پہچان سکے۔ اے اللہ ہمیں ایمان و یقین و علم و احسان زیادہ عطا فرمائے۔ اور ہمیں اپنے دروازے سے خالی ہاتھ نہ لوٹا۔ تو فضل و رحمت والا ہے۔ تو ہی ہدایت دینے والا ہے۔ میں وادی میں پریشان ہوں۔ میرے لئے مددگار اور معین بن اور میرے ارادے سے نفس کی خواہشات کو اس طرح کر دے کہ گویا کبھی تھیں ہی نہیں۔ اے اللہ میں کمال کے حصول میں تیری پناہ لیتا ہوں۔ پس تو جلال و جمال کی پردہ نشینوں کے چہرے میرے لئے کھول دے۔ یہاں تک کہ میں کمال اور فیوض کی دلہنوں سے تعلق ازدواج کر سکوں۔ اے اللہ تیرے لئے ہی سے تعریف ہے۔ بہت تعریف اور درود ہو تیرے حبیب پر اور سلام ہو بہت بڑا۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو ہی کمالات کے انواع اور فضیلات کے اجناس عطا کرنے والا ہے۔ میں فتود کی مستی میں بھولا ہوا ہوں۔ اور لہو و لعب سے کھیلنے والا ہوں۔ اے اللہ تو میرا خدا ہے۔ اور میں ایک کھیلنے والا بندہ ہوں۔ تیرے قرب کے عرش تک وصول کیسے ہو۔ مجھے چیزیں اسی طرح دکھا۔ جیسی کہ وہ ہیں۔ اور مجھے ملاہی کے شغل سے محفوظ رکھ۔ تجھ سے کرم اور رحم اور تندرستی اور معافی کی امید ہے۔ اور علم و عمل اور قرب تیرے ہی ساتھ

پکارا جاتا ہے۔ میری دعا کو رد نہ فرما۔ اور قبول کر میرے گناہ بخش دے۔ اور توبہ قبول فرما۔ نفس کی تبری اور دنیا کے جوش اور تکلیف اور تمام محنتوں سے الامان الاماں۔ مجھے علم زیادہ عطا فرما۔ تو میرا رب ہے۔ ہر دور کو کسی نہ کسی شان میں ہے ؛

قصیدہ خمریہ شریفہ حمیدہ، مبارکہ کے سمندروں میں سے چھبیسویں موج

(۲۶)

مُرِیْدِیْ لَا تَخَفْ وَاشٍ فَاِنِّیْ ÷ عُزُوْمٌ قَاتِلٌ عِنْدَ الْقِتَالِ

دشی اور دشنام بلی کا ارادہ کرنا، اور جھوٹی بات کو آراستہ کرنا، اور سخن چینی کرنا، اور حاکم کے پاس جھوٹا دعویٰ کرنا، اور عزوم بالفتح والضم عزیمت اور قصد کرنا، اور کسی چیز پر دل رکھنا۔ اور بہترین اور کام کی درستی اور سیدھی راہ پر جانا اور اندیشہ اور اسی لئے اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کو کہا جاتا ہے۔ اور وہ نوح وابراہیم و موسیٰ وعیسیٰ و آدم و محمد علیہم الصلوات والتسلیمات ہیں۔ اوران کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے۔ کہ ان کو بدکردار کافروں کے ساتھ جنگ کرنے میں عزیمت کا حکم دیا گیا تھا۔ اور عزیمت رخصت کے خلاف ہے۔ اور اس میں کلام پہلے گزر چکا ہے۔ اسے یاد کر۔ اور عزوم، عزم و عزیمت سے صفت ہے۔ اور اس سے مراد وہ شخص ہے۔ جو جنگ اور لڑائی کے وقت استقلال پر اس طرح قائم ہے۔ کہ اس کے پیچھے ہٹنے اور بھاگنے کا گمان بھی نہ ہو۔ اور قتل اور قتال، قتل کرنا اور ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کرنا۔ اور جنگ اور قتال اور قاتل اس سے صفت ہے۔ بمعنی قتل کرنے والا ؛

نحو :- مریدی لا تخف کی ترکیب پہلے گزر چکی ہے۔ اور آپ کا قول واشیًا آپ کے قول لا تخف کا مفعول ہے۔ اس کے آخر سے تخفیف کے لئے یا حذف کر دی گئی ہے۔ پس واش ہو گیا۔ اور جائز ہے۔ کہ کہا جائے۔ کہ یہ حذف وزن کو قائم رکھنے کی ضرورت کے لئے ہے۔ ورنہ نصب کی حالت میں اس کا اعراب لفظی ہوتا ہے۔ جیسے کہ آیت میں کہا جاتا ہے :۔ داعیًا الی اللہ اور آپ کے قول انی پر فا تعلیل کے لئے ہے۔ یعنی تو چغل خوروں سے نہ ڈر۔ کیونکہ میں تیرا محافظ ہوں۔ عزوم ان کی خبر ہے۔ اور اس کا اسم یائے متکلم ہے۔ اور آپ کا قول قاتل خبر کے بعد خبر ہے اور جائز ہے۔ کہ ان کی خبر متعدد ہوتی ہے۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ یہ آپ کے قول عزوم کی صفت ہو۔ اور عند آپ کے قول عزوم یا قاتل کے لئے ظرف ہے ؛

البلاغت :- آپ نے مرید کا ذکر دوبارہ کیا ہے۔ یا تو مرید کے حال پر شفقت کے لئے جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی عادت ہے۔ کہ آپ حفاظت اور نگرانی۔ اور معانی اور افادہ اور ارشاد اور فریاد رسی کے لئے مرید کے لئے ذکر کرتے ہیں۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کے اکثر قصائد میں ہے۔ جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب نقل کریں گے۔ اور یا اس افادہ کے لئے ہے۔ کہ جب شیخ اجل رضی اللہ عنہ اپنے مقام کے نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم پر ہونے کی خبر دی۔ برخلاف دوسرے اولیاء قدس سرہ کے اقدام۔ کہ دوسرے انبیاء کے اقدام پر ہیں۔ تو یہ گمان ہو سکتا ہے۔ کہ آدمی آپ کے حال یا قول کا انکار کر دے۔ اور جھوٹ کو رواج دے۔ جیسا کہ منافقین کی عادت ہوتی ہے۔ کہ وہ جناب رسول امی صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے تھے۔ "کیا اس نے اللہ پر جھوٹ بولا ہے یا اس کو دیوانگی ہے۔" اور اس کے علاوہ اور بھی آیتیں ہیں۔ جو منافقین کی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں بدگوئی پر دلالت کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا۔ اے اللہ کے رسول

Scanned by CamScanner

اللہ آپ پر رحمت نازل فرمائے۔ منافق اس طرح کہتے ہیں۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا۔ کہ اپنے اصحابہ سے کہدیں کہ منافقوں کی ہمنشینی سے منہ پھیرلیں۔ اللہ تمہاری ایسی مدد کرے گا۔ کہ وہ ہر مفتری و منافق کو ختم کردے گی۔ پس شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا۔ کہ تم خوف نہ کرو۔ اور غم نہ کھاؤ۔ اور تم ہی بلند ہو۔ اور اسی طرف آپ نے اپنی کتاب مسمی جلاء الخاطر میں اشارہ فرمایا ہے۔ کہ سُنّی مجھ سے محبت رکھتا ہے۔ اور بدعتی مجھ سے بغض رکھتا ہے اور اس طرح کی اور عبارتیں بھی ہیں۔ جو دلالت کرتی ہے۔ کہ بعض بدبخت شیخ کے حق میں اپنے عقیدے کو بُرا رکھتے ہیں۔ پس شیخ اجل رضی اللہ عنہم نے فرمایا۔ جو فرمایا یہاں تک کہ شیعہ آپ کے اس طرح کے دشمن ہیں۔ جیسے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دشمن ہیں۔ یہاں تک کہ بیان کیا گیا ہے کہ بعض مرید شیخ اجل کے پاس آئے۔ اور آپ کی جناب میں بدعتیوں کی برائی ظاہر کی تو آپ نے فرمایا۔ وہ ہمارے زمانہ کا ابوجہل ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا۔ کہ انبیاء کو ایذا دینا جو ان کے قریب ہیں۔ ایک پرانی سنت ہے۔ نہ تو کبھی نبیوں کا زمانہ اس سے خالی رہا ہے۔ نہ ولیوں کا علیہم السلام اور اس میں انبیاء علیہم السلام کے نشان کی پیروی پیروی ہے۔ تو اس صورت میں آپ کے قول عنودم قاتل عند القتال کے معنی یہ ہوں گے۔ کہ جب ان بدخواہوں کے ختم کرنے کا وقت آئے گا۔ تو میں اس کو ایسا ہلاک کروں گا۔ کہ اس کا کوئی نشان اور اثر باقی نہ رہے گا۔ اور دین سارا اللہ کا ہو جائے گا۔ اگرچہ مشرک اس کو ناپسند کریں۔ اور یا اس افادہ کے لئے ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ نے جب اپنی بلندی اور بلند منزلت اور عالی مرتبہ کا ذکر فرمایا۔ تو ارادہ فرمایا۔ کہ اس میں سے اپنے مریدوں کا بھی حصہ رکھیں۔ یہ کہ حفاظت اور بلندی اور عروج کے ساتھ کامیابی سے ان کا تذکرہ کیا۔ کہ ان کو بدخواہوں کی برائیوں میں سے کوئی برائی نہ پہنچے گی بلکہ وہ شیخ کے ساتھ حفظ و امن میں ہیں۔ اور اس میں ایک اور رمز ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ جب یہ ثابت ہو گیا۔ کہ آپ اپنے نانا کے قدم پر ہیں۔ اور وہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ وہ کمزوروں کو یاد رکھتے ہیں۔ اگرچہ وہ غفلت میں ہوں۔ جیسا کہ التحیات للہ آخر تک میں ہے۔ کہ جب یہ آپ نے فرمایا۔ السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین جب کہ آپ سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:۔ السلام علیک ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ اور آپ کے قول لا تخف واثق اس طرف اشارہ ہے۔ کہ پہلے جو آپ کا قول لا تخف گزر چکا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں سے عدم خوف ہے۔ اس کو افادہ کے عموم کے لئے حذف کیا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق ہے۔ کہ "خبردار اللہ تعالیٰ کے دوست نہ ان پر خوف ہے۔ اور نہ وہ غم کھائیں گے۔" اور اس کے علاوہ اور بھی آیتیں ہیں۔ جو اسی مضمون پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر واثق کی تخصیص میں اس طرف اشارہ ہے۔ کہ وہ خوف جو معترض ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ اسے روکنے والا ہے۔ وہ خوف صرف بدخواہ کا ہے۔ نہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے دوستوں کا خوف بلکہ ان سے اور اللہ تعالیٰ سے خوف لازمی چیز ہے۔ کیونکہ یہ خوف قرب کی جناب تک پہنچانے والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں سے خوف نہ رکھنا بھی ضروری ہے۔ بلکہ بادشاہ کے نزدیک وقار و اعتبار کی طرف پہنچنے کے شرائط میں سے ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا۔ کہ بادشاہ سے خوف سلطانی آداب کے لئے لازم ہے۔ اور بادشاہ کے دشمنوں اور اس کے مخالفوں کا خوف نہ ہونا بادشاہ کے پاس قبولیت کی شرط ہے۔ بلکہ لازمی ہے۔ کہ بادشاہ کے دشمنوں سے مزاحمت کرے۔ اور ان سے لڑے۔ یہاں تک کہ

بادشاہ اس سے راضی ہو جائے۔ اور یہ ایک تحقیقی امر ہے۔ جس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اور بدخواہ کے خوف کی نفی کی علت بیان کرنے میں تمام مریدوں عوام و خواص کی تسکین ہے۔ پہلے کے لئے تو ظاہر ہے۔ کیونکہ وہ ابتدائے امر میں ہے۔ اس کے دل کا آئینہ زنگ اور غبار اور تردّد اور وساوس سے پاک نہیں ہے۔ اور اس کے باوجود اس کے دل کا تعلق بھی نہیں ہے اور خواص کے لئے پس اطمینان کی زیادت کے لئے ہے۔ اور یہ اسی طرح ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے کہا: "اے میرے رب مجھے دکھا۔ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تو ایمان نہیں لایا۔ تو کہا۔ کیوں نہیں۔ لیکن تاکہ میرا دل اطمینان پکڑ لے؟" اور حاصل یہ ہے۔ کہ دلیل ہر ایک مقلد و محقق کے لئے تحقیقی یقین پیدا کرنے کا باعث ہے۔ اور جائز ہے کہ دلیل وارد کرنے کی وجہ یہ اشارہ ہو۔ کہ بدخواہوں سے خوف کی نفی صرف دوستوں کے لئے ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا سبب ہر ایک آن شیخ کی اپنے مریدوں کے لئے حفاظت ہے۔ پس اس میں اس طرف اشارہ ہے۔ جو کہ شیخ کیلئے مرید کے میں واجب ہے۔ کہ اس کی حفاظت توجہات کے لشکر متعین کرنے سے ہے۔ جو کہ ہر وقت میں تربیت کا باعث ہیں۔ اور اس طرف جو مرید پر شیخ کی جانب سے فرض ہے۔ وہ شیخ کے حکم تعمیل اور اس کی نہی سے باز آنا ہے جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قول "جو تمہیں رسول دے۔ اس کو لے لو۔ اور جس سے تمہیں روکے۔ اس سے باز آ جاؤ۔" کا مرجع ہے اور عزم کے ذکر کرنے میں بجائے اس کے کہ کہتے۔ میں حافظ ہوں۔ اور جو تجھ پر مصیبتیں آئیں۔ ان کو روکنے والا ہوں۔ اشارہ ہے۔ کہ اس طرف کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ مرید پر وارد ہونے والے اثقال کے متحمل ہیں۔ اور اس میں اس طرف اشارہ ہے۔ کہ خلقت کی راہنمائی میں تکلیفوں کا برداشت کرنا۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھا۔ کہ آپ کے دانت ٹوٹ گئے۔ اور آپ کا سر زخموں سے پھٹ گیا۔ اور اس کے علاوہ دوسرے بوجھ یہ ایک ایسا امر ہے۔ جو عطیات بخشنے والے کے نزدیک فضائل کا باعث اور ترقیات کا سبب ہے۔ جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "رسولوں میں سے کوئی بھی اتنی تکلیف نہیں دیا گیا۔ جتنی کہ میں دیا گیا ہوں۔" اور اس میں تفصیل ہے۔ اور اپنے قول عزم کے بعد تاثیل لانے میں اس طرف اشارہ ہے۔ کہ میں مرید سے مصیبتوں کا دور کرنے والا ہوں۔ صرف یہی نہیں ہے۔ کہ میں اپنے نفس پر بوجھ اٹھاتا ہوں۔ بلکہ میں مدافعت کرتا ہوں۔ کہ اپنے مریدوں کے بدخواہوں اور دشمنوں کو ہلاک کرتا ہوں۔ اور ان کو اس طرح کر دیتا ہوں۔ گویا کہ وہ کوئی چیز ذکر کے قابل ہی نہیں تھے۔ اور یہ کمال حفاظت ہے۔ کیونکہ جب دشمن اور بدخواہ ہلاک ہو جائیں گے۔ تو سارا ملک اللہ تعالیٰ کا ہو جائے گا۔ پس مرید مامون و محفوظ ہو جائے گا۔" ہم نے ذکر کو نازل فرمایا۔ اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔" مراد کا مؤید ہے ؛

اور اس ارشاد میں یعنی جب شیخ اکمل کے فضل سے سالک طالب کے دل میں اللہ تعالیٰ کے انوار اتریں تو ضروری کہ ان کی حفاظت کی جائے۔ کیونکہ بادشاہ جب کسی فقیر سائل کو مال دیتے ہیں۔ اور باغیوں اور ڈاکوؤں کے خوف سے اپنے گھر کی طرف اس کو منتقل کرنے سے عاجز ہوتا ہے۔ تو بادشاہ اس کے گھر تک ایک مضبوط فوج سے اس کی مدد کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ مال اپنے گھر اور بچوں تک لے جائے۔ تو یہ دیا گیا مال کو مبارک ہوتا ہے۔ تو وہ جب بھی مال کی وجہ سے تکلیف سے آرام پائے گا۔ تو احسان کو یاد کرے گا۔ اولاً تو مال دینے کا احسان اور دوسرا اس کے گھر اور اس کے اہل

تک اس کو پہنچانے میں مدد کا احسان تو وہ ہر وقت ایسا شکریہ ادا کرے گا۔ کہ ہر آن اپنے وجود سے فانی ہو گا۔ اور دینے والی کی کرامات پر ہر وارد ہونے والے امر میں شہادت دے گا۔ پھر آپ کے قول عند القتال میں۔ اگر یہ آپ کے قول قائل سے متعلق ہو۔ جیسا کہ وہ قرب کی وجہ سے ذہن میں جلدی آتا ہے۔ اور اس کا فائدہ یہ ہے۔ کہ لڑائی کرنے والے اکثر جنگ کے وقت بھاگ اٹھتے ہیں۔ اگرچہ وہ ابتدائے جنگ میں مستقل لوگوں سے ہوں۔ کیونکہ جنگ کی آگ کا مستقل ہر وہ شخص نہیں ہو سکتا۔ جو جنگ کے فن کا مدعی ہو۔ اور آدمی معاملہ کے وقت ہی پہچانا جاتا ہے۔ تو شیخ اجل نے اس زیادتی سے فائدہ بخشا۔ کہ میں جنگ سے واپس نہیں پھرتا۔ اگرچہ جنگ کی آگ کے شعلے بہت سخت ہوں۔ اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ بہت سے لڑائی کرنے والے اکثر حیلے اور فریب سے جنگ لڑتے ہیں۔ کیونکہ لڑائی سب دھوکہ ہے اور باقی داؤ ہیں۔ تو میں دھوکہ نہیں کرتا۔ بلکہ میرا استعداد لڑنا ہے۔ اور اگر یہ معزم کے متعلق ہو۔ جو کہ عزم کا مبالغہ ہے تو اس سے مراد یہ ہے۔ کہ میں بڑے معزم والا ہوں۔ اور عزم و جزم سے لڑائی پر اللہ تعالٰی کے وقت تحمل کرتے ہوئے ثابت قدم ہوں۔ اور معزوم کا لفظ لانے میں اس طرف اشارہ ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ ہیں۔ کیونکہ آپ اولوالعزم میں سے ہیں۔ اور اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کا بیان پہلے گذر چکا ہے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ اولوالعزم میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ سب سے زیادہ ہے۔ اور آپ عزم میں بہت بڑھے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آپ مبالغہ کا صیغہ لاتے ہیں۔ اور ہر تقدیر میں اس میں اللہ تعالٰے کے قول " شیطان کے دوستوں سے لڑائی کرو۔ بے شک شیطان کی تدبیر کمزور ہے " کی طرف اشارہ ہے۔ پھر قتال سے مراد دشمنوں کا قتال ہے۔ یعنی جب دشمن لڑائی کا ارادہ کریں۔ اور اس کو واقع کر دیں۔ تو میں اس کے ساتھ پوری جنگ لڑتا ہوں۔ یہاں تک کہ دشمن بھاگ جائے۔ اس لئے کہ دشمن کی جنگ کے وقت اپنے نفس کے لئے قابلیت کا اثبات اس پر دلیل ہے۔ کہ دشمن یا مقتول ہو جاتا ہے یا بھاگ جاتا ہے اور نہیں مدد مگر اللہ تعالٰی غالب حکمت والا کی طرف سے۔ بے شک ہم نے تجھ کو کھلی کھلی فتح عطا فرمائی ؎

بیان مراد ارشاد :- پھر قتل سے مراد یا تو ظاہری معنی ہیں۔ تو اس صورت میں بدخواہ سے مراد ظاہری دشمن ہے۔ جو آپ رضی اللہ عنہ کے مریدوں سے جنگ کرنا چاہتا ہے۔ خواہ وہ کسی زمانہ میں ہو۔ اور یا پھر جنگ سے مراد نفس اور شیطان کے ساتھ جہاد اکبر ہے۔ تو اس صورت میں دشمنی سے مراد یہی دونوں حبشی ہیں یعنی نفس اور شیطان جیسا کہ تکملہ میں شیخ ابو عمرو صریفینی سے ہدایت کیا گیا ہے۔ اس نے کہا۔ کہ میں نے شیخ محی الدین سید عبدالقادر رضی اللہ عنہ سے سنا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں شب و روز جنگلوں میں رہتا تھا۔ اور بغداد میں نہ آتا تھا۔ تو شیطان صفوں کی صفیں سوار اور پیادہ طرح طرح کے اسلحہ اور پریشان کن سامان لے کر مقابلہ میں آتے۔ اور آتش پھینکتے اور میں اپنے دل میں ثابت قدمی پاتا۔ کہ وہ بالکل متغیر نہ ہوتی۔ اور میں اپنے آواز سے آواز سنتا۔ کہ اے عبدالقادر ان کے مقابلہ کے لئے اٹھ۔ کہ ہم نے تجھے ثابت قدم رکھا۔ اور اپنی مدد سے تیری مدد کی۔ یہ کیا ہیں۔ کہ صرف تیرے اٹھنے ہی سے شکست کھا جائیں گے۔ ایک بار شیطان مجھ پر چڑھ آیا۔ اور کہا۔ کہ اس جگہ سے چلا جا۔ ورنہ میں اس طرح کروں گا۔ اور باتوں میں اس نے بہت ڈرایا۔ میں نے اس کے منہ پر طمانچہ مارا۔ اور وہ رونے لگا۔ میں نے لاحول ولا

الا باللہ العلی العظیم کہا۔ وہ چل رہا تھا۔ اور میں دیکھ رہا تھا۔ ایک دفعہ ایک اور آدمی بڑا بدشکل گندی بدبو والا مجھ پر چڑھ آیا۔ اور کہا۔ کہ میں ابلیس ہوں۔ میں اس لئے آیا ہوں۔ کہ تیری خدمت کروں۔ کیونکہ تونے مجھ کو اور میرے مددگاروں کو سخت عاجز کر دیا ہے۔ میں نے کہا۔ چلا جا۔ وہ رُک گیا۔ غیب سے ایک ہاتھ ظاہر ہوا۔ اور اس کے سر پر پڑا۔ اس طرح کہ زمین میں دھنس گیا۔ دوسری دفعہ آگ کا نیزہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے آیا۔ اور میرے مقابل ہو گیا۔ ناگہاں ایک سوار شہب گھوڑے پر سوار کندھوں پر چادر ڈالے ہوئے آیا۔ اس نے میرے ہاتھ پر تلوار رکھ دی۔ اسی وقت ابلیس الٹے پاؤں واپس ہو گیا۔ تیسری مرتبہ پھر میں نے دیکھا۔ کہ مجھ سے دور ہو کر رو رہا ہے۔ اور سر پر خاک ڈالتا ہے اور کہتا ہے۔ کہ اے عبدالقادر تونے مجھے ناامید کر دیا ہے۔ میں نے کہا۔ اے ملعون خسارہ اٹھانے والا ہو۔ تباہ ہو۔ میں ہمیشہ تجھ سے خطرہ میں ہوں۔ کہنے لگا۔ یہ بات مجھ پر اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اس کے بعد میں نے کہا۔ کہ بہت سی رسیاں اور جال میرے ارد گرد ہیں۔ میں نے کہا۔ یہ کیا ہے۔ کہنے لگا کہ یہ دنیا کے جال ہیں۔ کہ تیرے جیسوں کو اس سے شکار کرتے ہیں۔ میں ایک سال تک ان کی طرف متوجہ رہا۔ یہاں تک کہ ان جالوں کو پارہ پارہ کر دیا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا۔ کہ بہت سے اسباب ہر طرف میرے قریب پڑے ہیں۔ میں نے کہا۔ یہ کیا ہے؟ کہنے لگا۔ کہ یہ خلقت کے اسباب ہیں۔ پھر ایک اور سال ان کی طرف متوجہ رہا۔ یہاں تک کہ ان کو بھی پارہ پارہ کر دیا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا۔ کہ بہت سے علائق میرے دل سے چمٹے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا۔ یہ کیا ہے۔ کہنے لگے۔ کہ یہ تیرے اختیارات اور ارادے ہیں۔ پھر ایک اور سال ان کی طرف متوجہ رہا۔ یہاں تک کہ ان کو بھی پارہ پارہ کر دیا۔ اور دل ان سے آزردہ ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا۔ کہ ابھی دل کی خواہش زندہ ہے اور اس کے درد باقی ہیں۔ اور اس کا شیطان سرکش ہے ایک اور سال ان کی طرف متوجہ رہا۔ یہاں تک کہ ان دردوں کی میں نے دوا کی۔ اور خواہش پیچھے بیٹھ گئی۔ اور شیطان مسلمان ہو گیا۔ اور تمام معاملہ اللہ کے لئے ہو گیا۔ پس میں تنہا رہ گیا۔ اور تمام موجودات کو میں نے پیچھے ڈال دیا۔ اور ابھی تک اپنے مطلوب پر نہ پہنچا۔ اس کے بعد میں توکل کے دروازہ پر گیا۔ تاکہ اس دروازہ سے اپنے مطلوب تک پہنچ سکوں۔ دیکھا کہ وہاں بڑی بھیڑ ہے۔ میں اس سے آگے نکل گیا۔ اور شکر کے دروازہ پر گیا۔ دیکھا۔ کہ اس جگہ پر بھی بھیڑ ہے۔ میں اس سے بھی گزر گیا۔ اور غنا کے دروازہ پر پہنچا۔ دیکھا کہ اس جگہ بھی ازدحام ہے اس سے بھی گزر گیا۔ مشاہدہ کے دروازہ پر پہنچا۔ دیکھا۔ کہ اس جگہ بھی ہجوم ہے۔ اس سے بھی گزر گیا۔ فقر کے دروازہ پر گیا۔ دیکھا کہ وہ دروازہ خالی ہے۔ میں اس میں سے اندر آگیا۔ تاکہ میں اپنے مطلوب پر پہنچوں۔ جو کچھ میں نے پیچھے چھوڑا تھا۔ دیکھا کہ وہ سب اسی جگہ ہے۔ بہت بڑا خزانہ مجھ پر کھل گیا۔ اور بہت بڑی عزت اور غنا و سرمدی اور بڑے علاج مجھ کو ہاتھ لگا۔ اور بقایائے نفس اور صفات بشری کلی طور پر محو اور منسوخ ہو گئے۔ اور نئے سرے سے ایک وجود موجود ہو گیا ۔

بصائر للناس :۔ اس قصہ عزیزیہ میں کئی ایک عجیب و غریب رموز ہیں۔ اس راہ میں چلنے والے اور اس خالص شراب سے پینے والے کے لئے ان کو حافظہ اور ذاکرہ میں محفوظ کرنا ضروری ہے۔ تاکہ اس کے نفع اور مدد کا باعث ہوں۔ پہلی یہ ہے۔ کہ طالب کے لئے تجرید معنوی کی طرح تجرید صوری بھی ضروری ہے۔ کیونکہ لوگوں سے میل ملاقات ظلمات و حجابات کا باعث ہے۔ کہ اس کے سبب سے وصول کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ یا شہود کی طرف اس کا عروج موقوف ہو جاتا ہے۔ تجھے اہل غفلت کی صحبت سے بچنا چاہئے۔ کہ زہر قاتل کی طرح ہے۔ "اپنے ہاتھوں کو ہلاکت کی طرف نہ ڈالو" اور دوسری یہ ہے۔ کہ کلی تجرید یہ ہے۔ کہ کسی

Scanned by CamScanner

وقت بھی کسی سے ملاقات نہ کرے۔ اور یہ پوری خلوت ہے۔ اگر سالک اس کا محتاج ہو۔ پھر اگر تو کہے۔ کہ جب شیخ رضی اللہ عنہ بغداد میں داخل نہ ہوتے تھے۔ نہ رات کو اور نہ دن کو بلکہ آپ خالی جنگل میں رہتے تھے۔ تو جماعت کے ساتھ نمازوں کا کیا حال تھا؟ تو میں کہوں گا۔ کہ اس زمانہ میں بہت سے افراد خلوت میں مشغول ہیں۔ جب نماز کا وقت آتا ہے۔ تو اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اور نمازیں جماعت سے پڑھتے ہیں۔ پھر اگر تو کہے۔ کہ جمعہ کا کیا حال تھا؟ تو میں کہوں گا۔ کہ اس میں دو صورتیں ہیں۔ یا تو آپ شہر سے دور کسی جنگل میں رہتے ہوں گے تو جمعہ واجب ہی نہ ہوتا ہوگا۔ اور یہ توجیہ اگرچہ پوری ہے۔ لیکن شیخ کامل کی شان کے لائق نہیں ہے۔ کہ جس کو نیابت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے تیار کیا جا رہا ہو۔ پس بہتر یہ ہے۔ کہ کہا جائے۔ کہ آپ کے قول میں دن رات جنگلوں میں رہتا تھا۔ اور بغداد میں نہیں آتا تھا۔ کا مطلب یہ لیا جائے۔ کہ آپ بغداد میں دنیا یا نفس کے لئے نہیں آتے تھے۔ یا بلا ضرورت شرعی نہیں آتے تھے۔ باقی رہا نفس نماز اور جمعہ اور جماعت تو وہ شریعت کے مامورات میں سے ہیں۔ ان کے لئے داخل ہونا دخول ارادی شمار نہیں کیا جائے گا۔ اور اس توجیہ کی تائید وہ واقعہ کرتا ہے۔ جو عنقریب آپ رضی اللہ عنہ کے محی الدین کے لقب سے مشہور ہونے کی توجیہ میں آئے گا۔ کہ آپ جمعہ کے لئے بغداد میں آتے تھے۔ اور جائز ہے کہ بغداد کے حوالی میں بھی جمعہ اور جماعت کی مسجدیں ہوں۔ آپ ان مساجد میں چلے جاتے ہوں۔ جو کہ اس کے گرد واقعہ ہیں۔ اور بغداد میں نہ داخل ہوتے ہوں۔ اور یہ جواب اسبق دائم ہے اور اگر یہ کہا جائے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ کی ارادت میں سے تھا۔ تو اس میں بھی انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ اور آپ کا قول جنگل میں اس توجیہ سے منع نہیں کرتا۔ پس غور کر۔ اور تیسری یہ ہے۔ کہ طالب کے لئے ضروری ہے کہ اس کی رات اور اس کا دن اللہ تعالیٰ کے ذکر اور حضور میں غرق ہو۔ بلکہ نہ سونے اور کمال بیداری میں رات کو دن بنا دے۔ اور خلوت اور ورد خدا تعالےٰ کے ساتھ مع اللہ اس کے ذکر میں اور غیر سے حجاب میں دن کو رات بنا دے۔ اور چوتھی یہ ہے۔ کہ اگر خلوت کے لئے جنگل کو اختیار کرے۔ تو یہ حجرہ میں بیٹھنے اور اس کا دروازہ بند کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ اس طرح دو چیزوں سے کم ہی خالی رہے گا۔ ایک تو شہرت اور دوسری خلقت کا دروازہ پر بیٹھنا، اور بہت زیادہ اصرار سے دروازہ کھلوانا۔ پھر یا تو ان کی بات قبول کرے گا۔ تو وقت ضائع ہوگا۔ اور اگر قبول نہ کرے گا۔ تو ملاقات کی امید والوں کے دل ٹوٹیں گے۔ پھر اگر تو کہے۔ کہ سفیان ثوری قدس اللہ سرہٗ نے کہا ہے۔ کہ یہ زمانہ گھروں کو لازم پکڑنے اور دائمی سکوت اور خاموشی پر قناعت کرنے کا ہے۔ تو میں کہوں گا۔ یہ ہر مومن کے لئے عام ہے۔ کیونکہ اہل ہوا کی ملاقات میں کثرت سے آفات کا ظہور ہوتا ہے۔ پس اس سے اولیاء سے خصوصاً معارضہ نہیں ہو سکتا اور ہو سکتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں جنگلوں میں خطرہ ہو۔ یا تو دنیوی لحاظ سے یا دینی امر سے کہ صوفیاء میں جہالت عام ہو گئی ہو اور اس میں شک نہیں ہے۔ کہ جاہل صوفیوں کو جو علم کے حصول سے خالی ہیں۔ نہ تو خلوت میں بیٹھنے کا حکم ہے۔ اور نہ جنگلوں میں جانے اور پریشان ہونے کا۔ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اپنے کلام میں فرمایا ہے۔ تیرا جہالت کے ساتھ عبادت خانہ میں بیٹھنا ظلم ہے اور جاہل صوفی کا جنگلوں میں پریشان پھرنا اس سے بھی زیادہ ظلم ہے۔ پس گھروں میں بند رہنے کا حکم صرف اس آدمی کے لئے ہے۔ جس کو علم کا شغل ہو۔ کیونکہ جنگلوں میں پریشان پھرنے والا کم ہی علوم میں مشغول ہوتا ہے۔ اور اگر گھروں سے مراد لوگوں کے گھروں سے عام مراد لیا جائے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے گھروں کو بھی شامل ہو جائے۔ یعنی مسجدوں اور مدرسوں کو بھی تو بغیر کے شبہ کے کلام پورا ہو جاتا ہے۔ اس کو یاد رکھ۔ یہ نصیحت ہے پھر جو شخص چاہے۔ اپنے رب کی طرف راہ پکڑے۔ اور پانچویں یہ ہے۔ کہ

خلوت نشین صوفی کو چاہیئے۔ کہ اپنی نگاہ دنیا کی زندگی کی تازگی کی طرف نہ پھیلائے۔ اور دنیا کا ابتلا عموماً دیکھنے اور دنیا داروں سے ملاقات کرنے ہی سے ہوتا ہے۔ پھر جب وہ شہر میں داخل ہی نہ ہوگا۔ تو وہ اس کو دیکھے گا ہی نہیں۔ پس بچ جائے گا۔ اور شیطان کے جال میں پھنسنے سے محفوظ رہے گا۔ جیسا کہ خبر میں ہے۔ کہ نظر کرنے سے بچو۔ کہ داؤد علیہ السلام کا فتنہ نظر ہی سے تھا۔ اور چھٹی یہ ہے۔ کہ شہر میں اکثر دوست اور واقف لوگ ہوتے ہیں۔ تو ان کی وجہ سے بلندی حاصل ہونے کے بعد نیچے گرنے کا خطرہ رہتا ہے۔ کیونکہ معرفت کھینچنے والی ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا۔ کہ بیمار کو جب طبیب مضر کھانوں سے پرہیز کا حکم دیتا ہے۔ تو عموماً اس سے ایسے کھانے چھپا لیتے ہیں۔ کیونکہ دیکھنے سے ان کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے۔ اور رغبت سے اکثر ان کے کھانے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حدیث میں توبہ کے متعلق آیا ہے " چاہیئے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والا اجمالی طور پر توبہ کرنے والا اجمالی طور پر توبہ کرے۔ اور تفصیل اپنے گناہوں کو ذہن میں نہ لائے۔ کیونکہ گناہ کو یاد کرنے سے اکثر سے اکثر نفس گذری ہوئی لذت کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ پس توبہ کے وقت جس حضور کی ضرورت ہے۔ اس میں خلل پڑتا ہے۔ اور ساتویں یہ ہے کہ شیطان نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے آگ اور تلوار سے بڑی سخت جنگ لڑی۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دشمن پر مدد دی۔ پھر آپ نے اس کو پکڑ لیا۔ اور اس کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا۔ پھر اس کو چھوڑ دیا۔ اور فرمایا۔ اگر اس کو میرے بھائی سلیمان نے چھوڑ دیا ہوتا۔ تو میں اس کو قتل کر دیتا۔ اور شاید اس میں حکمت ہو۔ جس کے بعض پر ہم مطلع ہوتے ہوں اور بعض پر ہم کو اطلاع نہ ہوتی ہو۔ اور اس میں اس طرف اشارہ ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت پر تھے۔ تو یہ منزلت بھی حاصل ہوئی۔ جو کہ نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم کو مجاہدہ کے باب میں حاصل تھی۔ کیونکہ نہر سمندر کا پتہ دیتی ہے۔ اور قطرہ بارش کا اور دانہ ڈھیر کا۔ اور آٹھویں رمز یہ ہے۔ کہ شیطان آپ رضی اللہ سے جنگ کرنے کی فکر عظیم میں تھا۔ کہ ان کی صفوں کی صفیں آئیں۔ اور اس میں آپ رضی اللہ عنہ کی دینی حشمت کے بارے میں کمال منزلت کی طرف اشارہ ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا۔ کہ شیطان ضعیف الہمت و ضعیف العقیدہ آدمی کو گمراہ کرنے کے لئے اپنی خبیث اولاد میں کسی حقیر سے شیطان کو بھیجتا ہے۔ اور طاقتور لوگوں پر ان کے مجاہدہ کی مطابق جنگ کی تدبیر کرتا ہے۔ وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے بنفسہٖ خود لڑا۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اپنی توفیق سے اس کو ہانک دیا۔ اور اسی طرح آپ علیہ السلام کے نائب سے بھی وہ خود لڑا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی لعنت سے اس کو ذلیل کیا ؛

اور نویں یہ ہے کہ شیطان کے ساتھ جنگ کرنے والا اللہ تعالےٰ کی طرف سے مدد دیا جاتا ہے۔ وہ اس کو طاقت دیتے ہیں۔ اور شیطان کو ذلیل کرتے ہیں۔ " خبردار اللہ کا لشکر وہی غالب آنے والے ہیں۔ " اور " اللہ تعالےٰ ایمان داروں کو قول ثابت کے ساتھ ثابت قدم رکھتے ہیں۔ " اور انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ " ہم نے آپ کو کھلی کھلی فتح عنایت فرمائی۔ " یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ " اور آپ کے قول " ان کی طرف اٹھ " میں آخرت تک اس طرف اشارہ ہے۔ کہ " اللہ ایمانداروں کا دوست ہے۔ وہ ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے۔ " میرا مددگار اللہ ہے۔ جس نے کتاب اتاری۔ اور وہی نیک لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ " اور آپ کے قول " کہ تیرے اٹھنے ہی سے وہ شکست کھا جائیں گے " میں اشارہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی کمال حشمت کی طرف اور دسویں رمز یہ ہے۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کا وہ ہاتھ کہ

آپ نے شیطان کے منہ پر مارا۔ تو وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ اور رویا۔ اور ذلیل ہوا۔ اور نوری تلوار سے اس کی ناریت پگھل گئی۔ وہ ہاتھ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ہے۔ اور آپ کی نظروں کے سامنے اس کے جلنے کا ایک اور اشارہ ہے کہ آپ کی نظر اس قاعدہ کے مطابق۔ کہ "وہ میرے ساتھ سنتا ہے۔ اور میرے ساتھ دیکھتا ہے۔ اور میرے ساتھ پکڑتا ہے۔" اللہ تعالیٰ کی نظر ہے جیسا کہ اس پر آپ کا قول "ہم نے تجھے ثابت قدم رکھا۔ اور تجھے مدد دی۔" دلالت کر رہا ہے۔ اور گیارھویں رمز یہ ہے۔ کہ اس کا ایک بدبو دار شخص کی صورت پر ظاہر ہونا، اس طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ وہ کوئی بہت بڑا مکر کرنا چاہتا تھا۔ کہ وہ اپنی صورت کے علاوہ کسی اور صورت میں چھپ کر آیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے باطن کے فساد اور اس کی خباثت کو نہج اصل پر ظاہر کر دیا۔ پس آپ نے اس کو قدسی غیبی ہاتھ سے دھکیل دیا۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ وہ ہاتھ آپ کے نائب بنانے والے صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تھا۔ کیونکہ منیب اپنے نائب کی مدد کے خیال میں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے حکم کا نفاذ منیب صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کا نفاذ ہے۔

اور بارھویں یہ ہے۔ کہ شیطان اپنی ذلت اور شکست کے بعد اپنے مکر سے آسانی سے باز نہیں آتا۔ بلکہ ایک مکر کے بعد دوسرا مکر لے آتا ہے۔ جو پہلے سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے۔ اور سب ہی مکڑی کے تار کی طرح بہتے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ کمزور اور مختصرا جنگ کا خاتمہ اس پر ہوتا ہے۔ کہ قوت اللہ تعالیٰ اور اس کے دوستوں کے لئے ہے۔ تو ضروری ہے کہ سالک ثابت قدم رہے۔ اور متزلزل نہ ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے لشکر کی مدد کرتے ہیں۔ اور مدد صرف اللہ تعالیٰ غالب حکمت والے ہی کی طرف سے ہے۔ اور وہی مددگار ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور تیرھویں رمز یہ ہے۔ کہ اس طریق پر چلنا بہت مشکل ہے۔ کہ اس کی ہلاکت خیزیوں میں بڑے بڑے بہادر اور حشمت والے پریشان ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہیں سیدھے راستے کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں۔ اور اللہ اپنے امر پر غالب ہے۔ اور چودھویں رمز یہ ہے۔ کہ شیطان کا سب سے قوی مکر یہ ہے۔ کہ وہ اپنی رسوائی اور ذلت ظاہر کرتا ہے۔ اور اپنے آپ کو فرمانبرداروں میں سے دکھاتا ہے۔ حالانکہ وہ صرف ایک مکر ہوتا ہے۔ جو وہ کرتا ہے۔ تو اس کا علاج یہ ہے۔ کہ کسی وقت بھی اس کے مکر سے مطمئن نہ رہے۔ اگرچہ وہ انتہائی وصول پر ہو۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اس کی تدبیروں سے بڑے بڑے لوگ اور اہل قبول بھی بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور پندرھویں رمز یہ ہے۔ کہ جب شیطان کے ظاہری مکر ختم ہو جاتے ہیں۔ تو پھر وہ باطنی مکر کرتا ہے۔ اور اس کے باطنی مکر کا علم بڑا باریک ہے۔ اور اس کی اطلاع بڑی مخفی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے کہا۔ "میں نے اس کے بعد دیکھا۔ کہ بہت سے جال الخ" اور اس میں کئی طرح سے اشارہ ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے۔ کہ حقیقت اور وصول الی اللہ کا علم ایک ایسا امر ہے۔ کہ جس میں بڑے بڑے لوگوں کی عقلیں پریشان ہیں اور اس کے جال بڑے دقیق اور مخفی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے معلوم کرانے سے سوا ان کا علم کسی کو نہیں ہوتا۔ اور اسی لئے آپ نے کہا۔ "میں نے پوچھا۔ یہ کیا ہیں؟ تو کہنے لگے۔ کہ یہ جال ہیں کہ ان سے تیرے جیسے لوگوں کو شکار کرتے ہیں۔" اور اس میں اس طرف اشارہ ہے۔ کہ کمال کے دعویٰ کے اردگرد کسی کو نہیں گھومنا چاہئے۔ کیونکہ کمال کی مزاحمتیں شمار میں منحصر نہیں ہو سکتیں یہی وجہ ہے۔ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عمر وغیرہ جیسے بھی دوسرے لوگوں کو وصیت کرتے تھے۔ کہ ان کو ان کے عیوب اور

ان کے مخفی گناہوں پر مطلع کریں ؛

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ ابوالحسن بصری اپنے شاگرد حبیب عجمی کے گھر گئے۔ ان کی پاس جو کی دو روٹیاں تھیں۔ وہ اپنے شیخ کے پاس ضیافت کے لئے لے آئے۔ کیونکہ بہترین کھانا وہی ہے۔ جو موجود ہو۔ ناگہاں ایک سائل نے حاضر ہوکر دروازہ پر آواز دی۔ تو حبیب نے وہی دونوں روٹیاں پکڑیں۔ اور سائل کو دے دیں۔ باوجود اس کے کہ مسئلہ یہ ہے۔ کہ مہمان کی عزت کرنا لازم ہے۔ اور پھر وہ دونوں روٹیاں وہ ان کو دے بھی چکے تھے۔ یہاں تک کہ وہ دونوں روٹیاں آپ کا حق ہو چکی تھیں۔ تو پھر ان کے سامنے سے ان کو اٹھا لینے کا حق نہیں تھا۔ اور اگر لینا ہی چاہتے تھے۔ تو ضروری تھا کہ نصف نصف کر لیتے۔ اور یہ خیال کہ آپ کے شیخ کے دل میں آیا۔ اور اپنے دل میں کہا۔ کاش میرا مرید علم کا عالم ہوتا پھر ابھی یہ آپ کا خیال پورا بھی نہیں ہؤا تھا۔ کہ ایک آدمی بڑا لطیف کھانا اور پانچ دینار لیکر حبیب عجمی کے پاس آیا۔ اور کہا۔ فلاں آدمی آپ کو سلام کہتا ہے۔ اور آپ کی طرف یہ کھانا اور دینار اللہ کے لئے اللہ کی راہ میں بھیجے ہیں۔ پس حبیب وہ کھانا تو شیخ کے پاس لے آئے۔ اور دیناروں کو خدا کی راہ میں خرچ کر ڈالو۔ پس حسن نے کھانا کھایا۔ اور سیر ہو گئے۔ اور جو باقی بچ گیا۔ وہ حبیب نے لے لیا۔ اور اپنے دل میں کہا۔ کاش میرے شیخ اللہ عزوجل پر متوکل رہتے۔ پھر ان اسرار کو بیان کرتا ہوں۔ اور اللہ تعالےٰ شانہ پاک ہیں۔ جو اس قصہ میں ہیں۔ ان میں سے یہ بھی ہے۔ کہ ضروری ہے۔ کہ فقیر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والا ہو۔ یہاں تک کہ خرچ کرنے کے وقت دیوانوں جیسا ہو جائے۔ یہ بھی نہ جانے کہ وہ کونسی جگہ میں ہے۔ پس اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ کہ صدقہ پہلے میرے ہاتھ پر آتا ہے۔ پھر فقیر کے ہاتھ پر آتا ہے۔ اور ایک راز ان سے یہ تھا۔ کہ وہ دونوں روٹیاں جَو کی تھیں۔ اور مرید کا ارادہ یہ تھا۔ کہ ان کے شیخ ان سے اچھا کھانا کھائیں۔ پس وہ اللہ تعالیٰ عزاسمہٗ کی راہ میں دے دیں۔ تاکہ وہ اپنے وعدے کے مطابق جو ان سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والوں سے کر رکھا ہے۔ ان کو اچھا کھانا دے دے۔ اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ فقر کے طریق میں علم اور توکل کا ہونا لازمی ہے تاکہ ان دونوں سے نور وصول اور طریق قبول پیدا ہوں۔ اور دوسرے رموز وہ ہوں۔ جن کی یہ مختصر کتاب متحمل نہیں ہو سکتی ہمیں چاہیئے۔ کہ ہم جو شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے کلام کے فوائد بیان کر رہے ہیں۔ اس کی طرف رجوع کریں ؛

اور دوسری وجہ ہے۔ کہ آپ نے فرمایا: "کہ تیرے جیسے لوگوں کو ان سے شکار کرتے ہیں۔" اس میں اس طرف اشارہ ہے۔ کہ جال ظاہر اور باطن کی طرف منقسم ہیں۔ ظاہری جالوں کے ساتھ تو ہر ایک کو اس کی استعداد کے مطابق شکار کیا جاتا ہے۔ اور باطنی جال ہر خفی سے زیادہ خفی ہیں۔ اور ان کے لئے کچھ دوسرے لوگ ہیں شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ جیسے اے غافلو! تم بیداری سے دور کہاں پڑے ہوئے ہو۔ تم پر لازم ہے۔ کہ ان جالوں کے دقائق مخفی چیزوں میں کوشش کرو۔ اور اسی لئے یہ کشف صریح اور توضیح و تنقیح و تشریح کے علم کا محتاج ہے۔ جیسا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا۔ "اے اللہ ہمیں اشیاء کے حقوق اور حقائق اسی طرح دکھا۔ جیسے کہ وہ حقیقت میں ہیں؛ اے اللہ مجھے میرے نفس کے عیوب دکھا دے ؛"

اور تیسری وجہ یہ ہے۔ کہ ان جالوں کے بعد کچھ اسباب ہیں۔ جو مخلوق سے پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً ان سے اُمید اور

خوف اوران سے مدح چاہنا اور مذمت نہ چاہنا۔ اور مذمت ایسی چیز ہے۔ کہ اس سے نفس منقبض ہوتا ہے۔ اور یہ تمام امور اللہ تعالیٰ سے حجاب کا باعث ہیں۔ پھر علائق ہیں۔ مثلاً اس کے دل سے مرتبہ اور ریاست کی محبت چھٹی ہوئی ہو۔ اور اولیاء میں کرامات و تصرفات کی شان کا حصول یہاں تک کہ وہ کسی وقت یہ سمجھ لیتا ہے۔ کہ یہ سب نفس اور شیطان کا تنا ہُوا جال تھا۔ پھر اس کے بعد ارادات اور اختیارات ہیں۔ جیسے کہ اپنے نفس کے لئے اللہ تعالےٰ کے نزدیک منزلت پسند کرے۔ جو اسے اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس کے حال میں دی جائے۔ بلکہ ضروری ہے۔ کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سپرد کردے۔ پھر کمالات کے ملاحظہ سے جو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتے ہیں۔ نفس کا زندہ ہوجانا ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب باغی کو بادشاہ کا قرب حاصل ہوجاتا ہے۔ تو اس کے باطن کا خبث اپنے ہمعصروں پر جبر اور تکبر کی وجہ سے اور بڑھ جاتا ہے۔ اور یہ امر مجرب ہے۔ جو کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے۔ پھر جب پورا ہوجاتا ہے تو یہ حجابات تھوڑی ہی مدت میں پھاڑ دیئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے لئے ہؤا۔ یا زیادہ مدت میں جیسا کہ دوسرے اولیاء قدس اللہ اسرارہم کے لئے ہوتا ہے۔ پھر جب فنا کا امر پورا ہوجاتا ہے۔ تو اس کو ایک عظیم مرتبہ حاصل ہوجاتا ہے۔ پھر وہ اکیلا اور وحید باقی رہ جاتا ہے۔ اس کا نہ کوئی انیس ہوتا نہ جلیس، پھر وہ پوری طرح اللہ تعالےٰ کی طرف رغبت کرتا ہے۔ پھر دین سارا اللہ تعالےٰ کے لئے ہوجاتا ہے۔ اگرچہ مشرک اسے ناپسند ہی کریں ؛

اور چوتھی وجہ یہ ہے۔ کہ جب اس کو ہمارے آپ کی کتاب عزیز فتوح الغیب سے تحریر کردہ قاعدہ کے مطابق اس کو پوری فنا حاصل ہوجاتی ہے۔ تو اس کا سرکش شیطان مسلمان ہوجاتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے سوا اس کو کسی سے خوف نہیں رہتا۔ "خبردار اللہ کے دوست نہ ان پر کوئی خوف ہے۔ اور نہ وہ غم کھائیں گے" اور یہ اسی کے مطابق ہے جو حدیث میں ہے۔ کہ پوچھا گیا۔ "اے اللہ کے رسول کیا آپ کے ساتھ بھی شیطان ہے ؟ تو آپ نے فرمایا۔ ہاں لیکن وہ مسلمان ہوچکا ہے" پھر مسلمان ہونے میں دو قول ہیں۔ ایک تو حقیقی اسلام ہے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ اسلام سے مراد فرماں برداری اور عاجزی اور عدم مخالفت ہے۔ اور اس میں تفصیل ہے۔ جو اپنے مقام میں ذکر کی جائے گی۔ میں انشاء اللہ اس کو ایک کتاب میں جس کو وعظ میں تالیف کرنے کا میں ارادہ کر رہا ہوں۔ جس کا نام "الہام صراط الوعظ" ہے۔ مفصل بیان کروں گا۔ اے اللہ اس کی تالیف کو آسان کردے ؛

اور اس وقت سالک بساط مقصود کی طرف جانے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ اور اس پر قدوس الفتوح سے اسرار وارد ہوتے ہیں۔ پس چاہتا ہے۔ کہ وہ دروازے میں داخل ہو جائے۔ اور پہلا دروازہ توکل ہے اور اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ اور اس میں کثرت ہے یعنی متوکِّل اور متوکَّل اور توکل اور یہ اہل انفراد کے لئے بیڑی ہے۔ جو طالب کو مطلوب تک نہیں پہنچاتی۔ تو اس کا علاج یہ ہے۔ کہ اس کو ملاحظہ سے اٹھا دے۔ اور شکر کی طرف ترقی کرے اور یہ بھی ایسا دروازہ ہے۔ کہ اس میں بھی مذکورہ کثرت ہے۔ اس کا علاج بھی یہ ہے۔ کہ اس کو اٹھا دے۔ پھر غنا اور اس میں بھی کثرت ہے اور اس کا علاج بھی دفع ہے پھر مشاھدہ کی طرف ترقی ہے۔ اور اس کا علاج بھی دفع ہے۔ پس رجوع اور پورا رجوع باب فقر کی طرف ہے۔ اور وہ ایسا دروازہ ہے جو طالب کو مطلوب تک پہنچانے والا ہے جب

سالک اس دروازہ میں داخل ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے ارادہ کے بغیر اسے داخل کر دیا جاتا ہے تو مالک اس کی طرف دیکھتا ہے۔ اور یہ داخل ہونے والا اس قاعدہ کے مطابق "کہ اللہ کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے" دیکھتا ہے کہ وہ ہلاک ہو گیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کو ایسے وجود سے پاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے باقی ہے اور اس کو بقاء کلی حاصل ہو جاتی ہے اور باقی رہنے والا لباس پہنتا ہے۔ اور کمال کے تاج اس کے سر پر رکھے جاتے ہیں۔ پس اس وقت اس کا سایہ ہر ایک کی حفاظت کرنے والا ہے۔ اور یہی وہ کامل اکمل ہے۔ جس میں کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے معنی متحقق ہو چکے ہیں۔ پھر وہ اپنے مریدوں سے کہتا ہے۔ کہ اے میرے مرید تو کسی بدخواہ کا خوف نہ کر۔ میں پختہ عزم والا ہوں۔ لڑائی کے وقت قتل کرنے والا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے تیری ہر برائی سے حفاظت کرنے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تجھے میرے سایہ میں ہر زنگ سے محفوظ رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی ایسا بادشاہ ہے۔ کہ اس کی بادشاہی کے سوا کوئی بادشاہی نہیں ہے۔ سبحانہ تعالیٰ شانہ ۔

تنبیہ توجیہ:۔ اے وہ لوگو جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں سفر کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔ یہ راہ بڑی گہری اور خوفناک ہے۔ اس میں چلنے والا اور پیدل جانے والا متزلزل ہو جاتا ہے۔ اور اس میں ناقص اور کامل پریشان ہو جاتے ہیں۔ پس اس میں بڑا خطرہ ہے۔ مگر جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اسی لئے شیخ نے شیوخ اور مرشدوں کو مقرر فرمایا ہے۔ اور ان میں سے بادشاہ اور اقطاب و اغواث و اوتاد اور افراد بنائے۔ تاکہ چلنے والوں کے لئے اس کے دروازہ کی طرف پہنچنا آسان ہو جائے۔ اور اس کی جناب میں قبول ہو جائیں۔ اور یہ آپ کی طرف سے اس راہ میں چلنے والے خائف کے لئے تسلی ہے۔ ورنہ وہ اس پر قادر ہیں۔ کہ ہر ایک کو بغیر کسی وسیلہ کے پہنچا دیں لیکن اسی دقیقہ کے لئے فرمایا۔ کہ "اس کی طرف وسیلہ پکڑو" ۔ پس اس قول میں اسی باریک نقطہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور اسی لئے آپ نے فرمایا۔ اے میرے مرید بدخواہ سے نہ ڈر۔ کیا تو نہیں دیکھتا۔ کہ بادشاہ جب چاہتے ہیں۔ کہ اہل سفر تاجر اور راہ چلنے والے امن میں رہیں۔ اور ان کی تسلی سے ان کو امن نصیب ہو۔ اور خوف دور ہو جائے۔ تو منزلوں پر بہادروں کی فوج مقرر کر دیتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک بہادر اپنی منزل سے تعلق والوں سے کہتا ہے۔ تم کوئی خوف نہ کرو۔ ہم تمہاری حفاظت کرنے والے ہیں۔ تو ان کو تسلی سے امن کی نصیب ہو جاتا ہے۔ پھر وہ منازل و مہالک کو دل کی قوت سے قطع کرتے ہیں جو ان کو اس قول سے حاصل ہوتی ہے۔ جو تسلی کا باعث ہے۔ اور ان کی ہمت کلیہ بڑھ جاتی ہے اور یہ کمزوروں کو ہمت کی قوت عطا کرنے کی ایک شریف قسم ہے۔ اور اس طریقہ کو وہی شخص جانتا ہے جو سالک و مجذوب کے معاملہ میں ماہر اور تجربہ کار ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول سے ظاہر ہے۔ کہ "شیطان کے دوستوں سے لڑائی کرو۔ یقیناً شیطان کی تدبیر کمزور ہے" اور اللہ تعالیٰ نے شیطان کی تدبیر کا نام کمزور رکھا۔ تاکہ ہر مومن قوی و ضعیف کی قوت زیادہ ہو جائے۔ پس اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کی تدبیر کو کمزور کرتا ہے۔ اور مومنوں کے کمزور لشکر کو طاقت دینے والا ہے۔ تو ہر اس آدمی کے لئے جو اس راہ پر چلنے کا ارادہ کرے۔ ضروری ہے کہ پوری قوت اور عام ہمت حاصل کرے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اور مرید کی ادنیٰ ہمت یہ ہے کہ اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ کسی ایسے شیخ کامل کے دامن کو تھام لے جو کامل ہو اور

جس کو ہدایت دینے کا مرتبہ شریعت غرا کی متابعت کے بعد حاصل ہو چکا ہو۔ اسی لئے شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ تو وحشی سے نہ ڈر۔ اور وحشی وہ ہے۔ جو جھوٹ اور افترار کو رواج دے۔ پھر اس میں شیطان بھی داخل ہے۔ اور وہ لوگ بھی جو شریعت پر نہیں ہیں۔ یہ لوگ کھلے کھلے خسارے میں ہیں۔ اور پریشان ہیں۔ اے اللہ ہمیں شریعت کی مطابقت اور طریقت اور حقیقت کا وصول عنایت فرما۔ اور ہر اس چیز سے جو شریعت کے برخلاف ہادیہ میں جانے کا باعث ہے اس کو ہم سے دور رکھ۔ اور اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کریں۔ تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔ اور ہمیں زلل اور خلل سے محفوظ رکھ۔ اور مجھے سچائی کی جگہ میں داخل فرما۔ اور مجھے ان لوگوں سے بنا۔ جو شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی ولایت کے سایہ کی حقیقت میں ٹھہرے ہوتے ہیں اور مجھ پر طریقہ قادریہ عالیہ کے حقائق منکشف فرما۔ اور شیخ اکمل سیدنا محی الدین سید عبدالقادر جیلی رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے نور سے میرے دل کو منور فرما۔ اے اللہ میری توبہ قبول کر اور میری دعا کو قبولیت عطا کر۔

توضیح زائد وتنقیح عائد :- پہلے ارادت اور مراد اور مرید کا بیان گزر چکا ہے۔ لیکن وقت زیادہ افادہ کا تقاضا کرتا ہے۔ پس میں کہتا ہوں۔ کہ ضروری ہے۔ کہ پہلے اس ارادت اور بیعت کو جو اولیاء میں مشہور ہے بیان کیا جاتا ہے۔ کہ آیا اس کی کوئی دلیل قرآن و حدیث و اجماع اہل باطن سے بھی ہے یا نہیں؟ پس قرآن میں تو اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ کہ "اے ایمان دارو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔" اور اللہ تعالیٰ کا قول کہ "اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے۔" بعض تفاسیر میں ہے کہ وسیلہ کی تفسیر طریق قرب کی طرف راہ دکھانے والا، مجاہدہ کرنیوالے فقرا کی طرف تقرب سے کی گئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ "جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔ پھر جو شخص توڑے گا وہ اپنی جان پر توڑے گا۔ اور جو آدمی اس سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو بہت بڑا اجر فرمائیں گے۔" یعنی اے محمدؐ جس نے تیری بیعت کی۔ اور تیرا حکم قبول کیا۔ گویا کہ اس نے خدا تعالیٰ کی بیعت کی۔ خدا تعالیٰ کی قدرت کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہوگا۔ اور جو تیری بیعت کے عہد کو توڑے گا۔ تو یقیناً وہ اپنے آپ کو توڑے گا۔ اور جو آدمی اس عہد کو پورا کرے گا۔ اجر عظیم پائے گا۔ شیخ الاسلام قطب الدین بختیار اوشی کے ملفوظات میں ہے۔ "جس وقت حضرت رسالت صلے اللہ علیہ وسلم کو امیر المؤمنین عثمان کے قتل کی خبر پہنچی۔ کہ جن کو مکی لوگوں پر ایلچی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اور آواز بلند ہوا۔ کہ امیر المؤمنین عثمان کو مکیوں نے قتل کر دیا۔ رسول علیہ السلام غمگین ہوئے۔ اس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک درخت جنت نام کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے دوستوں کو مکیوں سے جنگ کرنے کے لئے نامزد کیا۔ اور بیعت کرنے لگے۔ اور اس بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔ اور اس درخت کو شجرۂ بیعت کہتے ہیں۔ تو صحابہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ "اللہ ایمانداروں سے راضی ہوا۔ جب کہ وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کرتے تھے۔ تو جو ان کے دلوں میں تھا۔ وہ اللہ نے جانا۔ اور حدیث پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ کہ جو آدمی انبیاء کے ساتھ بیٹھنا چاہیئے۔ وہ علماء کے ساتھ بیٹھے۔ اور جو اللہ کے ساتھ بیٹھنا چاہے۔ وہ فقراء کے ساتھ بیٹھے۔ اور فقراء سے مراد مشائخ اور ہادیان بالارشاد ہیں۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف طالبوں کو وسیلہ بواسطہ قرب مشائخ ہوتا ہے۔ پس شیخ حقیقی کے ساتھ بیعت وارادت واجب لازم ہو گی۔ "شمائل الاتقیاء" میں اسی طرح

ہے۔ اور یہ بات بھی مقرر ہے۔ کہ بادشاہوں کی طرف اس وسیلہ کے بغیر پہنچنا ناممکن ہے جس کو ان کی جناب سے ربط ہو۔ اور وسیلہ کی حمایت کے سایہ کے بغیر وصول کے رتبہ پر باقی رہنا ممکن نہیں ہے۔ خواہ کوئی بھی وصول ہو کلی یا جزئی۔ پس بیعت و استرشاد ضروری ہے عقل کی بداہت اس عالم میں اس کے متعلق فیصلہ دیتی ہے جس سے انسان کو مناسبت ہے۔ پھر اللہ تعالےٰ کی جناب کے وصول کا کیا حال ہے۔ جس سے مخلوق کو کوئی مناسبت بھی نہیں ہے۔ جو کہ کمزور بھی ہے اور ناسوتی گندگیوں سے آلودہ بھی ہے۔ پھر جس آدمی نے بیعت اور استرشاد کا انکار کیا۔ جیسے جاہل معتزلہ۔ تو یہ قرآن کے مخالف ہونے کے ساتھ ساتھ عقل کی بداہت کے بھی خلاف ہے۔ اور علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بیعت فرمائی اور اپنے سر سے چادر اُتار کر مجھے پہنائی۔ میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول اللہ آپ پر رحمت نازل فرمائے۔ یہ چادر کیسی ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ یہ میرے اور تیرے درمیان وصل کی علامت ہے۔ تاکہ یہ فقراء کی سنت ہو۔" یہ حدیث مشائخ کے لئے بیعت وارادت ہے۔ اور خرقہ پہنانے میں صریح سند ہے۔ "مرصاد العباد" میں ہے۔ کہ "اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اے نبی آپ کے پاس جب مومن عورتیں آئیں۔ اور آپ سے اس بات پر بیعت کریں۔ کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گی۔ اور چوری نہ کریں گی۔ زنا نہ کریں گی۔ اور اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی۔ اور کوئی بہتان خود آپ تراش کر نہ لائیں گی۔ اور کسی بھلے کام میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی۔ تو ان سے بیعت کرلیں۔ اور ان کے لئے بخشش مانگیں۔ بے شک اللہ تعالےٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔" اور آیت کا معنی تفسیر میں یوں مفصل بیان کیا گیا ہے۔ اور اس جگہ مقصود یہ ہے۔ کہ یہ نفس بیعت اور شیوخ سے عورتوں کی بیعت پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے۔ کہ شیوخ کمال کے رتبہ پر ہوں۔ اور بدنامی اور اختلال حال سے محفوظ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے کہا ہے۔ کہ ضروری ہے۔ کہ شیخ مرشد جوان نہ ہو۔ کیونکہ جوان کم ہی اضطراب سے خالی ہوتا ہے۔ اور بوڑھا کم ہی انتہاب سے مکدر ہوتا ہے۔ اور میرے نزدیک اس زمانہ میں مرغوب کھانوں سے فساد پیدا ہو چکا ہے۔ اگر عورتیں بیعت کا ارادہ کریں۔ تو ان کو ان کے بیٹوں یا باپوں یا ان کے علاوہ اور محارم کی زبان پر ارشاد کریں اور یا اپنی بیوی کی زبان پر ان کو ارشاد کرے۔ جو ارشاد کے قابل ہو۔ تو یہ حفاظت کے لحاظ سے زیادہ پورا ہے۔

پھر جاننا چاہیئے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب عورتوں سے بیعت کرتے۔ تو پانی کا ایک بڑا پیالہ منگاتے۔ وہ اپنے ہاتھ اس میں ڈبوتیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنا ہاتھ اس میں ڈبوتے پس اسی طرح مشائخ قدس اسرارہم بھی کریں۔ پھر اگر تو کہے۔ کہ اس میں کیا راز ہے۔ تو میں کہوں گا۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے افعال میں راز بہت ہیں۔ ہم ان پر مطلع نہیں ہو سکتے۔ ہمارے لئے تو صرف ان کی تقلید ہے؛ "جو تمہیں رسول دے۔ پس اس کو لے لو۔ اور جس چیز سے تم کو منع کرے۔ اس سے باز آجاؤ۔" اور میرے دل میں شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے انوار سے یہ خیال آرہا ہے کہ جائز ہے کہ اس کا راز یہ ہو۔ کہ پانی شہوت کے شعلہ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ کیونکہ شہوت ایک مشتعل ہونے والی آگ ہے۔ اس کو پانی سے ٹھنڈا کیا گیا۔ اور جائز ہے کہ اس میں راز طہارت اور صفائی کی طرف اشارہ ہو۔ جیسے پانی سے طہارت ہوتی ہے۔ اور اللہ ہی اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے کلام و افعال و احوال کے اسرار کو خوب جانتے۔ اللہ تعالےٰ ان پر اور ان کی آل پر اور صحابہ پر رحمتیں اور برکت نازل فرمائے ؏

Scanned by CamScanner

قاعدہ تلقین علی احسن تبیین :- جو آدمی اپنے شیخ کی بیعت میں داخل ہونے کا ارادہ کرے۔ ضروری ہے کہ وہ پہلے احتیاط کے ساتھ پانی سے ظاہری غسل کرے۔ پھر توبہ اور رجوع کلی کے ساتھ پوری طرح غسل کرے۔ پھر پہلا غسل ظاہر پر ہے۔ اور دوسرا غسل باطن پر۔ پہلا میل اور گندگی سے ہے اور رذیلے اخلاق اور خباثتوں سے اسی لئے شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے "جلاء الخاطر" میں فرمایا ہے۔ میں دونوں غسل ظاہر اور باطن کو اکٹھا کرتا ہوں۔ اور جس نے باطن کے سوا صرف ظاہر کا غسل کیا۔ پس وہ ملمع کی ہوئی چیز کی طرح ہے۔ کہ اس کا ظاہر سونا یا چاندی ہے۔ اور اس کا باطن لکڑی یا پتھر یا اینٹ ہے۔ مختصر یہ کہ جب دونوں غسل جمع کرے۔ تو شیخ کی طرف اس آدمی کو وسیلہ بنائے۔ جو کہ اس شیخ کی بیعت میں اس سے پہلا ہے۔ کیونکہ شیخ کی بارگاہ بہت معزز و اجل ہے ضروری ہے۔ کہ اپنے ساتھی سے آداب سیکھے۔ یہاں تک کہ اس کے آداب معلوم ہونے کے بعد اس کی جناب میں جائے۔ اور شیخ کی خدمت کی طرف جانے کے لئے اسی طرح احرام باندھے۔ جیسے کہ وہ آدمی احرام باندھتا ہے۔ جو بیت اللہ شریف کے حج کا ارادہ کرتا ہے۔ وہ رفث اور فسوق اور جدال سے خالی ہو۔ اللہ اسی طرف شیخ نے اپنے قصائد اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے۔ بیتی بیت اللہ من جاءہ اثرا یھو دل الی تحنطی لغیری دم فعتی ۱۰ اور اپنے اس قول سے دکل شیخ وقطب کان من قدم سعی وطاف دبیتی نحو حاناتی ۱۰ اور بڑے پختہ عزم سے یہ عقیدہ رکھے۔ کہ وہ مہد سے لے کر لحد تک اسی شیخ کے دروازے ملازم رہے گا۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۱۰ اور یہ میرا شیخ میرا اللہ کی طرف وسیلہ ہے۔ مہد سے اشارہ ہے شیخ کی ارادت میں داخل ہونے کی طرف اور لحد اس سے عبارت ہے کہ نوشتہ اپنی مدت تک ظاھرًا وباطنًا پہنچ جائے۔ پھر شیخ اس کا ہاتھ اللہ کے لئے اللہ کی راہ میں پکڑے۔ نہ کہ کسی اور غرض کے لئے پھر پوری توبہ کے بعد اس کو ایمان و یقین کی تلقین کرے پھر کہے میں نے تجھے اللہ کے لئے اللہ میں قبول کیا ہے۔ اور وہ کہے۔ کہ میں اس پر گواہ ہوں۔ اور امداد یہ فاتحہ پڑھے۔ پھر تین دفعہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھے۔ پھر اللہ کے رسول پر تین مرتبہ درود پڑھے۔ اے اللہ محمد پر اپنی رحمت نازل فرما۔ جو باطل کو دفع کرنے والے ہیں۔ اور گمراہیوں کا ازالہ کرنے والے ہیں۔ اور ان کی آل پر اور صحابہ پر جو کہ ہدایت اور دلیل میں ستارے ہیں۔ اور آپ کے نائب سید مؤید ابو محمد محی الدین عبدالقادر محبوب جیلانی پر پھر تین مرتبہ الحمد للہ رب العالمین پڑھے۔ اور ہر مرتبہ میں اھدنا الصراط المستقیم تین مرتبہ کہے۔ پھر کہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ آخر تک پھر نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ جیسے کہ پہلے کہا تھا۔ پھر بیعت میں داخل ہونے والے کے لئے ضروری ہے۔ کہ شیخ کے اصحاب سے معانقہ کرے۔ اور یہ جان لے۔ کہ وہ اندھیروں سے روشنی کی طرف نکل آیا ہے۔ اور اس میں شیخ پر احسان نہ رکھے۔ بلکہ اس کا احسان سمجھے۔ " کہہ دو اپنے اسلام لانے کا مجھ پر احسان نہ رکھو۔ بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے۔ کہ اس نے تم کو ایمان کی راہ نمائی فرمائی۔ " اور تم کو گمراہی سے ہدایت کی طرف نکالا اور اس کے بعد شیخ اس کو حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت پر مقرر کرے۔ اور اسے تاکید کرے۔ کہ شریعت کی خلاف ورزی نہ کرے۔ ورنہ وہ گمراہی میں پھینک دیا جائے گا۔ اے اللہ ہمیں خلل اور زلل سے محفوظ رکھ۔ پھر شیخ اس کو اس طریقہ کی تھوڑی سی تلقین کرے۔ جس سے اس کو اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف پہنچایا ہے۔ پھر اس کو تھوڑا تھوڑا جاہد

جائے۔ یہاں تک کہ نوشتہ اپنی مدت کو پہنچ جائے۔ لیکن طریقہ میں داخل ہونے والے مرید پر ضروری ہے۔ کہ جو اسے شیخ نے حکم دیا ہے۔ اس پر مداومت کرے۔ اور خیال کرے۔ کہ جو کچھ شیخ نے اسے سکھایا۔ اور ارشاد کیا ہے۔ یہ ایک عظیم امر ہے۔ اور اس طرح نہ کہے۔ بلکہ دل میں خیال بھی نہ لائے۔ کہ وہ اس اسم کو پہلے جانتا تھا۔ اس لئے کہ اعتبار کا حکم کا ہے۔ نہ کہ اسم کا کیا تو نہیں دیکھتا۔ کہ لوگ بچپن سے لے کر بڑھاپے کے وقت تک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵ پڑھتے ہیں۔ اور ان پر کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ جب پھر شیخ ان کو اس کا حکم دیتا ہے۔ تو اس کے ساتھ وہ برکتیں پاتے ہیں۔ اسی لئے شیخ اجل نے اپنے بعض کلام میں فرمایا ہے۔ کہ سالک کے لئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس طرح جیسے اللہ تعالیٰ کے لئے کُن۔ یہ نصیحت ہے۔ پھر جو شخص چاہے۔ اپنے رب کی طرف رستہ پکڑے۔ اور ہم نے پہلے اشتغال کا ایک بڑا وسیع طریقہ ذکر کیا ہے۔ لیکن اب میں تجھے ایک صاف طریق اور ایک اور طرح سے اثبات کا فائدہ دیتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ پہلے قولی اور فعلی ظاہری اور باطنی طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو لازم پکڑنا ضروری ہے پھر دوسرے مرتبہ پر مراقبہ کرے۔ کہ صرف اسی کا وجود ہے۔ اور یہ کلمہ طیبہ کا عین معنی ہے۔ اور اس مراقبہ کے لئے انہوں نے وضو کی شرط نہیں لگائی۔ اگر وضو پایا جائے۔ تو وہ بہتر ہے۔ اور اس مراقبہ کے لئے کسی وقت کی دوسری وقت کے سوا کوئی تخصیص نہیں ہے۔ اور نہ ہی سانس کے خارج ہونے سے یا داخل ہونے کی کوئی قید ہے۔ اور کلمہ طیبہ کے حروف کا ملاحظہ شرط ہے۔ اس میں ہر حال میں صرف معنی ہی ملحوظ ہیں۔ خواہ کھڑا ہو یا بیٹھا ہو چلتا ہو یا لیٹا ہو متحرک ہو یا ساکن ہو پینے والا ہو یا کھانے والا ہو۔ اور یہ طریق ہے۔ کہ پہلے تو اپنی انیت کی نفی کرے۔ جب اس انیت کی نفی ہو جائے گی۔ تو دوسری تمام چیزوں کی انیت کی نفی پر بھی قادر ہو جائے گا۔ اور یہ اپنی انیت کی نفی سے پہلے اشیاء کی انیت کی نفی سے زیادہ بہتر ہے۔ پس سیر انفسی سیر آفاقی سے پہلے ہے۔ اور اس کے برعکس بھی کہا گیا ہے۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ پہلا بہتر ہے۔ پس اس کو سمجھ اور انیت اس سے عبارت ہے۔ کہ یہ تیری حقیقت اور تیرا باطن اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علاوہ ہو۔ اور سب سے پہلے اس انیت کی نفی کی جاتی ہے۔ اور یہی لا الٰہ کا معنی ہے۔ پھر تیرے باطن میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ثابت کیا جائے گا۔ اور وہ الا اللہ کا عین معنی ہے۔ پھر اگر تو کہے کہ جب وجود ہی ایک ہے۔ اور اس کے سوا ان کے نزدیک کوئی موجود ہی نہیں ہے۔ تو کس چیز کی نفی کی جائے گی۔ اور کس چیز کا اثبات کیا جائے گا۔ تو میں کہوں گا۔ کہ غیریت کے وہم کا اگرچہ وہ خلاف واقع ہے۔ ضروری ہے۔ کہ اس وہم کی نفی کی جائے میں کہتا ہوں۔ کہ سوال وجواب اہل وحدت الوجود کے مذاق پر لایا گیا ہے۔ اور وہ ایسے لوگ ہیں۔ جو بالکل اشیاء کے لئے وجود ثابت ہی نہیں کرتے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ جو کچھ موجود دیکھا جاتا ہے۔ وہ فی الواقع موجود نہیں ہے یہ صرف محض اعتبارات و تعینات ہیں۔ اور اس مذہب کے مطابق جو اہل تحقیق کا مذہب ہے۔ اور وہی حق ہے کہ وجود حقیقی صرف ذات واجب کے لئے ہے۔ اور اس کا سایہ ممکنات کے لئے ہے۔ یعنی وہ ہر چیز جو ممکنات میں ہے اس کا سایہ ہے۔ لیکن سایہ حقیقی ہے محض وہم نہیں ہے۔ ورنہ قواعد شرعیہ کا ابطال لازم آئے گا۔ اس سے خدا کی پناہ پس آپ کے قول لا الٰہ میں جو نفی ہے۔ وہ وجود حقیقی کے متعلق ہے۔ نہ کہ ظلی کے لئے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا جو کہ الٰہ

موجود ہے۔ کوئی موجود حقیقتاً و اصالۃً نہیں ہے۔ پس توحید وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے وجود حقیقی کا اثبات ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کی نفی اور اس میں تفصیل ہے جو طوالت کی محتاج ہے۔ ہم نے اس کو اجمال پر لپیٹ دیا ہے اور اللہ ہی حقیقت حال کو بہتر جانتے ۔

پھر اگر تو کہے۔ کہ جب مرید اپنے شیخ سے بیعت کرے۔ پھر اس کے لئے کوئی خطرہ یا وسوسہ ظاہر ہو تو صرف اس خطرے یا وہم کی بنا پر اس کی بیعت باقی رہتی ہے۔ یا زائل ہو جاتی ہے؟ تو میں کہوں گا۔ کہ اس میں دو قول ہیں پہلا یہ ہے۔ کہ بیعت کا نور زائل ہو جاتا ہے۔ پس اس پر واجب ہے۔ کہ توبہ کرے۔ اور اپنے دل میں نئے سرے سے استغفار کرے۔ کیونکہ انسان خیال سے کبھی خالی نہیں ہوتا۔ پھر اگر نئی طبیعت کی شرط لگائی جائے تو اس پر تکلیف ہوگی اور اس میں اس کے حال کی رسوائی بھی ہے۔ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی کا حکم دیا ہے۔ اور یہ بندے اور اللہ تعالیٰ شانہ کے معاملہ کی طرف زیادہ قریب ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے۔ کہ ضروری ہے کہ بیعت کی تجدید کرے اس لئے کہ روایت کیا گیا ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ابن اکوع کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تائید کے لئے اہل مکہ کی حکومت میں بھیجا۔ جب کہ انہوں نے آپ سے مقابلہ کیا۔ اور نبی امی کو اس کی خبر دی گئی۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف جانے میں بیعت لی۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے بھی اور وہ ان کی طرف گئے۔ تو ابن اکوع کے دل ایک مناسب وسوسہ پیدا ہو گیا۔ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے بیعت لی۔ پس بعض نے اسی واقعہ سے کہا ہے۔ کہ اگر میرے مرید سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ سرزد ہو جائے تو چاہیئے کہ شیخ سے نئی بیعت بڑی طاقت ور کرے۔ اور یہ اندھیروں سے نکلنے کی طرف زیادہ قریب ہے لیکن اس میں تکلیف ہے۔ لہذا بعض نے شرط لگائی ہے کہ اس میں اتنا کافی ہے۔ کہ شیخ کا خرقہ یا اس کی تسبیح یا شیخ کی کوئی اور چیز اس کے پاس ہو۔ تو ان اشیاء کے ساتھ بیعت ہی ہے۔ اور میرا خیال یہ ہے۔ کہ پہلا بہتر اور اتم ہے اور حدیث استحباب پر محمول ہے۔ نہ کہ لزوم پر یا کہا جائے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت خطرہ بہت بڑا امر تھا۔ لہذا ابن اکوع نئی بیعت کے محتاج ہوئے۔ اور اولیاء کی نسبت خطرہ اس طرح کا نہیں ہے۔ اگرچہ وہ اچھا نہیں ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ کاتب وحی کو اللہ تعالیٰ نے اس منصب عظیم سے ایک وسوسہ کے باعث جو کہ اس کے دل میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت پیدا ہوا ہانک دیا۔ اور بعض اہل کمال نے کہا ہے۔ بیعت کے پورا کرنے میں تین چیزیں ضروری ہیں پہلے شیخ کے حکم سے بال کٹانا یا سر منڈانا۔ اور دوسرا شیخ کے ساتھ کلی تصدیق اور اقرار اور تیسری ٹوپی یعنی شیخ مرید کو ٹوپی پہنائے یا گودڑی یا پگڑی یا قمیص اور جس پر ارادت اور بیعت میں اعتماد ہے۔ وہ یہ ہے کہ ضروری ہے کہ مرید اپنے نفس کے ارادہ کو چھوڑ دے۔ اور لذات وخواہشات اور نفس کی مراد کو چھوڑ کر تقدیر پر راضی ہو جائے۔ پھر ارادت اور طلب اور مشیئت میں کیا فرق ہے؟ پس کہا گیا ہے۔ کہ ارادت اور طلب دونوں مترادف لفظ ہیں۔ اور مشیئت حقائق کے فیصلہ سے عبارت ہے۔ جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ برخلاف ارادہ کے کہ جائز ہے۔ کہ اس کے متعلقات پر اطلاع ہو جاتے۔ اور ایک اور عبارت ہے۔ کہ وہ امر جو ارادہ کے تحت ہیں۔ وہ لوح

لوح محفوظ میں لکھے ہوتے ہیں۔ اور وہ امور جو مشیت کے تحت ہیں۔ وہ ام الکتاب میں مقرر ہیں۔ جن پر اللہ تعالے کے سوا کوئی مطلع نہیں ہو سکتا۔ اور صحیح بات یہ ہے۔ کہ یہ تینوں اسم آپس میں مترادف ہیں جیسا کہ اس کی طرف آپ رضی اللہ عنہ کا قول وا فعل ما تشآء فالا سم عال اشارہ کر رہا ہے۔

فائدہ :- خرقہ اور ارادت اور بیعت کی پوری مشہوری سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی۔ پھر جاننا چاہیئے۔ کہ مرید دو قسم پر ہیں۔ اسمی اور حقیقی۔ اسمی تو وہ ہے۔ جس کو شیخ توبہ کی تلقین کرے اور متابعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات کی راہ نمائی کرے۔ اور جیسے اس کی استعداد تقاضا کرتی ہے اسے طریقت کے آداب سکھائے۔ اور دوسرا حقیقی اعلیٰ ہے۔ اور وہ ہے جس کو اللہ تعالےٰ پورے جذبہ سے کھینچ لیں۔ اور وقت اس کی راہ نمائی کرے۔ کہ وہ پوری طریقت پر قائم ہو جائے۔ جو کہ کسی شیخ کامل کی زبان پر شریعت کی متابعت سے ماخوذ ہو۔ پس پہلا مجتہد ہے اور دوسرا مستعد اور اگر پہلے کا نام مرید رکھا جائے۔ اور دوسرے کا مراد تو اس کی توجیہہ صحیح ہے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ مرید مبتدی ہے اور مراد منتہی۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ مرید حامل ہے اور مراد محمول۔ اور پہلا موسیٰ علیہ السلام کی طرح کہ آپ نے عرض کیا: "اے اللہ میرا سینہ کھول دے۔" اور دوسرا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح ہے۔ کہ آپ سے آپ کے رب نے فرمایا: "کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا؟" اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا: "اے میرے رب مجھے دکھا۔ میں تیری طرف دیکھنا چاہتا ہوں۔" تو آپ کو اس قول سے عتاب کیا گیا۔ "تو مجھے کبھی نہ دیکھ سکے گا۔" اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا۔ "کیا تو نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا۔" علی اور دباری نے کہا۔ مرید وہ ہے۔ جو اللہ تعالےٰ کے ارادہ کے بغیر اپنے نفس کے لئے کوئی ارادہ نہ کرے اور مراد اللہ کے سوا کونین میں سے کسی چیز کا ارادہ ہی نہیں کرتا۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ مراد وہ ہے۔ جو اللہ کے ساتھ قائم ہو۔ اور مرید وہ ہے۔ جو اپنے نفس کے ساتھ قائم ہو۔ اور جمال ہانسوی نے کہا۔ مرید وہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کا ارادہ نہ کرے۔ اور اگر اللہ کے سوا کسی کا ارادہ کرے۔ تو وہ مرید نہیں ہے۔ اور اس کی طرف پہلے اشارہ گزر چکا ہے۔ اس کو یاد کر۔

فائدہ :- اگر کوئی شیخ سے کہے۔ کہ آپ کا میں مرید ہوں۔ اور شیخ کہے تو میرا مرید نہیں ہے۔ تو وہ مرید ہوگا۔ اس لئے کہ ارادت مرید کا فعل ہے۔ اور وہ اس پر قائم ہے۔ اور اگر شیخ کہے۔ تو مرید میرا ہے۔ اور وہ کہے کہ میں تمہارا مرید نہیں ہوں۔ تو وہ مرید نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنے فعل سے خود منکر ہے۔

فائدہ :- عین القضاۃ کہتا ہے۔ کہ مرید پیر کا آئینہ ہے۔ کہ اس کی جان میں شیخ اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ اور پیر مرید کا آئینہ ہے۔ کہ خدا کو اس آئینہ میں دیکھتا ہے۔ مرید کو چاہیئے۔ کہ شیخ کی ولایت کے جمال پر مشتاق و پیاسا حریص ہو۔ اور اپنے تصرفات اور ارادوں سے باہر آ جائے۔ تاکہ شیخ کا معشوق ہونے کی خصوصیت حاصل کرے اور ارادت کا نتیجہ اسی ارادہ کا ترک ہے۔ اور بایزید بسطامی کے قول کا یہی معنے ہے۔ کہ میں چاہتا ہوں۔ کہ میں کچھ نہ چاہوں۔ یعنی میں کچھ نہ چاہتا۔ بلکہ ارادہ تیرے سپرد ہے۔ اور اس معنی کو وہی سمجھے گا۔ جس کو باطن کا نور ہے۔ باقی رہے۔ اہل ظاہر تو وہ

Scanned by CamScanner

لفظوں میں لکھے ہوتے ہیں۔ اور وہ امور جو مشیّت کے تحت ہیں۔ وہ ام الکتاب میں مقرر ہیں۔ جن پر اللہ تعالٰی کے سوا کوئی مطلع نہیں ہو سکتا۔ اور صحیح بات یہ ہے۔ کہ یہ تینوں اسم آپس میں مترادف ہیں جیسا کہ اس کی طرف آپ رضی اللہ عنہ کا قول وا نعل ما تشآء فالاسم عال اشارہ کر رہا ہے۔

فائدہ:۔ خرقہ اور ارادت اور بیعت کی پوری مشہوری سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی۔ پھر جاننا چاہیئے۔ کہ مرید دو قسم پر ہیں۔ اسمی اور حقیقی۔ اسمی تو وہ ہے۔ جس کو شیخ توبہ کی تلقین کرے اور متابعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات کی راہ نمائی کرے۔ اور جیسے اس کی استعداد تقاضا کرتی ہے اسے طریقت کے آداب سکھائے۔ اور دوسرا حقیقی اعلیٰ ہے۔ اور وہ ہے جس کو اللہ تعالٰے پورے جذبہ سے کھینچیں۔ اور وقت اس کی راہ نمائی کرے۔ کہ وہ پوری طریقت پر قائم ہو جائے۔ جو کہ کسی شیخ کامل کی زبان پر شریعت کی متابعت سے ماخوذ ہو۔ پس پہلا مجتہدہ ہے اور دوسرا مستعد اور اگر پہلے کا نام مرید رکھا جائے۔ اور دوسرے کا مراد تو اس کی توجیہہ صحیح ہے۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ مرید مبتدی ہے اور مراد منتہی۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ مرید حامل ہے اور مراد محمول۔ اور پہلا موسٰی علیہ السلام کی طرح کہ آپ نے عرض کیا: "اے اللہ میرا سینہ کھول دے۔" اور دوسرا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح ہے۔ کہ آپ سے آپ کے رب نے فرمایا: "کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا!" اور موسٰی علیہ السلام نے کہا: "اے میرے رب مجھے دکھا۔ میں تیری طرف دیکھنا چاہتا ہوں۔" تو آپ کو اس قول سے خطاب کیا گیا۔ "تو مجھے کبھی نہ دیکھ سکے گا۔" اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا۔ "کیا تو نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا۔" علی اور بادی نے کہا۔ مرید وہ ہے۔ جو اللہ تعالٰے کے ارادہ کے بغیر اپنے نفس کے لئے کوئی ارادہ نہ کرے اور مراد اللہ کے سوا کونین میں سے کسی چیز کا ارادہ ہی نہیں کرتا۔ اور کہا گیا ہے۔ کہ مراد وہ ہے۔ جو اللہ کے ساتھ قائم ہو۔ اور مرید وہ ہے۔ جو اپنے نفس کے ساتھ قائم ہو۔ اور جمال بالنسوی نے کہا۔ مرید وہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کا ارادہ نہ کرے۔ اور اگر اللہ کے سوا کسی کا ارادہ کرے۔ تو وہ مرید نہیں ہے۔ اور اس کی طرف پہلے اشارہ گزر چکا ہے۔ اس کو یاد رکھو۔

فائدہ:۔ اگر کوئی شیخ سے کہے۔ کہ آپ کا میں مرید ہوں۔ اور شیخ کہے تو میرا مرید نہیں ہے۔ تو وہ مرید ہوگا۔ اس لئے کہ ارادت مرید کا فعل ہے۔ اور وہ اس پر قائم ہے۔ اور اگر شیخ کہے۔ تو مرید میرا ہے۔ اور وہ کہے کہ میں تمہارا مرید نہیں ہوں۔ تو وہ مرید نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنے فعل سے خود منکر ہے۔

فائدہ:۔ عین القضاۃ کہتا ہے۔ کہ مرید پیر کا آئینہ ہے۔ کہ اس کی جان میں شیخ اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ اور پیر مرید کا آئینہ ہے۔ کہ خدا کو اس آئینہ میں دیکھتا ہے۔ مرید کو چاہیئے۔ کہ شیخ کی ولایت کے جمال پر مشتاق و پیاسا اور لیس ہو۔ اور اپنے تصرفات اور ارادوں سے باہر آ جائے۔ تاکہ شیخ کا معشوق ہونے کی خصوصیت حاصل کرے اور ارادت کا یہ ارادہ کا ترک ہے۔ اور بایزید بسطامی کے قول کا یہی معنے ہے۔ کہ "میں چاہتا ہوں۔ کہ میں کچھ نہ چاہوں۔" یعنی میں کچھ نہ چاہتا۔ بلکہ ارادہ تیرے سپرد ہے۔ اور اس معنی کو وہی سمجھے گا۔ جس کو باطن کا نور ہے۔ باقی رہے۔ اہل ظاہر تو وہ

Scanned by CamScanner

معنی نہیں سمجھے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ یہ قول تو ارادہ کے اثبات میں ہے نہ کہ ارادہ کی نفی میں۔ کیونکہ نفی کے ارادہ کا ارادہ کرنا ارادے کی عین نفی ہے۔ بلکہ سے متعلق ارادہ ہے۔ اور وہ بھی چیزوں میں سے ایک چیز ہے۔ اور یہ نہیں سمجھے۔ کہ میں چاہتا ہوں۔ کہ کچھ نہ چاہوں۔ یہ سلوک طریق پر ہاں نفی ارادہ کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ جب اس نے نفی ارادہ کا مطلقاً ارادہ کر لیا۔ تو نفی کا ارادہ بھی ارادہ ہے۔ اور اس کا مقصود تو یہ تھا۔ کہ ہر ارادہ کی قصداً نفی ہو۔ تو یہ ایسا امر ہے۔ جس کو وہ آدمی سمجھے گا۔ جو کلام کے اسلوب سے مس رکھتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالےٰ کے قول لیس کمثلہ شئی وھو السمیع العلیم سے کنایہ قریبہ ہے۔ جیسا کہ علم بلاغت میں لکھا ہوا ہے ؟

فائدہ :۔ جاننا چاہیئے۔ کہ بیعت اور ارادت کبھی ان کا نام تحکم ہوتا ہے۔ جیسا کہ شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اصطلاح قائم کی ہے۔ کیونکہ مرید نے شیخ کو اپنے نفس اور اپنے اختیار پر حاکم بنایا ہے۔ اور اس کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے۔ کہ ہر وہ کام جو پیر اپنے مرید کو فرمائے۔ وہ ایک خلعت الہٰی ہے۔ جو وہ اس کو دیتا ہے۔ مرید جس جگہ بھی ہو گا۔ اس خلعت کی حمایت میں ہو گا۔ اور پیر کا حکم خدا کا حکم ہے۔ اور وہ حکایت و مخاطبہ جو پیر اپنے مریدوں سے کرتے ہیں۔ ان کا فائدہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ دلوں کو طاقت دیتی ہیں۔ یعنی مریدوں کے دلوں کو اور اللہ تعالےٰ کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے" اور رسولوں کے ہر طرح کے واقعات ہم تجھ پر بیان کرتے ہیں۔ جن سے ہم تیرے دل کو قوی کرتے ہیں" یعنی اے محمد پیغمبروں کے وہ قصے جو ہم نے تجھ پر بھیجے ہیں ان کا سبب یہ ہے۔ تاکہ ان کے سننے سے تیرا دل ثابت قدم رہے۔ اور اسی قبیل سے شیخ کا اپنے مریدوں سے کلام ہے جو وہ اپنے احوال و کمالات بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ شیخ اجل نے اپنے قصائد شریفہ میں فرمایا۔ اور اسی لئے آپ نے اپنے بعض قصائد میں فرمایا ہے ؎ اور میں نے یہ صرف اس لئے کہا ہے۔ کہ تم میرے طریقہ کو سمجھ سکو۔ اور اسی قبیل سے آپ کا یہ قول ہے مریدی لا تخف اللہ ربی اور آپ کا قول مریدی لا تخف واش فانی۔ اور ان دونوں بیتوں میں سکینت اور طمانیت کی تعلیم ہے۔ پس سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے۔ جس نے مجھے بیان سکھایا۔ اور درود ہو اللہ کے رسول پر مع ان کی آل و صحابہ و عالی شان نائبوں کے ؟

شرح المطمأنیہ :۔ جاننا چاہیئے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے انسان بہترین شکل و صورت میں پیدا کیا ہے۔ پھر اس کو اسفل السافلین کی طرف لوٹایا ہے۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے۔ اور اچھے عمل کئے۔ تو اُن کے لئے اللہ کے پاس قربت اور اچھی جگہ ہے۔ لیکن اضداد کا جمع ہونا یعنی نفس و خواہش وغیرہ کے خبائث چونکہ اس کو ظلمت و انکدار کی طرف کھینچتے تھے۔ تو وہ خوف اور تفرقہ اور مختلف آفات و حوادث کثیرہ کے ابتلاء کی طرف مائل ہوتا تھا۔ پس کانپتا اور بے چین ہوتا اور بے قرار ہوتا تھا۔ لیکن جس آدمی کو اضطراب اور قلق پیدا ہونے کے مقام میں تمکین اور جگہ نہ ہو۔ وہ اپنے ہر فعل اور حرکت و سکون، قصد و ارادہ سے خوف کھاتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے عقل کے نور سے معلوم کر لیتا ہے۔ جو اس کی بنیاد کے طالع میں مرکوز ہے۔ کہ جو شخص اپنے خالق و رازق و منعم و مکرم و حافظ و ناصر کے حکم کی تعمیل نہ کرے۔ اور اس کی نواہی سے باز نہ آئے۔ وہ زوال و انحلال سے بے خوف نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ اس کی تدبیر کرتا ہے۔ اور

اسباب ڈھونڈتا ہے۔ تو اس کے لئے قوت ظاہر ہوتی ہے۔ جو اس کے خباثث سے بڑھ جاتی ہے۔ یعنی نور نصرت سے حق کی طرف فیصلہ اور اس کے وجود پر استدلال اور اس کے اوامر کا امتثال اور اس کی نواہی سے اجتناب پس اس کے اسباب سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ ایک ان میں سے دین کے علم اور عمل اور اخلاص کی طرف رجوع ہے۔ تو اس کیلئے نور بصیرت زیادہ ہو جاتا ہے۔ جو اس میں ودیعت کیا گیا ہے۔ پھر وہ فرائض و واجبات اور تمام دینی امور کے بعد ذکر الٰہی پر ملاومت کرتا ہے۔ وہ خباثث کا مقابلہ بھی کرتا ہے۔ اور اپنے دل میں اس حیثیت سے خوف بھی رکھتا ہے۔ کہ ان دونوں لشکروں میں سے کون سا غالب آتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ سے اس کے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے مرشد کامل کا دامن تھام کر اس کی تمام مدد سے امداد مانگتا ہے۔ اور محفوظ قلعے تک پہنچانے کی درخواست کرتا ہے۔" ایسے شہر تک کہ تم وہاں تک بغیر نفس کی مشقت کے نہیں پہنچ سکتے۔" پھر وہ نفس و شیطان اور ان کے خادموں سے جنگ لڑتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالےٰ کے انوار کا لشکر آ جاتا ہے۔ تو اس کے لئے اولاً دل میں اللہ تعالےٰ کے لشکر کی قوت ظاہر ہو جاتی ہے۔ کہ اسے ساعت بساعت سکون حاصل ہوتا جاتا ہے۔ پھر سکینت اور امن تازہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ پہلے سے زیادہ نور بصیرت ظاہر ہوتا ہے۔ پھر اس کو دائمی سکون اور میلان حاصل ہوتا ہے۔ پھر اللہ کے ذکر کے غلبہ سے اس کے بعد دل میں طمانیت آ جاتی ہے۔ جو ان انوار کا باعث ہوتی ہے۔ جو ہمیشہ کی سکینت کی باعث ہیں پھر اس سے سکون اور اطمینان کبھی زائل نہیں ہوتا۔ پھر امید غالب ہو جاتی ہے۔ اور شیطان کے لشکر کا خوف مغلوب ہو جاتا ہے۔ پھر وہ خوف سے اُمید کی طرف مطمئن ہوتا ہے۔ کہ اس کے لئے ظاہر ہو جاتا ہے: "خبردار اللہ کا لشکر وہی غالب آنے والے ہیں۔" تو حبیب محافظ کی افواج کے نور کی تقویت سے دشمن کا خوف زائل ہو جاتا ہے۔ جو کہ مجھے کافی ہے۔ اور اچھا کارساز ہے۔ پھر بیقراری اور تنگی جو اضطراب کا باعث ہے۔ حاکم منصور کے حکم کی قوت کے سبب سے چلی جاتی ہے۔ اور مصیبت زدہ کی مصیبت زائل ہو جاتی ہے۔ یعنی پہلے اس کو خباثث کی افواج کے دیکھنے سے غم و اندوہ کی مصیبت تھی۔ وہ جزا اور امدادات الٰہیہ کے غلبہ کے نور کی کامیابی سے چلی جاتی ہے۔ اور کہتا ہے" اللہ ایمان داروں کا دوست ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے۔ پھر دل کی قوت اس کے لئے پوری ہو جاتی ہے۔ جو کہ طمانیت قلبی سے عبارت ہے۔ پھر اسے کہا جاتا ہے۔ میری زمین کے صرف صالح بندے ہی وارث ہوتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے کہا جاتا ہے۔" خوف نہ کر اللہ میرا رب ہے۔" اور چغل خوروں سے خوف نہ کر۔" اور خوف نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے: جس کو اللہ مدد دے۔ وہ فتح عظیم پر ہے۔ اور اس سے طمانیت کو طمانیت قلبیہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اس وقت سالک کو قلبی خطرہ کے خوف اور بیقراری اور ابتلاء سے مطمئن کر دیتی ہے۔" اور اس صورت میں دل سے مراد وہ دل ہے جو روح کے مقابل ہے برابر ہے۔ کہ اس کے ساتھ نفس ہویا نہ ہو۔ پھر جب یہ قدیم پورا ہو جاتا ہے تو سالک روح کی طرف لوٹتا ہے۔ اور وہ اشیائے کونیہ کے حقائق کے ظہور کے ساتھ وصول کا قاصد ہے۔ اور صفات الٰہیہ کے حقائق متیقنہ ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ سفل اور نخالہ (چھان وغیرہ) پھینک دیا جاتا ہے۔ اور انکشافات اور دلالات سے خوش ہوتا ہے۔ پھر اس کو کل شوق پیدا ہوتا ہے۔ اور کثرت کی طرف متغرق ہو جاتا ہے۔ جو اُسے آفاق اور

نفس سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر وہ حیران ہوتا ہے۔ اور اس پرندے کی طرح بیقرار ہوتا ہے۔ جو اپنے گھونسلے کے علامات تو دیکھتا ہے۔ لیکن اپنے گھونسلے کو نہیں دیکھتا۔ کہ جس میں پناہ پکڑے۔ پھر اسے کہا جاتا ہے گھونسلہ پانے کی ناکامی سے خوف نہ کر اور ان کدورتوں سے مایوس نہ ہو۔ جو اہل ضرر و اہل مکر و بدخواہی کے ملنے کے سبب سے حاصل ہوتی ہیں۔ پھر دل کے مرتبہ میں اس کے لئے نور بصیرت جتنا پہلے تھا۔ اس سے زیادہ کھول دیا جاتا ہے۔ پھر اس پر یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔ کہ یہ کائنات حادث ہے۔ فوت ہونے والی ہے۔ اگرچہ وہ بادشاہ ہو۔ یا عرش ہو۔ یہ حقیقت تو اس طرح ہے اور حقائق صفاتیہ یہ ہیں۔ پھر اس کی نظر سے کثرت مٹ جاتی ہے۔ جو کہ اس کو پریشان کرنے والی ہے اور اس کے لئے نور وحدت ظاہر ہوتا ہے۔ جس کی طرف ہر ایک کا مرجع ہے۔ پھر وہ اپنے ٹھکانے کی طرف جگہ پاتا ہے وہ ایک نابینا آدمی تھا۔ جس کی کشف آنکھ کھول دی گئی۔ اور اس نے اس سے دائمی سکون حاصل کر لیا۔ پھر اس کو وعدے کے ظاہر ہونے کے شوق کی بے چینی ہوتی ہے۔ یعنی جس کا اسے وعدہ دیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے لئے ظاہر ہو گیا ؞

پھر اگر تو کہے۔ کہ یہ وعدہ کیا تھا۔ تو میں کہوں گا۔ یہ وعدہ اس کے لئے اسرار کی آنکھوں کی طرف کھلنے اور حقائق کونیہ و الٰہیہ میں تمیز کی طرف ترقی تھی۔ جو کہ ایسی عدم تمیز سے خالی ہو۔ جو الحاد و حلول کی باعث ہے پہلے وہ نہ رب کو جانتا تھا۔ اور نہ مربوب کو اور یہ روح کی ترقیات سے دوسرا درجہ ہے۔ پہلا درجہ صرف کشف کا تھا۔ اور اس میں یہ تمیز نہیں تھی۔ کہ خالق کیا ہے۔ اور مخلوق کیا ہے۔ اور یہ درجہ صرف دل کی مقارنت سے تھا۔ جو کہ نفس سے ملا ہوا ہے۔ وہ نفس ایسے بدن سے مستفیض ہے۔ جس کی سرشت میں خواہشات اور کدورتیں اور ظلمات گوندھے ہوئے ہیں۔ پھر جب ترقی کرتا ہے۔ تو اسے تمیز حاصل ہوتی ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا۔ کہ بعض کاملین کشف کے بعد بھی عدم تمیز میں تیس سال تک مبتلا رہے۔ اور منصور حلاج قدس سرہ عدم تمیز میں آزمایا گیا۔ یہاں تک کہ اس نے انا الحق کہا۔ اسی لئے شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اس کا قدم پھسل گیا۔ اور قائم نہ رہ سکا۔ اور اس کی طرف پہلے اشارہ گزر چکا ہے۔ اور عدم تمیز کی وجوہات مختلف ہیں۔ بعض میں کمالات، کدورت کی حیثیت سے ہے۔ اور بعض میں کمال صفائی کی وجہ سے یہاں تک کہ حقائق کونیہ ان کے روحی شہود میں عین حقائق الٰہیہ نظر آتی ہیں۔ اور یہ عدم تمیز کی وجہ سے ہے۔ اور تیسرا درجہ حقیقیہ درجہ ہے۔ اس میں سالک کائنات سے الگ ہو جاتا ہے۔ کہ ان کو ان کے مراتب پر اتارتا ہے۔ کہ چیزوں میں سے کوئی چیز بھی حقیقت الٰہیہ صفاتیہ یا ذاتیہ کے مماثل نہیں ہے وہ اشیاء کی الواح کو پیٹھ پیچھے پھینک دیتا ہے۔ اور وحدت کی طرف رجوع کرتا ہے جسے جمع کہا جاتا ہے۔ اور متفرقہ کائنات کا ملاحظہ ہے۔ اور جمع ذات کی طرف رجوع ہے۔ اور یہ جمع پوری جمع ہے اور کبھی اس طرح کی جمع حاصل ہوتی ہے۔ جیسے مجنوں قیس کو حاصل تھی ؞

شمائل الاتقیاء میں رسالہ غریب سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے"۔ کہ تفرقہ فصل ہے اور جمع وصل ہے مجنوں کے باطن کی جمعیت لیلےٰ سے تھی۔ اسی وجہ سے تمام موجودات اس کو لیلیٰ کی صورت میں نظر آئیں۔ ہر ولی جو کہ خدا تعالیٰ کے

Scanned by CamScanner

ساتھ جمع ہے۔ تمام مخلوقات کا اندیشہ اس متفرق ہے۔ اور جب کائنات سے روگردانی اور خدا تعالیٰ کی طرف توجہ درست ہو جاتی ہے۔ الخ۔ عوارف میں ہے جمع روح کا حکم اور تفرقہ قلب کا حکم ہے۔ پھر اس صورت میں اگر تفرقہ روح میں ہو۔ جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا۔ تو یہ تفرقہ قلب کے قرب کی وجہ سے ہوگا۔ اس لئے کہ صحبت اثر کرتی ہے۔ جب کہ ایک ان دونوں میں سے طاقتور ہو۔ خصوصاً شریروں کی صحبت اہل صفا و اسرار کے لئے جلد ہی کدورت کا باعث بن جاتی ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا۔ کہ سفید کپڑے کی سفیدی صرف گندگی کی ملاقات سے چلی جاتی ہے۔ اور سیاہ کپڑا سفید کپڑے سے سفیدی حاصل نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے لئے اور اسباب ہیں۔ جو اس کی سیاہی کو لے جانے کے لئے بروئے کار لائے جاتے ہیں۔ غزالی کے رسالہ میں ہے۔ حق کی صفات جمع ہیں۔ اور اس کے افعال تفرقہ ہیں۔ اور جمع اور تفرقہ کی تحقیق میں تفصیل ہے۔ ہم نے تطویل سے بچنے کے لئے ضروری قدر پر اختصار کر لیا ہے۔ جب یہ قدم پورا ہو جاتا ہے۔ تو سالک اس سے زیادہ بلندی کی طرف ترقی کرتا ہے۔ اور وہ بقا باللہ اور اللہ تعالےٰ کے نور ازلی سے متصف ہونے اور الطاف کے ظہور کا مرتبہ ہے۔ اور اس مرتبہ کی ابتداء الطاف الالہیہ قدسیہ کے ظہور سے ہوتی ہے۔ جو کہ سالک کے بقیہ وجود بشری کو بھی ختم کرنے کا باعث ہیں۔ جیسا کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے پہلے گزرے ہوئے عظیم قصیدہ میں اپنے قول "بہت بڑا خزانہ اور ہدیہ صالحہ اپنے آخر کلام تک سے اشارہ فرمایا ہے۔ اور اس زمانہ میں چونکہ سر کی روح کے ساتھ مقارنت ہے۔ جو کہ قلب کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اور اس نفس کو جدا کرنے والا ہے۔ جو کہ ایسے بدن سے ملا ہوا ہے۔ جو خواہشات سے بھرا ہوا ہے۔ ان میں سے اکثر وہ ہیں۔ جو کہ حضرت کے شہود میں تھیں۔ جن کو جمع بعد تفرقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پس وہ سیر کی ابتدائی منزل ہے۔ اور اگر مراد یہ ہو۔ کہ سیر اس کے بعد ہے۔ تو لطف کی طرف شہود حضرت کا معنی یہ ہے۔ کہ حضرت کا شہود اس کی نگاہ سے اٹھ گیا۔ اور لطف ظاہر ہو گیا۔ یعنی حقیقت میں فنا اور متصف ہونا اس طرح کہ شاہد کا وجود درمیان سے اٹھ جائے۔ پھر اس کے بعد نور ازلی کی طرف مقام کی طمانیت ہے۔ اس طرح کہ قائم اور مقام دونوں ختم ہو جائیں۔ اور صرف رب الانام کا نور باقی رہ جائے۔ اور وہ اکیلا ہے۔ کہ جس کے بغیر کوئی معبود نہیں ہے۔ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ اور وہ آنکھوں اور انہام کا ادراک کرتا ہے ٭

عوارف میں ہے۔ جمع اصل ہے۔ اور تفرقہ شاخ ہے۔ اور تفرقہ کے بغیر ہر جمع بے دینی ہے۔ اور بغیر جمع کے ہر تفرقہ تعطیل ہے۔ جمع تفرقہ کے ساتھ صحیح ہوتی ہے۔ اور تفرقہ جمع کے ساتھ صحیح ہوتا ہے۔ تفرقہ کے افعال کا دیکھنا صفات جمع کا دیکھنا۔ جمع بالجمع ہے۔ تیرے لئے ضروری ہے۔ کہ تو جان لے۔ کہ جو کچھ ہم نے مرتبۂ بقاء کے جمع الجمع ہونے کے متعلق ذکر کیا ہے۔ یہ عبارت ہمارے لئے اس کی مؤید ہے۔ اور جمع کا مرتبہ یعنی مرتبۂ صفات اپنے نفس میں جمع ہے اور روبیت ذات کے مرتبہ کے اعتبار سے تفرقہ ہے۔ اور جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس سے تو طمانیت کے معنی سمجھنے پر قادر ہو جائے گا۔ جو اودیہ کے مقامات کے بیان میں سکینت اور طمانیت کے فرق میں پہلے گزر چکا ہے۔ اور مقام تفصیل کا تقاضا کرتا ہے۔ لیکن ہم نے اجمال پر اقتصار کیا ہے۔ اور اللہ ہی حقیقت حال کو خوب جانے اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا قول ومریدی لا تخف اللہ ربی اور آپ کا قول مریدی لا تخف واش فانی

Scanned by CamScanner

اس سب کو متضمن ہے۔ جیسا کہ عنقریب تجھ پر معنی کی تحریر سے انشاءاللہ تعالےٰ ظاہر ہو جائیگا۔ پس تمام تر تعریف اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ اور درود ہو رسولوں کے اسردار پر مع ان کی آل و صحابہ پر اور آپ کے نائب پر غوث محی الدین الامین المکین رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے۔ اے اللہ ہمارے دلوں کو آپ کے انوار سے روشن کر دے اور آپ کے اسرار سے ہماری مدحوں کو منور فرما۔ آمین۔ آمین یا رب العالمین اے اللہ ہم دشمن کے خوف میں ہیں۔ اس کی تدبیریں صبح و شام نئی سے نئی ہیں۔ اور ہم نہیں جانتے۔ کہ وہ اور اس کا قبیلہ کس طرح دھوکہ دیتے ہیں۔ اور اس دھوکہ و فریب میں کونسی وادیوں میں پریشان پھرتے ہیں۔ اے غالب مدد صرف تیری ہی طرف سے ہے۔ ہمیں اس بدخواہ کے افتراء سے محفوظ رکھ۔ جو ہر ہوشیار اور خطاکار اور بھولنے والے سب پر حملہ کرتا ہے۔ اور اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر جائیں۔ تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔ اے بخشنے والے تو ہر چیز پر قادر ہے ؛

زیادہ توضیح و تشریح :- جب تو نے ہمارے ذکر کردہ بیان کو معلوم کر لیا۔ تو تجھ پر بیت شریف کا مقصد تو ظاہر ہو گیا۔ لیکن محبوب کا ذکر محبوب ہوتا ہے۔ اور زبان ہر وقت اپنے مطلوب کے ذکر سے خوش ہوتی ہے۔ ایسا مطلوب ہے۔ جس کا ذکر محبوب ہے۔ اس کے ذکر کی جب بھی تکرار کی جائے۔ کان اور دل اور زبان اس سے لذت پاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہر دن کسی نہ کسی حالت میں ہے۔ جاننا چاہیئے کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ مریدوں پر رحم کرنے میں ہیں۔ اگرچہ وہ پوری بیداری سے غفلت میں ہوں۔ نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی امت کے گنہگاروں پر رحم میں ہیں پھر جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت اور خلق عظیم کا تقاضا امت کی بخشش اور اصلاح اور اس کا عفو و عافیت کے جنت میں داخل ہونا ہے۔ اسی طرح شیخ اجل رضی اللہ عنہ بھی مریدوں کے حال میں شفیق، رحیم، مہربان انتہائی رحمت و شفقت والے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ نے اس آدمی کے حق میں کہا۔ جس کا قدم پھسل جائے "میں اس کو پکڑنے والا ہوں۔ اور اس کو نیک لوگوں کی خصلت پر لانے والا ہوں۔" اور آپ رضی اللہ عنہ کے قول کہ "میں اپنے مرید کا ضامن ہوں۔ اگرچہ وہ غیر صالح طبیعت والا ہو۔" کا یہی معنی ہے۔ یعنی میں اپنے مرید کو رحم کے دروازے سے نہیں لوٹاتا۔ اگرچہ اس کا قدم پھسل جائے۔ اور گناہ میں واقع ہو جائے۔ بلکہ میں توبہ کرتا ہوں۔ اور اس کا ہاتھ پکڑتا ہوں۔ تاکہ وہ اپنے حال کی صلاح اور دل کے تقویٰ پر ہو۔ الامر صرف اس مرید کے حق میں ہے۔ جس نے آپ کو اپنی پناہ گاہ سمجھا۔ اور وہ مرید جو ترقی چاہتا ہے پس اس کے ساتھ معاملہ اس طرح کا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو جب لحد میں داخل کیا گیا۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھنے کا ارادہ کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ تو آپ کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف کان جھکایا۔ تو آپ کہہ رہے تھے۔ اے میرے رب میری امت۔ میری امت کو بخش دے۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔ تمام تر حمد اس اللہ کی ہے جس نے ہمیں آپ کی امت مرحومہ سے بنایا۔ اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ بھی مریدوں کے حق میں بلکہ تمام اللہ کے بندوں بندیوں کے حق میں اسی قدم پر تھے۔ کیونکہ تمام ہی ان کی مدد کی امید رکھتے ہیں۔ اور آپ کا دین اختیار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ تو اس قصیدہ میں دیکھتا ہے۔ کہ آپ مرید کی بار بار تسلی فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ اے وہ شخص جس نے میرے دامن کو تھام لیا ہے۔ اور میری سعادت کی نسبت سے نیک بختی چاہتا ہے۔ تو معزول ہونے اور خواری اور ہلاکت سے نہ ڈر۔ اور مفتری

کذاب سے خوف نہ کھا۔ جو مکڑی کے تار کی طرح اپنا مکر بنتا ہے۔ اور بہت بڑے مکر کرتا ہے۔ اور درستی کا اظہار کرتا ہے۔ اور اپنے مخفی دفتروں میں طرح طرح کے افترا چھپاتا ہے۔ میں تیرا ہر اس چیز میں مددگار ہوں جو وہ تجھے دھوکہ دے۔ اور افترا کرے پس ہر ہول اور حادثہ میں مجھ سے تمسک کر۔ میں تیری مدد کروں گا۔ اور جب بھی تو مجھے یاد کرے گا۔ میں تیری فریاد کو پہنچوں گا۔ بلی میں اپنے مرید کی ہر اس چیز میں جس سے ڈرتا ہے۔ حفاظت کرنے والا ہوں۔ اور ہر طرف سے اس کی نگرانی کرتا ہوں۔ پس میرا مرید ہر خوف سے امن میں ہے۔ کیونکہ میں تمام مردوں کا مرد ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے تمام شہر فی الحال میرا ایک قدم ہیں۔ تو ہر شدت و تکلیف سے باذن الٰہی نجات پا جائے گا۔ اور یہ سب کچھ میرے نانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ ہے۔ اور معنی کے بیان میں میں نے یہ سب کچھ قصائد ہی سے لیا ہے۔ اور مرید کی تسلی کے بعد آپ نے ایک اور قصیدہ میں فرمایا ہے۔ میرے نانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ یعنی محمد اور میں عبدالقادر ہوں۔ میرا وقت اور بلندی ہمیشہ تک ہے۔ اور یہ اسی طرح ہے۔ جیسا کہ آپ نے اس قصیدہ خمریہ کو بھی اپنے اس قول سے ختم فرمایا ہے۔ اور عبدالقادر میرا مشہور نام ہے۔ اور میرے نانا عین کمال کے مالک ہیں۔ پس عنقریب اس کے متعلق کلام آئے گی۔ کلام کا خلاصہ یہ ہے۔ اے میری ارادت میں وحید مراد تو بد خواہوں اور مغرور لوگوں سے نہ ڈر جو میری طرف اس قول الٰہی کے مطابق کہ شیطان اپنے دوستوں کی طرف وحی کرتے ہیں۔ خلاف حقیقت القا کرتے ہیں۔ پس میں تیری امداد اور اعانت میں صاحب عزم واستقامت ہوں۔ میری نظر تیری مدد کرنے کی طرف ہے۔ میں تیری صورت اور حقیقی مراتب میں سے ہر مرتبہ میں تیرے ظاہری اور باطنی دشمنوں سے لڑائی کروں گا۔ میں غوث الغیاث ہوں۔ میں اللہ کی زمین میں ایک مرد ہوں۔ ہر شیخ کا شیخ ہوں۔ میں ہر نوبی لشکروں کا امیر ہوں۔ اور لڑائی کے وقت لڑائی کرنے میں مضبوط ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی تلواروں کی پروا نہیں کرتا۔ میں نے اپنے نانا صلے اللہ علیہ وسلم کی تلوار تیز کر رکھی ہے۔ میں نے اباطیل کی گردنیں کاٹی ہیں اور گمراہوں کو اپنی پرواز کی ادنیٰ توجہ سے جیسے ابابیلوں کے ڈار نے اصحاب فیل کو فنا کیا تھا۔ فنا کرکے ھباءً منثورا کر دیا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق ہے۔ کہ خبردار اللہ تعالیٰ کے دوست ان پر کوئی خوف نہیں ہے۔ اور نہ وہ غم کھائیں گے۔ رب جلیل سے ان کو دلیل میں مستقل کرنے کے لئے وہ مجھے کافی ہے۔ اور اچھا کارساز ہے۔ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہے۔ جس نے ہمیں اس بہت بڑے امر کی راہ نمائی فرمائی۔

تنویر منیر:- حلاوت الایمان میں لایا ہے۔ کہ جو آدمی حضرت غوث ربانی کے زمانہ میں آں جناب رضی اللہ عنہ کا نام بے وضو لیتا۔ اس کا سر تن سے جدا ہوتا جاتا۔ جب لوگوں میں اس کرامت کا غلغلہ بلند ہوا۔ تو تمام اولیاء سلطان ابو سعید مبارک مخزومی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور التماس کی۔ کہ آں حضرت سے کہیں۔ کہ اپنی تلوار کو نیام میں کریں۔ ورنہ تمام لوگ ان کی الوہیت کے قائل ہو جائیں گے۔ پس سلطان الاولیاء نے اپنی گہربار زبان سے فرمایا۔ کہ اے بیٹا اپنی تلوار کو نیام میں ڈالو۔ ورنہ خلقت گمراہی میں مبتلا ہو جائے گی۔ تو آں جناب معلی القاب نے اپنے شیخ حرقہ کے کہنے کے مطابق تلوار غلاف میں کرلی۔ سلطان الاولیاء آں جناب کی تعریف کرنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ نے کہا۔ بیٹا جو بھی تیرا نام بے ادبی سے لے گا۔ اس کا حلق تنگ ہو جائے گا۔ اور اس کا ایمان چھین لیا جائے گا۔ پھر فرمایا

اے بیٹا عبدالقادر جو تیری ارادت کا دامن پکڑے گا۔ دوزخ کی آگ اس پر حرام ہو جائے گی۔ اور اسی طرف شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے ایک اور قصیدہ میں اشارہ فرمایا ہے ؎ اور جو مجھ سے ٹیڑھا ہوگا۔ اس کی کوشش رائیگاں جائے گی۔ اور اس کی آرزوئیں فوت ہو جائیں گی۔ اور اس کی آرزوئیں فوت ہو جائیں گی۔ اور میری عزت کے غلبہ سے زندگی نہیں پائے گا۔ جو میرے بارے پر عقیدہ رکھے گا۔ سینکڑوں بلاؤں اور فسادات سے خلاصی پائے گا۔ جو ہمارے حال سے شک میں ہوگا۔ اس پر دغا آدمی کا ایمان سلب ہو جائے گا۔ اے اللہ ہمیں شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے تابعداروں سے بنا اور ہمیں اپنے رحم اور فضل سے ہر اس چیز سے محفوظ رکھ جو ہمیں تکلیف دے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو غالب ہے مجھے ہر برائی اور بیماری اور آفت سے بچا۔ اور اس قصیدہ خمریہ کی شرح کو پورا کرنا میرے لئے آسان کر۔ اور اللہ اپنی بہترین مخلوق محمد اور ان کی آل اور نائبوں سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین آمین۔ اے قبول کرنے والے میری دعا کو قبول کر۔ اور میری حاجت کو پورا کر۔ اور میرے گناہ بخش دے ؛

قصیدہ خمریہ شریفہ حمیدہ مبارکہ کے سمندروں میں سے ستائیسویں موج

(۲۷)

اَنَا الْجِیْلِیُّ مُحْیُ الدِّیْنِ اِسْمِیْ ؛ وَاَعْلَامِیْ عَلٰی رَاْسِ الْجِبَالِ

لغت:۔ جیلی و جیلانی جیل بکسر جیم و سکون یاء کی طرف منسوب ہے۔ اور وہ طبرستان سے ورے ایک شہر ہے۔ اور اس کو جیلان و گیلان و گیل بھی کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یہ اپنے دادا جیلان کی طرف منسوب ہے۔ امام یافعی کے تکملہ میں اسی طرح ہے۔ اور صراح میں ہے۔ جیل ترک و دم ہیں۔ اور فتح اللغات میں ہے۔ آدمیوں کا گروہ۔ کہا جاتا ہے۔ عرب جیل ہیں۔ اور ترک جیل ہیں۔ الاحیاء زندہ کرنا۔ اور اسم بمعنی نام مطلق۔ اگر باپ یا بیٹے یا ماں سے نسبت کیا جائے۔ تو اس کو کنیت کہتے ہیں۔ اور اگر مدح یا ذم کی خبر دے۔ تو اس کو لقب کہتے ہیں۔ اور اگر یہ دونوں نہ ہوں۔ تو علم کہتے ہیں۔ اور اس کا نام اسم خاص ہے۔ اور کنیت اور لقب کی اقسام میں تداخل ممکن ہے۔ جیسا کہ واقف پر مخفی نہیں ہے۔ اور دین وہ ہے۔ جس پر بدلہ یا جزا دی جائے۔ اور اس کا مرادف لفظ ملت ہے ہاں شریعت اس حیثیت سے کہ اس کو لکھا جاتا ہے۔ اور اس میں تنبیہ کی جاتی ہے۔ اس کو ملت کہا جاتا ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ اس کے مطابق عمل کرنے سے بدلہ دیا جاتا ہے۔ اسے دین کہا جاتا ہے۔ اسی طرح حواشی خیالیہ میں ہے۔ پھر اعلام علم کی جمع ہے بمعنی پہاڑ۔ اور بیرق اور نیزہ اور نشان اور کبھی علم قوم کے پیشوا کے معنی میں بھی آیا ہے۔ اور اس جگہ نیزہ اور نشان کا معنی مراد ہے۔ اور جائز ہے۔ کہ قوم کے پیشوا کا معنی مراد لیا جائے۔ یعنی ہماری ارادت کی بساط کے مرد پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہیں اور یہ شہرت سے کنایہ ہے اور اس کے معنی خدا کے فضل و کرم سے آئیں گے۔ اور راس سر اور سردار اور بزرگ اور کہا جاتا ہے۔ راس کل شیء یعنی اس کا بلند حصہ اور اس کلام میں مراد کے زیادہ مناسب یہی ہے اور جبال کا معنی پہلے گزر چکا ہے۔ اسے یاد رکھ ؛ کہ دین شریعت سے زیادہ عام ہے۔ اور اسی طرح ملت بھی جیسا کہ ان کے قول میں وارد ہوا ہے: کہ کفر ایک ہی ملت ہے" اور اللہ تعالے کا قول ہے: کہ دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔" اور ہم..................

نحو :- انا۔ متکلم مفرد کی ضمیر مبتدا ہے۔ اور جیلی اس کی خبر ہے۔ اور محی الدین خبر ہے جو کہ متعلق ہے۔ یعنی اسمی اس کی دوسری خبر ہے۔ اور آپ کے قول و اعلامی میں واؤ آپ کے قول انا الجیلی پر عطف ڈالنے کے لئے ہے۔ اور احتمال ہے۔ کہ آپ کے قول الجیلی یا محی الدین پر عطف ہو۔ اور علی راس الجبال آپ کے قول اعلامی کی خبر ہے اور آپ کے قول محی الدین میں اضافت اس اعتبار سے ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ کی ذات دین کے زندہ کرنے کا سبب ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرتبہ عظیمہ اور منزلت جسیمہ پر مشرف فرمایا۔ اس کے ساتھ آپ دین اور شریعت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم کے رسوم کو زندہ کرنے پر قادر ہوئے۔ اور الدین پر لام استغراق کے لئے ہے۔ یعنی اس نے مجھ کو شریعت کے تمام احکام کے زندہ کرنے پر قادر کیا ہے اور اس میں اشارہ ہے۔ کہ بعض علماء سنت کو زندہ کرنے کی وجہ سے جب کہ قوم میں احادیث کے علم اور سنت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل سے سستی ظاہر ہو۔ پھر جب ان سے تقریر و تحریر و ایقاظ میں کوشش اور سعی ہو۔ اپنے عمل کے مناسب لقب سے ملقب کئے جاتے ہیں۔ اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ پس ان کی ذات اللہ کا نور ہے۔ جس نے اہل ظاہر اور اہل اعتقاد کے فساد اور کفر کے اندھیروں کو دفع کر دیا۔ اور اسمی پر محی الدین کو مقدم کرنے میں اس اسم کے آپ میں ہونے کی طرف اشارہ ہے پس یہ نام مجھ سے متجاوز نہیں ہوا۔ بلکہ یہ وہ نام ہے۔ جس سے اللہ تعالےٰ نے مجھے مخصوص فرمایا ہے۔ پس آپ کے قول اسمی کا معنی یہ ہے۔ کہ وہ نام ہے۔ جس کے ساتھ اللہ کی طرف سے الہام کی زبان سے میرا نام رکھا گیا ہے کہ جس میں یقین والوں کے لئے کوئی شک نہیں ہے۔ تو اسمی کی اضافت بھی اختصاص عہدی کے لئے ہے جیسا کہ اس کا بیان آئے گا۔ اور اسی طرح اعلامی کی اضافت ہے۔ پھر راس الجبال کی اضافت یعنی اس کی بلندی کی لام کے معنی میں اس کی جز کی اضافت کل کی طرف ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے۔ " زید کا سر" اور اگر اس سے مراد پہاڑوں میں سے کوئی پہاڑ بلند ہے تو اضافت ادنی ملابست کے لئے ہے۔ پس اس کو سمجھ اور اعلامی کی اضافت استغراق کے لئے ہے۔ اور اسی طرح فی الجبال میں لام بھی پس یہ فائدہ دے رہا ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ کے ہم ہر علم ہر پہاڑ کی چوٹی پر ہے۔ اور اگر کل کا مقابلہ کیا جائے۔ جیسے کہ جمع کا مقابلہ جمع سے ہوتا ہے۔ کہ قوم نے اپنے کپڑے پہن لئے اور اپنے جانوروں پر سوار ہو گئے تو اس کی یہ توجیہہ بھی ہو سکتی ہے پس غور کر۔

البلاغت :- آپ متکلم کی ضمیر تعیین کے اعلان کے لئے لائے ہیں۔ کیونکہ مراد وطن کی نسبت کا بیان کرنا ہے اور ملحوظ بھی تشخیص و تعیین ہے۔ کہ آپ جیلانی ہیں۔ اور وطن کی تحقیق کے بعد اشارہ باطنی فضیلت کو بیان کیا ہے یعنی دین کا زندہ کرنا اور اپنے مرتبہ کا ولی کے مرتبہ سے بلند ہونے کا اشارہ کیا ہے۔ اور وطن کی تحقیق میں بھی آپ کی نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہے جیسا کہ آپ نے کہا۔ میں مکی ہوں۔ میں ابطحی ہوں۔ اور ان کے علاوہ بھی جو کچھ حدیثوں میں وارد ہوتے ہیں۔ اور وطن کی تعیین کا راز یہ اشارہ ہے۔ دین اور علم کے لئے حدیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہجرت کا اثبات کہ " علم کو طلب کرو۔ اگرچہ وہ چین ہی میں ہو۔" اور یا پھر اس علاقہ میں لوگوں میں آپ کے آباؤ اجداد کی شرافت کی شہرت بیان کرنا مقصود ہے۔ اور اس نکتہ کی تائید آپ کا قول انا الحسنی کرتا ہے۔ اور جائز ہے کہ اولیاء و علماء سے وطن کی تعیین ان کی حلیت کی زیادت کے لئے ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ اشارہ مقصود ہو۔ کہ آپ

رضی اللہ عنہ کی ذات بھی ہے۔ اور پھر بھی آپ بغداد کے تمام فضلاء پر فائق ہیں۔ اور یہ فوقیت اپنی فضائل قدسیہ کی حیثیت سے ہے۔ جو آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی اجازت کے بغیر ظاہر نہیں کئے جا سکتے۔ اور محی الدین کی اضافت میں چند ایک نکات ہیں ؛

پہلا چونکہ مرتبۂ تکوین کی طرف اشارہ ہے۔ جو آپ کو حاصل ہے۔ اور دوسرا نکتہ اس مرتبہ کی فوقیت ہے جو آپ کو حاصل ہے۔ اس تو دمی کے مرتبہ پر جو مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ شیخ کے قول کے مطابق کہ کون ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ یعنی پرانے بدنوں اور بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرنا ایک ایسا امر ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو زندہ کر اس سے بلند تر ہے۔ اور تیسرا نکتہ یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے نانا صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سے اس حد تک متخلق ہیں۔ کہ آپ کا وجود دین کی روح و زندگی ہے۔ جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود دین کی زندگی تھا۔ اور یہ نبی منیب صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ ہے۔ کہ دین محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی بیماری پیش آتی ہے۔ اور ٹھہر جاتی ہے۔ جیسے کہ اور زندہ چیزوں کو بیماری لاحق ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ اس کو شیوخ راسخین اور علماء عاملین کے وجود سے زندہ کر دیتا ہے۔ اور پانچواں یہ ہے۔ کہ جب دین کو اس کے خلاف فاسقوں کی مباشرت سے کمزوری حاصل ہو جاتی ہے۔ تو وہ اولیاء کاملین اور راسخ اتقیا سے فریاد کرتا ہے۔ وہ اس کی تیمارداری کرتے ہیں۔ اور اس کی بیماریوں کا ازالہ کرتے ہیں۔ کہ لوگوں کو اس کی متابعت کی راہنمائی فرماتے ہیں۔ اور چھٹا یہ ہے۔ کہ دین ایک ملک ہے اور جب اس کا حکم جاری نہ ہو۔ اور اس کا حکم نافذ نہ ہو۔ تو وہ یہاں تک کہ گویا کہ وہ مرض میں ہے۔ پس جب اس کا حکم نافذ ہوتا ہے۔ تو اس کو لباس اور رونق نصیب ہو جاتی ہے۔ گویا کہ اسے نئی زندگی دے دی گئی۔ اور ساتواں یہ ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ ہر زمانہ میں شریعت کے مجدد ہیں۔ پس جو آدمی بھی آپ کے بعد شریعت کی تجدید کے لئے آئے گا۔ وہ آپ رضی اللہ عنہ کے بعد آپ ہی کے سایہ میں آئے گا۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے۔ جس کا معنی یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اس امت میں ہر صدی کے سر پر کوئی ایسا آدمی بھیجے گا۔ جو شریعت کی تجدید کرے گا۔ اور اس معنی کی تائید آپ کا قول واعلامی علی رأس الجبال کرتا ہے پس جو آدمی میرے بعد آئے گا۔ وہ میرے جھنڈوں کے سایہ میں ہوگا ؛

اور آپ کے قول امتی لانے میں اس طرف اشارہ ہے۔ کہ اس وصف کا مجھ پر اطلاق کسی وقت کے ساتھ دوسرے وقت کے علاوہ خاص نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اطلاق اسم کے مسمیٰ پر اطلاق کی طرح ہے۔ کہ وہ اس کی زندگی اور اس کی موت میں اس سے جدا نہیں ہوتا۔ پس آپ رضی اللہ عنہ کی یہ منزلت استمراری دائمی ہے۔ اور اعلام میں جمع لانا اس طرف اشارہ ہے۔ کہ آپ کے بہت سے ہیں۔ اور ہر طریقہ میں ان کا ایک علم اور ظل ہے۔ پس آپ کا علم کلی جزئیات پر مشتمل ہے یا آپ کا علم کل ہے۔ اور دوسرے اولیاء کے اعلام اس کے اجزاء ہیں۔ پس اس کو سمجھ پھر اعلام جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہے۔ یہ افراد کا اعلان کرتا ہے۔ اور پھر رأس کو مفرد لانا جو جبال کی طرف مضاف ہے۔ اشارہ ہے۔ اس طرف کہ آپ کے کل اعلام جو آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہیں۔ ہر پہاڑ کی چوٹی پر ہیں۔ اور آپ نے فی کو چھوڑ کر علی کا لفظ اختیار فرمایا۔ یہ اشارہ ہے پہاڑوں کی چوٹیوں سے اعلام کے ؛

اور جائز ہے۔ کہ آپ کے قول واعلامی پر وآد اعراض کے لئے ہو یا استیناف کے لئے تو جملہ واعلامی آپ کے محی الدین نام ہونے کے تکملہ کی طرح ہوگا۔ یا یہ اس آدمی کا جواب ہے۔ جس نے کہا۔ کہ یہ نام کس طرح ہوا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کیونکہ میرے جھنڈے پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہیں۔ پھر اعلام کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر رکھنے میں کئی ایک رموز میں پہلی یہ ہے کہ کلام کو امثال کے مخرج پر نکالا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ جب وہ کسی کام کی شہرت بیان کرنے کا ارادہ کرتے ہیں جو بہت مشہور ہے۔ تو کہتے ہیں۔ کہ یہ تو پہاڑ پر جھنڈے کی طرح ہے یعنی انتہائی شہرت سے مشہور ہے۔ اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ پہاڑ زمین کا بلند ترین حصہ ہیں۔ تو وہ شہرت کی بلندی سے حسی بلندی سے کنایہ کرتے ہیں۔ اور جائز ہے کہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہو۔ کہ پہاڑوں تک انبیاء کی خبریں بھی کم ہی پہنچتی ہیں۔ چہ جائیکہ اولیاء کی خبریں پہنچیں۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اپنے فضل و کرم سے نبی امی صلے اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ تمام لوگوں کے لئے رحمت سے مخصوص فرمایا۔ اور مجھے علی العموم ہدایت کے سورجوں سے روشنی حاصل کرنے والا بنایا۔ تو میں اس کی رحمت سے تمام زمین والوں کے لئے خوف بن گیا۔ اور اسی پر آپ نے کہا۔ انا قامع الکفار بالسر دائما + تجوزت غیری بسلطان قدرتی ۲ اور یہ سب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہے پس بعض کا ظہور تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ ہوا اور بعض کا ظہور آپ کی امت کے اولیاء کی زبان پر ہوا۔ خصوصاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبوں کی زبان پر ؛

توضیح واضح :- پھر اعلام اور جبال سے مراد یا تو ظاہری معنی ہیں۔ اور جائز ہے کہ اولیاء کے لئے ظاہری اعلام ہوں۔ جب وہ کسی گمراہ قوم کی ہدایت کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو اس گرد و نواح میں اپنے جھنڈے کھڑے کر دیتے ہیں۔ تاکہ اس جماعت پر اس کا سایہ پڑے۔ اور اس کی برکت سے وہ ہدایت حاصل کریں۔ اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ سلاطین اور ملوک کے لشکروں میں نوبتیں ہوتی ہیں۔ اور ہر فوج کے پاس علیحدہ علیحدہ نقارہ اور طبل اور علم ہوتا ہے۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے۔ جو ثابت ہے کہ قیامت میں بہت سے جھنڈے ہوں گے۔ نبیوں کے جھنڈے، اور ولیوں کے جھنڈے مخلوق تک ان کے سایہ میں اسی اندازے کے مطابق داخل ہوگی۔ جس قدر کہ انہوں نے بہ حیثیت علم و عمل اس پیدائش میں ان سے تعارف کیا ہوگا۔ اور اس صورت میں جبال کی تخصیص اس لئے ہے۔ کہ پہاڑ زمین کے کناروں میں ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض اس کے آخری کناروں پر ہیں۔ تو یہ جملہ آپ رضی اللہ عنہ کے عموم اشتہار میں احاطہ کلیہ سے کنایہ ہوگا۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ تخصیص اس لئے کہ پہاڑ عموماً غیر یہ کفار کی جگہ ہوتے ہیں۔ کہ وہاں انبیاء و اخیار کی دعوت نہیں پہنچتی۔ تو وہ گمراہیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ اور باطل پر یقین رکھتے ہیں۔ تو ان کے دل سخت ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی روحیں ردی حجابات سے محجوب ہو جاتی ہیں۔ اور وہ اپنے نفسوں کو ہلاکت کی وادی میں پھینک دیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اس معنی میں آپ کی کمال شہرت اور آپ رضی اللہ عنہ کے کائنات میں ارشاد کی طرف اشارہ ہے۔ اور منشاء کنایہ اگرچہ خاص ہے۔ لیکن یہ کنائی معنی بہت اچھے ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے۔ " وہ زیادہ راکھ والا ہے " اور اس سے مراد ہوتا ہے اس کا بلندیوں پر سخی ہونا برابر ہے۔ کہ اس سے سخاوت کھانا دینے سے صادر ہو۔ یا لباس دینے سے یا نقدی دینے سے یا ذخیرہ دلانے اور یہ وہ ہے۔ جس میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تو اس صورت میں یہ آپ رضی اللہ عنہ کی مطلق شہرت سے کنایہ ہوگا۔

زمین میں یا آسمان میں فرشتوں میں یا جنوں میں زمین کے ظاہر ہیں۔ اور اس کے باطن میں آسمان اول سے لے کر عرش تک جیساکہ آپ نے قصائد میں تصریح کی ہے۔" مجھ سے منکر اور نکیر کے متعلق پوچھ اور مجھ سے عرش اور اس کے قرین کے متعلق سوال کر اسی لئے آپ نے پہلے فرمایا۔ طبولی فی السماء والارض دقت اور آپ کے بعض اقران نے کہا۔" یہ نوجوان آسمانوں میں بہ نسبت زمین کے اپنی شہرت میں زیادہ ہے۔" کیا تو نہیں دیکھتا۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ کو زمین میں عبدالقادر کہا جاتا ہے اور ملکوت میں " نور عظیم " اس کے موافق کہ جس نے علم حاصل کیا۔ اور سکھایا۔ اور اس کے مطابق عمل کیا اسے ملکوت میں " عظیم " کہا جاتا ہے۔" اور آپ رضی اللہ عنہ کے ایک اور قصیدہ میں ہے۔" میری ہمت کی وجہ سے مجھے نور عظیم پکارا گیا ہے۔"

اور جائز ہے۔ کہ اعلام و جبال سے مراد باطنی معنی ہوں۔ یعنی اعلام سے آپ رضی اللہ عنہ کے مراتب عالیہ مراد ہوں اور جبال سے مراد مقامات اور معنی یہ ہوں۔ کہ میں ہر مقام میں البوالمقام ہوں۔ اور غالب ہوں۔ یعنی ہر اس چیز میں جس میں میں نے ترقی کی ہے۔ مغلوب نہیں ہوں۔ بلکہ ہر مقام میں غالب رہا ہوں۔ یا اعلام سے مراد آپ رضی اللہ عنہ کے مرید ہوں۔ اور جبال سے مراد اوتاد و اقطاب یعنی مریدین میں میرا قدم اصالتاً و تحقیقاً بہت زیادہ بلند اور روشن ہے بہ نسبت ہر قطب اور ولی کے اور ہو سکتا ہے۔ کہ یہ کلام عدم زوال سے کنایہ ہو۔ یعنی میں ایسی بلندی پر فائز ہوا ہوں جس کے لئے عزل نہیں ہے۔ جیساکہ آپ رضی اللہ عنہ کے بعض کلامات میں ہے۔" مجھے میری قسم ہی اور تجھے میری قسم ہی میں تجھ کو رد سے امن دیتا ہوں۔" اور اس معنی کی تائید آپ کا وہ قول کرتا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ مقامی فوقکم مازال عال۔ اور میرا خیال یہ ہے۔ کہ یہ رسوخ کلی سے کنایہ ہے۔ کیونکہ پہاڑوں کو اللہ تعالیٰ نے اوتاد بنایا ہے۔ جیساکہ اللہ عزوجل نے فرمایا" اور ہم نے پہاڑوں کو اوتاد بنایا۔" اور جب آپ کے جھنڈے ان پر ہوئے۔ تو گویا کہ ہر پہاڑ کو آپ کے اعلام سے مضبوط کیا گیا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا اور اس میں تفصیل ہے۔ اور وہ مجملاً یہ ہے۔ کہ جمع کے لانے میں اشارہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے اعلام بہت ہیں۔ کہ جن سے پہاڑ بھی باوجود اوتاد ہونے کے قوت حاصل کرتے ہیں۔ پھر وہ جو پہاڑوں کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ باوجود ان کے اوتاد ہونے کے تو وہ نسے زیادہ طاقت ور ہوگا۔ کیا تو نہیں دیکھتا۔ کہ جب حشر قائم ہوگا۔ تو تو پہاڑوں کو دھنکی ہوئی اون کی طرح دیکھے گا۔ اور اولیاء اور ان کے مراتب باقی ہوں گے۔ واسخ ہوں گے۔ نہ ان پر کوئی خوف ہوگا۔ نہ وہ کوئی غم کھائیں گے۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔ اور ہم جب بھی بھولیں گے۔ یا غلطی کریں گے۔ تو وہ شیطان کے مکر ہی سے ہوگا۔ وہ ہمارا پرانا دشمن ہے اس نے ہمارے باپ آدم اور ہماری ماں حوا علیہما السلام کو اپنے مکر سے جنت سے نکال دیا تھا۔ پس ہمیں اس کے مکر اور فریب سے بحرمت سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام مع الآل والاصحاب دالتواب محفوظ رکھ:

تبیین مبین:۔ امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تکملہ میں دو بزرگ شیخین شیخ عمر کیمانی اور شیخ عمر بزاز سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ ان دونوں نے کہا۔ ہمارے شیخ محی الدین سید عبدالقادر قدس اللہ روحہ و نور ضریحہ سے ہماری موجودگی میں آپ کے محی الدین کے لقب سے ملقب ہونے کے بارے میں سوال کیا گیا۔ تو آپ نے کہا: میں ایک

دفعہ ۵۱۱ھ میں اپنے بعض سفروں سے جمعہ کے لئے بغداد کی طرف ننگے پاؤں سے آرہا تھا۔ اور دین ایک مریض آدمی بدلی ہوئی رنگت والے کمزور بدن والے کی طرح کھڑا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ اے عبدالقادر تجھ پر سلام ہو۔ میں نے اس کو سلام کا جواب دیا۔ تو اس نے کہا مجھ سے قریب ہو۔ میں آپ سے قریب ہوا۔ تو اس نے کہا۔ مجھے بٹھاؤ۔ تو میں نے اس کو بٹھا دیا۔ پھر جب میں نے اس کو بٹھایا۔ تو اس کی صورت اچھی ہو گئی۔ اور اس کی رنگت صاف ہو گئی۔ پھر اس نے کہا کیا تو مجھے پہچانتا ہے۔ میں نے کہا۔ نہیں۔ تو اس نے کہا۔ میں دین ہوں۔ مجھ پر فتور آچکا تھا۔ جیسا کہ تو نے مجھ کو دیکھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے ذریعہ زندہ کر دیا۔ اور تو محی الدین ہے۔ پھر میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ اور جامع مسجد کی طرف آیا۔ مجھے ایک آدمی ملا۔ اس نے میرے سامنے جوتا رکھ دیا۔ اور کہا۔ اے میرے سردار محی الدین پھر جب بھی میں نے نماز پوری کر لی۔ تو لوگ میری طرف دوڑے۔ وہ میرے ہاتھوں کو بوسہ دیتے تھے۔ اے محی الدین حالانکہ اس سے پہلے میں اس نام سے کبھی نہ پکارا گیا تھا۔ تکلہ کا کلام ختم ہوا۔ پھر اس آدمی پر مخفی نہیں ہے۔ جس کو ہدایت کے سورجوں سے نسبت حاصل ہے۔ کہ اس عجیب قصہ میں کچھ فوائد ہیں۔ مجھے ضروری ہے۔ کہ ان کے سمجھنے سے سعادت حاصل کرے۔ یہاں تک کہ تو صراط مستقیم کے امر عظیم پر بصیرت پر ہو۔ پہلا یہ ہے۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ مدارس میں علوم کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد تجرید اور سیاحت میں شروع ہوئے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ تجرید اور سیاحت کی مدت کا بیان آئندہ آئے گا۔

اور دوسرا فائدہ یہ ہے۔ کہ آپ کے قول "ایک دفعہ جمعہ میں" سے یہ سمجھا جاتا ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ اگرچہ دن رات جنگل میں رہتے تھے۔ لیکن پھر بھی جمعہ کی نماز کے لئے آتے تھے۔ اور یہی وہ ہے۔ جو ہم نے پہلے وعدہ کیا تھا اس کو یاد کر۔ اور تیسرا فائدہ یہ ہے۔ کہ مجرد کے لئے ضروری ہے۔ کہ ضروریات مثلاً عمامہ، جوتا وغیرہ میں متکلف ہو بشرطیکہ اس کو میسر آجائیں گے۔ ورنہ تکلف نہ کرے۔ اور اس معنی کی تائید اس سے ہوتی ہے۔ کہ جب آپ کو ایک آدمی نے جوتا دیا۔ تو آپ نے اس کو لے لیا۔ اور اسے واپس نہ کیا۔ اور یہ جو بعض مجردین سے مشہور ہے۔ کہ وہ ہمیشہ ننگے پاؤں ننگے بدن رہتے تو وہ اعتراض سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ ہدیہ واپس نہیں کیا جاتا۔ ہاں اگر واپسی اس علم کی بنا پر ہو۔ کہ وہ اس کو حرام سے یا شبہ سے حاصل ہو رہا ہے۔ یا یہ کہ اس کے لینے سے اس کا نفس مغرور ہو جائے گا۔ تو اس کی توجیہہ ہے۔ لیکن دقت نظر سے کام لینا ضروری ہے۔ کہ مغرور ہونے کی وجہ سے اس کے چھوڑنے میں بھی غرور لازم آتا ہے یا نہیں۔ اور اس میں باریکی ہے۔ اس پر وہی آدمی مطلع ہو سکتا ہے۔ جسے علم لدنی سے خفایا و اسرار پر اطلاع کی توفیق دی گئی ہو۔ اور چوتھا فائدہ یہ ہے۔ کہ خلوت نشین کے لئے ضروری ہے۔ کہ جمعہ، جماعت اور علماء اور اللہ تعالیٰ شانہ کا ذکر کرنے والوں کی مجلس نہ چھوڑے۔ "پس میں جامع مسجد کی طرف آیا۔" اس پر آپ کا یہ قول منادی کر رہا ہے۔ کیونکہ جامع کی طرف آنا جمعہ یا علماء کی مجلس ہی کے لئے ہو سکتا ہے۔ اور پانچواں فائدہ یہ ہے۔ کہ ضروری ہے کہ خلوت نشین کی نیت دین حق کو زندہ کرنا ہو۔ اور یہ کلی طور پر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت پر موقوف ہے۔ اور یہ متابعت اس پر موقوف ہے۔ کہ یہ متابعت کرنے والا ملت بیضاء کا عالم ہو یا متعلم ہو۔ جو علم کو اساتذہ اور مرشدین

سے سیکھتا ہو۔ تو اس صورت میں اس قصہ میں اس طرف اشارہ ہوگا۔ کہ طالب کے لئے علوم لدنیہ کا پوری طرح ہونا ضروری ہے۔ خواہ اس سے پہلے اسے حاصل ہو۔ یا اس کی عین تحصیل کے وقت میں۔ اور چھٹا فائدہ یہ ہے۔ کہ دین اور شریعت انسانی شکل میں متشکل ہو کر آپ رضی اللہ عنہ سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ اور ساتواں فائدہ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک ہر چیز کی ایک صورت ہے۔ کہ جس میں وہ ہے۔ اور اس میں ردّ ہے۔ ان لوگوں پر جو کہ موازنۂ اعمال کے منکر ہیں۔ کہ وہ اعراض ہے اور ردّ کی وجہ یہ ہے۔ کہ ظاہر ان کا احاطہ کرنے والا نہیں ہے۔ اور باطنی طور پر اللہ کے نزدیک اس کے حقائق ہیں۔ جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور آٹھواں فائدہ یہ ہے۔ کہ جو شریعت کی پیروی کرتا ہے۔ اور نماز میں جماعت سے ادا کرتا ہے۔ وہی جلدی سے ان مراتب کا حقدار بنتا ہے۔ اور جو سنت اور جماعت کو چھوڑ دیتا ہے۔ وہ شیطان کی وادی میں پریشان ہے۔ اور نواں فائدہ یہ ہے۔ کہ شریعت کی اتباع کرنے والا لوگوں کا مخدوم ہوتا ہے۔ اور بغیر اس کے کہ وہ ان سے کوئی چیز مانگے۔ لوگ اس کی مال اور بدن سے خدمت کرتے ہیں۔ اور دسواں فائدہ یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد علماء کے ہاتھوں کو بوسہ دینا بہت بڑے ثواب کا باعث ہے۔ اور گیارہواں فائدہ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے کچھ فرشتے ہیں۔ جو کہ انسانی شکل میں متشکل ہو کر لوگوں کو اللہ تعالےٰ کے اپنے بندوں کو عطا کردہ القاب سے روشناس کراتے ہیں۔ پھر وہ القاب مشہور ہو جاتے ہیں ؛

حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ کے کچھ فرشتے ہیں۔ جو بازار کے سرے پر کھڑے ہوتے ہیں۔ اور ایسی آواز دیتے ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کی کوئی صفت ظاہر کرنے کا ارادہ فرمائیں۔ اگر اچھی ہے۔ تو اچھی۔ اور اگر بری ہے تو بری۔ اور یہ مشہور ہے۔ اور اس کی طرف مشہور حدیث اشارہ کرتی ہے۔ کہ نام آسمان سے اُترتے ہیں۔ اور یہ قصہ اور بھی رموز پر مشتمل ہے۔ جن کو ہم نے قلوب صافیہ کے سپرد کر دیا ہے۔ وہ جو کہ حقائق کے سورج سے روشن ہیں۔ اے اللہ ہمیں حق کو حق دکھا۔ اور اس کی اتباع کی توفیق بخش ؛

فائدہ جلیلہ:۔ تجھے یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ کا وہ مبارک نام جو آپ کی پیدائش کے وقت رکھا گیا تھا وہ سید عبد القادر ہے۔ پس وہ آپ رضی اللہ عنہ کا اسم ذاتی ہے۔ اور آپ کا ہر اسم جو آپ کے کمالات کی حیثیت سے وارد ہوا ہے۔ جیسے "محی الدین" اور "باز اشہب" اور "نورِ عظیم" اور جو کمالات پر متفرع ہیں۔ اس کا سبب یہی کمال تھا۔ اور آپ کے کچھ اور نام بھی ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ سے وارد ہیں۔ اور گیارہ وہ نام ہیں۔ پہلا فقیر، دوسرا ولی، تیسرا مخدوم اور چوتھا مسکین اور پانچواں سلطان اور چھٹا یتیم اور ساتواں خواجہ، اور آٹھواں شاہ شاہاں اور نواں قطب اور دسواں غوث اور گیارہواں مولانا اور بعض سے شاہ شاہاں کی بجائے غریب روایت کیا گیا ہے۔ اور بعض نے آپ رضی اللہ عنہ کے ان اسماء سے موسوم ہونے کی وجہ بیان کی ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ سیاحت میں تھے۔ کہ شہروں میں سے کسی شہر کے نواحی کی ایک مسجد میں آپ کو رات گزارنے کا اتفاق ہوا۔ جب لوگوں نے عشاء کی نماز پڑھی اور ... اور امام بھی چلے گئے۔ اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ مسجد کے صحن پر اللہ تعالےٰ کے ذکر میں مشغول باقی رہ گئے۔ اور عوام میں سے ایک اور آدمی بھی باقی رہ گیا۔ جب کچھ رات گزر گئی۔ اور لوگ سو گئے۔ تو اس آدمی کو پاخانہ کی حاجت

ہوئی۔ اور مسجد کا دروازہ مقفل تھا۔ وہ آدمی مسجد سے نہ نکل سکا۔ اور مجبور ہوگیا۔ یہاں تک کہ وہ مسجد میں ہی پاخانہ سے فارغ ہوگیا۔ پھر جب صبح قریب ہوئی۔ تو مؤذن آیا۔ اور دروازہ کھولا۔ اور مسجد میں داخل ہوا۔ اور اس آدمی کو نہ دیکھا۔ جو دروازے کے ساتھ ہی بیٹھا ہوا تھا۔ پس وہ نکل کر چلا گیا۔ جب مؤذن نے گندگی قسم کی گندگی دیکھی۔ تو چھت پر چڑھ آیا۔ پس اس نے شیخ اجل کو دیکھا۔ تو آپ کو پکڑ کر مسجد کے چھت سے نیچے لے آیا۔ اور وہ گندگی آپ کی قمیص کے دامن میں ڈال دی۔ اور آپ کو مسجد سے کھینچا۔ اور وہ مسجد گیارہ سیڑھیاں بلند اور اونچی تھی۔ یہاں تک کہ اس مؤذن نے آپ رضی اللہ عنہ کو پاؤں سے پکڑ کر نیچے کی طرف گھسیٹا۔ یہاں تک کہ سیڑھی کے ہر درجے پر آپ کا سر ٹھنا گیا۔ اور سیڑھیوں کا پتھر موم کی طرح تھا۔ اس میں آپ کے سر کے بالوں کی علامات نقش ہوگئیں۔ اور میں نے بعض سیاحوں سے سُنا ہے۔ کہ وہ نشانات ابھی تک باقی ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ پھر اس نے شیخ کو چھوڑ دیا۔ آپ اس مسجد کے متصل ایک نہر پر گئے۔ اور قمیص کو دھویا۔ اور گندگی اور پلیدی دُور کی۔ اور مسجد کی طرف آئے اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی۔ پھر آپ کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے الہام ہوا۔ کہ اگر آپ چاہیں تو میں اس شہر اور مؤذن کو غرق کردوں۔ تو شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اپنی مناجات میں کہا۔ اے اللہ اس آدمی کو بخش دے۔ کہ جس کی ایذا آپ کی طرف سے میرے لئے اس فضیلت کا سبب بن گئی ہے۔ تو اللہ تعالےٰ نے اس مؤذن کو عزت بخشی اور اس کو اولیاء سے بنا دیا۔ پھر جب اس کے کشف کی آنکھ کھلی۔ تو وہ آپ کے پاؤں پر گر پڑا۔ اور کہا۔ کہ میں ظالموں میں سے تھا تو اللہ تعالےٰ نے اس کو بخش دیا۔ اللہ تعالےٰ غافلوں کو پسند کرتے ہیں۔ اور یہ اس قول کے مطابق ہے "اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے وہ مجھے جانتے نہیں ہیں۔" یہ قول نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا تھا۔ جب کہ کفار کے ہاتھوں آپ کے دانت ٹوٹ گئے ٭

پھر اس قصہ اچھے فوائد ہیں۔ پہلا یہ ہے۔ کہ سیاح کے لئے ضروری ہے۔ کہ صابر ہو۔ پھر اگر اسے اپنے سفر اور سیر کے اثناء میں کوئی تکلیف پہنچے۔ تو کسی طرح بھی ان کو پرواہ نہ کرے۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہے۔ کہ جو کچھ اس پر گزرے۔ اس کے متعلق نہ بولے۔ اس علم کی بنا پر کہ وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے۔ اگرچہ وہ فعل جس سے اسے ایذا دی گئی ہے۔ غیر ہی سے کیوں نہ ہو۔ اور تیسرا درجہ یہ ہے۔ کہ صبر اور کشادگی کی کنجی ہے۔ اور چوتھا انتقام کی قدرت کے باوجود معاف کر دیتا ہے۔ اور پانچواں یہ ہے۔ کہ اللہ نیک لوگوں کا والی ہے۔ اور چھٹا یہ ہے کہ ولی متحمل بنا چاہیے۔ وہ موذی چیزوں کے دفعیہ میں جلدی نہ کرے۔ شاید اللہ تعالےٰ نے اس میں کوئی حکمت رکھی ہو جس کو وہ عنقریب متبلیٰ پر ظاہر کردے۔ اور ساتواں یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اپنے دوستوں اور ولیوں پر مصیبتیں اور آفتیں آسان کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ وہ ایسی چیزیں برداشت کرلیتے ہیں۔ جو دوسرے برداشت نہیں کرسکتے۔ کاملوں میں سے ایک نے کہا۔ اور غالباً وہ ابراہیم ادہم ہیں۔ کہ میں اپنی زندگی بھر میں تین مرتبہ خوش ہوا ہوں۔ کہ کسی ایسی خوشی کبھی نصیب نہ ہوئی۔ پہلی مرتبہ میں ایک کشتی میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس میں ایک مسخرہ تھا۔ وہ جب بھی تمسخر کرتا۔ تو اس کامل کے سر پر جوتا مار دیتا۔ اور دوسری مرتبہ ایک آدمی نے آپ کے سر پر پیشاب کر دیا۔ اور انہوں نے حرکت نہ

کی۔ اور تیسری مرتبہ انہوں نے اپنی قمیص میں جوئیں دیکھیں۔ اس طرح کہ وہ جوؤں سے بھری ہوئی تھی۔ گویا کہ وہ ایک دوسرا کپڑا بن چکا تھا۔ اور ہر جوں چیونٹی کے برابر تھی۔ یا اس سے کچھ چھوٹی۔ اور مختصر یہ کہ ان بلاؤں اور آزمائشوں کو برداشت کرنا جو صرف مردوں کی صفت ہے۔ خصوصًا انبیاء علیہم الصلوات والسلام کی نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہم نبیوں کی جماعت مصیبت اٹھانے میں تمام لوگوں سے سخت ہیں۔ پھر جو ان کے مثل ہیں۔ پھر جو ان کے مثل ہیں۔ اور اس قدر میں کچھ رموز اور تعلیمات ہیں۔ کہ اگر میں ان کو ظاہر کروں۔ تو اللہ کے کلمات ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائیں۔ پس سب تعریف اللہ تعالےٰ شانہ کے لئے ہے۔ اور درود ہو محمد پر جو اللہ تعالیٰ کی دلیل ہیں۔ اور اُن کی آل اور ان کے صحابہ اور نائب پر جو آپ ہی کا اظہار ہے۔

توضیح شریف علیٰ نمط لطیف:۔ چونکہ اوطان کی تعیین اہل علم و عرفان کے کمال یقین کے داخل میں سے ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ ابو حنیفہ کوفی اور حسن بصری وامثال ذلک شیخ اجل نے اپنے ملک کی نسبت کے بیان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جو کہ جیلان کے نام سے مشہور ہے۔ حالانکہ وہ شہر جس میں آپ کی اقامت تھی۔ وہ عامد ہے اور اس کا آپ نے ذکر نہ کیا۔ یہ اشارہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے آباؤ اجداد کے اس میں توطن کی شہرت کی طرف پس فرمایا۔ کہ میں وطن کے لحاظ سے جیلی ہوں۔ یعنی اپنی جسمانی پیدائش کے لحاظ سے میں کمالات علمیہ وعملیہ کے حصول کے لئے سفر کیا۔ یہاں تک کہ میں علم باطنی کے مرتبہ پر فائز ہوا۔ اور میں نے ایک اور تحقیق حاصل کی۔ کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے طریقت کے قاعدہ کے مطابق فنا سے بقا کی طرف آکر ایک نئے وجود حقیقی کی ایجاد کی۔ پھر مجھے جزئی اور کلی جسمانی اور دینی مرتبہ تکوین حاصل ہو گیا۔ پس میں محی الدین ہوا۔ اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے مجھے الہام کی زبان سے خطاب کیا گیا۔ یا نبی امی حجازی صلے اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے والے کے طریق پر خطاب کیا گیا۔ اور میں اللہ تعالیٰ شانہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں کلیم اللہ کے خطاب سے مشرف ہوا۔ اور ان کلمات سے جو اللہ تعالےٰ کلام شریف سے گفتگو فرمائی۔ وہ رسالہ ہے۔ جس کا نام غوثیہ ہے۔ وہ کہ جس میں اللہ تعالیٰ کے کلمات اس طرح صادر ہوئے ہیں۔ "اے غوث الاعظم"۔ اور تجھے یہ جاننا بھی ضروری ہے۔ کہ الہام کا مرتبہ ہر ولی کو نصیب ہوتا ہے۔ لیکن کلیمیت کا مرتبہ غوث ربانی و محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے لئے نادر ہے۔ مختصر یہ کہ شیخ اجل کا نام محی الدین ان کی کمال متابعت کی وجہ سے رکھا گیا۔ اور آپ کا یہ نام قیامت کے دن تک ہے۔ پس آپ نے فرمایا کہ محی الدین میرا نام ہے۔ اور میرے جھنڈے اور منزلیں اور میرے درجے اور میرے رتبے سوائے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے تمام پہلے اور پچھلے اولیاء کے اقطاب کے سر پر بلند ہیں۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کی اس منزلت کا حصول و وصول اس درجہ کے ساتھ دائمی ہے۔ روشن ہے۔ رضی اللہ عنہ جیسا کہ آپ نے اس کی طرف اپنے قول محی الدین اسمی اور اعلامی علیٰ راس الجبال میں جملہ اسمیہ لا کر اشارہ کیا ہے۔ اے اللہ ہمیں آپ کے انوار سے مشرف فرما۔ اور آپ کے اسرار پر مطلع کر۔

مناجات:۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر جائیں۔ تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔ الٰہ میری توبہ قبول

Scanned by CamScanner

کر۔ اور میرے گناہ بخش دے۔ اور آپ کے انوار کے ظل میں آپ کے اسرار سے مجھے مشرف فرما۔ اور میرے دلوں کو حیات طیبہ سے زندہ کردے۔ کہ جس کے بعد موت نہ ہو۔ اور مجھے حقائق قادریہ علیہ عالیہ کی تحقیق ارزانی فرما۔ میں اگرچہ میں گناہگار ہوں۔ لیکن میں نے شیخ اجل کی ارادت کا دامن تھام رکھا ہے۔ کہ جنہوں نے کہا ہے۔ کہ میں اپنے مرید کا ہر ظلم سے محافظ ہوں۔ اور ہر چھوٹے بڑے قریب دور سب کا تربیت کرنے والا ہوں۔ پس نیک لوگوں کے دلوں کو ایسا کردے۔ کہ وہ میری امداد اور میری تقویت میں ان چیزوں کی طرف راہ نمائی کریں۔ جو کہ میں شیخ اجل کے فضائل کے ظل سے کمالات شریفہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ کہ میں کثرت خواہش سے مرنے والے کے دلوں کو زندہ کروں۔ اور نفس اور گمراہی کی شدت سے سخت دلوں کو جلاؤں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ پس تو اپنے نبی محمدؐ اور ان کی آل و صحابہ صلوٰۃ اور سلام نازل فرما۔ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا پر بھی۔

قصیدہ خمریہ شریفہ کے سمندروں میں سے اٹھائیسویں موج

(۲۸)

اَنَا الْحَسَنِیُّ وَالْمَخْدَعُ مَقَامِیْ ۔ وَاَقْدَامِیْ عَلٰی عُنُقِ الرِّجَالِ

الحسنی۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہے۔ آپ کے نسب کا بیان ان شاء اللہ عنقریب آئے گا۔ اور مخدع اکثر کی زبان پر فتح میم کے ساتھ مشہور ہے۔ اور ایک لغت میں مخدع بضم میم اور بالکسر بھی ہے۔ خزانہ اور نہاں خانہ کی۔ بادشاہ اپنے خاص لوگوں کے ساتھ اس میں خلوت کرتے ہیں۔ اور پوشیدہ اسرار بیان کرتے ہیں۔ تاکہ دوسرے بیگانوں کو اس پر اطلاع نہ ہو۔ اور اس سے مراد جو ہے وہ بھی خدا کے فضل و کرم سے عنقریب آئے گی۔ اور مقام بفتح میم و ضم میم اس کا بیان گزر چکا ہے۔ اور اقدام قدم کی جمع ہے۔ بفتح قاف و دال بمعنی گام اور عنق بسکون نون بمعنی گردن اور آدمیوں کی جماعت اور رجال کا معنی پہلے گزر چکا ہے۔ اس کو یاد رکھ ؛

نحو :۔ انا مبتدا ہے۔ اور حسنی اس کی خبر ہے۔ اور خبر کو معرفہ لانے میں ایک نقطہ ہے۔ جو بلاغت میں ظاہر ہوگا۔ اور واؤ انا الحسنی پر عطف کے لئے ہے۔ اور مخدعی اصل میں اپنے ظرف ہونے کی وجہ سے مکان ہونے کا اشارہ کرتا ہے۔ ورنہ مقام سے وہ حالت مراد ہے۔ جو کہ کامل اور پوری طرح بہ ثابت رہتی ہے۔ ایسی کہ اس سے غالباً تحول ممکن نہ ہو۔ اور اقدامی مبتدا ہے۔ اور اس کی خبر آپ کا قول علی عنق الرجال ہے۔ جو کہ کائنۃ یا عالیۃ عنق الرجال پر مقدر ہے۔ اور رجال میں لام استغراق کے لئے ہے۔ وہ اضافت کے اعتبار سے عنق کا استغراق کرتا ہے۔ پس جمع کا مقابلہ مستغرق افراد سے لبثوا ثیابھم یا رکبوا دوابھم کے طریق پر تقسیم آحاد کا فائدہ دیتا ہے۔ اور میرا خیال یہ ہے۔ کہ زیادہ صحیح یہ ہے۔ کہ اقدامی سے مراد لیا جائے۔ کہ میرے تمام مراتب تمام اولیاء پر فائق ہیں۔ یعنی میرا ہر مرتبہ ابتدائی ہو۔ یا وسطی یا انتہائی ہر حال میں رفیع اور بلند ہے۔ پس میرا ہر قدم تمام آدمیوں کی گردن پر بلند ہے۔ اور یہ معنی بہت دقیق ہے۔ اس کو پہچان تو قادر ہو جائے گا ؛

البلاغت :۔ آپ ضمیر متکلم تعیین لغویہ کے کمال اہتمام کے لئے لاتے ہیں۔ اور اس سے پہلے وطن تعیین کا اہتمام

Scanned by CamScanner

ہے۔ اور خبر کو تعریفِ جنسی سے اسی لئے معرفہ لائے ہیں۔ یعنی میں وہ حسنی ہوں۔ جو جیلان سے ہوں۔ اور اس کا فائدہ اس طرف اشارہ ہے۔ کہ میرا قبیلہ حسنیہ سے مشہور ہے۔ اور میں دور اور نزدیک کے لئے معہود فرد ہوں۔ اور اس بلند نسبت سے منسوب اور حسب سے معلوم ہوں۔ اور مخدع جملے کا سابقہ جملے پر عطف اسی نسبت حسبیہ کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی میں حسب نسب کا شریف ہوں۔ اور نسوم علیٰ نسوم ہوں۔ جیسا کہ نبی امی حجازی نے فرمایا: میں ابن عبدالمطلب ہوں۔ اور میں قریشی ہوں۔ اور آپ نے اقدامی علیٰ عنق الرّجال کا جملہ زیادہ کیا ہے۔ یہ رتبۂ قرب خاص یعنی ولایت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے بیان کے بعد درجۂ تصرّف کی طرف اشارہ ہے۔ پس اس مقولہ شریفہ میں تینوں مدارج کا بیان ہے۔ شرافت نسب کہ جس کا ظاہر تعلق قدسی محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ امام حسن حضرت فاطمہ کے ٹکڑے ہیں۔ اور شیخ امام حسن کے ٹکڑے ہیں۔ پس آپ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین کے ٹکڑے ہوئے ؛

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ عرب کی ایک عورت جس کا نام اُمّ الفضل تھا نے خواب میں دیکھا۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک ٹکڑا الگ ہو کر اس کے ساتھ آ کر لگ گیا ہے۔ تو اس نے اس کا تذکرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعبیر فرمائی کہ فاطمۃ الزہراء حاملہ ہیں۔ اور عنقریب بچہ پیدا ہوگا۔ یعنی حسن یا حسین رضی اللہ عنہما اور تو اس کی دودھ پلانیوالی ہوگی۔ پھر اسی طرح واقعہ ہوگی۔ اور مختصر یہ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی آل نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا جزء ہے اور یہ مقارنت پوری شرافت ہے۔ خصوصاً جب کہ اس کے ساتھ شرافت حقیقیہ بھی شامل ہو جائے۔ یعنی قربیّہ اور وصالیہ اور احوال میں تصرّفیہ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نیابت تامہ پس آپ نسوم علیٰ نسوم ہیں۔ اور آپ کے قول و اقدامی بصیغہ جمع میں اور علیٰ عنق الرّجال میں جو جمع کی طرف مضاف ہے۔ جس کا لام سے استغراق کیا گیا ہے۔ یں آپ رضی اللہ عنہ کے قول قدمی ھذہ علیٰ رقبۃ کل ولی کی طرف اشارہ ہے۔ اس کا معنی یہ ہے۔ کہ آپ ہر درجہ میں اسی طرح ہیں۔ پس آپ کا قدم ہر درجہ میں اس درجہ والے کی گردن پر ہے ابتدائی ہو انتہائی پس آپ رضی اللہ عنہ کا قدم وصول کلی کے اعتبار سے ہر درجہ میں اولیاء کی گردن پر ہے۔ اور فضائل پر مشتمل ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ انہوں نے کہا ہے۔ کہ شیخ اجل کو حبیب اللہ تعالےٰ نے نیابت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات سے مشرف فرمایا۔ تو کسی ولی کو اس کے درجہ میں مستقل نہ رکھا۔ بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کے سایہ میں اور جائز ہے۔ کہ عنق الرّجال کی اضافت سے جنس مراد لی جائے۔ اور حکم دائر کیا جائے۔ کہ افراد جنس کے بغیر نہیں پائی جا سکتی۔ اور زیادہ صحیح یہ ہے۔ کہ عنق کے افراد چونکہ رجال مستغرق کی طرف مضاف ہے اس اعتبار سے کہ ان کے لئے احدیت جمع کا اعتبار ہے۔ ایک ہی گردن ہے۔ اور آپ کے اقدام اس احدیت مجموعہ پر ہیں۔ باقی رہا ہر ایک پر تو وہ بطریق اولیٰ ہے۔ جیسا کہ اس آدمی پر مخفی نہیں ہے۔ جس کو حقائق کا ادراک ہے۔ اے اللہ ہمیں حقائق کے دقائق اور دقائق کے حقائق دکھا ؛

بیان حکمۃ واسرار :۔ تجھے یہ معلوم ہونا ضروری ہے۔ کہ گمراہ فرقہ نے اولاد حسن بن علی رضی اللہ عنہما

Scanned by CamScanner

انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ آپ کا نسب یزید پلید مطرود کی جنگ میں ختم ہو گیا تھا۔ پس شیخ اجل رضی اللہ عنہ ان فرقوں پر رد کیا۔ اور کہا۔ میں حسنی ہوں۔ یعنی حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہوں۔ پھر جو شخص اس کا انکار کرتا تھا۔ وہ بیوقوفی میں ہے۔ اسی لئے شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے پہلے اپنے وطن شریف کو متعین کیا۔ تاکہ آپ اپنے قبیلہ سادات کی شہرت کی طرف اشارہ کریں۔ جو کہ جیلان میں رہتے ہیں۔ اور پھر اس کے بعد مرتبۂ احیاء دین اور اپنے جھنڈوں کے بہادروں کی چوٹیوں پر ہونے کا تذکرہ کیا۔ پھر بھی جو شخص اس کا انکار کرے۔ وہ مکابرہ کی وجہ سے انکار کرتا ہے۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ کے نسب کی سچائی اولیاء اور مؤرخین کی زبان پر ظاہر ہو چکی ہے۔ جو علوم نسبیہ کو ضبط کرنے والے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما جب قتل کئے گئے۔ تو آپ کی اولاد میں سے حسن مثنیٰ باقی رہ گئے۔ انہی کے ساتھ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے اجداد کا نسب جا ملتا ہے۔ امام یافعی نے تکلم میں کہا۔ شیخ الاسلام والمسلمین حمدۃ الاقطاب وقدوۃ المحققین کا نسب اس طرح ہے۔ پس شیخ محی الدین سید عبدالقادر ابو صالح جنگی دوست کے بیٹے ہیں۔ وہ ابو عبداللہ وہ یحیٰی زاہد کے وہ محمد کے وہ داؤد کے وہ موسیٰ جون کے وہ عبداللہ محض کے وہ حسن مثنیٰ کے وہ حسن کے وہ علی کے وہ ابو طالب کے اللہ تعالیٰ حضرت علی اور ان کی تمام اولاد کرام سے خوش ہو۔ اور جون بفتح جیم کا معنی اضداد سے ہے۔ یہ سفید اور سیاہ دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اور چونکہ موسیٰ رضی اللہ عنہ گندم گون رنگ کے تھے نہ سفید تھے اور نہ سیاہ تو یہ نام ان پر بولا گیا۔ اور اس کا معنی فارسی میں "گندم گون" ہے اور ابو عبداللہ کا محض نام رکھا گیا۔ کیونکہ محض کا معنی ہے خالص ہے۔ اور کبھی عبداللہ المحقق کو مجلل بفتح میم و تشدید لام اجلال سے موصوف کیا جاتا ہے۔ اور آپ کی حسبی و نسبی جلالت بیان سے مستغنی ہے۔ پھر اگر تو کہے۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے آباء کی کرسی کو کیوں محض فرمایا۔ تو میں کہوں گا۔ کہ ان لوگوں کا رد کرنے کے لئے جنہوں نے کربلا کی جنگ کے بعد حسن کی اولاد کے باقی رہنے کا انکار کیا ہے اور اس اعتبار سے کہ نسبت میں معتبر باپ کی جانب ہے۔ اور اس میں اور بھی نکات ہیں۔ غور کر۔ پھر اگر تو کہے۔ کہ ہم نے آپ رضی اللہ عنہ کا نسب آباؤ اجداد کی طرف سے تو معلوم کر لیا ضروری ہے۔ کہ آپ ہمیں ماں کی طرف سے بھی نسب پر مطلع کر دیں۔ تاکہ ہمیں کلی علم حاصل ہو جائے۔ اور ہم ان کے تذکرہ کی پوری طرح فخر سے بیان کر سکیں۔ تو میں کہوں گا۔ سر آکھوں پر میں اس کو اس طرح بیان کروں گا۔ جیسے امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بیان کیا ہے۔ پس میں کہتا ہوں۔ آپ کی والدہ شریفہ اُم الخیر فاطمہ امۃ الجبار عبداللہ صومعی کی بیٹی ہوں۔ وہ ابو جمال کے بیٹے ہیں۔ وہ سید محمد کے، وہ علی عریضی کے، وہ امام جعفر صادق کے، وہ امام باقر کے، وہ امام زین العابدین کے، وہ امیرالمؤمنین امام حسین بن علی بن ابی طالب کے بیٹے ہیں۔ اللہ ان سے اور ان کی اولاد کرام سے خوش ہو۔ اور محمد اور ان کی آل اور ان کے صحابہ پر سلام ہو۔ اور سید عبداللہ صومعی جیلان کے جلیل القدر مشائخ اور زاہدوں کے سرداروں میں سے تھے۔ آپ بڑے روشن احوال والے اور کرامات جلیلہ کے مالک تھے۔ اور آپ کی بیٹی فاطمہ اُم الخیر بھلائی اور صلاح سے بہت زیادہ حصہ رکھتی تھیں اور اپنے باپ کا راز تھیں۔ اور مختصر یہ کہ ان شرفاء کی کرامات کی تعداد در تحریر و شمار سے باہر ہے۔ اور میں نے

ات۔ اللہ تعالیٰ خالص نیت کر رکھی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایک ایسی کتاب کی تالیف کی توفیق بخشیں۔ جس میں ان کے تمام کے اقوال اور خوارق فارسی یا عربی زبان میں ہوں۔ اے اللہ بحرمت محمد علیہ الصلوات والسلام یہ مقصد مجھ پر آسان کر دے۔ اور میں اس کتاب میں پہلے ایک مقدمہ لکھوں گا۔ جس میں ان لوگوں کا بیان کروں گا۔ جو کرب و بلا مسمیٰ بہ کربلا کی وادی کی جنگ کے بعد حسینین کی اولاد میں سے باقی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تو دیکھتا ہے۔ کہ میں نے اس شرح شریف میں اس بیان کو مختصر کر دیا ہے۔ کیونکہ اس قدر بھی جو میں مختصراً لکھ چکا ہوں۔ اس زمانہ میں تاصر ہمتوں پر بہت طویل ہے لیکن چونکہ یہ شرح محض شیخ اجل کے انوار سے دور دور ارشاد ہے۔ میں امید رکھتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ طالبین کو اس کی قرأت اور تحریر و تقریر کی توفیق بخشیں گے۔ اے قبول کرنے والے قبول فرما۔ بے شک تو ہی قدیر ہے۔ اور تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ میں نے تجھ پر توکل کیا۔ اور میں نے تیری ہی طرف رجوع کیا۔

تفسیر منیر :۔ یہ لوگوں کے لئے بیان اور نصیحت ہے۔ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ شیخ اجل رضی اللہ عنہ اپنے قول میں "میں جیلی ہوں" اور اپنے قول "میں حسینی ہوں" میں مرتبۂ حسب و نسب کے مرتبہ میں پورے افادہ کے بعد اشارہ فرمایا ہے۔ کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب اور تعرف میں بلند مقام ہے۔ کہ جس مقام پر کوئی بھی اولیاء میں سے نہیں پہنچا۔ پس اس کی طرف آپ نے اپنے قول والمخدع مقامی سے اشارہ فرمایا ہے۔ کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ اللہ کے مراد اور محبوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تربیت محض اپنے فضل سے ان کے نانا مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ فرمائی ہے۔ پس ہر وہ مرتبہ جہاں نبی صلے اللہ علیہ وسلم اصالۃً پہنچے ہیں وہاں شیخ اجل رضی اللہ عنہ آپ کے زیر سایہ پہنچے ہیں۔ پس مخدع عبارت ہے قرب خاص سے جو آپ رضی اللہ عنہ اس حیثیت سے حاصل ہے۔ کہ اس کو اولیاء میں سے کوئی بھی نہیں جانتا۔ مگر جسے اللہ چاہے۔ اسی نے شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اپنی کتابوں میں فرمایا۔ میں تمہاری عقلوں سے دور ہوں۔ اور ایک قصیدہ میں فرمایا۔ میں سر ہوں۔ اور سر کا معنیٰ اللہ کے اس قول کے لفظ میں ہے۔ و یخلق ما لا تعلمون بحکمتہ اکیا تو نہیں دیکھتا کہ جب ابو عبدالرحمٰن طفسونجی رحمۃ اللہ علیہ نے طفسونج میں منبر پر کہا۔ کہ میں اولیاء میں اس طرح ہوں۔ جیسے پرندوں میں کرکی لمبی گردن والا ہے۔ تو شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے مرید اور ان کے درمیان مذاکرہ ہو گیا۔ تو آپ کے مرید پر غلبہ جذبہ غالب ہوا۔ اور اس نے کہا۔ مجھے چھوڑ۔ کہ میں تجھ سے کشتی لڑوں گا۔ تو میرے شیخ کی موجودگی میں ایسے الفاظ کہتا ہے۔ تو اسے عبدالرحمٰن نے پوچھا۔ کہ تمہارے شیخ کون ہیں۔ تو اس نے کہا۔ سید مؤید عبدالقادر جیلی تو آپ رضی اللہ عنہ نے بغداد میں کشف سے اس واقعہ پر اطلاع پانے کے بعد اپنے مرید سے فرمایا۔ "تو جا عبدالرحمٰن کا مرید خط لے کر آ رہا ہے۔ اس نے اس میں لکھا ہے۔ کہ میں چالیس سال سے باب قدرت کے درکات میں ہوں۔ اور اے شیخ عبدالقادر میں تجھے وہاں نہیں دیکھتا۔" اور اس سے یہ خط لے لے۔ اور یہ خط اس کو دے۔ اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اس میں لکھا۔ "عبدالقادر تجھے سلام پہنچاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ تو درکات میں رہا ہے۔ وہ اسی آدمی کو نہیں دیکھ سکتا۔ جو کہ بارگاہ میں ہو اور جو بارگاہ میں ہو وہ ایسے آدمی کو نہیں دیکھ

سکتا۔ جو مختاج میں ہو۔ یعنی میرا خزانہ پوشیدہ ہے۔ میں اس طرح بستر کے دروازے کے اندر بھی جاتا ہوں۔ اور باہر بھی آتا ہوں۔ کہ تو نہیں دیکھ سکتا ہے میرے اور معشوق کے درمیان پوشیدہ راز ہے۔ کہ میری اس راہ میں دربانی کی حاجت نہیں ہے + اور اگر تو اس راستی و سچائی کی دلیل چاہتا ہے۔ تو فلاں وقت تیرے لئے میرے ہاتھ سے رضا کی خلعت دی گئی۔ اور فتح کی بزرگی فلاں رات میں تیرے لئے میرے ہاتھ سے انہوں نے بھیجی۔ اور دوسری نشانی یہ ہے۔ کہ درکات کے اندر بارہ ہزار اولیاء کی موجودگی میں تجھ کو ولایت کی خلعت عطا ہوئی۔ اور وہ ایک سبز رنگ کی صدری تھی۔ جس پر سورۂ اخلاص کی پٹی لگی ہوئی تھی۔ اس کو بھی میرے ہاتھ سے تجھ کو بھیجا گیا۔ اس کے بعد شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کا پیغام پہنچایا۔ تو شیخ عبدالرحمٰن نے فرمایا شیخ عبدالقادر نے سچ فرمایا وہ سلطان وقت ہیں۔ اور تصرف ہیں ؟

اور اسی طرف شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب مسمیٰ جلاء الخاطر میں اشارہ فرمایا ہے کہ مرید دروازے پر ہے۔ اور مراد دروازے کے اندر ہے۔ قرب کے مقام میں ہے۔ اور عمل سے طلب قرب ہوس ہے۔ اور کسی معامل کی بنیاد اغلب پر ہوتی ہے نہ کہ نادر پر انتہی یعنی غالب یہ ہے کہ قرب مجاہدہ پر موقوف ہے۔ اور نادر ہے۔ اور نادر پر کوئی آدمی بھروسہ نہیں کر سکتا۔ کوشش پھر کوشش۔ اور اگر وہ ہمارے متعلق کوشش کریں گے تو ہم ان کے لئے اپنے راستے کھول دیں گے۔ اور قرب کے بیان میں بڑا لمبا مضمون ہے۔ ہم نے اس کو آپ کی کتاب عزیز مسمیٰ بفتوح الغیب کے سپرد کر دیا ہے۔ اگر تو چاہے۔ تو اس کا مطالعہ کر اور شاید اگر تو اس شرح کا مطالعہ کرے گا۔ جیسا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ نے شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی امداد سے اس کی توفیق بخشی ہے۔ تو تو قرب کے معنی اور اس کی تفصیل پر مطلع ہو جائے گا۔ لیکن شان و شوکت اصل ہی میں ہے۔ اور اصل وہی ہے پس غور کر اور تصرف اس کی طرف آپ نے اپنے قول محی الدین سے اشارہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اور اپنے قول واعلامی علیٰ رأس الجبال سے جیسا کہ ہم تجھ کو پہلے اس پر مطلع کر چکے ہیں۔ اور اپنے قول واقدامی علیٰ عنق الرجال سے اور جائز ہے۔ کہ یہ دونوں قول قرب کی منزلت کے بیان کے لئے بھی ہوں۔ بلکہ آپ کا قول محی الدین بھی قرب کا بیان ہو۔ کیونکہ تصرف قرب کے بعد ہی ہوتا ہے۔ پھر اگر تو کہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ تو میں کہوں گا۔ کہ تصرف کذائی قرب کامل کے بعد ہی ممکن ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ پھر اگر تو کہے۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اس قصیدہ خمریہ شریفہ میں اپنی منزلت کی بلندی کی بیان کے میں بڑی تکرار کی ہے۔ پہلے آپ نے فرمایا۔ مقامی فوقکم ما زال اور پھر فرمایا ودقتی قبل قبلی قد صفا لی اور پھر یہ تینوں اقوال فرمائے۔ تو اس میں کیا حکمت ہے۔ تو میں کہوں گا۔ اولاً تو اس میں تکرار ہے ہی نہیں۔ بلکہ آپ کا قول مقامی فوقکم اقطاب کے ساتھ تھا۔ اور وہ ہر مرتبہ میں ہیں ہر ولی پر ابدال و اغواث وغیرہم میں سے آپ کی بلندی پر دلالت نہیں کرتا تھا۔ اور اسی طرح آپ کا قول ودقتی قبل قبلی یہ صرف ازل میں آپ کی صفائی پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ مضمون کہ آپ ہر ایک سے بلند ہیں۔ تو اس کی اس میں

کوئی تصریح نہیں ہے۔ اگرچہ اشارہ تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ پھر آپ اپنا قول واعلا حی علیٰ راس الجبال اپنی شہرت کے افادہ کے لئے لائے۔ اور یہ بھی آپ کے اعلیٰ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ ہاں مگر اس صورت میں کہ اعلام سے مراد منازل ہوں۔ اور جبال سے مراد دوسرے تمام اولیاء ہوں۔ لیکن اس میں بھی تصریح نہیں ہے۔ پھر آپ اس تصریح کے لئے اپنا قول واقدامی علیٰ عنق الرجال لائے۔ تاکہ ہر نزدیک و دور اور ہر حاضر و غائب اس کو سمجھ لے ہاں آپ کا قول وکل ولی لہ قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی منزلت ہر ایک سے بلند ہونے کے معنی کا افادہ دیتا تھا۔ لیکن آپ رضی اللہ عنہ کے سب پر حاکم ہونے اور ان کا آپ کے حکم کے نفاذ کے تحت ہر وقت ہونے کے افادہ کی تصریح نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ امراء اپنے مرتبہ میں ممتاز ہوتے ہیں۔ تو شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے افادہ فرمایا۔ کہ اس طرح نہیں ہے۔ بلکہ تمام میرے حکم کے قدموں کے تحت ہیں۔ اور میرے ہر حکم کے تسلط سے باہر نکلنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ جیسا کہ آپ نے ایک اور قصیدہ میں فرمایا ہے اور میرا حکم اللہ کا حکم ہے۔ اگر میں کہوں ہوجا۔ تو وہ ہوجاتا ہے۔ پس تو اگر میری محبت چاہتا ہے تو میری جناب کی پناہ پکڑ۔ تو اس صورت میں ظاہر ہوگیا۔ کہ ان کلمات شریفہ میں سے ہر کلمہ ایک نئے افادہ کی بنیاد ہے۔ اور اس میں تکرار و تاکید نہیں ہے۔ اور اس سے یہ بھی سمجھا گیا۔ کہ قرآن میں تکرار نہیں ہے۔ کیونکہ ہر کلام اپنے محل میں ایک ایسا فائدہ دیتی ہے۔ جو دوسرے مقام پر وہ فائدہ نہیں دیتی۔ اور اسی طرف صاحب صلوٰۃ مسماۃ بہ تحیات الفائق نے اشارہ کیا ہے۔ اور اس کے لئے ایک ایسا اور بیان ہے۔ اور مطالب ہیں۔ اگر مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کے بیان کرنے کی توفیق دی۔ تو میں اس کو ایک اور کتاب میں انشاء اللہ تعالیٰ بیان کردوں گا ؎

فائدہ اخری:۔ تجھے یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ وطن اور نسبت اجدادیہ کے ذکر میں کئی ایک رموز ہیں پہلی رمز ان کا بلا تردد بیان جائز ہونا۔ بلکہ بیان کرنا ضروری ہے۔ اور جو شخص اس سے شرم کھاتا ہے وہ عظیم غلطی پر ہے۔ اور دوسری رمز کسی اور کے نسبت میں داخل اور اس سے نکلنے کی ممانعت ہے۔ اور اس میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ "اللہ تعالیٰ" کسی کے نسب میں " داخل ہونے والے اور" اپنے نسب سے" نکلنے والے پر لعنت کرے" اور اس میں اور بھی وعید آئی ہیں۔ اور تیسری رمز اپنے نسب کے بیان کرنے میں متابعت نسبت محمدیہ ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم اپنے نسب کو بیان فرمایا۔ اور کہا کہ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق کہ " ہم نے تم کو شاخیں اور قبیلے بنایا۔ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو" آخر آیت تک۔ اور چوتھی رمز یہ ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اس آدمی کو پسند کرتے ہیں جو انساب کو بیان کرتا ہے۔ اور اس مضمون میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ عالم اور اسبق تھے۔ اور انساب کے بیان کرنے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف اشارہ فرمایا کرتے تھے۔ اور پانچویں رمز یہ ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کی نسبت کے بیان سے شرافت کا حصول ہے۔ اور جائز ہے۔ کہ یہی نسبت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قول میں ہو۔ کہ اے فاطمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی یہ بھروسہ نہ کرنا کہ تو رسول کی بیٹی ہے۔ اور اس کی اور بھی وجوہات ہیں۔ یعنی یہ اشارہ کہ اولاد کو چاہیئے کہ ان

Scanned by CamScanner

کی کوشش ہو۔ کہ نسبت کے ملاحظہ سے شرم محسوس کریں۔ کیا تو نہیں دیکھتا۔ کہ بادشاہ کا بیٹا جب غیر صالح خصلت پر ہو۔ تو اُسے کہا جاتا ہے۔ تیرا کیا حال ہے۔ تو اس راہ پر ہے۔ اور تیرا باپ بادشاہوں سے ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ نوح علیہ السلام کے بیٹے کی قباحت بیان کی گئی۔ اور کہا گیا۔ کہ تیرے اہل سے نہیں ہے۔ اس کے اچھے عمل نہیں ہیں۔ اور یہ معنی کسی ڈانٹ کے لئے بولے جاتے ہیں۔ یا تنبیہ کے لئے یا اس آدمی کو ملامت دلانے کے لئے جو ایسے کاموں میں مبتلا ہو۔ جن پر دوستی کی وجہ سے ان کا باپ نہیں تھا۔ اور چھٹی یہ تمثیل ہے۔ کہ بیٹا اپنے باپ کا راز ہوتا ہے۔ تو اس صورت میں اشارہ ہوگا۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی ثابت شدہ نسبت پر ہیں۔ یعنی میں حسنی ہوں۔ جو حسن رضی اللہ عنہ کی طرف نسب اور ولایت کے لحاظ سے منسوب ہوں۔ اور وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے محبوب تھے۔ پس میں بھی ان کے زیر سایہ آپ کا محبوب ہوں۔ اور نسبت کے اور وجوہات بھی ہیں۔ جو میرے دل کے گرد روشن ہو رہے ہیں۔ لیکن قلم ان کی تحریر پر قادر نہیں ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ کسی اور وقت میں ان کے بیان کی مجھے توفیق دیوے۔

فائدہ اُخریٰ:۔ مُخدّع کے لانے میں اور اس کو اپنا مقام بنانے میں کئی ایک رموز ہیں۔ پہلی یہ ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ کے محبوبیت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ کے زیر سایہ قرب ہے۔ اور وہ قرب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے معراج کی رات میں ہؤا۔ پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے کو ایک رات میں سیر کرائی۔ اور اس کی طرف غوثیہ کی عبارت اشارہ کرتی ہے۔ کہ اللہ نے فرمایا" اے غوث الاعظم اپنے ساتھیوں سے کہو۔ کہ جو آدمی میری طرف پہنچنا چاہے تو اس پر لازم ہے۔ کہ میرے سوا ہر چیز سے بلند ہو جائے۔ پس ہر چیز سے عروج ہی انبیاء علیہم السلام کا اپنی استعداد کے مطابق معراج ہے۔ اور ان کے سایہ میں یہی معراج اپنی استعداد کے مطابق ہر ولی کا معراج ہے۔ پس ہر ولی عروج پر ہے۔ اور وہ عروج جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عروج ہو۔ وہ تمام سے اعلیٰ و اقویٰ ہے۔ اور غوثیہ میں ایک اور مقام پر ہے۔ میں نے رب تعالیٰ سے معراج کے متعلق سوال کیا۔ تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اے غوث الاعظم معراج میرے سوا ہر چیز سے بلند ہو جانے کا نام ہے۔ اور معراج کا کمال مازاغ البصر وما طغیٰ ہے۔ تو اس صورت میں آپ کا قول واقدامی علیٰ عنق الرجال یہ کمال بلندئ معراجی کا آپ کا آپ رضی اللہ عنہ کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ حصول ہے۔ اور تمام تعریف اللہ سبحانہ رب العالمین کے لئے ہے۔ اور عاقبت پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

بیان فصل:۔ یہ جاننا تجھے ضروری ہے۔ کہ اس بندہ ضعیف مہتدی بالغوث محی الدین رضی اللہ عنہ ابوالفرح محمد فاضل الدین نے جو کچھ بھی اس شرح شریف میں لکھا ہے۔ اللہ اس کے ساتھ اہل صفا کو نفع دے اللہ خوش کرے۔ وہ محض آپ رضی اللہ عنہ کے ارشاد و راہ نمائی سے لکھا ہے۔ اور تمام شمائل و تفضائل کے لئے وہی وسیلہ جمیلہ ہیں۔ ہاں جب کبھی پہلی کتابوں سے کوئی چیز نقل کی ہے۔ تو اس کتاب یا کتاب والے کا نام لیا ہے۔ مگر شاذ و نادر اور وہ جو محض آپ کے فضل سے وقت میں وارد ہؤا ہے۔ تو اس کی نسبت شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی طرف ہے۔ اور یا میں نے اس کو مطلقاً بیان کیا ہے۔ کیونکہ آپ کی طرف سے ارشاد متعین ہے۔ غلام اور جو

کچھ اس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اس کے مالک کا ہے۔ اور میں نے قدمی ھذا اور سجال اور جبال کے معنی ایسے طریقہ پر تحریر کئے تھے۔ جو مجھ پر وارد ہوئے۔ لیکن جب میں اس مقام پر پہنچا۔ تو میں نے ایک رسالہ مسمیٰ "شرح غوثیہ" دیکھا جو کہ مشاہدہ وانوار میں بحر ذخار اور قرب حضرت باری کے میدان میں مقرب شیخ کامل عبدالکریم لاہوری احسان اللہ اس کی قبر کو ٹھنڈا کرے۔ کی طرف منسوب ہے۔ وہ ایک عظیم مقالہ ہے۔ وہ انتہائی واضح نکتہ ہے۔ وہ وحی ہے جو وحی کی جاتی ہے۔ اور حبیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا۔ میں نے چاہا۔ کہ اس مقام میں اس کو لکھ دوں۔ کیونکہ وہ غالبًا اس مضمون کے موافق ہے جو میں نے تحریر کیا ہے۔ اور تاکہ جبال کے معنی کی وضاحت میں آخری خواہش ہو۔ اے اللہ میرے سینے کو کھول دے۔ وہی رفیق اعلیٰ کی غایت ہے۔ اور چونکہ اس میں کلام فارسی عبارات میں تھا۔ میں نے اس کو آپ کی عبارت شریفہ ہی میں نقل کیا ہے۔ اس نے کہا ہے۔ کہ سنو سنو کہ حضرت قطب ربانی حبیب رحمانی سید شاہ عبدالقادر جیلانی کو غوث کہتے ہیں۔ کیا تو جانتا ہے۔ کہ اس کی تعریف کیا ہے۔ اور غوث کس کو کہتے ہیں۔ اے بھائی غوث کی مسند تعین اور لا تعین کے درمیان ہے۔ وہ ظاہر تو جو باطن میں پہنچتا ہے اور باطن کے فیض کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ غوث صاحب اختیار ہوتا ہے۔ مستقیم مزاج ہوتا ہے۔ وہ دوسرے مشائخ کی روش اختیار نہیں کرتا۔ وہ مشائخ کا پروردہ متردد ہوتا ہے۔ لیکن مشائخ کے تابع نہیں ہوتا۔ وہ جو کچھ کہتا ہے۔ لوح محفوظ سے کہتا ہے۔ جو کہ اس کا سینہ ہے۔ اور وہ حال کے مطابق ہوتا ہے۔ اور جو کچھ اس کی زبان سے نکل جاتا ہے وہ وقت کے حالات کے موافق ہوتا ہے۔ کبھی وہ سو سال کی اور کبھی ہزار سال کی خبر دیتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اولیاء کی اقسام میں سے کوئی قسم عبدالرحمٰن وعبدالرحیم سے کہ ایک کو قطب الاقطاب کہتے ہیں۔ کہ عرش کی چابی وہی ہے۔ اور قرش کا مظہر بھی وہی ہے۔ بلکہ اس کا سینہ قرآن مجید ہے۔ جو لوح محفوظ کے خزانہ میں ہے۔ اور دوسرے کو "محمود باذل" کہتے ہیں۔ اور یہ اوتاد سبعہ سے ہوتا ہے۔ کہ تمام دنیا کا دارومدار انہی پر ہے اور نقباء سے کہ تین سو سات آدمی ہوتے ہیں۔ اور نجباء سے کم تر میں حافظ اور عالم ہیں۔ اور صالحان دین ہیں۔ وہ کون ومکان کے صلاح وفساد کی خبر دیتے ہیں۔ یا تو الہام کے طریق سے اور یا ارکان اربعہ کی آواز سے جو کہ زمین کے چاروں طرف پہاڑوں کی طرح بیٹھے ہیں۔ اور پہاڑوں میں سکونت رکھتے ہیں۔ "اور پہاڑوں کو ہم نے میخیں بنایا۔" انہی کی شان میں واقع ہے۔ اور تین ہزار جمال الدین ہیں۔ اور یہ وہ گروہ ہے کہ دین کے گھر کی پناہ انہی پر ہے۔ اور شریعت وملت ومذہب کے قواعد کی بنیاد انہی پر رکھی گئی ہے۔ اور اسی لحاظ سے ان کو جمال الدین کہتے ہیں۔ اور تین ہزار آدمی عماد الدین ہیں۔ یہ وہ گروہ ہے۔ جو کہ گھر کے ستون ہیں۔ اور اس گھر کا دارومدار انہی پر ہے۔ اور اس لئے ان کو عماد الدین کہتے ہیں۔ اور تین ہزار حماد الدین ہیں۔ اور یہ وہ گروہ اور جماعت ہے۔ کہ دین کی حمد اور ملت کی تعریف میں مستقیم ومشغول ہیں۔ اور ہمیشہ لوگوں کو سیدھے دین کی ترغیب کرتے ہیں اسی لئے ان کو حماد الدین کہتے ہیں۔ اور ایک سو بائیس مرد جہانگیر ہیں۔ یعنی مصالح ہر کار دین ودنیا اور بد ونیک جو واقع ہوتے ہیں۔ ان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ ملک کا نظام ہیں اور سرکار الوہیت کے کارندے یہی لوگ ہیں۔ اور

حقیقیہ فرقہ اور ان کے علاوہ دوسرے اقسام کے اولیاء غوث سے آگے نہیں ہیں۔ بلکہ تمام اقسام غوث کے تصرف اور حکم
کے ماتحت اور اس کے حکم کے پابند ہیں۔ اور اس کے حکم سے باہر نہیں ہو سکتے۔ بعض بے واسطہ اور بالواسطہ اسی بنا پر
حضرت سید کے حال کی زبان سے کلام قدمی ھذہ علیٰ رقبۃ کل ولی من الاولیاء اللہ صادر ہوا۔ اور زمانہ کے
تمام اولیاء بلکہ متقدمین و متاخرین کی ارواح نے بھی سرنگوں کر دیا۔ اور آپ کے قدم کو تمام نے اپنی آنکھوں کی پتلی میں
جگہ دی۔ اور قبول کیا۔ یہاں تک کہ وہ مقبول عالم ہوئے۔ اور جس نے قبول نہ کیا۔ وہ معاتب و معاتب ہوا۔ اور قرب الٰہی
سے مردود و محجوب ہو گیا۔ ہاں یہ کون گوارا کر سکتا ہے۔ کہ کوئی اپنے مربی سے منہ پھیر لے۔ اور اس کی گفتگو پر قیل و قال کرے
اور تحقیق یہ ہے۔ کہ تمام اقسام مذکورہ کو اس طریقہ پر غوث سے فیض پہنچتا ہے۔ کہ جو فیض غوث کو باطن سے پہنچتا ہے
اس کو دوسرے تک پہنچاتا ہے۔ کہ جس کا نام عبدالرحمٰن ہے۔ وہ عرش مجید کے اوپر کا قطب ہوتا ہے۔ اور
اسی کو قطب الاقطاب سے تعبیر کرتے ہیں۔ پھر وہ دوسرے کو فیض پہنچاتا ہے کہ جس کو صفت اقطاب کہتے ہیں۔ اس کو
عبدالرحیم کہتے ہیں۔ اور اس کا مقام عرش کے نیچے ہے۔ عبدالرحمٰن خاص و عام کا فیض اس کے سپرد
کر دیتا ہے۔ اور وہ استعداد کے تقاضا کے مطابق ہر فرد کو تقسیم کرتا ہے۔ چونکہ وہ خاص و عام کو فیض پہنچانے والا
ہے۔ اس فیض خاص کی وجہ سے عبدالرحیم کو "محمود بانمال" کہتے ہیں۔ اور ان دونوں کو خصوصاً تصرف
وحدت ہے۔ پھر ان دونوں کے ذریعہ سے دوسرے تک فیض پہنچتا ہے۔ کہ اس کو قطب عالم کہتے ہیں۔ اس جگہ معلوم
کرنا چاہیئے۔ کہ آپ کا قدم شریف اولیائے متقدمین و متاخرین میں سے پیروی کی گردن پر ہے۔ اور آپ نائب ہیں۔
اور وہ جو بعض فاضلان زمانہ نے وہم کیا ہے۔ کہ حضرت شاہ صاحب کا قدم شریف اپنے زمانہ کے اولیاء پر تھا۔ تو یہ
لوگ خطاکار ہیں۔ اور دوسرا جاننا چاہیئے۔ کہ جب قطب عالم دنیا سے انتقال کرتا ہے۔ ہر درویش جو اکمل ہوتا ہے
اس کی جگہ اس کو متعین کر دیا جاتا ہے۔ اور جب تک وہ متعین ہو جاتا۔ وہ دفن نہیں کیا جاتا۔ اور اس کے بعد اس
قطب سے سات آدمی فیض حاصل کرتے ہیں۔ کہ ان کا نام اوتاد ہے۔ اور دنیا کا دار و مدار سب انہی پر ہے۔ اور یہ
تمام ایک ہی صفت سے متصف ہوتے ہیں۔ کہ وہ حافظیت ہے۔ ہر ایک ایک آسمان کا حافظ ہے۔ لیکن یہ دنیا میں ہوتے
ہیں۔ اور آسمانوں کا ٹھہراؤ انہی سے ہوتا ہے۔ ان کے سیر کی انتہا سدرۃ المنتہیٰ تک ہے اور جبرائیل کا مقام بھی
ساتویں آسمان میں ہے۔ پھر اس آدمی کا فیض ایک آدمی تک پہنچتا ہے۔ کہ جس کو خضرؑ اور عقل فعال کہتے ہیں۔ وہ جو
کرتا ہے۔ ارادہ کے موافق کرتا ہے۔ عالم عنصری کے وجود کی تازگی و طراوت اسی سے ہے۔ اور عالم سفلی کی موجودات
کی تنویر و تلوین سب کا فیض پہنچانے والا وہی ہے۔ اور اس ایک آدمی کا فیض چالیس آدمیوں تک پہنچتا ہے۔ کہ جن
کو ابدال کہتے ہیں۔ اور ان چالیس آدمیوں سے ستر آدمیوں تک فیض پہنچتا ہے۔ کہ یہ غاروں میں رہنے والے
لوگ ہیں۔ ان کو موت نہیں آتی۔ ہمیشہ غار میں خدا تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں۔ اور ان سے فیض حاصل کرنیوالے
اسی آدمی نجباء ہیں یہ پاکبازی کی استقامت میں رہتے ہیں۔ جس آدمی میں حق کی طلب دیکھتے ہیں۔ اس کو
شیطان کے فساد سے دور اور محفوظ رکھتے ہیں اس عارف اکمل کا کلام ختم ہوا۔ اللہ اس کی قبر کو ٹھنڈا کرے ؛

Scanned by CamScanner

پس میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ کے لئے غوثیت کے مرتبہ کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ وہ سب سے بڑی غوثیت ہے۔ کہ جس سے اوپر اور کوئی نہیں ہے۔ پس آپ رضی اللہ عنہ اس مرتبہ میں سورج کی طرح ہیں۔ اور چاندوں میں سے ہر چاند اور ستاروں میں سے ہر ستارہ مرتبۂ ولایت میں ہے۔ قطب ہو یا قطب الاقطاب ہو یا نجباء یا نقباء، یا اوتاد ہوں یا جمال الدین یا عماد الدین اور یا عماد الدین ہوں۔ یا ان کے علاوہ اور اولیاء کے افراد ہوں جن کا ہم نے مجملاً تذکرہ کیا ہے۔ اور جو اپنے مقام میں تفصیل سے مذکور ہیں۔ یہ سب شیخ اجل رضی اللہ عنہ کے سایوں میں سے کسی سایہ میں ہیں۔ وہ آپ کے انوار سے اقتباس کرتے ہیں۔ اور آپ کے اسرار کے اعلام استعمال کرتے ہیں۔ اور آپ کے طور طریقے استعمال کرتے ہیں۔ وہ آپ ہی کے حوضوں میں سے گھونٹ پیتے ہیں۔ اور وہ آپ ہی کے پیالوں میں سے شراب پیتے ہیں۔ اور آپ ہی لقموں میں سے لقمہ اٹھاتے ہیں۔ پس آپ بادشاہوں کے بادشاہ ہیں۔ باقی آپ لشکر ہیں۔ آپ کی قوت سے وہ قوت حاصل کرتے ہیں۔ اور آپ کی مضبوطی ہی سے وہ مضبوط ہوتے ہیں۔ کوئی قطب ایسا نہیں۔ آپ نے قائم نہ کیا ہو۔ اور کوئی غوث ایسا نہیں۔ جس کی فریاد رسی نہ کی ہو۔ جیسا کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ ایک اور قصیدہ میں فرمایا ؎ کوئی شیخ ایسا نہیں جسے میں نے قائم نہ کیا ہو۔ اور کوئی غوث ایسا نہیں۔ جو میری ولایت کے تحت نہ ہو + اللہ نے مجھے بہت بڑی ولایت عطا فرمائی ہے۔ اور وہ قیامت کے دن اور کسی کو نہیں دے گا + اور میں تمام عارفوں کا امام ہوں۔ صاحب خزانہ اور صاحب اشرفیت ہوں + اور ایک اور قصیدہ میں فرمایا + ؎ اس نے مجھے جنتوں اور ان کی نعمتوں کا مالک بنایا۔ اور تمام جہانوں کے بادشاہ میری رعیت ہیں + اور میرے ملک کے پہریدار مشرق و مغرب میں آواز دیتے ہیں۔ اور میں اپنی رحمت کی وجہ سے اہل زمین کے لئے غوث ہوں گا + مجھے ان لوگوں پر بلند کیا گیا۔ جو محبت کے دعوے دار ہیں۔ اور مجھے مولیٰ نے قریب کیا۔ تو میں اپنے مقصد کو پہنچا + اور آپ رضی اللہ عنہ کا اس طرح کا کلام آپ کے قصائد اور تالیف میں نقش کی طرح ہے۔ پھر جو شخص ہدایت پر ہوا۔ اور اس کی آواز پوری ہوئی۔ تو ہدایت کے طریق پر ہے۔ اور جس نے اس کا انکار کیا۔ وہ تنگ معیشت میں ہو گا۔ اور ہلاکت کی راہ میں غرق ہوگا +

مختصر یہ کہ آپ رضی اللہ عنہ کا قول علیٰ راس الجبال اور آپ کا قول علیٰ عنق الرجال پورے جلوہ اور حشمت کے ساتھ اس کو متضمن ہے۔ تو آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا قدم تمام پہلے اور پچھلے اولیاء کی گردن پر ہے ماسوائے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اور وہ بھی انہی میں سے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو درجہ عالیہ یعنی نیابت خاصہ پر پہنچایا۔ جو کہ مرتبۂ غوثیت سے تین مرتبے بلند ہے۔ پہلا مرتبہ غوثیہ اعظمیت کا ہے۔ اور دوسرا غوثیت ثقلین، اور تیسرا نیابت جزئیہ اور چوتھا نیابت کلیہ جس کو خلافت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پس آپ ان تمام سے اعلیٰ ہیں۔ جو ان چاروں مراتب سے ہیں۔ اور اگر کوئی نیابت کلیہ میں سے کسی چیز پر پہنچا ہے۔ تو وہ یا تو کلی طور پر ہیں۔ یا جزوی طور پر ہے۔ پس آپ ہر بلند سے بلند تر ہیں۔ پھر جس نے قدم کی زمانہ کے ساتھ قید لگائی ہے۔ یا قدم کو بعض مراتب میں یقین کیا ہے۔ تو اس نے ایسی چیز پر اقتصار کیا۔ جس پر اقتصار کرنا جائز نہ تھا۔

Scanned by CamScanner

جیسا کہ اس پر آپ کی عبارت شریفہ دلالت کر رہی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ؎

تتمیم فائدہ :- تجھے یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کلام فرماتے ہیں۔ جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح اولیاء رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین سے بھی کلام فرماتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ کے نبیوں کے ساتھ کلام کرنے میں ایک اور خصوصیت ہے۔ جو کہ وہ خصوصیت اولیاء کے ساتھ کلام کرنے میں نہیں ہے۔ اور اس میں لوگوں کی تعداد کے مطابق تفصیل ہے۔ لیکن مجمل یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب میں فرمایا ہے۔ "کسی آدمی کی شان نہیں ہے۔ کہ اس سے اللہ تعالےٰ کلام کرے۔ مگر وحی کی صورت میں یا پردے کے پیچھے سے یا وہ فرشتہ کو بھیجے۔ پس اپنے حکم سے جو چاہے۔ وحی کرے" اور وحی سے مراد جیسا کہ تفاسیر میں ہے۔ عام ہے۔ اس سے کہ وہ الہام کی صورت میں ہو۔ اور فرشتہ کو بھیجنے کے ساتھ تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے قول یرسل رسولاً سے مراد اللہ تعالےٰ کے عوام مخلوقات سے کلام کرنے کا بیان ہوگا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نبیوں اور ولیوں کے ساتھ الہام سے یا جبرائیل کو بھیج کر یا پردے کے پیچھے سے کلام کرتے ہیں۔ جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے طور سینا پر ہوا۔ آپ پردے کے پیچھے سے کلام سنتے تھے۔ جو جہات میں سے کسی جہت سے متعین نہ تھی۔ یا رسول بھیجتا ہے۔ یعنی انسانوں سے جو کچھ ان کو اللہ تعالیٰ حکم کرتے ہیں۔ کہ اس کو ظاہر کرو۔ وہ کہتے۔ اور وحی کہتے ہیں۔ اور اولیاء میں الہام اور دل میں ڈالنا متحقق ہے۔ ان کی استعداد کے مطابق اور وہ جو حجاب کے پیچھے ہے۔ وہ اولیاء کی نسبت سے اصالتاً تو موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہے۔ اور نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے بھی وہ ظلی ہے۔ اور چونکہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں۔ لہٰذا اس طرح کا تکلم ان میں بھی متحقق ہے۔ یعنی اوقات مخصوصہ میں پردے کے پیچھے جو کہ جہات میں سے کسی جہت کے ساتھ مقید نہ ہو۔ اور یہ دوسرے اولیاء رضوان اللہ علیہم کے سوا آپ رضی اللہ عنہ کے مخصوصات میں سے ہے۔ اور وہ غوثیت مشہورہ جو آپ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب کرکے فرمایا۔ اے غوث الاعظم اور یہ صرف اسی پر منکشف ہوتا ہے۔ جس کو پُر تیز نگاہی ملی ہو۔ پس بھلائی اور پوری بھلائی اس پر لانے اور اس پر اعتقاد رکھنے میں ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو شرف بخشا ہے۔ اور جس نے اس کا انکار کیا ہے وہ بیوقوفی اور حد سے بڑھی ہوئی گمراہی میں ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر جائیں۔ تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔ تو ہی اپنے اولیاء کی مراد کو جاننے والا ہے۔ پس تیرے ہی لئے تعریف ہے پہلے بھی اور پیچھے بھی اور درود ہو تیرے نبیوں پر خصوصاً نبی امی حجازی پر مع ان کے صحابہ و آل و نائبوں کے ظاہراً بھی اور باطناً بھی ؎

استلزاذ بتوضیح :- چونکہ کمالات ظاہری اور فضائل باطنی کے متعلق خبر دینا ایسی چیزوں میں سے ہے۔ جو کمال درجہ کی تعیین کا باعث ہیں۔ اور وہی موصوف کی ان صفات سے ان کے ساتھیوں میں سے تمیز میں مقصود ہے۔ اور تاکہ تم اس کے ساتھ ایسی ہدایت پاؤ۔ جو رب حنان و منان کی طرف پہنچانے والی ہے۔ اور اس

Scanned by CamScanner

میں اور بھی فوائد ہیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور اس میں اس کی متابعت بھی ہے۔ جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں محمد بن عبد اللہ ہوں۔ اور میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں۔ اور فخر نہیں ہے تاکہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف اور فضل کو سمجھ سکیں۔ اور سورج اور چاند کی مساوات نہ کہیں۔ کیونکہ دوسرا اگرچہ اندھیروں کو دور کرتا ہے۔ لیکن اس کا نور پہلے کے نور سے مستفاد ہے۔ پس ان دونوں میں فرق لازمی ہے۔ تاکہ حق الگ ہو جائے۔ اور اس حیثیت کا ہو جائے۔ کہ کسی پر مخفی نہ رہے۔ اور اس سے فرضاً انبیاء علیہم السلام کے متعلق عقیدہ بھی مستفاد ہوتا ہے۔ اور اس کی شاخ استحباباً اولیاء کے متعلق واقع کے مطابق عقیدہ رکھنا بھی ہے۔ کیونکہ اولیاء کے ظاہری اور باطنی آداب کی رعایت کرنا بھی مستحبات میں سے ہے۔ تو شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں وہ ہوں۔ جو حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہوں۔ اور وہ وہ ہیں جو رسول افضل صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہیں۔ جو آپ کی بزرگ نگاہوں کا مورد تھے۔ جن کی برکتیں ان کے ظاہر اور باطن میں سرایت کر گئیں۔ پس میرا نسب عین حسب ہے۔ اور میرا حسب عین کرامت ہے۔ کیونکہ مُخدَع یعنی وہ خاص مکان کہ جس میں بادشاہ کے ساتھ بعض خواص، کامل، ممتاز، متمیز، تام اور منظور بنظر خاص اور قرب مخصوص کے ساتھ اس کی طرف واصل ہونے والے کے سوا کوئی آدمی نہ مشورہ کر سکتا ہے نہ بیٹھ سکتا ہے۔ اور اس درجہ میں آپ کا اہل قرب میں سے کوئی بھی شریک نہیں ہے۔ آپ فرد الفرد ہیں۔ آپ کا اس درجہ میں کوئی شریک نہیں ہے۔ جیسا کہ آپ نے ایک اور قصیدہ میں فرمایا ہے۔ میں فرد الفرد ہوں۔ کہ جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اس کے علاوہ اور بھی ابیات ہیں۔ کہ جن کی طرف میں ابیات کے معانی کے بیان کے ذیل میں اشارہ کیا ہے۔ ° میرا مقام وہ ہے۔ کہ جس کے متعلق مجھے اطلاع دی گئی ہے۔ کہ تو ہمارے پاس عزت والا ہے۔ امانتدار ہے۔ تو ہمیشہ رہے گا۔ کبھی زائل نہ ہوگا۔ میں نے تجھ کو عزل اور رد سے امن میں رکھا ہے۔ پس تو استقرار اور قرار پر رہ۔ اور میرے قدم یعنی میرے درجے یا میرے ظاہری قدم باطن کے غلبہ اور قرب کی بنا پر رجال کے درجہ کی گردن پر ہیں۔ یا مردوں کی ظاہری گردن پر ہیں۔ یعنی تمام اولیاء کی گردن پر ملک اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جسے چاہے دیتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے۔ جسے چاہے بخشے۔ اور وہ جاننے والا حکمت والا ہے ۞

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ جب شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا۔ کہ میرے یہ قدم اولیاء میں سے ہر ایک ولی کی گردن پر ہیں۔ تو اس وقت تمام پہلے اور پچھلے انبیاء اور اصحاب اور اولیاء علیہم السلام کی روحیں حاضر تھیں۔ کہ ان میں سے کوئی پیچھے نہ رہا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی روح شریف کے ساتھ دیکھتے۔ اور خوش ہوتے۔ اور فرماتے۔ اے میرے نیک بیٹے اللہ تجھے برکت دے۔ اور اولیاء اپنے اجسام کے ساتھ آپکے پاؤں کو اپنی گردنوں پر رکھتے تھے۔ اور سب سے پہلا شخص جس نے آپ کی طرف جلدی کی۔ وہ علی بن ہیتی اور ابو سعید قیلوی اور ماجد الکردی تھے۔ اور پھر اور پھر اور یہاں تک کہ زندہ اولیاء میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا۔ مگر ایک شیخ اصفہان میں تھا۔ اس نے تکبر کیا۔ اور اس قول کو قبول نہ کیا۔ تو وہ معزول ہو گیا۔ اور قبول کی طرف واپس نہ

ہوا۔ اور کمزوری اور نیچے گر جانے میں ہلاک ہو گیا۔ اولیاء کے غضب سے خدا کی پناہ اور آپ رضی اللہ عنہ کا یہ قول اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا۔ اس کی خبر آپ رضی اللہ عنہ کے پیدا ہونے سے سو سال پہلے اولیاء نے دے رکھی تھی یا اس سے کچھ زیادہ جیسا کہ تکملہ میں لکھا ہے۔ اور رسالہ جام جہاں نما مصنفہ ابوالحسن الخرقانی اور تحفہ قادریہ مصنفہ شیخ ابوالمعالی لاہوری اور شیخ اکمل دہلوی قدس اللہ اسرارہم میں موجود ہے۔ پھر جس آدمی کو اس میں شک ہو۔ تو وہ منافق ہے۔ جسکو اللہ تعالیٰ نے اشد العذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس میں پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے۔ جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ اسی لئے شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اپنے اکثر کلمات میں فرمایا ہے۔ کہ میں تمہاری عقول سے خارج ہوں۔ اور ایک اور قصیدہ مبارکہ میں کہا میں بیشتر ہوں۔ اور بیشتر کا معنی اللہ تعالیٰ قول ویخلق ما لا تعلمون بحکمتی میں ہے۔ اور اس کا کچھ معنی پہلے گزر چکا ہے۔ جو کہ ہم نے آپ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے فضل و رحم سے شرح کی ہے۔ اور ایک یہ کلام کے آخر ہے۔ اور تمام تعریف اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ اور درود ہو ہمارے سردار محمد اور ان کی آل اور صحابہ اور ان کے نائب سب پر ؛

مناجات :۔ اے اللہ تیرے ہی لئے تعریف ہے۔ کہ تو نے ہم کو راہ نمائی فرمائی۔ اور اگر تو ہماری راہ نمائی نہ کرتا۔ تو ہم ہدایت نہ پا سکتے۔ فضل تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ پس تو ہمارے دلوں کو روشن کر دے۔ اور ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ کر دے۔ بے شک تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ اے اللہ ہمارے لئے ہمارے امور آسان کر دے۔ اور حقائق ایمانیہ کی تحقیق میں ہمیں زیادہ کر۔ اور انوار رحمانیہ سے ہم پر رحمت فرما۔ اور اسرار لدنیہ سے ہمیں مشرف کر۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے۔ تیرے بتائے کے سوا ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔ بے شک تو ہی جاننے والا ہے۔ اے اللہ تو خلقت کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور گناہوں کا بخشنے والا ہے۔ ہمیں استقامت اور ہمت اور غیرت اور قرب اور ہدایت اور وصال اور عنایت میں زیادہ فرما اے فریاد کرنے والوں کی فریاد کو پہنچنے والے، اور اے پریشان لوگوں کی دلیل اے بیقراروں کی دعاؤں کو قبول کرنے والے میری دعا کو قبول کر۔ میرے گناہ مٹا دے۔ مجھے ان لوگوں سے بنا جنہوں نے محبت کی شراب پی ہے۔ اور سیراب ہو گئے ہیں۔ اور ان سے بنا۔ جنہوں نے اسرار کے لقمے کھائے۔ اور سیر ہو گئے۔ اے ہمارے رب ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی عنایت فرما۔ اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کا سلام ہو۔ مع ان کی آل اور صحابہ کے ؛

Scanned by CamScanner

(۲۹)

وَعَبْدُ الْقَادِرِ الْمَشْهُوْرُ اِسْمِیْ ❖ وَجَدِّیْ صَاحِبُ الْعَیْنِ الْکَمَالِ

عبد بندہ، خلاف حُرّ، عبید، اعبد، عباد، عبدان جماعت اور کہا جاتا ہے۔ کہ عبد، عبودۃ اور عبودیت کے درمیان ہے۔ اور ان دونوں کا اصل خضوع و ذلت ہے۔ اور کہا جاتا ہے۔ عبد عبودۃ و عبودیۃ بندہ ہُوا۔ بندہ ہونا اور رسالہ مکیہ میں ہے۔ ان میں سے بعض آدمی ایسے ہیں۔ جو ثواب اور عذاب کے لیے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اور یہی عبادت ہے۔ اور بعض اس لئے عبادت کرتے ہیں۔ کہ وہ نسبی شرف حاصل کریں۔ اور یہ عبادیت ہے اور بعض وہ ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ کی ہیبت و جلال اور اس شرم اور اس کی محبت کے لئے عبادت کرتے ہیں۔ اور یہی چیز عبودیت ہے ❖

بیان بدیع:۔ جب عبودیت کے بیان تک کلام پہنچ گیا۔ تو لکھنے والے پر واجب ہُوا۔ اس کی بعض تفاصیل کو کھول کر بیان کرے۔ پس میں کہتا ہوں۔ کہ اس جگہ کچھ اصطلاحی الفاظ ہیں۔ پہلا عبادت ہے۔ اور دوسرا عبودیت اور تیسرا عبودت اور چوتھا حریت اور پانچواں عبدیت، اور ان کا مفہوم اگرچہ قریب قریب ہے۔ لیکن اصطلاح کے لحاظ سے ہر ایک میں کچھ اعتباری اختلاف ثابت ہے۔ اور پہلے کی طرف اللہ تعالےٰ کے قول "اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو۔ جس نے تم کو پیدا کیا" میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اور وہ ظاہری بھی ہے۔ اور باطنی بھی۔ ظاہری تو اعضا کے ساتھ ہے۔ جیسے نماز اور وضو فرائض اور سنتیں اور واجبات اور نوافل اور قرآن پاک کی تلاوت اور اوراد اور صدقات و خیرات بدنیہ اور ان کا نتیجہ ثواب کا ملنا اور درجات کا بلند ہونا ہے۔ اور اس میں تفصیل ہے۔ کہ جس کی کفیل شریعت کی کتابیں ہیں۔ اور باطنی عبادت پس ذکر خفی اور فکر تحقیقی اور نفس و خواہشات کی مخالفت کے ساتھ پورا مراقبہ اور سچی محبت کے ساتھ ساتھ خیالات کی نفی اور عشق جو معرفت کا باعث ہو۔ شقیق بلخی نے کہا۔ عبادت دو چیزوں کا نام ہے۔ حکم شریعت کی حفاظت اور قسمت ازلی اور قضا و قدر پر رضا، اور قشیری کے ترجمہ میں ہے عبادت عام کے لئے ہوتی ہے۔ اور عبادت میں علم یقین ہوتا ہے۔ اور عبودیت میں عین الیقین اور عبدیت میں حق الیقین ابو علی دقاق کہتے ہیں۔ عبادت مجاہدہ والوں کے لئے ہوتی ہے۔ اور عبودیت ارباب مکابدہ کے لئے یعنی تشنہ جگروں کیلئے اور عبدیت اہل مشاہدہ کی صفت ہے۔ مرصاد العبادین میں ہے۔ عوام کی عبادت تو اعضا سے ہوتی ہے۔ اور عبودیت خواص کے لئے باطن میں برائیوں کو خوبیوں میں تبدیل کرنے سے ہوتی ہے۔ اور عبدیت اخص کے لئے ہوتی ہے خوبیوں کو محو کر دینے اور غیر کی نفی کرنے اور جمال ذات میں استغراق ہونے سے ہوتی ہے۔ ایاك نعبد عبادت میں جزا عقبیٰ کی نجات ہے۔ اور عبودیت میں خدا تعالیٰ کی قربت بدلہ ہے۔ فارس سے حکایت کیا گیا ہے۔ کہ جس نے اپنے معبود کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی عبادت سے ساقط ہو گیا۔ اور جس نے اپنی عبادت کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے معبود سے گر گیا، اور عبدیت میں رقیت و لقا ہے۔ اور اس کا مرادف عبودت ہے۔ تفسیر رموز میں ہے۔ روح کی عبادت صدق پر اپنی کمر باندھنا ہے۔ جب بندہ ایاك نعبد کہتا ہے۔ تو فرمان ہوتا ہے۔ کہ جو کچھ لایا ہے قبول کرو۔ اور

Scanned by CamScanner

جب ایاکَ نستعین کہتا ہے۔ تو فرمان ہوتا ہے۔ جو چاہتا ہے اُسے دیدو ۔

اور مختصر یہ کہ عبادت اور عبودیت کا کمال اپنے ارادہ و اختیار سے باہر آنا۔ اور اللہ تعالیٰ جو قضا و قدر سے چاہے۔ اس پر راضی اور خوش ہونا ہے۔ ابراہیم بن ادہم سے بیان کیا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے ایک غلام خریدا۔ اور اس سے پوچھا۔ تو کیا کھائیگا۔ اس نے کہا۔ جو آپ مجھے کھلائیں گے۔ پھر کہا۔ تو کیا کام کرے گا۔ اس نے کہا۔ جس کام میں لگاؤ گے۔ پھر پوچھا۔ تو کیا چاہتا ہے۔ تو اس نے کہا۔ جو آپ چاہتے ہیں۔ اور جلاء الخاطر میں ہے کہ تو کیا پہنے گا۔ تو اس نے کہا جو آپ پہنائیں گے۔ پھر پوچھا۔ کہ تو میرے گھر میں سے کس جگہ پر رہنا چاہتا ہے۔ تو اُس نے کہا۔ کہ آپ جس مقام پر مجھے رکھیں گے پھر پوچھا۔ تو کس عمل کو پسند کرتا ہے۔ تو اس نے کہا۔ جو آپ مجھے حکم دیں گے۔ تو ابراہیم رونے لگے۔ اور کہا مجھے مبارک ہو اگر میں اپنے رب عزوجل کے ساتھ ایسا بن جاؤں۔ جیسا کہ تو میرے ساتھ ہے۔ تو اس نے کہا۔ اے میرے سردار میں غلام ہوں۔ اور کیا بندے کا اپنے مالک کے مقابلہ میں کوئی ارادہ و اختیار ہوتا ہے؟ تو آپ نے کہا۔ تو اللہ کے لئے آزاد ہے اور میں چاہتا ہوں۔ کہ تو میرے پاس رہے۔ تاکہ میں خود تیری اپنے نفس اور مال سے خدمت کروں۔ ہر وہ آدمی جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا۔ اس کا ارادہ و اختیار باقی نہ رہا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا کلام ختم ہوا۔ پس عبودیت یہ ہے۔ کہ ہر حال میں بندہ رہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہر حال میں رب ہے ۔

نکتہ :۔ حق تعالیٰ نے ازل میں حکم کیا تھا۔ کہ عبودیت محض اور ربوبیت خالص عقد ہو گا۔ پھر جب ونفخت فیہ من روحی فرمایا۔ تو آدمیوں کے ساتھ کفو درست ہو گیا۔ اور بے کفو نکاح درست نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ہر نسب موت کے ساتھ منقطع ہو جاتا ہے۔ مگر میرا نسب اور سبب" اسی معنی کا ہے۔ تفسیر رموز میں اسی طرح ہے۔ رسالہ سر اللہ میں ہے۔ عادت کی وجہ سے بندگی کرنا کافری ہے۔ اور عبودیت کے رسومات سے گزر جانا موحدی ہے۔ یعنی عبادت پر نظر رکھنا حجاب ہے۔ اور حجاب طریقت کا کفر ہے۔ اور اس حجاب کو دور کرنا موحدی ہے۔ اور توحید ایمان طریقت کے رتبہ کی ابتدا سے عبادت ہے۔ کیونکہ اس جگہ ایک باریک پردہ پر نظر پڑتی ہے اللہ کے بندے خدا تعالیٰ کے طالب ہیں۔ اور کم ہیں۔ اور عبدالرحمٰن و عبدالوہاب وغیرہ صفات کے طالب ہیں۔ اور بہت ہیں۔ تمہیدات عین القضاۃ میں ہے۔ عبودیت ربوبیت کے جمال پر ایک خال ہے۔ اور اس کی ربوبیت کے بغیر عبودیت وجود نہیں رکھتی۔ اور ربوبیت کے چہرے کا جمال بغیر عبودیت کے خال کے کمال کی صفت قبول نہیں کرتا بھر میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ میں نے چاہا۔ کہ میں پہچانا جاؤں۔" اس عبودیت کے ربوبیت کے ساتھ اتصال کو بیان کرتا ہے۔ چنانچہ ربوبیت عبودیت کے بغیر کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ اور نہ عبودیت ربوبیت کے سوا کوئی قیمت رکھتی ہے۔ ربوبیت ایک درخت ہے۔ اور عبودیت اس کا پھل، اللہ تعالیٰ نے عبودیت کے نکتہ کو محبت سے روشن کیا۔ اور یہ بھی اس کی عبادت ہے کہ عبودیت ربوبیت کے ساتھ جمال ہے۔ اور ربوبیت کے ساتھ جلال ہے۔ ہمارے نزدیک فرق یہ ہے کہ ربوبیت کے حصول میں عبودیت کی ہمہ تصحیح ہو۔ تو ہمارے نزدیک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھنا ہے اور اس کا مطلب کہ "ربوبیت کے ساتھ عبودیت جمال ہے۔ اور عبودیت کے ساتھ ربوبیت جلال ہے" یہ ہے کہ جب عبودیت

پوری ہو جاتی ہے۔ تو اس کی زندگی اللہ تعالیٰ کی زندگی کی طرح ہو جاتی ہے۔ کہ بندہ اپنی طرف سے پوری طرح فنا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ کی بقاء کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔ اور پھر فانی نہیں ہوتا۔ خبردار اللہ تعالیٰ کے دوست نہیں مرتے اور اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ رسالہ مختصر احیاء العلوم میں ہے۔ خدا تعالیٰ کو تمام مخلوق حاجت سے پوجتی ہے۔ یہ مزدور لوگ ہیں۔ تو کوشش کر کہ بغیر حاجت کے محبت کے ساتھ پرستش کرے۔ کہ بندگی یہی ہے۔ "اپنے نفس پر حاجت کا دروازہ بند کرے۔ اور اپنے دل پر صحت کا دروازہ کھول دے۔" اسی معنی کا مترجم ہے۔ عبودیت یہ ہے۔ کہ اس کی اپنی اغراض درمیان میں نہ ہوں ؛

تنبیہ :- جاننا چاہیے۔ کہ کوئی نام وخطاب بندہ کے لئے عبودیت سے زیادہ معزز نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رسالت علیہ السلام کے متعلق فرمایا" پاک ہے وہ اللہ جس نے اپنے بندے ایک ہی رات میں مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی" اور دوسری جگہ فرمایا۔ پھر اس نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی۔ چنانچہ ربوبیت خدا تعالیٰ کی صفت ہے۔ اور وہ کبھی زوال پذیر نہیں ہوتی۔ اسی طرح عبودیت بندہ کی صفت ہے۔ جو کبھی گرفتاری نہیں دیکھتی۔ اور ضائع نہیں ہوتی۔ ایک بزرگ سے لوگوں نے پوچھا۔ محبت میں عبودیت کیسی ہے؟ کہا نہیں پیدا ہو سکتی۔ البتہ رنج عبودیت پیدا ہو جاتا ہے ؛

نکتہ :- جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا گیا۔ کہ ہمارے قدس خزانے سے کوئی چیز اختیار کر لو۔ تو آپ کی ذات مبارک نے بے اختیاری کو قبول کیا۔ جو کہ عبودیت سے عبادت ہے۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔ عبودیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔ اور دوسروں کے لئے عبودیت ظلی ہے۔ ابوسعید ابوالخیر کو پوچھا۔ حریت کیا ہے؟ تو آپ نے کہا عبودیت۔ جب تک کہ تو ہر ایک سے آزاد نہ ہوگا۔ بندگی کے لائق نہ ہوگا۔ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" میں نہیں چاہتا۔ کہ میں بادشاہ نبی بنوں۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ بندہ اور نبی بنوں۔" پس خدا تعالیٰ کی بندگی عین آزادی ہے۔ اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام چیزوں میں سے اسی کو اختیار فرمایا ؛

بیان واضح :- جاننا چاہیے۔ کہ تمام انبیاء علیہم الصلوات والسلام میں سے ہر ایک نبی کا کوئی نہ کوئی خاصہ ہے۔ مثلاً آدم علیہ السلام کے لئے صفوت ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کے لئے خلت، اور موسیٰ علیہ السلام کے لئے کلیمیت اور عیسیٰ علیہ السلام کے لئے روحیت اور اسی طرح علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والسلام تمام نبیوں کے خواص ہیں۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ عبودیت ہے۔ اور یہ مخلوق کے اپنے ارادہ اور اختیار سے فناء کلی کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہو کر بقاء حاصل کرنے سے عبارت ہے۔ پس تمام فضائل و معارف اسی فضیلت کے تحت مندرج ہیں۔ کیونکہ بندے کا کمال عبودیت ہی میں ہے۔ پس جب عبودیت پوری ہو جاتی ہے۔ تو بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جاتا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہو جاتے ہیں ؛

حکایت ۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک روز ملک شہود کے بادشاہ یعنی سلطان محمود نے اپنے تمام اہالی و موالی اور اپنے فتح مند لشکر کو اکٹھا کیا۔ اور فرمایا۔ کہ میں نے ہر ایک کو اپنے ملک میں مختار کیا۔ جو کوئی کسی چیز کو چاہے۔ لے لے۔ تو ہر ایک نے اپنی استعداد کے مطابق کوئی نہ کوئی مراد مانگی۔ یہاں تک کہ ایاز جو ہوشیاری کی فضا کا شہباز تھا۔ وہ سکوت کی مہر لگائے تخت ہمایوں کے سامنے کھڑا ہوا۔ میں کیا کہوں؟ کہ وہ نامرادی کے چمنستان کا سرو تھا۔ جو آزادی کے پاؤں سے کھڑا تھا۔ یا ایک ہیکل الفی تھا۔ کہ جس نے استقامت کے پاؤں بے برگی کی بساط میں بڑی خوشی سے رکھے ہوئے تھے۔ خدا تعالیٰ کی مہربانیوں کے مورد بادشاہ نے منہ کی موتی بکھیرنے والی ڈبیہ سے گفتگو فرمائی۔ اے ایاز تو نیازمندی کی بساط میں کھڑا ہے۔ ابھی سخاوت کے سمندر کے فیوضات کا سیلاب بند نہیں ہوا۔ ابھی خواہشوں اور آرزوؤں کی زمین کی تمنا جوش پر ہے۔ اور ہر خشک لب اس شادابی سے کامیاب ہو چکا ہے۔ تو کیوں اس فیض ریز موجوں کے معنی سے تہی دستی کے گرداب میں پڑا ہے۔ چاہیئے۔ کہ توقف کی آستین طلب و ارادہ کے ہاتھوں سے اوپر اٹھاؤ۔ اور ہماری سخاوت کے سمندر کی آغوش سے مطالب سازی کی کامیابی کی بارش حاصل کرو۔ تو قطرہ وار ندامت کے آنسو گراتا ہوا۔ ندامت کا پسینہ پونچھتا ہوا جواب کے موتی بیان کے دامن میں نثار کرنے لگا۔ کہ اے بخشش و سخاوت کے ابر بہار اور اے فیض و ہدایت کے بادل غلام کو اپنے مالک کے مقابلہ میں سوائے فنا کے ساحل کی خشکی کے کوئی چارہ نہیں ہے۔ اور بے چارہ بلبلہ کا دریا کو خطاب کرتے ہوئے زبان تکلم کو کھولنا ناتوانی اور فنا کا دم مارتا ہے۔ اور سمندروں کے سامنے بے مغز جھاگ کا اپنے اعتبار کا منہ کھولنا فنا پر اپنی سرگردانی کے داغ کا چھپا رکھنا ہے سے محمود نے کہا اے کہ اے ہوشیار ایاز تو کیا چاہتا ہے۔ اپنے کاروبار سے بول + اس نے کہا اے بادشاہ میں تجھ کو چاہتا ہوں۔ نہ کہ غیر کو۔ اور تیرے وجود کے ساتھ غیر کو دیکھنا بت اور بت خانہ ہے۔ جب تو ہماری آنکھوں کے سامنے حاضر ہو۔ تو پھر غیر کو چاہنے والا اندھا اور گمراہ ہو جائے + ہماری خواہش تیرے چہرے کا نور ہے۔ اے دلستاں اپنے چہرہ کا جلوہ دکھا + ہم تیرے دیکھنے سے اقبال مند ہیں۔ اور ہمیشہ تیری دید کے خواہش مند ہیں + تیری آنکھ کو دیکھنا ہمارے لئے چاند اور سورج ہے۔ تیری پیشانی کی لوح جان کے لئے نسخہ ہے + تیری ناک کے الف ہوش مندی عطا کی ہے + تیری باتوں کی شہد ہماری زندگی ہے۔ اور تیرے لعل لب کی قند ہماری زندگی ہے۔ تیرے چہرے کی آب ہم پر خدا تعالیٰ کا سایہ ہے۔ یا ہدایت کے تیرے کانوں نے ہمیں حلقہ بگوش کر لیا ہے۔ اور تیرے لعل لب کی قند ہماری زندگی ہے۔ تو دونوں جہانوں کی مدد ہماری کھیتی ہے + ایک قبضہ میں دو تلواریں ہیں + جب تیری ذوالفقار ہمارے ہاتھ میں ہو۔ تو دونوں جہانوں کی مدد ہماری کھیتی ہے + جب ہم تجھ کو پالیں گے۔ تو تمام ملک ہمارا ہے۔ اور جس کا مولا ہو آسمان بھی اسی کے قبضہ میں ہے + جس نے خدا پا لیا وہ کئی ملک رکھتا ہے۔ اور دونوں جہانوں میں اس کی قیمت ہے + بادشاہ کا غلام بادشاہ ہوتا ہے۔ آنکھ کو پھیرتا کہ تو کمال کے ساتھ پوشیدہ راز کو پالے + اے عزیز کامل بندہ بادشاہ ہوتا ہے۔ میں نے تجھ کو اشارہ کر دیا ہے۔ تو اپنے آپ میں تمیز پیدا کر +

پھر عبودیت کا اثبات کسی نسبت کا محتاج نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک خاصہ ہے۔ جب وہ کسی شخص میں ثابت ہو جاتا ہے۔ تو اس پر خود گواہی دیتا ہے۔ کہ وہ عبد ہے۔ اور اس کی حقیقت ارادہ اور وجود سے کلی فنا ہے کیونکہ

Scanned by CamScanner

اُس کے نشانات میں سے کوئی نشان باقی رہ گیا۔ تو اُسے بندہ نہیں کہا جائے گا۔ کیا تو کامل کے قول کی طرف نہیں دیکھتا کہ مکاتب غلام ہے۔ جب تک کہ اس پر ایک درہم بھی باقی رہے۔ اسی لئے جب بایزید بسطامی قدس اللہ روحہ کو قبر میں سوال کیا گیا۔ کہ تمہارا رب کون ہے۔ تو کہا اے فرشتو! یہ مجھ سے نہ پوچھو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے پوچھو۔ کہ بایزید آپ کے بندوں سے ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہدے۔ کہ ہاں وہ اس کا بندہ ہے۔ تو جواب پورا ہو گیا۔ ورنہ میرا دعویٰ فائدہ مند نہ ہوگا۔ کہ میں اس کا بندہ ہوں۔ اور وہ میرا رب ہے۔ سبحان اللہ اس کلام جلیل کا کیا شان ہے؟ اے صادق خبیر اگر تو اس پر غور کرے گا۔ تو اس میں دقیق اسرار پائے گا۔ مختصر یہ کہ چونکہ عبودیت کو بیان گھر نہیں سکتا۔ لہذا ہم قادر کے معنی بیان کرنے کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ہے۔ اور اس کا معنی لغوی طاقتور ہے۔ اور قدرت صفت ہے۔ اور وہ عبارت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس صفت ازلی سے کہ جس سے فعل اور اس کا ترک مختلف دواعی کی حیثیت سے صحیح ہوتا ہے۔ اور وہ مجملاً یہ ہے کہ اگر چاہے۔ تو کرے۔ اور اگر نہ چاہے تو نہ کرے۔ اور اس کا بیان انشاءاللہ آئے گا۔ اور المشہور اس کے معنی مشہور ہیں۔ بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ اور استمر کا معنی بھی پہلے گزر چکا ہے۔ اور جدّ بڑا باپ اور باپ کا باپ اور ماں کا باپ اور بے نیازی و تونگری کے معنی میں بھی آیا ہے۔ اور اسی معنی سے دعا میں آیا ہے۔ ولا ینفع ذاالجدّ منك الجدّ ط یعنی دولت مند کی دولت مندی تیرے سامنے کام نہیں آسکتی۔ تیرے پاس تیری اطاعت کا عمل فائدہ مند ہے۔ اور اسی معنی سے آپ کے قول میں ہے وتعالیٰ جدّك اور علم میراث میں جدّ دو ہیں۔ ایک جدّ صحیح اور وہ وہ ہے۔ کہ اس کی میت کی طرف نسبت میں ماں داخل نہ ہو جیسے کہ ماں کا باپ اور اسی طرح اور بھی اور ایک جدّ فاسد ہے۔ اور وہ وہ ہے کہ جس کی میت کی طرف نسبت میں جدّ فاسد داخل نہ ہو۔ اور ایک جدّہ فاسدہ ہے۔ اور وہ وہ ہے جو اس کے برخلاف ہو جیسے کہ معلوم ہے۔ اور صاحب ہمراہی و دوست اور مالک و نگہبان اور پیغمبر علیہ السلام کے معنی میں بھی آیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول میں ہے۔ " نہ تمہارا صاحب گمراہ ہوا اور نہ ٹیڑھا ہوا۔ " اور " صاحب فصل الخطاب " داؤد پیغمبر علیہ السلام کا نام ہے اور " صاحب کف بیضاء " یعنی موسیٰ علیہ السلام اور " صاحب صابی " عیسیٰ علیہ السلام اور " صاحب الحوت " یونس علیہ السلام اور " صاحب صفین " علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور " صاحب العین الکمال " سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ اور عین کے کئی ایک معنی ہیں۔ پہلا معنی آنکھ اور دوسرا بمعنی چشمہ، اور تیسرا بمعنی سورج اور چوتھا بمعنی گھٹنا اور بمعنی چشمۂ زانو اور پانچواں بمعنی خالص سونا و دینار اور بمعنی درم نقد اور چھٹا بمعنی جاسوس و محافظ اور ساتواں بمعنی خالص۔ اور آٹھواں بمعنی بزرگ و بہتر اور نواں بمعنی نفس ہر چیز اور دسواں بمعنی حفاظت کہا جاتا ہے۔ عین اللہ یعنی اللہ کی حفاظت اور گیارہواں بمعنی ہر چیز سے اشرف بھی کہا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ عین القوم یعنی قوم کا شریف اور اشرف۔ اور کہا جاتا ہے۔ اعیان الباس ط لے جنگ کے اشراف اور ان کے علاوہ اس کے اور بھی معانی ہیں۔ چونکہ ان کی اس مقام سے مناسبت نہیں تھی۔ لہذا ہم نے ان کو چھوڑ دیا ہے۔ اور ان مذکورہ معانی کا ارادہ کرنا پس ہر ایک کا ارادہ جائز ہے۔ خواہ

Scanned by CamScanner

حقیقت کے اعتبار سے یا لوازم کے اعتبار سے اور انشاء اللہ تعالیٰ تو ہر ایک کی تحریر پر قادر ہو جائے گا۔ جیسا کہ مخفی نہیں رہے گا۔ اور کمال چیز کا پورا ہونا ہے۔ اور اس مقام میں کمال معنوی مراد ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس معنی سے عین الکمال ہیں۔ اور جائز ہے۔ کہ معنوی کمال سے زیادہ عام مراد لیا جائے۔ کیونکہ تمام موجودات کا پورا ہونا خواہ وہ حیات سے ہوں یا عقلیات سے اور فضائل سے ہوں۔ یا اخلاق سے صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہے۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے۔ کہ "اگر تو نہ ہوتا۔ تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا" اور "اگر تو نہ ہوتا۔ تو میں ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔" اور "اگر تو نہ ہوتا۔ تو چیزوں میں سے کوئی چیز بھی نہ ہوتی۔" اور ان کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں۔ جو اس معنی کو پکار کر کہہ رہی ہیں۔

اور صوفیاء کی اصطلاح میں کمال عبادت ہے۔ مرشد کامل کے ارشاد کے ساتھ سالک کے محسوس اور معقول کے دروازے سے تخلیہ اور تصفیہ اور شہود کے ساتھ عالم انوار اور تجلیات اسمائیہ و صفاتیہ کی طرف سیر کرنے سے یہاں تک کہ وہ اُن سے پوری طرح متصف ہو جائے۔ اور اس کی تجلی ذاتی احدی میں محو سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور پھر وہ احدیت کی بقاء کے ساتھ باقی ہوتا ہے۔ پھر خلقت کو پورا کرنے کے لئے اس مقام کی طرف اترتا ہے جہاں سے وہ اوپر چڑھا تھا۔ اور یہ اس کی باطنی قوت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کہ وہ اصول کے وجود کے باوجود اس کی طرف اترتا ہے جو اس سے بہت نیچے ہے۔ تاکہ اس کو کامل کرے اور اس کو وہاں تک کھینچ کرلے جائے۔ جہاں تک کہ وہ خود قرب اور وصول میں ہے۔ اور نہایت کا یہی معنی ہے۔ اور یہی بدایت کی طرف رجوع ہے۔ اور اس طرف صاحب گلشن راز نے اشارہ کیا ہے سے وہ آدمی پورا ہے۔ جو اپنے پورا اور خواجہ ہونے کے باوجود غلامی کا کام کرے۔

تنبیہ:۔ چونکہ اسم شریف کے معنی کا بیان ہو رہا ہے۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اس کے مخفی اسرار پر مخصوص ہونے کے متعلق فرمایا ہے۔ کہ میرا نام اسمِ اعظم کی طرح ہے۔ جس نے میرے نام سے وسیلہ پکڑا وہ نجات پا گیا۔ وہ اتنے ہیں کہ اقلام اور دفاتر سے نہیں گھیرے جا سکتے۔ اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لئے سیاہی بن جائیں۔ تو کلمات کے ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائیں۔ کیونکہ وہ ان اسرار سے ہے۔ جو اللہ اور اس کے درمیان انوار سے بھرے ہوئے ہیں۔ اور وہ اس کے علم سے کسی چیز کو بھی اس کی مشیت کے بغیر نہیں گھیر سکتے کیونکہ طالب سمندر سے اپنی استعداد کے مطابق گھونٹ پی لیتا ہے۔ اور اپنی مراد کے مطابق حاصل کرتا ہے پس میں نے ارادہ کیا ہے۔ کہ تیرے لئے اس کے معنی اس طرح بیان کروں۔ کہ جس کے بیان میں قادر کی قدرتوں کے سورجوں سے میرا دل روشن ہے۔ تو میں اس بیان میں قدرت کا راز تحریر کیا ہے۔ اور میں نے اس سر میں کئی ایک رموز رکھے ہیں۔ جیسا کہ عنقریب تو معلوم کرلے گا۔ پس اولاً کہتا ہوں۔ کہ وہ اسمِ اعظم ہے۔ اور اس میں امکان اور وجوب کے دو مرتبے ایسے طریقے سے جمع ہوئے ہیں۔ کہ ان کی شہادت شریعت اور حقیقت لفظاً و معنیً دیتے ہیں۔ لفظاً تو اس طرح کہ اس میں عبودیت اور الوہیت جمع ہوتے ہیں۔ کیونکہ عبودیت نبی امی مجازی کا خاصہ ہے۔ اور قدرت ازلی صفت ہے۔ جو تمام صفات ازلیہ پر صریحاً یا استلزاماً مشتمل ہے۔ کیونکہ قادر کے لئے ضروری

ہے۔ کہ وہ زندہ ہو۔ اور یہ ظاہر ہے۔ اور ضروری ہے۔ کہ وہ عالم، سمیع اور بصیر ہو۔ کیونکہ مقدورات ان تینوں سے خالی نہیں ہو سکتیں۔ اور ضروری ہے۔ کہ وہ مرید ہو۔ ورنہ قدرت کوئی کمال نہ رہے گا۔ کیونکہ جب وہ کسی مقدور سے متعلق نہ ہوگی۔ تو کوئی کمال نہ رہے گا۔ اور مقدور کے ساتھ تعلق ارادہ کو مستلزم ہے۔ کیونکہ قدرت کی نسبت تمام کی طرف برابر ہے۔ اور اسی طرح تمام ازلی صفات ہیں۔ جو علم کلام میں مذکور ہیں۔ اور یہ صفات تنزیہیہ اور سلبیہ کو بھی مستلزم ہے۔ کیونکہ یہ صفات نقائص ہیں۔ جو امکان واجب کرتی ہیں۔ وہ امکان جو غیر کی طرف محتاج ہوتا ہے تو ثابت ہو گیا۔ کہ قادر کی طرف منسوب اللہ کی تمام صفات کی طرف منسوب ہے پس عبد القادر، عبد اللہ کا نائب ہے۔ اسی لئے شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے میرے مرید خوف نہ کر۔ اللہ میرا رب ہے۔ پھر جب عبد قادر کی طرف مضاف ہؤا۔ تو اس سے حقیقی تعریف حاصل کی۔ اور نحویوں نے کیا ہی اچھا کہا ہے۔ کہ مضاف، مضاف الیہ سے تعریف یا تخصیص کا اکتساب کرتا ہے۔ پس جو کمال کے مرتبہ تک نہ پہنچا۔ پس عبد ہے۔ جو قادر یا رحمٰن کی طرف مضاف ہے۔ لیکن وہ تخصیص ہے۔ کیونکہ اسم مضاف نے اس کو پہچانا نہیں ہے۔ بلکہ اس کو تخصیص کے طور پر جانا ہے۔ پس جو اس نے پایا ہے۔ وہ حاصل کیا ہے۔ باقی رہے خاص اور اخص۔ پس انہوں نے اس کو اچھی طرح پہچانا۔ پس انہوں نے اس کو اچھی طرح پہچانا۔ پس جو اس کی تفصیل اور رحم سے پہچانا وہ حاصل کیا۔ تو بندوں کے لئے پہچان کے مطابق حصہ ہے۔ ان پر یہ صادق آتا ہے۔ انا عند ظن عبدی بی۔ پس اسم عبد القادر اپنے پہلے جزو کی حیثیت سے۔ تو امکان پر دلالت کرتا ہے۔ اور دوسرے جزو کے اعتبار سے وجوب پر اور یہ لفظی حیثیت سے ہے۔

باقی رہا معنی کے لحاظ سے تو اس لئے کہ بندے کا ظاہر ممکن ہے اور اس کا باطن واجب ہے۔ جیسا کہ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے قول میں وارد ہؤا ہے۔ کہ بندے کا ظاہر بندہ ہے۔ اور اس کا باطن رب ہے اور اس کی حقیقت اس دل کے سپرد ہے جو صاف ہو پاک ہو۔ جس نے انوار الاہیہ قدسیہ سے تربیت حاصل کی ہو۔ جیسا کہ صحیح حدیث اس کے متعلق کہہ رہی ہے۔ کہ "اس نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔" اور صورت کی تفسیر صفت سے کی ہے۔ پھر جب کہ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ تھا۔ یہاں تک کہ "میں اس کے کان اور آنکھ بن جاتا ہوں۔ وہ میرے ساتھ سنتا ہے اور میرے ساتھ دیکھتا ہے۔" تو یہ تقاضا کرتی ہے۔ بندے کا باطن اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سر ہے۔ جیسا کہ اس پر اس قول میں نص ہے۔ کہ "انسان میرا سر ہے۔ اور میں اس کا سر ہوں۔" تو بندہ دو دریاؤں کا ملاپ ہے۔ ایک محتاج کا دریا، اور ایک غنا کا دریا، اللہ تعالےٰ کے قول کے تقاضا کے مطابق کہ اللہ غنی ہے۔ اور تم فقیر ہو پس وہ ظاہری حیثیت سے محتاج ہے۔ پس وہ ممکن ہوگا۔ اور باطنی حیثیت سے یعنی بقا باللہ کے لحاظ سے وہ سب سے بے نیاز ہے۔ پس وہ واجب ہوگا۔ اور اسی لئے کہا ہے۔ کہ فقیر اللہ تعالیٰ کا محتاج نہیں ہے۔ کیونکہ جب وہ فنا ہو گیا۔ اور اللہ کے ساتھ باقی ہؤا۔ تو اب صرف اللہ ہی باقی رہ گیا۔ اور کسی چیز کے اپنے نفس کی طرف محتاج ہونے کا کوئی معنی ہی نہیں ہے۔ اور یہ وہم نہ کرنا۔ کہ بندہ یعنی یہ مخصوص و محسوس جسم اللہ ہو جاتا ہے۔ اس سے خدا کی پناہ۔ کیونکہ وہ صاف کفر ہے۔ اور خالص بے دینی ہے بلکہ اس لحاظ سے کہ صفات بشریہ فنا ہو چکی ہیں۔ اور ان

Scanned by CamScanner

میں سے کوئی گھر اور نہ ان میں کوئی رہنے والا باقی رہا ہے۔ اور نہ کوئی آثار و نشان ہے۔ تو ملک صرف اکیلے اللہ زبردست کا ہوگا۔ جب یہ حقیقت پوری ہو جائے گی۔ تو اس کے معنی ظاہر ہوں گے۔ کہ جب فقیر پورا ہو جائے۔ تو وہ اللہ ہے۔ یعنی فقر اپنے آپ کو گم کرنے سے عبارت ہے۔ جیسا کہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی نے افادہ کیا ہے۔ جب کہ ان سے پوچھا گیا۔ کہ فقر کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا: گم پانا۔ پھر جب انتقام کا مادہ ختم ہو گیا تو صرف اللہ تعالیٰ باقی رہ گیا۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کے قول سے مخصوص ہے وما رمیت اذ رمیت۔ یعنی آپ نے نہیں پھینکی تھیں۔ جب کہ آپ نے صورتاً پھینکی تھیں۔ لیکن اللہ نے پھینکیں۔ اور اس قاعدہ کا بیان پہلے کئی دفعہ گزر چکا ہے۔ اور میں کئی دفعہ اس کی تکرار کر چکا ہوں۔ اگر تو باطنی علم رکھتا ہے۔ تو جو میں نے کہا ہے۔ اسے تو نے معلوم کر لیا ہوگا۔ اور جو میں نے تحریر کیا ہے۔ اس کو سمجھ لیا ہوگا۔ ورنہ اس کی موافقت کر۔ اور اس میں ثابت رہ۔ اللہ عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ لیکن چونکہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے فتوح الغیب میں اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ تو اس عاجز بندے پر واجب ہوا۔ کہ آپ کی عبارت شریفہ کو نقل کرے۔ اور آپ کے بلند اشارات کو تحریر کرے۔ سو میں کہتا ہوں کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جب تک تو اپنے تمام وجود سے دشمنی نہ رکھے۔ اور تمام جوارح و اعضاء سے الگ نہ ہو جائے۔ اور اپنے وجود اور حرکات و سکنات اور سمع بصر کلام بطش عمل اور عقل اور تمام ان چیزوں سے جو تجھ میں روح کے وجود سے پہلے تھیں۔ اور جو نفخ روح کے بعد تجھ میں پیدا ہوئیں۔ الگ نہ ہو جائے۔ یہ امید نہ رکھ کہ تو روحانیوں کی جماعت میں داخل ہو جائے گا۔ اور سر کا سر اور غیب کا غیب ہو جائے گا۔ اور کوشش سے ان چیزوں سے الگ ہو جائے گا۔ اور ہر ایک کو حجاب اور دشمن اور ظلمت سمجھے گا۔ جیسا کہ ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا تھا۔ یہ سب میرے دشمن ہیں۔ مگر رب العالمین یہ آپ نے بتوں کے متعلق فرمایا۔ پس تو اپنے آپ کو اور اپنے مجموعہ کو اور اپنے اجزاء مع تمام مخلوقات کے بت سمجھ لے گا۔ اور ان میں کسی چیز سے کوئی امید نہ رکھے گا۔ تو اس وقت تو اسرار اور علوم لدنیہ اور اس کے عجائب پر امین بنایا جائے گا۔ تکوین اور خرق عادات تیرے سپرد کی جائے گی۔ جو کہ قدرت کے قبیل سے ہے۔ جو کہ مومنوں کے لئے جنت میں ہوگی۔ تو پھر تو اس حالت میں اس ہوگا۔ جیسا کہ تو موت کے بعد آخرت میں زندہ کیا گیا ہے۔ پھر تیرا تمام بدن قدرت ہوگا۔ تو اللہ کے ساتھ سنے گا۔ اللہ کے ساتھ دیکھے گا۔ اللہ کے ساتھ بولے گا۔ اللہ کے ساتھ پکڑے گا۔ اللہ کے ساتھ کوشش کرے گا۔ اللہ کے ساتھ سمجھے گا۔ اور اللہ کے ساتھ اطمینان و سکون پائے گا۔ تو اس کے سوا دوسروں سے اندھا ہوگا۔ اور بہرہ ہوگا۔ تو اس کے سوا کسی کا وجود نہ دیکھے گا۔ اور اس کے باوجود حدود کی حفاظت کرے گا۔ اور اوامر و نواہی کو لازم پکڑے گا۔ اور تجھ میں اگر کوئی چیز مرکوز ہو جائے۔ تو سمجھ لے۔ کہ تو آزمائش میں پڑ گیا ہے۔ شیطان تجھ سے کھیل رہا ہے۔ پس شریعت کی طرف رجوع کر۔ اور اسے لازم پکڑ۔ اور اپنی خواہش کی گمراہی چھوڑ دے۔ ہر وہ حقیقت جس کی شریعت گواہی نہ دے وہ بے دینی ہے۔ انتہی۔

اس کلام شریعت سے تجھ پر واضح ہو گیا۔ کہ بندے کا نفس تو فنا ہو چکا۔ اور بندہ اللہ کے ساتھ باقی ہو گیا۔ اس

معنی سے نہیں۔ کہ بندے کا امکان وجود باقی نہیں رہا۔ جیسا کہ اہل شہود کا عقیدہ ہے۔ کیونکہ وہ واجب و ممکن میں تمیز نہ کرنے کی وجہ سے بصیرت کا قصور ہے۔ کیونکہ شیخ اجل کی عبارت کو اس پر محمول کرنا ممکن نہیں ہے۔ جو کہ اہل تحقیق سے ہیں۔ اور وہ وجودوں کے درمیان پوری تمیز رکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ بندہ بندہ ہی ہے۔ اور رب رب ہے جیسا کہ اہل شہود نے اور ان لوگوں نے کہا ہے۔ جو پوری تمیز نہ کرسکے۔ اور شہود کے سمندروں کی امواج کے تلاطم میں جا پڑے۔ اور کہنے لگے۔ اللہ کے سوا کوئی چیز نہیں ہے۔ اور یہ موجودات عدم محض ہیں۔ اور خالص اعتبارات ہیں اور یہ معنی شریعت کے قواعد پر منطبق نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ تصحیح میں تاویل کا محتاج ہوگا۔ اور اسی میں انہوں نے کہا:۔ سبحانی ما اعظم شانی اور منصور مغفور نے انا الحق کہہ دیا۔ اور دوسرے نے کہا: "میری گودڑی میں اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔" پھر جب ان کو تمیز ہوئی۔ تو کہا۔ تو میں اپنے زنّار لا الٰہ الا اللہ کے قول سے تقطع کرتا ہوں۔ اور تحقیق تک پہنچ گئے۔ اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ نبی حجازی صلی اللہ علیہ وسلم مع الآل والاصحاب کے حقیقی نائب ہیں۔ اور آپ کا مقام ان کے قدم پر ہے۔ پھر آپ کی عبادت کو اس مرتبہ پر کیسے محمول کیا جاسکتا ہے۔ کہ جس کے اہل کو تمیز نہیں ہوتی۔ پس شیخ اجل کے کلام کی مراد یہ ہے۔ کہ بندہ بندہ ہے۔ اور اس کا وجود حقیقی فنا ہو چکا ہے۔ بلکہ اس کا وجود بقا باللہ سے کسبی ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کے وجود سے موجود ہے۔ یہ معنی نہیں۔ کہ بندہ اللہ کے وجود سے موجود ہے۔ جس کے ساتھ دنیا میں قائم ہے۔ کیونکہ نا ممکن ہے۔ کہ دو چیزوں کا وجود ایک چیز کے وجود سے متعلق ہو۔ اور یہ کیسے کہا جاسکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے ساتھ بندہ موجود ہے۔ بلکہ اس معنی سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو انیت سے فنا کر دیا ہے۔ جو کہ اس کے خیال میں مرکوز تھی۔ کہ وہ اپنے اصل وجود سے موجود ہے۔ اور اس پر ظاہر کر دیا۔ کہ وجود الٰہی کے سورج کا سایہ ہے۔ اس کے وجود کو اس کے وجود سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ کیونکہ سائے کا وجود اصل کے وجود کے تابع ہے۔ اسی لئے آپ اس کو اپنے قول فان الجزم الی اخرہ سے مکمل کیا۔ اور اسی لئے کہا۔ کہ اس کے سوا سے اندھا اور بہرہ ہو جائے۔ اور یہ نہ کہا۔ کہ تو انکار کرے۔ و مثل ذالک پس وجود حقیقی وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اور بندے کا وجود اس کے سایہ میں پایا گیا ہے۔ جیسا کہ اصل کے وجود کے پاس سایہ کا وجود ہوتا ہے۔ اور یہ حقیقت ہم سے پہلے کتنی بار گزر چکی ہے۔ اس کو یاد کر۔ تو اس عبارت شریفہ کی توجیہہ فنا فی التوحید سے کرنا شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کے کلام کے مطابق نہیں ہے۔ شیخ دہلوی نے کہا:

اور یہ مقام فنا فی التوحید کا ہے۔ کہ بندہ کا وجود اور اس کا فعل و ذات و صفات فانی ہو چکے ہیں۔ اور اس کی شہود کی نظر میں سوائے خدا تعالیٰ اور اس کی ذات و صفات اور اس کے فعل کے اور کوئی چیز نہیں رہی۔ اور یہ مرتبہ اعلیٰ و اکمل اور مراتب قرب و توحید کی انتہا ہے۔ اور تمام مراتب و اقسام کو شامل ہے۔ اور بعض متاخرین صوفیا نے قرب کے مراتب کو چار قسم پر رکھا ہے۔ پہلا مرتبہ قرب نوافل کا ہے۔ اور کہتے ہیں۔ اس میں بندہ فاعل ہے۔ اور خداوند تعالیٰ اس کا آلہ یعنی بندہ کا شہود اس میں اس طرح بیٹھا ہے کہ گویا

Scanned by CamScanner

فنا اس میں اپنی ذات کا جوہر ہے۔ وہاں اس کی فاعلیت کا شہود اس کی نظروں سے ساقط ہو گیا ہے اور یہ مرتبہ فنائے صفات کا ہے۔ جو کہ نفلی خیرات اور مرضیات پر مداومت و مواظبت کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیثوں نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا منطوق ہے۔ کہ جب بندہ نوافل پر مواظبت اور ہمیشگی کرتا ہے۔ اور اس سے میرا قرب تلاش کرتا ہے۔ تو میں اس کو دوست رکھتا ہوں۔ پھر میں اس کے کان اور آنکھیں اور تمام اعضا بن جاتا ہوں پھر وہ میرے ساتھ سنتا ہے۔ اور میرے ساتھ دیکھتا ہے۔" آخر تک اور یہ لوگ "میرے ساتھ سنتا ہے اور میرے ساتھ دیکھتا ہے۔" کو اسی معنی پر محمول کرتے ہیں۔ اور ایک دوسرا مرتبہ ہے۔ کہ اس کو قرب فرائض کہتے ہیں۔ جو کہ فرائض پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ بھی حدیث مذکورہ کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ اس جگہ فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ اور بندہ آلہ ہے۔ اور یہ مقام ذات کی فنا کا ہے۔ اور "حق عمر کی زبان پر بولتا ہے۔" اسی مقام میں ہے۔ اور ایک اور مقام ہے۔ جو دونوں مراتب کا جامع ہے۔ "وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ" اور اس جگہ بندۂ مقرب کا شہود فاعلیت اور آلیت میں سے کسی کا پابند نہیں ہے۔ اور اس مقام کا کمال اور نہایت حضرت سید السادات خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے۔ اور یہ مقام خلافت اور اتحاد ہے۔ "جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔" اور "جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔" یہ اسی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ اس قوم کے متاخرین میں سے بعض کی نئی اصطلاح ہے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کا کلام بمقام و قرب کے محل میں مطلق اشارہ ہے اس میں اس قسم کا اعتبار ملاحظہ نہیں ہے۔ اور وہ ان میں سے کسی قسم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ کہ جس کا نام ان لوگوں نے قرب نوافل رکھا ہے۔ اور "بی یبصر و بی یسمع" کا مفہوم بھی اس قسم میں صریحاً منحصر نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مفہوم اور معنی حصول فنا و توحید ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ انہوں نے آپ کے اس قول کو اس پر مرتب کیا ہے۔ کہ "تو اس کے سوا کوئی وجود نہ دیکھے گا۔" اور اس سے بلند تر مرتبہ دور کیا ہوگا۔ اور حدیث کے لفظ بھی عمل نوافل کے ساتھ اس کے ساتھ مخصوص ہونے میں نص نہیں ہیں۔ بلکہ وہ دلالت جو اس مقام میں حاصل ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہ مقام فرائض سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس کی تتمیم و تکمیل نوافل سے ہے۔ جیسا کہ حدیث کے سیاق و سباق میں نظر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ پس وہم نہ کرنا چاہیئے۔ کہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے۔ مرتبۂ فنا کا بعض ہے نہ کہ کل

شیخ دہلوی کی عبارت ختم ہوئی ؛

فتوح الغیب کی شرح میں ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کسی پر مخفی نہ رہے۔ کہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ کا کلام کمال صعودی عقیقی تحقیقی سے صادر ہے۔ نہ کہ شہودی سُکری سے جو کہ تمیز سے خالی ہے۔ تو اس کو اس معنی پر محمول لازم ہے اور واجب ہے۔ جو آپ کا مرتبہ ہے۔ کیونکہ شیخ اجل رضی اللہ عنہ جیسا کہ شیخ دہلوی نے بہت سے مقامات میں افادہ کیا ہے۔ جہاں بھی کہتے ہیں۔ اپنے مرتبہ اور وصول کا ذکر کرتے ہیں۔ نہ کہ اولیاء پر ان کی استعداد سے حقائق وارد ہونے والے احوال سے حکایت کرتے ہیں۔ تو واجب و لازم ہے۔ اس کو ایسے معنی پر محمول کرنا۔ جو کہ

Scanned by CamScanner

آرزو کی غایت ہے۔ اور منتہیٰ کی نہایت ہے۔ اور اسی لئے آپ نے اس کو اپنے اس قول سے مکمل کیا ہے۔ مع حفظ الحدود ولزوم الاوامر والنواھی۔ اور اللہ ہی اپنے اولیاء کی مراد کو خوب جانتے۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں۔ یا غلطی کر جائیں۔ تو ہم پر گرفت نہ کر۔ بے شک تو بخشنے والا ہے۔ رحم کرنے والا۔ الغرض مختصر یہ کہ طالب جب وصال کے پیالوں سے گھونٹ پیتا ہے۔ اور سیر ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ محبت کی شراب اس کے مزاج کی قوت بن جاتی ہے۔ تو پھر نہ مستی رہتی ہے۔ نہ مست اور پیاسا اور عطشان وصول کی شراب سے سیر ہو جاتا ہے۔ اور ذبول اور فنا سے فارغ ہو جاتا ہے۔ بلکہ قبول کی بقاء کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے۔ تو اس میں قدرت کلیہ ظاہر ہوتی ہے۔ پھر وہ عبدالقادر متحقق ہو جاتا ہے۔ اجمالی حیثیت سے نہیں۔ بلکہ حقیقت تفصیلیہ سے پھر اس کا نام بڑا ہو جاتا ہے۔ اس کا نام نشان مکرم ہوتا ہے۔ اس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اور اس کی بیعت اللہ کی بیعت ہوتی ہے جیسا کہ شیخ اجل نے اپنے قصیدہ میں نقل فرمائی ہے" اور میرا گھر اللہ کا گھر ہے۔ جو آدمی زیارت کے لئے آئے" اور اس کا بیان پہلے کئی مرتبہ گزر چکا ہے۔ اس کو یاد کر۔ پھر تو ظاہر میں شریعت کی محافظت کے لئے اس کا نام عبدالقادر ہوتا ہے۔ اور حقیقت میں قادر کیونکہ فانی کا کوئی وجود نہیں ہے۔ پس موجود صرف قادر ہے۔ کیونکہ غلام اور جو اس کے پاس ہے۔ وہ اس کے مالک کی ملکیت ہے۔ اور اس معنی کا راز کلی انخلاع اور تفصیلی انکشاف پر موقوف ہے۔ یہ اللہ تعالےٰ کے اسرار میں سے ایک سر ہے۔ جس پر اس کے بعض خواص ہی مطلع ہو سکتے ہیں۔ اور آپ کے اس قول کا یہی معنی ہے۔ کہ اگر میں اپنی ربوبیت کے راز کو ظاہر کروں۔ تو حکمت باطل ہو جاتی ہے یہی دار الحکمت ہے۔ اور یہی دار الحقیقت ہے۔ اور علم آنے والا ہے۔ یقیناً قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے اور آپ کا قول میرا" مشہور نام" اسی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ یعنی وہ نام جس کے ساتھ میں ظاہر میں مشہور ہوں وہ عبدالقادر ہے۔ اور حقیقت میں عبد کا وجود نہیں ہے: بلکہ صرف قادر کا وجود ہے۔ پس اب صرف قادر موجود ہے۔ اور یہ فنا و بقاء کے بیان میں ایک عجیب قسم ہے۔ جو شریعت کے مطابق ہے۔ اور انا الحق اور سبحانی اور لیس فی دلقی کے مطابق شہود اور سکر سے نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اقوال شہود و سکری میں ہیں۔ کہ جس کے صاحب سے شہود کی نسبت کے غلبہ کی وجہ سے تمیز اٹھ گئی ہے۔ اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ تمیز و تخصیص و تحقیق کے جلیل القدر اصحاب سے ہیں۔ آپ نے توفیق کے پیالوں سے خالص شراب پی ہے۔ پس آپ نے یہ اسی طرح کا کلام کیا ہے۔ جیسے نبی امی حجازی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرتبے کے بیان میں کہا۔ کہ میں بغیر میم کے احمد ہوں۔ اور اس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔ اور اس قول میں اور منصور کے قول انا الحق میں فرق ہے۔ اور اس دیوان کا خلاصہ تمیز۔ اور علم تمیز پر ہے۔ اے اللہ ہمیں حقائق کی تمیز اور دقائق کا فہم عطا فرما یہاں تک کہ افکار کے ہمارے قدم تحقیق کی مشکلات کی گھاٹیوں میں لغزش نہ کھائیں۔ بے شک تو ہی توفیق کا وارث ہے۔ اور تجھ ہی سے ہر امر اور تنگی کی خلاصی میں مدد کی درخواست ہے۔ سب تیری ہی تعریف ہے۔ اور درود ہو تیرے رسول پر مع ان کی آل اور صحابہ اور ان کے سچے نائبوں کے ؂

پھر اس میں بہت سے رموز ہیں۔ بعض تو حروف کی حیثیت سے ہیں۔ اور بعض الفاظ کی حیثیت سے۔ اور ان بعض ترکیب کی حیثیت سے اور بعض ان کے علاوہ ہیں۔ تجھے حاضر ہونا چاہیئے۔ کہ میں تجھے ان میں سے ان رموز کا افادہ کروں۔ جو اس کے فضل و کرم سے مجھ پر کھولے گئے ہیں۔ پس میں کہتا ہوں۔ کہ پہلی رمز یہ ہے۔ کہ اس اسم شریف میں عین اس طرف اشارہ ہے۔ کہ تیری بصیرت کی آنکھ اپنے مولیٰ کے جلال پر کھلی ہوئی ہونی چاہیئے۔ تاکہ تو اس کے جمال کے انوار سے کامیاب ہو۔ اور یہ کہ ابتدائے امر میں بیداری لازمی ہے۔ تاکہ ہولناک منازل کا قطع کرنا جو ان خطرناک جنگلوں میں واقع ہیں۔ آسان ہو جائے۔ وہ کہ جن کو قطع کئے بغیر حقیقت کے شہر تک پہنچنا ناممکن ہے۔ اور اس طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ عبد " بندہ" کا اول عین مفتوح ہے۔ اور اس کا آخر خضوع اور جھکنا ہے۔ جیسا کہ یہ لفظ اس کے انتہا کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اور اس کا درمیان نفس اور خواہش اور مال اور اس کے علاوہ اپنی آرزوئیں" بذل " خرچ کرتا ہے۔ پس عین کی صورت اس طرح) ہے۔ اور یہ دائرہ جو بیچ سے قطع ہونے کے بعد نصف دائرہ ہے۔ پس پورے دائرہ کی صورت اس طرح ہے ○۔ اور اس کا نصف) کی عین کی صورت ہے۔ تو وہ یہ اشارہ کر رہا ہے۔ کہ یہ عین دائرہ کا نصف ہے۔ اور اگر یہ کل سے الگ ہو جائے۔ تو وہ اس حیثیت سے کہ وہ دائرہ سے ہے۔ ممکن ہوگا۔ اور اس کی طرف محتاج ہوگا۔ اور اس حیثیت سے واجب ہے۔ کہ وہ استکمال میں مظہر اتم ہے۔ اور اس کے موافق ہے۔ کہ اس نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اور اس بیان میں بہت سے دقائق ہیں۔ جن کے واضح کرنے سے کلام لمبا ہو جائے گا۔ اور اس وقت میں میں تخفیف کا قصد ہے۔ اور اگر اللہ تعالےٰ نے مجھے اپنے فضل سے توفیق بخشی تو ارادہ ہے۔ کہ میں اس وضاحت کو اس کتاب میں ذکر کروں گا۔ جس کا نام میں نے" شموس القادری فی شرح رموز اسم الاعظم" رکھا ہے۔

اے شیخ عبدالقادر اللہ کے لئے کچھ مدد کرو۔ اور اللہ اس پر قادر ہے۔

یہ نام دو لفظوں سے مرکب ہے۔ یعنی لفظ عبد اور لفظ قادر سے۔ پس پہلا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ہے۔ اشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے۔ جو تمام صفات کاملہ کی جامع ہے۔ پس پہلا ظہور امکانی ہے۔ اور دوسرا ظہور واجبی۔ پس یہ اسم مجمع البحرین ہے۔ پہلے دریا کا ظاہر کڑوا اور نمکین ہے۔ لیکن اس کا باطن میٹھا اور خوشگوار ہے۔ جو کہ دوسرے دریا سے مختص ہے۔ جیسا کہ مومن فانی باقی میں ہوتا ہے۔ اور وہ جو اپنے مولیٰ میں فانی نہیں ہے۔ اور اپنے ردّی اخلاق پر باقی ہے۔ اس کا باطن میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ وہ چھلکے والا ہے۔ جس نے چھلکوں (نمک) پر اکتفا کر لیا ہے۔ اور لب کو چھوڑ دیا ہے۔ جو کہ مغز ہے۔ اسی لئے شیخ ابن عطاء نے اپنی کتاب جلاء الخاطر میں فرمایا۔ میں تجھ کو غیرت کرتا ہوں۔ تو کہتا ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ ہرگز نہیں۔ تو درہم اور دینار اور گوشت اور روٹی کا بندہ ہے۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان افراد کو جو اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ اور اس کی نواہی سے پرہیز کرتے ہیں۔ اپنے نفس کی طرف منسوب کیا ہے۔ کہ فرمایا" مگر ہمارے مخلص بندے " پس بندہ تو وہی ہے۔ جو فانی اور

باقی ہے۔ اور وہ جو اس طرح نہیں ہے۔ وہ کڑوا دیا ہے۔ اور ترکیب میں بھی کچھ اور دقیقے ہیں۔ جن کا دفتر مخفی نہیں ہو سکتا۔ میں انشاء اللہ ان کو شموس القادری میں بیان کروں گا۔ نیسری لغزش ہے۔ کہ ضروری ہے۔ کہ جانے اس اسم کا تمام وصف ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مشرف فرمایا۔ اور وہ یہ ہے یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ ط اور یہ تین برزخوں پر مشتمل ہے۔ پہلا برزخ شیخو خنت کا ہے۔ اور شیخ کا معنیٰ پہلے گزر چکا ہے۔ پس ضروری ہے۔ کہ مرید شیخ کے اخلاق سے متخلق ہو۔ یہاں تک کہ ارادت کی لباس میں سیدنا شیخ والا ہو۔ اور دوسرا برزخ وسیلہ جمیلہ ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کے قول وابتغوا الیہ الوسیلۃ سے مراد ہے۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پس چاہیئے۔ کہ مرید پہلے تخلق کے بعد اخلاق محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی متخلق ہوا اور یہ عبد کے لفظ سے سمجھا جاتا ہے۔ جو کہ عبدیت پر دلالت کرنے والا ہے۔ اور جو کہ نبی امی حجازی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے۔ اور قول شیئاً فعل محذوف کا مفعول واقع ہوا ہے۔ یعنی مجھے کوئی چیز اللہ کے لئے دو۔ جیسا کہ آپ کی جلالت شان کے مناسب ہے۔ کیونکہ آپ غرباء کے ملجا و ماوی ہیں۔ جو کہ اوطان سے منقطع ہیں اور بیمان میں قہروں سے ہلاک ہونے والے ہیں۔ اور جن کے پاس زاد نہیں ہے۔ اور جائز ہے۔ کہ خُلِقۡتَ صیغہ مجہول مخاطب کا مقدار کیا جائے۔ یا اُمِرۡتَ بھی اسی طرح ہے۔ اور معنیٰ اس طرح ہوں گے۔ اے شیخ عبدالقادر آپ کسی بڑی شے کے لئے اللہ کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور آپ کو اللہ کے لئے بڑی عظیم چیز کا حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ اس کے مناسب ہے۔ جو کہ آپ سے گائے نے گفتگو کی تھی۔ جب کہ آپ اس کو چراگاہ کی طرف ہانک کر لے گئے۔ کہ اے عبدالقادر تو اس لئے نہیں پیدا کیا گیا ہے۔ اور اے عبدالقادر تو اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ بلکہ تو اللہ تعالیٰ کے لئے ایک چیز پیدا کیا گیا ہے۔ اور تو اللہ کے لئے حکم دیا گیا ہے۔ اور بہر صورت شئے کا لفظ آپ کی عدم سے عالم شہادت کی طرف موجودیت کی طرف اشارہ ہے۔ تو یہ اسم اس وقت اس عالم کے وجود پر مشتمل ہوگا۔ کہ اس میں آپ کا وجود ہے۔ اور اس کا اتمام اسم جلالت یعنی اللہ اشارہ ہے۔ اس طرف کہ آپ رضی اللہ عنہ کا مربی اسم ذات ہے۔ جو تمام صفات کا جامع ہے۔ پس وہ عبدالقادر ہے۔ جس کی تربیت اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام صفات سے فرمائی ہے۔ پس آپ نبی حجازی صلے اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ مظہر اتم ہیں۔ جیسا کہ اس طرف آپ نے اپنے پہلے قول میں اشارہ کیا ہے۔ اے میرے مرید تو خوف نہ کر۔ اللہ میرا رب ہے اور اس قول میں ہے وجدی صاحب لعین الکمال یعنی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ میں ہوں۔ تو اس صورت میں آپ کا قول وجدی صاحب العین الکمال اشارہ ہے۔ آپ کی تخصیص کی بلندی کی طرف کہ آپ کی تربیت صرف قدرت سے نہیں ہوئی بلکہ اس قدرت سے ہوئی ہے جس نے شیخ اجل کی تربیت فرمائی۔ کہ آپ کی تربیت تمام صفات کمال کی جامع ذات کی طرف ہوئی۔ یا اس طرف اشارہ ہے۔ کہ قدرت تمام صفات کی متضمن ہے۔ پس آپ کا عبدالقادر ہونا آپ کا عین عبداللہ ہونا ہے۔ اس اعتبار سے کہ قدرت اللہ تعالیٰ کی تمام صفات میں سے ہر صفت کو متضمن ہے پس جیسا کہ ہم اس کی طرف پہلے اشارہ کیا ہے۔ پس کوئی آدمی یہ وہم نہ کرے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ قدرت سے وصول

صادق ہیں۔ پس آپ واصل باللہ ہیں اس معنی سے کہ آپ کے لئے ہر حال و مقام اور وصول اور قبول پورا ہو چکا ہے۔ پس آپ اللہ کے بندے ہیں۔ صادق اور حق ہیں۔ جیسا کہ آپ نے بعض قصائد میں کہا ہے سہ

وانی عبد اللہ حق و صادق ۔۔ یصدقنی فی ملکہ صدق نیتی

اور یہ وہ معنی ہیں۔ جو میں نے تجھ پر مجمل ذکر کئے ہیں۔ اور وہ تفصیل جو میرے دل کے آئینہ میں روشن ہو رہی ہے۔ میں ان شاء اللہ اس کو اس کتاب میں ذکر کروں گا۔ جس کی تصنیف کا ارادہ کر رکھا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ "شموس القادری" اے ہمارے رفیق اعلیٰ ہے مجھے اس کی توفیق رفیق کی توفیق عطا کر۔ اے اللہ محمد مصطفیٰ اور نبیوں میں سے ہر نبی پر مع ان کی آل و اصحاب اور ہر ایک دوست و رفیق کے اپنی رحمتیں نازل فرما۔

اور چوتھی رمز۔ ضروری ہے کہ تو پوری طرح سے حاضر ہو۔ تاکہ میں تجھے ایک بلند نور اور سر خفی کا فائدہ دوں۔ جو عبد القادری کے نام میں مندرج ہے۔ اور وہ معتبر کتابوں سے حاصل کیا گیا ہے۔ جن میں وہ آثار نقل کئے گئے ہیں۔ جو کہ نور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے بیان میں وارد ہیں۔ جیسا کہ بڑے بڑے معتبر راویوں سے بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو علم تحقیق باطنی سے علم تحقیق اور وجود خارجی کی طرف موتی کی شکل پر ظاہر کیا۔ جو کہ ایک سفید موتی کے حجاب میں رکھا گیا تھا۔ اور وہ قندیل کی مثل تھا۔ اس کی صفائی بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ شفاف اور صاف تھا۔ وہ اس طرح چمکتا تھا۔ جیسے نور میں نور اور نور کے لئے نور اور اس کا نام حجاب محبت اور حجاب عشق اور مودت رکھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اسی طرف اشارہ ہے۔ کہ "میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ تو میں نے خلقت کو پیدا کیا۔" یعنی نور محمدی کو۔ پس آپ برزخ کلی اور مظہر جلی ہیں۔ پھر آپ کو محبت کا حجاب پہنایا۔ اور محبوبیت کا تاج دیا۔ اور محبت کی علامت میں سے ہے۔ کہ اپنے محبوب پر اپنی محبوب چیزوں کو نثار کر دیا جائے۔ یعنی محب کے پاس جو بھی محبوب چیز ہو گی۔ وہ اس کو محبوب پر نثار کرتا ہے۔ خواہ وہ کمالات و اسرار ہوں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام کمالات جمالیہ و جلالیہ اپنے حبیب کو دیئے۔ اور کہا " اے میرے نور کے نور اور اے میرے سر کے سر اے میری معرفت کے خزانے تمام مخلوق میری رضا طلب کرتی ہے اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تیری رضا طلب کرتا ہوں۔ میں نے اپنا تمام ملک تجھ پر قربان کیا۔" اور فرمایا " اگر تو نہ ہوتا۔ تو میں ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔" اور اس کے علاوہ بھی ایسی چیزیں ہیں۔ جو اس کلیہ کا مفہوم ادا کرتی ہیں۔ پس وہ چیز جو اس کے ملک کے عجائب اور اس کے ملکوت کے غرائب میں تھی۔ وہ آپ کو دی۔ اور ان کو نور و جلال کا مجمع اور عزت و کمال کا مخزن بنایا۔ پھر جب اس کی میعاد پوری ہو گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو محبت کے حجاب کے پیچھے سے نوری شعلہ میں ایک درخت کی شکل پر ظاہر کیا۔ اور اس کے وسط میں ایک روشن نور جلایا۔ جو ایک طاقچہ میں تھا۔ اس میں چراغ تھا۔ اور چراغ گویا کہ ایک چمکتا ہوا ستارہ تھا۔ اور اس کا نام "شجرہ مبارکہ" رکھا۔ اور اس درخت نے بہت سے پھول دیئے۔ جن میں سے اعلیٰ اور میٹھا یقین اور دین کا پھل تھا۔ اور اس درخت کو نور قدسی پر قائم کیا۔ وہ درخت مقتدی کے پاس اسم قادری سے روشنی حاصل کرتا تھا۔ جو نہ شرقی تھا نہ غربی اور یہ قندیل اس طاقچہ میں رکھی ہوئی تھی۔ روشن تھی۔ یہاں تک کہ اس درخت سے رس پھوٹا۔ جو مشک سے بھی زیادہ خوشبودار

تھا۔ اس کی خوشبو پھیل گئی۔ یہاں تک کہ وہ آئینوں اور اس درخت کے اردگرد میں ظاہر ہو گئی۔ اور وہ نور تک پہنچی۔ اور وہ نور ستر ہزار سال تک بغیر کسی نقود اور فترت کے تسبیح کہتا رہا تھا۔ تو نور کا نور کے سبب نور میں کمال پیدا ہو گیا۔ پس وہ نور پر نور تھا۔ جیسا کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قول کتاب مسطور میں بول رہا ہے۔ اس کے نور کی مثال ایک طاقچہ کی سی ہے۔ کہ اس میں چراغ ہو۔ اور چراغ شیشے میں ہو۔ گویا کہ وہ ایک روشن ستارہ ہے۔ جو کہ شجرہ مبارکہ زیتون سے جلایا جاتا ہے۔ جو نہ شرقی ہو اور نہ غربی ہو۔ اس کا تیل قریب ہے کہ روشن ہو جائے۔ اگرچہ اس کو آگ نہ پہنچے۔ یہ نور پر نور ہے۔ اسی کا نام احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوا۔ پھر یہ نور آئینوں میں تقسیم ہوا۔ کہ جو اس نور کے مقابل آیا۔ ہر ایک نے ایک مقدار انداز سے اس نور سے نور کا اقتباس کیا۔ اور ظہور میں اسی وجود پر پایا گیا۔ اور اس کی تفصیل کتب معتبرہ میں لکھی ہوئی ہے۔ میں نے اس کو مختصر کر دیا ہے۔ اگرچہ حقیقت اس مذکور کی کلی تفصیل کا مطالبہ کرتی تھی۔ یہ وہ ہے۔ جو میں نے معتبر کتابوں سے نقل کیا ہے۔ پس تیرے لئے ضروری ہے۔ کہ تو حاضر ہو۔ یہاں تک کہ تجھے عبد القادر کے معنی میں لذات حاصل ہوتی ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ اسم قادر پہلا وہ نام ہے جس کے ساتھ نور قائم ہوا۔ اور اسی کے ساتھ یہ ظہور مستحکم ہوا۔ پس یہ اسم وہی ہے جو تمام کمالات الاہیہ جمالیہ وجلالیہ کا جامع ہے۔ جس کے ساتھ نور احمدی قائم ہے۔ اور ظہور محمدی صلے اللہ علیہ وسلم مستحکم ہے۔ پس تمام کمالات وحقائق اس اسم میں مندرج ہیں۔ پھر جس آدمی کی نسبت نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پوری ہو جاتی ہے۔ تو وہ اس اسم سے اسرار وانوار کا اقتباس کرتا ہے۔ پس وہ عبد القادر ہے۔ پس یہ اسم اصل میں تو وجود احمدی کے مقومات میں سے ہے۔ اور پھر آپ کی تبعیت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے اور پھر شیخ اجل کے کیونکہ آپ ہی وہ ہیں۔ جن کا صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد کوئی ثانی نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کمالات احمدیہ اور فضائل محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام مع الآل والاصحاب الکرام کے نائب حقیقی اور وارث تحقیقی ہیں۔ جیسا کہ آپ نے قصائد حمیدہ میں فرمایا ہے۔ تو مقام نیابت میں میرا دل ہے۔ اور اس میں پہلے بیان شافی اور تبیان کافی گزر چکا ہے۔ اس کو یاد کر:

مختصر یہ کہ تجھ پر روایات صحیحہ سے اسم عبد القادر کا اسم عظیم ہونا۔ تو ظاہر ہو گیا تھا۔ اور آپ کے قول ۱۔ و عبد القادر المشہور اسمی کا بھی سر ہے۔ یعنی یہ اسم وہ ہے۔ جس کو موجودات کا ہر ایک فرد جانتا ہے۔ کیونکہ وہ میرے نانا کے نور کا مقوم ہے۔ اور میرے نانا عین کمال کے مالک ہیں۔ انہوں نے میرے سینہ کو روشن کیا۔ اور مجھ کو وجود حقیقی میں چاند کی طرح بنایا۔ اور میں آپ کے سایہ میں کیونکہ وہ میرے نانا ہیں۔ عبد القادر کے نام سے موسوم ہیں۔ مجھ پر اللہ اور اس کے رسول کے سوا اور کسی کو احسان نہیں ہے۔ پس میرے نانا کے میری تربیت فرمائی۔ اور مجھے اللہ تعالیٰ تک پہنچایا۔ اور آپ کا قول وجدی صاحب العین الکمال گویا کہ وہ آپ کے قول و عبد القادر المشہور اسمی کی علت ہے۔ پس وہ میرے روح اور راحت ہیں۔ جیسا کہ آپ نے ایک اور قصیدہ میں اشارہ کیا ہے ؎

میرا نام عبد القادر ہے۔ میں منزلت پر پہنچا ہوں۔ اور میرے نانا مصطفیٰ میری روح و محبوب ہیں + وہ محبت اللہ عشقیہ خواہش کے بادشاہ ہیں۔ میرے نانا رسول اللہ ہیں۔ میری یہ نسبت ہے + یعنی میں اپنے نانا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے ظہور کے وقت اسم قادر کی طرف منسوب ہوں۔ اور نور منور ہوں۔ پس میں اس مقام پر پہنچا ہوں۔ جہاں وہ

صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے ہیں۔ پس وہ اصل ہیں۔ اور میں ان کا سایہ ہوں۔ اور وہ منیب ہیں۔ اور میں ان کا نائب ہوں۔ اور ایک اور قصیدہ میں ہے سے کہ میں ایک ایسے مقام کی طرف پہنچا ہوں۔ کہ میرے نانا اس سے قریب تھے۔ پس آپ کے درجہ کو کوئی نہ پہنچے گا۔ آپ کے قدم سوائے صحابہ رضی اللہ عنہم اور امام مہدی رضی اللہ عنہ کے تمام پہلے اور پچھلے اولیاء کی گردن پر ہیں۔ اور اس میں تفصیل گزر چکی ہے۔ اور شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اس قدم کو ایک اور قصیدہ میں مجمل بیان کیا ہے سے

پس اللہ کے مردوں سے کون ہے جو میرے مرتبہ پر پہنچا۔ اور میرے نانا رسول اللہ نے اصل میں میری تربیت فرمائی ہے اور اس سے ظاہر ہوا۔ کہ آپ کے قول وجلای صاحب العین الکمال میں واو جائز ہے۔ کہ عاطفہ ہو۔ اور بہتر یہ ہے۔ کہ علت ماسبق کے لئے آپ کے قول وعبد القادر المشہور اسمی میں استیناف کے لئے ہو۔ اور اس میں تفصیل ہے۔ کہ جس کے ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائیں۔ تو ہم نے اس کو قلوب صافیہ اور پاکیزہ سینوں کے سپرد کر دیا ہے۔ اے اللہ مجھے اس اسم شریف کی شرح میں جیسا کہ میں چاہتا ہوں۔ علم زیادہ عطا کر۔ اور مجھے آپ کے انوار سے مشرف فرما۔ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل و صحابہ اور حقیقی نائب اور تحقیقی وارث اور تمام نیک لوگوں کی برکت سے آپ کے اسرار سے حقیقت تک پہنچا۔ آمین ؛

اور پانچویں رمز مرید کی طرف عقیدۂ کلیہ کے اثبات کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اے مرید ضروری ہے۔ کہ تو پکا یقین رکھے۔ کیونکہ میرا نام اور میرے کمالات کی شہرت بستاروں کی طرح ہو چکی ہے۔ اس طرح کہ اس میں کسی طرح کا کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا۔ پھر جو اپنے شیخ سے ہدایت پر ہوگا۔ وہ اللہ کی طرف سے ہدایت اور نور پر ہوگا۔ اور اس طرف اشارہ ہے۔ کہ مرید کے لئے ضروری ہے۔ کہ میرے نام پر انحصار نہ کرے۔ کیونکہ وہ مشہور ہے۔ اس کے دامن کو قریب و بعید تھامنے میں بلکہ ضروری ہے۔ کہ نام زدہ حقائق اور ان کی حقیقت کی طرف ترقی کرے۔ پس اس کی حقیقت وہی قرب حقیقی کی طرف تربیت کرنے والی ہے اور ایسی نعمت پر تقویت دینے والی ہے۔ کہ اشیاء میں سے کوئی چیز بھی جلی یا خفی اس کے مشابہ نہیں ہے پس پوری بھلائی شیخ اجل کے اخلاق سے متخلق ہونے میں ہے۔ جیسے کہ وہ اپنے نانا اللہ ان پر اپنے کمالات قدسیہ کی تعداد کے برابر درود اور سلام بھیجے کے اخلاق سے متخلق ہوتے ہیں۔ اے اللہ میرے دل کو روشن کر دے۔ یہاں تک کہ میں انوار و اسرار پر کامیاب ہونے پر قادر ہو جاؤں۔ اے اللہ۔ اے رحمٰن۔ اے غفار ؛

اور چھٹی رمز یہ ہے۔ کہ یہ معلوم ہو جانا ضروری ہے۔ کہ آپ کے نام کی شہرت یا تو شیخ اجل کے ہر اس آدمی کی مدد کرنے کی وجہ سے ہے۔ جو مہالک میں آپ کا دامن تھام لے۔ کیونکہ آپ کے پاس ہر طرح کے دامن تھامنے والے آتے ہیں پس ضروری ہے۔ کہ ان کو تھاما جائے۔ خصوصاً نفس اور خواہش اور شیطان کی ہلاکت خیزیوں میں کہ آپ ان عاجزوں کے مددگار بن کر مدد کرتے ہیں۔ جو ان امور شدیدہ کے مقابلے کی راہ سے منقطع ہو چکے ہیں۔ کہ جن کے صحراؤں میں بہادر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ پھر ان شکست لوگوں کا کیا حال ہے۔ جو منقطع ہیں۔ پس پوری بھلائی شیخ اجل رضی اللہ عنہ کی قوم متعلق کو تھام لینے میں ہے۔ اسی لئے آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے کلام کے نص میں فرمایا۔ اگر میرا مرید اچھا نہیں ہے۔ تو میں اچھا ہوں۔ یعنی جب اس نے میری ارادت کا دامن تھام لیا ہے۔ اور وہ خود کمزور ہے۔ تو میں اچھا ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں اچھا ہوں۔

Scanned by CamScanner

سے تعلق رکھنے والا اچھا ہو جاتا ہے۔ اور طاقت والے سے ربط رکھنے والا طاقت ور ہو جاتا ہے۔ اور اس کی طرف آپ نے اپنے ایک قول میں اشارہ کیا ہے۔ کہ میرا اسم اسم اعظم کی طرح ہے۔ جس نے میرے اسم کو تھام لیا۔ اس کی تمام حاجتیں پوری ہو گئیں۔ تو اس صورت میں اس میں اشارہ ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ کے لئے ہر حادثہ میں خواہ وہ معاشی ہو یا معادی ہو صفت قادریت اور تکوین ثابت ہے۔ پس ضروری ہے۔ کہ ہر پریشان آپ کی طرف رجوع کرے۔ اور ہر کھڑا ہونے والا آپ سے استعانت حاصل کرے۔ یہاں پر کہ اس پر اس اسم کا ستر ظاہر ہو جائے۔ جو اس تکوین کو متضمن ہے۔ اور اگرچہ پہلے آپ نے اس کی تصریح اپنے اس قول میں کردی ہے۔ اگر میں اپنا راز ڈالوں۔ اور ان کے علاوہ اور بھی ابیات ہیں۔ مگر یہاں بھی آپ نے اس کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ تاکہ ظاہر ہو جائے۔ کہ مرتبہ تکوینیہ جس پر خوارق و کرامات کے ظہور کی بنیاد ہے۔ وہ ایسا مرتبہ نہیں ہے۔ جو قرب اور کمال سے مانع ہو۔ جیسا کہ بعض ناقص لوگوں نے وہم کیا ہے۔ کہ انہوں نے ان کرامات میں جو سالک کے مرتبۂ جبروت میں ہونے کے وقت ظاہر ہوتی ہیں۔ اور ان کرامات میں جو سالک کی سیر الی اللہ کے پورا ہونے اور خلقت کی تربیت کی طرف رجوع کرنے کے وقت میں جس کو سیر من اللہ فی ظل مرتبۃ النبوۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ صادر ہوتی ہیں۔ فرق نہیں کیا ہے۔ پس قرب کے لئے مضر اور خلل انداز پہلے مرتبہ کی کرامات ہیں۔ کیونکہ وہ اکثر عروج کی حیثیت سے سالک کے لئے حجاب بن جاتی ہیں۔ سوائے ان کرامات کے جو دوسرے مرتبہ میں ہیں۔ کیونکہ اس میں خلل ہے اور نہ اس کے پورے قرب میں جو کہ خاص و عام کی تربیت کرتا ہے۔ وہ حجاب بن سکتی ہیں۔ اور یہی وہ آدمی ہے۔ جسے عظیم بادشاہ اور بڑا سردار اور غوث اعظم کہا جاتا ہے رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا۔

باقی رہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی توجیہہ "کہ میرے دل پر ستر مرتبہ غبار سا آ جاتا ہے۔ پھر میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں۔" تو وہ آپ کے رجوع الی الخلق کی وجہ سے ہے۔ یعنی قرب الٰہی کی جہت سے تعلیم تبلیغی کی سمت کی طرف رجوع کرنا۔ تو وہ کلام ظاہر ہے۔ اہل قرب کی نگاہوں میں اس کا کوئی محل نہیں ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بصیرت کی تیزی اور خصلت کی صفائی کے باعث یہ موجودات ظلیہ حجاب نہیں تھی۔ بلکہ تبلیغ بھی آپ کا کمال حضور تھا۔ جیسا کہ اس آدمی پر مخفی نہیں ہے۔ جس کو نور ملا ہے۔ تو اس کی توجیہہ کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرف فرمایا ہے کہ یہ ہے کہ غین (غبار) اور حجاب سے مراد باعتبار نزول نہیں ہے بلکہ سیر فی اللہ میں ترقی کے اعتبار سے ہے۔ اور اس کی تحقیق یہ ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کل یوم ھو فی شان کے مطابق روز بروز ترقی فرماتے تھے۔ پھر جب وہ اس مرتبہ سے کہ جس میں تھے۔ اعلیٰ مرتبہ کی طرف ترقی کرتے۔ تو ان کو معلوم ہوتا۔ کہ پہلا مرتبہ حجاب تھا۔ پس آپ ہر روز ستر مرتبہ ترقی فرماتے۔ اور ستر کے عدد سے مراد کثرت ہے۔ جیسا کہ اکثر احادیث میں اس سے مراد کثرت لی گئی ہے۔ پس غبار پہلے مرتبہ کے نقص اور دوسرے مرتبہ کی بلندی کے اعتبار سے ہے۔ اور اسی طرح جہاں تک اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں چاہا۔ اور یہ سیر فی اللہ کا بیان ہے۔ قلب کے مراتب اور مقامات بھی لامتناہی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول اس پر شاہد ہے۔ "کہ میں ان لوگوں کے پاس ہوں۔ جن کے دل میری وجہ سے ٹوٹ گئے ہیں۔" پس اس کو یاد رکھ۔ اور قرب اور کمال کے لحاظ سے جیسا کہ اس پر آپ کا قول دحیدی صاحب العین

اللہ تعالیٰ کی امانت کی حامل ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے نور کا گھر ہے۔ اور اس سے آپ علیہ السلام کے قول کا معنی ظاہر ہو گیا۔ کہ "مٹی پاک ہے اگرچہ دس سال تک ہو۔" اور اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا اس جوہر میں جلوہ بھی ظاہر ہو گیا۔ اور کیا ہی اچھا کہا گیا ہے۔ ؎

بہار کے موسم میں پتھر کب سرسبز ہوتے ہیں۔ مٹی بن تا کہ رنگ برنگ پھول پیدا ہوں۔ اور اس سے آپ رضی اللہ عنہ کے قول وجدی صاحب العین الکمال کے معنی بھی ظاہر ہو گئے۔ یعنی میرے نانا ہر کمال کا سرچشمہ ہیں۔ اور بہت بڑے کمال کے ظہور کا سوتہ ہیں۔ پھر جب آدمی کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ثابت ہو گئی۔ وہ نور حقیقی کے جلوہ میں ہے۔ اور وہی نور تحقیقی ہے۔ اور نائب حق ہے۔ اور بلاء اور دق سے فارغ ہے اے اللہ نبی امی اور ان کی آل اور اصحاب پر رحمت نازل فرما۔ اور ہمیں آپ کی اُمت اور آپ سے منسوب ہونے والوں سے بنا۔ یہ تحریر تو حقیقت کے لحاظ سے تھی۔ اور باقی رہی کمالات کی حیثیت سے اگرچہ وہ بھی پہلے بیان سے سمجھی جا سکتی ہے۔ لیکن میں اس کو ان شاء اللہ تعالیٰ تحریر کروں گا۔ اے اللہ مجھے اس میں علم زیادہ عطا فرما۔ اور مجھے میری مراد تک پہنچا۔ میں تیرے ہی نام سے مدد چاہتا ہوں ؛

موج تحقیق من بحر توفیق ،۔ جاننا چاہیئے۔ کہ عین دو قسموں کی طرف منقسم ہے۔ پہلے کا نام عین مطلق ہے۔ اور دوسرے کو عین کمال کہا جاتا ہے۔ اور کبھی عین مطلق کا نام "احدیت مطلقہ" اور عین الکمال بھی کہا جاتا ہے۔ اور ان دونوں عینوں میں سے ہر ایک میں تفصیل ہے۔ جو کلام میں طول اور مقصد میں توضیح کا تقاضا کرتی ہے۔ اور چونکہ اس قصیدہ کے بیت کی شرح میں پورا اختصار ملحوظ تھا۔ تو ہم نے ضروری پر ہی اکتفا کیا ہے۔ جو ارشاد کے طالبوں کے لئے صحیح راہ میں ضروری ہو۔ پس میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ کہ ذات بحت (خالص) اپنے نفس اور ذات کے مرتبہ میں تمام نسبتوں اور اضافتوں سے بے نیاز ہے۔ اس میں صرف اس کی ذات "من حیث الذات" ملاحظہ ہو گی۔ اور اس لئے اس کو وجود، اور وجود صرف اور غیب الغیوب اور مجہول النعت، اور ذات ساذج اور منقطع الوجدان، اور غیب ھویت اور عین مطلق کہا جاتا ہے۔ اور عین مطلق اس کا نام اس لئے رکھا جاتا ہے۔ کہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہر وجوہ سے خالی ہے۔ یہاں تک کہ اس اطلاق کے ملاحظہ سے بھی "اللہ تعالیٰ تھا۔ اللہ اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی" کا یہی معنی ہے۔ اور ہر نام کے ساتھ نام رکھنے کے وجوہات اس آدمی پر مخفی نہیں ہیں جس کو فیض اقدس کی تجلی سے نور رحمانی عطا ہوا ہے۔ اور مختصر یہ کہ اس ذات اور اس حالت میں احدیت ہے۔ جو اسماء و صفات کے ملاحظہ سے بھی فارغ ہے۔ اور اسے خالص لاتعینی کہا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ لاتعینی کے ملاحظہ سے بھی۔ اور اسی لئے اس کو احدیت مطلقہ، کہا جاتا ہے۔ اس مرتبہ میں ایسی چیزوں کی حیثیت سے جن سے وجدان کا تعلق رکھتا ہے۔ ملاحظہ میں عدم تحقق کے باعث وجدان نہیں ہے۔ قل ھو اللہ احد اس صورت میں عرفی کا بیان ہے۔ اس وحدت سے جو کہ اللہ تعالے کے قول "اللہ" کے ساتھ مدلول ہے۔ جو

جو کہ آپ کی سیر فی اللہ کی عدم انتہا کے باعث پیدا ہوئے کے کمالات کی انتہا نہ ہونے کے باعث کوئی انتہا نہیں ہے۔ اور اس سے پہلے کئی دفعہ معلوم کر چکا ہے۔ جیسا کہ تو اس کی تحقیق کو غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضل سے کئی دفعہ معلوم کر چکا ہے۔ باطنی، بدنی اور کمالی حیثیت سے ہر فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ کہ اللہ والوں اور اس کے دوستوں کے ظاہری، باطنی، بدنی اور کمالی حیثیت سے ہر فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ پھر جب وہ اور خطاب ہوتے ہیں۔ تو طالب کے لئے ضروری ہے۔ کہ پہلے ظاہر سے اقتباس کرنے میں کوشش کرے۔ پھر اس سے باطن سے جہاں تک اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے چاہے۔ تو پھر باطن سے اکتساب میں کوشش کرے۔ پوری ہو جائے۔ اور پھر حقائق کی حقیقت کا۔ اے اللہ، اے کریم۔ اے ہمیں حقائق کا رزق عطا فرما۔ جیسے کہ وہ اصل میں ہیں۔ اور اپنے حبیب مصطفیٰ اور ان کے صحابہ اور آل اور نائبوں اور تمام نیک لوگوں پر اپنی رحمت اے حلیم۔ نازل فرما۔

تحقیق دقیق :- ضروری ہے۔ کہ تجھے معلوم ہو۔ کہ عین کا معنی اختلاف معنی پر پہلے کئی دفعہ گزر چکا ہے اور اس کا اور بھی معنی ہے۔ جس کو بیان کرنا ضروری ہے۔ لیکن یہ بیان چونکہ ان کے نزدیک کسی قاعدہ مقررہ پر موقوف نہیں تھا۔ تو ضروری ہوا۔ کہ پہلے اس قاعدہ کو ذکر کیا جائے۔ تاکہ طالب اس میں بصیرت پر ہو۔ اور طالبوں میں سے ہر ایک پر معاملہ زیادہ آسان ہو جائے۔ اے اللہ مجھے اس سے زیادہ کر تو رب الارباب ہے۔ پس میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ کا قول "کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ میں نے چاہا۔ کہ پہچانا جاؤں" یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلقت کے ظہور کا بیان ہے۔ اور اس کی وضاحت یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے ازلی ارادہ سے محض اپنی سخاوت کے تقاضا کے مطابق اپنے کمالات کو ظاہر کرنے کا ارادہ فرما لیا۔ تو آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ اور اسے اپنے اسرار کا مخزن بنایا۔ اور یہ سب کچھ اس نور کے طفیل تھا۔ جو کہ نور الانوار ہے۔ اور وہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا نور ہے۔ جیسا کہ آں حضرت کا قول اس پر ناطق ہے۔ "سب سے پہلے جو اللہ نے پیدا کیا۔ وہ میرا نور تھا۔" صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نور نے اپنے رب کو جھک کر سجدہ کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی فرمائی۔ اے میرے نور کے نور اپنا سر اٹھا۔ میں نے تیرے لئے نور کے دس دریا پیدا کئے ہیں۔ پہلا علم کا دریا ہے۔ اور دوسرا حلم کا، اور تیسرا دریا صبر کا، اور چوتھا دریا قناعت کا، اور پانچواں دریا شکر کا، اور چھٹا دریا عقل کا، اور ساتواں دریا فقر کا، اور آٹھواں دریا عزت کا، اور نواں دریا نعمت کا، اور دسواں دریا توکل کا، اور اے خبر دار تو علم اور حلم اور صبر اور قناعت اور شکر اور عقل اور فقر اور عزت اور نعمت کے معنی پر پہلے صریحاً و اشارۃً مطلع ہو چکا ہے۔ تو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کہ میں ہر ایک کے معنی کو اس مقام میں بیان کروں۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو ہر دریا میں سات ہزار سال تک رکھا۔ پھر ستر ہزار سال کے بعد آپ کو حکم دیا۔ اور مخاطب کیا اور کہا اے میرے نور کے نور حرکت کر۔ تو آپ کے جسم نے حرکت کی۔ تو اس سے چار ہزار ایک سو بیس ۴۱۲۰ قطرے گرے۔ پس ہر قطرے سے ایک نبی پیدا کیا گیا۔ پہلے ان کے آدم علیہ السلام ہیں۔ پھر آپ کو حرکت کرنے کا حکم دیا۔ تو آپ نے حرکت کی۔ تو

اُن قطرات سے ملائکہ اور مومنوں کے ارواح پیدا ہوئے۔ پھر حرکت کرنے کا حکم دیا۔ پس آپ نے حرکت کی۔ تو ان
سے کفار کی روحیں پیدا ہوئیں۔ پھر اس طرح پھر اس سے جنوں کی ہر قسم کی روحیں پیدا ہوئیں۔ پھر آپ کی دائیں آنکھ
سے ایک قطرہ گرا۔ اس سے جبرائیل پیدا ہوئے۔ پھر ایک اور قطرہ گرا۔ اور اس سے میکائیل پیدا ہوئے۔ اور اسی طرح
آپ کی بائیں آنکھ سے دو قطرے گرے۔ پہلے سے اسرافیل پیدا ہوئے۔ اور دوسرے سے عزرائیل۔ اور اسی طرح آپ
کے دائیں کان سے دو قطرے گرے۔ پہلے سے لوح پیدا ہوئی، اور دوسرے سے قلم۔ اور آپ کے بائیں کان سے
دو قطرے گرے۔ پہلے سے عرش پیدا ہوا، اور دوسرے سے کرسی، پھر آپ کے سینے سے دو قطرے گرے۔
پہلے سے ساتوں آسمان بنے اور دوسرے سے ساتوں زمینیں، پھر آپ کے دائیں ہاتھ سے پانچ قطرے گرے۔
پہلے سے ہوائے تیز پیدا ہوئی اور دوسرے بادلوں کو منتشر کرنے والی ہوا۔ اور تیسرے سے بجلی اور کڑک
اور چوتھے سے سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی اور پانچویں سے صور اسرافیل، اور اسی طرح بائیں ہاتھ سے
پہلے سے سدرۃ المنتہیٰ پیدا ہوئی۔ اور دوسرے سے شجر طوبیٰ، اور تیسرے سے حوض کوثر،
اور چوتھے سے نبیوں کے ارواح، اور پانچویں سے آدم صفی اللہ کی روح۔ اور اس طرح آپ کی پسلی سے
دو قطرے گرے۔ پہلے سے سورج اور دوسرے سے چاند اور اسی طرح بائیں پسلی سے، پہلی سے جنات، اور
دوسرے سے جہنم کے طبقے۔ پھر نور نے تجلی فرمائی۔ تو اس سے چار چیزیں پیدا ہوئیں، ہوا، مٹی، آگ،
اور پانی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی گئی۔ اے میرے نور کے نور ان چار چیزوں میں سے
ایک پسند کرلے۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے ہوا تجھ پر سلام ہو۔ تو اس نے کہا۔ آپ پر بھی سلام ہو۔ آپ نے
پوچھا۔ تو دنیا میں کیا کرے گی۔ تو اس نے کہا۔ کہ جو کچھ میری مرضی ہو گی۔ تو آپ نے فرمایا۔ تجھ میں عیب ہے
کیونکہ تو ایک میں ٹھہر نہ سکے گی۔ تو ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف بھاگتی پھرے گی۔ تو ہوا نے کہا۔ اے
اللہ کے نور تجھ میں عیب نہیں ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ میں اپنے آپ کو پاک نہیں
کہتا۔ میرا معاملہ اللہ عز وجل کی طرف ہے۔ تو ہوا نے کہا۔ میں آپ پر ایمان لائی :- اشھد ان لا الٰہ
الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشھد ان محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ۔ تو ہوا
مسلمان ہو گئی۔ اور اسی طرح پانی نے کیا۔ تو آپ متنبہ کیا۔ کہ تجھ میں عیب ہے۔ تو وہ بھی مسلمان ہو گیا۔
اور اسی طرح آگ کے ساتھ کیا۔ پھر مٹی آئی۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے مٹی تجھ پر سلام ہو۔ تو کیا کرے گی۔ تو اس
نے کہا۔ کہ میں تو نچلے طبقہ والوں سے ہوں۔ اس لئے میرے لئے یہی لائق ہے۔ کہ میں اپنے رب کی عبادت کروں
تو نور نے اس کو پسند کر لیا۔ اور اس میں ٹھہر گیا۔ تو اللہ عز وجل نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا۔
اور اسے اپنے ہاتھ سے چالیس صبح تک گوندھا۔ اور اسے اپنے اسرار کا مخزن اور انوار کا مسکن بنایا۔ جیسا
کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام قدیم میں فرمایا: "ہم نے اس سے تم کو پیدا کیا۔ اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے۔ اور اسی
سے تم کو دوسری مرتبہ نکالیں گے۔" تو بزرگی اور پوری بزرگی جواہر اربعہ میں سے صرف مٹی کے لئے ہے اور وہ

Scanned by CamScanner

اللہ تعالیٰ کی امانت کی حامل ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے نور کا گھر ہے۔ اور اس سے آپ علیہ السلام کے قول کا معنیٰ ظاہر ہو گیا۔ کہ "مٹی پاک ہے اگرچہ دس سال تک ہو۔" اور اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا اس جوہر میں جلوہ بھی ظاہر ہو گیا۔ اور کیا ہی اچھا کہا گیا ہے۔

بہار کے موسم میں پتھر کب سرسبز ہوتے ہیں۔ مٹی بن تا کہ رنگ برنگ پھول پیدا ہوں۔ اور اس سے آپ رضی اللہ عنہ کے قول وجدی صاحب العین الکمال کے معنیٰ بھی ظاہر ہو گئے۔ یعنی میرے نانا ہر کمال کا سرچشمہ ہیں۔ اور بہت بڑے جمال کے ظہور کا سوتہ ہیں۔ پھر جب آدمی کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ثابت ہو گئی۔ وہ نور حقیقی کے جلوہ میں ہے۔ اور وہی نور تحقیقی ہے۔ اور نائب حق ہے۔ اور بلاء اور دق سے فارغ ہے اے اللہ نبی امی اور ان کی آل اور صحابہ پر رحمت نازل فرما۔ اور ہمیں آپ کی اُمت اور آپ سے منسوب ہونے والوں سے بنا۔ یہ تحریر تو خلقت کے لحاظ سے تھی۔ اور باقی رہی کمالات کی حیثیت سے اگرچہ وہ بھی پہلے بیان سے سمجھی جا سکتی ہے۔ لیکن میں اس کو ان شاء اللہ تعالیٰ تحریر کروں گا۔ اے اللہ مجھے اس میں علم زیادہ عطا فرما۔ اور مجھے میری مراد تک پہنچا۔ میں تیرے ہی نام سے مدد چاہتا ہوں۔

موج تحقیق من بحر توفیق :- جاننا چاہیئے۔ کہ عین دو قسموں کی طرف منقسم ہے۔ پہلے کا نام عین مطلق ہے۔ اور دوسرے کو عین کمال کہا جاتا ہے۔ اور کبھی عین مطلق کا نام "احدیت مطلقہ" اور عین الکمال بھی کہا جاتا ہے۔ اور ان دونوں عینوں میں سے ہر ایک میں تفصیل ہے۔ جو کلام میں طول اور مقصد میں توضیح کا تقاضا کرتی ہے۔ اور چونکہ اس قصیدہ کے بیت کی شرح میں پورا اختصار ملحوظ تھا۔ تو ہم نے ضروری پر ہی اکتفا کیا ہے۔ جو ارشاد کے طالبوں کے لئے صحیح راہ میں ضروری ہو۔ پس میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ کہ ذات بحت (خالص) اپنے نفس اور ذات کے مرتبہ میں تمام نسبتوں اور اضافتوں سے بے نیاز ہے۔ اس میں صرف اس کی ذات "من حیث الذات" ملاحظہ ہو گی۔ اور اس لئے اس کو وجود، اور وجود صرف اور غیب الغیوب اور مجہول النعت، اور ذات ساذج اور منقطع الوجدان، اور غیب ھویت اور عین مطلق کہا جاتا ہے۔ اور عین مطلق اس کا نام اس لئے رکھا جاتا ہے۔ کہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہر وجوہ سے خالی ہے۔ یہاں تک کہ اس اطلاق کے ملاحظہ سے بھی "اللہ تعالیٰ تھا۔ اللہ کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی" کا یہی معنیٰ ہے۔ اور ہر نام کے ساتھ نام رکھنے کے وجوہات اس آدمی پر مخفی نہیں ہیں جس کو فیض اقدس کی تجلی سے نور رحمانی عطا ہوا ہے۔ اور مختصر یہ کہ اس ذات اور اس حالت میں احدیت ہے۔ جو اسماء و صفات کے ملاحظہ سے بھی فارغ ہے۔ اور اسے خالص لاتعینی کہا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ لاتعینی کے ملاحظہ سے بھی۔ اور اسی لئے اس کو احدیت مطلقہ، کہا جاتا ہے۔ اس مرتبہ میں ایسی چیزوں کی حیثیت سے جن سے وجدان تعلق رکھتا ہے۔ ملاحظہ میں عدم تحقق کے باعث وجدان نہیں ہے۔ قل ھو اللہ احد اس صورت میں عروج کا بیان ہے۔ اس وحدت سے جو کہ اللہ تعالیٰ کے قول " اللہ" کے ساتھ مدلول ہے۔ جو

کا احدیتِ جمع اور تجلی اولیٰ پر دلالت کرنے والا ہے۔ اور جو تعین اول کا مقتضیٰ ہے۔ جیسا کہ معتبر لوگوں
کی بڑی بڑی کتابوں میں لکھا ہے۔ تو بس عین اصلی چشمہ ہے۔ اس میں جو کچھ ہے۔ وہ اسی صورت میں ظاہر ہو
سکتا ہے۔ کہ اس میں وہ پانی نیند کمال کی طرف جاری ہوا۔ جو اس میں ہے۔ اور جس میں صفات اور اسماء مجمل
ملحوظ ہیں۔ اور یہی تعین اول ہے۔ اور یہی حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ کہ جیسا کہ عنقریب انشاء
اللہ تعالیٰ تجھے معلوم ہو جائے گا۔ پس کمالات الٰہیہ کا ظہور تعین اول ہی سے ہوتا ہے۔ جو تمام کمالات کے لئے
جامع برزخ ہے۔ اور عین ثانی وہ ہے۔ جس سے کمالات ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا قول" اگر تو نہ
ہوتا، تو میں ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔" ظاہر ہوتا ہے۔ اور اس کے قول کی حقیقت منکشف ہوتی ہے۔ کہ اے میرے
نور کے نور، اے میرے سیتوں کے سیتے۔ اور اے میری معرفت کے خزانے۔ اور اس تعین اول، اور
علمِ مطلق اور وجودِ مطلق، اور وحدتِ حقیقت اور تجلی اولیٰ اور ظہور و بطون میں پہلا
رابطہ اور قابلیتِ اولیہ اور مقام او ادنیٰ، اور برزخِ کبریٰ اور برزخ البرازخ اور احدیت
الجمع اور حقیقتِ محمدیہ اور فلکِ الولایت کہا جاتا ہے۔ اور چونکہ اس مرتبہ میں ذاتِ صرف
تعین اولیٰ سے متعین ہوئی۔ اور اس نے اپنے نفس کو اپنے نفس سے اجمالی طور پر اسماء و صفات
سے موصوف پایا۔ تو اس کے لئے وجود اور علم ثابت ہوا۔ اور جب اس نے اپنے نور سے اپنے نفس سے مشہود
ہو کر اپنے کمال کا مشاہدہ کیا۔ اور اس طرح پر تجلی فرمائی۔ جو ظاہر ہو گیا۔ تو اس کے لئے نور اور شہود کا
مرتبہ ثابت ہوا۔ تو اس کے اس حالت میں چار مراتب ہیں۔

شہود، اور نور اور علم اور وجود!

تو ضروری ہوا۔ کہ اس بیان میں دو دائرے منسوب کئے جائیں۔ پہلا دائرہ، دائرہ لاتعین
ہے۔ اور یہ اس صورت مرقومہ کے مطابق ہے اھ

اور دُوسرا دائرہ وحدات ہے۔ جس میں یہ چاروں مراتب ملحوظ ہیں۔ اور اس کی یہ صورت ہے :-

اور اس دائرہ میں وہ کمالات ظاہر ہوتے ہیں۔ جو پہلے مرتبہ میں مخفی طور پر موجود تھے۔ کیونکہ ذات اپنے کمالات سے ازلاً و ابداً موصوف ہے۔ کلام تو صرف ظہور اور اظہار میں ہے۔ اور یہ دونوں مرتبے مرتبۂ وحدات میں متعین ہو چکے۔ اور یہی معنی ہے۔ اللہ کے قول کا کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ میں نے چاہا۔ کہ میں پہچانا جاؤں۔ تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ اور محبت و معرفت سے مراد اس کا ازلی ارادہ ہے۔ جو کمالات کے اظہار سے متعلق ہے اور برزخ محمدیہ میں صفات قدسیہ کے ظاہر کرنے کا فیصلہ کرنے والا ہے۔ کیونکہ کسی چیز کا اپنے نفس کو دیکھنے کی طرح نہیں ہے۔ پس برزخ حقیقت محمدیہ محاسن الالٰہیۃ کا مظہر اور ربوبیت کے سورجوں کا مطلع ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جیسا کہ غوثیہ میں وارد ہے۔ "کہ میں ایسا کبھی ظاہر نہ ہوا۔ جیسا کہ انسان میں ظاہر ہوا!" اور اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ میرے تمام کمالات کو جس نے امانت کے طور پر اُٹھایا۔ وہ انسان ہے۔ کیونکہ آسمان اور زمین نے اس امانت سے ان بوجھوں کو اُٹھانے سے انکار کر دیا۔ اور اس کو انسان نے اٹھا لیا۔ یقیناً وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا تھا۔ کہ اُس نے اس کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور سماوات اور فرشتے صفیں باندھ کر آئے۔ اور ان اثقال میں اپنی تدابیر کے ساتھ جاہل تھا۔ کہ وہ کس طرح اٹھائے۔ اور اس بوجھ کی اسے کب قدرت ہو گی۔ بلکہ اس نے تمام امور اللہ عزوجل کے سپرد کر دیئے۔ اور کہا۔ اللہ کے نام سے میں نے اللہ پر بھروسہ کیا۔ تو اس نے اس کو اللہ کے لئے اللہ میں اللہ کے ساتھ اٹھا لیا۔ اور اللہ کے سوا نہ تو گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ نیکی کرنے کی۔ تو اس کا شیطان پگھل گیا۔ اور اس کا ایمان طاقتور ہو گیا۔ اور اس کی دلیل غالب آ گئی۔ اور اس کی شان بلند ہو گئی۔ پس عین الکمال وہ یہی انسان ہے۔ جو وجوب اور امکان کا جامع ہے۔ اور یہی حقیقت محمدیہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ سلاماً و صلوٰۃً۔

یہ ہر بیان اور ترجمان سے فائق ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کا پہلا ظہور۔ وہ یہی چشمہ ہے۔ پھر جب حقیقت انسانیہ اس مٹی کی صورت میں نیچے اتری۔ اور اس میں اضداد جمع ہو گئیں۔ جو سفالت بشریہ کی باعث تھیں۔ تو

Scanned by CamScanner

اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف انبیاء علیہم الصلوات والسلام کو بھیجا۔ کہ وہ ان کو اس منزلت کی خبر دیں۔ پس وہ مجاہدہ میں مشغول ہوئے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی راہ دکھائے۔ تو ان کے دلوں کا آئینہ صاف ہوگیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس میں اپنے حقائق دیکھے۔ اور اپنے دقائق پر مطلع ہوئے۔ پس وہ اپنے عین کی طرف پہنچے۔ اور آرام پایا۔ یہاں تک کہ ان کی تمام میل کچیل صاف ہوگئی۔ تو ان کو اللہ تعالیٰ نے وصال کے پیالے پلائے۔ یہاں تک کہ وہ عین کمال کی طرف پہنچے۔ تو یہ معنی متحقق ہوئے "کہ محبت نے مجھ کو وصال کے پیالے پلائے۔" اور اس قول کے کہ میرے نانا صاحب عین الکمال ہیں۔ تو مطلع اور مقطع ان دونوں نسبتوں پر مشتمل ہونے کی حیثیت سے متحد ہوگئے۔ اور اس طرح فرق بھی ممکن ہے۔ کہ پہلے کی نسبت نزولیہ پر محمول کیا جائے۔ اور دوسرے کو نسبت وصولیہ پر یا بالعکس۔ پس اس کو سمجھ اور معاملہ میں باریک بینی سے کام لے۔ اور اندازے کی تحقیق کر۔ اور اس معنی کا حصول وجود ظلی سے کلی فناء کے ساتھ قدرت تامہ حاصل ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ جس وجود کو محتجب اصلی وجود خیال کرتا ہے۔ پس اس وقت وہ صاحب قدرت عبد القادر ہوجاتا ہے۔ اور اسی طرف شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے اشارہ ہے۔

وعبد القادر المشهور اسمی ⁂ وجدی صاحب العین الکمال

پھر اس جمال کی تفصیل کا بیان یعنی مرتبۂ وحدت کا۔ تو وہ واحدیت میں ہے۔ اور اس کی وضاحت تطویل کلام اور مقصد کو پوری طرح گھیرنے کی محتاج ہے۔ تو ہم نے اسی پر اکتفا کیا۔ جو مقصد میں ضروری تھا۔ اور تمام تر تعریف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ جس نے معلوم کرا کر ہماری اس طرف راہ نمائی فرمائی۔ اور قیامت کے دن تک درود ہو۔ اللہ کے رسول اور ان کی آل اور صحابہ کرام اور نائب شیخ اجل پر ⁂

توضیح معانی بوضوح تبیانی:۔ یہ تو تیرے دل میں اس کلام سے جو ہم نے شروع سے لے کر آخر تک ذکر کیا ہے۔ بیٹھ چکا ہے۔ کہ ذات بحت اور وجود صرف کو صفات میں سے کسی چیز میں ملاحظہ نہیں کیا جا سکتا۔ پس وہ مطلق ہے۔ حتیٰ کہ اطلاق کی قید سے بھی آزاد ہے۔ اور وہ غنی مطلق ہے۔ باقی رہا مرتبۂ صفات اور ان کے تعلقات کی حیثیت سے تو اس میں رابطہ کے ملاحظہ کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ مثلاً جاننے والے کا تحقق کسی چیز کے معلوم کرنے سے ہی ہوگا۔ اور اسی طرح قدرت اور ارادہ اور اس کے علاوہ دوسرے صفات ہیں۔ تو یہ وہم نہ کرنا۔ کہ اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں کی احتیاج ہے۔ اس سے خدا کی پناہ۔ کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا قول نہیں سنا کہ "اللہ غنی ہے۔ اور تم محتاج ہو۔" پس یہ تعلقات صرف کمالات و صفات کے اظہار کے لئے ہیں۔ اور حاصل یہ ہے۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کے صفات و کمالات کی حیثیت سے اس کے ثابت شدہ کمالات کی وضاحت و تحقیق ہے۔ اور یہ استکمال نہیں ہے۔ بلکہ کمال کا بیان ہے۔ جیسے کہ اس کی طرف اللہ تعالیٰ کے قول سے اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ "میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ تو میں نے چاہا۔ کہ میں پہچانا جاؤں۔" پس یہ سخاوت اور فیض قدسی کا اظہار ہے۔ اور یہ تو کسی پر مخفی نہیں ہے۔ کہ سخاوت کو ایسے آدمی کی طرف نسبت ہے۔ کہ جس پر سخاوت کا اظہار ہو سکے۔ کیا تو نہیں دیکھتا۔ کہ ایک سخی بادشاہ جب مخلوق پر سخاوت کرنا چاہتا ہے۔ تو ان کو بلانا

ہے۔ تاکہ ان پر مال اور خزانے خرچ کرے۔ تو اس کے اس ارادہ اور سخاوت کو نقیروں کی طرف محتاجی نہیں سمجھا جاتا بلکہ وہ نسبت سخاوت کا بیان ہے۔ جس کا وقوع اس نقیروں کی جماعت کے حاضر ہونے پر موقوف ہے۔ تو یہ نہ کہا جائے گا۔ کہ وہ ان کا محتاج ہے۔ اور ان سے کمال حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بلکہ کہا جائے گا۔ کہ وہ غنی ہے۔ اور ان پر خرچ کرنے والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کا یہی معنی ہے کہ" اللہ بے نیاز ہے۔ اور تم محتاج ہو" وہ محض اپنے فضل سے تم پر انوار و اسرار کے خزانے خرچ کرتا ہے۔ اور اس سے وہ مقولہ مضمحل ہو گیا۔ جو کہا جاتا ہے۔ کہ اس ایجاد سے جو اللہ کے قول " کہ میں نے چاہا۔ کہ میں پہچانا جاؤں" سے پھیلی ہے۔ یہ لازم آتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنا کمال حاصل کرنے میں مخلوق کا محتاج ہے۔ اور یہ صاف کفر اور جھوٹ ہے۔ اور اضمحلال کی وجہ یہ ہے کہ وہ ارادہ ازلیہ کے ساتھ سخاوت کی نسبت کا تحقق ہے۔ نہ کہ مخلوق کی طرف محتاجی۔ اس پر غور کر اور باریک بینی سے کام لے۔ یہاں تک کہ تو اندھیروں سے روشنی کی طرف نجات پا جائے۔ اسی لئے شیخ اجل رضی اللہ عنہ و ارضاہ عنا نے فرمایا۔ وجدای صاحب العین الکمال۔ یعنی میرے نانا کے ساتھ کمال ظاہر ہوا جیسے کہ چشمے سے پانی ظاہر ہوتا ہے۔ پس پانی کو چشمے کی محتاجی نہیں ہے۔ بلکہ چشمے کا شرف ہے۔ کہ اس میں پانی ظاہر ہوا ہے۔ تو اس صورت میں آپ رضی اللہ عنہ کے قول وعبد القادر المشہور اسمی کا معنی اس طرح ہوگا۔ کہ قدرت حقیقیہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے میرے اندر ظاہر کرنے سے مجھے مشرف فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا گرویدہ شدہ غلام بن گیا۔ اور اس کے اسرار و انوار سے بھر گیا۔ تو میں قدرت سے بھرا ہوا ہوں جیسے چشمہ پانی سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ تو میں اس قدرت کاملہ کا چشمہ ہوں۔ اور اس کی صفت شاملہ کا غلام ہوں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آپ نے اس صفت شہرت سے اپنی صفت بیان کی ہے۔ یعنی میں کمال ظہور قدرت کی وجہ سے اس نسبت سے مشہور ہوا ہوں۔ جیسا کہ میرے نانا کمال اور کمالات کلیہ و جزئیہ قدسیہ الاہیہ کے ظہور کی وجہ سے مظہر اتم سے مشہور ہیں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر اتم اور مورد فیض اعم ہونے کی تقریر پہلے کئی دفعہ گزر چکی ہے۔ اور غوثیہ میں ہے۔" میں اس جیسا کہیں ظاہر نہیں ہوا۔ جیسا کہ انسان میں ظاہر ہوا ہوں۔" انسان میرا ستر ہے۔ اور میں اس کا ستر ہوں۔ اور اس کی تحقیق اس آدمی کے لئے بیان سے بے نیاز ہے۔ جس کے دل کا آئینہ صاف ہو چکا ہے اور جس کے دل کے آئینے پر غبار ہے۔ اسے نہ سونا فائدہ دے سکتا ہے۔ نہ چشمہ۔ اور ہم نے عبد القادر کا معنی پہلے بیان کر دیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسم قادر پر قائم ہیں۔ اسی پر آپ کے قوت کا ظہور ہے۔ اسی سے آپ کی ابتدا ہے۔ اور اسی نشور ہے۔ پس شیخ اجل رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نسبت معنویہ کے بیان فرما رہے ہیں۔ جو کہ اُن کے نانا یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسم قادر سے تربیت حاصل کی ہے۔ یہاں تک کہ آپ کے کمال کا سرچشمہ بن گئے۔ اور میں آپ کے قدموں کے نشانات پر آپ کے زیر سایہ عبد القادر ہوں۔ پس میں عبد القادر ہوں میری نسبت میرے نانا کی نسبت سے حاصل شدہ ہے۔ جو کہ قدرت کاملہ اور قوت شاملہ کے باب میں کمالات

کا سرچشمہ ہیں۔ پس تمام کمالات آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں ندرت کی حیثیت سے ظاہر ہوئے۔ جیسا کہ اللہ عزّ وجل نے اس کو اپنے قول وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ میں بیان فرمایا۔ پس وجود فانی سے کوئی چیز باقی نہیں رہی ہے۔ مگر وجود حقیقی کے ساتھ تحقق۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ہے۔ پس آپ کے قول وعبد القادر المشہور اسمی کا معنی اس صورت میں یہ ہوگا۔ کہ میں ظاہر میں اس نام اور خطاب سے مشہور ہوں۔ اور تمام مخلوق مجھے اسی نام سے پہچانتی ہے۔ لیکن میرے اپنے وجود کا کوئی ذرّہ بھی باقی نہیں رہ گیا ہے۔ بلکہ اس کی حقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات حقیقت بن گئی ہے۔ گویا کہ وہ وہی ہے۔ جیسا کہ اس شیخ نے ربانی نسبت کے بیان میں فرمایا۔ جو سیدالطائفہ ہیں۔ یعنی جنید بغدادی نے کہ بندے کا ظاہر بندہ ہے۔ اور اس کا باطن رب ہے۔ اور یہ اہل طریقت کا قاعدہ ہے۔ کہ وہ فنا اور بقا اس سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کو وہی جان اور سمجھ سکتا ہے۔ جو صفائی حاصل کر کے صاف ہو چکا ہے۔ جس نے نہ چکھا اور نہ جانا۔ اور مضبوط علم والے کہتے ہیں۔ ہم اس پر ایمان لائے۔ یہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں ٹیڑھ ہے۔ وہ صرف ظنّ کی پیروی کرتے ہیں۔ اور بات نہیں سمجھتے۔ اور دوسرے قصائد میں شیخ اجل رضی اللہ عنہ نے اس نسبت کے بیان کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ پس فرمایا۔" اللہ کے مردوں میں سے کون ہے۔ جس نے میرے مرتبہ کو پایا۔ اور میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل میں میری تربیت فرمائی ہے۔" پس شیخ اجل رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے اور ان کے ظاہری و باطنی وارث ہیں۔ پس آپ حقیقی بیٹے ہیں۔ اور آپ کے قول کا یہی معنی ہے۔ کہ" بیٹا اپنے باپ کا ستر ہے۔" اور اسی طرف آپ نے اپنے کلام عزیز میں اشارہ فرمایا ہے۔ کہ میرے پاس سست قدموں سے نہ آؤ۔ بلکہ قوت کے قدموں سے آؤ۔ اور نسبت صحیح وہ کہ جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ وہ پرہیزگاری کا نسب ہے۔ تو آپ نے کہا۔ کہ" میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور میں عبد القادر ہوں۔ میرا وقت اور میری رفعت ہمیشہ ہے۔" اور ایک اور قصیدہ میں فرمایا ؎

انا علیٰ قدم المختار عین سری + سر السرائر تذکاری ولذاتی

اور ایک اور قصیدہ میں ہے :-

" میں قادر الوقت ہوں۔ میں خواہش کا بادشاہ ہوں۔ میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ میری نسبت ہے۔" اور ایک اور قصیدہ میں فرمایا۔" پس عبد القادر میرا نام ہے۔ میں نے منزلت کو پا لیا۔ اور میرے نانا مصطفیٰ میرے روح اور میرے محبوب ہیں۔ تو اس میں آپ کے قول وجدی صاحب العین الکمال میں اس طرف اشارہ ہوگا۔ کہ میری زندگی اور میرے معنی نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں۔ پس یہی وہ حیات طیبہ ہے۔ کہ جس کو وہی آدمی جانتا ہے۔ کہ جس کو اللہ تعالےٰ

Scanned by CamScanner

نے یہ قسمت کی ہو۔ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں۔ جس نے نورِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دِلوں کو زندہ کر دیا۔ اے اللہ ہمارے سردار محمد پر صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ جو جلال و جمال کے مظہر ہیں۔ اور ذات و صفات کا آئینہ ہیں مشاہدات کا مخزن ہیں۔ اور بندوں کا سبب الاسباب تک پہنچانے والے ہیں۔ اور ان کی آل و صحابہ پر اور برکت و سلام اتنے نازل فرما۔ کہ جتنا تیرے معلومات کی تعداد کو اگر سمندروں کے قطروں کے اعداد سے اور درختوں کے پتوں اور بارش کے بادلوں سے ضرب دی جائے۔ اور پھر ہر ضرب قرآن مجید کے حروف اور آیات و حرکات و سکنات اور عجمات اور نقاط اور اس کے معانی و مبانی اور اس کے اسرار در اسرار و انوار اور اس کے قاریوں اور حافظوں اور مفسرین اور معبرین کی تعداد کے برابر ہو۔ اے اللہ میرے دل اور میرے روح اور میرے سِرّ کو اپنے انوار اور اپنے حبیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اہل تقویٰ اور آپ کی آل اہل الرضاء اور آپ کے نائب شیخ اجل سلطان محی الدین عبد القادر حسنی جو صفائی کی تمام منازل میں سے ہر منزل میں مقتدای اور مہتدای ہیں۔ کے انوار سے منور کر دے۔ اور مجھے علم اور عمل اور اخلاص زیادہ عطا فرما۔ اور مجھے طریقۂ قادریہ کے حقائق سے آگاہ فرما۔ جس کو اے اللہ تو نے بلند کیا۔ اے اللہ جیسے تو نے مجھے فاضل نام سے مشرف فرمایا ہے۔ ویسے ہی میرے دل کو طریقۂ علیہ عالیہ کی باطنی فضائل سے روشن کر دے۔ جو کہ سدرۃ المنتہیٰ اور آخری آرزو ہے۔ اے اللہ اے رب تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اور قبول کرنے کے لائق ہے۔

ختم کتاب بالصواب

یہ کتاب بیان الاسرار قصیدہ غوثیہ کے بیان میں ہے۔ جو کہ بڑے شیخ سے متواتر منقول ہے۔ جو سید المختار کے نائب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درختوں کے پتوں، اور سمندروں کے قطروں کی تعداد کے برابر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ اس قصیدہ کا نام اس علاقہ میں قصیدہ خمریہ ہے۔ اس کی شرح اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ غوث محی الدین سے ہدایت پانے والے کے سینہ کو روشن کرے۔ سید ابو الفتح محمد فاضل الدین نے اللہ تعالیٰ کی کمال عنایت سے بحرمت محمد عارف جو کہ اس طرح معروف ہیں۔ کہ آدم اور ان کے نیچے کے تمام انبیاء ان کے جھنڈے کے ماتحت ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم لکھی ہے۔

اے اللہ جیسے تو نے اس شرح کے ساتھ میرے سینہ کو کھولا ہے۔ اسی طرح اس شرح اس کے آدمی کے نزدیک مقبول بنا۔ جس کو اللہ بلند بڑے سے نسبت ہے۔ بحرمت کٓھٰیٰعٓصٓ۔ عٓسٓقٓ۔ طٰسٓمٓ۔ حٰمٓ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

اس کے پورا ہونے پر اللہ تعالیٰ ہی کی تمام تر تعریف ہے۔ اور درود ہو لوگوں کے سردار اور ان کی آل اور صحابہ کرام اور آپ کے نائب سیدنا ابو محمد سید عبد القادر محی الدین پر۔ اے بزرگی اور عزت کے مالک آمین۔ آمین۔

جان لو۔ کہ جو کچھ اس عاجز بندے نے اس بلند قدر شرح میں لکھا ہے۔ یہ سب نادر واردات ہیں۔ اور اگر کسی جگہ کوئی قصور واقع ہوا ہو۔ تو وہ میری استعداد کا قصور ہے۔ پس اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے میری راہ نمائی طلب کریں۔ صفائی میں کامل بھائیوں سے میرے بگاڑ کی اصلاح کی آرزو ہے۔ کیونکہ بادشاہوں کے کلام کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ کلام کا بادشاہ ہے۔ اے اللہ تعالیٰ کو جاننے والو اپنی نظر کو باریک کرو۔ اور ان انوار سے اپنے اسرار کا اقتباس کرو۔ یہاں تک کہ تمہیں اپنے اطوار معلوم ہو جائیں یہ میں نے مختصر طور پر لکھا ہے۔ اور میرا دل شیخ کے انوار سے اس سے بہت زیادہ روشن ہوتا تھا۔ وہ ایمان داروں کا دوست ہے۔ ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے۔ اے میرے بھائیو اس کے دقائق ہیں۔ میں نے اس کو اختصار پر لپیٹ دیا ہے۔ جس آدمی کو زیادہ کی طلب ہو۔ اُسے ضروری ہے۔ کہ اس میں دقیق نظر سے غور کرے۔ اور وہی اللہ ہے۔ جس نے ہمیں علم لدنی سکھایا۔ اور سیدھے راستے کی راہ نمائی فرمائی پس چاہیئے کہ کلام کا خاتمہ اسلام کے کلمہ پر ہو۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ط اللہ ان پر اور ان کی آل پر اور

ہمارا پر اپنی معلومات کی تعداد کے برابر رحمتیں نازل فرمائے۔ اللہ۔ اللہ۔ اللہ۔ مُحمّد۔ مُحمّد۔ مُحمّد۔
مُحی الدّین، مُحی الدّین۔ مُحی الدّین یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ۔ اے رسول اللہ
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نائب ان پر درود ہو مع ان کی آل و صحابہ اور نائبوں کے یہ تعداد اللہ تعالیٰ کی معلومات
کے وہ بہترین توفیق دینے والا ہے۔ اور بہترین مددگار ہے مجھے اللہ کافی ہے۔ اور اچھا کارساز ہے۔ وہ اچھا
مالک ہے۔ اور اچھا مددگار ہے۔ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں یا لغزش کر جائیں۔ تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔
تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اے قبول کرنے والے تو قبول کرنے کے لائق ہے۔ لائق ہے۔ لائق ہے ۞

تمّت بالخیر